فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الهند

(جلد ۱۵)

المجلد الخامس عشر

بقية الطلاق، الرجعة، البائن، الطلاق بالكتابة

الطلاق الثلاث الشهادة فى الطلاق، الحلالة

۶۴۶۳ ——— ۶۹۰۲

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الهند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

بحق صاحبِ فتاوی شبیر احمد القاسمی 09412552294

بحق مالک مکتبہ اشرفیہ دیوبند 09358001571

01336-223082 08810383186

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الہند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

فہرست مضامین

١٧/ بقية كتاب الطلاق

١٤/ باب الرجعة

۱۵/ باب طلاق البائن

۱۶/ باب الطلاق بالکتابة

۱۷/ باب الطلاق الثلاث

مطلقہ خواتین کے مسائل کا تحقیقی جائزہ

طلاق غضبان اور طلاق بدعی کا تحقیقی جائزہ

❒ ۱۸/ باب الشهادة في الطلاق ❒

۱۹/ باب الحلالة

۱۷/بقية كتاب الطلاق

(۱۴) باب الرجعة

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

نباہ کے دشوار ہونے کی صورت میں ایک طلاق رجعی دینا

سوال [۶۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا رشتہ ایک جگہ گیا وہاں پر رشتہ منظور ہوگیا، میرے سسر کا نام منشی سعید ہے، ان کی چار لڑکیاں ہیں، اس میں بڑی والی شادی شدہ ہے اور تین لڑکیاں غیر شادی شدہ ہیں، میرے گھر والوں کو جو لڑکی دکھائی گئی تھی، وہ لڑکی بہت خوبصورت اور قرآن شریف پڑھی لکھی تھی اور دیندار بھی تھی، لڑکا ان تمام باتوں سے لاعلم تھا، لڑکا اپنے بھائی بھاوج کے بھروسہ پر تھا کہ جو وہ لوگ کرینگے میرے لئے بہتر کریں گے؛ لیکن شادی والے دن میرے ساتھ لڑکی کے ماں باپ وغیرہ نے بہت بڑا دھوکا کیا، جو لڑکی ہمارے گھر والوں کو دکھائی گئی تھی اس کو چھپا کر دوسری لڑکی جو کہ بالکل جاہل اور ان پڑھ اور دینداری سے بالکل ناواقف ہے اور قرآن شریف بھی پڑھی ہوئی نہیں ہے، چہرے پر داغ دھبے وغیرہ ہیں، داغ دھبے والی لڑکی سے لاعلمی میں میرا رشتہ ہوگیا ہے جیسا کہ میں نے اپنے گھر والوں سے اس لڑکی کی تعریف سنی تھی، میں نے ایسا بالکل نہیں پایا ہمارے گھر پر لڑکی تقریباً ۲۵/دن رہی اس سے ہم بستری بھی ہوئی ہے کچھ دنوں کے بعد جب لڑکی بدلنے کی حقیقت میرے علم میں آئی تو میرا دل اس لڑکی کی طرف

سے پھر گیا اور اب مجھے اس لڑکی سے اور لڑکی کے گھر والوں سے کافی نفرت ہوگئی ہے۔ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ قانون شریعت کیا حکم دیتا ہے؟

المستفتی: محمد داؤد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر واقعی لڑکی والوں نے لڑکی دکھانے اور نکاح میں دھوکہ دہی کا معاملہ کیا ہے اور لڑکے کو مذکورہ لڑکی کے ساتھ حدود اللہ کو قائم رکھتے ہوئے زندگی گذارنا دشوار نظر آرہا ہے، تو لڑکے کو اختیار ہے کہ وہ مذکورہ لڑکی کا مہر ادا کر کے ایک طلاق دے کر علیحدہ کردے اور کسی مناسب لڑکی سے نکاح کر کے باعصمت زندگی گذارے۔

عن إبراهيم قال: كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة، ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض. (مصنف ابن أبي شيبه، كتاب الطلاق، باب مايستحب من طلاق السنة و كيف هو؟ جديد مؤسسه علوم القرآن٩/١٢ه، رقم: ١٨٠٤٠، مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب وجه الطلاق وهو طلاق البدعة والسنة، المجلس العلمي بيروت٦/٣٠٢، رقم: ١٠٩٢٦)

أما الأحسن: أن يطلقها واحدة في وقت السنة، ويتركها حتى تنقضي العدة. وفي الكافي: وروي عن إبراهيم أن أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم كانوا يستحبون أن لا يزاد في الطلاق على واحدة حتى تنقضي العدة، وهذا أفضل عندهم. (تاتارخانية، زكريا ٤/٣٧٨، رقم: ٦٤٧٢)

أما الطلاق السني في العدد (إلى قوله) فالأحسن أن يطلق امرأته واحدة رجعية في طهر الخ. (فتاوى عالمگيري، قديم زكريا ١/٣٤٨، جديد زكريا ١/٤١٥)

ويجب لوفات الإمساك بالمعروف. (الدر المختار، كراچي ٣/٢٢٩، زكريا٤/٤٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ رشوال المکرّم ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۹۸۵/۲۶)

نبھاؤ کی شکل نہ بن پارہی ہو، تو ایک طلاق کے ذریعہ علیحدگی کافی ہے

سوال [۶۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رخسانہ کے ساتھ نعمت اللہ کا نکاح ہوا، چند مہینوں کے بعد دونوں میں لڑائی شروع ہوگئی، رخسانہ کسی جگہ نوکری کرتی ہے اور نعمت اللہ بھی دوسری جگہ نوکری کرتا ہے، رخسانہ شادی کے بعد بھی اپنے میکہ میں رہتی ہے، نعمت اللہ کا کہنا ہے کہ تم غیر مرد سے بات چیت نہ کرو، ہاں جو تمہارے آفس کا فون ہو یا آفس کا کوئی آدمی آفس کے کام سے ملتا ہو تو ملو؛ لیکن پردہ ملحوظ رکھو بار بار سمجھانے کے باوجود رخسانہ آفس کے لوگوں کے علاوہ بھی دوسرے لوگوں سے میل جول رکھتی ہے، فون پر بھی بات کرتی ہے اکثر فون بزی ملتا ہے، حد یہ ہے کہ معتبر ذرائع اور خود بھی دیکھا ہے کہ غیر مردوں سے اس طرح گفتگو کر رہی ہے، جو خاص شوہر کے ساتھ ہی ہوسکتی ہے، نعمت اللہ بات ختم کرتا رہا یہاں تک کہ ایک بچی پیدا ہوگئی، سوچا بچہ کے بعد سدھر جائے گی؛ لیکن اور زیادہ ضد اور تجاوز پر اتر آئی، حد یہ ہے کہ رات کے وقت چھری اور چاقو لے کر نعمت اللہ کو مارنے کا ارادہ کیا؛ جبکہ نعمت اللہ سویا ہوا تھا؛ لیکن بلب کی روشنی ہونے پر اور کچھ آواز کے پیدا ہونے سے بیدار ہوگیا، تو رخسانہ نے کہا آج میں تجھ کو ختم ہی کردوں تاکہ معاملہ صاف ہوجائے، تو کیا مذکورہ بالا صورت میں شریعت محمدی کے نقطۂ نظر سے نعمت اللہ کے لئے رخسانہ کا رکھنا جائز ہے یا طلاق دیدے؟ قرآن وحدیث اور مسلم لاء کے تحت بحوالہ جواب مرحمت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: نعمت اللہ، دربھنگہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر میاں بیوی کے درمیان نباہ کی شکل نہ بنے تو شوہر کو اختیار رہے کہ شرعی طور پر طلاق دے کر الگ کردے اور علیحدگی کے لئے تین طلاق

لازم نہیں ہے؛ بلکہ ایک طلاق سے بھی مقصد حاصل ہوجاتا ہے اور ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، عدت گزرنے کے بعد خود بخود آزاد ہوجائے گی، پھر دونوں اپنے اپنے پسند کی شادی کرسکتے ہیں اور اگر دونوں کو سمجھ میں آجائے تو آپس میں شادی کی گنجائش باقی رہے گی۔

عن إبراهيم قال: كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة، ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض. (مصنف لإبن أبي شيبه، كتاب الطلاق، باب مايستحب من طلاق السنة و كيف هو؟ جديد مؤسسه علوم القرآن٩/٥١٢، رقم:١٨٠٤٠، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت٦/٣٠٢، رقم:١٠٩٢٦)

أما الأحسن: أن يطلقها واحدة في وقت السنة، ويتركها حتى تنقضي العدة. وفي الكافي: وروي عن إبراهيم أن أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم كانوا يستحبون أن لا يزاد في الطلاق على واحدة حتى تنقضي العدة، وهذا أفضل عندهم. (تاتارخانية، زكريا٤/٣٧٨، رقم:٦٤٧٢)

أحسن الطلاق في ذوات القرء أن يطلقها طلقة واحدة رجعية في طهر لاجماع فيه ولا طلاق ولا في حيضة طلاق لاجماع ويتركها حتى تنقضي عدتها ثلاث حيضات إن كانت حرة، و إن كانت أمة حيضتان. (بدائع الصنائع بيروت٤/١٨٦، زكريا٣/١٤٠)

فإن طلقها ولم يراجعها؛ بل تركها حتى انقضت عدتها بانت. (بدائع الصنائع بيروت٤/٣٨٧، زكريا٣/٢٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شوال المکرم ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۲۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۰/۱۴۳۴ھ

دومرتبہ طلاق کے بعد کنائی الفاظ استعمال کرنا

سوال [۶۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شخص نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو دو طلاق دی علی الاعلان؛ لیکن نیت ایک ہی طلاق کی تھی غصہ میں اور مجلس کے جوش میں دو بار کہہ دیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد جب لوگوں نے اس شخص کو سمجھایا تو اس نے کچھ کنایات کے الفاظ کہے کہ میں اس کو نہیں رکھوں گا، یہ کہیں بھی جائے کچھ بھی کرے، مگر میں اس کو نہیں رکھوں گا، یہاں تک میں بتاؤں قسم کھا جاؤں میں اس عورت کو کسی بھی حال میں نہیں رکھوں گا چاہے دنیا ایک طرف ہو جائے اور چاہے مجھ کو پھانسی دیدی جائے، مگر میں اس عورت کو نہیں رکھوں گا، ایسے اور بھی بہت سے الفاظ کہے، مگر نیت طلاق کی نہیں تھی، یہ سب الفاظ غصہ میں کہے اور یہ ارادہ پورا تھا کہ اس کو اب رکھوں گا نہیں، اس کا حساب وکتاب کر دوں گا؛ بلکہ نہ رکھنے کا ارادہ مکمل تھا، اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں؛ لیکن یہ ارادہ نہیں تھا کہ اس کو ابھی تینوں طلاق دیدوں، پھر جب رات آئی تو بیوی نے شوہر سے معافی مانگی، اس وقت بھی شوہر نے وہی الفاظ کہے کنایات کے جو اوپر لکھے ہیں اور ٹھیک اسی طرح وہ الفاظ کہے کہ میں تجھے نہیں رکھوں گا کہیں بھی جا کچھ بھی کر وغیرہ الفاظ کہے؛ لیکن اس وقت یہ بھی کہا کہ ابھی تک تو دو الفاظ کہے ہیں اور اگر تم زیادہ ضد کروگی اور جو ایک باقی ہے، وہ کہہ دیا تو بات خراب ہو جائے گی، اس سے اچھا ہے کہ تم خاموش رہو، پھر جب بیوی نے دیکھا شوہر اب کسی طرح ماننے گا ہی نہیں، تو بیوی نے کہا اچھا تم کو نہیں رکھنا ہے، تو پھر میں زندہ رہ کر کیا کروں گی اور بیوی بستر سے اٹھ کر کھڑی ہوئی اور جان کھونے کی دھمکی دیکر چلی، پھر شوہر نے بیوی کو روکا بیوی شوہر کو لپٹ گئی، شوہر کو کچھ ہمدردی آئی اور بیوی کو معاف کر دیا اور اسی وقت بیوی سے صحبت بھی کی، بیوی حمل سے بھی ہے شوہر کے گھر پر ہی ہے، شوہر نے جہاں جہاں کنایات کے الفاظ ادا کئے ہیں، وہاں پر طلاق کی نیت بالکل نہ تھی؛ بلکہ عورت کو نہ رکھنے اور حساب وکتاب کر کے اس کے گھر روانہ کرنے کا ارادہ مکمل تھا، یہاں تک کہ شوہر نے بیوی کے گھر فون کر کے کہہ دیا کہ تم لوگ چلے آؤ اور اپنا حساب کرلو، میرا اس عورت کے ساتھ اس طرح نہیں نپٹے گا؛ لیکن اب شوہر اس کو رکھنا چاہتا ہے،

بیوی شوہر کے گھر پر ہی ہے، حضرت والا سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ پر غور کرکے بہت جلد جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شریف ابن صدیق قریشی، ہردوئی (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کو شروع سے اخیر تک پڑھ کر اچھے طریقے سے غور وخوض کیا گیا ہے، اس سوال نامہ کے مطابق مذکورہ واقعہ میں بیوی پر صرف دوطلاق رجعی واقع ہوئی ہیں، جن کا سوال نامہ کے شروع میں تذکرہ ہے اس کے بعد جتنے الفاظ کنایہ استعمال کئے ہیں، ان میں سے کسی سے بھی کوئی دوسری طلاق واقع نہیں ہوئی ہے اورسوال نامہ میں صاف ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی لفظ سے اس نے طلاق دینے کی نیت نہیں کی ہے، اس کی دلیل سوال نامہ کا آخری حصہ ہے، اس میں صاف طور پر ذکر ہے کہ دو طلاق دیدی گئی ہیں، اگر زیادہ جھگڑا بڑھ گیا تو جوایک باقی ہے وہ بھی ہوسکتی ہے، اس لفظ نے مسئلہ کو صاف کردیا ہے کہ جتنے بھی کنایہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں ان میں سے کسی سے طلاق کی نیت نہیں کی ہے؛ بلکہ پہلے جو دومرتبہ طلاق دی ہے اس کی خبر دیتے ہوئے ڈانٹ ڈپٹ کرر ہا ہے؛ اس لئے مذکورہ واقعہ میں صرف دوطلاق رجعی واقع ہوئی ہیں اورسوال نامہ میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ اسی رات دونوں میں ہمبستری بھی ہوگئی ہے؛ لہٰذا اس ہمبستری کے ذریعہ سے ساتھ ساتھ رجعت بھی ہوگئی ہے۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولابها، كقوله أنت طالق، أنت طالق.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح،زكريا٤/٤٦٣، كراچي٣/٢٥٢)

والكنايات ثلاث ما يحتمل الرد، أو مايصلح للسب أولا ولا فنحو اخرجي واذهبي وقومي. وتحته في الشامية: وقومي أي من هذا المكان لينقطع الشر، فيكون رداً. (شامي، زكريا ٤/٥٢٨، ٥٢٩، كراچي ٣/٢٩٨)

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم

فـذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان. قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيـه الـرجـعة، فإذا طلق واحدة أو ثنتين، فإما أن يمسک ويراجع بمعروف وإمـا يسـكـت عـنهـا حتـى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن کبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ۱۱/ ۲۸۱، ۲۸۲، رقم: ۱۵۵۳۹)

إذا طـلـق الـرجـل امـرأتـه تطليقة رجعية، أو ثنتين له أن يراجعها في عدتها. (هـداية، اشرفي ديو بند ۲/ ۳۹٤، مختصر القدوري، امداديه ديوبند ۱۷۷، زكريا قديم۱/ ٤۷۰، جديد ۱/ ۵۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ / جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۴۰۴/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۱۴ھ

ایک طلاق رجعی

سوال [۶۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے لڑکے نے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ طلاق دینے کا لفظ کہا اور وہ مکان سے باہر چلا گیا، یہ بات اس کی بیوی کے سامنے کی ہے اور وہاں کوئی آدمی نہیں تھا اور نہ ہی کوئی برادری پڑوس کا تھا جہاں بیوی کے ساتھ رہتے تھے لڑکی کی ماں تھی۔

اس کے بعد لڑکا اپنی خالہ صاحبہ کے گھر گیا جہاں اس کے ماں باپ موجود تھے اور لڑکے نے اپنی ماں سے کہا میرا فیصلہ کرا جانا، میں نے ان کا فیصلہ کر دیا ہے طلاق کا کوئی ذکر نہیں کیا، باپ اور ماں سے صرف یہ لفظ سنا ہے کہ خدا گواہ ہے آگے جیسے ہو لڑکا باہر جا رہا ہے، ساتھ رہو لڑکی کے رشتہ داروں نے کہا راستہ روک کر کیوں رے؟ تو کیا کر رہا ہے لڑکے نے کہا اس کا نکاح ماں کے ساتھ ہو گیا، اب وہاں لڑکے کے تایا انیس احمد، رشید احمد نے بات بنائی کہ برادری کے سامنے لڑکے نے ماں پر شبہہ کیا ہے؛ جبکہ اس کی بیوی ان گواہ کے سامنے نہیں ہے،

بیوی کے سامنے کا واقعہ تو اوپر لکھا ہوا ہے، اس کی بیوی کا مکان اور خالہ کا مکان ۱۰۰ ارگز کے فاصلہ پر ہے، آپ مہربانی فرما کر شریعت کا فیصلہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: غلام وارث، ٹیکر صاحب، بوتھ ۱۵۰۶، سیکٹر ۶ ۳ / چنڈی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور لڑکے نے صرف ایک مرتبہ طلاق کا لفظ زبان پر جاری کیا ہے اور اس کی خالہ کے گھر جا کر خبر دی ہے کہ اس کا فیصلہ کر دیا ہے اور تین مرتبہ لفظ طلاق استعمال کرنے پر شرعی عینی گواہ موجود نہیں ہیں، تو مذکورہ صورت میں بیوی پر صرف ایک طلاق واقع ہوئی ہے، عدت کے اندر رجعت اور بعد عدت نکاح کی گنجائش ہے۔

عن عبد الله و عن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم-إلى قوله-الطلاق مرتان، قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين، فإما أن يمسک ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن کبریٰ للبیهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨١، ٢٨٢، رقم: ١٥٥٣٩)

صريحه مالم يستعمل إلا فيه ولو بالفارسية كطلقتک، وأنت طالق، ومطلقة، ويقع بها واحدة رجعية، وإن نوى خلا فها. (تنوير الأبصار مع الدر، كتاب الطلاق، باب الصريح، کوئٹه ٢/ ٤٦٦، كراچي ٣/ ٢٤٧-٢٤٩، زكريا ٤/ ٤٥٧-٤٦٠)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، باب الرجعة اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۹۳۶/۲۶)

ایک طلاق رجعی دینا

سوال [۶۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام محمد راشد ہے، میری بیوی ناظمہ پروین اپنی ماں کے یہاں رکی ہوئی ہے؛ لہٰذا میرے بڑے بھائی صبح الدین ان کو سمجھانے گئے، ان کے سمجھانے پر ناظمہ پروین آنے کو راضی ہوگئیں تھیں؛ لیکن کچھ لوگوں کی وجہ سے یہ کام دوسرے دن پر رکھا گیا، دوسرے دن کو جب میں اور میرے بھائی صبح الدین ان کے پاس پہونچے تو وہ آنے کو بالکل راضی نہ ہوئیں بہت سمجھایا؛ لیکن وہ قطعی راضی نہ ہوئیں؛ بلکہ ان کی طرف سے طلاق نامہ تیار ہوگیا جس پر میں محمد راشد نے مجبور ہوکر دستخط کردیئے اور میں نے ان سے یہ کہا کہ تمہارے کہنے پر صرف ایک مرتبہ لفظ طلاق ادا کررہا ہوں اور اب بھی شرع میں بہت گنجائش چھوڑ کر جارہا ہوں، اگر اب بھی تمہارے دماغ میں آجائے تو آجانا۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بتادیجئے کہ اگر ناظمہ پروین آنا چاہیں تو آسکتی ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد راشد، کمبل کا تازیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر طلاق نامہ میں طلاق کی تعداد مذکور نہیں ہے اور محمد راشد نے خط کشیدہ الفاظ بھی کہے ہیں تو راشد کی بیوی پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے، اس کو عدت کے اندر اندر رجعت کرکے بیوی بنا کر رکھنے کا حق ہے۔

عن ابن المسيب أن علي بن أبي طالبؓ، قال: إذا طلق الرجل امرأته فهو أحق برجعتها حتى تغتسل من الحيضة الثالثة في الواحدة والثنتين.

(السنن الكبرىٰ للبيهقي العدد، باب من قال: الأقراء الحيض، دار الفكر بيروت ۱۱/۳۷۷، رقم: ۱۵۷۹۹)

إذا طلق الرجل امرأته تطلقية رجعية أو تطليقتين، فله أن يراجعها

فـي عـدتها رضيت بذلک، أو لم ترض. (فتاوی عالمگيري، مطبوعة کوئٹه ۱/ ۴۷۰، زکریا۱ /۵۳۳، هداية اشرفی دیوبند ۲/ ۳۹۴، مختصر القدوري امدادية دیوبند ۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍ ۹۰۷)

دوطلاق رجعی

سوال [۶۴۶۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بھورے علی عمر ساٹھ سال گاؤں کمال پور کے رہنے والے ہیں، جنہوں نے اپنی زوجہ افسری بیگم عمر پچاس سال کو دو بار لفظ طلاق کہا، دو بار طلاق کہنے پر طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کیا کرنا پڑے گا؛ لہٰذا آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: معشوق علی کٹگھراڑ پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں دوطلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں عدت کے اندر اندر رجعت کرکے میاں بیوی جیسی زندگی گذار سکتے ہیں۔

عن عبد الله و عن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير–إلى قوله–الطلاق مرتان، قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق امرأته واحدة أو ثنتين، فإما أن يمسک ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها.

(سنن کبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ۱۱/ ۲۸۲، رقم: ۱۵۵۳۹)

وقعتا رجعيتين لو مدخولا بها كقوله أنت طالق، أنت طالق الخ
(الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٣/ ٢٥٢، زكريا ٤/ ٤٦٣)

أنت طالق، أنت طالق فيقع رجعيتان إذا كانت مدخولا بها. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۶۱۵)

دو طلاق رجعی

سوال [۶۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری یعنی میری بیوی کے درمیان بات چیت ہورہی تھی اور لڑائی چل رہی تھی میں نے اسی دوران کہا کہ میں آج تیرا شام تک فیصلہ کردوں گا، مجھے کسی کام سے نگینہ جانا تھا، میری بیوی نے کہا کہ جو کام شام کو کرنا ہے ابھی کردو، تو میں نے کہا کہ شام تک تو میرے گھر سے چلی جا ورنہ تیرے اوپر تینوں طلاق اور یہ بھی کہا میں نے تجھے طلاق دی، تو یہاں سے چلی جا، اسی دوران میری بیوی نے میرے منھ پر ہاتھ رکھا اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کہ کون سے الفاظ نکلے اور کون سے رہ گئے، میرا ارادہ طلاق دینے کا نہیں تھا اور میری بیوی نے یہ بھی کہا تھا کہ ایسے کوئی طلاق آئی ہے، اگر طلاق دینی ہے تو چند آدمیوں کو بلا کر میرا فیصلہ کردو، اگر تم کو طلاق دینی ہی ہے، اس کے بعد میری بہن آئی اور میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں اس کے سامنے کہہ رہا ہوں، میں نے اسے طلاق دیدی ہے، اسے یہاں سے نکال دو، اس کے بعد میں یہ کہہ کر چلا گیا، آدھ گھنٹہ کے بعد میری بیوی گھر سے چلی گئی۔

المستفتی: رحمت اللہ، محلّہ: بندوقچیاں، دھام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ واقعہ صبح کے ٹائم کا ہے اور شام سے قبل بیوی

گھر سے چلی گئی ہے، تو شوہر کے الفاظ شام تک گھر سے چلی جا ورنہ تیرے اوپر تین طلاق سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

وإذا أضافه إلی الشرط وقع عقیب الشرط. (هندیة، زکریا قدیم ۱/ ۴۲۰، جدید ۱/ ۴۸۸)

پھر شوہر کا یہ کہنا کہ میں نے تجھے طلاق دی، تو یہاں سے چلی جا، اس عبارت میں دو جملے ہے۔

(۱) میں نے تجھے طلاق دی۔

(۲) تو یہاں سے چلی جا، اول لفظ سے ایک طلاق واقع ہو چکی ہے۔

صریحه ما استعمل فیه خاصة ولا یحتاج إلی نیة وهو أنت طالق، ومطلقة وطلقتک وتقع بکل منها واحدة رجعیة. (مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱۱)

اور ثانی لفظ سے اگر طلاق کی نیت کی ہے، تو اس سے دوسری طلاق واقع ہو چکی ہے۔

اخرجي اذهبي تلزم النیة. (شامي، کراچي ۳/ ۳۰۲، زکریا ۴/ ۵۳۴)

اور دونوں طلاق اب بائنہ ہو جائیں گی۔

والبائن یلحق الصریح. (الدرالمختار، کراچي ۳/ ۳۰۶، زکریا ۴/ ۵۴۰)

اور اگر شوہر نے تو یہاں سے چلی جا کے لفظ سے طلاق کی نیت نہیں کی ہے، تو اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور اول لفظ سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے اور بہن کے آنے کے بعد دوبارہ شوہر کا یہ کہنا کہ اس کے سامنے کہہ رہا ہوں کہ میں نے اسے طلاق دیدی ہے، تو اس عبارت سے مزید ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے۔ اب حاصل یہ ہوگا، تو یہاں سے چلی جا کے لفظ سے اگر طلاق کی نیت نہیں کی ہے، تو کل دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے اور اگر اس سے طلاق کی نیت کر چکا ہے، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو کر مطلقہ مغلظہ ہو جائے گی بغیر حلالہ نکاح بھی صحیح نہ ہوگا۔

الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن. (الدر المختار، کراچي۳/ ۳۰٦، زکریا٤/ ٥٤٠)

فنحو اخرجي واذهبي وقومي (إلى قوله) تتوقف الأقسام الثلاثة على نية. (الدر المختار، کراچي۳/ ۲۹۸، زکریا٤/ ٥۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷؍۲۴۷۷)

میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی دو مرتبہ کہنا

سوال [۶۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا اور میرے نسبتی بھائی (سالے) کا جھگڑا ہوا، جس میں کافی مار پیٹ ہوئی میرے کافی چوٹ لگی تھی اور میں غصہ سے پاگل ہو رہا تھا، اس غصہ کی حالت میں میں نے اپنی بیوی کو دو بار یہ لفظ کہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور چوٹ کی وجہ سے میں بے ہوش ہو گیا اور بہت دیر کے بعد ہوش آیا، اس جھگڑے میں بیوی کو کوئی دخل نہیں ہے، میں اور میری بیوی پھر سے ایک ہونا چاہتے ہیں۔ کیا ہم ایک ہو سکتے ہیں، طلاق کے وقت میں بیوی حیض کی حالت میں نہیں تھی اور حمل سے بھی نہیں ہے؟

المستفتی: وحید الدین ولد سعید الدین، عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی درج کردہ صورت میں بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے زن وشوہر کی زندگی گذارنا جائز ہوگا۔

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها كقوله: أنت طالق، أنت طالق الخ .

(الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/ ٤٦٣، كراچي ٣/ ٢٥٢)

أنت طالق، أنت طالق، فيقع رجعيتان إذا كانت مدخولا بها. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٣)

أن علي ابن أبي طالب قال: إذا طلق الرجل امرأته فهو أحق برجعتها، حتى تغتسل من الحيضة الثالثة في الواحدة والثنتين. (سنن كبریٰ للبيهقي، باب من قال الأقراء الحيض، دارالفكر بيروت ١١/٣٧٧، رقم:١٥٧٩٩)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، باب الرجعة اشرفي ديوبند٢/٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٠، جديد١/٥٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۷۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۶/۲۳ھ

میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی

سوال [۶۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں جھگڑے کے وقت بہت زیادہ غصہ میں تھا، میری بیوی جواب بڑھ چڑھ کر دے رہی تھی، اس حالت میں میں نے کہا جواب بند کرو رنہ میں تجھے چھوڑ دوں گا، بیوی کو بھی غصہ تھا وہ چپ نہ ہوسکی غصہ بڑھتا رہا کہ اس حالت میں میں نے دومرتبہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، بیوی یہ سن کر زور زور سے رونے لگی اور مجھ سے معافی مانگنے لگی، پھر میں نے کہا تم نے سنا میں نے کیا کہا وہ قسم کھا کر کہتی ہے کہ میں نے صرف ایک بار سنا ہے۔

اب بیوی کا روتے روتے برا حال ہے، ایک دوسرے کے دل میں جگہ بھی بہت ہے اور ہمارے چھوٹے چھوٹے چار بچے بھی ہیں، اب اس حالت میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں

طلاق کے بارے میں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ آپ جس طرح جواب دیں گے مجھے منظور ہے۔

المستفتی: انور، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے، تو مذکورہ صورت میں بیوی پر دوطلاقیں صریح رجعی واقع ہوگئی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر سکتے ہیں۔

وقعتا رجعتين لو مدخولابها كقوله: أنت طالق، أنت طالق الخ

(الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي٣/٢٥٢، كوئٹه٢/٤٦٨، زكريا٤/٤٦٣)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها .

(هداية، باب الرجعة اشرفي ديوبند ٢/٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٠، جديد ١/٥٣٣)

أنت طالق، أنت طالق، فيقع رجعيتان إذا كانت مدخولاً بها.

(مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت٢/١٣)

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان. قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين، فإما أن يمسك ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها.

(سنن كبرىٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/٢٨٢، رقم: ١٥٥٣٩)

آئندہ کبھی بھی ایک دفعہ کہے گا، تو بیوی بالکل حرام ہو جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۸۹/۲۴)

تمہاری سالی کو میں نے بدچلنی کی وجہ سے چھوڑ دیا

سوال [۶۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میری شادی ہوئے تقریباً سترہ سال ہوئے، اس درمیان بیوی کے کچھ بدچلنی کی وجہ سے کئی مرتبہ لڑائی تک کی نوبت آئی اور پھر ایک مرتبہ میں نے اپنی ساس اورسالےکو بلوایااوران سے کہا کہ جواسلام کا قانون ہو یاہندوستان کا قانون ہو،میرااس سے پیچھا چھڑاؤاس بات کا ان لوگوں نے کوئی جواب نہیں دیااورمیری بیوی کوساتھ لےکر چلے گئے، پھرمیں اپنے ساڑھوکے یہاں گیااوران سے کہا کہ تمہاری سالی کو میں نے چھوڑ دیا ہے بدچلنی کی وجہ سے، پھرانہوں نے پوچھا ریحانہ کہاں ہے، میں نے کہاوہ لوگ لے گئے، پھرایک مرتبہ ایک صاحب کے یہاں اپنے دوست کےساتھ جانا ہوا،توان لوگوں نے پوچھا کیاحال چال ہیں،تو میں نے ان لوگوں سے کہا کہ بیوی نہیں رہی،تو حال چال کیسےتو انہوں نے کہا میں سمجھا نہیں،تو میں نے کہہ دیا کہ میں نے چھوڑ دیا اس کوتو پھرانہوں نے کہا کہ طلاق دیدی تو میں خاموش رہا؛لیکن میرے دوست نے کہا کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔ خیر اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالاصورت میں کیامیری بیوی کوطلاق ہوئی یانہیں؟

المستفتی: محمد رضوان،محلّہ: سعیدخاں کاگھیر،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کااپنے ساڑھوسے یہ کہہ دینا کہ تمہاری سالی کو میں نے چھوڑ دیاہے، اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے،عدت کے اندر اندر رجعت کرکے رکھ سکتے ہیں اور بعد میں دوستوں کے پوچھنے پر جو آپ نے میں نے چھوڑ دیا کہا ہے وہ پہلی طلاق کی خبر ہے،اس سے کوئی طلاق نہ ہوگی اور چھوڑ دیا کےلفظ سے طلاق صریح رجعی واقع ہوا کرتی ہے۔

رہا کردم أي سرحتک يقع به الرجعي. (شامي، کتاب الطلاق، باب الکنايات، کراچي٣/٢٩٩، زکريا٤/٥٣٠)

إذا قال الرجل لامرأته بهشتم ترا از زنی فاعلم بأن هذه اللفظة استعملها أهل خراسان، وأهل العراق في الطلاق، وأنها صريحة عند أبي يوسفؒ

حتـى كـان الواقع بها رجعياً ويقع بدون النية. وفي الخلاصة وبه أخذ الفقيه أبـو الـليـث وفي التـفـريد وعليه الفتوىٰ. (هـنـدية، زكـريـا قديم ۱/۳۷۹، جديد ۱/٤٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۵۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۳/۱۴۱۲ھ

بیوی میکہ چلی جائے تو رجعت کیسے کریں؟

سوال [۶۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دی اور اس کی بیوی اسی دن اس کا گھر چھوڑ کر اپنے میکہ چلی گئی، تو ایسی حالت میں رجعت کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ جبکہ لڑکی اپنے میکہ میں ہو اور عدت کی مدت کے اندر اس کے واپس آنے کے آثار نہ ہوں؟

المستفتی: سعید ہمایوں، محلّہ: اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبـالـلّٰـه التوفيق: اگر شوہر نے ایک طلاق رجعی دی ہے، تو عدت کے اندر اندر جب چاہے رجعت کر کے بیوی کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور رجعت کرنے میں بیوی کی رضا مندی لازم نہیں ہے، وہ راضی ہو یا نہ ہو شوہر کو رجعت کا اختیار ہے، اگر عدت کے اندر واپس آنے کے آثار نہ ہوں تو دو چار آدمیوں کے سامنے یوں کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھنے کے لئے رجعت کر لی ہے تا کہ یہ لوگ گواہ رہیں، تو ایسی صورت میں عورت شوہر کے نکاح میں خودبخود قائم رہتی ہے۔ اب وہ عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی۔

عـن ابـن الـمسيب أن علي بن أبي طالبؓ قال: إذا طلق الرجل امرأته

فهو أحق برجعتها، حتى تغتسل من الحيضة الثالثة في الواحدة والثنتين.

(سنن كبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ۱۱/۳۷۷، رقم:۱۵۷۹۹)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترضیٰ. (هندية، زكريا قديم۱/ ۴۷۰، جديد ۱/۵۳۳، هدايةاشرفيه ديوبند۲/ ۳۹۴، مختصر القدوري امداديه ديوبند۱۷۷)

والرجعة أن يقول راجعتک، أو راجعت امراتي الخ. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۵)

الرجعة على ضربين: سني و بدعي، فالسني أن يراجعها بالقول، ويشهد على رجعتها شاهدين. (تاتارخانية، زكريا ۵/ ۱۳۸، رقم: ۷۴۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف۳۱/ ۳۶۱۰)

بوس وکنار کے ذریعہ رجعت کا حکم

سوال [۶۴۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی مہرین جبیں کو مؤرخہ ۳/ نومبر ۲۰۱۳ء کو ایک طلاق دیدی تھی، اور پھر تقریباً ایک ہفتہ ایک ساتھ رہتے رہے اور ایک بستر پر سوئے شہوت کے ساتھ بوس وکنار اور بات چیت بھی ہوئی باقاعدہ ہمبستری نہیں ہوئی، اس کے بعد بیوی اپنے میکہ چلی گئی۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس بیوی کے ساتھ اس طرح خلوت سے جبکہ رجعت کے الفاظ زبان سے ادا نہیں کئے، تو رجعت ہوگئی یا نہیں؟ بیوی کو ساتھ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: نور محمد، اصالت پورہ، مرادآاد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رجعت کے الفاظ زبان سے ادا کئے بغیر بیوی سے شہوت کے ساتھ بوس وکنار سے بھی رجعت ہوجاتی ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں شرعی طور پر رجعت کا ثبوت ہوچکا ہے؛ اس لئے بیوی کو بلاشبہ اپنے ساتھ رکھنے کی گنجائش ہے۔

وكما ثبت الرجعة بالقول تثبت بالفعل، وهو الوطء، واللمس عن شهوة، وكذا التقبيل عن شهوة. (هندية، زكريا قديم ١/ ٤٦٩، جديد ١/ ٥٣٢)

أو بفعل ما يوجب حرمة المصاهرة من وطء، ومس ونحوه.

(ملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٨٢)

والجماع في العدة رجعة، وكذلك المس بشهوة، والتقبيل بشهوة. (تاتارخانية، زكريا٥/ ١٣٩، رقم: ٧٤٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۳۸۷)	۱۹؍۱؍۱۴۳۵ھ

کیا عدت میں صحبت کرنے سے رجعت متحقق ہوجاتی ہے؟

سوال [۶۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ جھگڑے کے دوران اپنی بیوی کو ایک مرتبہ طلاق دیدی تھی، پھر بیوی سے عدت کے اندر دو تین مرتبہ ملاقات بھی کرلی، تو شرعاً کیا اس بیوی کے ساتھ رہ سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: نزاکت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر صرف ایک ہی طلاق دی تھی اور عدت کے اندر بیوی سے ملاقات اور ہمبستری بھی ہوگئی ہے، تو ایسی صورت میں ایک طلاق رجعی ہوگئی تھی

اورساتھ رہنے کیوجہ سے رجعت بھی ہوگئی ہے، اب وہ بدستور نزاکت حسین کے نکاح میں باقی ہے، دونوں کا آپس میں میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنا جائز ہے۔

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية -إلى قوله- فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أولم ترض الخ. (هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣، هداية اشرفيه ديو بند٢/ ٣٩٤)

صريحه ما استعمل فيه خاصة و لايحتاج إلى نية وهو أنت طالق، ومطلقة، وطلقتك وتقع بكل منها واحدة رجعية. (مجمع الأنهر، باب ايقاع الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١١)

صريحه ما لم يستعمل إلا فيه ولو بالفارسية كطلقتك، وأنت طالق، و مطلقة ويقع بها واحدة رجعية. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كراچي٣/ ٢٤٧، تا ٢٤٩، زكريا ٤/ ٤٥٧ تا ٤٦٠)

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان. قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين ،فإما أن يمسك ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن کبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨١، ٢٨٢، رقم:١٥٥٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۰۴۸/۳۲)

کیا ہمبستری کرنے سے رجعت متحقق ہوجاتی ہے؟

سوال [۶۴۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جس کا نام جان محمد ولد عبدالرشید ہے موضع ڈلاری کا رہنے والا ہے،

اس نے اپنی بیوی فرمیدا کو باہمی نا اتفاقی اور کچھ جھگڑا فساد ہونے کی وجہ سے ایک طلاق دیدی اور پھر دو چار دن کے بعد اس سے ہمبستری کی اور تین مہینہ دس دن کے اندر بہت دفعہ ہمبستری کی اب اس کی بیوی کو بلا کر لے گئے اس کے ماں باپ، اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر فتوی منگا لو کہ اس میں طلاق نہیں ہوئی، تو ہم اپنی لڑکی کو بھیج دیں گے؛ لہٰذا اس کا جواب جلدی دیجئے عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد جان، ڈلاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر صرف ایک طلاق دی ہے، تو اس سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی؛ لیکن اس کے بعد بیوی سے ہمبستری بھی عدت کے اندر اندر ہوچکی ہے؛ اس لئے رجعت بھی ہوچکی ہے؛ لہٰذا اب بیوی شوہر کی زوجیت میں باقی ہے اور نکاح بدستور باقی ہے بیوی شوہر پر حرام نہیں ہوئی۔

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان. قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين، فإما أن يمسك ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن کبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨٢، رقم:١٥٥٣٩)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، ٢/ ٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ؍صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷؍۲۵۵۹)

رجعت کی ایک صورت

سوال [۶۴۷۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا اور میری بیوی کا جھگڑا ہوا، بیوی نے مجھے نازیبا اور بدکلامی کے الفاظ کہے میں نے غصہ میں اس کوصرف ایک دفعہ طلاق کے الفاظ بولدئے، اب بیوی سے رجوع ہونے کے لئے کیا کرنا ہوگا؟

المستفتی: عبدالقادر،قریشی،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میں نے تجھ کونکاح میں لوٹالیا، یامیں نے اپنی بیوی کونکاح میں لوٹالیا، ان الفاظ کے ذریعہ رجوع کرسکتے ہیں یا پھر بیوی کے ساتھ ہمبستری کرلیں، تو رجعت ثابت ہوجائے گی۔

والرجعة أن يقول راجعتک، أو راجعت امرأتي، أويطأها الخ. (هداية اشرفی دیوبند۲/ ۳۹۵)

له أن يراجع و إن أبت ما دامت في العدة بقوله راجعتک، أوراجعت امـرأتي، أو بفعل مايوجوب حرمة المصاهرة من وطء ومس ونحوه. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت۲/ ۸۲)

كـمـا ثبـت الـرجـعة بـالـقـول ثبت بالفعل وهو الوطء، واللمس عن شهوة. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤٦٩، جديد۱/ ۵۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳ر ۵۳۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۱۸ھ

فون پر طلاق دینے کے ایک ہفتہ بعد رجعت کرنے کا حکم

سوال [۶۴۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو فون پر ایک مرتبہ طلاق دی تھی، پھر ایک ہفتہ کے بعد بیوی سے رجعت کرلی تھی۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا طلاق واقع ہوگئی تھی اور رجوع کے بعد اب میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں یا جو بھی شرعی حکم ہو تحریر فرمادیں؟

المستفتی: شاہ رخ، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے جب بیوی کو ایک طلاق دیدی تھی، تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی تھی اور عدت کے اندر اندر رجعت کی گنجائش تھی پھر جب ایک ہفتہ کے بعد شوہر نے رجوع کرلیا ہے، تو بلاشبہ میاں بیوی کی طرح پہلے جیسے رہا کرتے تھے ایسے ہی رہنا حلال اور جائز ہے۔

عن ابن المسيب أن علي بن أبي طالبؓ قال: إذا طلق الرجل امرأته فهو أحق برجعتها، حتى تغتسل من الحيضة الثالثة في الواحدة والثنتين.

(سنن کبریٰ للبیهقي، باب من قال الأقراء الحيض، دارالفكر بيروت ۱۱/ ۳۷۷، رقم:۱۵۷۹۹)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک، أو لم ترض لقوله تعالیٰ: فامسكوهن بمعروف من غير فصل. (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، دارالكتاب ديوبند ۲/ ۲۷٤، اشرفيه ديوبند ۲/ ۳۹٤، هندية، زكريا قديم ۱/ ٤۷۰، جديد ۱/ ۵۳۳، مختصر القدوري امداديه ديو بند ۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۰۴۵)

مطلقہ واحدہ سے بلا حلالہ نکاح درست ہے

سوال[۶۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی اہلیہ کو۹ر مہینے پہلے ایک طلاق دی تھی، میرے دو بچے ہیں، میری اہلیہ اسی وقت سے اپنے میکہ میں ہے، بچے میرے پاس ہیں، اب میں دوبارہ ان کو اپنی زوجیت میں لینا چاہتا ہوں، میری اہلیہ کی بھی یہی خواہش ہے؛ لہٰذا اس کی شکل تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: محمد اعجاز، پیرزادہ، گملے والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر صرف ایک طلاق دی ہے، تو ۹ر مہینے گذرنے کے بعد چونکہ عدت پوری ہوچکی ہے؛ اس لئے وہی طلاق بائن ہوگئی ہے؛ لہٰذا اب رجعت کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اب بغیر حلالہ کے کسی بھی وقت نکاح کر کے رکھنے کی گنجائش ہے۔

عن سماک قال: سمعت عکرمة رضؓ**، یقول: الطلاق مرتان فإمساک بمعروف، أو تسریح بإحسان. قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نکحها، وإذا طلقها ثنتین فإن شاء نکحها، فإذا طلقها ثلاثا فلا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره.** (المصنف لابن أبي شیبة، ما قالوا في الطلاق مرتان جدید مؤسسة علوم القرآن، بیروت ۱۰/۱۹۷، رقم:۱۹۵۶٤)

وینکح مبانته بمادون الثلاث في العدة وبعدها بالاجماع .

(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الرجعة، زکریا۵/٤۰، کراچي۳/٤۰۹)

فإن طلقها ولم یراجعها؛ بل ترکها حتی انقضت عدتها بانت وهذا عندنا. (بدائع الصنائع بیروت ٤/۳۸۷، زکریا۳/۲۸۳)

إذا کان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن یتزوجها في العدة، وبعد

انقضائها الخ. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٢، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكرياه/١٤٨، رقم: ٧٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/شوال المکرم ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲۵۱/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۰/۱۲ھ

طلاق رجعی کے بعد کب تک رجوع کرسکتا ہے؟

سوال [۶۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تنبیہ کے واسطے ایک طلاق دی، پھر زید اپنی بیوی کے پاس سے ہٹ گیا۔ اب اگر زید رجوع کرلے تو کتنے روز کے اندر کرسکتا ہے؟

المستفتی: مقصود علی ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدی، تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، خواہ اس کی نیت تنبیہ کرنے کی ہو، پھر بھی واقع ہوگئی؛ کیونکہ طلاق صریح میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اب اگر زید رجوع کرنا چاہے، تو عدت کے اندر جس کی مدت تین حیض ہے رجوع کرسکتا ہے۔

أنت طالق يقع بها أي (بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح) واحدة رجعية، وإن نوى خلافها، أو لم ينو شيئًا. (تنوير الأبصار مع الدر، كراچي ٣/٢٤٧تا٢٤٩،زكريا٤/٤٥٧ تا ٤٦٠)

وهي في حرة تحيض لطلاق، أو فسخ بعد الدخول حقيقة، أو حكما ثلاث حيض كوامل. (شامي، باب العدة، كراچي ٣/٥٠٤-٥٠٦، زكرياه/١٨١)

قال الله تعالىٰ: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ. [سورة البقرة: ٢٢٩]

عن ابن المسيب أن علي بن أبي طالبؓ قال: إذا طلق الرجل امرأته فهو أحق برجعتها، حتى تغتسل من الحيضة الثالثة في الواحدة والثنتين.
(سنن کبریٰ للبيهقي، باب من قال الأقراء الحيض، دارالفكر بيروت ٣٧٧/١١، رقم:١٥٧٩٩)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، اشرفيه ديوبند ٣٩٤/٢، هندية، زكريا قديم ٤٧٠/١، جديد ٥٣٣/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩/محرم الحرام ١٤٢٣ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٧٤٦٣/٣٦)

ایک طلاق دینے کے بعد رجوع کرنا

سوال [٦٤٨١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے غصہ میں اپنی معلومات کے مطابق بیوی سے یہ الفاظ کہدیئے کہ اگر حصہ نہیں لے گی، تو ہمارے مذہب حنفی میں تین طلاقیں ہیں، میں تجھے صرف ایک طلاق دیتا ہوں، دو ابھی باقی ہیں یہ باتیں میں نے بہت سے گواہوں کے بیچ کہیں جس میں میرے بہن، بھائی ماں بیوی بھی ہیں اور یہ سب گواہ ہیں، پھر مغرب کے ٹائم سے اپنی بیوی سے کہدیا کہ ایک طلاق بھی میں واپس لے رہا ہوں۔ اب کوئی طلاق نہیں؛ لیکن میری بیوی نے ایک بھائی کو گلاؤٹھی ٹیلیفون کردیا، وہ رات کو ایک بجے آکر اپنی بہن کو لے گئے کہ طلاق ہوگئی، اب میں برابر اپنی غلطی پر نادم ہوں اور اپنی بیوی کو لوگوں کے ذریعہ بلا رہا ہوں، مگر میرے سالے نہیں بھیجتے کہ طلاق ہوگئی، تو شرعاً میں اپنی بیوی کو اپنے پاس بلا سکتا ہوں یا نہیں؟ اس واقعہ کو ایک مہینہ ٩/ دن ہوگئے ہیں۔

المستفتی: محمد عبد الغنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے ایک طلاق دے کر یہ کہا ہے کہ میں رجوع کرتا ہوں، تو آپ کا رجوع کرنا صحیح ہے، عورت علی حالہ آپ کی بیوی ہے، آپ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں؛ لیکن آئندہ کبھی بھی اس کے بعد دوطلاق دیں گے، تو عورت بالکل حرام ہوجائے گی۔

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣، هداية، اشرفی ديوبند ٢/ ٣٩٤، قدوري امداديه ديوبند١٧٧)

والرجعة أن يقول: راجعتک، أو راجعت امراتي، أو يطأها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٥، مجمع الأنهر دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٨٢، هندية، زكريا قديم١/ ٤٦٩، جديد ١/ ٥٣٢)

قال الله تعالیٰ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ. [سورة البقره: ٢٢٩]

والإمساک بالمعروف هو الرجعة. (بدائع الصنائع، زكريا٣/ ٣٨٥)

وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِکُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَلَا تُمۡسِکُوۡهُنَّ ضِرَارًا. [البقره: ٢٣١]

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان. قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين، فإما أن يمسک ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها. (سنن كبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨٢، رقم: ١٥٥٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍۶۹۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۱۲ھ

تجھ کو طلاق دیتا ہوں کہنے کے بعد ساتھ رہنا

سوال [۶۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی رحمت جہاں جی کو بیس دن کا زچہ تھا، میرے اور ان کے درمیان کچھ جھگڑا ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے میں نے ان سے کہا، جا میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں جا گھر جا یہ واقعہ عید کے وقت کا ہے اور وہ میرے پاس ہی تین چار ماہ رہتی رہی اور وہ اب اپنی والدہ کے گھر میں ہے اور اب وہ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں کہ کتنی طلاق واقع ہوئی۔ والسلام

المستفتی: غضنفر اللہ ولد محمد سعید، محلّہ: یار و شاہ، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تجھ کو طلاق دیتا ہوں کے الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی تھی، مگر اس کے بعد دونوں ساتھ رہ چکے ہیں؛ اس لئے رجعت بھی ہوگئی ہے؛ لہٰذا اب دونوں بلاشبہ ساتھ رہ سکتے ہیں، نکاح کی بھی ضرورت نہیں، جا گھر جا کے الفاظ کے بارے میں شوہر نے زبانی بیان دیا ہے کہ ان الفاظ سے صرف دھمکانے اور ڈرانے کا ارادہ تھا طلاق کا نہیں۔

والرجعة أن يقول راجعتك (إلى قوله) أو يطأها، أو يقبلها، أويلمسها بشهوة الخ. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٥)

فله أن يراجع و إن أبت ما دامت في العدة بقوله راجعتك، أوراجعت امرأتي، أو بفعل ما يوجب حرمة المصاهرة من وطء، ومس ونحوه. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٨٢)

كما تثبت الرجعة بالقول تثبت بالفعل وهو الوطء، واللمس عن

شهوة. (هندية، زكريا قديم١/ ٤٦٩، جديد ١/ ٥٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۳۰)

عدت کے دوران رجوع کرنے کا حق ہے

سوال [۶۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دیدی اور عدت کے دوران اس کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا، پھر اس کو بھی طلاق دیدی، ابھی پہلی والی کی عدت نہیں گذری ہے کہ اس نے اس سے رجوع کرلیا، تو کیا یہ شکل درست ہے؟ اس میں نکاح کی ضرورت تو نہیں ہے اور اگر اس نے عدت گذرنے کے بعد اس کو اپنی زوجیت میں لانے کا ارادہ کیا ہے، تو کیا زید بذریعۂ نکاح اس کو زوجیت میں لاسکتا ہے؟ زید نے جو اپنی پہلی مطلقہ کی بہن سے نکاح کیا تھا، اس سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں جواب اگر ایک ہی ہے اوپر والی شکل کا تو کوئی بات نہیں اور اگر صورت دخول میں جو جواب ہے صورت عدم دخول کا جواب اس سے مختلف ہے، تو دونوں شکلوں یعنی صورت دخول اور عدم دخول کی الگ الگ وضاحت کردی جائے؟

المستفتی: فخر الحسن، موسیٰ پور، سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید نے اپنی منکوحہ کی عدت رجعی میں اس کی بہن سے جو نکاح کیا ہے، وہ درست نہیں ہے؛ لہٰذا اپنی منکوحہ سے عدت میں رجوع کرنا درست ہے۔

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، ٢/ ٣٩٤)

اور انقضاءعدت کے بعد بذریعۂ نکاح اپنی زوجیت میں لاسکتا ہے اور عدت کے دوران جس بہن سے نکاح ہوا تھا، اس کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہے۔

وإذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضاءها. (هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٨، رقم: ٧٥٠٤، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٢، جديد ١/ ٥٣٥)

عن الحسن فلا تعضلوهن، قال حدثني معقل بن يسار أنها نزلت فيه. قال: زوجت أختًا لي من رجل وطلقها حتى إذا انقضت عدتها جاء يخطبها، فقلت له زوجتك، وفرشتك، وأكرمتك، فطلقتها، ثم جئت تخطبها؟ لا والله لا تعود إليك أبداً، وكان رجلا لا بأس به، وكانت المرأة تريد أن ترجع إليه، فأنزل هذه الآية فلا تعضلوهن، فقلت: الآن أفعل يا رسول الله! قال: فزوجها إياه. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب من قال لا نكاح إلا بولي ٢/ ٧٧٠، رقم: ٤٩٣٧، ف: ٥١٣٠)

قال الله تعالىٰ: وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا. [البقرہ: ٢٣١]

عن المسيب أن علي بن أبي طالبؓ قال: إذا طلق الرجل امرأته فهو أحق برجعتها، حتى تغتسل من الحيضة الثالثة في الواحدة والثنتين. (سنن كبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ١١/ ٣٧٧، رقم: ١٥٧٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۷۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۲۱ھ

دورانِ عدت رجوع کافی ہے نکاح کی ضرورت نہیں

سوال [۶۴۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کوطلاق رجعی دی، پھراس کی بہن سے نکاح کرلیا، پھرابھی عدت نہ گذری تھی کہ اس کوبھی طلاق دیدی اور پہلی والی سے رجعت کرلی، تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟ جبکہ عدت کے دوران رجعت کرنا پایا گیا ہے، پھرنکاح نہیں کیا ہے؟

المستفتی: شمس احمد، سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح حرام ہے، اب جبکہ شوہر نے اپنی پہلی مطلقہ رجعیہ بیوی سے عدت کے دوران رجوع کرلیا تو رجعت صحیح ہوگئی، دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں۔

حرم الجمع بين المحارم نكاحاً أي عقداً صحيحاً وعدة ولو من طلاق بائن وقوله من طلاق بائن شمل العدة من الرجعي. (شامي، كتاب النكاح، كراچي ٣/٣٨، زكريا٤/١١٦)

ولا يجوز أن يتزوج أخت معتدته سواء كانت العدة عن طلاق رجعي، أو بائن، أو ثلاث. (هندية، زكريا قديم ١/٢٧٩، جديد ١/٣٤٤)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، باب الرجعة، اشرفی ديوبند ٢/٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٠، جديد ١/٥٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۷۰۱)

دومرتبہ طلاق کے بعد بیوی کو بہن کہنا

سوال [۶۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد اکرم ہوں میں نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں دومرتبہ

طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی اور دو مرتبہ کہا کہ تو میری بہن ہے؛ جبکہ حقیقت میں تقریباً ۲رمہینہ سے والد صاحب کے صدمہ اور دیگر مصائب سے میرا دماغی توازن صحیح نہیں ہے۔

المستفتی: محمد اکرم، سلیم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں آپ کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں، عدت کے اندر اندر بیوی کو دوبارہ رکھ سکتے ہیں؛ البتہ آئندہ ایک مرتبہ بھی طلاق دیں گے تو طلاق مغلظہ واقع ہوکر ہمیشہ کے لئے بیوی حرام ہوجائے گی اور بیوی کو یہ کہنا کہ تو میری بہن ہے، اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی؛ البتہ ایسا کہنا درست نہیں۔

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها كقوله: أنت طالق، أنت طالق الخ . (الدر المختار، كراچي ٣/ ٢٥٢، زكريا ٤/ ٤٦٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٣)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية اشرفيه ديوبند ٢/ ٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣)

لو قال لها أنت أمي لا يكون مظاهرا و ينبغي أن يكون مكروها، ومثله أن يقول يا ابنتي، ويا أختي ونحوه الخ. (هندية، زكريا قديم ١/ ٥٠٧، جديد ١/ ٥٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷رجمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۰۶۹)

دوران گفتگو طلاق ہوگئی کہنا

سوال [۶۴۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میری بیوی مجھ سے لڑ رہی تھی، میں اسے بار بار سمجھاتا رہا؛ لیکن وہ نہیں مانی اور کمرہ میں کنڈی لگا کر کمرہ بند کر کے بیٹھ گئی، مجھے اس پر بہت غصہ آیا، بہت دروازہ پیٹنے پر اس نے کنڈی کھولی، تو میں نے غصہ میں آکر ہاتھ پکڑ کر کمرہ سے باہر کر دیا اور کہا اب یہاں سے نکل، پھر مزید وہ بحث کرتی رہی میں نے کہا تجھے طلاق ہوگئی، اب میں تجھے نہیں رکھوں گا، اس کے باوجود وہ زبان درازی کرتی رہی میں نے کہا کہ تو حجت کیوں کر رہی ہے، جو تو چاہتی تھی وہ ہوگیا، تیرا معاملہ صاف ہوگیا، تم اپنے گھر جا کر کچھ بھی کرو، تجھے طلاق ہو چکی ہے اور یہ بات میں نے بار بار کہی، اور بار بار میں نے جو طلاق ہوگئی کے الفاظ کہے ہیں، اس سے پہلی طلاق کی تاکید ہی مقصود تھی، اس کے علاوہ میرا کوئی ارادہ نہ تھا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس سے کتنی طلاق ہوئی یا نہیں ہوئی شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد ندیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہاتھ پکڑ کر کمرہ سے باہر نکالتے ہوئے ''یہاں سے نکل'' جو کہا ہے وہ موقع ومحل کے اعتبار سے کمرہ سے باہر نکلنے پر محمول ہے؛ اس لئے اس سے کوئی طلاق نہیں پڑی اور اس کے بعد دوران گفتگو جب اس نے پہلی بار ''طلاق ہوگئی'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں، تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے؛ اس لئے کہ یہ اقرار طلاق ہے اور اقرار طلاق تنجیز طلاق کے حکم میں ہے، اگر چہ طلاق پہلے نہ دی ہو تب بھی اس وقت کے اقرار سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اور بعد کے الفاظ اس کے لئے خبر اور تاکید کے حکم میں ہیں؛ اس لئے بعد کے الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی جیسا کہ شوہر کے بیان سے یہی بات واضح ہے کہ پہلی طلاق کی خبر دے رہا ہے؛ لہٰذا مذکورہ واقعہ میں ایک طلاق رجعی کا اعتبار ہوگا اور عدت کے اندر رجعت کر کے میاں بیوی کی طرح دوبارہ زندگی گذارنے کی گنجائش ہوگی۔

ولـو أقـر بـالـطـلاق كاذباً، أوهازلاً وقع قضاء لا ديانةً. (شـامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التي تصح مع الاكراه،كراچي ۳/ ۲۳٦، زكريا ٤/ ٤٤٠)

إن مـن أقـر بـطلاق سابق يكون ذلک إيقاعاً منه في الحال؛ لأن من ضـرورة الاستـنـاد الـوقوع في الحال. (مبسـوط سـرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٠٩)

ولو قال لامرأته أنت طالق، فقال له رجل ما قلت؟ فقال: طلقتها، أو قـال: قلت هي طالق فهي واحدة في القضاء، كذا في البدائع. (عالمگيري، مطلب إذا كررالطلاق على المرأة المدخول بها و نوى الإخبار، هندية، زكريا قديم١/ ٣٥٥، جديد ١/ ٤٢٣، نحو ذلك في الشامي، زكريا٤/ ٥٢١، كراچي٣/ ٢٩٣)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في العدة. (اللباب في شرح الكتاب ۲/ ۲۸۰، بحواله فتاوى محموديه ۱۲/ ۲۳۸، ونحو ذلك في بدائع الصنائع، زكريا ۳/ ۲۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۱۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۳۴ھ

ایک طلاق کے بعد رجوع پھر طلاق پھر رجوع

سوال [۶۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو ایک بار طلاق دی، پھر اس سے رجوع کرلیا، کچھ دنوں کے بعد ایک طلاق پھر دی اور فوراً اس سے رجوع کرلیا۔ کیا اس صورت میں نکاح ٹوٹ گیا اور طلاق سابق اس میں شامل ہو جائے گی؟

المستفتی: شرف الدین، سیتاپوری، آج پور، تھانہ: تنبور، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں نکاح باقی ہے، پہلی طلاق کو شامل کر کے عورت پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے زن وشوہر کی طرح زندگی گذارنا جائز رہے گا۔

إنما يلحق الطلاق لمعتدة الطلاق الخ. (الدر المختار، کوئٹه ٢/ ٥١٤، زكريا٤/ ٥٥٠، كراچي ٣/ ٣١٣، فتاوى محموديه قديم ٤/ ١٠٠، جديد ڈابھيل ١٢/ ٢٠٥)

المعتدة بعدة الطلاق يلحقها الطلاق. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٤٢)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، اشرفی ديوبند ٢/ ٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣)

البتہ آئندہ جب بھی ایک طلاق دے گا تو مغلظہ ہوجائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ صفر المظفر ١٤٠٨ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٣/ ٥٢٢)

بغیر نیت طلاق کے شوہر کا کہنا ''مجھے ہاتھ مت لگاؤ ورنہ گنہ گار ہوگی

سوال [٦٤٨٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو تم میرا اکثر کہنا نہیں مانتی ہو، جس بات کو میں منع کرتا ہوں اس کو کرتی ہو، میں تمہیں ایک طلاق دے چکا ہوں، تم ہوشیار رہو، میں تمہیں چھوڑ دوں گا اور فوراً ہی یہ کہا جب تم میرا کہنا نہیں مانتی تو مجھ سے کیا واسطہ، یہ سب کچھ ذرا غصے میں ڈرانے کی غرض سے کہا، یہاں شوہر کی نیت طلاق کی نہیں تھی، پھر تھوڑی دیر کے بعد بیوی

اس کے پاس آ گئی، تو پھر اس نے اس کو ڈرانے کی غرض سے یہ کہا کہ تم مجھے ہاتھ مت لگانا، اگر ہاتھ لگاؤ گی تو گنہگار رہوگی اور چار مہینے تک عدت گذارو، اس کے بعد ہمارا اور تمہارا معاملہ ختم، اس بات کے کہنے سے اس کی نیت طلاق کی نہیں تھی، شوہر نے چار مہینے سے پہلے ہی ڈھائی مہینے کے بعد اپنی بیوی سے صحبت کرلی اور باقاعدہ آپس میں رہنے لگے، اور عہد کرلیا کہ ایسی باتیں اب نہیں کریں گے، اب شوہر نے کچھ فقہی کتابوں کا مطالعہ کیا، اس میں طلاق کا بیان پڑھا تو اس کو یہ شک ہوگیا کہ ہماری زندگی کہیں خلاف شرع تو نہیں گذر رہی ہے؛ اس لئے اس مسئلہ کے بارے میں علمائے دین سے رجوع کیا جارہا ہے، تاکہ خلاف شرع زندگی سے بچ جائیں علماء اس کا جواب شریعت مطہرہ کی روشنی میں اطمینان بخش دیں کہ مذکورہ باتوں کے کہنے سے کوئی طلاق تو واقع نہیں ہوئی ہے؟

المستفتی: عتیق الرحمٰن، لالپور کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کا قول میں تمہیں ایک طلاق دے چکا ہوں، اس سے بلانیت ایک صریح طلاق رجعی واقع ہوگئی، ڈھائی مہینے کے بعد صحبت کے وقت تک اگر تین حیض نہیں گذرے ہیں تو رجعت بھی ثابت ہوگئی اور بعد کی زندگی حلال طریقے سے رہی ہے، بقیہ الفاظ سے اگر طلاق کی نیت نہیں کی ہے، تو ان سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوگا۔

صريحه ما استعمل فيه خاصة ولايحتاج إلى نية وهو أنت طالق ومطلقة وطلقتک وتقع بكل منها واحدة رجعية. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١١)

صريحه ما لم يستعمل إلا فيه ولو بالفارسية كطلقتک، وأنت طالق، و مطلقة ويقع بها واحدة رجعية. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كراچي ٣/ ٢٤٧، تا ٢٤٩، زكريا ٤/ ٤٥٧ تا ٤٦٠)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية –إلى قوله– فله أن يراجعها

فـي عـدتهـا. (هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣، هداية اشرفيه ديوبند ٢/ ٣٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شوال المکرّم ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍ ٦٦٧)

بلا نیت کے طلاق طلاق کہنا

سوال [٦٣٨٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرفراز عالم کا عقد نکاح ہمراہ راشدہ خاتون ہوئے عرصہ تقریباً چھ سال کا ہوا، جس کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی دو بچے ہیں، تاریخ ۵؍فروری ۱۹۹۰ء کی رات کو میں اپنی سسرال گیا جہاں میری بیوی گئی ہوئی تھی کھانا کھانے لگا کھانا کھانے کے بعد میں نے اپنی زوجہ سے کہاں میں جا رہا ہوں جس پر انہوں نے سخت لہجہ میں بات کی اس کے بعد ساس سالیوں اور سالوں سے گرما گرمی ہوئی اور ان لوگوں نے کافی مجھے برا بھلا کہا اور کہا کہ آج فیصلہ کر لیا جائے، اس پر میری ساس نے میرے اوپر دباؤ دیا آج فیصلہ اور معاملہ کو نمٹا لو میری گود میں میرا بچہ تھا اور میں گھر سے باہر آنا چاہتا تھا، ان لوگوں نے مجھے گھیر لیا اور اندر کمرے میں لے جا کر مار پیٹ کرنا چاہتے تھے، میں نے اپنے بچاؤ کے لئے تین مرتبہ یہ الفاظ ایک سانس میں ادا کئے، طلاق، طلاق، طلاق میں خدا کو حاضر وناظر کر کے کہتا ہوں کہ میں نے یہ الفاظ اپنی بیوی کے حق میں نہیں کہا ہے اور نہ ہی میں نے بیوی کی طرف نسبت کی ہے؛ بلکہ زبردستی کرنے والوں کے پنجوں سے نکلنے کے لئے محض یہ الفاظ سنانا مقصود تھا تاکہ چھٹکارا پا کر نکل جاؤں۔

المستفتی: سرفراز عالم، محلّہ: گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر واقعی بیوی کے حق میں مذکورہ الفاظ نہیں کہا ہے

اور نہ ہی بیوی کی طرف نسبت کی ہے؛ بلکہ صرف لفظ طلاق زبان سے نکال کر چھٹکارہ ہی مقصد تھا، تو بیوی پر طلاق نہیں ہوئی ہے، نکاح بدستور باقی ہے؛ کیونکہ وقوع طلاق کے لئے فی الجملہ نسبت لازم ہے چاہے ظاہری ہو یا معنوی۔

لم يقع بتركه الإضافة إليها. وتحته في الشامي: لو قال امرأة طالق، أوقال طلقت امرأة ثلاثا، وقال لم أعن امرأتي يصدق الخ (شامي، كراچي، باب الصريح ٣/٢٤٨، زكريا ٤/٤٥٨)

رجل قال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأة ثلاثا، وقال: لم أعن به امرأتي يصدق. (فتاوى قاضي خان، زكريا ١/٢٨٢، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/٤٦٥، الفتاوى التاتارخانية، زكريا٤/٤٢١، رقم:٦٥٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٧؍رمضان المبارک ١٤١٠ھ
(فتویٰ نمبر: الف ١٩٧٨/٢٦)

میں نے تم کو طلاق دیدی

سوال [٦٤٩٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تم کو طلاق دیدی اور اس کی بیوی سامنے موجود تھی اور اس کی بیوی نے کوئی جواب بھی نہیں دیا اور اس شخص نے اپنی زبان سے طلاق کی تعداد متعین نہیں کی، تو کتنی طلاق واقع ہوگی اور اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کے مطابق شرعی فیصلہ فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: عبدالماجد، ٢٤؍ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر تم کو طلاق دیدی کا لفظ صرف ایک دفعہ زبان سے نکالا ہے، تو اس سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، اگرچہ تعداد کا ذکر نہ کیا ہو۔

صـريحه مالم يتسعمل إلا فيه كطلقتك، وأنت طالق، ومطلقة، ويقع بها واحدة رجعية. (تنوير الأبصار مع الدر، كراچي ٣/ ٢٤٧، زكريا ٤/ ٤٥٧ تا٤٦٠)

صـريـحـه مـا استـعمل فيه خاصة ولا يحتاج إلى نية وهو أنت طالق، ومـطـلـقة وطلقتک وتقع بكل منها واحدة رجعية. (مـجـمـع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠ ؍ رمضان المبارک ١٤١٠ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٦؍ ١٩٥٣)

دومرتبہ طلاق دی تیسری مرتبہ کہا طلاق دیدوں گا

سـوال [٦٤٩١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سراج الدین نے اپنی بیوی کے بارے میں کہا میں نے اسے طلاق دی، طلاق دی؛ جبکہ مکان کے اندر تین چار اور فیملیاں رہتی ہیں، ان سے جو معلومات کی طلاق کے متعلق تو انہوں نے بھی یہی بتایا کہ سراج الدین نے دو دفعہ طلاق دی اور سراج الدین کی بیوی سے جو دریافت کیا کہ طلاق تم کو کتنی بار دی، تو اس نے کہا میں نے کچھ نہیں سنا، میں مار کے ڈر کی وجہ سے برابر والے باورچی خانہ میں چلی گئی تھی، پھر سراج الدین نے اپنی ساس سے پندرہ منٹ بعد کہا کہ میں طلاق دے دوں گا، اپنی لڑکی کو گھر لے جاؤ اور سامان بھی لے جاؤ اور مہر کے لئے یہ کہا کہ میں نے جو مکان لیا ہے، اس میں گیارہ ہزار روپئے لگائے ہیں، وہ مکان لے لو تو آپ بتائیے کہ سراج الدین کی بیوی پر کون سی طلاق واقع ہوئی؟ اگر سراج الدین اپنی اسی بیوی کو رکھنا چاہے تو کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: محمد فاضل، بقلم خود راعینی سمبھلی گیٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سائل کا بیان صحیح ہے تو مذکورہ صورت میں بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں عدت کے اندر رجعت کر کے رکھ سکتا ہے۔

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها، كقوله أنت طالق، أنت طالق.

(الدر المختار، كراچي ۳/ ۲۵۲، زكريا ٤/ ٤٦٣، باب الصريح)

أنت طالق، أنت طالق، فيقع رجعيتان إذا كانت مدخولا بها.

(مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٣)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣، هدايةاشرفيه ديوبند ٢/ ٣٩٤، مختصر القدوري امداديه ديوبند ١٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۴۱۹)

بیوی سے دو مرتبہ طلاق دی کہنا

سوال [۶۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپسی جھگڑے کے دوران زید نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی ہندہ کو دو بار یہ الفاظ کہے میں نے طلاق دی، طلاق دی، جب ہم چار اشخاص وہاں پہونچے اور ہم نے دونوں شوہر وبیوی کے بیان لئے تو دونوں نے یہ اقرار کیا کہ مندرجہ بالا الفاظ دو بار ہی کہے ہیں؛ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں کونسی طلاق واقع ہوئی؟ برائے کرم مفصل جواب تحریر فرمایا جائے نوازش ہوگی۔ بیان لینے والے حضرات کے اسماء یہ ہیں:

۱. جناب صغیر احمد ۲. جناب حاجی رونق علی ۳. جناب برکت علی ۴. جناب انیس احمد

المستفتی: صغیر احمد سیفی، رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں بشرط صحت سوال بیوی پر دوطلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے زن وشوہر کی زندگی گذار سکتے ہیں؛ لیکن یہ یادرہنا چاہئے کہ آئندہ کبھی بھی ایک طلاق دیگا، تو بیوی بالکل نکاح سے خارج ہوجائے گی دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها، كقوله أنت طالق، أنت طالق .

(الدر المختار، مطبوع کوئٹه ٢/٤٦٨، کراچي ٣/٢٥٢، زکریا٤/٤٦٣)

فصار أنت طالق، أنت طالق فيقع رجعيتان إذا كانت مدخولا بها .

(مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١٣/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۸۵/۲۴)

دوطلاق کے بعد شوہر کے لئے بیوی کو رکھنے کا حق ہے

سوال [۶۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رات کا وقت تھا بیوی نے ناراضگی میں طلاق مانگی اور میں دو مرتبہ طلاق، طلاق کہا، میاں بیوی کے درمیان کی بات ہے، اس وقت وہاں اور کوئی نہیں تھا، میں خدا کو حاضر وناظر سمجھ کر قسم کھا کر کہتا ہوں دومرتبہ طلاق دی ہے، تو شریعت کی رو سے دوطلاق ہوئیں یا بیوی حرام ہوگئی؟ واضح رہے دوطلاق دینے کے بعد بیوی ہمارے گھر ایک مہینہ میاں بیوی کی طرح رہتی رہی، پھر میکہ چلی گئی اب نہیں آتی اور کہتی ہے کہ تین طلاق دی ہے، تو کس کی بات مانی جائے گی شوہر کی یا بیوی کی؟ یہ عورت پانچ بچوں کی ماں ہے شرعی حکم لکھدیں۔

المستفتی: رئیس احمد، نیا گاؤں اکبر پور کانٹھ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں شوہر قسم کھا کر دو طلاق دینے کے بارے میں کہہ رہا ہے، تین طلاق کا انکار کر رہا ہے اور عورت تین طلاق دینے کا دعویٰ کر رہی ہے، تو عورت کے ذمہ تین طلاق دینے پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم قال في خطبته: البينة على المدعى واليمين على المدعي عليه. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ماجاء في أن البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه، النسخة الهندية ۱/ ۲۴۹، دارالسلام بيروت رقم: ۱۳۴۱)

اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے پاس کوئی گواہ نہیں؛ اس لئے شرعی اعتبار سے شوہر کی بات مان کر دو طلاق ہی کا اعتبار کیا جائے گا اور چونکہ دو طلاق کے بعد دونوں میاں بیوی کی طرح رہتے رہے؛ اس لئے رجعت بھی ہوگئی؛ لہٰذا اب بیوی کو شوہر کے پاس آکر حقوق زوجیت ادا کرنا ضروری ہے، تین طلاق کا بہانہ کرنا جائز نہیں۔

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترض، والرجعة أن يقول راجعتک إلى أن قال أو يطأها، أويلمسها الخ. (هداية، باب الرجعة اشرفی ديوبند ۲/ ۳۹۴، ۳۹۵، هندية، زكريا قديم ۱/ ۴۷۰، جديد ۱/ ۵۳۳، مختصر القدوري امداديه ديوبند ۱۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۰۷۷)

دو بار طلاق دینے کے بعد رجعت کرنا

سوال [۶۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری ماں سے میرے شوہر کا میرے لڑکے کے بارے میں جھگڑا

ہورہا تھا، میری اپنے شوہر سے کوئی ناراضگی نہیں تھی، میری ماں نے کہا میں لڑکے کوساتھ لے کر جاؤں گی، میرے شوہر نے بھیجنے سے انکار کردیا، پھر کہا کہ مجھے مجبور مت کرو، اگرلڑکے کوساتھ لیجاؤ گی تو بیوی کوبھی ساتھ لے جاؤ اسی بات پر میرے شوہر نے حالت ناپاکی میں دو بارلفظ طلاق طلاق کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔اب میں اپنے شوہر ہی کے پاس رہنا چاہتی ہوں، میرے شوہرکا بھی یہی بیان ہے کہ میری بیوی سے کوئی ناراضگی نہیں تھی ساس ہی کی ناراضگی کی بناء پر میں نے دوبارطلاق،طلاق کہامیری ساس نےقسم دیدی تھی کہ جوتمہیں کرنا ہوا بھی کردو؛اس لئے یہ بات کہی۔

المستفتی: محمد کامل،دریاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں دوطلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں عدت کے اندر رجعت کرکے رکھنے کی اجازت ہے اورآئندہ کبھی بھی ایک طلاق دے گا توبیوی بالکل حرام ہوجائے گی۔

وقعتا رجعتين لو مدخولابها كقوله: أنت طالق، أنت طالق. (الدرالمختار، كراچي ۳/ ۲۵۲، زكريا ٤/ ٤٦٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۳)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية اشرفی دیوبند ۲/ ۳۹٤، هندية، زكريا قديم ۱/ ٤۷۰، جديد ۱/ ۵۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۸۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۷/۱۴۲۱ھ

دومرتبہ طلاق کے بعد ساتھ رہنے کی شکل

سوال [۶۴۹۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی شافعہ خاتون کو دومرتبہ طلاق دیدیے، کیااس کواپنے پاس رکھ سکتا ہوں یانہیں؟ شریعت کاحکم تحریرفرمادیں؟

المستفتی: حیدرعلی،اصالت پورہ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حسب تحریرسوال آپ کی مذکورہ بیوی پردوطلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں؛ البتہ عدت کے اندررجعت کرکے پہلے کی طرح رہنے کی گنجائش ہے اورآئندہ کبھی بھی ایک طلاق دے گا،تو بیوی کلی طورپرحرام ہوجائے گی۔

لو نوي بطالق واحدة، وبالطلاق أخرىٰ وقعتا رجعتين. (شامي، زكريا ٤/٤٦٣، كراچي ٣/٢٥٢)

ولو قال: أنت طالق الطلاق، وقال عنيت بقولي طالق واحدة وبقولي الطلاق أخرىٰ يصدق فتقع رجعيتان. (هندية، زكريا قديم ١/٣٥٥، جديد ١/٤٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۱؍ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۹۸۱۳/۳۸)

دوطلاق رجعی کے بعدرجعت کی گنجائش

سوال [۶۴۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شمیم النبی نے اپنی بیوی کتاب النساءکواس طرح کہا کہ میں

نے تجھ کو طلاق دی؛ لیکن اس کی بیوی نے نہیں سنا، بیوی کچھ دوری پر بچہ کو چپ کررہی تھی؛ البتہ اس کی لڑکی نے سنا، جو اس وقت وہاں موجود تھی، لڑکی نے جا کر باپ کے منھ کو بند کیا، تو اس نے دوسری مرتبہ بھی کہہ دیا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی تو بتلائیں کہ مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کونسی طلاق ہوگی۔ نیز اگر وہ بیوی کو دوبارہ رکھنا چاہے تو کیا شکل ہوسکتی ہے؟

المستفتی: شمیم النبی، مفتی ٹولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں شمیم النبی نے اپنی بیوی کو دومرتبہ طلاق دی کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اس سے بیوی پر دو طلاق رجعی پڑ گئیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۳۳۲/۹)

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها كقوله: أنت طالق، أنت طالق. (شامي، زكريا ٤/٤٦٣، كراچي ٣/٢٥٢)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٠، جديد ١/٥٣٣)

ولو قال لها: أنت طالق طالق أو أنت طالق أنت طالق تقع ثنتان إذا كانت المرأة مدخولا بها. (هندية، زكريا قديم ١/٣٥٥، زكريا جديد ديوبند ١/٤٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۶۶۵/۳۶)

دوطلاق کا شرعی حکم

سوال [۶۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مظفر حسین نے اپنی بیوی کو دوطلاق دی، اور مظفر حسین اس کا حلفیہ اقرار کرتے ہیں اور جس وقت طلاق کا واقعہ پیش آیا وہاں ان کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی موجود تھی، لڑکی یہ کہتی ہے کہ میں نے کچھ نہیں سنا اور لڑکا تین طلاق کی گواہی دیتا ہے اور گواہی دینے والے لڑکے کا اپنے والد کے ساتھ اختلاف کئی سالوں سے چل رہا ہے اور بول چال بھی بند ہے، ایسے حالات میں اس نے گواہی دی ہے اور طلاق کے واقعہ کو ڈھائی تین سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔

المستفتی: مظفر حسین، حسن پور، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر خود اپنی زبان سے دوطلاق کا اقرار کرتا ہے اور دومرتبہ طلاق دینے سے دوطلاق رجعی واقع ہوتی ہیں عدت کے اندر اندر رجعت ہوسکتی ہے؛ لیکن سوال نامہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اس واقعہ کو ڈھائی تین سال گذر چکے ہیں، تو اگر طلاق کے واقعہ کے بعد سے میاں بیوی تین ماہواری کے زمانہ تک ایک ساتھ نہیں رہے ہیں، تو وہ طلاق طلاق بائنہ ہوگئی ہے آئندہ اگر دونوں ساتھ رہنا چاہیں تو باقاعدہ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول بلا حلالہ نکاح کر کے ساتھ رہنے کی گنجائش ہے اور لڑکے کا تین طلاق کی گواہی دینا؛ اس لئے معتبر نہیں ہے کہ باپ بیٹے کے درمیان دشمنی چل رہی تھی۔

نیز ایک آدمی کی شہادت معتبر نہیں ہوتی؛ اس لئے یہاں بیٹے کی شہادت کا اعتبار نہیں۔

رجل قال لامرأته بعد الدخول بها: أنت طالق، أنت طالق تقع ثنتان.

(تاتارخانية، زكريا ٤/ ٢٢٩، رقم: ٦٥٩٥، در مختار، كراچي ٣/ ٢٥٢، زكريا ٤/ ٤٦٣، هندية، زكريا قديم ١/ ٣٥٥، جديد ١/ ٤٢٣)

إذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضاءها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٢، جديد ١/٥٣٥، تاتارخانية، زكرياه/١٤٨، رقم: ٧٥٠٤، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩)

ونصابها لغيره من الحقوق سواء كان الحق مالاً، أو غيره كنكاح، وطلاق...... رجلان، أو رجل امرأتان. (در مختار، زكريا٨/١٧٨، كراچي ٥/٤٦٥، هداية اشرفي ديوبند ٣/١٥٤، البحرالرائق، كوئٹه ٧/٦٢، زكريا٧/١٠٤، الجوهرة النيرة، امدادية ملتان ٢/٣٢٦، دارالكتاب ديوبند ٢/٣٠٩)

وجاز على أصله إلا إذا شهد على أبيه لأمه. (در مختار، كراچي ٥/٤٧٨، زكريا٨/١٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۲۱ ۱۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۱۸ھ

دوطلاق کے بعد بیوی کے ساتھ ہمبستر ہونے سے رجعت کا تحقق

سوال [۶۴۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی میں آپس میں جھگڑے کے دوران شوہر نے بیوی سے کہا کہ اپنے بڑوں کو بلاؤ، اس پر بیوی نے کہا کہ مجھے اپنے تینوں بچوں کی قسم ہے کہ میں تم سے طلاق لوں گی، اس پر شوہر نے دوبار کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ طلاق کے دوسرے دن اس نے عورت سے صحبت بھی کرلی۔

المستفتی: عبد الرؤف، بڑی مسجد، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بیوی پر دوطلاق رجعی واقع

ہوچکی ہیں اور جب شوہر نے اس کے بعد بیوی سے صحبت کرلی ہے، تو اس سے رجعت بھی ثابت ہوچکی ہے۔ اب میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں۔

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها كقوله: أنت طالق، أنت طالق. (در مختار، كراچي ۳/۲۵۲، زكريا ٤/٤٦٣)

ولو قال لها: أنت طالق طالق أو أنت طالق، أنت طالق......تقع ثنتان إذا كانت المرأة مدخولا بها. (هندية، زكريا قديم ۱/۳۵۵، جديد ۱/٤۲۳)

أنت طالق، أنت طالق، فيقع رجعيتان إذا كانت مدخولا بها. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلميلة بيروت ۲/۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۸۱۶)

دوطلاق رجعی کی صورت میں بلا حلالہ نکاح درست ہے

سوال [۶۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک گواہ کی موجودگی میں دوطلاق دی، موجود گواہ نے دوسری مرتبہ کے بعد اس کے منھ پر ہاتھ رکھ دیا، اس حادثہ کو تقریباً ایک سال گزر چکا ہے، میاں بیوی تب سے بالکل علاحدہ رہتے ہیں، ان کے درمیان مباشرت نہیں ہوئی، زوجیت، عدت ونکاح کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: نیاز مند حاجی اشتیاق احمد، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر مذکورہ واقعہ کا اقرار کرتا ہے تو بیوی پر دو طلاق صریح رجعی واقع ہوئی تھیں؛ لیکن عدت ختم ہوجانے کی وجہ سے بائن ہوگئیں، بلا حلالہ دوبارہ نکاح صحیح کرکے آپس میں باعصمت زندگی گذار سکتے ہیں۔

عن سماک قال: سمعت عكرمةؓ، يقول: الطلاق مرتان فإمساک بمعروف، أوتسريح بإحسان. قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نكحها، وإذا طلقها ثنتين فإن شاء نكحها، فإذا طلقها ثلاثا فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (المصنف لإبن أبي شيبة، ماقالوا في الطلاق مرتان، جديد مؤسسه علوم القرآن، بيروت ۱۰/ ۱۹۷، رقم:۱۹۵٦٤)

فإن طلقها ولم يراجعها؛ بل تركها حتى انقضت عدتها بانت وهذا عندنا. (بدائع الصنائع بيروت ٤/ ۳۸۷، زكريا۳/ ۲۸۳)

وينكح مبانته بمادون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع . (الدر المختار، كراچي۳/ ۲۰۹، زكريا۵/ ٤۰)

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضائها. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤۷۲، جديد ۱/ ۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند۲/ ۳۹۹، تاتارخانية، زكريا۵/ ۱٤۸، رقم:۷۵۰٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍ ۲۵۴۲)

دو مرتبہ طلاق کے بعد تین حیض گذر گئے کیا حکم ہے؟

سوال [۶۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد عمران مبارک بن اصغر حسین ۶۵ سی آر لیونو، تھانہ: بہو بازار کولکتہ سے میری اہلیہ شبانہ یاسمین بنت امام الدین انصاری کے ساتھ ۱۴؍ فروری ۲۰۰۸ء کو آپس میں تناؤ اور جھگڑا ہوا اور آپس میں حجت وتکرار بھی ہوگئی، جس کی بنیاد پر لڑکی نے کہا کہ میں نے تم کو طلاق دی، جس کی وجہ سے میں نے اسے دو تین طمانچہ ماردیئے اور آپس میں گالم گلوچ بھی ہوگئی، اس کے بعد آپس میں تناؤ اور جھگڑا کا ماحول بڑھ گیا اور پھر میں جب رات

کوآفس سے آیا اور اپنی اہلیہ کو کہا کہ ہم کو مارنا نہیں چاہئے تھا تم مجھے معاف کردو، اس کے بعد آپس میں صلح ہوگئی اور میری اہلیہ نے مجھ سے وعدہ بھی کرلیا تھا کہ یہ سارا واقعہ اپنی امی سے نہیں بتلاؤں گی، اس کے باوجود اس نے سارا واقعہ اپنی والدہ سے بتلادیا، منگل ۲۶ر فروری ۲۰۰۸ء کو جب میں دکان جارہا تھا، تو اس کے بعد سے آپس میں اور بھی تناؤ کا ماحول بڑھ گیا اور اس کے بعد میری زبان سے جہاں تک یاد ہے صرف میں نے لفظ طلاق طلاق کہا یہ جملہ میں نے دو مرتبہ دہرایا؛ جبکہ میری بیوی کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق دیا کہا ہے، میں نے اپنی والدہ سے بھی تصدیق کرلی کہ میری زبان سے صرف طلاق ہی دو مرتبہ نکلا ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا؛ لہٰذا از روئے شرع طلاق ہوگی یا نہیں ہوگی؟ ہوگی تو کتنی؟ واضح رہے کہ طلاق ملنے پر لڑکی فوراً اپنے میکہ چلی گئی اور آج تک میکہ میں ہے؛ جبکہ مکمل تین حیض سے زیادہ ہو چکا ہے، اگر طلاق ہوگئی تو نکاح کرکے جا سکتی ہے اور لڑکی کسی قیمت پر جانے کو راضی نہیں ہے، تو کیا عقد ثانی کے لئے لڑکی آزاد ہے یا نہیں؟ گود میں ڈیڑھ سال کا لڑکا بھی ہے اس کا کیا ہوگا، شوہر سے خرچ کب تک ملے گا اور کتنا ملے گا اور لڑکا ماں کے پاس کب تک رہے گا اور لڑکے کو ماں اپنے پاس ہی رکھنا چاہے تو کس طرح رکھ سکتی ہے؟

المستفتی: امام الدین، محلّہ: پٹیالہ، کلٹی بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپس میں جھگڑا اور تکرار کے دوران لڑکی کا شوہر کو یہ کہنا کہ میں نے تم کو طلاق دی، اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ طلاق دینے کا حق بیوی کو نہیں، شوہر کو ہے اور اس کے بعد کے واقعہ میں جانبین کے لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ شوہر نے طلاق کا لفظ صرف دو ہی مرتبہ زبان سے نکالا ہے، صرف اختلاف اس بارے میں ہے کہ لفظ طلاق، طلاق کہا ہے یا ساتھ میں ''طلاق دی'' کا لفظ کہا ہے، اس اختلاف کے باوجود دونوں کے دعوی کے مطابق صرف دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں؛ لہٰذا عدت کے اندر رجعت کی گنجائش تھی اور اب جب سوال نامہ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ تین

ماہواری سے زیادہ وقت گذر چکا ہے، تو اب رجعت کی گنجائش نہیں رہی آپس کی رضامندی سے بغیر حلالہ کے نکاح کی گنجائش ہے۔

لأن المرأة لا تملك الطلاق؛ بل هو ملكه. (شامي، كتاب الطلاق، باب الخلع، كراچي ٣/٤٤٢، زكريا ٥/٨٩)

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها كقوله: أنت طالق، أنت طالق الخ (در مختار، كراچي٣/٢٥٢،زكريا ٤/٤٦٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٥٥، جديد ١/٤٢٣٣)

فإن طلقها ولم يراجعها؛ بل تركها حتى انقضت عدتها بانت وهذا عندنا. (بدائع الصنائع، زكريا٣/٢٨٣)

وينكح مبانته بمادون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع. (الدر المختار، كراچي٣/٤٠٩، زكريا٥/٤٠)

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضائها. (هندية، زكريا قديم١/٤٧٢، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا٥/١٤٨، رقم: ٧٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۷۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵؍۷؍۱۴۲۹ھ

دو طلاق کے بعد پانچ ماہ گذر گئے کیا حکم ہے؟

سوال [۶۵۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میں نے اپنی بیوی کو داماد اور لڑکی کے جھگڑے کے مسئلہ میں بات نہ ماننے کی بنا پر دو بار طلاق دیدی ہے، طلاق دیئے ہوئے پانچ ماہ گذر گئے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں میں اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: محمد صابر خاں، سالار پور جے پی نگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور صرف دو ہی بار طلاق کے الفاظ استعمال کیے ہیں، تو اس کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے رکھنے کی گنجائش ہے اور عدت گذر گئی ہے، تو رجعت کی گنجائش نہیں ہے؛ بلکہ آپس کی رضا مندی سے بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کر کے رکھنے کی گنجائش ہوتی ہے۔

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها كقوله: أنت طالق، أنت طالق الخ (در مختار، كراچي۳/۲۵۲، زكريا ٤/٤٦٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۱۳، هندية، زكريا قديم ۱/۳۵۵، جديد ۱/٤۲۳)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية، اشرفي ديوبند۲/۳۹٤)

إذا انقضت العدة فقد بطل حق المراجعة. (المحيط البرهاني، الفصل الثاني وعشرون في مسائل الرجعة المجلس العلمي بيروت٥/۱۸۳)

فإن طلقها ولم يراجعها؛ بل تركها حتى انقضت عدتها بانت وهذا عندنا. (بدائع الصنائع، زكريا۳/۲۸۳)

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضائها. (هندية، زكريا قديم۱/٤۷۲، جديد ۱/٥۳٥، هداية اشرفي ديوبند۲/۳۹۹، تاتارخانية، زكريا٥/۱٤۸، رقم:۷٥۰٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۸۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۱۴ھ

دومرتبہ طلاق دینے کے بعد سات آٹھ ماہ گذر گئے

سوال [۶۵۰۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو جھگڑے کے دوران دومرتبہ طلاق دیدی، اس واقعہ کو تقریباً ۷/۸ ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے، اب کیا وہ عورت اپنے شوہر کے پاس آسکتی ہے یانہیں یااس عورت کو دوسرے آدمی سے نکاح کرنا ہوگا یاپہلے ہی شوہر سے ہوسکتا ہے؟

المستفتی: خلیل احمد سیفی، شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی صرف دوہی مرتبہ طلاق دی گئی تھی، تو دوطلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں؛ لیکن اب ۷/۸ ماہ میں عدت بھی گذر گئی ہوگی؛ اس لئے اب بائنہ ہوگئی؛ لہٰذا دوبارہ نکاح کرکے زوجیت میں لائی جاسکتی ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها كقوله: أنت طالق، أنت طالق الخ

(در مختار، كراچي ۳/۲۵۲، زكريا ٤/٤٦٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۱۳، هندية، زكريا قديم ۱/۳۵۵، جديد ۱/٤۲۳)

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها. (هندية، زكريا قديم ۱/٤۷۲، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ۵/۱٤۸، رقم: ۷۵۰٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۸۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۲/۱۴۱۵ھ

رجعت کے بعد دوسری طلاق دینا

سوال [۶۵۰۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی، دوران عدت رجوع کرلیا اورمیاں بیوی بن کر رہنے لگے، ٹھیک ایک سال کے بعد ایک اور طلاق دیدی، اس وقت عورت اپنے میکہ میں ہے اور پھر اسی شوہر سے نکاح کرنا چاہتی ہے۔ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں صرف نکاح سے میاں بیوی بن جائیں گے یا حلالہ کی ضرورت پڑے گی؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن، سلیم مسجد چوہان بانگر، دہلی-۵۳

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں، زید کو عدت کے اندر اندر رجوع کا حق ہے، نکاح کی ضرورت نہیں؛ لیکن اس کے بعد کبھی بھی ایک طلاق دیگا، تو اب پہلی دو ملا کر مغلظہ ہوجائے گی اور بغیر حلالۂ شرعیہ کے نکاح درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/۲۶۴)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية، اشرفي ديوبند۲/۳۹٤، هندية، زكريا قديم۱/ ٤۷۰، جديد ۱/۵۳۳، مختصر المعاني امداديه ديوبند ۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۸۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۲۲ھ

طلاق رجعی کی عدت پوری ہونے کے بعد دی گئی طلاق کا حکم

سوال [۶۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ برکت علی نے ۲۹/جنوری ۲۰۰۰ء کے اخباری اعلان کے ذریعہ اپنی زوجہ رخسانہ پروین کو خبر دی کہ ”میرا اپنی پتنی رخسانہ پروین سے ۱۵/مہینہ پہلے طلاق ہوچکی ہے، جب سے دونوں کے درمیان کوئی تعلق نہیں رہا، پھر ۱۶/۱/۲۰۰۰ء کو بذریعہ تحریر طلاق دی،

جس میں لکھا ہے کہ آج مؤرخہ: ۲۰۰۰/۴/۱۶ء فریق اول کو تین بار طلاق طلاق طلاق زبانی وتحریری طور پر طلاق دے کر آزاد کر دیا ہے۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ پہلی اخباری اطلاع سے کونسی طلاق ہوئی اور پھر دوسری تحریر سے کون سی طلاق ہوئی، اب عدت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ عدت پہلی طلاق سے پوری ہوچکی یا اب کرنی ہوگی؟ اگر عدت کرنی ہوتو کہاں کرے شرعی حکم تحریر فرمادیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: شرافت حسین، قاضی ٹولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلی مرتبہ جو طلاق دی ہے اس سے شرعی طور پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، مگر اس درمیان میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلقات نہیں رہے اور نہ ہی شوہر نے رجوع کیا ہے؛ لہٰذا طلاق کے بعد سے تین مہینہ گذر جانے کی وجہ سے بائنہ ہوگئی۔ اب دونوں کے درمیان رشتۂ ازدواج باقی نہیں رہا، تو اگر تین مہینہ میں تین ماہواری آچکی ہے تو اخباری اطلاع سے ایک سال پہلے بائنہ ہوچکی تھی، اس کے بعد دوبارہ جو تین طلاق زبانی دی گئی ہیں، وہ معتبر نہیں ہیں؛ اس لئے کہ جس وقت یہ تین طلاق دی جارہی تھیں اس وقت رشتۂ نکاح باقی نہیں تھا؛ اس لئے یہ طلاق واقع نہیں ہوئیں اور عدت زبانی تین طلاق دینے سے ایک سال پہلے پوری ہوچکی ہے؛ لہٰذا اب دوسری جگہ نکاح کرنے کے لئے دوبارہ عدت گذارنے کی ضرورت نہیں۔

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر التفسير –إلى قوله– الطلاق مرتان. قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين، فإما أن يمسك ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها.

(سنن كبرىٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨٢، رقم: ١٥٥٣٩)

فإن بعد ما طلقها واحدة، أو ثنتين، فانقضت عدتها لو طلقها

لا يصح طلاقه. (فتاوى تاتارخانية، زكريا ٤/ ٣٩١، رقم:٦٥٠٣)

فإن طلقها ولم يراجعها؛ بل تركها حتى انقضت عدتها بانت.

(بدائع الصنائع بيروت ٤/ ٣٨٧، زكريا ٣/ ٢٨٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۴۳۲)

مطلقہ مغلظہ سے نکاح کے لئے محض نکاح ثانی کافی نہیں

سوال [۶۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد اسلم نے اپنی بیوی شہناز پروین کو تین طلاق دیدیں، عدت کے بعد دوسرے لڑکے محمد مسلم سے نکاح ہوگیا: لیکن وہ اس کے ساتھ ہمبستر نہیں ہوا اور صبح کو طلاق دیدی، پھر محمد اسلم نے نکاح کرلیا، کچھ عرصہ اسلم نے اسے رکھا، پھر اس نے طلاق دیدی، اس طلاق کے فوراً بعد میں محمد حنیف نے اس لڑکی سے نکاح کرلیا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ میرا نکاح اس لڑکی کے ساتھ ہوا یا نہیں ہوا، اگر نہیں تو شرعاً اب کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد حنیف، محلّہ: عیدگاہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد اسلم نے جب تین طلاق دیدیں، تو عدت کے بعد دوسرے شخص کے ساتھ شرعی نکاح اور ہمبستری کے بعد طلاق حاصل ہوجائے اور عدت بھی گذر جائے تب محمد اسلم کا نکاح صحیح ہوسکتا ہے اور مذکورہ صورت میں شوہر ثانی محمد مسلم کے ساتھ صرف عقد نکاح ہوا ہے اور خلوت وہمبستری نہیں ہوئی؛ اس لئے بغیر شب باشی کے جو طلاق ہوئی وہ طلاق بائن ہوئی ہے اس صورت میں محمد اسلم سے نکاح صحیح نہیں ہوسکتا، محمد اسلم کے علاوہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح جائز ہے؛ لہٰذا محمد مسلم کی طلاق کے بعد محمد اسلم

سے نکاح شرعی نہیں ہوا؛ بلکہ باطل ہوا ہے، اس کے ساتھ مرد وزن کی طرح رہنا حرام کاری بدکاری زنا کاری ہوئی ہے۔ نیز محمد اسلم کی طلاق کے بعد محمد حنیف کے ساتھ جو نکاح ہوا ہے وہ نکاح صحیح ہے؛ اس لئے کہ اسلم کے ساتھ نکاح صحیح ہونے کے لئے محمد مسلم کی ہمبستری لازم تھی اور ہمبستری نہیں ہوئی اور محمد حنیف کے ساتھ نکاح صحیح ہونے کے لئے لازم نہیں تھی؛ اس لئے حنیف کے ساتھ نکاح درست ہوا ہے۔

لاینکح مطلقةً بها أي بالثلاث......حتى يطأها غيره. (در مختار، زكريا ٥/٤١، كراچي ٣/٤٠٩، ٤١٠)

وفي البحر لا ينكح مبانته بالبينونة الغليظة-إلى- ما إذا كان قبل الدخول. (بحر، زكريا ٤/٩٤، كوئٹه ٤/٥٦)

لو تزوجت (بزوج آخر) ولكن لم يدخل بها الزوج لم تحل للأول. (دلائل القرآن على مسائل النعمان ١/٣٥٩)

لا تحل للأول حتى يجامع الثاني. (فتح الباري، كتاب الطلاق، باب إذا طلقها ثلاثا، ثم تزوجت بعد العدة زوجا غيره فلم يمسها، دارالفكر بيروت ٩/٤٦٧، دارالريان للتراث بيروت ٩/٣٧٧، اشرفية ديوبند ٩/٥٨٤، عمدة القاري، كتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق الثلاث، دار احياء التراث العربي ٢٠/٢٣٦، زكريا ديوبند ١٤/٢٣٩)

لو قضى بالحل للأول بمجرد النكاح-فلا ينفذ فيه قضاء القاضي؛ لأنه يخالف الإجماع كذا في القهستاني. (حاشية الطحطاوي على الدر، كوئٹه ٢/١٧٥، مثله في فتح الملهم، اشرفيه ديوبند ٣/٥٠٢)

وفي الحديث البخاري، والمسلم، عن عائشة، قالتؓ: طلق رجل امرأته ثلثا فتزوجها رجل، ثم طلقها قبل أن يدخل بها فأراد زوجها الأول أن يتزوج فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال: لا حتى

يذوق الآخر عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب لاتحل المطلقة ثلاثا لمطلقها حتى تنكح زوجا غيره، النسخة الهندية ۱/٤٦٣، بيبت الأفكار رقم:۱٤۳۳، صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/۷۹۱، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١)

هكذا روي عن بن عمرؓ. (فتح الباري۹/٤٦۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمای الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۷۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۶/ ۱۴۲۱ھ

○❖○

(۱۵) باب الطلاق البائن

سیما پروین میں تمہیں طلاق بائن دیتا ہوں

سوال [۶۵۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آصف الرحمٰن نے اپنی زوجہ کو وکیل کی معرفت طلاق نامہ کا نوٹس ارسال کیا جس میں آصف الرحمٰن نے تین مرتبہ یہ جملہ لکھوایا۔

(۱) ”سیما پروین میں تمہیں طلاق بائن دیتا ہوں“ اس طرح طلاق دینے سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟ آیا اس طرح طلاق دینے سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے یا اس میں تجدید نکاح سے دوبارہ زوجہ نکاح میں آسکتی ہے یا حلالہ کی ضرورت ہے، جو بھی مذکورہ مسئلہ کا حل ہو مدلل ومفصل جواب دیں؟

المستفتی: محمد شریف الدین، نورنگر، امراوتی (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق بائن دوقسموں پر ہے: طلاق بائن صریح اورطلاق بائن کنائی اورطلاق بائن صریح دوسری طلاق بائن صریح سے ملحق ہوجاتی ہےاورطلاق بائن کنائی دوسری طلاق بائن کنائی سے ملحق نہیں ہوتی ہے۔اورسوال نامہ میں طلاق بائن صریح ہے، نہ کہ طلاق بائن کنائی؛اس لئے جب شوہر نے تین مرتبہ طلاق بائن دی کا لفظ استعمال کیا ہے، تو تینوں طلاقیں واقع ہوکر کے مغلظہ ہوگئی؛لہٰذا آئندہ بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا۔(مستفاد:فتاوی دارالعلوم ۲۰۹/۹)

وعلی هذا فما وقع في حلب من الخلاف في واقعة، وهي أن رجلا أبان امرأته، ثم طلقها ثلاثاً في العدة ألحق فيه أنه يلحقها لما سمعت من أن الصريح، وإن كان بائنا يلحق البائن ومن أن المراد بالبائن الذي لا يلحق هو ما كان كناية على ما يوجبه الوجه. (فتح القدير، زكريا ٤/٦٦، بيروت ٤/٧٤، شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات مطلب، الصريح يلحق الصريح والبائن، كراچي ٣/٣٠٧، زكريا ٤/٥٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۱۰۶۸۰/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۸ھ

طلاق طلاق بائن دی، ایک طلاق دوطلاق بائن دی سے طلاق

سوال [۶۵۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ کسی شخص نے اپنی بیوی سے جھگڑے کی حالت میں کہا طلاق طلاق بائن دی یایوں کہا کہ ایک طلاق دوطلاق بائن دی،تو مذکورہ صورت میں اس عورت

پر کتنی طلاق پڑیں گی۔

(۲) کسی شخص نے اپنی بیوی کو یوں کہا کہ ایک طلاق بائن دی، تو اس صورت میں اس عورت پر کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ اس سوال کے جواب میں ایک مفتی صاحب نے کہا کہ دوطلاق واقع ہوں گی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا مفتی صاحب اپنے فتوی میں درستگی پر ہیں یا غلطی پر ہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: قمرالزمان قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شوہر نے اپنی بیوی سے کہا طلاق طلاق بائن دی، تو اس صورت میں دوطلاق بائن واقع ہوگئیں؛ کیونکہ اس صورت میں اول طلاق صریح ہے اور دوسری طلاق بائن ہے اور جب صریح بائن سے مل جاتی ہے، تو وہ بھی بائن بن جاتی ہے؛ لہٰذا اس صورت میں کل دوطلاق بائن ہوئیں۔

إذا لحق الصريح البائن كان بائناً. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات الصريح يلحق الصريح البائن، زكريا ٤/٥٤٠، كراچي ٣/٣٠٧)

اگر شوہر نے اپنی بیوی سے یہ کہا ایک طلاق دوطلاق بائن دی، تو اس صورت میں تین طلاق واقع ہوں گی؛ کیونکہ یہاں ایک صریح کے ساتھ دوطلاق بائن ہیں اور طلاق صریح بائن سے ملنے کی وجہ سے بائن ہوگئی؛ لہٰذا اس طرح کل تین طلاق واقع ہوگئیں۔

(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/۳۱۰)

إذا لحق الصريح البائن كان بائناً. (شامي، زكريا٤/٥٤٠، كراچي٣/٣٠٧)

(۲) شوہر نے اپنی بیوی سے کہا ایک طلاق بائن دی، تو اس صورت میں اس عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

ويقع بقوله أنت طالق بائن. (در مختار، زكريا ديوبند ٤/٤٩٨، كراچي ٣/٢٧٦)

اور مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ طلاق بائن سے دو طلاق واقع ہوں گی درست نہیں ہے۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ /رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۹۱۱/۳۵)

طلاق قطعی دینا

سوال [۶۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم دو فریقین کے درمیان یہ طے پایا کہ فریق اول، فریق دوم کو طلاق قطعی دیدے اور فریق دوم اپنا کل زر دین مہر مبلغ دس ہزار روپیہ بحق فریق اول معاف کر دے؛ لہٰذا روبرو گواہان وپنچایت فریق اول نے فریق دوم کو طلاق قطعی دیدی اور فریق دوم نے اپنی رضامندی سے کل زر دین مہر دس ہزار روپیہ بحق فریق اول کی زوجیت سے آزاد ہوگئی ہے۔

نیز فریق دوم اب فریق اول سے اپنا زر دین مہر مبلغ دس ہزار روپیہ پانے کا مجاز نہیں رہا ہے، اب ہر دو فریق باہم نکاح کر کے تعلقات رکھنے پر راضی ہیں، اب شریعت میں اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد حنیف، امروہہ گیٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ اور اقرار نامہ دونوں میں جو طلاق قطعی کا لفظ ہے، اس سے آمنہ خاتون پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے۔

وإذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة، والشدة كان بائنا مثل أن يقول أنت طالق بائن، أو البتة. (هداية اشرفي بكڈپو ديو بند ۲/ ۳۶۹)

وفي البناية أنت طلاق البتة أي القطع. (بنايه عيني، شرح هداية

قديم۲ / ۲۵۱، جديد اشرفية ديو بند٥/ ٣٤٤)

آئندہ دوبارہ نکاح صحیح کر کے دونوں آپس میں باعصمت زندگی گذار سکتے ہیں۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۶۲۲)

غیر مدخول بہا کو مذاق میں طلاق بائن

سوال [۶۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا اور رخصتی نہیں ہوئی، اسی دوران زید کے دوست بکر نے زید سے مذاق میں کہا کہ تم اس کو طلاق دیدو، میں اس سے نکاح کرلوں گا، زید نے کہا ٹھیک ہے میں نے اس کو طلاق دیدی، تو مفتی صاحب سے سوال ہے کہ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؛ جبکہ گفتگو مذاق مذاق میں ہوئی ہے اور اگر طلاق ہوگئی تو رجعی ہوئی یا بائن اور زید کا ارادہ اس کو طلاق دینے کا نہیں تھا۔ اب زید بغیر نکاح کے اس کو رکھ سکتا ہے یا دوبارہ نکاح کرنا لازم ہے؟

المستفتی: محمد جمال الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا ارادہ مذاق میں دی ہوئی طلاق بھی واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کی بیوی ہندہ چونکہ غیر مدخول بہا ہے اور غیر مدخول بہا پر طلاق رجعی نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی؛ لہٰذا دوبارہ نکاح کئے بغیر ہندہ کو رکھنا زید کے لئے جائز نہ ہوگا؛ البتہ دوبارہ نکاح کے لئے حلالہ کی ضرورت نہیں۔

عن أبي هريرة رضـ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث

جدهن جد، وهزلهن جد النكاح، والطلاق، والرجعة. (ترمذي شريف ١/٢٢٥، رقم: ١١٨٤)

وكذا كونه جاداً ليس بشرط فيقع طلاق الهازل بالطلاق واللاعب لماروي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: ثلث جدهن جد وهزلهن جد، النكاح، والطلاق، والعتاق. (بدائع الصنائع، زكريا٣/ ١٦٠)

وطلاق الهازل وشارط الخيار واقع اتفاقاً. (الفتاوى التاتار خانية ٤/٣٩٦، رقم: ٦٥١٣، هندية، مكتبه كوئٹه ١/٣٥٣)

وأفاد الرحمتي أنه بائن أيضا؛ لأنه طلاق قبل الدخول غير موجب للعدة؛ لأن العدة إنما وجبت لجعلنا الخلوة كالوطء احتياطاً، فإن الظاهر وجود الوطء في الخلوة الصحيحة؛ ولأن الرجعة حق الزوج وإقراره بأنه طلق قبل الوطء ينفذ عليه فيقع بائناً.

(شامي، زكريا ٤/٢٥٦، كراچي ٣/ ١١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۶۱۴)

ایک طلاق بائن میں بغیر حلالہ جواز نکاح

سوال [۶۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک طلاق بائن یا دو طلاق بائن کی صورت میں عدت کے اندر یا عدت کے بعد بغیر حلالہ کے صرف نکاح کرنا جائز ہے اور اس سلسلہ میں کتب فقہ میں جزئیات بھی موجود ہیں، مگر مفتی صاحب سے سوال یہ ہے کہ کیا اس مضمون کی کوئی حدیث بھی ہے؟ اگر ہو تو مع حوالہ تحریر فرما کر عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد جمیل، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک طلاق بائن دو طلاق بائن کی صورت میں بغیر حلالہ کے نکاح کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے اور اس مضمون کی حدیث درج ذیل کتب حدیث میں موجود ہے۔

حدثني معقل بن يسار أنها نزلت فيه، قال: زوجت أختالي من رجل، وطلقها حتى إذا انقضت عدتها جاء يخطبها، فقلت له زوجتک، وفرشتک، وأكرمتک، فطلقتها، ثم جئت تخطبها! لا والله لاتعود إليک أبداً، وكان رجلاً لابأس به، وكانت المرأة تريد أن ترجع إليه، فأنزل الله هذه الآية فلا تعضلوهن، فقلت الأن أفعل يا رسول الله! قال فزوجها إياه.

(بخاري شريف ٢/ ٧٧٠، رقم:٤٩٣٧، ترمذي شريف٢/ ١٢٧، رقم:٥ ١ ٣٦)

سئل جابر بن زيد عن رجل لزمته امرأته تسأله الطلاق، فقال: إذهبي فأنا منک بريءٌ، وأنت مني بريئة،ولا ينوي الطلاق حينئذ؟ فقال: إن لم يكن نوى الطلاق فليس بطلاق، وإن كان نوى الطلاق فهي واحدةٌ، وله أن يراجعها في عدتها. (مصنف ابن أبي شيبة جديد ٩/ ٥٩٨، رقم: ١٨٤٧٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۲۵/۴۰)

رخصتی سے قبل طلاق ومہر کا حکم

سوال [۶۵۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید کی شادی ہندہ سے ماہ اپریل ۲۰۱۳ء میں ہوئی، ہندہ دو تین مرتبہ آنے کے بعد مئی ۲۰۱۳ء سے بار بار بلانے پر بھی نہیں آرہی ہے، ہندہ اوراس کے گھر والے مسلسل طلاق کا مطالبہ کررہے ہیں، ہندہ اور زید کا نکاح مہر فاطمی کے ساتھ ہوا تھا، جس کی رقم زید نے نکاح کے وقت ہی نقد ادا کردی تھی۔

(۱) اس صورت میں اس طلاق کو شریعت میں کیا کہیں گے؟

(۲) زید نے جو رقم نکاح کے وقت مہر کے طور پر ادا کی اس کا کیا ہوگا؟ اگر مہر کے روپئے واپس کئے جائیں گے، تو مہر فاطمی کی رقم طلاق والے دن کی واپس ہوگی یا نکاح کے دن کی؟

(۳) مہر فاطمی میں چاندی کی کتنی مقدار گراموں میں ہے؟

(۴) اس صورت میں کون گنہگار ہوگا؟

(۵) طلاق سے پہلے زید و ہندہ کی آپس میں بات چیت کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: فرمان خان، کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب طلاق ہی نہیں دی تو شریعت میں اس کو کیا کہا جائے گا؛ البتہ طلاق کے مطالبہ پر زید اگر مہر کی واپسی کی شرط پر طلاق دے گا، تو جتنا مہر میں پیسہ دیا تھا اتنا ہی پیسہ واپس ملے گا اور ایسی صورت میں اگر ایک طلاق دے گا، تو وہ طلاق بائن واقع ہوگی۔

وبالطلاق الصريح على مال طلاق بائن. (مجمع الأنهر بيروت ۲/ ۱۰۳)

(۲) زید نے جو رقم نکاح کے وقت بطور مہر ادا کی وہ ہندہ کی ملکیت میں چلی گئی، اگر ہندہ کے مطالبہ پر طلاق کے وقت زید واپسی مہر کی شرط لگاتا ہے، تو مہر میں اتنے ہی پیسوں کی واپسی ہوگی جتنے بوقت نکاح دیئے تھے۔

إن استقرض دانق فلوس ، ثم رخصت أو غلت لم يكن عليه إلا مثل

عدد الذي أخذه. (شامي، فصل في القرض، زكريا ديوبند ٧/ ٣٩٠، كراچي ٥/ ١٦٢)

(۳) مہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کلوتیس گرام نو سوملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت ادائے گی کے دن بازار سے معلوم کی جائے۔ (مستفاد: انوار نبوت ۶۵۶، ایضاح الطحاوی ۱۹۳/۳، ایضاح المسائل ۱۳۰)

(۴) مسئولہ صورت میں چونکہ بلاکسی عذر کے بیوی کی طرف سے مطالبۂ طلاق ہے؛ اس لئے بیوی گنہگار ہوگی۔

عن ثوبان أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أيما امرأة سألت زوجها طلاقاً من غير بأس فحرام عليها رائحة الجنة. (ترمذي شريف ١/ ٢٢٦، رقم: ١١٨٧)

(۵) طلاق سے پہلے زید وہندہ آپس میں میاں بیوی ہیں دونوں بلاتکلف بات چیت کرسکتے ہیں اور ساتھ میں رات گذار سکتے ہیں اور سب کچھ کرسکتے ہیں۔

النكاح هو عقد يفيد ملك المتعة وتحته في الشامية: وهو اختصاص الزوج بمنافع بضعها وسائر أعضائها استمتاعاً، أو ملك الذات والنفس في حق التمتع. (شامي، كراچي ٣/ ٢، زكريا ٤/ ٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲۷۵/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۳ھ

رخصتی سے قبل طلاق دی، طلاق دی کہنے کا حکم

سوال [۶۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکے کے لڑکی سے تعلقات تھے، پھر لڑکے نے دوسری جگہ جا کر لڑکی اور اس کے والد کی موجودگی میں نکاح کرلیا، نکاح کی اطلاع جب لڑکے کے گھر والوں کو ہوئی، توانہوں نے آپس میں بہت زیادہ جھگڑے کیئے اور لڑکے کو طلاق دینے پر مجبور کردیا،

تو لڑکے نے کہا کہ اس لڑکی کو طلاق دی، گھر والوں نے کہا اور دو، تو پھر کہا اس لڑکی کو طلاق دی، پھر اصرار کیا تو اس نے کہا کہ اس لڑکی کو طلاق دی، تو شرعاً کون سی طلاق ہوئی؟

واضح رہے کہ نکاح کے بعد میاں بیوی میں خلوت نہ ہوسکی اور نہ رخصتی ہوئی نکاح کے بعد لڑکی اپنے والد کے ساتھ چلی گئی تھی اور مہر پچاس ہزار روپیہ مقرر ہوا تھا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا اب اس لڑکی کو دوبارہ رکھ سکتے ہیں اور اگر رکھ سکتے ہیں تو کیا شکل ہوگی اور مہر کے کتنے روپئے ادا کئے جائیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد صادق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب رخصتی اور ملاقات سے پہلے طلاق دی جاتی ہے، تو ایک دفعہ شوہر کی زبان سے طلاق کا جملہ نکلتے ہی بیوی شوہر کے نکاح سے باہر ہوجاتی ہے، پھر محل طلاق باقی نہیں رہتی اور نہ ہی بیوی پر عدت گذارنا لازم ہے؛ اس لئے جب پہلی مرتبہ اس نے طلاق دی، تو فوراً ایک طلاق بائن ہوکر وہ نکاح سے خارج ہوگئی اور محل طلاق بھی باقی نہیں رہا، اس کے بعد دوسری اور تیسری مرتبہ یکے بعد دیگرے مطالبہ کرنے کے ساتھ ساتھ جو طلاق دی گئی ہیں، وہ شرعی طور پر واقع نہیں ہوئیں؛ اس لئے مذکورہ صورت میں صرف ایک طلاق بائن واقع ہوئی، طلاق مغلظہ واقع نہیں ہوئی، ہاں اگر ایک جملہ میں تین طلاق کا استعمال کیا ہوتا، تو تین طلاق واقع ہوجاتیں، یہاں ایسا نہیں ہوا؛ اس لئے مذکورہ لڑکی سے بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی گنجائش باقی ہے اور مہر آپس کی رضامندی سے جو طے ہوجائے وہی مقرر کیا جاسکتا ہے۔

قال لزوجته غير المدخول بها: أنت طالق ثلاثا وقعن وإن فرق بوصف، أوخبر، أوجمل بعطف، أو غيره بانت بالأولىٰ لا إلى عدة، ولم تقع الثانية. (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ٣/٢٨٤، زكريا ٤/٥٠٩) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍ ۸۱۵۵)

طلاق دے کر زوجیت سے الگ کرتا ہوں

سوال [۶۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رحمت جہاں بنت الطاف حسین محلّہ: پیر زادہ تالاب والی مسجد، کے ساتھ میری شادی ہوئی تھی، مہر پچاس ہزار روپیہ تھا، شادی کے بعد ہی سے مزاج نہ ملنے کی وجہ سے جھگڑا برابر ہوتا رہا، میں اس کو سمجھا تا رہا، ایک دن میکہ جانے لگی اور کہنے لگی مجھے طلاق دو ورنہ تم سب پر جہیز کا مقدمہ قائم کرادوں گی، جب میں سسرال گیا تو مجھ سے بدکلامی کی واپس گھر آ گیا اور یہ سب ماجرا گھر والوں کے سامنے رکھا، پھر مجبوراً میں نے دو گواہوں کی موجودگی میں طلاق نامہ لکھ کر بذریعۂ رجسٹری لڑکی والوں کے گھر بھیج دیا، وہ طلاق نامہ انہوں نے وصول کرلیا اور میرے خلاف مہیلا تھانہ میں چار آدمیوں کی رپورٹ کردی، میں اور میرے گھر والے پریشان رہے، میں مہر اور عدت کا خرچہ دینے کو تیار ہوں اور طلاق نامہ میں صرف یہ لکھا ہے کہ ’’طلاق دے کر زوجیت سے علیحدہ کردیا‘‘ اور پھر لوگوں سے شوہر نے تذکرہ کیا کہ میں نے بیوی کو طلاق نامہ بھیجدیا ہے، تو شرعاً کون سی طلاق واقع ہوئی؟

المستفتی: محمد جمال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دے کر زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں، یہ الفاظ عربی عبارت انت طالق بائن کے مرادف ہے اور اس سے ایک طلاق صریح بائن واقع ہوجاتی ہے اور پھر اس کے بعد یہ الفاظ کہ ’’میری جانب سے آزاد ہے‘‘ اس سے دوسری طلاق صریح واقع ہوگئی؛ لہٰذا طلاق نامہ کی عبارت کے مجموعہ سے دو طلاق بائن واقع

ہوگئی ہیں۔ اب اگر دونوں ساتھ رہنے کے لئے تیار ہوجائیں تو تجدید نکاح لازم ہوگا اوراس نکاح کے لئے حلالہ کی ضرورت نہیں اور طلاق نامہ کے لکھنے کے بعد شوہر نے لوگوں سے یہ جو بات کہی ہے کہ میں نے طلاق نامہ بھجوادیا ہے، اس سے کوئی طلاق نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ یہ محض طلاق نامہ کی خبر ہے۔

ویقع بقوله أنت طالق بائن، أو البتة، أو أفحش الطلاق إلی ما قال واحدة بائنة في الکل إن لم ینو ثلاثا. (در مختار مع شامي، کراچي ۳/۲۷۶، زکریا ٤/٤۹۸)

من ألفاظ الصریح الواقع بها البائن مثل أنت طالق بائن أو البتة. (شامي، کراچي ۳/۳۰۷، زکریا٤/٥٤٠)

ولو قال لامرأته أنت طالق، فقال: له رجل ما قلت؟ فقال: طلقتها، أوقال قلت هي طالق فهي واحدة في القضاء؛ لأن کلامه انصرف إلی الإخبار بقرینة الاستخبار. (بدائع الصنائع، زکریا۳/۱٦۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۱۸۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۲۷ھ

رخصتی سے قبل طلاق طلاق طلاق کہنے سے کتنی طلاق ہوئی

سوال [۶۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی ایک سال قبل ہوئی تھی، پھر ہم نے اپنی بیوی زینت بیگم کو تین طلاق دیدی تھیں اور الفاظ یہ ادا کئے تھے کہ جب لڑکی کے والدین نے طلاق کا مطالبہ کیا، تو میں نے طلاق طلاق طلاق تین دفعہ کہہ دیا تھا رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ اب دوبارہ اس سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، تو شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد نوید شیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ رخصتی سے پہلے طلاق کا واقعہ پیش آیا ہے، تو ایسی صورت میں متعدد لفظوں کے ساتھ جو طلاق دیجاتی ہے،ان میں سے صرف پہلے لفظ کا اعتبار ہوتا ہے، اس لفظ کے بولتے ہی بیوی پر طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے اور عورت نکاح سے نکل جاتی ہے، اس کے بعد بقیہ الفاظ جو کہے جاتے ہیں، وہ نکاح سے خارج ہوجانے کے بعد زبان سے نکلتے ہیں؛ لہٰذا ان سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی صرف پہلے لفظ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے؛اس لئے بغیر کسی حلالہ کے دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

وإن فرق بوصف، أو خبر، أوجمل بعطف، أو غيره بانت بالأولىٰ لا إلى عدة. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب الطلاق يقع بعدد قرن به لا به، كراچي ٢٨٦/٣، زكريا٤/ ٥١٢، احسن الفتاوی ٥/ ١٢٩، هندية قديم ٣٧٣/١، جديد زكريا ٤٤٠/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۷۶۴)

غیر مدخول بہا کو الگ الگ تین طلاق اور حالت حیض میں خلوت کا حکم

سوال [٦٥١٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی کی کسی لڑکے سے شادی ہوجاتی ہے اور وہ جب والدین سے رخصت ہوکر اپنے شوہر کے گھر جاتی ہے اور جب اس کا شوہر اس سے پہلی رات میں رجوع ہونا چاہتا ہے، تو لڑکی اپنی طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کرتی ہے، اوراس کو رجوع ہونے سے روک دیتی ہے کہ میں اس وقت حیض سے ہوں (یعنی مجھ کو حیض آرہا ہے) لڑکا اس کے اصرار پر مان جاتا ہے اورلڑکی حق زوجیت ادا نہ کرسکی، دوسرے دن ہی لڑکی اپنے میکے چلی گئی، پھر

دوبارہ اپنے شوہر کے گھر جانے سے انکار کردیا، یہاں تک کہ نوبت طلاق تک پہونچ گئی، لڑکے کے والدین نے لڑکی کو بہت کچھ سمجھایا، مگر اس نے انکار ہی کیا اور طلاق لینے کی مانگ کی، لڑکے کے والدین نے لڑکے سے طلاق دلوائی، یہ طلاق اہل پنچ حضرات کے اصرار پر دی گئی، لڑکا طلاق دینے پر راضی نہ تھا، مگر لڑکے نے تین مرتبہ لفظ طلاق ادا کیا۔

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حق زوجیت ادا نہ ہونے پر بھی طلاق ہوسکتی ہے؟

(۲) اگر طلاق ہوسکتی ہے تو کیا ایسی حالت میں بھی لڑکی مہر کی حق دار ہے؟

(۳) اور یہ کہ لڑکی کو عدت گذرنا ضروری ہے؟

(۴) لڑکی دوبارہ اپنے شوہر کے گھر آنا چاہتی ہے، جس کو طلاق ہوئے ایک ماہ دس یوم کا عرصہ گذر چکا ہے؟

(۵) کیا نکاح ثانی کی گنجائش ہے؟ یا وہ لڑکی اپنے شوہر کے نکاح سے خارج ہوگئی ہے؟

(۶) یا وہی نکاح کافی ہے؟

المستفتی: محمد نبی

جواب منجانب: جامعہ حیات العلوم مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر واقعتاً لڑکی کو حیض آرہا تھا، تو مانع وطی پایا گیا اور مانع وطی پائے جانے کی صورت میں خلوت صحیحہ نہیں ہوئی؛ لہٰذا اگر شوہر نے اپنی غیر مدخولہ کو الگ الگ تین مرتبہ طلاقیں دیں، تو اس کی بیوی کو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی۔

(۲) طلاق بائنہ غیر مدخولہ بیوی کو دینے سے نصف مہر دینا ہوگا۔

(۳) چونکہ قبل الخلوۃ طلاق واقع ہوئی ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں عدت ضروری نہیں ہے۔

(۴) جی ہاں اپنے شوہر کے گھر نکاح جدید کے ساتھ جاسکتی ہے۔

(۵) نکاح ثانی کیا جاسکتا ہے بغیر نکاح شوہر اول کے پاس نہیں جاسکتی۔
(۶) پہلا نکاح کافی نہیں ہے دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

تصدیق منجانب: مفتی شبیر صاحب مفتی جامعہ قاسمہ مدرسہ شاہی مرادآباد

خلوت فاسدہ کے بعد طلاق واقع ہونے سے عدت لازم ہوتی ہے۔

وتجب العدة في الكل أي كل أنواع الخلوة ولو فاسدة الخ.

(درمختار، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ديوبند ٤/٢٦١)

تصدیقہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ

مستقل جواب منجانب: دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۳/۲/۱) لڑکی اگر حالت حیض میں تھی اور حیض کا عذر بیان کر کے شوہر کو مقاربت پر قابو نہ ہونے دیا، تو شرعاً خلوت صحیحہ ثابت نہیں ہوئی ہے، اب اگر اس حالت میں الگ جملوں سے ۳رمرتبہ طلاق دی ہے، تو صرف ایک طلاق بائن واقع ہوچکی ہے اور لڑکی کے لئے نصف مہر شوہر پر لازم ہوچکا ہے اور لڑکی پر عدت گذارنا لازم ہوگا۔

أو كانت حائضا فليست الخلوة صحيحة حتى لو طلقها، كان لها نصف المهر؛ لأن هذه الأشياء موانع الخ (هداية، اشرفي بكڈپو ديوبند ٢/٣٢٦)

وتجب العدة في الكل أي كل أنواع الخلوة ولو فاسدة الخ .

(در مختار، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ديوبند ٤/٢٦١، كراچي ٣/١٢٢)

اس حالت میں اگر اسی شوہر کے پاس دوبارہ رہنے کا ارادہ ہے، تو عدت کے اندر یا عدت کے بعد شرعی طور پر دوبارہ نکاح جدید کر کے رہ سکتی ہے، بغیر نکاح کے جائز نہیں ہوگا۔

وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلث فله أن يتزوجها في العدة، وبعد

انقضائها الخ. (هداية، اشرفي بکڈپو ديو بند۲/ ۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۱۰۱)

غیر مدخولہ کو متفرق طلاق، پھر اس سے نکاح کی کیا صورت ہے؟

سوال [۶۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی بحالت بچپن۔ اب زید بالغ ہوگیا اور ہندہ ابھی تک نابالغ ہی ہے اور زید نے اس ہندہ کو تین طلاق متفرقہ دیکر چھوڑ دیا اور اس کے بعد دوسری جگہ شادی کر لی، پھر زوجہ ثانی کا کچھ دنوں کے بعد انتقال ہوگیا، اب زید یہ چاہتا ہے کہ میں زوجہ اول سے شادی کروں، تو شریعت محمدی کے مطابق کیا صورت ہوگی؟ تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: عبدالخالق، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سابقہ بیوی کو متفرق طریقے سے تین طلاق دی ہیں اور اس سے ہمبستری نہیں ہوئی ہے یا بوقت طلاق وہ نابالغہ تھی، تو متفرق طلاقوں میں سے صرف اول طلاق واقع ہو چکی ہے اور باقی دو طلاق لغو ہوگئی ہیں؛ لہٰذا اب اگر دوبارہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو بلا حلالہ نکاح کرنا جائز ہوگا۔

فإن فرق الطلاق (بغير الدخول بها) بانت بالأولىٰ ولم تقع الثانية، والثالثة، وذلك مثل أن يقول أنت طالق، طالق، طالق؛ لأن كل واحد إيقاع على حدة.

(هداية اشرفي بكڈپو ديو بند۲/ ۳۷۱، هكذا في الهندية، كتاب الطلاق، الفصل الرابع في الطلاق قبل الدخول، زكريا قديم ۱/ ۳۷۳، جديد ۱/ ٤٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷ ؍ ۲۳۹۷)

طلاق بائنہ کی ایک صورت

سوال [۷۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کونسی طلاق واقع ہوئی، طلاق بائنہ یا طلاق مغلظہ؟ بالتفصیل وبالدلیل بیان فرمائیں۔

بیان مطلق نثار احمد اپنی ماں کے یہاں چلی جا تجھے رکھوں گا نہیں غصہ کی حالت میں ایک مرتبہ، بیان مطلقہ ہاجرہ شوہر نے کہا تو اپنی ماں کے یہاں چلی جا تجھے رکھنا نہیں۔

بیان گواہ میمونہ زوجہ مختار احمد جو موقع پر موجود تھی انہوں نے سنا کہ مطلق نے دو طلاق دی، بیوی نے کہا کہ اچھا مجھے تین مرتبہ کہدو، اس پر شوہر نے کہا کہ کتنی مرتبہ کہلاؤ گی؟ تو اپنی ماں کے یہاں چلی جا، میں نے تجھے آزاد کر دیا یہ تیسرا جملہ تھا۔

بیان گواہ ثانی قاری نسیم احمد صاحب حاضرین خواتین نے انہیں بلوایا، ان کے معلوم کرنے پر نثار احمد نے کچھ جواب نہیں دیا، ڈاکٹر نی سرولی کے معلوم کرنے پر نثار احمد نے کہا اب کیا کرنا، نثار احمد نے کہا کہ میں نے ہاجرہ کو آزاد کر دیا، یہ اپنی ماں کے یہاں چلی جائے اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا، ہاجرہ مطلقہ نے کہا کہ اب کیا کرنا ہے، تو قاری نسیم احمد نے جواب دیا کہ مفتی صاحب کو آنے دو ان سے معلوم کریں گے، تو نثار احمد نے کہا کہ اس میں مفتی صاحب کیا کریں گے؟ مجھے جو کرنا تھا وہ کر دیا۔

بیان والد مطلق نسیم احمد برادر کلوا وقاری نسیم احمد صاحب کہتے ہیں، ہم نے نثار احمد سے پوچھا کہ تم نے جو اپنی زوجہ کے ساتھ میں یہ معاملہ کیا ہے وہ صحیح ہے یا غلط، اس پر نثار احمد نے جواب دیا کہ وہ بات صحیح ہے، میں نے معاملہ کو آر پار کر دیا، ہم میں سے نسیم احمد نے دوبارہ

معلوم کیا کہ دل سے کیا ہے یا ویسے ہی؟ تو نثار احمد نے کہا کہ دل سے کیا ہے۔

نـــــوٹ: بیانات مذکورہ بالا تمام حضرات سے مجمع عام کے سامنے لکھے گئے ہیں اور گواہوں کے بیان کے وقت مطلق ومطلقہ بالکل خاموش رہے۔

المستفتیة: میمونہ خاتون، سرودی خاتون ...... بڑھاپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) شوہر کے قول میں استقبال ہے؛ اس لئے صرف وعدہ ثابت ہوسکتا ہے۔

كما في الشامي: لو ذكرت بلفظ المضارع سواء ذكرت أنا أو لا، ففي القياس لا يقع؛ لأنه وعدٌ. (شامي، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، زكريا ٤/٥٥٨، كراچي ٣/٣١٩، ٢/٦٥٧)

وفي المحيط: لو قال بالعربية أطلق لا يكون طلاقا الخ. (الفتاوى الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٤، زكريا جديد ١/٤٥٢)

(۲) بیوی کا قول یہ شہادت نہیں؛ اس لئے وہ بھی معتبر نہیں ہے۔

(۳) تنہا میمونہ کے بیان سے شرعی ثبوت نہیں ہوسکتا۔

(۴) قاری نسیم کے بیان میں جو آزاد کردیا کا لفظ ہے، شوہر کا قول اس کی تکذیب کررہا ہے؛ اس لئے دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورت کی شہادت ضروری ہے وہ یہاں مفقود ہے۔

(۵) کلوا، قاری نسیم احمد، تسلیم احمد یہ تینوں حضرات شرعاً مقبول الشہادت ہونے کی شرط پر ان کی شہادت شوہر کے اقرار (میں نے معاملہ کو آر پار کردیا) کے بارے میں معتبر رہے گی، اب اگر شوہر نے آر پار کردیا سے طلاق کی نیت کی تھی، تو اس سے بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/۲۳۳-۹/۲۳۷)

كما في الشامي: (قوله) كتبه من البت بمعنى القطع فيحتمل ما احتمله البائن الخ (شامي، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، زكريا ٤/٥٥٨، كراچي ٣/٣١٩)

اب بغیر نکاح کے بیوی کے ساتھ نہیں رہ سکتا ہے اور اگر میمونہ کے بیان کے مطابق بیوی کو واقعہ کا علم ہے، تو بیوی کو چاہئے کہ کسی طرح خلع وغیرہ کے ذریعہ شوہر سے علیحدگی اختیار کرلے، عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ شوہر کو قابو دے۔

كما في الشامي: والمرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه، والفتوى على أنه ليس لها قتله، ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمال، أو تهرب. (شامي مع الدر، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/٦٣، كراچي٣/٢٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۲۵۵)

❁ ❁ ❁

(۱٦) باب الطلاق بالكتابة

تحریری طلاق کے شرائط

سوال [۲۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی بیوی سے کوئی نازیبا حرکت یا ایسا فعل سرزد ہوگیا کہ اس شخص نے اپنا دماغی توازن کھودیا، اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کے عزیز واقارب نے باقاعدہ اس پر نظر رکھی اور اس کو خودکشی یا کوئی بھی غلط قدم اٹھانے نہیں دیا۔ ۳/۴ دن کے بعد اس کو سمجھایا کہ صرف اپنی بیوی کی طرف نہیں؛ بلکہ اپنے چار بچوں کی طرف دیکھو، تم مروگے تو بچے یتیم ہوجائیں گے اور بیوی کے ساتھ کوئی غلط قدم اٹھایا تو بچے بغیر ماں کے ہوجائیں گے۔

اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے، کیا کرنا ہے؟ اس کی تسلی کے لئے دو آدمی طلاق نامہ ٹائپ کرواکے لے آئے اور اس سے کہا کہ ہم تمہاری اور تمہارے خاندان کی بہتری چاہتے ہیں، یہ طلاق نامہ تیار ہے کچھ گہرائی سے سوچ لو، اس کے بعد دینی اعتبار سے اس طلاق نامہ کا صحیح استعمال کریں گے، وہ شخص راضی ہوگیا اور اس نے طلاق نامہ پر دستخط نہیں کئے، دو روز کے بعد اس کا سگا بھائی آیا، وہ غصہ سے اس کو بھی لے گیا اور طلاق نامہ کے کاغذات بھی ساتھ لے گیا، پھر اپنے گھر جاکر طلاق نامہ پر اس کے دستخط کروالئے، دو گواہوں کے دستخط کروائے اور بذریعۂ رجسٹری اس کی بیوی کو بھیج دیا، یہ شخص فوراً اپنے ان عزیز واقارب کے پاس آیا اور یہ بات بتائی کہ مجھ سے طلاق نامہ پر دستخط لے لئے ہیں، غور طلب بات یہ ہے کہ:

(۱) جب اس سے پوچھا کہ طلاق نامہ میں کیا لکھا تھا؟ تم کو پڑھ کر سنایا، تو اس نے جواب دیا کہ مجھے پڑھ کر نہیں سنایا۔

(۲) کیا طلاق نامہ پر دستخط کروانے سے پہلے ایک بار دو بار یا تین بار تم سے یہ بلوایا گیا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں ایک بار بھی نہیں بولا اور نہ ہی مجھ سے بلوایا گیا۔ مندرجہ بالا عبارت حلفیہ بیان ہے۔

آپ حضرات سے گذارش ہے کہ ان حالات میں از روئے شرع طلاق ہوئی یا نہیں؟ مذکورہ شخص صرف دستخط کرنے کا ذمہ دار ہے نہ تو طلاق نامہ اسے پڑھ کر سنایا گیا اور نہ ہی زبان سے اس نے بولا ہے۔

المستفتی: حاجی شفیع احمد، ناظم اعلیٰ ضلع مسلم کمیٹی کھرگون (مدھیہ پردیش)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ جو طلاق نامہ لکھا گیا ہے، وہ نہ زید نے خود لکھا ہے اور نہ ہی خود لکھوایا؛ بلکہ تیار ہونے کے بعد اس نے اس پر دستخط کرنے سے منع کردیا، پھر بعد میں اس کے بھائیوں نے دباؤ ڈال کر اس سے دستخط کروالیا ہے، نہ اس نے زبانی طلاق کا کوئی لفظ استعمال کیا اور نہ ہی اس کو پڑھ کر سنایا گیا،

ایسی صورت میں تحریری طلاق واقع نہیں ہوئی، تحریری طلاق کے واقع ہونے کے لئے یہ لازم ہے کہ یا تو اس نے خود لکھوایا ہو یا خود لکھا ہو یا لکھی ہوئی تحریر پڑھ کر بخوشی دستخط کر دیا ہو یا کسی دوسرے نے اس کو سنا دیا ہو، پھر بخوشی دستخط کر دیا ہو، ایسی کوئی بات مذکورہ واقعہ میں ثابت نہیں ہے؛ اس لئے مذکورہ طلاق نامہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچي ۳/ ۲٤۷، زكريا ٤/ ٤٥٦، الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/ ٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/ ٣٧٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ؍)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵؍۷؍۱۴۲۹ھ

تحریری طلاق نامہ میں شوہر کا اقرار معتبر ہے یا تحریر؟

سوال [۶۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس بات کی تصدیق کی جاتی ہے کہ جناب غلام دستگیر نے اپنی بیوی منور سلطانہ کو چند سال قبل ایک طلاق رجعی دی تھی، مگر ٹائپ کرنے والے نے تین لکھ دی تھی، اس سلسلے میں تاج المساجد بھوپال کے دارالافتاء سے فتوی بھی لایا گیا؛ چونکہ غلام دستگیر صاحب نے دارالقضاء میں پیش کیا، دارالقضاء نے فتوے پر اور غلام دستگیر صاحب کی اصل اور پہلی تحریر پر غور کیا، جس سے یہی ثابت ہوا کہ ایک ہی طلاق واقع ہوئی؛ لیکن چونکہ عدت کی مدت گذر گئی؛ لہٰذا طلاق رجعی طلاق بائن ہو کر نکاح ٹوٹ گیا۔

غلام دستگیر اور منور سلطانہ بخوشی دوبارہ اپنی زندگی گذارنا چاہیں، تو نکاح جدید کر کے گذارنے کی ازروئے شرع اجازت ہے؟ اس سلسلے میں غلام دستگیر کا حلفیہ بیان بھی لیا گیا،

جو دار القضاء میں محفوظ ہے۔

المستفتی: محمد وسیم ٹانڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرسلہ چاروں کاغذات شروع سے آخر تک اچھی طرح سے پڑھا اور دیکھا، سوال نامہ میں بھوپال کے دار الافتاء کا فیصلہ جو لکھا گیا ہے، اس کے بارے میں دوسرا کاغذ بطور سوال نامہ کے جو پیش کیا گیا اور اس میں دار الافتاء اور دار القضاء کے فیصلہ میں شبہ کا اظہار کیا گیا ہے؛ احقر نے بھی شوہر کے پہلے کاغذ اور پھر اسی کا ٹائپ جو کہ چوتھا کاغذ ہے، اس پر بھی غور کیا اور سوال نامہ میں اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ شوہر پہلے کاغذ کا اقرار کرتا ہے، جو ہندی میں ہاتھ سے لکھا گیا ہے اور دوسرا کاغذ جس میں پہلے کاغذ کا ٹائپ ہے، اس میں جو تین طلاق کی صراحت کی گئی ہے، اس کا انکار کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ شوہر کے اقرار یا انکار کا اعتبار رہوتا ہے اور شوہر مذکورہ واقعہ میں پہلی تحریر کا اقرار کرتا ہے اور دوسری تحریر میں تین طلاق کے الفاظ کے اضافہ کا انکار کرتا ہے اور ٹائپ کرنے والوں نے وکیلوں کے دستور کے مطابق شوہر کی اجازت اور اس کی تحریر کے خلاف اپنی طرف سے تین طلاق کی صراحت کے ساتھ ٹائپ کر دیا اور شوہر یہ کہہ رہا ہے کہ نہ میں نے اپنی تحریر میں تین طلاق کی صراحت کی اور نہ ہی ٹائپ کرنے والوں کو تین طلاق کی اجازت دی۔ اور صاف الفاظ میں یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے ٹائپ کرنے والوں کو اپنی تحریر کے ٹائپ کی اجازت دی ہے اور اسی خیال میں دستخط کر دیا تھا کہ جیسی میری تحریر ہے ویسی ہی ٹائپ ہے؛ اس لئے پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، بغیر پڑھے دستخط کر دیئے اور خیال میں یہ رہا کہ یہ اسی تحریر کا ٹائپ ہے، جو میں نے خود دی ہے، تو ایسی صورت میں شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا اور اس کے قول کا اعتبار کر کے ایک ہی طلاق کا حکم صادر ہوگا؛ لہٰذا بھوپال کے دار الافتاء اور دار القضاء سے جو فیصلہ اور فتویٰ صادر ہوا ہے،

وہ شریعت کی روشنی میں صحیح اور درست ہے۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچي٣/٢٤٧، زكريا٤/٤٥٦، الفتاوى التاتارخانية، زكريا٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۴۹۱/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۷/۱۴۲۵ھ

شوہر سے زبانی وتحریری جبراً طلاق لینے میں فرق کی وجہ

سوال[٦٥٢٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زبردستی اگر شوہر سے زبانی طلاق کہلوالی جائے، تو سنا ہے کہ اس سے طلاق ہوجاتی ہے؛ لیکن اگر زبردستی صرف تحریر لے لی جائے، یا کسی سے طلاق نامہ لکھوا کر جیسا کہ عدالت کے فیصلہ نامہ پر دستخط کرالئے جائیں تو طلاق نہیں ہوتی، اس کی شرعاً کیا وجہ ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد نعیم، تاج پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زبردستی شوہر سے زبانی طلاق کہلوالی جائے، تو طلاق واقع ہوجائے گی؛ لیکن زبردستی صرف تحریری طلاق لی جائے یا کسی سے طلاق نامہ لکھوا کر شوہر سے دستخط کرالیے جائیں، تو طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کتابت خطاب اور قول کے درجہ میں بوقت ضرورت ہوتی ہے، مثلاً شوہر گونگا ہے؛ لیکن لکھنے پر قادر ہے یا شوہر دوسری جگہ رہتا ہے اور وہاں سے طلاق لکھ کر بھیج دے اور جبراً تحریر لینے کی

صورت میں اس طرح کی کوئی حاجت وضرورت نہیں ہے؛ بلکہ شوہر زبانی طلاق دینے پر قادر ہے؛ لیکن طلاق کے الفاظ نہیں کہتا ہے؛ لہٰذا اس صورت میں حاجت اور ضرورت نہ ہونے کی بناء پر کتابت خطاب کے درجہ میں نہیں ہوسکتی۔

لأن الكتابة كالخطاب باعتبار الحاجة، ولا حاجة هنا. (الفتاوى البزازية، زكريا ١/ ١٢٠، وعلى هامش الهندية٤/ ١٨٥)

لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولا حاجة هنا.

(قاضي خان، زكريا ١/ ٢٨٧، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/ ٤٧٢، شامي، كراچي ٣/ ٢٣٦، زكريا٤/ ٤٤٠، البحر الرائق، كوئٹہ٣/ ٢٤٦، زكريا٣/ ٤٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۷۴۵)	۱۴۲۱/۶/۹ھ

بیوی کی غیر موجودگی میں طلاق دینے کے بعد تحریری طلاق دینا

سوال [۶۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مندرجہ ذیل باتوں پر شرع کا کیا حکم ہے؟ کیا لڑکی کی غیر موجودگی میں لڑکا طلاق تین بار لوگوں کے سامنے کہہ دے، تو طلاق ہوجائے گی یا نہیں؟

(۲) کیا لڑکا دوسرے شہر میں جہاں وہ رہتا ہے تحریری طور پر لکھدے کہ میں نے فلاں فلاں گواہ کے سامنے تحریری طور پر دستخط کر کے طلاق نامہ پر دستخط کر دیئے، تو طلاق ہوجائے گی یا نہیں؟

المستفتی: عظمت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بیوی کی غیر موجودگی میں بھی طلاق ہوجاتی ہے، طلاق کے وقت بیوی کا سامنے ہونا ضروری نہیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۴۲)

(۲) تحریری طور پر طلاق لکھ دینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچي ٣/٢٤٦، زكريا ٤/٤٥٦، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٨، جديد ١/٤٤٦، فتاوى قاضي خان، زكريا ١/٢٨٧، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/٤٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۹۲۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۲۴ھ

موبائل پر بیوی کو میسیج کے ذریعہ سے طلاق دینا

سوال [۶۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح دس ماہ پہلے میری بیوی سے ہوا تھا، چند ماہ بعد میرے ساس سسر کا جھگڑا میرے والد صاحب سے ٹیلیفون پر ہوا، جھگڑا اس قدر بڑھا کہ میرے والد صاحب کے سابقہ ٹیلیفون پر ہی میرے سسر اور ساس نے بے انتہا بدتمیزی اور بدکلامی کی، جب مجھے اس بارے میں معلوم ہوا تو میں بھی غصہ میں بھڑک اٹھا اور اسی غصہ کی حالت میں میں نے اپنی بیوی کو موبائل ملایا اور اپنے والد اور والدہ سے بدتمیزی اور بدکلامی کا سبب معلوم کیا، غصہ بڑھتا گیا؛ کیونکہ گھر جاتے وقت میری بیوی سارا زیور بھی اپنے ساتھ لے گئی تھی؛ اس لئے میں نے اس سے کہا چوٹی سارا زیور بھی میکہ لے کر چلی گئی، تکرار بڑھتی چلی گئی، میرا غصہ بڑھتا چلا گیا اور اسی غصہ کی حالت میں میں نے موبائل پر ہی لکھ کر میسیج دیا کہ میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، یہ سب ہونے کے بعد میرے سسر اور سسرال کے لوگ اس بارے میں مجھ سے معلوم کرنے آئے اور کہا کہ تم نے طلاق دی ہے؟ میں نے پھر وہی بات دہرادی کہ ہاں میں نے طلاق دی ہے۔

المستفتی: اختر حسین ،ایرا نڈیا ایکسپورٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر لکھ کر طلاق دے اور اپنی تحریر کا بعد میں اقرار کرے تو شرعی طور پر ایسی طلاق صحیح اور معتبر ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں جب لڑکے نے موبائل پر لکھ کر بیوی کو تین طلاق کا میسج کردیا ہے اور بیوی کے موبائل پر شوہر کی طرف سے لکھی ہوئی طلاق کا میسج آ گیا ہے اور شوہر نے بعد میں زبانی اقرار بھی کیا ہے، تو اس سے شرعی طور پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب آئندہ بغیر حلالہ دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لو كتب كتابا في قرطاس –إلى قوله– وبعث به إلى امرأته فأتاها الكتاب وأقر الزوج أنه كتابه، فإن الطلاق يقع عليها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ۱/۳۷۹، جديد ۱/۴۴۶)

كتب في قرطاس –إلى– وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه. (شامي، كراچي ۳/۲۴۶-۲۴۷، زكريا ۴/۴۵۶)

ولو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق طلقت ثلاثاً الخ. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۲۱۹، جديد زكريا ص: ۳۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍ ۸۱۹۰)

تحریری طلاق

سوال [۶۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم دونوں فریق منی عرف کلو ولد عبد الغفار بلاری اور محمد صاق ولد چھٹن بلاری ہم دونوں فریق آپس میں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے اپنی خوشی اور مرضی سے الگ

ہورہے ہیں، ہماری آپس میں کوئی رنجش نہیں، یہ کام ہم اپنی خوشی اور خوب سوچ سمجھ کرکر رہے ہیں، ہم نے آپس میں ایک دوسرے کا سامان سارا ہی واپس کردیا ہے۔ اب آپس میں ہم دونوں فریقوں کا کوئی لین دین نہیں ہے اور نہ ہی کوئی مطالبہ ہے اور نہ ہی ہمارا ایک دوسرے کا ہمیشہ کے لئے کوئی تعلق ہے نہ کوئی رشتہ ہم یہ اقرار حلفیہ کرتے ہیں، یہ اسٹامپ اس لئے لکھا ہے کہ کل کو ہم میں سے ایک دوسری فوٹو کاپی دوسرے فریق کے پاس رہے گی یہ اقرار نامہ بتاریخ ۱۲/۲/۷۸ء کو لکھا گیا، تو کیا اس صورت میں شرعی طور پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ جبکہ یہ تحریر طلاق اور جدائیگی ہی کے لئے لکھی گئی ہے۔ نیز برادری پنچایت میں بھی اس طرح طلاق دینے کی وجہ سے فریقین کو حاضر کیا گیا تھا۔

المستفتی: صادق حسین سلمانی ولد چھٹن، بلاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بوقت مذاکرۂ طلاق اور بنیت طلاق ہی تحریر لکھی گئی ہے۔ نیز پنچایتی تحریر میں بھی طلاق دینے کی وضاحت ہے؛ اس لئے منی عرف کلو پر طلاق واقع ہوچکی ہے، عدت گذارنے کے بعد شوہر پر کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہے گی اور نہ ہی منی عرف کلو کو شوہر صادق ولد چھٹن کے یہاں آنا جائز ہوسکتا ہے۔

لو قال: لم یبق بینی وبینک عمل ونوی به الطلاق یقع الخ.

(عالمگیري، کتاب الطلاق، الفصل الخامس في الکنایات، زکریا قدیم ۱/۳۷۶، جدید ۱/٤٤٣، فتاوی قاضی خان، زکریا ۱/۲۸٤، وعلی هامش الهندیة ۱/٤٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۰۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۱۲/۱۴۱۰ھ

تحریری طلاق کا حکم

سوال [۶۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ہندہ کو طلاق بذریعۂ تحریر دی اور وکیل سے کہا کہ طلاق نامہ لکھ دو، وکیل نے طلاق نامہ لکھا؛ لیکن زید کو پڑھ کر نہیں سنایا اور صرف زید کے دستخط کرا لئے اور طلاق نامہ میں تین طلاق لکھیں جیسا کہ لکھنے کا وکیلوں کا رواج ہے، زید نے طلاق نامہ کو گھر جا کر پڑھا، اتنے عرصہ میں مرد وعورت میں صلح ہوگئی اور گھر بنائے رکھنے کے لئے دونوں آمادہ ہوگئے، تو کیا ایسی صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہوگی یا رجعی؟

(۲) ایک شخص نے طلاق نامہ لکھوا کر بیوی کے گھر بھیجا؛ لیکن بیوی کہتی ہے کہ مجھے صرف سادہ کاغذ دستیاب ہوا ہے، تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد مقصود، نائب مفتی جامع العلوم فرقانیہ، رام پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب زید نے وکیل کو طلاق نامہ لکھنے کا اختیار دیا ہے اور وکیلوں کے تین طلاق لکھنے کا رواج سب کو معلوم ہے اور زید کو بھی یہ بات پہلے سے معلوم ہے کہ وکیلوں کا رواج تین ہی طلاق لکھنے کا ہے، پھر وکیل کے لکھنے کے بعد دستخط کے وقت خود پڑھنا یا پڑھوا کر سننا زید نے ضروری نہیں سمجھا اور بخوشی دستخط کر دیا ہے، تو ایسی صورت میں طلاق نامہ میں جتنی طلاقیں لکھی گئیں ہیں، اتنی ہی طلاقیں واقع ہو جائیں گی؛ چنانچہ مذکورہ طلاق نامہ میں تین طلاق لکھی گئی ہیں؛ اس لئے زید کی بیوی ہندہ پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں، اب بغیر حلالہ کے زید کے لئے نکاح بھی درست نہ ہوگا، ہاں البتہ شوہر حلفیہ طور پر قسم کھا کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وکیلوں کے یہاں تین طلاق لکھنے کا رواج ہے اور میرا ارادہ ایک طلاق لکھوانے کا تھا، تو حکم شرعی تین طلاق کا نہ ہوگا۔

(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۱۸۷)

وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق مالم

يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، زكريا٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٧، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦)

(۲) اگر عورت کہتی ہے کہ صرف سادہ کاغذ دستیاب ہوا ہے، اس میں کوئی چیز لکھی ہوئی نہیں ہے اور شوہر انکار کرتا ہے، تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر شوہر اقرار کرتا ہے، تو طلاق واقع ہوجائے گی اور یہ شوہر سے دریافت کیا جائے کہ طلاق نامہ میں کتنی طلاق لکھی گئی ہیں، وہ جتنی طلاق کا اقرار کرے گا اتنی طلاق واقع ہوجائیں گی۔

بأن كتب أما بعد فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (شامي، زكريا٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٧، عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٨٧، جديد ١/٤٤٦، احسن الفتاوى ٥/١٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍۸۴۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۲۵ھ

تحریری طور پر طلاق دینا

سوال [۲۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرصہ دوسال قبل مسمیٰ بی بی حسینہ خاتون کی شادی محمد مفید سے ہوئی تھی اور حسینہ خاتون اپنے سسرال میں رہنے لگی، اس درمیان چند وجوہات کی بناء پر میاں بیوی میں نا اتفاقی پیدا ہوگئی، جس کی وجہ سے اس کا شوہر محمد مفید نے اپنے ایک رشتہ دار کی معرفت ایک تحریری خط لڑکی کے والد کے پاس بھیجا، خط کا مضمون اس طرح تھا: ”بی بی حسینہ بیگم تم میری طلاقی بیوی ہو، میں نے تمہیں طلاق دی، طلاق دی تم اپنا انتظام خود کرلو، میں اپنا انتظام خود کرلوں گا، میں کما کر تمہارا دین مہر ادا کردوں گا“ اس تحریری خط کے علاوہ بھی محمد مفید نے گاؤں کے لوگوں اور اپنی بیوی کے سامنے بھی بار بار طلاق دینے کی بات

کہی ،اس تحریری خط کولڑکی کے والدین نے اپنے گاؤں کے کئی ذمہ داروں کو دکھایا جس کی بناء پرلوگوں نے لڑکی کی دوسری شادی کرنے کا مشورہ دیا ،اس تحریری خط (طلاق نامہ) کے تقریباً نودس مہینہ کے بعد بی بی حسینہ خاتون نے اپنے گاؤں کے محمد تجمل حسین سے باضابطہ دوسرا نکاح کر کے میاں بیوی کی طرح رہنے لگے، دوسری شادی کے بعد اب شوہر اول اوراس کے والدلڑکی کے والد پر دباؤڈال کرلڑکی کوشوہر اول کے پاس رہنے کو کہہ رہے ہیں، ادھراس تحریری خط کوزورزبردستی کر کے شوہر اول اوران کے رشتہ داروں نے چھین لیا ہے، اب بی بی حسینہ کسی بھی صورت میں شوہر اول کے پاس جانا نہیں چاہتی ہے، بی بی حسینہ کا کہنا ہے کہ مجھے طلاق دیدی گئی ہے، میں ناجائز رشتہ نہیں رکھنا چاہتی، مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں جناب والا سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ محمد مفید نے تحریری خط میں جو جملہ استعمال کیا ہے، اس سے طلاق واقع ہوئی ہے یانہیں اور یہ طلاق کی کون سی قسم ہے؟ بی بی حسینہ دوبارہ شوہر اول کے ساتھ رہ سکتی ہے یانہیں؟ تجمل حسین سے بی بی حسینہ کا نکاح جائز ہے یانہیں؟ بالتفصیل مدلل ومع حوالہ جواب دینے کی زحمت فرمائیں، احسان عظیم ہوگا۔

المستفتی : جسیم الدین رحمانی، سپول (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرسائل کا بیان صحیح ہےاورتحریر میں شوہر نے واقعی طور پر مذکورہ الفاظ لکھایا لکھوایا ہے،تو مفید کی طرف سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اگر چالاکی سے تحریر چھین لی ہے،تو اس سے طلاق پر کوئی اثر نہیں پڑے گا،طلاق واقع ہوچکی ہے، شوہر کے الفاظ ’’تم میری طلاقی بیوی‘‘ سے ایک طلاق اور تمہیں طلاق دی، طلاق دی کے الفاظ سے دوطلاق کل تین طلاق واقع ہوچکی ہیں۔

ومن الصريح يا مطلقة وكطلقتك ثلاثًا. (شامي، كراچي ۳/۲۴۸، زكريا ۴/۴۵۷)

وإن كـان الطـلاق ثـلاثـاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تـنـكـح زوجـاً غيـره نكاحًا صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها.
(فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفی ديوبند ٢/٣٩٩)

اور مفید کے طلاق کے بعد عدت گذار کر تجمل حسین کے ساتھ جو نکاح ہوا ہے، وہ صحیح اور درست ہے، اس کے نکاح میں ہوتے ہوئے مفید کا حسینہ کو لے جانا ناجائز اور حرام کاری ہوگا، اگر چہ دوبارہ نکاح بھی کرلے گا تب بھی جائز نہ ہوگا۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته (إلى قوله) لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ٣/١٣٢، زكريا ٤/٢٧٤، هندية، زكريا قديم ١/٢٨٠، جديد ١/٣٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۸۱۷)

حالت حمل میں تحریری طلاق دینا

سوال [۶۵۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بہن کو اس کے شوہر نے تحریری طلاق دی ہے، اور وہ حمل سے ہے، اس دوران اس کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

(۲) اس حالت میں کسی قانونی کارروائی کے تحت تھانہ یا عدالت جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: شاہنواز حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت حمل میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

طلاق الحامل يجوز عقيب الجماع الخ (هداية، اشرفی ديوبند ٢/٣٥٦، قدوري، امداديه ديوبند ١٧١)

(۲) وضع حمل تک نان ونفقہ کے لئے قانونی کاروائی کرسکتے ہیں، ولادت کے بعد پھر کسی قسم کا حق متعلق نہ ہوگا۔

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة، والسكنى كان الطلاق رجعيًا، أوبائناً،أو ثلاثاً حاملاً كانت المرأة أو لم تكن. (هندية، زكريا قديم ۱/ ۵۵۷، جديد ۱/ ۶۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱ر ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۲۲۴/۳۳)	۱۴۱۸/۴/۱ھ

’’میں ......کوطلاق دیتا ہوں‘‘ بیوی کولکھ کر دینے سے طلاق

سوال [۶۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپس میں تکرار ہورہا تھا، میرے اور میری بیوی کے درمیان، تب اس میں میں نے اپنی زبان سے طلاق کا لفظ استعمال نہیں کیا صرف اس کو ڈرانے کے لئے اسی کے سامنے ایک ہی کمرے میں بیٹھ کر حسب ذیل الفاظ لکھ کر اس کے ہاتھ میں دیئے۔

میں ......کوطلاق دیتا ہوں، میں ......کوطلاق دیتا ہوں، میں ......کوطلاق دیتا ہوں بقلم خود، ایسی صورت میں شرعی طور پر طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: دلشاد حسین، محلّہ: کچا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور واقعی بیوی کے سامنے ہی مذکورہ الفاظ لکھ کر بیوی کے ہاتھ میں دیا ہے اور زبان سے کوئی لفظ طلاق کا استعمال نہیں کیا ہے اور نہ ہی زبان سے کہنے میں کوئی رکاوٹ رہی ہے، تو ایسی صورت میں محض لکھ کر بیوی کے ہاتھ میں دینے سے طلاق واقع نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ طلاق بالکتابت کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے کہ جب زبان سے طلاق دینے میں عذر ہوا اور یہاں کوئی عذر نہیں ہے۔

لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولا حاجة ههنا.
(شامي، كراچي ٣/٢٣٦، زكريا ٤/٤٤٠، البحرالرائق، کوئٹہ ٣/٢٤٦، زکریا٣/٤٢٩، فتاوى قاضى خان، زكريا ١/٢٨٧، وعلى هامش الهندية ١/٤٧٢)

لأن الكتابة كالخطاب باعتبار الحاجة، ولا حاجة هنا. (فتاوى بزازية، زكريا١/ ١٢٠، وعلى هامش الهندية، زكريا٤/ ١٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹۲۴/۲۸)

تحریری طلاق کی ایک صورت

سوال [٦٥٢٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید فی الوقت گھر سے باہر ہے، یعنی سعود یہ ہے، اور زید اور اس کی بیوی میں باہم اچھے تعلقات ہیں، کسی قسم کا جھگڑا نہیں، دونوں ایک دوسرے سے خوش ہیں، اسی دوران زید کی بیوی سے اور زید کے گھر والوں سے جھگڑا ہوا، تو زید کے گھر والوں نے ایک پرچہ بنایا جونسبت جوڑتا ہے زید کی طرف کہ زید نے یہ پرچہ تمہارے نام بھیجا ہے اور تم کو طلاق دے رہا ہے؛ جبکہ اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے پرچہ کے بارے میں کہ حقیقت میں زید نے بھیجا ہے، اس صورت میں زید کی بیوی اپنی ماں کے گھر ہے، تو آپ برائے کرم اس مسئلہ کو جلد قرآن وحدیث کی روشنی میں حل کر کے جواب دیدیں تو مہربانی ہوگی؛ کیونکہ اس وقت حالت دونوں طرف نازک چل رہی ہے، خیال رہے کہ زید کی طرف سے جو پرچہ بنا ہے اس کو بھی ساتھ میں ارسال کر رہا ہوں، اس کو دیکھ کر آپ قیاس لگاسکیں گے؛ کیونکہ قرآن وحدیث میں ایک درجہ قیاس کا بھی ہے، امید کہ جلد جواب دیں گے۔

پرچہ: ”میں طلاق دے رہا ہوں“ اس کی مرضی سے طلاق طلاق طلاق، اب تم اپنا انتظام کرلو۔

المستفتی: محمد یعقوب، باندرہ ایسٹ، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: براہ راست خط یا فون کے ذریعہ سے زید سے معلوم کیا جائے، اگر زید انکار کرتا ہے، تو طلاق نہ ہوگی اور اگر اقرار کرتا ہے، تو طلاق معتبر ہوگی۔

كل كتاب لم يكتبه بخطه و لم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچي ۳/۲٤۷، زكريا ٤/٤٥٦، تاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍شوال المکرم ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۲۸۵۹)

بیوی کے سامنے تحریری طلاق دینا

سوال [۶۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک کاغذ پر ایک طلاق دی، پھر کچھ دن کے بعد ایک دوسرے کاغذ پر ایک طلاق دی، پھر ایک طلاق کاغذ پر دی، پھر چوتھی مرتبہ کچھ دن کے بعد ایک طلاق دی اور ہر دفعہ اس کی بیوی اس کے سامنے تھی، زبان سے اس نے تلفظ نہیں کیا (طلاق کا لفظ) تو کیا اس صورت میں اس کی بیوی پر طلاق ہوئی یا نہیں؟

نوٹ: (۱) چار دفعہ ۴؍ کاغذ پر لکھا ہے (۲) ایک طلاق دی ہر دفعہ (۳) طلاق کا تلفظ زبان سے نہیں کیا (۴) اس کی بیوی ہر دفعہ اس کے سامنے موجود تھی، ایک صاحب نے فتاوی محمودیہ ۱۳؍۲۷۱، اور شامی مسائل شتی ۵؍۴۷۰ کے حوالہ سے لکھا کہ طلاق نہیں ہوئی؛ لیکن ہم نے فتاوی دارالعلوم ۹؍۱۴۱ میں اس کے برعکس دیکھا ہے۔

المستفتی: محمد وسیم ٹانڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی سامنے موجود ہوتی ہے،تو سامنے ہی تحریرلکھ کر دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی؛ جبکہ زبان سے طلاق نکالنے میں کوئی مجبوری نہ ہو اور یہی مسئلہ صحیح ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔فتاوی محمودیہ میں بھی یہی مسئلہ لکھا ہے اور فتاوی دارالعلوم میں واقعہ ایسانہیں ہے، اس میں بیوی کے سامنے موجود ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے؛ بلکہ بیوی والوں کا تذکرہ ہے؛ اس لئے فتاوی دارالعلوم کا اس مسئلہ سے کوئی تعارض نہیں۔

لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولاحاجة هنا. (شامي، كراچي۳/۲۳٦، زكريا٤/٤٤٠، البحرالرائق، كوئٹه۳/٢٤٦، زكريا۳/٤٢٩، فتاوى قاضي خان، زكريا ۱/۲۸۷، وعلى هامش الهندية، زكريا۱/٤٧٢)

لأن الكتابة كالخطاب باعتبار الحاجة، ولا حاجة هنا. (الفتاوى البزازية، زكريا ۱/۱۲۰، وعلى هامش الهندية ٤/١٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲ ؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۲۱۸)	۱۴۲۰/۶/۲۲ھ

بیوی کے سامنے بیٹھ کر طلاق لکھ کر دیدیا، مگر زبان سے کچھ نہیں کہا

سوال [۶۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے اپنی بیوی کو سامنے بیٹھا کر لکھ کر دیا کہ تجھے طلاق،تو سوال یہ ہے کہ سامنے بیٹھ کر طلاق لکھ کر دینے سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ جبکہ شوہر گونگا نہیں ہے، اس سلسلہ میں فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۲؍۶۱۵ ؍میں عدم وقوع طلاق کا فتوی ہے اور مفتی تقی صاحب عثمانی لکھتے ہیں فتاوی عثمانی ۲؍۳۸۲، میں کہ طلاق واقع ہوجائے گی ،مفتی صاحب سے

گذارش ہے کہ صحیح مسئلہ کیا ہے؟ مع دلائل کے جواب مرحمت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد عظمت علی آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کو سامنے بیٹھا کر طلاق لکھ کر دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی؛ جبکہ شوہر گونگا نہیں ہے، بولنے پر قادر ہے؛ کیونکہ کتابت بوقت ضرورت عبارت کے قائم مقام ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی طلاق واقع نہ ہوگی، دلائل کی روشنی میں فتاوی محمودیہ کی عدم وقوع طلاق کی بات زیادہ صحیح ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۶۱۵، ۶۱۶، میرٹھ ۱۸/۲۵۸)

اور فتاوی عثمانی میں بعینہ اس مسئلہ کا جواب نظر سے گذرا۔

إیماء الأخرس و کتابته کالبیان باللسان بخلاف معتقل اللسان أي فلا یعتبر إیماؤه و لا کتابته. (شامي، کراچي ٦/٧٣٧، زکریا ١٠/٤٦٠)

عن الأشباه أنه في حق الأخرس یشترط أن یکون معنونًا وإن لم یکن لغائب، وظاهره أن المعنون من الناطق الحاضر غیر معتبر. (شامي، کراچي ٦/٧٣٧، زکریا ١٠/٤٦١)

لأن الکتابة أقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولاحاجة هنا. (خانیة، اتحاد ١/٢٨٧، زکریا قدیم ١/٤٧٢، فتاوی بزازیة، زکریا ١/١٢٠، وعلی هامش الهندیة، زکریا ١/٤٧٢، شامي، کراچي ٣/٢٣٦، زکریا ٤/٤٤٠، البحرالرائق، کوئٹه ٣/٢٤٦، زکریا ٣/٤٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۴۰۲)

بیوی کے سامنے طلاق طلاق لکھنا

سوال [۶۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی میری اجازت کے بغیر میکہ چلی گئی، تو میں نے بیوی کی واپسی پر کہا کہ تو گھر چلی جا، تو بیوی نے کہا کہ لکھ دو، تو میں نے بیوی کے ہاتھ پر گھر چلی جا لکھ دیا، تو بیوی نے کہا کہ طلاق لکھ دو، تو میں نے ایک بار طلاق لکھ دی، تو بیوی نے کہا کہ کاغذ پر لکھ دو، تو میں نے کاغذ پر تین مرتبہ بغیر کچھ بولے صرف لفظ طلاق، طلاق، طلاق لکھ دی، نہ کچھ بولا اور نہ طلاق کا ارادہ تھا اور اب میری بیوی حمل سے ہے، تو کیا ایسی صورت میں میری بیوی پر طلاق واقع ہوگئی؟ شرع کی روشنی میں مسئلہ کا حل فرمائیں۔

المستفتی: افضال احمد، چاندپور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب آپ کی بیوی سامنے موجود ہے اور آپ نے زبان سے کچھ نہیں بولا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی اضافت ہے، تو صرف ''طلاق، طلاق، طلاق'' لکھ دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ بیوی جب سامنے موجود ہو تو قادر علی التکلم کے لئے زبان سے طلاق دینا ضروری ہے، محض لفظ طلاق لکھ دینے سے یا لکھی ہوئی تحریر پر دستخط کر دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا آپ کی بیوی پر کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۲۵، ۱۳/ ۱۷۲، جدید ڈابھیل ۱۲/ ۶۱۶)

أکرہ علی أن یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا یقع؛ لأن الکتابۃ کالخطاب باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھنا. (بزازیۃ، زکریا ۱/ ۱۲۰، وعلی ھامش الھندیۃ ٤/ ۱۸۵، شامي، کراچي ۳/ ۲۳٦، زکریا ٤/ ٤٤٠، خانیۃ، زکریا ۱/ ۲۸۷ وعلی ھامش الھندیۃ ۱/ ٤۷۲، البحر الرائق، کوئٹہ ۳/ ۲٤٦، زکریا ۳/ ۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۶/ ۱۴۲۳ھ

تحریری طلاق

سوال [۶۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مقصد تحریر یہ ہے کہ خوف خدا، سماج کی انگشت نمائی کا ڈر، شریعت اسلامیہ کے تقاضہ کا پیش نظر رہنا وغیرہ ایسے امور جن کی بنا پر تمہارے ساتھ نکاح سے لے کر اب تک تقریباً چھ سال سے زائد عرصہ میں میں نے نباہ کی ہر ممکن کوشش کرلی؛ جبکہ تم اور تمہارے بھائی، بہنوں نے مجھے پریشان کرنے اور بلیک میل کرنے اور اس کے واسطے میرے تمام گھر والوں کو مجھ سمیت جہیز کیس میں پھنسانے جیسی دھمکیوں سے لے کر میری کردار کشی تک کسی بھی وار سے دریغ نہیں کیا؛ جبکہ میں اپنی مولویانہ وضع اور معاشرہ میں عزت کی خاطر نیز یہ سوچ کر کہ شاید دیر سویر تمہاری سمجھ میں بات آجائے ہر اذیت برداشت کرتا رہا؛ لیکن ہر قسم کی فہمائش پر تمہارا ایک ہی مطالبہ رہا کہ ''مجھے آزاد کردو'' لکھ کر دےدو وغیرہ وغیرہ۔

چوں کہ میں شادی سے پہلے ہی سے بسلسلہ روزگار سعودی عرب میں مقیم تھا؛ اس لئے میری شادی کے فوراً بعد تمہارا پاسپورٹ بنوا کر تمہیں اپنے ساتھ لے جانے اور اس کے لئے تمہاری خوشامد تک ہر ممکن کوشش رائیگاں جانے پر خود میں نے ہر چار ماہ بعد انڈیا آنا شروع کردیا، اس کے باوجود تم میری مرضی کے خلاف میری عدم موجودگی میں اپنے میکہ سیوہارہ یا اپنے بھائی کے پاس علی گڈھ رہتی رہیں اور پھر شدہ شدہ مجھے پتہ چلا کہ تم نے وہاں سیوہارہ میں ایک پرائیویٹ ٹیچر کی حیثیت سے ایک اسکول میں پڑھانا شروع کردیا اور پھر یہی نہیں؛ بلکہ اس کے نتیجہ میں پولیو پلس مہم جیسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی خاطر اجنبی مردوں کے ساتھ میٹنگوں میں بے محابہ اختلاط سے بھی تمہاری رگ غیرت نہ پھڑک سکی اور یہ سب دلچسپیاں مجھے اس لئے بھی گوارہ نہ تھیں کہ تم کو میری طرف سے دیئے گئے اخراجات کی صورت میں کسی قسم کی کوئی مالی پریشانی بھی نہ تھی اور پتہ چلنے پر میں نے خود شدت کے

ساتھ ان چیزوں سے تمہیں منع بھی کردیا تھا؛ اس لئے کہ یہ بات کوئی بھی غیرت مند انسان برداشت نہیں کرسکتا خاص طور سے ایسی صورت میں کہ تمہارے گھر پر کوئی مرد سرپرست تک موجود نہیں ہے سوائے تمہاری بڑی بہن کے جو خود بھی غیر شادی شدہ اور ایک پرائیویٹ اسکول میں نوکری کرتی ہیں، دوسری تمہاری بوڑھی والدہ ہیں، رہا تمہارا بھائی سو وہ تم سے سینکڑوں میل دور ایک بینک میں ملازم ہے اور وہیں اپنے بچوں کے ساتھ رہتا ہے اور سالہا سال تک گھر نہیں آتا، اس کے علاوہ میں تمہیں خود بھی ایک اجنبی شخص کے ساتھ تمہارے گھر پر غیرت کے تمام تقاضے پھلاندتے ہوئے تمہیں ملتے ہوئے دیکھ کر ٹوک چکا تھا؛ جبکہ اپنے اس عمل سے متعلق تمہارا صرف یہ عذر تھا کہ یہ شخص ہمارا رشتہ دار ہے، تمہارے رہن سہن کے یہ طور طریقے مجھے بالکل پسند نہ تھے، پھر بھی تمہاری ضد تھی کہ تم میری غیر موجودگی میں سیوہارہ ہی رہوگی؛ بلکہ تم نے تو شادی کے ایک ہفتہ بعد ہی سے سیوہارہ مکان بنا کر رہنے کا ارادہ ظاہر کرکے اس پر اصرار شروع کردیا تھا؛ لیکن اپنے بوڑھے والدین کو چھوڑ کر سیوہارہ مکان بنا کر رہنا میرے لئے یوں بھی دشوار تھا کہ میں خود وطن سے باہر رہتا ہوں اور تم بالکل اکیلی ہوتی نہ کوئی دوسرا سہارا؛ لہٰذا جب تم نے اپنا مقصد پورا نہ ہوتا دیکھا تو تم میری اور میرے گھر والوں کی چوری سے میرا سارا زیورا اور قیمتی کپڑے چرا کر اپنے گھر لے گئیں اور جب میں وطن آیا تو تم کو زیورا استعمال نہ کرتے دیکھ کر تم سے معلومات کیں تو پتہ چلا کہ تم نے یہ ساری چیزیں اپنے گھر لے جا کر رکھ دی ہیں اور پھر ایک دن تم خود بھی اپنے گھر جا کر بیٹھ گئیں اور میری ۲۰۰۳ء کی پوری چھٹی گذر گئی اور تم نہیں آئیں، نوبت پنچایتوں تک آئی، میری عزت کی خاطر تم کو بلانے کی کوشش کی تو تمہارے بھائی نے میری شرافت اور ان ساری صورتوں سے فائدہ اٹھا کر تمہارا ساتھ دیا، پورا ایک سال گذرنے اور میری مسلسل کوشش کے بعد تمہارے بھائی نے اس وقت جب میری ۲۰۰۴ء کی چھٹی ختم ہونے میں چند روز باقی تھے اس شرط پر بھیجا کہ تم میرے واپس سعودی عرب چلے آنے پر پھر سیوہارہ ہی

رہوگی، لوگوں نے بات کو نبھانے کی خاطر مجھے آمادہ کرلیا اور میں بڑوں کی بات نہ ٹھکرا کر تم کو گھر لے آیا، ایسے وقت متعدد لوگوں کی موجودگی میں تمہارے بھائی نے یہ وعدہ کیا تھا کہ میرے زیورات ایک ہفتہ میں میرے حوالے کردیئے جائیں گے، اس لئے کہ وہ بینک کے لوکر میں ڈال دیئے گئے ہیں؛ لیکن آج ٢٠٠٦ء کی چھٹی بھی میری مکمل ہونے کو آگئی نہ تم ہی آئیں اور نہ زیورات، تو سوال ہی کیا تھا کہ تم واپس کرتیں۔

میں انہیں اذیتوں اور حالات کے نتیجہ میں ذہنی دباؤ (ہائی پرٹینسی) کا مریض ہوگیا، جس کے نتیجہ میں ایک مرتبہ میرے دماغ سے غیر معمولی خون نکلا، ڈاکٹروں نے ٹینشن سے بچنے کی سخت ہدایت کی، مگر تم نے اپنے اندر تبدیلی نہ لانے کی گویا قسم کھا رکھی تھی، تم گھر بیٹھ گئیں، تم سے جب بھی رابطہ کرنے کی کوشش کی تو تم نے ایک ہی جواب دیا کہ تمہارے بھائی نے میرے ساتھ آنے سے منع کردیا ہے، پھر جب تمہارے بھائی سے رابطہ کیا، تو اس نے نہ صرف یہ کہ تم کو میرے ساتھ بھیجنے سے انکار کردیا؛ بلکہ اپنے بینک منیجر ہونے کے زعم میں مجھے ڈرایا دھمکایا اور میری ہر قسم کی بے عزتی کی، جس کے نتیجہ میں وہ دن آہی گیا جس کا تم سمیت تمہارے بھائی، بہنوں کو انتظار تھا اور جس سے میں بچتا رہا تھا، میرے برداشت کرتے کرتے اس کے باوجود کہ تمہاری اولاد تک نہیں ہو پائی اور علاج معالجہ کے باوجود بھی سب لاحاصل رہا، میں نے چھ سات سال کا عرصہ بتادیا؛ لیکن تمہارے اندر اپنے ساتھ رہنے کی کوئی لچک اور خواہش نہ پاکر تمہاری مرضی اور حالات کے تقاضے کے سامنے سر جھکا دیا اور تمہیں متعدد لوگوں کی موجودگی میں باہوش وحواس طلاق بائن دیدی اور تمہیں اپنے نکاح کے بندھن سے آزاد کردیا، زبانی قول کے بعد اب یہ تحریر مزید تمہیں بھیج رہا ہوں تاکہ تم کسی اور کے ساتھ زندگی گذارو، تو پھر بھائی بہنوں کے کہنے میں نہ آکر ایسی حرکتوں سے باز رہو اور دنیا کے سامنے تم اپنے اس طرز عمل کے لئے چاہے کتنی ہی انکاری بنو؛ لیکن اپنے ضمیر کے سامنے اپنا محاسبہ ضرور کرسکو، اللہ تعالیٰ تمہیں عقل سلیم دے آمین۔

میں نے اپنی بیوی کو۲۴؍شعبان ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۸؍ستمبر ۲۰۰۶ء بروز پیر کو بذریعۂ تحریر ایک طلاق بائن دی تھی، جو تحریر سوال نامہ کے ساتھ منسلک ہے۔

مذکورہ طلاق نامہ کی روشنی میں میری بیوی پر طلاق بائن واقع ہوگئی یا نہیں؟ جبکہ تحریری طلاق کے ساتھ کئی آدمیوں کے سامنے زبانی بھی طلاق بائن دے دی ہے۔

اب میری بیوی اور اس کا بھائی (جو کہ ایک بینک منیجر بھی ہے) دونوں کا مطالبہ ہے کہ میں اپنی طلاق شدہ بیوی خالدہ انجم کو پانچ لاکھ روپیہ دوں اور میں نے جو زیور اس کو استعمال کے لئے چڑھایا تھا (جس کی مالیت تقریباً ایک لاکھ روپیہ ہے) اس سے بھی دستبردار ہونے کا ان کی طرف سے مطالبہ ہے اور اگر میں ان کے مذکورہ دونوں مطالبے پورے نہ کروں تو وہ لوگ طلاق نامہ کی وصولیابی کے منکر ہو کر مجھے اور میرے خاندان کے مرد اور عورتوں کو جہیز کیس میں پھنسانے کی دھمکی دے رہے ہیں، جس کا ذکر ان لوگوں نے قصبہ کے بعض علماء کے سامنے بھی کیا ہے، تو کیا شرعی طور پر طلاق کے بعد مہر کے علاوہ میرے او پر رقم دینے یا اور کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ نیز یہ بات بھی واضح رہے کہ ہماری برادری اور علاقہ میں دستور ہے کہ جو زیور بیوی کو استعمال کے لئے شادی کے موقع پر دیا جاتا ہے، وہ اس کی ملکیت نہیں ہوتی؛ بلکہ شوہر کی ملکیت ہوتی ہے، میری بیوی کی نیت پہلے سے خراب تھی وہ میری عدم موجودگی میں تمام زیور چوری سے اپنے گھر لے گئی تھی؛ تاکہ طلاق کی صورت میں زیور واپس نہ کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

میری بیوی ناشزہ ہے، میرے حقوق زوجیت ادا کرنے سے گریزاں رہتی ہے اور میری اجازت کے بغیر میرے گھر سے باہر سیوہارہ یا علی گڈھ جا کر رہتی ہے، ایسی نافرمان بیوی کو طلاق دینے کے بعد عدت کا خرچہ دینا مجھ پر لازم ہے یا نہیں؟

عورت کے لئے ایسی طرز زندگی جس سے شوہر کی غیرت کا خون ہوتا ہو اور وہ فہمائش اور افہام و تفہیم کے بعد بھی اصلاح احوال پر آمادہ نہ ہو۔ نیز زوجین کی طرف سے ذمہ دار

حضرات کے تصفیہ کی کوشش کے باوجود بھی نباہ کی کوئی صورت نہ آسکی ہوتو ایسے حالات میں ایسی عورت کو طلاق دے کر خلاصی پانا شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی: شباہت علی قاسمی، محلّہ: مولیویان سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) حسب تحریر سوال آپ کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو چکی ہے اور وہ آپ کے نکاح سے نکل چکی ہے۔

وإذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة والشدة كان بائناً مثل أن يقول: أنت طالق بائن، أو البتة. (هداية اشرفی ۲/۳٦۹)

(۲) آپ کے طلاق دینے کے بعد آپ کی بیوی اور اس کے بھائی کا آپ سے پانچ لاکھ روپئے کا مطالبہ کرنا شرعاً درست نہیں ہے اور جو زیور آپ نے اپنی بیوی کو استعمال کے لئے عاریۃً دیا تھا اور آپ کے علاقہ کا عرف بھی عاریۃً دینے ہی کا ہے، اس کا واپس کرنا آپ کی بیوی کے ذمہ ضروری ہوگا اور ان لوگوں کے ناجائز مطالبے کے آپ کی طرف سے پورا نہ ہونے پر آپ پر اور آپ کے گھر والوں پر ناجائز مقدمہ کرنا سراسر ناانصافی، ظلم اور گناہ کبیرہ ہے۔

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعيّ. (شامي، كراچي ٤/٦١، زكريا ٦/١٠٦)

ولـو بعث إلى امرأته شيئاً ولم يذكر جهة عند الدفع غير جهة المهر. فقالت: هو أي المبعوث هدية. وقال: هو من المهر، أومن الكسوة، أوعارية، فالقول له بيمينه. (در مختار مع الشامي، كراچي ٣/١٥١، زكريا ٤/٣٠١)

بیوی کا نان ونفقہ شوہر پر اسی وقت لازم ہوتا ہے جب کہ وہ شوہر کے گھر میں رہے، اگر وہ بلا کسی شرعی وجہ کے گھر سے باہر نکل گئی اور کہیں اور جا کر رہنے لگی تو شرعاً ایسی عورت کے لئے نشوز کی حالت میں نہ طلاق سے پہلے کا نفقہ واجب ہے اور نہ ہی طلاق کے بعد عدت کا

خرچہ واجب ہے، ایسی نافرمان عورت اپنے نفقہ کی خود ذمہ دار ہے۔

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله؛ لأن قوت الاحتباس منها.
(هداية اشرفي ٢/٤٣٨)

لا نفقة لأحد عشر: مرتدة إلى قوله وخارجة من بيته بغير حق.
(شامي، كراچي ٣/٥٧٥، زكريا ٥/٢٨٦)

(۴) حسب تحریر سوال جب کہ نبھاؤ کی کوئی شکل نہیں ہے، تو ایسی صورت میں آپ کو طلاق دینے کی اجازت ہے، اس کی وجہ سے آپ گنہگار نہ ہوں گے۔

إن سببه الحاجة إلى الخلاص عند تباين الأخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم إقامة حدود الله تعالىٰ. (شامي، كراچي ٣/٢٢٨، زكريا ٤/٤٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۸؍ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۶۸/۳۸)	۱۴۲۸/۱/۲۸ھ

ڈرانے دھمکانے کے لئے بیوی کو پرچہ میں لکھ کر طلاق دینا

سوال [۶۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوقین نے اپنی بیوی کو ڈرانے دھمکانے کے لئے لکھا کہ سعیدن میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، دو دفعہ لکھ دیا اور اسی پرچہ کے ساتھ پانچ روپیہ مہر کے رکھ دیا اور بیوی کو دیدیا، تو اس سے کون سی طلاق واقع ہوئی تحریر فرمائیں؟

المستفتی: پیر بخش محمود پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر صرف دو ہی مرتبہ طلاق لکھ کر دے دیا، تو اس سے بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے رکھ لینا جائز ہے،

آئندہ کبھی بھی ایک دفعہ طلاق دے گا، تو بیوی بالکل ہاتھ سے نکل جائے گی۔

وقعتا رجعتين لو مدخولاً بها كقوله أنت طالق، أنت طالق الخ.
(در مختار، كراچي ٣/٢٥٢، زكريا ٤/٤٦٣، مجمع الأنهر، دارالفكر بيروت ٢/١٣)

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان. قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين، فإما أن يمسك ويراجع بمعروف، وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن کبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨٢، رقم:١٥٥٣٩)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، زكريا جديد ١/ ٥٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۹۶۱)

’’ہم دونوں بخوشی ایک دوسرے سے الگ ہورہے ہیں‘‘ لکھنے کا حکم

سوال [۶۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم دونوں فریق منی اور محمد صادق ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے اپنی خوشی سے الگ ہورہے ہیں، ہماری آپس میں کوئی رنجش نہیں، یہ کام ہم خوب سوچ سمجھ کر کررہے ہیں، ہم دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کا سارا سامان واپس کردیا ہے، ہم دونوں فریقوں پر ایک دوسرے کا کوئی لین دین نہیں ہے اور نہ ہمیشہ کے لئے ہمارا ایک دوسرے سے کوئی سمبندھ (تعلق) رہے گا، ہم دونوں اس کا حلفیہ اقرار کرتے ہیں، یہ اسٹامپ اس لئے لکھا کہ کل کو ہم دونوں فریق ایک دوسرے پر کوئی قانونی کاروائی نہ کرسکیں،

اس اسٹامپ کی دوسری فوٹو اسٹیٹ کاپی دوسرے فریق کے پاس رہے گی، یہ اقرار نامہ بتاریخ ۱۲/۲/۱۹۸۷ء کو عمل میں آیا۔

المستفتی: نور محمد، قصبہ بلاری، محلّہ انصاریان، ضلع مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہر کی تحریر میں جو الفاظ ہیں کہ ہم دونوں فریق اپنی خوشی سے ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے الگ ہورہے ہیں، اس تحریر میں اگر شوہر طلاق کا ارادہ کر چکا ہے تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوچکی ہے اور میاں بیوی کا تعلق باقی نہیں ہے۔

ويقع بأنامنک بائن .... (شرح وقايه، مكتبه ياسر نديم اينڈ كمپنى ديو بند ۲/۸۳)

لو قال: أنامنک بائن ونوى الطلاق يقع الخ. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۳۷۵، جديد ۱/۴۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۶۲۵)	۶/۴/۱۴۱۲ھ

طلاق کے صریح الفاظ لکھوانے کے بعد کنائی الفاظ لکھوانا

سوال [۶۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں خود شہادت ولد مستان عمر تقریباً ۲۵/سال ساکن کاشی پور ضلع: نینی تال کا ہوں، میری قوم مسلمان ہے؛ چونکہ میرا نکاح مسماۃ شاہدہ بیگم خاتون دختر محمد عبدالحمید عمر تقریبا ۲۰/سال کے ساتھ اب سے تقریباً ۳/سال پہلے ہوا تھا اور ہم دونوں فریقین دو تین سال تک میاں بیوی کی طرح رہتے رہے تھے، اس کے بعد میاں بیوی میں آپس میں ان بن ہوگئی، یعنی ٹکراؤ رہنے لگا، جس کا سبب یہ ہوا کہ میری بیوی کو عجیب وغریب قسم کی بیماری ہے، آئے دن دورے پڑتے رہتے ہیں، جس کو محمد عبدالحمید ساکن نواسی محلّہ

بمبا گھیر رام نگر والوں نے اوران کے ساتھ کے کچھ لوگوں نے نکاح سے پہلے کی اصلیت کو میرے سامنے بیان نہیں کیا اور نہ ہی مجھے اس بیماری کے بارے میں معلوم ہوا، اس بات کو لے کر ہم دونوں فریقین میں نااتفاقی ہوگئی ہے اور میں نے اس مسماۃ کو طلاق دیدی ہے اور اپنے ساتھ رکھنے سے بھی صاف منع کردیا ہے اور اپنے سے علیحدہ کردیا ہے اور اب ہم دونوں فریقین کا آپس میں ایک دوسرے سے کوئی یا کسی قسم کا مطلب یا واسطہ نہیں رہا ہے، ہم دونوں فریقین کو اب کچھ بھی کرنے پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا، دونوں فریقین کچھ بھی کرنے کے لئے آزاد ہیں اور اس میں مجھے کسی قسم کا یا میرے کسی وارث کو کوئی اعتراض نہیں ہے اور نہ ہی کبھی زندگی میں ہوگا؛ لہٰذا یہ طلاق نامہ اپنے پورے ہوش وحواس میں بغیر کسی کی زبردستی سے اچھی طرح پڑھ سن کر لکھدیا ہے تاکہ سند رہے اور وقت پر کام آئے۔ اب میں اپنی بیوی کو دوبارہ اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہوں، اگر قرآن وحدیث کی روشنی میں کوئی گنجائش ہو تو بتائیں۔

المستفتی: شہادت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لفظ طلاق دیدی سے ایک طلاق صریح واقع ہوگئی ہے۔

صريحه ما استعمل فيه خاصة ولا يحتاج إلى نية وهو أنت طالق، ومطلقة، وطلقتك، وتقع بكل منهما واحدة رجعية. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۱)

اور بعد کے تمام الفاظ الفاظ کنایہ میں سے ہیں، ان میں سے اول لفظ (علیحدہ کردیا) سے اگر نیت طلاق کی تھی تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے اور طلاق نامہ لکھنا لکھوانا مذکورہ طلاق ہے؛ اس لئے یہ نیت کے قائم مقام ہے اور بعد کے الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، وہ سب تاکید ہیں اور چونکہ صریح کنایہ سے ملتی ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں

دوطلاق بائن واقع ہوگئی ہیں، بلا حلالہ دوبارہ نکاح کر کے اپنے پاس بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے۔
(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/ ۲۱۶)

الصريح يلحق الصريح والبائن، والبائن يلحق الصريح لاالبائن.

(تنوير الأبصار على الدر المختار مع الشامي، كراچي ۳/ ۳۰۷، زكريا ٤/ ٥٤٠، هندية زكريا قديم ١/ ٣٧٧، جديد ١/ ٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۲۰۵)

موکل نے ایک طلاق دی اور وکیل نے تین لکھ دی تو کتنی واقع ہوئیں؟

سوال [۶۵۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی اہلیہ کو تیرہ ماہ پہلے گواہوں کے سامنے ایک طلاق دی تھی، اس مجلس میں وکیل صاحب بھی تھے، انہوں نے کہا کہ تین طلاق دو، میں نے کہا میں تو ایک طلاق دوں گا، پھر ایک طلاق دی، اس کے باوجود وکیل صاحب نے تحریر میں تین طلاق لکھ دیا، اس تحریر کو نہ میں نے پڑھا اور نہ ہی وہ تحریر مجھ کو پڑھ کر سنائی گئی اور اسی پر وکیل صاحب نے دستخط کرالیا، تو کتنی طلاق واقع ہوئیں اور اب دوبارہ بیوی کو ساتھ رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: محمد اعجاز، پیرزادہ، گملے والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب وکیل نے پہلے ہی سے تحریر لکھ رکھا ہے، اس کے بعد مجلس میں آپ سے کہا کہ تین طلاق دو تو آپ نے تین طلاق دینے سے انکار کردیا اور صرف ایک طلاق دینے کی آمادگی ظاہر کی اور ایک ہی طلاق دی ہے، تو ایسی صورت میں بیوی پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے اور وکیل نے جو تحریر لکھی ہے وہ تحریر نہ آپ نے پڑھی ہے اور نہ ہی آپ کو پڑھ کر سنایا ہے، تو محض اس پر دستخط کردینے کی وجہ سے اس تحریر کے

مطابق طلاق واقع نہیں ہوگی؛ بلکہ جو ایک طلاق زبانی دی ہے، وہی ایک طلاق واقع ہوگئی ہے اور چونکہ تیرہ ماہ کے درمیان بیوی کی عدت بھی پوری ہوگئی ہے؛ اس لئے وہ ایک طلاق بائن ہوگئی ہے؛ لہٰذا اب دوبارہ اس کو رکھنا چاہیں تو بغیر حلالہ کے نکاح کر کے رکھنا جائز ہوگا۔

كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع به الطلاق، إذا لم يقر أنه كتابه. (هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦، شامي، كراچي ٣/٢٤٦-٢٤٧، زكريا ٤/٤٥٦، تاتار خانية ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣)

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٢، جديد ١/٣٥٣، هداية اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩)

ولا يخفي أن الشرط واحد هو كون الطلاق رجعياً، وهذه شروط كونه رجعياً متى فقد منها شرط كان بائناً. (شامي، كراچي ٣/٤٠٠، زكريا ٥/٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۸۲/۴۰)	۱۴۳۵/۴/۱۱ھ

وکیل ایک طلاق کی جگہ تین لکھ دے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۵۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد اکرام نے اپنی بیوی سے جھگڑا ہونے کی وجہ سے ایک وکیل سے طلاق نامہ لکھوایا، اس سے کہا کہ ایک طلاق لکھدے، اکرام کا کہنا ہے کہ اس سے میرا مقصد طلاق دینا نہیں تھا؛ بلکہ بیوی کو ڈرانا دھمکانا تھا، وکیل نے طلاق نامہ لکھا اور اس میں تین طلاق لکھدیا اور پھر وہ مضمون اکرام کو سنایا، اکرام نے اس پر کوئی روک ٹوک نہیں کی اور دستخط بھی کر دیئے، پھر اس کو اسی نے بتایا کہ اس سے تو تمہاری بیوی بالکل الگ ہو جائے گی، تو اکرام وہ طلاق نامہ ڈاکخانہ سے واپس لے آیا، تو اب بتائیے کہ ایسی صورت میں کہ جب طلاق نامہ ڈاکخانہ

سے واپس لے آیا؛ جبکہ وہ طلاق نامہ لڑکی کے پاس نہیں پہونچا تھا اور اکرام کا مقصد طلاق دینا بھی نہیں تھا، تو اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد رئیس صدیقی، چاند پور جامع مسجد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد اکرام نے وکیل کو ایک طلاق لکھنے کا حکم دیا تھا؛ لیکن اس نے تین طلاق لکھیں اور اس کا مضمون محمد اکرام کو سنایا، پھر جب اس پر محمد اکرام نے بلا کسی روک ٹوک کے دستخط کردیئے تو یہ تین طلاق پر رضامندی کی دلیل ہے، ایسی صورت میں اگر محمد اکرام اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میں نے طلاق لکھنے کا حکم دیا تھا اور پھر طلاق نامہ سننے کے بعد میں نے بخوشی دستخط کئے ہیں، تو محمد اکرام کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوچکیں نیت یا عدم نیت کا اعتبار نہیں۔ اب دونوں کے درمیان بلا حلالۂ شرعیہ کے ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔

ولو قال للكاتب: اكتب طلاق امرأتي كان إقراراً بالطلاق وإن لم يكتب، ولو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها–وقع إن أقر الزوج أنه كتابه. (شامي، زكريا ٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٦، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍۷۰۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۸ھ

وکیل کا موکل کی نیت کے خلاف طلاق نامہ میں تین طلاق لکھنا

سوال [۶۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ آپسی کچھ ناراضگی کی وجہ سے پریشان ہوکر میں نے مقامی قاضی آفس میں جا کران سے کہا کہ میں اپنی بیوی کو''طلاق دینا چاہتا ہوں'' اس وقت میرے ذہن میں ایک طلاق کی بات تھی؛ لیکن قاضی کو صرف اتنا ہی کہا کہ''میں طلاق دینا چاہتا ہوں'' پھرانہوں نے مجھے کچھ رقم بتا کر کہا کہ آپ ۶/۴/۲۰۱۰ء کونواسہ آجایئے،متعینہ تاریخ میں نواسہ پہونچنے پر قاضی صاحب نے مجھے طلاق نامہ دیا، جوانہوں نے پہلے سے میری شادی اور گھریلو زندگی سے متعلق تفصیلاً معلوم کر کے تیار کر رکھا تھا، میں نے اپنے ذہنی تناؤ کی وجہ سے اس کو پڑھنا بھی نہیں چاہا، میں نے نہ کچھ کہا اور نہ تین طلاق کی بات اپنی زبان سے نکالی اور نہ مجھے اس بات کا علم تھا، مجھے معلوم نہیں تھا کہ قاضی صاحب نے اس کے اندر کیا لکھا تھا؟ میں نے اس کو پڑھے بغیر اس پر دستخط کر کے قاضی صاحب کو واپس کر دیا، پھر انہوں نے میری بیوی کی رہائش گاہ پر بذریعۂ ڈاک''طلاق نامہ'' روانہ کر دیا۔ واضح رہے کہ میں نے اپنی زبان سے کبھی بھی اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی، قاضی صاحب کو''میں طلاق دینا چاہتا ہوں'' کے علاوہ دوسرا کوئی جملہ نہیں کہا۔

ادھر شیریں کے بیان اور بات چیت سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق نامہ اس کی رہائش گاہ پر پہنچا تو اس نے لفافہ کھول کر بڑے حروف میں صرف طلاق نامہ دیکھ کر اس کو جوں کا توں موڑ کر اپنے گھر والوں کے حوالہ کر دیا، طلاق نامہ کا مضمون اس نے پڑھا بھی نہیں اور قاضی صاحب کے ذریعہ سے طلاق دینے کا طریقہ اس کو سمجھ میں آیا ہی نہیں، اس واقعہ کے تقریبا دو مہینے پانچ دنوں کے بعد یعنی ۱۰/ جولائی ۲۰۱۰ء کو میں اپنی بیوی کے یہاں آیا اور دونوں پہلے کی طرح میاں بیوی مانتے ہوئے رہنے لگے، ان دنوں ہمارے کچھ جسمانی تعلقات بھی ہوئے؛ اس لئے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ایک طلاق دینے سے ہمیشہ کے لئے طلاق نہیں ہوتی، چھ سات دنوں کے بعد یعنی ۱۸/ جولائی ۲۰۱۰ء کو میرے ساڑھو کو معلوم ہونے پر جب انہوں نے اور شیریں کے گھر والوں نے کہا کہ''تمہارے درمیان طلاق واقع ہوگئی وہ تمہارے لئے

حرام ہوگئی ہے؛ لہٰذا تم ایک ساتھ نہیں رہ سکتے ہو،تو ہم دونوں الگ الگ ہوگئے، ۶/۴/۲۰۱۰ء کو میں نے بنا پڑھے طلاق نامے پر دستخط کئے تھے اور ۱۰/۷/۱ کو میں شیریں کے گھر پہونچا اور میاں بیوی کی طرح رہنے لگے اور ہم نے ان دنوں وہ کام کیا جو دنیا میں ہر کوئی میاں بیوی کرتے ہیں، ہماری یہ ملاقات شیریں کی عدت کا وقت ختم ہونے سے پہلے ہوئی تھی۔ اور میں آج بھی اس کو بیوی کا حق دیتا ہوں اور طلاق نامہ بھیجنے کے بعد بھی ہمیشہ میں شیریں کا اور اس کے گھر والوں کا خیال رکھتا رہا، ان کی ضرورتیں پوری کرتا رہا۔

مذکورہ بالا صورت میں کیا میری بیوی پر طلاق واقع ہوئی ہے؟، اگر ہوئی ہے تو کس طرح کی کتنی طلاق؟ طلاق ہونے کی صورت میں اگر ہم آپس میں ازدواجی زندگی قائم رکھنا چاہتے ہیں، تو ہمیں کیا کرنا ہوگا؟ صحیح اور شرعی رہنمائی فرماکر ممنون ومشکور فرمائیں

نوٹ: استفتاء کے ساتھ طلاق نامہ کی کاپی مع اردو ترجمہ کے، لڑکی کا بیان اور میرے نہ پڑھنے پر دو گواہوں کے بیانات ہم رشتہ ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ سوال میں چونکہ شوہر نے ایک طلاق کا وکیل بنایا تھا؛ اس لئے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور شوہر نے جو بغیر پڑھے طلاق نامہ پر دستخط کردیئے تھے، جس میں قاضی صاحب نے تین طلاقیں لکھی تھیں اس کا اعتبار نہ ہوگا اور شوہر نے عدت کے اندر اندر رجعت بھی کرلی؛ اس لئے وہ اب آپس میں میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں؛ لیکن شوہر آئندہ دو ہی طلاق کا مالک ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۶۴۰، فتاویٰ دارالعلوم ۹/۱۸۲)

ولو قال للكاتب: اكتب طلاق امرأتي كان إقراراً بالطلاق وإن لم يكتب – ولو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها، وقع إن أقر الزوج أنه كتابه.

(شامي، زكريا ٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٦، تاتار خانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٢،

هندية، زكريا قديم ۱/ ۳۷۹، جديد ۱/ ٤٤٦)

ولو قال: طلقي نفسك واحدة، فطلقت نفسها ثلاثاً لم يقع شيئ في قول أبي حنيفة، وقال أبو يوسف و محمد: يقع واحدة. (بدائع الصنائع، زكريا ۳/ ۱۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۸/ ۱۰۷۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۸ھ

بیوی کے نام طلاق نامہ ارسال کرنا

سوال [۶۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رفیع الدین بن محمد عبد حسین کا عقد نکاح بی بی فرزانہ بنت عبدالرحمٰن سے ۱۳/ اپریل ۱۹۹۴ء تاریخ میں ہوا اور رخصتی نہیں ہوئی۔

رفیع الدین بن محمد عابد حسین نے اپنی منکوحہ بیوی فرزانہ بنت عبدالرحمٰن کو تین طلاق یہ کہہ کر دیں کہ بذریعۂ خط اس نے اپنے والد کو مخاطب کر کے لکھا کہ میں نے اس لڑکی کو تین طلاق دیدی ہیں، اس خط کو رفیع الدین بجائے اپنے والد کے پاس روانہ کرنے کے اس نے اس خط کو فرزانہ کے والد کے پاس ارسال کردیا، کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگئی کہ نہیں؟

اگر طلاق واقع ہوگئی تو مہر کتنا ادا کرنا ہوگا؛ چونکہ ابھی تک عقد کے بعد رخصتی نہیں ہوئی ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، ڈھمرا، پوسٹ: چریا، بانکا (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب رفیع الدین نے اپنی بیوی فرزانہ ہی کے بارے میں طلاق لکھا ہے تو وہ طلاق نامہ چاہے اپنے کو دیا ہو یا فرزانہ کے باپ کو ہر صورت میں فرزانہ پر طلاق بائن مغلظہ واقع ہوگئی ہے اور رفیع الدین پر نصف مہر ادا کرنا لازم ہوگا۔

عن حماد قال: إذا كتب الرجل إلى امرأته–إلى– أما بعد فأنت طالق فهي طالق، وقال ابن شبرمة: هي طالق. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، في الرجل يكتب طلاق امرأته بيده، مؤسسة علوم القرآن بيروت٩/٥٦٢، رقم:١٨٣٠٤)

إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة، وإن علق طلاقها بمجي الكتاب بأن كتب إذا جاءك كتابي، فأنت طالق، فجاء ها الكتاب فقرأته، أو لم تقرأ يقع الطلاق. (شامي، كراچي ٣/٢٤٦، زكريا٤/٤٥٦، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٨، زكريا جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱رشوال المکرّم ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف۳۳/۵۴۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۱۰/۱۴۱۸ھ

بذریعۂ خط طلاق دینا

سوال [۶۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد اعظم ولد محمد حسین قریشی ساکن: کھنیو اسر ضلع: راجستھان کا ہوں، میری شادی بچپن میں ہوئی تھی اور بلوغ کے بعد رخصتی ہوئی اور چار ماہ میرے ساتھ رہی، اس کے بعد میں سعودی عرب چلا گیا، میری عدم موجودگی میں میرے گھر آئی گئی، اسی دوران میرے والدین سے لڑائی جھگڑا ہوا والدہ نے کیس بھر کر اس کے خلاف بھیجی اور والد صاحب نے زبانی مجھ سے کہا، گویا والدین کے کہنے سے میں نے بذریعۂ خط تین طلاق تین گواہوں کی موجودگی میں دیدیں اور یہ خط تین بار بھیجا، دو سسرال میں اور ایک اپنے گھر میں؛ لیکن سسرال والے کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی خط نہیں ملا، گویا تینوں خط غائب ہیں، میں لڑکی کو لانا چاہتا ہوں اور وہ آنا بھی چاہتی ہے، تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ ہم دونوں کو ایک ساتھ رہنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ واضح رہے کہ لڑکی کے والدین اہل حدیث میں سے ہیں اس کو طلاق

نہیں مانتے؛اس لئے حلالہ کے لئے تیار نہیں ہیں؛ اس لئے قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب دے کرشکریہ کا موقع دیں؟

المستفتی: محمداعظم بن محمدحسین قریشی کھینواسر،ضلع: چورو(راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے اپنی بیوی کوطلاق لکھی تو اسی وقت طلاق واقع ہوگئی اور چونکہ تین طلاقیں لکھیں؛ اس لئے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بغیر حلالۂ شرعی کے دوبارہ نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہوگا اور جب آپ کے خسر حلالہ کے لئے تیار نہیں ہیں،تو ایسی صورت میں ضروری ہے کہ دونوں الگ الگ رہیں؛ کیونکہ حلالہ کے بغیر وہ آپ کے لئے کسی بھی صورت میں حلال نہیں ہوگی؛ اگرچہ وہ اہل حدیث ہوں اور وہ اپنے لئے جائز سمجھتے ہوں،مگرآپ کے لئے حرام ہے۔

إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (شامي، زكريا ٤/٤٥٦، كراچي٣/٢٤٦، هندية زكريا قديم ١/٣٧٨، جديد١/٤٤٦)

فَإِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنۡ بَعۡدُ حَتَّى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُ . [البقره:٢٣٠]

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩)

عن عامر الشعبي قال: قلت لفاطمة بنت قيس: حدثني عن طلاقك، قالت: طلقني زوجي ثلاثاً وهو خارج إلى اليمن، فأجاز ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم. (ابن ماجه شريف، أبواب الطلاق، باب من طلق ثلاثاً في مجلس واحد، النسخة الهندية ١٤٥-١٤٦، دارالسلام رقم:٢٠٢٤)

عن نافع كان ابن عمر إذا سئل عمن طلق ثلاثاً. قال لو طلقت مرة ،

أو مرتين (لكان لک الرجعة) فإن النبي صلى الله عليه وسلم أمرني بهذا فإن طلقتها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيرك. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من قال لامرأته أنت على حرام، النسخة الهندية ۲/۷۹۲، رقم:٥٠٦٦، ف:٥٢٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رشوال المکرّم ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۱۷۲/۳۷)

بذریعۂ خط طلاق دینا

سوال [۶۵۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی پانچ سال قبل ہوئی تھی اور شروع ہی سے مجھ میں اور بیوی میں نہیں بنی، بالآخر تنگ آکر میں نے ایک روز قدرے سختی کی اور وہ اس کی تاب نہ لاکر میری عدم موجودگی میں کمرہ سے پچیس ہزرا روپیہ نقد اور بغیر سلا کپڑا وزیورات لے کر فرار ہوگئی اور اپنے میکہ پہونچ گئی، اس کی یہ حرکت دیکھ کر مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے بذریعہ خط اس کو طلاق دیدی، طلاق کے بعد اس کے گھر والوں نے مجھ پر مقدمہ دائر کردیا جو ابھی تک چل رہا ہے، اب میں اگر دوسری شادی کرنا چاہوں تو کرسکتا ہوں یا نہیں؛ جبکہ مطلقہ کے گھر والے یہ کہتے ہیں کہ جب تک ہم طلاق قبول نہیں کریں گے طلاق نہیں ہوگی اور دوسری شادی بھی ہماری اجازت کے بغیر نہیں کرسکتے، تو کیا شریعت میں یہ اجازت عورت یا اس کے گھر والوں کو دی ہے کہ طلاق قبول کریں گے تو ہوگی ورنہ نہیں اور مرد عورت اور سسرال والوں کی اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کرسکتا؟ ان تمام حالات میں شرعی اعتبار سے کوئی برائی تو نہیں ہے؟ اور بذریعۂ خط دی گئی طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی

روشنی میں مفصل جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: نبیل احمد، قصبہ سواوالا، ضلع: بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خط اور تحریر کے ذریعہ جو آپ نے طلاق نامہ بھیجا ہے شرعی طور پر اس سے طلاق واقع ہوگئی، طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی اور اس کے گھر والوں کو قبول کرنا لازم نہیں ہے؛ لہٰذا آپ کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی اور عدت کے بعد آپ پر اس کا نان ونفقہ بھی واجب نہیں اور نہ آپس میں میاں بیوی کی طرح تعلق قائم رکھنا جائز ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ. [البقرہ:۲۲۸]

قال الإمام فخر الدين الرازيؒ في تفسير هذه الآية إن الزوج قادر على تطليقها، وإذا طلقها فهو قادر على مراجعتها شاء ت المرأة أم أبت، أما المرأة فلا تقدر على تطليق الزوج، وبعد الطلاق لا تقدر على مراجعة الزوج ولا تقدر أيضاً على أن تمنع الزوج من المراجعة. (تفسیر کبیر ٦/١٠١)

وللرجال عليهن درجة: قال يطلقها وليس لها من الأمر شيء.

(الدرالمنثور للسيوطي، دارالكتب العلمية، بيروت ١/٤٩٤)

نیز دوسری شادی کرنے کے لئے بیوی اور سسرال والوں سے اجازت لینا ضروری نہیں، ان کی اجازت کے بغیر بھی دوسری شادی کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۱/۴۱۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ٦١٦٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۲۵ھ

”میں نے تم کو روبرو گواہان طلاق دیدی“ لکھی رجسٹری کا حکم

سوال [۶۵۴۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نکہت جہاں جس کی شادی ۱۴؍سال پہلے رئیس احمد ولد اسلام الدین مرحوم سے ہوئی تھی، جو آٹھ ماہ سے اپنے شوہر رئیس سے ناراضگی ہو جانے کی وجہ سے میرے گھر رہ رہی ہے، اب رئیس احمد نے اپنے وکیل انتظار احمد بجنوری کے ذریعہ ایک تحریر بذریعۂ رجسٹری بابت طلاق اطلاع دی ہے کہ میں نے تم کو روبرو گواہان طلاق دیدی۔ اور پھر لکھا ہے کہ تم اپنے اختیار سے عقد ثانی کرسکتی ہو۔ مذکورہ صورت میں نکہت گل کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: احسان احمد ولد رضوان احمد، لالباغ نئی آبادی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق نامہ میں صاف الفاظ کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ میں نے تم کو روبرو گواہان طلاق دیدی، اس سے ایک طلاق رجعی پڑ گئی ہے اور اس کے بعد جو یہ لکھا ہے کہ تم اپنے اختیار سے عقد ثانی کرسکتی ہو، یہ کنایہ کے الفاظ میں سے ہے، اگر اس کے ذریعہ سے مستقل طلاق کی نیت کی ہے، تو اس سے الگ سے ایک طلاق بائن پڑ جائے گی، پھر پہلی طلاق ملاکر دو طلاق بائن پڑ جائیں گی اور اگر اس سے الگ سے طلاق کی نیت نہیں کی ہے؛ بلکہ پہلی طلاق کی وضاحت کے لئے کہا ہے، تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور پورے طلاق نامہ سے صرف ایک طلاق رجعی ہوگئی اور عدت کے اندر اندر بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہے اور اگر دوسرے لفظ سے طلاق کی نیت کی تھی تو دو طلاق بائن ہوگئیں، عدت کے اندر یا عدت کے بعد بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کر کے رہنے کی گنجائش ہے۔

اب شوہر خود فیصلہ کرے گا کہ دوسرے لفظ سے اس نے طلاق کی نیت کی تھی یا نہیں؟

(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹؍۳۴۷)

صريحه ما استعمل فيه خاصة ولا يحتاج إلى نية وهو أنت طالق، ومطلقة، وطلقتک، وتقع بكل منها واحدة رجعية. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۱)

وبابتغي الأزواج تقع واحدةً بائنةً إن نواها. (فتاوی عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٧٥، جديد ١/٤٤٢)

ابتغي الأزواج واحدة بائنة إن نواها. (شرح الوقايه، مكتبه ياسر نديم اينڈ كمپني ديوبند ٢/٨٧)

الصريح يلحق الصريح والبائن، والبائن يلحق الصريح لاالبائن.

(تنوير الأبصار على الدر المختار مع الشامي، كراچي ٣/٣٠٧، زكريا ٤/٥٤٠، هندية زكريا قديم ١/٣٧٧، جديد ١/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۰۹۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۹ھ

طلاق کا نوٹس بھیجنے سے وقوع طلاق کا حکم

سوال [۶۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نوٹس منجانب: محمد ساجد ولد مرحوم محمد جمیل، ساکن: محلہ کسرول، شکلوں کا کنواں، مرادآباد۔

بنام: اسلوب فاطمہ دختر جناب مظاہر حسین، ساکن: پیتل بستی کوارٹر نمبر ۱۱/ رامپور روڈ، مرادآباد۔

واضح ہو کہ میرا آپ کے ساتھ نکاح ۲۷/ دسمبر ۲۰۰۸ء کو مسلم رواج کے مطابق بالعوض مہر فاطمی معجّل بنا دان و دہیز کے ہوا تھا، رخصت ہو کر آپ میرے گھر محلہ کسرول شکلوں کا کنواں مرادآباد آئیں اور فرائض زوجیت ادا کیں، مہر کی رقم میں نے شب عروسی میں ہی ادا کردی تھی، میں نے آپ کو ہر طرح خوش رکھنے کی کوشش کی؛ لیکن آپ آزاد خیال کی عورت ہیں، بنا بتائے میرے گھر سے غائب ہوجاتی ہیں، کئی کئی دن غائب رہتی ہیں، میرے گھر پر

بھی آپ سے ملنے نئے نئے لڑکے آتے رہتے ہیں، کسی کو آپ رشتے کا بھائی بتاتی ہیں، تو کسی کو چچازاد بھائی بتاتی ہیں، کسی کو ماموں زاد بھائی بتاتی ہیں اور ان کے ساتھ بائک پر بیٹھ کر چلی جاتی ہیں۔ گھنٹوں موبائل پر لڑکوں سے اشلیل باتیں کرتی ہیں، میں نے سیکڑوں مرتبہ خود سنی ہیں، میرے منع کرنے پر میرے ساتھ بدتمیزی کرتی ہیں، کئی مرتبہ میں نے آپ کی ان حرکتوں کی شکایت آپ کے ماں اور باپ سے کی تو انہوں نے بھی کوئی ایکشن نہیں لیا اور الٹا مجھ سے کہا کہ ہماری لڑکی اپنی مرضی کی مالک ہے اور جیسے چاہے گی ویسے رہے گی، وہ پڑھی لکھی گریجویٹ ہے، تم جاہل گنوار دقیانوسی ہو۔ اب موڈرن زمانہ ہے، اگر اپنے ساتھ کے دوستوں سے ملتی ہے، تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے، تم بھی مجھے ہمیشہ جاہل لٹھ گنوار کہتی ہو اور بے عزت کرتی ہو اور میرے ہاتھ لگانے میں بھی اعتراض کرتی ہو۔ اب حالات اس قدر سنگین ہوگئے ہیں کہ آپ کے ساتھ رہنا اور شوہر بیوی کے روپ میں زندگی گزارنا ناممکن ہوگیا ہے، میں نے اپنے والدین و رشتے داروں اور آپ کے رشتے داروں کو بیچ میں ڈال کر فیصلے کی کوشش کی؛ لیکن آپ ماننے کو تیار نہیں ہیں۔

لہٰذا میں محمد ساجد ولد محمد جمیل نواسی محلّہ کسرول شکلوں کا کنواں ضلع: مرادآباد آپ اسلوب فاطمہ دختر مظاہر حسین نواسی پیتل بستی کوارٹر نمبر ۱۱/ رامپور روڈ تھانہ کٹ گھر مرادآباد کو آج بتاریخ ۲۰۱۰/۱/۲۰ کو طلاق دیتا ہوں / میں محمد ساجد آپ اسلوب فاطمہ دختر مظاہر حسین کو طلاق دیتا ہوں، میں محمد ساجد آپ اسلوب فاطمہ دختر مظاہر حسین کو طلاق دیتا ہوں، میں محمد ساجد آپ اسلوب فاطمہ دختر مظاہر حسین کو طلاق دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے الگ کرتا ہوں، آپ کی عدت کی مدت بتاریخ ۲۰۱۰/۱/۲۰ سے شروع ہوتی ہے تاکید جانیں۔ فقط

المستفتی: محمد ساجد ولد محمد جمیل نواسی محلّہ کسرول شکلوں کا کنواں ضلع: مرادآباد

سوال [۶۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ دختر اسلوب فاطمہ کا عقد مسنون ۲۷/ دسمبر ۲۰۰۸ء کو بالعوض مہر فاطمی محمد

ساجد ولد محمد جمیل مرحوم ساکن شکلوں کا کنواں کسرول مرادآباد کے ساتھ ہوا تھا؛ لیکن حالات ناخوشگوار ہونے کی بناپر اسلوب فاطمہ کا وہاں رہنا ناممکن ہوگیا اور ۱۷/ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو وہ اپنے والد کے گھر آگئی اور اب تک وہ اپنے والد کے گھر پیتل نگری مرادآباد پر ہی مقیم ہے، اسی درمیان ۲۳/ جنوری ۲۰۱۰ء کو ساجد (اسلوب کے شوہر) نے بذریعۂ ڈاک ایک نوٹس کے ذریعہ تین طلاق دینے کی اطلاع دی، میرے بہنوئی محمد کامل صاحب نے اپنے سمدھی جناب حبیب الرحمٰن ساکن قانون گوئیاں سے جو محمد ساجد کے ماموں ہیں تصدیق کرالی ہے، میں شرعی فتوی حاصل کرکے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ

(۱) کیا طلاق کی تکمیل ہوگئی؟

(۲) عدت کب سے شروع مانی جائے گی؟

(۳) اور مہر فاطمی کی رقم کا حساب کیسے لگایا جائے؟

نوٹ: طلاق نامہ کی فوٹو کاپی منسلک ہے۔

المستفتی: مظاہر حسین، والد فاطمہ اسلوب، پیتل نگری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال مذکورہ صورت میں شوہر ساجد اگر اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس نے طلاق کا نوٹس بھیجا ہے یا اس پر دو گواہ موجود ہیں، تو نوٹس کے مطابق شرعاً اس کی بیوی اسلوب فاطمہ پر تین طلاق مغلظہ ہوگئیں اور جس دن شوہر نے تحریر لکھی ہے، اسی دن سے عدت شروع مانی جائے گی اور مہر فاطمی کی مقدار موجودہ اوزان سے ڈیڑھ کلو تیس گرام نو سو ملی گرام چاندی ہے، جو دس گرام کے تولہ سے ۱۵۳/ تولہ ۹۰۰/ ملی گرام چاندی بنتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹-۱۳۰)

ولو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج –إلى قوله– وبعث به إليها، فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه. (شامي، كراچي ۳/ ۲۴۷، زكريا ٤/ ٤٥٦، تاتارخانية، زكريا ٤/ ٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، هندية، زكريا

قديم ١/٣٧٩، جديد١/٤٤٦)

مبدأ العدة بعد الطلاق، والموت على الفور، وتنقضي العدة وإن جهلت المرأة بهما. (الدر المختار مع الشامي، كراچي ٣/٥٢٠، زكريا٥/٢٠٢)

وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (شامي، كراچي٣/٢٤٦، زكريا٤/٤٥٦، هندية، زكريا قديم ١/٣٨٧، جديد ١/٤٤٦)

عن أم سلمةؓ سألت عائشةؓ عن صداق رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: ثنتاعشرة أوقية. (أبوداؤد شريف، كتاب النكاح، باب الصداق،النسخة الهندية ١/٢٨٧، رقم:٢١٠٥)

وفي النسائي: وذلک خمس مأة درهم. (نسائي شريف، كتاب النكاح، القسط في الأصدقة، النسخة الهندية٢/٧٢، دارالسلام رقم: ٣٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۹۹/۳۸)	۱۴۳۱/۲/۲۴ھ

طلاق نامہ لکھوا کر بھیجوانے کا حکم

سوال [۵۴۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ظہیر عالم کا نکاح شہناز سے ہوا، شہناز سنبھل کی رہنے والی تھی کسی جھگڑے کی بنا پر کئی بار وہ سنبھل رک گئی اور پھر بعد میں آ گئی، اس بار جھگڑے میں ظہیر عالم اس کو پہونچا کر چلا آیا اور سوچا کہ کچھ روز وہاں رہے گی تو میں بلا لاؤں گا، لڑکے کے دل میں چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہ تھا، اسی دوران لڑکی نے ایک درخواست دہلی میں لگا دی مہیلہ تھانہ میں، ہم وہاں پر پہونچے تو حاکم نے کہا آپ اسے لیجانا چاہتے ہیں؟ ہم نے کہا فوراً آپ ہمارے ساتھ کر دیجئے، حاکم نے لڑکی سے کہا آپ ان کے ساتھ جاؤ تو لڑکی نے منع کر دیا، پھر ہم مراد آباد واپس آ گئے، اسی دوران لڑکی نے ایک مقدمہ خرچ کا کر دیا دہلی میں، ہم نے

مرادآباد میں وکیل صاحب سے مشورہ کیا، تو وکیل صاحب نے کہا آپ ایک طلاق نامہ بھیج دیجئے، ہم نے طلاق نامہ بھیج دیا، تو لڑکی نے واپس کردیا۔ اب لڑکی کہتی ہے، ایسے طلاق نہیں ہوتی ہے وہاں لوگوں نے بتایا۔ نیز واضح رہے کہ طلاق نامہ میں تین طلاق دینے کا تذکرہ ہے اور شوہر نے خوشی سے دستخط کئے ہیں۔

المستفتی: محمد وسیم ٹانڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہر نے جب طلاق نامہ میں اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کا اقرار کیا اور اس پر بخوشی دستخط کئے تو بیوی مسماۃ شہناز پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بلا حلالہ کے وہ شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔

رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه وطواه وختم وكتب في عنوانه وبعث به إلى امرأته فأتاها الكتاب وأقر الزوج أنه كتابه فإن الطلاق يقع عليها. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة قديم زكريا ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦، شامي، كراچي ٣/٢٤٧، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦)

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحًا صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية (الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به زكريا جديد ١/٥٣٥، قديم ١/٤٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۵۸۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲۳ھ

مکرہ کی طلاق یا کتابت کا حکم

سوال [۶۵۴۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شمشاد کی بیوی شیماء کسی ناراضگی کی وجہ سے اپنے ماں باپ کے گھر گئی، ایک ہفتہ کے بعد شمشاد کو پولیس چوکی میں بلوا کر بیوی کے ماں باپ نے کاغذ لکھوایا، جس میں لکھا تھا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہوں؛ جبکہ نہ اس سے پہلے دی تھی، نہ اس کے بعد، تو کیا طلاق مانی جائے گی یا نہیں؟

(۱) صرف ایک بار یہ لکھنے پر کہ طلاق دے چکا ہوں، کیا طلاق مانی جائے گی یا نہیں؟

(۲) شیماء کے ماں باپ نے شیماء کا نکاح عدت کی مدت سے پہلے یعنی تین حیض سے پہلے ہی کردیا دوسرے شخص کے ساتھ، تو کیا وہ نکاح مانا جائے گا یا نہیں؟

(۳) شیماء کے دوسرے شوہر سے دو اولادیں ہیں دوسرا شوہر بھی زندہ ہے، شیماء اپنے پہلے شوہر کے ساتھ زندگی گذارنا چاہتی ہے، اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد شمشاد، لائن ۱۲؍آزادنگر، ہلدوانی، نینی تال (یوکے)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) پولیس کی طرف سے جبر واکراہ کی حالت میں جو طلاق لکھا ہے اور زبان سے کچھ نہیں کہا ہے، وہ طلاق شرعاً معتبر نہیں، اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی؛ لہٰذا بیوی شوہر کے نکاح میں بدستور باقی رہی۔

وفي البحر: إن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق، فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق؛ لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة و لا حاجة ههنا، كذا في الخانية. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التى تصح مع الإكراه، زكريا٤/ ٤٤٠)

رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان، فكتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته، كذا في فتاوى قاضي خان. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق

بالکتابه، قدیم زکریا قدیم ۱/ ۳۷۹، زکریا جدید ۱/ ٤٤٦)

(۲) شیما کو چونکہ پہلے شوہر سے طلاق ہی نہیں ہوئی ہے؛ اس لئے نکاح بدستور باقی ہے؛ لہٰذا دوسرے مرد سے نکاح فاسد ہوا اور شیماء کو اس سے علیحدہ ہوجانا چاہئے۔

وأما النكاح الفاسد نحو ما إذا تزوجها في نكاح الغير، أو عدة الغير. (تارتا خانية قديم٤/ ٧٧، جديد زكريا ديوبند ٤/ ٧٧، رقم: ٥٥٦٩)

ولو تزوج بمنكوحة الغير وهو لا يعلم أنها منكوحة الغير فوطئها تجب العدة، وإن كان يعلم أنها منكوحة الغير لا تجب حتى لا يحرم على الزوج وطؤها. (فتاوى عالمگيري قديم ١/ ٢٨٠، جديد زكريا ١/ ٣٤٦)

(۳) چونکہ شیماء کے اوپر پہلے شوہر کی طرف سے طلاق ہی واقع نہیں ہوئی ہے؛ اس لئے شیماء بدستور پہلے شوہر کی بیوی ہے؛ لیکن چونکہ دوسرے مرد کے ساتھ جو ہمبستری ہوئی وہ حلال اور جائز سمجھ کر ہوئی ہے؛ اس لئے دوسرے شوہر سے جو اولادیں ہوئی ہیں، ان کا نسب اسی سے ثابت ہوگا؛ البتہ پہلے شوہر کے پاس جانے کے لئے تین ماہواری کے ساتھ عدت گذارنا لازم ہوگا؛ اس لئے کہ دوسرے مرد کے ساتھ جو ہمبستری ہوئی وہ حلال سمجھ کر ہوئی ہے، جس کو وطی بالشبہ کہا جاتا ہے، ایسی صورت میں عدت لازم ہوتی ہے اور پہلے شوہر کے پاس رہنے کے لئے دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں؛ اس لئے کہ وہ اسی کی بیوی ہے۔

والنكاح الفاسد بعد الدخول في حق النسب بمنزلة النكاح الصحيح. (المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٤/ ١٦٨)

وتجب العدة بعد الوطء من وقت التفريق ويثبت النسب احتياطاً بلا دعوة. (در مختار على رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ٣/ ١٣٣، زكريا ٤/ ٢٧٦-٢٧٧)

وأما النكاح الفاسد فلا حكم له قبل الدخول، وأما بعد الدخول فيتعلق به أحكام، منها ثبوت النسب (نسب الولد المولود في النكاح

الفاسد. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح باب النكاح الفاسد، زكريا ٢/٦٥١، عالمگيري، قديم زكريا ١/٣٣٠، جديد ١/٣٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰ /۱۰۸۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۱۱/۱۴۳۳ھ

ایک طلاق دینے کے بعد طلاق نامہ لکھنا

سوال [۷۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ''میں اکرام الٰہی ولد شان الٰہی اپنے ہوش وحواس میں اپنی بیوی کاشفہ ناز کو طلاق دے رہا ہوں، آج کے بعد میرا اس سے یا اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں رہے گا۔ اور نہ میری کسی چیز میں کوئی حق رہے گا، نہ میرا آج کے بعد آپس میں کوئی لینا دینا رہے گا، میں ان کے بھائیوں اور ماں کی موجودگی میں طلاق دے رہا ہوں''

اب سوال یہ ہے کہ اس تحریری طلاق نامہ کے مطابق میری بیوی پر کتنی طلاق واقع ہوئیں؟ اور جو طلاق دی گئی ہے، وہ اسی تحریر کے ذریعہ دی گئی ہے زبانی کوئی طلاق نہیں دی ہے، مسئلہ کا حل شریعت کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

المستفتی: اکرام الٰہی، نواب پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شوہر اکرام الٰہی کا جملہ کہ میں اپنی بیوی کاشفہ ناز کو طلاق دے رہا ہوں، طلاق کے بارے میں صریح ہے؛ لہٰذا اس کی وجہ سے اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اور اس کے بعد طلاق نامہ میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے، وہ سب شروع میں جو طلاق دی گئی ہے، اس کی وضاحت کے قبیل سے ہے اور طلاق نامہ کے آخر میں بھی جو ہے کہ میں فلاں کو طلاق دے رہا ہوں، وہ پہلی والی طلاق کی قبیل سے ہے؛ اس لئے

مزید کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور عدت کے اندر اندر شوہر کو رجعت کا اختیار ہوگا۔

عـن شعبة قال: سألت الحكم وحماداً عن رجل قال لامرأته: أنت طالق، أنـت طـالـق، ونوى بالأولىٰ، قالا: هي واحدة. الحديث (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، باب في الرجل يقول لامرأته اعتدى، اعتدى مايكون۔ (مؤسسه علوم القرآن جديد ۹/٥٤٤، رقم: ۱۸۲۰۱)

وهـو كـأنـت طـالـق، ومـطـلـقة، وطلقتک تقع واحدة رجعية.

(الفتاوى الهندية، زكريا قديم ۱/۳٥٤، جديد۱/٤۲۲)

فـالـصـريـح قـولـه: أنـت طالق، ومطلقة، وطلقتک، فهذا يقع به الطلاق الرجعي. (هداية، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، اشرفي ۲/۳٥۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍صفر المظفر ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۷۵/۳۸)

اسٹامپ پیپر پر طلاق لکھ کر بھیجنا

سوال [۶۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر شوہر نے دس روپئے کے اسٹامپ پیپر پر لکھ کر جس میں دو گواہ کے دستخط ہوں، اپنی بیوی کو بذریعۂ ڈاک طلاق بھیجدی ہو، تو کیا طلاق واقع ہوگئی؟

المستفتی: نواب احمد، محلّہ: سرو، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں بیوی پر تحریر میں لکھی گئی طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔ اگر ایک طلاق لکھی تھی تو ایک طلاق واقع ہوگئی، اگر دو طلاق رجعی لکھی تھیں تو دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں اور اگر تین طلاق لکھی تھیں تو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی

اوراگر مطلق طلاق لکھی ہے، تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔ اب دیکھ لیا جائے کہ تحریر میں کون سی طلاق لکھی ہے۔

عن علي بن الحكم البنابي قال: سئل الشعبي عن رجل خط طلاق امرأته وسادة. فقال: هو جائز عليه. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب الرجل يكتب إلى امرأته بطلاقها، المجلس العلمي ٦/٤١٤، رقم: ١١٤٤٠)

كتب الطلاق إن مستبينا على نحو لوح وقع إن نوىٰ، وقيل مطلقاً. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي ٣/٢٤٦، زكريا ٤/٤٥٦)

إن كانت مستبينة؛ لكنها غير مرسومة إن نوىٰ الطلاق يقع وإلا فلا، وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوىٰ، أولم ينو. (هندية، زكريا قديم ١/٣٧٨، جديد ١/٤٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۳۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۹ھ

بخوشی یا بحالت اکراہ لکھ کر طلاق دینا

سوال [۶۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کو لکھ کر بخوشی طلاق دی یا کہ شوہر سے زبردستی لکھوا کر طلاق لی گئی، زبردستی کوئی بھی صورت ہو چاہے مکان کے اندر بند کر کے یا کہ بندوق اس کے سامنے کر کے دونوں صورتوں میں شوہر بولنے پر قادر بھی ہے، اس کے باوجود لکھ کر طلاق دے رہا ہے، تو کسی صورت میں طلاق واقع ہوگی؟ واضح فرق بیان فرمائیں۔

المستفتی: ثناء اللہ، پرتا بگڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بخوشی لکھ کر طلاق دی ہے، تو شرعاً

طلاق ہوجائے گی۔

کتب الطلاق إن مستبینا علی نحو لوح وقع إن نوی. (شامي، کتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالکتابة، زکریا٤/٤٥٦، کراچي٣/٢٤٦)

اگرزبردستی طلاق لکھوائی ہےاورشوہرنے اپنی زبان سے طلاق کا لفظ نہیں نکالا ہے، توشرعاً طلاق واقع نہ ہوگی۔

فلو أکره علی أن یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق الخ. (شامي، کتاب الطلاق، قبیل مطلب في المسائل التی تصح مع الإکراه، زکریا ٤/٤٤٠، هکذا في التاتار خانیة، زکریا ٤/٥٣٢، رقم: ٦٨٤٥، کراچي ٣/٢٣٦، زکریا ٤/٤٤٠، البحر الرائق کوئٹہ ٣/٢٤٦، زکریا٣/٤٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍جمادی الآخرۃ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍۱۴۱؍۲۷)

نوٹسِ طلاق کی شرعی حیثیت

سوال [۶۵۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ڈیڑھ سال سے بیوی کے لگاتار میکہ میں رکی رہنے اور آنے سے منع کرنے کی وجہ سے شوہر نے لکھ کر طلاق کا نوٹس بتاریخ ۳۱؍جولائی ۲۰۱۴ء بذریعۂ رجسٹری ڈاک تاریخ: ۶؍اگست ۲۰۱۴ء کو بھیجا اور بتاریخ ۶؍اگست ۲۰۱۴ء کو ہی چار معزز لوگوں کو جو بیوی کی طرف سے فیصلے کے لئے آئے تھے، طلاق کا نوٹس بھیجنے کی بات بتادی اور اس طلاق کے نوٹس کو بتاریخ: ۶؍اگست ۲۰۱۴ء کو بیوی کے باہر جانے کی رپورٹ ڈاکئے سے لگوا کر مجھے واپس کرادیا اور اس کے بعد شوہر نے اس طلاق کا نوٹس کو اپنے وکیل صاحب کی معرفت ڈاک سے بھجوایا، جو آج تک واپس نہیں آیا، اس صورت حال میں مندرجہ بالا طلاق طلاق کے نوٹس

کی بنیاد پر طلاق مانی جائے گی؟ قرآن وحدیث کی رو سے رہنمائی کرنے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: نفیس احمد ولد ضیاء اللہ، ساکن: رحمت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر تحریری طلاق دینے کا خود اقرار کررہا ہے اورتحریری طور پر طلاق لکھ کر بیوی کے پاس بھیجنے کا بھی اقرار کررہا ہے، تو ایسی صورت میں تحریری طور پر جتنی طلاق دی ہے، اتنی طلاق تحریر لکھنے کے بعد واقع ہوگئیں، اگر مطلق طلاق لکھا ہے، تعداد طلاق کچھ بھی نہیں لکھا ہے، یا ایک طلاق لکھا ہے، تو دونوں صورتوں میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، اگر دو طلاق لکھا ہے تو دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں؛ لہٰذا ان صورتوں میں عدت کے اندر اندر رجعت کی گنجائش ہے اور عدت گذرنے کے بعد بغیر حلالہ کے نکاح کرنے کی گنجائش ہے اور اگر تحریر میں تین طلاق لکھا ہے، یا طلاق کے الفاظ تین بار لکھا ہے، تو طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے، آئندہ بلا حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

ثم إن كتب على الوجه المرسوم ولم يعلقه بشرط بأن كتب أما بعد: يا فلانة أنت طالق وقع الطلاق عقيب كتابة لفظ الطلاق بلا فصل لما ذكرنا أن كتابة قوله: أنت طالق على طريق المخاطبة بمنزلة التلفظ بها.

(بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في النوع الثاني من طلاق الكتابة، زكريا ۳/۱۷٤، هندية، قديم ۱/۳۷۸، زكريا جديد ۱/٤٤٦، خانية على هامش الهندية قديم ۱/٤٧١، جديد زكريا ۱/۲۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۱۶۷۵)

طلاق کا نوٹس بھیجنا

سوال [۶۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک نوٹس وکیل کے ذریعہ اپنی بیوی شمع پروین کے پاس بھیجا، جس میں یہ لکھا تھا کہ ”میں نے ۹۸/۱/۸ء کو تمہیں طلاق دیدی ہے“ یہ ایک مرتبہ لکھا تھا اور پھر اس نوٹس کے بارے میں دوبارہ اطلاع بذریعۂ تار دیا تھا کہ ہم نے تمہیں طلاق دیدی ہے۔ اب تار کے ذریعہ اطلاع دے رہا ہوں، اس کو طلاق دیئے ہوئے اب تقریباً نو ماہ ہوچکے ہیں، ابھی تقریباً ایک ہفتہ پہلے بچے کی ولادت بھی ہوئی ہے، اب میں دوبارہ بیوی کو رکھنا چاہتا ہوں شرعاً کیا شکل اختیار کروں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد ارشد، مغلپورہ اول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئلہ مذکورہ میں جو نوٹس بھیجا تھا، اس سے ایک طلاق واقع ہوچکی ہے، دوبارہ جو اطلاع دی ہے، وہ پہلی والی طلاق کی تاکید ہے، اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور عدت گذرنے سے وہ بائنہ ہوگئی۔ اب نکاح کے ذریعہ دوبارہ اپنی بیوی بنا کر رکھنا جائز ہے حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وإذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضائها. (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، اشرفي بكڈپو ديوبند ۲/۳۹۹، هكذا في الهندية، زكرياقديم ۱/۴۷۲، جديد ۱/۵۳۵، هكذا في التاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۸، رقم: ۷۵۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۷۹۶/۳۳)

ڈاک کے ذریعہ بھیجے گئے طلاق نامہ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اظہر خاں ولد زاہد خاں میں نے اپنی بیوی شازیہ سلیم ولد سلیم میاں کو شرعی اور قانونی طریقے سے تین گواہوں کے سامنے یہ کہہ کر طلاق دی کہ میں نے شازیہ سلیم کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، اپنی بیوی کے حق سے آزاد کردیا۔ آپ کی مہر ۵۰۰۰۰/ ہزار میں نے شادی کی رات کو ادا کردیا ہے، جس کا اظہار سبھی رشتہ داروں کے سامنے کیا، آپ کی عدت کا خرچہ منی آرڈر سے بھیجا جارہا ہے، آپ کا سارا سامان میرے پاس حفاظت سے ہے آپ اور آپ کے گھر والے چند لوگوں کی موجودگی میں سامان لے سکتے ہیں اور میری طرف سے بنوایا گیا زیور کپڑا اور باقی سامان جو کہ آپ کے پاس ہے، اسے میرے حوالے کر کے رسید حاصل کرسکتے ہیں اور اپنا سامان واپس لے کر مجھے گواہوں کے سامنے سامان واپسی کی رسید حوالہ کردیں، آج سے آپ شرعی اور قانونی طور پر میری بیوی نہیں ہیں اور بعد عدت آپ اپنا نکاح جہاں چاہیں کرسکتی ہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں، مجھ سے آپ کی کوئی اولاد نہیں اور نہ ہی آپ حاملہ ہیں، آپ نے جو بھی میرے اور میرے گھر والوں کے خلاف جھوٹے کیس دائر کر رکھے ہیں مہربانی کر کے انہیں خارج کرادیں، یہ طلاق نامہ گواہوں کے سامنے ۱۳/۱۲/۱۲ء کو تحریر کررہا ہوں تاکہ سند رہے، طلاق نامہ کو بذریعۂ ڈاک بھیجا جارہا ہے اور ایک کاپی میرے پاس رہے گی، جناب مفتی صاحب وضاحت کریں کہ ڈاک سے بھیجی گئی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: اظہر خان ولد زاہد خاں، لالباغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے تحریری طور پر اپنی بیوی کو تین

مرتبہ طلاق دیدی ہے اور شوہر زبانی اس کا اقرار کر رہا ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو کر شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے، اب دونوں کے درمیان رشتۂ نکاح اور میاں بیوی والا تعلق باقی نہیں رہا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۴۲۵)

وإذا طلق الرجل امرأته ثلاثا قبل الدخول بها وقعت عليها؛ لأن الواقع مصدر محذوف؛ لأن معناه طلاقاً ثلاثاً. (هداية، كتاب الطلاق، باب الطلاق قبل الدخول، اشرفي بكڈپو ديوبند ۲/ ۳۷۱)

وأما الطلقات الثلاث فحكمها الأصلي هو زوال الملك وزوال حل المحلية أيضاً حتى لايجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر، لقوله عزوجل: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره وسواء طلقها ثلاثا متفرقاً أوجملة واحدة. (بدائع الصنائع، زكريا۳/ ۲۹۵)

إذا قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه قديم ۲۱۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، قديم زكريا بكڈپو ديوبند ۱/ ۴۷۳، زكريا جديد ۱/ ۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰؍شوال ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۶۶۱)	۱۴۳۵/۱۰/۲۰ھ

بغیر تحقیق کے دوسرے ملک سے طلاق لکھ کر بھیجنے سے طلاق

سوال [۶۵۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اقبال فاطمہ عرف ننھی میری کشور شمیم جو کہ قصبہ سیوہارہ ساکن کی ہوں قوم شیخ محلّہ ملکیان، معین الدین ولد نظیر الدین ساکن قصبہ نہٹور محلّہ سادات دربار کے ساتھ

شادی ہوئی، جس کو پندرہ سال ہوئے ہیں، معین الدین ڈھائی سال کے عرصہ سے عرب ملازمت میں گئے ہوئے ہیں، ان کے عزیزوں کو یعنی والدین کو کشور شمیم کے بھائیوں سے ملنے میں اعتراض ہوا کہ وہ اپنی ہمشیرہ سے نہ ملیں، نہ کشور شمیم سیوہارہ جائے؛ لہٰذا بھائیوں نے بھی ڈھائی سال کے عرصہ سے بہن سے نہ ملاقات کی نہ بہن سیوہارہ آئی۔

اب معین کے عزیزوں نے قسم قسم کے بہتان لگائے اور خطوں میں معین الدین کو لکھنا شروع کر دیا کہ تمہاری بیوی بھائیوں سے برابر ملتی جلتی ہے؛ جبکہ معین عرب میں ہے کوئی غلط یا صحیح کہے گا وہ ضرور اس پر عمل کر سکتا ہے، لکھنا جو کچھ تھا وہ تو خطوں سے کیا دوسرے ان کے والد عامل ہیں انہوں نے معین پر عمل چلایا وہ کاری ہو گیا، معین کے جن پر بغیر تحقیق کے معین نے وہاں سے طلاق لکھ کر بھیج دی۔ برائے کرم آپ مجھ کو بذریعۂ ڈاک مطلع فرمادیں کہ طلاق ہوگئی یا کچھ گنجائش ہے؟

میں بیوہ عورت ہوں، میرا کوئی وارث نہیں جس کی وجہ سے سخت پریشانی ہے اور تردد ہے کشور شمیم سیوہارہ کی ہے اس کے چار بچے ہیں، تین لڑکے ایک لڑکی جو کہ پڑھتے ہیں بڑا لڑکا آٹھویں کلاس میں پڑھتا ہے، لڑکی چھٹی کلاس میں ہے، چھوٹا لڑکا دوسرے کلاس میں ہے، سب سے چھوٹا لڑکا دینی تعلیم میں ہے، چاروں بچے دینی تعلیم ہی پڑھتے ہیں، معین کا ایک خط بذریعۂ رجسٹری میرے پاس آیا، یہ خط معین نے مؤرخہ ۱۳/اگست ۱۹۸۹ء کو لکھا، دوسرا خط کشور شمیم نہٹور میں مقیم ہیں وہاں آیا، میں آپ سے گذارش کرتی ہوں کہ دوسری حکومت سے بغیر اطلاع کے طلاق ہو سکتی یا گنجائش ہے؟ برائے مہربانی مجھ ناچیز پر رحم کھا کر آپ فوراً بذریعۂ ڈاک مجھ کو اطلاع دیں بڑی مہربانی ہوگی، امید کہ آپ بغور ملاحظہ فرمائیں گے، آپ کی عین نوازش ہوگی پر جب آپ فتوی دیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔ فقط خدا ذات خاکسار اقبال فاطمہ عرف ننھی۔

المستفتية: اقبال فاطمہ، سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: دوسری حکومت سے بغیر تحقیق کے طلاق لکھ کر بھیجنے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

ولو كتب على وجه الرسالة والخطاب كأن يكتب يا فلانة، إذا أتاک كتابي هذا فأنت طالق طلقت بوصول الكتاب. (الدر المختار، كتاب الطلاق، ملطب في الطلاق بالكتابة، زكريا٤/٤٥٦، كراچي٣/٢٤٦)

فيمن كتب كتاباً على وجه الرسالة وكتب إذا وصل كتابي إليک، فأنت طالق......وقع الطلاق لوجود الشرط، وهو وصول الكتاب إليها. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في النوع الثاني من طلاق الكتابة، زكريا جديد٣/١٧٤، هكذا في الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/٥٢٩، رقم:٦٨٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۶۳۹)

رجسٹری طلاق نامہ پر لڑکی کے دستخط کرنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی نادرہ پروین نے رجسٹری طلاق نامہ بذریعۂ ڈاک وصول کر کے رسید پر اپنے دستخط کر کے ڈاکیہ کو دیدیا، لڑکی کے والدین محمد حبیب نے رجسٹری ان تین صاحبان جن کے نام حسب ذیل ہیں: عبد اللطیف ولد علی، وشکیل احمد ولد محمد سلیم وفقیر محمد ولد رُمد نے ان تینوں کے سامنے کھول کر پڑھ لیا، یہ پنجابی زبان میں لکھی ہوئی ہے، جس کو اردو میں کرا کر آپ کی خدمت اقدس میں بھیج رہا ہوں، دلیل سے جواب تحریر فرمائیے کہ طلاق ہوئی یا نہیں ہوئی؟

گواہ: عبد اللطیف، شکیل احمد، فقیر محمد

المستفتی: محمد حبیب، سا شتری نگر، ملیر کوٹلہ (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ طلاق نامہ سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے؛ جبکہ شوہر اس کے لکھنے یا لکھوانے اور بھیجنے کا اقراری ہو، اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

ولو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه.

(شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي ٣/٢٤٧، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦، مثله في الفتاوى التاتار خانية زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، وفي الهندية زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۵۸۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۹/۲۵ھ

کیا طلاق نامہ پڑھے بغیر دستخط کرنے سے طلاق ہوجائے گی؟

سوال [۶۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حافظ محمد علی کو ایک دن آنت میں درد کا دورہ پڑا، تو تکلیف کی حالت میں اپنے لڑکے محمد یاسین سے کہا کہ تم اپنی بیوی کو بلالاؤ اور رات کو رکنا مت اور اپنی سسرال والوں سے کہنا کہ میری بڑی بھاوج اپنے میکہ کل جانے والی ہے؛ چونکہ بھاوج کے والد حج کو جارہے ہیں اور میری تکلیف بھی بیان کردینا، محمد یاسین کے سسرال والوں نے یاسین کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی محمد یاسین کی بیوی کو بھیجا، محمد یاسین نے ناراضگی کی صورت اختیار کرلی، جب محمد یاسین لوٹ کر گھر آیا تو مجھے (محمد علی) بہت افسوس ہوا اور غصہ آیا اور غصہ کی حالت میں، میں (محمد علی) نے لڑکے سے رشتہ ختم کردینے کی بات کی اور میں (محمد علی) نے طلاق کا خط کسی دیگر آدمی سے لکھوا کر جس کو میں (محمد علی) نے لکھوایا کہ میں (محمد یاسین) اپنی بیوی ناصرہ کو سچے دل سے طلاق دیتا ہوں، طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے

طلاق دی میں نے لکھوا کرلڑکے سے دستخط کرنے کو کہا، تو اس نے ایک دن برابر دستخط نہیں کیا؛ لیکن پھر میرے (محمد علی) سخت ناراض ہونے پر محمد یاسین نے دستخط کردی، نہ اس نے اس خط کو پڑھا، نہ سنا، نہ ابھی تک اس نے طلاق کا کلمہ ہی اپنے زبان سے کہا ہے اور نہ ہی اس کو معلوم تھا، اس میں کیا لکھا ہوا ہے، محض باپ کے کہنے پر دستخط کردیئے، وہ خط جب محمد یاسین کی سسرال پہنچا تو چند آدمی میرے (محمد علی) کے گھر آئے اور انہوں نے لڑکے سے دریافت کیا، تب لڑکے نے اپنے والد کی ناراضگی کا حوالہ دے کر کہا کہ جو کچھ بھی مجھ سے کرایا ہے میرے والد نے کرایا ہے، اس کے بعد ٹھاکردوارہ پنچایت ہوئی، جس میں لڑکے نے اپنی بیوی کو رکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔

المستفتی: محمد یاسین، موضع: رام نگر، کھاکووالا، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر محمد یاسین نے طلاق نامہ نہیں لکھا ہے اور نہ ہی اس نے لکھوایا ہے، نہ ہی لکھے ہوئے طلاق نامہ کو خود پڑھا ہے اور نہ ہی اسے پڑھوا کر پوری عبارت سنی ہے اور صرف باپ کے کہنے پر دستخط کردیئے ہیں، تو ایسی صورت میں محمد یاسین کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی ہے، نکاح بدستور باقی ہے۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه الخ. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٧، هكذا في التاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍۲۹۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۲/۸ھ

الگ کرنے کی نیت سے طلاق نامہ پر دستخط کرنا

سوال [۶۵۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ کو آپ کے دارالافتاء سے ایک فتویٰ ۵۰۵۳/۲ لکھا گیا، جس کے استفتاء میں حقیقت واقعہ کو مخفی رکھ کر اس کے عزیز کو ظاہر کیا گیا ہے، اس وجہ سے اس استفتاء میں عین واقعہ پر موجود گواہوں کے بیانات کو تحریر کر کے تائیدی دستخط بھی کرائے گئے ہیں، ریاض احمد شادی کے بعد ۱۸/اپریل ۱۹۹۴ء کو عرب گئے اور ۴/فروری ۱۹۹۷ء کو واپس آئے جس کی مدت تین سال سے زائد ہوتی ہے نہ کہ ۲/دو سال اور چونکہ یہ رشتہ ریاض احمد کے بہنوئی نے طے کیا تھا، اس وجہ سے لڑکی کے والد نے ریاض کے بہنوئی کو رات تقریباً ۸/بجے کے بعد بلا کر کہا کہ جس طرح سے تم نے میری لڑکی کو اس گھر میں پہونچایا ہے، اسی طرح سے ابھی جا کر اس کو واپس لے آؤ اور ان کے پیچھے اپنی بیوی کو ایک عورت کے ہمراہ بھیجا کہ وہ اپنے ساتھ لے کر آئیں؛ لیکن اس وقت سسرال والوں نے صبح کو دو گھنٹہ کی شرط پر بھیجنا قبول کیا اور صبح کو لڑکی میکے آگئی۔ اور یہ طے پایا تھا کہ دن میں بارہ بجے دیور جا کر بھابھی کو واپس لے آئے گا، حسب وعدہ ۱۲/بجے لڑکی نے دیور کا انتظار کیا، جب ایک بجے تک کوئی لینے نہیں آیا تو لڑکی کے والد نے ایک بچہ کے ذریعہ واپس کر دیا، اب واپس جانا تھا کہ سسرال والوں نے لڑکی کو مزید ستانا شروع کر دیا، تو تنگ آ کر اب لڑکی کے والد نے چھوٹی لڑکی کو بھیج کر لڑکی کو بلوا لیا، تب سے وہ لڑکی واپس سسرال نہیں گئی؛ کیونکہ وہ نہایت خوف زدہ تھی اور اس گھر میں اپنی جان تک کو غیر محفوظ سمجھتی تھی اور اس کا شوہر ریاض احمد بیوی کو چھوڑ کر اور چھوٹی بہن کو ساتھ لے کر دہلی شادی میں تفریح کے لئے گیا ہوا تھا اور واپس آ کر بھی اس نے بے تعلقی کا اظہار کیا، تو لڑکی کے اعزہ سامان لانے کے لئے ریاض کے گھر پر گئے، اس وقت محلّہ کے بھی کافی لوگ وہاں جمع ہو چکے تھے، اس وقت لوگوں نے بہت سمجھایا اور ریاض کے ایک پڑوسی فاروق صاحب نے کہا کہ تم کچھ وقت ابھی مہلت لے لو اور اتنی جلدی فیصلہ نہ کرو، اگر دس دن کا بھی وقت لو گے تو لڑکی والوں کو ہم راضی کر لیں گے تمام کوشش

کے بعد ریاض کے والد نے دو دن کی مہلت مانگی،تو فاروق بھائی نے کہا کہ آپ نہیں؛ بلکہ ریاض کا معاملہ ہے اگر وہ اپنی زبان سے کہیں تو ٹھیک ہے،مگر بہت کوشش کے باوجود ریاض نے مہلت نہیں مانگی، اس کے بعد سامانِ جہیز وصول کیا جانے لگا تو وہ تحریر جس کا مضمون تھا ''فریق دوئم نے فریق اول کوشرعی طور پر طلاق دے کر اپنی زوجیت سے آزاد کردیا،اس طرح فریقین کا رشتہ زن وشوہر کاختم ہوگیا ہے۔ ہر دوفریق کواپنی اپنی زندگی اپنی اپنی مرضی سے گذارنے کا حق ہوگیا ہے، یہ تحریر ریاض کودستخط کے لئے دی گئی ،لڑکی کے پہلے ہی دستخط کرائے جاچکے تھے،اس پر ریاض نے کچھ توقف کیا مگر پھر اپنے والد کے ایماء پر دستخط کردیا،اس کے بعد ریاض نے پورے مہراور عدت کامکمل خرچہ بھی ادا کردیااور جب سامان بھی وصول ہوچکا،تو آخرمیں کچھ جھگڑے کی نوبت بھی آئی، پھراگلے دن جب سب کچھ ختم ہوچکا تھا تب ریاض کے خیرخواہ پڑوسی فاروق بھائی نے ریاض کوگھر بلایا تاکہ صلح کی اب بھی کوئی صورت نکل سکے، وہاں جمیل ٹھیکیدار اور نثار احمد بھی موجود تھے اور نہایت سکون اورحفاظت کاماحول تھا،توفاروق بھائی نے ریاض سے سوال کیا کہ کل جوآپ نے دستخط کئے تھےکسی دباؤ کی وجہ سےتو نہیں کئے تھے،ریاض نے جواب دیا دباؤ تو تھا،مگر دستخط بھی دل کے ساتھ کئے ہیں،اس کے بعد یہ حضرات ریاض کومحلّہ کی مسجد کےامام صاحب مولانا ریاض احمد کے پاس لے گئے وہاں پربھی ریاض نے اقرارکیا کہ دل میرا کہیں اورتھا تھوڑے ہی دل سے دستخط کئے ہیں،اس کے بعدنثار بھائی بھی وہاں پر پہونچے اورانہوں نے سوال کیا کہ آپ نے جودستخط کئے ہیں وہ علیحدگی اختیار کرنے کی نیت سے کئے ہیں؟ ریاض نے جواب دیا کہ میں نے علیحدگی اختیار کرنے کی نیت سے ہی دستخط کئے ہیں۔

تو اب جواب طلب امر یہ ہے کہ ریاض نے اپنے گھر کے اندر دن کے وقت جبکہ وہاں پراہل محلّہ بھی بڑی تعداد میں موجود تھے اس وقت دستخط کئے اوراس وقت ان کوکسی نے بھی دھمکی وغیرہ نہیں دی،تو ایسے وقت طلاق نامہ پردستخط کرنے سے طلاق واقع ہوگی یانہیں؟

(۲) ریاض نے دل سے طلاق کااقرار تین مرتبہ کیا، ایک فاروق بھائی کے گھر،

دوسرے مولانا کے پاس، تیسرے نثار بھائی کے جواب میں، ان سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(۳) ریاض کا سامان جہیز واپس کرنا اور مہر وعدت کا خرچ بھی ادا کرنا یہ طلاق واقع کرنا ہے یا نہیں؟

(۴) اب ریاض کی بیوی کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس کا ازدواجی تعلق ریاض سے کسی قسم کا باقی ہے یا نہیں؟

(۵) نیز اکراہ اور دباؤ کا تحقق کب ہوگا؟ اس کے شرائط بھی تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد فاروق، محمد ریاض، نثار احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۲؍ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ کو اسی واقعہ سے متعلق ایک فتویٰ لکھوا کرلیا گیا تھا، جس میں سائل نے یہ لکھا تھا کہ شوہر اور شوہر کے باپ پر دباؤ ڈال کر دستخط کرایا گیا ہے اور زبان سے کوئی طلاق نہیں دی ہے، اس فتویٰ کا جواب اسی سوال کے مطابق تھا، مگر دوسرا سوال گواہوں کے دستخط کے ساتھ جو آیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر پر کوئی ایسا دباؤ نہیں تھا کہ جس کی وجہ سے دستخط نہ کرنے پر کوئی خطرہ ہو۔ نیز اس نے دوسرے لوگوں کے سامنے اقرار کرلیا ہے کہ دل سے دستخط کیا ہے، نیز اقرار کیا ہے کہ علیحدگی اختیار کرنے کی نیت سے طلاق نامہ پر دستخط کیا ہے، تو ایسی صورت میں بیوی پر طلاق واقع ہوچکی ہے۔

لو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها، فأتاها وقع إن أقرّالزوج أنه كتابه، أو قال للرجل: بعث به إليها. (شامي، كتاب الطلاق، مطب في الطلاق بالكتابة، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦، كراچي٣/٢٤٧، هكذا في الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٩٤٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۱۲۱/۳۳)

طلاق نامہ کو لکھوانے اور سن کر اس پر دستخط کرنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محترمہ شہناز پروین بیوی جناب ڈاکٹر سلیق احمد قریشی لڑکی جناب افتخار احمد قریشی، محلہ حاجی کا کنواں ملا بخش کی حویلی محلہ اصالت پورہ، مرادآباد، فریق اول، وجناب ڈاکٹر سلیق احمد صاحب قریشی محلہ ۱۰۸؍سی ارکٹا باغ اصالت پورہ، مرادآباد فریق دوئم سوال یہ ہے کہ ہم فریقین کی شادی عرصہ قریب دس سال ہوئے مسلم رسم ورواج کے مطابق ہوئی تھی، شادی کے بعد ہم فریقین بحیثیت میاں بیوی کے گذر بسر کرنے لگے، اسی بیچ فریقین کے میل جول سے ایک لڑکی جس کی عمر سات سال ہے شاذ لی، ایک لڑکا جس کی عمر ۴؍سال صہیب اختر پیدا ہوا جو کہ فریق دوئم کے پاس موجود ہے، شادی کے بعد ہی سے ہم فریقین کے بیچ من مٹاؤ آئے دن چھوٹی چھوٹی بات پر جھگڑا رہنے لگا، اسی بیچ برادری کے لوگوں نے بھی کافی سمجھایا اور قریبی رشتہ داروں نے بھی سمجھایا؛ لیکن صلح زیادہ نہ رہ سکی کچھ ٹائم کے بعد حالات پھر بگڑ گئے، اسی درمیان ۹۸/۳/۳؍کو فریق اول اپنی مرضی سے اپنے میکے اپنے دونوں بچوں کو چھوڑ کر چلی گئی اور اس نے فریق دوئم پر برادری کے لوگوں کے ذریعہ دباؤ ڈالا کہ فریق دوئم فریق اول کو طلاق دیدے، تو فریق دوئم کافی سوچ سمجھ کر فریق اول کو طلاق دینے وآزاد کرنے پر رضامند ہوگئے؛ لیکن کچھ شرط کے مطابق کہ دونوں بچے فریق دوئم کے پاس رہیں گے؛ کیونکہ ان کی پڑھائی لکھائی پرورش ومتفرق خرچ فریق اول نہیں اٹھاسکتی اور مہر فاطمی ۱۳۲؍تولہ چاندی جس کی موجودہ قیمت جو فریق دوئم چیک نمبر کے ذریعہ ادا کررہا ہے اور کل جہیز کا سامان زیور وغیرہ جس حالت میں تھا فریق دوئم فریق اول کو واپس کررہا ہے، جو فریق اول نے وصول کرلیا ہے، اسی کے ساتھ فریق دوئم نے فریق اول کو

الگ الگ تین بار ہم گواہان کی موجودگی میں طلاق ،طلاق ،طلاق، کہہ کر اپنے نکاح سے آزاد کردیا ہے، اورآج سے فریق اول کا فریق دوئم سے ایک دوسرے کا کوئی رشتہ پتی پتنی کا باقی نہیں رہا اورآج انہیں شرطوں کے ساتھ دونوں فریقین کوایک دوسرے کے خلاف آج کی تاریخ سے کوئی عدالتی یا اورکوئی کارروائی کرنے کا اختیار نہ ہوگا؛ لہٰذا یہ چند کلمات بطور ثبوت دس روپیہ کے اسٹامپ پر ایک دوسرے کو فریقین نے تحریر وتکمیل کرا کردیدیئے تاکہ سند رہے اوروقت ضرورت پر کام آوے۔

فریق اول.................................فریق دوئم.................................

گواہ.................................گواہ.................................

یہ اقرار نامہ آج بتاریخ: ۱۱/۶/۹۸ء کو بمقام مرادآباد جناب اشرف علی سیفی ایڈوکیٹ کے ذریعے تحریر وتکمیل کیا گیا، یہ تحریر وکیل نے لکھ کر مجھے سنائی اور میری مرضی سے کہنے سے میری سسرال بھیج دی اور ایک کاپی میرے پاس ہے، یہ تحریر میں نے شاہی مسجد میں کئی آدمیوں کے سامنے بیان کے طور پر لکھدی ہے، جو اصل واقعہ ہے، یہ تحریر میں نے وکیل کے ذریعہ بیوی کو دھمکی دینے کے لئے لکھوائی تھی۔

المستفتی: سلیق احمد، محمد نعیم، عتیق احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب وکیل نے شوہر کے حکم اوراس کی مرضی سے لکھا ہے اور لکھنے کے بعد وکیل نے سنایا ہے شوہر نے خود بھی پڑھ لیا ہے، اس کے بعد شوہر کے کہنے پر وکیل نے اس کو بیوی کے پاس روانہ کردیا ہے اوراس تحریر کے اندر صاف لفظوں میں لکھا ہوا ہے کہ فریق دوئم نے فریق اول کوالگ الگ تین بار ہم گواہان کی موجودگی میں طلاق ،طلاق ،طلاق، کہہ کر اپنے نکاح سے آزاد کردیا ہے اورشوہر نے زبانی اورتحریری اس کا اقرار کیا ہے کہ یہ تحریر اس کو سنائی گئی ہے اوراسی کے کہنے کے مطابق وکیل نے بیوی کے پاس روانہ کردیا ہے، تو ایسی صورت میں شرعاً شوہر ہی کی تحریر مانی جائے گی اوراس سے طلاق

مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔ اب بلا حلالہ نکاح کی بھی گنجائش باقی نہیں رہی۔

لو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها، فأتاها وقع إن أقرّ الزوج أنه كتابه، أو قال للرجل: ابعث به إليها، أوقال له: اكتب نسخة وابعث بها إليها. (شامي، كتاب الطلاق، مطب في الطلاق بالكتابة، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦، كراچي٣/٢٤٧، هكذا في الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۶۸۵/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۱۹ھ

اسٹامپ پیپر پر جبراً انگوٹھا لگوانے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپسی ناراضگی کی وجہ سے لڑکی والوں نے زبردستی لڑکے سے سادہ اسٹامپ پر انگوٹھا لگوالیا۔

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ صرف انگوٹھا لگوالینے سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زبان سے طلاق کے الفاظ نہیں کہے ہیں اور نہ ہی بخوشی تحریر لکھوائی ہے، تو ایسی صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/۱۰۲)

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم

يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي ۲۴۷/۳، زكريا ديوبند ۴۵٦/٤، هكذا في التاتارخانية، زكريا ٥۳۱/٤، رقم:٦٨٤۳، هكذا في الهندية، زكريا قديم ۳۷۹/۱، جديد ٤٤٦/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹۹۷/۳۱)

تحریری طور پر طلاق دے کر انکار کرنا

سوال [٦٥٥٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے تقریباً دو سال قبل اپنی بیوی کو تحریری طلاق نامہ معہ دو گواہان دستخطی کے لکھ کر اپنی بیوی کو بھیج دیا اور پھر اس کے بعد کبھی بھی اس کی بیوی سے ملاقات نہیں ہوئی، اب اگر اس کا شوہر طلاق سے انکار کرے تو شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟ تفصیلی جواب سے نوازیں۔

المستفتی: شیما خاں، بلاری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن گواہان کے دستخط موجود ہیں ان سے معلوم کیا جائے، اگر گواہان اپنے شہادتی دستخط کا اقرار کریں اور شوہر کی طرف سے طلاق نامہ کی شہادت دیدیں تو اب شوہر کا انکار قابل اعتبار نہیں ہے، بیوی پر طلاق واقع ہوچکی ہے، اگر تین طلاق دی گئی ہیں تو طلاق مغلظہ ہوچکی ہے، بغیر حلالہ کے کوئی گنجائش نہیں ہے اور دو گواہان کی شہادت کی وجہ سے شوہر کا انکار کوئی اثر نہیں کرسکتا اور گواہوں کی بات پر حکم شرعی جاری ہوگا۔

وماسوى ذلك من الحقوق يقبل فيه رجلان، أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح، والعتاق، والطلاق.

(الجوهرة النيره، كتاب الشهادات، دارالكتاب ديوبند ۳۰۹/۲، مكتبه امدادية ملتان

(۳۲۶/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍ ۳۰۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۱۴ھ

لڑکا طلاق نامہ کا منکر ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عارف بن اقبال نے بذریعۂ رجسٹری بنام نسرین بنت علیم الدین، بتاریخ ۱۰؍۸؍۱۱ء کو ایک طلاق نامہ بھیجا، جس میں لڑکے نے اس بات کو وضاحت کے ساتھ کہا ہے کہ میں نے طلاق نامہ اپنی مرضی سے اور ہوش وحواس کو باقی رکھتے ہوئے لکھا ہے، جب یہ طلاق نامہ لڑکی کے باپ علیم الدین کو موصول ہوا، تو اس نے اس طلاق نامہ کو اپنی برادری لوہار میں رکھا، تو برادری نے طلاق نامہ کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور لڑکا بھی اس طلاق نامہ کا انکار کرتا ہے؛ لیکن لڑکے کا کے انکار کرنا صرف برادری نے بتلایا ہے، لڑکے نے لڑکی والوں کے سامنے اس کا انکار نہیں کیا ہے، نہ ان سے طلاق نامہ کے متعلق کچھ مذاکرہ ہوا ہے اور نکاح نامہ پر اور طلاق نامہ پر لڑکے کے جو دستخط ہیں ان دستخطوں کو محکمۂ انکوائری نے ایک دستخط مانا ہے۔ ہم سوال نامہ کے ساتھ طلاق نامہ اور دستخط انکوائری بھی آپ کی خدمت میں ارسال کرر ہے ہیں، آپ ہم کو صحیح راہ بتائیں۔

المستفتی: محمد علیم الدین، اگوان مناور، ضلع: دھار (مدھیہ پردیش)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ تحریر میں لڑکے کی طرف سے طلاق کے لئے کوئی شرعی ثبوت نہیں ہے اور لڑکا طلاق نامہ کا انکار کر رہا ہے اور لڑکا جب طلاق نامہ کا انکار کر رہا ہے، تو محض دستخط کے مشابہ ہونے کی وجہ سے طلاق کا حکم نہیں لگے گا اور دستخط کو بھی دیکھ لیا گیا ہے کہ دونوں میں معمولی فرق بھی ہے، ایسی صورت میں لڑکے سے حلفیہ بیان لیا جائے

کہ اس نے طلاق دی تھی یا نہیں اور اس کے حلفیہ بیان کے مطابق شرعی حکم مان لیا جائے اور تحریری طلاق میں طلاق کے واقع ہونے کے لئے یہ لازم ہے کہ شوہر اس بات کا اقرار کرے کہ مذکورہ تحریر اسی کی ہے یا اس کی طرف سے لکھی گئی ہے۔

وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بيِّنة؛ لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولاديانة، وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يملّه بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا ٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٧، هكذافي الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۷۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۷؍۱۴۳۳ھ

وکیل نے طلاق نامہ لکھا اور شوہر طلاق کا منکر ہے

سوال [۱۶۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عارضہ محلہ باغ گلاب رائے تھانہ ناگ پھنی مرادآباد کی باشندہ ہے، عارضہ کا نکاح سمیع الدین ولد جناب صدرالدین ساکن باغ گلاب رائے تھانہ ناگ پھنی مرادآباد کے ساتھ عرصہ قریب قریب ۲۰؍سال ہوا مسلم رسم ورواج کے مطابق عمل میں آیا تھا، عارضہ مذکورہ کے سمیع الدین سے چھ بچے ہیں، پانچ لڑکے وسیع الدین عمر ۱۹؍سال، سلیم الدین عمر ۱۸؍سال، فہیم الدین عمر ۱۶؍سال، شمس الدین عمر ۱۵؍سال، لڑکی ثمر جہاں عمر ۱۰؍سال اور لڑکا معین الدین عمر ۹؍سال، پیدا ہوئے، عارضہ کے تعلقات شادی کے بعد سے اس کے شوہر سمیع الدین کے ساتھ اچھے نہیں رہے؛ لیکن اب کافی عرصہ سے عارضہ اور اس کے شوہر کے تعلقات کافی حد تک خراب ہوگئے اور ان کا ایک ساتھ بحیثیت زوج وشوہر رہنا ناممکن ہوگیا؛

لٰہذا عارضہ نے اپنے شوہر سمیع الدین سے بلا کسی کے شکایت و بہکاوے کے اپنی مرضی سے خوب سمجھ کر طلاق حاصل کرلی ہے، اب عارضہ کا مہر وغیرہ کی بابت باقی رہتا ہے، اگر کوئی قانونی کاروائی کریگی یا کسی طرح کا مطالبہ سمیع الدین کے خلاف عمل میں لائے گی، تو وہ قطعی غیر قانونی ہوگا اور اس کا کوئی اثر سمیع الدین مذکورہ پر نہیں ہوگا؛ لٰہذا جناب عالی سے گذارش ہے کہ درخواست عارضہ اور بعد تاریخ ضروری کاروائی کی جاوے۔

نوٹ: عارضہ کا اپنے شوہر سمیع الدین کی تنخواہ وپنشن سے کوئی واسطہ نہیں ہے، عارضہ انور جہاں زوجہ سمیع الدین ساکن گلاب رائے تھانہ ناگ پھنی مرادآباد مؤرخہ: ۱۵؍فروری ۱۹۹۰ء۔

حلفیہ بیان سمیع الدین: میں خود کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے اور نہ ہی طلاق کے الفاظ میں نے اپنی زبان سے ادا کئے ہیں، وکیل نے اپنی طرف سے مضمون بنایا ہے اور میری اجازت سے بنایا ہے، میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میری بیوی کو طلاق دینے کی نیت نہ تھی؛ بلکہ بیوی کو حقوق کے مطالبہ سے روکنے کے لئے یہ مضمون عمل میں لایا گیا ہے- سمیع الدین-محلّہ گلاب رائے، تھانہ ناگ پھنی مرادآباد

المستفتی: محمد سمیع الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے تو مذکورہ تحریرات سے طلاق واقع نہیں ہوئی ہے؛ کیونکہ مذکورہ تحریر میں طلاق کا اشارہ نہیں ہے اور نہ ہی نیت طلاق کا کنایہ ہے؛ لٰہذا دونوں کا ازدواجی تعلق شرعاً برقرار ہے۔

كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابه زكريا ٤/٤٥٦، الفتاوى التاتار خانية الفصل السادس، إيقاع الطلاق بالكتابة، زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۱۹۲۲)

بیوی کے طلاق کا انکار کرنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منور حسین کی شادی شاہجہاں بیگم کے ساتھ ہوئے تقریباً چار سال ہوئے، اس دوران کوئی اولاد نہیں ہوئی، شادی کے بعد ہی سے شاہجہاں بیگم کی اپنے شوہر کے ساتھ نوک جھونک ہوتی رہی، اپنے شوہر کے حقوق ادا نہ کر پائی؛ اس لئے منور حسین نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔

(۱) شوہر کے مطابق اپنی بیوی کو فون پر بھی اور لکھت روپ میں بھی ڈاک کے ذریعہ تین طلاق دے چکے ہیں؛ جبکہ ان کی طلاق کے تین گواہ بھی ہیں، کیا یہ طلاق مانی جائے گی یا نہیں؟

(۲) طلاق کے بعد حق مہر ۷۵۰۰؍ ہزار روپیہ اور عدت کا خرچ ۵۰۰۰؍ ہزار روپیہ بینک چیک ڈاک کے ذریعہ ان کے پاس پہنچوا چکے ہیں، اس کے بعد بھی وہ طلاق سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں اسے طلاق نہیں مانتی۔

المستفتی: منور حسین، آدرش کالونی ردر پور، ادھم سنگھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حسب تحریر سوال شاہجہاں بیگم پر طلاق مغلظہ واقع ہو کر وہ منور حسین کی زوجیت سے خارج ہو چکی ہے اور میاں بیوی دونوں ایک دوسرے پر قطعی طور پر حرام ہو چکے ہیں، بیوی کے طلاق نہ ماننے کا کوئی اعتبار نہیں۔

إذا قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق طلقت ثلاثًا. (الأشباه والنظائر قدیم ۲۱۹)

ولـو خطب على وجه الرسالة والخطاب......طلقت بوصول الكتاب.

(شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي۳/۲٤٦)

فيمن كتب كتاباً على وجه الرسالة وكتب إذا وصل كتابي إليک، فـأنت طالق...........وقع الطلاق لوجود الشرط وهو وصول الكتاب إليها.

(بـدائـع الـصـنـائع، كتاب الطلاق، فصل في النوع الثاني من طلاق الكتابة، زكريا ديو بند ۱۷٤/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵؍رجب المرجب ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۴۵۲)	۱۴۳۲/۷/۵ھ

شوہر سے لاعلمی میں طلاق نامہ پر دستخط کروانا

سوال [۶۵۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مکرم نے اپنی بیوی عائشہ پروین کو نہ طلاق دی ہے اور نہ طلاق نامہ لکھ کر بھیجا ہے اور نہ کسی سے لکھوایا ہے اور لڑکے کو طلاق نامہ کا علم بھی نہیں اور نہ طلاق نامہ لڑکے کو پڑھ کر سنایا گیا اور نہ لڑکے نے پڑھا ہے اور نہ لڑکے کے دل میں طلاق دینے کا ارادہ تھا اور لڑکے کی مرضی بھی نہیں تھی؛ لیکن لڑکے سے لاعلمی میں دستخط کروا کر طلاق نامہ کو تھانے میں پیش کر دیا گیا؛ لہٰذا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد مکرم علی، لال اسکول مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور واقعی مکرم علی نے طلاق نامہ نہیں لکھا ہے اور نہ ہی کسی سے لکھوایا ہے اور نہ پڑھا ہے اور نہ ہی کسی سے سنا ہے، تو مکرم علی کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور نکاح بدستور باقی ہے۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦، هكذا في التاتار خانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، وهكذ في الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍۲۹۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۲/۵ھ

فرضی طلاق نامہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال [۶۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور ہندہ میں جو کہ میاں بیوی ہیں، کسی وجہ سے نہ اتفاقی ہوگئی، ہندہ کے والدین ہندہ کو اپنے گھر لے آئے، اس کے بعد زید ہندہ کو بلانے گیا، تو اس کے والد عمر نے ہندہ کو بھیجنے سے منع کر دیا، ایک سال گذر جانے پر ہندہ کے والدین نے نان ونفقہ کے ادا کرنے کا دعویٰ کیا حتی کہ دونوں طرف سے مقدمہ قائم ہوگیا، اسی طرح مقدمہ چلتے ہوئے دو سال گذر گئے، مقدمہ کے دوران وکیل نے عدالت میں بحث کرتے ہوئے کہا کہ میں طلاق دے چکا اور مہر بھی ادا کر چکا، زید وہاں کھڑا سن رہا ہے، نہ ہی زید سے ان الفاظ کے استعمال کرنے کی اجازت لی گئی اور نہ از خود زید نے ان الفاظ کو اپنی زبان سے کہا، اس کے بعد وکیل نے ایک درخواست لکھی اور درخواست میں اپنی طرف سے یہ تحریر کیا کہ میں طلاق دے چکا ہوں اور مہر بھی ادا کر چکا ہوں اور جہیز بھی دے چکا ہوں، یہ درخواست نہ زید نے لکھوائی اور نہ ہی زید کو پڑھ کر سنائی گئی اور زید سے انگوٹھا درخواست پر لگوالیا گیا اور وکیل نے اپنی طرف سے دو گواہوں کے نام بھی فرضی درج کر دیئے اور زید قسمیہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نہ ہی میں نے یہ درخواست لکھوائی ہے اور نہ ہی مجھکو پڑھ کر سنائی گئی ہے۔ اور وکیل نے اپنے دعویٰ کو مضبوط

بنانے کی خاطر میرا انگوٹھا درخواست پر لگوالیا، تو کیا ہندہ کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

(۲) نیز ہندہ گذشتہ سالوں کے نان ونفقہ کی حقدار ہے یا نہیں؟ مفصل و مدلل جواب سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: مطلوب احمد، امام مسجد ڈھکیہ کندن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شوہر کے حلفیہ بیان سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر نے نہ زبانی طلاق دی ہے، اور نہ ہی اس نے طلاق نامہ خود لکھا ہے، اور نہ ہی طلاق نامہ کا املا کرایا ہے اور نہ ہی طلاق نامہ پڑھ کر بخوشی انگوٹھا لگایا ہے اور نہ ہی کسی سے پڑھوایا ہے اور نہ ہی پوری تحریر سن کر انگوٹھا لگایا ہے، تو ایسی صورت میں شرعی طور پر طلاق واقع نہیں ہوئی ہے؛ لہٰذا ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ بدستور باقی ہے۔

كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦، هكذا في التاتار خانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، وهكذ في الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦)

(۲) شرعی طور پر گذشتہ سالوں کے نان ونفقہ کی حقدار ہندہ نہیں ہے اور نہ ہی شوہر پر شرعاً واجب ہے۔

والنفقة لا تصير دينًا–أي إذا لم ينفق عليها، بأن غاب عنها، أو كان حاضراً فامتنع فلا يطالب بها؛ بل تسقط بمضي المدة. (شامي، باب النفقة، مطلب لا تصير النفقة ديناً إلا بالقضاء، أو الرضاء، زكريا ديوبند ٥/٣١١، كراچي ٣/٥٩٤، هداية، اشرفی بكڈپو ديوبند ٢/٤٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶؍۲۲۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۵/۱۶ھ

غیر شوہر کا فرضی طلاق نامہ معتبر نہیں

سوال [۶۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمود علی کی بیوہ ہوں، میرے دیور مقصود علی عرف ریاست علی سے میرا اور میرے بچوں کا خاندانی جھگڑا چلا آرہا ہے۔

(۲) میرے شوہر محمود علی ریلوے میں ملازم تھے ریٹائر ہوگئے، ریٹائر ہونے کے بعد میرے شوہر کو تقریباً ایک لاکھ روپیہ ملا، میرے دیور کی نظر ان کے اس روپیہ پر لگی رہتی تھی، میری طرف سے اور میرے بچوں کے طرف سے الٹی سیدھی باتیں کرتا تھا اور ان کو گمراہ کرتا رہتا تھا، روپیہ ملنے کے بعد میرے شوہر نے پچاس ہزار روپیہ مل ایم آئی ایس کا کھاتہ کھلوالیا اور ایک لاکھ چالیس ہزار کا دوسرا مکان خریدا، میرا دیور مکان اور ایم آئی ایس دونوں اپنے نام کرالیا دھوکہ بازی سے؛ کیونکہ وہ کافی عرصہ سے بیمار چل رہے تھے، ہم برابر ان کا علاج کراتے رہے دیور سے میرا میل نہیں تھا، صرف اس وجہ سے کہ ہر وقت بھائی کے پیسہ پر نظر رہتی تھی، بیماری کی حالت میں میرے شوہر نے اپنے بھائی کو بلایا؛ جبکہ ہم ان سے بالکل نہیں ملنا چاہتے تھے، وہ میرا اور میرے بچوں کا کھلا دشمن ہے؛ لیکن ان کی بیماری کی وجہ سے بلایا میرا دیور میرے اور بچوں کے بالکل خلاف کروا دیا میرے شوہر سے ہم لوگوں کے کچھ دماغی حالات خراب چل رہے تھے، میرا دیور ایک جھوٹا طلاق نامہ تیار کیا اور اس کو جھوٹا رجسٹری کروایا، جس کا علم نہ مجھے اور نہ میرے بچوں کو اور نہ محلّہ والوں کو اور نہ رشتہ داروں کو ہوا، میرے شوہر کا انتقال ریلوے ہسپتال میں ہوگیا، میں اور میرے بچے ہر وقت ان کی خدمت کرتے رہتے تھے، میرے شوہر نے زندگی میں کبھی بھی مجھے طلاق نہیں دی، ان کے مرنے کے بعد قریب ایک مہینہ کے بعد میرے دروازے پر ڈاک آئی، ہم نے واپس کردی؛ جبکہ ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ طلاق نامہ تھا،

تو آپ بتائیں اس طرح طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(۳) جائیداد کس کو ملے گی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

المستفتیہ: آمنہ بیگم محلّہ مقبرہ اولی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر نے زندگی میں کوئی طلاق نہیں دی ہے، اور نہ زندگی میں اس کا کوئی ثبوت تھا، تو ایسی صورت میں موت کے بعد دیور کا طلاق نامہ دکھلانا اوراس کی شہرت دینا، اگر چہ رجسٹری شدہ ہو طلاق واقع ہونے کے لئے معتبر نہیں ہے، اس مذکورہ صورت میں طلاق معتبر نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۱۲۸)

نیز اگر مرض الموت میں شوہر نے طلاق دے بھی دی ہے، تو ایسی صورت میں طلاق شدہ بیوی شوہر کے ترکہ سے شرعی طور پر محروم نہیں ہوئی ہے؛ اس لئے مرحوم کی ساری جائیداد مرحوم کی بیوی اور بچوں کو مل جائے گی اور اگر مرحوم کا کوئی لڑکا بھی ہے، تو دیور کو مرحوم کے ترکہ جائیداد اور رقوم وغیرہ میں سے کوئی چیز شرعاً نہیں ملے گی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۱۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۱۵)

شوہر کی طرف فرضی طلاق نامہ منسوب کر کے طلاق دلوانا

سوال [۶۵۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد سلیم ولد .... میرا نکاح شمع پروین بنت .... سے ہوا تھا، میری بیوی اور میری بھاوج میں کچھ جھگڑا ہوا، اس دوران میں بیوی کے چچا نے جہیز کے سامان اور مہر کا پیسہ مجھ سے وصول کرلیا، میں پڑھا لکھا نہیں ہوں، دستخط بھی نہیں جانتا، مجھ سے ایک کاغذ پر انگوٹھا لگوالیا، میں نے جہیز کے سامان کی فہرست سمجھ کر انگوٹھا لگادیا، میں

بحلف کہتا ہوں میں نے کبھی طلاق نہیں دی ہے اور یہ جو لڑکی کے چچا نے فرضی طلاق نامہ لکھوایا ہے، اس کی مجھے کچھ خبر نہیں، نہ میں نے طلاق دی ہے اور نہ میں نے کسی سے لکھوایا ہے اور نہ ہی کسی نے طلاق نامہ لکھ کر مجھے سنایا ہے، سامان جہیز کی واپسی کے وقت مجھ سے ایک تحریر پر انگوٹھا لگوالیا تھا، جس کو میں نے آج تک جہیز کے سامان کا کاغذ سمجھا، آج تقریباً دو مہینے بعد اس کاغذ کی فوٹو کاپی مجھے حاصل ہوئی، میں نے لوگوں سے پڑھوا کر سنا، تو اس میں میری طرف منسوب کر کے تین مرتبہ طلاق لکھا ہوا ہے، اس سے تو میں حیران رہ گیا کہ اس طرح دھوکہ دے کر مجھ سے انگوٹھا لگوالیا تھا اور اس میں جو گواہوں کے نام لکھے ہوئے ہیں اور ان کے دستخط ہیں، ہم نے ان سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا ہمیں طلاق کے بارے میں معلوم نہیں ہم سے یونہی دستخط کرالیا ہے نہ ہی بتایا اور نہ پڑھ کر سنایا، تو کیا ایسی صورت میں جبکہ میاں بیوی میں سے کسی کو طلاق کی خبر نہیں، طلاق واقع ہوسکتی ہے، میں یہ تحریر بحلف لکھوا رہا ہوں اور جس وقت مجھ سے انگوٹھا لگوایا ہے، اس وقت ہمارے اور ان کے گھر کے بہت آدمی موجود تھے اور لڑکی کو بھی طلاق نامہ کی خبر نہیں ہے، جو اس کے چچا نے دھوکہ دے کر لکھوایا ہے۔

المستفتی: محمد سلیم اندرا چوک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور اس نے نہ زبانی طلاق دی ہے اور نہ ہی تحریر لکھوا کر طلاق دی ہے اور نہ ہی طلاق نامہ کی تحریر کسی سے پڑھوا کر سننے کے بعد بخوشی طلاق ہی کے لئے دستخط یا انگوٹھا لگایا ہے، تو ایسی صورت میں بیوی پر کسی قسم کی طلاق واقع نہیں ہوئی اور اس طلاق نامہ کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے، جس کی تحریر سے شوہر کو کوئی خبر نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں محمد سلیم کا نکاح شمع پروین کے ساتھ بدستور باقی ہے، دونوں بلا تردد میاں بیوی کی طرح ساتھ رہ کر زندگی گذار سکتے ہیں۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا

ديـوبـنـد ٤/ ٤٥٦، هـكـذا فـي التـاتـار خانية، زكريا٤/ ٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم ١/ ٣٧٩، جديد ١/ ٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۸۸۹/۳۲)

سادہ کاغذ پر محض انگوٹھا لگانے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۵۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر کی شادی ہندہ سے ہوئی چند ماہ کے بعد بکر نے ہندہ کو تنگ کرنا و مارنا شروع کر دیا، جب ہندہ کے والدین کو پتہ چلا تو اپنی بیٹی کو اپنے گھر بلا لائے، پھر کچھ دنوں بعد بکر ہندہ کو بلانے اپنی سسرال آیا تو ہندہ کے والدین نے بھیجنے سے انکار کر دیا اور ہندہ کو انگوٹھا دینے کو کہا اور کاپی پیڈ انگوٹھے کے لئے لے آئے، پھر جب اس نے بار بار ہندہ کے والدین وہندہ سے انگوٹھا مانگنے کے الفاظ سنے تو محلّہ کے دو تین آدمی اور آ گئے اسی دوران بکر نے کاغذ پر ایک انگوٹھا کے بجائے تین انگوٹھے لگائے اور اسی کاغذ پر ان موجودہ لوگوں نے ہندہ کے بھی تین انگوٹھے لگوائے؛ لیکن بکر نے لفظ طلاق منھ سے نہیں کہا، پھر اپنے ماموں کے ساتھ گھر چلا آیا، جب کہ اس واقعہ کو پانچ ماہ گذر چکے ہیں، اب ہندہ کے والدین عدت پوری مان کر ہندہ کا نکاح دوسری جگہ کرنے کو تیار ہیں؛ لیکن بستی والے ان انگوٹھوں کو طلاق نہیں مان رہے ہیں اور دوبارہ سے بکر کا بیان چاہتے ہیں؛ جبکہ بکر کے گھر پر پتہ چلا کہ بکر گھر سے ناراض ہو کر دو ماہ پہلے دہلی چلا گیا، مگر دہلی میں جہاں اس کا مقام تھا تلاش کیا، مگر کچھ پتہ نہیں چلا؛ جبکہ تلاش کرنے والوں میں بکر کا ماموں تھا، جو بکر کے ساتھ ہندہ کے گھر گیا تھا؛ لیکن ماموں کا بیان تو یہی ہے کہ بکر تو اس دن آزاد کر چکا ہے؛ لیکن بکر کے ماموں اور وہ موجودہ لوگ سب ان پڑھ اور بے شرع ہیں، جو یہ لوگ انگوٹھے کو ہی طلاق سمجھے ہوئے ہیں اور ہندہ کے والدین اپنی تنگی

کی وجہ سے ہندہ کا نکاح جلد کرنے کو تیار ہیں، ان سب کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: اسرار حسین، بیروا، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف سادہ کاغذ پر انگوٹھا لگانے سے طلاق واقع نہیں ہوئی؛ جبکہ شوہر نے زبان سے کوئی لفظ طلاق کے لئے نہ نکالا ہو؛ لہٰذا ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ بدستور باقی ہے، دوسری جگہ ہندہ کا نکاح جائز نہ ہوگا۔

وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقر أنه کتابه. (شامي، کتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالکتابة، زکریا دیوبند ٤/٤٥٦، هکذا في التاتار خانیة، زکریا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هکذا في الهندیة، زکریا قدیم ١/٣٧٩، جدید ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرا الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۶۱۹/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۴ھ

دھمکی دے کر خالی اسٹامپ پر دستخط کروانے سے طلاق

سوال [۶۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد شفیع نے نومسلم لڑکی سے شادی کی، شادی کے بعد نومسلم لڑکی کے رشتہ داروں نے محمد شفیع پر زور دیا کہ پچاس روپیہ کے سرکاری اسٹامپ پر دستخط کردو، محمد شفیع نے نونٹری کے خالی اسٹامپ پر دستخط کردیئے، اس کے بعد محمد شفیع کی پہلی بیوی کے میکہ وہ اسٹامپ بھیج دیا گیا اور یہ بتلا دیا گیا کہ محمد شفیع نے اپنی پہلی بیوی مریم کو طلاق دیدی ہے؛ جبکہ محمد شفیع کا یہ بیان ہے کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ان کے بار بار

دھمکی دینے پر میں نے یہ کہا کہ میں تو اس کو چھوڑ آیا ہوں، صورت مذکورہ میں بیوی مریم کو طلاق ہوئی کہ نہیں؟ اگر طلاق ہوئی تو کون سی ہوئی؟

المستفتی: نورالدین، پتی بازار، امرتسر (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دھمکی دے کر اسٹامپ پر جو دستخط کرایا گیا ہے، شرعی طور پر شوہر کے حق میں اس کاغذ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور لفظ چھوڑ آیا ہوں سے، ایک طلاق صریح رجعی واقع ہوگئی ہے؛ اس لئے کہ چھوڑنے کا لفظ بیوی کے حق میں طلاق صریح کے لئے مستعمل ہے۔

سرحتک وهو رها کردم؛ لأنه صار صريحا في العرف (وقوله) رها کردم سرحتک يقع به الرجعي. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، قبيل مطلب لا اعتبار بالاعراب هنا، زكريا ديوبند٤/٥٣٠، كراچي٣/٢٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۲۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۲۹ھ

والد نے بغیر لڑکے کی اجازت کے طلاق نامہ لکھوایا

سوال [۶۵۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والد نے کچہری میں جا کر میری جانب سے وکیل سے طلاق نامہ لکھوایا؛ حالانکہ مجھے اس طلاق نامہ کے متعلق کچھ خبر نہیں تھی اور نہ ہی میں نے ان کو اجازت دی تھی، پھر اس طلاق نامہ پر مجھ سے دستخط کروائے گئے، نیز نہ میں نے اس طلاق نامہ کو پڑھا اور نہ کسی سے سنا اور یہ سمجھ کر دستخط کردیئے کہ یہ دستخط میرے جہیز سے متعلق کرائے جارہے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح والد صاحب کا وکیل

سے طلاق نامہ لکھوا کر مجھ سے دستخط کروانے سے میری بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ جبکہ اس پر میں بالکل راضی نہیں ہوں۔

المستفتی: محمد شمشاد، محلّہ: کٹار شہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے طلاق نامہ بخوشی نہیں لکھوایا ہے، اور نہ ہی آپ کو طلاق نامہ پڑھ کر سنایا گیا ہے اور نہ ہی آپ نے طلاق نامہ سمجھ کر دستخط کیا ہے، تو ایسی صورت میں آپ کی اجازت کے بغیر آپ کے والد کا وکیل کے ذریعہ طلاق نامہ لکھوانا شرعًا طلاق واقع ہونے کے لئے معتبر نہیں ہے؛ اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی اور نکاح بدستور باقی ہے۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه و لم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقرّ أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٧، تاتار خانية، كتاب الطلاق، الفصل السادس، إيقاع الطلاق بالكتابة، جديد زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، كراچي ٣/٢٤٧، هكذا في الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶۶۰/۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۱۲ھ

طلاق نامہ دینے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری پوتی آفرین قریشی ولد محمد شمیم قریشی، مرادآباد کی شادی اعجاز ولد انور ساکن A ونگ فیلیٹ نمبر ۱۰۲/ اشتیل نگر بلڈنگ میرا روڈ ممبئی کے ساتھ ہوئی تھی، قریب تین

مہینہ بعد میاں بیوی کے درمیان تکرار کے بعد میری پوتی آفرین کو خالی ہاتھ مار پیٹ کر اپنے گھر سے نکال دیا ہے، بعد میں ایک طلاق نامہ بھیج دیا، جس میں تین طلاق مغلظہ دے کر اپنی زوجیت سے الگ کر دیا، پھر ہم نے اس پر مقدمہ کر دیا ہے۔ اب وہ ہم کو خبر بھیج رہا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی صرف کاغذ پر دستخط کئے ہیں اور وہ میری پوتی آفرین کو واپس بلانا چاہتا ہے۔ ان حالات میں میری پوتی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اس کے بعد سے میری پوتی اپنے والدین کے ساتھ مرادآباد ہی میں رہتی ہے۔

المستفتی: عبدالقیوم، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اعجاز علی انصاری نے محکمۂ دارالقضاء سے طلاق نامہ لکھوایا ہے اور اس طلاق نامہ پر بلا کسی جبر واکراہ کے اپنے اختیار سے دستخط کئے ہیں، تو طلاق نامہ کے مطابق اعجاز علی انصاری کی بیوی آفرین پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔ اب بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے اور طلاق واقع ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ طلاق نامہ لکھوا کر اس کے اوپر بخوشی دستخط کر دیں، ایسی صورت میں زبان سے طلاق کے الفاظ استعمال کرنا لازم نہیں۔

ولو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه الزوج وختمه، وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي ٣/٢٤٧، زكريا ٤/٤٥٦، هكذا في التاتارخانية، زكريا ديوبند ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم ٣/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦)

أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد: فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمه العدة من وقت الكتابة. (هندية، كتاب الطلاق الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، قديم زكريا ١/٣٧٨، جديد زكريا ١/٤٤٦)

ولو كتب آخر أو أمر غيره أن يكتب نسخة ولم يمله، فأتاها الكتاب طلقت تطليقتين في القضاء إذا أقر أنه كتابه، أو قامت عليه بينة.

(تاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل السادس إيقاع الطلاق بالكتاب، قديم ٣٧٩/٣ جديد، زكريا ٥٣١/٤، رقم: ٦٨٤، هكذا في الهندية، زكريا قديم ٣٧٩/١، جديد ٤٤٦/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۱۴۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍۷؍۱۴۳۱ھ

طلاق نامہ لکھوا کر والد کو دینے سے طلاق کا حکم

سوال [۷۱۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کے بارے میں اپنے والد کو تحریری طور پر یہ لکھ کر دیا کہ میں اپنی بیوی حنا کو طلاق، طلاق، طلاق، دیتا ہوں اور دستخط کر کے تاریخ ڈال دی ۱۴؍مئی ۲۰۰۴ء۔

کیا اس طرح تحریری طور پر اپنے والد کو لکھنے سے طلاق ہوجائے گی؟ باپ نے اس بات کو اپنے گھر میں بھائیوں کے سامنے ظاہر کردی ہے، مگر لڑکی کے والدین کو باخبر اس لئے نہیں کیا کہ لڑکی والے زوردار ہیں، جھگڑے کا اندیشہ ہے، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: حاجی عاشق قریشی، ملکو گلی تاج گنج، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تحریری طلاق زبانی طلاق کی طرح ہے یعنی جس طرح زبانی طلاق دینے سے طلاق پڑ جاتی ہے، اسی طرح تحریراً طلاق واقع ہوجاتی ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں زید کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں اور وہ اس پر بالکل حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالۂ شرعیہ کے اس کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو، ثم المرسومة لا تخلو أما إن أرسل الطلاق بأن كتب، أما بعد: فأنت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا ديوبند٤/ ٤٥٦، كراچي ٣/ ٢٤٦)

وإن كانت الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الباب السادس، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به، جديد ١/ ٥٣٥، قديد ١/ ٤٧٣)

ولو قال: لزوجته أنت طالق، طالق، طالق طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۳۳۰/۳۷)	۱۴۲۵/۴/۲۰ھ

دھمکی دے کر طلاق نامہ لکھوانے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۵۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمود علی ولد شبیر علی محلّہ دولت باغ گلی نمبر ۷ مرادآباد، میری شادی ڈیڑھ سال قبل ہوئی تھی، لڑکی کچھ دن بعد اپنے میکہ میں رک گئی مطالبہ یہ تھا کہ آدھا مکان میرے نام کردو، میں نے یہ نہیں کیا، تو لڑکی کے گھر والوں نے اس کو روک لیا اور طلاق مانگ رہے ہیں، میں طلاق نہیں دوں گا، ایک دن میں ادھر سے گذر رہا تھا تو مجھے روک کر گھر لے گئے اور بہت مارا اور پستول میرے سر پر رکھ کر مجھ سے ایک کاغذ پر لکھوایا تو کیا اس طرح طلاق ہوجاتی ہے؟

المستفتی: محمود علی، دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کو مار کر اور دھمکی دے کر طلاق لکھوالیا ہے، اور آپ نے اپنی زبان سے نہیں کہا ہے، تو ایسی صورت میں آپ کی بیوی پر اس تحریر کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوئی ہے، وہ بدستور آپ کی بیوی ہے۔

أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق، فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته، فكتب لا تطلق؛ لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التي تصح مع الإكراه، زكريا ٤/ ٤٤٠، كراچي ٣/ ٢٣٥)

وفي فتاوى أهل سمر قند: إذا أكره الرجل بالضرب، والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فكتب، فلانة طالق لا تطلق. (الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/ ٥٣٢، رقم: ٦٨٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۶۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۲/ ۱۴۱۹ھ

طلاق نامہ لکھوانے سے وقوع طلاق کا حکم

سوال [۶۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی (نکاح) ۲۷؍ دسمبر ۲۰۰۸ء کو اسلوب فاطمہ بنت مظاہر حسین، محلّہ: پیتل بستی سے ہوا تھا، کچھ دن بعد سے اختلاف شروع ہوگیا، جس کی وجہ سے وہ اپنے گھر چلی گئی، میں نے لڑکی کے عزیزوں سے یہ کہدیا کہ بزرگوں کے درمیان بیٹھ کر مسئلہ کو سمجھیں اور اس کو حل کریں؛ لیکن انہوں نے بات نہیں کی اور ایک مہینے کے بعد میرے اوپر دعویٰ عدالت میں داخل کردیا، اس کے بعد پنچایت ہوئی، اس میں یہ طے ہوا کہ لڑکی کی جانب سے مقدمہ واپس لیا جائے اور لڑکے والے اسے واپس سسرال لے جائیں گے، مگر

اس کے دس دن بعد لڑکی کے والد نے اس بات سے انکار کردیا اور کہا کہ میں نے مقدمہ کردیا، تو آپ بھاگے پھر رہے ہیں اور مجھے آپ کے اوپر بھروسہ نہیں ہے باوجود سمجھانے کے وہ نہیں مانے، اس کے بعد مجبوراً مجھے وکیل سے صلاح لینی پڑی، میرے وکیل نے طلاق کا نوٹس دیدیا اور کہا کہ اس سے طلاق نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ مقدمہ کی کارروائی کا ایک طریقہ ہے اور مجھ سے نوٹس پر دستخط کرالئے اور کہا کہ یہ نوٹس لڑکی کو تعمیل کرادیں، میرا طلاق کا ارادہ نہ پہلے تھا نہ اب ہے، یہ نوٹس میرے وکیل نے میرے بچاؤ کے لئے دیا ہے، میں نے نہ کسی گواہ کے سامنے طلاق دی ہے، نہ میرا ایسا کوئی ارادہ ہے، لڑکی تقریباً چھ ماہ کے حمل سے ہے، نوٹس ۲۱/جنوری کو دیا ہے، جس میں وکیل نے تین طلاق کا ذکر کیا ہے، برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد ساجد ولد محمد جمیل مرحوم، کسرول، شکلوں کا کنواں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بذریعۂ وکیل ہندی میں جو طلاق نامہ لکھوایا گیا ہے، اس کو دیکھنے کے بعد کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ شوہر کی طرف وہ ساری باتیں وکیل نے اپنی طرف سے لکھی ہوں؛ جب تک کہ شوہر بیٹھ کر وکیل کو نوٹ نہ کرادے، اس وقت تک یہ ساری اندورنی باتیں وکیل نہیں لکھ سکتا۔

بہرحال اس کے باوجود طلاق کی نیت کے بغیر ڈرانے دھمکانے کی غرض سے ہی طلاق نامہ لکھوایا گیا ہو اور پھر لڑکے کے دستخط کے ساتھ وہ طلاق نامہ لڑکی کو پہونچ گیا ہو اور لڑکا اس بات کا اقرار کررہا ہو کہ وکیل کو طلاق نامہ لکھنے کی اجازت دی ہے، اس کے بعد طلاق نامہ پر اس نے خود دستخط کیا ہے، تو اتنی بات سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور طلاق کے واقع ہونے کے لئے شہادت اور گواہی کی ضرورت بھی نہیں ہے؛ لہٰذا بغیر حلالہ کے جانبین میں نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

ولایحتاج إلی النیة في المستبین المرسوم ولا یصدق في القضاء أنه عنی تجربة الخط. (شامي، کتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالکتابة، کراچي ۲۴۷/۳، زکریا ٤/٤٥٦)

لو کتب کتاباً في قرطاس وکان فیه إذا أتاک کتابي هذا فأنت طالق، فنسخه في کتاب آخر، أو أمر غیره أن یکتب نسخة ولم یمل هو فأتاها الکتاب طلقت تطلقتین في القضاء إذا أقر أنهما کتابان، أو قامت علیه بینة.
(تاتارخانیة، کتاب الطلاق، الفصل السادس في إیقاع الطلاق بالکتابة، جدید زکریا٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤١، قدیم۳/۳۷۹، شامي، کتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالکتابة، کراچي ۲۴۷/۳، زکریا ٤/٤٥٦)

ولو قال للکاتب: اکتب طلاق امرأتي کان إقرار بالطلاق وإن لم یکتب. (شامي، کتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالکتابة، کراچي ۲۴۷/۳، زکریا٤/٢٥٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۹۶۴/۳۸)

طلاق نامہ لکھنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندی میں لکھے طلاق نامہ کی مندرجہ ذیل عبارت کو پڑھ کر زید نے اب سے ڈھائی ماہ قبل دو بار دستخط کئے، پہلے ۵/ جولائی ۲۰۰۲ء کو پھیکی نیلی بال پنسل سے (یہ دستخط زیادہ نمایاں نہیں تھے) پھیکی روشنائی کی وجہ سے ایک ہفتہ بعد ۱۲/ جولائی ۲۰۰۲ء کو کالی رنالڈ پنسل سے دوبارہ دستخط کئے اور ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ ابھی روک دو مناسب وقت پر ڈاک سے روانہ کردینا زید کا اب یہ کہنا ہے کہ میں نے دستخط طلاق دینے کی نیت

سے نہیں کیئے تھے بس میں نے تو ایک کاغذ سمجھ کر کیئے تھے اور مزید یہ کہ زید نے اپنی زبان سے ایک بھی حرف طلاق دینے کا ادا نہیں کیا ہے

طلاق نامہ کی عبارت مندرجہ ذیل ہے

زید کی جانب سے خوب سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ آپ کو (اہلیہ کو) مسلم قانون کے مطابق طلاق دے کر اپنی زوجیت سے آزاد کر دے؛ لہٰذا میں ۳/جولائی ۲۰۰۲ء کو یہ لکھت تحریری طلاق نامہ سے مطلع کرتا ہوں (روانہ کرتا ہو) اس طلاق نامہ کے ذریعہ بھی میں آپ کو لکھت تحریری طلاق دیتا ہوں۔ ۳/جولائی سے آپ کی عدت شروع ہو چکی ہے، تین ماہ کی عدت کا خرچ ۱۵۰۰/روپیہ اور مہر کے ۵۰۰/ روپیہ کل ۲۰۰۰/ ہزار روپیہ بذریعۂ منی آڈر ارسال کیئے جاتے ہیں۔

تا حال طلاق نامہ کی تحریر ڈاک سے روانہ نہیں کی جاسکی ہے اور نہ ہی ۲۰۰۰/روپئے کا منی آرڈر روانہ کیا ہے، ان تمام مذکورہ بالا تحریر اور تفصیل کے بعد دریافت طلب امر یہ ہے کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کون سی ہوئی؟

المستفتی: حاجی حسین، دولہاپور، ٹانڈہ افضل، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق نامہ کی جو عبارت سوال نامہ میں موجود ہے، اگر شوہر اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ یہ تحریر اسی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہے یا اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ سرے سے لکھوانے کے بعد اس کو سن کر بخوشی اس پر دستخط کر دیا ہے؛ لیکن اس کو ابھی روانہ نہیں کیا ہے اور اب وہ اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ یہ تحریر اس نے خود لکھی ہے یا دوسرے سے لکھوانے کے بعد بخوشی اس پر دستخط کیا ہے چاہے اس کی نیت کچھ بھی ہو اگر وہ اقرار کرتا ہے، تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی بیوی کے پاس نہ منی آرڈر پہونچنا شرط ہے، نہ طلاق نامہ پہونچنا شرط ہے۔ بہر صورت طلاق

مغلظہ واقع ہوگئی۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۳۸۶، محمودیہ ۴/ ۱۴۵)

ولو قال للكاتب اكتب طلاق امرأتي كان إقرار بالطلاق وإن لم يكتب (إلى قوله) وقع إن أقر الزوج أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي ٣/ ٢٤٧، زكريا ٤/ ٤٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۷۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

زبردستی طلاق نامہ لکھوانا

سوال [۶۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی شادی ہوئی اور لڑکی دومرتبہ سسرال گئی اور اس کا شوہر معاش کے لئے ڈیڑھ دوسال کے لئے باہر چلا گیا، پھر شوہر آیا اور لڑکی کو لینے کے لئے میکہ گیا، گھر والے راضی تھے کہ بھیجا جائے گا؛ لیکن لڑکی کہنے لگی میں نہیں جاؤں گی اگر تم لوگ بھیجو گے تو میں زہر کھا کر مر جاؤں گی اور لڑکا کہہ رہا تھا کہ میں طلاق دینے کے لئے تیار نہیں ہوں، تو جب لڑکی راضی نہیں ہوئی، تو اس کے گھر والوں نے زبردستی اس سے طلاق نامہ لکھوا لیا، تو کیا خلع کی صورت ہوئی یا طلاق کی؟ اب اس صورت میں مہر اور خرچہ دیا جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: نور الدین، سنت کبیر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زبردستی محض طلاق نامہ لکھوا لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، ہاں البتہ زبردستی پہلے اس سے زبانی طلاق دلائی گئی،، پھر طلاق نامہ بھی لکھوایا گیا، تو اب طلاق واقع ہوگئی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/ ۱۴۸)

شامی کی عبارت ہے:

وفي البحر أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق، فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته، فكتب لا تطلق. (شامي، كتاب الطلاق، كراچی ۳/۲۳٦، زکریا ٤/٤٤٠، البحر الرائق، کوئٹه ۳/۲٤٥، زکریا ۳/٤۲۹)

سوال میں مذکورہ صورت خلع کی نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ خلع کے لئے جانبین سے رضامندی ضروری ہے کہ عورت مہر معاف کردے اور شوہر طلاق دے۔

قال اختلعت بتطليقة بائنة على كل حق يجب للنساء على الرجال قبل الخلع وبعده. (بزازیه، زکریا ۱/۱۳۷، وعلى هامش الهندية ۱/۲۱۰)

اور طلاق کے واقع ہونے کی صورت میں شوہر پر مہر اور نفقہ واجب ہوگا؛ جبکہ اس نے دخول کرلیا ہو، اگر دخول نہیں کیا ہے تو نصف مہر دینا ہوگا۔

صح نكاحه وطلاقه وعتاقه ورجع نصف المسمى إن لم يطأ وفي الشامية: لأنه إن وطئ لا يرجع؛ لأن المهر تقررهنا بالدخول لا بالطلاق. (درمختار مع الشامي، زكريا ۹/۱۸۹-۱۹۰، كراچي ٦/۱۳۷-۱۳۸)

تجب لمطلقة الرجعي والبائن، تحته في الشامية؛ لأن النفقة تابعة للعدة. (شامي، كراچي ۳/٦۰۹، زكريا ديوبند ٥/۳۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ٦۴۴٦)	۱۹/۱/۱۴۱۹ھ

طلاق نامہ کی تفصیل بتائے بغیر شوہر کے اس پر دستخط لینا

سوال [٦٥٤٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ محمد علیم بن محمد نسیم کا نکاح ۴؍اپریل ۱۹۹۹ء کو شرع محمدی کے مطابق عبد الجمیل کی دختر شازیہ پروین کے ہمراہ ہوا تھا؛ لیکن کچھ دنوں کے بعد اس کے بیچ میں کچھ لوگوں نے

مداخلت کر کےلڑکی کو رخصت کرنے سے انکار کردیا اور جہیز واپس کرنے پر اصرار کرنے لگے، مجبوراً ہم نےلڑکی کا جہیز واپس کردیا اورلڑکی والوں نے اسٹامپ پیپر پر ہم سے دستخط لے لیا کہ بندہ محمد علیم بن محمد نسیم نے تین طلاق دیدی ہیں، بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ جس کاغذ پر دستخط لیا گیا ہےاس میں تین طلاق کا ذکر ہے؛ جبکہ ہم نے ایک طلاق بھی نہیں دی اور اس کاغذ پر لڑکی سے بھی جبراً دستخط کرالیا گیا ہےاور اسٹامپ پیپر پر جن دو گواہ کے دستخط ہیں کہ لڑکے نے طلاق دیدی ہے،اس اسٹامپ پیپر پر لفظ طلاق کو پڑھ کرنہیں سنایا گیا ہےاور دستخط لے لیا گیا، علمائے دین اس بارے میں فتویٰ صادر فرمائیں کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد علیم الدین ابن محمد نسیم، محلّہ: مغلپورہ، سقہ اولی، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلاق نامہ لکھ کراس کی تفصیلات شوہر کو بتائے بغیر اور طلاق کی صراحت کی تحریر شوہر کو دکھائے یا بتلائے بغیر محض اس سے دستخط لینے سے طلاق نہیں ہوتی ؛ بلکہ تحریری طلاق کے لئے شرط یہ ہے کہ شوہر اپنے ہاتھ سے خود لکھ کر کے طلاق نامہ پر دستخط کردے یا اس کے حکم سے دوسرا آدمی لکھدے اور کیا لکھا ہے اسے پڑھ کر سنادے اس کے بعد شوہر بخوشی اس پر دستخط کردے، جب جا کر کے طلاق واقع ہوتی ہے ورنہ نہیں ہوتی اور مذکورہ طلاق نامہ میں ایسی کوئی شکل نہیں ہےاور نہ ہی الفاظ طلاق شوہر کو پڑھ کر سنائے گئے ہیں؛اس لئے مذکورہ طلاق نامہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور دونوں کا نکاح شرعی طور پر بدستور باقی ہے۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لايقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچي ٣/٢٤٨، زكريا ٤/٤٥٦، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦، تاتار خانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۷۰۳)

طلاق نامہ پر دستخط کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۶۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں رقیہ خاتون ولد حافظ عبد القیوم میری شادی ۵ر نومبر ۲۰۱۰ء میں ہوئی تھی، میرے شوہر عبد الکریم ولد زین العابدین کا میرے ساتھ سلوک اچھا نہیں تھا، ان کی بہت سی عادتیں میرے مزاج کے خلاف تھیں، وہ ناجائز طریقے سے ہم بستر کرتے تھے، جسے شریعت میں حرام قرار دیا ہے، تعویذ غنڈے کرتے ہیں، تنز کرتے ہیں وہ آسام کے ہیں۔

قرآن کا غلط استعمال کرتے ہیں، میرے لڑکی پیدا ہوئی تو مجھ سے جھگڑا کیا اور مار پیٹ کی کہ لڑکی کیوں ہوئی، لڑکا کیوں نہیں ہوا، ان تمام باتوں کے سامنے میرا دل نہیں ملا، میں نے ان سے پنچایت کی اور ان سے طلاق لے لی؛ لیکن پنچایت میں میں موجود نہیں تھی، اس طلاق کے گواہ ہیں، جو کہتے ہیں کہ طلاق دے دی؛ لیکن میرے شوہر اس طلاق سے مکر رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ میں نے زبان سے لفظ ادا نہیں کیا طلاق نامہ پر دستخط کئے ہیں، اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتیہ: روقیہ خاتون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر نے طلاق نامہ پر بخوشی دستخط کر دیئے ہیں اور اس کا اقرار بھی کر رہا ہے، تو جتنی طلاق طلاق نامہ پر لکھی گئی ہیں اتنی طلاق واقع ہو چکیں اور طلاق کے واقع ہونے کے لئے زبان سے کہنا لازم نہیں ہے؛ بلکہ اپنی خوشی سے تحریر کے طور پر طلاق دینے سے یا لکھی ہوئی تحریر پر سمجھ کر دستخط کر دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

(مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۵۸۵)

عن حماد قال: إذاكتب الرجل إلى امرأته–إلى قوله– أما بعد فأنت طالق، فهي طالق. الحديث (مصنف لابن أبي شيبه، كتاب الطلاق، في الرجل يكتب طلاق امرأته بيده، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٥٦٢/٩، رقم: ١٣٠٤)

وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوىٰ، أو لم ينو، ثم المرسومة لاتخلوا إما أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد! فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق، وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (شامي، زكريا ٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٦، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٨، جديد ١/٤٤٦، فتاوى قاضي خان، زكريا ١/٢٨٧، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/٤٧١، الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، شامي، كراچي ٣/٢٤٧، زكريا ٤/٤٥٦)

رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه وطواه وختم وكتب في عنوانه وبعث به إلى امرأته فأتاها الكتاب وأقر الزوج أنه كتابه فإن الطلاق يقع عليها. (هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦، الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، شامي، كراچي ٣/٢٤٦-٢٤٧، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رشوال المکرم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۶۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۰/۲۸ھ

زبان سے طلاق دیئے بغیر طلاق نامہ پر دستخط لینے سے عدم وقوع طلاق

سوال [۶۵۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ شبنم جہاں کی شادی راشد علی کے ساتھ لگ بھگ ۲؍سال قبل ہوئی تھی، لڑکی کے باپ سے لڑکے والوں میں کسی بات پر تکرار ہوگئی اور شادی کو ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا کہ لڑکی کے باپ نے جہیز کی دفعہ لگا کر پولیس کیس بنادیا اور پولیس کے دباؤ میں آکر لڑکی کا تمام جہیز واپس کردیا اور اپنا سب زیور واپس لے لیا اور قانونی طریقہ سے وکیل سے فیصلہ نامہ لکھا کر لڑکے سے زبردستی دستخط ۲؍گواہوں کے سامنے کرالئے، دونوں گواہوں کا کہنا ہے کہ لڑکے نے زبان سے طلاق ادا نہیں کی اور نہ لڑکا طلاق دینا چاہتا تھا، اب یہ مسئلہ لوگوں میں زیر بحث ہے کہ نکاح کا اقرار زبان سے کیا جاتا ہے؛ لہٰذا طلاق بھی زبان سے دی جاتی ہے، اس بارے میں علماء دین کا کیا فیصلہ ہے؟

المستفتی: شاکر حسین، جوڑی فروش، محلّہ: نوبت خانہ، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جبراً اور دباؤ کے ذریعہ طلاق کے الفاظ کہلوا لئے جائیں تو اس سے شرعاً طلاق ہوجاتی ہے اور اگر زبان سے نہ کہلوا کر صرف تحریر لی جائے یا طلاق نامہ پر دستخط کرالئے جائیں اور شوہر بخوشی دستخط نہ کرے؛ بلکہ صرف دباؤ میں آکر دستخط کرے، تو اس سے طلاق نہیں ہوتی اور مسئولہ صورت میں چونکہ شوہر پر دباؤ ڈال کر صرف فیصلہ نامہ پر دستخط لئے گئے ہیں؛ لہٰذا اس سے طلاق نہیں ہوئی۔

فلو أکرہ علی أن یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا تطلق الخ. (شامي، کراچي ۳/۲۳۶، زکریا ٤/٤٤٠، البحر الرائق کوئٹہ ۳/۲٤٦، زکریا ۳/٤۲۹)

رجل أکرہ بالضرب، والحبس علی أن یکتب طلاق امرأتہ، فکتب فلانة بنت فلانة امرأتہ طالق وفي الحاوي: ولم یعبر بلسانہ، لا تطلق.

(الفتاوی التاتارخانیة، زکریا ٤/٥۳۲، رقم: ٦٨٤۳، هندیة، زکریا قدیم ۱/۳۷۹، جدید ۱/٤٤٦، فتاوی قاضي خان، زکریا ۱/۲۸۷، وعلی هامش الهندیة، ۱/٤۷۲، بزازیة، زکریا ۱/۱۲۰، وعلی هامش الهندیة، ٤/۱۸٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍ ۶۶۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۹ھ

پولیس کے دباؤ سے طلاق نامہ پر دستخط

سوال [۶۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا (محمد رضی) کا نکاح فرح ناز کے ساتھ ۲۰۰۹ء میں ہوا تھا، ایک بچی کی ولادت بھی ہوئی؛ لیکن بعد میں ہم دونوں میں آپسی اختلاف بڑھنے کی وجہ سے ناراضگی میں فرح ناز اپنے میکہ چلی گئیں اور کچھ ماہ بعد انہوں نے تھانے میں میرے خلاف درخواست دیدی، مجھے طلب کیا گیا اور تھانے میں مجھ سے سوال ہوا کہ تم کیا چاہتے ہو، میں نے کہا کہ میں اپنی بیوی فرح ناز کو رکھنا چاہتا ہوں، فرح ناز نے کہا کہ میں رہنا نہیں چاہتی، مجھے میرا سامان چاہئے اور بچی چاہئے، اس کے بعد پولیس کے دباؤ اور سختی سے بچنے کے لئے کچہری میں طلاق نامہ تیار کرایا گیا اور اس پر مجھ سے دستخط کرائے؛ لیکن میں نے نہ اس طلاق نامہ کو پڑھا اور نہ زبان سے تلفظ کیا طلاق کا، طلاق نامہ میرے ہاتھ میں دیتے وقت کہا گیا تھا کہ یہ طلاق نامہ ہے، اس پر دستخط کردو، میں نے یہ سمجھ کر کہ جب تک زبان سے طلاق کا لفظ ادا نہ کیا جائے طلاق نہیں ہوتی، میں نے دستخط کر دیا، اس کے بعد گھر آنے کے بعد والد صاحب نے کہا زبانی طلاق دو، میں نے صاف منع کر دیا، آپ بتائیں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اس کے بعد اس کا سامان چلا گیا اور بچی میرے ہی پاس رہی، اب فرح ناز میرے پاس رہنا چاہتی ہے اور میں بھی اس کو رکھنا چاہتا ہوں از روئے شرع اس طرح طلاق نامہ تیار ہونے سے جس کو نہ میں نے پڑھا اور نہ طلاق کا تلفظ کیا، کیا طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد رضی، سرائے ترین، سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زبان سے کوئی لفظ طلاق استعمال نہیں کیا گیا ہے، تو ایسی صورت میں تحریری طلاق اس وقت معتبر ہوتی ہے، جب شوہر نے اپنی مرضی سے طلاق نامہ لکھوایا ہو اور اس پر بخوشی دستخط کردیا ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے؛ بلکہ پولیس کے دباؤ کی وجہ سے شوہر نے طلاق نامہ پر دستخط کیا ہے اور تحریری طلاق میں دباؤ کے ساتھ دستخط کردینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ چنانچہ بعد میں جب باپ نے زبانی طلاق دینے کے لئے کہا تو بیٹے نے صاف انکار کردیا ہے، یہ سب باتیں اس بات پر دلیل ہیں کہ سرکاری دباؤ کے نتیجے میں اس نے دستخط کردیا ہے؛ اس لئے صورت مذکورہ میں طلاق نامہ پر جو دستخط کیا گیا ہے اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ لہٰذا محمد رضی کا نکاح فرح ناز کے ساتھ بدستور باقی ہے، شرعی طور پر دونوں ایک دوسرے کے میاں بیوی ہیں۔

رجل أکره بالضرب، والحبس علی أن یکتب طلاق امرأته، فکتب فلانة بنت فلانة امرأته طالق. و في الحاوي: ولم یعبر بلسانه، لا تطلق.

(الفتاوی التاتارخانیة، زکریا ٤/٥٣٢، رقم: ٦٨٤٣، وهکذا في الهندیة، زکریا قدیم ١/٣٧٩، جدید ١/٤٤٦، فتاوی قاضي خان، زکریا ١/٢٨٧، وعلی هامش الهندیة، ١/٤٧٢، بزازیه، زکریا ١/١٢٠، وعلی هامش الهندیة، ٤/١٨٥، شامي، کراچي ٣/٢٣٦، زکریا ٤/٤٤٠، البحر الرائق، کوئٹه ٣/٢٤٦، زکریا ٣/٤٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۴۰۱؍۱۲۰۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۸/۳ھ

طلاق نامہ پر دباؤ ڈال کر دستخط کرانا

سوال [٦٥٨٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ میرے والد اور میری بیوی کے والد میں کسی بات پر کچھ تکرار ہوگئی انہوں نے اپنی بیٹی کو روک لیا، میں بلانے گیا لڑکی کو نہیں بھیجا اور میرے اوپر مقدمہ قائم کردیا جو کہ اب بھی چل رہا ہے، پنچایت بھی ہوئی اور انہوں نے فیصلہ کردیا؛ لیکن میں نے اپنی بیوی کو طلاق بھی نہیں دی؛ کیونکہ میں اپنے گھر تھا اور میری بیوی اپنے میکہ میں تھی: لہٰذا یہ طلاق ہوئی یا نہیں؛ کیونکہ خسر صاحب نے زبردستی طلاق نامہ لکھوادیا اور کہا کہ اس پر دستخط کردو میں نے دستخط کردیئے، میری بیوی نے بھی دستخط کردیئے، ادھر میرے والد امیر خاں کا انتقال ہوگیا، اب میری بیوی میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہ مقدمہ بھی ختم ہوجائے، میں بغیر پڑھا لکھا تھا، طلاق نامہ نہ ہی مجھے پڑھ کر سنایا گیا اور نہ ہی میری بیوی میرے سامنے موجود تھی، مجھ سے زبردستی دستخط کرالئے گئے اور میری بیوی سے کہا گیا جب تمہارے شوہر نے دستخط کردیئے تو تم بھی دستخط کردو؛ لہٰذا میری بیوی نے بھی دستخط کردیئے، میں نے ان کے مطلب کو سمجھے بغیر دستخط کردیئے اور میں پھر یہ کہتا ہوں کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے۔

المستفتی: ناصر خاں، تھانہ، ناگ پھنی دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تحریری طلاق کے واقع ہونے کے لئے یہ لازم ہے کہ اپنی مرضی سے تحریر خود لکھا ہو یا اپنی مرضی سے دوسرے سے لکھوایا ہو، پھر وہ لکھی ہوئی تحریر اس نے پڑھی ہو یا پڑھ کر اسے سنائی گئی ہو اور پھر اس نے اس تحریر پر اپنی مرضی سے دستخط کردیا ہو، تب جا کر طلاق واقع ہوتی ہے ورنہ طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور سوال نامہ میں صاف لفظوں میں لکھا ہوا ہے کہ شوہر پر دباؤ ڈال کر دستخط کروایا گیا ہے اور شوہر نے نہ اس تحریر کو پڑھا ہے اور نہ ہی اس کو پڑھ کر سنایا گیا؛ اس لئے مذکورہ طلاق نامہ پر بغیر پڑھے اور بغیر سنے دستخط کردینے کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی؛ لہٰذا ناصر خاں کی بیوی ریشما پروین ناصر خان کے نکاح میں بدستور باقی ہے۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچي ۳/۲٤۷، زكريا ٤/٤٥٦، تاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۱۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۱۱/۳ھ

شوہر سے اس کی مرضی کے بغیر طلاق نامہ پر دستخط کرانا

سوال [۶۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک اسٹامپ پیپر پر ایک منشی سے طلاق نامہ لکھوایا گیا، پھر شوہر سے زبردستی دباؤ ڈال کر اس اسٹامپ پیپر پر دستخط کرائے گئے، شوہر نے نہ اس طلاق نامہ کو پڑھا، نہ ہی اس نے سنا اور نہ ہی شوہر نے اسٹامپ پیپر میں لکھے ہوئے مضمون کا اقرار کیا اور نہ ہی شوہر نے اس وقت یا اس سے قبل زبان سے کبھی طلاق کے الفاظ کو ادا کیا؛ البتہ شوہر اور بیوی کے اہل خانہ نے اس اسٹامپ پیپر کے مضمون پر رضامندی کا اظہار فرمایا، بیوی اس وقت اپنے والدین کے گھر ہے اور شوہر بیوی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کے لئے رضامند ہیں اور بے چین ہیں؛ کیونکہ ان کے تین بچے ہیں؛ لہٰذا بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: شمس الدین، خوشبو گارمینٹس، محلّہ: پنچایتی مندر، مینا مارکیٹ، نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال نامہ کا بیان اپنی جگہ صحیح ہے کہ جس تحریر پر دباؤ ڈال کر شوہر سے دستخط کرایا گیا ہے، اس پر شوہر نے بخوشی دستخط نہیں کیا ہے، تو ایسی تحریر سے شرعی طور پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، دونوں کا نکاح بدستور باقی ہے۔ نیز ایسی تحریر سے بھی طلاق نہیں ہوتی ہے، جس کو خود نہ لکھا ہو یا تحریر میں کیا بات ہے سن کر بخوشی دستخط نہ کیا ہو

اور نہ ہی زبان سے کہا ہو۔

رجل أکره بالضرب، والحبس علی أن یکتب طلاق امرأته، فکتب فلانة بنت فلا نة امرأته طالق. وفي الحاوي: ولم یعبر بلسانه لا تطلق.

(الفتاوی التاتار خانیة، زکریا ٤/ ٥٣٢، رقم: ٦٨٤٣، هندیة، زکریا قدیم ١/ ٣٧٩، جدید ١/ ٤٤٦، فتاوی قاضي خان، زکریا ١/ ٢٨٧، وعلی هامش الهندیة، ١/ ٤٧٢، بزازیه، زکریا ١/ ١٢٠، وعلی هامش الهندیة، ٤/ ١٨٥، شامي، کراچي٣/ ٢٣٦، زکریا٤/ ٤٤٠، البحر الرائق، کوئٹه ٣/ ٢٤٦، زکریا٣/ ٤٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۲۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱/۲۳ھ

طلاق نامہ پر زبردستی انگوٹھا لگوانا

سوال [۶۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند سال قبل میرا نکاح ہوا اور ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی ہے، دریں اثناء جانبین میں کچھ تلخی اور ناچاقی پیدا ہوگئی، جس کی بناء پر میرے خسر اور دیگر افراد خانہ نے ڈرا دھمکا کر زبردستی ایک ہندی میں لکھے ہوئے پرچہ پر مجھ سے دستخط اور انگوٹھا لگوالیا، جس پرچہ پر یہ الفاظ درج تھے، دوسال ہوئے لوگوں کا آنا جانا ہوا، جس میں ادھر کی بات ادھر ادھر کی بات ادھر ہوئی جس کی بناء پر ریحانہ سسرال جانا نہیں چاہتی، میں اس کو دین مہر دلا کر اپنی زوجیت سے برخواست کررہا ہوں، واضح رہے کہ میں نے زبان سے کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں میری بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ جواب باصواب سے نوازیں۔

المستفتی: صابر عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طلاق نامہ پر زبردستی اور دباؤ کے ذریعہ سے انگوٹھا لگوایا گیا ہے اور شوہر نے زبان سے کوئی طلاق نہیں دی ہے، تو ایسے طلاق نامہ سے بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، ریحانہ صابر عالم کے نکاح میں بدستور باقی ہے۔
(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۸/۲۸۱، ۱۰/۳۸۴، جدید ڈابھیل ۱۲/۵۸۹-۶۳۸)

رجل أكره بالضرب، والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان، فكتب: امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان طالق، لا تطلق امرأته لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ههنا. (فتاوى قاضي خان، زكريا ١/٢٨٧، وعلى هامش الهندية، ١/٤٧٢، بزازيه، زكريا ١/١٢٠، وعلى هامش الهندية، ٤/١٨٥،هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦، تاتار خانية، زكريا ٤/٥٣٢، رقم: ٦٨٤٣، شامي، كراچي٣/٢٣٦، زكريا٤/٤٤٠، البحرالرائق، كوئٹه ٣/٢٤٦، زكريا٣/٤٢٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۳۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۱۵ھ

طلاق نامہ پر جبراً دستخط کرانے کے بعد زبانی طلاق کہلوانا

سوال [۶۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضیاء الرحمٰن سے چھ ماہ قبل ایک طلاق نامہ پر دستخط کروالئے گئے، ضیاء الرحمٰن نے اس طلاق نامہ کو نہ ہی پڑھا اور نہ سنا، پولیس کی پٹائی کے بعد اس پر دستخط کر دیئے، طلاق نامہ میں تین دفعہ طلاق دینے کا تذکرہ ہے اور دستخط کے بعد صرف ایک دفعہ زبان سے بھی طلاق لی گئی تھی۔ اب جبکہ اس واقعہ کو چھ ماہ کا عرصہ ہو چکا، تو بیوی دوسری جگہ شادی کرنا چاہتی ہے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن، محلّہ: شیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق نامہ پر جبراً دستخط کروانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، لہٰذا جب شوہر ضیاء الرحمٰن نے اس طلاق نامہ کو نہ پڑھا ہے اور نہ ہی سنا ہے تو اس صورت میں اس کی بیوی پر کوئی طلاق نہیں ہوئی؛ لیکن چونکہ اس نے دستخط کے بعد زبان سے بھی ایک مرتبہ طلاق دیدی ہے؛ اس لئے اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، شوہر کو عدت کے درمیان رجوع کا حق تھا؛ لیکن اس واقعہ کو اب چھ ماہ ہو چکے ہیں اس درمیان اس کی عدت بھی گذر گئی ہے اور عدت گذرنے کے بعد بائنہ ہوجاتی ہے؛ اس لئے اب رجعت کا حق باقی نہ رہا۔ اب بیوی کو پورا حق مل گیا کہ کسی کے ساتھ بھی دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔

وفي البحر أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق، فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق؛ لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة و لاحاجة هنا، كذا في الخانية. (شامي، كراچي ۲۳٦/۳، زكريا٤/ ٤٤٠، البحرالرائق، كوئٹه ۲٤٦/۳، زكريا ۳/ ٤۲۹، تاتار خانية، زكريا ٤/ ۵۳۲، رقم: ٦۸٤۳، هندية، زكريا قديم ۳۷۹/۱، جديد ۱/ ٤٤٦، قاضي خان، زكريا ۱/ ۲۸۷، وعلى هامش الهندية ۱/ ٤۷۲، بزازيه، زكريا ۱/ ۱۲۰، وعلى هامش الهندية ٤/ ۱۸۵)

فإن طلقها ولم يراجعها؛ بل تركها حتى انقضت عدتها بانت. (بدائع الصنائع، زكريا ۳/ ۲۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۲۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۲۵ھ

طلاق نامہ پر دستخط کرنا

سوال [٦۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مؤرخہ: ۱۹۹۱/۲/۱۴ء کو میری شادی ہوئی دو ماہ تک حالات معمول پر

چلتے رہے، اس کے بعد میرے والدین اور شوہر کے گھر والوں کے بیچ سخت کشیدگی پیدا ہوگئی، دونوں طرف کے فریقین اپنی اپنی ضد پر اڑے رہے،نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اور میرے بیچ علیحدگی کا فیصلہ ہوا، اسٹامپ پیپر کے اوپر طلاق نامہ لکھا گیا،میرے شوہر نے دستخط نہیں کیئے، انہوں نے کہا پہلے عائشہ سے کرا کر لاؤ؛ لہٰذا میرے پاس کاغذ آیا تو اپنے والدین کے ارادوں کے مطابق میں نے دستخط کردیئے اس کے بعد انہوں نے کردیئے، ۱۷/ اپریل ۱۹۹۲ء کو یہ کام ہوا۔ دوسرے دن سے ہی میرے شوہر میرے اور اپنے رشتہ داروں کے پاس گئے اور یہ کہا کہ میں اپنا گھر برباد کرنا نہیں چاہتا تھا، مجھ سے میرے گھر والوں نے یہ کام جبراً کرایا ہے، میرے گھر بھی انہوں نے اپنے دوست احباب کو بھیجا اور خود بھی آئے، وہ میرے والدین اور خاص طور سے مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں، میں ایام عدت میں ہوں، اسی لئے میں نے بات کرنے سے انکار کردیا، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ میں نے لفظ طلاق منھ سے ادا نہیں کیا ہے اور نہ ہی دل سے ارادہ کیا تھا؛ اس لئے یہ کام شرعی طور پر نہیں ہوا ہے، مؤدبانہ التماس ہے کہ مجھے بتائیں کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہئے؟ اپنے قیمتی مشورہ سے آگاہ کریں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتیہ: عائشہ پروین، محلّہ: سرائے کشن لال، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر نے اپنے دستخط کو بیوی کے دستخط پر موقوف کیا ہے؛ چنانچہ بیوی کے دستخط کرنے پر شوہر نے بھی دستخط کردیئے ہیں، اس میں کسی نے شوہر کو مار پیٹ وغیرہ سے ڈرایا دھمکایا بھی نہیں ہے؛ اس لئے اگر شوہر نے طلاق نامہ کی عبارت خود پڑھا ہے یا دوسرے سے سن کر دستخط کیا ہے، تو طلاق نامہ میں جتنی طلاق لکھی گئی ہیں وہ واقع ہوجائیں گی اور اگر تعداد نہیں لکھا ہے؛ بلکہ صرف ایک بار لفظ طلاق لکھا ہے تو عدت کے اندر رجعت کی گنجائش ہے اور بعد عدت نکاح کی اجازت ہے اور اگر تین مرتبہ لکھا گیا ہے تو بلا حلالہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

وإن كان الطلاق ثلثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحاً صحيحاً ويد خل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩)

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر التفسير -إلى قوله- الطلاق مرتان: قال: وهو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين، فإما أن يمسک ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن كبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨٢، رقم:١٥٥٣٩)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٤، مختصر القدوري، امداديه ديوبند ١٧٧، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣)

عن سماک قال: سمعت عكرمةؓ، يقول: الطلاق مرتان فإمساک بمعروف، أوتسريح باحسان. قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نكحها، وإذا طلقها ثنتين فإن شاء نكحها، فإذا طلقها ثلاثًا فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن، بيروت ١٠/ ١٩٧، رقم: ١٩٥٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۹۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۱۱/ ۱۴۱۲ھ

طلاق نامہ پر زبردستی دستخط کرانے کا حکم

سوال [۶۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام محمد سلیم ہے، میری شادی ۱۹۹۶ء میں ہوئی تھی، میرے سسرال والوں

نے مجھ پر پولیس اور نیتاؤں کا دباؤ ڈال کر مجھ سے طلاق کے کاغذ پر دستخط لے لئے؛ جبکہ میں نے آج تک ان کاغذوں کو پڑھا بھی نہیں ہے اور میں نے زبان سے بھی طلاق کا کوئی لفظ نہیں بولا ہے اور اس واقعہ کو دو سال گذر چکے ہیں۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا اس طرح پولیس اور نیتاؤں کے دباؤ پر مجھ سے جو دستخط لئے گئے ہیں اس سے طلاق ہو جائے گی یا نہیں؟ جبکہ یہ دباؤ والی بات میرے گھر والے اور بیوی کے گھر والے سب جانتے ہیں۔ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد سلیم بن محمد فاروق، مقبرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال نامہ میں لکھی ہوئی تحریر صحیح اور واقعہ کے مطابق ہے تو حکم شرعی یہ ہے کہ محمد سلیم نے نہ طلاق نامہ اپنی مرضی سے لکھوایا ہے اور نہ ہی اس نے لکھا ہے اور نہ ہی اس نے اپنی زبان سے طلاق کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور دوسروں کے تیار کردہ طلاق نامہ پر طاقت کے ذریعہ سے دباؤ ڈال کر دستخط لئے ہیں، تو ایسی صورت میں دباؤ کے ساتھ طلاق نامہ پر محض دستخط کر دینے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی؛ لہٰذا سوال نامہ کے مطابق محمد سلیم کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی ہے، زن وشوہر کا رشتہ بدستور باقی ہے۔

فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق. (شامي، زكريا ٤/٤٤٠، كراچي ٣/٢٣٦)

وكذلك كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع به الطلاق إذا لم يقر أنه كتابه. وفي الظهيرية: رجل أكره بالضرب، والحبس على أن يكتب طلاق امرأته، فكتب فلانة بنت فلانة امرأته طالق. وفي الحاوي: ولم يعبر بلسانه لا تطلق. (تاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١-٥٣٢، رقم: ٦٨٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ؍ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ ؍ ۹۳۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶ ؍ ۷ ؍ ۱۴۲۸ھ

طلاق نامہ پر بغیر پڑھے ہوئے شوہر کا دستخط کرنا

سوال [۶۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والد نے کچہری سے اسٹامپ پیپر پر ایک طلاق نامہ لکھوایا، جس میں یہ تحریر ہے کہ آپسی سہمتی سے طلاق ہوگئی ہے، اس تحریر پر میں نے بغیر پڑھے اور بغیر سنے دستخط کردیئے ہیں، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں بعد میں مجھے بتایا گیا کہ تیری بیوی کا فیصلہ ہوگیا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس صورت میں جبکہ میں نے نہ طلاق نامہ لکھوایا، نہ پڑھا، نہ سنا تو کیا طلاق ہوگئی؟ اور اب میں بیوی کو رکھنا چاہتا ہوں طلاق نہیں دینا چاہتا نہ دوں گا اور طلاق نامہ میں ’’قطعی طلاق روبرو گواہان دینے کی جو بات لکھی ہے وہ غلط ہے، طلاق نہ زبانی دی گئی ہے، نہ گواہان کے سامنے دی گئی ہے۔

المستفتی: ریاض حسین، پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے خود لکھوایا نہیں اور نہ ہی اس نے خود لکھا اور نہ ہی اس کو پڑھ کر سنایا گیا اور نہ ہی زبانی طلاق دی، تو ایسی صورت میں بغیر پڑھے اور بغیر سنے محض دستخط کردینے سے طلاق واقع نہیں ہوئی اور مذکورہ تحریر میں روبرو طلاق دی وغیرہ جو الفاظ بھی ہیں سوال نامہ میں اس کا انکار ہے؛ لہٰذا میاں بیوی کے درمیان نکاح بدستور باقی ہے اور دونوں میاں بیوی کی طرح ایک ساتھ زندگی گذار سکتے ہیں۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كراچي ۳/۲۴۷، زكريا ٤/٤٥٦، تاتار خانية، زكريا٤/ ٥٣١،

رقم:٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ٣٧٩/١، جديد ٤٤٦/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۳۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۳ھ

طلاق نامہ پر بخوشی دستخط کرنا

سوال [٦٥٨٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی کی شادی محمد اسلام سے ہوئی، تین سال تک میری لڑکی اپنی سسرال رہی اس کے بعد سات سال تک میرے یہاں رہی، مقدمہ بازی ہوئی تو اسلام کے وکیل نے کہا کہ تم مہر جہیز وغیرہ نہ لوتو ہم صلح کرادیں گے اور مقدمہ بھی ختم کرادیں گے، میں تیار ہوگیا اور دو وکیلوں نے اسٹامپ پیپر خرید کر لادیا اس پر لکھا تھا کہ میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، تو اسلام نے آٹھ گواہوں کے سامنے اور لڑکی کے سامنے اور دونوں وکیلوں کے سامنے کہا میں راضی ہوں، پھر وکیل نے کہا کہ اب تمہاری زوجیت سے علیحدہ ہوگی تو اس پر بھی اسلام نے کہا کہ میں راضی ہوں۔ اب بتائیے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد اسمعیل، رام پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: تحریری طلاق بھی صحیح ہوکر واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جب تین طلاق لکھوا کر بخوشی اس پر دستخط کردیا، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔

ولو استكتب من رجل آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه الزوج وختمه، وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه.

(شامي، كراچي ٢٤٧/٣، زكريا ٤٥٦/٤، تاتار خانية، زكريا ديوبند ٥٣١/٤، رقم:٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ٣٧٩/٣، جديد ٤٤٦/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۱۹)

تحریری طلاق بائن

سوال [۶۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی منکوحہ بیوی کو کسی ناراضگی کی بنا پر اس کی غیر موجودگی میں تحریری طلاق بائن دی اور طلاق نامہ بذریعۂ رجسٹرڈ ڈاک اس کے پاس بھیج دیا جسے مذکورہ عورت یا اس کے والد یا بھائی کسی نے وصول نہیں کیا، طلاق نامہ پر گواہوں کے دستخط بھی ثبت ہیں، اس کی اطلاع زید نے اخبار کے ذریعہ بھی دے دی، بعد میں مذکورہ عورت کے بھائیوں وغیرہ کے سامنے بھی زید نے طلاق کا اقرار کیا۔

(۱) کیا صورت مذکورہ بالا میں ازروئے شریعت طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: زید، محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خط میں طلاق لکھنے سے شرعاً طلاق واقع ہوجاتی ہے، اگرچہ لڑکی والوں نے طلاق نامہ وصول نہ کیا ہو۔ نیز جب بعد میں شوہر نے اقرار کرلیا ہے، تو مزید تائید ہوگئی ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق واقع ہوچکی ہے۔
(مستفاد: فتاوی امداد الفتاوی ۲/ ۳۸۶)

إن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى، أو لم ينو الخ. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچي ٣/ ٢٤٦، زكريا ٤/ ٤٥٦، هندية، زكريا ١/ ٣٧٨، جديد ١/ ٤٤٦، فتاوى قاضي خان، جديد زكريا ١/ ٢٨٧، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/ ٤٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الأخری ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۷۳۷)

نوٹس کے ذریعہ سے بیوی کو تین طلاق لکھ کر دینا

سوال [۶۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر محمد فہیم نے اپنی بیوی کو ایک نوٹس لکھ کر بھیجا، جس میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ آپ سے میرا کسی طرح کا میاں بیوی کا کوئی تعلق نہیں؛ لہٰذا آج سے میں آپ کو اپنی طرف سے اپنے نکاح سے آزاد کرتا ہوں اور آپ کو تین بار طلاق، طلاق، طلاق، کہہ کر روبرو گواہان طلاق دیتا ہوں اور اب آج سے آپ سے میاں بیوی یا کسی طرح کے تعلق کا واسطہ نہیں ہے اور شوہر محمد فہیم اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ میں نے ہی یہ مذکورہ الفاظ بذریعۂ نوٹس لکھ کر بھیجے ہیں اور بیوی نے بھی اسے پڑھوا کر سن کر اس پر دستخط کر دیئے، اب پوچھنا یہ ہے کہ بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوگئی، تو بیوی پر عدت گزارنا لازم ہے یا نہیں اور بیوی اپنے میکہ ہی میں ہے؟

المستفتی: سعید الرحمٰن، متصل ہری چگوک والی مسجد اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے بذریعۂ نوٹس یہ الفاظ لکھ کر بھیجے کہ میں تمہیں تین طلاق دیتا ہوں اور شوہر اس بات کو تسلیم بھی کر رہا ہے، تو شوہر محمد فہیم کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو چکی ہیں اور بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے۔ بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح درست نہیں ہے اور بیوی پر عدت گزارنا لازم اور ضروری ہے اور عدت کی ابتدا طلاق کے وقت سے مانی جائے گی۔

ولو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه

وختمه وعنونه وبعث به إليها، فأتاها وقع إن أقرّ الزوج أنه كتابه. (شامي، كراچي ٣/٢٤٦، زكريا ٤/٤٥٦، الفتاوى التاتارخانية زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هندية زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦)

رجل تزوج امرأة نكاحًا جائزاً فطلقها بعد الدخول، أوبعد خلوة الصحيحة كان عليها العدة. (عالمگيرى، زكريا قديم ١/٥٢٦، جديد ١/٥٧٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۴۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۷/۱۱ھ

طلاق ثلاثہ کی رجسٹری کرنا

سوال [۶۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ۲۰۰۹/۱۲/۵ء کو اپنی بیوی شمع پروین عرف شبانہ کو ایک طلاق نامہ بذریعہ رجسٹری ڈاک بھیجا تھا، جس کو انہوں نے وصول نہیں کیا، وہ رجسٹری واپس آ گئی، اس طلاق نامہ میں میں نے ''تین مرتبہ طلاق دیدی'' لکھا تھا تو دریافت یہ کرنا ہے کہ میری بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

(۲) کیا مجھے اپنی بیوی کو مہر دینا پڑے گا؟

(۳) میرا زیور بیوی کے پاس ہے، وہ مجھے واپس ملے گا یا نہیں؟؛ جبکہ خاندان میں طلاق کے موقع پر زیور واپس لے لیا جاتا ہے؟

(۴) اگر ہم اس فتوی کو رجسٹری کے ذریعہ شمع پروین کے پاس بھیجتے ہیں اور وہ اس کو قبول نہ کریں تو کیا اس رجسٹری کا قبول نہ کرنا اس کا ثبوت ہوگا کہ ہم نے اسے پوری طرح طلاق دیدی ہے؟

المستفتی: انور حسین، سرائے حسینی، بیگم ڈپٹی گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱)جب شوہر خود اس بات کا اقرار کررہا ہے کہ میں نے اپنی بیوی شمع پروین عرف شبانہ کو تین طلاقیں دے کر تحریری طور پر رجسٹری کردی، تو ایسی صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔اب ان دونوں کے درمیان اسلامی شریعت کے مطابق میاں بیوی کا تعلق ختم ہوچکا ہے اور طلاق کے واقع ہونے کے لئے نہ بیوی کا آمنے سامنے ہونا ضروری ہے اور نہ ہی تحریر کردہ خط کا بیوی کو پڑھنا ضروری ہے اور نہ ہی مرسلہ ڈاک کا وصول کرنا ضروری ہے؛ بلکہ شوہر کا طلاق کا اقرار کرنا کافی ہے۔

لو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه وختمه وعنونه وبعث به إليها، فأتاها وقع، إن أقرّ الزوج أنه كتابه، أوقال للرجل: ابعث به إليها، أوقال له اكتب نسخة وابعث بها إليها. (شامي، كراچي ٣/ ٢٤٧، زكريا ٤/ ٤٥٦، تاتار خانية، زكريا ٤/ ٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/ ٣٧٩، جديد ١/ ٤٤٦)

(۲) جب آپ نے اپنی مرضی سے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے،تو اس کا مقررہ مہر ادا کرنا آپ کے اوپر لازم ہے۔

المهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول، والخلوة الصحية، وموت أحد الزوجين سواء كان مسمىٰ، أو مهر المثل، حتى لا يسقط منه شيئ بعد ذٰلك إلا بالإبراء من صاحب الحق. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٣٠٣، جديد ١/ ٣٧٠)

(۳) شوہر کی طرف سے دیا گیا زیور اگر بیوی کو مالکانہ طور پر نہیں دیا گیا ہے اور نہ ہی شوہر کے خاندان اور برادری میں مالکانہ طور پر دینے کا دستور ہے،تو ایسی صورت میں وہ زیور شوہر کو واپس لینے کا حق ہے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۲/ ۱۰۶)

إذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج ليس له ذٰلك، إذا بعث إليها

علی جهة التمليک. (فتاوی عالمیگري، زکریا قدیم ۱/ ۳۲۷، جدید ۱/ ۳۹۳)

(۴) طلاق کے واقع ہونے کے لئے عورت کا ماننا لازم نہیں ہے اور یہ فتوی بھی نہ وصول کریں تب بھی طلاق واقع ہوجائے گی اور عدت یعنی تین ماہواری گذرنے کے بعد عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق حاصل ہوجائے گا۔

وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوىٰ، أو لم ينو، ثم المرسومة لا تخلوا إما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد! فأنت طالق، فكلما كتب هذا يقع الطلاق، وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (فتاوی عالمگیري، زکریا قدیم ۱/ ۳۷۸، جدید ۱/ ٤٤٦، فتاوی قاضي خان، جدید زکریا ۱/ ۲۸۷، وعلی هامش الهندية، زکریا ۱/ ٤٧١، شامي، کراچي ۳/ ۲٤٦، زکریا ٤/ ٤٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۸۶۲)	۱۴۳۱/۱/۲۶ھ

بذریعۂ خط طلاق دینے کے بعد زبانی تین طلاق کا اقرار

سوال [۱۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید (شوہر) نے ہندہ (بیوی) کو سفر میں رہتے ہوئے خط میں اس طرح لکھ کر بھیجا ہے ”میں نے تجھ کو طلاق دی ہے اور عدت گذارنے کے خرچ کے طور پر پانچ ہزار روپے بذریعۂ ڈاک بھیج دیئے ہیں اور میرے دو بچوں کی پرورش کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔

ہندہ نے خط ملنے کے بعد اپنے اہل خانہ کو اکسایا، شوہر کے محلّہ کے عوام کو بھڑکایا اور چند امور بذریعۂ میٹنگ طے کئے ہیں مثلاً:

(۱) ہندہ کہتی ہے خط سے طلاق نہیں پڑتی (پھر زید نے کہا میری مراد تین طلاق ہیں یعنی خط میں طلاق مغلظہ دی ہے)

(۲) جب دلائل سے وقوع طلاق ثابت ہوگیا، تو اب عدت گزاری مگر عدت ختم ہوکر ایک سال گذر گیا، مگر وہ شوہر کے گھر سے جانا نہیں چاہتی اور شوہر اس کے خوف یا فتنہ کے اندیشہ سے گھر واپس نہیں آسکا۔

(۳) زید نکاح ثانی بھی کر چکا ہے، مگر عوام کہتی ہے ہم فتویٰ نہیں جانتے۔ بہر حال زید کو دوبارہ ہندہ کے ساتھ نکاح کرنا ہی پڑے گا اور دوسری بیوی کو گھر میں گھسنے نہیں دیں گے۔

(۴) عوام کہتی ہے: ہندہ اب کیسے کھائے گی؟ جب ہندہ سے نکاح کرانے کی بات کہی گئی تو کہتی ہے کہ میں یا تو زید کے ساتھ رہوں گی یا پھر نکاح ہی کبھی نہیں کروں گی۔

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ مندرجہ بالا ۴/۵/ باتوں میں شریعت کیا کہتی ہے، ہم مسلمان ہیں ہمیں عوام اور ہندہ کی نہیں؛ بلکہ ''ان الحکم إلا للّٰہ'' صرف اللہ تعالیٰ کا فیصلہ معلوم کرنا ہے۔ برائے کرم قرآن ونص صریح یا فقہی (حنفیہ) عبارات مع حوالہ جواب مرحمت فرمائیں۔

جزاکم اللّٰہ تعالیٰ في الدارین.

المستفتی: اکرام الحسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے خط میں جو طلاق دی ہے اس کے بارے میں شوہر زبانی اقرار کررہا ہے کہ میری مراد خط میں تین طلاق ہے، تو ایسی صورت میں اس کی بیوی پر تین طلاق (طلاق مغلظہ) واقع ہوگئی ہیں اور اب بلا حلالۂ شرعیہ زید کے لئے ہندہ کو اپنے پاس رکھنا جائز نہ ہوگا۔

نیز ہندہ کا زید کے گھر پر قبضہ کرنا جائز نہیں اور محلّہ والوں کا ہندہ کا ساتھ دینا اور زید کو ہندہ کو اپنے پاس رکھنے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے، اس سے محلّہ والے جو اسی حالت میں رکھنے پر مجبور کرتے ہوں گنہگار ہوں گے۔

فإن کتب امرأته طالق، فهي طالق سواء بعث الکتاب إلیها، أو لم یبعث.

(مبسوط سرخسي، دارالکتب العلمیة بیروت ٦/١٤٣، أشرط الفقهاء بالکتاب بشرطین

الأول أن تكون مستبينة والثاني مرسومة)

قال الحنفية: الكتابة إذا كانت مستبينة ومرسومة يقع بها نوى أو لم ينو .

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹/ ۲٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها .

(هندية، قديم ۱/ ٤٧٣، هندية، إتحاد جديد ۱/ ٥٣٥)

قال الله تعالىٰ: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ .[المائده: ۲]

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في حديث طويل: من سن في الإسلام سنة سيئة فعليه وزرها وَوِزْرُ من عمل بها من غير أن ينقص من أوزارهم شيئًا .

(نسائي شريف، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقة، النسخة الهندية ۱/ ۲۷٤، دارالسلام رقم: ۲۵۵٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۶۱۶/۴۱)

اسٹامپ پر سہ طلاق دے کر آزاد کر دیا لکھ کر بیوی کو دینا

سوال [۶۵۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد کبیر نے اپنی بیوی کو اسٹامپ پر لکھ کر دیدیا کہ میں نے پنچوں کے سامنے اپنی بیوی کو سہ (تین) طلاق دے کر آزاد کر دیا ہے، اس تحریر سے کون سی طلاق ہوئی تحریر فرما دیں۔

المستفتی: نور الدین، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلاق نامہ میں صاف لکھا ہے کہ سہ طلاق دے کر آزاد کردیا ہے، سہ کے معنی تین کے ہیں؛ اس لئے بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے دوبارہ دونوں میں نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

عن سماك قال: سمعت عكرمةؓ، يقول: الطلاق مرتان فإمساك بمعروف، أوتسريح باحسان. قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نكحها، وإذا طلقها ثنتين فإن شاء نكحها، فإذا طلقها ثلاثًا فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن، بيروت ١٠/١٩٧، رقم: ١٩٥٦٤)

وإن كان الطلاق ثلثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، قدوري امدادية ديوبند١٧٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨، تاتار خانية، زكريا٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ رشعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۵۲۷)

تحریراً تین طلاق دینا

سوال [۶۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں رئیس احمد ولد اشتیاق احمد مرحوم ساکن کسرول تھانہ: ناگ پھنی مرادآباد خدائے کریم کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے اپنے پورے ہوش وحواس میں بغیر کسی زور یا دباؤ کے یہ بیان قلم بند کررہا ہوں کہ میری بیوی مسماۃ فرحہ دیبا، لیڈی اسپیشلسٹ ڈاکٹروں کے مشورے نیز میڈیکل کی بیشتر رپورٹوں کی روشنی میں رحم یعنی بچہ دانی میں

سالوں پرانے کینسر کے موذی اور مہلک مرض میں مبتلا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ اولادآدم کو بڑھانے یعنی بچہ پیدا کرنے کے لائق ہرگز نہیں ہے اور بیماری کے سبب نہ ہی حقوق زوجیت ادا کرنے کے قابل ہے، اس کے علاوہ وہ عالی کردار اور اخلاق کی بھی حامل نہیں اور نہ ہی وہ امورخانہ داری کے دیگر اصولوں سے روشناس ہے؛ لہٰذا ان مشکل حالات کی روشنی میں، میں رئیس احمد ولد اشتیاق اپنی بیوی فرحہ دیبا دختر خلیق احمد ساکن تمردا سرائے سنبھل کو تین طلاق دیتا ہوں اور ساتھ ہی یہ اعلان کرتا ہوں کہ وہ آج مؤرخہ: ۱۵/اپریل سے پوری طرح میرے نکاح سے باہر اور آزاد ہے۔

میرا مذکورہ بالا بیان پورا درست ہے، اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے۔

(۱) ایسی صورت میں کونسی طلاق واقع ہوئی ؟

(۲) طلاق ہونے کی صورت میں شوہر کے اوپر کس کس چیز کی ادائے گی لازم ہے؟

(۳) مطلقہ کا جہیز اور جو سامان شوہر نے شادی کے وقت چڑھایا تھا یا دیا تھا اس کا مالک کون ہے؟

المستفتی: رئیس احمد، کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں تین طلاق ''مغلظہ'' واقع ہوگئیں۔

كما في الهداية: أن يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة، أو ثلاثاً في طهر واحد، فإذا فعل ذلک وقع الطلاق. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۵۵، دارالسلام ۹/ ۲۹۲)

طلاق مغلظہ کے بعد اگر جہاں شوہر کہے عورت وہیں عدت گذارے تو عورت ایام عدت کے نفقہ کی مستحق ہے، اس کے بعد کسی قسم کا حق نہیں ہے۔

في الهداية: إذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة الخ. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۴۴۳، دارالسلام ۱۱/ ۱۱۷)

(۳) سامان جہیز شرعاً لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے، وہ اسے ہی واپس ملے گا اورلڑکے کی طرف سے دیئے جانے والے سامان کا مدار عرف پر ہے، اگر آپ کی برادری کے عرف ورواج میں وہ لڑکی کی ملکیت سمجھے جاتے ہیں، تو لڑکی ہی مالک ہے ورنہ اگر ملکیت نہ سمجھا جاتا ہو؛ بلکہ لڑکے والوں کا ہی سمجھا جاتا ہے، تو لڑکا مالک ہے، وہ واپس لے سکتا ہے۔
(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۳۵۹/۸)

في الشامية: فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة، وأنه إذا طلقها تأخذه كله. (شامي، كراچي ۵۸۵/۳، زكريا ۲۹۹/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۹۳۶/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۲۱ھ

بیوی کو تحریری تین طلاق دینا

سوال [۶۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے ایک عزیز اسرار احمد نے اپنی رائٹنگ ہندی بھاشا میں مندرجہ ذیل عبارت لکھتے ہوئے اپنی اہلیہ سروری بیگم کو طلاق دی، سروری بیگم اپنی پتنی کو طلاق دینا چاہتا ہوں اب سروری بیگن کے ساتھ رہنا منظور نہیں ہے اور سروری بیگم کو طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں دستخط ہندی اسرار احمد پتر محمد اسلام ۱۹۹۲/۷/۴ء۔

طلاق دینے کی وجہ دوسری عورت سے لگاؤ تھا، بعد طلاق سروری بیگم نے اپنے بچوں کی طرف سے گزارہ بھتہ کا دعویٰ عدالت مجاز میں کردیا، جو سروری بیگم وبچوں کے حق میں پورا ہوا تقریباً ۴ ؍ماہ پیشتر اسرار احمد بیمار ہوئے، تب بڑا لڑکا عیادت کے لئے گیا، اسرار احمد سے سروری بیگم کے کئی بچے ہیں، جن میں سے ایک لڑکی کی شادی بھی ہوچکی ہے۔ باپ بیٹے سے ملنے پر آپسی صلح صفائی کے ذریعہ پھر اسرار احمد نے سروری بیگم کو بحیثیت بیوی

رکھنے کی خواہش ظاہر کی دونوں باپ بیٹے کسی مولانا سے مل کر حالات سے آگاہ کرنے کے بعد مولانا سے کوئی راستہ نکالنے کو کہا، اسرار احمد کا لکھا ہوا طلاق نامہ سروری بیگم کے مقدمہ میں داخل ہے، آپسی ملی بھگت کر کے طلاق نامہ کی ہو بہو نقل لکھا کر مولانا کو دے کر اسرار احمد نے اپنا حلفیہ بیان مولانا کو دیا کہ یہ میرا لکھا ہوا طلاق نامہ نہیں ہے، طلاق میں نے نہیں دی ہے، مولانا نے فتوی صادر فرمادیا کہ طلاق نہیں ہوئی ہے، جس پر میاں بیوی پھر ایک ساتھ رہنے لگے، کچھ لوگوں کو شک ہوا تو حلفیہ بیان کے ساتھ دیا ہوا طلاق نامہ کی تحریر دیکھا گیا، تب راز کھلا کہ مولانا کو دی ہوئی طلاق نامہ کی تحریر اسرار احمد کے لڑکے کے ہاتھ کی ہے، اسرار احمد نے چالاکی سے لڑکے سے تحریر لکھوا کر حلف لیا ہے کہ یہ میری تحریر نہیں ہے؛ جبکہ اصل تحریر آج بھی مقدمہ میں لگی ہے۔

الف: مندرجہ حالات کے تحت اسرار احمد وسروری بیگم کا ایک ساتھ بحیثیت میاں بیوی کے رہنا اور مولانا کا دیا ہوا فتوی درست ہے، اگر نہیں تو اسرار وسروری بیگم کے ایک ہونے کی کیا صورت ہے۔

ب: اگر فتوی درست نہیں ہے، تو عزیزوں کے لئے کیا حکم ہے؟ عزیزوں کو اسرار احمد کے یہاں کھانا پینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: انصاف حسین صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال نامہ کے ہر پہلو پر غور کیا گیا ہے، مذکورہ واقعہ میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے، جو اسرار احمد کی ہندی تحریر سے ثابت ہوا ہے۔

وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى، أو لم ينو. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، زكريا ٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٦، فتاوى قاضي خان، زكريا ١/٢٨٧، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/٤٧١، عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٧٨، جديد ١/٤٤٦)

اور بعد میں جن مولانا صاحب سے غلط بیانی کے ساتھ طلاق واقع نہ ہونے کا فتوی

لیا گیا ہے، وہ خلاف واقعہ ہے، اس نے مولانا صاحب کو دھوکہ دے کر اپنی مرضی کا جواب حاصل کیا ہے اور اس جواب کے ذریعہ سے بیوی اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی ہے، وہ حرام ہی ہے، کسی چیز کو حلال کرنے والا اور حرام کرنے والا اللہ ہے، غلط بیانی سے حرام چیز کے بارے میں حلال ہونے کا فتوی لیا جائے، تو وہ حلال نہیں ہوسکتی ہے اور ان دونوں کے ایک ساتھ ہونے کے لئے شرعی حلالہ ضروری ہے۔

وإن كـان الـطلاق ثلثاً في الحرة ......لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/ ٣٩٩، تاتار خانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٨٨، بدائع الصنائع، زكريا ٣/ ٣٩٥)

(۲) اسرار احمد گناہ کبیرہ، حرام کاری اور زنا کاری میں مبتلا ہے، جب تک کہ وہ حلالہ کا طریقہ نہ اختیار کرلے اور اپنے گناہ سے توبہ نہ کرلے، اس کے ساتھ حقہ پانی بند کردینا چاہئے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ. [المائدہ: ۲]

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. [سورة الهود: ۱۱۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۵۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲۵ھ

تحریری طلاق مغلظہ

سوال [۶۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں اسے چھوڑ رہا ہوں، میں ان کو طلاق دیتا ہوں، میں اسے چھوڑ رہا ہوں میں ان کو طلاق دیتا ہوں میں اسے چھوڑ رہا ہوں، میں ان کو طلاق دیتا ہوں، میں اسے چھوڑ رہا ہوں، میں ان کو طلاق دیتا ہوں، میں اسے چھوڑر ہا ہوں، میں ان کو طلاق دیتا ہوں۔

میرا عقد ثانی بہ ہمراہ جناب رفعت اللہ خان کے ساتھ مؤرخہ: ۸/اپریل ۱۹۷۳ء کو ہوا تھا اوران کے نطفے سے میرے چار بچے جس میں ایک لڑکی اور تین لڑکے پیدا ہوئے، میرے شوہر ایک نا کارہ قسم کے انسان ہیں، سلفا اور شراب کے عادی ہیں، ہم دونوں میں اسی بنا پر تنازعہ ہونے لگا اور میں اپنے شوہر کے وطن کو چھوڑ کر اپنے بہنوئی کے گھر آگئی، اس واقعہ کو قریب سات سال ہوگئے اور میں نے اپنی گذراوقات کے لئے ایک دینی مدرسہ میں بچیوں کو قرآن پاک اور دینی تعلیم اردو وغیرہ پڑھانے کے لئے نوکری کرلی، میرے شوہر اکثر میرے بہنوئی کے گھر آتے رہے؛ لیکن کبھی بچوں کے لئے خرچ وغیرہ نہیں دیا۔ اب سے قریب دو سال پہلے ایک دن میرے شوہر آئے تو چھوٹی بچی جو ہے ان کو دیکھ کر چھپ گئی تو کہنے لگے، یہ لڑکی مجھ سے اس قدر کیوں ڈرتی ہے، تو میں نے کہا آپ اس طرح آتے ہیں کہ کبھی ان کو پیار نہیں کرتے اور نہ ہی کوئی چیز لے کر آتے ہیں اور اگر کبھی آپ ان کی کسی ضرورت کا خیال کرتے، تو یہ سمجھتے کہ یہ ہمارے باپ ہیں، میری بات سن کر اپنے لڑکے سے کاپی اور پنسل منگائی اور مندرجہ بالا تحریر جس کی یہ فوٹو کاپی ہے لکھ کر چلے گئے، میں نے اس تحریر کو باقاعدہ طلاق سمجھ کر عدت گزاری، دوران عدت پھر میرے بہنوئی کے گھر آئے اور کہنے لگے عدت کررہی ہو، بس اتنا ہی کہا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہ واپس چلے گئے اور اس کے بعد انہوں نے خود بھی اور کئی لوگوں سے بھی کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی اور طلاق تو ''ط'' سے ہوتی ہے ''ت'' سے نہیں ہوتی اور پہلی بات کہ مجھ سے لکھنا نہیں آتا برائے کرم آپ شریعت کی روشنی میں فتوی دیں کہ آیا مجھ پر طلاق پڑگئی یا نہیں؟

المستفتیۃ: عزیز النساء

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگرسائل اپنے بیان میں سچاہےاورنفس الامر اورواقع میں شوہرنے مذکورہ تحریرلکھ کردی ہے،توبیوی پرطلاق مغلظہ واقع ہوکرشوہرپربالکل حرام ہوچکی ہےاورطلاق واقع ہونے کے لئےصحیح الفاظ بولنایالکھناشرطنہیں ہے؛ بلکہ بگڑے ہوئےالفاظ سےبھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

ويقع بها؛ أي بهذه الألفاظ وما بمعنا ها من الصريح ويدخل نحو طلاغ، وطلاک، ......أوط، ل، ق، أو طلاق باش بلا فرق بين عالم وجاهل. (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي٣/٢٤٨، زكريا ٤/٤٥٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت٢/١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۲۴رشعبان المعظم۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر:الف۲۶/۱۹۲۷)

غصہ میں کاغذ پرتین طلاق لکھنے کاحکم

سوال[۲۵۹۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کاعقدمسماۃ ہندہ سے ہوا،اورزوجین میں موافقت ہے؛لیکن بعض خانگی امورکےسلسلے میں زید کی والدہ اورہندہ کی والدہ کے درمیان ترش کلامی ہوئی، اس منظرکودیکھ کرزید کاذہن ماؤف ہوگیا،اس حالت میں زید نے ایک کاغذ کے پرچہ پر ہندہ کوطلاق، طلاق،طلاق، دیتاہوں لکھا،اس تحریرپرزید نے اپنے دستخط یانشانی انگوٹھا ثبت نہیں کیا؛ بلکہ فرضی نام لکھ دیا،زیدازروئے حلف خدائے قدوس کوحاضروناظرجان کریہ بیان کرتاہے کہ اس نے یہ جولکھااس حال میں لکھاجبکہ ذہن ماؤف تھا،زید نے صیغۂ طلاق زبان سے قطعاًادانہیں کیا،زید کی نیت وارادہ قطعاًاپنی زوجہ کوطلاق دینے کانہ تھا،کوئی ناراضگی زید کی اپنی زوجہ کےساتھ نہ پہلےتھی نہ اب ہے،بس یہ ایک تحریرغیرشعوری طورپر

زید کے قلم سے لکھی گئی، کیا ایسی حالت میں جبکہ نہ طلاق کی نیت ہے اور نہ زبان سے طلاق دی گئی اور نہ تحریر پر دستخط ہیں، تو کیا حکم طلاق نافذ کیا جا سکتا ہے؟ زید مکرر عرض کرتا ہے کہ وہ تحریر نا شعوری طور پر لکھی ہے اس میں نیت وارادے کو قطعاً دخل نہیں ہے، برائے کرم حکم شرعی سے رہنمائی فرمائی جائے، بینوا توجروا۔

محمد اسلم قریشی

بیان ہذا سائل محمد اسلم نے میرے روبرو بیان کیا ہے اور بیان مذکور میں عبدالحمید امام مسجد محلّہ: آنٹھونہ قریہ رتنا گڈھ ضلع: چورو راجستھان جہاں کا سائل باشندہ ہے نے تحریر کیا ہے میں اپنے گمان پر کہہ سکتا ہوں، سائل محمد اسلم نے غلط بیانی نہیں کی ہے؛ کیونکہ میں محمد اسلم کے عادات واطوار سے بخوبی واقف ہوں۔

المستفتی: عبدالحمید، امام مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے ہندہ کو طلاق طلاق لکھا ہے تو شرعاً اس سے ہندہ پر تین طلاقیں واقع ہو کر وہ مغلظہ ہوگئی ہے، اگرچہ حالت غصہ اور ماؤفی میں زبان سے کہے بغیر لکھا ہو۔ اب آئندہ بلا حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی جائز نہیں ہوگا۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ ۴/۳۳۳، امداد الفتاوی ۲/۳۸۶، فتاوی دارالعلوم ۹/۱۴۱)

الكتابة على نوعين مرسومة، وغير مرسومة (إلى قوله) وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى، أو لم ينو. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچي ٣/٢٤٦، زكريا ٤/٤٥٦، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٨، جديد ١/٤٤٦، قاضي خان، زكريا ١/٢٨٧، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/٤٧١)

ولو قال لزوجته أنت طالق، طالق، طالق طلقت ثلاثاً الخ. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦، هكذا في الهندية، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۱۶۶)

شوہر کا بیوی کو طلاق کا پرچہ دینا اور بیوی کا نہ لینا

سوال [۶۵۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ہماری بہن کی شادی نبی الدین سے ہوئی اور وہ شادی کے روز سے ہی راضی نہیں تھا؛ لیکن لڑکی پر پتنگ اڑانے کا جھوٹا الزام لگا کر خوب پٹائی کی۔ نیز ساس نے بھی ناجائز تعلقات کا الزام لگایا، ایک مرتبہ لڑکے نے تجارت کرنے کے لئے زیور فروخت کرنا چاہا، تو لڑکی نے سمجھایا کہ روپئے کہیں سے قرض لے لو، زیور بیچ کر دوبارہ خریدنا مشکل ہوتا ہے، اس پر اس نے وہ زیور لڑکی سے اتر والیا اور کچھ زیور میکے میں تھا وہ بھی منگوالیا بہت کہا کہ اب اپنا سامان لو اور اپنے گھر چلی جاؤ۔ نیز مہر کے پورے پیسے لو اور طلاق کا پرچہ لو، تمہارا ہم سے کوئی مطلب نہیں؛ لیکن لڑکی نے وہ پرچہ نہیں لیا اور معلوم نہیں ہوسکا کہ اس میں طلاق لکھی تھی یا نہیں لکھی تھی تو کتنی تھیں؛ لہٰذا شرع کی رو سے لڑکے کے یہاں لڑکی بھیجی جائے یا نہیں؟

(۲) اب اگر لڑکا پرچہ میں لکھی ہوئی طلاق کے بارے میں نہ بتائے تو شرعاً اس پر کیا حکم لاگو ہوتا ہے؟ لڑکے کو حقیقت بیان کر دینی چاہیے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عثمان، قصبہ: تمبور، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) مذکورہ پرچہ میں لکھی ہوئی طلاق کے بارے میں یہی حکم ہوگا کہ شوہر سے معلوم کیا جائے کہ اس نے اس میں اپنی بیوی کے لئے کتنی طلاقیں لکھی ہیں، اگر صرف لفظ طلاق ایک بار لکھا ہے، تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر دوبار لکھا ہے تو دو طلاق رجعی ہوں گی اور اگر تین بار یا زیادہ لکھا ہے تو طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی؛

لہٰذا اگر تین یا زیادہ طلاق لکھی ہیں تو لڑکی کو بغیر حلالہ بھیج دینا جائز نہ ہوگا اور اگر تین سے کم لکھا ہے اور ابھی عدت ختم نہیں ہوئی ہے تو لڑکی کو بھیج دینا جائز ہوگا اور اگر عدت ختم ہوگئی ہے، تو بغیر نکاح بھیج دینا جائز نہ ہوگا اور یہ سب صورتیں اس وقت ہیں؛ جبکہ وہ اس میں طلاق لکھنے کا خود اقرار کررہا ہو یا گواہوں سے ثابت ہو اور اگر وہ اس میں طلاق لکھنے کا انکار کررہا ہو اور نہ ہی شرعی گواہ موجود ہوں تو ایسی صورت میں کوئی طلاق شمار نہ ہوگی ،لڑکی کو بھیج دینا جائز ہوگا۔

عن عامر الشعبي: قال: قلت لفاطمة بنت قيس، حدثيني عن طلاقک، قالت: طلقني زوجي ثلاثاً، وهو خارج إلى اليمن، فأجاز ذلک رسول الله صلى الله عليه وسلم. (السنن ابن ماجه، أبواب الطلاق، باب من طلق ثلاثاً في مجلس واحد، النسخة الهندية ١٤٥، رقم:٢٠٢٤)

وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة؛ لكنه وصف الأمر على وجهه لاتطلق قضاء ولا ديانة الخ. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا٤/٤٥٦، كراچي٣/٢٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳۱۶/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۵ھ

شوہر سے جبراً طلاق کا املاء کرانا

سوال [۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نفیس ولد عبد اللطیف محلّہ: مفتی ٹولہ مرادآباد کا ہوں، میری شادی ہوئے عرصہ ایک سال ہوا، شگفتہ پروین بنت انوار نعیم مرحوم رفعت پورہ کے ساتھ ہوئی ہے، اس عرصہ میں میرے والد اور والدہ میری بیوی پر جنات کے اثرات کے الزام لگا کر مجھ سے الگ کرنا چاہتے ہیں اور اس وجہ سے مجھ پر زور دیا جارہا ہے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دیدو ورنہ

تم گھر سے اور کاروبار سے باہر ہو جاؤ، تقریباً تین ماہ سے انہوں نے مجھے زیادہ پریشان کیا، جس کی وجہ سے میں اپنی بیوی کو اس کے میکہ میں پہونچا آیا اور میں بھی تین مہینہ سے اپنے سسرال میں ہی رہ رہا ہوں۔

آج میں اپنے لئے مکان ودوکان کے واسطے بازار میں معلوم کرنے گیا، تو میرے والد نے مجھے واجد بھائی جو کہ دوکان کے اوپر رہتے ہیں، ان سے بلوایا اور واحد بھائی کے گھر اوپر کمرے میں لے گئے اور وہاں پر میرے بھائی بھی موجود تھے اور انہوں نے کمرہ بند کرلیا اور میرے والد نے شگفتہ پروین کو طلاق دینے کو کہا میں نے ان کو جواب دیا کہ میں طلاق نہیں دوں گا، انہوں نے مجھے زور دیا کہ تو ابھی لکھ اور کاپی پینسل میرے ہاتھ میں دیدی اور کہا کہ لکھ میں نے شگفتہ پروین کو طلاق دی؛ لیکن میں نے جواب دیا کہ جو تم کہتے ہو لکھ دیتا ہوں، مگر یہ طلاق نہیں ہوگی، اس وقت تو تم نے مجھے کمرے میں بند کرلیا ہے، جو کہو لکھ دوں گا، اس کے بعد جیسے وہ بولتے گئے میں نے تحریر کردیا، اس کے بعد میں یہ سوچ کر کہ پرچہ ابھی میری بیوی تک نہیں پہونچا ہوگا اور میں فوراً سسرال چلا گیا کہ پرچہ ان کو نہ ملے اور میں راستے میں پھاڑ کر پھینک دوں گا؛ کیونکہ مجھ سے زبردستی یہ پرچہ لکھوایا گیا تھا۔ اور نہ میں نے طلاق دینے کو کہا تھا؛ اس لئے میں اوپر والد صاحب کو یہ بات واضح کر چکا ہوں کہ آپ جو چاہو لکھوا لو؛ لیکن یہ طلاق نہیں ہوگی، اس بارے میں میں خدا کو حاضر وناظر جان کر حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میں نے یہ پرچہ پر تحریر لکھدی، اپنے والد کے کہنے سے، انہوں نے کہا کہ لکھو شگفتہ پروین کو تین طلاق دیتا ہوں، پھر اس کے بعد کہا کہ لکھو میں نے تمہیں طلاق دی، میں نے ایک ایک بار لکھ دیا، پھر انہوں نے کہا تین بار لکھو، میں نے دو بار لکھ دیا، اسی طرح تین بار طلاق لکھ دی اور پھر انہوں نے کہا کہ اس کے نیچے دستخط کردو، پھر میں نے دستخط کردیئے، پھر انہوں نے یہ پرچہ اپنی جیب میں رکھ لیا اور چھوٹے بھائی کے ہاتھ بھیج دیا، میں ایک بار پھر حلفیہ کہتا ہوں کہ میرا طلاق دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، اور مجھ سے یہ تحریر زبردستی لکھوائی گئی ہے، میں نے طلاق

نہیں دی ہے اور نہ ہی زبان سے کہا ہے اور نہ ہی لکھتے وقت میری مراد میری بیوی تھی، صرف والد صاحب کے جملوں کو بطور املا لکھا ہے۔

المستفتی: محمد نفیس، محلّہ: مفتی ٹولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر نے محض باپ کے دباؤ اور جبر کی بناء پر باپ کے املائی جملوں کو لکھا ہے نہ اس کی طلاق دینے کی نیت تھی اور نہ ہی بیوی کو طلاق دینے کے لئے اپنی مرضی سے کوئی جملہ لکھا ہے اور نہ زبان سے طلاق کا کوئی جملہ استعمال کیا ہے۔

نیز اس نے باپ کے املائی جملوں کو لکھنے سے پہلے یہ کہدیا ہے کہ نہ طلاق دوں گا اور نہ ہی طلاق اس تحریر سے ہوگی؛ اس لئے مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی، میاں بیوی آپس میں ازدواجی زندگی گزار سکتے ہیں؛ کیونکہ اس طرح جبر ودباؤ سے الفاظ طلاق لکھوانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ جبکہ زبان سے کوئی الفاظ استعمال نہ کیا ہو۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۶/۵۶، جدید زکریا ۶/۲۳۷)

إذا كتب الطلاق واستثنىٰ باللسان، أو عكس لا يقع الطلاق الخ. (فتاوی عالمگيري، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، زكريا قديم ۱/ ۳۷۸، جديد ۱/ ٤٤٦)

وقيدنا بكونه على النطق؛ لأنه لو أكره على أن يكتب طلاق امرأته، فكتب لا تطلق لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا، وفي البزازية: أكره على طلاقها، فكتب فلانة بنت فلانة طالق لم يقع. (البحر الرائق، ۳/ ۲٤٦، شامي، كراچي ۳/ ۲۳٦)

رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته، فكتب فلانة بنت فلانة امرأته، طالق...... ولم يعبر بلسانه لا تطلق. (تاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل السادس، في إيقاع الطلاق بالكتابة قديم ۳/ ۳۸۰، جديد زكريا ديوبند ٤/ ۵۳۲،

رقم: ٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۲۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۶/۱۴۱۱ھ

طلاق دے کر اور طلاق کے کلمات ادا کر کے زوجیت سے الگ کر دیا لکھوانے کا حکم

سوال [۶۵۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد توصیف ولد محمد رفیق نے اپنی زوجہ اقبال فاطمہ کو تحریری طور پر طلاق دیدی ہے اور یہ یہ تحریر وکیل کے ذریعہ سے قانونی شکل میں لکھوا کر دی ہے اور طلاق نامہ کی فوٹو کاپی ساتھ میں منسلک ہے اور طلاق نامہ میں یہ الفاظ لکھوائے ہیں، ’’طلاق دے کر اور طلاق کے کلمات ادا کر کے زوجیت سے الگ کر دیا تو مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ اس طلاق نامہ کے ذریعہ سے شرعی طور پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد توصیف ولد محمد رفیق، محلّہ سیدھی سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق نامہ کے الفاظ ہمارے سامنے آچکے ہیں، ان الفاظ کے رو سے محمد توصیف کی بیوی پر شرعی طور پر طلاق واقع ہوچکی ہے اور طلاق کے وقت سے تین ماہواری کے ذریعہ عدت گزار کر اقبال فاطمہ کو مکمل آزادی حاصل ہوجائے گی اور عدت کے بعد اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر کے باعصمت زندگی گزارنے کا حق حاصل ہوجائے گا۔

ثم المرسومة لا تخلو إما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد: فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة.

(هندية زكريا قديم ١/٣٧٨، زكريا جديد ١/٤٤٦)

ولو استكتب من آخر كتابًا بطلاقها وقرأة علي الزوج، فأخذه الزوج، وختمه، وعنونه، وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه.

(شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة كراچي ۳/۲٤۷، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍۱۲۰۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹؍۴؍۱۴۳۶ھ

(۱۷) باب الطلاق الثلاث

ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی شمار ہوتی ہیں

سوال [۲۶۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی سے کئی بار کہا کہ میں تمہیں طلاق دے دوں گا، ۲۳؍ستمبر۲۰۰۲ء کو ایک سانس میں کم سے کم چار پانچ مرتبہ کہا میں طلاق دیتا ہوں، اس کو سننے پر اس کی بیوی نے کہا کہ ایسے طلاق نہیں ہوتی ہے، دو چار آدمیوں کے سامنے کہو تب ہوگی، پانچ منٹ کے بعد اس کے کمرے میں جا کر کہا کہ قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں کہ تمہیں طلاق دی، کمرہ میں اندھیرا تھا یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ زید نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہا تمہیں طلاق دی یا ایسے ہی کہا۔

دوسری رات زید نے رجوع کیا یعنی دونوں زید و بیوی ہمبستر ہوئے اور پہلی جنوری ۲۰۰۳ء کو ان کی والدہ زید کی بیوی کو اپنے گھر لے آئیں، ایسی حالت میں زید اپنی بیوی کو اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے، تو زید کی بیوی کو اس کے ساتھ بھیجنا درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: انور قیوم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کے صحیح ہوکر واقع ہونے کے لئے دو چار آدمی یا گواہوں کا سامنے ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ بغیر کسی کی موجودگی میں بھی طلاق ہوجاتی ہے اور قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر طلاق دینا بھی ضروری نہیں ہے، آپس کے تکرار کے وقت میں جو طلاق دی گئی ہے وہ شرعی طور پر واقع ہوگئی ہے، جب تین مرتبہ سے زیادہ ''طلاق دیتا ہوں'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور بیوی نے خود سنا ہے، اس سے تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں، پھر شوہر نے

قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر دوبارہ طلاق دی کا لفظ استعمال کیا ہے، اس کی بھی ضرورت نہیں۔ بہرصورت طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے اور ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی طلاق ہوتی ہیں۔ حدیث شریف کی کتابوں میں بے شمار روایات اس سلسلے میں موجود ہیں؛ اس لئے امام ابوحنیفہؒ اورامام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور امت کے نزدیک تینوں طلاقیں طلاق مغلظہ کے طور پر واقع ہوجاتی ہیں اور بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوجاتی ہے اور صورت مذکورہ میں طلاق مغلظہ واقع ہوچکنے کے بعد میاں بیوی دونوں کا ہمبستر ہوجانا ناجائز اور حرام کام ہوا ہے، اس کی وجہ سے توبہ کرنا ضروری ہے، یہ مسئلہ کی ناواقفیت کی بنا پر ہوا ہے اور غلطی پر توبہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ معاف کردیتا ہے، مگر توبہ کرنے کی وجہ سے بیوی شوہر پر حلال نہیں ہوگی اور اس واقعہ کو سوال نامہ کے مطابق آج کی تاریخ تک تقریباً ساڑھے تین مہینے ہوگئے ہیں، اگر اس ساڑھے تین مہینے کے درمیان بیوی کو تین مرتبہ ماہواری آچکی ہے، تو عدت بھی پوری ہوگئی ہے، کسی بھی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے اور اگر تین مرتبہ ماہواری نہیں آئی ہے، تو تین مرتبہ ماہواری مکمل ہونے تک انتظار رنا لازم ہے، اس کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا درست ہوسکتا ہے، اب اس سلسلہ میں حدیث کی معتبر کتابوں سے کچھ حدیثیں نقل کردیتے ہیں۔

ان عائشةؓ أخبرته أن امرأة رفاعة القرظي جاء ت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله! إن رفاعة طلقني فبت طلاقي وإني نكحت بعده عبد الرحمن بن الزبير القرظي وانما معه مثل الهدبة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعلک تريدين أن ترجعي إلى رفاعة لا حتى يذوق عسيلتک وتذوقي عسيلته. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰۶۱، ف: ۵۲۶۰)

عن عائشةؓ، أن رجلا طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم أتحل للأول؟ قال: لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول.

(بخاري شريف ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰۶۲، ف: ۵۲۶۱، سنن النسائي، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ۲/ ۸٤، دارالسلام رقم: ۳٤٤۰)

عن نافع كان ابن عمرؓ إذا سئل عمن طلق ثلاثاً، قال: لو طلقت مرة، أو مرتين، فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم، أمرني بهذا، فإن طلقها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيره. (بخاري شريف۲/ ۷۹۲، رقم: ۵۰٦٦، ف: ۵۲٦۵)

وكان عبد الله إذا سئل عن ذلک قال لأحدهم أما أنت طلقت امرأتک مرة، أو مرتين، فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمرني بهذا وإن كنت طلقتها ثلاثاً، فقد حرمت عليک حتى تنكح زوجاً غيرک، وعصيت الله فيما أمرک من طلاق امرأتک. (مسلم شريف، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض، النسخة الهندية ۱/ ٤۷٦، بيت الأفكار رقم: ۱٤۷۱)

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً، فيتزوجها الرجل، فيغلق الباب ويرخي الستر، ثم يطلقها قبل أن يدخل بها، قال: لا تحل للأول حتى يجامعها الآخر. (نسائی شريف، النسخة الهندية۲/ ۸٤، دارالسلام رقم: ۳٤٤٤)

ان حفص بن المغيرة طلق امرأته فاطمة بنت قيس على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث تطليقات في كلمة واحدة، فأبانها منه النبي صلى الله عليه وسلم ولم يبلغنا أن النبي صلى الله عليه وسلم عاب ذلک عليه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت٤/ ۱۰، رقم: ۳۸۷۷)

وكان عبد الله بن عمر إذا سئل عن ذلک، قال: أما أنت طلقت امرأتک تطليقة، أو تطليقتين، فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمرني بهذا وإن كنت طلقتها ثلاثاً، فقد حرمت عليک حتى تنكح زوجاً غيرک

وعصيت الله فيما أمرک من طلاق امرأتک. (سنن دارقطني، دارالكتب العلمية بيروت ٤/١٨، رقم: ٣٩٢١)

ثم يقول ابن عمر أما أنت فطلقت امرأتک واحدة أو اثنتين، فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد أمرني بهذا وأما أنت فطلقت ثلاثاً، فقد حرمت عليک حتى تنکح زوجاً غيرک، وقد عصيت ربک فيما أمرک به من الطلاق. (سنن دار قطني، دارالكتب العلمية بيروت ٤/١٩، رقم:٣٩٢٤)

وإن طلق ثلاثاً بكلمة واحدة وقع الثلاث، وحرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره، و لا فرق بين قبل الدخول وبعده. روي ذلک عن ابن عباس رضؓ، وأبي هريرة رضؓ، وابن عمر رضؓ، وعبد الله بن عمرو رضؓ، وابن مسعود رضؓ، و أنس رضؓ، وهو قول أكثر أهل العلم من التابعين والأئمة بعدهم. (المغني لابن قدامه، دارالكفرك بيروت ٧/٢٨٢)

لوقال لزوجتة: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشبا و النظائر، قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۹۱۷/۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۲/۱۴۲۴ھ

ایک مجلس کی تین طلاق تین ہیں یا ایک؟

سوال [٦٦٠١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تین طلاقیں بیک وقت یعنی ایک ہی مرتبہ میں تین بار کہنا ”ایک طلاق رجعی ہے“ کا محققانہ جواب اخبار میں پوری تفصیل تحریر ہے۔

جواب نمبر ۱: (از غیر ملقدین) جب تین طلاق ایک مجلس میں دیجائیں، تو قرآن شریف اور حدیث صحیح کی رو سے ایک طلاق رجعی ہوتی ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِإِحْسَانٍ . [البقرۃ: ۲۲۹]

ترجمہ: طلاق دو مرتبہ ہے، پھر یا تو بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، احسان کے ساتھ چھوڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ شوہر طلاق دینے کے بعد عدت گذر جانے دے، عدت گزر جائے گی تو عورت اپنے شوہر سے مکمل طور پر الگ اور جدا ہو جائے گی۔ اور اسے اختیار ہوگا کہ جہاں بھی جی چاہے نکاح کرے۔ اب پہلے شوہر سے سارا تعلق ختم ہو گیا، اس کو کوئی رکاوٹ نہیں، قرآن مجید کے اس حکم کے دو پہلو قابل غور ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ چونکہ شوہر کو پہلی اور دوسری مرتبہ اس بات کا موقع دیا گیا ہے کہ چاہے رجعت کرلے اور چاہے تو عدت گزر جانے دے کہ عورت جدا ہو جائے؛ اس لئے ظاہر ہے کہ دونوں رجعی طلاقیں ایک ساتھ نہیں ہونی چاہئیں اور چونکہ دوسری مرتبہ کی طلاق کے بعد شوہر کو اختیار ہے؛ اس لئے اس کے ساتھ تیسری نہیں ہونی چاہئے، یعنی شوہر کو جن تین طلاقوں کا حق حاصل ہے وہ بیک وقت نہیں دی جاسکتی ہیں؛ بلکہ ایسا کرنا شرعاً سنگین جرم ہے۔

(۲) محمد بن لبید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

أخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً، فقام غضبانًا، ثم قال أيلعب بكتاب الله و أنا بين أظهرهم حتى قام رجل، وقال: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا أقتله .

(نسائي، كتاب الطلاق الثلاث، مجموعة وما فيه من التغليظ النسخة الهنديه ۲/ ۸۲)

رسول اللہ ﷺ کو ایک آدمی نے خبر دی، یعنی ایک آدمی کے متعلق بتایا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق اکٹھا دیدی ہیں، اس پر آپ غضبناک ہوکر کھڑے ہوئے اور پھر فرمایا کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے؛ حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟ یہاں تک کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں اسے قتل نہ کردوں؟

(۲) دوسری بات قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص بیک وقت ایک سے زائد یعنی دو یا تین طلاقیں دیدے، تو وہ ایک طلاق رجعی ہی ہوگی؛ کیونکہ قرآن مجید نے یہ نہیں کہا ہے: الطلاق طلاقان، طلاق رجعی دوطلاق ہیں؛ بلکہ یہ کہا: الطلاق مرتان (طلاق رجعی) دومرتبہ، دوطلاق اور دو مرتبہ طلاق میں جوفرق ہے واضح ہے۔ یعنی اگر یہ کہا جاتا کہ طلاق رجعی دو طلاق ہیں، تب تو پہلی ہی مرتبہ طلاق دینے سے طلاق رجعی کا نصاب پورا ہوجاتا؛ لیکن جب یہ کہا گیا ہے کہ طلاق رجعی دوطلاق دومرتبہ ہے، تو پہلی مرتبہ طلاق دینے سے یہ نصاب پورا نہیں ہوگا، بلفظ دیگر شوہر جب اپنی ازدواجی زندگی میں پہلی مرتبہ طلاق دے تو چاہے ایک طلاق دے، یا ایک سے زائد اس سے بظاہر رجعت کا ہی حق ہوگا؛ کیونکہ بہرحال پہلی مرتبہ ہے، پھر اس طرح جب دوسری مرتبہ طلاق دے تو چاہے ایک دے یا ایک سے زیادہ اسے رجعت کا حق ہوگا؛ کیونکہ یہ دوسری مرتبہ طلاق ہے اور طلاق دومرتبہ رجعی ہوتی ہے، آیت مذکورہ کے ٹھیک اسی معنی کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ بھی ہے، مسند احمد ۱/۲۶۵ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے:

طلق ركانة بن عبد يزيداخو بني مطلب امرأته ثلاثا في مجلس واحد، فحزن عليها حزناً شديداً، قال:فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم: كيف طلقتها؟ قال: طلقتها ثلاثاً، قال: فقال: في مجلس واحد؟ قال: نعم! قال فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت قال فرجعها. (مسند أحمد ١/ ٢٦٥)

ترجمہ: رکانہ بن عبد یزید مطلبی نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دیں، پھر اس پر سخت غمگین ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا تم نے کس طرح طلاق دی ہے، تو انہوں نے کہا کہ تین طلاقیں دی ہیں، آپ نے فرمایا کہ ایک ہی مجلس میں؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا کہ یہ تو ایک ہی ہے تم چاہے تو رجعت کرلو، اس کے بعد رکانہ نے رجعت کرلی، پھر یہی فیصلہ پوری خلافت صدیقی میں اور دو برس تک عہد فاروقی میں قائم رہا۔

حدیث شریف مسلم شریف ۱/۴۷۷، پر مروی ہے یعنی نبی کریم ﷺ کے عہد میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دو سال تک عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تین طلاق ایک ہی تھی، یادر ہے کہ اسلام میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی حجت ہیں اور کوئی نہیں؛ اس لئے شریعت اسلامی کا ثابت شدہ مسئلہ یہی ہوا کہ اگر کسی نے ایک مجلس میں تین طلاق دیدیں، تو اس پر ایک ہی طلاق کا حکم ہوگا یعنی اسے عدت کے اندر اندر رجعت کا حق حاصل رہے گا اور اگر عدت گزر چکی اور میاں بیوی دونوں راضی ہوں، تو آپس میں نکاح کر کے رہ سکتے ہیں۔

المستفتی: طاہر حسین، طالب پریس، سہارنپور

جواب من جانب حضرت مفتی صاحب مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اخبار میں دیا ہوا مطلب غیر مقلدوں کے عقائد کا مرادف ہے، قرآن کریم کا مطلب ان صاحب سے زیادہ جمہور صحابہؓ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد ابن حنبلؒ، جمہور مفسرین اور فقہائے امت زیادہ جانتے اور سمجھتے تھے، ان کا فیصلہ یہی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ بغیر حلالہ کے نکاح درست نہیں اور آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنا قطعی حرام ہے، وہ زانی و بدکار سمجھے جائیں گے، غیر مقلدوں کا سہارا لینے سے حرام عورت حلال نہیں ہوسکتی؛ چنانچہ امام المفسرین فقیہ بغداد علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں مرتان کا معنی دو کے بیان فرمایا ہے:

هذا يدل على أن معنى (مرتان) اثنان......ولعله أليق بالنظم......وأوفق بسبب النزول الخ. (روح المعاني، سورة البقره تحت تفسير الأية:۲۲۹، مكتبه زكريا ۲/ ۲۰٤)

(۲) حضرت محمود ابن لبیدؓ کی حدیث کا معنی اور مطلب بالکل واضح ہے، اس میں تین طلاق ہی واقع ہوئی ہیں، اسی وجہ سے آنحضور ﷺ ناراض اور غضبناک ہوئے ہیں اور اگر ایک طلاق ہوتی تو فرمادیتے کہ رجعت کرلو؛ چنانچہ اس حدیث شریف کے تحت محدثین نے جمہور صحابہ وتابعین اور ائمہ اربعہ کا مسلک نقل فرمایا ہے:

فيمن قال لامرأته أنت طالق ثلاثاً، فقال: مالكؒ، والشافعي، وأبوحنيفةؒ، وأحمد والجمهور من السلف والخلف يقع ثلاثاً. (مرقاة، شرح مشكوة، باب الخلع، الفصل الثالث، الطلاق الثلاث بلفظ واحد، امدادية ملتان ٦/٢٩٣، بذل المجهود، شرح أبو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب بقية نسخ الراجعة بعد التطليقات الثلث، مكتبه يحيٰ سهارنپور ٣/٢٧٦، دارا البشائر الإسلامية بيروت ٨/١٩٥، رقم: ٢٢٠٠)

(۳) مسند امام احمدؒ ۱/۲۶۵، میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت موجود ہے اور سنن کبریٰ بیہقی جدید ۱۱/۲۲۷ رقم ۱۵۳۶۳ میں بھی یہ روایت موجود ہے لیکن متنا یہ صحیح نہیں ہے اس میں روایت کرنے والوں کی طرف سے تصرف ہوا ہے اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت مروی ہے اور خود ان کا فتوی اس کے خلاف ہے اور ان کا فتوی ایک مجلس کی تین طلاق میں تین طلاق ہی کا ہے نیز حضرت رکانہؓ کے گھر والوں کو دوسروں کے مقابلہ میں اصل حقیقت زیادہ بہتر معلوم ہے اور ان کے گھر والوں میں سے کوئی بھی تین طلاق کی بات نہیں فرماتے ہیں بلکہ لفظ البتہ نقل کرتے ہیں اور ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوۃ میں حدیث رکانہ اس طرح ہے:

عن عبد الله ابن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم، فقلت: يارسول الله! إنى طلقت امرأتي البتة، فقال: ما أردت بها؛ قلت: واحدة، قال والله! قلت: والله، قال فهو كماأردت.

(سنن الترمذي، أبواب الطلاق، واللعان، باب في الرجل طلق امرأته البتة، النسخة الهندية ١/٢٢٢، دارالسلام رقم: ١١٧٧، **اسی سے ملتی جلتی حدیث** سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في البتة، النسخة الهندية ١/٣٠٠، دارالسلام رقم: ٢٢٠٨،

سنن ابن ماجه أبواب الطلاق، باب طلاق البتة، النسخة الهندية ١٤٨، دار السلام رقم: ٢٠٥١، مشكوة شريف ٢/ ٢٨٤)

میں ہے کہ انہوں نے لفظ البتہ سے طلاق دی تھی، جس میں ایک سے تین طلاقوں تک کی گنجائش ہے، ایک طلاق کی نیت ہو تو ایک تین کی نیت ہو تو تین واقع ہوتی ہیں۔ مذکورہ حدیث میں حضرت رکانہ اللہ کی قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ ایک طلاق ہی کی نیت تھی۔

ترجمہ: میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا یا رسول اللہ! بیشک میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دیدی ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا، تو میں نے کہا ایک طلاق کا، تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم! تو میں نے کہا اللہ کی قسم! تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہوگی جس کا تم نے ارادہ کیا ہے؛ لہٰذا حضرت رکانہؓ نے تین طلاق دی ہی نہیں؛ اس لئے اس سے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق ثابت کرنا حدیث رسول اللہ اور صحابہ ومحدثین پر اتہام ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۴۲۲)

ایک مجلس کی تین طلاق کا حکم

سوال [٦٦٠٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو بدتمیزی کی وجہ سے ۲۶/ اگست ۲۰۱۲ء بروز اتوار کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدی ہیں، معلوم ہوا کہ زید کا طلاق دینے کا قطعی ارادہ نہ تھا؛ بلکہ زید کی پہلی بیوی کے بچوں کے دباؤ میں یہ اقدام اٹھایا گیا اور طلاق دینے کے وقت سات لوگ موجود تھے، تو کیا ایک مجلس کی تین طلاق تین واقع ہوگئیں یا ایک؟ اور کیا شوہر کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسلم، گوئیاں باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں اور غیر مقلدین ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق کہتے ہیں، وہ اس بات پر جو روایت پیش کرتے ہیں، وہ روایت معتبر نہیں ہے، اور معتبر روایت میں حضور ﷺ نے ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی شمار فرمایا ہے اور ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اتفاق اس پر ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی ہوتی ہیں، شوہر کو رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے، ہاں البتہ شرعی حلالہ کے بعد باضابطہ نکاح کی گنجائش ہوجاتی ہے اور بغیر حلالہ شرعیہ کے آپس میں نکاح بھی درست نہیں ہے۔

حدیث شریف اور فقہ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

عن سهل بن سعدؓ في هذا الخبر قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(ابو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ۱/۳۰۶، رقم: ۲۲۵۰)

عن عائشةؓ، أن رجلا طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ أ تحل للأول؟ قال لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ۲/ ۸٤، دارالسلام رقم: ۳٤٤۱)

عن أنسؓ، قال كان عمر إذا أتي برجل قد طلق امرأته ثلاثاً، في مجلس أوجعه ضرباً وفرق بينهما. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت۹/ ۵۱۹، رقم:۱۸۰۸۹)

عن واقع بن سحبان فإن سئل عمران بن حصين عن رجل طلق امرأته ثلاثا في مجلسٍ قال أثم بربّه وحرمت عليه امرأته الحديث

(مصنف ابن أبي شيبة جديد۹/ ۵۱۹، رقم ۱۸۰۸۷)

والبدعي ثلاث متفرقة، وكذا بكلمة واحدة بالأولىٰ......وذهب جمهور الصحابة، والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث.

(شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق الدور، كراچي ٣/٢٣٢، زكريا ٤/٤٣٤)

فالكتاب و السنة، وإجماع السلف توجب إيقاع الثلث معاً، وإن كانت معصية. (احكام القرآن، سورة البقرة، باب ذكر الحجاج لا يقاع الطلاق الثلاث معاً، سهيل اكيڈمي لاهور پاكستان ١/٣٨٨، زكريا ديوبند ١/٤٦٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، وكذا في الهداية، اشرفي ديوبند ٣/٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۸۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۲۵ھ

ایک مجلس کی تین طلاق کا ثبوت حدیث شریف سے

سوال [٢٦٠٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مقلدوں کا کہنا ہے کہ ایک ساتھ تین طلاق واقع نہیں ہوتیں، اگر واقع ہوجاتی ہیں تو صرف قرآن پاک یا حدیث شریف سے ثابت فرمائیں؟

المستفتی: زبیر عالم، تجویدی، قصبہ: ڈڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ کہنا سائل کے مغالطہ پر محمول ہے کہ غیر مقلدین کے یہاں ایک ساتھ تین طلاق واقع نہیں ہوتی ہیں؛ اس لئے کہ اس صورت میں ان کے یہاں بھی ایک طلاق واقع ہوجاتی ہے، اختلاف اس میں ہے کہ ایک ساتھ یا ایک

مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی طلاق ہوتی ہیں یا ایک؟ تو غیر مقلدین ایک مانتے ہیں، جس کو ثابت کرنے کے لئے انہیں بڑی تاویلات و پریشانیاں اٹھانی پڑتی ہیں اور ہم اہل السنۃ والجماعت مختلف صحیح احادیث کے ذریعہ سے ایک مجلس کی تین طلاق قول رسول اور قول صحابہ سے تین ثابت کرتے ہیں؛ اس کے لئے حدیث حسب ذیل ہیں۔

وقال الليث عن نافع كان ابن عمر إذا سئل عمن طلق ثلثاً، قال: لو طلقت مرة، أو مرتين، فإن النبي صلى الله عليه وسلم، أمرني بهذا فإن طلقها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيره. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من قال لامرأته أنت علي حرام، النسخة الهندية ٢/٧٩٢، رقم: ٥٠٦٦، ف: ٥٢٦٤، صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض، النسخة الهندية ١/٤٧٦، بيت الأفكار رقم: ١٤٧١)

عن عامر الشعبيؒ، قال: قلت لفاطمة بنت قيس حدثيني عن طلاقك، قالت: طلقني زوجي ثلاثاً، وهو خارج إلي اليمن فأجاز ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم. (ابن ماجه، أبواب الطلاق، باب من طلق ثلاثاً في مجلس واحد، النسخة الهندية ١٤٥-١٤٦، دارالسلام رقم: ٢٠٢٤)

عن داؤد بن عبادة بن الصامت قال طلّق جدى امرأة له ألف تطليقة فانطلق أبي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له فقال النبى صلى الله عليه وسلم اما اتقى الله جدّك أمّا ثلاثا فله وامّا تسعمائة وسبعة وتسعون فعدوانٌ وظلمٌ إن شاء الله عذبه وإن شاء غفرله. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي بيروت ٦/٣٩٣ رقم ١١٣٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹۸۴/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱/۱۷ھ

ایک مجلس کی تین طلاق کا حکم

سوال [۶۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح ذوالفقار حسین کے ساتھ ۱۹۹۵ء میں ہوا تھا، اس کے کچھ عرصہ کے بعد اچانک مجھے اسٹامپ پیپر پر بذریعہ ڈاک طلاق نامہ موصول ہوا، جو انگریزی میں تھا، جس میں یہ لکھا تھا ''میں تمہیں تین طلاق دیتا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق'' اور اب ہم دونوں شوہر بیوی نہیں رہے اور ایک لاکھ مہر کا چیک تمہارے پاس بھیج رہا ہوں اور اس طلاق نامہ میں ذوالفقار حسین اور دیگر دولوگوں کے دستخط تھے، اس واقعہ کے تقریباً نو ماہ کے بعد ذوالفقار حسین نے میرے پاس فون کرنا شروع کردیا اور کہیں سے ایک فتوی حاصل کرلیا، جس میں یہ لکھا تھا ایک ساتھ دی گئیں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی ہیں؛ لہٰذا ہم اور تم بغیر حلالہ کئے ہوئے دوسرا نکاح نئے مہر کے ساتھ کرلیتے ہیں؛ چنانچہ ہمارا دوسرا نکاح ہوگیا، اس کے تقریبا ایک ڈیڑھ سال بعد میرے ایک بچی پیدا ہوئی، جو اس وقت ساڑھے دس سال کی ہوچکی ہے۔

اب دو سال سے میرے شوہر میرے ساتھ بہت ہی ظلم کررہے ہیں، ان کا ایک، گجراتی لڑکی سے پیار چل رہا ہے، جس کے ساتھ کبھی کبھی وہ ہوٹل میں راتیں بھی گذارتے ہیں اور گھنٹوں فون پر باتیں کرتے رہتے ہیں اور فحش فلمیں دیکھتے رہتے ہیں، منع کرنے پر زدوکوب کرتے ہیں، ان کی چال چلن بہت ہی خراب ہے، جس کا برا اثر میری لڑکی پر بھی پڑسکتا ہے، میں پوچھنا یہ چاہتی ہوں کہ:

(۱) کیا ایک ساتھ دی گئی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں یا پھر تین؟

(۲) مذکورہ صورت میں بغیر حلالہ کئے ہوئے، دوسرا نکاح صحیح ہے یا غلط؟

(۳) نکاح ثانی کے بعد پیدا ہونے والی بچی پر حق کس کا ہے؟

کیا ایسے بدچلن شخص کے پاس لڑکی کو چھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتية: انو پما، دوبے خان، ۹۴؍گلی مہرانکلیب، شمس آباد روڈ، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ایک ساتھ دی ہوئی تین طلاق تین ہی ہوتی ہیں، چاروں اماموں اور امت کا اس پر اتفاق ہے، بعضے گمراہ فرقہ اس کو ایک طلاق مانتا ہے، جو فتوی ایک طلاق کا لیا گیا ہے، وہ غلط ہے، اس پر عمل کرنا جائز نہیں اور بعد میں بلا حلالہ جو نکاح کیا گیا ہے، وہ نکاح نہیں ہوا اور اس نکاح کے ذریعہ سے آپ دونوں میاں بیوی نہیں ہیں۔ اور اس نکاح کے بعد جو بچی پیدا ہوئی ہے، وہ اس لئے ثابت النسب ہے کہ دونوں کے درمیان میں جو ہمبستری ہوئی ہے، وہ اس غلط فتوی کو صحیح سمجھنے کی وجہ سے ہوئی ہے، ایسی ہمبستری کو وطی بالشبہ کہا جاتا ہے، اس سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ ثابت النسب کہلاتا ہے حرام کا نہیں اور بچی کے بالغ ہونے تک ماں کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہے اور بالغ ہونے کے بعد باپ کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہے۔ اور باپ ہی خرچ کر کے اس کی شادی وغیرہ کرے گا۔

عن سهل بن سعدؓ في هذا الخبر قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان ما صنع عند النبي صلى الله عليه وسلم سنة. (ابو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ١/٣٠٦، دارالسلام رقم: ٢٢٥٠ اذا قال لامر أته انت طالق، طالق، طالق طلقت ثلاثا الاشباه قديم ص ٢١٩ جديد زكريا ص ٣٧٦)

عن نافع عن ابن عمرؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المطلقة ثلاثاً لاتحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيره، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (طبراني كبير، دار أحياء التراث العربي بيروت ١٢/٢٩٥، رقم: ١٣٤٢٩)

فإن المطلقة الثلاث يثبت النسب منها؛ لأنه وطئ في شبهة

العقد، فيكفي ذلك لإثبات النسب. (فتح القدير، بيروت ٥/ ٢٥١، كوئٹه ٥/ ٣٤، زكريا ٥/ ٢٣٩)

والأم والجدة لأب، أو لأم أحق بها بالصغيرة حتى تحيض أي تبلغ في ظاهر الرواية. (شامي، زكريا ٥/ ٢٦٨، كراچي ٣/ ٥٦٦)

ونفقة الإناث واجبة مطلقا على الآباء مالم يتزوجن إذا لم يكن لهنّ مال. (هندية، زكرياقديم ١/ ٥٦٣، جديد ١/ ٦٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۷۲۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۶/۱۴۳۳ھ

چاروں ائمہ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی ہیں

سوال [۶۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے نومبر ۱۹۷۷ء میں اپنے مکان میں ٹیلیویژن لگانے کا ارادہ کیا، اس پر زید کی والدہ صاحبہ نے ٹیلی ویژن لگانے کی مخالفت کی، اس بات نے طول پکڑلیا، زید نے غصہ کی شدت میں اپنے گھر کا سامان برتن وغیرہ الماری سے نکال کر صحن میں پھینکنا شروع کردیا، اس درمیان زید کی بیوی نے زید کو سامان وغیرہ پھینکنے سے منع کیا اور کہا کہ یہ کیا کرتے ہو، زید غصہ میں اپنے ہوش وحواس کھو چکا تھا، اسی حالت میں زید نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق کا لفظ استعمال کیا اور کہا کہ تم یہاں سے چلی جاؤ، موقع واردات کے وقت زید کی والدہ صاحبہ گھر سے کہیں چلی گئیں، زید اور ان کے والد، والدہ صاحبہ اوپر نیچے ایک ہی مکان میں رہتے ہیں اور ان کا کھانا پینا بھی ایک دوسرے سے الگ ہے، والدہ صاحبہ کے گھر سے چلے جانے کے پندرہ منٹ کے بعد زید کی نانی صاحبہ گھر تشریف لائیں اور انہوں نے زید کو سمجھانے کی کوشش کی؛ لیکن زید سمجھانے پر مزید بھڑک اٹھا اور اس نے نانی صاحبہ کی موجودگی

ہی میں متعدد بار بیوی کے لئے لفظ طلاق کو دہرایا اور کہا کہ بیوی کو اس کے میکے پہونچا دو یا اس کے میکے والوں کو مطلع کر دو، مگر زید کی بات ان سنی کرتے ہوئے نہ تو بیوی کو میکے پہونچایا اور نہ بیوی کے میکے والوں کو خبر دی، اور نہ ہی خود بیوی گھر سے گئی، نہ اپنے میکہ والوں کو خبر دار کیا، اس کے بعد زید کے نانا صاحب نے اخبار الجمعیۃ کی ایک کٹنگ لاکر زید کو دکھائی، جس میں ۱۹۶۴ء یا ۱۹۶۷ء میں احمد آباد میں علمائے حضرات کا ایک اجلاس طلاق کے مسئلہ پر بحث ومباحثہ کے لئے منعقد ہوا تھا، اس میں امام شافعیؒ، کے مسلک کے مطابق طلاق نہیں ہوئی اور امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہوگئی، اس پر زید نے جو امام ابوحنیفہؒ کے ماننے والوں سے ہے اپنے نانا سے کہا کہ طلاق ہوگئی نانا صاحب نے جواب دیا کہ چاروں امام برحق ہیں اور ہم چاروں اماموں کو مانتے ہیں، نانا صاحب نے پھر بھی کسی مفتی صاحب سے رجوع کیا اور زید کو بتایا کہ میں نے ساری معلومات کر لی ہیں، ''طلاق نہیں ہوئی'' اس کے بعد زید اور اس کی بیوی بحیثیت زن وشوہر آج تک رہ رہے ہیں، اس واقعہ سے قبل زید کے دو بچے موجود تھے اور زید کی بیوی حاملہ تھی، اس واردات کے بعد ۱۹۸۱ء میں ایک بچہ پیدا ہو چکا ہے، اس کے بعد کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا ہے، زید کے نانا صاحب اور نانی صاحبہ دونوں انتقال فرما چکے۔ ان تمام حالات کی روشنی میں شرعی احکام سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک مجلس میں تین یا تین سے زائد بار طلاق دینے سے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبل چاروں اماموں کے نزدیک طلاق مغلظہ واقع ہوجاتی ہے، جس شخص نے یہ کہا کہ امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق طلاق نہیں ہوتی ہے، اس کی بات غلط ہے چاہے وہ اخبار میں آیا ہو یا کسی رسالہ میں وہ بات صحیح نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں زید کے لئے مطلقہ بیوی کو اپنے پاس بیوی بنا کر کسی بھی امام کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته: أنت طالق ثلاثاً، فقال الشافعيؒ، ومالكؒ، وأبوحنيفةؒ، وأحمدؒ وجماهير العلماء من السلف والخلف: يقع، وقال طاؤس و بعض أهل الظاهر لا يقع بذلك إلاواحدة.

(شرح المسلم للنووي، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث ۱/ ٤٧٨، مرقاة شرح مشكوة، باب الخلع، الطلاق الثلث بلفظ واحد، امداديه ملتان ٦/ ٢٩٣، بذل المجهود، شرح أبوداؤد، كتاب الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلٰث، مكتبه يحى سهارنپور ٣/ ٢٦٧، دارالبشائر الإسلامية بيروت ٨/ ٩٥، تحت الرقم: ٢٢٠٠، فتح الباري، كتاب الطلاق، باب من جوز الطلاق الثلاث، دارالريان للتراث بيروت ٩/ ٢٧٨، اشرفية ديوبند إعلاء السنن، باب إيقاع الثلاث، مجموعة معصية، كراچي ١١/ ١٨٠، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ١٩٩، شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق الدور، كراچي ٣/ ٢٣٢، زكريا ٤/ ٤٣٤، طحطاوي على الدر المختار، كوئٹه٢/ ١٠٥، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ٢/ ١٩١، زكريا ديوبند ٣/ ٢٦، هندية، زكريا قديم ١/ ٣٥٥، جديد ١/ ٤٢٣، فتح القدير دارالفكر بيروت ٤/ ٥٥، كوئٹه ٣/ ٣٩٢، زكريا ديوبند ٤/ ٣٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۷۷۱)

ایک مجلس کی تین طلاق تین ہیں ایک نہیں

سوال [۶۶۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نفیس احمد بن صابر حسین ساکن محلّہ فتح اللہ گنج قصبہ ٹھاکردوارہ، ضلع: مرادآباد نے اپنی بیوی انیسہ بنت رفیق احمد ساکن محلّہ فتح اللہ گنج ٹھاکردوارہ، ضلع: مرادآباد کو بتاریخ یکم ستمبر۲۰۰۴ء بروز بدھ آپسی نزاع پر ایک ہی مجلس میں تین بار لفظ طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، کہہ دیا ہے۔ اب اس پر نادم ہوں، قرآن وحدیث میں رجوع کی کوئی گنجائش ہو

تو مسئلہ صادر فرمائیں؛ جبکہ ایک غیر مقلد عالم نے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور غیر مقلد عالم کا فتوی سوال کے ساتھ منسلک ہے۔

المستفتی: رفیق احمد، فتح اللہ گنج، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، تو تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور بیوی شوہر پر حرام ہوگئی ہے، بغیر شرعی حلالہ کے ان کا آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور قطعی حرام ہے، دونوں زانی اور بدکار سمجھے جائیں گے، مذہب کے خلاف غیر مقلد کا سہارا لینے سے حرام شدہ عورت حلال نہیں ہوسکتی غیر مقلد مولوی کا یہ سمجھانا کہ تین طلاق ایک ساتھ دینے سے ایک ہی طلاق پڑتی ہے قطعاً غلط اور گمراہ کن ہے، قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ علماء سلف وفقہاء ومشائخ اور ائمہ مسلمین حضرت امام اعظمؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم بزرگان دین کے متفقہ فیصلہ کے خلاف ہے، صورت مسئولہ میں بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔

قرآن شریف میں ہے کہ:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ: أي اثنتان. [سورة البقر: ۲۲۹]

جس طلاق کے بعد رجوع کرسکتے ہیں وہ دو ہی طلاق ہیں یعنی ایک سے دو تک رجوع جائز ہے۔

الطلاق التطليق الذي يراجع بعده مرتان: أي اثنتان. (تفسیر جلالین ۳۳)

آگے تیسری طلاق کے متعلق ہے۔

فإن طلقها فلا تحل له من بعد الطلقة الثالثة حتى تنكح زوجا غيره.

پھر اگر مرد عورت کو دو طلاق کے بعد تیسری طلاق دیدے، تو اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں رہے گی، یہاں تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرلے۔ (تفسیر جلالین شریف: ۳۳)

اوراحکام القرآن میں ہے۔

والکتاب والسنة وإجماع السلف الصالحين توجب إيقاع الثلث معاً، وإن كانت معصية.

قرآن شریف وسنت اوراجماع سلف صالحین کا فیصلہ یہی ہے کہ یک بارگی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، اگرچہ یکبارگی تین طلاقیں دینا معصیت ہے۔(مستفاد:احکام القرآن للجصاص، باب ذکر الحجاج لا یقاع الطلاق الثلاث معاً۔سہیل اکیڈمی لاہورا/۳۸۸، زکریادیوبندا/۴۶۹)

اسی طرح علامہ نوویؒ تحریرفرماتے ہیں:

فقال الشافعيؒ، ومالكؒ، وأبوحنيفةؒ، وأحمدؒ، وجماهير العلماء من السلف و الخلف: يقع الثلاث.

یعنی ائمہ اربعہ اور جمہور علماءسلف وخلف سب قائل ہیں کہ تین طلاقیں ہوجاتی ہیں۔ (شرح مسلم شریف، کتاب الطلاق، باب الطلاق الثلاث ا/۴۷۸)

امام بخاریؒ کے نزدیک بھی بیک وقت ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، اس کے لئے آپ نے ایک باب باندھاہے۔**باب من أجاز طلاق الثلاث** اس کے تحت احادیث لائے ہیں، منجملہ ان کے ایک حدیث یہ ہے کہ

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية٢ /٧٩١، رقم: ٥٠٦١، ف: ٥٢٦٠، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها حتى تنكح زوجاً غيره، النسخة الهندية ١ /٤٦٣، بيت الأفكار رقم:١٤٣٣)

یعنی ایک آدمی نے اپنی عورت کوتین طلاق دیں، پھراس عورت نے دوسرے شوہر

سے نکاح کیا، اس دوسرے نے صحبت کئے بغیر طلاق دیدی، آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ پہلے خاوند کے لئے یہ حلال ہوئی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک دوسرا شوہر صحبت نہ کرلے پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔

مزید تفصیل بخاری ۷۹۲/۲، مسلم شریف ۴۷۶/۱، ابوداؤد شریف ۳۰۶/۱ پر بھی موجود ہے اور منسلکہ فتوی میں جو حدیث نقل کی گئی ہے خود اس کے خلاف حضرت ابن عباسؓ کا فتوی موجود ہے۔

عن مجاهد قال: كنت عند ابن عباسؓ، فجاء رجل، فقال: إنه طلق امرأته ثلاثاً، فسكت حتى ظننت أنه رادها إليه، ثم قال: ينطلق أحدكم فيركب الحموقة، ثم يقول يا ابن عباس يا ابن عباس وإن الله قال: ومن يتق الله يجعل له، مخرجاً وإنک لم تتق الله فلا أجدلک مخرجاً، عصيت ربک وبانت منک امرأتک. (سنن ابی داؤد، طلاق، باب بقية بعد نسخ المراجعة التطليقات الثلاث، النسخة الهندية ۲۹۹/۱، دارالسلام رقم ۲۱۹۷ مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی بیروت ۳۳٤/٦، رقم:)

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کا فتوی ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔ نیز حضرت عائشہؓ کا بھی یہ فتوی ہے۔ اور حضرت ام سلمہؓ کا بھی یہی فرمان ہے کہ تین طلاقیں دیدینے سے تینوں واقع ہوجاتی ہیں۔ (مصنف بن ابی شیبہ ۲۲/۵)

اور اہل حرمین کا فتوی بھی یہی ہے کہ تینوں طلاقیں ایک ساتھ دینے سے واقع ہوجاتی ہیں، اور جو غیر مقلدین نے حدیث مسلم شریف کے حوالہ سے پیش کی ہے، اس کو سنداً و متناً مضطرب قرار دیا ہے۔ (احسن الفتاوی ۳۶۷/۵)

اہل حرمین کا فتوی مکمل احسن الفتاوی کے ساتھ منسلک ہے۔ اس کو ملاحظہ فرمالیں۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۴۸۶/۳۷)

ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے بعد غیر مقلد کے فتوی پر عمل کرنا

سوال[٦٦٠٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھائی شکیل احمد نے اپنی بیوی کو تین سے زائد مرتبہ ایک مجلس میں طلاق دیدی ہے اور ایک اہل حدیث کے فتوی کے مطابق ''کہ ایک مجلس کی کئی طلاقیں ایک ہی ہوتی ہے،، پر عمل کرنا چاہتا ہے، تو کیا ہم اس کے ساتھ قطع تعلق کرلیں یا میل ملاپ رکھیں، شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کے لئے اہل حدیث کے فتوی پر عمل کرنا جائز ہے یا بیوی حرام ہوچکی ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: حسیب احمد سیفی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، طلاق مغلظہ واقع ہوجانے کی وجہ سے بیوی شوہر پر بالکل حرام ہو جاتی ہے، پھر اس کو رکھنا حرام کاری اور بدکاری ہے، جو لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ درحقیقت غیر مقلد اور آزاد خیال کے ہیں، ان کا فتوی صحیح نہیں ہے، ان کے فتوی پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، شکیل کی بیوی پر طلاق مغلظہ ہونے کی وجہ سے وہ شکیل پر قطعاً حرام ہوچکی ہے، بغیر حلالہ شرعی کے اس کو بیوی بنا کر رکھنا سخت گناہ اور عذاب الٰہی کا خطرہ ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

ائمہ متبوعین ائمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور جمہور امت کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوجاتی ہیں۔

وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته: أنت طالق ثلاثا، فقال الشافعيؒ، ومالكؒ، وأبو حنيفةؒ، وأحمدؒ، وجماهير العلماء من السلف والخلف: يقع. وقال طاؤس وبعض أهل الظاهر: لايقع بذلك إلا واحدة.

(شرح السلم للنووي، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث ١/٤٧٨، مرقاة شرح مشكوة، باب الخلع، الطلاق الثلث بلفظ واحد، امداديه ملتان ٦/٢٩٣، بذل المجهود، شرح أبوداؤد، كتاب الطلاق، بـاب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلٰث، مكتبه يحى سهارنپور ٣/٢٦٧، دارالبشائر الإسلامية بيروت ٨/٩٥، تحت الرقم: ٢٢٠٠)

اور غیر مقلدین کا دلیل میں یہ پیش کرنا کہ مصر، سوڈان، اردن، شام، مراکش، عراق، پاکستان نے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق ماننے کا قانون بنایا ہے یہ محض ڈھونگ ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ۱۹۸۹ء میں مستفیض الحسن کے حوالہ سے ایک اشتہار شائع کیا تھا، اور اشتہار میں بہت سے علماء دیوبند مسلک حنفی کے مفتیان کرام کے نام ہیں اور ان ملکوں کی تاریخیں بھی اس طریقہ سے ہیں، جس طریقہ سے سوال نامہ میں ہے، یہ اشتہار غیر معتبر ہے اور غیر ذمہ دارانہ ہے؛ اس لئے اس اشتہار کے حوالہ سے ان ملکوں کا یہ قانون بتلانا اعتماد کے قابل نہیں ہے، یہ اشتہار ہمارے پاس بھی آچکا ہے، اگر شکیل احمد تین طلاق والی عورت کو ایسے ہی رکھتا ہے اور کسی کی نہیں سنتا ہے، تو رشتہ دار کنبہ والے اس کے ساتھ حقہ پانی بند کردیں۔

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ. [سوره هود:١١٣]

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان. [مائده: ٢] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۹۱۵/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۹ھ

غیر مقلد کے فتویٰ سے مطلقہ ثلاثہ حلال نہ ہوگی

سوال[۶۶۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنے بیوی کو ۹/ ماہ قبل تین طلاق دیدی تھیں، اس کے بعد میرے سسرالیوں نے اہل حدیث سے فتوی لاکر میرے پاس بیوی کو زبردستی چھوڑ دیا، بیوی میرے پاس ہی رہ رہی ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ اس کا میرے ساتھ رہنا شرعاً کیسا ہے؟ طلاق ہوگئی تھی یا نہیں؟ اب اسے ساتھ رکھنے کی کوئی شکل ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ناصر، محلّہ: کوہ نور تیراہہ، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاق مغلظہ دیدیں، تو آپ پر آپ کی بیوی قطعی طور سے حرام ہوگئی۔ اب بیوی کو بغیر حلالہ شرعیہ کے اپنے ساتھ رکھنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں اور ساتھ رہنا حرام کاری اور بدکاری ہے اور غیر مقلدین جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں وہ اہل حدیث نہیں؛ بلکہ اہل ہویٰ ہیں، جو حدیث ان کی مرضی کے موافق ہو اس کو لیتے ہیں اور جو ان کی مرضی کے مطابق نہ ہو اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں، آپ کا جو معاملہ ہے اس میں طلاق کا وقوع صریح حدیث سے ثابت ہے؛ اس لئے فوری طور پر آپ اپنی بیوی کو الگ کردیں، جب تک حلالہ شرعیہ نہ ہو اس کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه. [البقرہ: ۲۳۰]

عن سهل بن سعدؓ، في هذا الخبر قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(أبو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ۱/ ۳۰٦، دارالسلام رقم: ۲۲۵۰،

بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦٠، ف: ٥٢٥٩، مسلم شريف، كتاب اللعان، النسخة الهندية ١/ ٤٨٩، بيت الأفكار، رقم: ١٤٩٢، نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب الرخصة في ذالك، النسخة الهندية ٢/ ٨٣، دارالسلام رقم: ٣٤٣١)

قال الليث عن نافع كان ابن عمرؓ إذا سئل عمن طلق ثلثاً، قال: لو طلقت مرة أو مرتين، فإن النبي صلى الله عليه وسلم، أمرني بهذا فإن طلقها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيره. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩٢، رقم: ٥٠٦٥، ف: ٥٢٦٤، مسلم شريف، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض، النسخة الهندية ١/ ٤٧٦، بيت الأفكار رقم: ١٤٧١)

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً فطلقها قبل أن يمسها، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم أ تحل للأول؟ قال: لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤١)

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم أ تحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١)

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً، فيتزوجها الرجل فيغلق الباب ويرخي الستر، ثم يطلقها قبل أن يدخل بها، قال: لا تحل للأول حتى يجامعها الآخر. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۰۸)

حنفی مذہب ہونے کی حالت میں تین طلاق دے کر غیر مقلدیت کو اپنانا

سوال [۶۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حنفی المذہب شخص نے حنفی ہونے کی حالت میں اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدیں، مفتیان احناف نے قرآن و حدیث کے فیصلہ کے مطابق اس کی بیوی کو اس پر حرام قرار دیدیا تا آنکہ اس کی بیوی کسی دوسرے مرد سے شادی کرنے کے بعد مطلقہ یا بیوہ ہوکر عدت نہ گزارے، یہ عورت اس شخص کے لئے حلال نہ ہوگی، اس کے بعد اس حنفی شخص نے خواہش نفس کے تابع ہوکر غیر مقلد علماء سے فتوی لیا، جنہوں نے ان تینوں طلاقوں کو ایک طلاق رجعی قرار دے کر بیوی کو ویسے ہی رکھ لینے کا فتوی دیدیا، اور اس فتوی کے ساتھ ہی اس حنفی نے اپنے غیر مقلد ہوجانے کا اعلان کردیا۔ اب تحقیق طلب مسائل یہ ہیں:

(۱) یہ حنفی شخص جس نے تین طلاقیں دی تھیں اور جو اس طرح طلاق دینے کے بعد غیر مقلد بن گیا، اس کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر بیوی اس پر حرام ہوجائے گی یا غیر مقلدین کے بقول ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور بیوی پہلے کی طرح حلال رہے گی؟

(۲) اگر اس کی عورت پر تین طلاقیں واقع ہوکر بیوی حرام ہوگئی اور یہ شخص بدستور اس عورت کو ایسے ہی اپنی بیوی بنائے ہوئے ہے، تو ایسے شخص کا ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

(۳) اہل بستی محلّہ دار اور اس کے رشتہ داروں کو اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے؟ یعنی اس کے ساتھ پہلے کی طرح تعلقات رکھیں یا نہیں؟ اور اس کے ساتھ شادی بیاہ وغیرہ کے تعلقات رکھنے چاہئے یا نہیں؟

(۴) تین طلاقیں اور غیر مقلد ہوجانے کے بعد ایسے میاں بیوی سے جو اولاد پیدا ہو، وہ حرامی کہلائے گی یا حلالی؟ اور ایسی اولاد کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: لیاقت علی، ٹانڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حنفی شخص نے حنفیت کی حالت میں اپنی بیوی کو جو تین طلاقیں دی ہیں، وہ تین رہیں گی اس کے غیر مقلد بن جانے کی وجہ سے تین طلاق اور طلاق مغلظہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا، اس شخص کے لئے اس عورت کو بیوی بنا کر رکھنا حرام اور زنا کاری ہے اور عذاب آخرت کے ساتھ ساتھ اس دنیا میں بھی طرح طرح کے وبال سے دوچار ہونا پڑ سکتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱۹۹/۵، فتاوی دار العلوم ۳۰۳/۹)

وذهب جمهور الصحابة، والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث. (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، دارالفكر بيروت ۴۶۹/۳، كوئٹه ۳/ ۳۳۰، زكريا۳/ ۴۵۱، شامي، كراچي ۳/ ۲۳۲، زكريا۴/ ۴۳۴)

(۲/۳/۴) تین طلاقیں دینے کے بعد جو شخص بیوی کو اپنے پاس رکھتا ہے، وہ زنا کار ہے اور غضب الٰہی کا سخت خطرہ ہے، اگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے محلّہ والوں کو اس سے قطع تعلق کر لینا چاہئے اور اس حالت میں جو اولاد ہوگی وہ حرامی ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴۹۸/۴)

ومفاده أنه لو وطئها بعد الثلاث في العدة بلا نكاح عالماً بحرمتها لا تجب عدة أخرى؛ لأنه زناً. (شامي، باب العدة، مطلب في وطء المعتدة بشبهة، زكريا۵/ ۲۰۰، كراچي۳/ ۵۱۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رصفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۰۲۹/۲۸)

کیا علماء احناف نے ایک مجلس کی تین طلاق میں غیر مقلدین کے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے؟

سوال [الف: ۶۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تین مرتبہ یا اس سے بھی

زیادہ مرتبہ ایک ہی ساتھ یہ کہہ دیا کہ میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، پوچھنا یہ ہے کہ یہ طلاق رجعی ہے یا مغلظہ، رجوع کر سکتے ہیں یا حلالہ ضروری ہے؟ اور حلالہ کا شرعی حکم کیا ہے؟

صورت مذکورہ میں مسلک احناف کے مطابق تین طلاق مغلظہ واقع ہوجاتی ہیں؛ لیکن مسلک اہل حدیث کے مطابق یہ صورت طلاق رجعی کی ہے جیسا کہ مولانا اخلاف حسین صاحب نے تحریر کیا ہے۔

مسلم معاشرہ آج جن بدترین حالات سے گزر رہا ہے اس کے پیش نظر خاندان کو ابتری سے بچانا ایک اہم قومی اور دینی ضرورت بن گیا ہے اور علماء احناف نے مسلم خاندان کو بربادی سے بچانے کے لئے مسلک اہل حدیث پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، مندرجہ مذکورہ واقعہ میں خاندان کے بزرگ، شوہر کو بٹھا کر اس سے توبہ کرائیں اور رجوع کرادیں، آئندہ اگر اس نے ایسی نالائقانہ حرکت کی تو پھر گھر کی بربادی کو بچانا مشکل ہوگا۔

المستفتی: ممتاز احمد، منگل کھیڑا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مجلس کی تین طلاقیں چاروں اماموں کے نزدیک تین طلاق ہوتی ہیں، بعض لوگ مسلک اہل حدیث کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اہل حدیث جو درحقیقت غیر مقلدین ہیں، ان کا کوئی مسلک ہی نہیں ہے، مسلک اور مذہب ہونے کے لئے کسی نہ کسی امام کی اقتداء لازم ہے اور کا کوئی باضابطہ قانون شرعی اور فقہ ہونا بھی لازم ہے، وہ کون سی کتاب ہے، جس میں ان کا مسلک لکھا ہوا ہو، چاروں اماموں نے قرآن وحدیث سے استنباط کر کے فقہ کو مرتب کیا ہے، غیر مقلدین کے یہاں ایسا کچھ نہیں ہے، ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے درجے میں ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ جیسا کہ ان ائمہ کرام نے قرآن وحدیث سے براہ راست

مسائل کا استنباط کیا ہے، غیر مقلدین میں سے ہر ایک اپنے آپ کو اس لائق ثابت کرتا ہے؛ اس لئے گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے، مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کا فتویٰ بھی دیکھنے کو ملا، جو نہایت آزادانہ ہے اور جو بات پیش کی ہے اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے، مولانا اخلاق حسین صاحب نے یہ جو لکھا ہے کہ علماء احناف نے مسلک اہل حدیث پر عمل کرنے کی اجازت دیدی ہے یہ نہایت غیر ذمہ دارانہ اور بے ثبوت بات ہے؛ اس لئے کہ علماء احناف نے غیر مقلدین کے مسلک پر عمل کرنے کے لئے کہیں نہیں لکھا، ہاں البتہ مجبوری کی حالت میں ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا مسلک اختیار کرنے کی گنجائش دی ہے اور ایک مجلس کی تین طلاقیں چاروں اماموں کے نزدیک تین ہی طلاق ہوتی ہیں۔

اب اصل مسئلہ کا جواب یہ ہے جو مذکورہ سوال میں لکھا ہے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تین مرتبہ یا اس سے زیادہ ایک ساتھ تجھے طلاق دی کے الفاظ استعمال کیے ہیں، اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔ اب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے، آئندہ بغیر حلالہ شرعیہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہیں ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ٢/٨٨، تاتار خانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۳۶۰/۳۷)

ایک مجلس کی تین طلاق کا تحقیقی جائزہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْدُ!

ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہونے کے بارے میں غیر مقلدین کی طرف سے مسلسل پروپیگنڈہ جاری ہے اور خالی الذہن مسلمانوں کو طرح طرح کے انداز سے شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کے لئے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ اور بہت سے خالی الذہن مسلمان نوجوان ان کی باتوں میں آجاتے ہیں اور پھر گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور ذاکر نائک بھی اپنے چینل کے ذریعہ سے سینکڑوں مسلمانوں کو ایک مجلس کی تین طلاق کے بعد بیوی کو اپنے پاس رکھنے کا فتوی جاری کرتا ہے اور اس کے فتوی کی وجہ سے سینکڑوں مسلمان حرام کاری اور بدکاری میں مبتلا ہیں؛ اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ احادیث شریفہ کے ذریعہ سے اس مسئلے کو واضح کر دیا جائے؛ تاکہ مسلمان گمراہی اور معصیت سے محفوظ ہو جائیں اس کی وضاحت پیشِ خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں، اس سلسلے میں حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کی احادیث وارشادات اور صحابہ کرام کے فتاویٰ اور روایات مدلل طور پر یہاں نقل کر دیتے ہیں۔ اور ان روایات اور احادیث کے سامنے آجانے کے بعد کسی بھی مؤمن کو ایک مجلس کی تین طلاق کو تین طلاق ماننے میں تردد اور شبہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، اور آخر میں حدیث رکانہؓ کی حقیقت بھی آپ کے سامنے واضح کر دی جائے گی، جس کے غلط پہلو کو لے کر کچھ آزاد خیال چالاک قسم کے لوگ مسلمانوں کو معصیت میں مبتلا کرتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے۔ نیز تین طلاق کے بعد بغیر شرعی حلالہ کے عورت کو اپنے پاس رکھنا قطعی طور پر حرام اور ناجائز ہے۔ اور دوسرے شوہر سے نکاح کرنے کے بعد اس سے ہمبستری

کے بعد ہی طلاق ہوجانے پر عدت گزار کر پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے اس کے بغیر نہیں، اس بارے میں بھی صحیح روایات اوراحادیث ہم آپ کے سامنے پیش کریں گے۔

اب علی الترتیب روایات ملاحظہ فرمائیے:

ابوداؤد شریف میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے کہ حضرت عویمر عجلانیؓ نے اپنی بیوی کو حضور ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دیدیں اور حضور ﷺ نے اس کو تین ہی نافذ فرمادیا اس حدیث شریف میں واضح طور پر موجود ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو حضور ﷺ نے تین ہی ثابت فرمایا۔

حدیث شریف کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ فِيْ هٰذَا الْخَبَرِ قَالَ: فَطَلَّقَهَا ثَلاثَ تَطْلِيْقَاتٍ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْفَذَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ۱/۳۰۶، دارالسلام رقم: ۲۲۵۰، ۱/۳۰۵، رقم:۲۲۴۵، صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/۷۹۱، رقم: ۵۰۶۰، ف:۵۲۵۹، صحيح مسلم، كتاب اللعان، النسخة الهندية ۱/۴۸۹، بيت الأفكار رقم:۱۴۹۲، سنن نسائي، كتاب الطلاق، باب الرخصة في ذالك،النسخة الهندية ۲/۸۳، دارالسلام رقم: ۳۴۳۱)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے اسی حدیث شریف میں موجود ہے فرماتے ہیں: پس انہوں نے اپنی بیوی کو حضور ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دے دیں، تو حضور ﷺ نے اس پر تین طلاق کا حکم نافذ فرمادیا۔

حضرت حسن بن علیؓ کی روایت اور واقعہ

''سنن کبریٰ بیہقی''میں حضرت حسن بن علیؓ کی بیوی سے متعلق ایک مفصل حدیث شریف سند صحیح کے ساتھ مروی ہے۔اور یہ حدیث شریف''باب المتعه '' کے تحت میں بھی مفصل موجود ہے اور''باب ماجاء فی امضاء الطلاق الثلاث'' کے تحت میں بھی مفصل طور سے موجود ہے۔

روایت کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ کو شہید کر دیا گیا، تو حضرت حسن بن علیؓ کی ایک بیوی جو قبیلہ خثعم کی تھی اس نے حضرت حسنؓ سے کہا کہ تم کو خلافت مبارک ہو، تو اس پر حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ تو نے حضرت علیؓ کی شہادت پر دشمنی کے طور پر خوشی کا اظہار کیا ہے، تو اسی مجلس میں حضرت حسنؓ نے یہ کہہ دیا کہ تمہیں تین طلاق۔ اس عورت نے کہا کہ میں نے دشمنی کے طور پر خوشی کا اظہار نہیں کیا ہے یہ میرا مقصد نہیں تھا، بہر حال عدت گزرنے کے بعد وہ چلی گئی، تو حضرت حسنؓ نے اس کے مہر کا بقایا اور سامان کے طور پر بیس ہزار درہم اس کے پاس بھیج دیئے، تو اس عورت نے اس مال کو دیکھ کر کے کہا کہ ایک جدا ہونے والے دوست کی طرف سے معمولی سامان ہے جب اس کی یہ بات حضرت حسنؓ کو معلوم ہوئی، تو حضرت حسنؓ روتے ہوئے یہ فرمانے لگے کہ اگر میں نے اپنے والد سے وہ حدیث شریف نہ سنی ہوتی جو وہ میرے نانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے، تو وہ عورت اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی ہے جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے، اگر یہ بات میں نے نہ سنی ہوتی، تو میں اپنی اس بیوی کو رجعت کر کے اپنے نکاح میں دوبارہ رکھ لیتا؛ لیکن ایک مجلس میں تین طلاق دینے کی وجہ سے مجھ کو رجعت کا حق حاصل نہیں رہا۔ یہ روایت بھی اس بات کی واضح شہادت دیتی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہی قرار دیا ہے۔ اور اس عورت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجعت کی اجازت نہیں دی ہے۔ طویل حدیث شریف کا آخری حصہ ملاحظہ فرمایئے:

وَقَالَ حَسَنٌ لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ جَدِّي النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثاً لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ لَرَاجَعْتُهَا. (السنن الكبرى للبيهقي قديم ٧/٢٥٧، ٣٣٦، جديد دارالفكر بيروت ١١/٥٢، رقم:١٤٨٥٥، ١١/٢٢١، رقم:١٥٣٤٧، سنن الدار قطني، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢٠، رقم:٣٩٢٧)

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں نے یہ بات اپنے والد سے نہ سنی ہوتی کہ میرے والد نے میرے نانا نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے، تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوتی ہے، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرلے، تو میں اپنی اس بیوی کو رجعت کر کے رکھ لیتا۔

نوٹ: حضرت حسن بن علیؓ کی جس روایت میں امام دار قطنیؒ نے ۲۰/۴، رقم: ۳۹۲۸ میں ضعف کا نشان لگایا ہے، وہ عمرو بن شمر کی وجہ سے ہے۔ اور ہم نے جو نقل کی ہے وہ عمرو بن شمر کی روایت نہیں ہے؛ بلکہ عمرو بن ابی قیس کی روایت نقل کی ہے، وہ صدوق ہے۔

(تقریب التہذیب کراچی ۱/۴۴۷، رقم: ۵۱۱۷، مطبع العاصمہ ۴۳۷، رقم: ۵۱۳۶)

اور اس کو دار قطنی نے بھی صدوق کہا ہے۔ اور حافظ ابن رجب وغیرہ نے ''اسنادہ صحیح'' کہا ہے۔ (تکملہ فتح الملہم، کتاب الطلاق، باب الطلاق الثلاث، المکتبۃ الاشرفیہ دیوبند تحت رقم الحدیث ۳۶۵۳، ۱/۱۵۵)

امام ابو بکر ہیثمیؒ نے ''مجمع الزوائد، کتاب الطلاق، باب متعۃ الطلاق، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/۳۳۹'' میں ''وفي رجاله ضعف وقد وثقوا'' کے الفاظ نقل فرمائے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث حسن درجہ سے کم نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف غلط نسبت

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف یہ بات منسوب کرنا حقیقت اور واقعہ کے خلاف ہے، کہ حضرت علیؓ ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک ہی شمار فرماتے تھے۔ سلیمان بن مہران الاعمش مشہور محدثین میں سے ہیں، انہوں نے اس واقعہ کی تحقیق کر کے اس کی قلعی کھول دی ہے، جس کو امام بیہقی نے اپنی کتاب ''السنن الکبریٰ'' میں واضح طور پر نقل فرمایا ہے۔

اب اس حدیث شریف کا پورا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے:

سلیمان بن مہران الاعمش فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ایک بوڑھا شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سماعاً یہ روایت نقل کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاق دیدے، تو وہ ایک ہی شمار ہوگی اور لوگوں کا تانتا اس کے پاس بندھا ہوا تھا، لوگ آتے تھے اور یہ حدیث اس سے بغور سنتے تھے (اعمش کہتے ہیں) میں بھی اس کے پاس گیا اور پوچھا کہ کیا آپ نے حضرت علیؓ سے حدیث سنی ہے؟ اس نے مجھے بھی مذکورہ بالا حدیث سنادی، تو میں نے دریافت کیا کہ کہاں سنی؟ تو اس نے کہا کہ میں آپ کو اپنی کاپی دکھاتا ہوں، چنانچہ وہ کاپی نکال کر لایا، کاپی میں نے دیکھی، تو اس میں یہ لکھا تھا: میں نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے، تو وہ اس سے بائنہ ہو جائے گی۔ اور دوسرے شوہر سے نکاح کئے بغیر اس کے لئے حلال نہ ہوگی، اس پر میں نے سوال کیا کہ تعجب ہے، یہ روایت تو تمہاری زبانی روایت کے خلاف ہے، اس نے کہا صحیح یہی (کاپی) ہے؛ لیکن لوگ مجھ سے وہی کہلوانا چاہتے ہیں۔ اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت علیؓ کا مسلک کیا تھا، ان کا مسلک یہی تھا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی تھیں۔ اور رافضیوں نے پروپیگنڈہ کر کے اس حدیث شریف کے مفہوم کو بدل کر اس شیخ کے ذریعہ سے الٹا مطلب بیان کرایا ہے، ورنہ حضرت علیؓ کی طرف ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق کہہ کر منسوب کرنا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے۔ وہ روایت ملاحظہ فرمایئے جس کو حضرت علیؓ کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جاتا تھا:

عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: كَانَ بِالْكُوْفَةِ شَيْخٌ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه يَقُوْلُ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ، فَإِنَّهُ يرَدُّ إِلىٰ وَاحِدَةٍ وَالنَّاسُ عُنُقًا وَأَحَادًا، إِذْ ذَاكَ يَأْتُوْنَهُ وَيَسْمَعُوْنَ مِنْهُ، قَالَ: فَأَتَيْتُهُ فَقَرَعْتُ عَلَيْهِ الْبَابَ، فَخَرَجَ إِلَيَّ شَيْخٌ فَقُلْتُ لَهُ: كَيْفَ سَمِعْتَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه يَقُوْلُ فِيمَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ فَإِنَّهُ يرَدُّ إِلىٰ وَاحِدَةٍ؟ قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: أَيْنَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه؟ قَالَ:

حضرت امام اعمش کہتے ہیں کہ کوفہ میں ایک بوڑھے آدمی بیان کیا کرتے تھے، کہ میں نے حضرت علیؓ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دیدے، تو وہ اس کو ایک ہی شمار کرتے تھے اور لوگ اجتماعی اور انفرادی طور پر اس کے پاس آتے تھے۔ اور اس کے پاس آ کر کے اس سے اس حدیث کو سنا کرتے تھے، تو میں نے بھی اس کے پاس پہنچ کر کے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا، تو میرے پاس ایک بوڑھا آدمی نکل کر آیا، تو میں نے اس سے پوچھا کہ آپ نے حضرت علیؓ سے اس شخص کے بارے میں فرماتے ہوئے کیسے سنا ہے جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں، تو اس نے کہا کہ میں نے حضرت علیؓ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو حضرت علی ایک شمار کرتے تھے۔

أَخْـرُجُ إِلَيْكَ كِتَـابًا فَأَخْرَجَ فَإِذَا فِيْهِ: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا مَا سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍؓ يَقُوْلُ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ، فَقَدْ بَانَتْ مِنْهُ، وَلا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ، قَالَ: قُلْتُ: وَيْحَكَ هٰذَا غَيْرَ الَّذِي تَقُوْلُ، قَالَ الصَّحِيْحُ هُوَ هٰذَا، وَلٰكِنْ هٰؤُلاءِ أَرَادُوْنِيْ عَلٰى ذٰلِكَ. (السنن الكبرى للبيهقي جديد، دارالكتب العلمية بيروت ١١/٢٢٨ برقم: ١٥٣٦٥، قديم ٧/٣٣٩-٣٤٠)

فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ آپ نے حضرت علیؓ سے یہ کہاں سے سنا ہے؟ تو اس بوڑھے نے کہا کہ میں آپ کے پاس کاپی لا کر کے پیش کر دیتا ہوں، پھر کاپی نکالی، تو اس میں بسم اللہ کے بعد یہ لکھا ہوا تھا: یہ وہ حدیث ہے جو میں نے حضرت علیؓ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدے، تو یقیناً وہ عورت اس سے بائنہ ہو کر جدا ہو جاتی ہے، اور اس مرد کے لئے وہ حلال نہیں ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ دوسرے شوہر سے نکاح کر لے، تو میں نے اس سے سوال کیا تیرا ناس ہو یہ تعجب کی بات ہے کہ یہ روایت تو تمہاری اس روایت کے خلاف ہے جو تم اپنی زبان سے بیان

کرتے ہو، اس بوڑھے نے کہا یہی صحیح ہے جو کاپی میں موجود ہے؛ لیکن لوگ مجھ سے وہی کہلوانا چاہتے ہیں (جو حقیقت اور واقعہ کے خلاف ہے)۔

بغیر ہمبستری کے حلالہ معتبر نہیں

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث شریف میں ہے کہ جب بیوی کو ایک ساتھ تین طلاق دیدے، تو تینوں طلاقیں واقع ہو کر بیوی شوہر پر حرام ہو جاتی ہے اور اس وقت تک حرام رہتی ہے کہ جب تک دوسرے مرد سے نکاح کر کے ہمبستر نہ ہو جائے اور ہمبستری کے بعد اس سے طلاق ہو جائے تب اس سے نکاح جائز ہوتا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

وَقَالَ اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا سُئِلَ عَمَّنْ طَلَّقَ ثَلاثًا قَالَ: قَالَ لَوْ طَلَّقْتَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِيْ بِهٰذَا فَإِنْ طَلَّقَهَا ثَلاثًا حَرُمَتْ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/۷۹۲، رقم: ٥٠٦٦، ف: ٥٢٦٥، صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض، النسخة الهندية ١/٤٧٦، بيت الأفكار رقم: ١٤٧١، سنن الدار قطني، دارالكتب العلمية بيروت ٤/١٨، رقم: ٣٩٢١)

جب حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا جاتا تھا اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں، تو جواب دیتے تھے اگر ایک طلاق یا دو طلاق دی ہے، تو بے شک حضور ﷺ نے مجھے یہی حکم دیا ہے؛ یعنی رجعت کرنے کا، پس اگر تین طلاق دیدی ہوں، تو بیوی حرام ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرلے۔

مسلم شریف اور نسائی شریف میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے جس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ تین طلاق کے بعد اس وقت تک دوبارہ نکاح نہیں کر سکتے جب تک دوسرے مرد سے نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستری نہ ہو جائے اور پھر ہمبستری کے بعد

وہ طلاق دیدے تب پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ اوراس طرح کی روایت بخاری شریف میں بھی موجود ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا فَتزَوَّجَتْ زَوْجًا فَطَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ؟ قَالَ: لَا حَتّٰى يَذُوْقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْأَوَّلُ. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً النسخة الهندية ٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤١)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں پھر بیوی نے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلیا، پھراس دوسرے مرد نے اس کے ساتھ ہمبستری سے پہلے طلاق دیدی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، کیا یہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہوجائے گی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں یہاں تک کہ وہ مرد اس کا مزہ چکھ لے جیسا کہ پہلے نے چکھا تھا (یعنی پہلے کی طرح یہ بھی ہمبستر ہوجائے)۔

عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا، فَتَزَوَّجَها رَجُلٌ ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، فَأَرَادَ زَوْجُهَا الْأَوَّلُ؟ أَنْ يتزَوَّجَهَا، فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: لَا حَتّٰى يَذُوْقَ الآخَرُ مِنْ عُسَيْلَتِهَا مَا ذَاقَ الْأَوَّلُ.

(مسلم شريف، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقة الخ النسخة الهندية ١/ ٤٦٣، بيت الأفكار رقم: ١٤٣٣)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، پھراس عورت سے دوسرے مرد نے نکاح کرلیا، پھراس نے ہمبستری سے قبل اس کو طلاق دیدی، تو شوہرِ اول نے اس سے نکاح کرنا چاہا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شوہرِ اول نکاح اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک شوہرِ ثانی اس کے ساتھ اسی طرح ہمبستر نہ ہوجائے کہ جس طرح شوہرِ اول نے ہمبستری کی تھی۔

بخاری شریف کی حدیث ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ عَائِشَةَؓ أَنَّ رَجُلاً طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ؟ قَالَ: لَا حَتّٰى يَذُوْقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْأَوَّلُ.

(بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰۶۲، ف: ۵۲۶۱)

بخاری شریف کی روایت کا ترجمہ بھی تقریباً اسی طرح ہے، پس اتنا فرق ہے کہ ’’قبل أن يمسها‘‘ کا لفظ بخاری میں نہیں ہے۔

نسائی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت صاف الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ حضور ﷺ سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں۔ اور بیوی نے دوسرے آدمی سے نکاح کرلیا اور اس کے ساتھ خلوت ہوگئی، مگر ہمبستری نہیں ہوئی اور بغیر ہمبستری کے طلاق دیدی، تو حضور ﷺ نے فرمایا: کہ پہلے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتی جب تک ہمبستری کے بعد طلاق نہ دے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا فَيَتَزَوَّجُهَا الرَّجُلُ، فَيُغْلِقُ الْبَابَ، وَيُرْخِي السِّتْرَ، ثُمَّ يُطَلِّقُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، قَالَ: لَا تَحِلُّ لِلْأَوَّلِ حَتّٰى يُجَامِعَهَا الْآخَرُ. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ۲/ ۸۴، دارالسلام رقم: ۳۴۴۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی سے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں، پھر اس سے دوسرے مرد نے نکاح کرکے گھر کا دروازہ بند کردیا اور پردہ کھینچ دیا، پھر اس کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے طلاق دیدی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ پہلے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک اس سے دوسرا شوہر جماع نہ کرلے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول رہا ہے کہ جب ایسے آدمی کو لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دی ہوں، تو اس کو سزا دیتے اور میاں بیوی کے درمیان علیحدگی فرما دیتے تھے۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کے خلاف فیصلہ کر سکتے ہیں؟ ایسا ہرگز نہیں؛ بلکہ حضرت عمرؓ کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور آپ ﷺ کے قول وفعل کے مطابق ہی ہوتا تھا۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ كَانَ عُمَرُ إِذَا أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا فِي مَجْلِسٍ أَوْجَعَهُ ضَرْبًا وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن بيروت ۵۱۹/۹، رقم: ۱۸۰۸۹)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس جب ایسے آدمی کو لایا جاتا تھا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دی ہوں، تو حضرت عمرؓ اس کی پٹائی کر دیتے اور میاں بیوی کے درمیان میں جدائیگی فرما دیتے تھے (یعنی ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا اچھا کام نہیں ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں؛ اس لئے دونوں کو علیحدہ کر دیتے تھے)۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے جب مسئلہ معلوم کیا جاتا کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو وہ جواب دیا کرتے تھے کہ اس نے گناہ کا کام کیا ہے اور اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ وَاقِعِ بْنِ سَحْبَانَ قَالَ: سُئِلَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍؓ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ

امْـرَأَتَـهُ ثَـلاثًـا فِيْ مَجْلِسٍ قَالَ: أَثِمَ بِرَبِّهِ وَحَرُمَتْ عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ. (مصنف ابن أبي شيبة، جديد مؤسسه علوم القرآن بيروت تحقيق شيخ عوامه ۹/ ۵۱۹، رقم: ۱۸۰۸۷)

واقع بن سحبان کہتے ہیں کہ عمران بن حصینؓ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دی ہیں، تو وہ جواب دیتے تھے کہ اس نے اپنے رب کے ساتھ نافرمانی کا گناہ کیا اور اس کے اوپر اس کی بیوی حرام ہوگئی ہے۔

حدیث رکانہ سے متعلق روایات کا جائزہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے حضرت رکانہؓ کا واقعہ حقیقت کے خلاف نقل کیا جاتا ہے؛ اس لئے پہلے وہ حدیث ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں جس میں حقیقت کے خلاف واقعہ پیش کیا گیا ہے اس کے بعد حقیقت کے موافق صحیح واقعہ ابوداؤد شریف سے پیش کریں گے۔ ملاحظہ فرمایئے:

''سنن کبری بیہقی'' میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت ہے جس میں حضرت رکانہ کا ایک واقعہ ہے اور حضرت رکانہؓ کا واقعہ ابن عباسؓ سے اس طرح مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دیدیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجعت کرنے کی اجازت دی ہے، اب اس حدیث پاک پر غور کرنا ہے کہ اس حدیث شریف کی حقیقت کیا ہے؛ کیوں کہ حضرت ابن عباسؓ خود اس حدیث شریف کو بھی روایت کرتے ہیں پھر اسی حدیث شریف کے خلاف وہ فتویٰ بھی دیتے ہیں جیسا کہ ''مؤطا'' کی روایت میں ان کا فتویٰ ہے کہ ایک مجلس میں تین یا تین سے زائد دی ہوئی طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں اور زائد طلاقیں لغو ہو جاتی ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کے متن میں ضرور کوئی گڑبڑی ہوئی ہے، جیسا کہ اوپر حضرت علیؓ کے بارے میں اس طرح کی روایت منسوب کی گئی تھی، پھر امام اعمش نے جب تحقیق کی تو صحیح بات سامنے نکل کر آئی کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں

ایک نہیں ہیں ؛ بلکہ تین ہی ہیں اوراس کی وجہ سے مکمل طور پر جدائیگی ہو جاتی ہے، ہم اس سلسلے میں پہلے سنن کبریٰ کی روایت پیش کرتے ہیں اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''فتح الباری'' میں جو کچھ لکھا ہے وہ پیش کریں گے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: طَلَّقَ رُكَانَةُ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا فِيْ مَجْلِسٍ وَاحِدٍ فَحَزِنَ عَلَيْهَا حُزْنًا شَدِيْدًا، فَسَأَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟ قَالَ: طَلَّقْتُهَا ثَلاثًا فَقَالَ: فِيْ مَجْلِسٍ وَاحِدٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ، فَارْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ فَرَاجَعَهَا. (السنن الكبرى جديد دارالفكر بيروت ۱۱/ ۲۲۷، ۲۲۸، رقم: ۱۵۳۶۳، فتح الباري كتاب الطلاق، باب من جوز الطلاق الثلاث، دار الفكر بيروت ۹/ ۳۲۶، دار الريان للتراث القاهرة ۹/ ۲۷۵، اشرفية بكڈپو ديوبند ۹/ ۴۵۳، ۴۵۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں، پھر اس پر سخت رنجیدہ ہو گئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ تم نے طلاق کیسے دی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے ان کو تین طلاق دی ہیں، حضور ﷺ نے پوچھا ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک وہ ایک ہی ہے؛ لہٰذا اگر چاہو تو رجعت کرلو، تو رکانہ نے ان سے رجعت کرلی۔

حضرت رکانہؓ کے واقعہ میں حدیث شریف کا صحیح مطلب

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''فتح الباری، دار الفکر بیروت، دار الاحیاء التراث ۹/ ۲۷۵، اشرفی بکڈپو دیوبند ۹/ ۴۵۳، ۴۵۴'' میں اس حدیث شریف کا اس طرح جواب دیا ہے کہ اس حدیث شریف کی سند میں محمد بن اسحاق اور ان کے شیخ داؤد بن الحصین دونوں مختلف فیہ ہیں۔ محدثین نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے؛ اس لئے ابوداؤد وغیرہ میں جو صحیح سند کے ساتھ حضرت رکانہؓ کے واقعہ سے متعلق روایت ہے وہی زیادہ صحیح ہوگی، اس میں ''فطلقها البتة''

کے الفاظ ہیں اوراس میں ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے الفاظ کہیں سے کہیں تک بھی نہیں ہیں؛ بلکہ ابوداؤدشریف میں الفاظ ہیں: أن رکانة بن عبد یزید طلق امرأته سهيمة البتة، فأخبر النبي صلی الله علیه وسلم بذلک'' کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی سہیمہ کو البتہ کے ساتھ طلاق دیدی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی اورطلاق البتہ میں تین طلاق بھی مراد لی جاسکتی ہیں اورایک طلاق بھی؛ یعنی لفظ ''البتہ'' سے طلاق دینے میں شوہر کی نیت کا اعتبار رہے،تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رکانہؓ کو قسم دلا کر پوچھا کہ تم نے اس سے تین طلاق کا ارادہ کیا تھا یا ایک طلاق کا؟ اس پر حضرت رکانہؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں نے لفظ ''البتہ'' سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا،تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجعت کی اجازت دی تھی۔امام ابوداؤدفرماتے ہیں کہ تین طلاق کے الفاظ کی حدیث کے مقابلے میں یہی حدیث شریف زیادہ صحیح ہے اور تین طلاق والی حدیث کے متن میں گڑبڑی ہوئی ہے؛ کیوں کہ اس حدیث کو حضرت رکانہؓ کے خاندان اوران کے گھر کے لوگ بیان کرتے ہیں۔اور تین طلاق والی حدیث ان کے خاندان کے علاوہ دوسرے لوگ بیان کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے مقابلے میں گھر کے لوگوں کا بیان زیادہ صحیح ہوگا؛ اس لئے ایک مجلس میں تین طلاق کو ایک طلاق شمار کرنے کی روایت واقعہ کے خلاف اورغلط ہوگی۔اوراس پر عمل کرنا بھی غلط اور گناہ کا ارتکاب ہوگا۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ يَزِيْدَ بْنِ رُكَانَةَ أَنَّ رُكَانَةَ بْنَ عَبْدِ يَزِيْدَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ، فَأَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ وَقَالَ: وَاللهِ مَا أَرَدْتُّ إِلَّا وَاحِدَةً، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ: وَاللهِ مَا أَرَدْتَّ إِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رُكَانَةُ: وَاللهِ مَا أَرَدْتُّ إِلَّا وَاحِدَةً، فَرَدَّهَا إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ فِي زَمَانِ عُمَرَ وَالثَّالِثَةَ فِي زَمَانِ عُثْمَانَ. (أبوداؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في البتة، النسخة الهندية ١/ ٣٠٠، دارالسلام رقم: ٢٢٠٦)

حضرت رکانہؓ کے پڑپوتے نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ فرماتے ہیں کہ حضرت رکانہ ابن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق البتہ دیدی، تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی اور فرمایا کہ اللہ کی قسم میں نے طلاق البتہ سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم تم نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا؟ تو حضرت رکانہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا، تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلمنے ان کی بیوی کو انہی پر واپس کر دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دوسری طلاق دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تیسری طلاق دی۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ، فَأَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا أَرَدْتَّ؟ قَالَ: وَاحِدَةً، قَالَ: آللّٰهِ؟ قَالَ: آللّٰهِ قَالَ: هُوَ عَلٰى مَا أَرَدْتَّ. قَالَ: أَبُوْدَاوُدُ: هٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ ثَلاثًا لِأَنَّهُمْ أَهْلُ بَيْتِهٖ وَهُمْ أَعْلَمُ بِهٖ. وَحَدِيْثُ ابْنِ جُرَيْجٍ رَوَاهُ عَنْ بَعْضِ بَنِي رَافِعٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ. (أبو داؤد شريف كتاب الطلاق، باب في البتة، النسخة الهندية ١/ ٣٠٠، دارالسلام رقم: ٢٢٠٨)

حضرت رکانہؓ کے پڑپوتے عبداللہ بن علی نے اپنے باپ علی سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ حضرت رکانہؓ اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو گئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم نے کیا ارادہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا میں نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اللہ کی قسم، تو حضرت رکانہ نے فرمایا اللہ کی قسم، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہارے ارادے اور نیت پر ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ابن جریج نے جو روایت بعض بنی رافع عن عکرمہ عن ابن عباس کے طریق سے نقل فرمائی ہے (اور اس میں حضرت رکانہ کا اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کا ذکر ہے) اس کے مقابلے میں یہی حدیث شریف (طلاق البتہ والی)

زیادہ صحیح ہے؛ اس لئے کہ اس حدیث کو روایت کرنے والے حضرت رکانہ کے اہل بیت اوران کے گھر کے لوگ ہیں۔ اور یہی لوگ دوسروں کے مقابلے میں حضرت رکانہ کے طلاق کے واقعہ کوزیادہ جانتے ہیں۔

نیز تین طلاق والی روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے حالانکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک مجلس کی تین طلاق کے تین ہونے پر ہی فتویٰ صادرفرمایا کرتے تھے۔ اور ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مجلس کی تین طلاق کوایک طلاق قرار دیتے ہوئے دیکھا اور سنا ہو پھر حضرت ابن عباسؓ اس کے خلاف فتویٰ دے رہے ہوں ۔اس سے معلوم ہوا کہ چوں کہ البتہ سے تین طلاق بھی مراد لی جاسکتی ہیں؛اس لئے بعد کے راویوں نے اپنی طرف سے ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے الفاظ البتہ کی جگہ پر بدل دیے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت رکانہ کا واقعہ دوطریقے سے ہمارے سامنے آیا: ایک طریقہ وہ ہے جوصحاح ستہ میں موجود ہے۔ اوراس کے روایت کرنے والے سب کے سب اعلیٰ درجے کے حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ اور دوسرا طریقہ صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتابوں میں ہے جیسے ''سنن کبریٰ بیہقی'' وغیرہ میں لفظ''البتہ'' کی جگہ پرایک مجلس میں تین طلاق کے الفاظ موجود ہیں۔ اوراس کے روایت کرنے والے اتنے اعلیٰ درجے کے راوی نہیں ہیں؛ بلکہ ان کے ثقہ ہونے اور غیر ثقہ ہونے میں اختلاف واقع ہوا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''فتح الباری ۹/۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴'' پر واضح فرمایا ہے کہ محمد بن اسحاق اوران کے شیخ داؤدابن الحصین مختلف فیہ ہیں؛ اس لئے اس طرح کی روایت کا اعتبار نہ ہوگا، نیز رکانہؓ کے واقعہ میں طلاق البتہ ہونے کی تائید میں وہ ساری روایات آجاتی ہیں جن میں ایک مجلس میں تین طلاق کوحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہی قرار دیا ہے،اس سلسلے میں صریح روایات ہم نے نقل کردی ہیں ان کولوٹ کردوبارہ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ایک فتویٰ ابوداؤد شریف میں ان کے پانچ ایسے شاگردوں سے مروی ہے، جن کو فن حدیث اور رواۃ ورجال میں حفاظ حدیث کا مقام حاصل ہے، یعنی حضرت امام مجاہد ابن جبیر اور امام سعید بن جبیر اور امام عطاء بن ابی رباح اور امام مالک بن الحارث اور امام عمرو بن دینار ان سب سے ایک مجلس کی تین طلاق کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ان کو تین ہی شمار فرمایا ہے اور بیوی کے شوہر سے جدا ہونے کا فتوی صادر فرمایا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ ایک مجلس میں تین طلاق کو ایک طلاق شمار کرنے کی روایت جو حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ غلط ہے۔

قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ: رَوَىٰ هٰذَا الْحَدِيْثَ حُمَيْدُ الْأَعْرَجِ وَغَيْرُهُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَرَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَيُّوْبُ وَابْنُ جُرَيْجٍ جَمِيْعًا عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاس وَابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَرَوَاهُ الْأَعْمَشُ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كُلُّهُمْ قَالُوْا فِي الطَّلَاقِ الثَّلَاثِ أَنَّهُ أَجَازَهَا، قَالَ وَبَانَتْ مِنْكَ. (أبوداؤد شريف، كتاب الطلاق، باب بقية النسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاثة، النسخة الهندية ١/ ٢٩٩، دارالسلام رقم: ٢١٩٧)

امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف کو حمید اعرج وغیرہ نے امام مجاہد سے انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث شریف کو شعبہ نے عمرو بن مرہ سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اور ابن جریج نے ایک ساتھ عکرمہ بن خالد سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اور ابن جریج نے عبدالحمید بن رافع سے انہوں نے عطاء سے انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث شریف کو امام اعمش نے مالک بن الحارث

سے انہوں نے ابن عباس سے روایت نقل کی ہے۔ اور ابن جریج نے عمرو بن دینار سے انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ اوران تمام شاگردوں نے تین طلاق کے بارے میں ابن عباس سے یہی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے تین طلاق کے واقع ہونے پرفتویٰ دیا ہےاور بیوی کےتم سے بائنہ ہوکرا لگ ہوجانے کافتویٰ دیا ہے۔

اور''مؤطا امام مالک'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک اورفتویٰ منقول ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کوایک ساتھ سوطلاقیں دیں،توحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ایک مجلس کی سوطلاقوں میں سے تین طلاقیں فوری واقع ہوگئیں اورتین ہی معتبر ہوگئیں اوربقیہ ستانوے کے ذریعہ سےاللہ کی آیتوں کا مزاق اڑایا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

مَالِکٌ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ : إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِي مِائَةَ تَطْلِيْقَةٍ فَمَاذَا تَرٰى عَلَيَّ؟ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ : طُلِّقَتْ مِنْکَ بِثَلاثٍ وَسَبْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اتَّخَذْتَ بِهَا آيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا. (المؤطا للإمام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، اشرفي ديوبند ص: ١٩٩، بيروت رقم: ١١٢١)

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا بے شک میں نے اپنی بیوی کوسوطلاقیں دی ہیں،تو آپ میرے بارے میں کیارائے قائم کرتے ہیں؟ توحضرت ابن عباسؓ نے اس سے کہا کہ تمہاری طرف سے بیوی پرتین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اورستانوے طلاقوں کے ذریعہ سےتم نے اللہ کی آیتوں کامزاق اڑایا ہے۔

متعددصحابہ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کافتویٰ

حضرت عبداللہ بن عباس،حضرت ابو ہریرہ اورعبدللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ان تینوں حضرات سے اس عورت کے بارے میں مسئلہ معلوم کیا گیاجس کوشوہر نے تین طلاق دی ہیں،تو ان تمام صحابہ کرامؓ نے متفق ہوکر کے یہ مسئلہ بتایا کہ تینوں طلاقیں واقع

ہوگئی ہیں، اب بیوی شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتی جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے۔ اوران تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا فتویٰ امام ابوداؤد نے سندِ صحیح کے ساتھ ابوداؤد شریف میں نقل فرمایا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِيَاسٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا هُرَيْرَةَ، وَعَبْدَاللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ سُئِلُوْا عَنِ الْبِكْرِ يُطَلِّقُهَا زَوْجُهَا ثَلاثًا، فَكُلُّهُمْ قَالَ: لَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ. (أبوداؤد شريف، كتاب الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلث، النسخة الهندية ۱/ ۲۹۹، دار السلام رقم: ۲۱۹۸)

حضرت محمد بن ایاس بن بکیر فرماتے ہیں کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عباسؓ اورحضرت ابو ہریرہؓ اورحضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے اس عورت کے بارے میں مسئلہ معلوم کیا گیا جس کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دیدی ہیں، تو ان تمام حضرات نے فرمایا: کہ اب وہ عورت اس شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے۔

اوپر کی تفصیلی احادیث اورنصوص کے ذریعہ سے واضح ہو چکا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کوایک طلاق کہنا غلط ہے؛ بلکہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں، اس سے بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کواس بارے میں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کہ غیر مقلدین کے غلط مسائل سے متأثر ہوکر عمر بھر حرام، معصیت اور بدکاری کا شکار نہ ہوجائیں۔ اورمسلمان ان کی باتوں میں آکر کے اپنے دین وایمان کوخطرے میں نہ ڈالیں۔

ایک ضروری ہدایت

اس مضمون کو پڑھ کر کے آپ دیکھئے کہ ہر پہلو کی حدیث مقلدین کے سامنے ہے اورہم ہرطرح کی حدیثوں کوسامنے رکھ کر مسئلہ بتاتے ہیں؛ اور صحیح معنی میں اہل سنت والجماعت

اور قرآن وحدیث پر عمل کرنے والے ہم مقلدین ہی ہیں، نیز چاروں اماموں کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی طلاق ہوتی ہیں، جیسا کہ اوپر کی احادیث ونصوص کے دلائل سے واضح ہو چکا ہے۔ اور غیر مقلدین اپنی مرضی کی حدیثوں پر عمل کرتے ہیں۔ اور جو حدیث شریف ان کی مرضی وخواہش کے مطابق نہیں ہوتی ہے وہ کتنی ہی معتبر کیوں نہ ہو اس کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اور بعض حدیثیں جن میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہوتا ہے۔ اور صحابہ کا عمل ان کے آثار ہوتے ہیں، وہ ان کی مرضی کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں گستاخانہ انداز اختیار کرتے ہیں؛ حالاں کہ صحابہ کرامؓ کا عمل اور ان کا فتویٰ حضرت سید الکونین علیہ السلام کے قول وعمل کے خلاف قطعاً نہیں ہوسکتا؛ اس لئے غیر مقلدین جو اپنے آپ کو اہلِ حدیث ہونے کی شہرت دیتے ہیں ان کا اپنے آپ کو اہل حدیث کہنا غلط اور لوگوں کو دھوکہ دینا ہے؛ بلکہ صحیح معنی میں وہ لوگ اہل ہویٰ ہیں اور اپنی خواہشِ نفس کے مقلد اور اسی کے پیروکار ہیں، شریعتِ مطہرہ کے مقلد نہیں ہیں۔

❁❁❁

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمْ

اَللّٰہُ أَکْبَر کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَأَصِیْلاً. الحدیث

(المعجم الکبیر ۲/ ۱۳۵، برقم: ۱۵۷۰)

شبیر احمد قاسمی

خادم الحدیث والافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو-پی)

بروز جمعہ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

جھوٹ بول کر فتوی لینے سے بیوی حلال نہیں ہوتی

سوال [۶۶۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو بحالت غصہ کہا کہ ایک دو تین میں نے تجھ کو طلاق دی، ایک دو تین میں نے تجھ کو طلاق دی اور اس نے سوچ رکھا تھا کہ میں تیسری طلاق روک لوں گا، مگر غصہ کو تاب نہ لاکر تیسری مرتبہ بھی وہی جملہ یعنی ایک دو تین میں نے تجھ کو طلاق دی کہا، اب زید نے سوچا کہ طلاق تو واقع ہوگئی کیا کروں؛ چنانچہ اس نے علماء دین سے جھوٹ بول کر فتوی لیا اور واضح رہے کہ علماء کے سامنے یہ کہہ کر کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا تین مرتبہ کہہ کر کر فتوی لیا، جس کے جواب میں آیا تھا کہ تم اس بیوی سے نکاح کرلو؛ چنانچہ اس نے اس بیوی سے دوبارہ نکاح کرلیا اور ایک بچہ بھی پیدا ہوگیا۔ اب زید کے دل میں خیال آیا کہ میں نے علماء سے تو جھوٹ بول کر فتوی لیا تھا جو بہت بڑا گناہ ہے، اب اس بیوی کو جائز طریقہ سے رکھنا چاہئے، تو اب سوال یہ ہے کہ بیوی کو جائز طریقہ سے رکھنے کی کیا صورت ہے؛ جبکہ پہلے بچہ کی پیدائش کو چار ماہ ہو چکے ہیں اور اس کے بعد زید نے دوبارہ اس مطلقہ سے وطی کرلی ہے، مگر ظہور حمل اب تک نہیں ہوا ہے، تو اب ایسی صورت میں نکاح کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عالم ابن سمیع، راگھو پور مہدیان، پوسٹ: منی پور مظفر پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین طلاق دینے کے بعد بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوجاتی ہے اور تجھ کو چھوڑ دیا کا لفظ بھی تین مرتبہ بیوی کو کہنے سے طلاق مغلظہ واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا امر واقعی کے اعتبار سے بھی طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور جھوٹے بیان کے اعتبار سے بھی طلاق مغلظہ واقع ہوگئی؛ اس لئے اس بیوی کو ساتھ رکھنا حرام کاری ہے، اس کے رکھنے کا یہی طریقہ ہوسکتا ہے کہ اب اس کا نکاح کسی دوسرے مرد کے ساتھ کر دیا جائے، پھر وہ ہمبستری کے بعد طلاق دیدے، پھر اس کے بعد تین ماہواری عدت میں گذارنے کے

بعد شوہر اول نکاح کرسکتا ہے اور اگر عورت فی الحال حاملہ ہے، تو وضع حمل کے بعد ہی دوسرے مرد سے نکاح کرے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ٢/٨٨، تاتار خانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣)

سرحتک وهو رها كردم لأنه صار صريحاً في العرف (إلى قوله) **يقع به الرجعي الخ** (شامي، زكريا ٤/٥٣٠، كراچي ٣/٢٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۲۷۳/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۳۰ھ

تین طلاق دینے کا مسنون طریقہ

سوال [۶۶۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں اور بیوی کے درمیان بہت ہی جھگڑا پیدا ہو چکا ہے اور اب کوئی گنجائش نہیں ہے؛ لہٰذا اب راستہ صرف طلاق ہے؛ لہٰذا طلاق مغلظہ دینے کا طریقہ بتا دیں تاکہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ ہونے پائے۔ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد سلیم، جکمنڈی چورا ہا محمود، سیتا رپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق مغلظہ دینا سخت گناہ ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی جملہ میں تین طلاق دیدی جائیں یا ایک طہر میں تین طلاق دی جائیں، اس میں شوہر گنہگار رہوتا ہے۔

وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثاً بكلمة واحدة، أوثلاثا في طهر واحد، فإذا فعل ذلک وقع الطلاق وكان عاصيا. (هداية، باب طلاق السنة اشرفي ديوبند ۲/۳۵۵)

وبدعي ياثم به. (درمختار مع الشامي، كراچي ۳/۲۳۰، زكريا ٤/٤٣١)

مسنون وبہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دیا جائے عدت گذرنے پر عورت خودہی نکاح سے نکل جائے گی اور خدا اور رسول کی نافرمانی بھی نہ ہوگی۔

عن إبراهيم قال: كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة، ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض. (مصنف ابن أبي شيبة مؤسسه علوم القرآن بيروت ۹/۵۱۲، رقم: ۱۸۰٤۰)

فالأحسن أن يطلق الرجل امرأته تطليقة واحدة في طهر لم يجامعها فيه ويتركها حتى تنقضي عدتها؛ لأن الصحابة كانوا يستحبون أن لايزيدوا في الطلاق على واحدة حتى تنقضي العدة. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۵٤، تاتارخانية زكريا ٤/۳۷۸، رقم: ٦٤٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۷۳۳)

ایک ایک کر کے تین طلاق دینا

سوال [۶۶۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اشفاق احمد نے اپنی بیوی مشتری خاتون کو ہوش وحواس کی حالت میں ایک طلاق دی اور پھر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ رہتے رہے اور چھ، سات سال گذرنے کے بعد پھر اشفاق احمد نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی اس کے بعد بھی دونوں ایک ساتھ رہتے

رہے اور ۴/۵/سال گذرنے کے بعد نشہ کی حالت میں پھر ایک بار طلاق دی اور اس تیسری طلاق کے بعد سے دونوں میاں بیوی الگ الگ رہ رہے ہیں۔

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اشفاق کی بیوی پر کون سی طلاق واقع ہوئی ہے اور اب دونوں کے ایک ساتھ رہنے کا شرعاً کیا طریقہ ہوگا؟

المستفتی: محمد بھکو، سمستی پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک طلاق یا دو طلاق دینے سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے، دو طلاق دینے سے بیوی شوہر پر حرام نہیں ہوتی اور دونوں ایک ساتھ رہ سکتے ہیں، پھر شوہر نے کچھ سال گذرنے کے بعد نشہ کی حالت میں جب تیسری طلاق اور دیدی تو اس تیسری طلاق سے طلاق مغلظہ واقع ہوکر عورت شوہر پر حرام ہوگئی۔

اب حلالہ شرعیہ کے بغیر دونوں میاں بیوی جیسی زندگی گذار نہیں سکتے ہیں اور حلالہ شرعیہ کا طریقہ یہ ہے کہ عدت کے گذرنے کے بعد اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو اور وہ دوسرا شوہر اس سے ہمبستری بھی کرے، اس کے بعد وہ دوسرا شوہر جب اس عورت کو طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہوجائے، تو اس کی عدت گذرنے کے بعد پہلے شوہر کے لئے اس عورت سے نکاح کرنا جائز اور درست ہے۔

أن سعيد بن المسيب وسليمان بن يسار سئلا عن طلاق السكران، فقالا: إذا طلق السكران جاز طلاقه. الحديث (المؤطا للإمام مالك، باب جامع الطلاق، النسخة الهندية ٢١٦، بيروت رقم: ٨٢)

وطلاق السكران واقع إذا أسكر من الخمر، أو النبيذ وهو مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ. (المحيط البرهاني، كتاب الطلاق،الفصل الثالث، المجلس العلمي بيروت ٤/٣٩١، رقم: ٤٦٣٤، تاتارخانية، زكريا ٤/٣٩٤، رقم: ٦٥٠٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له من بعد

حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ٢/٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۱۱۱/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۳۱ھ

یکے بعد دیگرے تین طلاق دینا

سوال [۶۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نکاح نومبر ۲۰۱۰ء میں ہندہ کے ساتھ ہوا، نکاح کے بعد سے ہی زید نے انتہائی بد اخلاقی کا مظاہرہ کرنا شروع کیا اور معمولی معمولی باتوں پر صراحۃً وکنایۃً طلاق کے لفظ کا استعمال کیا، جب اس کو تنبیہ کی گئی تو اس نے دو بار پختہ طلاق دینے کا اقرار کیا، جب ہندہ کے والد نے اس کو واضح کیا کہ اب اگر آئندہ تم نے یہ لفظ استعمال کیا، تو ہمیشہ کے لئے تعلق ختم ہو جائے گا؛ لیکن اس کے بعد بھی زید مذکور باز نہیں آیا اور متعدد بار اس نے براہ راست ہندہ سے طلاق کا لفظ استعمال کیا، پھر اس کے بعد ہندہ اپنے والدین کے گھر رہنے کے لئے آئی تو ہندہ کے والد نے زید سے کہا کہ کچھ روز ہندہ کو اپنی ماں کے پاس اور رہنے دو؛ لیکن زید نے اپنی منکوحہ ہندہ سے کہا کہ اگر تم فلاں دن نہیں آئیں تو تم کو پختہ طلاق ہے، پھر ہندہ اس مقررہ دن میں نہیں گئی۔ اب اس طلاق کے ساتھ تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں، اس کے گواہ بھی موجود ہیں، اب اس صورت میں شریعت مطہرہ کی رو سے ہندہ زید کے نکاح میں باقی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ

زید اپنی بیوی ہندہ کو یکے بعد دیگرے تینوں طلاقیں دے چکا ہے؛ لہٰذا ان دونوں کے درمیان ازدواجی رشتہ باقی نہیں رہا اور حلالہ شرعیہ کے بغیر ان کا دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوسکتا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلٰثاً. (الاشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ۴۷۳/۱، جديد ۵۳۵/۱، تاتارخانية، زكريا ۱۴۷/۵، رقم:۷۵۰۳)

لا يحل للرجل أن يتزوج حرّة طلقها ثلاثاً قبل إصابة الزوج الثاني.

(هندية، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات القسم التاسع، زكريا قديم ۲۸۲/۱، جديد ۳۴۸/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۶۶۳/۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۴/۲۵ھ

ایک طلاق کے بعد دو طلاق دینا

سوال [۶۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوکت علی نے تقریباً گیارہ سال پہلے اپنی بیوی کو ان الفاظ کے ساتھ طلاق دی تھی، میں نے طلاق دی، اس کے بعد دس دن کے اندر عدت گذرنے سے پہلے ہی میں نے اپنی بیوی سے رجعت کرلی تھی، اور ہم دونوں میاں بیوی سمجھوتہ اور رضا مندی کے ساتھ رہنے لگے تھے، پھر تقریباً گیارہ سال بعد ہم میں ناراضگی ہوئی اور پھر میں نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں ان الفاظ کے ساتھ دیں ”میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی“۔

دریافت کرنا یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں میری بیوی پر کونسی طلاق واقع ہوئی؟ اور میری

بیوی میرے نکاح میں باقی رہی یا نکاح سے نکل گئی؟ ہم دونوں اگر شوہر بیوی کی طرح سے رہنا چاہیں تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ مدلل مفصل جواب سے نوازیں۔

نوٹ: میری بیوی رشتہ میں میری خالہ زاد بہن بھی ہے، مدت دراز سے بیمار ہے، اس کے ماں باپ بھی انتقال کر چکے ہیں، بظاہر میرے علاوہ اس کے لئے کوئی زندگی گذارنے کے لئے سہارا نہیں ہے۔

المستفتی: شوکت علی، ساکن: نوگانواں سادات، محلّہ نئی بستی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے جو طلاق دی گئی تھی وہ بعد والی دونوں طلاقوں کے ساتھ مل کر طلاق مغلظہ ہوچکی ہے؛ اس لئے اگر آپ بیوی کو دوبارہ زوجیت میں رکھنا چاہتے ہیں، تو شرعی حلالہ کے بعد نکاح کر کے رکھ سکتے ہیں، اس کے بغیر نہیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۰/۱۵۸)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ۲/۸۸، تاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۷، رقم: ۷۵۰۳)

عن عائشةؓ، أن رجلًا طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أ تحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/۷۹۱، رقم: ۵۰۶۲، ف: ۵۲۶۱، نسائي، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ۲/۸۴، دار السلام رقم: ۳۴۴۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۶۷)

طلاق ثلاثہ

سوال [۶۶۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھائی محمد عیاض نے اپنی بیوی کو بہت غصہ کی حالت میں ایک وقت میں تین مرتبہ طلاق دیدی، جس کے گواہ میری دو بہنیں اور والد ہیں اور محمد عیاض خود تین طلاق دینے کا اقرار کررہا ہے، لڑکا لڑکی دونوں اب بہت افسوس کررہے ہیں اور دوبارہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور خدا سے عہد کررہے ہیں کہ دوبارہ ایسا کام نہیں کریں گے، مہربانی کرکے آسان حل بتادیجئے۔

المستفتی: محمد زبیر، پچپیڑہ، کٹگھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب محمد عیاض نے ایک وقت میں تین طلاقیں دی ہیں، جس کے گواہ بھی ہیں اور وہ اقراری بھی ہے، ایسی صورت میں اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی اس پر قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے دونوں کا ساتھ رہنا جائز نہیں ہے اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ طلاق کے بعد تین ماہواری گذر جائیں، اس کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرکے اس کے ساتھ ہمبستر ہوجائے، پھر وہ شوہر طلاق دیدے اور اس پر بھی تین ماہواری گذر جائیں، اس کے بعد عیاض کے ساتھ نکاح درست ہوسکتا ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ۴۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۹، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ۲/ ۸۸، تاتارخانية، زكريا ۵/ ۱۴۷، رقم: ۷۵۰۳)

عن عائشةؓ، أن رجلا طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقها قبل

أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۹۱۶)

تین طلاق

سوال [۶۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کل رات میرے اور میری بیوی کے درمیان بہت جھگڑا رہا، بات مارنے پیٹنے تک آگئی، اس نے میرے اوپر ہاتھ اٹھایا اور اس کے بعد میں نے بھی اس پر ہاتھ اٹھایا، پھر کچھ دیر بعد ہم سو گئے، وہ مجھ سے طلاق بھی مانگ رہی تھی، میں صبح اٹھ کر اپنے کام سے چلا گیا اور جب میں جمعہ کی نماز کے بعد گھر آیا تو اس کے گھر سے اس کی ماں، دادی اور تین چار عورتیں ہمارے گھر آئی ہوئی تھیں، ان لوگوں نے بہت بدتمیزی اور بدکلامی کی اور کہنے لگیں کہ جب میری لڑکی تم سے طلاق چاہتی ہے، تو تم اس کو طلاق کیوں نہیں دیدیتے، تب میں نے اپنی بیوی کو ان عورتوں اور اپنے بھائیوں اور والد صاحب کے سامنے تین طلاق دیدیں۔ اب ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس میں شرعی حساب سے کیا فتویٰ ہے؟ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: اطہر خاں ولد زاہد خاں، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب شوہر خود ہی تین طلاق کا اقراری ہے، تو اس کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو کر بیوی قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے، آئندہ بغیر حلالہ

کے آپس میں نکاح بھی درست نہیں ہوگا اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ تین ماہواری کے ساتھ عدت گذرنے پر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستر ہوجائے، پھر اس کے بعد دوسرا شوہر طلاق دیدے، پھر تین ماہواری گذرجانے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح ہوسکتا ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الاشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣، قدوري، امداديه ديوبند ١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۳۳/۴۰)

تین طلاق کا حکم

سوال [۶۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے نومبر ۲۰۰۸ء کو شاذیہ صابر سے نکاح کیا تھا اور یہ نکاح ہم دونوں نے گھر سے بھاگ کر کیا تھا؛ کیونکہ ہم دونوں کے والدین اس نکاح کے لئے راضی نہیں تھے، گواہ اور وکیل میرے دوست تھے، شاذیہ نکاح سے پہلے بہت غصہ میں تھی؛ لیکن اس نے نکاح کی رسید پر دستخط کردیئے، پھر جب میں نے نکاح کی رسید اس کو دی تو اس نے اسے پھاڑ کر ٹکڑے کردیا، اس کے بعد ہم دونوں پندرہ دن گھر سے باہر رہے، اس دوران شاذیہ کے والد نے میرے خلاف ہائی کورٹ میں کیس کردیا اور میں نے ہائی کورٹ میں شاذیہ کے حلف نامہ کے

کاغذات داخل کردیئے اور ہم گھر واپس آ گئے، پھر میں نے شاذیہ کو چند معزز حضرات کے ہمراہ اس کے گھر بھیج دیا، پھر شاذیہ میرے گھر واپس آ گئی اور ہم دونوں پھر ایک ساتھ زندگی گذانے لگے؛ لیکن شاذیہ چند دنوں کے بعد ایک بورڈنگ اسکول میں گھر سے باہر نوکری کرنے لگی بطور ٹیچر کے اس وجہ سے ہم دونوں کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے اور شاذیہ کے والد نے ایک طلاق نامہ تیار کرایا اور مجھ سے طلاق مانگی، میں نے طلاق دیدی، زبانی طور سے اور اس کاغذ پر شاذیہ اور میں نے دستخط کردیئے، گواہوں نے بھی دستخط کردیئے؛ لیکن دماغی طور پر ہم لوگ اس طلاق کے لئے تیار نہیں تھے، چند دنوں بعد شاذیہ پھر میرے گھر آ گئی اور ہم دونوں پھر سے ازدواجی زندگی گذارنے لگے، شاذیہ کی عمر ۳۲؍ سال اور میری عمر ۳۱؍ سال ہے، شاذیہ مرزا برادری کی ہے اور میں تیلی برادری کا ہوں؛ لیکن اس کی بدزبانی کی وجہ سے بہت زیادہ اختلافات ہوگئے، جس کی وجہ سے میں نے شاذیہ کو طلاق کا لفظ تین بار ایک ساتھ کہہ دیا، شاذیہ کی موجودگی میں، لیکن شاذیہ اس طلاق کو ماننے کو تیار نہیں ہے، وہ کہتی ہے کہ یہ غصہ کی حالت میں کہا گیا ہے، اور شاذیہ میرے گھر سے جانے کو تیار نہیں ہے، میں جاننا چاہتا ہوں کہ ان واقعات کی روشنی میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد عرفان، ملک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی تفصیل کے مطابق آپ نے شاذیہ کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد اختلافات پیدا ہونے پر اسے طلاق دیدی ہے، تو اگر شروع ہی میں تین طلاقیں دی گئی تھیں، تو وہ اسی وقت سے آپ کے نکاح سے الگ ہوچکی ہے اور اگر اس وقت تین سے کم طلاق دی تھیں اور عدت کے اندر اندر وہ آپ کے پاس لوٹ آئی تھی، پھر آپ نے تین طلاقیں دیدیں، تو اب اس کے مطلقہ مغلظہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا اور اس کے طلاق نہ ماننے سے مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اب آپ کا اس سے ازدواجی تعلق قطعاً حرام ہے اور عدت تین حیض کے بعد اس کا آپ کو اپنے گھر میں رکھنا بھی قطعاً جائز نہیں ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الاشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

الصريح يلحق الصريح. (شامي، كتاب الطلاق،باب الكنايت، كراچي ۳/۳۰٦، زكريا٤/٥٤٠)

وصحة الطلاق فيها أي في العدة. (شامي، باب العدة، كراچي ۳/٥۰٤، زكرياه/۱۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۳۸۴/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۳۰ھ

طلاق مغلظہ

سوال [۶۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید چکر کی ملک کا رہنے والا ہے زید کی شادی سیدھی سرائے مرادآباد عرصہ ساڑھے چھ سال کا ہوا ہوئی تھی تقریبا دس ماہ پہلے زید کی بیوی نے زید کی نافرمانی کی اور زید کے ساتھ بدکلامی کی جس سے زید نے انتہائی غصہ میں آکر دو عورتوں کی موجودگی میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی، اس طرح سے تین بار کہا ''میں نے تجھے طلاق دی'' چنانچہ اس دن زید کی بیوی نے کسی کو بھیج کر میکے سے اپنی بڑی بہن کو بلوایا، بڑی بہن نے آکر زید کو اور اپنی بہن کو کسی طرح سے سمجھا کر اسی طرح سے رہنے کو کہا، زید اور اس کی بیوی اسی طرح سے رہتے رہے، اس کے کچھ مہینے بعد زید اپنے کام روزگار سے بے کار ہوگیا، اس نے اس بات کا علماء سے ذکر کیا علماء نے فرمایا تم نے طلاق شدہ بیوی کو اپنے ساتھ رکھ کر بہت بڑا گناہ کیا ہے؛ لہٰذا زید نے فیصلہ کیا کہ اب میں اپنی بیوی کو نہیں رکھوں گا، شادی کے اس عرصہ میں زید کی بیوی سے کوئی بچہ نہیں ہوا ہے، زید اپنے باپ کا اکلوتا لڑکا ہے؛ جبکہ زید کی بیوی

بہت تیز اور نہایت بدکلام ہے، جس کے محلّہ والے اور پڑوسی سب شاہد ہیں زید کی بیوی زید کی شان میں گالیوں تک کا استعمال کرنے تک سے گریز نہیں کرتی اپنی ساس کی جو کہ ۷۰ر سال کی عمر کو پہونچ چکی ہیں کوئی خدمت نہیں کرتی، زید کی بیوی تقریباً بیس دن ہوئے اپنے میکے چلی گئی، بیوی کے بڑے بھائی کسی آدمی کو لے کر گاؤں چکر کی ملک کے معزز اور بڑے آدمی کے پاس بات کرنے کی غرض سے تشریف لائے، بات چیت کا سلسلہ شروع ہو جانے کے بعد بات اس نتیجے پر پہونچی کہ بڑے آدمی نے زید کی بیوی کے بھائی سے کہا کہ صبح کو لڑکی کو زید کے گھر پہونچا دیں، اس پر زید نے کہا کہ میں کس رشتے سے اس کو رکھوں گا، اس پر معزز آدمی نے زید کو خاموش کردیا اوران کے فیصلے کے مطابق دوسرے دن شام کو زید کی بیوی کو اس کے بھائی نے زید کے گھر پہونچا دیا، اس شکل میں کیا گناہ ہے اور کون کون گنہگار ہیں؟ تحریر فرمادیں؛ جبکہ زید کے پڑوسی او محلے والوں کو اس بات کا علم ہے کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، زید کی بیوی کہتی ہے کہ میں اسی وقت گھر سے نکلوں گی جب مجھے میرے مہر کے دس ہزار روپئے دیدوگے، زید مزدور اور غریب ہے، وہ اتنی طاقت نہیں رکھتا ہے کہ مہر کی رقم ادا کر سکے؛ جبکہ زید کی بیوی کے میکے والے زید کو جان سے مار ڈالنے کی دھمکیاں بھی دیتے ہیں، اگر زید کی بیوی رہنا چاہتی ہے، تو کیا کرنا ہوگا اور اگر نہیں رہنا چاہتی تو کیا کرنا ہوگا؟ اور زید جبکہ غریب ہے، تو اس کے مہر کی ادائے گی کی آسان ترکیب کیا ہوگی؛ جبکہ زید بیوی کی بدزبانی سے اتنا نالاں ہے کہ زید کے دل میں بیوی کی طرف سے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، زید پر دباؤ ڈال کر بیوی کو رکھنے پر مجبور کیا جارہا ہے، زید کی بیوی بات بات پر کلام مجید کی قسمیں کھانے کی عادی ہے، اس صورت میں جبکہ زید کی بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ہے، تو کیا زید کو دوسری شادی کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

المستفتی: رفعت علی خاں معرفت ڈاکٹر تاج، چوراہا شاہ بلاقی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید اپنی بیوی کو تین طلاق دے چکا ہے،

تو بیوی زید پر بالکل حرام ہوچکی ہے، اس کو ساتھ رکھنا حرام کاری ہے اور جو لوگ طلاق کے بعد بیوی کو زید کے گھر رکھوا رہے ہیں، وہ سب لوگ سخت معصیت اور گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوچکے ہیں، ان پر توبہ لازم ہے اور زید پر لازم ہے کہ فوراً بیوی کو اپنے سے الگ کردے ورنہ سخت ترین عذاب الٰہی مسلط ہونے کا خطرہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۰/۳۰۶، ۱۰/۳۱۷)

ومفاده أنه لو وطئها بعد الثلاث في العدة بلا نكاح عالماً بحرمتها لا تجب عدة أخرى؛ لأنه زناً. (شامي، باب العدة، كراچي ۳/۵۱۸، زكريا ۵/۲۰۰)

اور اگر بیوی کو دوبارہ رکھا جائے، تو حلالہ شرعیہ کے بعد نکاح کر کے رکھا جاسکتا ہے، اس کے بغیر نہیں۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۷، رقم: ۷۵۰۳)

نیز جب شوہر نے طلاق دیدی ہے، تو اس پر بیوی کا مہر ادا کرنا واجب ہوگا اور اگر زید پورا مہر اکھٹا ادا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا، تو اس کی آمدنی اور روزگار کی رعایت رکھتے ہوئے قسط باندھ دی جائے اور علاقہ کے معزز افراد جانبین کی رعایت رکھ کر قسط مقرر کردیں اور زید قسطوار ادا کرتا رہے، نیز زید کو دوسرا نکاح کرنے کا شرعاً ہر وقت حق ہے۔

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين سواء كان مسمىٰ، أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيئ بعد ذلك. (هندية، الباب السابع في المهر، زكريا قديم ۱/۳۰۳، جديد ۱/۳۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۴۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱۱/۴ھ

طلاق ثلاثہ سے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب

سوال [۶۶۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اولاً قمر الدین کی کیفیت تحریر کرتا ہوں کہ قمر الدین کو بلڈ پریشر کی شکایت ہے، جب کبھی ذہن پر زیادہ لوڈ پڑتا ہے، تو اپنی عاقبت سے بے خبر ہوکر زبان کا استعمال کرتے ہیں، چھوٹے بڑے کا لحاظ جاتا رہتا ہے اور جب اس سے زیادہ ہوتا ہے، تو پورا بدن کانپنے لگتا ہے، اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے تو بے ہوش ہوجاتے ہیں جیسا کہ اس سے قبل دو یا تین بار بے ہوش ہوچکے ہیں اور گر کر زخمی ہوچکے ہیں۔

قمر الدین کے گھر میں اکثر بھائیوں میں جھگڑا ہوا کرتا تھا اور والدہ صاحبہ میں، درج ذیل مسئلہ میں ایک دن قبل بھائی سے تو تو میں میں ہوئی اسی دن والدہ صاحبہ کو اسپتال لے کر جانا تھا، مگر وہ بھی انکار کرگئیں جس سے قمر الدین کو دلی رنج وصدمہ ہوا؛ اس لئے کہ قمر الدین اپنی والدہ کا دل سے ادب واحترام کرتا ہے، انہیں وجوہ کی بناء پر اور مزید چند گھنٹہ ہی بند کرنے کے بعد آنکھ کھلی تو والدہ کی آواز کانوں میں پڑی کہ ٹکٹ منگادو، ہم گھر جائیں گے جس سے قمر الدین کو اور بھی تکلیف ہوئی اور بھائی سے بھی کچھ باتیں ہوئیں، جس سے مندرجہ بالا کیفیت طاری ہونے لگی، تو انہوں نے کہا کہ لو امی جان ہم نے طلاق طلاق طلاق دی، اس کے بعد ان کی والدہ نے صحیح نہ سمجھنے کی بناء پر دوبارہ پوچھا کہ یہی رہ گیا تھا کہنے کو یہی باقی تھا، تو قمر الدین بے قابو ہوکر کہنے لگا ہاں تم فلاں فلاں کی وجہ سے طلاق طلاق طلاق دی، پھر قمر الدین کا بدن کانپنے لگا، گرتے گرتے جاکر لیٹ گیا، بقول لوگوں کے قمر الدین سے ایک گھنٹہ کے بعد کچھ دور فاصلہ پر ایک مکان میں کچھ سوالات کئے اور قمر الدین نے جواب بھی دیا، جس میں ان کی اور ان کی بیوی کی برائیاں کی گئیں تو قمر الدین نے کہا کہ تم لوگوں کی بناء پر ہی ایسا کیا ہے۔

اب قمرالدین یہ کہتا ہے کہ ہم کو ان باتوں کا کوئی علم نہیں ہے، قمرالدین کا اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ نہ تھا، نہ کوئی رنجش تھی، نہ وہ وہاں پر حاضر تھی، نہ ہی قمرالدین کے ذہن میں تھی، قمرالدین کی بیوی سے پندرہ یوم قبل ہی ایک بچی کی پیدائش وجود میں آئی ہے، جس سے بیوی حد سے زیادہ پریشان ہے اور مرنے جینے کو تیار ہے، مگر ساتھ چھوڑنے کو تیار نہیں اور قمرالدین کی بھی قریب قریب یہی کیفیت ہے، بہت پریشان ہے، اب ان مذکورہ بالا حالات میں آیا طلاق کا وقوع ہوا یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کون سی ہوئی ؟ اور اس کا حکم کیا ہے؟ مدلل ومفصل تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد اصغر، قمرالدین خاں، بمعرفت مولانا نثار احمد، مدرس مدرسہ امدادیہ، مرادآباد

جواب منجانب: مفتی عزیزالرحمٰن صاحب مدرسہ عربیہ امدادیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں جو کیفیت درج ہے، اس کے مطابق قمرالدین بعض اوقات دماغی خلل میں مبتلا ہو جاتا ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ خلل کا غلبہ اس طرح ہو کہ خلاف عادت اقوال وافعال کا بلا قصد صدور ہونے لگے، تو جب تک یہ کیفیت باقی رہے ان اوقات میں کوئی حکم ایسے شخص کے قول پر مرتب نہ ہوگا۔

علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

فالذي ينبغي التعويل عليه في المدهوش ونحوه إناطة الحكم بغلبة الخلل في أقواله، وأفعاله الخارجة عن عادته. وكذا يقال فيمن اختل عقله لكبر، أو لمرض، أو لمصيبة فاجأته فما دام في حال غلبة الخلل في الأقوال، والأفعال لا تعتبر أقواله وإن كان يعلمها ويريدها. (شامي، کراچی مطب فی طلاق المدهوش ۳/ ۲٤٤)

اس بحث میں چند سطر قبل یہ بھی تحریر ہے کہ اگر کسی شخص کی یہ کیفیت معلوم ہے، تو اگر وہ دعویٰ کرے، تو بغیر کسی ثبوت کے طلب کئے ہوئے اس کی بات تسلیم کی جائے گی۔

وإذا كان يعتاده بان عرف منه الدهش مرة يصدق بلا برهان.

لہٰذا اگر واقعی زید کی یہی کیفیت ہے، جو سوال میں ذکر کی گئی اور جو واقعہ پیش آیا، وہ ایسی حالت میں پیش آیا، تو طلاق واقع نہ ہوگی؛ البتہ ایک گھنٹہ کے بعد کی جس گفتگو کا حوالہ ہے، اس سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اس واقعہ کے وقت وہ صحیح الدماغ تھا، یہ بات تو عینی شاہدین ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں؛ لیکن اگر قطعیت کے ساتھ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور قمرالدین پر سائل کی تحریر کے مطابق اس طرح کے دورے پڑتے ہی رہتے ہیں، تو پھر اس کی بات تسلیم کی جائے گی اور اس حالت میں جو طلاق دی، اس کے متعلق شرعی حکم یہی ہوگا کہ طلاق نہیں ہوئی۔

دوسری بات قابل توجہ یہ ہے کہ سوال میں جو تفصیل درج ہے، اس کی رو سے جھگڑا نہ تو بیوی کے متعلق تھا، نہ بیوی سے تھا، نہ اس کا کوئی ذکر آیا، نہ ہی وہ وہاں موجود تھی اور قمرالدین کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں، ان میں بھی کہیں بیوی کا نام یا اسے خطاب نہیں ہے؛ بلکہ اس کے برخلاف ماں کو خطاب ہے (لو امی جان طلاق طلاق طلاق) اس صورت میں اگر قمرالدین یہ نہ کہے کہ بیوی ہی کو طلاق دینا مقصود تھا، تو شرعاً کوئی وجہ نہیں کہ الفاظ منقولہ سے اس کی بیوی پر طلاق کا حکم ہوسکے؛ لہٰذا یہ طلاق واقع نہیں مانی جائے گی، دونوں اب بھی میاں بیوی ہیں اور حسب دستور ساتھ رہ سکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: عزیز الرحمٰن عفی عنہ

۱۴؍ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

جواب منجانب: دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قمرالدین کا نہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ تھا اور نہ ہی کوئی آپسی رنجش تھی اور نہ ہی بیوی اس جگہ پر موجود تھی اور نہ ہی طلاق کے ساتھ بیوی کا نام لیا ہے اور نہ مذکورہ جھگڑا بیوی سے متعلق تھا اور نہ ہی ماں اور بھائیوں وغیرہ کے بیوی کی

شکایات کرنے کی بناء پر صدمہ پہونچا ہے اور نہ ہی والدہ کا ہسپتال جانے سے انکار کرنا قمرالدین کی بیوی سے صدمہ پہونچنے کی بناء پر تھا؛ بلکہ صرف والدہ اور بھائیوں سے اختلاف وصدمہ کی وجہ سے بے خبری میں بے مقصد اور مہمل طور پر قمرالدین کی زبان سے طلاق کا جملہ نکلا ہے، تو عدم وقوع طلاق کے حق میں احقر حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے جواب کی تصدیق کرتا ہے اور اگر ایک دن پہلے بھائی سے بیوی کی وجہ سے جھگڑا ہوا ہے اور والدہ اسی بناء پر قمرالدین کے ساتھ ہسپتال نہیں گئی ہے یا والدہ کو الگ سے بیوی کی طرف سے صدمہ ہوا ہے جس کی وجہ سے ہسپتال جانے سے انکار کردیا ہے اور قمرالدین کی والدہ نے گھر جانے کے لئے جو ٹکٹ منگانے کو کہا ہے، وہ قمرالدین کی بیوی کے ساتھ رہ کر نباہ نہ ہونے اور اس کی بیوی سے صدمہ پہونچنے کی بناء پر ہے اور والدہ کو بیوی کی طرف سے مطمئن کرنے کے لئے طلاق کا جملہ زبان سے نکلا ہے، تو قمرالدین کی بیوی پر شرعاً طلاق واقع ہوچکی ہے، اگرچہ بیوی وہاں پر موجود نہ رہی ہو اور نہ ہی بیوی کا نام لیا ہو؛ اس لئے کہ ایسی حالت میں بیوی کے موجود ہونے اور نام لینے کی ضرورت نہیں ہوتی؛ بلکہ جھگڑا اور اختلاف کا قرینہ بیوی کی طرف طلاق کے منسوب ہونے کے لئے کافی ہے۔

ولایلزم کون الإضافة صریحة في کلامه (إلی قوله) لأن العادة أن من له امرأة إنما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها. (شامي، کتاب الطلاق، باب الصریح، کراچي ۳/۲٤۸، زکریا ٤/٤٥۸)

نیز اگر مدہوشی کے حالت میں طلاق دے کر اس کو یاد نہیں رہا ہے؛ لیکن آدمیوں نے اس کو بتلایا ہے کہ تم نے ایسے الفاظ زبان سے ادا کئے اور ان کے قول پر قمرالدین کو اعتماد ہے، تو طلاق ثابت ہوجائے گی اور قمرالدین کے لئے بیوی حلال نہ ہوگی۔

قال في الولوالجیة إن کان بحال لو غضب یجری علی لسانه ما لا یحفظه بعده جاز له الاعتماد علی قول الشاهدین الخ .

(شامي، کراچي ۳/۲٤٤ زکریا ٤/٤٥۳)

اب اس تحریر کے بعد قمرالدین خوداپنے حالات کا جائزہ لے کہ اس نے کس حالت اورکس موقع پر طلاق دی ہےاور خدائے علیم وحکیم سے ڈرے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷؍۲۶۲۸)

طلاق ثلاثہ اور میرا کوئی خدا نہیں کہنے کا حکم

سوال [۶۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے خاوند نے تقریباً ایک سال پہلے فون پر کسی بات پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ ''تمہیں طلاق، طلاق، طلاق، طلاق، طلاق، طلاق'' پانچ چھ مرتبہ کہا، ابھی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ میں نے فون کاٹ دیا، اس کے بعد دوسرے ہی دن میرے صاجبزادے سے شوہر نے کہا کہ میں تمہاری ماں کو ہزار مرتبہ طلاق دوں گا اور رکھوں گا۔

نوٹ: اس واقعہ کے بعد وہ طلاق دینے سے مکر گئے (یعنی طلاق کا انہوں نے انکار کیا
نیز میرے شوہر نے اپنی والدہ سے فون پر بات کرتے ہوئے کہا (جبکہ لاؤڈ اسپیکر آن تھا اور وہاں تین چار آدمی موجود تھے اور ان سبھوں نے اس کے کلام کو سنا ہے) کہ میرا کوئی خدا نہیں اور خود مجھ سے بھی اکثر یہ کہتے کہ ''میں خدا کو نہیں مانتا'' میں تو کافر ہو گیا ہوں اور کافر ہوں، اس طرح کے جملے باربار کہے؛ لیکن دوسری طرف وہ نماز بھی پڑھتا ہے اور روزہ بھی رکھتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) میرا اس شوہر کے ساتھ رہنا شرعاً کیسا ہے؟ اور کیا فون پر اس کے ''تمہیں طلاق، طلاق، طلاق، طلاق، طلاق'' کہنے کی وجہ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کونسی طلاق واقع ہوئی ؟

(۲) شوہر کا یہ کہنا کہ ''میرا کوئی خدا نہیں ہے، میں خدا کو نہیں مانتا، میں کافر ہو گیا ہوں

اور میں کافر ہوں'' شرعاً کیسا ہے؟ اور کیا یہ شخص ان جملوں کے کہنے کی وجہ سے دائرۂ اسلام میں داخل رہا یا نہیں؟ اگر دائرۂ اسلام سے خارج ہوگیا تو تجدید نکاح ضروری ہے یا نہیں؟

نوٹ: نیز میرا شوہرابھی فی الحال سعودی میں ہے، اس واقعہ کے بعد واپسی نہیں ہوئی ہے، واپسی کے بعد اگر وہ ان باتوں سے مکر گیا تو کیا حکم ہوگا؟ جبکہ یہ ایسا شخص ہے کہ ہر چھوٹی چھوٹی باتوں پر خدا اور قرآن کی قسم کھانے لگتا ہے۔

شریعت اسلامیہ کی روشنی میں دونوں جز کا جواب عنایت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں عین کرم ہوگا۔

المستفتیہ: انجم رحمٰن، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) صورت مسئولہ میں آپ کے شوہر کا آپ سے فون پر یہ کہنا کہ ''تمہیں طلاق، طلاق، طلاق، طلاق، طلاق'' سے آپ پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر کے لئے آپ قطعی طور پر حرام ہوگئیں، اب آپ کا اپنے شوہر کے ساتھ رہنا ناجائز اور حرام کاری ہوگی۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الاشباہ والنظائر قدیم۹ ۲۱، جدید زکریا ۳۷٦)

کرر لفظ الطلاق وقع الکل. (شامي، کتاب الطلاق، باب طلاق غیر المدخول بها، زکریا ٤/ ٥٢١، کراچي ٣/ ٢٩٣)

وفي الظهيرية: متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (الفتاوی التاتارخانية ٤/ ٤٢٧، رقم: ٦٥٩٠، هندية، زكريا قديم ١/ ٣٥٦، جديد ١/ ٤٢٣)

(۲) آپ کے شوہر کا یہ کہنا کہ ''میرا کوئی خدا نہیں'' اور ''میں کافر ہوگیا ہوں'' ایسے الفاظ کا کہنا کفر ہے، اس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج ہوگیا ہے، اس کے اوپر تجدید ایمان لازم ہے اور چونکہ نکاح طلاق کے ذریعہ سے پہلے ہی ختم ہو چکا ہے، اس پر کوئی اثر نہیں پڑا،

اگر نکاح باقی رہتا تو ان الفاظ کے ذریعہ نکاح ختم ہو جاتا۔

مسلم قال: أنا ملحد يكفر. (هندية، زكريا قديم ۲۷۹/۱ جديد ۲۸۹/۱)

مسلم قال: أنا ملحد يكفر؛ لأن الملحد هكذا. (المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٤٢٥/٧، رقم: ٩٢٧٦، كراچي ٥٧٣/٥)

من أتىٰ بلفظة الكفر مع علمه، أنها لفظة الكفر عن اعتماد، فقد كفر ولو لم يعتقد أو لم يعلم أنها لفظة الكفر؛ ولكن أتىٰ بها على اختيار فقد كفر عند عامة العلماء لا يعذر بالجهل. (تاتارخانية، زكريا ۲۸۲/۷، رقم: ۱۰٤۸۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۱۳/۴۰)

تین مرتبہ طلاق دیدی واقع ہوئی یا نہیں؟

سوال [٦٦٢٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ادریس جس نے اپنی بیوی کنیز فاطمہ کو تین مرتبہ طلاق دیدی، تو طلاق ہوئی یا نہیں؟ طلاق دیتے وقت لڑکے کے ماں باپ بھی موجود تھے، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد یٰسین، محلّہ درزیان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب شوہر نے تین طلاق دیدیں تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی صحیح نہ ہوگا۔

عن سماک قال: سمعت عكرمةؓ يقول: الطلاق مرتان: فإمساك بمعروف، أو تسريح باحسان، قال: إذا طلّق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نكحها، وإذا طلقها ثنتين فإن شاء نكحها، فإذا طلقها ثلاثاً فلا تحل له حتى

تنكح زوجاً غيره. (المصنف لإبن أبي شيبة، ما قالوا في الطلاق مرتان مؤسسه علوم القرآن بيروت ١٠/١٩٧، رقم:١٩٥٦٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، قدوري، امداديه ديوبند ١٧٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ٢/٨٨، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شوال المکرّم ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۹۱۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۱۰؍۱۴۲۱ھ

ایک ہی سانس میں تین مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں مستجاب حسین ولد محمد ایوب، محلّہ: اصالت پورہ نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں ایک ہی سانس میں تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا یعنی طلاق طلاق طلاق تو کیا طلاق واقع ہوگئی؟

المستفتی: مستجاب حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک ہی سانس میں تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے بیوی پر تین طلاق معتبر ہوکر تین طلاق ہوجاتی ہیں؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں مستجاب کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں۔ اب بلا حلالہ شرعیہ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الاشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۱۴۱/۷۸۴)

میں تجھے تین طلاق دیتا ہوں

سوال [۶۶۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رحمت عالم نے اپنی بیوی زیب النساء کو کہا کہ میں تجھے تین طلاق دیتا ہوں، اس کے بعد طلاق طلاق طلاق کہا، اسی کا کہنا ہے کہ بعد کے تین لفظوں سے میں نے پہلی طلاق کو ثابت کیا ہے، تو کیا زیب النساء پر طلاق ہوگئی اور یہ بھی بتائیں کہ کتنی ہوئیں؟ ایک مولوی نے بتایا کہ ایک طلاق ہوئی۔

المستفتی: فرحت عالم، بڑھاپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رحمت عالم کے اس جملہ ''کہ میں تجھے تین طلاق دیتا ہوں'' سے اس کی بیوی زیب النساء پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں، بعد کے الفاظ زائد ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۵/۱۲۹)

وفي الشامية: (ثلاثة متفرقة) وكذا بكلمة واحدة بالأولى ......وذهب جمهور الصحابة، والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث. (شامي، كراچي ٣/٢٣٢، زكريا ٤/٤٣٤، فتح القدير، دارالفكر بيروت ٣/٤٦٩، كوئٹه ٣/٣٣٠، زكريا ٣/٤٥١)

وفی الدر المختار: ولو قال: لموطوئة...... أنت طالق ثلثاً...... وقع. (در مختار، کراچي ۳/ ۲۳٤، زکریا ٤/ ٤۳۷، هکذا في الهندیة، زکریا قدیم ۱/ ۳۵۵، جدید ۱/ ٤۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ٦۷۰۸)

تنہائی میں طلاق ثلاثہ دینا

سوال [٦٦۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شوہر نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں؛ لیکن اس وقت وہاں موجود کوئی نہ تھا، یہاں تک کہ دو سال کا بچہ تک نہ تھا، کیا طلاق ہوگئی؟ اور وہ شخص اپنی اس غلطی پر بے حد شرمندہ ہے، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد ناظر حسین، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی کوئی شکل نہیں ہے۔

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسأل النبي صلی الله علیه وسلم، أ تحل للأول؟ قال: لا، حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الأول. (بخاري شریف، کتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندیة ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰٦۲، ف: ۵۲٦۱، سنن نسائي، کتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندیة ۲/ ۸٤، دارالسلام رقم: ۳٤٤۰)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، ثم یطلقها، أو یموت عنها. (هندیة،

زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٤/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍۳۲۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۱۳ھ

ڈرانے کی نیت سے طلاق مغلظہ دینا

سوال[٦٦٢٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے گھریلو جھگڑے اور ذہنی ٹینشن میں اپنی بیوی کو صرف ڈرانے کی نیت سے کہا میں نے طلاق دی اور پھر طلاق طلاق طلاق کہہ کر باہر چلا گیا، صرف ان الفاظ کے علاوہ میں نے کچھ بھی نہیں کہا؛ لہٰذا حضور والا سے درخواست ہے کہ شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتی: مدثر حسین، پیر کا بازار، سرسید نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں شوہر نے یہ کہا کہ میں نے طلاق دی، یہ طلاق میں صریح ہے اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، پھر اس نے لفظ طلاق کو تین مرتبہ مکرر استعمال کیا، تو مزید دو طلاقیں اور پڑ کر یہ عورت مغلظہ ہوگئی، اب بدون حلالہ اس کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے۔

عن سماک قال: سمعت عكرمةؓ يقول: الطلاق مرتان: فإمساک بمعروف، أو تسريح باحسان، قال: إذا طلّق الرجل امرأته واحدة، فإن شاء نكحها، وإذا طلقها ثنتين فإن شاء نكحها، فإذا طلقها ثلاثاً فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (المصنف لإبن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن بيروت ١٠/١٩٧، رقم:١٩٥٦٤)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الاشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۲۷٦)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ۳/۲۹۳، زكريا ٤/ ٥۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۸۹۷۹)

شوہر اقرار کرے کہ میں نے تم کو ڈرانے کے لئے تین طلاق دیں

سوال [۶۶۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں اور بیوی کے درمیان اختلاف کے بعد لڑکی اپنے والدین کے گھر آگئی اور لڑکی نے دعویٰ کیا کہ لڑکے نے مجھے تین بار طلاق دی ہے اور لڑکے نے پنچایت میں اس سے انکار کیا؛ لیکن لڑکی کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے تم کو ڈرانے کے لئے طلاق دی تھی اور اس پر گواہ بھی موجود ہیں، لڑکی حاملہ بھی ہے۔

المستفتی: محمد شاداب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب شوہر نے لوگوں کے سامنے بیوی سے یہ کہہ دیا ہے کہ میں نے تم کو ڈرانے کے لئے طلاق دی تھی، تو اس سے طلاق کا اقرار ثابت ہوگیا اور جب تین مرتبہ طلاق دی ہے، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۳۰۹/۵، جدید زکریا ۲۶۷/۸)

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أو هازلاً وقع قضاءً. (شامي، كراچي ۳/۲۸۳، زكريا ٤/ ٤٤٠)

ولو قيل له طلقت امرأتک، فقال: نعم! أو بلیٰ بالهجاء طلقت.
(شامي، كراچي ۳/۲٤۹، زكريا ٤/٤٦٠)

وفي الخلاصة: قيل له ألست طلقتها؟ تطلق ببلیٰ. (شامي، كراچي ۳/۲۸۳، زكريا ٤/٥٠٨)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/٤۷۳، جديد ۱/٥۳٥، هداية اشرفي ديو بند۲/۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۳۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۷/۱۴۲۲ھ

ڈرانے کے لئے تین طلاق دینے سے وقوع طلاق

سوال [۶۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں، ایک مرد اور ایک عورت کی موجودگی میں؛ لیکن شوہر کہہ رہا ہے کہ میں نے بیوی کو ڈرانے کے لئے اس طرح کہا ہے، تو کیا اس صورت میں بھی طلاق واقع ہوجائے گی؟

المستفتی: نور محمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر تین طلاق دینے کا اقرار کررہا ہے، مگر ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ تین طلاق نیت و ارادہ سے نہیں دیں؛ بلکہ ڈرانے کے لئے دیدی ہیں؛ لیکن شریعت میں طلاق ایسی چیز ہے کہ مذاق میں دی جائے یا ڈرانے کے لئے دی جائے غلطی سے دی جائے، بہرحال طلاق

واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: ثلث جدهن جد، هزلهن جد، النكاح، والطلاق، والرجعة. الحديث (سنن الترمذي، ابواب ماجاء في الجد والهزل في الطلاق، النسخة الهندية ١/ ٢٢٥، دارالسلام رقم: ١١٨٤، سنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب الرجل يجحد الطلاق، النسخة الهندية ١٤٧، دارالسلام، رقم: ٢٠٣٩ مشكوة شريف ٢/ ٢٨٤)

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أو هازلاً وقع قضاءً. (شامي، كراچي ٣/ ٢٣٦، زكريا ٤/ ٤٤٠)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۲۳۵/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۷ھ

اپنے گھر والوں سے ڈر کر بیوی کو تین طلاق دینا

سوال [۶۶۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے اور میرے سسرال والوں کے درمیان کچھ آپسی رنجش چل رہی تھی، اور میری بیوی اپنے میکے میں تھی، میری سسرال والوں نے میرے گھر کہلا بھیجا کہ اپنی بیوی کو لیجاؤ، میرے والد نے کہلا بھیجا کہ بیس دن کے اندر لے جاؤں گا، ابھی بیس دن گذرنے بھی نہیں پائے تھے، یہاں تک میرے والد ایک غیر مسلم وکیل کو متعین کرکے گھر پر بلائے اور اس نے مجھ سے کہا کہ تم طلاق طلاق کہو، میں نے اپنے والد اور بھائیوں سے ڈرتے ہوئے تین مرتبہ طلاق طلاق کا لفظ کہہ دیا اور بیوی وغیرہ کا نام نہیں لیا، اس کے بعد وکیل نے فارم

پھر کر مجھ سے زبردستی دستخط لے لئے اوراس نوٹس کو میری سسرال بھیج دیا، جب نوٹس سسرال پہونچا تو انہوں نے واپس کر دیا اور کہا کہ اگر طلاق واقع ہوگئی تو قتل وغارت گری ہی ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ میری بیوی نکھار عرف بھوری کو طلاق پڑ گئی یا نہیں؟ جبکہ میں نے مجبوراً اس کا نام لئے بغیر طلاق طلاق طلاق کے الفاظ ادا کئے اور زبردستی مجھ سے دستخط لئے گئے۔ جلد جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد وسیم، محلّہ: زیارت، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں جب شوہر نے طلاق کے وقت اپنی زبان سے تین مرتبہ طلاق کے الفاظ جاری کر لئے ہیں، تو اس کی بیوی پر اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، زبردستی سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور مطالبۂ طلاق کے وقت بغیر نیت کے بھی طلاق صریح واقع ہو جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۵۴/۸، جدید ڈابھیل ۳۳/۱۲)

عن ابن عمرؓ قال: طلاق الکره جائز. (مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الكره، المجلس العلمي بيروت ٦/ ٤١٠، رقم: ١١٤٢١)

ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ حر، أو عبد، ولو كان الزوج مكرها، فإن طلاقه صحيح. (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٨، قديم ١/ ٣٨٤، شامي، كراچي ٣/ ٢٣٥، زكريا ٤/ ٤٣٨، هندية، زكريا قديم ١/ ٣٥٣، جديد ١/ ٤٢٠، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/ ٣٩٥، رقم: ٦٥١٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رصفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۰۳۴)

محض تین طلاق کا اقرار کرنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید نے اپنی منکوحہ کو دوبار کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی؛ لیکن اس کی شریک حیات نے مزید یہ اور یاد دلایا کہ آپ نے قبل چھ ماہ مجھے یہ کہا تھا کہ میں تجھے آزاد کردوں گا یا کردیا، یہ بات میری سمجھ میں صحیح نہیں آئی کہ آزاد کردوں گا کہا تھا یا کردیا کہا تھا، یہ بات شک کے دائرہ میں ہے، لڑکا (زید) اس بات سے انکار کرتا ہے کہ میں نے تو ایسا کبھی نہیں کہا لڑکی کہتی ہے کہ آپ نے کہا ہے، اچھی طرح یاد کرو، بقول اپنی بیوی کے آزادکردوں گا یا کردیا کو تیسری طلاق مان کر باہر جاکر اخبار کی نیت کے طور پر دوبار طلاق دی، طلاق دی اور تیسری مرتبہ جو میری بیوی نے کہا تھا کہ چھ ماہ قبل تم نے یہ کہا تھا کہ میں تجھے آزادکردوں گا یا کردیا، میں نے اسے طلاق شمار نمبر تین کا عارضی طور پر درجہ دیتے ہوئے پہلے شخص سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو شمار نمبر تین کی طرح تین بار طلاق دی ہے، اس کے بعد دوسرے شخص نے مولانا صاحب سے اپنے کسی ملنے والے کی آڑ میں یہ کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو شمار نمبر تین کی طرح تین بار طلاق دیدے، تو انہوں نے اپنی گردن ہلادی، زبان سے کچھ نہیں بولا؛ کیونکہ اس وقت وہ مدرسہ میں بچوں کو پڑھا رہے تھے، اگر وہ دونوں شخص اس بات کی گواہی دیدیں کہ زید نے ہم سے تین بار طلاق دینے کا اقرار کیا ہے، کیا ان کی گواہی درست مانی جائے گی؟ مثلاً ایک طالب علم نے امتحان میں تین سوال حل کئے ہوں، ان میں سے دو سوال صحیح ہوں اور ایک سوال غلط تو شمار نمبر تین ہی رہے گا، اسی طرح دو ہی طلاق مانی جائیں گی؟ طلاق کا شمار نمبر بھلے ہی تین ہے آزاد کردوں گا یا کردیا، جو شک کے دائرے میں ہے اس جملہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، جس وقت زید نے اپنی منکوحہ کو طلاق دی اس وقت وہ پانچ ماہ کی حاملہ تھی اور جب تک بچہ پیدا ہوا، تب تک وہ زید کے ہی ساتھ رہتی رہی، عرصہ چار ماہ کے دوران رجوع بھی ہوا، جب دوران ولادت طفل رجوع ہوگیا، تو لڑکی بدستور پہلے کی طرح زید کے نکاح میں آگئی، اس کے بعد گواہوں کی، گواہی بے معنی مسترد ہوجاتی ہے، اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

المستفتی: سرفراز بن محمد حنیف، پہاڑی دروازہ، نئی بستی، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ پرغور کیا گیا،اس میں دوطلاق کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں؛ لیکن تیسری طلاق کے بارے میں شکوک وشبہات ظاہر کئے گئے ہیں، میاں بیوی کے درمیان چھ ماہ پہلے کے واقعہ کے بارے میں گھر میں اختلاف ہورہا ہے؛ لیکن باہر آکر کے جب شوہر نے کسی کے سامنے اس بات کا اقرار کرلیا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کوشمار نمبر تین کی طرح تین بار طلاق دی ہے،تو صرف اس اقرار کی وجہ سے تین طلاق واقع ہوگئیں ہیں، چاہے اس سے پہلے واقعہ میں طلاق نہ دی ہو، اس لئے کہ محض اقرار کی وجہ سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ واقعہ میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔اب آئندہ بغیر حلالہ شرعیہ کے جانبین میں نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

عن سماک قال: سمعت عکرمةؓ یقول: الطلاق مرتان: فإمساک بمعروف، أو تسریح باحسان، قال: إذا طلّق الرجل امرأته واحدة، فإن شاء نکحها، وإذا طلقها ثنتین فإن شاء نکحها، فإذا طلقها ثلاثاً، فلا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره. (المصنف لإبن أبي شیبة، مؤسسه علوم القرآن بیروت ۱۰/۱۹۷، رقم: ۱۹۵٦٤)

ولو أقر بالطلاق کاذباً، أو هازلاً وقع قضاءً لا دیانة. (شامي، کتاب الطلاق، قبیل مطلب في المسائل التی تصح مع الإکراه، زکریا ٤/٤۰۰، کراچي۳/۲۳٦)

إن من أقر بطلاق سابق یکون ذلک إیقاعاً في الحال؛ لأن من ضرورة الاستناد الوقوع في الحال وهو مالک للایقاع غیر مالک للإستناد. (المبسوط للسرخیسي، کوئٹه ٤/۱۰۹، بحواله محمودیه جدید۱۳/۳۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۹۹۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰؍۳؍۱۴۳۱ھ

تین طلاق کے اقرار کرنے کا حکم

سوال [۶۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شاہانہ پروین کی شادی عبدالقیوم کے ساتھ ہوئی، پندرہ سال شادی کو ہوگئے، جب سے شادی ہوئی روزکسی نہ کسی بات پر جھگڑا کرتی ہے، ایک روز صبح چائے بنانے بیٹھی تو غصہ میں چائے ہاتھ پرڈال دی،تو اس وقت بھی دوبار طلاق ہوئی، پھر بھی وہ رہتی رہی ایک مرتبہ شوہر دہلی گئے ہوئے تھے،تو آکر دیکھا ایک غیر مرد بیٹھا ہوا ہے،تو اسے دیکھ کر غصہ میں آکر پھر طلاق دی، اس بات پر محلّہ والے بھی گواہ ہیں،رمضان میں رپورٹ کرادی، بلا وجہ سب کے سامنے طلاق ہوئی گواہ شعیب، زبیر اوران کی والدہ موجود تھی جس وقت شاہانہ کے گھر والے آئے تو ان کے سامنے بھی تین طلاق دیں، اور میں عبدالقیوم خود تین بار طلاق دینے کا اقرار کرتا ہوں۔

المستفتی: عبدالقیوم، پیرزادہ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب شوہر عبدالقیوم خود تین بارطلاق دینے کا اقرار کررہا ہے،تو ایسی صورت میں اس کی بیوی شاہانہ پروین پرطلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور وہ اپنے شوہر پر قطعی طور پرحرام ہوگئی۔اب بدون حلالہ شرعیہ کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنا بھی درست نہیں ہے۔

عن عائشة رضـ **قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً،لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه.** (دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم:٣٩٣٢)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۶۱)

شوہر کا تین مرتبہ طلاق کا اقرار کرنا

سوال [۶۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اختر حسین ساکن محلّہ لالباغ، مرادآباد، اپنے گھر پر کھانا کھا رہا تھا، میری بیوی سے کچھ کہا سنی ہوگئی میری بیوی بہت زیادہ زبان دراز ہے، جس کی وجہ سے جھگڑا کچھ زیادہ بڑھ گیا اور خوب گالم گلوچ ہوگئی، بہت سمجھانے پر بھی نہیں مانی مجھے بہت زبردست غصہ آ گیا اور میں نے طلاق دیدی، میری والدہ شمیمہ بیگم نے بھی میری بیوی شاکرہ بیگم کو بہت سمجھایا؛ لیکن وہ نہیں مانی جس کی وجہ سے مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا، اسی دوران میرے بھائی انور حسین جو کہ رشتے میں میرے ساڑھو بھی ہوتے ہیں اوپر آ گئے، ان کی بیوی یعنی میری سالی بھی موجود تھی، ان کے سامنے میں نے تین مرتبہ پھر طلاق دی کہ میں نے تجھے طلاق دی اور شاکرہ کی بہن اس کو نیچے لے گئی، اس کے بعد محلے کے پڑوسی بھی شور وغل سن کر آ گئے، ان کے سامنے بھی ۳؍مرتبہ طلاق کے کلمات دہرائے اس بات کے گواہ میرے بھائی انور حسین اور چھوٹے خان ہیں اور اس بات کو شاکرہ کے رشتہ دار ماں باپ اور بہن وغیرہ پر ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں؛ جبکہ اس کی بہن نے اور کچھ لوگوں نے خود طلاق کے لفظ اپنے کانوں سے سنے ہیں اور اسی وقت اس کو برقعہ اڑھا کر مع سروسامان

کے جس میں زیور بھی تھا لے گئے؛ لہٰذا مفتی حضرات سے اسلام کی روشنی میں اس کا فتوی چاہتے ہیں، شاکرہ کو کچھ دن حمل کے چڑھے ہوئے تھے۔

المستفتی: اختر خان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب شوہر نے خود تین مرتبہ طلاق دینے کا اقرار کرلیا ہے، تو ایسی صورت میں گواہ وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں شرعاً بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اورحالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔اب بغیر حلالہ کے نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أو هازلاً وقع قضاءً. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التي تصح مع الاكراه، كراچي ۳/۲۳٦، زكريا٤/٤٤٠)

وطلاق الحامل يجوز. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳٥٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (الهندية، زكريا قديم ۱/٤۷۳، جديد ۱/٥۳٥، هداية اشرفي ديوبند۲/۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۶۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۲ھ

تین طلاق کا اقرار کرنے کے بعد ایک کا انکار کرنا

سوال [٦٦٣٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کا مردوں کی ایک مجلس میں اقرار کیا اور بیوی نے بھی اور ایک دوسری عورت نے بھی اقرار کیا اور دونوں کے درمیان فیصلہ جدائی ہونے کے ایک ہفتہ بعد شوہر بیوی اور دوسری عورت تین طلاق سے انکار کررہے ہیں اور شوہر بیوی دونوں کہتے ہیں کہ دو طلاق دیں اور کہتے ہیں کہ شوہر نے بیوی کو مارا اور کہا کہ اگر تو نے

میرے بھائی سے کہا، تو تجھے طلاق دیدوں گا اور بیوی نے شوہر کے بڑے بھائی سے کہہ دیا، بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو مارا تو شوہر نے بیوی کو دو طلاق دیں، تیسری طلاق دیتے وقت اس کے بڑے بھائی نے اس کے منھ پر ہاتھ رکھا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

المستفتی: محمد شاکر، موضع: چک گوردھن، پوسٹ: نہٹور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھوٹا اور غلط بیان دے کر فتوی لینے سے حرام چیز حلال نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے اگر آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کا اقرار کرلیا ہے جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے، تو اس سے آپ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں اور اب شوہر وبیوی کا میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنا بلا حلالہ شرعیہ جائز نہیں ہے اور تین طلاق کے انکار کے بعد دو طلاق کے اقرار کرنے سے بیوی حلال نہیں ہوگی۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أو هازلاً وقع قضاءً لا ديانةً. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التى تصح مع الاكراه، كراچي ٣/ ٢٣٦، زكريا ٤/ ٤٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۶ھ

میں اپنے ہوش وحواس میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں تین مرتبہ کہا

سوال [۶۶۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی فرحانہ کو آٹھ سال پہلے طلاق دی تھی، طلاق کا لفظ اس طرح تھا کہ ''میں اپنے ہوش وحواس میں اپنی بیوی فرحانہ کو طلاق دیتا ہوں، میں اپنے ہوش وحواس میں اپنی بیوی فرحانہ کو طلاق دیتا ہوں، میں اپنے ہوش وحواس میں اپنی بیوی فرحانہ کو طلاق دیتا ہوں'' اس طرح ایک ہی وقت میں تین بار کہلوایا گیا تھا، طلاق دیتے وقت میرا دماغی توازن ٹھیک نہیں تھا، کچھ گھر میں ایسی باتیں بھی ہوگئی تھیں، طلاق دینے کی اپنی میری مرضی نہیں تھی، مجھ سے جس طرح کہلوایا گیا تھا، وہ میں نے کہہ دیا تھا، طلاق دیتے وقت میری بیوی موجود نہیں تھی، میری ساس، سسر اور سب بھائی موجود تھے، میرے سسر ساس کا کہنا تھا کہ ہم نے ایک ہی بار یہ لفظ سنا تھا، تو مفتی صاحب اس صورت میں تین طلاق ہوئیں یا نہیں؟ اور طلاق کے بعد اس نے عدت بھی نہیں کی، میرے دو بیٹوں میں ایک پندرہ سال کا اور دوسرا دس سال کا ہے، میرا بڑا بیٹا دھمکی دیتا ہے کہ میری ماں کو لے آؤ ورنہ میں کچھ بھی کرلوں گا، میں دوبارہ اپنی بیوی کو اپنے گھر لانا چاہتا ہوں، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد اعظم گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال آپ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوچکی ہیں؛ اس لئے آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا اور آٹھ سال کے درمیان عدت بھی گذر چکی ہے اور عدت میں نہ بیٹھنے کی وجہ سے عورت گنہگار تو ہوتی ہے؛ لیکن عدت خود بخود پوری ہوجاتی ہے۔ اب جب عدت گذر گئی تو بلا تاخیر کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے اور نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستری لازم ہے اور ہمبستری کے بعد وہ طلاق دیدے، اس کے بعد تین ماہواری گذر جائے تو آپ کے لئے اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہوجائے گا۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، يذوق كل واحد

منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۲۲۸)

میں تجھے طلاق دے رہا ہوں کہنے سے طلاق

سوال [۶۶۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا ’’میں تجھے طلاق دے رہا ہوں‘‘ یہ الفاظ تین مرتبہ کہے، تو اس سے میری بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: غفار احمد، پکا باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: میں تجھے طلاق دے رہا ہوں کے الفاظ تین مرتبہ کہنے سے آپ کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں اور وہ آپ پر بالکل حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ شرعیہ کے اس کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣، هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٨٨)

ولو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷ /۸۳۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۴/۱۴۲۵ھ

ایک طلاق کے بعد شوہر نے کہا ''میں نے تیسری طلاق دی''

سوال [٦٦٣٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو شراب پی کر نشہ کی حالت میں طلاق دی اور واقعہ اس طرح پیش آیا کہ شوہر نے بیوی سے کہا میں نے ایک مرتبہ طلاق دی، پھر دوسری مرتبہ شراب پی تو کہا کہ میں نے تیسری طلاق دی۔ تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا طلاق واقع ہوگئی اور کون سی طلاق ہوئی اور دوسری مرتبہ کی طلاق کا کوئی تذکرہ بیوی سے نہیں کیا، تو کتنی طلاق واقع ہوئیں؟

نوٹ: تیسری طلاق کا واقعہ تقریباً چار ماہ کے بعد پیش آیا درمیان میں دوسری طلاق کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا۔

المستفتی: محمد جنید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیسری طلاق کے ضمن میں پہلی دوسری بھی داخل شمار ہوا کرتی ہے اور پہلے ایک طلاق دے چکا ہے۔ اب تیسری کے ضمن میں دوسری بھی شامل ہوکر بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

ولو قال: أنت طالق تمام ثلاث، أو ثالث ثلاثة فهي ثلاث الخ.

(البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الطلاق الصريح، زكريا ۳/۴۳۸، كوئٹه۳/ ۲۵۱)

وقد ذكر الفرق في البزازية بأن الآخر هو الثالث، ولا يتحقق إلا بتقدم مثليه عليه. (شامي، كراچي، ٣/٢٨١، زكريا ديوبند ٤/٥٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩/ ربیع الثانی ١٤١٨ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٥٢٦٩/٣٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٩/٤/١٤١٨ھ

ایک اور دو طلاق دی اور ایک دو طلاق کا حکم

سوال [٦٦٣٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے ایک اور دو طلاق یا ایک دو طلاق دی کہا تو اس جملہ سے بیوی پر کتنی طلاق واقع ہوگئیں؟ کیا طالق اگر دو سے دوسری طلاق مراد لے اور مفتی صاحب کے سامنے اس کا اظہار کرے، تو کیا طالق کی یہ نیت معتبر ہوگی؟ یا دو سے مستقل دو طلاق مان کر کل تین طلاق مراد لی جائیں گی؟

خلاصہ یہ کہ دو عدد سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے یا طالق کی نیت معتبر مانی جائے؟ کیا دو کا عدد دوسری یعنی ایک طلاق کا احتمال رکھتا ہے؟ فتاوی دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے فتاوی دارالعلوم ٦/١٥٤-٩/٣٠٦، ٣١٠ میں دو جگہ یہ مسئلہ الگ الگ حکم کے ساتھ لکھا ہوا ہے، اس میں راجح اور صحیح بات کیا ہے؟ فقہی عبارت کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: نثار احمد، گوہر (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں دو قسم کے الفاظ ہیں:

(١) شوہر بیوی سے کہتا ہے ''ایک اور دو طلاق'' تو ایسی صورت میں بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں، دوسری قسم کی عبارت ہے ''ایک دو طلاق دی'' تو ایسی صورت میں

اگر شوہر کی نیت میں تین طلاق نہیں ہیں یا کوئی نیت ہی نہیں ہے، تو صرف دو طلاق رجعی واقع ہوجائیں گی، یہی راجح اور مفتی بہ قول ہے اور فتاوی دار العلوم جلد نمبر ۹/ اور ۱۰/ دونوں میں یہ مسئلہ ہے، جلد نمبر ۹/ میں حضرت مفتی صاحب نے تین طلاق واقع ہونے کے ساتھ لفظ احتیاط بھی استعمال فرمایا ہے کہ اس میں احتیاط کا پہلو ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کو اس موقع پر تردد رہا ہے۔ اور جلد ۱۰/۱۵۴/ میں بغیر تردد کے صاف لفظوں میں دو طلاق واقع ہونے کو لکھا ہے، یہی مسئلہ صحیح ہے، جو کتب فقہ کی ذیل کی عبارتوں سے واضح ہوتا ہے۔ اور جلد نمبر ۹/ میں فتاوی قاضی خاں کی جو عبارت پیش کی گئی ہے، اس عبارت میں ایک طلاق کے بعد سکوت اختیار کیا گیا ہے، پھر دو طلاق کا ذکر ہے، تو قاضی خاں کی وہ عبارت مذکورہ مسئلہ سے متعلق نہیں ہے۔

ولو قال: أنت طالق واحدة في ثنتين......فإن نویٰ واحدة، وثنتين فهي ثلاث؛ لأنه يحتمله. (هداية، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق اشرفي ديوبند۳/۳۶۳)

وفي قوله: أنت طالق واحدة في ثنتين تقع واحدة، إن لم ينو شيئاً......وقال زفر، والحسن تقع ثنتان......ورجح في الفتح قو ل زفر. (مجمع الأنهر قديم ۱/۳۹۰، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۲/۱۸)

قال رحمه الله: وواحدة في ثنتين واحدة، إن لم ينو، أو نوى الضرب وإن نویٰ واحدة وثنتين فثلاث......وعند زفرؒ يقع ثنتان لعرف الحساب. وهو قول الحسن. (تبيين الحقائق، امدادية ملتان ۲/۲۰۲، زكريا ۳/۵۰-۵۱)

وبواحدة في ثنتين واحدة إن لم ينوا ونویٰ الضرب. وتحته في الشامية: وقال زفر، والحسن، والأئمة الثلثة يقع ثنتان......ورجحه في الفتح. (شامي، كراچي ۳/۲۶۱، زكريا ٤/٤٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۲۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۱۸ھ

۱؍۲؍۳؍ میں نے طلاق دی

سوال [۶۶۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی میرے مقابلے میں آگئی تھی، میں نے غصہ میں آکر کہا ’’میں نے طلاق دی‘‘ یہ جملہ غصہ کی حالت میں کہا؛ لیکن یاد نہیں یہ جملہ کتنی بار کہا۔

لڑکی کے بیانات: لڑکی کا کہنا ہے کہ میرے شوہر کسی دوسرے کی چھت پر بیٹھے بات چیت کررہے تھے، جب بیوی نے بلاکر کہا کہ نیچے آکر آٹا لادو، اسی پر تکرار ہوگئی اور لڑکی سے کہا ’’۱؍۲؍۳؍ میں نے طلاق دی۔

المستفتی: صابر حسین، باراشاہ، صفاء لال مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر خود طلاق کا اقرار کررہا ہے اور تعداد کے بارے میں عدم علم کا اظہار کررہا ہے اور بیوی کے بیان کا انکار بھی نہیں کررہا ہے، تو بیوی کے بیان کے مطابق اگر واقعی ۱؍۲؍۳؍ میں نے طلاق دی کہا ہے، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں۔ اب دوبارہ بلاحلالہ نکاح بھی درست نہیں ہوسکتا۔

عن عائشة رضؓ **قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، يذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه.** (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

متى قرن الطلاق بالعدد كان الوقوع بالعدد. (شامي، كتاب الطلاق، باب الطلاق غير الدخول بها، كراچي ٣/ ٢٨٧، زكريا ٤/ ٥١٣)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍ ۹۶۷)

میں نے مینا کو ۱/۲/۳/ دی

سوال [۶۶۳۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک کاغذ پر لکھا ہے کہ میں نے مینا کو ۱/۲/۳/ دی اور وہ کاغذ میرے پاس ہی ہے؛ لیکن وہ کاغذ تقریباً ۱۵/ آدمیوں اور عورتوں نے دیکھ لیا ہے، یہ کاغذ اپنی بیوی کو نہیں بھیجا ہے۔

وکیل کی معرفت میں نے ہندی میں ٹائپ کرا کے طلاق کی وجہ اور مہر کی رقم اور نان نفقہ کی رقم کا ڈرافٹ بنوا کر بھیجا، وہ رجسٹری لڑکی کے والدین نے نہیں وصول کی؛ بلکہ واپس کر دی اس میں تین طلاق کا تذکرہ موجود ہے اور میں نے اپنے ملنے والوں سے بھی کہہ دیا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، تو کونسی طلاق ہوئی؟

المستفتی: منصور احمد، تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اس تحریر کے بعد آپ نے لوگوں کے سامنے طلاق دینے کا اقرار کرلیا ہے اور دس پندرہ افراد کو طلاق نامہ دکھا دیا ہے اور آپ نے خود اس کا اقرار بھی کرلیا ہے، تو جتنی طلاقوں کا آپ نے اقرار کرلیا ہے، اتنی طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔ سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے تین طلاقیں لکھی ہیں اور اس کا اقرار کیا ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔

أما إن أرسل الطلاق، بأن كتب أما بعد، فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق، وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي ۳/۲٤٦، زكريا ٤/٤٥٦، هندية، زكريا قديم ۱/۳۷۸، جديد ۱/٤٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸۵۵/۳۱)

ایک دو تین میں تم کو طلاق دے رہا ہوں

سوال [۶۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجاہد نے غصہ میں اپنی بیوی روبیہ کو فون پر یہ جملہ دومرتبہ کہا کہ ''ایک دو تین میں تم کو طلاق دے رہا ہوں'' مجاہد سے پوچھے جانے پر کہ تمہاری ''ایک دو تین'' سے کیا مراد ہے، تو مجاہد نے جواب دیا کہ طلاق مراد ہے۔

مذکورہ صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق ہوئی، تو کتنی ہوئیں اور عورت عدت کہاں گذارے گی، شوہر کے گھر یا اپنے میکے میں؟ نیز اگر مجاہد دوبارہ اسے اپنے نکاح میں لانا چاہے تو کیا طریقہ اختیار کرنا ہوگا؟

المستفتی: ریاض احمد مدھوبنی، متعلم مدرسہ شاہ ولی اللہ کٹھیرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مجاہد نے اپنی بیوی کو طلاق کی نیت سے ایک دو تین کہا ہے، اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔ اب آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔ اور اس نے ایک دو تین کے بعد ''میں تم کو طلاق دے رہا ہوں'' بھی کہا ہے؛ لہٰذا اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہی عدت شوہر کے گھر میں گذار سکتی ہے، مگر اس دوران شوہر سے سخت ترین پردہ کا اہتمام لازم ہوگا اور اگر اس کو دوبارہ رکھنے کا ارادہ ہو، تو شرعی حلالہ کے بغیر نہیں رکھ سکتا۔ اور شرعی حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ عدت پوری ہونے کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح ہوجائے اور ہمبستری بھی ہوجائے، اس کے بعد وہ شوہر طلاق دے گا، پھر عدت گزار لے اس کے بعد اس کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے۔

قال لامرأته: أنت مني ثلاثا، طلقت إن نوى، أو كان في مذاكرة الطلاق .

(شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/٤٩٧، كراچي ٣/٢٧٥)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵،، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ۲/۸۸ هدايه اشرفی ديوبند ۲/۳۹۹)

عن عائشة رضـ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقتها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ۲/۸۴، دارالسلام رقم: ۳۴۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۸۳۲/۴۰)

ایک دوتین دیا، جواب سے طلاق کا حکم

سوال [۶۶۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی کے آپسی تنازع کے سبب میاں نے کہا کہ آج تم کو جواب دینا ہے، پھر کہہ بھی دیا کہ ایک دوتین دیا جواب جاؤ، اب ہوا من اچھا۔ مسئلہ ہذا کا تشفی بخش جواب عنایت کریں ازیں قبل علاقہ کے دو مفتیان سے جواب طلب کیا گیا، دونوں حضرات کے جواب مختلف ہیں؛ اس لئے واقعہ شعبان کا ہونے کے باوجود ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا۔

المستفتی: محمد توحید عالم، ارریہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ حالت مذاکرۂ طلاق ہے اور شوہر نے اسی اثناء میں کہا کہ آج تم کو جواب دینا ہے اور اسی دوران ایک دوتین دیا جواب اور یہ کہنا کہ جاؤ اب ہوا من اچھا۔ یہ سب تین طلاق کے لئے مؤید ہیں؛ اس لئے مذکورۂ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔

أنت مني ثلاثا طلقت إن نوى، أو كان في مذاكرة الطلاق. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/٤٩٧، كراچي ٣/٢٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۶۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۱۲ھ

ایک طلاق دوطلاق، دل سے طلاق کہنے سے تین طلاق کا وقوع

سوال [۶۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے بیوی سے کہا تجھ کو ایک طلاق دوطلاق دل سے طلاق، تو ایسی صورت میں کون سی طلاق واقع ہوئی؟ مدلل جواب تحریر کریں۔

المستفتی: محمد صادق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شوہر نے بیوی کو کہا کہ تجھ کو ایک طلاق، دو طلاق، دل سے طلاق تو ان الفاظ کے کہنے سے بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہیں اور بیوی شوہر پر حرام ہوگئی ہے؛ اس لئے کہ شوہر کے الفاظ میں بہرحال طلاق کا لفظ تین مرتبہ نکلا ہے۔

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوىٰ التأكيد دين، وقع الكل قضاءً. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ٣/٢٩٣، زكريا٤/ ٥٢١، شرح الاشباه للحموي قديم٩٧، جديد زكريا١٧٨)

ولو كرر لفظ الطلاق، فإن قصد الاستئناف وقع الكل، أو التأكيد فواحدة ديانة والكل قضاءً. (الأشباه والنظائر قديم٩٧، جديد زكريا١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۵۵)

ایک بار دو بار تین بار طلاق دے کر آزاد کرتا ہوں

سوال [۶۶۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شوہر نے بہ ہوش وحواس اور بغیر غصہ وجذبات کے اپنی منکوحہ کو مندرجہ ذیل تحریر بھیجی، جو اہلیہ نے وصول کرلی اور پڑھ لی۔

اللہ تعالیٰ مالک کائنات ہے اور اسی کے حکم سے سارا نظام کائنات چل رہا ہے، وہی سب کا مالک اور مددگار رہے، ساری خوشیاں اور سارے غم اسی کی طرف سے ہیں، اسی ذات پاک کی مشیت کا احترام کرتے ہوئے میں آج آپ کو اپنے نکاح کے شرعی بندھن سے ایک بار دو بار تین بار طلاق دے کر آزاد کرتا ہوں، میری وجہ سے آپ کو جو بھی تکالیف پہونچی ہوں اس کے لئے معذرت چاہتے ہوئے خدا حافظ۔

اس تحریر کے بعد طلاق کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

المستفتی: وہاج الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، آئندہ بغیر حلالہ دوبارہ نکاح بھی جائز نہیں ہوگا۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم:٣٩٣٢)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كراچي ٣/ ٢٩٣، زكريا ٤/ ٥٢١،

هندية، زكريا قديم ۱/ ۳۵٦، جديد ۱/ ٤۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۹۸۹/۳۲)

طلاق ،طلاق ،طلاق ، کہہ کر زوجیت سے الگ کرنا

سوال [۶۶۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی ۱۴/۸/۳ء کو دہلی میں ہوئی تھی ، ہم لوگوں کے باہمی تعلقات کافی دنوں سے خراب چل رہے تھے، بات بات پر مزاج نہ مل پانے کی وجہ سے کشید گی بڑھتی گئی ،ایک دن غصہ میں آکر میں نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق ،طلاق ، طلاق ، کہہ کر اپنی زوجیت سے الگ کر دیا۔

کیا مندرجہ بالا سوال کے مطابق میری بیوی پر طلاق پڑ گئی یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد، محلّہ: پیتا پاڑہ ،چاند پور ،بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب آپ نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو زوجیت سے الگ کرنے کے ارادہ سے طلاق ، طلاق ،طلاق کہا، تو آپ کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب بغیر حلالہ شرعیہ کے میاں بیوی کی طرح رہنا جائز نہیں۔(مستفاد: فتاوی محمود یہ ڈابھیل ۱۲/۴/۲۷)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كراچي ۳/ ۲۹۳، زكريا ٤/ ٥۲۱)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره

نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، ثم یطلقها، أو یموت عنها. (هداية اشرفي ديو بند۲/ ۳۹۹، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۶۷۱)

عورت کو چالیس دنوں کے لئے تین طلاق

سوال [۶۶۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید چالیس دن کے لئے جماعت میں گیا ہوا تھا، اسی دوران ایک روز جماعت کے کسی ساتھی نے زید سے مذاقاً کہا تو سوتا بہت ہے کیا تجھے بیوی یاد آتی ہے، ان الفاظ کے جواب میں زید نے کہا ''عورت (بیوی) کو چالیس دنوں کے لئے تین طلاق ہیں، تو کیا ان الفاظ سے زید کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں یا نہیں؟

یہ بات یاد رہے کہ زید کا دماغ خالی الذہن تھا، طلاق کی نیت بھی نہیں تھی۔ نیز ''میری'' کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے اور مسئلہ سے واقف بھی نہیں ہے، طلاق کے بارے میں بالکل خالی الذہن تھا۔ امید ہے کہ جلد جواب دے کر ممنون فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد قاسم ملا، گودھرا (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شوہر کا یہ کہنا کہ بیوی کو چالیس دنوں کے لئے تین طلاق ہیں، تو اس کا حاصل یہ ہے کہ شوہر اپنی زوجہ کو اپنے اوپر تین طلاق کے ذریعہ سے حرام قرار دیتا ہے اور حرمت کو ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ چالیس دن کا چلہ مکمل ہونے تک کے لئے مقید کیا ہے تو اس میں دو باتیں ہیں: ایک ہے طلاق سے حرمت۔ دوسری بات ہے، اس کی تحدید اور تعیین، تو پہلی بات کا اس کو اختیار ہے کہ اپنی بیوی کو تین طلاق سے حرام کر لے۔

اور دوسری بات یعنی چالیس دن تک کے لئے اس حرمت کو مقید کرنا، تو اس کو شرعاً اس حرمت کی تحدید اور تعیین اپنی طرف سے کرنے کا حق نہیں ہے؛ کیونکہ اس کی تحدید اور تعیین قرآن پاک نے کردی ہے: وہ یہ ہے کہ تین طلاق سے جو حرمت ہوتی ہے وہ حلالہ تک رہتی ہے، بغیر حلالہ کے ختم نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے اور چالیس دن کا چلہ مکمل کرنے سے ختم نہیں ہوگی؛ لہٰذا بغیر حلالہ کے بیوی اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، مکتبہ محمودیہ جدید میرٹھ ۴۱۲/۱۸، مسئلہ: ۶۸۳۵)

ولقوله تعالیٰ: الطلاق مرتان –إلی قوله– فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره. [الآية: ۲۳۰] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شوال المکرم ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۱۷۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱۰/۱۴۳۱ھ

تین مواضع میں الگ الگ تین طلاق دینا

سوال [۶۶۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں فریحہ فاطمہ بنت انور صاحب ہوں، میرا نکاح یحییٰ زکریا سلطان بن محمد زکریا صاحب کے ساتھ مؤرخہ: ۲۲؍دسمبر ۲۰۱۱ء کو ہوا تھا، ہم دونوں میں نااتفاقی کی وجہ سے میرے شوہر یحییٰ زکریا سلطان نے مجھے بتاریخ: ۲۶؍اگست ۲۰۱۲ء کو ایک طلاق دی، پھر ایک ماہ کے بعد ہی میرے شوہر نے رجوع کرلیا، اس کے دو ماہ سترہ دن بعد میرے شوہر نے مجھے بتاریخ: ۱۳؍نومبر ۲۰۱۲ء کو دوسری طلاق دی، پھر چار دن بعد ۲۱؍نومبر ۲۰۱۲ء کو تیسری طلاق دی۔

مذکورہ صورت میں میرا رشتۂ نکاح باقی ہے یا ختم ہوگیا؟ فتوی عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتیه: فریحہ فاطمہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائلہ اپنے بیان میں سچی ہے، تو سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت حال کے مطابق شوہر نے اپنی بیوی کو تین مواضع میں الگ الگ تین طلاق دیں، جس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے؛ لہٰذا آئندہ بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

الطلاق مرتان فإمساک بمعروف، أو تسريح بإحسان---فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره. [البقرة: ۲۲۹/ ۲۳۰]

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها، ولا فرق في ذٰلک بين كون المطلقة مدخولاً بها، أو غير مدخول بها. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤٧٣، زكريا جديد ۱/ ٥٣٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شوال المکرم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۶۴۶/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۰/۱۴ھ

حالت نشہ میں تین مرتبہ تم کو چھوڑ دیا کہنا

سوال [۶۶۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ سے نشہ کی حالت میں کہا کہ ”تورا چھوڑی دلو“ (یعنی تم کو چھوڑ دیا) پھر کہا کہ تینوں بیٹوں کو بھی تم کو چھوڑ دیا؟ زید کے لڑکے بکر کا کہنا ہے کہ ابا نشہ کی حالت میں تھے پہلے کہا کہ تم تینوں بیٹے میری کمائی کھا رہے ہو، پھر کہا کہ تورا چھوڑی دِلو، یعنی تم کو چھوڑ دیا تین بار کہا۔ گواہ فیروز کا کہنا ہے کہ میرے سامنے زید جو کہ نشہ میں تھا کہا کہ تورا

چھوڑی دِلو(تمکو چھوڑ دیا) تین بار کہا، پھر کہا کہ تمہارے بیٹے سے فون پر بات کر لی ہے، فیروز کا کہنا ہیکہ بیوی کو چھوڑا یا بیٹے کو چھوڑا، اس کی وضاحت زید نے میرے سامنے نہیں کی۔

نوٹ: واضح رہے کہ دس سال قبل زید نے اپنی بیوی ہندہ کی کسی بات پر ناراض ہوکر کہا تھا کہ آج رات تم گھر میں قدم نہیں رکھوگی، اگر گھر میں قدم رکھوگی تو جواب ہوجائے گا، اس رات تو ہندہ نے گھر میں قدم نہیں رکھا؛ لیکن دوسری رات زید کی اجازت سے گھر میں داخل ہوئی، پھر پانچ سال قبل کسی بات پر ناراض ہوکر زید نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا تھا، اب میں پریشان حال ہوں، ازدواجی زندگی گذارنا چاہتا ہوں؛ لہٰذا مذکورہ بالا صورت میں ازدواجی زندگی گذاری جاسکتی ہے یا نہیں؟

نوٹ: واضح رہے کہ تورا چھوڑی دِلو یا لفظ جواب کو ہمارے علاقہ میں جہلا عام طور پر طلاق کے لئے استعمال کرتے ہیں، تو مذکورہ صورت میں کون سی طلاق ہوئی؟

المستفتی: محمد ظہیرالدین بن محمد خلیل الرحمٰن، ڈومریا، پوسٹ: پی ٹی ڈومریا، ارریہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نشہ کی حالت میں اپنی بیوی سے ''تورا چھوڑی دلو یعنی تم کو چھوڑ دیا'' تین بار کہہ چکا ہے، تو بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں؛ کیونکہ چھوڑ دیا عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور شرابی کی طلاق نشہ کی حالت میں بھی واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا بغیر حلالہ کے اس بیوی سے دوبارہ نکاح کرنا بھی درست نہیں ہے، جب طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، تو پھر تجھ کو ایک جواب دیا گھر میں داخل ہونے سے جواب ہوجائے گا اس کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ اس پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔

فإن سرحتک کناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال رها كردم: أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، وماذلک إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩)

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر، أو النبيذ، وهو مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ. (المحيط البرهاني، كتاب الطلاق، الفصل الثالث، المجلس العلمي بيروت ٤/ ٣٩١، رقم: ٤٦٣٤، عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٣٥٣، جديد ١/ ٤٢٠، شامي، كراچي ٣/ ٢٤١، زكريا٤/ ٤٤٨، خلاصة الفتاوى٢/ ٧٥)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديو بند٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳۰؍محرم الحرام ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍۷۹۰۲)	۲۰؍۱؍۱۴۲۴ھ

نشہ کی حالت میں حاملہ بیوی کو تین طلاق دینے کا شرعی حکم

سوال [۶۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دانش نے اپنی بیوی شمائلہ پروین کو شراب کے نشہ کی حالت میں تین طلاق دیدیں بیوی حمل سے ہے، طلاق کے وقت پھوپھی بھی موجود تھی، شرعاً طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اگر ساتھ رہنا چاہیں تو کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: محمد رئیس، ٹھیکیدار والی مسجد، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شراب کے نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، جب شوہر دانش نے اپنی بیوی شمائلہ پروین کو حالت حمل میں نشہ کی حالت میں تین طلاقیں دیدی ہیں، تو اس سے بیوی کے اوپر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر کے اوپر قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے۔ اب آئندہ دونوں کا بغیر حلالہ کے نکاح کرنا بھی درست نہیں ہوگا، اگر دونوں ساتھ رہنا چاہیں تو شرعی حلالہ لازم ہے،

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عدت گذرنے کے بعد شمائلہ دوسرے مرد سے نکاح کرے اور نکاح کے بعد شمائلہ دوسرے شوہر سے ہمبستر ہوجائے، پھر وہ طلاق دیدے، تو اس کی عدت گذرنے کے بعد دانش کے لئے اس سے نکاح کرنا جائز ہوسکتا ہے۔

عن سهل بن سعدؓ في هذا الخبر،قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم. (ابو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ١/٣٠٦، دارالسلام رقم: ٢٢٥٠)

عن عائشةؓ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقتها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أ تحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية٢/٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٠)

أما السكران إذا طلق امرأته، فإن كان سكره بسبب محظور بأن شرب الخمر، أو النبيذ طوعاً، حتى سكر وزال عقله فطلاقه واقع عند عامة العلماء وعامة الصحابةؓ. (بدائع الصنائع، زكريا ٣/١٥٨، كراچي ٣/٣٤٤،ونحوه في الشامي، كراچي ٣/٢٤١، زكريا ٤/٤٤٨)

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُن. [الطلاق:٤]

ولو قال لامرأته الحامل أنت طالق لسنة تقع في الحال واحدة وبعد شهر أخرىٰ. (تاتارخانية، زكريا ٤/٣٩٤، رقم:٦٥٠٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها، كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۹۱۹/۴۰)	۱۴۳۴/۱/۵ھ

جنونی حالت میں کہنا ”میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی“

سوال [۶۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کل بروز اتوار مؤرخہ: ۱۲ر ستمبر ۱۹۹۳ء میاں بیوی میں تکرار ہوا جس کی مفاہمت کے لئے نواب جان عرف بنو اور لڑکے کی موجودگی میں اور لڑکے کی والدہ کی موجودگی میں گفت وشنید شروع ہوئی، نواب جان کی خواہش تھی کہ دونوں میں میل جول ہوجائے، بات چیت بالکل درمیانہ ماحول میں چل رہی تھی، کسی قسم کی کوئی تیزی نہیں تھی، اسی درمیان شمیم الدین نے کہا کہ آپ نے مجھ سے طلاق مانگی تھی، میں نے دی اس پر شبانہ نے کہا کہ میں نے آپ سے کوئی طلاق نہیں مانگی، آپ جھوٹ بولتے ہیں اگر سچ ہے تو آپ کلام پاک پر ہاتھ رکھ کر کہدیں کہ میں نے طلاق مانگی تھی، اس پر انہوں نے جنونی کیفیت میں یہ کہا کہ میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی۔

(۱) کیا یہ طلاق ہوگئی؟

(۲) اس کے بعد لڑکی کے لئے عدت جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس لڑکی کے والد اور کوئی بھائی نہیں ہے اور وہ گورنمنٹ سروس میں ہے، اگر وہ اتنی لمبی چھٹی یا رخصت لے گی، تو اس کی ملازمت پر اثر ہوگا اور اگر وہ سروس چھوڑ دیتی ہے، تو اس کا معاش اور گذارہ کس طرح ہوگا؟

(۳) لڑکی کی مہر کی ادائے گی کسی طرح سے ہوگی؟

(۴) دونوں بچے کس کے پاس رہیں گے؟ ایک کی عمر پانچ سال ہے، دوسرے کی عمر تین سال ہے۔

المستفتی: محمد اسماعیل صدیقی، مون بلڈنگ، کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) ایسی صورت میں بیوی پر تین طلاقیں واقع

ہوکر بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

(۲) بیوی پر عدت گذارنا واجب ہے اور عدت کے دوران سروس کے لئے گھر سے نکل کر سرکاری دفاتر وغیرہ میں حاضری دینا جائز نہیں ہے، اگر باہر آنے جانے لگے گی تو گنہگار رہوگی۔

وتعتدان: أي معتد طلاق، وموت في بيت وجبت فيه، ولا يخرجان منه. (الدر المختار، كراچي٣/٥٣٦، زكريا٥/٢٢٥)

(۳) عدت کے زمانہ میں حصول معاش کے لئے باہر نکلنا جائز نہیں ہے اور اس زمانہ کے معاشی اخراجات شوہر پر لازم ہیں۔

وتجب لمطلقة الرجعي، والبائن، والفرقة بلا معصية الخ . (الدر المختار، كراچي٣/٦٠٩، زكريا٥/٣٣٣)

(۴) مہر کا ادا کرنا شوہر پر واجب ہے اور ادائے گی مہر کے لئے فریقین جو بھی مناسب طریقہ اختیار کریں گے شرعاً جائز ہوگا۔

(۵) دونوں بچوں کو ماں اپنے پاس رکھنے کا حق رکھتی ہے، مگر جب عمر سات سال پوری ہوجائے گی، تو باپ کو لیجانے کا حق ہوگا اور ماں کے پاس رہنے کے زمانہ کا خرچہ باپ پر لازم ہوگا۔

والحاضنة أما، أوغيرها أحق به: أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع و به يفتي. (الدر الختار، كراچي ٣/٥٦٦، زكريا٥/٢٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/۳۳۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۲۵ھ

دماغی توازن کمزور ہونے کی بناپر تین طلاق دینا

سوال [۶۶۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو بحالت سخت بیماری جبکہ دماغی توازن کمزور تھا، تین طلاق دیں، پھر جب زید صحیح ہوگیا، تو لوٹانا چاہا چار پانچ مہینہ گذر چکے ہیں، تو مولانا صاحب نے کہا کہ اس بارے میں آپ فتوی لیجئے، تو زید نے کہا کہ میں نے مفتی صاحب سے کہا تو بولے یونہی نکاح کرلو کافی اصرار کے بعد مولوی صاحب نے نکاح دوبارہ پڑھادیا، جب لوگوں کو پتہ چلاتو کہنے لگے کہ مولوی صاحب کا نکاح ٹوٹ گیا؛ کیونکہ غلط نکاح پڑھایا ہے، تو اس صورت میں کون گنہگار ہوگا کیا کرنا پڑیگا؟

المستفتی: محمد عیاض الدین، ارریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کو خود تین طلاق دینا یاد ہے، تو ایسی صورت میں اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔

أنه في هذا الفرع عالم بأنه طلق وهو قاصد له. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، زكريا٤/٤٥٣، كراچي٣/٢٤٤)

اور مولوی صاحب نے چونکہ مفتی صاحب کے مسئلہ بتانے پر نکاح پڑھایا ہے، اس وجہ سے ان پر گناہ نہ ہوگا؛ بلکہ جن لوگوں نے اصرار کیا ہے، وہ گنہگار ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱/۷/۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۸۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۵/ ۱۴۱۷ھ

جنونی کیفیت میں تین طلاق دینا

سوال[۶۶۵۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی اور میرے درمیان نازیبابات پر تیز طرار گفتگو ہوئی، میں نے اپنی بیوی کو دھمکی دی، اس پر بھی میری بیوی خاموش نہیں ہوئی، تب میں نے کہا آج میں نے تجھے ”طلاق دی، طلاق، طلاق، طلاق“ طلاق اس وقت میری والدہ اور بہن موجود تھیں، میں نے اس بات کو اس طرح کہا کہ کسی کو بھی اپنی جگہ سے ہلنے کا موقع نہیں ملا، میں نے جنونی کیفیت میں یہ عمل کیا، میں چاہتا ہوں مجھ سے میری بیوی بہت انسیت رکھتی ہے یہ بھی یاد رہے کہ میں نے جس جنونی کیفیت میں یہ الفاظ ادا کئے ہیں مجھے خود کچھ ہوش نہیں تھا کہ میں کیا کررہا ہوں۔

المستفتی: طریق احمد، محلّہ: داشمندان، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: منسلکہ تمام جوابات دیکھ لیئے، دارالعلوم دیوبند، مظاہرعلوم سہارنپور، دارالعلوم چلہ امروہہ، شاہی چبوترہ امروہہ کے جوابات صحیح اور درست ہیں اور مدرسہ شاہی سے ۲۰رشوال ۱۴۲۴ھ کو جاری کردہ جواب کے مطابق ہیں، زیر بحث واقعہ میں بیوی پر تینوں طلاقیں مغلظہ واقع ہوگئیں ہیں، اب بیوی شوہر پر حرام ہوچکی، مدنی دارالافتاء بجنور کا جواب جس میں صرف ایک طلاق رجعی کو کہا گیا ہے اس سے ہم کو اتفاق نہیں ہے، وہ جواب بلا دلیل ہے؛ بلکہ اب مذکورہ واقعہ میں بلا حلالۂ شرعیہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷۶)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال المکرم ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۱۶۶/۳۷)

فتویٰ نمبر: الف ۸۱۶۶/۳۷ سے متعلق مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری کا جواب

الجواب مکرر: (۱) میں نے جو جواب لکھا ہے، وہ علامہ شامی کی کتاب سے ماخوذ ہے۔
كرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوىٰ التاكيد دين الخ. (رد المختار ۱/۴۶۰)
شوہر کے سیاق کلام سے ڈرانا دھمکانہ واضح ہے۔

(۲) شوہر نے جنون کی حالت میں اگر کہا ہے، وہ قابل تسلیم نہیں ہے، اس وجہ سے بھی طلاق نہ ہوگی؛ لیکن میرے نزدیک یہ محل نظر ہے، (۳) جس طرح سے مسلک غیر پر ضرورۃ عمل جائز ہے جیسا کہ الحیلۃ الناجزہ میں ہے، موجودہ زمانہ میں تین طلاق کو ایک تسلیم کرنے میں بھی کوئی برائی نہیں، جیسا کہ سیاق کلام میں اس کی گنجائش ہے یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمۂ فقہی سیمینار اور دوسری کتب۔

کتبہ: عزیز الرحمٰن
مدنی دار الافتاء، بجنور (یوپی)

مذکورہ طلاق سے متعلق مستفتی کا اقرار اور بیان

حضرت مفتی صاحب نے اس مسئلہ سے متعلق مستفتی سے پوچھا کہ تین مرتبہ سے زیادہ طلاق طلاق کا لفظ کیوں کہا، تو مستفتی نے جواب دیا، طلاق ہی کے لئے کہا، سائل سے اس پر دستخط بھی کرا لئے گئے ہیں۔

المستفتی: تاجدار علی

جواب منجانب: دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل سے معلوم کیا گیا کہ ”طلاق، طلاق، طلاق، تین مرتبہ کیوں کہا، تو مستفتی نے جواب دیا کہ طلاق کے لئے کہا ہے، جب طلاق کے لئے تین مرتبہ طلاق کا لفظ بیوی کے لئے استعمال کیا جائے، تو تاکید کے لئے نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی فقیہ تاکید کے لئے تسلیم کرتا ہے۔ نیز سائل نے سوال میں کہیں بھی تاکید کا دعوی نہیں کیا، تو ایسی صورت میں تین طلاق کو تاکید کہہ کر ایک مسلمان کو حرام کاری اور زنا کاری کی دعوت دینا ہے۔ اور إن نوی التاکید دین کا یہاں سے کوئی تعلق نہیں، ایک عجیب بات یہ بھی سامنے آئی کہ تین طلاق کو ایک طلاق ماننے کے لئے مذہب غیر پر عمل کیا جائے، تو سوال یہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کونسا امام ایسا ہے، جو ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق مانتا ہو؛ حالانکہ چاروں اماموں کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں؛ اس لئے ایک مسلمان کو صحیح مسئلہ بتلا کر صحیح عمل کی دعوت دینا ضروری ہے؛ لہٰذا مذکورہ واقعہ میں چاروں اماموں کے نزدیک تین طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے، آئندہ بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

قال لامرأته: أنت طالق ثلاثاً، فقال الشافعيؒ، ومالکؒ، وأبوحنیفةؒ، وأحمدؒ وجماھیر العلماء من السلف والخلف: یقع الثلاث الخ. (نووي، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث ۱/ ۴۷۸، مرقاة شرح مشکوة، باب الخلع، الطلاق الثلاث بلفظ واحد، امدادیہ ملتان ۶/ ۲۹۳، بذل المجھود، شرح أبوداؤد، کتاب الطلاق، باب بقیة نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلث، مکتبہ یحی سہارنپور ۳/ ۲۷۶، دارالبشائر الإسلامیة بیروت ۸/ ۹۵)

إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً في مجلس واحد، فقد بانت منه ولا تحل

لـه حتى تـنـكـح زوجاً غيره. (السنن البكرىٰ للبيهقي، كتاب الخلع والطلاق قديم ۷/۲۳۹، ۲٤۰، جديد دارالفكر بيروت ۱۱/۲۲۸، رقم: ۱۵۳٦۵، رحيمية قديم ۵/۳٦۵، جديد زكريا ۸/۳۵۰)

والبدعي ثلاث متفرقة، أو ثنتان بمرة، أو مرتين. وتحته في الشامية: وذهب جمهور الصحابة، والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث. (شامي، كراچي ۳/۲۳۲، زكريا ٤/٤۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵ رذی قعدہ ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۱٦٦/۳۷)	۱۴۲۴/۱۱/٦ھ

غصہ میں تین طلاق دینا

سوال [۲٦۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کے بھائی بکر کو ساڑھے تین لاکھ روپئے کاروبار میں شرکت کے لئے دیئے تھے اور اپنے بڑے بھائی کو ساتھ میں لگایا تھا، ایک سال تک نہ منافع ملا اور نہ ہی رقم ملی، تقاضہ کرنے پر سالے بہنوئی میں گرما گرمی ہوگئی، تنازع کے درمیان میں زید نے کہا، اگر آپ نے یہ معاملہ نہیں سلجھایا تو میں آپ کی ہمشیرہ سے قطع تعلق کرلوں گا، یہ محض ایک دھمکی تھی؛ جبکہ زید کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا، اس پر بکر نے اپنے دوسرے بہنوئی کا واقعہ سنایا کہ ہمائے بہنوئی سے ایسا ہی کچھ معاملہ ہوا تھا، تو ہم نے اپنے بہنوئی کو چوراہے پر لیجا کر پٹائی کردی تھی اور پولیس سے بھی پٹوایا تھا، زید کو یہ سن کر بہت روحانی تکلیف پہونچی اوراس نے غصہ میں تین بار طلاق دیدی اور کہا کہ چلو تم مجھے کون سے چوراہے پر لے جا کر مارو گے اور پھر زید نے دوبارہ تین بار طلاق دیدی۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ غصہ میں طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالٰہی، محلّہ: بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خوشی میں طلاق نہیں دی جاتی ہے؛ بلکہ غصہ کی حالت میں طلاق دی جاتی ہے اور مذکورہ صورت میں سالے بہنوئی کے تنازع کے درمیان شوہر نے بیوی کو صراحت کے ساتھ تین طلاق دیدی ہیں، اور تین تین طلاقیں دومرتبہ دی ہیں، اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر کے اوپر وہ قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے۔ اب آئندہ بغیر حلالہ کے اس سے نکاح بھی درست نہیں ہوگا اور سائل غیر مقلدین جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں، ان کا فتوی بھی لایا تھا ان کا فتوی غلط اور شریعت کے خلاف ہے، اس فتوی کی رو سے عمل کریں گے، تو حرام کاری ہوگی۔ روایات ملاحظہ فرمائیں:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. [البقرۃ: ۲۳۰]

عن سهل بن سعدؓ، في هذا الخبر قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم. (ابو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ۱/۳۰٦، دارالسلام رقم: ۲۲۵۰، بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰٦۰، ف: ۵۲۵۹، صحيح مسلم، كتاب اللعان، النسخة الهندية ۱/ ٤۸۹، بيت الأفكار رقم: ۱٤۹۲، سنن النسائي، الطلاق، باب الرخصة في ذلك، النسخة الهندية ۲/ ۸۳، دارالسلام رقم: ۳٤۳۱)

وقال الحسنؒ: لولا أني سمعت أبي يحدث عن جدي النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من طلق امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره لراجعتها. (السنن الكبرىٰ للبيهقي جديد دارالفكر بيروت ۱۱/ ۵۲، رقم: ۱٤۸۵۵)

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰٦۲، ف: ۵۲٦۱)

عن عائشةرضـ**، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أ تحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول.** (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية۲/ ۸٤، دارالسلام رقم: ۳٤٤۰)

أتى برجل قد طلق امرأته ثلاثاً في مجلس، أوجعه ضرباً وفرق بينهما. (مصنف ابن أبي شيبة، جديد مؤسسه علوم القرآن بيروت ۹/ ۵۱۹، رقم: ۱۸۰۸۹)

عن واقع بن سحبانرضـ**، قال: سئل عمران بن حصين عن رجل طلق امرأته ثلاثاً في مجلس، قال: أثم بربه وحرمت عليه امرأته.** (مصنف ابن أبي شيبة ۹/ ۵۱۹، رقم: ۱۸۰۸۷)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ٤۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ۵/ ۱٤۷، رقم: ۷۵۰۳، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۰۹۹۳)	۱۴۳۴/۳/۵ھ

غصہ کی حالت میں تین طلاق دینا

سوال[۶۶۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں تین طلاق دیدی ہیں، تو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ پانچ مہینہ کا چھوٹا بچہ بھی ہے، بیوی کو اگر ساتھ رکھنا چاہیں تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: سبحان چھوٹی منڈی، مقبرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خوشی میں کوئی طلاق نہیں دیتا ہے؛ بلکہ غصہ ہی میں طلاق دی جاتی ہے؛ لہٰذا جب آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر آپ کے اوپر وہ قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے، آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہیں ہے اور حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ عدت گذار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے، پھر اس مرد کے ساتھ ہمبستری ہونے کے بعد وہ مرد طلاق دیدے اور پھر عدت بھی گذر جائے تو وہ بیوی آپ کے لئے حلال ہوسکتی ہے اور پھر آپ اس سے نکاح کرسکتے ہیں۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. [البقرہ:۲۳۰]

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/۷۹۱، رقم: ۵۰۶۲، ف: ۵۲۶۱)

عن عائشةؓ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية۲/۸۴، دارالسلام رقم: ۳۴۴۰)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۹۹۵/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۳/۱۴ھ

میں نے اور میرے خدا نے طلاق دی، تین مرتبہ کہنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے مخاطب ہوکر یہ الفاظ تین مرتبہ کہے کہ ''میں نے اور میرے خدا نے طلاق دی'' تو صورت مذکورہ میں کون سی طلاق پڑی؟ اور اگر میاں بیوی ساتھ رہنا چاہتے ہوں تو کیا صورت ہوسکتی ہے؟

المستفتی: محمد شعیب، فتحپوری، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔ اور اگر ساتھ رہنا چاہیں تو بلا حلالہ درست نہیں ہوگا اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عدت گذار کر عورت کسی دوسرے کے ساتھ شرعی طور پر نکاح صحیح کرکے اس کے ساتھ ہمبستری ہوجائے، اس کے بعد شوہر ثانی طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہوجائے، تو پھر عدت گذار کر پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کرے۔

وإن قال بأمره، أو بحكمه، أو بقضائه، أو بإذنه، أو بعلمه أو بقدرته يقع في الحال، أضيف إليه تعالىٰ أو إلى العبد إذ يراد بمثله التنجيز عرفاً.
(الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب التعليق، زكريا ديوبند ٤/٦٣٣، كراچي ٣/٣٧٣)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣)

إن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له، حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، فتاویٰ عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۵۷۵/۲۵)

شدید غصے میں یہ کہنا ''خدا کو حاضر وناظر کر کے تم کو تین طلاق دیتا ہوں''

سوال [٦٦٥٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی زوجہ کو ۴/ جنوری ۱۹۸۸ء کو بوجہ نزاع خانگی کے کہہ دیا کہ ''پہلے ایک میں نے تم کو طلاق دیدی''، اس کے بعد کہا ''میں خدا کو حاضر وناظر کر کے تم کو تین طلاق دیتا ہوں''، یہ جملے انتہائی غصہ کی حالت میں کہے زید کو بالکل یاد نہیں ہے یہ جملے بیوی نے زید کو بتلائے کہ تم نے کہا ہے کہ خدا کو حاضر وناظر کر کے تم کو تین طلاق دیتا ہوں، تو عرض طلب یہ ہے کہ آیا طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور کون سی پڑی؟ اور ایسی حالت میں زوجہ کا کہا ہوا کچھ معتبر ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ ذرا تفصیل سے بروئے شرع مدلل تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: فقیہ الدین، اندرانگر، ہلدوانی، ضلع: نینی تال (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے، تو میں نے تم کو طلاق دیدی کے جملہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔

صريح ما استعمل فيه خاصة ولا يحتاج إلى نية، وهو أنت طالق، ومطلقة، وطلقتک وتقع بكل منهما واحدة رجعية. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت۲/ ۱۱)

تم کو تین طلاق دیتا ہوں کا جملہ اگر ایسی مدہوشی میں کہا ہے کہ جس میں کچھ پتہ نہیں ہے، تو دوعادل آدمی کے قول پر اعتماد کرنا جائز ہے۔ اور تینوں طلاقیں واقع ہونے کا حکم ہوگا ورنہ نہیں، مبتلا بہ زید خود اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر سمجھ کر فیصلہ کرلے کہ واقعہ کیا ہے؟

الذي يظهر لي أن كلا من المدهوش، والغضبان (إلى قوله) إن كان بحيث إذا غضب لا يدري ما يقول وسعه الأخذ بشهادتهما، وإلا لا (وقوله) ثم رأيت ما يؤيد ذلک الجواب، وهو أنه قال في الوالوالجية إن كان بحال لو غضب جرى على لسانه ما لا يحفظه بعده جازله الاعتماد على قول الشاهدين. فقوله لا يحفظه صريح فيما قلنا الخ. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، مطبوعة كوئٹه۲/ ۴۶۳، كراچي ۳/ ۲۴۴، زكريا۴/ ۴۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/۴۴ ۷)

غصہ میں تیرے اوپر تین کہنے کا حکم

سوال [۶۶۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد سلیم ولد محمد اصغر علی لوہاری سرائے نے اپنی بیوی فاطمہ رحمٰن ولد فضل الرحمٰن میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میرا اپنی بیوی کو طلاق دینے کا قطعاً ارادہ نہ تھا اور نہ اس سے میرا جھگڑا تھا، اچانک میرے اور میرے والد کے بیچ

کہاسنی کی وجہ سے مجھ پر مدہوشی کا غصہ طاری تھا، اس بیچ میرے منھ سے یہ الفاظ ادا ہوگئے کہ تمہارے اوپر تین طلاق اور میں اسی وقت خود کو مارنے پر آمادہ تھا کہ اس دوران میری بیوی آگئی؛ لہٰذا ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں رہنا چاہتے اور نہ کبھی رہنا چاہتے تھے، لہٰذا آپ سے التجاء ہے کہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں رہنمائی کریں کہ ہم دونوں آپس میں سابقہ کی طرح رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

یہ مضمون وہ ہے جو ان حضرات نے پہلی بار دیا تھا اور پھر دوسرا مضمون دیا ہے، وہ میں اب نیچے لکھا رہا ہوں۔

میں محمد سلیم ولد محمد اصغر محلّہ لوہاری سرائے نگینہ کا اپنی بیوی فاطمہ رحمٰن ولد فضل الرحمٰن کو خدا کو حاضر وناظر جان کر حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میرا طلاق دینے کا قطعاً ارادہ نہیں تھا اور نہ میرا اس کا کوئی جھگڑا تھا، اچانک میرے اور میرے والد کے بیچ کہاسنی کی وجہ سے مجھ پر مدہوشی کا غصہ طاری تھا اور اس وقت میں خود کو مارنے مرنے پر آمادہ تھا کہ بیوی آگئی، اس نے کہا کیوں رو رہے ہو، مجھے بتاؤ میں نے کہا نہیں بتاؤں گا، اس بیچ میرے منھ سے یہ الفاظ نکلے کہ تمہارے اوپر تین، اتنے میں میرے والد نے میرا منھ پکڑ لیا آگے مجھے علم نہیں کہ میرے منھ سے کوئی اور الفاظ نکلے یا نہیں اور نہ تین سے آگے کے الفاظ وہاں پر موجود میرے والد اور میری بیوی نے سنے، تین سے آگے کی عدم ادائے گی کی تصدیق میرے والد اور میری بیوی بھی کر رہے ہیں اور کوئی گواہ بھی موجود نہیں۔

اور اب میں یعنی فاطمہ رحمٰن کے بھائی عبادالرحمٰن نے جب اس دن پوچھا، تو اس نے یہ کہا کہ انہوں نے یہ بات کہی تھی کہ تیرے اوپر تین طلاق اور میرے والد اور میری والدہ نے جب پوچھا تو اس نے یہی جواب دیا تھا، جو ابھی گذرا، یہی بات محمد سلیم نے مجھ سے اور میرے والد سے اور میری والدہ سے کئی بار کہی کہ میں نے اس کو یہ کہا کہ تمہارے اوپر تین طلاق؛ لیکن اب دونوں اس بات سے انکار کر رہے ہیں کہ تین سے آگے کچھ نہیں کہا اور نہ میں نے سنا۔

اب ہم یہ چاہتے کہ وہ سابقہ کی طرح رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو وہ یعنی فاطمہ رحمٰن وہاں سے آنا نہیں چاہتی، تو ہم لوگ اس سے تعلق ختم کردیں یا نہیں؟

لہٰذ حضرات علماء کرام سے گذارش ہے کہ اس مسئلہ کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں تحریر کریں۔

نوٹ: دونوں تحریروں کی فوٹو کاپی ساتھ میں منسلک ہے۔

المستفتی: عبادالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ واقعہ میں شوہر محمد سلیم کا بیان بدلا ہوا ہے، ایک میں ''تیرے اوپر تین طلاق'' کے الفاظ ہیں اور دوسرے میں تیرے اوپر تین کے الفاظ ہیں پہلی صورت میں بہر حال تین طلاق ہوگئیں اور دوسری صورت تیرے اوپر تین کہتے وقت غصہ کا تعلق بیوی کے ساتھ ہوگیا تھا، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں؛ اس لئے کہ حالت غضب اور غصہ میں تیرے اوپر تین کہنے سے تین طلاق ہوجاتی ہیں، بظاہر تیرے اوپر تین کہتے وقت غصہ کی توجہ بیوی کی طرف منتقل ہوگئی ہے؛ اس لئے تین طلاق واقع ہوگئیں ہیں، اب اگر آئندہ ساتھ رہنے کا ارادہ ہو، تو حلالہ کے بعد نکاح کرکے رہ سکتے ہیں۔ اور یہ یاد رکھیے کہ طلاق غصہ ہی کی حالت میں دی جاتی ہے اور اتنا ہوش باقی رہنا کافی ہے کہ کیا کہا ہے اور خود اقرار کررہا ہے تیرے اوپر تین کہنا یاد ہے۔

قال لامرأته تر ایکے سه –الی قوله: إن كان في حال المذاكرة، أو الغضب يقع وإلا لا يقع بلا نية. (بزازية، زكريا ١/١٢٨، وعلى هامش الهندية، زكريا ٤/١٩٧)

ولو قال لامرأته: توبسه في حال مذاكرة الطلاق والغضب طلقت ثلاثاً.

(قاضي خان، زكريا ١/٢٧٨، وعلى هامش الهندية ١/٤٦٠)

إن کا في حال مذاکرۃ الطلاق أوفي حال الغضب یقع الخ. (الفتاوی التاتارخانیۃ، زکریا ٤/٤١٨، رقم: ٦٥٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۴۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۲ھ

دھمکانے کے لئے غصہ کی حالت میں تین طلاق دینے کا حکم

سوال [٦٦٥٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲۸؍ جولائی ۱۹۸۸ء بروز جمعرات صبح ہی سے میری بیوی پروین بانو اپنے ماں کے گھر جانے کی بضد تھی، مجھے بھی کوئی خاص عذر نہ تھا، میرا کہنا یہ تھا کہ تم اپنی ساس یعنی میری ماں سے اجازت لے لو اور چلی جاؤ، مگر وہ اس بات کے لئے تیار نہیں تھی اور برابر تقاضہ کئے جارہی تھی کہ میں جارہی ہوں اور جب تک تم مجھ کو لینے نہیں آؤ گے میں نہیں آؤں گی، حتی کہ دوپہر کا کھانا بھی اس نے نہیں بنایا اور برابر خاموش لیٹی رہی تقریباً تین بجے بعد بات کچھ اور آگے بڑھی اور پروین نے اپنے ساتھ اپنے دونوں بچوں کے کپڑے بھی کنڈی میں رکھ لئے، میں نے کہا کہ میں تم کو شام تک کی اجازت دے کر بھیج رہا ہوں، اس میں کپڑوں کی کیا ضرورت ہے، مگر جیسے اس نے مستقل جانے کی نیت کی تھی؛ اس کے اس فعل کو دیکھ کر مجھے غصہ آگیا اور میں نے اس کو پلنگ پر گرادیا اور ایک دو تھپڑ بھی مارے اور اس نے میرے منھ پر لاتیں ماری، میں نے کہا کہ مجھے تو لاتیں مار رہی ہے، اس نے جواب میں کہا کہ اگر تم مجھے مارو گے تو ایسے ہی ماروں گی، اس پر میں قابو میں نہ رہ سکا اور اسے دھمکانے کے لئے میرے منہ سے یہ نکل گیا کہ میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، میری آواز سن کر ایک شخص نایاب وہ آگیا اور اس نے ہمارا بیچ بچاؤ کرایا اور میں نیچے آکر بیٹھ گیا اور پھر لوگوں کو علم ہوگیا،

اورلوگ آتے گئے اس طرح لڑکی کے وارثوں کوبھی اس جھگڑے کا علم ہوگیا لوگوں نے بھی ہماری صلح صفائی کرائی اور ہم دونوں نے اسی شام کو کھانا بھی ایک ہی ساتھ کھایا، کھانے کے بعد رات کوہی میری ساس اور سسر صاحب تشریف لائے اور کہنے لگے ہم نے ایسا ایسا سنا ہے، آپ پروین کوایک دودن کے لئے گھر بھیج دو، غصہ ٹھنڈا ہو جائیگا تو بلا لینا،مگر ہمارے والدین نے ان سے گذارش کی کہ آپ اس جھگڑے میں نہ لے جائیں، ایک دودن بعد لے جانا، وہ راضی ہوگئے اور چلے گئے،مگر اگلے روز وہ پھر آ گئے اور کہا کہ پروین کو بھیج دو اور کل شام کو کھانا کھا کر لے آنا، میں نے کہا اچھا ٹھیک ہے، جب میری بیوی پروین بانو نے کہا کہ تم مجھے یہاں بھیجنے کی غرض سے مت لے جاؤ، ورنہ میں یہاں نہ آ کر کہیں اور چلی جاؤں گی، جس پر وہ لوگ چھوڑ کر چلے گئے،مگر جمعہ کی رات کو وہ نو بجے پھر آئے اور کہنے لگے اس کو طلاق ہوگئی ہے۔ اب ہم اس کو لے جاتے ہیں اور وہ پروین کو لے گئے۔ اب میں پریشان ہوں، آپ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔ یہ تمام بیان میں نے حلفیہ دیئے اور آپ میری مدد فرمائیں میں تمام شرعی احکام ہر وقت ماننے کے لئے تیار ہوں۔

المستفتی: ظہیرالدین ولد شریف احمد، پکاباغ، امروہہ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ حالات میں بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں،غصہ کی حالت میں بلانیت طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

ويقع الطلاق من غضب. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، كراچي ۳/۲٤٤، زكريا٤/٤٥٢)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق .

(هندية، زكريا قديم ١/٣٥٦،جديد ١/٤٢٣)

إن الصريح لا يحتاج إلى النية. (شامي، زكريا ٤/٤٦١، كراچي ٣/٢٥٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمحرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴ /۱۰۵۷)

حالت غصہ میں دی گئی تین طلاق کا حکم

سوال [۶۶۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمر نے رحیمہ کو تین طلاق دے دیں، یعنی پہلے جھگڑا ہوا، پھر جھگڑے جھگڑے میں عمر بہت گرم ہوگیا اور رحیمہ نے بھی ساتھ ساتھ گرمی کو اور بڑھا دیا یعنی رحیمہ نے خود طلاق مانگنا شروع کیا، تو عمر نے بھی گستاخی کے ساتھ رحیمہ کو ۱/۲/۳ رکر کے تین طلاق دیدیں، ایسے میں رحیمہ کہہ رہی ہے کہ ایسے طلاق کیوں دے رہے ہو، جیسے نکاح کیا ہے مجھے ویسے طلاق دیدو، پھر عمر نے ویسے ہی فلاں کی بیٹی فلاں کو ۱/۲/۳ رکر کے طلاق دے دی، کئی دن کے بعد پھر صلح کرانے کے لئے ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں، ایک عالم کو لائے وہ عمر سے سوال کررہے ہیں کہ تم نے کیا کیا کہا، عمر کہہ رہے ہیں کہ جھگڑے میں وہ خود مجھ سے طلاق مانگتی رہی، میں نے اس کو منع کیا، پھر بھی تکرار سے طلاق مانگتی رہی، تو مجھے زیادہ غصہ آ گیا اور کچھ معلوم نہ رہا، تو میں نے اس کو اسی حالت میں طلاق دیدی، مجھے بلڈ کی بیماری ہے، عالم نے پھر سوال کیا کہ تم جو خون کی بیماری کہہ رہے ہو اس کا پورا ذمہ تم لے سکو گے، تو عمر نے کہا ہاں ضرور لے سکوں گا، تو عالم نے فیصلہ کردیا کہ ہمارے امام کے نزدیک غضب کی حالت میں جو ہوتا ہے، اس کو صحیح قرار نہیں دیا جاتا، اس حساب سے بالکل طلاق صحیح نہیں؛ لیکن بہت بڑا گناہ کیا؛ اس لئے تم دونوں کو توبہ واستغفار لازم ہے اور دوسرے امام صاحب کے نزدیک دو دفعہ میں دو طلاق ہوئی، اس میں بھی رجعت جائز ہے، تو دونوں کو توبہ

واستغفار کرایا۔ اورایسانہ کرنے کے لئے وعدہ کرایا، اس معاملہ میں مفتی صاحب سے مشورہ ہے کہ شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر یہ حالت ہے، تو رجعت کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ یہ معاملہ عبدالغفار، رابعہ عبدالخالق کا ہے، ابھی تک دونوں کی ملن نہیں ہوئی الگ ہیں؛ کیوں کہ وہ اس وقت پکڑا گیا، ابھی بنگلہ دیش ہے اور وہ حج میں آنے والا ہے، بہت جلدی کریں جواب میں کیوں کہ جواب کا منتظر ہوں۔

المستفتی: عبدالرحمٰن، عقیبہ مکۃ المکرّمہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق غصہ ہی کی حالت میں دی جاتی ہے؛ البتہ غضب کے مختلف درجات ہیں، اگر اس درجہ کا مرض اور غضب ہو کہ شوہر کو طلاق دینا یاد ہے، تو یہ مدہوش اور بے ہوشی کی حالت نہیں ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں بیوی پر تین طلاق واقع ہوچکی ہیں اور آئندہ اگر نکاح بھی کرنا چاہیں تو بلا حلالہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

الغضب بحيث لا يتغير عقله ويعلم مايقول و يقصده وهذا لا اشكال فيه.

(شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، زكريا ٤/٤٥٢، كراچي ٣/٢٤٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٦، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨)

ایسی صورت میں ایک مجلس کی تین طلاقیں حضرت امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ سب کے نزدیک تین ہی ہوجاتی ہیں؛ البتہ غیر مقلدین جو ائمہ اربعہ واہل سنت والجماعت سے خارج ہیں، ان کے نزدیک ایک طلاق ہوتی ہے، شاید مذکورہ عالم صاحب کو مغالطہ ہو گیا ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۶/۳۲۱، جدید، زکریا، کراچی ۸/۳۷۲)

وذهب جمهور الصحابة، والتابعين، ومن بعدهم من أئمة المسلمين

إلی أنه یقع ثلاث الخ. (شامي، كراچي ۳/ ۲۳۲، زكريا٤/ ٤٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۲۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

حالت غضب میں بیک وقت تین طلاق دے کر عدول عن المذہب کرنا

سوال [٦٦٥٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے حالت غضب میں بیوی سے کہا تم کو طلاق، تم کو طلاق، تم کو طلاق، اس کے کہتے وقت دل کے اندر طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا، بیوی دو ماہ کے حمل سے ہے، اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اگر ہوگئی تو کتنی؟ اگر حنفی مذہب میں واقع ہو اور مثلاً شافعی میں واقع نہ ہو، تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورت خاص میں عمل کرنے کی رخصت دی جائے گی یا نہیں؟ جیسا کہ زوج مفقود کی صورت میں امام مالک کے مذہب پر عمل کیا جاتا ہے اور تین طلاق دے کر خاوند رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟ حدیث صحیح ہے۔

كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبي بكرؓ وسنتين من خلافة عمرؓ طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر بن خطاب ان الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه اناءةً، فلو أمضيناهٗ عليهم فأمضاه عليهم.

(صحيح مسلم، ١/ ٤٧٧)

یہ حدیث دوسری حدیث کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے، اگر اس حدیث کی وجہ سے تین کو ایک قرار دیا جائے، تو کیا قباحت ہے؛ بلکہ سماجی بہت سی خرابیاں دور ہو جائیں گی اور معصوم بچے اور بچیوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا، اگر تین کو تین قرار دیا جائے، تو سماجی بہت ساری خرابیاں موجود ہیں اور آئندہ چل کر اور خرابیاں وجود میں آئیگی۔ اور مولانا عبدالحی مرحوم نے مجموعہ فتاوی میں فتوی دیا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک شمار کی جائے گی،

ان کے علاوہ دیگر علماء کے اقوال موجود ہیں، جو مسلکاً حنفی تھے، مگر فتوی اس پر دیا ہے، ہمارے علماءکرام کواس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہےاورانصاف سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

(۲) شوہر کا کہنا ہے کہ میں نے دو طلاق دیں، بیوی کہتی ہے کہ تین طلاقیں دیں، بیوی کے ساتھ گواہ ہیں،ان دونوں میں کس کے قول کا اعتبار ہوگا؟

(۳) حضرت عمرؓ کا تین کوتین قرار دینا،ایک سیاسی مسئلہ تھا نہ کہ شرعی؛ کیونکہ اس وقت کے حالات کے اعتبار سے ایسا حکم لگایا گیا تھا نہ کہ ہمشیہ اس پر قائم رہنے کے لئے۔

(۴) طلاق شوہر دیتا ہےاور سزا عورت اور بچے کوملتی ہے،شرعی نقطۂ نظر سے تین کوایک قرار دینے میں ہی عورت سزا سے بچ سکتی ہے۔ بینوا بالحق والصواب وتوجروا بیوم الحساب۔

المستفتی: محمد اسرافیل، وآدم الٰہی منزل پنجار پھلیہ، جونا گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق غصہ کی حالت میں دی جاتی ہے، راضی اورخوشی کی حالت میں کوئی اپنی بیوی کوطلاق نہیں دیتا؛ اس لئے غصہ کی قید سے حکم طلاق میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور آنجناب کا یہ فرمانا کہ زوج مفقود وغیرہ میں مالکی مسلک کو اختیار کیا جاتا ہے؛ اس لئے طلاق کے مسئلہ میں شافعی مسلک پرعمل کیا جائے، تو اس سلسلہ میں گذارش یہ ہے کہ اس پر چاروں ائمہ کا اتفاق ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں ایک نہیں ہوتی۔اب آنجناب سے گذارش ہے کہ سوال نامہ میں بیوی اور بچوں کے جواعذار پیش کئے ہیں،ان اعذار کی بناء پرہم کس کے مذہب کی طرف عدول کریں، ظاہر بات ہے کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ مستقل مسلک کے ساتھ کوئی پانچواں امام دنیا میں موجود نہیں ہے، جس کے مسلک میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہوگی؛ اس لئے ایک مجلس کی تین طلاقوں کوتین قرار دینے سے بچنے کے لئے عدول کر کے کسی دوسرے مستقل امام کے مسلک کو اختیار کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے؛ اس لئے ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوں گی، اس مسئلہ میں غیر مقلدین کی طرف سے طرح طرح سے رخنہ اندازی سے متأثر نہیں ہونا چاہئے۔

عن ابن عباسؓ قال: كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبي بكرؓ، وسنتين من خلافة عمرؓ، طلاق الثلاث واحدة، فقال عمرؓ: إن الناس قداستعجلوا في أمر كان لهم فيه إناءةً فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم وذهب جمهور الصحابة، والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث ولم ينقل عن أحدمنهم أنه خالف عمر حين أمضى الثلاث. (شامي، كراچي ۳/۲۳۳، زكريا ٤/٤٣٤)

وقد إختلف العلماء فيمن قال لامرأته أنت طالق ثلاثاً. فقال الشافعيؒ، ومالكؒ، وأبوحنيفةؒ، وأحمدؒ وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث. (حاشية نووي على مسلم، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث ١/٤٧٨، مرقاة شرح مشكوة، باب الخلع، الطلاق الثلاث بلفظ واحد، امدادية ملتان ٦/٢٩٣، بذل المجهود شرح أبي داؤد، الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، مكتبه يحىٰ سهارنپور ٣/٢٧٦، درالبشائر الإسلامية بيروت ٨/٩٥، تحت رقم الحديث: ٢٢٠٠، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة دارالفكر بيروت ٤/٣٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۷۴۸/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۷ھ

حالت حمل میں تین طلاق کا وقوع

سوال [٦٦٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی اور لڑکے کی شادی قریب چھ ماہ قبل ہوئی تھی اور دونوں آپس میں خوب راضی اور خوش تھے اور ایک دوسرے سے کافی محبت تھی، آج سے تین روز قبل کسی بات پر جھگڑا ہوگیا اور آپس میں کافی تکرار رہا، اس لڑکی کی ماں قریب ہی میں رہتی ہے، دونوں کی

آوازسن کرآ گئی اوراپنی لڑکی کی حمایت کرنے لگی اوراس کے شوہر سے کہنے لگی کہ تو میری لڑکی کوابھی طلاق دے، اورلڑکے کوبیہودہ الفاظ بھی کہنے لگی ،لڑکے نے اس کی ماں کے کہنے پر غصہ کی حالت میں اس طرح بالکل کہد یا کہ طلاق دی، طلاق دی،طلاق دی؛ جبکہ لڑکی ۵؍ مہینہ کی حاملہ بھی ہے۔اب ایسی صورت میں کیاحکم ہے؟

المستفتی : رئیس احمد،تحصیل اسکول ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بیوی پرطلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اورشوہر کے لئے قطعاً حرام ہوگئی ہے، وضع حمل کے بعد عورت دوسرے مرد سےنکاح کرےگی اوراس کےساتھ ہمبستری بھی ہوگی، پھرشوہراپنی مرضی سےطلاق دیدے،تودوبارہ عدت گذارنے کے بعدشوہراول کے لئے اس سےنکاح حلال ہوگا۔ (مستفاد:فتاوی دارالعلوم ۹؍۳۰۰)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ۲۹۳/۳، زكريا٤/۵۲۱)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها. (هندية، زكريا قديم ۴۷۳/۱، جديد ۵۳۵/۱)

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُن. [الطلاق:٤]

عدة الحبل فهي مدة الحمل ....والأصل فيه قوله تعالىٰ: وأولات الاحمال أجلهن أن يضعن حملهن أي انقضاء أجلهن أن يضعن حملهن، وإذا كان انقضاء أجلهن بوضع حملهن كان أجلهن؛ لأن أجلهن مدة

حملهن. (بدائع الصنائع، زکریا۳/ ۳۰٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۳۵۹)

ایام حیض میں تین مرتبہ طلاق دینا

سوال [٦٦٦١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ہی مرتبہ میں تین مرتبہ طلاق کہنے سے طلاق ہوجائے گی؟ اور کیا ماہواری کے دنوں میں طلاق دینے سے طلاق ہوجاتی ہے؟ فتوی صادر کیا جائے۔

المستفتی: محمد عظمت اللہ آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہوجاتی ہیں اور عورت ہمیشہ ہمیش کیلئے شوہر پر حرام ہوجائے گی۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۵/ ۱۲۹، جدید زکریا ۳۷۶)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

اوراسی طرح حالت حیض میں بھی طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجائے گی؛ لیکن شوہر گنہگار رہوگا۔

عبد الله بن عمرؓ، أنه طلق امرأته تطليقة وهي حائض، ثم أراد أن يتبعها بتطليقتين أخراوين عند القرئين، فبلغ ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا ابن عمر ما هكذا أمرك الله إنك قد أخطأت السنة، والسنة أن تستقبل الطهر، فيطلق لكل قروءٍ، قال: فأمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم،

فراجعتها، ثم قال إذا هي طهرت فطلق عند ذلك، أو أمسك، فقلت: يارسول الله! رأيت لو أني طلقتها ثلاثاً، كان يحل لي أن أراجعها؟ قال: لا، كانت تبين منك وتكون معصية. (سنن دار قطني، قديم ٢/٤٣٨، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢٠، رقم:٣٩٢٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍۳۴۷۷)

حالت حیض میں تین طلاق

سوال [٦٦٦٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب نے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ میں یہ کہتے ہوئے طلاق دی کہ ''میں نے تجھے تین طلاق دیں'' اور عورت اس وقت ناپاکی کی حالت میں تھی، تو ایسی صورت میں یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: عبدالوکیل، دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حیض کی حالت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں جب شوہر نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں تین طلاق دیدی ہیں، تو ایسی صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے اور حلالہ شرعیہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا اور جس حیض میں شوہر نے طلاق دی ہے، وہ عدت میں شمار نہ ہوگا؛ بلکہ اس کے بعد والے حیض سے عدت شمار ہوگی۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۲؍۱۸۵)

رجل قال لامرأته: تراسه طلاق، يقع الثلاث. (تاتارخانية، ٤/٤٠٥، رقم:٦٥٣٤)

وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة، فإذا فعل ذلک وقع الطلاق، وكان عاصياً. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، اشرفي ديوبند٢/٣٥٥)

والبدعي من حيض الوقت أن يطلق المدخول بها، وهي من ذوات الأقراء في حالة الحيض......وكان الطلاق واقعاً. (هندية، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره وركنه، زكريا قديم ١/٣٤٩، جديد ١/٤١٦)

وإذا طلق امرأته في حالة الحيض كان عليها الاعتداد بثلاث حيض كوامل ولاتحتسب هذه الحيضة من العدة. (هندية، باب العدة، زكريا قديم١/٥٢٧، جديد ١/ ٥٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۷۰۵)	۱۴۳۳/۵/۲۹ھ

”لے لے تو طلاق“ تین مرتبہ کہنا

سوال [۲۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہورہا تھا، اسی درمیان شوہر نے بیوی سے کہا ”لے لے تو طلاق“ اور یہ جملہ تین مرتبہ کہا، تو اس سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اس میں شوہر نے تنجیز نہیں کی ہے؛ بلکہ بیوی کو طلاق لینے کا حکم دیا ہے، تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھگڑے کے دوران جو شوہر نے بیوی سے تین مرتبہ یہ جملہ کہا کہ ”لے لے تو طلاق“ اور بیوی نے اسی مجلس میں اپنے اوپر کوئی طلاق واقع نہیں کی، تو شرعی طور پر بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ کیونکہ شوہر کا قول ”لے لے

تو طلاق'' تفویض طلاق مختص بالمجلس کے قبیل سے ہے، ہاں البتہ بیوی اگر اسی مجلس میں اپنے اوپر کوئی طلاق واقع کر لیتی تو طلاق واقع ہو جاتی۔

إذا قال لها:؛ طلقي نفسک سواء قال لها: إن شئت أولا فلها أن تطلق نفسها في ذلک المجلس خاصة. (هندية، كتاب الطلاق، الباب الثالث في تفويض الطلاق، الفصل الثالث في المشية، زكريا قديم١ / ٤٠٢، جديد١ / ٤٧١)

إذا قال لامرأته: أنت طالق إن شئت، فذلک إليها مادامت في مجلسها، فإن شاء ت في مجلسها وقع الطلاق، وكذلک إذا قال لها: طلقي نفسک إن شئت، أو لم يقل إن شئت فذلک إليها في مجلسها إلا أن هاهنا لا تطلق مالم تطلق نفسها. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا٤ / ٥١٢، رقم: ٦٧٩٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۷۰۶/۴۱)

شوہر نے تین طلاق دیں اور بیوی نے نہیں سنا تو

سوال [۶۶۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں رئیس خان ولد دولہ خاں، محلّہ نالہ پار، رام پور، مؤرخہ: ۲۰۰۲/۸/۱۰ء عرض یہ ہے کہ میرے گھر میں اختلاف ہونے کی وجہ سے میں نے غصہ میں آکر لوگوں کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہیں، مگر بیوی کا کہنا ہے کہ میں نے سنا ہی نہیں، میرے تین چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں، آپ سے گذارش ہے کہ آپ اس کا کوئی حل بتائیں کہ میرے لئے بیوی کو گھر لانے کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟ بیوی گھر آنا چاہتی ہے۔

المستفتی: رئیس خاں، نالہ پارہ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب رئیس خاں نے لوگوں کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، تو اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں اور بیوی رئیس خاں پر بالکل حرام ہوگئی۔اب بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ار جمادی الثانیہ ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۱۰۱۷۲)

کیا بیوی کے سنے بغیر شوہر کے اقرار سے طلاق واقع ہوجائے گی؟

سوال [٦٦٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رخسانہ بیگم ولد شمس الدین یہ کہتی ہے کہ میں قرآن شریف پڑھ رہی تھی، میں نے لوٹے میں پانی بھر کر رکھدیا، ان کا منھ دھونے کے لئے، انہوں نے لوٹے کا پانی پھینک کر مجھے گالیاں دینی شروع کردیں اور گھر سے باہر نکل کر تین بار طلاق کا لفظ استعمال کیا، محلّہ کے بھورے بھائی نے سنا رخسانہ بیگم کہتی ہیں کہ مجھے آواز نہیں آئی کہ انہوں نے طلاق دی یا نہیں؟ لڈن خاں ولد ببن خاں یہ کہتے ہیں کہ ہاں میں نے گھر سے باہر گلی میں تین بار طلاق کا لفظ استعمال کیا۔قرآن وحدیث سے جواب مطلوب ہے۔

المستفتی: چاند میاں، کٹار شہید، گنگ میڈیکل، والی گلی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہرلڈن خاں خود تین بار طلاق کا اقرار کرہا ہے؛ لہٰذا لڈن کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے اور طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی کا سننا لازم نہیں ہے۔ اب بغیر حلالہ شرعی کے دوبارہ نکاح بھی جائز نہیں ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ٤٧٣/١، جديد ٥٣٥/١، هداية اشرفي ديوبند٣٩٩/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۹۵۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱۱/۱ھ

بیوی کی عدم موجودگی میں تین طلاق

سوال[٦٦٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں عبدالغنی بن عبدالستار، عمر ٦٦ ؍سال گھریلو معاملات میں بچوں کے ساتھ نزاعی بحث وتکرار میں میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں؛ حالانکہ میری بیوی اس وقت موجود بھی نہیں تھی، میں نے یوں کہا ’’میں تمہاری ماں کو طلاق دیتا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق‘‘۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: عبدالغنی ولد عبدالستار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کے لئے بیوی کا سامنے موجود ہونا ضروری نہیں، اگر بیوی کی عدم موجودگی میں بھی طلاق دی جائے، تو طلاق واقع ہوجاتی ہے؛

لہٰذا مسئولہ صورت میں آپ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوچکی ہیں۔اب بلا حلالہ شرعیہ ونکاح جدید کے ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۴۲/۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، تاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۷، رقم:۷۵۰۳، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شعبان ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۳۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۸/۱۷ھ

بیوی اور گواہوں کی عدم موجودگی میں تین طلاق

سوال [۶۶۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری شادی تقریباً دس سال پہلے ہوئی تھی، میرا نام محمد راحت ہے، پہلی شادی شمع پروین سے ہوئی تھی، کچھ آپسی جھگڑے کے سبب میں نے انہیں تین بار ''طلاق، طلاق، طلاق'' کہہ دیا تھا، اس وقت دو افراد اور میں تھا، جن میں ایک عورت ایک مرد تھا؛ لیکن اب ہم دونوں پھر سے اپنے بچوں کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، اس کا کیا حل ہے؟ آپ ہمیں بتائیں اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: محمد راحت، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی یا گواہوں کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے، اس کے بغیر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں درج شدہ شکل میں بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔اب بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام

ہوچکی ہے؛ لہٰذا اب آئندہ اگر دونوں میاں بیوی بن کر ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو حلالۂ شرعیہ کے بغیر ساتھ رہنے کی کوئی شکل نہیں ہے اور حلالۂ شرعیہ کی شکل یہ ہے کہ تین ماہواری سے بیوی کی عدت پوری ہوجانے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کر کے ہمبستری ہوجائے اور پھر وہ شوہر طلاق دیدے اور دوبارہ عدت گذر جانے کے بعد شوہر اول نکاح کرلے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ررجب لمرجب ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۲۲۲ ۱۰)

بیوی کا نام لئے بغیر ’’طلاق، طلاق، طلاق‘‘ کہنا

سوال [٦٦٦٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں حبیب احمد ولد فدا حسین محلّہ لالباغ کا ہوں، میاں بیوی میں تکرار ہوا، میں نے وجد سے جنون میں آکر اپنی بیوی رئیس فاطمہ کو طلاق، طلاق، طلاق، تین مرتبہ کہدیا؛ لیکن نام کسی کا نہیں لیا، اس کی گواہ روبرو میری سالی نفیس فاطمہ موجود تھی اور میرے چچا جید ولد محمد حسن نے لفظ طلاق کا سنا ایک مرتبہ لیکن نام نہیں سنا۔

المستفتی: حبیب احمد ولد فدا حسین، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلاق واقع ہونے کے لئے عورت کا سامنے موجود ہونا یا عورت کا نام لینا یا طلاق کے الفاظ کا سننا یا شوہر کے اقرار کرتے ہوئے گواہوں کا

ہونا شرط نہیں ہے۔ نیز طلاق صریح میں وقوع طلاق کے لئے نیت لازم نہیں ہے، غصہ اور بیوی سے جھگڑے کا موقع ہے یہی قرینہ اور دلالت حال وقوع طلاق کے لئے کافی ہے، طلاق کے لئے نسبت یا اضافت طلاق صراحۃً ہونا شرط نہیں ہے؛ لہٰذا اس سوال نامہ کی درج شدہ حالت میں حبیب احمد ولد فدا حسین کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوکر وہ مغلظہ ہوگئی ہے۔ اب بلا حلالہ کے دوبارہ نکاح کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴۳۹/۲، دار العلوم ۷۹، کفایت المفتی ۳۷/۶)

ولا يلزم كون الإضافة صريحة في كلامه (إلى قوله) لأن العادة أن من له امرأة، إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها. (شامي، كراچي ٢٤٨/٣، كوئٹه ٤٦٦/٢، زكريا ٤٥٨/٥،البحر الرائق، كوئٹه ٢٥٣/٣، زكريا ٤٤٢/٣)

ولا يحتاج إلى نية؛ لأن الصريح موضوع للطلاق شرعاً، فكان حقيقة فيه فاستغني عن النية. (مجمع الأنهر، شرح ملتقى الأبحر، قديم ٣٨٦/١، جديد دارالكتب العلمية بيروت ١١/٢، شامي، كراچي ٢٥١/٣، زكريا ٤٦١/٤، الجوهرة النيرة، امدادية ملتان ١٠٢/٢، دارالكتاب ديوبند ٩٩/٢، البحرالرائق ٢٥١/٣، زكريا ٤٣٧/٣ ٧)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ٣٥٦/١، جديد ٤٢٣/١)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ٤٧٣/١، جديد ٥٣٥/١، هداية اشرفي ديوبند ٣٩٩/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۶/۳۴/۲)

بیوی کا نام لے کر تین مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۶۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کی بیجا و بےانتہا نافرمانیوں کی وجہ سے محلّہ کے کچھ معززین کے سامنے اپنی بیوی کا نام لے کر کہا، میں نے رخسانہ پروین کوطلاق دی، یہ جملہ زید نے تین مرتبہ دہرایا۔ اب دریافت یہ ہے کہ رخسانہ پروین کوطلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: مہدی حسن ولد محمد رفیق، صالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب زید نے اپنی بیوی کوتین مرتبہ طلاق دے دی ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب بغیر حلالہ دوبارہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۵۲۱/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۲۲ھ

بیوی کی طرف اشارہ کرکے تین طلاق دینا

سوال [۶۶۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ میں نے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح دو حقیقی بھائیوں سے اب سے تقریباً ۱۵/ ماہ پہلے دوتائی ضلع: غازی آباد میں کیا تھا، چھوٹی بیٹی فرحا خاتون اور اس کا شوہر منقاد احمد الحمد للہ صحیح طریقہ سے ازدواجی زندگی گذار رہے ہیں؛ لیکن بڑی بیٹی عائشہ خاتون اور اس کے شوہر شاہ محمد میں شروع سے ہی ان بن سی رہتی ہے، شوہر کی لائن ڈرائیوری کی ہے بہت پریشان کرتا ہے بے جا طریقہ سے مارتا رہتا ہے بار بار یہ الفاظ کہتا ہے کہ اپنے باپ کو بلا لے اور اپنا سامان بھر کے لیجا، مجھے تیری ضرورت نہیں کہہ دینا کہ میرے پاس پیسے نہیں ہے، یہ عادت رہی۔ ۳۰/ اپریل ۲۰۱۱ء رات میں میری بڑی بیٹی سے پیسے مانگنے لگا، بڑی بیٹی نے کہا میں کہاں سے پیسے دوں، اس پر دونوں میں رات ۱۱/ بجے بحث چلتی رہی، پھر باہر سے اندر مکان میں مارنے کے لئے لیجانے لگا، اسی کھینچا تانی میں چھوٹی بیٹی کی آنکھ کھل گئی، اس نے اس منظر کو دیکھا تو اس نے اپنے بڑے بہنوئی جیٹھ سے کہا تم مار کے دکھاؤ کیسے مارو گے؟ میں ابھی ابا کو فون کرتی ہوں، تو وہ چھوٹی بیٹی کو لپٹ گیا اور مارنے کی کوشش کی، تو بڑی بیٹی یعنی اس کی بیوی نے دونوں کو الگ کر دیا، اس پر غصہ میں اس نے اپنی بیوی میری بڑی بیٹی کو ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ یہ الفاظ غصہ میں اپنی زبان سے کہے'' طلاق، طلاق، طلاق،'' جبھی میری چھوٹی بیٹی نے رات ۱۲/ بجے مجھے فون پر ساری باتیں تفصیل سے بتلائیں، رات بھر پریشانی میں گذری صبح میں دوتائی پہنچا، محلّہ کے سب لوگ جمع ہوگئے، ایک مولانا کو بلایا وہ آئے سارا قصہ سن کر انہوں نے لڑکے سے قسم دے کر معلوم کیا، کیا تم نے یہ الفاظ کہے ہیں، تو اس نے صاف انکار کر دیا اور دونوں بیٹیاں قسم کھا کر یہ کہہ رہی ہیں کہ طلاق، طلاق، طلاق، غصہ میں ہاتھ سے ایسے اشارہ کرتے ہوئے جیسے ہاتھ سے کوئی چیز دیتے ہیں تین مرتبہ کہا ہے، سب کے مشورہ سے میں اپنی لڑکی کو اپنے گھر لے آیا ہوں۔ اب لڑکا اور دوسرے لوگ لے جانے کے لئے بار بار فون کر رہے ہیں، شرعاً بتلایا جائے کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اس حالت میں لڑکی کو بھیجنا اور لڑکی

کا جانا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ آپ کے شرعی جواب پر اگلے حالات موقوف رہیں گے، شدت سے جواب کا منتظر لڑکی کا باپ محمد صلاح الدین پسر چودھری امام الدین صاحب۔

المستفتی: محمد صلاح الدین، قصبہ: ڈھکہ، تحصیل: حسن پور، جے پی نگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب طلاق دیتے وقت بیوی وہاں موجود تھی اور بیوی کی طرف اشارہ کے ساتھ تین مرتبہ طلاق، طلاق، طلاق کہا اور بیوی نے خود سنا ہے اور اپنے سننے پر پورا یقین ہے، تو ایسی صورت میں اس کے لئے شوہر کے یہاں بغیر حلالہ کے جانا قطعاً جائز نہیں ہے، اگر شوہر انکار کررہا ہے، تو خلع وغیرہ کے ذریعہ سے اس سے جدائے گی حاصل کرلے اور اگر وہ خلع پر تیار نہیں ہے، تب بھی بیوی کو اپنے یقین کی وجہ سے شوہر کے پاس جانا جائز نہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۰۶)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه، والفتوى على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمال، أو تهرب. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/٤٦٣، كراچي ٣/٢٥١)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۴۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۶/۱۴۳۲ھ

بیوی کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے تین طلاق دینا

سوال [۱۶۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد نواب شیری نے اپنی بیوی شاہدہ خاتون کو چوری کی ہوئی چیز برآمد ہونے پر؛ جبکہ اس کا بھائی بھی عین موقع پر موجود تھا، اس طرح کہا کہ یہ میرے کسی کام کی نہیں ہے، میں نے یہ اشارہ کر کے انگلی سے کہا طلاق دی، میں نے اسے طلاق دی، میں نے اسے طلاق دی، ایسی حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں اگر طلاق واقع ہوئی ہے، تو دوبارہ نکاح کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: ڈاکٹر محمد اسلام شیری گرام، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب میاں بیوی کا ساتھ رہنا حرام کاری ہوگی اور اگر ساتھ رہنا چاہیں، تو شرعی طور پر حلالہ کرانا لازم ہوگا اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عدت گذرنے کے بعد بیوی دوسرے مرد سے شرعی نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستری کرے، پھر اس کے بعد شوہر ثانی اپنی مرضی سے طلاق دیدے، یا اس کا انتقال ہوجائے، اس کے بعد عدت پوری ہونے پر شوہر اول محمد نواب شیری کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلٰثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ٤٧٣/١، جديد ٥٣٥/١، هداية اشرفي ديوبند ٣٩٩/٢، تاتارخانية، زكريا ١٤٧/٥، رقم:٧٥٠٣)

ولاتحل الحرة بعد الطلقات الثلاث لمطلقها. لقوله تعالیٰ: فإن طلقها فلا تحل له. [البقرہ:۲۳۰]

من بعد الآية......إلا بعد وطئ زوج آخر......بنكاح صحيح......ومضى عدته أي عدة النكاح الصحيح بعد زواله بالطلاق في الزوج الثاني. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۸۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۲۵۸/۲٦)

شوہر کا تین مرتبہ طلاق دینا اور بیوی کا نہ لینا

سوال [٦٦٧٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے میاں بیوی کے جھگڑے کے دوران پہلی مرتبہ میں نے کہا تجھے طلاق دی، پھر دوبارہ کہا، طلاق دی، طلاق دی۔ بیوی نے کہا میں نے نہیں لی، میں نے نہیں لی، میں نے نہیں لی، تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ نیز غصہ کی وجہ سے میرا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا، مگر طلاق دینا سب یاد ہے۔

المستفتی: محمد شمیم پاکباڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب تین مرتبہ طلاق دینا یاد ہے، تو مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب دوبارہ بلاحلالہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هـنـدية، زكـريـا قـديـم ١/٤٧٣، جـديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰رشوال المکرّم ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۴۱۷۳)

میں نے تجھے طلاق دی، تین مرتبہ کہنا اور بیوی کا ہر مرتبہ انکار کرنا

سوال [٦٦٧٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی سے تین مرتبہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، اور بیوی ہر مرتبہ انکار کرتی رہی اور چلانے لگی، ان کے سامنے کئی عورتیں بھی تھیں۔ نیز میں نے طلاق غصہ کی حالت میں دی تھی، جس کا مجھے بعد میں افسوس ہوا۔

المستفتی: محمد اقبال، محلّہ: بی اے سی پاس فقیر آباد، مراد آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں آپ کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی ہے۔

متى كـرر لـفـظ الـطـلاق بـحـرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كراچي ٣/٣٩٣، زكريا ٤/٥٢١)

لـو قـال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦، فتاوى دارالعلوم ٩/٣١٥)

لہٰذا اب بلا حلالہ شرعی کے دوبارہ آپس میں نکاح بھی نہیں ہوسکتا، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ تین حیض گذرنے کے بعد عورت کسی دوسرے سے شرعی نکاح کرلے اور اس کے ساتھ

ہمبستری بھی ہوجائے، پھر وہ اپنی مرضی سے طلاق دیدے، تو پھر عدت گذرنے کے بعد شوہر اول کے ساتھ نکاح کرلے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة (إلى قوله) لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣)

ولاتحل الحرة بعد الطلقات الثلاث لمطلقها. لقوله تعالىٰ: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره. [البقرة: ٢٣٠]

من بعد الآية......إلا بعد وطئ زوج آخر......بنكاح صحيح......ومضى عدته أي عدة النكاح الصحيح بعد زواله بالطلاق في الزوج الثاني. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٨٨)

اور بیوی کا انکار کرنا اور نہیں کہنا طلاق کے واقع ہونے میں مانع نہیں ہے۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢/ جمادی الاولیٰ ١٤٠٨ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٣/ ٦٨٢)

بیوی صرف ایک طلاق کا اقرار کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال [٦٦٧٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی، وہاں موجود عورتوں نے کہا کہ زید نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دی ہیں، زوجہ کا کہنا ہے کہ میں نے ایک طلاق سنی ہے، دریں اثنا زید نے باہر آکر ٢/ آدمیوں سے کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی ہے، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبدالستار بیگ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لفظ طلاق بیوی کا سننا ضروری نہیں ہے؛ لہٰذا جب زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں اور اس پر شرعی گواہ بھی موجود ہیں، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر زید پر حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ شرعیہ کے زید کے لئے وہ بیوی حلال نہ ہوگی۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة--لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۰۸/۳۶ ۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۱۶ھ

فون پر نشہ کی حالت میں تین طلاق دینا

سوال [۶۶۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کریم نے کویت سے فون پر اپنی بیوی عائشہ بیگم کو یہ کہا کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق، آج سے تجھے شادی کے رشتہ سے آزاد کرتا ہوں، اس کے بعد اس نے فون رکھدیا، کچھ دنوں بعد جب دوسری مرتبہ کریم کا فون آیا، تو اس نے اپنے سالے منا سے بات کی، جس میں اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ مجھ سے ایک یہی غلطی ہوگئی کہ میں نے طلاق دیدی، اس کے علاوہ میری کوئی دوسری غلطی نہیں ہے، کریم کے اس اقرار کو جو اس نے فون پر کیا کئی آدمیوں نے اور بھی سنا، جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ کریم نے طلاق دینے کا اقرار کرلیا ہے، ان تمام باتوں سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ عائشہ بیگم کو تین

طلاق واقع ہوگئی ہیں۔ اب وہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے، اب وہ تمہارے گھر نہیں جائے گی، تو کریم کہتا ہے کہ طلاق نہیں واقع ہوئی ہے؛ اس لئے کہ میرے طلاق دینے پر کوئی گواہ نہیں ہے۔ اور میں نے شراب پی کر نشہ کی حالت میں طلاق دی ہے، وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جس طرح شادی گواہوں کی موجودگی میں ہوتی ہے، طلاق بھی گواہوں کی موجودگی میں ہوگی، تو طلاق کا اعتبار ہوگا، ورنہ نہیں ہوگا۔ نیز وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہم نے کویت کے عالموں سے معلوم کیا ہے، تو وہاں کے عالموں نے کہا ہے کہ طلاق نہیں واقع ہوئی ہے؛ اس لئے میری بیوی میرے نکاح میں موجود ہے، میری بیوی کو تم لوگ میرے گھر بھیج دو۔

حالانکہ دوسری طرف عائشہ بیگم طلاق کا لفظ اپنے کانوں سے سن لینے کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ رہنے کے لئے بالکل تیار نہیں ہے، وہ گناہ میں مبتلا ہونا نہیں چاہتی ہے؛ لہٰذا آپ حضرات شریعت مطہرہ کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ عائشہ بیگم پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ کیا طلاق کے لئے گواہ کا ہونا ضروری ہے یا بیوی اور شوہر کا اقرار ہی کافی ہے؟ کیا شراب پی کر طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؟ عائشہ بیگم اپنے شوہر کے لئے حلال ہے؟ کیا وہ اپنے شوہر کے ساتھ ایسی حالت میں زندگی گذار سکتی ہے؟ کویت کے عالموں کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ ان تمام باتوں کا الگ الگ تفصیل سے جواب دے کر ہم تمام لوگوں کی صحیح رہنمائی فرمائیں تاکہ ہم لوگ صحیح طریقہ پر چل سکیں اور حلال طریقہ پر زندگی گذار سکیں اور حرام سے بچ سکیں۔

المستفتی: انوار خان ہمنی سری کالاہستی، چتور (اے پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فون پر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اور شراب پینے کے بعد نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، جب شوہر نے خود طلاق دینے کا اقرار کیا ہے، تو اس سے طلاق واقع ہوگئی ہے، اب تاویلات اور حیلہ بازی سے عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی؛ لہٰذا جس وقت طلاق دی ہے، اس وقت سے تین ماہواری گذر جانے کے بعد عدت پوری ہوجائے گی اور عدت پوری کرنے کے بعد لڑکی اپنی مرضی سے جہاں چاہے

جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے اور مذکورہ واقعہ میں عائشہ بیگم کریم کی بیوی نہیں رہی اور کویت کے عالموں کے حوالہ سے طلاق واقع نہ ہونے کی جوبات کہی گئی ہے وہ درست نہیں ہے۔

ویقع الطلاق کل زوج عاقل بالغ........ولو هازلاً، أوسكران، ولو نبيذ، أو أفيون، أو بنج زجراً به يفتى الخ. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كراچي ٣/٢٣٥ تا ٢٤٠، زكريا ٤/٤٣٨تا٤٤٦)

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أو هازلاً وقع قضاءً لا ديانة. (شامي، كراچي ٣/٢٣٦، زكريا٤/ ٤٤٠)

قال الله تعالىٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ. [البقره:٢٢٨]

عن عائشة قالت: أمرت بريرة أن تعتد بثلاث حيض. (سنن ابن ماجه، الطلاق، باب خيار الأمة إذا اعتقت، النسخة الهندية ١٥٠، دارالسلام رقم:٢٠٧٧) **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۵۸۳/۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲۶ھ

فون پر تین طلاق دیدیں

سوال [٦٦٧٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے فون پر بات کرتے ہوئے کہا کہ طلاق، طلاق، طلاق، طلاق، پانچ چھ مرتبہ کہا، ابھی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ بیوی نے فون کاٹ دیا، تو اس عورت پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد دربھنگہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس شخص نے اپنی بیوی کو چار یا پانچ مرتبہ فون

پر طلاق طلاق کہا، تو اس کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں۔ اب بغیر حلالہ وہ عورت اپنے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۱۸/ ۳۷۶، کفایت المفتی جدید، زکریا ۶/ ۳۱، جدید ادارۃ الفاروق، کراچی ۸/ ۸۶، آپ کے مسائل ان کا حل جدید زکریا ۶/ ۴۷۰)

کرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، زكريا ٤/ ٥٢١، كراچي ٣/ ٢٩٣)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (هندية، زكريا قديم ١/ ٣٥٦، جديد ١/ ٤٢٣)

وفي الظهيرية: متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (الفتاوى تاتارخانية، زكريا ٤/ ٤٢٧، رقم: ٦٥٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۳۸۵)

فون پر تین طلاق دینا

سوال [۶۶۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں یاسمین عالم بنت خورشید عالم، ساکن مرادآباد، میری شادی مہتاب خان عرف خرم ولد اسلام بخش مرحوم کے ساتھ ۲۸/ جنوری ۲۰۰۱ء کو ہوئی تھی، شوہر کی طرف سے مستقل ظلم وستم ہوتا رہتا ہے، شراب پی کر گھر آکر مجھ سے لڑتے اور مجھے مارتوڑ کرتے رہتے ہیں اور بار بار ایسا ہو چکا ہے، جب زیادہ ماردھاڑ اور لڑائی کرتے ہیں، تو میں اپنے والدین کے یہاں مرادآباد آکر بیٹھ جاتی ہوں، پھر وہ بلاتے ہیں اور میرے ماں باپ سے کہتے ہیں کہ اب لڑائی جھگڑا نہیں کروں گا، تو میرے ماں باپ بھیج دیا کرتے تھے، ایسے میں چھ سال گذر گئے،

اس درمیان میرا ایک بیٹا بھی ۳ ردسمبر ۲۰۰۵ء کو ہوا تھا اور اب ادھر آ کر جھگڑا زیادہ ہونے لگا۔ ۱۸ رجنوری ۲۰۰۸ء کو سخت لڑائی ہوئی اور مجھے انہوں نے بہت زیادہ مار دھاڑ کی، جس کے نتیجے میں میں ۱۹ رجنوری کی صبح کو مرادآباد اپنے والدین کے یہاں آگئی اور ۲۸ رفروری کی رات کو گیارہ بج کر ۴۰ رمنٹ پر انہوں نے مجھ سے فون پر گفتگو کی اور سخت جھگڑا کیا، اور گالی گلوچ کی اور مجھے اور میرے بیٹے کو جان سے مارنے کی دھمکی دی اور اسی دوران تین مرتبہ طلاق دی اور اس طریقہ سے کہا کہ ''تجھے طلاق، طلاق، طلاق'' تین مرتبہ کہا اور میں نے خود یہ الفاظ اپنے کان سے سنے، تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتیه: یاسمین عالم بنت خورشید عالم، پکا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شوہر نے جو فون پر بیوی کو تین مرتبہ طلاق دیدی ہے، اور بیوی نے اپنے کان سے طلاق کے الفاظ سنے ہیں اور شوہر فون پر طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے، تو ایسی صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی، آئندہ بغیر حلالہ کے نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: جدید فقہی مسائل ۱/۳۰۵)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها، كذا في الهداية. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩)

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أو هازلاً وقع قضاءً لا ديانة. (شامي، زكريا٤/٤٤٠، كراچي٣/٢٣٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ رربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۵۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۱۳ھ

دوطلاق کے بعد پھر فون پر تیسری طلاق

سوال [۶۶۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو دوسال پہلے دوطلاق دی تھیں، حضرت مفتی صاحب سے مسئلہ معلوم کرکے رجوع کرکے ساتھ رہنے لگا اوراب چار ماہ پہلے فون پر ایک طلاق دی ہے، اور اس آخری طلاق کے بارے میں میری بیوی کا دعویٰ ہے کہ میں نے طلاق نہیں سنی؛ جبکہ میں نے طلاق دیدی ہے، ہمارے اوراس کے درمیان اس آخری طلاق سے جدائے گی ہے، اس سلسلے میں میری بیوی کے گھر والوں نے ڈاکٹر ذاکر نائک سے انٹرنیٹ کے ذریعہ سے معلوم کیا، جس میں انہوں نے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی ہے، اس بیوی سے میرا ایک لڑکا ہے، جس کی عمر دوسال ایک مہینہ ہے، اگر طلاق واقع ہوگئی ہے، تو کیا اس صورت میں میرا بیٹا اپنی ماں کے پاس رہے گا یا میرے پاس اوراگر ماں کے پاس رہتا ہے، تو کتنی مدت تک رہے گا، اس وقت میرا بیٹا اپنی ماں کے ساتھ اپنی نانی کے گھر ہے، اگر طلاق واقع ہوگئی ہے، تو کیا جب تک بچہ اپنی ماں کے پاس رہے گا، اس عرصہ کا خرچ مجھے دینا ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

المستفتی: محفوظ عالم محلّہ: مقبرہ، درگاہ، متصل بڑی مسجد مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت نے شوہر کو زندگی میں تین طلاق دینے کا اختیار دیا ہے، جن کو وہ ضرورت پڑنے پر دے سکتا ہے؛ لہٰذا جب شوہر نے دوسال پہلے دوطلاق دے کر رجعت کرلی تھی، اس کے بعد تیسری طلاق دے دی، تو اس سے بیوی شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے؛ لہٰذا اس کو بغیر حلالہ شرعیہ کے اپنے پاس زوجہ بنا کر رکھنا ناجائز اورحرام ہے۔ اور سات سال سے کم عمر لڑکے کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہوتا ہے اوراس دوران بچہ کا مناسب خرچہ باپ کے ذمہ لازم ہے اورسات سال کے بعد ماں کو حق

پرورش باقی نہیں رہتا ہے؛ اس لئے سات سال کے بعد باپ لڑکے کو اپنے پاس رکھنا چاہے تو اسے اس کا اختیار رہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۳/۵۶۸)

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: عن الرجل یطلق امرأته ثلاثاً، فیتزوجها الرجل، فیغلق الباب ویرخي الستر، ثم یطلقها قبل أن یدخل بها، قال: لا تحل للأول حتی یجامعها الأخر. (نسائي شریف، النسخة الهندیة ۲/ ۸٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٤)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره، نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها، أو یموت عنها. (هندیة، زکریا قدیم ۱/ ٤٧٣، جدید ۱/ ٥٣٥، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۸۸، هدایة اشرفي دیوبند ۲/ ۳۹۹)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قدیم ۲۱۹، جدید زکریا ٣٧٦)

والحاضنة أما أوغیرها أحق به: أي بالغلام حتی یستغني عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی. (الدر المختار مع الشامي، زکریا ٥/ ٢٦٧، کراچي ٣/ ٥٦٦)

ویجبر الأب علی أخذ الولد بعد استغنائه عن الأم؛ لأن نفقته وصیانته علیه بالإجماع. (شامي، زکریا ٥/ ٢٦٨، کراچي ٣/ ٥٦٦، ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٢/ ١٦٩، هندیة، زکریا قدیم ۱/ ٥٤٢، جدید ۱/ ٥٩٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۹؍ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۸۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۲۹ھ

فون پر تین طلاق دینے کا اقرار کرنا

سوال [۶۶۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں : کہ نصیر کا نکاح رشیدہ سے ہوا، سامان جہیز اور نقد روپیہ زیادہ نہ ملنے کی وجہ سے رشیدہ کو گالی گلوچ اور مار پیٹ کرنا شروع کردیا اور طلاق کی دھمکی دی جانے لگی، حتی کہ موبائل فون پر اپنی بیوی کو نصیر نے طلاق دیدی۔ رشیدہ نے جب اپنے والدین اور رشتہ داروں سے تذکرہ کیا، تو اس نے انکار کیا، پھر جب لوگوں نے دباؤ ڈالا تو اقرار کیا کہ ہم نے دو طلاق دی تھیں اور دس دن بعد رجعت کرلی، مفتیان کرام نے اس بات کو مان کر دو طلاق رجعی کا فتوی دیا اور دونوں میں زوجیت قائم رہی؛ لیکن مطالبہ نقدی کو لے کر ناچاقی باقی رہی، پنچوں نے لڑکے کی بدسلوکی اور ظلم وستم کو دیکھتے ہوئے، اگریمنٹ (بونڈ) بنوا کر رخصتی کرادی، اگریمنٹ بننے کے بعد بھی نازیبا سلوک ظلم وستم باقی رہا، حتی کہ ۲۹؍رمضان المبارک کے دن مارتے مارتے لڑکی کو بے ہوش کردیا، بعدہٗ اس نے موبائل پر چند دنوں بعد پھر کہا کہ دو طلاق پہلے دیدی تھیں اور ایک طلاق باقی تھی، وہ بھی ہم نے دیدی، تم کو رکھ کر ہم کیا کریں گے، تم کو سزا دے کر ختم کردینا ہے، لڑکی نے مزید دریافت کیا کہ اب ہمارا آپ کا کوئی تعلق اور رشتہ نہیں رہا، جواب ملا کہ نہیں، تمہارا ہمارا کوئی رشتہ نہیں، لڑکی رونے لگی اور اپنے رشتہ داروں کو خبر کردی۔

لڑکا پھر اپنے باپ سے بات کررہا تھا، باپ نے پوچھا کہ تم نے کیا کہا، تمہاری بیوی روتی ہے اور کہتی ہے کہ طلاق دیدی ہے، تو کیا ہوا ہم کہیں گے نہیں دی تو طلاق نہیں ہوگی، ان الفاظ کو دہراتے ہوئے ایک عورت نے کہا کہ خوب ہے، طلاق بھی دیدی اور کہتا ہے کہ ہم انکار کردیں گے، تو طلاق نہیں ہوگی اس تمام گفتگو کو سننے والی چار عورتیں اور ایک سولہ سال کا لڑکا بھی ہے، اس کے بعد گاؤں میں پنچایت ہوئی اور پنچوں نے طرفین کے بیانات وگواہوں کے بیانات سن کر لڑکے سے مزید دریافت کیا کہ اب کیا کروگے، تم طلاق دے کر انکار بھی کرتے ہو، تو انہوں نے پنچوں سے کہا کہ آپ لوگ جو بھی فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہے، نبھنے کی کوئی صورت نہیں ہے، پنچوں کا فیصلہ ہوا کہ مہر دین وسبھی لین دین دے کر دونوں فریق آزاد ہوجائیں۔

دونوں فریق نے فیصلہ کو مان کر لڑکے نے چالیس ہزار روپئے پنچوں کے حوالہ کر دیئے اور باقی روپئے کے لئے ایک مہینہ کی مہلت لی، ایک مہینہ کے بعد جب پنچوں نے مزید روپیوں کا مطالبہ کیا تو لڑکے کی طرف کے دیگر لوگوں نے مداخلت کر کے رکوادیا اور کہا جاتا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی۔ دریں صورت موبائل پر کہنا کہ ہم نے دیدی ہے، تو کیا ہوگا ہم کہیں گے نہیں دی، تو نہیں ہوگی اور پنچوں کے فیصلہ کو مانتے ہوئے روپئے جمع کر دینا اقرار طلاق ہے یا نہیں؟

مزید یہ کہ رشیدہ دینی علوم سے واقفیت رکھتی ہے اس کا کہنا ہے کہ اللہ کی قسم کھا کر میں کہتی ہوں کہ میرے شوہر نے موبائل پر مجھے طلاق دیدی ہے، تینوں طلاق کے بعد اب میں شوہر مذکورہ کے پاس کسی حال میں نہیں رہ سکتی؛ چونکہ اب مزید رہنا حرام کاری ہے، آدمی چاہے جو کہے لیکن خدا تو دل کا حال بھی جانتا ہے، مرنے کے بعد میں خدا کو کیا جواب دوں گی، گود میں ۹ رمہینہ کی بچی بھی ہے۔

المستفتی: راشق الہدیٰ، سمستی پور، لادھ کیسیا، صلحا بزرگ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال مسئولہ صورت میں جب شوہر نے فون پر طلاق دینے کا اقرار کیا ہے اور اس پر گواہ بھی موجود ہیں اور پھر اس نے پنچوں کو اپنے معاملہ کا مختار بنایا اور پنچوں نے بھی دونوں کے درمیان آزادی اور تفریق کا فیصلہ کر دیا، تو اب حکم شرعی یہ ہے کہ رشیدہ پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بدون حلالہ شرعیہ ان کے درمیان نکاح درست نہیں ہے اور بوقت نکاح جو مہر مقرر ہوا تھا شوہر کے ذمہ اس کا ادا کرنا لازم ہے۔

أقل ما يجوز في حقوق الناس فيما بينهم من الطلاق والعتاق .... شهادة رجلين، أو رجل، وأمرأتين. (المحيط البرهاني،

المجلس العلمي، بيروت ۱۳/ ۱٤٦، رقم: ۱٤۸۷٤، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲٦۱)

وإذا شهد شاهدان على رجل أنه طلق امرأته ثلاثاً، وجحد الزوج، والمرأة ذلک فرق بينهما. (تاتارخانية، زكريا ٥/ ١١٦، رقم: ٧٤١٣)

حكما رجلاً معلوما فحكم بينهما ببينة، أو إقرار، أونكول ورضيا بحكمه صح. (تنوير الابصار مع الدر المختار، كراچي ٥/ ٤٢٨، زكريا٨/ ١٢٧)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة --- لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند۲/ ۳۹۹، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۲۴۴)

شوہر کا میں نے تم کو آزاد کیا تین بار کہنا

سوال [۶۶۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص شام کو کام سے فراغت پا کر گھر واپس آیا، بیوی سے کسی بات پر ناچاقی ہوگئی، بات یہاں تک بڑھ گئی کہ بیوی نے شوہر کو غلط ناشائستہ الفاظ بول دیئے۔ اب ظاہر ہے کہ شوہر کا غصہ مزید تیزی پکڑ گیا، تو شوہر نے اسی نازک حالت غضب میں کہا کہ میں نے آزاد کیا، میں نے آزاد کیا، میں نے آزاد کیا، تین مرتبہ یہ الفاظ بولے، اب وہ شخص کہتا ہے کہ جس وقت بیوی نے غلط اور ناشائستہ الفاظ بولے، تو اس وقت حالت غضب کی انتہا نہ رہی ایک دم چکر آیا اور یوں محسوس ہورہا تھا کہ زبر دستی مجھ سے کوئی کہلوا رہا ہے نیت نہیں تھی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ الفاظ

سے مذکورہ حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوگئی، تو کوئی صورت ایسی نکل سکتی ہے کہ دوبارہ نکاح جڑ جائے؟

المستفتی: اچھن خاں، نرولی، چندوسی، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آزادکیا کے الفاظ ہمارے عرف میں بیوی کے حق میں طلاق صریح کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، جب شوہر نے ’’میں نے آزاد کیا‘‘ کا لفظ تین بار استعمال کیا ہے، تو اس سے بیوی پر تین طلاق واقع ہوکر وہ مغلظہ ہوچکی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا، دوبارہ نکاح کی صرف یہی ایک شکل ہے کہ عدت گذارنے کے بعد دوسرے مرد سے شادی کرے اور شوہر کی اس کے ساتھ ہمبستری ہوجائے، پھر شوہر ثانی ہمبستری کے بعد طلاق دیدے یا مر جائے تو اس کے بعد دوبارہ عدت گذرنے کے بعد یہی شوہر اول اس کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۱۶/۴، ۱۸/۴، فتاوی محمودیہ قدیم ۶/۴ ۷، جدید ڈابھیل ۳۵۸/۱۲، امداد الفتاوی ۵۲۵/۴)

سرحتک وهو رها كر دم؛ لأنه صار صريحاً في العرف (إلى قوله) فإن سرحتک كناية؛ لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال رها كردم: أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصلهٗ كناية أيضاً، وماذلک إلا؛ لأنه غلب في عرف الناس استعمالهٗ في الطلاق، وقد مر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ۲۹۹/۳، زكريا ٥۳۰/٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها، كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا قديم ۴۷۳/۱، زكريا

جديد ۱/ ۵۳۵، هداية اشرفي ديو بند ۲/ ۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۳۹۸)

”آزاد کرتا ہوں“ تین مرتبہ کہنے سے طلاق مغلظہ

سوال [۶۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں عبد الرؤف نے اپنی بیوی کو اس کی بدزبانی پر یہ کہدیا کہ میں تجھے آزاد کرتا ہوں، میں نے تین بار کہدیا، اس وقت وہاں اور کوئی نہیں تھا، میری بیوی باہر گئی اور قریب کے ایک مرد نابینا اور ایک عورت کو بلا کر لے آئی، جب انہوں نے معلومات کی اور میری بیوی کی ضد برابر جاری تھی، تو اس کی ضد اور بحث پر میں نے ایک بار اور کہدیا، پھر ایک فتوی لیا، جس میں یہی احوال لکھے گئے، تو پھر مفتی صاحب نے جواب دیا کہ ایک طلاق بائنہ ہوئی ہے اور عدت میں نکاح کر لے پھر لڑکی ایک معزز شخص کے ساتھ میرے پاس آئی اور گاؤں والوں نے یہ دیکھ کر چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور فتوی میں بھی گنجائش ہے، میرا اس سے نکاح کرادیا، پھر کچھ مخالف لوگوں نے اپنا مضمون لکھ کر فتوی منگایا جس کا یہ جواب تھا کہ حلالہ کرنا چاہئے، اب جواب کو سنتے ہی مخالف لوگوں نے میرے اوپر اذان دینے تکبیر کہنے سے روک لگادی۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اذان دینا میرے لئے صحیح ہے یا نہیں؟ تکبیر کہنا کیسا ہے اور حلالہ کرانا ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبد الرؤف، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب لفظ آزاد کرتا ہوں تین مرتبہ کہدیا ہے، اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی؛ اس لئے کہ ہمارے عرف میں لفظ آزاد کردینا طلاق کے لئے بولا جاتا ہے۔

سر حتک وهو رها کر دم؛ لأنه صار صريحاً في العرف (وقوله) رها کر دم: أي سر حتک يقع به الرجعي الخ. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩، امداد الفتاوی٢/ ٤٢٥)

لہٰذا بلا حلالہ بیوی کو رکھنا جائز نہ ہوگا؛ لیکن جب آپ نے کسی عالم کے فتویٰ کے مطابق بلا حلالہ نکاح کرلیا ہے، گواس فتویٰ میں لکھنے والے سے غلطی ہوگئی ہے، شریعت کے مطابق آپ فاسق نہیں ہیں، آپ کے مسجد میں جانے کی وجہ سے مسجد ناپاک نہیں ہوئی، اورآپ کے لئے اذان دینا تکبیر کہنا سب شرعی طور پر جائز ہے، بس شرط یہ ہے کہ بیوی کوحلالہ سے قبل نہ رکھیں اور ماضی سے توبہ کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۹۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۴/ ۱۴۱۵ھ

بیوی کے مطالبہ پر شوہر کا تین طلاق دینا

سوال [۶۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے بیوی کے مطالبہ پر وکیل کے سامنے کہا ''میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، تیسری مرتبہ لفظ طلاق کہنے کے بعد غم اور رنج کی وجہ سے آواز بند ہوگئی تھی۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس صورت میں بیوی پر کتنی طلاق واقع ہوئیں اور دوبارہ ازدواجی زندگی کی کیا شکل ہے۔

المستفتی: احمد حسن صدیقی، ملکیان، سیوہارا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شوہر کے دو مرتبہ طلاق کہنے کے بعد تیسری مرتبہ طلاق دی کے الفاظ کہہ چکنے کے بعد آواز بند ہوئی، تو اب ایسی صورت میں طلاق مغلظہ

واقع ہوچکی ہے؛ لہٰذا حلالہ شرعیہ اور نکاح جدید کے بغیر میاں بیوی کا تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣)

لو قال لزوجته : أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۳۱۷)

بیوی کے مطالبہ پر ”جا میں نے تجھے طلاق دی“ تین مرتبہ کہنا

سوال [۶۶۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں محمد عاقل اور میری بیوی کے درمیان کچھ باتیں غصہ اور ناراضگی کی ہوگئیں، اسی درمیان بیوی نے مجھ سے طلاق مانگی، اس پر میں نے تین بار یا چار بار یہ کہہ دیا کہ ”جا میں نے تجھے طلاق دی“ اب اس صورت میں بعد میں ہم دونوں پچھتا رہے ہیں اور دوبارہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں، اس کے لئے شریعت میں کوئی شکل ہو تو ہم کو بتایا جائے۔

المستفتی: محمد عاقل، مغلپورہ اول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپس کے تکرار کے دوران جب عاقل نے اپنی بیوی کو اس کے طلاق مانگنے پر تین بار چار بار طلاق دی کے الفاظ کہہ دیئے ہیں، اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اب آپس میں دونوں ایک دوسرے پر بالکل حرام ہوگئے ہیں۔

اب اگر دونوں دوبارہ ساتھ رہنا چاہیں تو صرف حلالہ کا طریقہ ہوسکتا ہے اور اس کی شکل یہ ہے کہ جس دن طلاق کا واقعہ پیش آیا ہے، اس دن کے بعد سے تین ماہواری گذرنے تک عدت گذارنا بیوی پر لازم ہے، اس کے بعد بیوی کا نکاح کسی دوسرے مرد کے ساتھ ہوجائے، پھر اس کے ساتھ ہمبستری بھی لازم ہے، اس کے بعد وہ دوسرا شوہر طلاق دیدے اور اس کی طلاق کے بعد بھی تین ماہواری کے ساتھ عدت گذارنا لازم ہے، اس کے بعد محمد عاقل کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے۔

قالت لزوجها: من باتو نمي باشم، فقال الزوج: مباش، فقالت: طلاق بدست تو است مرا طلاق كن، فقال الزوج: طلاق مي كنم، طلاق مي كنم، وكرر ثلاثا طلقت ثلاثاً. (هندية، زكريا قديم ١/ ٣٨٤، جديد ١/ ٤٥٢)

لـو كـرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شـامـي، كتـاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ٣/ ٣٩٣، زكريا ٤/ ٥٢١)

قـال الله تعالىٰ: وَالْـمُـطَـلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ . [سورة البقره:٢٢٨]

عـن عـائشة رضـ قالت: أمرت بريرة أن تعتد بثلاث حيض. (ابن ماجة، الطلاق، باب خيار الأمة إذا اعتقت، النسخة الهندية ١٥٠، دارالسلام رقم:٢٠٧٧)

وإن كـان الـطـلاق ثـلاثـاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتـى تـنـكـح زوجـاً غيـره نـكـاحـاً صـحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويـمـوت عنها. كذا في الهداية. (عـالـمـگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، زكريا جديد ١/ ٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۷۷۴)

بیوی کے اصرار پر شوہر کا تین طلاق دینا

سوال [۶۶۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۱۴/اگست ۲۰۱۰ء کو کافی دنوں کے تکرار کے بعد اپنی اہلیہ ہما کو کئی مرتبہ کے اصرار پر ان کے دو بھائیوں کی موجودگی میں تین مرتبہ طلاق دیدی، وہ اسی وقت اپنے دو بھائیوں کے ساتھ اپنی والدہ کے پاس نجیب آباد چلی گئی، جب اس سلسلہ میں دھامپور کے مفتی صاحب (جو کہ شہر امام بھی ہیں) سے رابطہ قائم کیا گیا، تو انہوں نے تحریری طور پر طلاق کا فتوی دیا، ہما کے گھر والوں نے یہ بات تسلیم نہیں کی، ان کا کہنا تھا کہ طلاق نہیں ہوئی ہے۔ بہر حال انہوں نے لڑکے محمد وسیم کو کسی طرح راضی کیا کہ وہ بنا کسی عدت حلالہ کے لڑکی کو ۳/بچوں کے ساتھ الگ مکان میں رکھے، اس میں محمد وسیم کی والدہ، بھائیوں، بھابھیوں، بہنوئیوں کسی کی بھی رضا شامل نہیں ہے، اب ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہئے؟ وسیم یا ان کی اہلیہ سے تعلق رکھیں یا نہیں؟ اور ان کے گھر آنا جانا رکھیں یا نہیں؟

المستفتی: شاہنواز، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی کے اصرار پر شوہر محمد وسیم نے تین طلاقیں دیدی ہیں، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو کر بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے، اس کے بعد دونوں کا بغیر حلالہ کے رہنا بدکاری اور زناکاری ہے، اس کی نحوست سے ادبار آ سکتے ہیں، حدیث پاک میں اس کو علامات قیامت سے میں ایک خطرناک علامت بتلایا گیا ہے؛ لہٰذا متعلقین ورشتہ داروں پر لازم ہے کہ فوری طور پر دونوں کو الگ کردیں۔

ولو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ٣٧٦)

عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيره، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ٢٩٥/١٢، رقم: ١٣٤٢٩، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية، بيروت ٣٤١/٤)

وفي رواية قال النبي صلى الله عليه وسلم: العسيلة الجماع. (مجمع الزوائد ٣٤١/٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة.....لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ٤٧٣/١، جديد ٥٣٥/١)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم.....يابن مسعودؓ إن من أعلام الساعة وأشراطها: أن يكثر أولاد الزنا، قلت: أبا عبد الرحمن وهم مسلمون؟ قال: نعم! قلت: أبا عبد الرحمن والقرآن بين ظهرانيهم؟ قال: نعم! قلت: أبا عبد الرحمن وأنى ذلك؟ قال يأتي على الناس زمان يطلق الرجل المرأة، ثم يجحد طلاقها، فيقيم على فرجها فهما زانيان ما أقام. (المعجم الكبير، داراحياء التراث العربي بيروت ٢٣٠/١٠، رقم: ١٠٥٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۲۰۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۰۹/۱۱/۱۶ھ

مطالبہ پر طلاق ثلاثہ دینے کی صورت میں عدت، مہر اور جہیز کا حکم

سوال [٦٦٨٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) میں نے اپنی بیوی شبنم پروین کو تین طلاق اس کے مطالبہ پر دیدی ہیں،

اس سے پہلے بھی طلاق کا مطالبہ کرتی رہتی تھی، اس وقت بھی طلاق مانگ رہی تھی، میں نے غصہ میں طلاق دیدی ہے۔

(۲) اب میرے ہی گھر پر عدت گزار رہی ہے ۲۴ فروری کو طلاق ہوئی تھی کتنے دن عدت ہوگی اور عدت کے بعد کہاں رہے؟ میرے ہی گھر میں رہے یا میکہ جائے گی؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۳) مہر اور جہیز کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد نوید خان، آزادنگر، سنبھل روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) طلاق خوشی میں نہیں دی جاتی ہے، غصہ ہی میں دی جاتی ہے، جب آپ نے اپنی بیوی کو اس کے کہنے پر تین طلاقیں دیدی ہیں، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر آپ پر قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

والبدعي ثلاث متفرقة، وكذا بكلمة واحدة بالأولىٰ. (شامي مع الدر، زكريا٤/ ٤٣٤، كراچي ۳/ ۲۳۲، ۲۳۳)

(۲) آپ کے گھر پر عدت گزار سکتی ہے، اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو؛ لیکن جب تک اس کی عدت پوری نہیں ہوجاتی آپ سے سخت پردہ لازم ہے اور ۲۴/ فروری کے بعد سے تین ماہواری گذرنے پر اس کی عدت پوری ہوجائے گی اور عدت پوری ہوتے ہی اس پر لازم ہے کہ اپنے میکہ چلی جائے؛ اس لئے کہ وہ آپ کے لئے مثل اجنبیہ؛ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آپ پر حرام ہوچکی ہے؛ کیونکہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ آپ کا نکاح بھی درست نہیں ہے۔

ولهما أن يسكنا بعد الثلاث في بيت واحد إذا لم يلتقيا التقاء الأزواج، ولم يكن فيه خوف فتنة. (شامي، زكريا٥/ ۲۲۷، كراچي۳/ ٥۳۸)

وهـي فـي حق حرة......تحيض لطلاق......بعد الدخول (إلى قوله) ثلاث حيض كوامل. (رد المختار مع الدر المختار ٥/ ١٨١- ١٨٢، كراچي ٣/ ٥٠٤-٥٠٥)

(۳) مطلقہ بیوی کے مہر کی رقم اگر آپ پر باقی ہے، تو وہ اور جہیز کا سامان اس کو واپس کرنا آپ پر لازم ہے۔

بل كل أحد يعلم أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله، وإذا ماتت يورث عنها. (شامي، كراچي ٣/ ١٥٨، زكريا ٤/ ٣١١)

ويتأكد المهر عند وطء، أوخلوة صحت......، أو موت أحدهما. (شامي، كراچي ٣/ ١٠٢، زكريا ٤/ ٢٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۱۰۶۵)

طلاق کے مسلسل مطالبہ پر شوہر کا ’’دی‘‘ کہنا

سوال [٦٦٨٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجھ جمیل احمد و یاسمین بیگم کے درمیان اپنے سسر صاحب جناب تصور حسین کے میرے بھائی کے رشتہ کے سلسلہ میں ناجائز برائی کرنے کی بناپر جھگڑا ہوگیا اور میرے کہنے کے باوجود بیوی نے بھی یقین نہیں کیا کہ جناب تصور حسین صاحب نے برائی کی ہے، اس بات کو لے کر کافی کہاسنی ہوگئی اور میری بیوی نے طلاق کی مانگ کی اور کہا کہ مجھ کو الگ کردو، یہ ورد میری بیوی نے صبح سات بجے سے دس بجے تک رکھا، تب میں نے کہد یا کہ دی، دی، دی اور کہا کہ اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ اور اس کے باوجود جب وہ جانے لگی تو روکا، جس کے درمیان برقع بھی پھٹا، جس کا ایک ٹکڑا میرے پاس ہے، میرے بعد دیگر لوگوں کے روکنے پر بھی وہ نہیں رکی۔

المستفتی: جمیل احمد ایڈوکیٹ، امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب بیوی صبح ۷/بجے سے ۱۰/بجے تک مسلسل طلاق مانگتی رہی ہے اوراس مانگ اور مطالبہ پر آپ نے چار مرتبہ ’’دی‘‘ کہا ہے، تو ایسی صورت میں آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب دونوں کا ساتھ رہنا حرام کاری ہوگی۔

ولو قالت: مرا طلاق کن، مرا طلاق کن، مرا طلاق کن، فقال: کردم کردم کردم تطلق ثلاثا. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٣٨٣، جديد زكريا ١/ ٤٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۷ ۳۱۸)

’’میں نے تجھے طلاق دی‘‘ تین مرتبہ کہنے سے طلاق

سوال [٦٦٨٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا شوہر محمد ارشاد مجھے آئے دن شراب پی کر مارتا پیٹتا تھا اور اکثر آئے دن طلاق دینے کو کہتا رہتا تھا، ایک دن آٹھ جون ۲۰۰۴ء کو مجھے بہت مارا اور تین بار کہا ’’میں نے تجھے طلاق دی‘‘ اور تو میرے گھر سے فوراً چلی جا میں اپنے بھائیوں کے گھر چلی آئی اور میرے شوہر محمد ارشاد مجھے چھوڑ کر دہلی چلے گئے اور اب تک کوئی خیر خبر نہیں لی اور اب دو سال ہو چکے ہیں، اب تک تین لڑکیوں کو لے کر اپنے بھائیوں کے گھر زندگی گذار رہی ہوں۔ مہربانی کر کے بتلائیے کہ مجھ پر طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتية: زینب جہاں، ملا قاسم مسجد فیل خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سائلہ اپنے بیان میں سچی ہے کہ اس کے

شوہر نے اس کو دوسال قبل تین بار طلاق دی ہے،تو سائلہ پر تین طلاق اسی وقت ہوچکی تھیں۔ اب اس درمیان اس کی عدت بھی پوری ہوچکی ہے، اب کسی دوسری جگہ نکاح کر کے باعصمت زندگی گذار سکتی ہے،اب اگر پہلا شوہر آ کر ساتھ رکھنا چاہے،تو اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

قال الله تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلاثَةَ قُرُوْءٍ. [البقرة:۲۲۸]

لـو قـال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كـان الـطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكـاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند۲/۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۰۶۷/۳۸)

لفظ ایک دو تین سے طلاق کا حکم

سوال [۲۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام عائشہ ہے، میری شادی عارف کے ساتھ تقریباً چھ ماہ قبل ہوئی تھی، میں اپنے شوہر کے یہاں چار سے پانچ بار گئی ہوں،ایک دن وہ مجھے میرے گھر چھوڑنے کے لئے میرے ساتھ آئے اور میرے گھر کی سیڑھی پر کھڑے ہوکر اپنا ہاتھ میرے شانے پر رکھ کر یہ الفاظ کہے کہ آج سے میرے اور تیرے درمیان کوئی تعلق نہیں، ایک، دو، تین، وہ یہ الفاظ بول کر چلے گئے، جب ان سے دوبارہ برائے تحقیق پوچھا گیا،تو وہ انکار کرنے لگے اور قسم بھی کھالی؛ حالانکہ یہ الفاظ میرے روبرو بولے گئے ہیں اور میں نے اپنے کانوں سے سنے ہیں

اوراس پر میں بھی قسم کھارہی ہوں اور مجھے اللہ کا خوف ہے اور میں اپنی زندگی برباد کرنا نہیں چاہتی، ایسی صورت حال میں جب شوہر طلاق کا انکار کرے اور قسم بھی کھالے، تو میرے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور میرے شوہر کے لئے کیا حکم ہے؟ ہمارے عرف میں ایک، دو، تین، طلاق کے الفاظ کے بغیر بھی طلاق کے لئے مانے جاتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۳۹۱/۸)

المستفتیه: عائشہ بی بی، گودھرا (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب آپ کے یہاں عرف میں ایک، دو، تین، طلاق ہی کے لئے بولا جاتا ہے اور شوہر نے بیوی کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر یہ الفاظ کہے ہیں اور ساتھ میں یہ بات بھی کہی ہے کہ میرے اور تیرے درمیان کوئی تعلق نہیں، اس سے تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں ہیں۔ آئندہ بلا حلالہ دونوں میں نکاح بھی جائز نہیں۔

قال لامرأته: أنت مني ثلاثا، طلقت إن نوى، أو كان في مذاكرة الطلاق. (شامي، كراچي ۲۷۵/۳، زكريا ٤٩٧/٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة ......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية، اشرفي ديوبند ۳۹۹/۲، هندية، زكريا قديم ٤٧٣/١، زكريا جديد ٥٣٥/١، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٤٧/٥، رقم:٧٥٠٣)

لیکن جب بعد میں شوہر انکار کررہا ہے اور بیوی کو یقین سے معلوم ہے اور بیوی نے خود سن رکھا ہے، تو ایسی صورت میں بیوی کو ایسا کرنے کی گنجائش ہے کہ مہر معاف کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کرلے اور اگر اس کے لئے بھی وہ تیار نہ ہو، تو عورت کو اس سے علیحدگی اور راہ فرار اختیار کرنے کے لئے کوئی بھی شکل اختیار کرنے کا حق ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۰۴/۲)

إذا قال الرجل لامرأته: أنت طالق بألف درهم، فقبلت طلقت وعليها ألف درهم. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٦٠٠/٤، رقم:٧٠٣٧)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لايحل لها تمكينه، والفتوى على أنه ليس لها قتله ولاتقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمال، أوتهرب. (شامي، كراچي ٣/ ٢٥١، زكريا ٤/ ٤٦٣، البحرالرائق، كوئٹہ ٣/ ٢٥٧، زكريا ٣/ ٤٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۹۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۲ھ

بیوی کو مخاطب کر کے تین مرتبہ طلاق دینا

سوال [٦٦٨٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ باپ اور بیٹے میں کچھ گرم مزاجی کے ساتھ گفتگو ہورہی تھی، اسی دوران لڑکے نے طلاق، طلاق، طلاق، ایک ہی سانس میں تین مرتبہ کہا نہ تو اس نے بیوی کا نام لیا اور نہ ہی اس کے درمیان اور اس کی بیوی کے درمیان کوئی بات چیت ہورہی تھی، اس کے تقریباً ایک منٹ بعد اس نے بیوی سے کہا کہ لے میں نے آج تیری چھٹی ہی کردی، یہ کہتے ہوئے شوہر کی ماں اور اس کی ہمشیرہ نے بھی سنا، اتنا کہنے کے بعد وہ پریشان ہونا شروع ہوگیا۔ اور اس کی یہ حالت تھی کہ کبھی مکان میں اندر جاتا اور کبھی باہر آتا اور یہ کہتا کہ آج میں نے کتنی بڑی غلطی کرلی، اپنا گھر برباد کرلیا اور اس کے دو بچے بھی ہیں، ایک لڑکی اور ایک لڑکا اور تیسرا حمل ہے، جس کا وقت ساڑھے سات ماہ ہے، لڑکی کے گھر والے اور لڑکے کے گھر والے بھی موجود تھے اور دونوں کے رشتہ دار موجود تھے، ان کے درمیان دونوں نے ایک ساتھ ایک ایک جگہ زندگی گذارنے کی رضامندی ظاہر کی ہے؛ لہٰذا آپ بتائیں اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ طلاق پڑی یا نہیں؟ اگر طلاق پڑی ہے تو کون سی پڑی؟

المستفتی: عبدالکریم، محلّہ: جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے چونکہ اپنی بیوی کومخاطب کرکے اور بیوی ہی کومراد لےکرغصہ کی حالت میں طلاق، طلاق، طلاق، کے الفاظ کہے ہیں، تو اس کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوچکی ہیں اب بغیرحلالۂ شرعیہ کے میاں بیوی کی طرح رہنا درست نہیں۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ۱۲/۲۷۴)

ولایلزم کون الإضافة صریحة في کلامه–إلی– لأن العادة أن من له امرأة، إنما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها. (شامي، ۳/۲۴۸، زکریا ۴/۴۵۸)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قدیم۲۱۹، جدید زکریا ۳۷٦)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، أو یموت عنها. (هدایة، اشرفي دیوبند ۲/۳۹۹، هندیة، زکریا قدیم ۱/۴۷۳، جدید ۱/۵۳۵، تاتارخانیة، زکریا ۵/۱۴۷، رقم: ۷۵۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹٦۷۳)

بیوی کو زبانی تین طلاق دینا

سوال [٦٦۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر فضل الرحمٰن لاجپت نگر کرولہ مرادآباد نے اپنے پڑوسی محمد یسین محمد عتیق الرحمٰن بجنوری متعلم مدرسہ شاہی اور اپنے ملازم امام الدین، نیز میری اہلیہ کے ماموں محمد دین کی موجودگی میں اپنی اہلیہ کوتین طلاق دیدی ہیں اورتحریر کے ذریعہ بھی مزید

تین طلاقیں دیدں تو یہ واقع ہوئیں یا نہیں؟

المستفتی: فضل الرحمٰن، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ اپنی بیوی کو ۳/ طلاقیں زبانی طور پر دے چکے ہیں، تو آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ پڑ چکی ہے اور وہ آپ کے لئے اب بالکل حرام ہو چکی ہے؛ لہٰذا آپ کے لئے اس بیوی کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنا قطعی طور پر حرام ہے اور آئندہ آپس میں بغیر حلالہ کے نکاح بھی جائز نہیں ہے، طلاق مغلظہ واقع ہونے کے بعد اب تحریر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية. (هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديو بند ۲/۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۷، رقم: ۷۵۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۹۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۶ھ

''میں نے اس کو طلاق دی'' تین مرتبہ کہنا

سوال [۶۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنے گھر میں خانگی امور سے متعلق اپنی بیوی کو زودکوب کر کے (یہ کہتا ہوا کہ جا یہاں سے نکل جا) پڑوس میں فوراً پہونچا اور محو گفتگو ہوا، پڑوس کے اس سوال پر کہ تمہارا چہرہ اداس کیوں ہے، شخص مذکور نے جواب میں کہا کہ میں نے اس کو طلاق دی، یہ لفظ تین مرتبہ کہا، کچھ توقف کر کے پھر کہا کہ میں نے اس کو طلاق دی، یہ لفظ دو مرتبہ کہا، پڑوس کی

اس گفتگو میں کوئی مرد یا بالغ لڑکا نہیں تھا صرف تین عورتیں موجود تھیں، جن میں سے ایک نے تین مرتبہ اور دوسری نے پانچویں مرتبہ یہ لفظ سنا، کیا اس صورت میں زید کی بیوی کو طلاق ہوگئی یا کوئی گنجائش باقی ہے؛ جبکہ گواہان میں صرف عورتیں ہی تھیں، جنہوں نے دو دن کے بعد زید کی بیوی سے یہ گفتگو نقل کی ہے۔

المستفتی: محمد عمیر غازی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں مذکورہ صورت میں زید کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں ہیں اور طلاق مغلظہ واقع ہونے کی وجہ سے بغیر حلالہ شرعیہ کے آپس میں نکاح بھی درست نہیں ہے۔

وفي الأشباه: لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً.

(الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

وفي الهندية: وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحا. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۷۰۴)

جب آپ لوگ کہہ رہے ہیں، تو میں تینوں طلاق دے رہا ہوں کہنے کا حکم

سوال [۲٦۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سسرال سے اپنے گھر کسی حاجت کے لئے آیا، بیوی نے ناشتہ کھانے کے لئے زید کو بلایا، ناشتہ کے سلسلہ میں میاں بیوی میں جھگڑا ہوا، بیوی نے شوہر کو برا بھلا کہا،

اورشوہر نے بیوی کو مارا پیٹا، اتنے میں بیوی کا چچیرا چچا آ کر کہنے لگا، اگر ایک باپ کی اولاد ہوتو مار کر دیکھو، مار نہیں سکتے ہو، اس کے بعد زید نے چچیرے سسر سے کہا کہ اگر حقیقت میں یہ آپ کی لڑکی ہے تو تینوں طلاق، بیوی روپئے جمع کرنے بینک جا رہی تھی، زید نے بیوی سے کہا کہ جو روپئے بینک میں جمع کروگی وہ روپئے نہیں ملیں گے؛ اس لئے جمع مت کرو، اس کے بعد بیوی کا چچیرا چچا اور اس کے والد اور دو چار آدمی آ کر کہنے لگے کہ تم اس سے بول نہیں سکتے اور روک نہیں سکتے ہو؛ کیونکہ تم نے اس کو طلاق دیدی ہے اور یہ لوگ زبردستی کہہ رہے تھے کہ تم طلاق دے چکے ہو اور زید جواب میں یہی کہتا رہا کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے، چار پانچ مرتبہ یہی کہا، لوگوں نے کہا کہ تم طلاق دے چکے ہو اور زید وہی جواب دیتا رہا کہ طلاق نہیں دی ہے، اس کے بعد زید کے سسر نے مارنا چاہا تو زید نے ڈر کے مارے کہا کہ ’’جب آپ لوگ کہہ رہے ہیں‘‘ تو میں تین طلاق دے رہا ہوں اور شرط یہ ہے کہ میں لڑکی کو واپس لاؤں گا، اس کے بعد لڑکی والے زید کے گھر سے سامان وغیرہ لے کر چلے گئے، پھر اس کے بعد میاں بیوی آپس میں کہنے لگے کہ ہم آپس ہی میں شادی کریں گے، اگر شادی نہیں ہوئی، تو ہم جان دیدیں گے، تو اب اس صورت کے اندر کیا مسئلہ ہوگا؟ اور کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: عتیق الرحمٰن، بھاگلپوری (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے جب زید نے بیوی کے چچیرے چچا کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہا کہ ’’اگر حقیقت میں یہ آپ کی لڑکی ہے، تو تینوں طلاق‘‘ تو اس سے بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ بیوی حقیقت میں اس کی بیٹی نہیں ہے؛ لیکن جب بعد کے واقعہ میں زید کو سسر کی طرف سے مارنے کی دھمکی دی گئی، اس وقت زید نے یہ جملہ استعمال کیا کہ ’’جب آپ لوگ کہہ رہے ہیں تو میں تین طلاق دے رہا ہوں‘‘ اس لفظ سے اسی وقت تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور اس کے ساتھ لڑکی کو

واپس لانے کی شرط لگانے سے وقوع طلاق میں کوئی اثر نہ ہوگا۔

وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة......فإذا فعل ذلك وقع الطلاق. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، اشرفي ديوبند ٢/٣٥٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ / شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۰۸۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۳ھ

بھابھی کی موجودگی میں تین طلاق

سوال [۶۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں اور طلاق دیتے وقت صرف بیوی کی بھابھی موجود تھی اور طلاق کی صورت یہ ہے کہ میں تجھے آزاد کرنے کے لئے آیا ہوں، پھر اس کے بعد تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کہدیا، تو کیا ایسی صورت میں طلاق ہو جائے گی؟

المستفتی: ریاست حسین، گھیر کھانا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ٣/٢٩٣، زكريا ٤/٥٢١)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، زكريا جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۶۵۱)

دو گواہوں کے روبرو تین طلاق دینا

سوال [۶۶۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد شریف ولد محمد ابراہیم محلّہ عید گاہ مرادآباد کی شادی ۱/۲/۸۱، کو نفیس جہاں بنت قمرالدین محلّہ کسرول مرادآباد سے ہوئی تھی، میری بیوی شادی سے ۲/ سال ۳/ ماہ میرے ساتھ رہی اس کے بعد مجھ سے جھگڑا کر کے میرے گھر سے چلی گئی اور اس کے بعد اپنے والد کے گھر پر رہنے لگی اور مقدمہ چلا اور آپس میں طے ہونے کے بعد ۱۰۰/ روپئے ماہوار دیتا رہا اور اس کے دوران میں نے کئی بار بلانے کی کوشش کی پر وہ آنے کے لئے تیار نہیں ہوئی، جب میں بلانے کے لئے گیا، اپنی طرف کے دو آدمی کو لے کر گیا تھا اور میں نے اس سے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا، تو اسنے چلنے سے انکار کردیا۔ ۱/۹/۹۸ کوتب میں نے ان دونوں کے سامنے تین بار طلاق دیدی تھی، میں نے کئی بار اسے اپنا مہر لینے کے لئے گواہ بھیجا تا کہ وہ اپنے گھر کا کوئی آدمی بھیجدے اور اپنے مہر کی رقم وصول کرے، اس پر اس نے کوئی عمل نہیں کیا، پھر اس کے بعد میں نے مجبور ہوکر اسے ایک طلاق کا نوٹس وکیل کے ذریعہ لکھ کر ۱۱/۳/۹۹ رجسٹری کے ذریعہ بھیج دیا تھا، اور اسے وہ ۱۹/۳/۹۹ کو مل گیا تھا اور یہ مقدمہ عدالت میں زیرِ غور ہے، وہ کہتی ہے کہ مجھے طلاق نہیں

ہوئی ہے، جب میں نے اس کو زبانی طلاق دی تھی، تو کیا اس کو طلاق ہوگئی، جب کہ میں اقراری ہوں اور میں نے اس کو عدالت کے اندر جج صاحب کے سامنے کہہ کر اقرار کرلیا ہے کہ میں نے اس کو طلاق دیدی ہے، میرے نکاح میں ۴؍ اشرفی اور ۴؍ ہزار روپۓ بندھے ہیں، اور وہ مؤجل ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟

المستفتی: محمد شریف، محلّہ عیدگاہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ واقعہ اگر صحیح ہے، تو بیوی نفیس جہاں پر تین طلاق واقع ہوگئیں؛ کیونکہ شوہر نے جب دو گواہوں کے روبرو بیوی کو تین طلاق دیں، اس کے بعد بذریعہ وکیل ایک طلاق کا نوٹس بھیجوایا اور اب بھی طلاق کا مقر ہے، تو اب عورت کا انکار مقبول نہ ہوگا؛ بلکہ بیوی مطلقہ مغلظہ ہوکر شوہر محمد شریف کی زوجیت سے خارج ہوگئی اور چونکہ یہ واقعہ کئی سال پرانا ہو چکا ہے؛ اس لئے عدت بھی گذر گئی، اب عورت نفیس جہاں فی الفور اپنا نکاح دوسری جگہ کرسکتی ہے۔

وتطلق ثلاثا عملا بإقراره احتیاطاً. (شامي، کتاب الطلاق، قبل باب الایلاء، کراچي ۳/۲۱٤، زکریا٥/٥٧)

اور مہر کے سلسلہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ یا تو مقررہ شئ یعنی چار اشرفی اور چار ہزار روپۓ دیدے اور اگر اشرفی کی قیمت دینی ہے، تو پھر یوم الأداء کی قیمت کا اعتبار ہوگا، نکاح کے وقت کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا۔

ولایجوز دفع غیره من غیر رضاها، فکان مستقراً مهراً بنفسه في ذمته، فتعتبر قیمته یوم الاستقرار، وهو یوم العقد فأما الثوب وإن وصف فلم یتقرر مهراً في الذمة بنفسه؛ بل الزوج مخیر في تسلیمه وتسلیم قیمته في إحدی الروایتین علی ما نذکر إن شاء الله وإنما یتقرر مهراً بالتسلیم، فتعتبر قیمته یوم التسلیم. (بدائع الصنائع، زکریا ۲/٥٦۳، ٥٦٤)

مہر مؤجل کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ادائے گی فی الفور لازم نہیں ہے؛ بلکہ اس کی ادائے گی کے لئے کوئی مہلت اور وقت مقرر کردیا جائے۔ (کفایت المفتی قدیم ۱۲۵/۵، جدید ادارۃ الفاروق، کراچی ۳۹۱/۷)

اَجل الشئ مدت مقرر کرنا مہلت دینا۔ (مصباح اللغات ۲۸/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۶۵۸/۳۷)

دو گواہوں کی موجودگی میں تین طلاق دینا

سوال [۶۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھانجے محمد نعیم نے ۲۴/اگست ۹۹ء کو بعد نماز عشاء اپنی مرضی سے تبسم خاتون سے نکاح کرلیا اور اس نکاح میں لڑکے اور لڑکی کے ولی کوئی موجود نہیں تھے اور نکاح بھی کسی دوسرے کے مکان پر پڑھا گیا تھا، جس کے گواہ اور وکیل بھی امروہہ کے رہنے والے ہیں اور سارا واقعہ امروہہ کا ہے۔ ۵/ستمبر ۹۹ء کو محمد نعیم کی بیوی تبسم جہاں اپنی مرضی سے باپ کے گھر چلی گئی؛ جبکہ نعیم احمد نے اپنی بیوی کو وہاں جانے کے لئے منع کیا تھا، پھر بھی وہ چلی گئی۔ ۱۲/ستمبر ۹۹ء کو نعیم احمد نے دو حضرات کی موجودگی میں تبسم خاتون اپنی بیوی کو تین بار طلاق نام لے کر دیدی، اس وقت اس کی بیوی موجود نہیں تھی، پھر ۱۷/ستمبر ۹۹ء کو جب میں نے اور جناب الحاج محمد یوسف صاحب نے معلوم کیا کہ تم نے کیا کہا تھا، تو اس نے تین بار کہا کہ میں نے اپنی بیوی تبسم خاتون کو طلاق دی۔

(۱) کیا اس حالت میں طلاق ہوگئی؟

(۲) مہر فاطمی دینا ہوگا، جو نکاح میں لکھا گیا تھا؟

(۳) کیا عدت گذارنی ہوگی؟

(۴) کیا عدت کا خرچہ لڑکے کو دینا ہوگا؟

(۵) ان دونوں کا نکاح پھر ہوسکتا ہے اور کس طرح ؟

(۶) لڑکے کا کچھ روپیہ لڑکی کے باپ کے پاس ہے، کیا وہ روپیہ بھی لڑکا مہر میں شامل کرسکتا ہے یا نہیں؟

برائے کرم فتوی دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں تاکہ آگے کے حالات طے کئے جائیں۔

المستفتی: محمد یاسین سیفی، کاشی پور، ادھم سنگھ نگر (یوکے)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب نعیم احمد نے دو حضرات کی موجودگی میں تین بار طلاق نام لے کر دیدی اور بعد میں اس کا اقرار بھی کرلیا، تو تبسم خاتون پر تین طلاق مغلظہ پڑگئیں۔

وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثاً بكلمة واحدة، أو ثلاثاً في طهر واحد، فإذا فعل ذلک وقع الطلاق. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، اشرفي ديو بند۲/ ۳٥٥)

(۲) نکاح کے وقت جو مہر فاطمی لکھا گیا تھا وہی دینا لازم ہوگا۔

ومن سمیٰ مهراً عشرة، فمازاد فعليه المسمیٰ إن دخل بها، أو مات عنها. (هداية، اشرفي ديو بند۲/ ۳۲٤)

(۳) تین ماہواری کے ساتھ عدت گذارنی ہوگی، اس کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ. [البقرہ:۲۲۸]

بعد الدخول أوبعد خلوة الصحيحة كان عليها العدة. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ٥۲٦، جديد ۱/ ٥٧۹)

(۴) نعیم احمد کے منع کرنے کے باوجود جب بیوی اپنے باپ کے یہاں چلی گئی، تو وہ ناشزہ ہوگئی اور ناشزہ کے لئے عدت کا نفقہ واجب نہیں۔

ولا نفقة لأحد عشر ومنها خارجة من بيته بغير حق. (شامي، زكريا ٥/ ٢٨٥، ٢٨٦، كراچي ٣/ ٥٧٦، بدائع الصنائع ٣/ ٤٢٨)

(۵) تین طلاق دینے کے بعد دوبارہ اس سے نکاح کرنے کی صورت یہ ہے کہ عورت عدت گذارنے کے بعد کسی مرد سے نکاح کرلے اور وہ آدمی اس سے صحبت کرنے کے بعد طلاق دیدے اور پھر دوبارہ عدت گذارنے کے بعد اس عورت سے شوہر اول کا نکاح کرنا جائز ہوگا اور بغیر حلالہ کئے ہوئے اس سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣)

(٦) اگر لڑکی اس کو مہر میں منہا کرنے کے لئے تیار ہو، تو وہ اس کو مہر میں شمار کرسکتا ہے، ورنہ وہ قرضہ الگ سے وصول کیا جائے گا۔

وتصح الحوالة برضا المحيل، والمحتال، والمحتال عليه، قال في العناية: شرط صحة الحوالة رضا المحتال؛ لأن الدين حقه وهو أي الدين ينتقل بالحوالة والذي متفاوتة، فلا بد من رضاه. (عناية على الفتح، زكريا ديوبند ٧/ ٢٢٢، كوئٹه ٦/ ٣٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۲۰۲)

شوہر کا گواہوں کے سامنے تین بار تم کو طلاق دی کہنا

سوال [٦٦٩٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مؤرخہ: ۹/اپریل ۲۰۰۰ء بروز اتوار شاہد حسین ایوبی نے مجھ مہر بانو سے کہا تم میرا کہنا نہیں مانتی ہو اور میری مرضی کے بغیر گھومنے چلی جاتی ہو، میں تمہیں اپنی زوجیت میں رکھنا نہیں چاہتا، بعدہٗ شاہد حسین ایوبی نے مجھ سے تین بار کہا میں نے مہر بانو کو طلاق دی، یہ فقرے روبرو گواہان ادا کئے گئے ہیں، اس کے بعد پھر مختلف اوقات میں کئی بار یہی جملہ مجھ سے مخاطب ہو کر شاہد حسین ایوبی کہہ چکا ہے؛ لہٰذا فتوی بتایئے۔

(۱) شاہد حسین ایوبی کے ایک وقت میں تین بار مجھ مہر بانو کو طلاق دینے پر طلاق شرعی ہوئی یا نہیں؟ بعدہٗ مختلف اوقات میں یہ فقرے ادا کرنے کے بعد ہی طلاق مکمل طور پر ہوگئی ہے؟

(۲) کیا تین بار طلاق دینے کے بعد کسی طرح پر بھی بحیثیت زوجیت کوئی تعلق شاہد حسین سے رکھ سکتی ہوں یا نہیں؟

(۳) کیا شاہد حسین ایوبی کے تین بار طلاق دینے کے بعد میں ان کی زوجیت سے آزاد ہوں؟

المستفتیه: مہر بانو، ٹاؤن ہال، زنانہ ہسپتال، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱/۲/۳) جب شوہر نے تین بار طلاق کا لفظ کہا، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہو چکی اور نکاح بالکلیہ ختم ہو گیا، اب بغیر حلالہ شرعیہ کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح بھی صحیح نہیں ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، البحر الرائق، زكريا٤/٩٤، كوئٹه٤/٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۷۳۹/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۷ھ

چار آدمیوں کے سامنے تین طلاق دینا

سوال [۶۶۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں لئیق ابن عبدالعزیز محلّہ پیرغیب نے اپنی بیوی رضیہ پروین کو کل صبح چار لوگوں کے سامنے تین طلاق دیدی ہیں؛ لہٰذا طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: لئیق احمد بن عبدالعزیز، پیرغیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لئیق احمد نے اپنی بیوی کو چار آدمی کے سامنے تین طلاقیں دے دی ہیں، تو بیوی رضیہ پروین پر تینوں طلاق واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی ہے اوراب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے، دونوں کا ساتھ رہنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

وإذا قال لامرأته: أنت طالق، وطالق، وطالق ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولة طلقت ثلاثاً. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الباب الثاني إيقاع الطلاق، زكريا قديم ١/٣٥٥، جديد١/٤٢٣)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۳۷۷/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۱۷ھ

۱۰/۱۲/آدمیوں کے سامنے تین طلاق دینا

سوال [٦٦٩٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں شہاب الدین نے تقریباً ۱۰/ یا ۱۲/آدمیوں کے سامنے پنچایت میں اپنی اہلیہ تنویر جہاں کو تین طلاق کے الفاظ کہے، وہ الفاظ یہ ہیں ''میں نے تنویر کو طلاق دی'' کیا حقیقت میں طلاق ہوگئی؟

المستفتی: شہاب الدین، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دیدی، تو آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر وہ آپ کے لئے قطعی طور پر حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ کے آپ دونوں کا میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور حرام ہے۔

عن نافع كان ابن عمرؓ إذا سئل عمن طلق ثلاثاً، قال: لو طلقت مرة، أو مرتين، فإن النبي صلى الله عليه وسلم، أمرني بهذا، فإن طلقها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيره. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من جاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩٢، رقم:٥٠٦٦، ف:٥٢٦٤)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/ ٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۹۷)

مجمع عام میں تین طلاق دینا

سوال [۶۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ رخسانہ پروین کواس کے شوہر ذاکر حسین نے اب سے قریب تین ماہ قبل اس کے میکہ میں والدین اور بھائیوں اور باہر کے کچھ آدمی جو کہ فیصلہ میں آئے ہوئے تھے کے سامنے رخسانہ کا نام لے کر اوراس سے مخاطب ہوکر تین مرتبہ طلاق دیدی اور چلا گیا، بعد میں رخسانہ سے پتہ چلا کہ وہ اپنے گھر میں بھی کئی مرتبہ طلاق دے چکا ہے، طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: ہدایت حسین، کرولہ آزادنگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے اپنی بیوی کوتین مرتبہ طلاق دیدی ہے،تو بیوی پرطلاق مغلظہ واقع ہوکرشوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے،اب بلا حلالہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۳۷۱۳)

تین جھگڑوں میں میں نے تمہیں طلاق دیدی کہنے سے طلاق

سوال[۶۷۰۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر غصہ میں آکر یہ کہتے ہیں کہ میں نے تمہیں طلاق دیدی، بچوں کو لے کر گھر سے نکل جاؤ، دوتین لڑائیوں میں تین تین بار یہ کہہ چکے ہیں کہ میں نے تمہیں طلاق دیدی۔تو دریافت یہ کرنا ہے کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتيه: نرگس، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر تین بار یا اس سے زائد تمہیں طلاق دیدی کے الفاظ کہہ چکا ہے،تو طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے،آپ اپنے شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہیں، بغیر حلالہ کے اس شوہر کے پاس رہنا جائز نہ ہوگا۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۶۳۵۲/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۱/۳ھ

جھگڑے کے دوران تین مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۰۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد شاہد نے بیوی سے جھگڑے کے دوران تین مرتبہ یہ کہدیا کہ طلاق،

طلاق،طلاق۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح بیوی سے جھگڑے کے دوران کہنے سے طلاق ہوئی یانہیں اورشرعاً اب کیا حکم ہے؟ تین بچے بھی ہیں، بیوی کورکھنا چاہیں تو کیا کریں؟

المستفتی: محمد شاہد،محلّہ چودیوسرائے، سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں مذکورہ صورت میں بیوی پرطلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے،اب بلاحلالہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۶؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۶۲۳۴/۳۴)

کیا تیری ماں میری ماں ہے،طلاق،طلاق،طلاق

سوال [۶۷۰۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالرزاق نے اپنی بیٹی جس کی عمر۲۰؍سال ہےاس سے سوال کیا کہ تمہاری ماں کدھر ہے؟ لڑکی نے جواب دیا کہ سورہی ہیں،ان کی طبیعت بہت خراب ہے،عبدالرزاق نے اپنی بیٹی کوثر سے کہا،کیا تیری ماں میری ماں ہے؟ ''طلاق، طلاق،طلاق'' بس اتنے الفاظ کہے ہیں،طلاق ہوئی یانہیں ہوئی؟ کیافرماتے ہیں علماءحق؟

المستفتی: مولانا کمال چودھری،ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں عبدالرزاق کی بیوی پر تین طلاقیں مغلظہ واقع ہوگئی ہیں۔اب حلالہ شرعیہ کے بغیر بیوی حلال نہیں ہوگی۔

كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب غير المدخول بها، زكريا٤/٥٢١، كراچي٣/٢٩٣)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هداية، كتاب الطقلا، فصل فيما تحل به المطلقة اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۵۸۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۷/۱۴۱۹ھ

بلانیت تین طلاق دینا

سوال [۶۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے جو تلگو زبان بولتا ہے، اپنی زبان میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں تین بار کہا؛ لیکن دل میں بیوی کو الگ کرنے کا ارادہ نہیں تھا اور نہ ہی یہ معلوم تھا کہ بیوی اس سے بالکل خارج ہو جائے گی۔ بہر حال زید کو مسئلہ بتایا گیا کہ طلاق مغلظہ واقع ہوگئی؛ لیکن بہشتی زیور کی اس عبارت سے زید کو شک پیدا ہو رہا ہے کہ اگر تین مرتبہ مضبوطی کے لئے کہا اور ارادہ ایک طلاق کا ہے، تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

بہشتی زیور کی عبارت یہ ہے مسئلہ نمبر۱۳/ کسی نے تین دفعہ کہا تجھکو طلاق، طلاق، طلاق، تو تینوں طلاقیں پڑ گئیں یا گول الفاظ میں تین مرتبہ کہا، تب بھی تین پڑ گئیں؛ لیکن اگر

نیت ہی ایک طلاق کی ہے فقط مضبوطی کے لئے تین دفعہ کہا تھا کہ بات خوب پکی ہوجائے، تو ایک ہی طلاق ہوئی؛ لیکن عورت کو اس کے دل کا حال تو معلوم نہیں؛ اس لئے یہ سمجھی کہ تین طلاقیں مل گئیں۔ (مستفاد: اصلی بہشتی زیور ۴/۲۱۷)

مذکورہ بالا عبارت کا حل کیا ہے اور زید کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟

المستفتی: محمد عمیر غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہشتی زیور کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کو طلاق دینے کی نیت ہے، مگر صرف ایک طلاق کی نیت اور سوال مذکور میں ایک طلاق کی نیت نہیں ہے؛ بلکہ نیت طلاق دینے کی ہے، تو ایسی صورت میں تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں؛ لہٰذا مذکورہ واقعہ میں بیوی پر تین طلاق واقع ہوکر شوہر کے نکاح سے بیوی خارج ہوچکی ہے۔

كرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوى التأكيد دين. وتحته في الشامية: وقع الكل قضاء، وكذا إذا طلق بأن لم ينو استئنافاً ولا تأكيداً؛ لأن الأصل عدم التأكيد. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ۳/۲۹۳، زكريا ٤/٥٢١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۵۱)

نیت کئے بغیر تین مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے بیوی کی بدزبانی پر پہلے روکا کئی مرتبہ یہ کہہ کر ڈرایا کہ کہدوں گا، کہدوں گا، اس پر بھی اس کی زبان برابر چلتی رہی، غصہ میں آکر ایک مرتبہ لفظ طلاق کہدیا،

اس پر بھی وہ نہ مانی، پھر لفظ طلاق استعمال کیا، پھر میں نے تیسری مرتبہ لفظ بھی کہہ دیا میں نے یہ لفظ اپنی زبان سے ادا کرنے کی قسم کھائی تھی، میری نیت طلاق کی بالکل نہیں تھی۔

المستفتی: سید سردار حسین، محلّہ پیرغیب، ابراہیم باؤس، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں شوہر نے اولاً ''کہہ دوں گا'' کا لفظ استعمال کرکے بیوی کو تنبیہ کرنے کی کوشش کی آخر نہ ماننے پر اس نے یکے بعد دیگرے بیوی کو تین بار لفظ طلاق کہہ دیا ہے، جس سے وقوع طلاق میں کوئی چیز مانع نہیں ہے؛ لہٰذا تینوں طلاقیں واقع ہوکر بیوی شوہر پر حرام ہوچکی ہے۔

و لايلزم كون الإضافة صريحة في كلامه لما في البحر: لو قال طالق فقيل له من عنيت، فقال: امرأتي طلقت امرأته (إلى قوله) لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها الخ. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا٤/٤٥٨، كراچي٣/٢٤٨)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (هندية، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۵۸۸/۲۵)

جا میں نے تجھے تین طلاق دیں

سوال [۶۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ محفوظ نے درمیان تنازع اپنی زوجہ کو ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دیں، محفوظ کے الفاظ یہ تھے کہ جامیں نے تجھے تین طلاق دیں، جس کو اس کے چچازاد بھائی نے خود سنا، اب صورت یہ ہے کہ وہ اب تک ایک ساتھ ازدواجی زندگی بسر کررہے ہیں اوراب ان کی تین اولادیں بھی ہیں، جن کی ولادت بعد الطلاق ہوئی، تو اب طلاق واقع ہوئی یانہیں؟ حلالہ کی ضرورت ہے یا صرف تجدید نکاح سے کام ہوجائے گا اوران کے محلّہ والوں اوررشتہ داروں کے لئے کیا شرعی حکم ہے، ان کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟ مذکورہ صورتوں میں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد وسیم، بہرائچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال مذکور کےاندر جو بات بیان کی گئی ہے، اگر وہ صحیح ہے، تو محفوظ کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اور بیوی محفوظ پر قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے؛ لہٰذا بغیر حلالہ کے دوبارہ آپس میں نکاح بھی جائز نہ ہوگا، محلّہ والوں اوررشتہ داروں کو چاہئے کہ وہ میاں بیوی کو سمجھائیں اور انہیں علیحدہ رہنے کی تلقین کریں اوران کو اللہ سے ڈرائیں۔

وأما البدعي ......أن يطلقها ثلاثاً في طهر واحد بكلمة واحدة، أو بكلمات متفرقة......فإذا فعل ذلک وقع الطلاق وكان عاصياً.

(الفتاوى التاتارخانية، زكريا٤ / ٣٨١، رقم: ٦٤٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هداية اشرفي ديوبند٢ / ٣٩٩)

عن طارق بن شهاب قال: أول من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلوٰة مروان –إلى– من رأىٰ منكم منكراً، فليغيره بيده، فإن لم يستطيع

فبلسانه، فإن لم يستطيع فقلبه، وذلک أضعف الإيمان. الحديث (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، النسخة الهندية ١/ ٥١، بيت الأفكر رقم: ٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۴۰)

’’تمہیں تین دفعہ طلاق دیدی‘‘ سے طلاق مغلظہ

سوال [٦٧٠٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی نے کہا میں نے تین دفعہ تمہیں طلاق دیدی، تو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: عالم بیلڈ والے، شاہ درہ، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب تین دفعہ طلاق دیدی ہے، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب بلا حلالہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

وأما البدعي......أن يطلقها ثلاثاً في طهر واحد بكلمة واحدة، أوبكلمات متفرقة......فإذا فعل ذلک وقع الطلاق وكان عاصياً. (تاتارخانية، زكريا ٤/ ٣٨١، رقم: ٦٤٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۳۹۶)

’’طلاق دیتا ہوں‘‘ تین مرتبہ کہنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ کی شادی میرے ساتھ حسب رواج شریعت اسلامی ہوئی تھی، میں نے آپ کے طور طریقے سے ناخوش ہوکر آپ کو مؤرخہ: ۵؍فروری ۱۹۷۵ء کو حسب طریقت اسلامی طلاق دیدی تھی اور آپ کو اپنی زوجیت سے آزاد کردیا تھا؛ لیکن آپ کا یہ کہنا ہے کہ آپ کو کوئی طلاق نہیں دی جو مجھے تسلیم نہیں ہے، پھر بھی میں آپ کے اطمینان اور قانون کے منشاء کو پورا کرنے کے لئے آپ کو حسب رواج، حسب ہدایت شریعت اسلامی تین طلاق دیتا ہوں۔

المستفتی: نوشہ ولد حاجی روشن علی، نواس: جگر کی ملک سول لائن، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ۵؍فروری ۱۹۷۵ء کو شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر اپنی زوجیت سے خارج کردیا ہے، تو عدت تین حیض کے ساتھ گذر جانے پر بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے، اور میاں بیوی کے درمیان زوجیت کا تعلق شریعت اسلامی کی رو سے بالکل ختم ہوچکا ہے۔

اب بعد میں جو تین طلاق تقریباً ۱۵؍سال کے بعد دے رہا ہے وہ شرعاً واقع نہ ہوں گی؛ کیونکہ اکبری دختر رمضان نوشہ کی بیوی نہیں رہی ہے؛ بلکہ عام عورتوں کی طرح اجنبیہ ہوگئی ہے اور اجنبیہ عورت پر طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباہ والنظائر قدیم۹ ۲۱، جدید زکریا ۳۷٦)

قال لامرأته: أنت طالق واحدة، ثم قال: إن كنت امرأة لي فأنت طالق ثالثاً، إن كان الطلاق الأول بائناً لايقع الثاني الخ. (فتاوی شامي، زکریا ٤/٥٤٧، کراچي ۳/۳۱۱)

ومحله المنكوحة، وأهله زوج عاقل الخ. (الدر المختار، كراچي ٣/ ٢٣٠، زكريا٤/ ٤٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۵۹۴)

طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے

سوال [۶۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سے کہا کہ تم طلاق دیدو، تو زید نے کہا کہ طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے، زید کے وکیل صاحب نے ہندہ کے اسٹامپ پر ہندہ کا نشان لگوالیا اور زید کے اسٹامپ پر زید کے دستخط کرا کے زید کے وکیل صاحب نے دونوں اسٹامپ تکمیل کر کے اپنے پاس رکھے، اور کہا کہ تاریخ آنے پر عدالت میں داخل کردوں گا، تو کیا اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتية: زبیدہ بیگم، ٹانڈہ بادلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کے الفاظ ''طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے'' سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب دونوں میں میاں بیوی کا تعلق باقی نہیں۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۳۷۱۸)

میں تجھے تین بار طلاق طلاق طلاق دیدوں

سوال [۶۷۰۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی اپنے میکہ گئی ہوئی تھی؛ جبکہ زید کام کے سلسلہ میں باہر گیا ہوا تھا، وہاں سے اس نے اپنی بیوی کو فون کیا، پہلے کچھ گھریلو بات ہوئی اور اس کے بعد زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ جب تو اپنے گھر جاتی ہے، تو وہیں کی بولی بولتی ہے اور کیا تو یہ چاہتی ہے کہ میں تجھے تین بار طلاق طلاق طلاق دے دوں، یہ میں نے کہا۔ بیوی کا بیان یہ ہے کہ میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر جو بات کہہ رہی ہوں وہ بات صحیح ہے، ان کا فون آیا پہلے انہوں نے طلاق دینے کو کہا اور فون رکھ دیا، بعد میں دوبارہ فون کیا اور کہا میں تجھے طلاق طلاق طلاق دوں گا، طلاق طلاق طلاق کہا اس کا کوئی گواہ نہیں ہے، میں ہی گواہ ہوں مہربانی فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد وسیم ولد ارشاد حسین، محلّہ: سرائے کشن لال، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میں تجھے تین بار طلاق طلاق طلاق دیدوں، یہ الفاظ تین طلاق دینے کے لئے وعدہ کے ہیں؛ اس لئے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور بیوی کے بیان میں بھی استقبال ہی کا پہلو غالب ہے کہ طلاق طلاق طلاق دوں گا، طلاق طلاق طلاق ایک جملہ میں کہا ہے اور مستقبل میں طلاق کا وعدہ کرنے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی؛ لہٰذا بیوی کے قول کے مطابق بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۹/۴۴۵)

ولو قال بالعربية: أطلق لا يكون طلاقاً. (هندية، كتاب الطلاق، الباب السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، زكريا قديم ١/ ٣٨٤، جديد ١/ ٤٥٢)

ولو قال: أطلقک لم يقع. (الدر المنتقي شرح ملتقي الأبحر قديم ١/ ٣٨٧، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ١٤)

بخلاف قوله: طلقي نفسک، فقالت: أنا طالق، أو أنا أطلق نفسي لا يقع؛ لأنه وعد. (در مختار، كراچي٣/٣١٩، زكريا٤/٥٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍۱۱۶۲۳)

طلاق دی، دی، دی، دی، دی سے طلاق

سوال [۶۷۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر نے نماز فجر پڑھ کر اپنے بچہ سے کہا کہ بسکٹ لے آؤ بچے نے انکار کردیا، تو بکر نے بچے کی پٹائی کی تو بیوی نے غصہ میں کہا کہ بچوں کا معاملہ نہ ہوتا، تو میں ابھی گھر میں آگ لگا کر چلی جاتی، تو بکر نے کہا کہ اس معاملہ میں تو نہ بول، تو بیوی نے کہا کہ طلاق ہی تو دو گے، تو بکر نے کہا کہ ''طلاق دی، دی، دی، دی، دی، دی'' اس طرح لفظ دی ۵ یا ٦ بار کہا اور لفظ طلاق ایک بار کہا۔

المستفتی: حافظ اظہر علی، تحصیل: فتح پور، بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شوہر کے قول میں چوں کہ کوئی صراحت نہیں ہے؛ اس لئے حضرات فقہاء نے تکرار طلاق کو تاسیس پر محمول کیا ہے، تکرار پر نہیں؛ مسئولہ صورت میں بکر کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ اب حلالہ شرعیہ اور نکاح جدید کے بغیر میاں بیوی کا تعلق قائم نہیں ہوسکتا ہے۔ (فتاوی دار العلوم ۹؍۳۱۶)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

إذا قال لامرأته: أنت طالق، طالق، طالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولة طلقت ثلاثاً. (هندية، زكريا قديم ١/٣٥٥، جديد ١/٤٢٣)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديو بند۲/ ۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۱۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۲۱ھ

طلاق دی، طلاق، طلاق، پھر طلاق دی جا طلاق دی

سوال [۶۷۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شاہنواز نے اپنی بیوی کو فون پر اس طرح طلاق دی ''طلاق، طلاق، پھر طلاق دی جا طلاق دی'' ان الفاظ کے ادا کرنے کے بعد فون کاٹ دیا بیوی نے اپنے کانوں سے ان الفاظ کو سنا۔

(۱) دریافت یہ کرنا ہے کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟

(۲) اگر طلاق ہوگئی تو شوہر پر مہر کی ادائے گی لازم ہے یا نہیں؟ اسی طرح جہیز وغیرہ کی واپسی ضروری ہے یا نہیں؟

(۳) ایک بچی بھی تقریباً سوا ماہ کی ہے، اس کا صرفہ پرورش کس پر لازم ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد اقبال، محلّہ مقبرہ درگاہ نئی آبادی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) فون پر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، بشرطیکہ اس فون کے بارے میں شوہر اقرار کرتا ہو کہ اسی کا فون تھا؛ لہٰذا جب شوہر نے فون پر طلاق، طلاق، پھر طلاق دیدی، جا طلاق دیدی'' یہ چار مرتبہ کہا ہے کہ اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے؛ جبکہ شوہر نے اس کا اقرار کرلیا ہو۔

لـو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷۶)

وإن كـان الـطـلاق ثـلاثـاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتـى تـنـكـح زوجـاً غيـره نـكـاحـاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤٧٣، جديد ۱/ ٥٣٥)

(۲) جب شوہر نے طلاق دیدی ہے تو پورے مہر کی ادائے گی شوہر پر لازم ہے، اسی طرح جہیز کا سامان جس حالت میں بھی ہے، اسی حالت میں واپسی لازم ہے۔

في الـدر: ويتـأكـد عـنـد وطء أو خـلـوة صحت من الزوج أو موت أحدهما. (در مختار مع الشامي زكريا ٤/ ٢٣٣، كراچي ٣/ ١٠٢)

فـالـمهـر يتـأكـد بأحد معان ثلاثة الدخول، والخلوة الصحيحة، ومـوت أحـد الـزوجين سواء كان السمىٰ أو مهر المثل. (بـدائع الصنائع زكريا ديوبند ٢/ ٥٨٤)

(۳) بچی کا خرچہ باپ پر لازم ہوتا ہے، مگر یہ خرچہ باپ کے اختیار کے دائرہ میں رہے گا، ماں جتنا چاہے خرچہ نہیں مانگ سکتی، باپ اپنے معیار زندگی کے اعتبار سے اپنی ایک بچی کا خرچہ پورا کرے گا۔

نـفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٥٦٠، جديد ۱/ ٦٠٧)

وبـعـد الـفـطام يفرض القاضي نفقة الصغار على قدر طاقة الأب، وتـدفع إلى الأم حتى تنفق على الأولاد. (هـندية، زكريا قديم ۱/ ٥٦١، زكريا جديد ديوبند ۱/ ٦٠٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ /۱۱/ ۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۲۱ھ

طلاق دی، طلاق، طلاق سے قضاءً تین طلاق

سوال [۶۷۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالحمید ساکن محلّہ پیرزادہ اور اس کی بیوی میں گھر میں کچھ کہاسنی ہوئی، اس وقت موجود گھر میں ان کے پاس دو عورتیں آس پاس موجود تھیں، کہاسنی کے دوران عبدالحمید نے کہا کہ طلاق دی، ایک بار اور دو بار کہا طلاق طلاق، اس کے بعد کچھ نہیں کہا اور نہ کوئی بات ہوئی یہ پوری تفصیل ہے، موجودہ عورتوں کی منھ بیانی حلف کی رو سے بیان کی گئی ہے، اس کے بعد عابد بھائی اور چھوٹے بھائی نے معلوم کیا کہ عبدالحمید بھائی آپ کی نیت میں کیا تھا، تو عبد الحمید نے کہا میری نیت طلاق دینے کی نہیں تھی صرف آگاہ کرنا تھا۔

المستفتی: عبدالحمید، شرافت حسین، عابد، چھوٹے، اسلم، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ’’طلاق دی، طلاق، طلاق‘‘ سے قضاءً تین طلاق مغلظہ پڑ گئیں، اگرچہ طلاق دینے والے کی نیت آگاہ کرنے کی ہو؛ اس لئے کہ یہ الفاظ صریح ہیں اور الفاظ صریح سے نیت کے بغیر بھی طلاق پڑ جاتی ہے۔

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق، وإن عنى بالثاني الأول لم يصدق في القضاء. (هندية، زكريا قديم ۱/۳۵٦، زكريا جديد ۱/٤۲۳)

وفي الهداية: ولا يفتقر إلى النية؛ لأنه صريح فيه لغلبة الاستعمال. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ٦۱۰۸)

''تجھے طلاق، طلاق، طلاق'' سے طلاق مغلظہ

سوال [۶۷۱۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور بکر کے درمیان گھر میں عورتوں کے معاملات میں جھگڑا ہوا، زید نے کہا بکر کی بیوی غلطی پر ہے، بکر نے کہا زید کی بیوی کی غلطی ہے، زید نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو چھوڑ دوں، بکر نے کہا کہ میں ہی اپنی بیوی کو چھوڑے دیتا ہوں، بکر نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''تجھے طلاق، طلاق، طلاق'' ایک دفعہ تجھے طلاق کہا، اور دو دفعہ خالی طلاق کہا ہے، پہلے سے کوئی طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا، اتفاقاً یہ فعل سرزد ہوا۔

المستفتی: خلیل احمد انصاری، قاضیان، قصبہ نرولی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔اب دونوں کا بلا حلالہ ساتھ رہنا حرام کاری ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۲۸۲/۱)

لـو قـال لزوجتهٖ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷۶)

وإن كـان الـطـلاق ثـلاثـاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتـى تـنـكـح زوجـاً غيـره نـكـاحـاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويـموت عنها. (هـداية اشـرفـي ديـوبـند۲/ ۳۹۹، هندية، زكريا قديم ۱/ ۴۷۳، زكريا جديد ۱/ ۵۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۳۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۳/۱۴۱۴ھ

میں تمہیں طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں

سوال [۶۷۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شمیمہ بیگم بعد سلام کے معلوم ہو کہ میرے تمہارے درمیان جو سرد جنگ چل رہی ہے، اس سے پہلے کہ اس جنگ کا کوئی خطرناک نتیجہ نکلے میں اس جنگ کو ختم کرنا چاہتا ہوں، آج سے میں تمہیں آزاد کرتا ہوں یعنی ''میں تمہیں طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں'' آج سے تم میرے نکاح میں نہیں رہیں، میرے بچوں کو کسی کے ہاتھ بھیج دو اور اپنا سامان منگوا لو۔ والسلام فرید احمد۔

یہ پرچہ بیوی کے ہاتھ میں نہیں پہنچا؛ لیکن اس تحریر کے لکھنے کے ایک مہینہ بعد میں نے اپنی بیوی سے حسب ذیل الفاظ کہے ہیں، تم میرے بچوں کی ماں بن کر رہ سکتی ہو، میری بیوی بن کر نہیں، اس سے میری نیت یہ تھی کہ میرے نکاح سے وہ خارج ہے اور بچوں کی دیکھ بھال کے لئے رکھنا منظور تھا اور منظور ہے، پرچہ کی تحریر سے اب تک مرد وزن کے پوشیدہ تعلقات میں نے قائم نہیں کئے، یعنی قولاً یا عملاً میں نے رجوع نہیں کیا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ رجوع کا حق مجھے باقی ہے یا ختم ہو گیا؟

المستفتی: فرید احمد، پیلا تالاب، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔ اب بغیر حلالہ نکاح بھی درست نہ ہوگا، رجوع کی بات تو بہت دور ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قدیم ۲۱۹، جدید زکریا ۳۷۶)

إذا قال لامرأته: أنت طالق، طالق، طالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولة طلقت ثلاثاً. (هندية، زكريا قديم ۱/۳۵۵، جديد ۱/۴۲۳)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگیري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸ ر ۳۰۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۲/۱۴۱۳ھ

شوہر کا ”طلاق، طلاق، طلاق“ کہنا

سوال [۶۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کی بیوی ہندہ کے درمیان کسی بات پر طنزیہ گفتگو ہوئی اور زید نے ہندہ کے سامنے غصہ کی حالت میں تین مرتبہ یہ الفاظ کہے، ”طلاق، طلاق، طلاق“ ہندہ یہ الفاظ سن کر گھر سے باہر جانے لگی، تو زید نے ہندہ کے اس قول (اب میں نہیں رہونگی، اب میں جارہی ہوں) پر کہا کہ جا چولھے میں آگ جل رہی ہے، جل کر مرجا، زید کا حلفیہ بیان ہے کہ مذکورہ تینوں الفاظ سے میری طلاق کی نیت نہیں تھی اور نہ ”جا چولھے میں جل کر مرجا“ سے طلاق کی نیت کی تھی؛ بلکہ زید سمجھا کہ مذکورہ بالا تینوں الفاظ سے طلاق ہوگئی ہوگی؛ لہٰذا اس کو جانے کے لئے کہا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے مذکورہ الفاظ سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ جو حکم شرعی ہو بیان فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: میر صاحب جسپور، نینی تال، (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق الفاظ صریح میں سے ہے اور صریح الفاظ سے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کرنا شرط نہیں ہے؛ اس لئے مذکورہ الفاظ سے بغیر نیت کے طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے؛ لہٰذا اب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (هندية، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۶۳)

''تجھے طلاق دوں گا'' کے بعد ''دی، دی، دی'' کہنے سے طلاق مغلظہ

سوال [۶۷۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نشہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہہ رہا ہے کہ ''میں تجھے رکھوں گا نہیں، میں تجھے طلاق دوں گا'' پھر زید نے کہا ''دی، دی، دی'' تو کیا صورت مسئولہ میں زید کی بیوی زید کے نکاح سے نکل جاتی ہے یا نہیں؟ پھر زوجین بن کر رہنے کی کوئی صورت ہے؟

المستفتی: محمد عثمان، سہس پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے؛ کیونکہ مذاکرہ طلاق میں ''دی، دی، دی'' کے الفاظ طلاق ہی کے لئے ہیں اور حالت نشہ میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

طلاق السكران واقع الخ. (شامي، كراچي٣/٢٤١، زكريا ٤/٤٤٨، بدائع الصنائع، زكريا بند ديوبند ٣/١٥٨، كراچي ٣/٩٩، الدر المنتقي قديم ١/٣٨٤، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۴۸۷)

طلاق دی، دی، دی“ کہنے کا حکم

سوال [۶۷۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی سسرال میں عرصہ ایک دو ماہ سے اپنی منکوحہ کے ساتھ رہتا رہا اور اپنے اخراجات خود ہی اٹھاتا رہا، مگر زید سے اپنی خوشدامن اور ہم زلف سے تکرار ہوتا رہا، جس سے تنگ آکر خوشدامن نے زید سے کہا کہ اپنا سامان لے کر کہیں اور مکان لے لو؛ چنانچہ زید اپنے سامان کو لے کر اپنی منکوحہ اور چار بچوں کے ساتھ سسرال کے قریب دوسرے مکان میں کرایہ پر چلا گیا، عرصہ دو ماہ بعد پھر کسی بات پر خوشدامن اور ہم زلف سے تکرار ہوگیا اور تکرار کی نوبت کچھ زیادہ ہی ہوگئی، زید نے خوشدامن کو تنبیہ کرنے کی غرض سے اپنی منکوحہ سے کہا کہ ”میں نے تجھے طلاق دی، دی، دی“ اس طرح لفظ طلاق تو زبان سے ایک بار کہا اور مزید دی دو بار ادا کیا، تو اس صورت میں زید اپنی منکوحہ سے رجوع کرسکتا ہے کہ نہیں؟ یاد رہے کہ زید کا اپنی منکوحہ سے کوئی تنازعہ نہیں؛ بلکہ خوشگوار ازدواجی زندگی گذار رہا تھا۔

المستفتی: ایس، ایم، جمیل الدین صدیقی، صدیقی گلی، دانشمندان، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے اپنی منکوحہ کو ”طلاق دی، دی، دی“ کہہ دیا تو اس سے منکوحہ پر تین طلاق واقع ہوگئیں اور وہ عورت زید پر بالکل حرام ہوگئی۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۴۳۰، فتاوی دار العلوم ۹/۳۱۵)

وإن نوى التأكيد دين؛ أي وقع الكل قضاءً. (شامي، كراچي ۳/۲۹۳، زكريا ٤/٥٢١)

اور وہ عورت شرعی حلالہ کے بغیر زید کے لئے حلال نہیں ہوگی؛ لہٰذا زید اس سے رجوع ونکاح نہیں کرسکتا۔

وفي الهداية: وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴رمحرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۴۲۵)

''تجھے طلاق دی، دی، دی'' سے طلاق مغلظہ

سوال [۶۷۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زوجہ سے زوج نے یہ کہا کہ میں نے ''تجھے طلاق دی، دی، دی'' کا تکرار لفظ طلاق کی تاکید شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ یا یہ لفظ ''دی، دی'' الگ ایک ایک طلاق کی حیثیت رکھتا ہے یا نہیں؟ تحقیق کرنے پر گھر کے وہ افراد جن کی موجودگی میں یہ سانحہ پیش آیا وہ انہیں الفاظ کی تائید کرتے ہیں؟

المستفتی: مسعود الحسن، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''تجھے طلاق دی، دی، دی'' کے الفاظ میں شوہر نے اگر کوئی بھی نیت نہیں کی تھی یا طلاق کی نیت کی تھی، تو دونوں صورتوں میں یہ الفاظ تاکید کے لئے نہیں ہوں گے؛ بلکہ تکرار طلاق ہے اور اگر شوہر نے طلاق دی کہنے کے بعد اس لفظ کی اطلاع دینے کے لئے اور تاکیدی اطلاع کے لئے ''دی، دی، دی' کے الفاظ کہے ہیں، تو تاکید کے لئے ہو سکتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ ایسے وقت میں ہوش نہیں رہتا ہے، اس کا خیال خود کیجئے، لوگوں کے حالات کی وجہ سے ہم اس کو تکرار ہی سمجھتے ہیں اور تکرار کی صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہوتی ہے اور تاکید کی صورت میں ایک طلاق ہوتی ہے، اس کا فیصلہ شوہر خود کر لے کہ اس نے کیا نیت کی تھی اور حرام کاری سے ڈرے۔

كـرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوىٰ التأ كيد دين. وتحته في الشامية: و كـذا إذا طـلق بأن لـم ينو استئنافاً و لاتأ كيداً؛ لأن الأ صل عدم التأ كيد.
(در مختار مع الشامي، ديوبند زكريا ٤/ ٥٢١ كراچي ٣/ ٢٩٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۶۷۸)

''طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی'' سے طلاق مغلظہ

سوال [۶۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجاہد چائے دروازے میں پی رہے تھے، پھر اس کے والد شاہد علی نے کہا کہ تجھ میں کوئی بتدیلی نہیں آئی، چائے گھر میں آکر بیوی بچوں میں پی لو، اس نے باہر سے آکر کہا کہ ابو کیوں گرم پڑ رہے ہیں، کیا کوئی دوست آیا تھا، بہن نے کہا کہ نہیں کوئی دوست نہیں آیا تمہیں سمجھانے کو کہا ہے، اس نے پی سی او کی چابی پھینک کر کہا کہ تمہیں پی سی او پر بیٹھنا ہے میں جا رہا ہوں، باپ نے کہا کہ تیرے بیوی بچوں کا کیا ہوگا، مجاہد علی نے کہا کہ قرآن کی قسم میں نے نسرین فاطمہ کو ''طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی'' اور تین مرتبہ طلاق دی اور گھر سے چلا گیا، وہاں پر گواہوں کے سامنے طلاق دی ہے، اپنے باپ کی خاطر طلاق دی ہے، اس کو اس کے گھر بھیج دو، اس کے سامان کے ساتھ، اس پر باپ نے کہا میں اسے بیٹی بنا کر رکھوں گا، تو اس کا جواب اس نے یہ دیا میں گھر میں حرام کاری نہیں ہونے دوں گا، اسے فوراً اس کے گھر پہو نچاؤ اور وہ گھر سے چلا گیا۔

المستفتیه: نسرین فاطمہ، بلاری سرائے سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مجاہد نے جبکہ صراحۃً تین طلاق دیدیں، تو یہ طلاقیں مغلظہ ہوگئیں اور اس کی بیوی نسرین فاطمہ اس پر حرام ہوگئی۔

إذا قال لامرأته: أنت طالق، طالق، طالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولة طلقت ثلاثاً. (هندية، زكريا قديم ۱/ ۳۵۵، جديد۱/ ٤۲۳)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها، والأصل فيه قوله تعالىٰ: فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره. (هداية اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ٦١٦٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۲۳ھ

میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی میں نے طلاق، تو اب کیا کہتی ہے

سوال [۶۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اقبال حسین کی تقریباً ٦؍سال ہوئے شادی ہوئی؛ لیکن کوئی اولاد نہیں ہوئی، اس نے یہ سوچ کر کہ شاید کسی دوسری عوت سے اولاد ہو جائے ایک شادی اور کر لی۔ اب دو بیویاں ہیں کچھ دن گذرنے کے بعد پہلی بیوی سے جھگڑا ہونے لگا اور وہ یہ مطالبہ کرنے لگی کہ اس دوسری کو نکالدو۔ اقبال کی ہمشیرہ کے گھر جہاں ہمشیرۂ اقبال اور اقبال کی والدہ اور اقبال کے بھانجے مسمیٰ خالد ضیاء موجود تھے، اقبال اور پہلی بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا اور کافی شدت پیدا ہوگئی، اسی دوران اقبال نے یہ الفاظ کہے کہ ’’میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی‘‘ اور اب تو بتا کیا کہتی ہے، میں نے اپنا شوق ختم کیا۔ اب پھر دونوں بیویاں گھر پر موجود ہیں۔

برائے کرم آگاہ فرمائیں کہ طلاق کے الفاظ کس پر لاگو ہوں گے؟ جبکہ ان الفاظ کے ساتھ نہ دونوں بیویوں میں سے کسی کا نام لیا اور نہ ہی اشارہ کیا۔

المستفتی: الطاف حسین، دول پوری ملک روشن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خط کشیدہ عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ مخاطب بڑی بیوی ہے، جس کے ساتھ جھگڑا ہو رہا تھا؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بڑی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔

متی کرر لفظ الطلاق بحرف الوو، أو بغیر حرف الواو یتعدد الطلاق. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/۳۵٦، جدید ۱/۴۲۳)

إذا قال لامرأتہ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلٰثاً. (الأشباہ و النظائر قدیم۲۱۹، جدید زکریا ۳۷٦)

اب دوبارہ نکاح بھی بغیر حلالہ کے درست نہیں ہوسکتا۔

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرۃ......لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ نکاحاً صحیحاً، ویدخل بہا، ثم یطلقہا، أو یموت عنہا. (ہدایۃ اشرفي دیوبند ۲/۳۹۹، ہندیۃ، زکریا قدیم ۱/۴۷۳، جدید ۱/۵۳۵، تاتارخانیۃ، زکریا ۵/۱۴۷، رقم:۷۵۰۳، مجمع الأنہر، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۵۹۲)

لو بھائی طلاق، طلاق، طلاق

سوال [٦۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی اور اس کے دیور میں بحث ہو رہی تھی کہ تمہاری ماں نے تمہارے

باپ کو گھر سے نکلوادیا تھا،تم مجھے نکلوا دو گے،اس کے درمیان میں بولنے لگا کہ کیا بات ہے، اس پر ہماری بیوی بولی کہ میں نے نہیں کہا ہے، بچہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو مجھے بیوی کی بات پر یقین آ گیا کہ میری بیوی سچی ہے، میں نے کلام پاک ہاتھ میں لے لیا اور بھائی سے کہا تو کلام پاک پر ہاتھ رکھ کر کہہ دے میں تیرا یقین کرلوں گا، بھائی بولا اگر میں کہہ دوں، تو تم بیوی کا کیا کروگے، میں نے کہا کہ میں چھوڑ دوں گا، بھائی نے فوراً ہی ہاتھ رکھ کر کہہ دیا، میں نے بھی فوراًاسی وقت فوراً کہہ دیا کہ لو بھائی طلاق طلاق طلاق۔

اس مسئلہ میں شرعی حکم بیان فرمائیں کہ میرے دو چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں۔

المستفتی: ریاست حسین، قانون گوئیان، ہری مسجد، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت اوراس کے دیور کے درمیان آپس میں گفتگو کے الٹ پھیر اور تکرار کے بعد کلام پاک پر ہاتھ رکھ کر کہنے کی شرط پر بیوی کو چھوڑ نے کے لئے شوہر نے آمادگی کا اظہار کرلیا، پھراسی وقت شوہر کا یہ کہہ دینا ’’طلاق طلاق طلاق‘‘ تو ایسی صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر کے نکاح سے باہر ہوگئی ہے۔اب آئندہ بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قدیم۲۱۹، جدید زکریا ۳۷٦)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها، أویموت عنها. (هندیة، زکریا قدیم ۱/۴۷۳، زکریا جدید ۱/۵۳۵، تاتارخانیة، زکریا ۵/۱۴۷، رقم:۷۵۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۷۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶؍۷؍۱۴۳۳ھ

ایک طلاق دو طلاق بائن

سوال [۶۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمر نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دو طلاق بائن کہا ہے، تو ایسی صورت میں عمر کی بیوی پر کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ بغیر حلالہ کے رکھنا درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: احمد علی قاسمی، مدرسہ حیات العلوم، گیادوہا، مدنا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں عمرو کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر وہ مغلظہ ہوگئی ہے۔ بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

متى قرن الطلاق بالعدد كان الوقوع بالعدد. (شامي، كتاب الطلاق، باب الطلاق غير المدخول بها، كراچي۳/۲۸۷، زكريا ٤/۵۱۳، مصري ۲/٦۲۷، كوئٹه ۲/٤۹٤)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۳۵٦، جديد ۱/٤۲۳، فتاوى دارالعلوم۹/۲٤۱)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند۲/۳۹۹، هندية، زكريا قديم ۱/٤۷۳، جديد ۱/۵۳۵، تاتارخانية، زكريا ۵/۱٤۷، رقم:۷۵۰۳، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/۱۲۷)

دو طلاق کے بعد کہا ''میں نے تیرا حساب چکتا کر دیا''

سوال [۶۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرصہ تین سال پہلے میری شادی ذاکر حسین سے ہوئی، ڈیڑھ سال پہلے انہوں نے مجھے مار پیٹ کر نکال دیا، جب سے میں اپنے میکہ میں ہوں، صورت حال یہ تھی کہ شادی کے فوری بعد سے نااتفاقیوں اور جھگڑوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، جن میں میرے شوہر نے چند ایسے کلمات زبان سے ادا کئے ہیں، جن کا شرعی حکم معلوم کرنا چاہتی ہوں، ایک مرتبہ نااتفاقی کے درمیان میرے شوہر نے کہا ''میں نے تجھے طلاق دی'' اور دوسری مرتبہ بھی کچھ کہنا چاہتے تھے؛ لیکن ان کی دادی نے ان کے منھ پر ہاتھ رکھ دیا اور برا بھلا کہہ کر باہر چلتا کر دیا، کچھ دنوں بعد پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور انہوں نے کہا ''میں نے تجھے طلاق دی'' اور پھر ان کی عادت ہوگئی، جب بھی کبھی نااتفاقی ہوتی تو وہ کہتے کہ میں نے تجھے طلاق دی اور تقریباً انہوں نے ایسے جملے ''میں نے تجھے طلاق دی'' چھ سات مرتبہ کہے، گھر کے لوگ سمجھاتے رہے کہ ایسی حالت میں طلاق نہیں ہوتی، میں خاموش رہی۔ اخیر میں ایک مرتبہ میرے شوہر نے کہا کہ میں تجھے دو بار طلاق دے چکا ہوں ایک بار اور کہتا ہوں ''میں نے تیرا حساب چکتا کر دیا'' میں تجھ کو مہر دیدوں گا، تو میرے لائق نہیں ہے، ان تمام واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا میں اب بھی اپنے شوہر کے لئے حلال رہی؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتية: نسیمہ نسرین، رحمت نگر کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال نامہ کا درج شدہ واقعہ سچا ہے اور شوہر نے طلاق کے مذکورہ الفاظ تین دفعہ سے زائد استعمال کئے ہیں، تو شوہر پر بیوی بالکل حرام ہوگئی ہے اور اس پر تینوں طلاقیں واقع ہو چکی ہیں۔ اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۳٥٦، جديد ۱/٤۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۴۸۱۷)

طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے آزاد کرتا ہوں

سوال [۶۷۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں شفیق احمد ولد عبد الرشید ساکن اوجھاری تحصیل حسن پور، ضلع: مرادآباد کا ہوں مجھ احقر کا نکاح ہمراہ مسماۃ قریشہ خاتون بنت عبد الشکور قوم شیخ اوجھاری مرادآباد سے ۳/ جون ۱۹۷۷ء میں ہوا، مگر آپسی تعلقات ناخوشگوار ہوگئے ہیں اور تمام کوششوں کے باوجود تعلقات خوشگوار نہیں ہوئے اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے؛ لہٰذا خوب سوچ سمجھ کر مسماۃ قریشہ خاتون کو بروئے دو گواہان طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے آزاد کرتا ہوں؛ لہٰذا یہ طلاق نامہ لکھدیا کہ سند رہے اور کام آئے اس کا کیا حکم ہے۔

المستفتی: شفیق احمد ولد عبد الرشید، حسن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں قریشہ خاتون پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۳٥٦، جديد ۱/٤۲۳)

لہٰذا اب بلا حلالہ کے دوبارہ نکاح کبھی درست نہیں ہوگا

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۹۶/۲۳)

دومرتبہ آزاد اور ایک مرتبہ لفظ طلاق کہنا

سوال [۶۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ نے زید کو تنگ کیا کہ تو مجھے آزاد کردے، زید نے دومرتبہ یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھے آزاد کیا، میں نے تجھے آزاد کیا، ہندہ نے کہا کہ آزادی اس طرح نہیں ہوئی اور ہندہ نے زید کا گریبان پکڑ رکھا تھا، ہندہ نے کہا کہ یوں کہہ کہ میں نے تجھے طلاق دی، زید نے یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، میرے خدا نے دی، بحوالہ جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: حافظ رمضان الدین، تحصیل رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: آزاد کیا کا لفظ یہاں کے عرف میں طلاق کے لئے استعمال ہے، اس سے طلاق صریح واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا دومرتبہ کہنے سے دو طلاق ہوجاتی ہیں، بعد میں میں نے تجھے طلاق دی کے لفظ سے ایک طلاق کل ملا کر تین طلاقیں واقع ہوگئیں ہیں؛ لہٰذا اب آئندہ بلا حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۶/۴، جدید ڈابھیل ۳۵۹/۱۲، امداد الفتاوی ۴۴۲/۲-۴۷۳)

قوله سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كناية. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كوئٹه ٢/٣/٥٠٣، كراچي ٣/٢٩٩، زكريا ٤/٥٣٠)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍۷۴۵)

دومرتبہ ”میں نے تجھے طلاق دی“ اور تیسری مرتبہ صرف ”طلاق دی“ کہنا

سوال [٦٧٢٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے یوں کہا کہ نور جہاں میں نے تجھے طلاق دی، نور جہاں میں نے تجھے طلاق دی، تیسری مرتبہ صرف یہ جملہ کہا طلاق دی، تو اس صورت میں میری بیوی پر کون سی طلاق واقع ہوئی؟

المستفتی: سلطان الٰہی، صالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مذکورہ صورت میں آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی آپ پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلته صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديو بند٢/ ٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۶۷۰)

’’طلاق، طلاق، تجھے طلاق‘‘ اگر لکھوانی ہو تو لکھوا بھی لو

سوال [۶۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ خانگی معاملات پر میرا جھگڑا میرے شوہر کے ساتھ ہوا، انہوں نے مجھے یہ الفاظ کہے ’’طلاق، طلاق، تجھے طلاق‘‘ اگر لکھوانی ہو تو لکھوا بھی لو، تو اس سے شرعی طور پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کونسی طلاق واقع ہوئی؟ دارالعلوم دیوبند سے فتوی منگوایا وہاں سے تین طلاق واقع ہونے کا جواب آیا؛ لیکن وقف جامع مسجد دارالعلوم دیوبند سے اس کے خلاف جواب آیا ہے اور وہاں سوال یوں لکھا تھا کہ آپس میں تنازع ہو گیا تھا کئی سال ہو گئے، اس اثنا میں میرے شوہر نے کہا ’’طلاق، طلاق تجھے طلاق‘‘ اگر لکھوانی ہو تو لکھوا بھی لو، تو وہاں سے جواب آیا کہ پہلے دونوں لفظ عرفاً تنبیہ کے لئے ہیں اور تجھے طلاق کے لفظ سے ایک طلاق رجعی اس کی بیوی پر ہو گئی تھی، تو اب شریعت کی روشنی میں دونوں فتاوی پر غور کر کے فیصلہ فرمائیں کہ کونسا فتوی صحیح ہے؟ کیا میں اپنے شوہر کے

ساتھ رہ سکتی ہوں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتیہ: لئیقہ خاتون رضوی بنت سید احمد حسینی، موانہ، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بیوی پر تین طلاق واقع ہوکر وہ شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے اور دارالعلوم دیو بند کا فتویٰ درست اور صحیح ہے اور وقف جامع مسجد دارلعلوم دیو بند کے جواب میں پہلے دونوں لفظ کو تنبیہ کے لئے قرار دینا دعویٰ بلا دلیل ہے اور وقوع طلاق کے لئے خطاب اور اضافت کا صراحت سے ہونا لازم نہیں ہے؛ بلکہ قرائن اور معنوی اضافت بھی کافی ہوتی ہے اور مذکورہ واقعہ میں آپسی جھگڑا اور بعد میں شوہر کا جملہ اگر لکھوانی ہو تو لکھوا بھی لو۔ نیز آخری لفظ کے ساتھ (تجھے) کا لفظ قرائن واضافت کے لئے پہلے دونوں لفظ کے حق میں کافی ہے؛ اس لئے تین طلاق واقع ہونے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہئے۔

ولایلزم کون الإضافة صریحة في کلامه (إلی قوله) لأن العادة أن من له امرأة إنما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها. (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الصریح، زکریا ٤/٤٥٨، کراچي ٣/٢٤٨)

لو کرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغیر حرف الواو یتعدد الطلاق. (عالمگیري، زکریا قدیم ١/٣٥٦، زکریا جدید ١/٤٢٣)

لو قال: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه و النظائر قدیم ١/٢١٩، جدید زکریا ٣٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۱۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۴/ ۱۴۱۱ھ

دو طلاق دینا یاد ہے لیکن تیسری کا دھیان نہیں

سوال [۶۷۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ سلیم نے اپنی بیوی کو دوطلاقیں دیدیں اورتیسری مرتبہ کہنے کا دھیان نہیں ہے؛ لیکن انشاءاللہ کا دل میں خیال ہے، منھ سے نہیں نکلا تھا، حضرت تحریر فرمائیں کہ کونسی طلاق واقع ہوئی؟

المستفتی: محمد سلیم، بہڑا کملاپور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرتیسری مرتبہ کہنے کا دھیان نہیں ہے، تو دو طلاق واقع ہوئی ہیں، رجعت کر کے رکھنے کی اجازت ہے اور لفظ انشاء اللہ کا محض دل میں خیال کر لینے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ولو شک أطلق واحدۃ، أو أکثر بني علی الأقل الخ. (الدر المختار، کتاب الطلاق، قبیل باب طلاق غیر المدخول بھا، زکریا ٤/٥٠٨، کراچي ٣/٢٨٣، الاشباہ و النظائر قدیم مطبوعہ دیو بند ١٠٨)

عن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ: إذا شک في أنہ طلق واحدۃ، أو ثلاثاً فھي واحدۃ حتی یستیقن، أو یکون أکبر ظنہ علی خلافہ ۔ (ھندیۃ، زکریا قدیم ١/٣٦٣، جدید ١/٤٣٠، الفتاوی التاتارخانیۃ، زکریا ٤/٥٨٧، رقم:٧٠٠٦)

عن عبد اللہ وعن أناس من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فذکر التفسیر إلی قولہ: الطلاق مرتان. قال: وھو المیقات الذي یکون علیھا فیہ الرجعۃ، فإذا طلق واحدۃ، أو ثنتین، فإما أن یمسک ویراجع بمعروف وأما یسکت عنھا حتی تنقضي عدتھا. (سنن کبریٰ للبیھقي، کتاب الرجعۃ، دارالفکر بیروت ١١/ ٢٨٢، رقم:١٥٥٣٩)

إذا طلق الرجل امرأتہ تطلیقۃ رجعیۃ، أو تطلیقتین فلہ أن یراجعھا في عدتھا. (ھدایۃ، اشرفي دیو بند ٢/ ٣٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۷۹۷)

تین طلاق دینے کے بعد شوہر کے والدین کا طلاق نہ ماننا

سوال [۶۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی بیوی قمر جہاں بنت کلو پردھان کو نومبر ۱۹۹۸ء کو پورے ہوش و حواس کے ساتھ سارے گھر کے سامنے تین بار طلاق دی تھی، اس کے بعد کبھی میں نے اس کو ہاتھ نہیں لگایا، میرے ماں باپ حاجی ہیں پھر بھی وہ اس طلاق کو نہیں مانتے، میں نے اپنا دوسرا نکاح مئی میں بغیر کسی کو بتائے ہوئے کرلیا ہے اور وہ بیوی میرے ساتھ ہے؛ لیکن میرے ماں باپ اس بات کی ضد پکڑے ہوئے ہیں کہ تو اسے بھی رکھ، میں کہتا ہوں کہ میں اسے طلاق دے چکا ہوں اور آج بھی تاریخ ۱۹۹۹/۹/۳ء کو بروز جمعہ کو اپنے پورے ہوش وحواس میں قمر جہاں کو پورے گھر کے سامنے اور اس کی ماں کے سامنے بھی طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں؛ لیکن تاریخ: ۱۹۹۹/۹/۴ء بروز ہفتہ میرے ماں باپ نے پھر یہ ضد پکڑ لی کہ ہم یہ طلاق نہیں مانتے، میں نے پھر پورے گھر کے سامنے قمر جہاں اور اس کی ماں کے سامنے میرے دوسرے سسرال والے اور دوسرے گاؤں کے لوگوں کی موجودگی میں تین بار طلاق دے کر اور اپنی دوسری بیوی کو لے کر گھر سے نکل گیا، میں اردو، عربی پڑھا لکھا نہیں ہوں، میں پھر بھی شریعت کے خلاف نہیں جانا چاہتا۔ مہربانی کر کے یہ بتائیے کہ طلاق ہوئی کہ نہیں؟

المستفتی: محمد یعقوب ولد محمد یوسف، گرام بیل جوڑی، اودھم سنگھ نگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کو جب تین طلاق صراحۃً دیدی گئیں تو شرعاً وہ واقع ہوگئیں اور وہ بیوی حرام ہوگئی والدین کا اس طلاق کو نہ ماننا درست نہیں اور نہ والدین کو یہ اختیار ہے، طلاق بہرحال واقع ہوچکی ہے اور وہ عورت قطعاً آپ کے لئے حرام ہوچکی ہے اور اس کے ساتھ رہنا زنا کاری ہوگی۔

عن سهل بن سعدؓ، في هذا الخبر، قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم.
(أبوداؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ١/٣٠٦، دارالسلام رقم: ٢٢٥٠، صحيح البخاري، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/٧٩١، رقم: ٥٠٦٠-٥٢٥٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، أوثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. والأصل فيه قوله تعالىٰ: فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره. (هداية اشرفي ديو بند٢/ ٣٩٩) ***فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم***

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربجمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۱۷۹/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۲۹ھ

ساس کی وجہ سے بیوی کو تین طلاق دینا

سوال [۶۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنی ساس سے لڑائی کر رہا تھا، بیوی ہمارے موافق ہے، ساس نے کوئی ایسی غصے کی بات بولی، جس کی بنا پر میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں۔ اب ایسی حالت میں کون سی طلاق واقع ہوئی ؟ دوسری بات یہ ہے کہ میں تقریباً ۵ رسال سے بیمار ہوں چلنا، پھرنا بھی بمشکل ہوتا ہے، بیوی ہماری فرماں بردار ہے، میں نے ساس کی وجہ سے طلاق دی ہے؛ اس لئے حضور والا سے درخواست ہے کہ رجوع کرنے کی کیا صورت ہوگی تحریر فرمائیں؟

المستفتی: حلیم الدین، پیرغیبک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تین طلاق دینے کے بعد طلاق مغلظہ پڑگئی اورعورت مرد کے لئے حرام ہوگئی؛ لہٰذا دونوں کے درمیان جدائیگی لازم ہے۔ اب دوبارہ

نکاح میں لانے کی شکل یہی ہے کہ عدت گذرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کرے اور ہمبستری ہونے کے بعد جب شوہر ثانی طلاق دیدے، پھر عدت بھی گذر جائے تو اب شوہر اول کا اس سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، أوثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣)

و لا تحل الحرة بعد الطلقات الثلاث لمطلقها لقوله تعالىٰ: فان طلقها فلا تحل له. [سورة البقره: ٢٣٠]

من بعد الآية إلا بعد وطئ زوج آخر بنكاح صحيح ومضى عدته أي عدة النكاح الصحيح بعد زواله بالطلاق في الزوج الثاني. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۰۸۹)

طیش میں آکر ’’اس کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی‘‘ کہنا

سوال [۶۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص یعنی زید کی اپنی بیوی کے بارے میں اپنی ماں سے تکرار ہو رہی تھی، زید اپنی ماں کو منا رہا تھا، جب اس کی والدہ نہیں مانی تو زید نے طیش میں آکر اپنی والدہ کی وجہ

سے اپنی بیوی کے بارے میں کہا، اگر تو یہی چاہتی ہے تو لے ”میں نے اس کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی“ اس کے بعد معلوم کرنے پر بھی لڑکے نے یہی کہا کہ میں نے اس کو اپنی ماں کے اوپر ہی طلاق دی ہے، لفظ طلاق لڑکے کے منھ سے کئی بار نکلا، لڑکی اسوقت وہاں پر موجود نہیں تھی اور ابھی تک اس کو اس کے بارے میں بتایا بھی نہیں تھا، زید کی والدہ کہتی ہے کہ میں ایسا ہر گز نہیں چاہتی، میں اپنی باتوں کے اوپر اپنے لڑکے سے لڑ رہی تھی، اس میں اس کی بیوی کی کوئی غلطی نہیں ہے، مجھے تو اپنے ہی لڑکے سے شکایت ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا زید کی بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اگر واقع ہوئی ہے تو کونسی طلاق واقع ہوئی ہے۔ بالتفصیل جواب سے نوازیں۔ بینوا و توجروا۔

المستفتی: ندیم میرٹھی، دارالعلوم دیوبند

جواب منجانب: دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شخص مذکور زید سے معلوم کیا جائے کہ اس نے طلاق کو ماں کی منشا اور چاہنے پر معلق کیا ہے یا طیش میں آکر طلاق دی ہے ماں کے چاہنے پر معلق نہیں کیا ہے، اس کے بعد جواب لکھا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: مفتی ظفیر الدین غفرلہ
۲۴ر شعبان ۱۴۱۰ھ

تنقیح صحیح ہے
العبد: نظام الدین

تنقیح:
کفیل الرحمٰن نشاط
نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

جواب منجانب: دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معزز ومحترم مفتی دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم کی مذکورہ تحریر سے خاکسار کو اتفاق نہیں ہے؛ کیونکہ خط کشیدہ الفاظ واضح طور پر ناطق ہیں کہ

زید نے اپنی والدہ سے لڑتے ہوئے طیش میں آکر اپنی بیوی کو طلاق دی ہے؛ لہٰذا مذکورہ عبارت برائے تعلیق نہیں ہے؛ بلکہ برائے تنجیز ہے اور سوال نامہ کی درج شدہ صورت میں زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔ اور شوہر کا جملہ اگر تو یہی چاہتی ہے، تو لے میں نے اس کو طلاق دی، یہ تعلیق بالحال ہے، جس میں حکم تنجیز کا ہوتا ہے۔

إن التعليق بكائن تنجيز تحت قول التنوير وإن قالت شئت إن كان الأمر قد مضى طلقت؛ لأنه تنجيز الخ. (شامي، كتاب الطلاق، باب الأمر باليد، فصل في المشية، كراچي ۳/ ۳۳۵، زكريا ٤/ ٥٨١)

وإن علق بموجود أي لو قالت: شئت إن كان فلان قدجاء، وقد جاء وقع الطلاق؛ لأن التعليق بأمر كائن تنجيز. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ٥۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ شعبان ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۱۹۳۷)

تیز بخار کی غفلت میں تین طلاق دینا

سوال [۶۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے تیز بخار کی غفلت میں اپنی بیمار بیوی سے کسی بات پر تین بار طلاق، طلاق، طلاق کہہ دیا الفاظ یہی تھے، نہ اپنی بیوی کا نام لیا، نہ یہ کہا طلاق دی، میرا ایسا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا، مگر بخار کی گرمی وغیرہ کی پریشانی میں صرف لفظ طلاق کہہ دیا۔ اب طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور دونوں ایک ہی ساتھ رہنا چاہتے ہیں کیا شکل ہو؟

المستفتی: ساجد علی، ادھو پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب بیوی کو مخاطب کرکے لفظ طلاق تین مرتبہ

کہدیا ہے، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔ اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہیں تو حلالہ کرانا لازم ہوگا، اس کی صورت یہ ہے کہ عدت گذرنے کے بعد بیوی کسی دوسرے مرد سے نکاح کرکے اس کے ساتھ ہمبستر ہوجائے اس کے بعد وہ مرد طلاق دیگا، تو پھر عدت گذار کر پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵)

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۲۱، رقم: ۳۹۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹۴۱/۳۱)

بہری بیوی کو تین طلاق دینا

سوال [۶۷۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی شنو پروین جو کہ پیدائشی منھ سے نہیں بولتی گونگی ہے اور کانوں سے بھی نہیں سنتی ہے بہری ہے، اس کا شوہر بھی کچھ بے وقوف قسم کا ہے، اپنی زبان سے کسی کو بھی الٹا سیدھا کہدیتا ہے، اس کے اندر سوچنے سمجھنے کا بالکل مادہ نہیں ہے؛ اس لئے اپنی بیوی شنو پروین کو ۱۲/۸/ ۷اء سنیچر کو رات ساڑھے آٹھ بجے کچھ لوٹ پھیر ہوجانے پر باہر دالان میں کھڑے ہوکر تین مرتبہ طلاق دے دی، لڑکی کمرے کے اندر تھی، اگر لڑکی کے

پیچھے کتا شور مچائے یا چلائے تو اس کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہو رہا ہے، اس حالت میں ہمیں فوراً جواب دیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد یسین، عیدگاہ، نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی کا سننا ضروری نہیں ہے، بیوی کے بلا سنے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، جب شوہر نے تین مرتبہ طلاق دے دی ہے، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں؛ لہٰذا آئندہ بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

ولا يلزم كون الإضافة صريحة في كلامه الخ. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٣/٢٤٨، زكريا ٤/٤٥٨، البحرالرائق، كوئٹه ٣/٢٥٣، زكريا٣/٤٤٢)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣)

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة...... لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، زكريا جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩،

تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۲۶/۲۴)

کالی کو تین طلاق کہنے سے دو بیویوں میں سے کس پر طلاق واقع ہوگی؟

سوال [۶۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی دو بیویاں ہیں: (۱) ہندہ (۲) خالدہ، ہندہ پہلے نکاح سے ہے، زید کی پہلی بیوی پڑھی ہوئی نہیں ہے؛ البتہ دوسری پڑھی لکھی اور دیندار بھی ہے، نکاح کے بعد وہ میری پہلی بیوی کو طلاق دلانا چاہتی ہے؛ لیکن میں طلاق دینا نہیں چاہتا؛ کیونکہ اس کے اخلاق اچھے ہیں، ایک دن دوسری بیوی نے کہا مجھ سے (پہلی بیوی کے بارے میں) کہ کالی کو طلاق کہو، میں نے یونہی کہہ دیا طلاق، اس نے کہا تین کہو میں نے بھی یونہی کہہ دیا تین، اس نے کہا کالی کو میں نے بھی کہہ دیا کالی کو میرے دل میں اس کو طلاق دینے کی بات نہیں تھی اور کوئی زبردستی کسی بھی طرح کی نہیں تھی، صرف وہ دوسری بیوی ہی اپنے حسن پر ناز کی بنا پر کالی کہتی ہے، اس کے علاوہ کوئی بھی اس کو کالی نہیں کہتا، اس عبارت کے تحت کیا ہندہ جو زید کی پہلی بیوی ہے، اس کو طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: علیم الدین، قاسمی، امام مسجد شیخان، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب یہ بات متعین ہے کہ دوسری بیوی پہلی بیوی کو کالی کہتی ہے اور شوہر بھی سمجھتا ہے کہ کالی سے پہلی بیوی مراد ہے اور دوسری بیوی نے کالی کو طلاق دینے کا مطالبہ کیا ہے اور اس پر شوہر نے کالی کو تین طلاق دی ہیں، تو ایسی صورت میں پہلی بیوی

پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی؛ اس لئے کہ شوہر سمجھتا ہے کہ دوسری بیوی پہلی بیوی کو کالی کہتی ہے اور اس طرح مطالبۂ طلاق کے موقع پر مطالبہ کی تکمیل میں طلاق واقع ہو جاتی ہے؛ لہٰذا پہلی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں، آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

قالت: لزوجها: طلقني، فقال: فعلت طلقت فإن قالت زدني، فقال: فعلت طلقت أخرىٰ بقرينة الطلب. (شامي، كراچي ٣/ ٢٩٤، زكريا٤/ ٥٢٣- ٥٢٤)

وفي الخانية: :: قالت له طلقني ثلاثاً، فقال: فعلت، أو قال طلقت وقعن. (شامي، زكريا٤/ ٥٢٤، كراچي٣/ ٢٩٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند٢/ ٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم:٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۳۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۴/۱۴۲۵ھ

ایک ساتھ دو بیویوں کو طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی دو بیویاں تھیں، دونوں بیویوں میں جھگڑا بہت ہوتا تھا، زید نے ایک دن دیکھا کہ دونوں بیویاں بہت جھگڑا کر رہی تھیں، زید نے غصہ میں اپنی دونوں بیویوں کو ایک ساتھ تین مرتبہ طلاق دیدی، حضرت کی بارگاہ میں گذارش ہے کہ جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔

المستفتی: ضمیر احمد، اغوان پور، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں دونوں بیویوں پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب بدون حلالۂ شرعیہ کے ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح درست نہیں اور ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں چاروں اماموں کے نزدیک واقع ہوجاتی ہیں، اسی طرح دو بیویوں کو ایک ساتھ طلاق دینے سے دونوں پر طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

عن سهل بن سعدؓ، في هذا الخبر قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم. (سنن ابو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ۱/۳۰٦، دارالسلام رقم: ۲۲۵۰، صحيح بخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/۷۹۱، رقم: ۵۰٦۰، ف: ۵۲۵۹، صحيح مسلم، كتاب اللعان، النسخة الهندية ۱/٤۸۹، بيت الأفكار، رقم: ۱٤۹۲، سنن النسائی، كتاب الطلاق، باب الرخصة في ذالك، النسخة الهندية ۲/۸۳، رقم: ۳٤۳۱)

وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته: أنت طالق ثلاثاً، فقال الشافعيؒ، ومالكؒ، وأبوحنيفةؒ، وأحمدؒ وجماهير العلماء من السلف والخلف: يقع، وقال طاؤس و بعض أهل الظاهر لا يقع بذلك إلا واحدة. (شرح المسلم للنووي، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث ۱/٤۷۸، مرقاة شرح مشكوة، باب الخلع، الطلاق الثلث بلفظ واحد، امداديه ملتان ٦/۲۹۳، بذل المجهود، شرح أبوداؤد، كتاب الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلٰث، مكتبه يحى سهارنپور ۳/۲۷٦، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۸/۹۵، تحت الرقم: ۲۲۰۰)

كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ۳/۲۹۳، زكريا ٤/۵۲۱)

فإن قال امرأتهٔ طالق: وله امرأتان كلتاهما معروفتان يصرف

الطلاق إلي أيتهما شاء. (فتاوى تاتارخانية، زكريا ٤/ ٤٢١، رقم: ٦٥٧٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۲۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱/۲۰ھ

زبانی طلاق مغلظہ دینے کے بعد تحریری طلاق دینا

سوال [۶۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آفتاب خاں ولد اسحاق خاں نے اپنی بیوی کو بعض وجوہ کی بنا پر زبانی تین طلاق دیدیں اور کچھ دنوں بعد اسٹامپ پیپر پر دو گواہوں کے سامنے تحریری طلاق بھی دیدی، ان دونوں کے درمیان طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور بعد عدت کوئی حق رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: نعمان (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب شوہر آفتاب خاں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی اپنے شوہر کے لئے حرام ہوگئی اور عدت گذرنے کے بعد بیوی پر شوہر کا کوئی حق نہیں رہے گا؛ البتہ اگر دونوں ساتھ رہنا چاہیں، تو عدت کے بعد حلالۂ شرعیہ کے بعد پھر عدت گذار کر از سر نو نکاح کر کے میاں بیوی جیسی زندگی گذار سکتے ہیں۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ١/ ٢١٩، جديد زكريا ٦ ٣٧)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۱۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۷؍۱۴۳۱ھ

بدکار عورت کو تین طلاق دینا

سوال [٦٧٣٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی کے شادی سے پہلے ایک غیر مسلم سے ناجائز تعلقات تھے؛ لیکن اس کے ماں باپ نے سمجھایا کہ نادانی میں یہ سب کچھ ہوا ہے اب نہیں ہوگا۔ اور شادی کردی گئی؛ لیکن شادی کے ایک سال بعد پھر یہ حرکت شروع کردی اور قریب ایک سال تک شوہر کے دو بھانجوں سے تعلق رہا، جب دونوں لڑکوں میں آپس میں لڑائی ہوئی، تو راز کھلا اور بات بہت آگے پنچایت تک پہونچ گئی، پنچایت نے ایک موقع اور دیا بات رفع دفع ہوگئی، ایک سال بعد تیسری مرتبہ پھر ایک غیر مسلم برادر سے اس کا تعلق ہوگیا، اس مرتبہ شوہر نے اس کو تین طلاق دیدیں، تو کیا شوہر کا یہ اقدام درست ہے؟ جلد از جلد جواب دینے کی زحمت کریں کرم ہوگا۔

نوٹ: لڑکی والے کہتے ہیں کہ طلاق آمنے سامنے ہوتی ہے، تو کیا لڑکی کا طلاق کے وقت سامنے موجود ہونا ضروری ہے یا مذکورہ طلاق ہوگئی؟ شریعت کا حکم تحریر فرمادیں شوہر تین طلاق دینے کا خود اقرار کررہا ہے۔

المستفتی: احمد علی، ساکن: رام نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی فاسقہ فاجرہ اور بدکار عورت کو طلاق دینے

سے شوہر پر کوئی گناہ نہیں ہے اور طلاق کے صحیح ہونے کے لئے بیوی کا آمنے سامنے موجود ہونا لازم نہیں ہے۔ غائبانہ طلاق دینے سے بھی طلاق صحیح اور معتبر ہو جاتی ہے، لڑکی والوں کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ طلاق آمنے سامنے ہوتی ہے اور تین طلاق کے ثبوت کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ شوہر تین طلاق دینے کا خود اقرار کرلے، شوہر کے اقرار کے بعد اس عورت کا شوہر کے پاس جانا اور جانے کا ارادہ کرنا جائز نہیں۔ وہ عورت شوہر پر قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے۔ اب اگر شوہر پر دباؤ ڈال کر دوبارہ اس کے پاس رہے گی ،تو حرام کاری اور زنا کاری ہوگی اور اس گناہ میں وہ لوگ بھی شریک ہوں گے، جو اس حالت میں عورت کو زید کے پاس بھیجنے میں تعاون کریں گے۔

وعند الحاجة إليه مباح غير مكروه وعند تفريط المرأة في حقوق الله تعالىٰ الواجبة عليها مثل الصلوة ونحوها، أن تكون غير عفيفة، أوخارجة إلى المخالعة والشقاق مندوب إليه. (اعلاء السنن، كتاب الطلاق، قبيل باب طلاق السنة، دارالكتب العلمية، بيروت ١٦٢/١١، كراچي ١٤٣/١١)

ولا يلزم كون الإضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال: طالق، فقيل له من عنيت، فقال امرأتي طلقت امرأته الخ. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٢٤٨/٣، زكريا ٤٥٨/٤)

وإذا أقر الحر العاقل البالغ بحق لزمه إقراره مجهولاً كان ما أقربه، أومعلوماً. (هداية اشرفي ديوبند ٢٣١/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۰۳۱/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۸ھ

بیوی کی بدتمیزی کی وجہ سے شوہر کا تین طلاق دینا

سوال [۶۷۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مجھے مسماۃ کمل پروین سے شادی کئے ہوئے دس سال کا عرصہ ہوگیا، اس دس سال کے عرصہ میں اس کی بداخلاقی بدتمیزی نیز فحش گالیاں دینی حد سے بڑھ گئی ہیں، اس وجہ سے کمل پروین کو الگ رکھنا پڑا۔ اور ایک مرتبہ تین طلاق دی، تین طلاق دی کہہ کر نکال دیا وہ پھر آ گئی، کیا ایسی عورت کو رکھنا جائز ہے اور خدا اور رسول کی شان میں گستاخانہ کلمے ادا کرنا یہ مسلم منٹوں کا مذہب ہے، یہ تو عورتیں کرنے کا مذہب ہے، اس سے ہندو مذہب اچھا ہے، اس کی نظر میں شوہر کی کوئی وقعت وعزت وتوقیر بالکل نہیں ہے اور شرعی طور پر کس سزا کی مستحق ہے؟

المستفتی: سالم حسین، کسرول، دیوان خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کے ساتھ سخت الفاظ اور بے تمیزی سے پیش آنا عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔

ویکره أن یدعو الرجل أباه وأن تدعو المرأة زوجها باسمه الخ.

(در مختار، کتا ب الحظر والإباحة، فصل في البیع، زکریا ۹/ ۵۹۹، کراچي ۶/ ۴۱۸)

اور مذہب کی حقارت اور استہزاء موجب توبہ ہے اور جب آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے، آپ کا اب اس بیوی کے ساتھ رہنا حرام کاری اور زنا کاری ہوگی؛ اس لئے اس کو اب اپنے یہاں آنے دینا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ اب بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

عن واقع بن سحبانؓ، قال: سئل عمران بن حصین عن رجل طلق امرأته ثلاثاً في مجلس، قال: أثم بربه وحرمت علیه امرأته. (مصنف لابن أبي شیبة، مؤسسه علوم القرآن بیروت ۹/ ۵۱۹، رقم: ۱۸۰۸۷)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیرهٗ، ویذوق کل واحد منهما عسیلة صاحبه. (سنن الدار قطني، کتاب الطلاق، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/ ۲۱، رقم: ۳۹۳۲)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۳۱۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۲۵ھ

دباؤ میں آکر تین طلاق دینا

سوال [۶۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں عبد المجید ولد عبد الحکیم آپ سے شریعت کے مطابق کچھ معلومات کرنا چاہتا ہوں، میری شادی ہوئے دس سال ہوگئے ہیں، میری بیوی نسیمہ بانو میری اجازت کے بغیر پیہر چلی جایا کرتی تھی، جس سے ہماری گھریلو زندگی ناخوشگوار حالت میں چلنے لگی اور اسی بات پر میری بیوی اپنے پیہر میں رک گئی، آخر کار میری سسرال والوں نے مجھ پر پولیس کا دباؤ ڈالنا شروع کردیا، میری بیوی نے میری موجودگی میں میرے خلاف پولیس تھانے میں بیان دیئے مجبوراً میں ذہنی طور پر پریشان ہوگیا، آخر میں نے غصے میں آکر پولیس تھانے میں تین بار طلاق طلاق کہدیا اور یہ دباؤ آج ۹۲/۲/۱۴ء تک بنا ہوا ہے، میں ذہنی طور پر بے حد پریشان ہوں، آپ یہ بتانے کی مہربانی کریں کہ کیا قرآن وشریعت کے حساب سے طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اس کا کوئی چشم دید گواہ بھی نہیں ہے۔

المستفتی: عبد المجید ولد عبد الحکیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دباؤ میں آکر جو طلاق دی جاتی ہے، اس سے بھی

شرعاً طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جب آپ نے تین بار طلاق کہہ دیا ہے، تو اس سے آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے اور طلاق واقع ہونے کے لئے چشم دید گواہ شرط نہیں ہے۔

عن ابن عمرؓ، قال: طلاق الكره جائز. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب طلاق الكره، المجلس العلمي بيروت ٦/٤١٠، رقم:١١٤٢١)

وإن أكره على طلاق امرأته، أوعتق عبده، ففعل ذلك وقع ما أكره عليه. (جوهر، كتاب الاكراه، امداديه ملتان ٢/٣٥٥، دارالكتاب ديوبند ٢/٣٣٧)

وطلاق المكره، والسكران، وخلعهما، وإعتاقهما واقع. (تاتارخانية، زكريا٤/٣٩٥، رقم:٦٥١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۸۱۶)

وکیل کے دباؤ پر تین مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی کو ہمیشہ استحاضہ شروع رہتا تھا، دوا کرنے پر ہی رکتا تھا چند روز کے لئے اس بنا پر زید دوسرا نکاح کرنا چاہتا تھا، تو زید کی سسرال والوں نے اپنی بیٹی کی طلاق مانگی، مجلس قائم ہوئی ایک کورٹ کے وکیل بھی تھے، مولوی صاحب بھی تھے کاغذ کے لکھتے وقت وکیل صاحب نے کہا میاں زید تین مرتبہ طلاق دو، مولوی صاحب نے کہا نہیں صرف ایک مرتبہ تو وکیل صاحب نے زبردستی زید سے تین مرتبہ طلاق کہلوائی زید نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دی، زید اس وقت طلاق کے مسائل سے ناواقف تھا، زید کی بیوی بہت پریشان ہے، زید طلاق دینے کو تیار نہ تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ وکیل نے زبردستی طلاق کہلوائی ایک ہی مجلس میں تین طلاق آپ مہربانی فرما کر جواب دیں۔

المستفتی: اشرف مرسلین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق جس طرح رضامندی یا ازخود غصہ کی حالت میں دینے سے واقع ہوجاتی ہے، اسی طرح کسی کے زبردستی کرنے اور دباؤڈالنے کی بنا پر دینے سے بھی واقع ہوجاتی ہے، جب وکیل کے اصرار پر تین طلاقیں دیدی گئیں، تو تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں، مولوی صاحب کی نہیں مانی وکیل صاحب کی ماننے کا حشر یہ ہوا کہ اب بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہیں ہوگا، ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی تین ہی واقع ہوتی ہیں؛ اس لئے اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

عن ابن عمرؓ، قال: طلاق الکره جائز. (مصنف عبد الرزاق، کتاب الطلاق، باب طلاق الکره جائز، المجلس العلمي بیروت ٦/ ٤١٠، رقم: ١١٤٢١)

وطلاق المكره، والسكران، وخلعهما، وإعتاقهما واقع. (تاتارخانیة، زکریا٤/ ٣٩٥، رقم:٦٥١٢)

وطلاق المكره واقع. (هدایة اشرفي دیوبند ٢/ ٣٥٨)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قدیم٢١٩، جدید زکریا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (فتاوی عالمگیري، زکریا قدیم ١/ ٤٧٣، جدید ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۱۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۱۱/ ۱۴۲۴ھ

بیوی طلاق کا دعویٰ کرے اور شوہر خاموش رہے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شوہر اپنی بیوی پر بے انتہا ظلم وتشدد کرتا رہتا ہے، شوہر شرابی کبابی ہے، شوہر کی اس بے جا حرکت سے عورت منع کرتی ہے، جب جب منع کرتی ہے تو شوہر اپنی بیوی کو مارتا ہے اور کہتا ہے کہ تو مجھ کو منع نہیں کرسکتی، ایک مرتبہ اس عورت کی والدہ بھی شوہر کے یہاں موجود تھیں، اس کے سامنے شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور کئی دفعہ طلاق کا لفظ استعمال کیا اور اس طلاق کے بعد سے ان دونوں میں تنہائی پائے ہوئے دوسال آٹھ ماہ بیت گئے ہیں، تو وہ عورت اپنی دوسری شادی کسی اور سے کرسکتی ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ لڑکی بلقیس قسم کھا کر کہتی ہے کہ میرے شوہر نے مجھ کو تین مرتبہ سے زیادہ یوں کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی۔

نوٹ: ایک پنچایت میں بھی شوہر سے بیان لیا گیا، تو اس نے خاموشی اختیار کی، جب ساس نے کہا کہ تو نے طلاق دیدی ہے، اب لڑکی کو کیسے بھیجا جائے، تو شوہر نے کہا میری غلطی ہے، اس بیان سے بھی واضح ہوتا ہے کہ شوہر نے طلاق دیدی ہے۔

گواہ: حافظ محمد ابراہیم، گڑھواوالا بجنور۔

المستفتی: بلقیس، گڑھواوالا، افضل گڑھ، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی نے قسم کھا کر یہ دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے تین مرتبہ سے زائد یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی، اور شوہر اس دعویٰ کا انکار نہیں کررہا ہے خاموشی اختیار کی ہے اور یہ کہا ہے کہ میری غلطی ہے، تو بیوی کا دعویٰ معتبر ہوگا اور بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی، آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

ولو قال لزوجتہ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباہ والنظائر وقدیم ۲۱۹، جدید زکریا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۱۸۱/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۱/۳ھ

غیر ارادی طور پر تین طلاق منھ سے نکلنے پر وقوع طلاق

سوال [۶۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شادی کی تقریب میں شرکت کے لئے گیا ہوا تھا، بچوں کو لے کر کسی بات پر اپنی بیوی سے کہاسنی ہوگئی، میری بیوی اپنے میکہ چلی گئی، اس پر ان کے عزیز واقارب مجھ سے بدتمیزی کرنے لگے اور مار پیٹ پر اتر آئے اور گالی گلوچ کرنے لگے اور مجھ سے کہنے لگے کہ بتا تیرا فیصلہ کیا ہے؟ یہ سن کر غصہ کی حالت میں غیر ارادی طور پر میری زبان سے تین بار طلاق کا لفظ نکل چکا ہے، اس وقت میری بیوی وہاں پر موجود نہیں تھی، مگر وہاں پر لگ بھگ ۲۰ یا ۲۵؍ لوگ موجود تھے، ان کی موجودگی میں مجھ سے یہ الفاظ ادا ہوئے، اس مسئلہ کا حل مجھے قرآن وحدیث کی روشنی میں دیں۔

المستفتی: محمد عابد، لائن نمبر ۳؍ ہلدوانی، آزاد نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غصہ کی حالت میں بیوی کے خاندان والوں کی طرف سے طلاق کے مطالبہ کی صورت میں غیر ارادی طور پر زبان سے طلاق دی جائے تو وہ طلاق پڑجاتی ہے اور موقع پر بیوی کا موجود ہونا بھی ضروری نہیں؛ اس لئے جب تین طلاقیں

دی ہیں، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہو کر بیوی قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے۔ آئندہ بغیر حلالہ کے اس سے نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

أولـم ينو شيئاً و تحته في الشامية: لما مر أن الصريح لا يحتاج إلى النية. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٣/ ٢٥٠، زكريا ٤/ ٤٦١)

ويقع طلاق من غضب. (شامي، زكريا ٤/ ٤٥٢، كراچي ٣/ ٢٤٤)

لـو قـال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كـان الـطـلاق ثـلاثـاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تـنـكـح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هـنـدية، زكـريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم:٣ ٧٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۱۳۷۷)	۹؍۱؍۱۴۳۵ھ

تین طلاق کے بہانے سے سالے کو گھر پر بلانا

سوال [۶۷۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے فون پر اپنے سالے سے کہا کہ اپنی بہن کو لے جاؤ میں نے اسے طلاق دیدی ہے، سالے کے معلوم کرنے پر تم نے کتنی بار طلاق دی ہے، انہوں نے کہا کہ تین بار اس کے بعد وہ لوگ وہاں پہونچے اور تحقیق کی، تحقیق کرنے پر لڑکی اور پڑوسی خاندان والوں نے کہا کہ یہاں پر تو کوئی ایسی بات نہیں ہے؛ البتہ جب ان دونوں میں جھگڑا ہو رہا تھا، تو لڑکے نے یہ بات ضرور کہی تھی کہ آج تم اپنے گھر والوں کو بلاؤ، میں تمہیں طلاق دوں گا، اس کے علاوہ ہمیں کسی بات کا علم نہیں اور نہ ہی ہمیں یہ علم

ہے کہ اس نے آپ کو فون کیا ہے، اس کے بعد لڑکے سے معلوم کیا گیا، تو اس نے یہ جواب دیا کہ میں نے کوئی طلاق نہیں دی ہے، میں نے فون پر طلاق کے بہانے آپ کو بلایا تھا تاکہ تم یہاں حالات دیکھ لو اور ہمارے لڑائی جھگڑے ختم ہوجائیں، اس صورت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اور اگر واقع ہوتی ہے تو کونسی؟

المستفتی: عبدالجبار، بھاگوالا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذاقاً اور کسی کو بلانے کے بہانہ طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ اس لئے جب مذکورہ شخص نے اپنے سالے کو بلانے کے لئے طلاق کا لفظ کہا ہے اور سالے کے پوچھنے پر کہ کتنی بار طلاق کہا ہے، اس کے جواب میں تین بار طلاق دینے کا اقرار کرلیا ہے، تو مذکورہ شخص کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں، اس کے بعد طلاق کے انکار کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور بلا حلالۂ شرعیہ دوبارہ نکاح درست نہیں ہوگا۔

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أو هازلاً وقع قضاءً. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التى تصح مع الاكراه، كراچي ٣/٢٣٦، زكريا ٤/٤٤٠)

وإذا قال لامرأته: أنت طالق، طالق، طالق، ولم يعلقه بالشرط إن كانت مدخولة طلقت ثلاثاً. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٥٥، جديد ١/٤٢٣)

كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (در مختار، كراچي ٣/٢٩٣، زكريا ٤/٥٢١)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۵۲)

غیر مدخول بہا کو ''تین طلاق دی یا دیتا ہوں'' کہنے کا حکم

سوال [۶۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی غیر مدخول بہا زوجہ کو ''تین طلاق دی یا دیتا ہوں'' کہا تو اس جملہ سے کتنی طلاق پڑیں گی اور اس سے دوبارہ شادی کرنے کے لئے کیا راستہ اختیار کرنا پڑیگا؟

المستفتی: محمد فاروق، سیولوی، مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غیر مدخول بہا زوجہ کو تین طلاق دی یا دیتا ہوں کہے تو تین طلاق واقع ہوگئیں، اب بلا حلالہ دوبارہ اس سے نکاح بھی جائز نہیں ہے۔

إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل الدخول بها وقعن عليها......ولا تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ. كذا في الذخيره. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۴۴۰-۴۴۱)

إذا قال لامرأتهٖ: قبل الدخول بها أنت طالق ثلاثاً......وقع ذلک عند عامة العلماء. (بدائع الصنائع، كراچي ۳/۱۳۷، زكريا ۳/۲۱۶)

طلق غير المدخول بها ثلاثاً وقعن سواء قال أو قعت عليک ثلاث تطليقات، أو أنت طالق ثلاثاً. (البحرالرائق، كوئٹه ۳/۲۹۱، زكريا ۳/۵۰۷)

لو قال لزوجتهٖ غير المدخول بها: أنت طالق ثلاثاً وقعن. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كراچي ۳/۲۸۴، ۲۸۵، زكريا ۴/۵۰۹، ۵۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۷۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۴/ ۱۴۱۷ھ

قبل الخلوۃ تین طلاق دینے کے احکام

سوال [۶۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جس کی کسی لڑکے سے شادی ہوئی وہ جب والدین سے رخصت ہوکر اپنے شوہر کے گھر گئی اور جب اس کا شوہر اس سے پہلی رات میں رجوع ہونا چاہا، تو لڑکی نے اپنی طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کیا اور اس کو رجوع ہونے سے روک دیا کہ میں اس وقت حیض میں ہوں (یعنی مجھ کو حیض آرہا ہے) لڑکا اس کے اصرار پر مان گیا اور لڑکا حق زوجیت ادا نہ کرسکا۔ دوسرے دن ہی لڑکی اپنے میکہ چلی گئی، پھر دوبارہ اپنے شوہر کے گھر جانے سے انکار کردیا یہاں تک کہ نوبت طلاق تک پہونچ گئی، لڑکے کے والدین نے لڑکی کو بہت کچھ سمجھایا، مگر اس نے انکار ہی کیا اور طلاق لینے کی مانگ کی، لڑکے کے وارثین نے لڑکے سے طلاق دلوادی، یہ طلاق اہل پنچ حضرات کے اصرار پر دی گئی، لڑکا طلاق دینے پر راضی نہ تھا، مگر لڑکے نے تین مرتبہ لفظ طلاق ادا کیا، تو اس سلسلہ میں دریافت طلب امور یہ ہیں۔

(۱) کیا حق زوجیت ادا نہ ہونے پر بھی طلاق ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اگر طلاق ہوسکتی ہے تو کیا ایسی صورت میں بھی لڑکی مہر کی حقدار ہے؟

(۳) اور یہ کہ لڑکی کو عدت کرنا ضروری ہے؟

(۴) لڑکی دوبارہ اپنے شوہر کے گھر آنا چاہتی ہے، جس کو طلاق ہوئے ۳۰؍اگست ۱۹۹۰ء کو ایک ماہ دس یوم کا عرصہ گذر چکا ہے؟

(۵) کیا نکاح ثانی کی گنجائش ہے یا وہ لڑکی اپنے شوہر کے نکاح سے خارج ہوگئی؟

(۶) یا وہی نکاح کافی ہے؟

المستفتی: محمد نبی، محلّہ: مقبرہ دوئم، خطیرہ والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جی ہاں حق زوجیت ادا نہ کرنے کی

صورت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

قال لزوجتهٖ غير المدخول بها: أنت طالق ثلاثاً وقعن. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ۳/ ۲۸٤، ۲۸٥، زكريا ٤/ ٥٠٩، ٥١٠، البحر الرائق، كوئٹه ۳/ ۲۹۱، زكريا ۳/ ٥٠٧، بدائع الصنائع، كراچي ۳/ ۱۳۷، زكريا ۳/ ۲۱٦)

(۲/۳) اگرواقعی حالت حیض میں تھی تو خلوت صحیحہ ثابت نہیں ہوئی؛ اس لئے نصف مہر واجب ہوگا اور لڑکی پر عدت گذارنا لازم ہوگا۔

والخلوة ......بلا مانع حسي وتحته في الشامية: وبالحيض، أو النفاس مع أن الأولىٰ منهي شرعاً. (شامي، كراچي ۳/ ۱۱٤، زكريا ديوبند ٤/ ۲٤٩)

وتجب العدة: أي كل أنواع الخلوة ولو فاسدة الخ (الدر المختار، كراچي ۳/ ۱۲۲، زكريا ٤/ ۲٦۱)

(۶/۵/۴) تین طلاق دینے کی وجہ سے لڑکی شوہر کے لئے بالکل حرام ہوچکی ہے۔ اب دوبارہ نکاح بھی بغیر حلالہ کے درست نہیں ہوسکتا اور شرعی طور پر حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح درست ہوسکتا ہے اور اگر تین طلاق تین جملوں میں الگ الگ دی ہے، تو صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور اب عدت کے اندر اور عدت گذرنے کے بعد کسی بھی وقت دوبارہ نکاح کرکے ازدواجی زندگی گذار سکتے ہیں۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحًا صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤۷۳، جديد ۱/ ٥۳٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۰۹۹/۲۶)

غیر مدخول بہا کو تین طلاق کے بعد بلا حلالہ نکاح کا عدم جواز

سوال [۶۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو قبل الدخول طلاق (ایک جملہ میں تین طلاق) دیدی، پھر وہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح درست ہے؟

المستفتی: محمد جاوید چاند پوری، ضلع: بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اصح قول کے مطابق اس شخص کا بغیر حلالہ کے اس غیر مدخول بہا کے ساتھ نکاح جائز نہیں؛ بلکہ اس کو اپنی زوجیت میں لانے کے لئے حلالہ ضروری ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۳/۴۹۷، میرٹھ ۱۹/۳۱۷)

وفي المشكلات: من طلق امرأته الغير المدخول بها ثلاثاً، فله أن يتزوجها بلا تحليل......وقد بالغ المحقق ابن الهمام في رده حيث قال:......لافرق في ذلك أي في اشتراط المحلل بين كون المطلقة مدخولاً بها أو لا، لصريح إطلاق النص وقد وقع في بعض الكتب أن غير المدخول بها تحل بلا زوج وهو زَلَّة عظيمة ومصادمة للنص والإجماع.

(شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ۳/۲۸۵، زكريا ٤/۱/٥١١، كذا في فتح القدير، كوئٹه ٤/۱/۳۱، زكرياديوبند ٤/١٥٨، هندية، زكريا قديم ۱/٤٧٣، جديد ۱/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۴۰/۱۱۵۱۲)

غیر کفو میں نکاح کے بعد تین طلاق دی، بلا حلالہ دوبارہ نکاح کا عدم جواز

سوال [۶۷۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر لڑکی نے غیر کفو میں اولیاء کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرلیا ہے اور نکاح کے بعد دخول بھی ہوگیا ہے، جس کے بعد تین طلاق دی گئی ہے، پھر تین طلاقوں کے بعد اولیاء راضی ہوجائیں اور اس لڑکے سے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو بغیر حلالہ کے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مفتی اشرف علی، مفتی مدرسہ حسین بخش، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ میں حضرات حنفیہ کے تین اقوال ہیں:

(۱) حضرت امام ابوحنیفہ کی ظاہر الروایہ کے مطابق نکاح مطلقاً منعقد ہوجاتا ہے، بس صرف خلاف استحباب ہے اور یہی آیت قرآنی

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَآئَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ لَاهُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَاهُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَآتُوْهُمْ مَا اَنْفَقُوْا وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنْکِحُوْهُنَّ اِذَا اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ. [الممتحنة: ۱۰]

کے مطابق ہے اس لئے کہ اس آیت کریمہ کے اندر مؤمن کا مومنہ کے ساتھ نکاح کرنے میں کفو وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے، صرف ایمان کی قید ہے؛ البتہ اولیاء کو اس نکاح کے فسخ کرنے کا حق اس وقت تک رہتا ہے، جب تک بچہ کا پیٹ میں آکر حمل واضح نہ ہوجائے؛ لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق اگر دخول ہوجائے تو وہ زنا کے مرادف نہیں ہوگا اور دخول کے بعد جب تین طلاقیں دی جائیں گی، تو وہ طلاقیں معتبر ہوجائیں گی اور آئندہ بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان میں نکاح منعقد نہیں ہوگا، جو حسب ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

عن أبي حنيفةؒ تجوز مباشرة البالغة العاقلة عقد نكاحها ونكاح غيرها مطلقاً إلا أنه خلاف المستحب وهو ظاهر المذهب. (فتح القدير، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، كوئٹه ۳/ ۱۵۷، زكريا۳/ ۲٤٦)

نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي وله الاعتراض في غير الكفو. وتحته في المجمع: هذا إذا لم تلد منه. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت۱/ ٤۸۹)

حتى تلد منه لئلا يضيع الولد وينبغي إلحاق الحبل الظاهر به. (شامي، كراچي ۳/ ٥٦، زكريا ٤/ ۱٥٦)

ثم المرأة إذا زوجت نفسها من غير كفو صح النكاح في ظاهر الرواية عن أبي حنيفةؒ، وهو قول أبي يوسفؒ آخرًا، وهو قول محمدؒ آخرًا أيضاً حتى أن قبل التفريق يثبت فيه حكم الطلاق، والظهار، و الإيلاء، والتوارث، وغير ذلک؛ ولكن للأولياء حق الاعتراض. وفي الكافي : مالم تلد منه. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/ ۱۳۹، ۱٤۰، رقم:٥٦٥۹، مثله في الهندية زكريا قديم ۱/ ۲۹۲، جديد زكريا ۱/ ۳٥۸، فتاوى قاضي خان، زكريا جديد ۱/ ٤/ ۲۰، على هامش الهندية، زكريا۱/ ۳۳٥، هداية، اشرفي ديوبند۲/ ۳۱۳، تبيين الحقائق،امدادية ملتان۲/ ۱۲۸، زكريا ديوبند ۲/ ٥۱۷)

(۲) حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اولیاء کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اولیاء کی اجازت پر یہ نکاح موقوف رہتا ہے؛ لہٰذا اگر اولیاء کی اجازت سے پہلے ہمبستری ہوجائے تو یہ ہمبستری حرام ہوگی؛ چنانچہ ہمبستری کے بعد جوطلاق دی گئی ہے وہ طلاق واقع نہیں ہوگی بریں بناء دوبارہ آپس میں اولیاء کی اجازت سے نکاح کرنا چاہیں تو حلالہ کی ضرورت نہیں بغیر حلالہ کے نکاح منعقد ہوجائے گا اور پہلا نکاح جوموقوف تھا وہ اولیاء کی اجازت سے منعقد ہوجائے گا؛ لیکن اولیاء کی اجازت سے پہلے تین طلاق دینے کی صورت میں تینوں طلاقیں واقع نہیں ہوں گی اورظہار ومیراث بھی ثابت نہیں ہوگی؛ بلکہ یہ متارکت کے حکم

میں ہو جائے گا؛ اس لئے کہ دوسری جگہ نکاح کرنے کے لئے متارکت یا قضاء قاضی امام محمدؒ کے قول کے مطابق لازم ہے، جو حسب ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

وفي قول محمدؒ في ظاهر الرواية العقد موقوف على إجازة الولي، فإن أجازه جاز. (الفتاوى التاتار خانية، زكريا٤/ ١٤٠، رقم: ٥٧٦١، هداية مكتبه بشرى٣/ ٢٧، اشرفي ديو بند ٢/ ٣١٤)

وعن محمد ينعقد موقوفاً ولو من كفو على إجازة الولي، فالوطؤ بلا إذن حرام ولا فيه طلاق، وظهار، وميراث وعنه إنه باطل فلا ينعقد بعبارتها أصلاً. (الدر المنتقي، دارالكتب العلمية بيروت١/ ٤٩٠، قاضي خان، زكريا ١/ ٢٠٤، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/ ٣٣٥)

وفي الفتاوى الصُغرى: لو زوجت نفسها بغير ولي فطلقها ثلاثاً عند محمدؒ يصير متاركة حتى لو أجاز الولي لا ينفذ عنده؛ لكن لا يحرم المحل، ويكره له أن يتزوجها بعد الثلاث قبل التزوج بزوج آخر. (خلاصة الفتاوى٢/ ١٦)

وعند محمد ينعقد موقوفاً على إجازة الولي، ولو من كفو ومعنى كونه موقوفاً إنه لا يجوز وطؤها قبل الإجازة ولا يقع الطلاق، ولايتوارث أحدهما من الآخر. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت١/ ٤٩٠)

اکثر کتب فقہ ہدایہ، فتح القدیر، البحر الرائق، تبیین الحقائق، فتاوی تاتارخانیہ وغیرہ میں امام محمدؒ کا اپنے قول سے امام ابوحنیفہؒ کی ظاہر الروایۃ کے مطابق رجوع کرنا ثابت ہے، مگر صاحب مجمع الانہر نے اس رجوع پر شبہ ظاہر کیا ہے۔

ويروي رجوعه إلي قول الإمام: ولهذا قال بعض الفضلاء، والأولىٰ أن يقول وعن محمدؒ؛ لكن في الغاية قال رجا ابن أبي رجا: سألت محمدًا عن النكاح بغير ولي، فقال لايجوز قلت فإن لم يكن لها ولي قال ترفع أمرها إلي القاضي ليزوجها، قلت فإن كان في موضع لا حاكم فيه، قال:

يفعل ماقال سفيان قلت وماقال سفيان قال تولي أمرها رجلاً ليزوجها انتهي فيفهم منه عدم رجوعه؛ فلهذا قال: وعند محمدؒ تدبر. (مجمع الأنهر، دارالكتب اللعلمية بيروت ١/ ٤٩٠)

هذا ظاهر الرواية عن أبي حنيفةؒ وصاحبيه–إلى–وماروي عنهما بخلافه فقد صح رجوعهما إليه. (البحرالرائق، کوئٹه ٣/ ١١٠، زكريا٣/١٩٣–١٩٤)

ثم المرأة إذا زوجت نفسها من غير كفو صح النكاح في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة، وهو قول أبي يوسف آخرًا، وهو قول محمدؒ آخرًا أيضاً. (تاتارخانية، زكريا ٤/ ١٣٩، رقم: ٥٧٥٩)

فتحصل أن الثابت الآن هو اتفاق الثلاثة على الجواز مطلقًا من الكفو وغيره. (فتح القدير، كوئٹه٣/ ١٥٧، زكريا٣/٢٤٦)

ويروي رجوع محمدؒ إلى قولهما. (هداية البشریٰ٣/٢٨، اشرفي ديوبند ٢/ ٣١٤)

(٣) حضرت امام ابوحنیفہؒ سے حسن بن زیاد کی روایت ہے، اس روایت کے مطابق وہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا اس نکاح کے بعد اگر ہمبستری ہو جائے، تو وہ بدکاری کے مرادف ہوگی اور اگر بعد میں اولیاء اجازت دیدیں تب بھی منعقد نہیں ہوگا؛ بلکہ از سرنو ایجاب وقبول کے ساتھ نکاح کرنا پڑے گا؛ لہٰذا اس قول کے مطابق یہ نکاح باطل ہے؛ اس لئے اس نکاح کے بعد قبل الدخول یا بعد الدخول جو طلاق دی جائے گی، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور اولیاء کی آپسی رضامندی سے دوبارہ نکاح کا ارادہ ہو تو بغیر حلالہ کے نکاح درست ہو جائے گا اور متأخرین نے فساد زمانہ کی وجہ سے حسن بن زیاد کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے، جو حسب ذیل عبارات سے واضح ہے۔

وروي الحسن عن الإمام عدم جوازه أصلا وعليه فتوى قاضيخان وهو المختار فلا تحل مطلقة ثلاثاً تزوجت بغير كفو بلا رضا الولي وهذا ممايجب حفظه. (الدر المنتقي، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٩٠)

وعن أبي حنيفةؒ، وأبي يوسفؒ أنه لا يجوز في غير الكفو؛ لأن كثيرا من الأشياء لا يمكن دفعه بعد الوقوع واختار بعض المتأخرين الفتوى بهذه الرواية لفساد الزمان (تبيين) ’’قوله وعن أبي حنيفةؒ‘‘ وهذه رواية الحسن. (چلپي امدادية ملتان ٢/ ١١٧، زكرياديوبند ٢/ ٤٩٤، مثله في مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٩٠، الفتاوى التاتارخانية، زكريا٤/ ١٤٠، رقم: ٥٧٦٠، هندية، زكريا قديم ١/ ٢٩٤، جديد ١/ ٣٥٨، قاضيخان، زكريا جديد ١/ ٢٠٤، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/ ٣٣٥، فتح القدير، كوئٹه٣/ ١٥٧، زكريا٣/ ٢٤٦)

اس پوری تفصیل کے بعد وضاحت کی جاتی ہے کہ ہم نے ایک زمانہ تک حسن بن زیاد کے قول پر فتوی لکھا ہے؛ لیکن بعد میں بہت سے ایسے مسلمانوں کی طرف سے سوالات آئے ہیں، جو اپنے آپ کو دانشور کہنے کی کوشش کرتے ہیں اور عام مسلمانوں اور بعض علماء کی طرف سے بھی استفسارات آئے ہیں کہ اللہ رب العالمین نے قرآن مقدس میں مومن کا نکاح مومنہ کے ساتھ ہونے میں کسی قسم کی برادری یا کفو وغیرہ کی قید نہیں لگائی اور فقہاء وغیرہ نے جو کفو وغیرہ کی قیودات لگائی ہیں وہ محض اجتہادی اور ظنی مسائل ہیں اور ظنی کے ذریعہ سے قطعی حلال چیز کو حرام نہیں کہا جا سکتا ہے؛ چنانچہ کتب فقہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ حسن بن زیاد کے قول کا مدار نظم وانتظام اور زجر وتوبیخ کے قبیل سے ہے، حلت وحرمت اور حلال وحرام سے متعلق نہیں ہے، بریں بنا مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہؒ نے بھی اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ یہ حلت وحرمت سے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ نظم وانتظام اور زجر وتوبیخ سے متعلق ہے؛ اس لئے اگرچہ متاخرین فقہاء نے اس قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے؛ لیکن اس قول کو حتمی نہیں کہا جا سکتا ہے؛ لہٰذا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی جو رائے حضرات امام اعظمؒ کی ظاہر الروایہ کے مطابق ہے وہی زیادہ صحیح اور قوی ہے اور اس پر عمل کرنے کی صورت میں مخالفین کو اعتراض کا موقع نہیں ملتا ہے اور نہ ہی اخبار میں سرخیاں بنانے کا موقع ملے گا۔

اب رہ گئی یہ بات کہ حدیث شریف میں جو وارد ہے۔

أیما امرأة نكحت بغير إذن مواليها، فنكاحها باطل ثلاث مرات. (أبو داؤد شريف، كتاب النكاح، باب في الولي، النسخة الهندية ٢/ ٢٨٤، دار السلام رقم: ٢٠٨٣)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بن زیاد کا قول منصوص ہے اجتہادی اور ظنی نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث شریف خبر واحد ہے اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے اور خود اس حدیث شریف کے مقابلے میں دوسری صحیح حدیث شریف موجود ہے۔

الأيم أحق بنفسها من وليها والبكر تستأذن في نفسها، وإذنها صماتها. (مسلم، كتاب النكاح، باب استئذان الثيب في النكاح، النسخة الهندية ١/ ٤٥٥، بيت الأفكار رقم: ١٤٢١، ترمذي، كتاب النكاح، باب ماجاء في استيمار البكر والثيب، النسخة الهندية ١/ ٢١٠، رقم: ١١٠٨)

لہٰذا اس کے ذریعہ سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ نص پر اور اسی کے پیش نظر حسن بن زیاد کی روایت پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس روایت میں جو ارشاد فرمایا ہے، وہ نظم وانتظام اور زجر وتوبیخ سے متعلق ہے، حلت وحرمت سے متعلق نہیں ہے اور قرآن مقدس کی سورہ ممتحنہ کی آیت میں حلت وحرمت سے متعلق حکم بیان کیا گیا ہے اور متأخرین فقہاء نے فساد زمانہ کی وجہ سے مصلحۃً حسن بن زیاد کے قول کو اختیار کیا ہے؛ لیکن دلائل کی روشنی میں ظاہر الروایہ ہی زیادہ صحیح اور قوی ہے؛ اس لئے ہم اب مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی رائے کے مطابق ظاہر الروایہ کو ہی ترجیح دے کر اس پر فتویٰ لکھتے ہیں؛ اس لئے مذکورہ مسئلہ میں تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور دوبارہ اگر نکاح کرنا چاہے تو بغیر حلالہ کے نکاح منعقد نہیں ہوگا اور اس نکاح کے بعد جو اولاد ہوگی وہ اولاد ثابت النسب ہوگی اور ان میں وراثت بھی جاری ہو جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۷۳/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۲۲ھ

بیوی تین کا دعویٰ کرتی ہے، شوہر انکار کرتا ہے

سوال [۶۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کہتی ہے کہ شوہر نے تین طلاق دی ہیں اور شوہر کہتا ہے کہ میں نے صرف ایک ہی طلاق دی ہے یا شوہر طلاق کا انکار کرتا ہے، تو ایسی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟

المستفتی: محمد مفتی جاوید قاسمی چاند پوری، ضلع: بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت واقعہ جب بیوی یہ کہتی ہے کہ شوہر نے مجھے تین طلاق دی ہیں اور شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے صرف ایک طلاق دی ہے یا وہ طلاق کا انکار کرتا ہے، تو چوں کہ بیوی کے پاس دو شرعی گواہ موجود نہیں ہیں؛ اس لئے مسئولہ صورت میں قضاء شوہر کی بات مانی جائے گی اور طلاق کے وقوع کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا؛ لیکن اگر بیوی نے خود اپنے کانوں سے طلاق کے الفاظ سنے ہیں اور اسے تین طلاق کا پورا یقین ہے، تو اس پر دیانۃً تین طلاق پڑگئیں۔ اب بیوی پر لازم ہے کہ حتی الامکان شوہر کو اپنے قریب نہ آنے دے اور جس طرح بھی ممکن ہو اس سے تفریق حاصل کرلے، پھر بھی اگر اس کو مجبور کیا جائے، تو وہ گنہگار نہ ہوگی؛ بلکہ سارا وبال شوہر پر ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۰۲، کفایت المفتی جدید زکریا ۸۹/۶، جدید ادارۃ الفاروق، کراچی ۱۲۳/۸، عثمانی ۳۵۵/۲، محمودیہ ڈابھیل ۲۹۸/۱۳، میرٹھ ۲۳۷/۱۹)

المرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه: والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمالٍ، أوتهرب، فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه. (شامي، زكريا ٤٦٣/٤، كراچي ٢٥١/٣، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٢١٨/٢، زكريا ٨٢/٣، هندية، زكريا

قدیم ۱/ ۳۵٤، زکریا جدید دوبند ۱/ ٤٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۴۰؍۱۱۴۴۴)

لفظ طلاق کئی مرتبہ بول کرتا کید مراد لینا

سوال [٦٧۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو میکہ سے بچے کی ولادت کے بعد بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے آجانے کی وجہ سے طیش میں آکر لفظ ’’طلاق دی‘‘ کئی مرتبہ کہا اور قسم کھا کر زید کہتا ہے کہ لفظ طلاق کئی مرتبہ کہنے کے وقت میری نیت لفظ طلاق کے تکرار کی تھی، یہی ہمارے یہاں کا عرف بھی ہے اور بصورت تاکید کئی مرتبہ کہہ کر ایک ہی مانتے ہیں، میں نے اس لفظ کو بار بار کہا ہے، میری نیت مستقل طور سے طلاق واقع کرنے کی نہیں تھی، اس بات پر خود میری بیوی اور میرا سالہ اور اہل خانہ گواہ ہیں، اس طرح طلاق کا لفظ مجھ سے کئی بار کہا گیا، بخدا میرا مقصود اس کو ڈرانا دھمکانا تھا، طلاق تو ایک بھی واقع کرنا نہیں تھا تاکہ یہ آئندہ میکہ سے بغیر اجازت نہ آئے، تو ایسی صورت میں میری بیوی پر کون سی طلاق واقع ہوگی؟

المستفتی: محمد زید، حافظ آباد، مالیر کوٹلہ، سنگرور (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپ کا ارادہ ایک بھی طلاق واقع کرنے کا نہیں تھا، مگر پھر بھی آپ نے لفظ طلاق زبان سے نکال دیا، تو ایسی صورت میں آپ کا ارادہ کام نہیں کرے گا، طلاق ضرور واقع ہوگی ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک طلاق بھی واقع نہ ہو اور جب آپ نے اس لفظ کو تین مرتبہ سے زیادہ کہا ہے، تو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرا ارادہ تین طلاق واقع کرنے کا نہیں تھا، تو آپ کی اگلی بات کہ ایک کا بھی

ارادہ نہیں تھا،اس کے معارض ہے؛اس لئے آپ کی اس معارض بات کا اعتبار نہ ہوگا،طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔اب بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

ولو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤۷۳، جديد ۱/ ٥۳٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰ رصفر المظفر ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۷۲۴)	۱۴۲۶/۲/۲۲ھ

تین طلاق دے کر یہ کہنا کہ ہمیں تم سے محبت ہے ہزار مرتبہ طلاق دوں تب بھی واقع نہ ہوگی

سوال [۶۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو نشہ اور غصہ کی حالت میں طلاق کا لفظ بیک وقت تین مرتبہ کہا اور شوہر کا یعنی زید کا یہ کہنا کہ ہمارے دل میں تمہاری بہت محبت ہے چاہے ہزار مرتبہ تم کو طلاق دوں، مگر پھر بھی طلاق نہیں ہوگی، تو کیا طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: مفتی محمد جاوید قاسمی چاند پوری، ضلع: بجنور (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب طلاق کا لفظ تین بار زبان سے بیوی کے حق میں استعمال کر چکا ہے، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، چاہے بیک وقت تینوں طلاقیں دی ہوں یا بیوی سے پوری طرح سے محبت ہو، ہر حال میں طلاق واقع ہوگئی ہے۔ اب بلا حلالۂ شرعی کے اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديو بند۲/۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۸۸۸)

تین چار سال میں کئی مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرفان خان نے اپنی بیوی کو کئی مرتبہ میں تین سے زیادہ مرتبہ طلاق دیدی ہے، سب سے پہلے دو مرتبہ طلاق دی تھی، پھر ڈیڑھ ماہ بعد دو طلاق، پھر ڈھائی سال کے بعد تین طلاق دی، پھر اس کے ایک مہینہ کے بعد تین طلاق دی، ہر طلاق کے بعد روتے ہیں اور معافی تلافی کرتے ہیں اور بیوی کے ساتھ رہتے ہیں، اس وقت سعودیہ عربیہ میں ہیں، فون پر بھی طلاق دیتے رہتے ہیں اور جب یہاں تھے، تو یہاں بھی تین سے زیادہ مرتبہ طلاق دیدی ہے۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ بیوی کا ان کے ساتھ رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ میرے ساتھ رہنے کا اصرار کریں تو میرے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتية: سائرہ خاتون، لاجپت نگر، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب شوہر نے آپ کو تین چار سال میں کئی مرتبہ تین سے زیادہ طلاق دیدی ہیں اور اب سعودیہ سے فون پر بھی تین سے زیادہ مرتبہ طلاق دیتے رہتے ہیں، تو آپ کے اوپر طلاق مغلظہ واقع ہوکر آپ

شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہوچکی ہیں اور آپ کا ان کے ساتھ رہنا اور اپنے اوپر قابو دینا حرام کاری اور زناکاری ہوگی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: الطلاق مرتان: ………… فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه. [البقرہ: ۲۳۰]

عن سهل بن سعدؓ، قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذهٗ رسول الله صلى الله عليه وسلم. (بخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث ۲/۷۹۱، رقم: ۵۰۶۰، ف:۵۲۵۹، صحيح مسلم، كتاب اللعان، النسخة الهندية ۱/۴۸۹، بيت الأفكار، رقم: ۱۴۹۲، أبو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ۱/۳۰۶، دارالسلام رقم: ۲۲۵۰)

وقال الليث عن نافع كان ابن عمرؓ إذا سئل عمن طلق ثلثاً، قال: لو طلقت مرة، أو مرتين، فإن النبي صلى الله عليه وسلم، أمرني بهذا فان طلقها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيره. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/۷۹۲، رقم:۵۰۶۵، ف:۵۲۶۴، صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض، النسخة الهندية ۱/۴۷۶، بيبت الأفكار رقم:۱۴۷۱)

عن واقع بن سحبانؒ، قال: سئل عمران بن حصين عن رجل طلق امرأته ثلاثاً في مجلس، قال: أثم بربه وحرمت عليه امرأته. (مصنف ابن أبي شيبة، جديد مؤسسه علوم القرآن بيروت ۹/۵۱۹، رقم:۱۸۰۸۷)

مالک أنه بلغه أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ على؟ فقال ابن عباسؓ: طلقت منک بثلاث وسبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (مؤطا امام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، النسخة الهندية ۱۹۹، بيروت، رقم: ۱۱۲۱)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة……لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره

نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤٧٣، زكريا جديد ١/ ٥٣٥)

عن عائشةؓ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت، فطلقتها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩١، دارالسلام رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۵۳/۴۰)	۱۴۳۵/۶/۴ھ

فون پر کئی مرتبہ طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انوار عالم بن محمد حسین نے اپنی بیوی عالم آراء کو فون پر بات چیت کرتے وقت حق زوجیت ادا نہ کرنے کی وجہ سے کئی مرتبہ طلاق دیدی، بروز بدھ ۱۳/ ۷/ ۱۰ء کو جبکہ ان کی بیوی کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق کو صرف دو مرتبہ سنا ہے اور لڑکے کا کہنا ہے کہ تین مرتبہ سے بھی زائد کہا ہے۔ یاد رہے کہ ان کی بیوی حاملہ ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: انوار عالم بن محمد حسین، رائے پور، اودھم سنگھ نگر (اترا کھنڈ)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تین مرتبہ سے زائد طلاق دینے کا شوہر خود اقرار کر رہا ہے، تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوگئی۔ اب آئندہ بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہیں ہے

اور طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی کا سننا لازم نہیں ہے صرف شوہر کا اقرار کافی ہے اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند۲/۳۹۹)

وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رشوال المکرّم ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲۶۵/۴۰)

بار بار ''طلاق دی'' کہنا

سوال [۶۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی شاہ بانو عمر تقریباً ۱۹رسال جس کی رخصتی کو تقریباً دوسال گذر چکے ہیں۔ اب میری لڑکی شاہ بانو کو طلاق دیدی گئی ہے، ۲۴رجون جمعہ کو لڑکی کی ساس اور دیور اور لڑکا شوہر آیا، ان لوگوں نے پہلے شاہ بانو کے باپ سے تکرار شروع کیا پھر فوراً طلاق دیدی اور یہ لفظ بار بار کہا کہ ''طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی'' پھر کہا میں نے طلاق دی، پھر زینہ پر جاکر اسی کو دہرایا، اب مجھ کو کیا کرنا چاہئے، اب زیور سامان جہیز اور عدت کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: حاجی خورشید الٰہی، شیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی درج شدہ صورت میں لڑکی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔

لو قال لزوجتہٖ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباہ والنظائر قدیم۹ ۲۱، جدید زکریا ۳۷٦)

جہیز کا سامان مہر وغیرہ جولڑکی کی ملکیت ہے، وہ سب لڑکی کا حق ہے، اس کا حق اس کو واپس کرنا لازم ہے۔

أن الجہاز للمرأۃ إذا طلقہا تأخذہ کلہ. (شامي، زکریا٤/۳۱۱، کراچي۳/۱٥۸)

اورعدت کا خرچہ شوہر پراس وقت لازم ہوتا ہے، جب بیوی وہاں پرعدت گذارتی ہے جہاں شوہر کی مرضی ہوورنہ واجب نہیں۔

ولا نفقۃ لأحد عشرۃ.........وخارجۃ من بیتہ بغیر حق.

(در مختار مع الشامي، کراچي۳/٥۷٥-٥۷٦، زکریا٥/۲۸٥-۲۸٦، بدائع الصنائع، زکریا۳/٤۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۳۸۲٦)

شوہر کا بیوی کو متعدد بار طلاق دینا

سوال [٦۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد زید نے اپنی زوجہ سلمیٰ کو ایک ہی مجلس میں متعدد بار طلاق دی واضح رہے کہ شوہر وبیوی کے درمیان نہ تو کوئی جھگڑا تھا، نہ کوئی رنجش، بلکہ یہ طلاق گھر کے دوسرے افراد کے سامنے روز بروز کی لڑائی اور تکرار کی وجہ سے دی؛ جبکہ گھر والے بھی میاں بیوی

دونوں کو تنگ کر رہے تھے، نیز دونوں میاں بیوی اب بھی ایک دوسرے کے ساتھ ازدواجی زندگی گذارنے پر راضی ہیں؛ جبکہ طلاق دیئے ہوئے سوا تین ماہ کی مدت گذر چکی ہے۔

المستفتی: محمد عابد، شیخان تلائی، سہسپور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں ''متعدد بار'' کا لفظ ہے، اگر لفظ متعدد بار سے تین یا اس سے زائد طلاق مراد ہے، تو سلمیٰ پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں، اب بغیر حلالۂ شرعی کے سلمیٰ کا زید کے ساتھ رہنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مرد اپنی بیوی کو طلاق دے کر انکار کر دے گا، پھر اس عورت سے صحبت کرتا رہے گا اور جب تک یہ دونوں اپنے حال پر رہیں گے زانی کہلائیں گے۔

یأتي علی الناس زمان یطلق الرجل المرأة، ثم یجحد طلاقها، فیقیم علی فرجها فهما زانیان ما أقاما. (طبراني کبیر، دار أحیاء التراث العربي بیروت ۱۰/ ۲۳۰، رقم: ۱۰۵۵۶)

عن عائشة رضـ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلی الله علیه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الأول. (بخاري شریف، کتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندیة ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰۶۲، ف: ۵۲۶۱)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها، أو یموت عنها. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/ ۴۷۳، جدید ۱/ ۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۸۸۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۷/۱۴۲۶ھ

ہوش وحواس میں تین مرتبہ سے زائد طلاق دینا

سوال [۶۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کوکسی مرض کا کئی کئی دن تک دورہ پڑتا ہے، دورہ کے ختم ہونے کے بعد چوبیس گھنٹہ تک بے ہوش رہتا ہے، جس میں فحش گالیاں بکتا ہے، یہاں تک کہ ماں کوبھی گندی گالیاں بکتا ہے، اس کے بعد پندرہ بیس دن تک دماغ میں گرمی رہتی ہے اور ہوش وحواس باختہ رہتے ہیں، اس کے بعد والی حالت میں زید نے اپنی بیوی کے ساتھ بات چیت میں کہا ''نسرین میں تجھے طلاق دیتا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق، طلاق'' شوہر کا بیان یہ ہے کہ مجھے یہ بات یاد ہے کہ نسرین میں تجھے طلاق دے رہا ہوں ''طلاق، طلاق، طلاق، طلاق'' چار مرتبہ طلاق دینا یاد ہے۔

دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس صورت میں زید کی بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کونسی ہوئی اور اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد زاہد عرف شانو، دولہا پور، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق دیتے وقت شوہر کو اتنا ہوش وحواس باقی رہا ہے کہ اس نے کیا جملہ استعمال کیا تھا، اس کا خود کا بیان ہیکہ یہ جملہ اسے یاد ہے کہ ''نسرین میں تجھے طلاق دے رہا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق، طلاق'' چار مرتبہ اسے طلاق دینا یاد ہے، تو جس قدر ہوش وحواس کا ذکر اس نے اپنے بیان میں کیا ہے، طلاق کے واقع ہونے کے لئے اتنا ہوش وحواس باقی رہنا کافی ہے؛ اس لئے نسرین کے اوپر تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور طلاق مغلظہ واقع ہونے کی وجہ سے شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لـو قـال لزوجتهٖ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلٰثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كـان الـطـلاق ثـلاثـاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تـنـكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵)

لـو طـلـق فشهـد عنده إثنان أنك استثنيت وهو غير ذاكر......إلا أن يـجـاب بأن المراد بكونه لا يدري ما يقول أنه لقوة غضبه قد ينسىٰ ما يقول ولا يتـذكـره بعد. (شـامـي، كتـاب الـطـلاق، مـطـلـب في طلاق المدهوش، كراچي ۳/۲۴۴، زكريا۴/۴۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۵۹۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۵ھ

تین سے زائد مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تفضّل حسین نے اپنی بیوی کو ۳؍ سے زیادہ مرتبہ طلاق دیدی ہے اور جب لوگ اس سے طلاق کے سلسلہ میں بات کرنے گئے، تو ان سے بھی اس نے کہا کہ میں نے اسے رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی، اپنا سامان اب لے جاؤ، چاہے بعد میں لے جانا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اور جہیز ومہر دینا لازم ہے بھی یا نہیں؟

المستفتی: حافظ حسین احمد، عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تفضّل حسین نے اپنی بیوی کو تین سے زیادہ

مرتبہ طلاق دیدی ہے، تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اب بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی نہیں کر سکتا اور مہر وجہیز کا سامان لڑکی کا حق ہے، اس میں شوہر کا کوئی حق نہیں۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

المختار للفتوىٰ أن يحكم بكون الجهاز ملكاً لا عارية؛ لأنه الظاهر الغالب. (شامي، زكريا ٤/٣٠٩، كراچي ٣/١٥٧)

أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله. (شامي، زكريا٤/٣١١، كراچي ٣/١٥٨)

وإنما يتأكد لزومه بالوطء ونحوه......وإذا تأكد المهر لما ذكر لايسقط بعد ذلك. (شامي، زكريا ٤/٢٣٣، كراچي ٣/١٠٢)

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة......حتى لا يسقط منه شيئ بعد ذلك إلا بالإبراء. (هندية، زكريا قديم ١/٣٠٣، جديد ١/٣٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۲۲)

تین مرتبہ سے زائد چھوڑ دیا کہنا

سوال [۶۷۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر فراست ولد باقر بیوی سنجیدہ بنت مقصود دونوں میاں بیوی بخوشی مقصود کے گھر گئے، کچھ دیر بعد شوہر فراست نے اپنی بیوی سنجیدہ سے کہا، گھر چلو اور ابھی

لے کر جاؤں گا، بیوی نے کہا کہ میں والد سے پوچھے بغیر نہیں جاؤں گی، اس کے بعد بیوی کے والد مقصود صاحب نے کہا کہ شام کو کھانا کھا کر چلے جانا، مگر شوہر فوراً چلنے پر اصرار کرتا رہا کہ ابھی لے کر جاؤں گا، ادھر بیوی کے گھر والے شام کو جانے کے لئے کہتے رہے، اسی وقت فراست نے مکان سے باہر آتے ہوئے جو دوسرے مکان کا راستہ ہے کہا ''میں نے مقصود کی لڑکی کو چھوڑ دیا'' فوراً اور لوگوں نے اس کے منھ پر ہاتھ رکھ دیا اور ڈانٹا، مارا پیٹا، پھر دوبارہ یہی جملہ دہرایا کہ ''میں نے چھوڑ دیا، میں نے چھوڑ دیا'' پھر جب اپنے گھر واپس آیا تو گھر والوں نے کہا کہ ایسی بات زبان سے کیوں نکالی اور مارا پیٹا پھر اس نے یہ جملہ کہا کہ ''میں نے چھوڑ دیا، چھوڑ دیا''

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ فراست کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر واقع ہوئی تو کون سی طلاق واقع ہوئی؟ شرع کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: فراست کے مذکورہ جملوں کو نہ بیوی نے سنا نہ بیوی کی ماں نے سنا اور نہ ہی والد نے سنا، دوسرے کے مکان سے جو راستہ نکلتا ہے وہاں یہ جملہ دہرایا۔

المستفتی: رفاقت حسین، عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر نے چھوڑ دیا کا لفظ تین مرتبہ سے زائد استعمال کیا ہے اور لفظ چھوڑ دیا عرف میں طلاق ہی کے لئے مستعمل ہے، اس سے طلاق صریح واقع ہوا کرتی ہے اور جب تین مرتبہ کہے تو تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں؛ اس لئے مذکورہ صورت میں فراست کی بیوی سنجیدہ پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بلا حلالہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

قوله سرحتک وهو ''رها کردم''؛ لأنه صار صريحاً في العرف (إلى قوله) إن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت الخ.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩)

متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو أو بغیر حرف الواو یتعدد الطلاق .

(عالمگیري، زکریا قدیم ۱/ ۳۵٦، جدید زکریا ۱/ ٤٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۲۵۹/۲۶)

''میں نے تجھے طلاق دی'' چار مرتبہ کہنا

سوال [۶۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نعیم نے جٹھانی کے پیچھے طلاق دیدی، جٹھانی سے میل کھارہا تھا، آٹھ مہینہ کا لڑکا ہے گود میں اور دو مہینہ کا حمل ہے اور دس بجے چار پانچ بار طلاق دی، تین چار بار یہ کہا کہ ''میں نے تجھے طلاق دی'' اس وقت دو لڑکی روما، گڑیا گھر میں تھیں اور اس کی جٹھانی بھی تھی، جس کا نام توقیر ہے، لڑکی کی ماں ہے وہ نوکری کرتی ہے۔ اب آپ اس کا فیصلہ دے دیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتیه: سائلہ انو، ٹھٹھیرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نعیم کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ شرعیہ کے وہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ وہ عدت گذارنے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے، وہ ہمبستری کے بعد اگر طلاق دیدے، تو بعد انقضاء عدت نعیم کے ساتھ اس کا نکاح جائز ہوگا۔

قال سبحانه تعالیٰ: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ. [البقرہ: ۲۳۰]

درمختار میں ہے. **لا ینکح مطلقة من نكاح صحيح نافذ بها أي بالثلث حتى يطأها غيره.** (درمختار کراچي ۳/ ۴۰۹، زکریا ۵/ ۴۰ تا ۴۳)

اسی میں آگے ہے **وتمضي عدته أي الثاني الخ.** (در مختار، زکریا ۵/ ۴۰تا ۴۳، کراچي ۳/ ۴۰۹ تا ۴۱۲)

طلاق حمل کی حالت میں بھی واقع ہوجاتی ہے۔ درمختار جلد ثانی ۴۵۴ رمیں ہے۔

وحل طلاقهن أي الآئسة والصغيرة والحامل. (الدر المختار، کراچي ۳/ ۲۳۲، زکریا ۴/ ۴۳۴) **جواب مذکورسوال کے مطابق صحیح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳ /۵۳۱۰)

کتبہ: ممتاز احمد نعیمی غفرلہ
خادم الافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد
۱۴۱۸/۵/۲۳ھ

یکبارگی تین چار بار طلاق دینا

سوال [۶۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے اپنی بیوی کو ایک وقت میں تین چار بار طلاق دی، شوہر کے الفاظ یہ ہیں ''میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی'' بیوی اس وقت حاملہ ہے، اب دونوں ایک ساتھ رہنے کو رضامند ہیں اس واقعہ کو تقریباً ۲۲ ر دن کا عرصہ گذر گیا، کیا طلاق ہوگئی؟ حاملہ ہونے سے طلاق پر کوئی اثر تو نہیں پڑا دوبارہ میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کے لئے کیا صورت ہوگی؟ کتنی مدت اور کیا کیا شرطیں درکار ہیں؟

المستفتی: جسیم احمد، محلّہ اگلگا سوار، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تین بار سے زائد طلاق دی جائے تو طلاق مغلظہ واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب آئندہ بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ وضع حمل کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کر کے ہمبستری ہوجائے،

اس کے بعد وہ شخص طلاق دیدے، اس کے بعد دوبارہ تین ماہواری گذارے اس کے بعد نکاح پہلے شوہر کے ساتھ جائز ہوسکتا ہے۔

لـو قـال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

وطلاق الحامل يجوز. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳٥٦)

وإن كـان الـطـلاق ثـلاثـاً فـي الـحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تـنـكـح زوجـاً غيـره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية ، زكريا قديم ۱/ ٤٧٣، جديد ۱/ ٥٣٥)

ولاتحل الحرة بـعـد الـطـلـقات الثلاث لمطلقها، لقوله تعالىٰ: فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ. [البقرة: ۲۳۰]

مـن بعد الآية......إلا بعد وطئ زوج آخر بنكاح صحيح ومضى عدته أي عـدة النكاح الصحيح بعد زواله بالطلاق في الزوج الثاني. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۲۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۴/ ۱۴۱۸ھ

”میں نے تجھے چھوڑ دی“ تین چار بار کہنے سے طلاق مغلظہ

سوال [٦٧٦٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو بیک وقت ایک سانس میں تین بار یا چار بار لفظ چھوڑنا کہہ دیا، یعنی یوں کہدیا کہ ”میں نے تجھے چھوڑ دی، چھوڑ دی، چھوڑ دی“ کیا یہ طلاق رجعی ہے یا طلاق مغلظہ ہے؟ آپ وضاحت کے ساتھ برائے مہربانی جواب دیں یہ واقعہ فی الحال کا ہے۔

المستفتی: محمد یونس بن محمد حسین، دڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: لفظ چھوڑ دیا عرف میں بیوی کے لئے طلاق کے لئے مستعمل ہے؛ اس لئے اس سے طلاق صریح واقع ہوجاتی ہے اور جب تین بار کہہ یا تو ہر بار ایک ایک طلاق کل تین طلاق ہوکر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بالکل حرام ہوچکی ہے، بغیر حلالہ دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوگا۔

قوله سرحتك وهو "رها كردم"؛ لأنه صار صريحاً في العرف (إلى قوله) **أن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت الخ.** (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايا، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديو بند ٢/ ٣٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۶۰۵/۲۵)

طلاق، طلاق، طلاق، طلاق سے طلاق کا حکم

سوال [۶۷۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے بحالت غضب اپنی بیوی سے کہا: جب وہ دونوں غصہ کے مونڈ میں تھے یہ کہا، چپ جا طلاق دیدوں گا، پھر کچھ سوچ کر کہا ''طلاق، طلاق، طلاق، طلاق دیدی'' مراد لے ہار ہے، اب آپ یہ بتلائیں کہ طلاق پڑ گئی یا نہیں؟ اگر پڑ گئی تو مغلظہ پڑی یا کوئی دوسری (مثلاً رجعی وغیرہ) نیز یہ بھی بتلا دیجئے کہ اگر مغلظہ ہے، تو کیا اس میں حلالہ شرط ہے؟ اور کیا حلالہ بغیر صحبت کے ہوجائے گا مثلاً خلوت صحیحہ کے ذریعہ نیز آخر میں انہوں نے کہا چل

بھاگ۔ اور عدت طلاق کہاں گذاری جائے، میکہ میں یا سسرال میں؟

المستفتی: دلشاد حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلی مرتبہ شوہر کے یہ کہنے کہ ’’چپ جا طلاق دیدوں گا‘‘ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ کیونکہ یہ وعدۂ طلاق ہے اور وعدۂ طلاق سے طلاق نہیں پڑتی، پھر اس کے بعد ذرا سوچ کر جب شوہر نے تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کے الفاظ زبان سے نکالے اور طلاق دینے کا ارادہ کیا، تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بغیر حلالۂ شرعیہ کے دونوں کا میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور حرام ہے اور حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ عدت گذر جانے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح ہوجائے اور اس کے ساتھ ہمبستری بھی ہوجائے، پھر وہ اس کو طلاق دیدے اور اس کی عدت گذر جائے تو اب پہلے شوہر کے لئے اس سے نکاح کرنا درست ہوسکتا ہے اور اگر شوہر اس گھر میں رہائش چھوڑ دے اور کوئی فتنہ نہ ہو تو شوہر کے گھر میں عدت گذار یگی اور اگر شوہر سے آمنا سامنا ہو یا فتنہ کا خطرہ ہو، تو وہاں عدت نہیں گذارے گی؛ بلکہ میکہ میں عدت گذارے گی۔

بخلاف قوله ’’كنم‘‘ لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك.

(هندية، زكريا قديم ١/٣٨٤، جديد ١/٤٥٢)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥)

ولهما أن يسكنا بعد الثلاث في بيت واحد إذا لم يلتقيا التقاء الأزواج ولم يكن فيه خوف فتنة. (در مختار، كراچي ٣/٥٣٨، زكريا٥/٢٢٧)

وإن تعذر فلتخرج هي. (شامي، كراچي ٣/٥٣٨، زكريا٥/٢٢٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۳ھ

دو طلاق دینے کے بعد پھر ۶/ ماہ بعد دو طلاق دینا

سوال [۶۷۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاق دیدی، پھر ساتھ ہی رہنے لگے، اب تقریباً چھ ماہ کے بعد پھر دو طلاق دیدی ہے، تو شرعاً کتنی طلاق ہوئی اور اب ساتھ رہنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر میاں بیوی اسی گھر میں رہیں تو شرعاً کیا کیا احتیاط کرنی پڑے گی؟

المستفتی: ملکہ ثریا، لاکڑی والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) برتقدیر صحت واقعہ مسئولہ صورت میں اولاً دو طلاق دینے کے بعد جب دونوں ساتھ رہنے لگے، تو رجعت صحیح ہوگئی؛ لیکن بعد میں جب دو طلاقیں دی گئیں، تو تیسری طلاق بھی واقع ہوگئی اور بیوی مغلظہ قرار پائی؛ لہٰذا اب حلالۂ شرعیہ کے بغیر دونوں میں ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔

الصريح يلحق الصريح كما لو قال لها أنت طالق، ثم قال: أنت طالق، أو طلقها على مال وقع الثاني. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ٣/٣٠٦، زكريا٤/٥٤٠، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٧، جديد ١/٤٤٥)

(۲) اگر عدت شوہر کے گھر گذاری جائے، تو دونوں میں سختی سے پردہ کرنا لازم ہے،

بے تکلف بات چیت اور تنہائی میں ساتھ رہنا ہرگز جائز نہیں۔ طلاق مغلظہ کے بعد وہ عورت بالکل اجنبیہ کے درجے میں ہوگئی ہے۔

ولابد من سترة بينهما في البائن إلى ماقال و سئل شيخ الإسلام عن زوجين افترقا ولكل منهما ستون سنة وبينهما أولاد تتعذر عليهما مفارقتهم، فيسكنان في بيتهم و لايجتمعان في فراش ولايلتقيان التقاء الأزواج هل لهما ذلك؟ قال نعم! وأقره المصنف. (در مختار، مع الشامي، كراچي ۳/۵۳۷، ۵۳۸، زكريا ۵/۲۲۶-۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۰۹۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۱۴ھ

دو مرتبہ دو، دو کر کے چار طلاق دینا

سوال [۶۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بچی صدیقہ ظفر کی شادی سید انیس امان سے ۵ر سال قبل کی تھی، شادی کے بعد جب اس کی حالت متغیر دیکھی تو مستشفیٰ نفسیہ لے گئے، ڈاکٹر صاحب نے کہا یہ دماغی مریض ہے، دوائی تجویز کی، مگر انیس امان دوا کھانے سے انکار کرتا ہے کہ یہ دوائی دماغ خراب کرتی ہے، ایسی متغیر حالت میں بھی دوائی کی پہچان رہی اور ہم سب کو بھی پہچانتا رہا، ڈاکٹر کے مشورے سے دوائی جوس میں ملا کر یا صفوف میں ملا کر دیتے رہے، دماغی کیفیت گھٹتی بڑھتی تھی، دوائی کے بغیر خاموش بیٹھا رہتا تھا، دوائی سے کنٹرول رہتا تھا، ان پانچ سالوں میں مختلف جگہوں پر دو سال ملازمت کی مہینے میں ایک دو مرتبہ ناغہ بھی کرتا تھا اور اکثر یہ کہتا رہتا تھا کہ میرے قبضہ میں جن ہیں یا میں ان کو اپنے قبضے میں کروں گا، اکثر کھانا بھی چھوڑتا تھا کہ میں وظیفہ کر رہا ہوں صرف جوس پیوں گا اور جب چاہا کھانا شروع کر دیتا تھا۔

اکثر بچی سے لڑائی جھگڑا کرتا رہتا تھا، یہ سب اپنے ہوش وحواس میں کرتا رہتا تھا، جب لڑائی جھگڑا بہت بڑھ گیا تو میں نے بچی کو اپنے کمرے میں سلانا شروع کردیا۔ ایک دن ناشتہ دینے گئی، تو کہنے لگا تم مجھ پر جادو کرتی ہو، تم نے چائے میں ضرور کچھ ملایا ہے، تم مجھ سے تال کھیل رہی ہو، بچی روتی ہوئی غصہ میں کمرے سے باہر آگئی اور یہ کہتے ہوئے جب تال کھیلنا بند کردوں گی تب ہی آؤں گی۔ اتنے میں انیس امان نے دو طلاقیں دیدیں بچی نے زور سے کہا دو اور ایک پہلے دی تھی۔ اب میں تمہارے لئے بالکل حرام ہوگئی ہوں۔ انیس امان کہنے لگا کہ پہلے کی مجھے یاد نہیں شاید دی ہو، نہیں نہیں میں نے نہیں دی، پہلی طلاق کا منکر ہوگیا۔ بہرحال بغیر کسی دباؤ کے سید انیس امان نے اپنے علم واختیار سے طلاقیں دیں اور ہوش وحواس قائم تھے؛ بلکہ طلاق کے الفاظ کو بخوبی سمجھتا تھا، ان پر کیا نتیجہ مرتب ہوگا؟

بیوی اور غیر بیوی کا ہمیشہ اور بوقت طلاق امتیاز رہا اور دماغی مریض کے علاوہ جلال اور غصہ خوب ہے اور طلاقیں بھی غصہ میں ہی دی ہیں۔ بہرحال سید انیس امان ہندوستان چلا گیا اور چار طلاقوں کا اقرار بمع تحریر، اس طرح کیا کہ میں نے اپنی بیوی صدیقہ ظفر کو ایک مرتبہ دو بار طلاق وقفہ وقفہ سے اور اب ہندوستان آنے سے قبل میں نے اپنی بیوی صدیقہ ظفر کو دو مرتبہ ایک ساتھ طلاق دی۔

سید انیس امان کی والدہ سے معلوم ہوا کہ کالج کے زمانہ سے ہی یہ کیفیت ہے، اسی کیفیت میں اور بہکی بہکی باتیں کرنے کے باوجود انجینئر کی ڈگری حاصل کی۔ اس طلاق کو ایک سال ہوگیا ہے اور اپنی بات یعنی طلاق پر قائم ہے، ہندوستان سے ہفتہ دو ہفتہ میں ان کا فون آتا رہتا ہے کہ بیٹی جویریہ سے بات کرادو، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کیا فتوی دیتی ہے؟

المستفتی: محمد ارشد، سہارنپوری، المدینۃ المنورۃ، سعودی عرب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں جو حالات لکھے گئے ہیں ان کے ہر گوشے پر غور کیا گیا، حاصل یہ نکلا کہ سید انیس امان اپنی زوجہ کو دو مرتبہ دو، دو طلاق

دینے کا خود اقرار کررہا ہے، اور پہلی مرتبہ جب دو طلاق دی تھی، اس وقت مزید ایک طلاق دینے کا بیوی دعویٰ کررہی ہے، مگر شوہر انکار کررہا ہے؛ لہٰذا شوہر دو طلاق کا خود اقراری ہے؛ اس لئے اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئی تھیں؛ لیکن بعد کے واقعہ میں دو مرتبہ اور طلاق دینے کا خود شوہر اقرار کررہا ہے، تو مجموعی طور پر ۴؍طلاق کا اقرار ہوا اور ۴؍طلاقوں سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہے؛ اس لئے بعد کی دو طلاقوں کے واقع ہونے کی وجہ سے انیس امان کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر کے لئے بالکل حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالۂ شرعیہ کے دونوں کے مابین نکاح بھی درست نہ ہوگا اور اس کے دماغی حالات اور غصہ کے بارے میں جو حالات لکھے گئے ہیں، ان سے بھی بات واضح ہے کہ ایسی دماغی خرابی نہیں ہے، جس کی وجہ سے حق زوجیت اور نکاح وطلاق کو نہ پہچانتا ہو؛ بلکہ ہوش وحواس سب درست ہیں اور اسی حالت میں اس نے انجینیر نگ کی ڈگری بھی حاصل کی ہے؛ لہٰذا ایسی حالت میں مسئلہ نکاح وطلاق میں آدمی کو معذور نہیں سمجھا جائے گا۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولا بها كقوله أنت طالق أنت طالق. (در مختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/ ٤٦٣، كراچي ٣/ ٢٥٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند٢/ ٣٩٩)

أن رجلاً قال لعبد الله بن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال ابن عباسؓ: طلقت منك بثلاث وسبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (مؤطا مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، النسخة الهندية ١٩٩، بيروت رقم: ١١٢١، مشكوة شريف ٢٨٤)

في طلاق الغضبان قال فيها إنه على ثلاثة أقسام: أحدها أن يحصل له مبادي الغضب بحيث لا يتغير عقله ويعلم ما يقول ويقصده وهذا إشكال

فيه. (شامي، كراچي ۳/۲٤٤، زكريا ٤/٤٥٢)

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أوهازلاً وقع قضاءً. (شامي، كراچي ۳/۲۳٦، زكريا ٤/٤٤٠، البحرالرائق، زكريا۳/٤٢٨، كوئٹه ۳/٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۷۴۴/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۹ھ

چار طلاق کی شرعی حیثیت

سوال [۶۷۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری اپنی بیوی سے گرما گرمی ہوگئی، میں نے اور میرے گھر والوں نے بیوی کو بہت سمجھایا، مگر وہ نہیں مانی وہ بدسلوکی اور بدتمیزی کرتی رہی، میرا غصہ بڑھتا رہا، جب وہ نہیں مانی تو میں نے غصہ میں آکر اسے قریب دس فٹ کی دوری سے چار مرتبہ صرف طلاق کا لفظ کہا، اس صورت میں طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اگر طلاق ہوگئی تو پھر دوبارہ اس کے ساتھ رہنے کے لئے کیا کرنا پڑے گا؟

المستفتی: محمد انیس، گڑیا باغ ناگ پھنی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر شوہر نے بیوی کو چار مرتبہ طلاق دی ہے، تو تین طلاقوں کے ذریعہ بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی اور ایک طلاق لغو ہوگی، آئندہ بغیر حلالہ کے آپس میں نکاح بھی درست نہیں ہے اور اگر دوبارہ دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو حلالہ کا جو طریقہ ہے، اس کو اختیار کرنا لازم ہوگا۔

مالک أنه بلغه أن رجلاً قال لابن عباس إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليَّ؟ فقال له ابن عباس طلقت منك بثلاث و سبع

وتسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (المؤطا، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، للإمام مالك ١٩٩، رقم: ١١٢١)

عن محمد بن أياس أن ابن عباس رضي الله عنهما، وأبا هريرةؓ، وعبد الله بن عمر و بن العاصؓ، سئلوا عن البكر يطلقها زوجها ثلاثاً، فكلهم قال: لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (أبو داؤ دشريف، كتاب الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلث، النسخة الهندية ١/٢٩٩، رقم: ٢١٩٨)

لو قال أنت طالق مراراً، أو ألوفا تحته، فيقع به الثلاث ويلغوا الزائد. (در مختار مع الشامي، كراچي ٣/٢٨٠، زكريا ٤/٥٠٤)

عن عائشةؓ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت، فطلق، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/٧٩١، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١)

وأما الطلقات الثلاث فحكمها الأصلي هو زوال الملك وزوال حل المحلية أيضاً حتى لا يجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر. لقوله عز وجل: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه. (بدائع الصنائع، فصل في حكم الطلاق البائن، زكريا ٣/٢٩٥، در الكتب العلمية بيروت ٤/٤٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۷۷/۴۰)

چار بار طلاق دے کر آپس میں معافی مانگنا

سوال [۶۷۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میاں بیوی کا آپسی جھگڑا تھا، جب ماں کے سامنے جھگڑے کی بات کھلی تو شوہر نے بیوی کو ہوش وحواس کی حالت میں چار بار طلاق دیدی اور کہا جا میں نے تجھے آزاد کردیا، بیوی حاملہ ہے، تو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ میاں بیوی نے آپس میں معافی مانگ لی۔

المستفتی: محمد ادیب الرحمٰن، قانون گوئیان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں عورت پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں، اب شوہر کے لئے حلالہ کئے بغیر اس عورت سے نکاح درست نہیں ہوسکتا، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ وہ عورت عدت گذارنے کے بعد کسی مرد سے نکاح کرلے اور وہ مرد اس کے ساتھ ہمبستری کرلے، پھر طلاق دیدے یا مرجائے، اس کے بعد پھر عورت عدت گذارے، پھر اس کے بعد پہلا شوہر نکاح کرکے اپنی بیوی بنا سکتا ہے۔

وفي الهندية: إن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩ تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۳ر شوال المکرّم ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۸۳۴/۳۶)

بیوی کے مطالبہ پر چار مرتبہ طلاق دینا

سوال [٦٧٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رشیدہ بیگم بنت وحید الدین نے اپنے شوہر کفیل احمد ولد رئیس احمد سے طلاق کا مطالبہ کیا اور کہا کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتے، ہمیں طلاق دیدو، پھر اس کے جواب

میں لڑکے نے اپنے باپ رئیس احمد، لڑکی کے باپ وحید الدین، لڑکی کے چچا نجم الدین اور سلیم کی موجودگی میں کہا ''میں نے طلاق دی، طلاق، طلاق، طلاق'' اب سوال یہ ہے کہ لڑکی کو طلاق پڑگئی یا نہیں اور وہ جدا ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد، پرانی بانس منڈی، سیتا پور، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال نامہ میں تحریر کردہ بیان صحیح اور درست ہے، تو لڑکی کے مطالبے پر لڑکے نے جو طلاق کا لفظ چار مرتبہ استعمال کیا ہے، اس سے اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بلا حلالۂ شرعیہ کے دونوں کے درمیان آئندہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷۶)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند۲/۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۷، رقم:۷۵۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۳۴۲/۳۷)

چار مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مجمع عام میں اس بات کا اقراری ہے کہ میں نے اپنی بیوی ہندہ کو لڑائی

جھگڑے کے دوران کہا کہ دیکھ میرا کہا مان لے ورنہ برا ہو جائے گا، پھر صاف یہ کہا کہ میں طلاق دونگا، ہندہ نے جھلا کر انتہائی بیزاری و گستاخی سے کہا گالی بکتے ہوئے کہ تو کیا طلاق دے گا، دے، اس پر فوراً زید نے کہا ’’طلاق، طلاق، طلاق، طلاق‘‘ ۴/ بار بعد میں ہندہ سے اس کی تحقیق کی گئی تو اس نے بھی مجمع عام میں اس واقعہ کی تصدیق کی، صورت مسئولہ میں طلاق ہوئی کہ نہیں؟ اگر ہوئی تو مغلظہ یا رجعی یا بائنہ اور اس کے تحت کیا حکم شرع ہے؟

(۲) طلاق واقع ہونے کی صورت میں نان ونفقہ اور مہر سے متعلق احکام بھی بیان فرمادیں۔ نیز طلاق کی صورت میں زید و ہندہ کا لڑکا امام الحسن جو پونے دو سال کا ہے، اس کے متعلق حال اور مستقبل میں ہونے والے حکم کی وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: سائکین کھاڑی، رام نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے بیوی کو مخاطب کر کے تین مرتبہ سے زائد طلاق دیدی ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہو چکی ہے۔

لو قال لزوجتہٖ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباہ والنظائر قدیم۹ ۲۱، جدید زکریا ۳۷٦)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرۃ، وثنتین في الأمۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ نکاحاً صحیحاً، ویدخل بہا، ثم یطلقہا، أو یموت عنہا. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/۴۷۳، جدید ۱/۵۳۵، ھدایۃ اشرفي دیوبند ۲/۳۹۹، تاتارخانیۃ زکریا ۵/۱۴۷، رقم:۷۵۰۳، مجمع الأنھر، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۸۸)

(۲) اگر شوہر جہاں پر عدت گذارنے کے لئے کہے وہاں پر عدت گذارتی ہے، تو صرف عدت کے زمانہ کا نان ونفقہ شوہر پر واجب ہے اور پونے دوسال کے بچہ کو ماں دوسال پورے ہونے تک رکھ سکتی ہے، اس کے بعد باپ اپنے پاس رکھنا چاہے، تو باپ کے حوالہ کر دینا لازم ہے۔ نیز اگر ماں دوسری جگہ شادی کرتی ہے، تب بھی ماں کو رکھنے کا حق نہیں ہے۔

والحاضنة يسقط حقها بنكاح غير محرمة أي الصغير الخ. (در مختار، كراچي ۳/ ۵٦۰، زكريا۵/ ۲٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۱۷)

بیوی کو مخاطب کر کے چار مرتبہ طلاق دینا

سوال [٦٧٦٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چار ماہ کا لڑکی کو حمل ہے اور میاں بیوی میں اور نند، ساس میں بھی جھگڑا تھا، اس وجہ سے شوہر نے چار مرتبہ یہ کہہ کر کہ شاہانہ میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دیدی، دو لڑکیاں ہیں ایک کی قریب ۲/ سال کی عمر ہے اور دوسری کی ۹/ ماہ ہے اور تیسرا حمل ۴/ ماہ کا ہے اور میری ماں بیوہ ہے، میں نے دونوں لڑکیوں کو دادی کے پاس چھوڑ دیا ہے، میں اپنی والدہ کے پاس آگئی ہوں، ان لڑکیوں کی پرورش کی ذمہ داری کس کے اوپر ہے؟ ؛ لہٰذا طلاق کے بارے میں اور ان لڑکیوں کے بارے میں علماء دین کیا فرماتے ہیں؟

المستفتیه: شاہانہ بی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب شوہر نے بیوی کو مخاطب کر کے چار مرتبہ طلاق کے الفاظ زبان سے نکال دیئے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔ اب شوہر بیوی کو بغیر حلالہ کے نکاح میں بھی نہیں لاسکتا۔

كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، زكريا٤/ ۵۲۱، كراچي ۳/ ۲۹۳)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

ان دونوں بچیوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے؛ البتہ بالغ ہونے کے بعد باپ کو لے جانے کا حق ہوگا۔ نیز اگر ماں دوسری جگہ شادی کرے گی تب بھی باپ کو لے جانے کا حق ہوگا۔

تربية الولد تثبت للأم. (در مختار، زكريا ٥/٢٥٢، ٢٥٣، كراچي ٣/٥٥٥)

والأم، والجدة لأم، أو لأب أحق بها أي بالصغيرة حتى تحيض أي تبلغ. (در مختار، كراچي ٣/٥٦٦، زكريا ٥/٢٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۵۸۰/۳۲)

جھگڑے کی حالت میں چار مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مقام کربلا میں بیوی میں جھگڑا ہوا، قریب رات کو ۱۱؍بجے بیوی کے خاوند نے چار بار ''طلاق، طلاق، طلاق، طلاق'' کہا، اس کے علاوہ قریب میں ایک عورت رہتی ہیں وہ بھی کہہ رہی تھیں کہ میں نے بھی چار بار طلاق سنا، شوہر کی بیوی کہتی ہے کہ مجھے ایک بار طلاق دی؛ جبکہ شوہر خود چار بار کہنے کا اقرار کررہا ہے۔

المستفتی: محمد رفیق، محلّہ کربلا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب جھگڑے کی حالت میں زبان سے طلاق نکلا ہے، تو مخاطب بیوی ہی ہوگی؛ اس لئے صورت مذکورہ میں بیوی کو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

ولا يلزم كون الإضافة صريحة في كلامه. (شامي، كراچي ٣/٢٤٨، زكريا ٤/٤٥٨)

لو قال لزوجتہ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباہ والنظائر قدیم۹ ۲۱، جدید زکریا ۳۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۶۰۰/۲۵)

دو طلاق دینے کے بعد بہن کے کہنے پر دو اور دینا

سوال[٦٧٧٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بہن سرتاج جہاں کی شادی آٹھ سال قبل ظہیر عالم ولد شہادت حسین سے ہوئی تھی، ظہیر عالم نے بروز سنیچر ۱؍مئی ۲۰۱۰ء کو صبح آٹھ بجے طلاق طلاق کہہ کر گھر سے نکال دیا اور کہا ’’جا میں نے تجھے طلاق دی‘‘ اس پر ظہیر عالم کی بہن نے کہا ابھی طلاق نہیں ہوئی ہے، پھر ظہیر عالم نے دوبارہ طلاق طلاق کہکر کہا لے اب ہوگئی۔ سرتاج جہاں کے دو بیٹے ہیں اور آٹھ ماہ سے حاملہ ہے، تو کیا ان حالات میں طلاق ہوگئی؟

المستفتیہ: سرتاج جہاں اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں جب پہلے طلاق طلاق کہہ کر گھر سے نکال دیا، تو اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں اور ’’جا میں نے تجھے طلاق دیدی‘‘ یہ پہلی طلاق کی خبر ہے؛ لیکن اس کے بعد بہن کے جواب پر دوبارہ مزید جو یہ کہا ہے کہ طلاق طلاق لے اب ہوگئی، تو اس کے ذریعہ سے مزید ایک طلاق کی جو گنجائش باقی تھی وہ ختم ہوگئی؛ لہٰذا سرتاج جہاں پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی اور بیوی شوہر پر قطعی حرام ہوگئی، آئندہ دونوں کے درمیان بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہ ہوگا، اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ ہاں البتہ بچہ کی ولادت کے بعد عدت پوری ہوجائیگی۔

لوقال لزوجته: أنت طا لق طالق طالق طلقت ثلاثاً. (الاشباه والنظائر، قديم٩ ٢١ ، جديد زكريا ٣٧٦)

وطلاق الحامل يجوز(هدايه اشرفي ديوبند ٢/٣٥٦)

وحل طلاقهن أي الائسة والصغيرة والحامل. (شامي كراچي ٣/٢٣٢ ، زكريا ٤/٤٣٤)

وَاُوْلَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ . [الطلاق:٤]

وإن كانت حاملا فعدتها أن تضع حملها لإطلاق،قوله تعالىٰ: وَاُوْلَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ . (هدايه اشرفي ديوبند ٢/٤٢٣)

وإن كان الطلاق ثلاثاًفى الحرة، وثنتين فى الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاًغيره، نكا حاً صحيحاًويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها (هنديه زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هدايه اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا٥/١٤٧، رقم٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۰۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۵/ ۱۴۳۱ھ

میں نے ان کو طلاق دیدی ۴/ ۵/ مرتبہ کہنے سے طلاق کا حکم

سوال [۱۷۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رات کے وقت باپ بیٹے کے بیچ کسی بات کولیکر جھگڑا ہورہا تھا اور اس رات میں ان کا رشتہ دار بھی موجود تھا۔ یہ لڑکا شادی شدہ تھا جس کے ساتھ باپ جھگڑ رہا تھا اس کے باپ اور اس کے چھوٹے بھائی اور رشتہ دار نے پکڑ کر اس شادی شدہ لڑکے کو باندھا اور بری طرح مار پیٹ کی اور یہ سب کچھ اس کی زوجہ بھی دیکھ رہی تھی، جب لڑکے کے اوپر

تنگی ہورہی تھی ۔ وہ لوگ مار پیٹ کر اپنے گھر میں چلے گئے،اوران کو اسی طرح بندھا ہوا چھوڑ دیا،اس حالت میں انہوں نے اپنی زوجہ سے کہا کہ تم مجھ کو کھول دو،مگران کی زوجہ نے انکار کردیا، پھر کہا کہ اگرتم نے مجھے نہیں کھولا تو میں تم کو طلاق دیدوں گا،اس بات پران کی زوجہ نے کہا کہ نکاح کرتے وقت دس پندرہ آدمی تھے،اسی طرح دس پندرہ آدمی کے سامنے طلاق دینا،اس پرلڑکے نے کہا دس پندرہ تو نہیں دو چار پڑوسی ضرور سن رہے ہوں گے، جب تم میرا کہنا نہیں مانتی تو تم میری کیسی عورت ہو، جو اس حالت میں میرے کام نہیں آسکتیں اس طرح لڑکے نے بلند آواز سے کہا کہ سن لو پڑوسیو میں نے ان کو طلاق دیدی ،اور یہ الفاظ چار پانچ مرتبہ کہے،اور یہ سب پڑوسی سن رہے تھے، پھر بھی اس عورت نے نہیں کھولا، اس کے رشتہ دار اور اس کے والد نے آکر کھولا ،اب صبح میں بات ہوئی اس لڑکے کی والدہ نے محلّہ والوں کو بلا کر خود کہا کہ میرے لڑکے نے اپنی عورت کو طلاق دیدی ،اور یہ گواہی خود ان کی زوجہ نے بھی دی کہ انہوں نے مجھے طلاق دیدی ہے،میں ان کے پاس رہنے کے قابل نہیں رہی، کھیل سمجھ رہے ہیں، برابر یہ بات گاؤں کے اندر چلتی رہی ،جب حدیث کی روشنی میں یہ بات آئی تو صحیح گواہی پڑوسیوں سے ملی،تب انہوں نے سوچا کہ یہ عورت ہم سے چھوٹ جائے گی ،تو سب لوگوں کو جھٹلایا، کہ میں نے طلاق نہیں دی ،صرف یہ کہا تھا کہ اگرتم نے نہیں کھولا تو میں طلاق دیدوں گا؛ جبکہ پڑوسی یہ کہہ رہے ہیں کہ چار یا پانچ مرتبہ یہ جملہ کہامیں نے اس کو طلاق دی ، یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

جب لوگوں نے بات کھول دی کہ اس کو طلاق دیدی،تو وہ لڑکا اس کو لیکر پردیس چلا گیا، یہ شرارت اس کے والدین کی تھی اور اس طلاق کی حالت میں ایک بچہ پیدا ہوا کچھ عرصہ بعد پھر گاؤں واپس آگیا، پھرلوگوں نے اس کے آنے پر بات اٹھائی، پھراس نے اس بات کو جھٹلا دیا، کہ میں نے طلاق نہیں دی ،آپ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں ،جو گواہ ہیں (سننے والے) یہ کہہ رہے ہیں کہ کہیں بھی گواہی دلوادو ہم تیار ہیں۔آپ اس کا

صحیح جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

اور اس کے ساتھ ہم لوگوں کو کیسا تعلق رکھنا چاہئے اور مسجد سے کوئی مطلب رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اور ان لوگوں سے کلام کرنا کیسا رہے گا؟ صحیح جواب سے مطلع فرمائیں۔

اور جو گواہ ہیں ان کے انگوٹھا کا نشان ہے۔ ا. محمد یوسف ۲۔یاسر ۳. قیوم احمد ۴. محمد یعقوب ۵. محمد شاہد انصاری

نوٹ: ان کے والد نے سہارا دیدیا کہ ہمارے لڑکے نے طلاق نہیں دی، ان لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہئے؛ جبکہ گواہ صحیح گذرے ہیں، اس پر یہ نہیں مانتے؛ جبکہ ان حالات میں اس لڑکے کی زوجہ نے نہیں کھولا اور دوسرے نے کھول دیا اور آپ صحیح جواب دیں؛ کیونکہ ان لوگوں نے سب کو جھٹلا رکھا ہے۔

المستفتی: محمد شاہد انصاری آنولہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال نامہ میں درج شدہ واقعہ صحیح ہے اور شہادت دینے والے مقبول الشہادہ ہیں اور مذکورہ واقعہ کی صحت کی شہادت دے رہے ہیں، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو چکی ہیں، بلا حلالہ ساتھ رکھنا ناجائز اور حرام کاری ہے۔

لوقال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الاشباہ والنظائر، قدیم ۲۱۹، جدید زکریا ۳۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۳۸۱/۲۵)

''میں نے تجھے طلاق دی'' چار مرتبہ کہنے سے طلاق

سوال [۶۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ محمد یامین نے اپنی بیوی سے جھگڑے کے درمیان چار پانچ مرتبہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، تو اب اس صورت میں یامین کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوئیں۔ اب بیوی کو رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟ جواب سے نوازیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد یامین، کربلا، سنبھل روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں یامین کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔ اب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔ اب بیوی کو رکھنے کی صرف یہ صورت ہوسکتی ہے کہ عدت گذار کر کسی دوسرے مرد سے شرعی نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستری ہوجائے، پھر وہ شوہر ثانی اپنی مرضی سے طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہوجائے، تو دوبارہ عدت گذار کر شوہر اول یامین سے دوبارہ نکاح کرسکتی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۳۵٦، جديد ۱/۴۲۳)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۷، رقم:۷۵۰۳، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱٦۲۸)

چار پانچ بار طلاق دی؛ لیکن لڑکی نے نہیں سنا

سوال [۶۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ شادی میں گئی تھی، اپنے شوہر کے ساتھ میرے گھر آ گئی تھی، شوہر راضی خوشی لڑکی کے کپڑے اور زیور لے کر اپنے گھر چلا گیا، میری لڑکی نسیم جہاں سے یہ کہہ گیا کہ شام کو گھر آ جانا میری لڑکی نے یہ کہا کہ تم آ جانا یا کسی بھائی کو بھیج دینا، میرے داماد محمد وسیم دوسرے دن آئے، غصہ میں آئے تھے ساس کو دروازہ پر بلا کر کہا کہ میں نے تمہاری لڑکی کو طلاق دی، یہ بات سن کر وسیم کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، یہ تم نے کیا کہہ دیا، وہ چار مرتبہ کہہ کر چلے گئے، میری لڑکی نسیم باورچی خانہ میں تھی، اس نے نہیں سنا، جب اس کی والدہ نے لڑکی سے کہا کہ تجھے طلاق دے کر چلے گئے، اس نے کہا کہ میں نے نہیں سنا،

المستفتی: ظہور احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نسیم جہاں پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (هندية، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣)

اب بلا حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوگا، طلاق ہونے کے لئے بیوی کا سننا لازم نہیں۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هداية اشرفي ديوبند۲/۳۹۹، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۸۸، تاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۷، رقم:۷۵۰۳، هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۳۹۲)

پانچ چھ مرتبہ طلاق

سوال [۶۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو غصہ کے عالم میں پانچ چھ مرتبہ طلاق دی اور کہا کہ ''میں نے تجھے طلاق دی'' ان الفاظ کو کئی مرتبہ دہرایا، تو ہندہ پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو بغیر حلالہ کے وہ اس کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ اور عدت کہاں گذارے گی؟

المستفتی: محمد اسماعیل، اغوان پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تین مرتبہ یا اس سے زیادہ طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔ بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہیں ہوگا اور حلالہ کے اندر ہمبستری اور وطی شرط ہے، اس کے بغیر حلالہ صحیح نہ ہوگا۔

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي۳/۲۹۳، زكريا۴/۵۲۱)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (هندية، زكريا قديم ۱/۳۵۶، جديد ۱/۴۲۳)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد

منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥)

نیز بیوی کو عدت شوہر کے گھر گذارنا لازم ہے، بلا عذر وہاں سے منتقل ہونا جائز نہیں۔

وتعتدان أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه، ولاتخرجان منه. (الدر المختار، كراچي ٣/ ٥٣٦، زكريا ٥/ ٢٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۱۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۲/۱۴ھ

’’میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی‘‘ چھ مرتبہ کہنا

سوال [۶۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے اور میرے سسر کے درمیان پہلے سے جھگڑا تھا، اس درمیان سسر میرے یہاں آئے اور کہا کہ کل تم میرے یہاں گئے تھے، تمہیں جو کرنا ہے کرلو، میں یہاں آ گیا ہوں، میں نے کہا کہ مجھے آپ کی بیٹی کو طلاق دینی ہے، اور کچھ نہیں پھر میں نے کہا کہ ’’میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی، میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی، میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی‘‘ پھر اس کے بعد میں نے کہا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر تمہاری بیٹی کو طلاق دی، میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی، میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں میری بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟

المستفتی: رئیس احمد، کھود پورا، تالاپور، رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر وہ مغلظہ ہوگئی، دوبارہ بلا حلالہ کے نکاح بھی درست نہیں ہوسکتا اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ دوسرے مرد سے عدت کے بعد نکاح صحیح کرکے ہمبستر ہوجائے، پھراس کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد عدت گذار کر نکاح کرلیا جائے۔

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كراچي٣/٢٩٣، زكريا ٤/٥٢١)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۸/۲۴)

دو مرتبہ تین تین دفعہ طلاق دینے کا حکم

سوال [٦٧٧٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ شائستہ خانم بدچلن بدتمیز بے حیا لڑکی تھی، اس کی شادی سائل کے

ساتھ ہوگئی، دیگر رقومات کے ساتھ متفرق اوقات میں شائستہ کو اس کے دین مہر کا روپیہ مبلغ دس ہزار روپیہ ادا کر دیا تھا؛ لیکن شائستہ نے اپنی ناجائز حرکات سے سائل کو جیتے جی زندہ درگور کر دیا، آخر سائل شائستہ کی بدکرداری سے متنفر ہوکر متفرق اوقات میں دو مرتبہ تین تین دفعہ اس کو طلاق دے چکا ہے؛ لیکن سائل شائستہ کی جانب سے خدا اور رسول کے واسطہ دینے پر سابقہ طور پر اس کے ساتھ رہتا چلا آ رہا تھا اور شائستہ کے بطن سے پیدا ہونے والی تیسری لڑکی سعدیہ جس کی عمر دو سال چھ ماہ کی ہے، چوتھی لڑکی علینا جو صرف گیارہ ماہ کی ہے، حیات ہیں جو شائستہ کے پاس ہیں۔ اب گذارش یہ ہے کہ آپ حضرات کلام مقدس اور احادیث شریفہ کی روشنی میں یہ طے فرما دیں کہ سائل کو مذکورہ بالا حالات میں کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: شہادت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر خود اقرار کر رہا ہے کہ پہلے دو مرتبہ طلاق دے چکا ہے اور بعد میں پھر تین طلاقیں، تو بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوگئی اور طلاق مغلظہ ہوکر زوجیت سے بالکل خارج ہوچکی ہے، اب دونوں کا میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور حرام کاری ہوگی۔ اب شائستہ شوہر کی بیوی نہیں رہی، اب دونوں میں علیحدگی شرعی طور پر لازم اور واجب ہے۔

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ٣/٢٩٣، زكريا ٤/٥٢١)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

إذا قال لامرأته: أنت طالق، طالق، طالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولة طلقت ثلاثاً. (هندية، زكريا قديم ١/٣٥٥، جديد ١/٤٢٣)

إذا كانت الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تـنـكـح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۹۸۱/۳۸)

جھگڑے کے دوران سات مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے جھگڑے کے دوران سات مرتبہ طلاق کے الفاظ کہے، اس کے بعد اس کی بیوی اپنے میکہ چلی گئی، آج ایک مہینہ تیرہ دن ہوگئے، شریعت کی روشنی میں اس طرح طلاق کہنے سے کتنی طلاقیں ہوئیں؟ واضح فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب سات مرتبہ شوہر نے طلاق کے الفاظ استعمال کئے ہیں، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی، بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے اب بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا؛ اور سات مرتبہ طلاق کے الفاظ استعمال کرنے کی وجہ سے شریعت کے ساتھ ایک طرح کا مذاق کیا ہے؛ اس لئے شوہر پر توبہ کرنا لازم ہے، اب اگر ساتھ رہنا چاہے تو شرعی حلالہ کے بعد ساتھ رہنے کی گنجائش ہے۔

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال ابن عباسؓ: طلقت منك بثلاث وسبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (مؤطا مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، النسخة الهندية ١٩٩، مشكوة شريف ٢٨٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيره، نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(الهندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۲۵/۳۷)

سات مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی کئی لڑکیاں ہیں، بڑی لڑکی کی شادی ہوگئی، مگر اس کے شوہر نے کسی بنا پر سات طلاق دیدیں، کچھ دنوں وہ عدت میں رہی، پھر وہ اپنے شوہر کے پاس چلی گئی اور کہا کہ حلالہ ہوگیا، مگر اس کا ثبوت نہ دے سکی اور وہ طلاق شدہ لڑکی زید کے یہاں آتی جاتی رہے تو زید سے تعلقات باقی رکھے جائیں یا نہیں؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن، دھامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے سات مرتبہ طلاق دیدی ہے، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بغیر حلالہ اس شوہر کے پاس رہنا حرام کاری ہوگی، اگر صحیح واقعہ کے مطابق شرعی حلالہ نہیں ہوا ہے، تو اس کا طلاق مغلظہ دینے والے شوہر کے ساتھ رہنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال له ابن عباسؓ: طلقت منک بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آيت الله هزواً. (مؤطا مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، النسخة الهندية ١٩٩)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ٣/٢٩٣، زكريا ٤/٥٢١)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵)

سب رشتہ دار اور بااثر لوگوں پر ضروری ہے کہ زید کو سمجھائیں کہ لڑکی کو حلالہ سے پہلے شوہر کے پاس جانے سے روک لیں، اگر زید روک تھام نہ کرے، تو اس سے قطع تعلق کرنے کی گنجائش ہے۔

قوله تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّار . الآية
[هود: ۱۱۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۶۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۱/۵ھ

آٹھ طلاق دینا

سوال [۶۷۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو لڑائی کے دوران آٹھ طلاق دیدیں طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: دلشاد احمد پکا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شوہر نے تین سے زائد طلاقیں دیدیں تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، ابیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے اب بغیر حلالہ نکاح بھی جائز نہیں ہے۔

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال له ابن عباسؓ: طلقت منک بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آيت الله هزواً. (مؤطا مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، النسخة الهندية ۱۹۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ٤٧٣، جديد ۱/ ٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷۰۴/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۱/ ۱۴۱۴ھ

آٹھ نو مرتبہ طلاق کے بعد کہنا طلاق نہیں ہوئی

سوال [۶۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قادر وشمیم تاج اور ان کے شوہر امداد حسین کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوا اور شوہر امداد حسین نے اپنی زوجہ قادر وشمیم کو ۸-۹/ مرتبہ لفظ طلاق طلاق کہہ دیا، بعدہٗ تیار ہوکر گھر سے دور جاکر فون کے ذریعہ میسیج SMS بھیجا کہ میں کاغذات بھیج رہا ہوں اس پر دستخط کردو، پھر شام کو گھر آکر اپنی زوجہ سے کہا کہ ہمارے درمیان طلاق نہیں ہوئی ہے، میں نے مسئلہ معلوم کرلیا ہے۔

المستفتی: کیو، تاج الدین ہتھرا کا پلی، آندھرا پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حسب تحریر سوال جب امداد حسین نے اپنی بیوی کو آٹھ نو مرتبہ طلاق کے الفاظ کہہ دیئے، تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر وہ امداد حسین کے لئے قطعی طور پر حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالۂ شرعیہ کے دونوں کا میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور حرام ہے اور شوہر کا یہ کہنا کہ میں نے معلوم کرلیا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی ہے محض غلط بیانی ہے؛ اس لئے اس کا اعتبار نہیں۔

عن مجاهد قال: كنت عند ابن عباسؓ، فجاء رجل، فقال: إنه طلق امرأته ثلاثاً قال: فسكت حتى ظننت أنه رادها إليه، ثم قال: ينطلق أحدكم

فيركب الحموقة، ثم يقول يا ابن عباس يا ابن عباس وإن الله قال: ومن يتق الله يجعل له، مخرجاً وانک لم تتق الله فلا أجدلک مخرجاً، عصيت ربک وبانت منک امرأتک. (أبو داؤد، كتاب الطلاق، باب بقية التطليقات الثلاث، النسخة الهندية ۱/ ۲۹۹، دارالسلام رقم: ۲۱۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۷۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۲۸ھ

نشہ کی حالت میں آٹھ نو بار طلاق دینا

سوال [۶۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نعیمہ بانو خدا کو حاضر وناظر کر کے میں یہ پرچہ لکھ رہی ہوں، میرے شوہر گھر میں شراب پی کر آتے ہیں اور جو کچھ بھی ان کے دل میں آتا ہے، وہ کہتے ہیں، مجھ کو مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلا اپنے گھر والوں کو میں نے تجھ کو طلاق دی، وہ فیصلہ کر کے لیجاویں گے، یہ الفاظ کہہ دیتے ہیں، بات بات پر طلاق کا نام لیتے ہیں، آٹھ نو بار یہ الفاظ کہہ دیتے ہیں، اور اپنی زبان سے ادا کر دیتے ہیں، اس وقت ان کی والدہ نے بھی کہا کہ بار بار طلاق کا نام تو لیتا ہے اور طلاق کی دھونس بار بار دیتے ہیں اور کہتے تھے تیرے گھر پر وہ کارنامہ انجام دوں گا کہ جب دیکھوں گا کہ تیرے باپ اور بھائی کتنے بڑے لاٹ صاحب ہیں، میرا دل کہتا ہے کہ مجھ کو طلاق ہو چکی ہے، میں اس گھر میں اب نہیں جانا چاہتی، مجھ کو مجبور کرنے کی ضرورت نہیں یہ لڑکی کا بیان ہے۔

نوٹ: اوپر لڑکی کا بیان ہے اور خدا کو حاضر وناظر جان کر بیان دے رہی ہے، اب ہم لوگ پریشان ہیں کہ کیا کریں؟ ہم کو اس مندرجہ بالا عبارت کی روشنی میں اور شریعت کی روشنی میں دلائل کے ساتھ جواب چاہئے کہ کیا لڑکی کو طلاق ہو چکی ہے؟

المستفتی: محمد الیاس آزاد، صدر بازار سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعہ میں لفظ طلاق دی کا تلفظ شوہر تین مرتبہ کرچکا ہے، تو تین طلاقیں ہوگئیں، ورنہ نہیں۔ نیز اس کے ثبوت کے لئے یہی لازم ہے کہ لڑکی دو باشرع مرد یا ایک باشرع پابند صوم وصلوۃ مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے ثابت کر دے یا شوہر خود اقرار کرے ورنہ طلاق کا شرعی ثبوت نہ ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. [البقرة: ٢٨٢]

ولغيرها رجلان، أو رجل وامرأتان للآية، أطلقه فشمل المال وغيره كالنكاح والطلاق. (البحر الرائق، كتاب الشهادت، كوئٹہ ٧/٦٢، زكريا ديوبند ٧/١٠٤)

وما سوا ذلک من الحقوق يقبل فيه رجلان، أو رجل، وامرأتان سواء كان الحق مالا أوغير مالٍ مثل النكاح، والعتاق، والطلاق. (الجوهرة، امدادية ٢/٣٢٦، دارالكتاب ديوبند ٢/٣٠٩، هداية اشرفي ديوبند ٣/١٥٤، شامي، كراچي ٥/٤٦٥، زكريا ٨/١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۲۳۷۷)

تم کو تین طلاق ہی نہیں بلکہ نو طلاق کہنے کا حکم

سوال [۶۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شیخ جلال الدین ساکن پرینی بازار ضلع بھاگل پور نے کسی وجہ سے اپنی بیوی خدیجہ کو کافی مارا، پیٹا اور غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا کہ تم کو تین طلاق ہی نہیں؛ بلکہ نو طلاق دیں، تو خدیجہ کو کتنی طلاق ہوئیں؟

المستفتی: محمد شمیم خاں، بھاگل پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شیخ جلال الدین نے اپنی بیوی خدیجہ سے کہا کہ تم کو تین طلاق ہی نہیں؛ بلکہ ''نوطلاق'' تو اس سے شیخ جلال الدین کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں اور بقیہ چھ لغو ہوگئیں اور بغیر حلالہ کے شیخ جلال الدین کے لئے اس بیوی سے دوبارہ نکاح کرنا صحیح نہ ہوگا۔

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال ابن عباسؓ: طلقت منک بثلاث وسبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (المؤطا للإمام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، اشرفي ديوبند ۱۹۹)

درمختار میں ہے۔

لو قال أكثر الطلاق، أو أنت طالق مراراً، أوألوفاً، أو لا قليل، ولاكثير فثلاث. هو المختار وفي الشامية: قوله ألوفا؛أي فيقع به الثلاث ويلغو الزائد. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/ ۲۸۰، زكريا ديوبند ٤/ ٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۴۱۳)

جا تجھے طلاق، طلاق دس مرتبہ کہنا

سوال [۶۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو دس بار یہ الفاظ کہے کہ جا تجھے طلاق، طلاق ......اور دس مرتبہ ماں کی گالی بھی دی۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ طلاق واقع

ہوگئی؟ اگر واقع ہوگئی، تو کون سی پھر دوبارہ نکاح کی کیا صورت ہوگی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح جائز نہیں، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عدت گذرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرکے ہمبستر ہوجائے، اس کے بعد طلاق دے دے، اس کے بعد دوبارہ عدت گذرنے کے بعد آپ نکاح کرسکتے ہیں۔

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال ابن عباسؓ: طلقت منك بثلاث وسبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (مؤطا للإمام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، اشرفي ديوبند ١٩٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۴۳۹/۳۲)

تجھے طلاق دیتا ہوں، طلاق، طلاق......دس مرتبہ کہنا

سوال [۶۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے کہا اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہوئے کہ تیرا ارادہ کیا ہے، بیوی نے

کہا جوتمہارا ہے وہی میرا ارادہ ہے، شوہر نے کہا میرے بچے ہیں، میں اپنے بچے لینے آیا ہوں اور تجھے طلاق دیتا ہوں اور کم از کم دس مرتبہ لفظ طلاق طلاق کہا، آپ سے درخواست ہے کہ جواب تحریر فرمادیں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: حافظ جلیس احمد، سوار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں ذکرکردہ صورت میں زید کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں اور دس مرتبہ لفظ طلاق کہا، تو اس سے تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اب طلاق مغلظہ واقع ہونے کی وجہ سے بغیر حلالۂ شرعیہ کے آپس میں نکاح بھی درست نہیں ہے۔

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال ابن عباسؓ: طلقت منک بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (مؤطا إمام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، اشرفي ديوبند ۱۹۹)

وفي الأشباه: لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

وفي الهندية: وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً. (عالمگيري، زكريا قديم ۴۷۳/۱، جديد ۵۳۵/۱، هداية اشرفي ديوبند ۳۹۹/۲، تاتارخانية، زكريا ۱۴۷/۵، رقم: ۷۵۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رشعبان ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۰۵/۳۸)

یکبارگی دسیوں بار طلاق دینا

سوال [۶۷۸۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک روز زید جمعہ کے دن اپنے گھر سے گیا، پھر جب گھر واپس آیا، تو اپنے گھر میں بیوی کو غائب پایا اور دروازہ پر تالا لگا ہوا تھا، پھر تقریباً ساڑھے تین بجے گھر آیا، تو بیوی کو موجود پایا، زید نے اپنی بیوی سے مخاطب ہوکر کہا کہ تم پہلے یہاں سے کہاں گئی تھی، بیوی خاموش رہی اتنے میں زید کی بیوی کی بہن جو کہ زید کی بھابھی ہوتی ہے، وہ بولتی ہے آپ طلاق دیدیں، زید کی بیوی خاموش تھی، کچھ بول نہیں رہی تھی، پھر زید گھر سے باہر آیا اور دروازہ پر اپنی زبان سے یکبارگی کم ازکم دسیوں مرتبہ طلاق طلاق طلاق اس طرح ان گنت مرتبہ ادا کیا، ان الفاظ کی ادائے گی کے وقت چند عورتیں موجود تھیں، تو زید کی بیوی پر طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد انیس، سیانہ بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے تین سے زیادہ مرتبہ سے بیوی کو طلاق دی ہے، تو اس سے زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لو قال أكثر الطلاق، أو أنت طالق مراراً، أو ألوفاً، أو لا قليل، ولا كثير فثلاث. هو المختار وفي الشامية: قوله ألوفا؛ أي فيقع به الثلاث ويلغو الزائد. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٣/ ٢٨٠، زكريا ديوبند ٤/ ٥٠٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له

حتی تنکح زوجاً غیرہٗ نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، ثم یطلقها، أویموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍ ۴۴۶۱)

جنون کے عالم میں دس گیارہ مرتبہ طلاق دینا

سوال [٦٧٨٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضیاء الاسلام کا جھگڑا اپنی سالی سے اتنا بڑھا کہ اس نے بھرے چوراہے پر ضیاء الاسلام کے تھپڑ ماردیا، اس جنون میں اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، جنون کا عالم یہ تھا کہ اس نے ان الفاظ کا استعمال کم از کم دس گیارہ بار کیا؛ جبکہ اس کی بیوی سے نہ کوئی ناراضگی تھی، نہ ہی اس نے کوئی نافرمانی کی، کیا یہ طلاق مانی جائے گی؟

المستفتی: ضیاء الاسلام، گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت میں بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں، غصہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اگر اب پھر سے بیوی کو رکھنا چاہے، تو بغیر حلالۂ شرعیہ کے نہیں رکھ سکتا۔

لو قال لزوجتہٖ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیرہٗ نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، ثم یطلقها،

أويموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۸۹۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۷/۱۴۲۶ھ

لاتعداد طلاق، طلاق، طلاق، کہنا

سوال [۶۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پیٹ میں سخت درد ہورہا تھا، جس کی وجہ سے میں بے چین تھا، میں نے اپنی بیوی کو پیٹ سہلانے کی غرض سے بلایا؛ لیکن وہ نہیں آئی، جس پر مجھ کو اتنا غصہ آیا کہ میں غصے کی حالت میں پاگل سا ہوگیا اور مجھ کو کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا، میں نے اس غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے مخاطب ہوکر یہ الفاظ ادا کردیئے، لاتعداد طلاق طلاق طلاق؛ لیکن بعد میں مجھ کو بہت افسوس ہوا۔ اوران الفاظ پر مجھے بے حد ندامت ہے۔

المستفتی: صابر علی خاں، مقبرہ نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلاق غصہ کی ہی حالت میں دی جاتی ہے اور جب آپ کو اتنا یاد ہے کہ لفظ طلاق آپ کی زبان سے نکلا ہے، تو آپ کی بیوی پر طلاق واقع ہوچکی ہے اور جب تین بار پورے ہوگئے، تو طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، بغیر حلالہ کے رکھنا حرام کاری ہوگی۔

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال ابن عباسؓ: طلقت منك بثلاث وسبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (مؤطا إمام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، اشرفي ديوبند ١٩٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٔ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸ر ۳۹۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱/۹ھ

سینکڑوں بار لفظ طلاق کہنا

سوال [۶۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حال یہ ہے کہ میں حامد حسین ولد علی حسین محلّہ گوئیاں باغ میں کافی ٹائم سے رہتے چلے آرہے ہیں، میری عمر قریب ۵۵ر سال کی ہے، میری بیوی اور مجھ میں کچھ آپس میں جھگڑا چل رہا تھا، جس کی عمر ۴۵ر سال ہے، رات کے سات بجے میں نے اپنی بیوی سے کہا الگ میں کہ تو اپنی عادت سے باز آجا نہیں تو میں تجھے طلاق دے دوں گا، کئی بار کہتا رہا اور اسکے بعد میں نے اسے طلاق طلاق طلاق سینکڑوں بار کہا۔ اب آپ اس کا جواب دیں کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: حامد حسین، محلّہ گھیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں آپ کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی ہے، دوبارہ بلا حلالہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوگا۔

(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۲۹۲، فتاوی محمودیہ قدیم ۴/ ۵۲، جدید ڈابھیل ۱۲/ ۴۷۰، کفایت المفتی ۶/ ۷۵)

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال له ابن عباسؓ: طلقت منك بثلاث وسبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (مؤطا إمام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في

البتة، النسخة الهندية ۱۹۹)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً، فإن قال أردت به التأكيد صدق ديانة لا قضاءً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

ولو كرر لفظ الطلاق ولم ينو الاستئناف ولا التأكيد وقع الكل قضاءً؛ لأنه يجعل تأسيساً لا تأكيداً؛ لأنه خير من التأكيد. (حموي، قديم ۹۷، جديد زكريا ۱۷۸، وهكذا في الشامي، كوئٹه ۲/۴۹۹، كراچي ۳/۲۹۳، زكريا ٤/۵۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۸٦۳)

شوہر پر مطلقہ ثلاثہ کا مہر، جہیز اور بچی کا خرچہ لازم ہے

سوال [٦٧٨٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر رضوان حسین عرف پپو ولد اخلاق حسین کالا پیادہ سنبھلی گیٹ مرادآباد نے لگ بھگ چار لوگوں کی موجودگی میں مجھے طلاق دیدی ہے، محرم کے دو دن پہلے ۰۹/۱/٦ر میرے میکہ میں آکر، میں نے بھی سنا اور چار لوگوں نے بھی سنا اور اس سے پہلے بھی یہ تین مرتبہ مجھے طلاق دے چکا تھا؛ لیکن پہلے کوئی گواہ نہیں تھا، میرے ایک لڑکی ہے جو میکہ ہی میں پیدا ہوئی ہے، ۰۸/۴/۱٦ر کو پرائیویٹ ہسپتال میں جو میرے ساتھ ہے، اب وہ میرا سامان اور مہر کی رقم بھی نہیں دینا چاہتے ہیں اور مجھے میری بچی کا خرچہ بھی ملنا چاہئے، تو کیا ہماری مہر کی رقم اور جہیز کا سامان شوہر پر واپس کرنا لازم ہے یا نہیں؟ شوہر کے نطفہ سے جو لڑکی ہے، اس کا خرچہ شوہر پر لازم ہے یا نہیں؟

المستفتية: اسماء خاتون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے دومرد اور دوعورتوں کی موجودگی میں اپنی بیوی کو تین سے زائد طلاقیں دیدیں، تو بیوی شوہر پر حرام ہوگئی۔ اب شوہر کے ساتھ رہنا حرام ہے۔

قال سبحانہ وتعالیٰ: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. [سورۃ البقرہ: ۲۳۰]

شوہر پر سامان جہیز کی واپسی اور مہر کی مکمل ادائیگی لازم ہے اور بچی کا مکمل خرچہ بھی باپ کے ذمہ ہے اور بالغ ہونے تک بچی کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے۔

والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/ ۵٤۲، جدید ۱/ ۵۹۳)

نفقة الأولاد الصغار على الأب لايشاركه فيها أحد. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/ ۵٦۰، جدید ۱/ ٦۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۹۰/۳۸)	۱۴۳۱/۲/۲۱ھ

طلاق مغلظہ کی صورت میں مہر اور بچوں کا حکم

سوال [٦٧٩٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مؤرخہ: ۱۹؍جون ۲۰۱۳ء بوقت صبح ۸؍بجے میری بیوی کی تائی تارہ بیگم، ان کا لڑکا اور میرے مکان مالک حافظ جی کی موجودگی میں تین بار طلاق طلاق طلاق کہہ کر میں نے اپنی بیوی کو زوجیت سے آزاد کردیا۔ اب میرا میری بیوی سے کسی بھی طرح کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں رہا ہے، اب بتایئے طلاق ہوئی یا نہیں؟

(۲) طلاق کے بعد مبلغ -/۱۱۰۰۰ روپئے مہر کی ادائے گی مجھ پر لازم ہے جو کہ میں دینے کیلئے تیار ہوں اور خرچ عدت بھی؛ لیکن اس پر وہ رضامند نہیں ہے، تو کیا مہر وعدت کے علاوہ بھی کوئی خرچ دینا ضروری ہے؟

(۳) بچے بھی نہیں دے رہی ہے کہتی ہے، یہ تو میرا سہارا ہیں بچے کسی بھی صورت میں نہیں دوں گی، بچوں میں دولڑکے محمد امان عمر دس سال، محمد ایان عمر ۸؍سال، ایک لڑکی علینہ عمر ۶؍سال ہے یہ بچے کس کے پاس رہیں گے اوران کا خرچ کس پر لازم ہے؟ باپ پر یا ماں پر؟

المستفتی: نہال الدین، محلّہ صالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب آپ نے تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کہہ دیا تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر آپ پر وہ قطعی طور پر حرام ہوگئی۔

لـو قـال لزوجتهٖ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كـان الـطـلاق ثـلاثـاً فـي الـحرة، وثنتين في الأمة لم تـحل له حتى تـنـكـح زوجـاً غيـرهٗ نـكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵)

(۲) مسئولہ صورت میں گیارہ ہزار روپئے مہر اور عدت کا خرچ آپ پر لازم ہے اوراس کے علاوہ زائد مطالبہ بیوی کی طرف سے جائز نہیں ہے۔

والمهر يتأكد بأحد معان ثلثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين. (هندية، زكريا قديم ۱/۳۰۳، جديد ۱/۳۷۰)

وإذا تـأكـد المهر بما ذكر لايسقط بعد ذلک وإن كانت الفرقة من قبـلـهـا؛ لأن الـيـد بـعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء. (شـامي، كراچي ۳/۱۰۲، زكرياديوبند ۴/۲۳۳)

(۳) لڑکے کی اگر سات سال سے کم عمر ہو تو ماں کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہوتا ہے اور جب سات سال سے زائد عمر کا بچہ ہو جائے تو باپ کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہو جاتا ہے، ماں کے لئے اپنی پرورش میں رکھنے کا اصرار درست نہیں ہے اور بچوں کا خرچہ بہر حال باپ کے اوپر لازم ہے اور جب لڑکی باپ کے پاس رہنے لگے، تو ماں کے پاس آنے جانے پر روک لگانا باپ کے لئے جائز نہیں۔ اور لڑکی کو بالغ ہونے تک یعنی ماہواری کا سلسلہ شروع ہونے تک ماں کو اپنی پرورش میں رکھنے کا حق ہے اور اس درمیان لڑکی کا خرچہ باپ کے اوپر لازم ہوتا ہے، مگر تعلیم کا خرچہ جیسے چاہے باپ سے مطالبہ کا حق ماں کو نہیں ہے؛ بلکہ باپ اپنے اختیار سے جس اسکول میں چاہے پڑھائے اور چاہے نہ پڑھائے، صرف کھانے کپڑے کا خرچہ باپ سے لینے کا حق ہے۔

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أي بالغلام حتى يتسغني عن النساء، وقدر بسبع وبه يفتى؛ لأنه الغالب......فإن أكل، وشرب، ولبس، واستنجىٰ وحده دفع إليه، ولو جبراً، وإلا وفي الشامية: ولو جبرًا أي إن لم يأخذه بعد الاستغناء أجبر عليه بالإجماع. وفي شرح المجمع وإذا استغنىٰ الغلام عن الخدمة أجبر الأب، أو الوصي، أو الولي على أخذه؛ لأنه أقدر على تأديبه، وتعليمه. (شامي، كراچي ٣/٥٦٦، زكريا ٥/٢٦٧، هندية، زكريا قديم ١/٥٤٢، جديد ١/٥٩٣)

والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض. (هندية، زكريا قديم ١/٥٤٢، جديد ١/٥٩٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲۸۰/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۴ھ

طلاق کے بعد سامان جہیز، مہر اور زیورات کے تبادلہ کا حکم

سوال [۶۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جس کا نام فرزانہ عرف رانی بنت عبدالرشید مرحوم، ساکن محلّہ اصالت پورہ، مرادآباد کا عقد برخوردار محمد اکرم ولد صابر حسین، ساکن ہاپوڑ کے ساتھ اسلامی رسم ورواج کے مطابق عرصہ تقریباً تین سال پہلے ہوا تھا۔ اب عرصہ تقریباً ایک سال پہلے محمد اکرم مذکور نے تحریری طور پر فرزانہ بنت عبدالرشید کو تین مرتبہ طلاق دیدی ہے، فرزانہ بنت عبد الرشید کی شادی کے وقت جو سامان جہیز دیا گیا تھا، وہ محمد اکرم مذکور کے گھر پر ہے، محمد اکرم مذکور کا زیور وکپڑا وغیرہ فرزانہ کے پاس ہے، کیا یہ سامان اور اوپر لکھا گیا سامان ایک دوسرے کو واپس کرنا ہوگا؟ اور فرزانہ عرف رانی مہر کی رقم لینے کی حق دار ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یوسف، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سامان جہیز اور مہر یہ مطلقہ کی خالص ملکیت ہے، اس کی ملکیت اس کو ملنی چاہئے اور جو زیور مطلقہ کو اپنے میکہ سے ملا تھا، وہ بھی اسی کی ملکیت ہے، ہاں البتہ جو زیور شوہر کی طرف سے دیا گیا تھا، وہ اگر بطور ملکیت دیا گیا تھا، یا اس قبیلہ کا عرف اور دستور یہی ہے کہ مالک بنادیا جاتا ہے، تو وہ زیور بھی مطلقہ کا حق ہے اور اگر اس قبیلہ کا عرف اور رواج مالک بنانے کا نہیں ہے؛ بلکہ اس کی ملکیت شوہر کی سمجھی جاتی ہے، تو وہ زیور شوہر کا ہے؛ اسے واپس کرنا مطلقہ پر لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳۴۶/۳، جدید ڈابھیل ۱۰۷/۱۲)

کل أحد یعلم أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ۱۵۸/۳، زكريا ۳۱۱/٤)

قال الشيخ الإمام الأجل الشهيد: المختار للفتویٰ أن يحكم بكون

الجهاز ملكا لا عارية؛ لأنه الظاهر الغالب إلا في بلدة جرت العادة بدفع الكل عارية، فالقول للأب. (شامي، كراچي ۳/۱۵۷، زكريا ٤/۳۰۹)

وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج، فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج ليس له ذلک إذا بعث إليها على جهة التملک جهز بنته وزوجها، ثم زعم أن الذي دفعه إليها ماله، وكان على وجه العارية عندها، وقالت: هو ملكي جهزتني به، أو قال الزوج ذلک بعد موتها......وقال في الواقعات إن كان العرف ظاهراً بمثله في الجهاز كما في ديارنا، فالقول قول الزوج. (هندية، زكريا قديم ۱/۳۲۷، جديد ۱/۳۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۱۱/ ۱۴۲۰ھ

کیا مطلقہ ثلاثہ شوہر کے گھر میں رہ سکتی ہے؟

سوال [۶۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں؛ لیکن وہ ہمارے گھر پر ہی رہ رہی ہیں اپنے میکے نہیں جاتی کیا اس کا شوہر کے گھر میں رہنا جائز ہے اور اب کتنی طلاق واقع ہوئیں ساتھ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا دوران عدت شوہر کے گھر رہ سکتی ہے اور عدت کے بعد شوہر کے گھر رہے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد معراج، محلّہ پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب عورت کو طلاق مغلظہ دیدی گئی ہے تو عورت شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے؛ لہٰذا عدت گذر جانے کے بعد اس عورت کا شوہر سے کسی قسم

کا ازدواجی تعلق باقی نہیں رہا ہے؛ لہٰذا جس گھر میں شوہر کی رہائش ہے، اس میں اس عورت کی رہائش جائز نہیں ہے اور دونوں کا ایک گھر میں رہنا جائز نہیں ہے، اگر عورت کے میکہ میں باپ بھائی وغیرہ موجود ہوں تو اس کو وہاں چلے جانا چاہئے؛ ہاں البتہ اگر عورت کے بچے جوان ہو چکے ہیں تو اس کے لئے اپنے جوان بچوں کے ساتھ اس گھر میں رہنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ شوہر سے کسی قسم کا تعلق اور آمنے سامنے کا موقع نہ دیا جاتا ہو اور کسی قسم کے فتنہ کا خطرہ نہ ہو۔ ورنہ اگر فتنہ کا خطرہ ہو اور عورت کے جانے کی بھی کوئی شکل نہ ہو تو شوہر کے لئے اس میں رہنا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۳/۵۸۴، میرٹھ ۱۸/۴۱۸)

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. [سورة البقر: ۲۳۰]

فإن طلقها فلا تحل له أي من بعد ذلك التطليق حتى تنكح زوجًا غيره أي تتزوج زوجًا غيره فلا يكفي مجرد العقد. (روح المعاني بيروت ۲/۲۱۲)

وفي المجتبى الأفضل الحيلولة بستر ولو فاسقًا فبامرأة. قال: ولهما أن يسكنا بعد الثلاث في بيت واحد إذا لم يلتقيا التقاء الأزواج ولم يكن فيه خوف فتنة وسئل شيخ الإسلام عن زوجين افترقا ولكل منهما ستون سنة وبينهما أولاد تتعذر عليهما مفارقتهم فيسكنان في بيتهم ولا يجتمعان في فراش ولا يلتقيان التقاء الأزواج هل لهما ذلك؟ قال: نعم! وأقره المصنف (در مختار) وفي الشامي: والأفضل أن يحال بينهما في البيتوته يستر إلا أن يكون فاسقاً فيحال بامرأة ثقة وإن تعذر فلتخرج هي وخروجه أولىٰ وفيه مخالفة لمامر، فإن الستره لابد منها كما عبر المصنف تبعًا للهداية وهو الظاهر لحرمة الخلوة بالأجنبية. (شامي، زكريا ۵/۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمحرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۸۱۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱/۱۴۳۶ھ

''جا تجھ کو تین طلاق''

سوال [الف :۶۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ''جا تجھ کو تین طلاق''؛ لیکن یہ لفظ اس نے اس وقت ادا کئے جبکہ اس کی بیوی سے اس بات پر لڑائی ہو رہی تھی کہ بیوی کہہ رہی تھی کہ میں شادی میں جاؤنگی اور شوہر کہہ رہا تھا کہ تو شادی میں نہیں جائے گی، پھر اس کے بعد بات منقطع ہوگئی، پھر وہ شخص نماز پڑھنے کے لئے چلا گیا، اس کے بعد اس کی بیوی نے فون کیا کہ میں کپڑے پہن کر شادی میں جارہی ہوں؛ لیکن شوہر منع کرتا رہا، جب بیوی نے زیادہ اصرار کیا تو شوہر نے کہا کہ'' جا تجھ کو تین طلاق''لیکن ان الفاظ کے کہہ دینے کے بعد بیوی شادی میں نہیں گئی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ الفاظ تعلیق طلاق میں داخل ہوں گے یا نہیں؟ اور اگر تعلیق طلاق میں داخل ہیں تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اور اگر واقع ہوگی تو کتنی طلاقیں واقع ہوگئیں؟ نیز بعد میں شوہر سے یہ بھی معلوم کیا گیا کہ جانے سے تمہاری کیا مراد تھی، تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اس وقت کچھ مراد نہیں لیا بس میں نے یوں ہی کہہ دیا کہ'' جا تجھ کو تین طلاق''۔

المستفتی: عبداللہ، موضع کمال گنج، فرخ آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''جا تجھ کو تین طلاق'' کے الفاظ سے بیوی کے اوپر فوری طور پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے، ان الفاظ میں کوئی تعلیق نہیں ہے اور نہ ہی تین طلاق کو کسی عمل پر معلق کیا گیا ہے؛ اس لئے شوہر کی نیت کچھ بھی ہو ان الفاظ سے تین طلاق واقع ہوگئیں ہیں؛ لہٰذا آئندہ بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

مـن قـال لامـرأتــه: أنـت طـالـق ثـلاثًـا، فـقال الشافعي، وأبو حنيفة، وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث. (نووي شرح مسلم ١/٤٧٨)

عـن واقـع بـن سـحبـان قـال: سـئل عمران بن حصين عن رجل طلق امـرأته ثلاثاً في مجلس، قال: أثم بربه وحرمت عليه امرأته. (مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن جديد ٩/٥١٩، رقم:١٨٠٨٧)

عـن سهـل بـن سـعـدؓ، في هذا الخبر قال: فطلها ثلاث تطليقات عند رسـول الله صـلـى الله عـليـه وسـلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم. (أبوداؤد شريف، باب في اللعان، النسخة الهندية ١/٣٠٦، دار السلام رقم:٢٢٥٠)

وإن كـان الـطـلاق ثـلاثـاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتـى تـنـكـح زوجـاً غيـرهٗ نـكـاحـاً صـحيـحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هـداية، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، هـندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، زكريا جديد ١/٥٣٥، تاتار خانية ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رصفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۸۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۹ھ

[ب:۶۷۹۳] مطلقہ خواتین کے مسائل کا تحقیقی جائزہ

طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے یا ممنوع؟

سوال [۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے فی نفسہٖ مباح ہے یا ممنوع اور معصیت ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے یا ممنوع؟ اس بارے میں فقہاء کے دوقول ہیں:

(۱) حضرات فقہاء میں سے جمہور اور اکثر فقہاء قرآن کریم کی آیتوں کے مطلق ہونے کی وجہ سے فرماتے ہیں: کہ طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے، اس لئے کہ قرآن مقدس کے اندر اللہ نے جو ارشاد فرمایا ہے اس سے مباح ہونا ہی ثابت ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ. [البقرة: ۲۳٦]

اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ. [الطلاق: ۱]

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ. [البقرة: ۲۲۹]

ان آیتوں کے پیش نظر اکثر فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے، فقہاء کرام کی عبارات ملاحظہ ہو:

''درمختار'' کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وإيقاعه مباح عند العامة لإطلاق الآيات. (درمختار مع الشامي، زكريا ٤/ ٤٢٧، كراچی ٣/ ٢٢٧)

''الموسوعة'' میں اس کو اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

ذهب الجمهور إلى أن الأصل في الطلاق الإباحة، وقد يخرج عنها في أحوال. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹/ ۸)

(۲) فقہاء کرام کا دوسرا قول یہی ہے کہ طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے مباح نہیں ہے؛ بلکہ شئ ممنوع اور مبغوض ہے اور یہی فقہاء کا قول راجح اور قول مفتی بہ ہے؛ لہٰذا بلا ضرورت اور بلا کسی خاص وجہ کے بیوی کو طلاق دے کر بے سہارا بنا دینے سے شوہر گنہگار ہوگا۔

حدیث شریف میں حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن امور کو حلال اور جائز قرار دیا ہے، ان میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ترین اور ناپسندیدہ امر طلاق ہی ہے؛ لہٰذا ناپسندیدہ اور مبغوض ترین عمل کو بے ضرورت مباح وجائز نہیں کہا جا سکتا؛ بلکہ کسی ضرورت وخاص وجہ سے اسے حلال ومباح قرار دیا جا سکتا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عمر –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: أبغض الحلال إلى الله عز وجل: الطلاق. (أبوداؤد شريف، باب في كراهية الطلاق ۱/ ۲۹٦)

عن أبي موسىٰ الأشعري –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تطلقوا النساء إلا من ريبة، فإن الله لا يحب الذواقين ولا الذواقات.

(المعجم الأوسط ٦/ ۲۰، رقم: ۷۸٤۸)

حضرات فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

إن الأصل في الطلاق هو الحظر، والإباحة لحاجة الخلاص.

(هداية أشرفى، باب طلاق السنة ۲/ ۳٥٤)

اور علامہ شامیؒ نے زیادہ واضح الفاظ کے ساتھ اس کو نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

الأصح حظره، أي منعه إلا لحاجة، وتحته في الشامية: أما الطلاق فإن

الأصل فيه الحظر بمعنى أنه محظور إلا لعارض يبيحه، وهو معنى قولهم: الأصل فيه الحظر، والإباحة للحاجة إلى الخلاص، فإذا كان بلا سبب أصلا لم يكن فيه حاجة إلى الخلاص، بل يكون حمقا وسفاهة رأي ومجرد كفران النعمة -إلى قوله- ويحمل لفظ المباح على ما أبيح في بعض الأوقات أعني أوقات تحقق الحاجة المبيحة، وإذا وجدت الحاجة المبيحة أبيح -إلى قوله- إن أراد بالخلاص منها الخلاص بلا سبب كما هو المتبادر منه، فهو ممنوع لمخالفته لقولهم: إن إباحته للحاجة إلى الخلاص فلم يبيحوه إلا عند الحاجة إليه. لا عند مجرد إرادة الخلاص، وإن أراد الخلاص عند الحاجة إليه، فهو المطلوب. (شامي، زكريا ٤/ ٤٢٨، كراچی ٣/ ٢٢٨)

اورعلامہ زیلعیؒ نے اس مسئلہ کو اعتراض وجواب کی حیثیت سے اٹھایا ہے کہ اگر طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے شئ ممنوع ہے،تو ’’طلاق حسن‘‘ اور’’طلاق احسن‘‘ کا اطلاق کیسے کیا جاسکتا ہے؟ ایک شئ ممنوع کو’’حسن‘‘ یا’’احسن‘‘ کہنا عجیب بات ہے،تو اس کو علامہ زیلعیؒ نے بہت خوبصورت انداز میں واضح فرمایا ہے کہ طلاق میں دوحیثیتیں بالکل الگ الگ ہیں:

(۱) **من حیث الذات**: یعنی طلاق اپنی اصل اورذات کے اعتبار سے فی نفسہٖ امرممنوع ہے۔

(۲) **من حیث الوقت**: یعنی طلاق دینے کے اوقات اورزمانہ کی حیثیت سے حسن اوراحسن کا اطلاق کیا جاتا ہے کہ بلاضرورت طلاق دینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ امرممنوع ہے۔ اور جب طلاق دینے کی ضرورت پیش آجائے تو کن اوقات میں طلاق دینا بہتر ہے؟ ان اوقات کی حیثیت کے اعتبار سے حسن اوراحسن کا حکم لگایا گیا ہے کہ جب میاں بیوی کے درمیان نبھاؤ ممکن نہ ہو اور حدود اللہ کے دائرہ میں رہ کر کے زندگی گزارنا مشکل ہوجائے اور طلاق دے کر ایک دوسرے سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہوجائے تو اوقات کے اعتبار سے طلاق دینی چاہئے؛ لہٰذا جس طہر میں بیوی سے ہمبستری نہیں ہوئی ہے

اس میں ایک طلاق دے کر چھوڑ دیا جائے یہ احسن طریقہ ہے۔اور اگر الگ الگ دو طہر میں دو طلاق دی جائیں تو یہ حسن ہے،اب اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ طلاق اپنی ذات اور حقیقت اور اصل کے اعتبار سے فی نفسہٖ امر ممنوع ہے،مگر اوقات کے اعتبار سے حسن اور احسن کا اطلاق بھی اس کے اوپر کیا جا سکتا ہے۔

امام زیلعیؒ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

الأصل في الطلاق الحظر، فكيف يصح أن يكون منه حسن وأحسن؟ وأجيب بأن الحظر من حيث ذاته، وأما كونه حسنا وأحسن فمن حيث الوقت، واعلم أن الطلاق في الأصل على نوعين: طلاق سنة، وطلاق بدعة، والأول على قسمين: حسن وأحسن، والثاني: وهو البدعي على قسمين أيضا بحسب العدد، وهو أن يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة وجملة، أو على التفريق في طهر واحد، وبحسب الوقت، وهو أن يطلقها في حالة الحيض أو في طهر جامعها فيه. (تبيين الحقائق، زكريا ٣/ ٢١، قديم، إمداديه ملتان ٢/ ١٨٨)

''موسوعۃ'' کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

إن الأصل فيه الحظر ويخرج عن الحظر في أحوال، وعلى كل، فالفقهاء متفقون في النهاية على أنه تعتريه الأحكام فيكون مباحا أو مندوبا أو واجبا كما يكون مكروها أو حراما. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩/ ٨-٩)

طلاق دینے کا حق مرد کو کیوں؟

سوال [۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شریعت نے طلاق دینے کا حق مرد کو کیوں دیا عورت کو کیوں نہیں؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ تعالیٰ نے طلاق کا حق مرد کو دیا ہے، عورت کو نہیں دیا؛ اس لئے کہ مرد کو فطری طور پر مضبوط اور زیادہ مستحکم بنایا گیا اور کامل العقل اور معاملہ فہم اور دور اندیش بنایا اور مرد جو بھی فیصلہ کرتا ہے سوچ بوجھ کر انجام پر غور وفکر کر کے نتائج کو سامنے رکھ کر کرتا ہے۔ اور فطری اعتبار سے جو تحمل اور تدبر مرد میں ہوتا ہے وہ عورت میں نہیں ہوتا اور مرد جذبات سے مغلوب ہوکر جلد بازی سے کوئی فیصلہ نہیں کرتا، اس کے برخلاف عورت میں تحمل اور تدبر اور دور اندیشی کم ہوتی ہے اور مزاج کے خلاف جب کوئی بات سامنے آتی ہے تو برداشت سے باہر ہو جاتی ہے اور جذبات سے مغلوب ہوکر انجام اور نتائج پر نظر ڈالے بغیر جلد فیصلہ کر ڈالتی ہے، نیز شریعت نے مرد کو عورت پر فوقیت بخشی ہے، جیسا کہ قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ. [البقرة: ۲۲۸]

ان وجوہات کی بناء پر شریعت نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے عورت کو نہیں تاکہ جلد بازی سے طلاق کا معاملہ پیش نہ آیا کرے۔

روایات ملاحظہ فرمایئے:

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: الطلاق بالرجال، والعدة بالنساء، هكذا عن الشعبي، وإبراهيم، وسليمان بن يسار. (المصنف لابن أبي شيبة ۹/ ۶۱۳، رقم: ۱۸۵۶۰)

صعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر، فقال: يا أيها الناس! ما بال أحدكم يزوج عبده أمته ثم يريد أن يفرق بينهما، إنما الطلاق لمن أخذ بالساق. الحديث (ابن ماجة شريف، مكتبه تهانوى ديوبند، ص: ۱۵۱، رقم: ۲۰۸۱)

اس کو "احکام القرآن" للجصاص میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

ومن وجوه التفضيل عليها ما ملك الرجل من فراقها بالطلاق ولم تملكه. (أحكام القرآن جصاص، زكريا ديوبند ۱/ ٤٤٥)

اس کو شامی میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

قال في الفتح: ومنها: أي من محاسنه جعله بيد الرجال دون النساء لاختصاصهن بنقصان العقل، وغلبة الهوى، ونقصان الدين. (شامي، زكريا ٤/٤٢٩، كراچی ۳/ ۲۲۹)

اس کو ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

جعل الطلاق بيد الزوج لا بيد الزوجة بالرغم من أنها شريكة في العقد حفاظاً على الزواج تقديراً لمخاطر إنهائه بنحو سريع غير متئد؛ لأن الرجل الذي دفع المهر وأنفق على الزوجة والبيت يكون عادة أكثر تقديرا لعواقب الأمور، وأبعد عن الطيش في تصرف يلحق به ضرراً كبيرا، فهو أولى من المرأة بإعطائه حق التطليق. (الفقه الإسلامي وأدلته ۷/ ۳٤۷)

اس کو ''موسوعہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

الطلاق: نوع من أنواع الفرق، وهو ملك للزوج وحده، ذلك أن الرجل يملك مفارقة زوجته إذا وجد ما يدعوه إلى ذلك بعبارته وإرادته المنفردة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹/ ۱۱)

کن حالات میں عورت کو طلاق دی جائے؟

سوال [۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کن حالات میں طلاق دینی چاہئے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق ایک ایسی شئ ہے جس کی وجہ سے میاں بیوی

کی رفاقت اور تعلق کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، اگر اولاد ہوچکی ہے تو ماں باپ کے زندہ ہوتے ہوئے اولاد یتیموں کی طرح بے سہارا ہوجاتی ہے، گھریلو زندگی برباد ہوجاتی ہے؛ اس لئے انتہائی مجبوری میں طلاق دینے کی اجازت ہوتی ہے، مثلاً، میاں بیوی دونوں کے ساتھ رہنے میں سکون کی زندگی گذار سکنے کی امید باقی نہ رہے۔ اور اللہ کے احکام کے حدود کے دائرہ میں رہکر ایک دوسرے کے حق کو ادا کرنا ممکن نہ رہے، تو ایسی صورت میں شریعت نے طلاق کو مستحسن قرار دیا ہے اور کبھی طلاق دینا واجب اور لازم بھی ہوجاتا ہے، اور کبھی مباح ہوتا ہے اور کبھی مکروہ ہوتا ہے اور کبھی حرام بھی ہوجاتا ہے، اس کی چند صورتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) طلاق دینا کب واجب ہوتا ہے؟

سوال [۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہبیوی کوطلاق دینا کب لازم اورواجب ہوجاتا ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاءبورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کبھی طلاق دینا شوہر پرواجب اورلازم ہوجاتا ہے، مثلاً امساک بالمعروف کاامکان باقی نہ رہے کہ بیوی فاحشہ ہو اور شوہر متقی ہو اور حدود اللہ کے دائرہ میں رہ کر زندگی گذارنا ممکن نہ ہوتو طلاق دے کر بیوی کو زوجیت سے الگ کردینا واجب ہوجاتا ہے، اسی طرح بیوی کا حق ادا کرنا ممکن نہ رہے تب بھی لازم ہوجاتا ہے، جیسا کہ ''شامی'' کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

ویجب لو فات الإمساک بالمعروف، فالظاهر أنه استعمل لا بأس هنا للوجوب اقتداء بقوله تعالیٰ: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ [البقرة: ۲۲۹]

فإن نفي البأس في معنى نفي الجناح فافهم. (شامي، زکریا ٤/ ١٤٤، کراچی ٣/ ٥٠)

اور ’’موسوعہ‘‘ کی اس عبارت سے بھی وجوب طلاق کی بات معلوم ہوتی ہے:

فيكون واجبا كالمولى إذا أبى الفيئة إلى زوجته بعد التربص على مذهب الجمهور، أما الحنفية فإنهم يوقعون الفرقة بانتهاء المدة حكما وكطلاق الحكمين في الشقاق إذا تعذر عليهما التوفيق بين الزوجين ورأيا الطلاق عند من يقول بالتفريق لذلك. (الموسوعة الفقهية ٢٩/ ٩)

(۲) طلاق دینا کب مستحب اور مستحسن ہوتا ہے؟

سوال [۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کو طلاق دینا کب مستحب اور مستحسن ہوتا ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کبھی طلاق دے کر بیوی کو زوجیت سے الگ کر دینا مستحب اور مستحسن ہوجاتا ہے، مثلاً بیوی سخت مزاج اور ترش رو ہے اور ایذا رسانی سے باز نہیں آتی یا تارک صلاۃ ہے، شوہر کے توجہ دلانے کے باوجود نماز نہیں پڑھتی ہے، تو ایسی صورت میں بیوی کو طلاق دے کر زوجیت سے الگ کر دینا مستحب اور مستحسن ہے؛ لیکن ایسی فاسقہ عورت کو طلاق دے کر زوجیت سے الگ کر دینا شوہر پر واجب نہیں اور اس کو ساتھ رکھ کر زندگی گذارنا شوہر کے لئے جائز ہے اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب کا وبال عورت پر ہوگا مرد پر اس کا گناہ نہیں ہوگا۔

اس کو صاحب بحر نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

يستحب طلاقها إذا كانت سليطة مؤذية أو تاركة للصلاة لا تقيم حدود الله تعالىٰ، وهو يفيد جواز معاشرة من لا تصلي ولا إثم عليه بل

عليها، ولذا قالوا في الفتاوى: له أن يضربها على ترك الصلاة.
(البحر الرائق، زكريا ٣/ ٤١٤)

اس کوصاحب درمختار نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة ولا عليها تسريح الفاجر إلاإذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا. (شامي، زكريا ٤/ ١٤٣-١٤٤، كراچی ٣/ ٥٠)

(۳) طلاق دینا کب مباح ہوتا ہے؟

سوال [٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کوطلاق دینا کب مباح ہوتا ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاءبورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کبھی طلاق دے کر بیوی کوزوجیت سے الگ کردینا مباح ہوتا ہے، یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ شوہر کا میلان اور رغبت بیوی کی طرف مکمل طور پر نہ ہوتی ہو اور ایسا کبھی اس وقت ہوتا ہے کہ جب بیوی خوبصورت نہ ہو یا بیوی بداخلاق اور بدزبان ہو، جن امور کی وجہ سے شوہر کے اندر رغبت اور میلان بیوی کی طرف پیدا نہ ہوان امور کی وجہ سے طلاق دینا مباح ہوجاتا ہے اور ایسی صورت میں بیوی کے بےقصور ہونے کے باوجود طلاق دینے میں شوہر گنہگار نہیں ہوتا، جیسا کہ ’’فتح القدیر‘‘ کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

فمن الحاجة المبيحة أن يلقى إليه عدم اشتهائها بحيث يعجز أويتضرر بإكراهه نفسه على جماعها -إلى وقوله:- وإن لم يكن قادرا على طولها أو لم ترض هي بترك حقها فهو مباح. (فتح القدير، زكريا ٣/ ٤٤٦)

اس کو ''الفقه الإسلامي'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

الأصح حظر الطلاق أي منعه إلا لحاجة كريبة وكبر، ورجح ابن عابدين هذا الرأى، وليست الحاجة مختصة بالكبر والريبة، بل هي أعم.

(الفقه الإسلامي ۷/ ۳٤۹)

وإذا وجدت الحاجة المبيحة وهي أعم من الكبر والريبة أبيح الطلاق.

(الفقه الإسلامي ۷/ ۳۸٦)

(۴) طلاق دینا کب مکروہ یا حرام ہوتا ہے؟

سوال [۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کو طلاق دینا کب اور کن حالات میں مکروہ یا حرام ہوتا ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کبھی طلاق دینا مکروہ یا حرام ہوجاتا ہے، مثلاً حالت حیض میں بیوی کو طلاق دے دی تو بعض لوگوں نے حرام کہا ہے اور بعض لوگوں نے مکروہ کہا ہے، اسی طرح ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں یا ایک جملہ میں تین طلاقیں دے دیں جس کو فقہاء نے طلاق بدعی کہا ہے، تو ایسی صورت میں شوہر گنہگار بھی ہوگا اور اس طرح سے طلاق دینا مکروہ یا حرام ہے، اسی طرح جس طہر میں بیوی سے ہم بستری کی گئی ہو اس میں طلاق دینا مکروہ ہے، مگر طلاق ہر صورت میں واقع ہوجاتی ہے، اس طرح طلاق دینے میں شوہر گنہگار اور معصیت کا مرتکب ہوگا، جیسا کہ فقہاء کی ذیل کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

اس کو ''موسوعہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

ويكون مكروها إذا لم يكن ثمة من داع إليه مما تقدم، وقيل: هو

حرام في هذه الحال لما فيه من الإضرار بالزوجة من غير داع إليه، ويكون حراما وهو الطلاق في الحيض، أو في طهر جامعها فيه، وهو الطلاق البدعي. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹/ ۹)

''**الفقه الإسلامي وأدلته**'' میں طلاق بدعی کی وضاحت کافی واضح الفاظ میں کی گئی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں یا ایک طہر کی تین طلاقیں یا حالت حیض میں طلاق دینا مکروہ تحریمی ہے، اس سے شوہر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوجاتا ہے۔

عبارات ملاحظہ فرمایئے:

وطلاق البدعة: أن يطلقها ثلاثا أو اثنتين بكلمة واحدة أو يطلقها ثلاثا في طهر واحد؛ لأن الأصل في الطلاق الحظر لما فيه من قطع الزواج الذي تعلقت به المصالح الدينية والدنيوية، والإباحة إنما هي للحاجة إلى الخلاص ولا حاجة إلى الجمع في الثلاث، أو في طهر واحد؛ لأن الحاجة تندفع بالواحدة وتمام الخلاص في المفرق على الأطهار، والزيادة إسراف، فكان بدعة، فإذا فعل ذلک وقع الطلاق وبانت المرأة منه، وكان آثما عاصيا، والطلاق مكروه تحريما. (الفقه الإسلامي وأدلته ۷/ ۴۰۸)

شوہر پرتعزیر مالی

سوال [۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا بلا وجہ بیوی کو طلاق دینے کی وجہ سے شوہر پر تعزیر مالی لازم کی جاسکتی ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تعزیر کی دو قسمیں مشہور ہیں: تعزیر جسمانی، تعزیر مالی۔

(۱) تعزیر جسمانی: ہندوستان جیسے آزاد غیر اسلامی ممالک میں تعزیر جسمانی کا

جاری کرنا مشکل ہے، یہاں کا ماحول اور معاشرہ نہ اس کا متحمل ہے اور نہ ہی معاشرہ اس کی اجازت دیتا ہے۔

(۲) تعزیر مالی: تعزیر مالی (مالی جرمانہ) کے متعلق حضرات فقہاء نے اپنی اپنی کتابوں میں کافی تفصیلی بحث کی ہیں، ان تمام تفصیلات اور بحثوں کا حاصل یہ ہے کہ حضرات طرفین کے نزدیک مالی جرمانہ سرے سے جائز نہیں ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حاکم وقت کے لئے تعزیر مالی کو جاری کرنا جائز و درست ہے۔

اور ساتھ میں یہ بات واضح رہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعزیر مالی کا جواز مطلقاً ہر جگہ جائز نہیں ہے؛ بلکہ جہاں پر ذمہ دار شخصیت تعزیر مالی کو مصلحت سمجھے گی وہاں پر جاری کرے گی۔

اور فقہاء نے حضرات طرفین کے نزدیک عدم جواز کی جو بات نقل فرمائی ہے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ تعزیر مالی شروع اسلام میں جائز تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے، لیکن فقہ السنہ کے اندر منسوخ ہونے کی بات کی تردید کی گئی ہے کہ جن لوگوں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ مالی جرمانہ شروع اسلام میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہو چکا ہے، ان لوگوں کے پاس منسوخ ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور یہ دعویٰ بلا دلیل کے ہے؛ اس لئے یہ حکم آج بھی بدستور باقی ہے؛ لہٰذا جہاں ذمہ دار شخصیت تعزیر مالی کو جاری کرنا مصلحت سمجھے گی وہاں آج بھی تعزیر مالی (مالی جرمانہ) جاری کرنے کی گنجائش ہے؛ لہٰذا اس قول کے اعتبار سے جو شوہر بیوی کو بلا وجہ اور بغیر کسی ضرورت کے اور بیوی کی طرف سے ایسے کوئی خاص اسباب پیدا نہیں کئے گئے ہیں، جن کی وجہ سے طلاق دینے کی ضرورت پڑے اس کے باوجود خواہ مخواہ، بیوی کو طلاق دے دے یا بیک وقت تین طلاقیں دے دے یا کوئی شوہر بیوی کو خواہ مخواہ معلق چھوڑ دے، تو ایسے حالات میں ذمہ دار شخصیات شوہر کے اوپر مصلحت کے پیش نظر مناسب تعزیر مالی جاری کرسکتی ہیں اور کچھ مقدار مال لے کر بیوی

کے حوالہ کرسکتی ہیں۔ اور اگر وقتی طور پر شوہر سے کچھ مال ضبط کرکے رکھ لیں اور بعد میں جب وہ اپنے جرم سے تائب ہوجائے تو اسے واپس کردیں، تو ایسا کرنا سب کے نزدیک جائز ہے اور تائب نہ ہونے کی صورت میں امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق بیوی کے حوالہ کرنے کی گنجائش ہے۔

اب فقہاء کے جزئیات ملاحظہ فرمائیے: ''فقہ السنہ'' میں اس کو ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلا واستدلالا، وليس يسهل دعوى نسخها والمدعوون للنسخ ليس معهم سنة، ولا إجماع يصح دعواهم. (فقه السنة ۲/ ۵۳۵)

اور امام زیلعیؒ نے حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وعن أبي يوسف أن التعزير بأخذ الأموال جائز للإمام. (تبيين الحقائق قديم مكتبه إمداديه ملتان ۳/ ۲۰۸، جديد زكريا ۳/ ۶۳۴)

''تبیین'' کے حاشیہ میں علامہ چلپی نے اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وعن أبي يوسف أن التعزير بأخذ المال جائز للإمام، وعندهما والشافعي ومالك وأحمد لا يجوز بأخذ المال، وما في الخلاصة: سمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضى ذلك أو الوالي جاز، ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال مبني على اختيار من قال بذلك من المشايخ لقول أبي يوسف. (حاشية چلپى على الزيلعي، قديم ۳/ ۲۰۸، جديد زكريا ۳/ ۶۳۴)

اس کو ''الموسوعة الفقهية'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

الأصل في مذهب أبي حنيفة أن التعزير بأخذ المال غير جائز، فأبو حنيفة ومحمد لا يجيزانه، بل إن محمدا لم يذكره في كتاب من كتبه، أما

أبويوسف فقد روى عنه أن التعزير بأخذ المال من الجاني جائز إن رؤية فيه مصلحة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/ ٢٧٠)

اس کوصاحب ''فتح القدیر'' نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے ساتھ تھوڑا سا اضافہ کر کے لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

يجوز تعزيره بأخذ المال مبني على اختيار من قال بذلك من المشايخ كقول أبي يوسف، وقال التمرتاشي: يجوز التعزير الذي يجب حقا لله تعالى لكل أحد بعلة النيابة عن الله تعالى. (فتح القدير، زكريا ٥/ ٣٣٠)

''درمختار مع الشامی'' میں اس کو ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے، کافی تفصیل موجود ہے، اس میں سے تھوڑی سی عبارت اقتباس کے ساتھ ذیل میں درج کی جاتی ہے:

لا بأخذ المال في المذهب (بحر) وفيه عن البزازية وقيل: يجوز ومعناه أن يمسكه مدة لينزجر ثم يعيده له، فإن أيس من توبته صرفه إلى ما يرى، وفي المجتبى: أنه كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ، وتحته في الشامية: وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز. (درمختار مع الشامي، زكريا ٦/ ١٠٥-١٠٦، كراچی ٤/ ٦١)

اور ''بزازیہ'' میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

والتعزير بأخذ المال إن المصلحة فيه جائزة قال مولانا خاتمة المجتهدين مولانا ركن الدين أبو يحيى الخوارزميؒ: معناه أن نأخذ ماله ونودعه، فإذا تاب نرده عليه كما عرف في خيول البغاة وسلاحهم، وصوبه الإمام ظهير الدين التمرتاشي الخوارزمي، قالوا: ومن جملته من لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال. (البزازية على الهندية ٦/ ٤٢٧، زكريا جديد ٣/ ٢٥١)

دین مہر کی ادائیگی میں توازن

سوال [۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا طویل زمانہ تک ادا نہ کئے گئے مہر کے عوض میں ادائے گی کے وقت عقد کے وقت کی قیمت اور ویلو کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عرب ملکوں میں آج بھی نکاح کے وقت مہر کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اور ادائے مہر کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، اسی وجہ سے عرب دنیا میں نکاح میں لڑکے والوں کا خرچ زیادہ ہوتا ہے، اس کے برخلاف ہمارے ہندوستان اور برصغیر میں شادی کے موقع پر لڑکی والے زیادہ خرچ کرتے ہیں، لڑکے والوں کے یہاں کا خرچ کم ہوتا ہے، چنانچہ شادی کے موقع پر دولہن کا جو مہر باندھا جاتا ہے وہ عام طور پر فوری ادا نہیں کیا جاتا؛ بلکہ شوہر کے اوپر بطور قرض کے باقی رہتا ہے، عمر گزر جاتی ہے، اولادیں پیدا ہوکر بڑی ہوجاتی ہیں، مگر مہر ادا نہیں ہوتا؛ بلکہ شوہر پر اس کا قرض باقی رہ جاتا ہے، بعض لوگوں کی نیتیں خراب ہوتی ہیں، حیلہ بہانہ سے بیوی سے مہر معاف کرا لیتے ہیں، یہ انتہائی بے غیرتی کی بات ہے، جن لوگوں کے یہاں بیوی کا قرض شوہر پر باقی رہ جاتا ہے وہ عام طور پر خدانخواستہ اگر طلاق واقع ہوجائے تو مہر کا مطالبہ کیا جاتا ہے، یا شوہر کا انتقال ہو جائے تو وارثین کو ادائیگی کی فکر ہوتی ہے اور جو لوگ مہر ادا کر دیتے ہیں، ان سے بھی ۲۰-۲۰ سال ۳۰-۳۰ سال کی تاخیر ہوجاتی ہے، تو ایسے میں اگر مہر میں مہر فاطمی باندھا گیا ہے یا سونا چاندی کی کوئی خاص مقدار مہر میں متعین کر دی گئی ہے، تو عورت کا کوئی نقصان نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ جس زمانے میں بھی مہر ادا کیا جائے گا تو اس زمانے میں طے شدہ مقدار میں متعین شئ عورت کو صحیح طور پر مل جاتی ہے یا ادائیگی کے وقت کی قیمت لگا کر سکہ رائج الوقت مل جاتا ہے، اس کے برخلاف

اگر مہر میں کرنسی متعین ہوجائے مثلاً پچیس، تیس سال پہلے نکاح ہوا ہے اور چار ہزار روپیہ مہر میں متعین ہوا تھا اور اس زمانہ میں مہر فاطمی کی قیمت چار ہزار روپئے سے کم تھی؛ بلکہ دو ڈھائی ہزار روپیہ مہر فاطمی کی قیمت تھی؛ لہٰذا چار ہزار روپے میں ۴-۵ تولہ سونا خریدا جاسکتا تھا اور ۶۰-۷۰/ تولہ چاندی مل جاتی تھی، مگر اس زمانہ میں چار ہزار روپیہ مہر میں ادا نہیں کیا گیا اور آج ۲۵-۳۰/ سال بعد ادا کرنے کا نمبر آیا ہے، تو بیوی کہتی ہے کہ یہ چار ہزار روپیہ لے کر کیا کروں گی، میرا تو چار ہزار روپیہ ایسا تھا جو ۴-۵ تولہ سونا یا ۶۰-۷۰/ تولہ چاندی کی ویلو رکھتا تھا اور آج جو چار ہزار روپیہ سامنے رکھا جارہا ہے وہ ایک گرام سونے کا ویلو بھی نہیں رکھتا، میرا تو چار ہزار روپیہ ایسا ہے جو ۵/ تولہ سونے کا ویلو رکھتا ہے، تو ایسے حالات میں ۴/ ہزار روپیہ دینے کی صورت میں عورت پر زبردست ظلم اور اس کا نقصان ہے، اس نقصان سے بچاؤ کا کوئی حل ہے تو اس بارے میں حضرات فقہاء کے یہاں بظاہر کوئی حل نہیں ہے؛ بلکہ عورت کو اسی چار ہزار روپئے پر صبر کرنا پڑے گا، ایسی صورت میں عورت کو نقصان اور ظلم کے برداشت پر مجبور کرنا لازم آئے گا جو مقتضیٰ شریعت کے خلاف ہے۔

اس لئے اس مسئلہ پر ارباب افتاء کو غور کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ اس سلسلے میں عورت کو نقصان سے بچانے کے واسطے دو شکلیں ہمارے سامنے ہیں:

(۱) عورت کو چار ہزار روپیہ کرنسی نہ ادا کی جائے؛ بلکہ چار ہزار روپیہ کے عوض میں عقد نکاح کے زمانہ کی حیثیت کا اعتبار کرتے ہوئے سونا چاندی یا کوئی دوسرا قیمتی سامان مہر میں ادا کردیا جائے تو ایسی صورت میں سود یا ربا کی بات لازم نہیں آئے گی اور عورت کو اپنا حق پورے طور پر حاصل ہوجائے گا، یہ بات تکملہ شامی کی ذیل کی عبارت سے مستفاد ہوتی ہے۔

ولو كان لرجل على رجل دراهم لا يعرفان وزنها فصالحه منها على ثوب أو غيره فهو جائز؛ لأن جهالة المصالح عنه لا تمنع مع صحة الصلح،

وإن صالحه على دراهم فهو فاسد في القياس؛ لأنه يحتمل أن بدل الصلح أكثر منه، ولكني أستحسن أن أجيزه؛ لأن الظاهر أنه كان أقل مما عليه؛ لأن مبنى الصلح على الحط والإغماض، فكان تقديرهما بدل الصلح شيء. الخ (تكمله شامي زكريا ١٢/ ٣٣٦، كراچی ٨/ ٢٥٢)

(۲) طول زمانہ کے بعد جب کرنسی و روپیہ کی حیثیت گھٹ گئی تو مہر کی ادائے گی کی بات سامنے آئی اور عقد کے وقت میں چار ہزار روپیہ کرنسی مہر میں طے ہوچکی تھی اور اس زمانہ میں چار ہزار روپیہ میں ۵۰-۵۵ر گرام سونا یا ۶۰-۷۰ر تولہ چاندی مل جایا کرتی تھی، آج چار ہزار روپیہ میں ۲ر گرام سونا بھی نہیں مل سکتا، اسی طرح چار ہزار روپیہ میں ۱۰ر تولہ چاندی بھی نہیں مل سکتی، روپیہ کی ویلو گھٹ کر اس کی حیثیت دو گرام سونے کے برابر بھی نہیں رہی، ایسی صورت میں عورت کو نقصان سے بچانے کے لئے کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟ تو علامہ شامیؒ نے ''رسائل ابن عابدین'' میں صلح کے ذریعہ سے ایک معتدل اور درمیانی راہ اختیار کرنے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، مثلاً اگر عقد کے وقت میں چار ہزار روپیہ میں ۵۰ر گرام سونا مل سکتا تھا یا ۷۰ر تولہ چاندی مل سکتی تھی اور ادائے گی کے وقت میں چار ہزار روپیہ کے ذریعہ ۲ر گرام سونا یا ۱۰ر تولہ چاندی بھی نہیں مل سکتی، تو ایسی صورت میں ایک درمیانی راہ اختیار کی جائے کہ کرنسی ادا نہ کر کے ۴۰ر گرام سونا یا ۵۰ر تولہ چاندی عورت کو ادا کی جائے، تو ایسی صورت میں شوہر کا بھی زیادہ نقصان نہیں ہے اور عورت کو بھی زیادہ نقصان سے بچایا جاسکتا ہے اور عورت کو ایسی صورت میں مہر وصول پانے میں کافی حد تک اطمینان ہوجائے گا۔ یہ مسئلہ علامہ شامی کی کتاب ''رسائل ابن عابدین'' کی اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

ووجه ما أفتى به بعض المفتين كما قدمناه آنفا أن القروش في زماننا بيان لمقدار الثمن لا لبيان نوعه ولا جنسه، فإذا باع شخص سلعة بمائة قرش مثلا ودفع له المشتري بعد الرخص ما صارت قيمته تسعين قرشا من الريال

أو الذهب مثلا لم يحصل للبائع ذلك المقدار الذي قدره ورضى به ثمنا لسلعته لكن قد يقال لما كان راضيا وقت العقد بأخذ غير القروش بالقيمة من أي نوع كان صار كان العقد وقع على الأنواع كلها، فإذا رخصت كان عليه أن يأخذ بذلك العيار الذي كان راضيا به، وإنما اخترنا الصلح لتفاوت رخصها، وقصد الإضرار كما قلنا، وفي الحديث: لا ضرر ولا ضرار ولو تساوى رخصها لما قلنا إلا بلزوم العيار الذي كان وقت العقد كأن صار مثلا ماكان قيمته مائة قرش من الريال يساوى تسعين، وكذا سائر الأنواع أما إذا صار ما قيمته مائة من نوع يساوي تسعين، ومن نوع آخر وتسعين، ومن آخر ثمانية وتسعين، فإن ألزمنا البائع بأخذ ما يساوي التسعين بمائة فقد اختص الضرر به، وإن ألزمنا المشتري بدفعه بتسعين اختص الضرر به، فينبغي وقوع الصلح على الأوسط. (رسائل ابن عابدين، مكتبه ثاقب بكڈپو ديو بند ۲/ ٦٧)

بیوی کو کب مارا جاسکتا ہے؟

سوال [۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کو کب مارا جاسکتا ہے؟ کیا شوہر کو یہ حق ہے کہ بیوی کو جب چاہے مارے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر جائز امور میں شوہر کی اطاعت کرنا بیوی پر لازم ہے؛ لیکن اگر بیوی جائز اور امور مباحہ میں شوہر کی اطاعت نہیں کرتی ہے، مثلاً اس کی نافرمانی کرتی ہے، اس کے حقوق کی ادائے گی میں کوتاہی کرتی ہے، یا اس کی اجازت کے بغیر کہیں بھی چلی جاتی ہے یا طہارت کا اہتمام نہیں کرتی ہے یا تارک صلاۃ ہے یا اپنی ذات

اورشوہر کے مال میں خیانت کرتی ہے، تو اس طرح کے امور میں شوہر پہلے نرمی سے وعظ ونصیحت کے ذریعہ سمجھایا کرے، اس سے باز نہ آئے تو تادیب ضربی کی بھی اجازت ہے، مگر اس طرح مارے کہ جس سے اس کے بدن پر زخم یا توڑ پھوڑ نہ ہوجائے، اس کو''البحرالرائق'' میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

وحق الزوج على الزوجة أن تطيعه في كل مباح يأمرها به. (البحرالرائق، زکریا ۳/ ۳۸۵)

اس کو''مغنی المحتاج''میں اس طرح کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

فالأولى له عدم العفو؛ لأن ضربه للتأديب مصلحة له، وضرب الزوج زوجته مصلحة لنفسه، والنشوز هو الخروج من المنزل بغير إذن الزوج، وقوله: وكمنعها أي الزوجة من الاستمتاع. (مغني المحتاج ٤/ ٤٢٧)

اس کو''الفقہ الاسلامی''میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

ولاية التأديب للزوج إذا لم تطعه فيما يلزم طاعته بأن نشزت أو خرجت بلا إذن أو تركت حقوق الله كالطهارة والصلاة، أو أغلقت الباب دونه أو خانته في نفسها أو ماله، ويبدأ بالترتيب بما يلي: الوعظ، والنصح بالرفق، واللين، وهو ذكر ما يقتضي رجوعها عما ارتكبته من الأمر والنهي برفق، ثم الهجر والاعتزال، وترك الجماع والمضاجعة، ثم الضرب غير المبرح ولا الشائن، وهو الضرب بالسواك ونحوه فقط، والدليل قوله تعالى: ﴿وَاللّٰاتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِىْ الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ [النساء: ٣٤] (الفقه الإسلامي وأدلته ٧/ ١١١-١١٢)

بیوی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ

سوال [۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ بیوی کو طلاق کا مطالبہ کرنے کا حق کب حاصل ہوتا ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کی طرف سے فسخ نکاح کے مطالبہ سے متعلق ''الحیلۃ الناجزۃ'' وغیرہ میں جو اسباب لکھے جاچکے ہیں وہ سب کے سامنے واضح ہیں، ان کے علاوہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی طرف سے جاری کئے گئے سوالات کے ذیل میں جو باتیں لکھی گئیں ہیں، گیارہ وجوہات سوال نامہ میں درج ہیں، ان گیارہ وجوہات کے علاوہ مزید وجوہات ہوسکتی ہیں، مگر بنیادی بات یہ ہے کہ جب شوہر بیوی کو اپنی زندگی کی رفیق حیات کے طور پر انسیت اور محبت کے ساتھ نہ رکھے اور بیوی کے لئے اس شوہر کے ماتحت میں رہ کر سکون کی زندگی نصیب نہ ہو بالآخر تنگ آکر طلاق کا مطالبہ کرلیتی ہے، تو اس کا مطالبہ جائز اور بجا ہے، ایسے حالات میں طلاق کی صورت میں بیوی کو اپنے تمام حقوق مل جانے چاہئے؛ لیکن عام طور پر ظالم شوہر سے بیوی کو اپنا حق وصول نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے خاندانی لوگوں پر ضروری ہے کہ شوہر سے اس کا حق اس کو کسی بھی طریقہ سے دلادینا چاہئے۔

اجرت رضاعت

سوال [۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا اجرت رضاعت شوہر پر لازم ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی ہے، تو عدت کے زمانہ میں اپنے بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت کی مستحق ماں نہیں بنے گی، اخلاقاً ودیانۃً دودھ

پلانا ماں کے ذمہ لازم ہے؛ البتہ عدت پوری ہوجانے کے بعد عورت شوہر کے لئے کلی طور پر اجنبیہ بن جاتی ہے؛ اس لئے دودھ پلانے کی اجرت عدت پوری ہونے کے بعد لینا عورت کے لئے جائز ہے، اس کو صاحب ہدایہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وإن استأجرها وهي زوجته أو معتدته لترضع ولدها لم تجز؛ لأن الإرضاع مستحق عليها ديانة ...... وإن انقضت عدتها فاستأجرها يعني لإرضاع ولدها جاز؛ لأن النكاح قد زال بالكلية وصارت كالأجنبية.

(الهداية ۲/ ٤٤٤-٤٤٥)

زمانۂ عدت کا نان ونفقہ

سوال [۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا شوہر پر زمانۂ عدت کا خرچ لازم ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی ہے اور بیوی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ بھی نہیں ہے اور نہ ہی معصیت اور نشوز بیوی کی طرف سے ثابت ہے، تو ایسی صورت میں طلاق کی عدت کا خرچ شوہر کے اوپر لازم ہے۔ اور اگر بیوی کی طرف سے نشوز ونافرمانی ثابت ہے اور معقول وجہ کے بغیر میکہ جاکر بیٹھ گئی ہے اور طلاق کا مطالبہ کرتی ہے، تو ایسی صورت میں عورت عدت کے خرچ کی مستحق نہیں ہوتی، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كانت الطلاق رجعيا أوبائنا أو ثلاثا حاملا كانت المرأة أو لم تكن الأصل أن الفرقة متى كانت من الزوج فلها النفقة، وإن كانت من جهة المرأة إن كانت بحق لها النفقة،

وإن كانت بمعصية لا نفقة لها، وإن كانت بمعنى من جهة غيرها فلها النفقة. (هندية قديم زكريا ١/ ٥٥٧، جديد مكتبه اتحاد ١/ ٦٠٥)

اوراسی طرح کی عبارت قدرے اختلاف کے ساتھ ”تاتارخانیہ ۵/ ۳۹۹، رقم: ۸۳۰۲، قاضی خاں علی ہامش الہندیہ قدیم ۱/ ۵۵۷“ میں موجود ہے۔

اوراس کو”البحرالرائق“ میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وتلزمه النفقة ما لم تنقض العدة وقوله: المعتدة إذا خرجت من بيت العدة تسقط نفقتها ما دامت على النشوز، فإن عادت إلى بيت الزوج كان لها النفقة والسكنى. (البحرالرائق، كراچی ٤/ ١٩٩)

متاع یا متعہ کا حکم

سوال [۱۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ متاع یا متعہ سے کیا مراد ہے؟ متاع یا متعہ کس مطلقہ کے لئے واجب ہوتا ہے؟ اورمتعۂ واجب کومتعین کرنے کا حق شوہر کو ہے یا میاں بیوی دونوں کو؟ اور کیا ہر قسم کی مطلقہ کے لئے متعہ دینے کا حکم ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: سوال کا جواب تحریرکرنے سے پہلے قرآن کی دو آیتوں کونقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) **لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ.** [البقرة: ٢٣٦]

(۲) **وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔** [البقرة: ٢٤١]

ان دونوں آیتوں میں متاع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، شاید سوال نامہ میں انہیں آیتوں کی مناسبت سے لفظ ''متاع'' استعمال کیا گیا ہے، مگر حضرات فقہاء عمومی طور پر لفظ متاع کے بجائے ''متعہ'' کا لفظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں، اس سے مراد حضرات فقہاء کے نزدیک عورت کے کچھ ضروری کپڑے وغیرہ ہیں، مثلاً درع، یعنی قمیص، خمار یعنی دوپٹہ، ملحفہ یعنی وہ کپڑا جو سر سے لے کر پیر تک ڈھانپنے کے لئے ہوتا ہے، جس کو برقع بھی کہا جاتا ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس پر بحث کرتے ہوئے اس بات کو واضح فرمایا ہے کہ عربوں میں عام طور پر ان تین کپڑوں کا استعمال زیادہ رہا ہے؛ لیکن عجم میں قمیص کے نیچے ازار یا شلوار کا پہننا بھی ضروری ہوتا ہے؛ اس لئے علامہ شامیؒ نے دو چیزوں کا اضافہ مزید فرمایا ہے:

(۱) ازار یا شلوار (۲) ملعب، کوئی پھول دار چادر۔ بہرحال متعہ سے عام طور پر یہی چیزیں مراد لی جاتی ہیں اور بعض فقہاء نے کچھ مزید توسع دے کر اس کے لئے الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ متعہ سے مراد مذکورہ اشیاء ہیں یا وہ مال ہے جو شوہر اپنی مطلقہ بیوی کو مہر کے علاوہ کچھ اضافہ کے طور پر دیتا ہے جس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

أما تفسير المتعة الواجبة فقد قال أصحابنا: إنها ثلاثة أثواب: درع، وخمار، وملحفة. (بدائع، زكريا ٢/ ٦٠٣، درمختار زكريا ٤/ ٢٤٤، كراچی ٣/ ١١٠)

اس عبارت کے نیچے شامی نے نقل فرمایا ہے کہ ان تین چیزوں پر دو چیزوں کا اضافہ مزید کیا جائے گا، جس میں ازار یا شلوار اور پھول دار چادر شامل ہے، ملاحظہ فرمائیے:

قال فخر الإسلام: في ديارهم، أما في ديارنا فيزاد على هذا إزار، ومكعب كذا في الدراية، ولا يكفى إغناء الملحفة عن الإزار إذ هي بهذا التفصيل إزار إلا أن يتعارف تغايرهما كما في مكة المشرفة.

(شامي، زكريا ٤/ ٢٤٤، كراچی ٣/ ١١٠)

اس کو ''الفقہ الإسلامي'' میں اس طرح کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:

المتعة المرادة هنا هي الكسوة أو المال الذي يعطيه الزوج للمطلقة زيادة على الصداق أو بدلا منه كما في المفوضة لتطييب نفسها. (الفقه الإسلامي وأدلته ٧/ ٣٠٦)

متعہ کی مستحق کونسی مطلقہ؟

متعہ کے پیش نظر مطلقہ عورتیں چار قسموں پر ہیں:

(۱) وہ مطلقہ عورت جس کے لئے بوقت نکاح مہر متعین کیا جا چکا ہو یا طلاق سے پہلے اس کا مہر متعین ہو چکا ہو اور اس کو شوہر نے قبل الدخول طلاق دے دی ہو، تو ایسی عورت کے لئے نصف مہر واجب ہو جاتا ہے اور اس کو نصف مہر کے علاوہ مزید اوپر سے متعہ کے نام سے کچھ دینا مستحب بھی نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس کو نصف مہر یوں ہی مل گیا ہے اور شوہر نے اس سے کسی قسم کا استفادہ نہیں کیا؛ اس لئے نصف مہر کے علاوہ مزید اوپر سے کچھ دینا مستحب بھی نہیں ہے۔

(۲) وہ مطلقہ عورت جس کے لئے مہر متعین نہیں کیا گیا ہے یا وہ مفوضہ عورت جس نے اپنے آپ کو شوہر کے لئے سونپ دیا ہے اور کوئی مہر متعین نہیں ہوا ہے اور شوہر نے اس کو قبل الدخول طلاق دے دی ہے، تو ایسی عورت کے لئے نہ مہر مثل لازم ہے اور نہ ہی مہر مثل کا نصف حصہ دینا لازم ہے؛ بلکہ اس کے لئے اوپر کی تفصیل کے مطابق متعہ دینا شوہر پر واجب ہے۔

(۳) وہ مطلقہ عورت ہے جس کے لئے مہر متعین کیا جا چکا ہو اور دخول یا خلوت صحیحہ کے بعد شوہر نے اس کو طلاق دے دی ہو، تو اس کو طلاق کے بعد طے شدہ مہر ادا کر دینے کے بعد مزید اوپر سے متعہ کے نام سے کچھ دینا مستحب اور افضل ہے۔

(۴) وہ مطلقہ عورت ہے جس کے لئے مہر متعین نہیں کیا گیا ہے اور شوہر نے اس کو دخول وہم بستری کے بعد طلاق دے دی ہے، تو ایسی عورت کو مہر مثل ادا کرنا واجب ہے اور مہر

مثل کی ادائے گی کے بعد متعہ کے عنوان سے مزید کچھ دینا بھی مستحب اور افضل ہے۔

اس تفصیل سے مطلقہ کی چاروں قسموں کا حکم واضح ہوگیا ہے کہ پہلی قسم کے لئے صرف نصف مہر لازم ہے اور متعہ دینا مستحب بھی نہیں ہے اور دوسری قسم کے لئے مہر کے نام سے کچھ بھی دینا واجب نہیں، مگر متعہ دینا واجب ہوتا ہے اور تیسری اور چوتھی قسم کی مطلقہ سے شوہر نے استفادہ اور استمتاع حاصل کیا ہے؛ اس لئے ان دونوں قسم کی عورتوں کا مہر ادا کرنا شوہر پر واجب ہے اور مزید اوپر سے متعہ کے طور پر کچھ دینا مستحب وافضل ہے، مگر لازم یا واجب نہیں ہے، اس کو حضرات فقہاء نے اپنے اپنے الفاظ میں کافی وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

''تاتارخانیہ'' میں اس کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

المطلقات أربع: مطلقة قبل الدخول والتسمية وهي التي تجب لها المتعة، ومطلقة بعد الدخول وقد سمى لها مهرا، ومطلقة بعد الدخول ولم يسم لها مهرا فيستحب لهما المتعة، ومطلقة قبل الدخول بعد التسمية وهي التي لا تستحب لها المتعة ولا تجب؛ لأنها تأخذ نصف المهر منه من غير أن يستوفى الزوج منها شيئا، فنزل ذلك منزلة المتعة فلا تستحب لها المتعة مع ذلك. (الفتاوى التاتارخانية ٤/ ٢٢٢، رقم: ٦٠٢٤)

ہندیہ اور شامی میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

فالمطلقات أربع: أي مطلقة قبل الوطء أو بعده سمى لها أولا، فالمطلقة قبله إن لم يسم لها فمتعتها واجبة وإن سمى فغير واجبة، ولا مستحبة أيضا على ما هنا، والمطلقة بعده متعتها مستحبة سمى لها أولا. الخ (شامي، زكريا ٤/ ٢٤٦، كراچی ٣/ ١١١، هندية زكريا قديم ١/ ٣٠٤، جديد ١/ ٢٧٠)

''محیط برہانی'' میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمایئے:

ثم المتعة واجبة للمطلقة قبل الدخول بها إذا لم يسم لها مهرا في

كل فرقة جاءت من قبل الزوج، وإذا جاءت من قبل المرأة فلا متعة فيها وإن لم يسم لها مهرا، وإنها مستحبة لكل مطلقة يريد بالمطلقة بعد الدخول بها إذا لم يكن في النظام تسمية أو كان فيه تسمية، والمطلقة قبل الدخول بها كان في النكاح تسمية. وفي القدوري: وكل فرقة جاءت من قبل المرأة فلا متعة فيها، وإن كان من قبل الزوج ففيها المتعة، وفيه أيضا، وكل فرقة من جهة الزوج بعد الدخول يستحب فيها المتعة إلا أن يرتد ويأبى الإسلام، وفيه أيضا ولو خيّر امرأته فاختارت فهي فرقة من جهة الزوج. (المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٤/ ١٥٥، رقم: ٣٩٠٣-٣٩٠٤)

متعہ کی ادائے گی میں شوہر کی حالت کا اعتبار کیا جائے یا عورت کی حالت کا؟ تو اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے قرآن کریم کی آیت ﴿عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ﴾ [البقرة: ٢٣٦] کے پیش نظر شوہر کی حالت کا اعتبار کیا ہے اور بعض علماء نے متعہ واجبہ کے پیش نظر عورت کی حالت کا اعتبار کیا ہے اور بعض علماء نے دونوں کی حالتوں کا اعتبار کرتے ہوئے دونوں کی معیار زندگی کے پیش نظر درمیانی راہ اختیار کرنے کی بات کی ہے، اس سلسلہ میں بدائع کی عبارت زیادہ واضح ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

وأما بيان من تعتبر المتعة بحاله، فقد اختلف العلماء فيه، قال بعضهم: قدر المتعة يعتبر بحال الرجل في يساره وإعساره، وهو قول أبي يوسف، وقال بعضهم: تعتبر بحال المرأة في يسارها وإعسارها، وقال بعضهم: تعتبر بحالهما جميعا، وقال بعضهم: المتعة الواجبة تعتبر بحالها والمتعة المستحبة تعتبر بحاله وجه قول من اعتبر حال الرجل قوله تعالى: ﴿وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ﴾ [البقرة: ٢٣٦]

جعل المتعة على قدر حال الرجل في يساره وإعساره. (بدائع الصنائع زكريا ٢/ ٦٠٤)

سوال نامہ میں یہ بات اٹھائی گئی ہے کہ بہت سے مسلم ممالک میں مطلقہ کو متعہ یا متاع کے نام سے دو یا تین سال کے نفقہ کی رقم لازمی طور پر دلائی جاتی ہے، تو اس کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ جن مسلم ممالک میں دو یا تین سال کا نفقہ دلایا جاتا ہے یہ شریعت کا حکم نہیں ہے، ان ممالک کی انتظامیہ کے لوگ اپنے نظام کے پیش نظر ایسا کیوں کرتے ہیں؟ وہ زیادہ بہتر جانتے ہوں گے، مگر یہ شریعت کا حکم نہیں ہوسکتا، اوراس کی وجہ سے ہندوستان جیسے ممالک میں شریعت کے خلاف خطرناک حکم جاری ہونے کا خطرہ ہے جیسا کہ شاہ بانو کیس میں ایسا ہی ہوا ہے، سپریم کورٹ نے عبداللہ یوسف کے انگریزی ترجمہ سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ حکم جاری کیا تھا کہ مطلقہ عورت کو شوہر کی جانب سے تا حیات یا تا نکاح ثانی نان ونفقہ دینا لازم ہے اورمزید اوپر سے قرآن کریم کی آیت کا غلط معنی پہنا کر حکم جاری کیا گیا ہے جو قطعاً غلط ہے؛ اس لئے جن مسلم ممالک میں اس طرح سے نفقہ دلایا جاتا ہے اس کا مذاکرہ بھی ہندوستان میں مناسب نہیں۔

❁❁❁

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ
اَللّٰہُ أَکْبَر کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَأَصِیْلاً. الحدیث
(المعجم الکبیر ۲/ ۱۳۵، برقم: ۱۵۷۰)

(مفتی) شبیراحمد قاسمی
خادم الحدیث والافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو-پی)
بروز جمعرات یکم محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

طلاق غضبان اور طلاق بدعی کا تحقیقی جائزہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْد!

فلسطینی مجلس افتاء کی طرف سے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے پاس طلاق غضبان اور طلاق بدعی سے متعلق تحقیق وتدقیق طلب کی گئی ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں ائمہ اربعہ اور جمہور کے مسلک سے عدول کر کے قول شاذ پر فتوی جاری کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اسلامک فقہ اکیڈمی نے جواب کے لئے ہمارے یہاں بھی عربی سوال نامہ بھیجا ہے، یہاں پر عربی سوال نامہ کا خلاصہ اور جواب پیش کیا جارہا ہے ملاحظہ ہو:

فلسطینی مجلس افتاء کی طرف سے دو مسئلوں کے متعلق اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا سے تحقیق طلب کی گئی ہے۔

پہلا مسئلہ: طلاق غضبان سے متعلق ہے، معمولی معمولی باتوں پر میاں بیوی کے درمیان لڑائی پیدا ہوتی ہے اور شوہر غلبۂ غضب میں آکر کے بیوی کو طلاق دے دیتا ہے اور طلاق بھی تین طلاق دے بیٹھتا ہے، اس کے بعد مفتیان کرام سے جواز کا فتوی طلب کرتا ہے اور اس طرح سے ہزار ہا ہزار گھرانے غصہ کی حالت میں طلاق دینے کے بعد پھر بیوی کو ساتھ میں رکھتے ہیں تو کیا اس مسئلہ میں اس بات کی گنجائش ہے کہ جن علماء کے نزدیک طلاق غضبان واقع نہیں ہوتی ہے، ان کے قول پر عمل کر کے عدم وقوع طلاق کا فتوی جاری کردیا جائے؟

دوسرا مسئلہ طلاق بدعی سے متعلق ہے: دوسرا مسئلہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ طلاق بدعی اگرچہ ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک واقع ہوجاتی ہے؛ لیکن بعض

علماء کے نزدیک واقع نہیں ہوتی، تو کیا جن علماء کے نزدیک واقع نہیں ہوتی ہے، ان کے قول پر عمل کر کے عدم وقوع طلاق کا فتوی جاری کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

مثال کے طور پر ہزاروں گھرانے ایسے ہیں جن میں شوہر نے بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدیں، اس کے بعد اپنے پاس رکھنے لگے، اسی طرح جس طہر میں بیوی سے ہم بستری ہوئی ہے اس میں شوہر نے بیوی کو تین طلاق دیدیں یا حالت حیض میں تین طلاق دیدیں ہیں اور پھر بیوی کو اپنے پاس رکھنے لگے یہ سب طلاق بدعی کے دائرہ میں داخل ہیں۔

اس طرح طلاق بدعی دے کر کے شوہر بیوی کو اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور ہزاروں خاندان اسی طرح کی زندگی گذارنے میں مبتلا ہیں، تو کیا جن علماء کے نزدیک طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی ہے، ان کے قول پر عمل کر کے فتوی اجاری کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: المجلس الاسلامی للافتاء بیت المقدس الداخل الفلسطین

۱۲/ شوال المکرّم ۱۴۳۶ھ

نوٹ: یہ سوال دارالافتاء مدرسہ شاہی میں ماہ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ میں آیا ہے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ایک ساتھ دو مسئلوں سے متعلق دریافت کیا گیا ہے۔

پہلا مسئلہ طلاق غضبان سے متعلق ہے اور دوسرا مسئلہ طلاق بدعی سے متعلق ہے کہ طلاق بدعی واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

اب دونوں مسئلوں سے متعلق روایات اور فقہی جزئیات کے ذریعہ سے جو بات ثابت ہوتی ہے، وہ کسی بھی تجربہ کار عالم اور مفتی سے مخفی نہیں ہے۔ اور دونوں مسئلوں میں ائمہ اربعہ اور جمہور کا اتفاق ہے اور صرف حافظ ابن قیم جوزیؒ جیسے چند حضرات کا اختلاف ہے اور ان کے اختلاف کو خارق اجماع بھی کہا جا سکتا ہے، اس تمہید کے بعد دونوں مسئلوں کو الگ الگ سرخیوں کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱: طلاق غضبان

حالت غضب میں طلاق دینے سے متعلق کچھ وضاحت کی ضرورت ہے، شوہر اپنی بیوی کوخوشی سے کبھی طلاق نہیں دیتا؛ بلکہ غیظ وغضب اور غصہ کی حالت ہی میں طلاق دیتا ہے، اور حضرات فقہاء نے غیظ وغضب اور غصہ کے تین درجات بیان کئے ہیں۔

درجہ نمبر ۱: غصہ کا پہلا درجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کا ہوش وحواس بدستور باقی رہتا ہے اور ہر چیز کو اپنی جگہ بدستور سمجھتا ہے، اس حالت میں طلاق دینے سے سب کے نزدیک طلاق واقع ہوجاتی ہے،اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

درجہ ۲: غصہ کا دوسرا درجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا غیظ وغضب اس کے اوپر غالب ہو جائے کہ وہ سب کچھ کھو بیٹھے، اس کی عقل ودانش بالکل جاتی رہے،اور اسکا حال مجنوں اور مغمیٰ علیہ کی طرح ہوجائے جس کو فقہاء نے مدہوش سے تعبیر کیا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں فقہاء نے طلاق مدہوش کے عنوان سے سرخیاں قائم کی ہیں، اس حالت کی طلاق باتفاقِ فقہاء واقع نہیں ہوتی،لیکن علامہ شامیؒ نے اس بارے میں یہ بات نقل فرمائی ہے کہ اگر عادل گواہوں نے اسکے سامنے شہادت دی ہے کہ تم نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے،اوران کی باتوں پر اسے یقین اور اعتماد ہو کہ انہوں نے صحیح کہا ہے تو ایسی صورت میں اسکی طلاق بھی واقع ہوجاتی ہے، اس حالت سے متعلق فقہاء کے دلائل کے ساتھ مستقل ایک سرخی کا عنوان آگے آرہا ہے۔

درجہ ۳: غصہ کا تیسرا درجہ وہ ہوتا ہے جو مذکورہ دونوں حالتوں کے درمیان درمیان ہوتا ہے، نہ تو ہوش حواس اعتدال کے ساتھ باقی رہتا ہے، اور نہ ہی مجنون اور مغمیٰ علیہ کی طرح بالکل بے خبر ہوتا ہے بلکہ غصہ اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ کچھ یاد ہے اور کچھ یاد نہیں، اور حالتِ اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے اور غلبۂ غضب کی وجہ سے کچھ کا کچھ بک دیتا ہے تو ایسی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں جمہور فقہاء کی رائے

یہ ہے کہ اسکی طلاق واقع ہوجائے گی یہی ائمہ اربعہ کا مسلک ہے، سوال نامہ میں اسی درجہ اوراسی حالت سے متعلق پوچھا گیا ہے کہ آج کل کے زمانہ میں اس طرح کے غلبۂ غضب میں اکثر و بیشتر طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

اب اس بارے میں غور کرنا ہے کہ ایسے حالات میں جو طلاق دی جاتی ہے وہ واقع ہوگی یانہیں؟ اگر اس حالت کی طلاق کومعتبر نہ مانا جائے تو دنیا میں طلاق کے جتنے واقعات پیش آتے ہیں ان میں سے کسی بھی واقعے میں وقوع طلاق کاحکم لگانا مشکل پڑ جائے گا۔

اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور نے اس حالت کی طلاق کومعتبر مانا ہے، اور فلسطین کی مجلس افتاء کی طرف سے اسی حالت سے متعلق دریافت کیا گیا ہے کہ اس حالت میں طلاق دینے کی صورت میں بعض علماء نے طلاق کے عدم وقوع کی بات کہی ہے، جیسا کہ علامہ ابن قیم جوزیؒ کا رجحان ہے، تو اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے یانہیں؟ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر حافظ ابن قیم جوزیؒ کی رائے کو اختیار کیا جائے تو ہزاروں لاکھوں مسلمان طلاق دے کر حرام کاری میں مبتلا رہیں گے اور مفتی کے سامنے یہی بات پیش کریں گے کہ غلبۂ غضب کی وجہ سے بے خبری میں طلاق دی گئی ہے، اس لئے اس مسئلے میں جمہور کی رائے سے ہٹ کر ابن قیم کی رائے کو اختیار کرنا ہمارے نزدیک خطرے سے خالی نہیں ہے، اس لئے اس حالت کی طلاق کو ہم معتبر سمجھتے ہیں، اور جن لوگوں نے عدم وقوع طلاق کی بات کہی ہے، اس سے ہم کو اتفاق نہیں ہے۔

اب جزئیات ملاحظہ فرمائیں:

اس سلسلے میں کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ کی عبارت بہت واضح ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(۱) وأما طلاق الغضبان فاعلم أن بعض العلماء قد قسم الغضب إلی ثلاثة أقسام:

الأول: أن يكون الغضب فی أول أمره فلايغير عقل الغضبان بحيث يقصد ما يقوله ويعلمه، ولا ريب في أن الغضبان بهذالمعنى يقع طلاقه وتنفذ عبارته باتفاق.

الثاني: أن يكون الغضب في نهايته بحيث يغير عقل صاحبه ويجعله كالمجنون الذي لايقصد مايقول ولايعلمه، ولاريب في أن الغضبان بهذالمعنى لايقع طلاقه لأنه هو والمجنون سواء.

الثالث: أن يكون الغضب وسطابين الحالتين بأن يشتد ويخرج عن عادته؛ ولكنه لايكون كالمجنون الذي لايقصد مايقول ولايعلمه، والجمهور على أن القسم الثالث يقع به الطلاق. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، ٤/ ٢٩٤)

(۲) اس کو فتح الباری میں بہت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اگر اس حالت میں طلاق دینے سے عدم وقوع کی بات کہی جائے تو ہر شخص یہی کہے گا کہ میں نے غلبۂ غضب میں طلاق دی ہے، لہٰذا طلاق واقع نہ ہو، اور اس کی وجہ سے امت میں ایک بڑا فتنہ برپا ہوسکتا ہے، اور لوگ طلاق دے کر حرام کاری میں مبتلا ہوجائیں گے۔

فتح الباری کتاب الطلاق باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ والسکر ان، بخاری کے ترجمۃ الباب کے تحت میں تشریح کرتے ہوئے فتح الباری کی عبارت ہے، ملاحظہ فرمائیے:

قال إن طلاق الناس غالبا إنما هو في حال الغضب، وقال ابن المرابط الإغلاق حرج النفس، وليس كل من وقع له فارق عقله، ولوجاز عدم وقوع طلاق الغضبان، لكان لكل أحد أن يقول في ماجناه، كنت غضبانا، وأراد بذلك الرد على من ذهب إلى أن الطلاق في الغضب لايقع

(فتح الباری، مطبع قاهره ٩/ ٣٠١، ومكتبة اشرفية ٩/ ٤٨٧)

(۳) علامہ شامیؒ نے ابن قیمؒ کے قول کو نقل کرنے کے بعد غایۃ کے حوالہ سے اس کی مخالفت کی عبارت نقل فرما کر ابن قیمؒ کے قول پر رد فرمایا ہے، شامی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

قلت: وللحافظ ابن القيم الحنبلي رسالة في طلاق الغضبان قال فيها: إنه على ثلاثة أقسام:

أحدها: أن يحصل له مبادی الغضب بحيث لايتغير عقله يعلم ما يقول ويقصده، وهذالاإشكال فيه.

الثاني: أن يبلغ النهاية فلا يعلم مايقول ولايريده فهذا لاريب أنه لاينفذ شيئ من أقواله. الثالث من توسط بين المرتبتين بحيث لم يصر كالمجنون فهذا محل النظر، والأدلة تدل على عدم نفوذ أقواله ملخصا من شرح الغاية الحنبلية، لكن أشارفی الغاية إلى مخالفته في الثالث: حيث قال: ويقع طلاق من غضب خلافا لابن القيم وهذا الموافق عندنا لمامر فی المدهوش. (شامی زکریا ٤/٤٥٢ وکراچی ٣/٢٤٤، الموسوعة الفقهية ٢٩/١٨)

طلاق مدہوش

مدہوشی کی حالت اسی کوکہا جا تا ہے، کہ جس حالت میں آدمی ہوش وہواس سے بالکل محروم ہو جاتا ہے، جیسے مجنون اور مغمی علیہ کا حال ہوتا ہے، وہی مدہوش شخص کا حال ہوتا ہے، اس حالت میں زبان سے طلاق نکلے اس کوکسی قسم کی طلاق دینے کی خبرنہیں ہوتی ہے کہ اس کی زبان سے کیا نکلا ہے، اوراس نے کیا کہا ہے، تو ایسے مدہوش شخص کی طلاق کے بارے میں جمہورعلماء کی رائے یہ ہے کہ مغمی علیہ اور مجنون اور نائم کی طرح اس کا حکم ہوگا، اوراس حالت میں اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

الفقہ الاسلامی کی عبارت بہت واضح ہے، ملاحظہ فرمایئے:

(۴) لايصح طلاق المجنون، ومثله المغمى عليه والمدهوش: وهوالذی اعترته حال انفعال لايدری فيها مايقول أو يفعل أويصل به الانفعال إلى درجة يغلب معها الخلل فی أقواله وأفعاله بسبب فرط الخوف أوالحزن أوالغضب. (الفقه الاسلامی وأدلته، ٧/٣٥١)

(۵) صاحب بدائع کی عبارت اس بارے میں بہت ہی مختصر ہے لیکن واضح ہے، ملاحظہ فرمایئے:

ومنها أن لايكون معتوها ولامدهوشا ولامبرسما ولامغمى عليه ولا نائمًا فلايقع طلاق هؤلاء . (بدائع الصنائع زكريا ديو بند،۳/۱۵۹)

اس کو علامہ شامی نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے،

(٦) وسئل نظما فيمن طلق زوجته ثلاثا في مجلس القاضي، وهو مغتاظ مدهوش فأجاب نظما أيضا بأن الدهش من أقسام الجنون فلايقع،

(شامی زكريا ديو بند،٤/٤٥٢، و كراچی ٣/٢٤٤)

بحر الرائق میں اس کو ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔

(٧) ولايقع طلاق الصبى والمجنون وأراد بالمجنون من فى عقله اختلال فيد خل فيه المدهوش . (البحر الرائق، زكريا ۳/۴۵۳)

لیکن علامہ شامی نے تفصیلی بحث کرتے ہوئے والواصبہ کے حوالے سے یہ بات بھی نقل فرمائی ہے کہ حالت مدہوشی میں اگر بیوی کو طلاق دے دی ہے اور اسے کچھ بھی یاد نہیں ہے، پھر ایسے دو گواہوں نے اس کے سامنے شہادت دی ہے جو عادل ہیں اور ان کی باتوں پر اس کو اعتماد ہے، تو ایسی صورت میں، ان کی باتوں پر اعتماد کر کے وقوع طلاق کو تسلیم کر لینا اس کے لیے جائز ہوگا، یعنی یہ ایک احتیاط کا پہلو ہے، کہ اس حالت کی طلاق کو دوسروں کی شہادت کے ساتھ تسلیم کر لیا جائے، اور بیوی کو اپنے سے الگ کر دیا جائے، اگر فلسطین کی مجلس افتاء کو اس حالت سے متعلق رائے معلوم کرنی ہے، کہ اس حالت میں عدم وقوع طلاق کی بات کی جائے تو اس سے اتفاق کرنا مناسب ہے۔

علامہ شامی کی عبارت ملاحظہ فرمائے:

(٨) لو طلّق فشهد عنده اثنان أنک استثنيت وهو غيرذا كرٍ إن كان بحيث إذاغضب لايدرى ما يقول وسعه الأخذ بشهادتها وإلالا. فإن

مقتضاه أنه إذا كان لايدري مايقول يقع طلاقه وإلا فلا حاجة إلى الأخذ بقولهما إنك استثنيت (وقوله) ثم رأيت مايؤيد ذلك الجواب وهو أنه قال في الولوالجية: إن كان بحال لوغضب يجري على لسانه مالا يحفظه بعده جاز له الاعتماد على قول الشاهدين، فقوله لايحفظه بعده صريح فيما قلنا. (شامي زكريا ٤/٤٥٣، كراچي ٣/٢٤٤)

فتاوی والوالجیہ کی عبارت اس بارے میں بہت واضح ہے کہ مدہوش کی طلاق اس وقت معتبر ہو جاتی ہے کہ اس کے سامنے قابل اعتماد دو آدمی آکر شہادت دیدیں اور اس کو ان کی شہادت پر اعتماد ہے تو اس کا اعتبار کرکے اس پر عمل کرنا اس کے لئے مناسب ہے۔

عبارت ملاحظہ فرمائے:

(۹) رجل طلق امرأته فشهد عنده شاهدان: أنك استثنيت موصولا، وهو لايذكر: إن كان هذا الرجل بحال لوغضب يجرى على لسانه مالا يحفظ بعده جاز له الاعتماد على قول الشاهدين، لأن الظاهر يقرر قول الشاهدين، وإن لم يكن بحال إذا غضب يجرى على لسانه مالا يحفظ لايجوز له الاعتماد لأنه يخالف الظاهر. (الفتاویٰ الولوالجية، مكتبه دارالايمان سهارنفور ٢/٥٥، الفصل الثالث فى الاستثناء وغيره الى آخره)

ان دلائل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر مدہوش شخص کو معتبر دو گواہوں نے آکر نہیں بتلایا ہے تو وہ اس طلاق پر عمل کرنے کا مکلّف نہیں ہے، اور اگر شہادت مل گئی ہے تو اس پر عمل کرنا مناسب ہے۔

طلاق غضبان سے متعلق حدیث شریف

طلاق غضبان سے متعلق حضرت عائشہؓ کی حدیث نقل کی جاتی ہے جو حضرت صفیہ بنت شیبۃ بن عثمان بن طلحہؓ صاحب کلید الکعبۃ حضرت عائشہؓ سے یہ روایت نقل کرتی ہیں،

اورصفیہ بنت شیبۃ سے نقل کرنے والے روات پانچ ہیں، (۱) محمد بن عثمان (۲) زکریا بن ابی زائدہ (۳) عبیدہ بن سفیان (۴) عبید بن أبی صالح (۵) محمد بن عبید بن أبی صالح، امام احمد بن حنبل نے مسند احمد ٦/ ۲۷٦، حدیث: ۲٦۸۹۲، میں محمد بن عبید بن أبی صالح مکی سے نقل فرمائی ہے، اور امام أبوداؤد نے بھی محمد بن عبید بن أبی صالح سے نقل فرمائی ہے، اور امام دار قطنی نے دو روایتیں نقل فرمائی ہیں۔

(۱) محمد بن عبید بن أبی صالح کی روایت ہے، جیسا کہ اوپر کے محدثین نے نقل فرمائی ہے، اور محمد بن عبید بن أبی صالح کو سب نے متکلم فیہ ثابت کر کے ضعیف قرار دیا ہے، لہٰذا مسند احمد سنن أبی داؤد، اور دار قطنی کی یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف اور کمزور ثابت ہوتی ہے، اور دار قطنی کی دوسری روایت میں صفیہ بنت شیبہ کے شاگرد زکریا بن زائدہ اور محمد بن عثمان ہیں، یہ دونوں ثقہ ہیں، لیکن ان دونوں کے شاگرد قزعۃ بن سوید ہیں، اور قزعۃ بن سوید کو بھی ضعیف اور کمزور قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے دار قطنی کی یہ روایت بھی کمزور ثابت ہوگی اور مصنف ابن شیبۃ ۹/ ۵۷۳، حدیث ۱۸۳۴۲، اور ابن ماجہ نسخہ ہندیہ ص ۱۴۷، اور نسخہ مرقم ۲۰۴٦، میں باب طلاق المکرّہ کے ذیل میں صفیہ سے روایت نقل کرنے والے عبید بن صالح کو قرار دیا ہے، عبید کے بیٹے محمد کا ذکر ہی نہیں ہے، بہر حال اس روایت کو اگر کمزور بھی قرار دیا جائے تو کثرت طرق کی وجہ سے ضعف اور کمزوری دور ہو کر کسی حد تک قوت آ گئی ہے۔

اور امام أبویعلی الموصلی نے صحیح سند کے ساتھ اس روایت کو نقل فرمایا ہے، ان کی روایت میں صفیہ بنت شیبہ کے شاگرد عبیدہ بن سفیان ہیں، جو ثقہ راوی ہیں اور ان کی سند میں نہ قزعۃ بن سوید آیا ہے، اور نہ ہی محمد بن عبید بن أبی صالح آیا ہے، لہٰذا حدیث کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حدیث شریف صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔

اب اس تفصیل کے بعد حدیث شریف کا متن ملاحظہ فرمایئے:

(۹) عن عائشةؓ قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاطلاق

ولاعتاق في إغلاق (مسند أبو يعلى الموصلى ٤/٧٣، رقم ٤٤٢٧، مصنف لابن أبى شيبه ٩/٥٧٣، رقم ١٨٣٤٢، مسند امام احمد بن حنبل ٦/٢٧٦، رقم ٢٦٨٩٢، أبوداؤدشريف نسخۂ هنديه ١/٢٩٨، رقم٢١٩٣، ابن ماجه نسخۂ هنديه ص ١٤٧، رقم ٢٠٤٦، دارقطنى ٤/٢٤، رقم ٣٩٤٣، ٣٩٤٤)

دوسری بات حدیث شریف کے متن پر غور کرنا ہے متن میں اغلاق کالفظ آیا ہے، اس کے معنی کیا ہیں؟ اس کے معنی کی تعیین میں سخت اختلاف ہوا ہے، بعض لوگوں نے اس کا معنی اکراہ کا کیا ہے، اور امام بخاری نے بھی اپنے ترجمۃ الباب میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے بھی طلاق مکرہ کے ذیل میں ذکر کیا ہے، اور صاحب بذل نے قیل کے لفظ سے اغلاق کے معنی غضب کے لئے ہیں، بذل المجہود قدیم نسخہ ہندیہ ٣/٢٧٦، اور صاحب اعلاء السنن نے **قال شیخنا** کہہ کر کے یہ عبارت نقل کی ہے، ملاحظہ فرمائے:

(١٠) والصواب أنه يعُمّ الإكراه والغضب والجنون وكل أمر انغلق على صاحبه عِلمُه وقصده، مأخوذ من غلق الباب، وإذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال. (اعلاء السنن كراچي ١١/١٨٦، ١٨٧، بيروتى ١١/٢٠٨)

اور اعلاء السنن کی پوری عبارت یہ ہے:

والمراد الغضب الذي يحصل به الدهش وزوال العقل فإن قليل الغضب لايخلو الطلاق عنه إلانادرًا. وقد قلنا بعدم وقوع الطلاق في مثل هذا الغضب قال الزيلعى: قال فى التنقيح: وقد فسره أحمد أيضًا بالغضب. قال شيخنا : والصواب أنه يعُمّ الإكراه والغضب والجنون وكل أمرٍ انغلق على صاحبه عِلمُه وقصده، مأخوذ من غلق الباب، وإذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال (اعلاء السنن دارالكتب العلمية بيروت ١١/٢٠٨)

اگر اس کو اکراہ کے معنی میں نہ لے کر غضب کے معنی میں لیا جائے تو غضب کے تینوں درجات میں سے وہ درجہ مراد ہوگا، جس میں آدمی حالت غضب کی وجہ سے مغمی علیہ اور مجنون

کی طرح بےخبر ہوجاتا ہے، جس کو مدہوش سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس تفصیل کے بعد حدیث شریف کے متن کو غضب کے معنٰی میں لینے کی صورت میں طلاق مدہوش ہونا متعین ہو چکا ہے، اور مدہوش کی طلاق باتفاق علماء واقع نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا حدیث شریف سے استدلال کرکے درجۂ دہشت اور مدہوشی سے ہلکے درجے کے غضب کی طلاق مرادنہیں لی جاسکتی، اور مدہوش اور مغمی علیہ کی طلاق جمہور کے نزدیک واقع نہیں ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر۲: طلاق بدعی

دوسرا مسئلہ طلاق بدعی سے متعلق اٹھایا گیا ہے، کہ طلاق بدعی جمہور کے نزدیک واقع ہو جاتی ہے، بعض اقوال شاذہ میں طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی ہے، تو کیا آج کے زمانے میں کثرت طلاق کی وجہ سے قول شاذ پر عمل کیا جاسکتا ہے یانہیں؟ جیسے ابن قیم جوزی وغیرہ کا قول ہے، اس سلسلے میں مختصر وضاحت ذیل میں پیش کی جارہی ہے کہ طلاق بدعی کی دوقسمیں ہیں:

طلاق بدعی بالزمان یعنی زمانہ اور وقت کی وجہ سے اس میں کراہت آتی ہے۔

(١) وأما البدعي فنوعان: بدعي بمعنى يعود إلى العدد، وبدعي بمعنى يعود إلى الوقت؛ فالذي يعود إلى العدد أن يطلقها ثلاثا في طهر واحد بكلمة واحدة أوبكلمات متفرقة. وفي الخزانة: أوطلقها أكثر من ثلاث، أويجمع بين التطليقتين في طهر واحد بكلمة أو بكلمتين متفرقتين. وفي الفتاوى الخلاصة: سواء كانت المرأة مدخولة أوغير مدخولة، أومن تحيض أولاتحيض، وفي الهداية: فإذافعل ذلک وقع الطلاق وكان عاصيا. (الفتاوى التاتار خانية زكريا كتاب الطلاق، الفصل الأول في بيان أنواع الطلاق ٤/ ٣٨٠، رقم ٦٤٧٦، الهندية زكريا، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره وركنه الخ، قديم ١/ ٣٤٩، جديد١/ ٤١٦، بدائع الصنائع زكريا، كتاب الطلاق، فصل في طلاق البدعة ٣/ ١٤٩)

اب اس کے بعد طلاق بدعی کی دونوں قسموں سے متعلق الگ الگ عنوان قائم کر کے وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

(۱) طلاق بدعی بالعدد:

طلاق بدعی بالعدد کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک جملہ میں تین طلاقیں دیدی جائیں، یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدی جائیں، اس طرح بیک وقت تین طلاقیں واقع کردینا سارے علماء کے نزدیک امر قبیح ہے، اس کی وجہ سے شوہر گنہگار ہو جائے گا، مگر ائمہ اربعہ اور جمہور امت کے نزدیک اس طرح سے ایک مجلس کی تین طلاقیں، یا ایک جملہ کی تین طلاقیں بلاشبہ واقع ہو جاتی ہیں، مگر غلط طریقہ اختیار کرنے کی وجہ سے شوہر گنہگار ہوگا۔

اور ابن حزم ظاہری ابن تیمیہ اور ابن قیم جوزی نے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق تسلیم کیا ہے، اور ان لوگوں کے اقوال انتہائی شاذ اور خارق اجماع ہیں، اب فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمائیے: صاحب ہدایہ نے اس کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

(۲) وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثا بكلمةٍ واحدةٍ، أو ثلاثا في طهرٍ واحدٍ، فإذا فعل ذلک وقع الطلاق، وكان عاصيا. (الهداية مكتبه اشرفيه ديوبند، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة ٢/٣٥٥)

اس کو علامہ شامی نے مزید واضح الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(۳) والبدعي ثلاث متفرقة أوثنتان بمرةٍ أومرتين في طهرٍ واحد لارجعة فيه أو واحدة في طهر وطئت فيه أوواحدة في حيض موطوءة ......وتجب رجعتها أي الموطوءة المطلقة في الحيض، قوله على الأصح مقابله قول القدورى أنهامستحبة لأن المعصية وقعت، فتعذر ارتفاعها.

(شامي زكريا، كتاب الطلاق، مطلب طلاق الدرر ٤/٤٣٤-٤٣٥، كراچي ٣/٢٣٢-٢٣٣)

(۴) صاحب بحر نے اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(وثلاثا في طهر أو بكلمة بدعي) أي تطليقها ثلاثا متفرقة في طهر واحد أو ثلاثا بكلمةٍ واحدةٍ بدعي، أي منسوب إلى البدعة والمراد بها هنا المحرمة، لأنهم صَرّحُوا بعصيانه، ومراده بهذا القسم ماليس حسناً ولاأحسن، ولذا قال في فتح القدير: طلاق البدعة ما خالف قِسمَيِ السنة، فدخل في كلامه ما لو طلق ثنتين بكلمة واحدة أو متفرقا أو واحدة في طهر، قدجامعها فيه أوفي حيض قبله. (البحرالرائق زكريا، كتاب الطلاق ۴۱۷/۳-۴۱۸)

اس سلسلہ میں علامہ عینیؒ کی عبارت بہت مختصر ہے، مگر بہت زیادہ واضح ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(۵) ومن طلق امرأته ثلاثاوقعن لكنه يأثم وقالوا من خالف فيه فهو شاذ مخالف لأهل السنة وإنما تعلق به أهل البدعة ومن لايلتفت إليه لشذوذه عن الجماعة الخ. (عمدة القارى، مطبع ۲۳۳/۲)

(۲) طلاق بدعی بالزمان

طلاق دینے میں شریعت نے زمانہ کی بھی رعایت کی ہے کہ شریعت کے نزدیک طلاق انتہائی مبغوض اور بری چیز ہے، انتہائی ضرورت میں طلاق دینے کی اجازت دی گئی ہے، لہٰذا جب میاں بیوی کے درمیاں نبھاؤ کی کوئی شکل نہ ہوتو شوہر کے لیے طلاق دیدینا جائز ہے، لیکن اس میں زمانہ اور وقت کی رعایت کرنا بھی شوہر کے ذمہ ضروری ہے، اور زمانہ کی رعایت کیے بغیر طلاق دے دینے سے شوہر گنہگار ہوگا، لہٰذا ایسے زمانہ اور وقت میں طلاق دینا چاہئے جس میں بیوی حالت حیض یا نفاس میں نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ حالت حیض اور نفاس کا زمانہ بیوی کے ساتھ اختلاط میں تنفر کا زمانہ ہے، جنسی ضرورت پوری کرنے کا زمانہ نہیں ہے، اس حالت میں طلاق دینے کی صورت میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ نفرت کی وجہ سے طلاق دی ہے، ضرورت کی وجہ سے نہیں، اسی طرح اس طہر میں بھی طلاق دینے کی

ممانعت ہے جس طہر میں ہمبستری ہوئی ہو،اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بیوی کے ساتھ ہمبستری ہوچکی ہےتو جنسی ضرورت پوری ہوچکی ہے،اب اس حالت میں طلاق دینے کی وجہ سے یہ بات سامنےآسکتی ہے کہ ضرورت پوری ہوگئی اور کام پورا ہوگیا تو طلاق دے کر ایک طرف کردیا،اور بلا ضرورت طلاق دی گئی ہے،اس لئے ان دونوں حالتوں میں طلاق دینے کو طلاق بدعی کہا گیا ہے،اس کی وجہ سے شوہر گنہگار ہوجائے گا اور ایسی حالت میں طلاق دینے سے شوہر گنہگار نہیں ہوتا ہے،جس میں عورت حالت حیض میں نہ ہو،اوراسی طرح ایسے طہر میں طلاق دیدے جس میں بیوی کے ساتھ ہمبستری نہیں ہوئی ہے،ان حالات میں طلاق دینا انتہائی ضرورت اورآپس میں نبھاؤ نہ ہونے کی وجہ سے ہی ہوتا ہے،اس لیے جب بھی طلاق دینے کی ضرورت پڑےتو ایسے طہر میں دینے کی گنجائش ہوتی ہے،جس میں ہمبستری نہ کی گئی ہو، لہٰذا جس طہر میں ہمبستری ہوئی ہے،اس میں طلاق دیدے یا حالت حیض میں طلاق دیدے، ان دونوں صورتوں میں شوہر گنہگار ہوگا،مگر طلاق بھی واقع ہو جائے گی، اسی پر ائمۂ اربعہ اورجمہورامت کا اتفاق ہے،اوراس کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ ہے کہ جب انہوں نے حالت حیض میں بیوی کوطلاق دی ہےتو حضورؐ نے غصّہ کا اظہار فرمایا،اور رجعت کا حکم فرمایا، اور رجعت اسی وقت ہوسکتی ہے کہ جب طلاق واقع ہو جائے،اوراگر طلاق ہی واقع نہ ہو تو رجعت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی ہے،اور یہاں حضورؐ نے رجعت کا حکم فرمایا ہے،کیوں کہ اگر واقع نہ ہوئی ہوتی تو حضورؐ رجعت کے بغیر یوں ہی رکھنے کا حکم فرماتے،اور ایسا ہے نہیں۔

اب روایات اورفقہی جزئیات ملاحظہ فرمائیے: حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

(۲) طلق ابن عمر امرأته وهی حائض، فذكر عمر للنبی ﷺ فقال: ليراجعها، قلت تحتسب؟ ...... **قال: أريت إن عجزو استحمق الحديث**

(صحيح البخاری، كتاب الطلاق باب إذا طلقت الحائض الخ ۲/ ۷۹۰، رقم: ۵۰۵۶، ف ۵۲۵۲، والصحيح لمسلم ۱/۴۷۶، رقم: ۱۴۷۱، وجامع

الترمذي، باب ما جاء في طلاق السنة ۱/ ۲۲۲، رقم:۱۱۷٦، أبوداؤد، كتاب الطلاق، باب في طلاق السنة ۱/۲۹٦، رقم:۲۱۸٤)

اس حدیث میں رجعت کا حکم ہے، اور اگر طلاق واقع نہ ہوتی تو رجعت کا حکم نہ فرماتے، بلکہ یوں ہی رکھنے کا حکم فرماتے یا ''لاحرج ''فرماتے، اور ایسا ہے نہیں، اس لیے ایک طلاق واقع ہوچکی ہے دوسری روایت میں ہے:

(۷) **فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مُرُه فليراجعها ثم ليمسكها حتى تطهر، ثم تحيض، ثم تطهر، ثم إن شاء أمسك بعد وإن شاء طلق قبل أن يمسّ الحديث.** (صحيح البخارى كتاب الطلاق ۲/ ۷۹۰، رقم ۵۰۵۵ ف ۵۲۵۱، والصحيح لمسلم، كتاب الطلاق ۱/ ٤۷٦،رقم ۱٤۷۱، وجامع الترمذي أبواب الطلاق، باب ماجاء في طلاق السنة ۱/ ۲۲۲ رقم ۱۱۷٦، وأبو داؤد كتاب الطلاق، باب في طلاق السنة ۱/ ۲۹٦، رقم ۲۱۷۹)

علامہ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیم جوزیؒ نے عدم وقوع کی بات کہی ہے کہ اس حالت میں کوئی طلاق نہیں ہوتی ہے، فتاوی ابن تیمیہ ۳۳/۷۲، زاد امعاد ۵/ ۲۱۹-۲۲۳-۲۲۴) فقہاء کے جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

اس کو البحر الرائق میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(۸) **وصحَّ طلاقهن بعد الوطء، وطلاق الموطوءة حائضا بدعي، فيراجعها وتحته في البحر فيراجعها أي وجوبا في الحيض للتخلّص من المعصية بالقدر الممكن، لأن رفعه بعد وقوعه غير ممكن، ورفع أثره وهو العدة بالمراجعة ممكن، ......والأصح وجوبها لما قلنا، وعملا بحقيقة الأمر في قوله عليه السلام''مُرُ ابنک فليراجعها.** (البحر الرائق زكريا كتاب الطلاق ۳/٤۱۹-٤۲۱-٤۲۲، كوئٹه ۳/ ۲٤۱-۲٤۲)

اور اس کو تبیین الحقائق میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(۹) وطلاق الموطوء ة حائضا بدعيٌّ لماذكرنا، وقال أهل الظاهرلايقع لأنه منهي عنه فلا يكون مشروعا، ولنا قوله عليه الصلاوالسلام لعمر مر ابنك فليراجعها، وكان طلاقها في حالة الحيض والمراجعة بدون وقوع الطلاق محال. (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق زكريا ۳/ ۳۰، وقديم ۲/ ۱۹۳)

اس کو ہدایہ میں بہت واضح الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

(۱۰) وإذاطلق الرجل امرأته في حالة الحيض وقع الطلاق، لأن النهي عنه لمعنىً في غيره، وهو ماذكرنا، فلاينعدم مشروعيته، ويستحب له أن يراجعها لقوله عليه السلام لعمر مر ابنك فليراجعها، وقد طلقها في حالة الحيض، وهذا يفيد الوقوع، والحثّ على الرجعة، ثم الاستحباب قول بعض المشايخ، والأصح أنه واجب عملا بحقيقة الأمر، ورفعا للمعصية بالقدر الممكن برفع أثره. (الهداية المكتبه الاشرفية ديوبند ۲/ ۳۵۷)

اس کو ہندیہ میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

(۱۱) وأما البدعيُّ فنوعان: بدعيٌّ لمعنًى يعود إلي العدد، وبدعي لمعنى يعود إلى الوقت، فالذي يعود إلى العدد أن يطلقها ثلاثا في طهر واحد بكلمة واحدة، أوبكلمات متفرقة، أويجمع بين التطليقتين في طهر واحد بكلمة واحدة أو بكلمتين متفرقتين، فإذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصيا، والبدعي من حيث الوقت أن يطلق المدخول بها، وهي من ذوات الأقراء في حالة الحيض، أوطهر جامعها فيه، وكان الطلاق واقعاً، ويستحب له أن يراجعها، والأصح أن الرجعة واجبة هكذا في الكافي (الهندية زكريا كتاب الطلاق، الباب الأول فی تفسيره الخ، قديم ۱/ ۳۴۹، وجديد ۱/ ۴۱۶)

(۱۲) اس مسئلہ میں الفقہ الاسلامي کی عبارت زیادہ واضح ہے، ملاحظہ فرمایئے:

يقع الطلاق با تفاق المذاهب الأربعةفي حال الحيض أوفي حال الطهر الذي جامع الرجل امرأته فيه، لأن النبي صلى الله عليه وسلم أمرابن عمر بمراجعة امرأته التي طلقها، وهي حائض والمراجعة لاتكون إلابعد وقوع الطلاق...... وقال الشيعة الإمامية والظاهريه وابن تيمية وابن القيم يحرم الطلاق في أثناء الحيض أو النفاس أو فى طهر وطئ الرجل زوجته فيه ولاينفذ هذا الطلاق البدعى. (الفقة الاسلامى وأدلة ۷/۳۸۷- ۳۸۸)

اس پوری تفصیل سے واضح ہوا کہ ائمۂ اربعہ اور جمہور امت کے نزدیک طلاق بدعی سے اگرچہ شوہر گنہگار ہوجاتا ہے، مگر طلاق لازمی طور پر واقع ہوجاتی ہے، خارق اجماع اقوال شاذّہ کی وجہ سے مذاہب ائمہ اربعہ اور قول جمہور کوترک کردینا جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَداً ☆ عَلٰى حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اَللهُ أَكْبَر كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً. الحديث

(المعجم الكبير ۲/ ۱۳۵، برقم: ۱۵۷۰)

(مفتی) شبیر احمد قاسمی

خادم الحدیث والافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو-پی)

۲۸/محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

(۱۸) باب الشهادة في الطلاق

کیا وقوع طلاق کے لئے گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟

سوال [۶۷۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کوتین طلاق دیں، طلاق دیتے وقت شوہر بیوی کے علاوہ دوسرا کوئی موجود نہیں تھا اور شوہر اور بیوی دونوں اقرار کرتے ہیں کہ طلاق ہوئی؛ لیکن کوئی دوسرا گواہ موجود نہیں، تقریباً عورت کو مطلقہ ہوئے سات سال ہو گئے ہیں، اب مسئلہ ذیل کے مطابق بتایئے کہ شریعت کی روشنی میں وہ عورت مطلقہ ہوئی یا نہیں، یہ مسئلہ ایک مولوی صاحب سے معلوم کیا گیا کہ اس مسئلہ کے اعتبار سے عورت دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؛ تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ پہلے گواہ پیش کرو کہ کس کے سامنے طلاق دی ہے، مولوی صاحب کا فرمان صحیح ہے یا نہیں؟ اب عورت شوہر ثانی سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ وضاحت سے اس مسئلہ کا جواب مدلل شریعت کی روشنی میں دیجئے عین کرم ہوگا۔

المستفتی: وحید الیہ عرف خورشید احمد اغوانپور محلّہ تتار پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر شوہر نے خود طلاق کا اقرار کرلیا ہے تو بلا شہادت کے تینوں طلاق واقع ہوگئیں اور عورت مطلقہ ہوگئی۔

لو أقرّ بالطلاق كاذباً أو هازلاً وقع قضاءً. (شامی الطلاق، قبیل مطلب فی المسائل التی وقع مع الإكراه، کراچی ۳/۲۳۶، زکریا دیوبند ٤/٤٤٠، البحر الرائق ۳/۲٤٦، زکریا دیوبند ۳/٤۲۸)

لہٰذا عدت کے بعد عورت دوسری جگہ اپنی مرضی سے نکاح کرسکتی ہے، مولوی صاحب کا بیان صحیح نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شوال المعظم ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍ ۲۹۷)

کیا طلاق میں دو عادل کی گواہی معتبر ہے؟

سوال [۶۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں سائل مسمیٰ فیض الرحمٰن بقسم کہتا ہوں کہ میں نے اپنی بیوی مسماۃ ثریا بیگم کے ساتھ باہمی جھگڑے کے دوران؛ جبکہ میری بیوی نے انتہائی گھناؤنا لفظ میری والدہ کے لئے کہا اس پر میں نے انتہائی شدید غصہ میں؛ جبکہ مجھے خود اپنا ہوش نہ تھا میں نے تین مرتبہ لفظ طلاق، طلاق، طلاق کہا، میرا غصہ رفع ہونے کے بعد موقع پر موجود حضرات (۱) عبد القیوم (۲) عبد السلام صاحب نے میرے کہے ہوئے سخت الفاظ طلاق کی طرف توجہ دلائی میں نے اسی وقت اپنی بیوی کو اپنے سے علاحدہ کردیا، اب سخت پریشان ہوں، میں یہ بھی بقسم کہتا ہوں کہ میری نیت بیوی کو طلاق دینے کی بالکل نہیں تھی، انتہائی شدید غصہ میں ہوش وحواس قائم نہ رہنے پر غیر ارادی طور پر میری زبان سے اچانک یہ الفاظ ادا ہو گئے تو کیا اب ہم دوبارہ ازدواجی زندگی گزار سکتے ہیں؟

المستفتی: فیض الرحمٰن بمعرفت محمد سلمان نعیمیہ مدرسہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کو شدت غصہ میں اپنے الفاظ کہے ہوئے یاد نہیں رہے ہیں تو سننے والے دو عادل شخصوں کے قول پر اعتماد کرنا جائز ہے؛ لہٰذا سوالنامہ میں درج شدہ حضرات اگر عادل ہوں تو انکی شہادت کا اعتبار کرتے ہوئے آپ کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہونے کا حکم ہوگا، اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح نہیں کرسکتے۔

وصرح به في الفتح والخانية وهو لو طلق فشهد عنده إثنان إنک استثنيت وهو غير ذاكر إن كان بحيث إذا غضب لا يدری ما يقول وسعه الأخذ بشهادتهما وإلا لا، (إلى قوله) ثم رأيت ما يؤيد ذلک الجواب وهو أنه قال فی الولوالجيه إن كان بحال لو غضب يجری علی لسانه ما لا يحفظه بعده جاز له الاعتماد علی قول الشاهدين فقوله لا يحفظه بعده صريح، فيما قلنا. (شامی، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، زكريا ٤/٤٥٣، کراچی ٣/٢٤٤، کوئٹه ٢/٤٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شوال المعظم ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۳۱۷)

شاہدین طلاق کے قائل اور زوجین منکر

سوال [٦٧٩٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو کسی بات پر مارا پیٹا، زید کے والد نے بیچ بچاؤ کردیا، بیوی اپنے والد کے گھر چلی گئی، تین لڑکوں کا کہنا ہے کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی؛ جبکہ زید اور اس کی بیوی بھی طلاق کا انکار کررہی ہے، زید کے باپ کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق نہیں سنی، مذکورہ بالا صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد ساکن نگلیا عاقل رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب میاں بیوی دونوں منکر طلاق ہیں تو اگر گواہی دینے والے تینوں لڑکے عاقل بالغ، پابند صوم وصلوٰۃ اور متبع شریعت ہیں؛ نیز داڑھی بھی حدود شریعت کے خلاف نہ ہو تو طلاق کا ثبوت ہوگا اور اگر یہ شرائط موجود نہ ہوں تو شرعاً طلاق کا ثبوت نہ ہوگا اور وہ دونوں میاں بیوی ہیں نکاح بدستور باقی ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ . (سورة البقرة، رقم الآية: ۲۸۲)

أقل ما يجوز في حقوق الناس فيما بينهم من الطلاق والعتاق والنكاح ...... شهادة رجلين أو رجل و امرأتين. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الشهادة، الفصل الثانی، اقسام الشهادة، زكريا ۱۱/ ۴۱۸، رقم: ۱۶۴۸۸)

سوی ذلک من الحقوق يقبل فيه رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح والعتاق والطلاق الخ. (جوهره، دارالکتاب ۲/ ۳۰۹، امدادیہ ملتان ۲/ ۳۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۰۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۱/ ۱۴۱۱ھ

گواہ غیر عادل اور زوجین طلاق کے منکر

سوال [۶۷۹۷] کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر کا بیان میں خدا کو حاضر وناظر کر کے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ایک بار یہ کہا طلاق دی اور میں اپنے گھر واپس آ گیا۔

بیوی کا بیان: میں خدا کو حاضر وناظر کر کے قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے کچھ نہیں سنا تھا اور نہ ہی مجھ سے پنچایت کے وقت کوئی اس بات کو معلوم کرنے آیا تھا، اور نہ ہی میں نے یہ بات کو پنچوں سے کہی ہے، دوسرے تین آدمی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ شوہر نے تین طلاق دی ہیں اور یہ شہادت دینے والوں میں سے ایک نمازی اور دو بے نمازی ہیں اور جو نمازی ہے وہ بھی پانچوں وقت نماز پابندی سے نہیں پڑھتا ہے، اور میاں بیوی ان دونوں کی شہادت کو جھٹلا رہے ہیں۔

المستفتی: رئیس احمد محلّہ پٹھان پورہ، نجیب آباد بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب میاں بیوی دونوں تین طلاق کے منکر ہیں اور شہادت دینے والوں میں دو عادل پابند صوم وصلوٰۃ نہیں ہیں، تو شرعاً ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے اور عدت کے اندر اندر رجعت کر کے رکھ سکتا ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ . (سورة البقرة، رقم الآية: ۲۸۲)

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيه رجلان، أو رجل، وامرأتان، سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح، والعتاق، والطلاق الخ.

(جوهره، دار الكتاب ديو بند ۲/ ۳۰۹، امدادية ملتان ۲/۳۲٦)

إذا ترك الرجل الصلوٰة استخفافًا بالجماعة بأن لا يستعظم تفويت الجماعة كما تفعله العوام، أو مجانة، أو فسقاً، لا تجوز شهادته الخ.

(فتاوىٰ عالمگيرى، كتاب الشهادة، الفصل الثانى، فيمن لا تقبل شهادته لفسقه، زكريا قديم ۳/٤٦٦، زكريا جديد ۳/ ٤٠١، هكذا فى البحر الرائق، كوئٹه ۷/٦۲، زكريا ۷/ ١٠٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱٦۷۷)

ایک گواہ طلاق کا مدعی جبکہ شوہر اور دیگر گواہان منکر

سوال [٦۷۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو تین گواہوں کے سامنے دو طلاقیں صراحۃً دیں، یہ عمل زید نے ایک رشتہ دار سے جھگڑے کے دوران کیا اس کے بعد جب رشتہ دار جانے لگا، تو زید نے کہا میں نے طلاق دے دی، تم اپنی بہن کو لے کیوں نہیں جاتے، خط کشیدہ الفاظ صرف ایک

گواہ کے ہیں؛ جبکہ خود زید اور دیگر دو گواہ اس سے انکار کرتے ہیں کہ زید نے ایسا نہیں کہا، (خط کشیدہ الفاظ)؛ لہٰذا ایسی شکل میں شرعی حکم کیا ہے۔

المستفتی: خلیق الرحمٰن نور پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ زید اور دیگر گواہان صرف دو طلاق صریح کے مقر اور شاہد ہیں اور تیسری طلاق کے وقوع کے لئے شرعاً دو گواہ کا ثبوت یا زید کا خود اقرار نہیں پایا گیا؛ اس لئے قضاءً دو ہی طلاق رجعی واقع ہونگی؛ لہٰذا زید دوران عدت بلا نکاح ثانی رجوع کرسکتا ہے۔

كذا في القرآن المجيد: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ . (سورة البقرة: ۲۲۹)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية، الطلاق، باب الرجعة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۲/ ۳۹٤، هنديه، الباب السادس في الرجعة، زكريا قديم ۱/ ٤۷۰، جديد ۱/ ۵۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۸/۴ھ

شرعی شہادت مفقود ہونے کی صورت میں تعدادِ طلاق کا فیصلہ کیسے کریں؟

سوال [۶۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ میں تجھے طلاق دے دونگا، اس کے بعد پھر کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، یہ کلمہ دوبار کہا؛ لیکن جب زید کی بیوی سے معلوم کیا گیا تو اس نے بتلایا کہ میں نے تجھے طلاق دی یہ دو بار کہا؛ لیکن الفاظ دی دی کئی بار کہا اور

دوگواہان بتلاتے ہیں کہ زید نے لفظ طلاق دو بار کہا ہے، ان گواہان میں ایک مرد ہے اورایک عورت، اور ایک گواہ جو کہ دوسری عورت ہے وہ کہتی ہے کہ طلاق تین بار کہا، اب اس میں کونسا قول مانا جائے گا اور کسی قول کے مطابق طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر طلاق ہوئی تو حلالہ کی حاجت ہے یا نہیں۔

المستفتی: مقصود حسین رسول پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کے قول کے اعتبار سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں اور جن گواہان کا ذکر ہے ان میں نصاب شہادت موجود نہیں ہے اور نہ ہی ان کی بات میں اتفاق ہے؛ اس لئے ان کی گواہی شرعاً معتبر نہ ہوگی، اب رہی بیوی کی بات تو اگر بیوی کو واقعی طور پر تین طلاق کا یقین ہے تو اس کو اپنے بارے میں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ شوہر پر حرام ہوگئی ہے اور شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے اس کا فیصلہ بیوی خود کرے کہ اس کو تین طلاق کا کہاں تک یقین ہے اور مذکورہ معاملہ میں ان سب لوگوں میں سے شرعاً شوہر کا قول ہی معتبر ہوگا اور شوہر کو رجعت کرکے رکھنے کا حق دیا جائیگا؛ مگر بیوی کو تین طلاق کا یقین ہونے کی وجہ سے اس کو خلع وغیرہ کے ذریعہ سے شوہر سے الگ ہوجانے کا بھی حق ہے۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۰۴)

المرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه.

(كتاب الطلاق، مطلب في قول البحر: إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانة إلى النية، زكريا ٤٦٣/٤، مثله في البحر الرائق، كراچی ٢٥٧/٣، زكريا ٤٤٨/٣، كراچی ٢٥١/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۹۹۵)

طلاق کے باب میں ایک گواہ کی گواہی معتبر نہیں

سوال [۶۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲۲/جنوری ۹۹ء کو فاروق بن عبداللہ کی شادی محمدی بنت وجاہت حسین سے ہوئی، شادی کے بعد تقریباً ۶ ماہ تک انکی ازدواجی زندگی خوشگوار رہی؛ لیکن بدقسمتی سے ان کے مابین اچانک خانہ جنگی کا قضیہ نمودار ہوا اور معاملہ ایسا بگڑا کہ ۲۷/نومبر ۹۹ء کو فاروق نے جوش وغضب میں آکر کم از کم ۳۰ آدمیوں کے مجمع میں محمدی کو تین طلاق دیدیں، مجمع کے کچھ لوگوں نے طلاق کے بارے میں کچھ سنا ہی نہیں؛ مگر اکثر لوگوں نے طلاق کا لفظ سنا اور اپنا سنا ہوا لوگوں سے کہا؛ مگر گواہی کے موقع پر کسی مصلحت سے خاموشی کا پہلو اپنایا؛ لیکن محمدی کے بڑے بھائی سجاد حسین کا کہنا ہے کہ مجلس طلاق میں میں حاضر تھا اور محمدی کو نہایت صاف لفظ میں تین طلاق دیتے ہوئے میں نے سنا، بعدہ فاروق کے عم محترم جناب ہدایت حسین صاحب نے فاروق سے تنہائی میں پوچھا کہ تم نے کیا کہا تھا، اس نے جواباً عرض کیا کہ مجھے کچھ یاد نہیں۔

المستفتی: وجاہت حسین ۲۴ پرگنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مجمع کے اکثر لوگوں نے تین طلاق کے لفظ کو سنا اور دوسروں سے کہا تو گواہی کے موقع پر سکوت کیوں اختیار کیا اس کی وجہ لکھی جائے، اس کے بعد جواب دیا جائے گا؛ نیز صرف محمدی کے بڑے بھائی سجاد حسین کا قول تنہا معتبر نہ ہوگا؛ کیونکہ طلاق کے ثبوت کے لئے شرعاً دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

وما سوی ذلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین، أو رجل، وامرأتین، سواء کان الحق مالاً أو غیر مال مثل النکاح، والعتاق، والطلاق.

(هدایه، کتاب الشهادة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۳/ ۱۵٤، در مختار، کراچی ٥/ ٤٦٥،

زکریا ۸/ ۱۷۸، الجوهره النیره، امدادیه ملتان ۲/ ۳۲۶، دار الکتاب دیوبند ۲/ ۳۰۹، کوئٹه زکریا ۷/ ۱۰٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۷۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۶/ ۱۴۲۱ھ

پنچایت کا ایک آدمی کی گواہی پر طلاق مغلظہ کا فیصلہ کرنے کا حکم

سوال [۶۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زینب کا دعوی ہے کہ اس کے شوہر نے اس کے سامنے یہ بات کہی کہ میں نے زینب کو تین بار طلاق دیدی یہ پھر بھی رہ رہی ہے اور زینب کے حق میں صرف ایک آدمی گواہی دے رہا ہے؛ جبکہ شوہر انکار کررہا ہے وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے صرف دو بار کہا تھا تین بار کا لفظ استعمال نہیں کیا اور وہ اس پر قسم کھا رہا ہے؛ لیکن گاؤں کی پنچایت کے لوگوں نے زینب کی طرف سے دی گئی صرف ایک آدمی کی گواہی کی بنیاد پر طلاق مغلظہ قرار دیتے ہوئے دونوں میں تفریق کرادی تھی اور اب جبکہ زینب کی عدت بھی پوری ہوگئی ہے تو وہ دوبارہ اسی شوہر سے نکاح کی کوشش کررہی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا صرف ایک آدمی کی گواہی کی بنیاد پر پنچایت کی طرف سے طلاق مغلظہ قرار دینے کا فیصلہ درست تھا یا پھر زینب کے شوہر کا حلفیہ بیان معتبر ہوگا، صورت ثانیہ میں دوبارہ نکاح کے لئے شرعی حلالہ ضروری ہوگا یا پھر صرف نکاح بنا حلالہ کے درست ہوگا؟

المستفتی: حافظ علی حسین گوجروالا رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زینب تین طلاق کا دعوی کرچکی ہے اور شوہر دو طلاق کا اقرار کررہا ہے، اور زینب کے پاس دو شرعی گواہ نہیں تھے ایک ہی گواہ رہا ہے

تو ایسی صورت میں شرعی قاضی پر لازم تھا کہ شوہر کے حق میں فیصلہ کردیتے؛ لیکن چونکہ اس حالت میں زینب کی عدت بھی گزر گئی ہے تو دونوں کے درمیان مکمل طور پر تفریق واقع ہو چکی ہے، اب اس کے بعد قاضی کا فیصلہ بھی شوہر کے حق میں معتبر نہ ہوگا، اب دوبارہ نکاح کی بات جب سامنے آتی ہے تو اس بارے میں زینب کی ذمہ داری ہے کہ اگر اس نے واقعۃً تین طلاق اپنے کان سے سنی ہیں تو اس کے لئے سابق شوہر کے ساتھ بغیر حلالہ کے نکاح کرنا قطعی طور پر جائز نہیں ہوگا اور عدت پوری ہونے سے پہلے بھی شریعت کا حکم یہ تھا کہ عورت نے اگر تین طلاق اپنے کان سے سن رکھی ہیں تو خلع وغیرہ کوئی بھی حیلہ کرکے اس شوہر سے چھٹکارہ حاصل کرنا عورت پر لازم تھا اور اب چھٹکارہ حاصل ہوجانے کے بعد اس شوہر سے نکاح کرنا قطعی طور پر جائز نہیں ہوسکتا۔

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال، أوتهرب. (شامی، کتاب الطلاق، مطلب فی قول البحر، إن الصريح يحتاج فی وقوعه ديانة إلى النية، زكريا ديوبند ٤/٤٦٣، كراچی ٣/٢٥١، ومثله فی الهنديه زكريا قديم ١/٣٥٤، جديد ١/٤٢٢، البحر الرائق زكريا ديوبند٣/٤٤٨، كراچی ٣/٢٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۷۸/۱۰)

جھوٹی گواہی سے طلاق کو ثابت کرنا

سوال [۶۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی، دونوں ایک محلّہ کے رہنے والے ہیں، کچھ دن کے بعد ہندہ کے ساتھ غلط برتاؤ ہونے لگا، زید ایک شخص کے یہاں ملازمت

کرتا تھا جس کے یہاں ملازمت کرتا تھا ان کو اپنے گھر بلانے لگا، اس صورت سے ہندہ اس سے نفرت کرنے لگی اور اس کے پڑوس میں بکر رہتا ہے ہندہ نے اس رویہ کی شکایت بکر کی بیوی سے کی تو بکر نے زید کو سمجھایا؛ مگر زید نے اس بات کو نہیں مانا تو ہندہ؛ کیونکہ پڑوسی کی بیٹی تھی اپنے ماں باپ کے یہاں چلی گئی، رمضان کا مہینہ تھا، زید ہندہ کو؛ جبکہ ہندہ کے باپ نماز کے لئے چلے گئے وہاں سے زبردستی کھینچ کر لے آیا اور اپنے گھر سے باہر نکال کر جب لوگ نماز پڑھ کر واپس ہورہے تھے تو برا بھلا کہنے لگا، اس پر ہندہ کے باپ وغیرہ خاموش ہو کر چلے گئے اور اپنے مکان پر جاکر اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور زید کے مکان پر چڑھ گئے اور ہندہ کو نکال لے گئے، زید نے ہندہ کے آدمیوں کے خلاف رپورٹ درج کرائی جن پر ان کی گرفتاری عمل میں آئی، دوسری طرف سے زید کے نام بھی سات آدمیوں کے نام پولس میں رپورٹ درج کرائی، دونوں طرف سے گرفتاریاں ہوئیں، فوجداری اور عدالت میں مقدمہ چلا، وکیل نے بتایا کہ اگر ہندہ کو طلاق ثابت ہوجائے تو تم لوگ سزا سے بچ سکتے ہو؛ ورنہ تمہیں سزا ہوجائیگی اور وہ لوگ صاف چھوٹ جائیں گے، اس شکل میں بکر اور عمر دونوں مقدمہ میں پھنسے ہوئے تھے، جھوٹی گواہی طلاق کو ثابت کرنے کے لئے دی جس سے زید کے ساتھیوں کو مقدمہ میں سزائیں ہوئیں اور بکر کے ساتھی چھوٹ گئے، بکر شادی شدہ ہے اور عمر بھی دونوں کے بچے ہیں اب دریافت یہ ہے کہ بکر اور عمر نے جو گواہی دی ہے تو اس جرم عظیم کا کیا تدارک ہوسکتا ہے جواب دیں۔

(نوٹ) بکر اور عمر دونوں کی بیویوں کا انتقال ہوگیا؛ نیز ہندہ بوقت طلاق حاملہ تھی وضع حمل کے بعد ہندہ کی دوسری جگہ شادی کردی تھی اب اس کے بچے ہیں۔

المستفتی: عبدالرشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھوٹی گواہی دینے والے سب گناہ کبیرہ کے

مرتکب ہیں، زید کے پاس جاکر اپنی جھوٹی گواہی کا اظہار کر کے معافی مانگنا لازم ہے؛ ورنہ عنداللہ عظیم گناہ گار رہوں گے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا أنبئكم بأكبر الكبائر ثلاثًا: الإشراك بالله، وعقوق الوالدين، وشهادة الزور أوقال: وقول الزور. (ترمذي، أبواب الشهادات، باب ما جاء في شهادة الزور، النسخة الهندية ۱۲/۲، دار السلام رقم: ۲۳۰۱)

(۲) جھوٹی گواہی دے کر کے زید کی بیوی پر طلاق ثابت کر کے دوسری جگہ جو ہندہ کا نکاح ہوا ہے وہ شریعت کی رو سے ناجائز اور حرام ہے، جن لوگوں نے جان کر اس نکاح میں شرکت کی ہے وہ سخت ترین گناہ گار ہیں، سب پر لازم ہے کہ ہندہ کو وہاں سے علاحدہ کر کے شوہر زید کے حوالہ کردیں اور جس کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہوا ہے اس پر لازم ہے کہ فوراً ہندہ کو اپنے سے علیٰحدہ کردے۔

والمحصنٰت من النساء عطف على أمهاتكم يعنى حرمت عليكم المحصنٰت من النساء أي ذوات الأزواج لا يحل للغير نكاحهن ما لم يمت زوجها أو يطلقها وتنقضى عدتها من الوفات أو الطلاق. (تفسير مظهرى، سورة نساء تحت رقم الآية: ۲٤، زكريا ديوبند ۲/٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۸۰۵/۲۵)

بیوی کو تین طلاق کا یقین ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید (لیاقت) نے اپنی بیوی ہندہ (صابری) کو ایک بار کہا میں نے تجھے طلاق

دی جس کے کئی گواہ بھی ہیں، اس کے علاوہ یہ واقعہ پیش آیا کہ جب ہندہ نے اپنی لڑکی کو مارا اور ڈانٹا ڈپٹا تو زید نے کہا کہ تو نے بلا وجہ لڑکی کو تنبیہ کی ہے اور اب تو میرے دل سے نہیں ہے، زید مقر ہے کہ مذکورہ جملہ (اب تو میرے دل سے نہیں ہے) کہا اور گیارہ بجے کے وقت زید (لیاقت) نے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، چار مرتبہ یہ الفاظ کہے؛ مگر زید کا کہنا ہے کہ اس بار میں نے ایک مرتبہ بھی یہ جملہ نہیں بولا ہے زید و ہندہ کی ایک کم از کم دس سالہ بچی ہے، جو ہندہ کے قول کی تصدیق کر رہی ہے اور کہتی ہے کہ ہاں چار مرتبہ مذکورہ الفاظ کہے، اس بات پر دونوں اپنے قول کی تصدیق وتائید کے لئے قسم پر تیار ہیں، ہندہ نے اپنی بچی کو تنبیہ اس کے غلطی کرنے پر کی تھی جس سے خفا ہوکر زید نے کہا اب تو میرے دل سے نہیں ہے اور نہ جانے کتنی مرتبہ یہ جملہ زید نے استعمال کیا۔ نیز بچوں کا نفقہ کس کے ذمہ ہے؟ حکم شرع سے آگاہ فرمائیں۔

نوٹ: اب برادری کے لوگ آپس میں صلح کرانے کے لئے بہت زیادہ کوشش کر رہے ہیں اور فریقین کو از حد سمجھا کر صلح پر آمادہ کرلیا ہے؛ لہٰذا آپ حکم شرعی صلح کے لئے بیان فرمادیں، اس میں حلالہ کرنا پڑے گا یا نہیں یا صرف دوبارہ نکاح زید سے کافی ہو جائے گا یا حلالہ اور نکاح کی ضرورت ہی نہیں ہے، ہندہ کا کہنا ہے کہ میں جان دے دوں گی، مگر شریعت کے خلاف نہیں کروں گی۔

المستفتی: محمد عبدالحمید رضوی نگلیاعاقل رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک بار میں نے تجھے طلاق دی کے الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے اور تو میرے دل سے نہیں کے الفاظ طلاق کے لئے نہ الفاظ صریحہ میں سے ہیں اور نہ ہی الفاظ کنایہ میں سے؛ اس لئے ان الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، رات کو گیارہ بجے کے وقت چار مرتبہ میں نے تجھے طلاق دی کے الفاظ کے استعمال کا مسئلہ قابل غور ہے اور اس کے بارے میں بیوی اثبات میں اور شوہر نفی میں اپنی اپنی جگہ مضبوط ہیں اور بیوی کے پاس اثبات میں شرعی گواہ موجود نہیں ہیں تو ایسی صورت میں شریعت کا ظاہری

حکم یہی ہے کہ شوہر کی تائید میں طلاق کا ثبوت نہ ہوگا اور برادری پنچایت کے لوگ بیوی کو شوہر کے ساتھ جانے کا حکم کر سکتے ہیں؛ لیکن شریعت کا ایک دوسرا حکم عورت کے بارے میں یہ بھی ہے کہ اگر اس کو تین طلاق کا یقین ہے تو شوہر کو مال دیکر خلع پر آمادہ کرے، اور خلع کے ذریعہ شوہر سے الگ ہوکر اپنے آپ کو حرام کاری سے بچالے اور اگر عورت کو شوہر کے ساتھ جانا ہی پڑ جائے تو عورت گناہ گار نہ ہوگی سارا گناہ شوہر پر ہی ہوگا۔

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتویٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال أوتهرب (إلي قوله) إنها ترفع الأمر للقاضي فإن حلف ولا بينة لها فلا إثم عليه الخ. (شامی، کراچی، کتاب الطلاق، مطلب فی قول البحرالخ، زکریا دیوبند ٤/٤٦٣، ٣/٢٥١، ٣/٣٠٥، زکریا قدیم ١/٣٥٤، جدید ١/٤٢٢، البحر الرائق، کراچی زکریا دیوبند ٣/٤٤٨، ٣/٢٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۹۳۶/۳۴)

بیوی تین طلاق کا دعوی کرے اور شوہر انکار

سوال [۶۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محترم ومکرم حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے آنجناب سے مدعیہ کے ایک معاملہ میں مشورہ مطلوب ہے امید ہے کہ رائے عالی سے نوازیں گے، معاملہ درج ذیل ہے؟ مدعیہ کے شوہر نے تین طلاق دیں؛ مگر شوہر طلاق کا انکار کرتا ہے عورت کے پاس کوئی گواہ موجود نہیں ہے، ایسی صورت میں جو حکم شرعی ہے کہ جب عورت نے طلاق کے

الفاظ خود سنے ہوں تو عورت کے لئے جائز نہیں کہ اپنے اوپر قدرت دے؛ بلکہ علیحدہ رہے اور شوہر سے چھٹکارے کی صورت اختیار کرے۔

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال أوتهرب الخ. (شامی، كتاب الطلاق، مطلب في قول البحر الخ، زكريا ديوبند ٤/٤٦٣، مثله في البحر الرائق، كراچی ٣/٢٥٧، زكريا ديوبند ٣/٤٤٨، ٢/٤٣٢)

بتلایا گیا تو اس نے یہاں کی شرعی پنچایت میں مقدمہ دائر کیا باضابطہ کارروائی کے بعد تاریخ پیشی پر مدعیہ اور مدعی علیہ حاضر عدالت ہوئے، مدعیہ نے دفعات عرضی دعوی میں جو باتیں ظاہر کیں مدعیٰ علیہ کو سنادی گئیں، اوراس سے بیان تحریری لیا گیا (اس نے ان تمام باتوں کہ شوہر نے ظلم وزیادتی کی، گھر سے نکال دیا اور طلاق دےدی وغیرہ وغیرہ) کا انکار کیا اور بیان تحریری دیا کہ ہم اس پر قسم کھا سکتے ہیں کہ کوئی طلاق نہیں دی، عورت کے پاس اس معاملہ کے گواہ موجود نہیں، ایسی صورت میں کیا کاروائی کرنا مناسب ہے، آنجناب اپنی رائے عالی سے آگاہ فرمائیں، **الحيلة الناجزه للحليلة العاجزه** میں ص: ۹۷ پر بحث حرمت مصاہرت کے ذیل میں جو کچھ موجود ہے؛ نیز شامی، **كتاب الطلاق، مطلب في قول البحر الخ، زكريا ديوبند ۴/۴۶۳، كراچی ۳/۴۳۲، ۲/۴۳۲، مطبوعه نعمانيه ديوبند** پر جو کچھ موجود ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں اور اپنی رائے عالی سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتی: مفتی شفقت اللہ صاحب مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت طلاق کا دعویٰ کرے اور مرد اس کا انکار کرے اور عورت کے پاس تین طلاق پر گواہ نہ ہوں تو ایسی صورت میں شوہر سے قسم لیکر عورت شوہر کے حوالہ کی جاسکتی ہے، خدانخواستہ اگر نفس الامر میں عورت کا دعویٰ صحیح ہے اور شوہر نے جھوٹی قسم سے کام لیا ہے تو سارا گناہ شوہر پر ہوگا نہ قاضی پر ہوگا اور نہ ہی عورت پر؛ لیکن شوہر

کی بد دینی کے اندیشہ سے ایسے معاملہ میں ہم مناسب اور بہتر یہ سمجھتے ہیں کہ شوہر کو کسی طرح خلع پر آمادہ کر کے خلع کرادیا جائے اور شامی کی عبارت بھی اسی کی تائید کرتی ہے، اس موضوع پر اس خاکسار نے اپنی کتاب ''ایضاح النوادر ۲/ ۱۰۲ سے ۱۰۷'' پر ایک تحقیق نقل کی ہے شاید اس کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۸۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۶ھ

شوہر تین طلاق کا منکر ہو اور بیوی اور دیگر لوگ مدعی

سوال [۶۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے غصہ کی حالت میں زجر وتوبیخ کے ساتھ اپنی بیوی کو کہا کہ اپنے گھر چلی جا، بیوی نے شوہر کی بات مانتے ہوئے گھر کا راستہ لیا؛ مگر شوہر بھی بیوی کے ساتھ چلا گیا اور وہاں پہونچنے کے بعد زید نے اپنی بیوی کو ایک بار طلاق دی، زید کے الفاظ یہ تھے کہ (جا میں نے طلاق دی) مگر جو حضرات اس موقع کے شاہد ہیں ان کا کہنا ہے کہ تین مرتبہ طلاق دی ہے اور زوجۂ زید کا بھی کہنا ہے کہ تین مرتبہ طلاق دی؛ مگر زید تین مرتبہ کا منکر ہے صرف ایک ہی مرتبہ کا اقرار کرتا ہے، براہ کرم تسلی بخش جواب سے مشکور وممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد یاسین قریشی محلّہ پٹھان پورہ نجیب آباد بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو حضرات وہاں موجود تھے اور تین مرتبہ طلاق دیتے ہوئے سنا ہے تو ان میں اگر دو پابند شرع مردوں نے سنکر شہادت دی ہے یا ایک پابند شرع باریش مرد اور دو پابند شرع عورتوں نے ملکر تین طلاق کی شہادت دی ہے تو شرعاً تین طلاق کا حکم لگایا جائے گا اور بلا حلالہ نکاح بھی درست نہ ہوگا اور اگر مذکورہ شرائط کے ساتھ

شہادت حاصل نہیں ہے تو شوہر کا قول حلفیہ بیان کے ساتھ معتبر ہوگا، اور ایک طلاق رجعی ہوگی اور عدت کے اندر اندر رجعت کر کے رکھ سکتا ہے۔

وما سوی ذلک من الحقوق یقبل فیها رجلان أو رجل، وامرأتان سواء کان الحق مالاً أو غیر مال مثل النکاح والعتاق والطلاق الخ. (الجوهرة النیره، ۲/۳۲۶، هکذا فی الهدایة، کتاب الشهادة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۳/۱۵٤)

لیکن اگر بیوی نے خود اپنے کان سے تین مرتبہ طلاق سنی ہے تو بیوی پر شرعی حکم یہ ہے کہ خلع وغیرہ کے ذریعہ اس شوہر سے چھٹکارہ حاصل کرلے اور اس شوہر کے یہاں بیوی بن کر نہ رہے۔

والمرأة کالقاضی إذا سمعته أو أخبرها عدل لا یحل لها تمکینه والفتویٰ علی أنه لیس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدی نفسها بمال، أوتهرب. (شامی، کتاب الطلاق، مطلب فی قول البحر، إن الصریح یحتاج فی وقوعه دیانةً إلی النیة، زکریا ٤/٤٦٣، کراچی ۳/۲٥۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ صفر ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۶۳۵)

شوہر کو طلاق یاد نہ ہو تو بیوی کا قول معتبر ہوگا یا ماں کا؟

سوال [٦٨٠٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی مرضی سے اپنی شادی کرلی تھی اور سسرال میں لڑکی کے گھر رہتا تھا، پھر میری والدہ اپنے ساتھ لیکر آئیں اور میں اپنے گھر امروہہ میں آ گیا، گھر میں قدم رکھتے ہی میری حالت بدلنے لگی اور میرا دماغ جیسے بند ہوگیا اور مجھے کچھ بھی ہوش نہیں رہتا تھا، بیوی بچوں سے بھاگتا تھا، پھر میں نے اسی حالت میں دہلی آ کر اپنے دوست واحباب سے مل کر علاج کرایا اور میں ٹھیک ہوگیا، اب میری بیوی نے بتایا کہ جب میری

حالت بگڑ گئی تھی، تو اس وقت میں نے بیوی کو دو طلاق دی تھیں، میری ماں کہتی ہے کہ تین طلاق دی ہیں اور مجھے کچھ ہوش نہیں تھا اور نہ کچھ یاد آرہا ہے، مجھے طلاق دینا بالکل یاد نہیں ہے، اب بتائیے طلاق ہوئی یا نہیں، شرعی حکم تحریر فرمائیں؟ واضح رہے کہ میری اس شادی کے میرے گھر والے اور میری ماں سب مخالف ہیں۔

المستفتی: قمر عالم بھجن پورہ بی بلاک گلی نمبر ۸ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر کو قطعی طور پر کچھ پتہ نہیں ہے کہ کیا کہا ہے؟ یا کچھ کہا بھی ہے یا نہیں، اور بیوی دو مرتبہ سننے کو کہتی ہے اور ماں تین مرتبہ کو کہتی ہے اور حالت یہ ہے کہ ماں اس شادی کے مخالف ہے اور بہو کو نہیں چاہتی ہے، تو ایسی صورت میں تین طلاق کے بارے میں ماں کی بات بغیر شہادت کے معتبر نہیں ہے اور ماں کے پاس اس کے ثبوت کے لئے کوئی گواہ نہیں ہے، اور شوہر کو بیوی کی بات پر اعتماد ہے تو ایسی صورت میں دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے میاں بیوی کی زندگی گزار سکتے ہیں۔

لو طلق فشهد عنده إثنان أنک استثنيت وهو غير ذاكر إن كان بحيث إذا غضب لا يدرى ما يقول وسعه الأخذ بشهادتهما وإلا لا. (شامی، كتاب الطلاق، باب طلاق المدهوش، کراچی ۳/ ۲۴۴، زکریا ٤/ ٤٥٣)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين رجعيتين فله أن يراجعها فى عدتها رضيت بذٰلک أو لم ترض الخ. (هنديه، الفصل السادس فى الرجعة، زکریا قدیم ۱/ ٤٧٠، جدید ۱/ ٥٣٣، هكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶/ شعبان ۱۴۳۳ھ

(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۷۸۸)

بلا گواہ خلوت کی طلاق کا حکم

سوال [۶۸۰۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت کا بیان ہے کہ مجھے میرے شوہر نے خلوت میں تین طلاقیں دیدیں ہیں میں نے شوہر سے کہا کہ میرا رشتہ آپ سے ختم ہوگیا، شوہر نے جواب دیا کہ میں نے تو مذاق کیا ہے، طلاق نہیں دی، خلوت کے بعد عورت نے گھر والوں سے کہا مجھے طلاق دیدی گئی تو شوہر نے کہا تم غلط کہتی ہو؛ لہٰذا طلاق واقع ہوگئی یا نہیں۔

(۲) یہ کہ اگر کوئی عورت شوہر سے خلاصی حاصل کرنے کیلئے الزاماً ایسی بات کہے، تو شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالعزیز بازارشاہی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا گواہ خلوت میں طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اسی طرح مذاق میں بھی طلاق ہوجاتی ہے۔

ثلاثة جدهن جد و هز لهن جد النكاح و الطلاق و الرجعة. (الحديث، سنن ترمذی، كتاب الطلاق، باب ما جاء فی الجد و الهزل فی الطلاق، النسخة الهندية ۱، دار السلام رقم: ۱۱۸٤، مشکوٰة شريف ۲/ ۲۸٤)

لیکن عورت کے پاس شرعی گواہ موجود نہیں ہیں اور شوہر انکار کررہا ہے تو ایسی صورت میں قضاءً طلاق کا ثبوت نہیں ہوگا، قضاءً عورت شوہر کو ملے گی۔

وما سوى ذلک من الحقوق يقبل فيه رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح والعتاق والطلاق الخ. (الجوهرة النيره، ۲/ ۳۲۶، هكذا فی الهداية، كتاب الشهادة، اشرفی بكڈپو ديوبند ۳/ ۱۵٤، هكذا فی البحر الرائق، زكريا ۷/ ۱۰٤، كوئٹه ۷/ ۶۲)

البتہ اگر عورت نے قطعی طور پر شوہر سے تین طلاق دیتے ہوئے سنا ہے تو اس پر لازم ہے کہ خلع وغیرہ کے ذریعہ اس شوہر سے علیحدگی اختیار کرلے۔

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال، أوتهرب. (شامی، کتاب الطلاق، مطلب في قول البحر، إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانةً إلى النية، زكريا ٤/٤٦٣، ٢/٤٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۶۲/ ۴)

بیوی اور گواہوں کی عدم موجودگی میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال [٦٨٠٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا بیوی کی غیر موجودگی میں بغیر کسی گواہان کے طلاق شرعی دی جاسکتی ہے، کیا وہ شرعی اعتبار سے قابل قبول ہوگی؟

المستفتی: منصور علی جامع مسجد آزاد پارک مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلاق شرعی واقع ہونے کے لئے عورت کا سامنے موجود ہونا یا سننا یا نام لیکر خطاب کرنا شرط نہیں ہے؛ بلکہ عورت کی غیر موجودگی میں بغیر کسی گواہ کے بھی طلاق ہوجاتی ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۴/ ۴۴ ۲۵)

ولا يلزم كون الإضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت فقال امرأتي طلقت امرأته الخ.
(شامی، کتاب الطلاق، باب الصريح، كراچی ٣/ ٢٤٨، زكريا ٤/ ٤٥٨، كوئٹه ٢/ ٤٦٦، مصری ٢/ ٥٩٠)

ذهب جمهور الفقهاء من السلف و الخلف إلى أن الطلاق يقع بدون الشهادة لأن الطلاق من حقوق الرجل فلا يحتاج إلى بينة الخ. (حاشیه فتاوی دار العلوم جدید ۹/۵۳، ۹/۱۳۸)

نیز حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

طلاق الحامل يجوز. (هدایه، کتاب الطلاق، اشرفی بکڈپو دیوبند ۲/۳۵۶، قدوری امدادیه دیوبند ۱۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍۷۲۹)

یاد نہیں کہ ۲؍طلاق دی یا ۳؍طلاق

سوال [۶۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لکھنا ضروری یہ ہے کہ ایک شخص نے غصہ کی حالت میں کہا کہ میں نے طلاق دی طلاق دی؛ لیکن ان کو صحیح یاد نہیں کہ دو طلاق دی کہ تین طلاق دی؛ لہٰذا آپ کیا فرماتے ہیں، مجھے اس بارے میں تردد ہے کہ میری زبان سے الفاظ طلاق دو دفعہ نکلے کہ تین دفعہ۔

المستفتی: عبدالعزیز سلمانی قصبہ کانٹھ محلّہ چوک بازار مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر واقعہ ایسا ہی ہے کہ شوہر کو دو اور تین میں تردد ہے اور تین دفعہ پر شرعی گواہ بھی نہیں ہے تو سوالنامہ کی درج شدہ صورت میں بیوی پر تین طلاق واقع نہیں ہوئیں؛ بلکہ شرعاً دو ہی طلاق معتبر ہوں گی؛ لہٰذا عدت کے اندر اندر رجعت کر کے رکھ سکتا ہے۔

لو شک أطلق واحدة أو أكثر بنیٰ على الأقل الخ. (الدر المختار،

کتاب الطلاق، قبیل باب طلاق غیر المدخول بها، کراچی زکریا ٤/٥٠٨، ٣/٢٨٣، الاشباه والنظائر قدیم ص: ١٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۳۵۱)

بیوی طلاق کی مدعیہ اور شوہر منکر

سوال [۶۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی سسرال اپنی بیوی سے ملاقات کی غرض سے گیا، دوران گفتگو سسرال والوں سے کچھ تکرار ہو گیا، بات بڑھ کر زد وکوب تک پہونچ گئی، سسرال والوں نے زید کے ساتھ زیادتی کی اور مار پیٹ کے دوران زید کے سسرال والوں نے زید کی بیوی سے کہا کہ تم فوراً یہ کہہ دو کہ مجھے طلاق دے دی، زید کی بیوی نے والدین کے دباؤ میں آ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ مجھے زید نے طلاق دے دی اور کئی مرتبہ طلاق دی ہے؛ لیکن زید حلفیہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی، زید کی بات معتبر ہے یا زید کی بیوی کی، طلاق واقع ہو گئی یا کچھ گنجائش ہے، شریعت مطہرہ کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمایئے۔

المستفتی: فراست حسین ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر شوہر نے اپنی زبان سے کوئی طلاق نہیں دی ہے اور محض شوہر کو مارتے ہوئے تذلیل کرنے کے لئے طلاق کی شورش برپا کی ہے تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوا کرتی ہے؛ نیز اگر عورت کے پاس اس دعویٰ طلاق کو ثابت کرنے کے لئے دو معتبر اور عادل پابند شرع گواہ نہیں ہیں تو عورت کا دعویٰ معتبر نہ ہوگا شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا اور عورت بدستور شوہر کی بیوی رہے گی۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ . (سورة البقرة، رقم الآية: ٢٨٢)

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح، والعتاق، والطلاق الخ.

(هدايه، كتاب الشهادة، اشرفی بكڈپو ديوبند، ٣/١٥٤، هكذا فی الجوهرة النيره، كتاب الشهادة امداديه ملتان ٢/٣٢٦، دار الكتاب ديو بند ٢/٣٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸ ؍ ۳۱۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۲۰ھ

بیوی طلاق کی مدعیہ اور شوہر منکر تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں گھر سے اپنی بیوی کے پاس سے خوشی خوشی مراد آباد آیا، میاں بیوی میں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں تھا، بیوی کو میں نے سمجھا کر میکہ بھیج دیا تھا، میں یہاں مراد آباد میں ہوں، اب بیوی یہ دعوی کر رہی ہے کہ میرے شوہر نے طلاق دے دی ہے اور میں نے کبھی کوئی طلاق نہیں دی ہے تو بیوی کے یہ کہنے کی بنا پر کہ شوہر نے طلاق دے دی ہے، طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور شوہر کی بات مانی جائیگی یا بیوی کی؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد کلیم چوہٹہ تھر بٹیا سپول بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے قطعاً طلاق نہیں دی ہے اور عورت نے طلاق کی افواہ پھیلا رکھی ہے اور عورت کے پاس اپنے دعوی کے ثبوت کے لئے دو شرعی گواہ بھی موجود نہیں تو ایسی صورت میں عورت کے کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، وہ بدستور شوہر کے نکاح میں باقی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۹/۲۱۲، ۹/۲۳۷)

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً، أو غير مال مثل النكاح، والعتاق، والطلاق الخ.

(هداية، كتاب الشهادة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۱۵٤/۳، کراچی ٤٦٥/٥، درمختار زكريا ١٧٨/٨، هكذا في الجوهرة النيرة، كتاب الشهادة امدادیه ملتان ٣٢٦/٢، دار الكتاب دیوبند ٣٠٩/٢، البحر الرائق، كوئٹه ١٠٤/٧، زكريا ٦٢/٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۷۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۹ھ

طلاق کے سلسلہ میں زوجین کا اختلاف

سوال [۶۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رابعہ کہتی ہے کہ میرے شوہر یعقوب نے مجھ سے کہا بھینس بیچوں یا نہ بیچوں، رابعہ نے کہا والد صاحب نے آپ سے کہا تھا کہ بھینس نہ بیچنا، یعقوب نے کہا مجھ سے کسی نے نہیں کہا ہے اور اس پر ضد کرنے لگے تو رابعہ نے کہا اب جان چھوڑ دو، یعقوب نے کہا جان چھوڑ دی جان چھوڑ دی جان چھوٹی ہے؛ اس لئے گھر کا کام بگاڑ رہا ہوں، یہ مذکورہ بیان رابعہ کا ہے اور یعقوب کہتے ہیں کہ میں نے یہ کہا تھا کہ جان چھوڑ دوں گا جب تمہارے دل میں یہی ہے تو یہ بھی ہو جائے گا، اب رابعہ یعقوب کی تکذیب کرتی ہے اور یعقوب رابعہ کی تکذیب کرتے ہیں اور دونوں اپنے اپنے بیان پر قائم ہیں تو مذکورہ بالا صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو کون سی ہوئی؟

المستفتی: شبیر احمد قاسمی دار الافتاء ریاض العلوم گورینی جونپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر رابعہ کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے تو یعقوب کی

بات شرعاً معتبر ہوگی اسی کے مطابق بیوی کو شوہر کے پاس رہنے کا حکم ہوگا۔

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها رجلان، أو رجل، وامرأتان، سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح، والعتاق، والطلاق الخ.

(هدايه، كتاب الشهادة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۳/ ۱۵٤، هكذا في الجوهرة النيره، كتاب الشهادة امداديه ملتان ۲/ ۳۲٦، دار الكتاب ديوبند ۲/ ۳۰۹، ۲/ ۱۳۸، البحر الرائق، کوئٹه۷/ ۱۰٤، زکریا ۷/ ٦۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۴۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۶/ ۱۴۱۶ھ

بیوی طلاق کی مدعیہ اور شوہر منکر

سوال [۶۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی بغیر کسی گواہ کے اب زید کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی، اور بیوی کہتی ہے کہ طلاق دی ہے اور تین طلاق دی ہیں اور اب لڑکی اپنے باپ کے گھر ہے، اور عدالت سے بھی طلاق لے لی ہے اور کورٹ میرج بھی کروالیا ہے، اب اس لڑکی کا نکاح دوسرے لڑکے سے ہوسکتا ہے یا نہیں؛ لہٰذا شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب طلب یہ ہے کہ لڑکی کے قول پر عمل کیا جائے یا لڑکے کی بات پر، جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتی: غلام نبی عدل پور ٹھاکردوارہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب لڑکی کے پاس شرعی گواہ موجود نہیں ہیں تو محض اس کے دعویٰ سے شرعی حکم ثابت نہ ہوگا؛ اس لئے شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا اور عدالت کے غیر مسلم جج یا مسلم جج کا غیر شرعی فیصلہ معتبر نہیں ہے؛ اس لئے لڑکی کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ . (سورة البقرة، رقم الآية: ۲۸۲)

وما سوى ذلک من الحقوق يقبل فيه رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح والعتاق والطلاق الخ.

(هدايه، كتاب الشهادة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۱۵٤/۳، هكذا فی الجوهرة النيره، ۱۳۸/۲، كتاب الشهادة امداديه ملتان ۳۲٦/۲، دار الكتاب ديوبند ۳۰۹/۲، البحر الرائق، كوئٹه ۱۰٤/۷، زكريا ٦۲/۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱۰۹/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۴/۱ھ

عورت طلاق کی مدعیہ ہے اور شوہر منکر تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

سوال [۶۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ میرے شوہر نے مجھ کو طلاق دی ہے اور شوہر قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے اور گواہ کسی کے پاس موجود نہیں ہیں؛ لیکن محلّہ میں چرچا اس بات کا ہے کہ زید نے طلاق دے دی ہے تو ایسی صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسرائیل سپولوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جبکہ عورت کے پاس دو شرعی گواہ موجود نہیں ہیں اور شوہر قسم کھا کر طلاق دینے کا انکار کرتا ہے تو ایسی صورت میں شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

فـالبينة حجة المدعي واليمين حجة المدعى عليه لقوله عليه الصلوٰة والسـلام البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه. (بدائع قديم، كتاب الدعوى، فصل في حجة المدعي والمدعى عليه، زكريا ديوبند ٥/٣٣٦-٣٣٧، ٦/٢٢٥)

اور اگر عورت نے خود سن رکھا ہے اور اس پر یقین ہے کہ شوہر نے اس کو طلاق دیدی ہے تو ایسی صورت میں عورت کیلئے شوہر کو اپنے اوپر قدرت دینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ جس طرح بھی ہوسکے اس سے خلاصی حاصل کرلے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۹/۲۳۷)

والمرأة كـالـقـاضـي لا يحل لها تمكينه إذا سمعته منه ذلك الخ. (عـالـمـگيـري زكـريا قديم ١/٣٥٤، جديد ١/٤٢٢، هكذا في الشامي كراچي ٣/٢٥١، زكريا ديوبند ٤/٤٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/۳۴۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۱۴ھ

بیوی طلاق کا دعویٰ کرتی ہے اور شوہر اس کا منکر ہے

سوال [۶۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مقصود حسین کا اپنی بیوی سے خانگی معاملات میں جھگڑا ہوا اس جھگڑے کی بناپر بات بہت بڑھ گئی، نوبت تو تو میں میں تک آگئی، اس سلسلہ میں بیوی نے بتایا کہ میرے شوہر نے جھگڑے کے دوران کئی بار یہ بات کہی کہ میں نے تجھے طلاق دی چل یہاں سے نکل، یہ سنکر میں وہاں سے چلی آئی؛ لیکن شوہر کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے، میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ یہاں سے چلی جا (یعنی اپنی ماں کے یہاں) اس کے بعد میری بیوی گھر سے چلی گئی، صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: سعید الرحمٰن محلّہ قانون گویان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیوی کے پاس اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے شرعی گواہ موجود نہیں ہیں تو شوہر کا قول شرعاً معتبر ہوگا اور وہ طلاق کا انکار کر رہا ہے اور سوالنامہ کے سیاق سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر نے چلی جا کے لفظ سے بھی طلاق کی نیت نہیں کی ہے؛ اس لئے شرعاً بیوی پر کسی قسم کی طلاق کے واقع ہونے کا حکم نہیں لگے گا۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة، رقم الآية: ٢٨٢)

وما سوى ذلک من الحقوق يقبل فيه رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح والعتاق والطلاق الخ. (الجوهرة، كتاب الشهادة امداديه ملتان ٢/ ٣٢٦، دار الكتاب ديوبند ٢/ ٣٠٩، هدايه، كتاب الشهادة، اشرفی بكڈپو ديوبند ٣/ ١٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۴۸۲)

بیوی طلاق کی مدعیہ اور شوہر طلاق کا منکر

سوال [٦٨١٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور زینب دونوں میاں بیوی ہیں، دونوں کی زندگی خوشگوار ماحول میں گزری، شادی کو تقریباً دو سال ہو گئے، کبھی کسی قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی، زینب کی بہن کی شادی ہونے لگی تو زینب اپنی بہن کی شادی میں میکہ گئی، شادی کے بعد زینب پھر اپنے شوہر کے ساتھ گھر آ گئی، پھر صبح ہی میکہ چلی گئی، دو چار روز کے بعد جب شوہر ساس وغیرہ بلانے گئے تو زینب نے کہا میں نہیں جاؤں گی، مجھے شوہر نے طلاق دے دی ہے، جب

کسی طرح بھی زینب آنے پر رضامند نہیں ہوئی تو دو چار آدمی بیچ میں پڑے؛ تب بھی نہیں آئی تو لوگوں نے کہا کب طلاق دی ہے اور کیوں دی ہے تو بیوی نے کہا دو مہینہ پہلے ہی طلاق دی ہے؛ جبکہ زینب اپنے شوہر کے گھر رہتی رہی اور اس وقت تک کوئی بات طلاق کی نہیں کی، جب شادی ہوگئی تب طلاق والی بات سامنے آئی؛ نیز لوگوں نے کہا کیسے طلاق دی تو زینب نے کہا کوئی جھگڑا وغیرہ نہیں ہوا ہے، ایک روز میں مسالا پیس رہی تھی اس سے پہلے شوہر نے بتاشے بھی کھلائے، دودھ بھی پلایا، یہ سب کھا پیکر مسالا پیسنے بیٹھ گئی، شوہر گھر سے نکل گئے، تھوڑی دیر کے بعد آئے، طلاق طلاق طلاق تین بار کہا، شوہر قسم کھاتا ہے، قرآن شریف اٹھاتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی۔

غور طلب بات یہ ہے کہ بیوی کے ہی کہنے کے مطابق؛ جبکہ کوئی تکرار وغیرہ بھی نہیں ہوا اور یہ کہ مخاطب بھی نہیں کیا کہ تجھے طلاق ہے؛ بلکہ الگ تھلگ ہوکر صرف طلاق کہا؛ نیز عورت کے بقول دو ماہ پہلے طلاق دی ہے؛ جبکہ اس درمیان یعنی طلاق کے بعد دو ماہ بیوی شوہر کے گھر رہی اس وقت تک بیوی طلاق کا ذکر نہیں کرتی ہے، جب شادی میں گئی تو یہ معمہ سامنے آیا، شوہر قسم کھاتا ہے کہ میں نے طلاق ہی نہیں دی ہے تو کیا ایسی صورت میں بقول بیوی کے بغیر مخاطب کئے طلاق طلاق کہنے سے طلاق ہوجائیگی، مہربانی فرما کر جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شریف بروالا ان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ شادی میں شرکت سے یہ سارا قصہ سامنے آیا ہے اور شوہر ہر طرح سے حلفیہ بیان دینے پر تیار ہے اور بیوی کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں بیوی کی بات کا اعتبار نہ ہوگا، شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا، شرعی طور پر بیوی کو شوہر کے حوالہ کردینا چاہئے؛ نیز بیوی نے ایک ماہ تک کسی قسم کا اظہار کیوں نہیں کیا؛ لہٰذا ان حالات میں شرعاً شوہر ہی کا قول معتبر ہوتا ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة، رقم الآية: ٢٨٢)

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيه رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أوغير مال مثل النكاح والعتاق والطلاق الخ. (هدايه، كتاب الشهادة، اشرفی بکڈپو دیوبند ٣/ ١٥٤، هكذا في الجوهرة النيره، كتاب الشهادة امداديه ملتان ٢/٣٢٦، دار الكتاب ديوبند ٢/٣٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۱۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۱۵ھ

طلاق میں شوہر کی بات معتبر ہوگی یا بیوی کی؟

سوال [۷۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حافظ صاحب جن کی تین سال قبل شادی ہوچکی ہے ایک بچی بھی ہے جس کی عمر تقریباً ایک سال ہے، شوہر بیوی کے مابین کچھ جھگڑا ہوا اور شوہر نے تنبیہاً مختصر سی پٹائی کردی، شوہر کی والدہ نے بیچ بچاؤ کردیا اور لڑکے کو ڈانٹا، اس کے بعد لڑکی خوشی خوشی شوہر کے پاس چار ماہ تک رہتی رہی، اس کے بعد میکہ چلی گئی، ڈیڑھ ماہ میکہ میں رہی، اس کے بعد شوہر بلا لایا، پندرہ دن کے بعد لڑکی کے بھائی کے یہاں عقیقہ ہوا، اس میں لڑکے کے والدین اور خود شوہر بھی اس لڑکی کو لیکر عقیقہ میں شریک ہوئے، عقیقہ ختم ہونے کے بعد رخصتی کی اجازت مانگی، لڑکی کے والد نے کہا کہ ابھی نہ جاؤ اس پر بات ہوتی رہی، اس میں لڑکی کا بھائی بولا یہ کسی قیمت پر نہیں جائے گی، اس پر تنازع ہوا، اس دوران شوہر لڑکی کے والد کے یہاں سے واپس آگئے، کچھ دنوں کے بعد لڑکے کے تاؤ کے پاس لڑکی کا بھائی آیا، اس نے کہا ہم لڑکی کو نہیں بھیجیں گے؛ اس لئے کہ اس کو بہت تنگ کیا ہے، ایک ہفتہ بعد اور

آیا اور لڑکے کے تاؤ سے کہا کہ ہمارا سامان دلوا دیجئے، لڑکی کو چھ ماہ قبل طلاق ہو چکی ہے، اس کے بعد لڑکی کی خفیہ اطلاعات موصول ہوئیں کہ مجھے آ کر لے جائیں، میں جانے کے لئے تیار ہوں، لڑکی نے اپنا وقت بتایا اور شوہر کو بلایا، شوہر دو بھائیوں کے ساتھ رات کے ساڑھے نو بجے لڑکی کو لینے چلا گیا، لڑکی وعدہ کے مطابق موقع پر تیار مع سامان متعینہ جگہ پر ملی، شوہر اور ایک بھائی وہاں سے لیکر چل دیئے اور ایک بھائی گاؤں سے باہر موٹر سائکل لئے ہوئے انتظار کر رہا تھا، گاؤں میں شادی تھی، برابر میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، اس کے لوگ شادی میں کھانا کھانے جا رہے تھے، ان لوگوں نے موٹر سائکل کو دیکھا، کس کی کھڑی ہے، شور مچا دیا، فائرنگ شروع کر دی کہ ڈاکو ڈاکو، لڑکی کا شوہر سمجھا کہ میرا بھائی مارا گیا، اس نے کہہ دیا تو گھر چلی جا، شوہر اپنی بیوی اور سامان کو چھوڑ کر بھائی کو دیکھنے بھاگ نکلا، بیوی اور موٹر سائکل چھوڑ کر یہ لوگ گھر واپس آ گئے۔

اب لڑکی اور اس کے گاؤں والوں کی پنچایت ہوئی، اس میں یہ طے پایا کہ دونوں کو قسم کھلا کر معلوم کر لو کہ اس نے طلاق دی ہے یا نہیں تو لڑکے نے مسجد میں قسم کھا کر کہا کہ میں نے کبھی طلاق نہیں دی ہے اور لڑکی گھر والوں کے دباؤ کی وجہ سے کہتی ہے کہ مجھے اس جھگڑے میں طلاق دے دی؛ باوجود اس کے وہ آنے کے لئے تیار ہے؛ لیکن گھر والوں سے چھپ کر تو پنچوں نے لڑکی سے پوچھا تو کیوں جا رہی تھی؛ جبکہ تجھے طلاق دے دی، تو لڑکی اس پر خاموش رہی اور کوئی جواب نہیں دیا، اب صورت مسئولہ میں کیا حل ہے آیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: عابد حسین، امیر حسین، ماسٹر خلیل احمد، بشیر احمد، اسحاق احمد، معصوم پور مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے پس منظر سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر نے طلاق نہیں دی، محض ناک بچاؤ کا مسئلہ ہے، خود لڑکی نے بھی خفیہ گفتگو میں بھی طلاق سے انکار کیا ہے؛ نیز اگر طلاق کا دعویٰ بھی ہے تو بیوی کے پاس شرعی گواہ موجود نہیں ہیں اور شوہر حلفیہ بیان دے رہا ہے کہ طلاق نہیں دی تو ایسی صورت میں بیوی کی بات

کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، شوہر کے قول کے مطابق شریعت کا حکم ثابت ہوتا ہے؛ لہٰذا شوہر کو یہ حق ہے کہ بیوی کو اپنے ساتھ لے جائے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة، رقم الآية: ۲۸۲)

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح والعتاق والطلاق الخ. (هدايه، كتاب الشهادة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۱۵٤/۳، هكذا فى الجوهرة النيره، كتاب الشهادة امداديه ملتان ۳۲٦/۲، دار الكتاب ديوبند ۳۰۹/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۱۸۵/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۲۲ھ

فقہی ضابطہ ''المرأۃ کالقاضی'' کا مطلب

سوال [۶۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ المرأۃ کالقاضی کا قاعدہ جو فقہاء نے ذکر کیا ہے اس کا کیا مطلب ہے، کیا ہر جگہ جہاں قضاءً طلاق واقع ہوتی ہے وہاں عورت طلاق کا اعتبار کرے گی یا اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے علم وتحقیق کے مطابق عمل کرے گی، حوالہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں؛ تاکہ مراجعت آسان ہوسکے۔

المستفتی: علاء الدین بستوی ہتھورہ باندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کا مطلب یہی ہے کہ عورت اپنے علم وتحقیق کے مطابق عمل کرے گی کہ جب اس کو یہ بات محقق ہوگئی کہ شوہر نے تین طلاق دیکر غلط بیانی

کی ہے تو عورت اس شوہر سے اپنے آپ کو الگ رکھنے کے لئے جتنے بھی حربہ استعمال کر سکتی ہے کر لینا چاہئے، اگر نا کام ہو کر اسی شوہر کے پاس رہنا پڑے تو عورت گنہگار نہ ہوگی؛ بلکہ سارا وبال شوہر پر ہوگا؛ جیسا کہ ذیل کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال أوتهرب (إلى قوله) فان حلف ولا بينة لها فالإثم عليه الخ. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في قول البحر، إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانةً إلى النية، زكريا ٤/ ٤٦٣، هنديه زكريا قديم ١/ ٣٥٤، جديد ١/ ٤٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹/ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱۴۲/۲۸)	۱۴۱۳/۴/۱۹ھ

بیوی نے طلاق کو سنا اور شوہر منکر ہے

سوال[۶۸۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کی بیوی ہندہ میں نزاع ہوا، ہندہ مدعیہ ہے کہ زید نے مجھے طلاق دی اس طرح کہ جا میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی اور جا کسی کے ساتھ چلی جا، ہندہ کے پاس گواہ موجود نہیں ہیں؛ لیکن اس واقعہ کو حلفیہ بیان کرتی ہے اور زید طلاق کا منکر ہے؛ لیکن اپنے انکار پر قسم نہیں کھاتا، اس صورت میں قدوری کی عبارت۔

وإذا نكل المدعى عليه عن اليمين قضى عليه بالنكول والزمه ما ادعى عليه. (قدوری ص: ۲۳۹، کتاب الدعویٰ)

طلاق مغلظہ واقعہ ہو جائے گی، یا حدیث **البينة على المدعى واليمين على من أنكر.** کی وجہ سے شوہر کا قول معتبر ہوگا اور اگر زید جھوٹی قسم کھالے اور ہندہ کو

یقین ہے کہ اس کے شوہر نے طلاق کے مذکورہ الفاظ کہے ہیں تو کیا ہندہ کیلئے دوسرے شخص سے نکاح کرنا۔

المرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه الخ.

(شامی، کتاب الطلاق، مطلب فی قول البحر، إن الصريح يحتاج فی وقوعه ديانةً إلی النية، زکريا ٤/٤٦٣، هنديه زكريا قديم ١/٣٥٤، جديد ١/ ٤٢٢) کی وجہ سے حلال ہے یا نہیں، حضرت والا سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد رضوان قاسمی مدرسہ قاسم العلوم نہٹور بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں بیوی مدعی ہے اور شوہر مدعی علیہ ہے جب بیوی کے پاس شرعی گواہ موجود نہیں ہیں تو شوہر پر حلف لازم ہے اور جب شوہر حلف کے لئے تیار نہیں ہے تو بیوی کا دعوی صحیح تسلیم کیا جائے گا اور فتویٰ بیوی کے قول کے موافق صادر کرنا ہوگا؛ لہٰذا بیوی پر طلاق مغلظہ تسلیم کی جائے گی اور اگر شوہر قسم کھالیتا ہے اور دوسری طرف بیوی نے تین طلاق کو خود سن رکھا ہے اور اس پر یقین کامل بھی ہے تو شوہر کو لے جانے کا حق دیا جائے گا؛ لیکن بیوی کو بھی خلع وغیرہ کے ذریعہ سے راہ فرار اختیار کرنے کا حق ہوگا، شامی کی عبارت جو آپ نے نقل کی ہے اس کا مطلب بھی یہی دوسری صورت ہے۔

المرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه الخ.

(شامی، کتاب الطلاق، مطلب فی قول البحر، إن الصريح يحتاج فی وقوعه ديانةً إلی النية، زکريا ٤/٤٦٣، هنديه زكريا قديم ١/٣٥٤، جديد ١/ ٤٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍۳۳۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍۲؍۱۴۱۴ھ

بیوی کا طلاق کو سننا اور شوہر کا انکار کرنا

سوال [۶۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا اور نوبت طلاق تک آپہونچی اس سلسلہ میں شوہر کا بیان کچھ اس طرح ہے شوہر نے کہا میرا گھر خالی کردے، اس پر بیوی نے کہا کہ مجھے طلاق دے ابھی چلی جاؤں گی، اس پر شوہر نے کہا میں نے دی اور مزید یہ کہا کہ اگر میرے ساتھ اسی طرح پیش آ ؤ گی تو ایک مرتبہ نہیں پچاس مرتبہ دونگا؛ جبکہ بیوی کہتی ہے کہ شوہر نے طلاق دے دی ہے اور اس طرح کہا کہ میں نے دی، میرے خدا نے دی اور یہ جملے چھ سات مرتبہ دہرائے ،صورت مسئولہ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو کون سی ہوئی ؟

المستفتی: محمد ذاکر کگرالہ بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی نے اگر واقعۃً شوہر کے قول ''میں نے طلاق دی، میرے خدا نے دی'' کو چھ سات مرتبہ سنا ہے تو اب بیوی کے لئے شوہر کے ساتھ رہنا قطعاً جائز نہیں ہے،شوہر سے خلع وغیرہ کر کے تفریق حاصل کرلے؛لیکن چونکہ بیوی کے پاس اس کے ثبوت کے لئے گواہ نہیں ہیں، اور شوہر بیوی کے اس دعویٰ کا انکار کر رہا ہے، اوراگر پنچایت رکھی جائے تو پنچایت کو شوہر کی بات کا اعتبار کرنا ہوگا اور پنچایت کے ذریعہ سے بیوی کو شوہر کے پاس جانا پڑے گا اوراگر واقعۃً شوہر نے طلاق دی ہے تو شوہر گنہگار ہوگا بیوی نہیں ہوگی، اوراگر حقیقت میں شوہر کی بات صحیح ہے اور بیوی باتوں کو بڑھا چڑھا کر کے کہہ رہی ہے تو ایسی صورت میں شوہر کے پاس نہ جانے کی شکل میں بیوی گنہگار ہوگی، اب اس کا فیصلہ کون صحیح ہے کون غلط ہے، میاں بیوی آپس میں جانتے ہیں؛ اس لئے غلط کرنے کی صورت میں فیصلہ اللہ کے یہاں ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۰۳)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال، أوتهرب (إلى قوله) فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه الخ. (شامی، کتاب الطلاق، مطلب فی قول البحر، إن الصريح يحتاج فی وقوعه ديانةً إلی النية، زكريا ٤/ ٤٦٣، هنديه زكريا قديم ١/ ٣٥٤، جديد ١/ ٤٢٢، كراچی ٣/ ٢٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ شوال المکرّم ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍ ۷۴۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹؍ ۱۱؍ ۱۴۲۲ھ

بیوی نے تین طلاق کو سنا اور شوہر منکر

سوال [۶۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد شمس الحق ولد جناب عبدالغفور مرحوم نے اپنی بیوی مسماۃ زہرہ خاتون کو کسی بات پر جھگڑنے کے بعد کہا ابھی بھی سنبھل جاؤ، بیوی نے کہا کہ ہم نہیں سمجھے کیا سنبھل جائیں، شوہر نے کہا کہ باہر نکلو بیوی آگے سے ہٹ گئی، پھر شوہر نے بسم اللہ پڑھکر اللہ اکبر کہا اور یہ کہا تم کو تین طلاق دیں، ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، اب ہم تھوک چھنکتے ہیں بیوی آنگن میں بیٹھ گئی، شوہر نے کہا کہ تم کو تینوں طلاقیں دے دیں پھر آنگن میں کیوں بیٹھی ہو اور پھر زبردستی دھکا دیکر آنگن سے باہر کر دیا، طلاق دیتے وقت اسکی بالغہ لڑکی اور لڑکا قریب البلوغ موجود تھے اور پھر باہر بھی لوگوں سے کہا کہ ہم نے ناجائز کیا، جواب دے دیا دو تین گواہوں کے سامنے اس نے کہا کہ ہم نے اپنی بیوی کو دو جواب دے دیا، محمد شمس الحق شوہر مذکور نے بیوی سے یہ بھی کہا اب ہمارے پاس کوئی گنجائش نہیں ہے، اپنے باپ کو بلاؤ اور اپنا دین مہر لے لو، اب شوہر مذکورہ لوگوں کے پوچھنے پر انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے طلاق نہیں دی ہے، یہ کہا تھا کہ جواب دے دیں گے، دیا نہیں ہے،

دریافت طلب امر یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو کونسی طلاق؛ نیز ’’جواب دے دیا‘‘ لفظ کنایہ ہے یا کچھ اور ہے اور کنایہ سے کون سی طلاق واقع ہوتی ہے۔

المستفتی: فریدعالم بھاگلپور بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی نے اپنے کانوں سے تین طلاق دینا سن لیا ہے تو اس کے لئے بغیر حلالہ کے اس شوہر کے پاس رہنا جائز نہ ہوگا؛ بلکہ اگر شوہر جھوٹی قسمیں کھا کر رکھنا چاہتا ہے تو بیوی خلع وغیرہ کے ذریعہ اس شوہر سے الگ ہوجائے اور اس شوہر کے پاس بلاحلالہ ہرگز نہ رہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۰۵)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال أو تهرب (إلى قوله) فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه الخ. (شامی، كتاب الطلاق، مطلب في قول البحر، إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانةً إلى النية، زكريا٤/٤٦٣، هنديه زكريا قديم ١/٣٥٤، جديد ١/٤٢٢، شامي كراچی ٣/٢٥١)

اور جواب دے دیا کا لفظ عرف میں بیوی کے لئے طلاق کے واسطہ مستعمل ہے؛ اس لئے اس سے طلاق صریح رجعی واقع ہوجاتی ہے، اور دو جواب سے دو طلاق رجعی واقع ہوجاتی ہیں اور جواب دے دیا کا لفظ یہاں کے عرف میں کنایہ نہیں ہے؛ بلکہ صریح ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۹/۲۱۶)

كما استفيد من عبارة الشامي فإن سر حتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح (إلى قوله) إن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أى لغة كانت الخ. (شامی، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ديو بند ٤/٥٣٠، كراچی ٣/٢٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شعبان ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۴۱۴۷)

بیوی تین طلاق کی مدعی ہے اور شوہر منکر

سوال [٦٨٢٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی تین طلاق کا دعویٰ کر رہی ہے اور شوہر انکار کر رہا ہے؛ تو اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: شمیم احمد مانیاوالا بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج کردہ معاملہ میں دو باتیں الگ الگ ہیں

(۱) عورت نے طلاق کا دعویٰ کیا تو اس کے ثبوت کے لئے گواہ پیش کرنا لازم ہے، اگر عورت دو معتبر گواہ پیش کرتی ہے؛ تو قضاءً اور دیانۃً دونوں اعتبار سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ عورت کے پاس دعوی کے ثبوت کے لئے گواہ نہیں ہیں اور شوہر انکار کرر ہا ہے تو ایسی صورت میں شوہر کی قسم کے ساتھ اس بات کو مان لیا جائیگا کہ شوہر نے طلاق نہیں دی ہے؛ لیکن اگر عورت نے اپنے کان سے شوہر کی طرف سے تین طلاق کو سنا ہے، تو اس کے لئے قاضی کے فیصلہ کے باوجود اس شوہر کے پاس جانا جائز نہیں ہے، مہر وغیرہ معاف کرکے اس سے علیٰحدگی اختیار کرنا لازم ہے اور اگر شوہر مہر کی معافی پر الگ نہیں کرتا ہے؛ تب بھی عورت کے لئے اس کے پاس جانا جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِجَالِكُمۡ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَّامۡرَاَتَانِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة، رقم الآية: ٢٨٢)

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح، والطلاق الخ.

(هدايه، كتاب الشهادة، أشرفى بكڈپو ديو بند ٣/ ١٥٤)

والمرأة کالقاضی إذا سمعته أو أخبرها عدل لا یحل لها تمکینه والفتویٰ علی أنه لیس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال، أوتهرب (قوله) أنها ترفع الأمر للقاضی فإن حلف ولا بینة لها فالإثم علیه. (شامی، کراچی، کتاب الطلاق، زکریا ٤/٤٦٣، تبیین الحقائق، امدادیه ملتان ٢/٢١٨، زکریا ٣/٨٢)

وفی البحر: یحل لها أن تزوج بزوج آخر فیما بینها وبین اللّٰہ تعالیٰ. (البحر الرائق، زکریا ٤/٩٦، کوئٹه ٤/٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۹۵۸/۳۸)

شوہر طلاق ثلاثہ کا منکر اور بیوی مدعیہ

سوال [۶۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی ہندہ اپنے شوہر کے دماغی توازن کی کمی کی وجہ سے نبھاؤ نہیں کرسکی اور سخت پریشان ہے، اپنے شوہر کے پاس جانا نہیں چاہتی؛ چونکہ ان کے لوگ اور خود ان کا شوہر بہت تکلیف دیتا ہے، ایسے حالات میں کب تک مجرد زندگی گزارے، عورت ذات ہے، ایک بار اس نے تین طلاق بھی دے دی تھیں، اب ان کا کہنا ہے کہ؛ جبکہ ہندہ نے خود اپنے کان سے سنا ہے اور ہندہ کی ماں نے بھی اپنے سے تین طلاق کو سنا ہے؛ اس لئے آپ کے دارالقضاء میں مقدمہ دائر کرتا ہوں، لڑکا زید کے ماں باپ انکار کرتے ہیں کہ میں نے طلاق نہیں دی تم چاہے کچھ بھی کرلو اور خلع کرنے کو بھی تیار نہیں، بچی کا کہنا ہے کہ جب میں نے تین طلاق کو اپنے کان سے سنا ہے اب تمہارے کہنے سے حرام کام کو نہیں جاتی، اب شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد توصیف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب لڑکی نے ازخود تین طلاقیں اپنے کان سے سنی ہیں تو اس کے لئے اب اس شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے؛ مگر اس کے پاس شرعی ثبوت نہیں ہے اور شوہر طلاق دینے کا انکار کررہا ہے؛ اس لئے ایسی صورت میں کسی طرح شوہر کو خلع پر راضی کر کے طلاق حاصل کرلے؛ تاکہ یہی خلع شرعی ثبوت بن جائے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۱۰۵)

والفتویٰ علی أنه لیس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال أو تهرب الخ. (شامی کراچی ۳/ ۲۵۱، زکریا ۳/ ۲۴۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۱۱/ ۱۴۲۰ھ

تعداد طلاق کے بارے میں مدعیہ کا بیان شرعی گواہان ہونے کی صورت میں معتبر ہے

سوال [۶۸۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے یہ کہا کہ اپنے باپ کے مال میں سے حصہ لے کر آؤ میں نے کچھ نہیں کہا، اس کے بعد مجھے نکال رہے تھے، پھر لڑکی سے کہا کہ مٹی کا تیل لے کر آؤ، اسے آگ لگائیں وہ لڑکی تیل لے کر نہیں آئی، مجھے پیٹنے لگے محلے والی عورتیں آگئیں اور آدمیوں کو بلا لیا، ان آدمیوں کے سامنے طلاق دی، پانچ بار میں نے اپنے کانوں سے سنا۔

سوال: تم نے کیا الفاظ سنے؟

جواب: میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی آزاد کیا آزاد کیا۔

سوال: کسی نے روکنے کی کوشش کی طلاق دینے سے؟

جواب: ماسٹر رشید صاحب نے اور ملاجی شوکت بھائی اور ایک پتہ نہیں کون تھے اور چھوٹے چچا کی بیوی اور شریف نائی کی بیوی اور ماسٹر صاحب کی بیوی بھی تھیں۔

سوال:شوہر نے تمہیں بلانا چاہا تو تم بہت دنوں تک پاس آنے سے گریز کرتی تھیں؟

جواب: یہ سب جھوٹ ہے، بکواس ہے۔

سوال:اس سے پہلے ناراضی ہوئی یا ہوتی رہتی تھی ؟

جواب :.جی ہاں ہوتی رہتی تھی، کہتے رہتے تھے یہ نسل اچھی نہیں لگتی میرے اوپر کوئی ناراضگی نہیں تھی، سسرال سے جھگڑا تھا میں کہتی تھی کہ اوروں کے اوپر نہ جاؤ مجھ سے واسطہ رکھو۔

بیان گواہ اول ملاجی شوکت علی صاحب

جو حق بات ہے وہ یہ ہے کہ جب میں گھر میں داخل ہوا، تو یہ بیوی کو مار رہے تھے، ان کے ہاتھ میں پٹری تھی، میں نے ان سے کہا کہ تم آدمی ہو یا پٹواری؟ میں نے سنا انہوں نے دو مرتبہ طلاق دی اور دو مرتبہ آزاد کر دیا کے الفاظ کہے۔

سوال: تم وہاں کیا کر رہے تھے؟

جواب: برابر والے مکان میں کام کر رہے تھے، جب جھگڑا ہوا، سن کر آگئے۔

سوال:تم نے جھگڑے کی آواز خود سنی یا کسی نے اطلاع دی؟

جواب: چھوٹے کی گھر والی نے اطلاع دی، تو ہم اور ماسٹر رشید صاحب پہونچے۔

سوال:تمہیں کوئی بات پتہ چلی، جب ان کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا ؟

جواب:ہمیں کچھ پتہ نہیں ہم اتنی بات سن کر واپس آگئے۔

سوال: آپ نے خود سن کر کہا یا کسی اور سے سن کر کہا؟

جواب:ہم نے براہ راست سنا کسی اور سے نہیں سنا۔

گواہ ثانی محمد یسین ولد عبد القیوم صاحب

ہمارے سامنے دو بار طلاق کو کہا اور دو بار آزاد کو کہا؛ جبکہ ہم اور ماسٹر رشید صاحب انہیں کھینچ کر لا رہے تھے، باقی ماسٹر رشید سے معلوم کریں۔

سوال: جب یہ جھگڑا ہوا، آپ وہاں کیا کرر ہے تھے؟

جواب: ہم برابر والے مکان میں کام کرر ہے تھے۔

سوال: تم خود وہاں پہونچے یا کسی نے اطلاع دی تھی؟

جواب: چھوٹے کی بیوی نے اطلاع دی کہ پہلوان اپنی اہلیہ کو مار رہے ہیں، تم بچالو، جب ہم وہاں پہونچے تو وہ اپنی بیوی کو برا بھلا کہہ رہے تھے، ان کے ہاتھ میں پٹڑی تھی، اسی گرم گھاؤ میں طلاق دیدی۔

سوال: ان کے درمیان جھگڑے کی کوئی وجہ آپ کو معلوم ہے؟

جواب: ہمیں کچھ پتہ نہیں۔

گواہ ثالث ماسٹر رشید صاحب

میں برابر میں مکان بنوار ہا ہوں، قریب سے ایک عورت گھبرائی ہوئی میرے پاس آئی، اس نے کہا کہ دلشاد کے گھر چلو، جھگڑا ہور ہا ہے، میں گیا میرے ساتھ اور آدمی جو کام کررہے تھے، وہ بھی آ گئے، میں نے دلشاد میاں کو کھڑا کیا اور کہا کہ جھگڑے کو چھوڑ و اور میں اس کو کھینچ کر لانے لگا تو اس وقت میں نے سنا کہ اس نے کہا کہ میں نے اس کو طلاق دی، دو مرتبہ کہا اور میں نے اس کو آزاد کیا ایک مرتبہ کہا، میں اس کو کھینچ کر گھر لے گیا اور جتنا مجھ سے ہو سکا اس کو سخت ڈانٹا۔

سوال: ان کے درمیان جھگڑے کی وجہ آپ کو معلوم ہے؟

جواب: مجھے نہیں پتہ یہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے تھے۔

بیان مدعی علیہ شوہر دلشاد احمد

کسی بات پر ناراضگی پیدا ہونے پر میں نے ایک بار بغیر ارادہ کے ایک لفظ کہا کہ میں نے طلاق دی۔

سوال: ناراضگی کی کوئی خاص وجہ تھی؟

جواب: ایسی کوئی خاص وجہ نہ تھی؛ البتہ کافی دنوں تک میاں بیوی والے تعلقات سے گریز کرتی تھی، میں خدا کو حاضر وناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ میں نے اور کچھ نہیں کہا۔

سوال: تو کیا اس سے پہلے کوئی ناراضگی ہوئی؟

جواب: اس سے پہلے ایسی کوئی خاص ناراضگی نہیں ہوئی۔

سوال: اس وقت وہاں کون کون موجود تھے؟

جواب: ایک ہماری جحن تھی، ایک ہمارے پڑوس کا لڑکا اس کا نام رئیس احمد ہے، فرید احمد وزیرن صاحبہ براہ راست جھگڑا انہوں نے سنا۔

سوال: کیا تم نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ تم اپنے میکہ سے پیسے لے کر آؤ؟

جواب: نہیں بخدا میں نے نہیں کہا۔

بیان گواہ اول فرید احمد صاحب

میں تو اس سب جھگڑے کے بعد پہونچا اور جحن سے میری بات ہوئی، انہوں نے بتلایا دلشاد نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور مارا ہے، پھر میں ماسٹر رشید صاحب سے ملا، انہوں نے مجھے کچھ بتا کر نہیں دیا۔

سوال: جحن نے تمہیں کتنی بار طلاق دینے کے بارے میں بتایا؟

جواب: مجھے صرف ایک بار طلاق دینے کے متعلق بتلایا اور کہا کہ میں شروع سے اخیر تک رہی۔

بیان گواہ رئیس احمد صاحب

میں نے سنا کہ دلشاد احمد نے ایک مرتبہ طلاق دی کا لفظ کہا، تو میں فوراً دلشاد کے قریب گیا، میں نے کہا کہ دیکھو یہ لفظ مت بولنا پھر ماسٹر رشید اور ملا جی اور مزدور آ گئے اور اس کو کھینچ کر لے گئے، میں اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی وجہ سے یہ بیان دے رہا ہوں جو بالکل صحیح ہے۔

گواہ ثانی (الف)جمن شکوراًاہلیہ حاجی رشید صاحب

میں گلی میں جا رہی تھی، میں نے جھگڑے کی آواز سنی تو میں اندر گئی ،تو میں نے دیکھا کہ دلشاد احمد اپنی بیوی کو مار رہا ہے، دوعورتیں شریف اور چھوٹے کی بیوی بچا رہی تھی ، تو میں نے کہا کہ ماسٹر رشید کے یہاں کام ہو رہا ہے، وہاں سے مردوں کو بلا لاؤ چھوٹے کی بیوی ماسٹر صاحب اور مزدوروں کو بلا لائی، وہ اسے کھینچ کر لے جانے لگے تو ہم نے یہ سنا کہ دلشاد احمد کہہ رہا تھا کہ میں تو اسے نکالوں گا، میں نے اسے طلاق دی، آزاد کیا اور فارقتی دی یہ صرف میں نے ایک بار سنا ہے۔

سوال: آپ جھگڑے کے شروع میں تھیں؟

جواب: میں شروع سے نہیں تھی ،مار پیٹ پہلے سے ہو رہی تھی، میں تو جھگڑا سن کر پہونچی ۔

سوال: جب آپ آئیں تو کیا جھگڑا ختم ہو چکا تھا؟

جواب :ماسٹر صاحب دلشاد کو پکڑ کے لے گئے اوران کے والد نے ان کو بلوایا، پھر میں سبزی لینے چلی گئی مجھے پتہ نہیں کیا ہوا۔

بیان گواہ ثانی (ب)وزیرن اہلیہ حسیب اللہ صاحبہ

سوال: جب وہ پکڑ کر لے جارہے تھے،تو وہ کیا کہہ رہا تھا؟

جواب : جس وقت وہ لے جارہے تھے، اس نے کہا کہ میں نے طلاق دی، فارقتی دی، آگے پتہ نہیں کیا ہوا۔

سوال: جھگڑا لے جانے کے بعد ختم ہوگیا یا چلتا رہا؟

جواب: جھگڑا ختم ہوگیا اوراس کی بیوی ہمارے سامنے چلی گئی۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ بیوی کے بیانات اوراس کے شوہر کے بیانات اسی طرح ہردو کے گواہان کے تفصیلی بیانات آپ کے سامنے ہیں، جواب دیں کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں

اورکون سی طلاق ہوئی ؟ اب میاں بیوی کو کیا کرنا چاہئے ؟

المستفتی: زید احمد، مبارک پور، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی مدعیہ کے دعویٰ کے مطابق دو گواہوں نے دو مرتبہ طلاق اور دو مرتبہ آزاد کردیا کے الفاظ پر شہادت دی ہے اور ایک تیسرے گواہ نے دو مرتبہ طلاق اور ایک مرتبہ آزاد کردیا کا لفظ سنا، بہرحال بیوی نے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کردیا ہے اور ہمارے عرف میں آزاد کردیا کا لفظ بیوی کے حق میں طلاق کے لئے بولا جاتا ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بلا حلالہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا اور شوہر کی طرف سے گواہوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیز وہ سب گواہ ناتمام بھی ہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِجَالِكُمۡ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَّامۡرَاَتَانِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. [البقرہ: ٢٨٢]

وما سویٰ ذلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین، أو رجل وامرأتین سواء کان الحق مالا، أو غیر مال مثل النکاح، والطلاق. (هدایة، کتاب الشهادة اشرفي دیوبند ٣/ ١٥٤، البحرالرائق کوئٹه ٧/ ٦٢، زکریا ٧/ ١٠٤، درمختار، کراچي ٥/ ٤٦٥، زکریا ٨/ ١٧٨)

سرحتک وهو رها کردم؛ لأنه صار صریحا في العرف. (شامي، کتاب الطلاق، باب الکنایات کراچي ٣/ ٢٩٩، زکریا ٤/ ٥٣٠)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیرهٗ نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، ثم یطلقها، أو یموت عنها. (هندیة، زکریا قدیم ١/ ٤٧٣، جدید ١/ ٥٣٥، هدایة، اشرفی دیوبند ٢/ ٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۶۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۴ھ

شوہر تین طلاق کا منکر اور بیوی مدعیہ

سوال [۶۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنے شوہر کی دوسری بیوی ہوں اور میرے دو بچے ہیں، میرے شوہر جب ایک رات سونے کے لئے آئے تو ۱۵/منٹ آرام کرنے کے بعد کہنے لگے میری طبیعت خراب ہورہی ہے، بے چینی ہورہی ہے، میں اپنی پہلی بیوی کے پاس ہونے جارہا ہوں یہ کہہ کر وہ اٹھ کر چلے گئے اور جانے لگے انہیں جاتا دیکھ کر مجھے غصہ آ گیا، اوران سے کہا سنی پر بات بڑھ گئی، اتنی بات بڑھنے پر میں نے ان سے کہا کہ اگر آج یہاں سے گئے، تو مجھے طلاق دے کر جاؤ گے، انہوں نے کہا ہاں میں تجھے طلاق دے دوں گا، اس بات پر میں نے کہا کہ ایسے نہیں، تو انہوں نے کہہ دیا کہ میں نے تجھے طلاق دی، یہ انہوں نے تین بار بڑی زور دے کر کہا اور وہاں سے چلے گئے۔ اب اس بات کو کافی دن ہوگئے ہیں اور وہ بار بار یہ کہتے ہیں میں نے تین بار نہیں دو بار ہی کہا ہے اور وہ قسم بھی کھا رہے ہیں کہ میں نے دو بار ہی کہا ہے۔

برائے مہربانی آپ میری مشکل کا حل بتانے کی زحمت کریں۔

المستفتیة: عرشی، اندرا، چوک چاندوالی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں دو بیان دو طرح کے ہیں کہ بیوی تین طلاق کی دعویدار ہے اور شوہر تین بار کا منکر ہے، اور شوہر اس پر قسم بھی کھا رہا ہے اور شوہر کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ اس واقعہ کے بعد دونوں برضا ورغبت ہمبستر بھی ہوگئے، اس پر بیوی نے انکار بھی نہیں کیا اور تین طلاق کے دعویٰ پر بیوی کے پاس گواہ بھی نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں شرعاً شوہر کے قول کا اعتبار ہوتا ہے؛ لہٰذا شوہر کے قول کے مطابق ہی شریعت کا حکم ہے دو ہی طلاق کا اعتبار ہوگا اور بعد میں ہم بستری کرنے کی وجہ سے رجعت بھی ہوگئی؛ اس لئے شرعی طور پر بدستور میاں بیوی شمار ہوں گے۔

ومـا سـویٰ ذلک مـن الـحـقـوق یـقبل فیهاشهادة رجلین، أو رجل، وامـرأتیـن سـواء کـان الـحق مـالا، أو غیر مـال، مثل النکـاح، والطلاق، والوکالة، والوصیة. (هدایة، کتاب الشهادت اشرفي دیوبند۳/۱۵٤)

ونـصـابها لغیرها من الحقوق سواء کان الحق مالا، أو غیره کنکاح، وطلاق......رجلان......أو رجل و امرأتان. (در مـختار مع الشامي، کتاب الشهادة، کراچي ٥/٤٦٥، زکریا۸/۱۷۸)

قـال الله تـعالیٰ: وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِجَالِكُمۡ فَاِنۡ لَمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَامۡرَاَتَانِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ . (سـورة البـقـرة، رقم الآیة: ۲۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۸۹۳۳)

طلاق کے بارے میں زوجین میں سے کس کے قول کا اعتبار ہے؟

سوال [٦٨٢٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد اور اس کی زوجہ میں کسی بات پر نزاع ہوا اور تکرار اس حد تک بڑھا کہ خالد نے لفظ طلاق کا استعمال کیا؛ لیکن اس لفظ کی ادائے گی میں زوجین میں اختلاف ہوگیا، شوہر کہتا ہے کہ میں نے دوبار کہا کہ ”میں تجھے طلاق دیدوں گا“ اور بلالے اپنے والد کو میں اس کے سامنے بھی طلاق دیدوں گا؛ البتہ میں بار بار یہ کہہ چکا ہوں میں تجھ سے دسیوں بار یہ کہہ چکا ہوں کہ اپنے ماں باپ کے گھر چلی جا یہ صرف ڈرانے کے لئے کہا ہے، اس میں طلاق کی نیت نہیں تھی؛ جبکہ بیوی کہتی ہے کہ میرے شوہر نے صراحۃً دوبار یہ کہا کہ جا میں نے تجھے طلاق دیدی اور بلالے اپنے والد کو اس کے سامنے بھی طلاق دیدوں گا اور یہ جا، ایک بار

نہیں؛ بلکہ دس بار کہہ چکا کہ چلی جا، اس واقعہ پر شوہر کی ماں اور بالغہ لڑکی موجود تھی، شوہر کی ماں اس بارے میں کچھ کہنے سے خاموش ہے اور لڑکی کہتی ہے کہ ایک بار تو یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دیدی اور ایک بار کہا کہ تجھے طلاق دیدوں گا۔ اور تیسری بار کہا کہ اپنے والد کو بلالے اس کے سامنے بھی طلاق دیدوں گا۔

المستفتی: راشد حسین، عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کے بیان کے مطابق کسی قسم کی کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور بیوی کے بیان کے مطابق دوطلاق رجعی ہوئی ہیں، جس میں رجعت کی گنجائش باقی ہے، بیوی کے بیان کا اعتبار نہیں؛ بلکہ شوہر کے بیان کے مطابق کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، میاں بیوی کی زندگی گذار سکتے ہیں اور ماں اور لڑکی سے نصاب شہادت مکمل نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے بیان میں مطابقت ہے؛ اس لئے اس کا بھی اعتبار نہیں اور لفظ طلاق دیدوں گا سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لو قال: أطلقک لم یقع. (سکب الأنهر، کتاب الطلاق، باب إیقاع الطلاق، دارالکتب العمیة بیروت ٢/ ١٤)

قال اللّٰه تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ . (سورة البقرة، رقم الآیة: ٢٨٢)

وما سویٰ ذلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین، أو رجل، وامرأتین سواء کان الحق مالا، أو غیر مال، مثل النکاح، والطلاق، والوکالة، والوصیة. (هدایة، کتاب الشهادة اشرفي دیوبند٣/ ١٥٤، البحر الرائق، کوئٹه ٧/ ٦٢، زکریا٧/ ١٠٤، در مختار مع الشامي، کراچي ٥/ ٤٦٥، زکریا ٨/ ١٧٨) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۴۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۴/۲۶ھ

مطلق اور گواہ کے مابین صیغۂ طلاق میں اختلاف ہو تو کس کا قول معتبر ہے؟

سوال [٦٨٢٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد یعقوب نے لڑائی کے وقت اپنی بیوی سے کہا کہ چپ ہو جا نہیں تو میں تجھے طلاق دیدوں گا، اس وقت بیوی کی ماں اور یعقوب کے ماں باپ موجود تھے، وہ بھی یہی کہتے ہیں، مگر محلے کے تین چار آدمی کہتے ہیں کہ یعقوب نے طلاق دی کہا ہے، کیا اس صورت میں طلاق واقع ہونے کا حکم لگایا جائے گا؟

المستفتی: ٹیچر مسلم انٹر کالج، ٹھاکردواہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں محلّہ کے لوگوں کی گواہی ماں باپ شوہر بیوی کے خلاف شرعاً معتبر نہیں ہے اور ان کا یہ کہنا کہ ہم نے طلاق دی سنا ہے اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

ولو العداوة للدنيا لاتقبل سواء شهد على عدوه أوغيره. (در مختار، كتاب الشهادة، باب القبول وعدمه، كراچي ٥/ ٤٨٠، زكريا ٨/ ١٩٩، البحر الرائق، زكريا ٧/ ١٤٣، كوئٹه ٧/ ٨٥)

لہٰذا سوال نامہ میں مذکور لفظ طلاق دیدوں گا سے کوئی طلاق نہیں ہوئی؛ کیونکہ یہ طلاق نہیں بلکہ طلاق کی دھمکی یا وعدۂ طلاق ہے اور دھمکی اور وعدہ سے طلاق نہیں ہوتی۔

بخلاف كنم؛ لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك. وفي المحيط: لو قال بالعربية أطلق لا يكون طلاقاً. (عالمگيري، زكرياقديم ١/ ٣٨٤، جديد ١/ ٤٥٢)

أنا طالق، أو أطلق نفسي لم يقع؛ لأنه وعد. (در مختار، كراچي ٣/ ٣١٩، زكريا ٤/ ٥٥٩، بحر، زكريا ٣/ ٥٤٥، كوئٹه ٣/ ٣١٤)

لوقال: أطلقک لم یقع. (سکب الأنهر في شرح ملتقي الأبحر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۸۳۰)

شوہر دوطلاق کا اقرار کرے بیوی چار کا

سوال [۶۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ابھی ہفتہ عشرہ پہلے یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ محمود علی صاحب اوران کی بیوی کے درمیان آپس میں نا چاقی اوراختلاف کی بناء پر غصہ کی حالت میں محمود علی نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تم کو ایک نمبر، دونمبر، طلاق دی، اس بات پر دونوں فریق متفق ہیں، محمود علی بھی اس کا قرار کررہا ہے اوراس کی بیوی بھی یہی کہتی ہے؛ لیکن ساتھ میں بیوی کی طرف سے یہ بھی دعویٰ ہے کہ آج سے تقریباً چھ مہینہ پہلے عید الفطر کے بعد ایسا ہی جھگڑا ہوا تھا اوراس جھگڑے کے دوران ’’طلاق دیدی‘‘ کا لفظ دومرتبہ استعمال کیا ہے، میں اس معاملہ سے متعلق تحقیق کے لئے امروہہ سے اپنی بہن کے پاس آیا معلوم ہوا کہ اس مسئلہ سے متعلق تین فتوے آچکے ہیں۔ ایک فتوی جامع الہدیٰ سے جس میں شوہر کے بیان کے مطابق دوطلاق سے معلق ہے، اورایک فتوی لال مسجد سے مفتی عبد المنان کلیمی کا لکھا ہوا ہے، جس میں بھی شوہر کے بیان کے مطابق دوطلاق رجعی کا ذکر ہے، اور مدرسہ شاہی سے بھی ایک فتوی لیا گیا ہے، جس میں بیوی کے بیان کے مطابق تین طلاق کا ذکر ہے؛ اس لئے ہم بڑی تشویش میں مبتلا ہوگئے، پھر مدرسہ شاہی کے مفتیان کرام سے رابطہ کیا گیا، اس کے بعد مسئلہ کی تحقیق ہوئی اورمدرسہ شاہی میں، میں اور ماسٹر عتیق صاحب اورمحمود علی اورمحمود علی کے تینوں بیٹے اورمیری بہن جو محمود علی کی بیوی ہے، سب مدرسہ میں حاضر ہوئے اور ڈیڑھ گھنٹہ تک مدرسہ شاہی کے

مفتیان نے جانبین کے بیانات سے اور دونوں طرف کی رد وقدح کی بات بھی سنی اور اس میں میری بہن ملکہ ثریا نے اپنے بیان میں بڑے بیٹے منصور علی کو گواہی میں پیش کیا ہے، مگر بیٹے نے کہا میں ماں باپ کے بیان میں سے کسی کو جھٹلا نہیں سکتا ہوں؛ البتہ اس واقعہ میں میں موجود تھا، اس میں طلاق دیدوں گا لفظ کئی مرتبہ استعمال کیا گیا ہے، دیدی کا لفظ مجھے یاد نہیں، اس پر ماں نے برسر عام مجلس ہی میں بیٹے کے لئے سخت بد دعائیہ الفاظ استعمال کئے، پھر بھی بیٹا اپنے بیان پر قائم ہے اور حاصل یہ نکلا کہ محمود علی ''دوطلاق کا اقراری ہے اور میری بہن ملکہ ثریا اپنے کان سے پہلے واقعہ میں بھی دو طلاق سننے کی وجہ سے مدعیہ ہے اور دوسرے واقعہ میں بھی دوطلاق سننے کی مدعیہ ہے، ایسے حالات میں شریعت کیا فیصلہ دیتی ہے؟

المستفتی: محمد آصف حیات جعفری، محلّہ بڑادربار، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ تینوں فتوؤں میں سائلوں نے جس طرح سے سوال پیش کیا ہے، اسی طرح کے جوابات ہیں، ان متضاد سوال وجواب کے بعد اور جانبین کے الگ الگ بیانات سننے کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ آمنے سامنے بات چیت ہوجائے، تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جانبین سے آمنے سامنے بات ہوئی، شوہر صرف دوطلاق دینے کا اقراری ہے، اور بیوی اس بات کی دعویدار ہے کہ شوہر نے ابھی ہفتہ عشرہ پہلے دوطلاق دی ہے، جس کا شوہر بھی اقرار کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ پانچ چھ مہینے پہلے عید الفطر کے بعد بھی جھگڑے کے دوران دو طلاق دے چکا ہے اور اس پر بیوی نے اپنے بڑے بیٹے کو گواہی میں پیش کیا اور بڑے بیٹے سے دونوں کے سامنے براہ راست معلوم کیا گیا وہ یہ کہتا ہے کہ ''طلاق دیدوں گا'' کا لفظ کئی بار استعمال کیا گیا ہے اور ''دیدی'' کا لفظ نہ سنا، نہ یاد ہے جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے اور شوہر نے بھی صاف لفظوں میں اس کا انکار کردیا ہے کہ پانچ چھ مہینے پہلے جھگڑے کے

دوران طلاق دی ہے؛ بلکہ یہ کہتا ہے کہ دھمکی کے لئے ’’طلاق دیدوں گا‘‘ کا لفظ کئی بار استعمال کیا اور ’’طلاق دیدی‘‘ کا لفظ قطعاً استعمال نہیں کیا اور اس بات پر قسم کھانے کے لئے تیار ہے؛ لہٰذا بیوی کے اپنے دعوے کے ثبوت میں شرعی گواہ موجود نہیں ہیں اور شریعت اسلامی میں ایسی صورت میں حکم شرعی یہی ہے کہ بیوی کے دعویٰ کا اعتبار نہیں شوہر کے قول کے اعتبار سے حکم شرعی نافذ ہوجاتا ہے؛ اس لئے مذکورہ واقعہ میں دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، شوہر کو رجعت کا حق ہے؛ لیکن ساتھ ساتھ شریعت عورت کو یہ بھی کہتی ہے کہ اگر واقعۃً اس نے اپنے کان سے پہلے واقعہ میں بھی دو مرتبہ ’’طلاق دی‘‘ کا لفظ سن رکھا ہے اور اس کو اس بات کا یقین ہے تو خوشی سے اپنے آپ کو شوہر کے حوالہ کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ مال دے کر یا مہر معاف کرکے شوہر سے الگ ہوجائے اور اگر شوہر خلع کرنے اور مال لینے پر کسی طرح تیار نہیں ہے اور بیوی کو رکھنے پر ہی مصر ہے، تو ایسی صورت میں مجبوراً بیوی کے لئے شوہر کے ساتھ رہنا جائز ہے اور سارا گناہ شوہر پر ہوگا، اللہ کے یہاں بیوی سے باز پرس نہیں ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۲۸۲)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه، والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله، ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمال، أوتهرب (وقوله) أنها ترفع الأمر للقاضي، فإن حلف ولابينة لها، فالإثم عليه. (شامي، كراچي ۳/۲۵۱، زكريا ٤/٤٦٣)

وفي البحر يحل لها أن تتزوج بزوج أخر فيما بينها و بين الله تعالىٰ. (البحر الرائق، كوئٹه ٤/٥٧، زكريا ٤/٩٦)

أن المرأة كالقاضي لا يحل لها، أن تمكنه إذا علمت منه، ماظاهره خلاف مدعاه. (شامي، كراچي ۳/۳۰۵، زكريا ٤/٥٣٨)

إذا سمعت منه المرأة، أو شهد به عندها عدل لا يسعها أن تدينه؛

لأنها كالقاضي لا تعرف منه إلا الظاهر. (فتح القدير، دارالفكر بيروت ٤/ ٧، كوئٹه ٣/ ٣٥٣، زكريا ٦/ ٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۰۹۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۶/ ۱۴۲۴ھ

دومرتبہ طلاق کے بعد مزید ۲ رطلاق میں شوہر و بیوی کا اختلاف

سوال [۶۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو ایک نشست میں دومرتبہ طلاق دی، اندرون عدت رجعت ہوگئی، چند ایام گذرنے کے بعد ایک دن دونوں میں کسی بات پر جھگڑا ہوا، معاملہ طول پکڑ گیا، زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھ میں نے پھر تجھے دومرتبہ طلاق دی، زید کی بیوی اس سے اس روز سے الگ ہوگئی اور وہ اس سے کوئی تعلق نہیں رکھتی ہے؛ جبکہ زید اس بات پر مصر ہے کہ اس نے طلاق دی، ایسا نہیں کہا؛ بلکہ طلاق دیدوں گا کہا، اس سلسلہ میں زید اپنا حلفیہ بیان دینے پر نہ صرف یہ کہ راضی ہے؛ بلکہ اس کا اصرار ہے کہ ایسا کیا جائے اور اس نے اپنا حلفیہ بیان دیا ہے؛ لیکن اس کی بیوی اس کی درخواست اور بار بار کے اصرار پر کوئی نوٹس نہیں لے رہی ہے، وہ اپنی اس بات پر قائم ہے کہ اس کے شوہر نے اسے دو طلاق کے بعد رجعت کر کے اسے پھر دو اور طلاقیں دی ہیں، اب رجعت کا کوئی موقع نہیں رہا۔ براہ کرم اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبدالکریم حنفی، منظر پورہ، اچلپورہ، امراوتی (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب زید نے اپنی بیوی کو دومرتبہ طلاق دی ہے، اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں اور اندرون عدت رجعت بھی کر لی ہے، تو اس

سے رجعت ہوگئی، دونوں میاں بیوی کی طرح زندگی گذار سکتے ہیں جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے؛ لیکن چند روز گذرنے کے بعد جھگڑے کے درمیان زید کی زبان سے دو طلاق کے الفاظ جو نکلے ہیں، اس کے بارے میں زید اور اس کی بیوی کے درمیان اختلاف ہے، زید حلفیہ بیان کرتا ہے کہ ’’تجھے دو طلاق دیدوں گا‘‘ کے الفاظ کہے ہیں اور بیوی کہتی ہے کہ ’’تجھے دو مرتبہ طلاق دی‘‘ کے الفاظ کہے ہیں، تو ایسی صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس کی بیوی پر اپنے دعویٰ میں دو شرعی گواہ پیش کرنا لازم ہے، جنہوں نے براہ راست اپنے کان سے یہ الفاظ سنے ہوں؛ لیکن اگر بیوی کے پاس کوئی گواہ موجود نہیں ہے اور شوہر قسم کھالیتا ہے، تو شوہر کی قسم کے مطابق فیصلہ ہوگا کہ ’’طلاق دیدوں گا‘‘ ہی کے الفاظ کا اعتبار ہوگا، جس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے اور ’’طلاق دی‘‘ کے الفاظ جو بیوی کا دعوی ہے اس کا اعتبار نہ ہوگا اور بیوی کو شوہر کے پاس جا کر حقوق زوجیت ادا کرنے چاہئیں اور ایسے حالات میں اگر واقع میں شوہر نے جھوٹی قسم کھائی، تو اس کا سارا گناہ شوہر کے سر ہوگا، بیوی پر نہیں ہوگا۔

قال الله تعالیٰ: وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِجَالِكُمۡ فَاِنۡ لَمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَامۡرَاَتَانِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة: ۲۸۲)

وما سوىٰ ذلک من الحقوق يقبل فيهاشهادة رجلين، أو رجل، وامرأتين سواء كان الحق مالا، أو غير مال، مثل النكاح، والطلاق، والوكالة، والوصية، ونحو ذٰلک. (هداية، كتاب الشهادة اشرفي ديوبند ۳/۱۵٤، البحر الرائق، كوئٹه ۷/٦۲، زكريا ۷/۱۰٤، در مختار مع الشامي، كراچي ٥/٤٦٥، زكريا ۸/۱۷۸)

ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا، أو غيره كنكاح، وطلاق...... رجلان...... أو رجل و امرأتان. (در مختار مع الشامي، كتاب الشهادة، كراچي ٥/٤٦٥، زكريا۸/۱۷۸)

ولغيرها رجلان، أو رجل، وامرأتان للآية أطلقه فشمل المال وغيره كالنكاح، والطلاق. (البحر الرائق، کوئٹه۷/۶۲، زکریا۷/۱۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۹۶۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۴ھ

تعداد طلاق میں زوجین کا اختلاف ہو تو کس کا قول معتبر ہے؟

سوال [۶۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ ان الفاظوں میں طلاق دی ہے کہ ’’میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی‘‘ اور بیوی کہتی ہے کہ میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں مجھ کو تین بار طلاق دی ہے اور میاں اپنی بات پر قسم کھانے کے لئے تیار ہے۔ عنایت فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد رشید، ساکن گڑھی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر شوہر دو طلاق کا اقرار کر رہا ہے، تو دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، رجعت کر کے رکھنے کی گنجائش ہے، بیوی جو تین طلاق کا دعویٰ کر رہی ہے اور اس پر گواہ بھی نہیں ہیں اور شوہر تین طلاق کا انکار کر رہا ہے، تو شوہر کے قول کے مطابق، صرف دو طلاق کا اعتبار ہوگا۔

قال الله تعالىٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة: ۲۸۲)

ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا، أو غيره كنكاح، وطلاق......رجلان......أو رجل و امرأتان. (در مختار مع الشامي، كتاب الشهادة، كراچي ٥/٤٦٥، زكريا٨/١٧٨)

وما سویٰ ذلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین، أو رجل، وامرأتین سواء کان الحق مالا، أو غیر مال، مثل النکاح، والطلاق الخ.

(هداية، اشرفي ديوبند٣/ ١٥٤، البحر الرائق، كوئٹه ٧/ ٦٢، زكريا٧/ ١٠٤،الجوهرة النيره، امداديه ملتان ٢/ ٣٢٦، دارالكتاب ديوبند ٢/ ٣٠٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۱۳۳/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱/۱۴۱۸ھ

تعداد طلاق میں کس کا قول معتبر ہے زوج یا زوجہ کا؟

سوال [۶۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو چند عورتوں کی موجودگی میں طلاق دی، زید کہتا ہے کہ میں نے دو ہی طلاقیں دی ہیں اور ہندہ اور وہ عورتیں کہتی ہیں کہ تین بار طلاق دی ہے، اس واقعہ کو لگ بھگ آٹھ ماہ گذر گئے ہیں، صورت مسئولہ میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عشرحسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید کی بیوی زید کے نکاح سے نکل گئی؛ کیونکہ عدت پوری ہوچکی ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں بیوی کو اختیار رہے، جس کسی دوسرے شخص سے چاہے نکاح کرے شرعاً جائز ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ. [سورة البقر:۲۲۹] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
محمد ایوب نعیمی غفرلہ

دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد
مؤرخہ: ۲۹ رربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

جواب منجانب: دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں چونکہ نصاب شہادت دومرد یا ایک مرد اور دوعورتیں موجود نہیں ہیں؛ لہٰذا ایسی صورت میں شوہر کے قول کا شرعاً اعتبار ہوگا اور بیوی پر دوطلاق واقع ہوگئیں۔

قال الله تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة: ٢٨٢)

ولغيرها رجلان، أو رجل، وامرأتان للآية أطلقه فشمل المال وغيره كالنكاح، والطلاق. (البحر الرائق، کوئٹه ٧/٦٢، زكريا ٧/١٠٤، الجوهرة النيره،امدايه ملتان ٢/٢٣٦، دارالكتاب ديوبند ٢/٣٠٩، در مختار، كراچي ٥/٤٦٥، زكريا٨/١٨٧)

وما سوىٰ ذلک من الحقوق يقبل فيهاشهادة رجلين، أورجل، وامرأتين سواء كان الحق مالا، أو غير مال، مثل النكاح، والطلاق الخ. (هداية، اشرفي ديوبند٣/١٥٤)

اوراب چونکہ طلاق دیئے ہوئے آٹھ ماہ گذر چکے ہیں؛ لہٰذا بیوی کی عدت بھی پوری ہوگئی؛ اس لئے اب وہ بائنہ ہوچکی ہے، اب شوہر کا بیوی پر اختیار باقی نہیں رہا؛ بلکہ بیوی کو اختیار ہے چاہے شوہر اول سے نکاح کرے یا کسی دوسرے مرد سے۔

وينكح مبانة بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع. (تنوير الأبصار مع الشامي، كراچي٣/٤٠٩، زكريا٥/٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۸۱۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۵/۱۱ھ

بلا گواہ عورت تین طلاق سننے کی مدعیہ اور شوہر منکر

سوال [۶۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بہن گلناز بنت نزاکت علی کا نکاح فرحت علی سے ہوا تھا، اب فرحت علی نے گلناز کو مار پیٹ کر گھر سے باہر یہ کہہ کر نکال دیا ہے کہ میں نے تجھے طلاق دی، تیرا مجھ سے کوئی مطلب نہیں ہے، تو میرے نکاح سے باہر ہوگئی، میں نے تجھے آزاد کیا تین چار مرتبہ یہی الفاظ کہے، اس کا لڑکی کے پاس کوئی گواہ یا ثبوت نہیں ہے، یہ الفاظ سن کر لڑکی اپنے گھر آ گئی اور اپنے گھر والوں کو سارا واقعہ سنایا یہ بات سن کر لڑکی کے بھائی لڑکے کے والد کے پاس گئے کہ آپ کے بیٹے نے ہماری بہن کو مارا پیٹا ہے، اور اس کو طلاق دیدی ہے، تب لڑکے کے والد نے لڑکی سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا، تو لڑکی نے پھر یہی کہا کہ آپ کے لڑکے نے مجھ سے یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، اور اب تو میرے نکاح سے باہر ہے، تیرا مجھ سے کوئی مطلب نہیں، میں نے تجھے آزاد کیا، تو یہ سن کر لڑکے کے والد نے یہ کہا کہ میں لڑکے سے اور پوچھ لوں، جب جواب دوں گا، جب شام کو انہوں نے لڑکے سے پوچھا تو لڑکے نے یہ کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے اور لڑکی کے بھائیوں کے سامنے بھی یہی الفاظ کہے کہ میں نے تمہاری بہن کو طلاق نہیں دی، لڑکی یہ کہہ رہی ہے کہ انہوں نے بہت زیادہ مارا اور طلاق دے کر گھر سے باہر نکال دیا، منہ میں طلاق دی، اب یہ مکر رہے ہیں اس کا میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے، نہ ہی کوئی گواہ ہے، جو کہ میں لڑکے کے سامنے لاکر کھڑا کردوں۔ اب آپ بتائیے کہ لڑکی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: شہاب علی ولد نزاکت، نواب پورہ، باغ گلاب رائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب گلناز کا خود کہنا ہے کہ اس نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ اس کے شوہر نے اسے تین سے زائد مرتبہ طلاق دے کر گھر سے باہر نکال

دیا ہے، اور طلاق کے الفاظ اس نے خود سنے ہیں، تو ایسی صورت میں وہ اپنے شوہر کے لئے قطعاً حرام ہو چکی ہے اور اس پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اب اس کے لئے شوہر کے پاس جانا قطعاً جائز نہیں ہے۔ اب اگر دونوں اپنی خوشی سے ساتھ رہنا چاہیں تو بغیر حلالہ شرعیہ کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۰۶)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه، والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله، ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمال، أو تهرب . (شامي، كراچي،۳/۲۵۱، زكريا ٤/٤٦٣، البحر الرائق، کوئٹہ ۳/۲۵۷، زكريا ۳/٤٨، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۲/۲۱۸، زكريا۳/۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۷۲۷)

تین طلاق پر بیوی کے پاس کوئی گواہ نہیں

سوال [۶۸۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ میں تجھے کہدوں؟ لڑکی نے کہا کہدو، پھر کہا کہ میں تجھے کہدوں، لڑکی نے کہا کہدو، ''طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی'' اب صورت حال یہ ہے کہ لڑکا کہتا ہے کہ میں نے دو بار کہا تھا، لڑکی کہتی ہے کہ تین بار کہا تھا، کیا اس صورت میں طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اگر طلاق ہوگئی ہے، تو کون سی طلاق مانی جائے گی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: ڈاکٹر عبدالقدیر، سکٹو نگلہ، ڈاکخانہ سرکڑا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جبکہ بیوی طلاق کے الفاظ کا تین مرتبہ کہنے کا

دعویٰ کر رہی ہے اور شوہر اس کا انکار کر رہا ہے اور میاں بیوی میں سے کسی کے پاس شرعی گواہ بھی موجود نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں شوہر کا قول کہ ''میں نے دو مرتبہ کہا تھا'' معتبر ہوگا اور اس سے دو طلاق رجعی کا حکم ثابت کیا جائے گا، اور اگر واقع میں شوہر نے تین طلاق دیدی تھیں، جس کا علم شوہر کو ضرور ہوگا، تو اس کا گناہ شوہر پر ہوگا، عورت پر نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴۶/۹، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰۱/۴، جدید میرٹھ ۲۵/۱۹)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، اشرفي ديوبند ۳۹٤/۲، هندية، زكريا قديم ٤٧٠/۱، جديد ۵۳۳/۱، مختصر القدوري، امداديه ديوبند ۱۷۷)

فإن حلف و لا بينة لها، فالإثم عليه. (شامي، كراچي ۲۵۱/۳، زكريا ٤٦۳/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۸/ ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۳۹۲)	۱۴۲۲/۱۱/۷ھ

شوہر طلاق کا منکر ہو اور بیوی اقرار کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۸۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اب سے تقریباً چھ سال قبل دو طلاق رجعی دیدی تھیں، جن کے بعد رجعت کر لی تھی، فی الحال دونوں میاں بیوی میں جھگڑا ہو گیا، اب زید کہتا ہے کہ دوران نزاع میں نے یہ کہا کہ اگر تو طلاق چاہے، تو میں تجھ کو طلاق نہیں دوں گا؛ جبکہ ہندہ یوں کہتی ہے کہ میرے شوہر نے یوں کہا کہ میں نے تجھے طلاق دیدی، تاہم ہندہ کے پاس گواہ نہیں ہیں اور زید ہندہ کے دعوے کا قطعی منکر ہے، مسئلہ کی نوعیت سے آگاہ فرمائیں، یہ صراحت فرما دیں

کہ زید پر یمین ہے یا نہیں؟ نیز اس سلسلہ میں ہندہ کو کیا کرنا چاہئے؛ جبکہ اس کو یہ پختہ یقین ہے کہ اس کے شوہر نے طلاق مغلظہ دے کر اس کو اپنے نکاح سے جدا کر دیا ہے؛ جبکہ فتاوی دار العلوم جدید میں مذکور ہے کہ اس صورت میں بیوی شوہر کے پاس نہ جائے۔
(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/ ۲۶۹)

المستفتی: محمد وصی مدرس مدرسہ اشرف المدارس، ڈونگپوری، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر سوالنامہ میں درج شدہ واقعہ میں طلاق سے قطعی انکار کر رہا ہے اور بیوی نے از خود طلاق سن کر یقین کیا ہے کہ واقعی شوہر طلاق دے کر کذب بیانی سے کام لے رہا ہے اور عورت کے پاس اس کے ثبوت پر شرعی گواہ موجود نہیں ہیں، تو ایسے حالات میں پنچایتی لوگ شوہر کی تصدیق کے مکلّف ہیں اور پنچوں پر لازم ہے کہ شوہر کو بیوی کے ساتھ رہنے کا اختیار دیدیں اور ایسے حالات میں اگر نفس الامر میں شوہر طلاق دے چکا تھا اور بے دینی کی وجہ سے جھوٹی قسم اور جھوٹا بیان دے کر حرام شدہ بیوی کو اپنے پاس رکھتا ہے، تو سارا گناہ اور وبال شوہر پر ہوگا، اور بیوی اور پنچایتی لوگ وبال سے محفوظ ہوں گے؛ لیکن دوسری طرف شریعت نے بیوی کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ خلع وغیرہ کے ذریعہ سے ایسے شوہر سے جان چھڑا لے یا بھاگ جائے اور اگر کسی طرح جان چھڑانے پر قدرت نہیں رکھتی ہے، تو بیوی گنہگار نہیں ہوگی، اور از خود بخوشی شوہر کے پاس رہنے سے عورت بھی شوہر کی طرح گنہگار ہوگی۔

والمرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه، والفتویٰ علی أنه ليس لها قتله لها، ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمال، أوتهرب (إلي قوله) أنها ترفع الأمر للقاضي، فإن حلف ولابينة لها، فالإثم عليه. (شامي، كراچي،۳/ ۲۵۱، مصري ۲/ ۵۹٤، زكريا

٤/٦٣/٤، البحر الرائق، کوئٹہ ٣/٢٥٧، زکریا ٣/٤٨، تبیین الحقائق، امدادیہ ملتان ٢/٢١٨، زکریا٣/٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷ ر ۲۵۵۰)

تعداد طلاق میں زوجین کا اختلاف

سوال [۶۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق اس طرح سے دی کہ ایک مرتبہ کہا کہ میں تجھے طلاق دیدوں گا، دوسری مرتبہ یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی (یہ زید کے بیان ہیں) اتفاق سے زید کے بھائی جو کہ حافظ ہیں اور امامت بھی کرتے ہیں، وہ گھر آ گئے، تو ان کی والدہ نے کہا کہ تیرے بھائی نے اس کو دو مرتبہ طلاق دی ہے، تو حافظ نے اپنی والدہ کے الفاظ سن کر زید کی زوجہ سے کہا کہ خاموش ہوجا، ابھی گنجائش ہے، تو زید کی زوجہ نے یہ کہا کہ مجھے اپنی قبر میں سونا ہے اور جو جھوٹ بولوں گی، تو ان کے بچوں کو کھاؤں گی، مجھے تو صبح سے کئی مرتبہ کہہ چکے ہیں اور یہ الفاظ زید کی زوجہ کے حافظ صاحب اور والدہ نے اور دیگر عورتوں نے بھی سنے، پھر حافظ صاحب کی والدہ یا کسی اور نے یہ کہا یہ غلط کہہ رہی ہے، شام کو اس کا بھائی آ کر اسے لے گیا، تو اب یہ تحریر فرمائیں کہ کس کی بات کا اعتبار کیا جائے؟ زید کی بات کا اعتبار ہوگا یا زید کی والدہ کا اور بعد میں تحقیق سے پتہ چلا ایک عورت نے بتایا کہ میں اس وقت وہاں موجود تھی اور ایک غیر مسلم بھنگن تھی، شوہر نے طلاق کئی بار دی ہے، تو کس کی بات کا اعتبار ہوگا؟

(۲) کافی دنوں بعد زوجہ کا داماد بغیر کسی تحقیق کے خود ہی سوال لکھ کر نگینہ سے جائز ہونے کا فتویٰ لاکر اپنی خوشدامن کو اس کے باپ کے یہاں سے لے کر اس کے شوہر کے پاس چھوڑ گیا،

وہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہ رہے ہیں اور داماد نے اپنے سسر سے بیان بھی نہیں لیا، تو ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور اس فتوی کو تسلیم کیا جائے یا نہیں؟

(۳) اور اگر خدانہ کرے کہ اس کو طلاق مغلظہ پڑ گئی اور زید کسی کی بات کو حلالہ کے لئے نہ مانے تو زید کے ساتھ کھانا پینا شادی وغیرہ میں شریک ہونا گناہ تو نہیں ہے؟

(۴) حافظ صاحب کے سامنے جو زید کی بیوی نے بیان دیئے ہیں اور بہت سی عورتوں کے اور والدہ کے، ممکن ہوسکتا ہے کہ اس کے شوہر نے بھی سنے ہوں کہ مجھے تو کئی مرتبہ طلاق دے چکا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں زید کے بیان کے مطابق ایک طلاق رجعی واقع ہوئی اور ماں نے جو دو مرتبہ کہا ہے، شاید وہ دیدوں گا کے لفظ بھی طلاق سمجھ رہی ہے، اس لفظ سے طلاق نہیں ہوئی، باقی دوسروں کے بیان کا اعتبار نہیں ہے؛ اس لئے کہ ان سب کا بیان غیر مستقر اور غیر معین ہے۔ نیز اس سے نصاب شہادت پورا نہیں ہوا ہے؛ لہٰذا عدت کے اندر اندر رجعت کر کے میاں بیوی کی زندگی گذارنا جائز ہوگا اور جواز کا جو فتوی لیا گیا، وہ بھی صحیح ہے۔

لوقال: أطلقک لم یقع. (سکب الأنھر في شرح ملتقي الأبحر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱٤)

لو قال: بالعربیة أطلق لایکون طلاقاً. (ھندیة، زکریا قدیم ۱/ ۳۸٤، جدید ۱/ ٤٥۲)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورۃ البقرۃ، رقم الآیة: ۲۸۲)

وما سویٰ ذلک من الحقوق یقبل فیھا شھادۃ رجلین، أو رجل، وامرأتین سواء کان الحق مالا، أو غیر مال، مثل النکاح، والطلاق. (ھدایة، کتاب الشھادت اشرفي دیوبند ۳/ ۱٥٤)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية، اشرفي ديوبند٢/٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٠، جديد ١/٥٣٣)

حافظ صاحب کی امامت میں کوئی فرق نہیں آیا۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۶۲۸)

زوجین کے مابین طلاق کے سلسلہ میں اختلاف ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [٦٨٣٦]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کی عدم موجودگی میں وقفہ وقفہ سے کچھ اس طرح تین طلاق دیں کہ جس وقت زید نے اپنی بیوی ہندہ کو پہلی طلاق دی تھی، اسوقت ہندہ حاملہ تھی، زید نے ہندہ سے کہا کہ آج میں نے تجھ کو پہلی طلاق دی، دوسری بار طلاق دیتے وقت ہندہ دوسری بار حمل سے تھی، اس وقت زید نے یوں کہا آج میں نے تجھ کو دوسری طلاق دی، تیسرے بچے کے حمل کے دوران زید نے تیسری طلاق دی تھی،اس وقت زید نے ہندہ سے یوں کہا کہ آج میں نے تجھ کو دوسری طلاق دی؛ حالانکہ اس سے قبل زید دو طلاق دے چکا تھا؛ لیکن تیسری طلاق کو دیتے وقت بجائے تیسری طلاق کے کہ آج تجھ کو دوسری طلاق دی، اس طرح کہا؛ جبکہ زید اب اس بات سے انکار کررہا ہے کہ میں نے ہندہ کو طلاق نہیں دی اور ہندہ کہہ رہی ہے کہ زید وقفہ وقفہ سے مجھے تین طلاق دے چکے، دونوں کے درمیان سوائے اللہ کے کوئی گواہ نہیں،تو کیا طلاق واقع ہوچکی؟

المستفتی: لیاقت علی ،جل گاؤں (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دونوں کے درمیان کوئی گواہ نہیں ہے

اورشوہرطلاق کا منکر ہے اور بیوی اس کا دعویٰ کررہی ہے، تو ایسی صورت میں شرعی طور پر شوہر کی بات معتبر ہوتی ہے، خدانخواستہ زید اگر واقع میں جھوٹا ہے، تو سارا گناہ اسی پر ہوگا۔

قال الله تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة: ۲۸۲)

ما سویٰ ذلک من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين، أو رجل، وامرأتين سواء كان الحق مالا، أو غير مال، مثل النكاح، والطلاق. (هداية، كتاب الشهادت اشرفي ديو بند۳/ ۱۵٤)

فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه الخ. (شامی، كراچي ۳/۲۵۱، زكريا ٤/٦٣ ٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۵۸۹/۳۲)

زوجین کے قول میں اختلاف ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی کے درمیان جھگڑ ہوا، جس میں شوہر نے بیوی سے کہا کہ میں تجھے اس مہینہ میں طلاق دیدوں گا، اس پر بیوی نے یہ کہا کہ تو مجھے ایک بار نہیں چھ بار طلاق دیدے؟ یہ سن کر شوہر نے کہا جا میں نے تجھے طلاق دی (یہ شوہر کے الفاظ ہیں اور بیان ہے) بیوی کا کہنا ہے کہ میرے الفاظ کے جواب میں شوہر نے یہ کہا کہ (جا میں نے تجھے چھ بار طلاق دی) اس واقعہ کے وقت صرف ان کی بیٹی موجود تھی، صورت مسئولہ میں شرعاً کتنی طلاق ہوئیں؟ شرعی حکم تحریر فرما کر عند اللہ ماجور رہوں۔

المستفتی: عبدالوحید قاسمی، ٹانڈہ ڈونکپوری، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ مسئلہ میں شوہر اور بیوی دونوں کے بیان پر غور کیا گیا شوہر کے بیان کے اعتبار سے مذکورہ واقعہ میں صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، عدت کے اندر رجعت کرکے شوہر کے ساتھ رہنے کی گنجائش ہے۔

طلقني ثلاثاً، فقال:أنتِ طالق يقع واحدة (بزازيه، زكريا ١١٨/١، وعلى هامش الهندية، زكريا ٤/ ١٨٠)

امرأة قالت لزوجها: طلقني ثلاثاً، فقال الزوج :أنت طالق، أو قال فأنت طالق،يقع واحد. (تاتارخانيه زكريا ٤/٢٧ ٤رقم٦٥٩٢)

اور بیوی کے بیان کے مطابق تین طلاق واقع ہوں گی اور چھ میں سے تین کے ذریعہ طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور باقی تین لغو ہے۔

سئل ابن عباسؓ، عن رجل طلق امرأته مائة فقال: ثلاث تحرم عليك امرأتك وسائرهن وزر اتخذت آيات الله هزوا (دار قطني ٤/ ١٠، رقم: ٣٨٨٠، مطبوعه دارالايمان، سهارنپور، السنن الكبرى للبيهقى، قديم ٣٣٢/٧، جديد دارالفكر بيروت ٢٢٣/١١ ،رقم: ١٥٣٥٢)

قال لها :أنت طالق واحدة فقالت :هزار ،فقال:هزار إن نوىٰ شيئاً فعلى مانوىٰ وإلا فلا شئ. (بزازيه، زكريا ١١٨/١، وعلى هامش الهنديه ١٨١/٤)

اب سوال یہ ہے، کہ کس کے بیان کا اعتبار کیا جائے تو اس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ جب عورت کے پاس شرعی گواہ نہیں ہیں تو شوہر کے بیان کے مطابق حکم شرعی نافذ ہوجائے گا اور اس کو رجعت کا حق حاصل ہوگا، لیکن اگر عورت نے اپنے کان سے چھ طلاق کے الفاظ سنے ہیں تو دیانۃً عورت کے لئے شوہر کے پاس جانا ہرگز جائز نہیں ہے اور **المرأة كالقاضي** کے اصول کے مطابق اس کو اپنے سنے ہوئے الفاظ کی وجہ سے شوہر کے پاس نہ جانے کا فیصلہ کر لینا چاہئے ورنہ عورت خود معصیت اور گناہ کی مرتکب ہوگی، اور خلع وغیرہ کے

ذریعہ شوہر سے چھٹکارا حاصل کرلینا چاہئے۔

والمرأة كا لقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوى على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمال، أوتهرب. (شامی، کراچی ۳/ ۲۵۱، زکریا ۴/ ۴۶۳، البحر الرائق، کوئٹہ ۳/ ۲۵۷، زکریا ۳/ ۴۴۸، تبیین الحقائق، امدادیہ ملتان ۲/ ۲۱۸، زکریا ۳/ ۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۰۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۱۳ھ

عدد طلاق کے بارے میں زوجین کا اختلاف

سوال [۶۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی تقریباً ایک سال پہلے ہوئی ہے۔شادی کے تین، چار ماہ بعد مجھے یہ پتہ چلا کہ نکاح ومنگنی سے پہلے میری اہلیہ کا ایک لڑکے کے ساتھ موبائل فون پر بات چیت کی حد تک تعلق تھا۔اس بات کی تحقیق کے لئے میں نے بذاتِ خود اس لڑکے کو اس تعلق کے بارے میں پوچھا تو اس لڑکے نے جواب میں کہا، کہ نکاح ومنگنی سے پہلے میرا تمہاری اہلیہ کے ساتھ موبائل فون پر صرف بات چیت کی حد تک تعلق تھا۔اس بات کی مزید تحقیق کرنے کے لئے میں نے اپنی اہلیہ سے تنہائی میں (جہاں ہم دو کے سوا تیسرا کوئی نہیں تھا) کہا کہ نکاح یا منگنی کے بعد تیرا اس لڑکے کے ساتھ کسی بھی طرح کا تعلق نہیں رہا۔میری اہلیہ نے کہا کہ اب میرا کوئی تعلق نہیں ہے تو اس جواب سے میں مطمئن ہو گیا اور ہماری ازدواجی زندگی حسب حال چلتی رہی، اس واقعہ کا تذکرہ کچھ دنوں کے بعد میری اہلیہ کی پھوپھی کے سامنے ہوا۔اس وقت میں میری اہلیہ اور اس کی پھوپھی ہم تین ہی انسان موجود تھے۔صرف اس واقعہ کا تذکرہ

ہوا اور بات آئی گئی ہوگئی۔ اور ہم دونوں تقریبا آٹھ ماہ تک خوش وخرم ازدواجی زندگی گذارتے رہے، اور فی الحال میری اہلیہ کو سات ماہ کا حمل بھی ہے۔

تقریباً آٹھ دس دن پہلے کی بات ہے کہ میرے سسرال والوں کے ساتھ کاروباری معاملہ پر میرا اختلاف ہوا اور بات تکرار کی حد تک بڑھ گئی؛ اور تکرار کے درمیان میرے گھر والوں نے میرے سسرال والوں سے کاروبار کے لئے دی ہوئی رقم کا مطالبہ کیا، تو اس تکرار والے روز سے لیکر یہ تحریر لکھنے تک میری اہلیہ اپنے ماں باپ کے گھر رکی ہوئی ہے۔

جب کاروبار والی رقم کا مطالبہ شدت کے ساتھ ہونے لگا تو آٹھ ماہ پہلے والی ایک شرطی طلاق کے بارے میں (جو میرے علم کے مطابق واقع بھی نہیں ہوئی) میری اہلیہ اور اس کی پھوپھی ایک طلاق کے بجائے تین طلاق کا دعوی کررہی ہیں۔ اور میں بحیثیت شوہر پورے وثوق کے ساتھ اللہ کو حاضر ناظر جان کر حلفیہ کہہ اور لکھ رہا ہوں، کہ وہ ایک طلاق تھی اور وہ بھی شرطی۔ (میں الحمدللہ فارغ التحصیل ہوں اور طلاق کی نزاکتوں کو جانتا ہوں) تو میں حضرت والا سے پوچھنا چاہ رہا ہوں، کہ اس مسئلے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہوگا؟

مذکورہ بالا اختلاف ''ایک'' یا ''تین'' طلاق کے بارے میں تحقیق کے لئے میرے پاس پانچ آدمی پہونچے، اور ہماری یہ مجلس ایک مسجد میں ہوئی، آنے والے پانچ آدمیوں میں سے دو آدمی جو میری اہلیہ کے چچا ہیں۔ انہوں نے مجھ پر دباؤ ڈالا کہ تم نے تین طلاق ہی دی ہوں گی تم برابر یاد کرو؛ اس وقت بھی میں نے ان پانچ آدمیوں سے مسجد میں بیٹھ کر کہا کہ میں نے ایک ہی طلاق شرطی دی ہے۔ (اور میں یہ تحریر لکھتے وقت بھی کہہ رہا ہوں، کہ میں نے ایک ہی طلاق اور وہ بھی شرطی دی ہے) ان پانچ آدمیوں کے ساتھ میری جو مجلس ہوئی اس مجلس میں میری اہلیہ کے دو چچا مجھ پر تین طلاق کا دباؤ کررہے تھے اور کہہ رہے تھے، کہ تمہاری اہلیہ کی پھوپھی بھی تین طلاق کو ہی کہہ رہی ہے، اور تمہاری اہلیہ بھی تین طلاق کو کہہ رہی ہے؛ جبکہ آٹھ ماہ پہلے طلاق کا جو معاملہ ہوا تھا اس وقت میں اور میری اہلیہ ہی موجود تھے، اس وقت اس کی پھوپھی موجود بھی نہ

تھی۔

دوسری بات یہ کہ آٹھ ماہ قبل میں نے صرف ایک شرطی طلاق دی تھی، تو اب آٹھ ماہ کے بعد میری اہلیہ کس بنیاد پر تین کا دعوی کررہی ہے، یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

ان پانچ آدمیوں والی مجلس میں جب میری اہلیہ کے دونوں چچا تین طلاق پر زیادہ زور دینے لگے تو مجھے غصہ آگیا۔ اور میں نے اس وقت اپنے دوست سے ''رضوان'' کو (جوان پانچ آدمیوں میں سے ایک ہے) مخاطب کر کے کہا کہ، رضوان اس (اہلیہ) کو ابھی کی ابھی (میرے گھر) چھوڑ جانا نہیں تو پڑ جائیگی۔۔۔ انشاء اللہ۔

مذکورہ بالا الفاظ میں نے کہے ہیں۔۔ اور اس مجلس کے پانچوں آدمیوں کا کہنا ہے کہ تم نے الفاظ کہے ہیں کہ'' رضوان اس (اہلیہ) کو ابھی کی ابھی میرے گھر چھوڑ جانا نہیں تو دو طلاق پڑ جائیگی۔۔۔ ان شاء اللہ۔ بولے ہو۔ اور میرا دعوی ہے کہ میں نے ''دو طلاق'' کے الفاظ بولے ہی نہیں۔ اگر ان پانچ آدمیوں کے کہنے کے مطابق، اگر میں نے دو طلاق پڑ جائیگی، کے الفاظ بولے ہوں تو کیا اس صورت میں طلاق ہوگی؟

یہ بات خاص طور پر ذہن نشیں رہے، کہ'' رضوان اس (اہلیہ) کو ابھی کی ابھی (میرے گھر) چھوڑ جانا نہیں تو پڑ جائیگی۔۔ ان شاء اللہ'' مذکورہ الفاظ بولنے کے بعد ایک دو سیکنڈ کے دقفہ کے بعد انشاء اللہ بولا ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ

(۱) میں نے جو شرطی طلاق دی تھی کیا وہ ہوگی؟

(۲) آٹھ ماہ بعد میری اہلیہ اور اس کی پھوپھی کا دعوی معتبر ہوگا یا میری بات کا اعتبار کیا جائے گا؟

(۳) پانچ آدمیوں والی مجلس میں میرے الفاظ'' رضوان اس (اہلیہ) کو ابھی کی ابھی (میرے گھر) چھوڑ جانا نہیں تو پڑ جائیگی۔ ان شاء اللہ'' یہ الفاظ تو میں نے کہے ہیں، مجلس کے

پانچ آدمیوں کے الفاظ ’’نہیں تو دوطلاق پڑ جائیگی‘‘ یہ جو الفاظ کے بارے میں ہمارے درمیان اختلاف ہے، اس میں کس کی بات معتبر ہوگی، میری یا ان کی؟ الفاظ کا تکلم کرنے والا میں ہوں اور میں نے یہی الفاظ کہے ہیں کہ ’’رضوان اس (اہلیہ) کو ابھی کی ابھی (میرے گھر) چھوڑ جانا نہیں تو پڑ جائیگی۔ ان شاء اللہ‘‘ میں نے اپنے جملے میں دوطلاق کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے۔

امید ہے کہ مذکورہ بالا سوال کا تفصیلی جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور ہوں گے۔

المستفتی: مولوی محمد توصیف بن سلیمان، گودھرا (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد میں بیٹھ کر جن پانچ آدمیوں سے گفتگو ہوئی ہے، ان میں سے، دو آدمی بیوی کے چچا ہیں اور ایک شخص خود شوہر کا دوست ہے، اور باقی دو کے بارے میں، کوئی صراحت نہیں کی ہے، اگر وہ دونوں غیر جانبدار ہیں اور شوہر سے ان دونوں کو کوئی دشمنی نہیں رہی ہے، تو ایسی صورت میں شوہر کے دوست اور ان دونوں آدمیوں کی شہادت معتبر ہوگی؛ لہٰذا نصاب شہادت اس معاملہ میں پورا ہوگیا، اگر بیوی کے دونوں چچاؤں کی شہادت کو معتبر نہ مانا جائے تب بھی دیگر لوگوں کی شہادت معتبر ہوگی، اور شوہر کا انکار معتبر نہ ہوگا، اس لئے مسجد میں تعلیق طلاق کا جو واقعہ پیش آیا ہے، اس واقعہ میں مذکورہ تینوں آدمیوں کی شہادت کی بناپر دوطلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، اور طلاق کو ابھی ابھی شوہر کے گھر چھوڑ کر آنے پر، موقوف رکھا ہے، اور شوہر کے گھر نہ ابھی چھوڑ کر آیا اور نہ پورے دن اور نہ دوسرے دن چھوڑ کر آیا، لہٰذا تعلیق طلاق کی شرط کے پائے جانے کی وجہ سے دوطلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں، اور فون پر بات کرنے سے متعلق اس لڑکے کا بیان جس سے بات ہوئی ہے، اور بیوی کا بیان متحد ہے، کہ نکاح اور منگنی کے بعد سے دونوں کے درمیان میں کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں رہا، اور شوہر نے کہا کہ اگر تعلق رہا ہو تو طلاق ہے؛ اور تعلق نہیں رہا ہے، اس لئے اس واقعہ میں کوئی طلاق نہیں ہوئی ہے لہٰذا صرف دوطلاق

رجعی پورے معاملہ میں واقع ہوئی ہیں، اس لئے عدت کے اندر شوہر کو رجعت کرنے کا حق ہے اور رجعت کر کے ازدواجی زندگی گذارنا جائز ہوگا، اور مسجد کے واقعہ میں تعلیق طلاق کے ساتھ دو تین سکنڈ کے بعد جوان شاء اللہ کہا گیا ہے، وہ اتنے فاصلہ کے بعد، معتبر نہیں ہے۔

عن الأعرج قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (لاتجوز شهادة ذى الظنة والجنة والجنة) الجنة الجنون والجنة الذى يكون بينكم وبينه عداوة. (السنن الكبرى للبهقى، كتاب الشهادت، باب لا تقبل شهادة خائن، دار الفكر بيروت ٢٧٥/١٥، رقم: ٢١٤٥٧)

لاتجوز شهادة الرجل على الرجل إذا كانت بينهما عداوة، قالوا: هذا إذا كانت العداوة بينهما فى شئ من أمور الدنيا. (تاتار خانيه، زكريا ٤٣٢/١١، رقم: ١٦٥١٢)

فإذا شهد شاهدان على رجل أنه طلق امرأته ثلاثا وجحد الزوج والمرأة ذلك فرق بينهما؛ لأن الشهادة على الطلاق تقبل من غير دعوى (تاتارخانيه، ١١٦/٥، رقم: ٧٤١٣)

أن يكون موصولاً بما قبله من الكلام عند عدم الضرورة حتى لو حصل الفصل بينهما بسكوت أوغير ذلك لايصح. (هندية، زكريا، قديم ٤٦٠/١، جديد ٥٢٥/١)

امرأته تطليقة رجعيّة، أوتطليقتين، فله أن يراجعها فى عدتها رضيت بذلك، أو لم ترض. (هندية، زكريا قديم ٤٧٠/١، جديد ٥٣٣/١)

إذا اضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط. (هداية، اشرفى ديوبند ٣٨٥/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣ جمادی الثانیہ ١٤٣٣ھ
(فتویٰ نمبر: الف ١٠٧١٩/٣٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٣٣/٦/٣ھ

شوہر کا چار گواہوں کے سامنے طلاق کا اقرار کر کے مکر جانا

سوال [۶۸۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انعام الحق کا بیان ہے، کہ میرے یہاں گھر تقریباً ایک ہفتہ سے کسی بات پہ لڑائی چل رہی تھی میرے والد کا مطالبہ تھا کہ بیوی کو طلاق دیدو، جب میں گھر آیا تو بات چل رہی تھی، تو معاملہ سلجھانے کے لئے محمد امان اللہ صاحب، جناب عبد اللطیف صاحب محمد عبد العزیز صاحب، اسمٰعیل صاحب آئے تھے، اندر جا کر میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم گھر چلی جاؤ، ورنہ تینوں طلاق دیدیں گے، میں نے کئی مرتبہ کہا اور باہر آکر میں نے لوگوں سے کہا کہ طلاق دیدی، نقل دستخط محمد انعام الحق۔

جناب عبد اللطیف صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگوں نے انعام الحق کو کہا کہ تم جاؤ اپنی بیوی کو سمجھاؤ، کہ تمہارے والد سے زبان درازی نہ کرے، اندر جا کر کیا کہا یہ ہمیں معلوم نہیں، باہر آکر اس نے بتایا میں نے طلاق دیدی، جب ہم نے کہا یہ کیا کہہ رہے ہو خاموش رہو تو اس نے کہا ہاں، ہاں، میں نے تینوں طلاق دیدیں اور میں بھی پھانسی لگا کر مر جاؤں گا۔

نقل دستخط گواہ، عبد اللطیف۔

اس بیان کی تائید جناب اسمٰعیل صاحب، وعبد العزیز صاحب نے بھی کی اور دستخط کر دئے، نقل دستخط گواہان، عزیز احمد، محمد اسمٰعیل،

جناب امان اللہ صاحب نے فرمایا، مذکورہ بالا گواہوں کے بیان کی تصدیق کرتا ہوں ساتھ ساتھ اندر جا کر اپنی بیوی سے انعام الحق نے کہا کہ تم گھر چلی جاؤ میں نے تینوں طلاق دیدی، نقل دستخط، محمد امان اللہ،

اسماء خاتون زوجہ انعام الحق کا بیان ہے، کہ میرے شوہر آئے اور چابھی مانگی اور کہا تم گھر چلی جاؤ ورنہ تینوں طلاق دیدیں گے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سنا، نقل دستخط، اسماء خاتون۔

مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں، طلاق ہوئی یا نہیں، اور کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟ مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: نذر تو حید مظاہری، دارالافتاء جامعہ رشید العلوم، چیترا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر چار گواہوں کے سامنے تین طلاق دینے کا اقرار کر چکا ہے، تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہونے کا حکم ثابت ہوگا، اور بعد میں اس کا انکار اور بیوی کا صیغہ استقبال کی شہادت دینا معتبر نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۰/۱۳۶، امدادالمفتیین کراچی ۵۹۷)

لو قيل له طلقت امرأتك، فقال: نعم أو بلى با لهجاء طلقت.

(الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچی ۳/۲۴۹، زکریا ۴/۴۶۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۳۱۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۱۳ھ

شوہر طلاق کا مقر اور گواہ منکر ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۸۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ واحد عرف ببلو نے اپنی بیوی کو لڑائی جھگڑے کی وجہ سے تین بار طلاق دیدی اور واحد عرف ببلو تین مرتبہ طلاق دینے کا خود اقرار کر رہا ہے اور طلاق کے دو گواہ موجود تھے، گواہ مکر گئے اور اس کے سسرال والے نہیں مانتے ہیں، مگر وہ خود اقرار کر رہا ہے کہ میں نے تین طلاق دی ہیں، تو ایسی صورت میں شوہر کے اقرار کرنے کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ اور بیوی حاملہ ہے کیا حالت حمل میں طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

اورسسرال والے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اس کو تیرے پاس بھیجیں گے، ایسے طلاق واقع نہیں ہوتی ،شرعی مسئلہ کیا ہے واضح فرمادیں۔

المستفتی: واحد عرف ببلو وارثی نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر ببلو جب اپنی زبان سے بیوی کو تین طلاق دینے کا اقرار کررہا ہے،تو بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے، اب بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا اور شوہر کے اقرار کے بعد کسی قسم کے گواہوں کی بھی ضرورت نہیں اور میکہ والوں کا یہ کہہ کرلڑکی کو بھیجنے کی کوشش کرنا کہ ہم اس طلاق کو نہیں مانتے ، ایسے طلاق واقع نہیں ہوئی ان کا یہ طرزعمل شرعًا ناجائز اورغلط ہے،ان کو ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة اشرفي بكڈپور ۲/۳۹۹)

وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة اشرفی بکڈپو ۲/۳۵٦)

ولو أقر بالطلاق كاذبًا أو هازلاً وقع قضاءً. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الاكراه على التوكيل بالطلاق كراچي ۳/۲۳٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍رجب المرجب ۱۴۳٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۱۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱؍۷؍۱۴۳٦ھ

عورت کے پاس شرعی گواہ موجود ہوں تو شوہر کے قول کا اعتبار نہیں

سوال [۶۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شخص زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں اور طلاق دینے کے وقت بیوی اور اس کے علاوہ چھ سات عورتیں وہاں پر موجود تھیں، اس کے بعد زید اپنے گھر سے اپنے دوست خالد کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، اس نے زید سے پوچھا کہ کتنی طلاق دی ہیں اور کیوں دی ہیں؟ زید نے کہا کہ تین طلاق دی ہیں بس ویسے ہی دیدیں کچھ مدتکے بعد زید طلاق کا منکر ہو گیا؛ لیکن زید کی بیوی اور اس کے طلاق دینے کے وقت جو عورتیں موجود تھیں وہ عورتیں گواہی دے رہی ہیں کہ اس نے ہمارے سامنے طلاق دی ہے، اسی طرح بیوی اور اس کا دوست خالد بھی کہہ رہا ہے کہ اس نے میرے سامنے تین طلاق اپنی بیوی کو دینے کا اقرار کیا ہے، لیکن زید اب کسی بھی طرح کی طلاق کا منکر ہے، تو مفتی صاحب بتائیے کہ کیا ایسی صورت میں زید کے انکار کے باوجود اور اس کے طلاق دینے کے وقت موجود عورتوں اور اس کی بیوی اور اس کے دوست کی گواہی کے پائے جانے کے باوجود کیا طلاق واقع ہو جائے گی؟

المستفتی: محمد سالم، محلّہ ملانہ، امروہہ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے چھ سات عورتوں کے سامنے بیوی کو تین طلاق دیں اور وہ عورتیں شہادت دے رہی ہیں اور زید نے خالد کے سامنے بھی اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کا اقرار کیا ہے، تو ایسی صورت میں بیوی کے پاس ایک مرد اور دو سے زیادہ عورتوں کی شہادت موجود ہے، اب زید کے انکار کا اعتبار نہیں؛ بلکہ بیوی کے دعویٰ پر شہادت ہونے کی وجہ سے تین طلاق کے واقع ہونے کو معتبر مانا جائے گا بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے قضاءً و دیانۃً دونوں اعتبار سے طلاق واقع ہو چکی ہے، اب بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۲۴۲)

ومنها الشهادة بغير الحدود والقصاص وما يطلع عليه الرجال وشرط فيها شهادة رجلين أو رجل، وامرأتين سواء كان الحق مالاً أو غير

مال كالنكاح، والطلاق، والعتاق، والوكالة والوصاية، ونحو ذلك مما ليس بمال. (هندية، ٣/ ٤٥١، زكريا جديد ٣/ ٣٨٨)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة اشرفی بکڈپو ٢/ ٣٥٦، عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۰۹۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱/۱۴۳۴ھ

طلاق کی تعداد یاد نہیں

سوال [۶۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فاطمہ بی کی شادی صلاح الدین سے ہوئی شوہر صلاح الدین نے مجھ کو طلاق دے دی ہے، طلاق کے بعد بھی وہ میرے ساتھ رہتا ہے کیا یہ درست ہے؟ شوہر کے ساتھ نہ رہنے پر ان کے گھر والوں سے خطرہ ہے، جہیز کا سارا سامان جبراً بیچ دیا، کیا طلاق کے بعد سامان شوہر کے لئے واپسی کرنا ضروری یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب سے عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتية: فاطمہ بی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں طلاق کی تعداد کا ذکر نہیں ہے، اگر واقع میں تین طلاقیں دی گئی ہیں، تو بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے دونوں کا ساتھ رہنا بدکاری اور حرام کاری شمار ہوگا، شوہر کے گھر والوں کے خطرے سے تین طلاق کے بعد اس

کے گھر پر رہنا قطعاً جائز نہیں ہے، آپ کو اپنے میکہ چلے جانا چاہئے اور جہیز کا سامان ہر حال میں بیوی کی ملکیت ہے، شوہر کے اوپر اس کی واپسی لازم اور ضروری ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(هداية، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة اشرفى بكڈپو ديو بند٢/٣٩٩، عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، زكريا جديد ١/٥٣٥، شامي كراچي ٣/٤٠٩، زكريا ٥/٤٠، الفتاوى التاتارخانية زكريا ٥/١٤٨، رقم:٧٥٠٤)

إن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله الخ. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية كراچي٣/١٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۴۲/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۳/۱۳ھ

(۱۹) باب الحلالة

حلالہ کی تفصیل اوراس کی شرائط

سوال [۶۸۴۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید نے اپنی بیوی ہندہ کوتین طلاقیں دیں، ہندہ اپنی عدت پوری کرچکی ہے، زید پھر ہندہ کواپنی بیوی بنانا چاہتا ہے؛ جبکہ زید نے صحیح حالت میں طلاق دی ہے، تو آپ یہ بتلایئے کہ زید اور ہندہ دوبارہ پھر کسی طرح سے شوہر بیوی بن سکتے ہیں؟ آیا دوسرے انسان سے نکاح کرنا پڑے گا؟ قدرے تفصیل فرمادیجئے۔

(۲) حلالہ کے واسطے شوہر بالغ یانابالغ کی کوئی قید ہے؟ اگر مطلقہ ہندہ نابالغ لڑکے کے ساتھ شب باشی کرے، تقریباً دس بارہ سال کالڑکا توشوہراول زید کی نکاح میں آسکتی ہے یانہیں؟

(۳) مراہق کس کو کہتے ہیں اور حلالہ کے واسطے دخول حشفہ اورانزال شرط ہے یا نہیں؟ تینوں سوالوں کا جواب بالتفصیل مرحمت فرمادیجئے۔ بینواتوجروا۔

المستفتی: سخاوت علی، سرائے کجھور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے ہندہ کوتین طلاقیں دےدیں، تواب بلاحلالہ دوبارہ نکاح درست نہیں ہوگا اورحلالہ کی صورت یہ ہے کہ عورت عدت گذارکر دوسرے مرد سے نکاح کرکے ہمبستر ہوجائے، پھروہ مرد طلاق دیدے، تو دوبارہ عدت گذار کرشوہراول زید کے ساتھ نکاح درست ہوسکتا ہے۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل

امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهُ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهُ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥)

(۳) نابالغ شوہر سے ہمبستر ہونا کافی نہیں ہے۔

لو صغيرة لايجامع مثلها لا يحللها......وفي الأنفع: الصبي المراهق في التحليل كالبالغ، إذا جامعها قبل البلوغ، وطلقها بعد البلوغ؛ لأن الطلاق منه قبل البلوغ غير واقع. (هندية، باب الرجعة، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، زكريا جديد ديوبند ١/ ٥٣٥)

(۴) مراہق اس کو کہتے ہے جو بالکل قریب البلوغ ہو، جماع پر باقاعدہ قدرت رکھتا ہو، اورحلالہ کے لئے دخول حشفہ شرط ہے، وانزال شرط نہیں ہے۔

والشرط الإيلاج دون الإنزال؛ لأنه كمال ومبالغة فيه إلى قوله: والصبي، المراهق في التحليل كا لبالغ لوجود الدخول في نكاح صحيح. فسر الصبي المراهق في الجامع فقال: غلام لم يبلغ ومثله يجامع. وفي المنافع: المراهق الداني من البلوغ، وقيل الذي تتحرك آلته ويشتهي الجماع. وفي فوائد شمس الأئمة: أنه مقدر بعشر سنين. (فتح القدير، باب الرجعة، فصل في ما تحل به المطلقة، دارالفكر بيروت ٤/ ١٨٠، كوئٹه ٤/ ٣٣، زكريا ٤/ ١٦٠، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۱۸۶۸)

حلالہ کے لئے اسلام شرط ہے

سوال[٦٨٤٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ کی شادی زید سے ہوئی ،زید نے ہندہ کوطلاق دیدی ، ہندہ نے بعد عدت بکر سے شادی کی ہندہ نے بکر کی بات چیت سے بھانپ لیا کہ یہ عیسائی ہے اورایک وقت ایسا آیا کہ بکر نے ظاہر کردیا کہ وہ عیسائی ہے، ہندہ کا پہلا شوہر زید بڑی مشکل سے ہندہ کوبکر کے گھر سے لایا۔ اب ہندہ اور زید شادی کرنا چاہتے ہیں،اس نکاح کے صحیح ہونے کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر سے تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد عطاء الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں اگر بکرواقعی عیسائی تھا،تو ہندہ اوربکر کے درمیان سرے سے نکاح شرعاً ہواہی نہیں۔

لا یجوز تزوج المسلمة من مشركٍ ولا كتابي. (هندية، كتاب النكاح، باب المحرمات القسم السابع المحرمات بالشرك، زكريا ديوبند قديم ١/ ٢٨٠، جديد ١/ ٣٤٧)

اوراگرزید طلاق مغلظہ دے چکا تھا،تواب زید کا ہندہ کے ساتھ نکاح کرنا اس وقت تک شرعاً صحیح نہیں رہے گا، جب تک کہ ہندہ کسی مسلمان مرد سے نکاح صحیح کرکے ہمبستری نہ کرے؛ کیونکہ عیسائی کی ہمبستری حلالہ کے لئے کافی نہیں۔

وإذا وطئها إنسان بالزنا، أو بشبهة لا تحل لزوجها لعدم النكاح. (هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، زكريا جديد ديوبند ١/ ٥٣٥)

اوراگرزید نے طلاق مغلظہ نہیں دی تھی ،تواب دونوں کا آپس میں نکاح کرنا بلا حلالہ کے درست رہے گا۔

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوج في العدة

وبعد انقضائها. (هندية، زكريا قديم ٤٧٢/١، جديد ٥٣٥/١، هداية، اشرفي ديوبند ٣٩٩/٢، تاتارخانية، زكريا ١٤٨/٥، رقم:٧٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ / شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳۵/۳۲)

دوبارہ مطلقہ سے نکاح کرنے کی ایسی شکل جس میں محلل اور محلل لہ مستحق لعنت نہ ہوں

سوال [٦٨٤٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے غصہ میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھیں، پھر میں بہت پریشان ہوں، میرے تین چھوٹے بچے بھی ہیں، لڑکی والوں سے منت سماجت کیا، تو انہوں نے بتایا کہ اگر کوئی فتوی لاؤ گے، تو کارروائی کی جائے گی؛ لہٰذا اگر کوئی شکل نکل سکتی ہو، جس میں محلل اور محلل لہ دونوں لعنت کے مستحق بھی نہ بنیں تو مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد جمشید، رام نگر، بنگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی آپ کے اوپر قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے، اب شرعی حلالہ کے بغیر اس سے نکاح بھی جائز نہ ہوگا، حلالہ کی مذمت جو روایات میں آئی ہے، وہ اپنی جگہ قائم ہے، اس سے بچنے کے لئے صرف یہی شکل ہے کہ بیوی اپنی مرضی سے کسی دوسرے شخص سے شادی کر کے اسی کے پاس رہ جائے، پھر وہ شخص اپنی مرضی سے طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہوجائے، اس کے بعد آپ اس سے نکاح کرلیں، تو شرعی حلالہ بھی ہوجائے گا اور لعنت کی مذمت سے بھی بچ جائیں گے۔

عن جابرؓ و عليؓ قالا: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعن المحلل

والمحلل له. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١/٢١٣، دارالسلام رقم: ١١١٩، سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في التحليل، النسخة الهندية ١/٢٨٤، دارالسلام رقم:٢٠٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٔ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩)

يكره التزوج بشرط التحليل بالقول، بأن قال: تزوجتک على أن أحللک له، أوقالت المرأة: ذلک، لقوله عليه الصلوة والسلام: لعن الله المحلل، والمحلل له، أما لو نويا ذلک بقلبهما ولم يشترطا بقولهما فلا عبرة به.

(مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شوال المکرّم ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۷۹۶)

اس نیت سے نکاح کرنا کہ جماع کے بعد طلاق دیدے گا

سوال [٦٨٤٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص سے اس ارادہ سے نکاح کرایا جائے کہ تو صبح طلاق دیدینا، اگر کوئی لڑکی کو اس کے شوہر پر حلال ہونے کی نیت سے اس طرح نکاح کرے کہ صبح کو طلاق دے دیگا، تو وہ شخص اجر وثواب کا مستحق ہوگا کہ نہیں؟

المستفتی: محمد شہزاد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طریقہ سے حلالہ کرایا جائے تو بیوی شوہر

اول کے لئے بذریعہ نکاح حلال تو ہو جاتی ہے، مگر یہ شخص کسی قسم کے اجروثواب کا مستحق نہیں ہوسکتا؛ بلکہ آئندہ کے لئے توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

عن عبدالله بن مسعودؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم: المحلل والمحلل له. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ۱/۲۱۳، دارالسلام رقم: ۱۱۲۰، سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ۱۳۹، دارالسلام رقم: ۱۹۳٤، مشكوة شريف ۲/۲۸٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱ر ۳۵۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۵ھ

شوہر ثانی سے حلالہ میں زبردستی طلاق دلوانا

سوال [۶۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ الیاس نے اپنی بیوی شمیمہ عرف شمیم کو طلاق مغلظہ دی، تقریباً دو سال پہلے، اب الیاس پھر شمیمہ سے عقد کرنا چاہتا ہے؛ لیکن شمیمہ الیاس سے عقد کرنے پر راضی نہیں تھی، عملیات کے زور پر اور سمجھانے پر شمیمہ کو راضی کرلیا گیا اور حلالہ کی شکل اختیار کی گئی اور الیاس کے پھوپھی زاد بہنوئی جن کا نسیم احمد نام ہے سے حلالہ کی غرض سے شمیمہ کا عقد کردیا گیا اور اس حلالہ والے عقد میں نسیم بیگ کی پہلی بیوی سلمٰی کے والد گواہ تھے، شام کو عقد ہوا اور صبح بعد نماز فجر تین چار آدمیوں نے زبردستی طلاق دلوادی اور نسیم بیگ کی طلاق کے الفاظ تھے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے رہا ہوں اور یہ الفاظ تین مرتبہ کہلوائے؛ لیکن لوگ مطمئن نہ ہوئے اور انہوں نے دوسری مرتبہ شمیمہ کا نام لے کر طلاق دلوائی۔ اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ نسیم بیگ

نے جو پہلے طلاق دی، وہ آیا شمیمہ جس سے حلالہ کیا گیا، اس کو واقع ہوئی یا نسیم بیگ کی پہلی بیوی سلمیٰ کو واقع ہوئی؟ اور شمیمہ اب اپنے شوہر کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ الیاس کی نسبندی ہوگئی ہے اور وہ لاولد ہے اور شمیمہ کو بچوں کی آرزو ہے اور حلالہ کے وقت شمیمہ کے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی کہ صبح ہوتے ہی نسیم بیگ سے طلاق لینی ہے، آپ کو صرف ایک مرتبہ حق زوجیت ادا کرنا ہے تاکہ الیاس سے نکاح کرنے کی گنجائش نکل آئے۔ اور نسیم بیگ سے شمیمہ کا نکاح اس شرط پر ہوا کہ صبح ہوتے ہی آپ کو طلاق دینی ہوگی۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ شمیمہ اپنے شوہر اول کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ نسیم بیگ نے جو پہلے طلاق دی وہ شمیمہ پر واقع ہوئی یا پہلی بیوی سلمیٰ پر؟

المستفتی: انیس الرحمٰن مظاہری، گڑھوال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صبح کو طلاق دینے کی شرط پر نکاح کرنے اور پھر صبح کو زور دباؤ سے طلاق لینے والے گنہگار ہوں گے اور اگر نسیم نے شمیمہ سے ہمبستری کرلی ہے، تو ایسی صورت میں شمیمہ محمد الیاس سے عدت کے بعد عقد نکاح کرسکتی ہے، گناہ الگ چیز ہے اور حلالہ ہوجانا الگ چیز ہے۔

قال عقبة بن عامرؓ: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ألا أخبركم بالتيس المستعار؟ قالوا بلى! يا رسول اللّٰہ، قال: هو المحلل لعن اللّٰہ المحلل والمحلل له. (ابن ماجه، كتاب النكاح، باب المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١٣٩، دار السلام رقم: ١٩٣٦)

عن عبداللّٰہ بن مسعودؓ قال: لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: المحلل والمحلل له. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ٢١٣/١، دارالسلام رقم: ١١٢٠، سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في التحليل،

النسخة الهندية ١/ ٢٨٤، دارالسلام رقم:٢٠٧٦، سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١٣٩، دارالسلام رقم:١٩٣٥)

يكره التزوج بشرط التحليل بالقول، بأن قال: تزوجتک على أن أحللک له، أوقالت المرأة: ذلک، لقوله عليه الصلوة و السلام: لعن الله المحلل، والمحلل له، أما لو نويا ذلک بقلبهما ولم يشترطا بقولهما فلاعبرة به. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٩١)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥)

نسیم بیگ سے شمیمہ کوطلاق دینے کا مطالبہ ہوا ہے، اس لئے شمیمہ ہی پرطلاق واقع ہوگئی ہے، سلمیٰ پرنہیں، جوالفاظ پہلے کہے وہ بھی شمیمہ کے حق میں ہوں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رصفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۸۵۳)

حلالہ میں مہر کا لزوم اور طلاق دینے کی شرط پر حلالہ

سوال [۶۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی اور عدت گذارنے کے بعد عمر سے اس کا نکاح کردیا اور عمر سے یہ کہہ دیا کہ نکاح کے بعد طلاق دیدینا؛ چنانچہ عمر اس لڑکی سے ایک رات ملا اور صبح میں طلاق دیدی، تو دوسرے شوہر پر مہر واجب ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نجم الدین، بھاگل پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس صورت میں عمر کے ذمہ مہر لازم ہو گیا؛ البتہ اس طرح طے کر کے نکاح کرنا شرعاً مذموم ہے۔ حضور نے ﷺ ایسے مرد وعورت پر لعنت فرمائی ہے۔

ويتأكد عند وطء، أو خلوة صحت من الزوج. (در مختار على الشامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ١٠٢/٣، زكريا ٢٣٣)

عن عبدالله بن مسعودؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم: المحلل والمحلل له. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ٢١٣/١، دارالسلام رقم: ١١٢٠، سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في التحليل، النسخة الهندية ٢٨٤/١، دارالسلام رقم: ٢٠٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر صفر المظفر ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۰۶۹)

حلالہ کی شرط پر نکاح کرنے کا حکم

سوال [۶۸۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبداللہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی؛ جبکہ بیوی کو ابھی معلوم نہیں ہے اور تین مہینہ پندرہ دن گذر چکے ہیں، کیا عبداللہ کی بیوی کی عدت گذری مانی جائے گی یا عدت گذارنے کے لئے بیوی کے علم میں طلاق کا لانا ضروری ہے؟

(۲) عبداللہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے چکا ہے؛ لیکن بیوی اس کے پاس آنا چاہتی ہے، اگر عبداللہ بیوی کو صورت مسئلہ بتا کر اپنے ایک درست سے نکاح کرادے، بغیر طلاق کی شرط پر اور عبداللہ کا دوست حلالہ کی غرض سے نکاح کرے اور دو یا تین دن بیوی کے ساتھ گذارنے کے بعد عبداللہ کے کہنے پر عبداللہ کا دوست طلاق دیدے اور عبداللہ کے گھر میں عدت

گذارنے کے بعدعبداللہ اس سے دوبارہ نکاح کرلےتو کیا اس عبداللہ کے دوست کا نکاح جائز ہوگا اورعبداللہ کے لئے اس کی بیوی جائز ہوسکتی ہے؛ جبکہ حدیث میں حلالہ کرنے والے اورحلالہ کرانے والے دونوں پرلعنت بھیجی گئی ہے۔ نیزسعودی عرب سے چھپا ہوا قرآن اردو تفسیر میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ہندوستان میں جولوگ حلالہ کراتے ہیں بالکل غلط ہے،نکاح نہیں ہوتا ہے وہ زنا ہے اورشوہر کے لئے بیوی حلال نہیں ہوتی ہے، مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ دونوں مسئلوں کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمدانس،سنیچروالی بازار، پاکبڑا،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (١) جب شوہر نے بیوی کوتین طلاق دیدی ہیں، تو اس سے بیوی کے اوپر طلاق مغلظہ واقع ہوکرشوہر کے لئے قطعی طور پرحرام ہوچکی ہے اورطلاق کے واقع ہونے کیلئے بیوی کومعلوم ہونا لازم نہیں ہے۔اورجب طلاق دیئے ہوئے تین مہینہ پندرہ دن ہوگئے ہیں،تو اگراس مدت کے دوران طلاق کے بعدبیوی کوتین مرتبہ ماہواری آئی ہےاوربیوی تیسری ماہواری سے پاک ہوگئی ہے،تو بیوی کی عدت بھی پوری ہوگئی ہے۔

وقال الليث عن نافعؓ كان ابن عمرؓ إذا سئل عمن طلق ثلثاً، قال: لو طلقت مرة، أو مرتين، فإن النبي صلى الله عليه وسلم، أمرني بهذا فإن طلقتها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيرك. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/٧٩٢،رقم:٥٠٦٥، ف:٥٢٦٤، مسلم شريف، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق البائن، النسخة الهندية ١/٤٧٦، بيت الأفكار رقم:١٤٧١)

عن محمد ابن إياس أن ابن عباس رضي الله عنهما، وأبا هريرةؓ، وعبد الله ابن عمر وبن العاصؓ، سئلوا عن البكر يطلقها زوجها ثلاثاً، فكلهم، قال: لا، تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (أبوداؤدشريف، كتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، النسخة الهندية ١/٢٩٩، رقم:٢١٩٨)

عدة الحرة للطلاق......ثلاثة أقراء أي حيض. (تبيين الحقائق امدادية ملتان ٣/٢٦، زكريا ٣/٢٤٨)

وهي في حق حرة تحيض لطلاق، أو فسخ بعد الدخول حقيقةً، أو حكماً ثلاث حيض كوامل. (در مختار، كراچي٣/٥٠٤، زكريا ٥/١٨١)

(۳) اگر بیوی کی عدت پوری ہوگئی ہے اور اس کے بعد دوسرے آدمی سے بغیر کچھ کہے اور بغیر کچھ شرط لگائے بیوی کا نکاح ہوجائے اور اس کے ساتھ ہم بستری ہوجائے اور ہم بستری کے بعد اس دوسرے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کر کے طلاق دلوائی جائے یا وہ دوسرا شوہر اپنی مرضی سے طلاق دیدے، اس کے بعد کہیں بھی رہ کر وہ دوبارہ عدت گذارے، چاہے شوہر کے گھر میں یا میکے میں، اس طرح تین ماہواری کے ذریعہ سے عدت پوری ہوجائے ، تو اس کے بعد عبداللہ کا نکاح اس عورت کے ساتھ درست ہوجائے گا اور یہی حدیث پاک کے اندر صراحت کے ساتھ موجود ہے؛ ہاں البتہ طلاق دینے اور حلالہ کی شرط کے ساتھ دوسرے شوہر سے نکاح ہوا ہے اور اس نے ہمبستری کے بعد طلاق دیدی ہے، تو ایسی صورت میں دونوں گنہگار رہوں گے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

عن عقبة بن عامرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا أخبركم بالتيس المستعار؟ قالوا: بلى! يا رسول الله، قال: هو المحلل لعن الله المحلل والمحلل له. (ابن ماجه، كتاب النكاح، باب المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١٣٩، دارالسلام رقم:١٩٣٦)

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً، فيتزوجها الرجل، فيغلق الباب، ويرخي الستر، ثم يطلقها قبل أن يدخل بها، قال: لا تحل للأول حتى يجامعها الأخر. (نسائی شريف، النسخة الهندية٢/٨٤، دارالسلام رقم:٣٤٤٤)

عن عليؓ، قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعن المحلل

والمحلل له. (ترمذي شريف، كتاب النكاح، باب ماجاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١/٢١٣، دارالسلام رقم: ١١١٩)

فإن تزوجها بشرط التحليل كره: أي يكره التزوج بشرط التحليل لقوله عليه الصلوة والسلام: لعن الله المحلل، والمحلل له الخ .
(مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت٢/ ٩٠-٩١، البحر الرائق، كوئٹه ٤/٥٨، زكريا٤/٩٧، شامي، زكريا ٥/٤٧)

وشرط أن يطأها الزوج الثاني؛ لأنه ثبت بإشارة الكتاب وبالسنة المشهورة، والإجماع. (تبيين الحقائق، امدادية، ملتان ٢/٢٥٨، زكريا٣/١٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۳۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۱؍۱۴۳۵ھ

حلالہ کی نیت سے کئے گئے نکاح اور حلالہ کا حکم

سوال [۶۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیں، اب وہ اپنے اس فعل قبیح پر نادم شرمندہ ہیں اور اسی لڑکی کو اپنے نکاح میں ازسر نو لینا چاہتے ہیں؛ چنانچہ لڑکی اور لڑکا دونوں کے اہل خانہ کی رضا مندی سے بنیت حلالہ اس لڑکی کا عقد اس کے شوہر ہی کے خاندان میں ایک لڑکے سے گیارہ سو روپئے کے عوض کر دیا گیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حلالہ کی نیت سے (یعنی اس صورت میں جبکہ لڑکی لڑکا اور دونوں کے اہل خانہ ومتعلقین کو اس بات کا علم ہو کہ یہ نکاح صرف حلالہ کرنے ہی کے لئے ہو رہا ہے اور ہر جگہ اس کا چرچا بھی ہے) نکاح کا حکم کیا ہے؟ کیا اس طرح شرعاً نکاح ہو جاتا ہے اور اس طرح حلالہ درست ہو جائے گا۔

نیز یہ بات بھی دریافت طلب ہے کہ کیا گیارہ سو روپئے کے عوض نکاح ہوجائے گا؟ اگر نکاح ہوجائے گا تو شوہر پر کتنی مقدار میں مہر لازم ہوگا، یعنی مہر شرعی کی آج کے دور میں اقل مقدار کیا ہے؟

المستفتی: محمد فرمان ملک، جہانگیر آباد، دھام پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف حلالہ ہی کی نیت سے نکاح ہونے میں گناہ ہوتا ہے؛ اس لئے کہ آپ ﷺ نے حلالہ کرنیوالے اور کرانے والے پر لعنت کے جملے استعمال کئے ہیں؛ لیکن اس طرح حلالہ کرانے کی صورت میں فی نفسہ حلالہ درست ہوجاتا ہے، اور اس طلاق کے بعد عدت پوری ہوجانے سے پہلے شوہر کے ساتھ نکاح بلاشبہ درست ہوجاتا ہے؛ لیکن حلالہ کی صورت میں دوسرے شوہر کے ساتھ ہمبستری لازم ہے۔

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم: عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً، فيتزوجها الرجل، فيغلق الباب، ويرخي الستر، ثم يطلقها قبل أن يدخل بها، قال: لا تحل للأول حتى يجامعها الآخر. (نسائی شریف، کتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٤)

عن عبدالله بن مسعودؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم: المحلل والمحلل له. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١/ ٢١٣، دارالسلام رقم: ١١٢٠، سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١٣٩، رقم: ١٩٣٥، سنن أبی داؤد، كتاب النكاح، باب في التحليل، النسخة الهندية ١/ ٢٨٤، دارالسلام رقم: ٢٠٧٦)

رجل تزوج امرأة، ومن نيته التحليل ولم يشترطا ذلك تحل للأول بهذا، ولايكره وليست النية بشيئ ولو شرطا يكره وتحل عند أبي حنيفة، وزفر رحمهما الله. (هندية، زكريا قديم ١/ ٧٤، جديد ١/ ٥٣٧)

اقل مہر کی مقدار دس درہم ہے، موجودہ زمانہ کے اعتبار سے اس کا وزن ۳۰ر گرام

۶۱۸/ملی گرام یعنی دس گرام کے تولہ سے تین تولہ ۶۱۸ ملی گرام چاندی ہے، اور تین تولہ ۶۱۸/ملی گرام چاندی کی قیمت گیارہ سوروپئے سے زیادہ بنتی ہے؛ اس لئے گیارہ سوروپیہ مہر نہیں بنے گا؛ بلکہ تین تولہ ۶۱۸/ملی گرام چاندی کا قیمت مہر میں ادا کرنا لازم ہوگا اور ادائے گی کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح الطحاوی ۳/۱۹۳)

وأقل المهر عشرة دراهم. (هداية اشرفي ديو بند ۲/ ۳۲٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۲۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۳ھ

طلاق کی شرط کے ساتھ حلالہ کرانا

سوال [۶۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے نکاح کیا ہندہ سے اور ان سے چار بچے ہیں، زید نے ہندہ کو تین طلاق دیدیں۔ اب زید دوبارہ ہندہ سے شادی کرنا چاہتا ہے، پھر زید ہی نے ایک شخص کو تیار کیا کہ تم ہندہ سے شادی کرلو، اس شرط پر کہ تم ہندہ کو ایک دو دن میں طلاق دیدوگے اور عدت کے بعد میں دوبارہ ہندہ سے نکاح کرلوں گا: یعنی حلالہ کی شکل اختیار کیا، تو کیا اس طرح شرط لگا کر اول شوہر کو نکاح کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ اسی طرح دوسرے شخص کا شرائط کے ساتھ مقید نکاح کرلینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد المنان متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر چند دن میں طلاق دینے کی شرط کے ساتھ نکاح کرے گا، تو شرط باطل ہوجائے گی نکاح صحیح ہوجائے گا۔ اور نکاح کے بعد دونوں ہی ہمبستر ہوجائیں، پھر ہمبستری کے بعد دوسرا شوہر طلاق دے دیتا ہے، تو ایسی صورت میں

عدت گذر جانے کے بعد پہلے شوہر کے لئے نکاح کرنا جائز ہو جائے گا، مگر اس طریقہ سے شرط لگا کر نکاح کرنا سبب لعنت ہے؛ بلکہ بلا شرط نکاح کرلیا جائے، پھر دوسرا شوہر اپنی مرضی سے طلاق دیدے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/۳۵۹)

قال عقبة بن عامرؓ: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا أخبركم بالتيس المستعار؟ قالوا بلى! يا رسول الله، قال: هو المحلل، لعن الله المحلل والمحلل له. (سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١٣٩، دارالسلام رقم:١٩٣٦)

عن جابرؓ و عليؓ قالا: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعن المحلل والمحلل له. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ٢١٣/١، دارالسلام رقم: ١١١٩، سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في التحليل، النسخة الهندية ٢٨٤/١، دارالسلام رقم:٢٠٧٦)

وكره التزوج للثاني تحريما، كذا في البحر؛ لكن في القهستاني، وكره للأول والثاني لحديث لعن المحلل والمحلل له بشرط التحليل كتزوجتک على أن أحللک وإن حلت للأول لصحة النكاح وبطلان الشرط. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الرجعة، كراچي٤١٤/٣، زكريا ديوبند٥/٤٧، البحر الرائق، كوئٹه ٥٨/٤، زكريا ٩٧/٤، مجمع الأنهر، دار الكتب اللعلمية بيروت ٩٠/٢-٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۰۵۵/۳۷)

مطلقہ مغلظہ کا شوہر ثانی سے خلوت کے بعد شوہر اول سے نکاح کرنا

سوال [٦٨٥٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، عدت کے بعد عقد ثانی شوہر ثانی سے ہوا اور حلالہ کے لئے خلوت کرائی گئی؛ ہمبستری نہیں ہوئی، بغیر صحبت کے طلاق ہوگئی اور پھر عدت کے بعد شوہر اول سے نکاح کرلیا؛ لیکن عورت نے کسی سے نہیں بتلایا، تقریباً بیس سال کے بعد عورت نے کسی کتاب میں یہ مسئلہ دیکھا کہ بغیر صحبت کے حلالہ نہیں ہوتا ہے، مسئلہ زیر غور یہ ہے کہ اس وقت یہ شوہر و بیوی کیا کریں؟

مسئلہ کی وضاحت فرما کر مکمل و مدلل جواب عنایت فرما کر مشکور ہوں، اس وقت بچے جوان ہیں اور عورت حلالہ چاہتی ہے؛ لیکن شوہر چھوڑنا یا حلالہ نہیں چاہتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں نے تو حلالہ کرالیا ہے، تونے اس وقت ہی کیوں نہیں بتلایا تھا، عورت کہتی ہے کہ مجھے مسئلہ کا علم نہیں تھا اب معلوم ہوا ہے، تفصیلی جواب چاہتے ہیں۔ فقط والسلام

المستفتی: محمد ظفر سرائے، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مطلقہ ثلاثہ کے ساتھ نکاح کرنا پہلے شوہر کے لئے اس وقت حلال ہوتا ہے کہ جب دوسرے شوہر کے ساتھ ہمبستری اور جماع عمل میں آجائے، محض خلوت کی وجہ سے شوہر اول کے لئے حلال نہیں ہوتی؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بیس سال تک ساتھ میں جو رہنا ہوا، اس میں وطی بالشبہ ہوئی اور اس سے جو اولاد ہوئی، وہ حلال اور ثابت النسب ہیں؛ ہاں البتہ معلوم ہوجانے کے بعد اب دونوں کا ساتھ رہنا جائز نہ ہوگا؛ بلکہ شرعی حلالہ لازم ہوگا۔

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١، صحيح مسلم،

كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، النسخة الهندية ۲/ ۸٤، دارالسلام رقم: ۳٤٤۰)

لاتحل مطلقة الثلاث للزوج الأول بمجرد خلوة الثاني؛ بل لا بد من وطئه بحديث العسيلة. (شامي، باب المهر، مطلب في أحكام الخلوة، كراچي ۳/ ۱۱۹، زكريا٤/ ۲٥۷، الهندية، زكريا قديم ۱/ ٤۷۳، جديد ۱/ ٥۳٥)

بأن وطئ المطلقة بالثلاث (إلى قوله) بأن من وطئ امرأة زفت إليه وقيل له إنها امرأتک فهي شبهة في الفعل، وأن النسب يثبت إذا ادعاه الخ. (شامي، كراچي ۳/ ٥٤۱، زكريا٥/ ۲۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۲۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱/۳۰ھ

حلالۂ شرعی کی صحیح صورت

سوال [٦٨٥٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (الف) حلالۂ شرعی کی صحیح صورت کیا ہوسکتی ہے؟

(ب) مطلقہ سے بغرض حلالہ محض اس ارادے سے شادی کرنا کہ دو چار روز بعد طلاق دیدی جائے گی تاکہ وہ شوہر اول کی طرف لوٹ سکے جائز ہے یا نہیں؟

(ج) اگر کوئی شخص بغرض حلالہ نکاح کرتا ہے، پھر اس کی نیت بدل جاتی ہے اور وہ طلاق دینے پر آمادہ نہیں ہے، تو اس صورت میں احکام شرعیہ کیا ہوں گے کیا فرض ہے؟ حلالہ کے لئے خلوۃ صحیحہ کافی ہے یا نہیں؟

(د) زید نے ہندہ سے بغرض حلالہ شادی کی دونوں کے درمیان کسی بھی طرح سے صحبت اور مباشرت کی نوبت نہیں آنے دی گئی اور گاؤں والوں نے جبراً زید سے طلاق

کا مطالبہ کیا زید جبریہ طلاق کے لئے تیار نہیں ہے زید کے اس رویہ پر گاؤں والوں نے اس کا مقاطعہ کرر کھا ہے، صورت مذکورہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟

(ی) اگر زید ہندہ کو صحبت اور مباشرت کے بغیر طلاق دیتا ہے، تو ایسی صورت میں ہندہ اپنے شوہر اول کی طرف لوٹ سکے گی یا نہیں؟ تمام نکتوں پر واضح دلائل کے ساتھ مطمئن فرمائیں۔

المستفتی: محمد کبیر الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (الف) اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ مطلقہ ثلثہ کسی دوسرے سے نکاح صحیح کر کے اس کے ساتھ ہمبستری بھی ہو جائے، اس کے بعد شوہر ثانی اپنی مرضی سے طلاق دیدے اور پھر عدت بھی گذر جائے، تو شوہر اول کے لئے نکاح کرنا درست ہوسکتا ہے، بغیر صحبت کے حلالہ صحیح نہیں ہوسکتا ہے۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، أوثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩)

(ب) یہ مکروہ تحریمی ہے اور حضور ﷺ نے محلل اور محلل لہ دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

عن عبدالله بن مسعودؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم: المحلل والمحلل له. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١/٢١٣، دارالسلام رقم: ١١٢٠)

لیکن اس کے باوجود شوہر ثانی صحبت کر کے طلاق دے گا، تو شوہر اول کے لئے نکاح حلال ہو جائے گا۔

كما في الهداية: فإن طلقها بعد وطء ها حلت للأول لوجود الدخول في نكاح صحيح. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ٤٠٠)

(ج) اصل میں نکاح ایک عقدالعمری ہے جو کہ اس عورت کے ساتھ زندگی گذارنے کی نیت سے کرنا ضروری ہے؛ اس لئے اس کو طلاق پر جبر کرنا ناجائز ہے؛ جبکہ وہ بھی سارے حقوق ادا کرنے کو تیار ہے، جبر کرنیوالے شرعاً ظالم کہلائیں گے، اور شوہر ثانی مظلوم ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دالعلوم ۱۲۴/۸)

(د) صحبت: میاں بیوی ہمبستری میں جو فعل مخصوص کرتے ہیں اس کو کہتے ہیں خلوت صحیحہ کسی خالی جگہ یا کمرہ میں میں میاں بیوی تنہائی اختیار کرلیں بشرطیکہ کوئی مانع شرعی (روزہ ،نماز وغیرہ) نہ ہو اور مانع حسی (صغر پن) نہ ہو اور اسی طرح مانع طبعی (حیض ونفاس) بھی نہ ہو حلالہ کے لئے خلوت صحیحہ کافی نہیں ہے؛ بلکہ صحبت شرط ہے۔

(د) جبر کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ ''ج'' میں گذر چکا ہے۔

(ی) عورت حلال نہیں ہوسکتی، جیسا کہ ''الف'' میں گذرا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۲۱۷)

شرعی حلالہ کا طریقہ

سوال [۶۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو تین بار سے زیادہ مرتبہ طلاق دیدی ہے، اب دونوں یہ چاہتے ہیں کہ دوبارہ ساتھ رہیں، تو شرعاً کس طرح رہ سکتے ہیں؟ مہر ادا نہیں ہوا ہے، اس کی ادائیگی ضروری ہے یا نہیں؟ ایک بچہ دوسال کا ہے، وہ کس کے پاس رہے گا اور خرچ کون دے گا؟

المستفتی: محمد اقبال، اٹل وہار، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے تین مرتبہ سے زیادہ طلاق دے دی ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر وہ کلی طور پر حرام ہوگئی، اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو شرعی حلالہ کے بغیر رہنا جائز نہیں اور حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ طلاق کے وقت سے تین مرتبہ ماہواری گذرنے کے بعد بیوی دوسرے مرد سے شادی کرلے اور اسکے ساتھ ہمبستری بھی لازم ہے، اس کے بعد وہ شخص طلاق دیدے، پھر تین مرتبہ ماہواری گذرنے کے بعد آپ کے ساتھ نکاح جائز ہوسکتا ہے، مہر کا ادا کرنا آپ کے اوپر ہر حال میں لازم ہے اور بچے کا خرچ بھی آپ ہی کے اوپر لازم ہے اور بچہ ماں ہی کے پاس رہا کرے گا۔

عن سهل بن سعدؓ، في هذا الخبر قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم. (ابو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ١/٣٠٦، دارالسلام رقم: ٢٢٥٠، بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/٧٩١، رقم: ٥٠٦٠، ف: ٥٢٥٩، مسلم شريف، كتاب اللعان، النسخة الهندية ١/٤٨٩، بيت الأفكار، رقم: ١٤٩٢، نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب الرخصة في ذالك، النسخة الهندية ٢/٨٣، رقم: ٣٤٣١)

عن عائشةؓ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أ تحل للأول؟ قال: لاحتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ٢/٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤١١)

لايحل له أن ينكح التي أبانها بالثلاث، وإن كانت المرأة حرة، وباثنتين إن كانت أمة حتى يطأها زوج غيره، بنكاح صحيح و تمضي عدتهامنه. (تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٢/٢٥٧، زكريا ٣/١٦٢)

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين. (هندية، زكرياقديم ١/٣٠٣، جديد ١/٣٧٠)

ونفقة الصغير واجبة على أبيه. (تاتارخانية، زكريا ٥/٤١٢، رقم:٨٣٣٣)

تربية الولد ثبت للأم. (در مختار، زكريا ٥/٢٥٣، كراچي٣/٥٥٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر:الف۴۰/۱۱۰۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۳۴ھ

حلالۂ شرعی کی صورت

سوال[۶۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کوتکرار ولڑائی کے دوران یہ کہہ دیا کہ’’ طلاق دی، طلاق دی طلاق دی‘‘ تین دفعہ کہا تو طلاق ہوگئی یانہیں؟ اگر اسے ساتھ رکھنا چاہیں تو کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: ابن حسن منصور پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تین دفعہ طلاق دی کے الفاظ کہہ دئے ہیں، تو اس سے تینوں طلاقیں واقع ہوکر بیوی شوہر پر حرام ہوگئی ہے، اب بغیر حلالۂ شرعی کے دوبارہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔ اور حلالۂ شرعی کی صورت یہ ہے کہ بیوی کی تین ماہواری کے ساتھ عدت پوری ہوجائے اس کے بعد دوسرے مرد کے ساتھ نکاح ہوکر اس کے ساتھ ہمبستری بھی ہوجائے، پھر وہ طلاق دیدے، پھر عدت تین ماہواری کے ساتھ گذر جائے، اس کے بعد پہلا شوہر نکاح کرسکتا ہے۔

عن عائشة ؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل

النبي صلى الله عليه وسلم، أ تحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١، نسائی، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخةالهندية، ٢/ ٨٤، دار السلام رقم: ٣٣٤٠، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، النسخة الهندية ١/ ٤٦٣، بيت الأفكار رقم:١٤٣٣)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم:٧٥٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ر ۹۴۲۴)

ہمبستری کے بغیر حلالہ نامکمل ہے

سوال [٦٨٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی تھیں، اس کی عدت گذرنے کے بعد میں نے چاہا کہ اس سے رجوع کروں، اس کے گھر والوں اور ذمہ دار حضرات نے اس کا نکاح کردیا

ساری رات شوہر کے پاس رہنے کے بعد صبح کو اس نے طلاق دیدی، اب میری سابقہ بیوی مجھ سے کہتی ہے کہ شوہر مجھ سے ہمبستر نہیں ہوا، ذمہ دار حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے نکاح کر دیا چاہے وہ ہم بستر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو یہ وہ جانے، کیا وہ بیوی اپنے سابق شوہر کے لئے حلال ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: انظار النبی، سرائے جہانگیر، تمبا کو والا ن، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے تین طلاقیں دیدیں اور عدت کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا اور رات میں خلوت ہوگئی، مگر ہمبستر نہیں ہوا ہے، تو ایسی صورت میں پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوسکتی؛ لہٰذا بغیر ہمبستری کے دوسرے شوہر کی طلاق کے بعد عدت گذار کر پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کرنا درست نہیں ہوگا اور خاندان والوں کا یہ کہنا کہ ’’ہم نے نکاح کردیا، چاہے وہ ہمبستر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ جانے‘‘ اس کی وجہ سے پہلے شوہر کے لئے حل جدید ثابت نہیں ہوگی اگر پہلے شوہر سے نکاح کیا جائے گا، تو وہ نکاح درست نہیں ہوگا اور اس عورت کے سابق شوہر کے لئے حلال ہونے کے لئے یہ شکل ہے کہ دوسرے شوہر کی طلاق کے بعد عدت گذارے، پھر تیسرے شوہر سے نکاح کرے، اس کے ساتھ ہمبستری کے بعد وہ طلاق دیدے گا، تو پھر عدت گذارنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کرنا درست ہوگا۔

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١)

عن عائشةؓ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا،

حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٠)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

ولو اختلف الزوجان في التمكين من الوطء، فالقول لمنكرة؛ لأن الأصل عدمه. (الاشباه والنظائر، زكريا تحت قاعدة الأصل بقاء ما كان على ما كان ١٩٠)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهُ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۹۹۴/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۳/۹ھ

حلالہ میں ہمبستری شرط ہے

سوال [٦٨٥٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے کسی ناراضگی کی بنا پر بیوی کو طلاق دیدی، وہ اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور عدت گذاری، اب زید اپنی حرکت پر پشیمان ہے، وہ اپنی بیوی کی واپسی چاہتا ہے، لوگوں نے کہا کہ حلالہ کے علاوہ کوئی شکل نہیں ہے، زید پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر مسئلہ کا حل ڈھونڈھتا رہا کسی عالم نے بتایا کہ بیوی کو اس کے حوالے کردو وہ حلالہ کروالے گا؟ زید کا بھائی اس کے لئے آمادہ ہوگیا، اس کے بھائی کے ساتھ نکاح کرا دیا گیا، پہلی شب وہ بھائی بیوی کے کمرہ میں نہیں سویا یعنی خلوت صحیحہ نہیں ہوئی، اس کے بھائی نے بیوی کو طلاق دیدی

اورزیداس کے ساتھ نکاح کے لئے تیار ہوگیا، اب وہ عورت عدت گذار رہی ہے (سسرال میں یعنی شوہر کے چچا کے گھر) کیا عدت گذارنے کے بعد زیداس سے نکاح کرسکتا ہے؟

المستفتی: عبدالحفیظ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حلالہ کے لئے جب دوسرے مرد کے ساتھ نکاح ہوگا، تو اس کے ساتھ ہمبستری بھی لازم ہے، بغیر ہمبستری کے نہ عورت پر دوبارہ عدت لازم ہے نہ ہی پہلے شوہر کیساتھ نکاح جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمود یہ ڈابھیل ۱۲/ ۳۸۱)

وسبب وجوبها (أي العدة) عقد النكاح المتأكد بالتسليم وماجرىٰ مجراه من موت، أو خلوة: أي صحيحة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب العدة، كراچي ٣/ ٥٠٤، زكريا ٥/ ١٨٠)

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١، نسائی، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخةالهندية ٢/ ٨٤، درالسلام رقم: ٣٤٤٠، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، النسخة الهندية ١/ ٤٦٣، بيت الأفكار ١٤٣٣)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧/ شوال المکرّم ١٤٢٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٨٩٤٤/٣٨)

حلالہ کی صحت کے لئے ہمبستری شرط ہے

سوال [٦٨٥٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صابر نے اپنی بیوی نھیا کو تین طلاق دیدیں، نھیا نے عدت پوری کی پھر نھیا کی سگی جٹھانی کے بھتیجے بھورے سے نکاح ہوگیا، ١٠ر گھنٹہ کے بعد بھورے نے بغیر ہمبستری کے طلاق دیدی، تو یہ حلالہ شرعاً ہوا یا نہیں اور صابر کے ساتھ اس عورت کا رہنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد صابر، نیا گاؤں اکبر پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بھورے کے ساتھ ہمبستری نہیں ہوئی ہے، تو پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوئی؛ لہٰذا جب تک دوسرے شوہر سے صحبت نہ ہوجائے، اس وقت تک پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی؛ لہٰذا جب بھورے نے بغیر صحبت کے طلاق دیدی ہے، تو طلاق بائن ہوگئی اور چونکہ غیر مدخول بہا ہے؛ اس لئے کسی بھی آدمی کے ساتھ بغیر عدت کے نکاح کرسکتی ہے اور اس کے ساتھ صحبت ہوجانے کے بعد اگر وہ طلاق دیتا ہے، تو دوبارہ عدت گذارنے کے بعد پہلے شوہر کے لئے حلال ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمود یہ ڈابھیل ١٢/ ٣٨١)

وسبب وجوبها (أي العدة) عقد النكاح المتأكد بالتسليم وماجرىٰ مجراه من موت، أو خلوة صحيحة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب العدة، كراچي ٣/ ٥٠٤، زكريا ٥/ ١٨٠)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (دارقطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨)

اب جو پہلے شوہر کے ساتھ آگئی ہے، تو فوراً دونوں میں علیحدگی کردینا لازم ہے۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۰۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۱۴ھ

حلالہ درست ہونے کے لئے دخول لازم ہے

سوال [٦٨٥٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زینب کا نکاح زید سے ہوا تھا، تین بچے بھی ہیں، اس کے بعد زید نے تینوں طلاقیں دیدیں، پھر عدت کے بعد زینب کا نکاح عمرو کے ساتھ ہوگیا، اب زینب اور اس کا پہلا شوہر زید دونوں چاہ رہے ہیں کہ پھر ہم دونوں کا نکاح ہوجائے۔ نیز عمرو بھی طلاق دینے کے لئے تیار ہے، اب اس مسئلہ میں شریعت کی رو سے کیا کیا جاوے؟

المستفتی: جسیم الدین، برولان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زینب کا شوہر ثانی عمرو اگر دخول کرچکا ہے، اور اب وہ زینب کو طلاق دینا چاہتا ہے، تو ایسی صورت میں طلاق کے بعد عدت گذار کر زینب کا نکاح زید سے درست ہوگا۔ اور اگر عمرو سے دخول کی نوبت نہیں آئی ہے، تو زینب اپنے شوہر اول زید کے لئے حلال نہ ہوگی۔

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم: عن الرجل يطلق

امرأته ثلاثاً، فيتزوجها الرجل، فيغلق الباب، ويرخي الستر، ثم يطلقها قبل أن يدخل بها، قال: لا تحل للأول حتى يجامعها الأخر. (نسائي، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٤)

لاينكح مطلقة بها: أي بالثلاث حتى يطأها غيره. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الرجعة، كراچي ٣/٤٠٩، زكريا ٥/ ٤٠)

ولاتحل الحرة بعد التطليقات الثلاث لمطلقها، لقوله تعالىٰ: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ . [البقرہ: ٢٣٠]

من بعد الآية......إلا بعد وطئ زوج آخر......بنكاح صحيح......ومضى عدته أي عدة النكاح الصحيح بعد زواله بالطلاق في الزوج الثاني. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت٢/ ٨٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۱۲۲)

حلالہ میں صحبت شرط ہے

سوال [۶۸۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ہندہ کو تین طلاق غصہ کی حالت میں دیدیں اوراس کے چھوٹے بچے بھی ہیں، اب زید نادم ہے کیا صورت ہوسکتی ہے کہ ہندہ زید کے پاس دوبارہ پہونچ جائے؟

(۲) زید نے ہندہ کو تین طلاق دیں اور بکر سے عقد ثانی ہوا، بکر نے ہندہ سے تنہائی میں پانی مانگا، ہندہ نے پانی دیا اورتھوڑا پانی پیا، اور بکر نے تین طلاق دیدیں، تو ایسی صورت میں کیا زید کے لئے ہندہ سے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہے؟

(۳) زید نے ہندہ کو تین طلاق دیں اور ہندہ کو حمل ہے اورزید نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا، کیا یہ کفارہ ہوسکتا ہے اورزید ہندہ کو دوبارہ اپنے نکاح میں لے سکتا ہے یانہیں؟

(۴) زید نے اپنی بیوی کوتین طلاق دیں اور زید کی بیوی کا عقد ثانی بکر سے ہوا اور بکر زید کا ملنے والا ہے، لوگوں کے کہنے کے مطابق بکر نے طلاق دیدی، کیا یہ صورت جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جوابات عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: عظیم الدین، موضع: گلنی، پوسٹ: تترہاٹ، مونگیر (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) تین طلاق سے ہندہ مذکورہ پر تین مغلظہ طلاق واقع ہوگئیں؛ لہٰذا واپسی کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ ہندہ عدت گذار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے اور وہ شخص جب ہندہ کو وطی اور صحبت کے بعد طلاق دیدے اور ہندہ عدت گذار لے، تو اب زید ہندہ کو دوبارہ اپنے نکاح میں لے سکتا ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، أوثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هداية اشرفي ديو بند۲/ ۳۹۹)

(۲) حلالہ کے لئے صحبت شرط ہے، محض تنہائی میں پانی دینے سے حلالہ نہیں ہوا؛ لہٰذا ہندہ زید کے لئے حلال نہیں ہوئی۔

لم تحل له حتى......ويدخل بها ثم يطلقها. (هدايه، ۲/ ۳۹۹)

لقوله عليه السلام: أ تريدين أن ترجعي إلى رفاعة، قالت: نعم! قال: لا حتى تذوقي عسيلته و يذوق عسيلتك. الحديث. (بخاري شريف، كتاب الشهادت، باب شهادة المختبى ۱/ ۳۵۹، رقم: ۲۵٦۵، ف: ۲٦۲۹، مشكوة ۱/ ۲۸٤)

(۳) تین طلاق دینے کے بعد بطور کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے نہ کفارہ ہوتا ہے اور نہ بیوی شوہر کے لئے حلال ہوسکتی ہے، چاہے حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔

لقوله تعالىٰ: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.

[سورة البقرة: ۲۳۰]

وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۵۶)

(۴) اگر بکر شوہر ثانی نے عورت سے باضابطہ صحبت کرلی ہے، پھر لوگوں کے کہنے کے بعد طلاق دی ہے، تو عدت گذارنے کے بعد ہندہ زید کے لئے حلال ہو جائے گی اور اگر بغیر صحبت کے طلاق دی ہے، تو وہ زید کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

فإن طلقها بعد ماوطئها حلت للأول؛ لوجود الدخول. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۴۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۹۹۱)

حلالہ کی ایک صورت

سوال [۶۸۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو غصہ میں تین بار طلاق دی اور یہ الفاظ کھلے دل سے تین بار کہے کہ میں نے تم کو طلاق دی، طلاق دینے کے بعد مرد اور عورت دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس کے لئے دونوں نے کوئی صورت نکالنے کی کوشش کی طلاق کے بعد عورت نے عدت کا وقت گزار کر اور اپنی خوشی سے عدت پوری ہونے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کرلیا، نکاح کرتے وقت کوئی شرط کسی سے نہیں لگائی تھی، کچھ راتیں اس عورت کے ساتھ گذارنے کے بعد اور صحبت کرنے کے بعد دوسرے مرد نے اس عورت کو طلاق دیدی اور یہ الفاظ تین بار کھلے لفظوں میں دوہرائے ’’میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی‘‘ یہ الفاظ میں نے اور عورت نے سنے طلاق دینے کے اگلے دن پھر اس مرد نے اس عورت سے صحبت کی اور عورت سے کہا کہ میں نے تم کو خوشی سے طلاق نہیں دی تھی، صرف دکھانے کے لئے دی تھی اور میں نے تم سے صحبت دوبارہ

رجعت کرنے کے لئے کی ہے، تم میری بیوی ہو اور میں تم کو اپنی بیوی سمجھتا رہوں گا، یہ بات عورت نے کسی کو نہیں بتائی، یہ واقعہ ۱۹۸۶ء میں پیش آیا تھا اور عورت اپنی عدت پوری کرتی رہی، عدت پوری کرنے کے بعد عورت نے اپنی خوشی سے پہلے مرد سے نکاح کرلیا۔ اب آپ یہ بتائیں کہ دوسرے مرد نے جو عورت کو طلاق دی تھی، وہ عورت پر پڑی یا نہیں؟ اور عورت نے بعد میں پہلے مرد سے جو نکاح کیا وہ جائز ہے یا نہیں؟ اب عورت کس کی ہے اور کیا کرنا چاہئے؟ تفصیل سے اس بات کا حل لکھنے کی زحمت گوارہ کریں۔

المستفتی: مجتبیٰ علی، محلّہ: ویر بھدر، رشی کیس، دہرادون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کرنا اور دل سے طلاق دینا لازم نہیں ہے؛ بلکہ مذاق میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جب طلاق مغلظہ تین بار طلاق دینے کی وجہ سے واقع ہوچکی ہے، تو اس کے ساتھ دوبارہ ہمبستری بالکل حرام تھی توبہ کرنا لازم ہے اور جب عورت نے عدت کے بعد شوہر اول سے نکاح کیا تو وہ نکاح شرعاً معتبر ہے، اگرچہ عورت نے شوہر ثانی کے ارادہ کو ظاہر نہ کیا ہو۔

ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل، ولو عبداً، أومكرهاً، أوهازلاً لايقصد حقيقة كلامه الخ. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كراچي ۳/۲۳۵، زكريا ٤/٤٣٨تا٤٤٣)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۴۵۲)

مطلقہ مغلظہ سے دوبارہ نکاح کرنا

سوال [۶۸۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی نے عرصہ پانچ سال پہلے زید سے طلاق لے لی تھی، اور زید نے اپنی بیوی کو اس کے مطالبہ اور ضد کرنے پر ہی زبانی اور تحریر میں تین طلاق دیدی تھیں، اب زید کی سابقہ بیوی اپنے کئے پر شرمندہ ہے اور دوبارہ زید کے نکاح میں آنا چاہتی ہے، تو کیا زید اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے اور بیوی بنا سکتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ بتا کر مہربانی فرمائیں۔

المستفتی: ضیاء الرحمٰن قریشی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب پانچ سال قبل طلاق ہوئی ہے تو اس درمیان میں عدت بھی گذر چکی ہے، اب کسی دوسرے مرد سے شرعی نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستری اور صحبت ہوجائے، اس کے بعد وہ طلاق دیدے، پھر عدت گذرنے کے بعد پہلے شوہر کے ساتھ نکاح صحیح ہوسکتا ہے۔

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١، نسائی، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخةالهندية ٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٠، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها، النسخة الهندية ١/ ٤٦٣، بيت الأفكار ١٤٣٣)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيرهُ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ۱/ ۴۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۲۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۶ھ

مطلقۂ ثلاثہ سے بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کرنا

سوال [۶۸۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں اور چار برس گذر گئے، پھر دونوں شادی کرنے پر راضی ہیں اور ابھی تک اس عورت نے کسی دوسرے مرد سے شادی نہیں کی ہے۔

المستفتی: محمد وسیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر دونوں دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں، تو بغیر حلالۂ شرعی کے نکاح جائز نہ ہوگا اور جب طلاق کو چار سال ہوگئے، تو اس کی عدت بھی گذر گئی ہے، اب بلا تاخیر وہ عورت کسی مرد سے نکاح کرکے ہمبستر ہوجائے، اس کے بعد وہ مرد جب اس کو طلاق دے گا، تو عدت گذار کر شوہر اول سے نکاح کرسکتی ہے، اس کے بغیر نہیں۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهُ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۲۱، رقم: ۳۹۳۲)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۹۳۷)

طلاق ثلاثہ کے بعد بلا حلالہ نکاح جائز نہیں

سوال [۶۸۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں سلطان عمیم ولد عبد القیوم نے اپنی بیوی فرزانہ بیگم ولد علی حسین کو ایک ہی مجلس میں تین بار طلاق دی، تو کیا اب میں فرزانہ کو اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: سلطان عمیم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے بیوی کو تین بار طلاق دیدی ہے، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب اگر دوبارہ رکھنا چاہے تو حلالہ کے بعد ہی رکھ سکتا ہے بلا حلالہ نکاح درست نہ ہوگا۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ۴/۲۱، رقم: ۳۹۳۲)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷۶)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٩/شعبان المعظم ١٤١٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٤١٥٠/٣١)

بغیر حلالہ کے نکاح کرنا

سوال [٦٨٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد اظہر نے شہانہ پروین کو ١٥/رمضان کو تین طلاق دیدی تھیں، پھر اس کے بعد ایک لڑکا ڈھائی مہینہ کے بعد پیدا ہوا ہے، اب طلاق کو آٹھ مہینہ ہوگئے ہیں، اب شہانہ پروین بغیر حلالہ کے میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اظہر الدین، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی کو تین طلاق دی جا چکی ہیں، تو بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی اور دوبارہ نکاح کے لئے صرف یہ شکل ہے کہ عدت گذرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح ہوجائے اور ہمبستری بھی ہوجائے، پھر وہ طلاق دیدے اور دوبارہ تین ماہواری کے ساتھ عدت گذر جائے تو اس کے بعد اظہر الدین کے لئے شہانہ پروین سے نکاح کرنا جائز ہوجائے گا۔

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً، فيتزوجها الرجل، فيغلق الباب، ويرخي الستر، ثم يطلقها قبل أن يدخل بها، قال: لا تحل للأول حتى يجامعها الآخر. (نسائی شریف، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ٢/٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها، كذا في الهداية. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۲۷۴/۳۸)

مطلقہ مغلظہ سے بلا حلالہ نکاح درست نہیں

سوال [٦٨٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی کو ۲۰/سال ہوگئے، میرے تین بچے ہیں، بڑی لڑکی ۱۸/سال، دوسری ۱۶/سال اور ایک لڑکا ۱۴/سال کا ہے، میرا بیوی سے جھگڑا ہوا اور میں نے غصہ میں طلاق دیدی تین بار زبان سے ادا کر دیا، کیا بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کرادیا جائے، اسلام میں کوئی گنجائش ہے؟ میں اپنے کئے ہوئے پر بہت نادم اور افسردہ ہوں۔

المستفتی: محمد شاہد، نئی سڑک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب آپ نے اپنی بیوی کو تین بار زبان سے طلاق دیدی ہے، تو اس کے اوپر طلاق مغلظہ واقع ہوکر آپ کے لئے وہ قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے، اب آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔ آپ اپنے کئے پر شرمندہ ضرور ہیں، مگر بغیر حلالہ کے بیوی حلال نہیں ہوسکتی۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

لـو قـال لزوجتهٖ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نـكـاحاً صـحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هـندية، زكريا قـديـم ١/٤٧٣، جـديـد ١/٥٣٥، هـداية اشـرفـي ديـوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ١٤٧/٥، رقم:٧٥٠٣)

لايـحـل لـلرجل أن يتزوج حرة طلقها ثلاثاً قبل إصابة الزوج الثاني. (هندية، زكرياقديم١/٢٨٢، جديد ١/٣٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۸؍صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۳۹؍۱۰۲۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۸ھ

مطلقہ مغلظہ سے بلاحلالہ نکاح کرنا

سوال[٦٨٦٧]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد تحسین ولد محمد یاسین محلّہ کرولا اسلام نگر کا رہنے والا ہوں،آج سے چار ماہ قبل اپنی بیوی زاہدہ پروین کو جھگڑا ہونے کی وجہ سے تین طلاق دے چکا ہوں، میری بیوی عدت گذار چکی ہے، میرے دولڑکے تین سال ۵؍سال کے ہیں اپنی غلطی پر نادم ہوں، اب اپنی بیوی سے بنا حلالہ کے نئی مہر کے ساتھ نیا نکاح کرنا چاہتا ہوں، اسلام کی روشنی میں میری رہبری فرمائیں۔

المستفتی: محمد تحسین،اسلام نگر کرولا ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین طلاق دینے کے بعد بیوی شوہر کے لئے حرام ہوجاتی ہے اوراس کو دوبارہ نکاح میں لانے کے لئے ضروری ہے کہ حلالۂ شرعی کرایا جائے؛

لہٰذا آپ کے لئے اس سے بغیر حلالہ کے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔

عن نافع عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيرهٔ، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ١٢/ ٢٩٥، رقم: ١٣٤٢٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٔ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۱۱ھ

مطلقہ مغلظہ سے بلا حلالہ نکاح کا حکم

سوال [۶۸۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے والدین کی، زید سے کچھ نا اتفاقی ہوگئی تو زید اپنے گاؤں سے نکل کر دوسرے شہر جانے لگا، تو اس کے والدین کرایہ کے لئے روپیہ دینے لگے، تو زید نے روپیہ لینے سے انکار کر دیا، زید کے گاؤں کے لوگوں نے زید کو دوسرے شہر جانے سے منع کر دیا، زید نہیں مانا اور چلتا رہا، زید کی بیوی ہندہ بھی زید کے پیچھے چلتی رہی، زید نے ہندہ سے کہا تم گھر لوٹ جاؤ؛ لیکن ہندہ نہیں مانی اور وہ زید کے پیچھے چلتی رہی، زید بار بار منع کرتا رہا اور زید نے ہندہ سے کہا کہ دیکھو میں نے اپنی بیٹی ثریا کی قسم کھا لی ہے کہ میں یہاں سے دوسرے شہر چلا جاؤں گا، پھر بھی ہندہ نہیں مانی پھر زید ہندہ کے ساتھ گھر لوٹ آیا اور گھر لوٹنے کے ساتھ ہی زید نے ہندہ سے کہا ایک سانس میں کہ ''تم کو ایک دو تین طلاق''، اس حالت میں ہندہ کو طلاق

واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوگئی ہے، تو رجوع کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: عبدالقادر اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا، اب رجوع کی کوئی صورت نہیں، صرف حلالہ کرانے کی صورت ہوسکتی ہے۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۰۷۸/۳۳)

تین طلاق کے بعد کفارہ دینے سے بیوی حلال نہیں ہوتی

سوال [٦٨٦٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بہن جس کی شادی ۱/ستمبر ۲۰۰۴ء کو ہوئی تھی، شادی کے تیرہ ماہ بعد ۷/اکتوبر ۲۰۰۵ء بمطابق ۱/رمضان ۱۴۲۵ھ بروز جمعہ لڑکے یعنی میرے بہن کے شوہر کا اس کے گھر والوں سے تکرار ہوگیا، اس وجہ سے دونوں میاں بیوی یعنی میری بہن اور اس کے شوہر نے چھ دن تک کچھ کھایا نہیں اور گھر والوں سے ناراضگی رہی، جب یہ بات بہن کے جیٹھ یعنی

میری بہن کے بڑے بھائی کو معلوم ہوئی، تو اس نے میرے بہنوئی کو کچھ روپئے دیئے اور کہا آپ اپنا کھانا الگ پکانا شروع کردو، جب بہن کی ساس کو معلوم ہوا کہ میرے بڑے لڑکے نے چھوٹے بیٹے کو الگ کھانا پکانے کے لئے کہا ہے، تو وہ بہنوئی کے پاس لڑتی ہوئی آئی اور بولی تم نے اگر اپنی بڑی بہن کے گھر جاکر اپنی بڑی بہن کو نہیں مارا ہوتا تو یہ تمہارے گھر کی ہوتی، اگر تمہارے سالے تمہاری بیوی کو آکر ماریں تو تم اس کو رکھ لوگے؟

لڑکے نے کہا اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں اسے چھوڑ دوں، تو چھوڑ رہا ہوں، یہ کہہ کر اس نے تین سے زائد مرتبہ طلاق دیدی، یہ بات ہمیں ۱۱/ گیارہ ماہ بعد ۲۹/ اگست ۲۰۰۶ء مطابق ۳/ شعبان ۱۴۲۷ھ کو معلوم ہوئی۔ لڑکی گھر آنے لگی ان لوگوں نے روک لیا کہنے لگے میاں بیوی کے جھگڑے میں طلاق نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا گھریلو لڑائی میں طلاق نہیں ہوئی ہے، لڑکی بعد میں بیمار بھی رہی اور میکہ بھی کم آئی، اس نے کہا میں اپنے گھر جاکر بتا دوں، انہوں نے کہا ہم نے معلوم کرلیا ہے، کفارہ ادا کر دیا ہے؛ لہٰذا پھر سے لڑائی جھگڑے گھر میں ہوئے، لڑکی کی برداشت سے باہر ہوگئے، دو ماہ سے زیادہ پریشان تھی، اس نے ان لوگوں کی بات پر یقین رکھتے ہوئے دین دار لوگوں سے مسئلہ معلوم کرلیا ہوگا، ۱۱/ ماہ تک کچھ نہیں بتایا۔

اس طلاق کی گواہ چار عورتیں ہیں۔

(۱) لڑکے کی ماں (والدہ)

(۲) بڑی جٹھانی

(۳) چھوٹی جٹھانی

(۴) نند بالغ ہے

دین کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل بتائیں۔ جزاک اللہ خیرا۔

نوٹ: بڑی بہن کی شادی پندرہ سال پہلے ہوئی تھی اور وہ تیرہ چودہ سال سے اپنے گھر رکی ہوئی ہے۔

المستفتی: محمد خالد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ماں سے تکرار کے دوران بیٹے نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ سے زائد طلاق دے دی ہے، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اوراس کی بیوی اس پرحرام ہوگئی، آئندہ بلاحلالہ کے آپس میں ملنا بھی جائز نہیں اور طلاق دینے کے بعد کفارہ کے نام سے کچھ دینے سے طلاق معاف نہیں ہوتی، طلاق ہر حال میں طلاق ہی ہے، کفارہ اس کے لئے تلافی نہیں ہے، اور تین طلاق کے بعد حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی درست نہیں۔

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/۷۹۱، رقم: ۵۰۶۲، ف: ۵۲۶۱، مسلم شريف، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها، النسخة الهندية ۱/۴۶۳، بيت الأفكار رقم: ۱۴۳۳، نسائي، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ۲/۸۴، دار السلام رقم: ۳۴۴۰)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۲۱، رقم: ۳۹۳۲، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ۱۲/۲۹۵، رقم: ۱۳۴۲۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية

اشرفي ديوبند۲/ ۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۱۴۳)

بیوی کو تین طلاق دینے کے بعد بھی اس کے ساتھ زندگی گذارنا

سوال [۶۸۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں پھر اسی کے ساتھ رہنے لگا، دو سال کا عرصہ گذرنے کے بعد فتوی لینے کی خواہش ہوئی، اسی درمیان میں ایک لڑکا بھی پیدا ہوگیا، اب شریعت کے مطابق زندگی گذارنا چاہتا ہے، اس کا کیا طریقہ ہے؟ لڑکا میراث میں اس کے مال میں شریک ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبد الغفار قاسمی، لادھ کیسیہ، سمستی پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تین طلاق دیدینے کے بعد عورت کو بلا حلالہ کے اپنے پاس رکھنا قطعاً ناجائز ہے؛ لہٰذا اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ سے توبہ کرنا ضروری ہے، اب اگر آپ دوبارہ اس کو بیوی بنا کر رکھنا چاہتے ہیں، تو حلالۂ شرعیہ ضروری ہوگا اور اس عورت کی عدت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر آپ اس سے حرام سمجھتے ہوئے ہم بستری کرتے رہے ہیں، تو ایسی صورت میں اس عورت کی عدت پوری ہوچکی ہے اور اس کا فوری طور پر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اور اگر اس کو حلال سمجھتے ہوئے آپ نے اس سے ہمبستری کی ہے، تو آخری ہم بستری کے بعد جب تین ماہواری مکمل ہوجائیں، تو دوسرے مرد سے نکاح ہوجائے اور اس کے ساتھ ہم بستری بھی ہوجائے، پھر جب وہ طلاق دے دے اور اس کے بعد تین ماہواری گذر جائے، تو آپ اس سے

نکاح کر سکتے ہیں اور جو بچہ اس مدت میں پیدا ہوا ہے، وہ ثابت النسب ہے؛ لہٰذا وہ باپ کے مال میں میراث کا حقدار ہوگا۔

اتفقوا أن التوبة من جميع المعاصي واجبة سواء كانت المعصية صغيرة، أو كبيرة. (نووي، كتاب التوبة ۲/ ۳۵٤)

والحاصل أنه إن كتمه، ثم أخبر به بعد مدة، فالفتویٰ علی أنه لا يصدق في الإسناد؛ بل تجب العدة من وقت الإقرار سواء صدقته، أو كذبته، وإن لم يكتمه بل أقر به من وقت وقوعه، فإن لم يشتهر بين الناس، فكذلك. وإن يشتهر بينهم تجب العدة من حين وقوعه وتنقضي، إن كان زمانها مضی، وهذا إذا لم يكن وطئها بشبهة ظن الحل وإلا وجبت بالوطء عدة أخریٰ وتداخلتا كما مر، وكذا كلما وطئها تجب عدة أخریٰ فلا يحل لها التزوج بآخر مالم تمض عدة الوطء الأخير بخلاف ما إذا كان الوطء بلا شبهة، فإنه لا يوجب عدة لتمحضه زنا، والزنا لا يوجب عدة كما مر. (شامي، باب العدة، كراچي۳/ ۵۲۲، زكريا ۵/ ۲۰۵)

من طلق امرأته ثلاثا، ثم أقام معها زماناً.....ولو وطئها وادعیٰ الشبهة، بأن قال: ظننت أنها تحل لي فإنها تستقبل العدة بكل وطأة تتداخل الأولیٰ.

(تاتارخانية، زكريا۵ /۲۳۸، رقم: ۷۷۵۰)

فإن المطلقة الثلاث يثبت النسب منها؛ لأنه وطء في شبهة العقد، فيكفي ذلك لإثبات النسب. (فتح القدير، دارالفكر بيروت ۵/ ۲۵۱، كوئٹه ۵/ ۳٤، زكريا۵/ ۲۳۹، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۳٤۸)

إن ادعی النسب يثبت في الأولیٰ لا في الثانية إلا في المطلقة ثلاثاً بشرطه، وتحته في الشامية: وتحصل من هذا أنه إذا ادعیٰ الولد يثبت النسب سواء ولدت لأقل من سنتين، أو لأكثر، وإن لزم الوطئ في العدة

لوجود شبهة العقد. (شامي، زكريا٦/ ٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۶۰۳)

بیوی کو تین طلاق دے کر اس سے رجوع کرنا

سوال [۱۸۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو غلط تعلق کی وجہ سے صراحۃً تین طلاق دیدیں تھیں، مگر چند بچے چھوٹے چھوٹے تھے اسی عورت سے اور خاندان والوں نے بھی زور ڈالا کہ اپنی بیوی سے رجوع کرو؛ چنانچہ ایک عالم سے معلوم کیا، تو انہوں نے بلا حلالہ کے رجوع کروا دیا، اور وہ اب میرے یہاں ہے، اب حج کا ارادہ رکھتا ہوں، تو پھر علماء سے پوچھا، تو بولے کہ وہ عالم دوسرے مسلک کے تھے؛ اس لئے تم مسئلہ دریافت کرلو، ورنہ بہت گنہگار رہوگے: لہٰذا عرض ہے کہ صحیح طریقہ سے مسئلہ تحریر فرمادیں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: محمد زبیر اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، جس عالم نے بلا حلالہ رجوع کرایا ہے وہ غلط ہے، اس سے حرام کاری ہورہی ہے، فوراً بیوی سے الگ ہوجائیں، بغیر شرعی حلالہ کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

عـن ابـن عـمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تـحـل لـزوجهـا الأول حتـى تـنـكـح زوجـاً غيـرهٗ، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ١٢/ ٢٩٥، رقم:١٣٤٢٩)

وإن كـان الـطـلاق ثـلاثـاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تـنـكـح زوجـاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۸۷۲)

مطلقہ مغلظہ کا بلا حلالہ نکاح کرانا

سوال [۶۸۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی میں کسی بات پر کہا سنی ہورہی تھی، میاں نے غصہ میں آکر اسے تین بار طلاق دیدی طلاق دئے ہوئے تقریباً ایک سال ۲؍ ماہ کا عرصہ ہوگیا، لڑکی اپنے والدین کے یہاں پر ہے، لڑکی کے والد کہتے ہیں کہ میں اپنی لڑکی کا نکاح اسی میاں کے ساتھ کروں گا، تو ایسی صورت میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد القیوم، کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے اپنی بیوی کے لئے تین مرتبہ طلاق دی کے الفاظ استعمال کیے ہیں، تو اس سے زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو بغیر حلالۂ شرعی کے نکاح کرنا درست نہیں ہے، جب دو سال پہلے کا یہ واقعہ ہے، تو عدت گذر گئی، اب کسی دوسرے شخص سے نکاح کر کے اس سے ہمبستر ہوجائے،

پھر وہ شخص طلاق دیدے، اس کے بعد دوبارہ عدت گذار کر اس پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کر کے رہنا درست ہے۔

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلی الله علیه وسلم عن الرجل یطلق امرأته ثلاثاً، فیتزوجها الرجل، فیغلق الباب، ویرخي الستر، ثم یطلقها قبل أن یدخل بها، قال: لا تحل للأول حتی یجامعها الآخر. (نسائي شریف، کتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندیة ۲/ ۸٤، دارالسلام رقم: ۳٤٤٤)

ولو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قدیم ۲۱۹، جدید زکریا ۳۷٦)

وإن کانت الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیرهٔ نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، ثم یطلقها، أو یموت عنها. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/ ٤۷۳، جدید ۱/ ۵۳۵، هدایة اشرفي دیوبند ۲/ ۳۹۹، تاتارخانیة، زکریا ۵/ ۱٤۷، رقم: ۷۵۰۳، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۱۸۹/۳۷)

مطلقہ ثلاثہ سابق شوہر کے حق میں اجنبیہ ہے

سوال [۶۸۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ زید کی چچی زاد بہن ہے، ان دونوں کا نکاح آپس میں ہوا تھا، کسی وجہ سے ہندہ مغلظہ ہوگئی اور ہندہ کی شادی دوبارہ ہوئی نہیں حلالہ کے لئے؛ لیکن ہندہ اپنے شوہر سے بلا تکلف بات چیت کرتی ہے کھانا وغیرہ سب کام کرتی ہے حتی کہ خلوت حاصل کرتی ہے،

ہندہ کے سسر وغیرہ بھی اس سے متمتع ہوتے ہیں، ہندہ کے لئے درست ہے کہ بغیر حلالہ کئے یہ سب کام کرے اور اس کے شوہر سسر وغیرہ کو اس سے انتفاع حاصل کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اکرم متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ہندہ پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، تو اس کا شوہر کے پاس جانا اور اس سے بات چیت کرنا اور اس کے سامنے آنا جانا سب ناجائز ہے، ان دونوں کے درمیان شرعی پردہ واجب ہے، یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے لئے اجنبی اور غیر ہیں، اگر ساتھ رہنا چاہیں تو حلالۂ شرعی کے ساتھ جائز ہوسکتا ہے، اس کے بغیر نہیں۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۸۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۳/ ۱۴۱۵ھ

فالج کی بیمار مطلقہ کو اپنے پاس اس مقصد سے رکھنا کہ اب اس سے کون نکاح کرے گا

سوال [۶۸۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دیدی ہیں اور ان

دونوں کی کچھ حالت اس طرح ہے کہ فالج کا اثر کئی مرتبہ ہو چکا ہے اور ان کو اپنے گھر کوئی رکھ بھی نہیں سکتا اور اب وہ چاہتے ہیں کہ رجوع ہو جائیں؛ اس لئے دہلی میں ایک مفتی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے کہا امام شافعیؒ کے مسلک میں کچھ گنجائش ہے کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: محمد سلیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال مذکورہ شخص کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوچکی ہیں، اب حلالۂ شرعیہ کے بغیر میاں بیوی کا آپس میں زوجیت کا تعلق رکھنا حرام ہے اور امام شافعیؒ کے مسلک میں تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے بیوی کو رکھنے کی جو گنجائش سوال نامہ میں لکھی ہے، ہماری نظر سے نہیں گذری۔

وذهب جمهور الصحابة والتابعين و من بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث. (شامي، كراچي ٣/٢٣٢، زكريا٤/٤٣٤، فتح القدير، دارالفكر بيروت٣/٦٩، كوئٹه٣/٣٣٠، زكريا٣/٤٥١)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۱۹۹)

طلاق مغلظہ کے بعد دونوں کا ایک ساتھ رہنا

سوال[۶۸۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ الف کی شادی ذال کے ساتھ ہوئی تھی، یہ شادی دونوں طرف کے والدین کی زورزبردستی اور چالاکی کی بناء پر ہوئی تھی، الف نے ذال کو منظور تو کرلیا؛ لیکن دل پہ پتھر رکھ کر الف اور ذال کے چار بچے پیدا ہوئے، اس کے بعد الف کے والد کا انتقال ہوگیا، باپ کا ڈر جاتا رہا، تو الف نے میم نام کی عورت سے نکاح کرلیا اور ذال بھی رہتی رہی، ذال کے بھائیوں کو یہ بات بری لگی، وہ اپنے ہمدردنیتاجی کو لے کر الف کے گھر آئے باتوں باتوں میں غصہ میں آکر الف نے ذال کو ذال کی غیر موجودگی میں تین طلاق بول دیں، یعنی ذال کے بھائیوں اور ہمدرد کی موجودگی میں، ذال کے بھائی گھبرا کر بھاگ گئے اور ذال الف کے گھر میں بیوی کی حیثیت سے رہتی رہی، میم بھی رہتی رہی، کچھ سال بعد ذال کے بیٹے بڑے ہوگئے اور وہ اپنی ماں کو اپنے ساتھ رکھنے لگے، الف اپنی بیوی میم کے ساتھ رہنے لگے، جان کاری یہ کرنی ہے کہ الف اور ذال کے رشتے کیا شوہر بیوی کے ہیں یا طلاق ہوچکی ہے، الف اور ذال میاں بیوی بن کر رہنا چاہیں تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: اظہار الحسن، رٹائرڈ اے، ڈی، او، کنگ پر یس کے سامنے شیدھی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ذال پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، دونوں کا میاں بیوی کے طور پر ایک ساتھ رہنا قطعاً حرام ہے، دونوں میاں بیوی بن کر رہنا چاہیں تو حلالۂ شرعیہ کے بعد ہی رہ سکتے ہیں۔

عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيرهُ، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ۱۲/ ۲۹۵، رقم: ۱۳۴۲۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، شامي، كراچي ۳/۴۰۹-۴۱۰، البحر الرائق، زكريا ۴/۹۴، كوئٹه ۴/۵۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۹۸۶)

مطلقہ ثلاثہ کا شوہر کے ساتھ رہنا حرام ہے

سوال [۶۸۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی کو دو سال ہوگئے ہیں، میری بیوی کے ماں باپ نہیں ہیں، یہی سوچ کر میں نے شادی کی تھی، یتیم بچی ہے ہمدردی میں، لیکن معاملہ برعکس نکلا اس کی شروع سے یہ ضد تھی کہ گھر والوں سے کوئی تعلق نہیں رکھو گے، شادی کے ۸؍دن بعد سے ہی ہم دونوں میں جھگڑا ہونے لگا، میں نے ہر چند سلجھانے کی کوشش کی ہر طرح سے سمجھایا الگ رہنے پر بھی راضی ہوگیا؛ لیکن بہت سی ایسی باتیں ہیں، جن کی وجہ سے ہمارا مزاج نہیں مل پایا، بالآخر ایک دن میں نے اس سے کہہ دیا ’’طلاق، طلاق، طلاق‘‘ تین مرتبہ ۱۶/۷/۲۰۱۴ء کو طلاق دی، لیکن اس کے گھر والے چچا وغیرہ نے میرے گھر واپس بھیج دیا ہے، میں ان سے کہہ چکا ہوں کہ میں نے اس کو طلاق دیدی ہے، اب وہ میرے ساتھ رہتی ہے، شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد نسیم، محلّہ: چھوٹی منڈی، کٹگھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپس میں نزاع اور اختلاف کی وجہ سے تین طلاق دینے کا شوہر خود اقرار کر رہا ہے؛ اس لئے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر وہ شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے، اب دونوں کے درمیان بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥)

أما المطلقات الثلاث فحكمها الأصلي هو زوال الملك وزوال حل المحلية أيضاً حتى لا يجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر. لقوله تعالى: فإن طلقها فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (بدائع الصنائع، زكريا٣/٢٩٥، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۶۷۴/۴۱)

تین طلاق کے بعد شوہر کے ساتھ رہنا

سوال [۶۸۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام مہر بانو ہے، میرے شوہر کا نام محمد مشاہد حسین ہے، میری شادی ۱۹۸۴ء میں ہوئی تھی، اس درمیان میں میرے شوہر نے اپنے پورے ہوش وحواس میں مجھے ایک شخص کے سامنے جس کا نام اکبر علی ہے اور ہمارا کارڈرائیور ہے اور چند آدمی محلّہ کے کئی بار

تین تین بار ''طلاق، طلاق، طلاق'' کہا اور کہا کہ میں نے تم کو بہت سوچ سمجھ کر کہا ہے، کیا شرع محمدی کے حساب سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ کیا میرا اپنے شوہر کے ساتھ رہنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتية: مہر بانو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہر نے جب پہلی مرتبہ کہا کہ ''طلاق، طلاق، طلاق'' تو اس سے تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں اور نکاح ختم ہوگیا، اب شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے اور جتنے دن اس کے ساتھ رہی ہے، یہ حرام کاری اور زنا ہے، دونوں کو گناہ کبیرہ سے صدق دل سے توبہ کرنا لازم ہے اور عورت فوراً شوہر سے الگ ہو جائے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦، هندية، زكريا قديم ١/ ٣٥٥، جديد ١/ ٤٢٣)

اور حلالہ شرعی کے بغیر دونوں میں ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٔ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هداية اشرفي ديو بند ٢/ ٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، البحر الرائق كوئٹه ٤/ ٥٦، زكريا ٤/ ٩٤، در مختار، كراچي ٣/ ٤٠٩، زكريا ٥/ ٤٠ تا ٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۷۳۲/۳۵)

طلاق ثلاثہ کے بعد بھی شوہر کے ساتھ رہنا

سوال [۶۸۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ کچھ وجہوں سے میرے اور میرے شوہر کے تعلقات اچھے نہیں رہے، دسمبر ۱۹۹۵ء کو غصہ میں میرے شوہر نے تین مرتبہ مجھ سے کہا کہ ''میں نے تم کو طلاق دی، دوسرے دن یہ واقعہ میں نے اپنے سسر سے بتایا، انہوں نے کہا کہ اگر یہ صورت حال ہے، تو تم کو طلاق ہوگئی اور تم کو اپنے شوہر سے الگ رہنا چاہئے، پھر انہوں نے مجھے دو دن شوہر سے الگ رکھا، پھر شوہر سے اس بات کی تحقیق کی تو وہ صاف انکار کر گئے کہ انہوں نے تین مرتبہ کہا تھا، انہوں نے کہا: کہ میں نے دو مرتبہ کہا تھا؛ جبکہ میں نے اپنے کانوں سے تین مرتبہ ہی سنا تھا، پھر میرے سسر نے کہا کہ اگر یہ دو مرتبہ کی بات کہہ رہا ہے تو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں تم دونوں ساتھ رہ سکتے ہو، میں نے کہا چونکہ میں نے اپنے کانوں سے تین مرتبہ ہی سنا ہے، تو اب جو کچھ گناہ ہم پر ہوگا، اس کی ذمہ دار میں نہیں؛ کیونکہ آپ میری بات نہیں مان رہے ہیں، اس طرح ہم ساتھ رہنے لگے؛ لیکن تعلقات پھر بھی اچھے نہیں رہے، ان کی کچھ ناقابل برداشت باتوں کے سبب میں نے ۱۹۹۸ء کو وہ گھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا اور میں اپنے شوہر کو بتا کر آئی تھی کہ دوبارہ اس گھر میں نہیں آؤں گی۔ اس واقعہ کو تین سال کا عرصہ گذر چکا، جب سے آج تک میں اپنے میکہ میں ہوں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتیة: اسماء بنت محمد رئیس، محلّہ: پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب آپ نے اپنے کانوں سے تین مرتبہ طلاق کا لفظ سنا تھا، اس پر آپ کے سسر نے آپ کو مسئلہ سے بھی آگاہ کر دیا، تو آپ کے لئے شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں تھا؛ اس لئے اس کے بعد جتنے دن آپ نے اپنے شوہر کے ساتھ گذارے ہیں، وہ زناکاری ہوئی ہے اور شوہر کے تین طلاق دینے پر چونکہ آپ کے پاس کوئی شرعی گواہ نہیں ہے؛ اس لئے قضاءً تین طلاق کا حکم بھی نہ ہوگا۔ اور نہ ہی اب آپ کے لئے شوہر کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرنا جائز ہوگا؛ بلکہ جس طرح ہو سکے خلع وغیرہ کے ذریعہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۰۳)

المرأة كالقاضي لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذٰلك. (هندية، زكريا قديم ١/٣٥٤، جديد ١/٤٢٢، شامي، كراچي ٣/٢٥١، زكريا ٤/٤٦٣، البحر الرائق، كوئٹه ٣/٢٥٧، زكريا٣/٤٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۲۲ھ

مطلقہ مغلظہ سے ۹/ سال تک منکوحہ جیسا تعلق رکھنا

سوال [۶۸۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک خدا کو بھولا ہوا انسان تھا، وہ لگ بھگ ۹/ سال سے زنا کر رہا تھا، یعنی زید کی شادی ۱۱/ سال پہلے ہوئی اور دو سال بعد زید نے تین طلاق دیدیں، اس کے بعد وہ اپنی بیوی کو ۹/ سال تک رکھے رہا، اس درمیان میں ایک لڑکی جواب ۸/ سال کی ہے اور ایک لڑکا تین سال کا ہے پیدا ہوا اور اب اپنے گناہ کا کفارہ چاہتا ہے، اور اس کو اپنی بیوی بنا کر اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے؛ لہٰذا زید اس مسئلہ میں کیا کرے اور زید کے گناہوں کی تلافی کس صورت میں ممکن ہے؟ زید کا روتے روتے برا حال ہے اور دعائیں بھی بہت مانگ رہا ہے، اسے اپنی غلطی کا بڑا احساس ہے۔

المستفتی: محمد ندیم، محمد یوسف، ٹانڈہ، بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے اگر بیوی کو طلاق مغلظہ دیدی تھی، پھر بغیر حلالہ کے اپنے پاس رکھ رکھا ہے، اور اسی دوران اولاد بھی پیدا ہوئی ہے، تو ایسی صورت میں یہ زندگی حرام کی ہے، اللہ سے توبہ کرنا لازم ہے اور عورت کو اگر بیوی بنا کر رکھنا چاہے، تو حلالہ کا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا، اس کی شکل یہ ہوگی کہ آج تک بیوی کے ساتھ

جو ہمبستری کا سلسلہ رہا ہے، وہ وطی بالشبہ کے درجہ میں قرار دیا جائے گا اور وطی بالشبہ کے بعد عدت واجب ہوتی ہے؛ لہٰذا عورت کو اپنے پاس سے الگ کردے، وہ باضابطہ عدت گذارے اور عدت پوری ہونے کے بعد وہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور اس کے ساتھ ہمبستری بھی ہوجائے، پھر وہ طلاق دے یا وفات پاجائے، پھر یہ عورت عدت گذارے اس کے بعد شوہر اول اس سے نکاح کرسکتا ہے، اس کے علاوہ اور کوئی شکل نہیں ہے اور اس دوران جو اولاد پیدا ہوئی ہے، وہ وطی بالشبہ کے درجہ میں ہے؛ لہٰذا اس کا نسب اسی شوہر سے ثابت ہوگا۔

ويثبت لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر عن صاحبه ودخل بها أولا في الأصح خروجاً عن المعصية فلا ينافي وجوبه؛ بل يجب على القاضي التفريق بينهما وتجب العدة بعد الوطء. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ٤/٢٧٥، كراچي ٣/١٢٣)

والوطء بشبهة كالحلال: صورته وطئت امرأته بشبهة فحبلت وولدت، ثم تزوجت، ثم أرضعت صبياً كان ابنا للواطئ بشبهة. (شامي، كراچي ٣/٢٢١، زكريا٤/٤١٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۹۵/۳۷)

کورٹ کے فیصلہ پر مطلقہ مغلظہ کو ساتھ رکھنا

سوال [۶۸۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اصغر علی ولد اکبر علی محلّہ مقبرہ اول کا رہنے والا ہوں، میں اپنی بیوی کو لگ بھگ دو سال پہلے تین طلاق دے چکا ہوں، لکھت روپ میں بھی اور چار لوگوں کے بیچ میں

بھی تین بار طلاق دے دی ہے۔ اب میری بیوی نے کورٹ میں جا کر مجھ پر دعوی کیا ہے کہ دوبارہ میرا گھر بسایا جائے، کورٹ نے مجھ سے کہا کہ تم اپنی بیوی کو اپنے گھر لے کر جاتے ہو یا جیل جانا چاہتے ہو؛ لہٰذا حضرت والا سے گذارش ہے کہ اس میں میں کیا کروں؟ مجھ کو حدیث اور قرآن کی روشنی میں آگاہ کریں۔ شکریہ

المستفتی: محمد اصغر علی ولد اکبر علی محلّہ مقبرہ اول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو کر آپ کے لئے وہ قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے، اب اگر دوبارہ دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو حلالۂ شرعی لازم ہے اور حلالۂ شرعی کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد تین ماہواری گذر جائے، اگر حیض والی عورت ہے اور اگر ماہواری کا سلسلہ بند ہو گیا ہے، تو طلاق کے بعد تین مہینہ گذر جانے پر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے اور اس مرد کے ساتھ ہمبستری بھی لازم ہے، پھر وہ مرد طلاق دیدے، پھر طلاق کے بعد اگر ماہواری کا سلسلہ ہے، تو تین ماہواری گذر جائے اور اگر ماہواری کا سلسلہ بند ہو گیا ہے، تو تین مہینہ گذرنے کے بعد آپ کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے، اسی کو حلالۂ شرعی کہتے ہیں اور اس طرح کے حلالہ کے بغیر بیوی کو اپنے ساتھ رکھنا آپ کے لئے جائز نہیں ہے۔

عن ابن عمرؓ، أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتی تنکح زوجاً غیرہٗ ویخالطها و تذوق من عسیلته. (المعجم الکبیر للطبراني، دار احیاء التراث العربي بیروت ۱۲/۲۹۵، رقم: ۱۳۴۲۹)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیرہٗ نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، ثم یطلقها،

أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۲۳۱)

طلاق مغلظہ کے بعد بیوی کو دوبارہ رکھنا

سوال [۶۸۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھائی محمد اعظم نے چار سال پہلے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی، اس بیوی سے دو لڑکے ہیں، اس کے بعد بھائی صاحب نے ایک طلاق شدہ عورت سے نکاح کیا تھا، وہ عورت میرے دونوں بھتیجوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور چاہتی ہے کہ یہ دونوں بچے اپنی ماں کے پاس چلے جائیں اور میں سارے گھر پر حکومت کروں اور یہ عورت بچوں کو بہت پریشان کرتی ہے اور بچوں کو ڈرانا دھمکانا اور کبھی یہ کہنا کہ پولیس میں دیدوں گی اور یہاں تک کہ عورت پنڈتوں کے پاس جاکر سفلی علم کا جادو کراتی ہے، بچے پیلے پڑتے جارہے ہیں اور بھائی صاحب کو بھی آگاہ کردیا ہے کہ تمہاری دوسری بیوی بہت شیطان ہے وہ تمہارے بچوں کی دشمن بن گئی ہے؛ لہٰذا تم ان بچوں کی ماں کو دوبارہ لاؤ اس کا فتوی نکلوا کر کوئی نہ کوئی حل نکل سکتا ہے۔ اب میں نے اپنے بھائی صاحب کو ساری باتیں بتلائیں اگر راضی ہوجائے تو بچوں کو ان کی اصلی ماں بھی مل جائے گی اور بچوں کی زندگی بھی سنور جائے گی، پہلی بیوی سے نکاح کس صورت میں ہو حلالہ ضروری ہے یا بغیر حلالہ کے دوسری کوئی صورت نظر آتی ہے؟ آپ اسلام کی روشنی میں حل بتلایئے۔

المستفتی: شرافت حسین، گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سائل سے زبانی معلوم ہوا کہ پہلی بیوی کو تین طلاق دیدی تھیں، تو اب اگر اس بیوی کو دوبارہ رکھنا چاہے، تو بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح درست نہ ہوگا؛ بلکہ حلالۂ شرعی میں زوج ثانی اس کے ساتھ ہمبستری کرے، پھر اس کے بعد طلاق دیدے، پھر اس کے بعد تین ماہواری عدت گذرنے کے بعد آپ کے بھائی اپنی طلاق شدہ بیوی سے دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں، اس کے بغیر دوبارہ رکھنے کی کوئی شکل نہیں ہے۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷ / ۸۳۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴ / ۵ / ۱۴۲۵ھ

مطلقہ ثلاثہ کو بغیر حلالہ رکھ لیا دو بچے بھی ہوگئے کیا حکم ہے؟

سوال [۶۸۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں، اس کے بعد چند دن الگ رہنے کے بعد پھر دونوں ساتھ رہنے لگے، اسی حالت میں دو بچے پیدا ہوگئے، تو یہ بچے ثابت النسب ہوں گے یا حرامی ہوں گے، بعد میں احساس پیدا ہوا کہ ہم حرام طریقہ سے رہ رہے ہیں۔ اب ہم

جائز طریقہ سے رہنا چاہتے ہیں، تو حل جدید کے لئے عورت کو دوسرے شوہر سے نکاح کرنا ہوگا؛ لیکن سوال یہ ہے کہ درمیان میں جو دو چار سال گذرے ہیں یہی عدت شمار ہوگی یا دونوں کے الگ ہونے کے بعد الگ سے عدت گذارنی ہوگی؟

المستفتی: محمد صادق بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: تین طلاق دینے کے بعد جب دونوں بغیر حلالہ کے ساتھ رہنے لگے اور اسی اثناء میں بچے پیدا ہوگئے، تو یہ بچے ثابت النسب ہوں گے؛ جبکہ اس نے حلال سمجھ کر طلاق کے بعد بیوی سے ہمبستری کی ہو، تو اس پر اب دوسری عدت بھی واجب ہو جائے گی۔ اور اگر شوہر کو معلوم تھا کہ بیوی میرے لئے حرام ہے، اس کے باوجود ہمبستری کی ہے، تو بچوں کا نسب اس شخص سے ثابت نہ ہوگا اور ایسی صورت میں اس عورت پر دوسری عدت بھی واجب نہ ہوگی؛ اس لئے کہ دوسری صورت میں یہ زنا ہوا ہے اور زنا میں نہ تو ثبوت نسب ہوتا ہے، اور نہ ہی عدت واجب ہوتی ہے۔

وإذا وطئت المعتدة بشبهة ولو من المطلق وجبت عدة أخرىٰ لتجدد السبب. قوله بشبهة وذلک کالموطوءة للزوج في العدة بعد الثلاث بنكاح، وكذا بدونه إذا قال ظننت أنها تحل لي–ومفاده أنه لو وطئها بعد الثلاث في العدة بلا نكاح عالماً بحرمتها لاتجب عدة أخرىٰ؛ لأنه زنا. (شامي، کتب الطلاق، باب العدة، كراچي ۳/۵۱۸، زكريا ۵/۲۰۰)

لأن النسب كما يثبت بالنكاح الصحيح يثبت بالنكاح الفاسد وبالوطء عن شبهة. (هداية، اشرفي ديو بند۲/۴۳۸)

ولو طلقها ثلاثاً، ثم تزوجها قبل أن تنكح زوجاً غيرهٗ، فجاءت منه بولد ولا يعلمان بفساد النكاح، فالنسب ثابت وإن كانا يعلمان بفساد النكاح يثبت النسب أيضًا عند أبي حنيفةؒ. (تاتارخانية ۵/۲۶۲، رقم:۷۷۹۸)

لو طلقها ثلاثاً وهو يقيم معها فإن كان مقراً بالطلاق تنقضي العدة، وإن كان منكراً تجب العدة من وقت الإقرار زجراً لهما هو المختار. (هندية، زكرياقديم ۱/۵۳۲، جديد ۱/۵۸٤)

وإذا وطئت المعتدة بشبهة فعليها عدة أخرىٰ–والوطئ بالشبهة الموجبة لعدة أخرىٰ على أنواع–منها إذا دخل بها في العدة وقد طلقها ثلاثاً، وقال: ظننت أنها تحل لي. (تاتارخانية، زكريا٥/٢٣٩، رقم:٧٧٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۸۴/۴۰)

حلالۂ شرعی کے بغیر مطلقہ ثلاثہ شوہر اول کے لئے حلال نہیں

سوال [۶۸۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کی بیوی میں جھگڑا ہو گیا، زید نے اپنی بیوی کو لگاتار تین طلاقیں دیں، میاں بیوی کے علاوہ کوئی پاس نہ تھا، جب چرچا ہوا تو زید نے اقرار کر لیا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں، اس کے بعد زید کی گھر والی نے اپنے میکہ جا کر عدت پوری کر لی، پھر زید کے بڑے بھائی کے ساتھ نکاح کرا دیا گیا اور چار دن کے بعد اس نے طلاق دیدی، اب اس کی عدت بھی پوری کر لی گئی ہے زید کے بھائی سے نکاح زید کی سسرال میں ہی کر دیا گیا؛ لیکن نکاح کرنے کے بعد زید کا بھائی اپنی بیوی کو ساتھ نہیں لایا وہیں سسرال چھوڑ آیا اور حلالہ نہیں ہوا، اس حالت میں کیا زید کے ساتھ نکاح کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نسیم احمد، امام جامع مسجد، رام نگر کھا گووالا، ٹھا کردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے بھائی کے ساتھ عقد نکاح ہو جانے کے

بعد چونکہ زید کے بھائی نے اس سے ہمبستری نہیں کی اور بغیر ہمبستری کے طلاق دیدی، تو اس سے زید کے واسطہ وہ عورت حلالہ نہیں ہوئی ؛ بلکہ حلالہ کے لئے ہمبستری لازم اور ضروری ہے؛ لہٰذا اب جب تک دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح وہمبستری نہ ہوجائے اور اس کی طرف سے طلاق وعدت نہ پوری ہوجائے، اس وقت تک زید کے لئے اس عورت سے نکاح جائز نہیں اور زید کے بھائی نے جب بغیر ہمبستری اس کو طلاق دیدی ہے، تو اس طلاق کے بعد دوسرے سے نکاح کے لئے عدت کی ضرورت نہیں تھی۔

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰۶۲، ف: ۵۲٦۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۵۰)

مطلقہ مغلظہ بغیر حلالہ کے حلال نہ ہوگی

سوال [۶۸۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فیروز عالم نے اپنی بیوی امتی بیگم کو اپنی ماں سے جھگڑے کے کارن ایک سانس میں ۹/ بار اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور پھر خفیہ طور پر لڑکی کے دادا اور چچا کو جو کہ ان پڑھ جاہل ہیں کسی بہانے سے بلوا کر کسی طرح راضی کر کے لڑکی سے ایک پیشہ ور غیر سند یافتہ عالم سے نکاح پڑھالیا اور نکاح کے جواز کا قاضی سے کاغذ بھی بنوالیا۔ اور امتی بیگم کو اپنی زوجیت میں رکھے ہوئے ہے، اس عالم کے باپ بھی ہزاروں ایسے نکاح پڑھایا کرتے تھے جن عورتوں کو طلاق مغلظہ ہوجاتی تھی، تو شرعی حکم تحریر فرمائیں یہ بھی واضح فرمائیں عدت ومہر واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: عفیف احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۹/ بار طلاق دینے سے تین ہی طلاق واقع ہوتی ہیں اور تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے جان بوجھ کر دوبارہ نکاح پڑھانے والا سخت ترین گناہ کا مرتکب ہوگا اور جو نکاح پڑھایا جارہا ہے، اس سے شرعاً وہ عورت بیوی نہیں بنے گی، اس کو ساتھ رکھنا زنا کاری ہوگی۔ نیز طلاق کے بعد فیروز عالم پر عورت کا نفقہ اس شرط پر لازم ہے کہ وہ جہاں رہ کر عدت گذارنے کے لئے کہے وہاں عدت گذارتی ہو، مہر اس پر بہرحال واجب ہے۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱/۸ھ

مطلقہ ثلاثہ کو ساتھ رکھنے کی شکل

سوال [۶۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو تحریری اور زبانی تین دفعہ طلاق دی تھی، جس کو تقریباً ایک سال کا عرصہ ہوگیا، اب بچوں کی وجہ سے دوبارہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو کیا طریقہ اپنانا پڑے گا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: معروف احمد سول لائن، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے ایک سال پہلے بیوی کو طلاق دیدی تھی، تو اس درمیان میں اس کی عدت بھی پوری ہو چکی ہے، اب اگر دوبارہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو بیوی کسی دوسرے مرد سے شرعی نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستر ہو جائے اور ہمبستری کے بعد جب وہ مرد طلاق دیدے گا، تو پھر دوبارہ عدت گذارنی لازم ہے اور دوبارہ عدت پوری ہونے کے بعد آپ کے ساتھ نکاح درست ہو جائے گا، اس طریقہ سے دونوں کے ساتھ رہنے کی شکل ہوسکتی ہے، اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. [البقرہ: ۲۳۰]

قال الليث عن نافع كان ابن عمرؓ إذا سئل عمن طلق ثلثاً–إلي قوله–فإن طلقتها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيرك. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/ ۷۹۲، رقم:۵۲٦٤، مسلم شريف، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض، النسخة الهندية ۱/ ٤۷٦، بيت الأفكار رقم: ۱٤۷۱)

وقال حسنؓ، لو لا أني سمعت أبي يحدث عن جدّي النبي صلى الله عليه وسلم، أنه قال: من طلق امرأتهٗ ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره لراجعتها. (السنن الكبرىٰ للبيهقي جديد دارالفكر بيروت ۱۱/ ۵۲، رقم:۱٤۸۵۵، دار قطني، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۲۰، رقم:۳۹۲۷)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۱۴۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۳/۳ھ

تین طلاق کے بعد ایک ساتھ رہنے کی شکل

سوال [۶۸۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری (استکار بن عبد الستار ساکن محلّہ بیگم سرائے سنبھل) شادی ایک سال پہلے سونا بنت حاکم علی ساکن غازی آباد کے ہمراہ ہوئی تھی، شادی کے بعد ہی سے میری بیوی نے مجھ سے اپنے ہی شہر میں رہنے کے لئے اصرار شروع کردیا۔ بات اور بڑھی نوبت یہاں تک پہونچی کہ ہم دونوں کا ایک ساتھ رہنا مشکل نظر آنے لگا؛ اس لئے آپسی مصالحت کے پیش نظر گواہان کے سامنے میں نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق، طلاق، طلاق، کہہ کر طلاق دیدی اوراس کا کل مہر پانچ ہزار روپیہ مع نفقہ عدت گواہان کی موجودگی میں ادا کردیا گیا: لہٰذا اس میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کے بعد ایک ساتھ رہنے کی گنجائش باقی رہتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: استکار بن عبد الستار، محلّہ بیگم سرائے، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حسب تحریر سوال جب شوہر خود اس بات کا اقرار کررہا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہیں اور طلاق کے دستاویز بھی مع شوری کے دستخط کے سوال نامہ کے ساتھ ہیں، تو مسئولہ صورت میں اس کی بیوی سونا بنت حاکم پر تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔ اب بدون حلالۂ شرعیہ کے ان کے درمیان نکاح اور میاں بیوی کا تعلق جائز نہیں اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عورت کی تین حیض کے ساتھ عدت گذر جانے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرکے وہ مرد اس کے ساتھ ہمبستر ہوجائے اس کے بعد وہ مرد طلاق دیدے، پھر تین ماہواری کے ذریعہ عدت گذر جانے کے بعد پہلے شوہر کے ساتھ نکاح درست ہوجائے گا۔

عن نافع عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:

المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيرهٗ،ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ١٢/ ٢٩٥، رقم: ١٣٤٢٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۰۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۴ھ

طلاق کے بعد دوبارہ ساتھ رہنے کی شکل

سوال [٦٨٨٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد سرفراز نے غصہ کی حالت میں جبکہ طبیعت بھی خراب تھی اپنی بیوی سے کہہ دیا، ’’میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی‘‘ تو اب اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اگر واقع ہوگئی اور ہم دونوں پھر سے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں، تو اب دوبارہ ساتھ رہنے کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

نوٹ: چار بچے ہیں، جن میں سے ایک سات سال کا ہے، دوسرا چھ سال کا، ایک لڑکی تین سال کی ہے اور ایک دودھ پیتی بچی ہے۔

المستفتی: محمد سرفراز، کرولا، رحمت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں مذکورصورت میں محمد سرفراز کی بیوی

پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں، اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ شوہر کی اس طلاق کے بعد بیوی پر تین ماہواری گذر جائے اس کے بعد اس کا کسی دوسرے سے نکاح ہوجائے اور اس مرد سے باقاعدہ ہمبستری ہو۔ اور پھر وہ دوسرا شوہر اس کو طلاق دیدے، اس کے بعد مذکورہ عورت پر پھر تین مرتبہ ماہواری کا زمانہ گذر جائے تو اس کے بعد محمد سرفراز اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کر کے میاں بیوی کی طرح رہ سکتا ہے۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٢١/٤، رقم: ٣٩٣٢)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ٤٧٣/١، جديد ٥٣٥/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۳۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۱/۱۲ھ

طلاق مغلظہ کے بعد ایک ساتھ رہنے کی صورت

سوال [۶۸۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا اپنے والدین سے بچوں کے اوپر جھگڑا ہوا، میں اپنے بچوں کو اپنی

بیوی سے مانگ رہا تھا، اس نے دیدیئے تھے؛ لیکن میرے والدین نے میرے بچوں کو مجھ کو نہ دیا اور میرے والدین نے میرے ساتھ مار پیٹ بھی کی اس پر میں نے اپنی بیوی کو تین بار کہا ”جا میں نے تجھ کو طلاق دی، جا میں نے تجھ کو طلاق دی، جا میں نے تجھ کو طلاق دی“ اور اس وقت میری بیوی حاملہ تھی، طلاق دینے کے گیارہ روز بعد بچہ پیدا ہوا، طلاق دینے کے اگلے روز لڑکی کے والد میرے گھر آئے اور اپنی لڑکی کو لے کر چلے گئے وہیں پر بچہ پیدا ہوا، لڑکی کے باپ نے لڑکی سے کہا کہ میں تیرا نکاح دوسری جگہ کرا دوں، تو لڑکی نے اس پر منع کر دیا کہ یا تو میں اپنے پہلے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہوں یا پھر اپنے بچوں کے ساتھ رہوں گی، دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی، بچہ پیدا ہوئے اب تقریباً کم وبیش چار ماہ ہو چکے ہیں۔ اب دونوں اس بات پر راضی ہیں کہ ہم دونوں ایک جگہ مل جائیں، اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مع حوالہ ہماری رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: غلام صابر، عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں آپ کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو چکی ہیں، اب اگر آپ اپنی بیوی کو ساتھ رکھنا چاہیں، تو حلالۂ شرعیہ کے بغیر نہیں رکھ سکتے؛ لہٰذا آپ کی بیوی پہلے کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے، پھر وہ دوسرا شخص آپ کی بیوی کو طلاق دیدے، یا مر جائے تو اس کے بعد عدت گذار کر پھر آپ سے نکاح کر سکتی ہے۔

عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ۱۲/۲۹۵، رقم:۱۳۴۲۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگیري، زکریا قدیم ۱/۴۷۳، جدید ۱/۵۳۵، شامي، کراچی ۳/۴۰۹،

زکریاه/۴۱، البحر الرائق، زکریا ۹۴/۴، کوئٹہ ۵٦/۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ا رمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ

(فتویٰ نمبر: الف ۶۹۸۲/۳۵)

مطلقہ ثلاثہ کو دوبارہ رکھنے کی صورت

سوال [۶۸۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو بدتمیزی اور اس کی بدتہذیبی کی وجہ سے تین طلاق دیدی ہیں، کیا طلاق واقع ہوگئی؟ کیا اسے دوبارہ رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اقبال پیر کا بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوکر آپ کے لئے وہ قطعی طور پر حرام ہوگئی، اب آئندہ اگر ساتھ رکھنا چاہیں، تو بغیر حلالۂ شرعیہ کے ساتھ رکھنا جائز نہیں ہے اور شرعی حلالہ کی شکل یہ ہے کہ عدت گذرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے شادی کرلے، اس کے ساتھ ہمبستری کرنے کے بعد وہ طلاق دیدے، اس کی طلاق کے بعد پھر عدت گذرنے کے بعد آپ سے نکاح ہوسکتا ہے۔

عن عائشةؓ ،أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۷۹۱/۲، رقم: ۵۰٦۲، ف: ۵۲٦۱)

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً، فيتزوجها الرجل، فيغلق الباب، ويرخي الستر، ثم

يطلقها قبل أن يدخل بها، قال: لا تحل للأول حتى يجامعها الآخر.
(نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ٢/٨٤، دارالسلام رقم:٣٤٤٤، مسلم شريف، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها، النسخة الهندية ١/٤٦٣، بيت الأفكار رقم:١٤٣٣)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، الأشباه قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۴۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۳/۲ھ

مطلقہ مغلظہ کو دوبارہ اپنے نکاح میں لانے کا طریقہ

سوال [۶۸۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے اپنے لڑکے کی شادی ۲۵؍مئی ۱۹۹۷ء کو کی تھی، ڈیڑھ مہینہ وہ گھر میں رہی آنا جانا بھی رہا، ڈیڑھ ماہ کے بعد جو وہ اپنے میکہ گئی تو واپس نہیں آئی اور کہہ دیا کہ مجھے شوہر پسند نہیں ہے، اس کو ہم نے بہت لانے کی کوشش کی؛ لیکن وہ نہیں آئی، اس کے گھر والوں نے طلاق کے لئے کہا ہم نے منع کر دیا، ہم بار بار اس کو بلانے کے لئے گئے، ہم سے اس کے گھر والوں نے کہا کہ ہم نے اس کو بہت سمجھایا ہے؛ لیکن وہ تیار نہیں ہے، اگر آپ لوگ ایسے طلاق نہیں دیں گے، تو ہم عدالت سے طلاق لے لیں گے، اور پھر اپریل ۱۹۹۸ء کو وہاں سے دو آدمی لڑکی کو لے کر مرادآباد آئے، وہ لڑکی ہمارے گھر پر نہیں آئی، وہ اپنے ماموں کے گھر بیٹھ گئی اور طلاق مانگی پھر مجبور ہو کر ہمارے بھائی نے طلاق کے کاغذ پر دستخط کئے

اور بہت روئے اور وہ لڑکی بہت خوش تھی ہنس کر دستخط کیئے؛ لیکن اب ۶/ ماہ بعد وہ پھر سے آنے کو تیار ہے، لڑکی رامپور کی ہے، جس وقت طلاق ہوئی تو میاں بیوی سامنے نہیں تھے؛ لیکن جس وقت طلاق ہوئی وکیل کے علاوہ چار پانچ آدمی موجود تھے، لڑکے کے پاس بھی لڑکی کے پاس بھی دو آدمی ہماری طرف کے اور دو تین آدمی ان کی طرف کے موجود تھے۔ اب آپ یہ بتا دیجئے کیا وہ رہ سکتی ہے یا نہیں؟ یا پھر اور کوئی صورت ہے؟

المستفتية: کشور جہاں بنت محمد اعجاز، محلّہ: فیل خانہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب لڑکا تین طلاق دے چکا ہے، تو اب بغیر حلالہ کے اس لڑکی سے نکاح نہیں کرسکتا، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ یہ لڑکی کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے، پھر دوسرا شوہر مرجائے یا طلاق دیدے، تو عدت گذرنے کے بعد یہ لڑکا اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهُ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهُ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها، كذا في الهداية. (هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، البحر الرائق زكريا ٤/ ٩٤، كوئٹه ٥/ ٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۸۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۳ھ

مطلقہ مغلظہ کودوبارہ اپنی زوجیت میں رکھنے کی صورت

سوال [۶۸۹۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی بیوی کوطلاق دیدی ہے، اوراس بات کوقریب دوسال ہوگئے ہیں، اوراب وہ دوبارہ آنا چاہتی ہے، حلالہ کرنے کے لئے وہ تیارہے؛ لیکن حلالہ کرنے کے باوجود وہ عدت کرنانہیں چاہتی، اس کی لڑکی بیمار رہتی ہے، اب عدت کرنا ضروری ہے یانہیں؟ اورحلالہ کرنے کے بعدوہ اپنے پہلے شوہر کےساتھ کتنے دن بعدنکاح کرسکتی ہے، اس کاکوئی معاوضہ زیدکودیناپڑےگا؟ اگردیناہےتوکتنادیناہے؟

المستفتی: ارشد جمال، کرولہ، شمسی کالونی، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب آپ اپنی بیوی کوتین طلاق دےکرعلیحدہ کرچکے (جیساکہ سوال کی روش اورسائل کی زبانی معلوم ہوا) اب اگردونوں زن وشوہر (میاں بیوی) کاتعلق قائم کرنا چاہتے ہیں، توحلالۂ شرعیہ کے بغیر ازدواجی تعلق دونوں میں قائم نہیں ہوسکتا، عدت کے بعدحلالۂ شرعیہ کی صورت یہ ہے، دوسرے مردسےعورت کانکاح ہوجائے اوراس کےساتھ یہ عورت رہتی رہے، پھروہ ازخود طلاق دیدےاوراس طلاق کےبعدعورت کاعدت گذارناضروری ہےاورعدت کامطلب یہ ہے کہ صرف تین ماہواری گذرجائے، اس کے بعدسائل شوہراول سے نکاح ہوسکتا ہے اورعدت کامطلب یہ نہیں ہے کہ گھرمیں بندرہے، ہاں عدت میں زیب وزینت کی چیزاختیار نہ کرے، گھرکی پوری حویلی میں آجاسکتی ہے؛ البتہ دوسروں کےگھروں میں نہیں جاسکتی۔

عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ۱۲/ ۲۹۵، رقم: ۱۳۴۲۹)

وإن كـان الطـلاق ثـلاثـاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تـنـكـح زوجـاً غيرهُ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱رمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۹۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱/۱۴۲۲ھ

تین طلاق کے بعد بیوی شوہر کے لئے کب حلال ہوگی؟

سوال [۶۸۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں بعد مدت عدت حلالہ ہوگیا، پھر دوسری عدت بعد حلالہ گذرنے کے بعد پھر اسی آدمی سے نکاح کر دیا، اب اس آدمی نے پھر تین طلاقیں دے دیں۔ سوال یہ ہے کہ پھر حلالہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ اگر عورت راضی ہو جائے تو کسی سے بھی حلالہ کرایا جا سکتا ہے یا پہلے حلالہ کے لئے جس کے ساتھ نکاح کیا اسی سے نکاح کرایا جائے؟

(۳) یہ کہ عدت کا خرچہ اور مہر شوہر پر دینا شرعاً واجب ہے یا شوہر کے والد پر؟

المستفتی: عبدالعزیز، برتن بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) تین طلاق کے بعد جب عورت عدت گذار کر دوسرے مرد سے شرعی نکاح کر کے ہمبستر ہو جائے اور پھر دوسرے شوہر سے شرعی تفریق حاصل کر کے عدت گذار کر شوہر اول سے نکاح کر لیتی ہے، تو حل جدید لوٹ کر آتی ہے؛ لہٰذا جب شوہر نے دوبارہ تین طلاق دیدیں ہیں، تو دوبارہ حلالہ کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا اور پہلے کی طرح دوبارہ حلالہ کیا جا سکتا ہے؛ (لیکن یہ بہت گندی حرکت ہے)

وإن كـان الـطـلاق ثـلاثـاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تـنـكـح زوجـاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥)

(۲) عورت جس سے راضی ہوجائے، اسی کے ساتھ نکاح ہونا چاہئے۔

(۳) عورت کا خرچ شوہر پر لازم ہوا کرتا ہے اور شوہر ثانی کے طلاق دینے کے بعد اس کی عدت کا خرچہ شوہر ثانی پر ہی لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱۱/۱۲۳)

الـمعتدة عن الطلاق تستحق النفقة، والسكنى، كان الطلاق رجعياً، أو بـائـنـاً، أو ثلاثاً حاملا كانت المرأة، أو لم تكن. (الهندية، زكريا قديم ١/٥٥٧، جديد ١/٦٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۳۱۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۴/۱۴۱۳ھ

تین طلاق کے بعد رجوع کی خواہش کرنا

سوال [۶۸۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نعیم احمد نے اپنی بیوی کو ایک وقت میں تین طلاقیں دیدیں اور نعیم کی بیوی عدت گذار رہی ہے اپنے شوہر کے گھر پر اس کی عدت کی مدت دو مہینے دس دن ہوچکی ہے۔ اب نعیم اور اس کی بیوی غلطی کا احساس کررہے ہیں اور وہ رجوع کرنا چاہتے ہیں، تو اب کیا کریں؟

المستفتی: محمد ایوب، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب نعیم نے اپنی بیوی کو ایک وقت میں تین طلاقیں دیدی ہیں، تو اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوکر وہ مغلظہ ہوگئی ہے، اب دونوں کے

درمیان بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہ ہوگا اور حلالہ کی شکل یہ ہے کہ تین ماہواری عدت گذر جانے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے، اس کے بعد ہمبستری کے بعد وہ اپنی مرضی سے طلاق دیدے، پھر اس کے بعد دوبارہ تین ماہواری عدت گذر جانے کے بعد نعیم کے ساتھ نکاح درست ہوسکتا ہے۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۴۶۶)

تین طلاق، حلالہ اور جہیز کا حکم

سوال [۶۸۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر نے ۱۴؍ جنوری ۱۹۹۴ء کو ۹؍ بج کر ۱۰؍ منٹ پر مجھ کو غصہ کی حالت میں جو کہ پہلے ہی سے مینٹلی ڈسٹرپ ہے، تین بار طلاق دیدی؛ لیکن میں چاہتی ہوں کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ میں دوبارہ اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکوں کسی اور سے نکاح نہ کروں تو کیا یہ ممکن ہے، یہ طلاق بائن تو نہیں ہے؟

(۲) میرے شوہر میرا سامان مجھ کو پورا نہیں دے رہے ہیں، میں وہاں جا کر اپنے والد اور عورتوں کے ساتھ عدت کے ایام میں اپنا سامان لینے جا سکتی ہوں یا نہیں؟

میرا زیور یہاں کا وہاں رکھا ہوا ہے نہیں دے رہے ہیں، ٹال مٹول کر رہے ہیں، پورا فرنیچر بھی نہیں دیا ہے، تھوڑا سامان برتن کا دیا ہے۔

المستفتیة: یاسمین جہاں، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے بیوی کو تین طلاق دیدیں، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقعہ ہوگئی اور بیوی شوہر پر حرام ہوگئی۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قدیم۹ ۲۱، جدید زکریا ۳۷٦)

اور اگر زوجین دوبارہ ازدواجی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ عورت عدت گذارنے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے اور اس شوہر سے ہمبستری بھی ہوجائے، پھر جب وہ شوہر اپنی مرضی سے طلاق دیدے تو عورت عدت گذارنے کے بعد شوہر اول سے نکاح کرسکتی ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/۴۷۳، جدید ۱/۵۳۵)

(۲) آپ اپنا سامان لینے کے لئے دوران عدت شوہر کے گھر نہیں جاسکتی ہیں؛ اس لئے کہ دوران عدت معتدہ مطلقہ کے لئے نکلنا ممنوع ہے۔

إن كانت معتدة من نكاح صحيح وهي حرة مطلقة بالغة عاقلة مسلمة والحالة حالة الاختيار فإنها لا تخرج ليلا ولانهاراً سواء كان الطلاق ثلاثاً، أو بائناً، أو رجعياً. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/۵۳٤، جدید ۱/۵۸٦)

(۳)وہ سامان جوآپ کوآپ کے گھر والوں نے جہیز میں دیا تھااور وہ سامان جو آپ کوآپ کے شوہر نے بطورمہر یا بطور ملکیت دیدیا تھا، وہ سامان آپ کا ہے،شوہر پر لازم ہے کہ وہ اس سامان کو آپ کے سپرد کردے۔(مستفاد: مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳/۳۳۴، جدید ڈابھیل۱۲/۱۰۶)

والفتویٰ أنه إن كان العرف مستمراً أن الاب يدفع ذلك الجهاز ملكا لا عارية لم يقبل قوله الخ. (الأشباه والنظائر قديم ۱۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۶/شعبان المعظم۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر:الف۳۱/۳۵۶۶)

بلا حلالہ مطلقہ ثلاثہ کورکھنے کا حکم

سوال [۶۸۹۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قاری محمد یامین نے اپنی بیوی کوتین طلاق دیدیں، ایک سال پہلے پھر میاں بیوی آپس میں ساتھ ہی رہتے رہے، ابھی تک حلالہ نہیں ہوسکا،تو شرعاً اس کوساتھ رکھنے کے لئے حلالہ ضروری ہے یانہیں؟

(۲) حلالہ کے بعدوالی عدت عورت شوہراول کے یہاں گذارسکتی ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد عارف قاسمی، بیرپوری،سوار رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرشوہر کی طرف سے تین طلاق دینے کی شہرت ہوچکی تھی اورشوہر نے اس کا اقراربھی کیا تھا، پھربھی شوہر نے اس کواپنے پاس رکھا ہےاوراس کے ساتھ ہمبستری بھی ہوتی رہی ہےاورشوہراس ہمبستری کواپنے لئے حرام سمجھتا رہاہے،توایسی صورت میں اس عورت کی عدت پوری ہوچکی ہےاورفوری طور پردوسرے

آدمی کے ساتھ اس کا نکاح کرنا جائز ہے۔ اور اگر حلال سمجھ کر وطی کرتا رہا ہے، تو آخری ہمبستری کے بعد سے عدت کا سلسلہ شروع ہوگا، اس بارے میں شوہر سے پوچھ لیا جائے کہ اس نے بیوی کو حلال سمجھتے ہوئے رکھ رکھا تھا یا حرام سمجھتے ہوئے رکھ رکھا تھا۔ اور ہر صورت میں دونوں کے اوپر سچی توبہ کرنا لازم ہے۔

اب اس تمہید کے بعد اصل جواب یہ ہے کہ بغیر حلالہ کے عورت کو اپنے پاس رکھنا قطعاً جائز نہیں ہے اور حلالہ میں دوسرے شوہر کی ہمبستری کے بعد جب وہ طلاق دیدے گا، تو طلاق کے بعد دوسری عدت شوہر اول کے گھر میں گذارنا بھی جائز ہے بشرطیکہ شوہر کی رہائش اس گھر میں نہ ہو اور عورت کے ساتھ دوسری عورت کا رہنا بھی ضروری ہے تاکہ اس کی ہر طرح کی حفاظت ہو سکے۔

والحاصل أنه إن كتمه، ثم أخبر به بعد مدة، فالفتویٰ علی أنه لايصدق في الإسناد؛ بل تجب العدة من وقت الإقرار سواء صدقته، أو كذّبته، وإن لم يكتمه بل أقر به من وقت وقوعه، فإن لم يشتهر بين الناس، فكذلک وإن اشتهر بينهم تجب العدة من حين وقوعه وتنقضي إن كان زمانها مضیٰ، وهذا إذا لم يكن وطئها بشبهة ظن الحل وإلا وجبت بالوطء عدة أخری وتداخلتا...... وكذا كلما وطئها تجب عدة أخری فلا يحل لها التزوج بآخر مالم تمض عدة الوطء الأخير، بخلاف ما إذا كان الوطء بلا شبهة، فإنه لا يوجب عدة لتمحضه زنا، والزنا لا يوجب عدة...... فلها التزوج بآخر. (شامي، باب العدة، كراچي ۳/۵۲۲، زكريا ۵/۲۰۵)

من طلق امرأته ثلاثاً، ......ثم أقام معها زمانا إن أقام منكراً طلاقها لا تنقضي عدتها، وإن كان أقام مقرًا بطلاقها انقضت عدتها......ولو وطأها

وادعى الشبهة، بأن قال: ظننت أنها تحل لي، فإنها تستقبل العدة بكل وطأة وتتداخل الأولىٰ. (تاتارخانية، زكريا ٥/٢٣٨، رقم: ٧٧٥٠)

لو طلقها ثلاثاً، وهو يقيم معها، فإن كان مقراً بالطلاق تنقضي العدة، وإن كان منكراً تجب العدة من وقت الإقرار زجراً لهما هو المختار.

(هندية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر: في العدة زكريا قديم ١/٥٣٢، زكريا جديد ١/٥٨٤)

وإذا وجب الاعتداد في منزل الزوج فلا بأس بأن يسكنا في بيت واحد إذا كان عدلا سواء كان الطلاق رجعياً، أو بائناً، أو ثلاثاً، والأفضل أن يحال بينهما في البيتوتة بستر إلا أن يكون الزوج فاسقاً فيحال بامرأة ثقة تقدر على الحيلولة بينهما، وان تعذر فلتخرج هي وتعتد في منزل آخر.

(البحر، كوئٹه ٤/١٥٤، زكريا ٤/٢٦١)

مكان العدة هو بيت الزوجية التي كانت تسكنه قبل مفارقة زوجها ......فلا تسقط ولا تغير إلا بالأعذار. (الموسوعة بيروت ٢٩/٣٤٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۶۶)

طلاق کے بعد بیوی کو پاس رکھنے کی شکل

سوال [۶۸۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ریشمہ کے شوہر نے شراب کے نشہ میں ریشمہ کو تین طلاق دیدیں، اب وہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے، تو شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد راشد اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جب ریشمہ کے شوہر نے شراب کے نشہ کی حالت میں بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، تو اس سے بیوی پر طلاق واقع ہوگئی ہے، اگر دوبارہ رکھنا چاہے، تو بلا حلالۂ شرعی کے رکھنا درست نہیں ہے اور حلالہ کی شکل یہ ہے کہ عدت گذرنے کے بعد بیوی دوسرے آدمی سے شرعی نکاح کرکے اس کے ساتھ ہمبستر ہوجائے، پھر وہ طلاق دے اور عدت گذارے پھر اس کے بعد شوہر اول کے ساتھ نکاح کرنا درست ہوسکتا ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۲/۴/۳۷)

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر. (هندية، زكريا قديم ۱/۳۵۳، جديد ۱/۴۲۰)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۵۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲۱ھ

چھ مرتبہ طلاق دینے کے بعد ایک ساتھ رہنے کی شکل

سوال [۶۸۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں منصور علی ولد منظور علی نے اپنی بیوی ریشمہ بنت اخلاق حسین کو ۲۶/ جنوری ۲۰۰۹ء کو چھ مرتبہ طلاق دیدی ہے، ایسی صورت میں اگر بیوی ہمارے ساتھ دوبارہ رہنا چاہے تو کیا رہ سکتی ہے؟

المستفتی: منصور علی، گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے اپنی بیوی کو چھ مرتبہ طلاق دیدی ہے، تو عورت شوہر پر تین طلاق دیدینے سے مغلظہ ہوکر حرام ہوگئی۔ اب اس عورت کو اپنے پاس رکھنا قرآن وحدیث کی رو سے ناجائز وحرام ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ [سورة البقر: ٢٣٠]

ترجمہ: پھر اگر اس کو تیسری بار طلاق دیدے تو اب اس کے لئے حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کرے۔

وقال الليث عن نافع كان ابن عمرؓ إذا سئل عمن طلق ثلثاً، قال: لو طلقت مرة، أو مرتين (لكان لك الرجعة) فإن النبي صلى الله عليه وسلم، أمرني بهذا (بالمراجعة) فإن طلقتها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيرك.

(بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩٢، رقم: ٥٠٦٦، ف: ٥٢٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۸۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۲/۱۴۳۱ھ

مطلقہ مغلظہ سے حلالہ کے بعد نکاح کرنے کا حکم

سوال [۶۸۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں اور اب دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: آصف علی زیارت شاہ بلاقی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اور بیوی شوہر پر بالکلیہ حرام ہوگئی اور دونوں کا ساتھ رہنا زنا کاری اور بدکاری ہوگی، ہاں اگر شرعی حلالہ کرلیتے ہیں، تو حلالہ کے بعد آپس میں نکاح کر کے میاں بیوی کی طرح رہنا جائز ہوگا اور حلالہ کی شکل یہ ہے کہ تین ماہواری گذرنے کے بعد دوسرے شخص کے ساتھ شرعی نکاح کرلے اور اس کے ساتھ ہمبستری بھی ہوجائے اور ہم بستری کے بعد وہ شخص طلاق دیدے، تو دوبارہ تین ماہواری کے ساتھ عدت گذارنے کے بعد پہلے شوہر کے لئے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہوسکتا ہے۔

عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ١٢/ ٢٩٥، رقم: ١٣٤٢٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۷/ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۴۱۷)	۱۴۲۹/۱/۷ھ

شوہر اول کا مطلقہ مغلظہ سے حلالہ کے بعد نکاح کرنا

سوال [۶۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ محمد اشرف نے آج سے چھ ماہ پہلے اپنی زوجہ مسماۃ سائرہ بانو کو تین بار سے بھی زیادہ یہ کہا کہ: میں نے سائرہ کو طلاق دیدی، طلاق دیدی ہے۔

(۲) سائرہ بانو کا مہر دس ہزار روپئے ہے جو کہ محمد اشرف کے ذمہ واجب ہے، ان دونوں حالات میں دوبارہ سائرہ بانو کو بیوی بنا کر رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟ کیا پہلے نکاح کا مہر دس ہزار روپئے دینا ہوگا؟ اگر سائرہ بانو معاف کردے، تو درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد اشرف، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر تین بار یا اس سے زائد طلاق دی ہے، تو شرعاً بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اور بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ۱/۳٥٦، جديد ۱/٤۲۳)

(۲) دوبارہ بیوی بنا کر رکھنے کی صورت یہ ہے کہ طلاق کے وقت سے تین مرتبہ ماہواری گذر جائے، اس کے بعد دوسرے مرد سے شرعی نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستر ہوجائے، پھر اس کے بعد شوہر اول (محمد اشرف) کے ساتھ باقاعدہ نکاح ہوسکتا ہے۔

لو كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/٤۷۳، جديد ۱/٥۳٥)

اور سوال نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اب چھ ماہ کے درمیان عدت (تین ماہواری) بھی گذر چکی ہوگی۔ نیز پہلے کا مہر ادا کرنا محمد اشرف پر واجب ہے، اگر بیوی بخوشی معاف کردے، تب بھی ذمہ داری ختم ہوجائیگی۔

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمىٰ أو مهر المثل حتى لا يسقط منه

شيئ بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق. (هندية، زكريا قديم ١/٣٠٣، جديد ١/٣٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۲۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۶/۷ھ

حلالہ کے بعد مطلقہ ثلاثہ سے پہلا شوہر نکاح کرسکتا ہے

سوال [۶۹۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت منہ زور تھی اپنے ساس سسر کی بات نہیں مانتی تھی اور گاؤں میں ادھر ادھر گھومتی تھی، جس کی وجہ سے اس کو میکہ پہونچا دیا اور پھر لکھ کر بھیج دیا کہ اگر فلاں شہر میں جائے گی تو تین طلاق پھر بھی وہ اسی شہر میں چلی گئی، جس کی وجہ سے تین طلاق ہوگئیں۔

اس کے بعد عورت کے والد نے لڑکے سے کہا کہ اس لڑکی کو رکھو، مگر لڑکے نے رکھنے سے انکار کردیا، جس کی وجہ سے لڑکی کے والد نے کورٹ میں مقدمہ کردیا، لڑکے کے نام کے ساتھ اس کے گھر والے پریشان ہوگئے، تھانہ والے اور مسلم وکیلوں نے مشورہ دیا کہ صلح کرلیجئے ورنہ سب ہی جیل چلے جائیں گے۔ مجبوراً صلح پر آمادہ ہوئے لڑکی کے والد کا کہنا بھی یہی تھا کہ ہم مقدمہ اسی حالت میں اٹھائیں گے؛ جبکہ حلالہ کرکے اس لڑکی کو وہ لڑکا پھر رکھ لے، اب کورٹ اور مقدمہ سے بچنے کے لئے صلح کرلی گئی ہے اور حلالہ شرعی کے بعد وہ لڑکا پھر اس لڑکی کو دوبارہ اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے، تو ایسا کرنا کیسا ہے؛ جبکہ اس عورت سے اسی شوہر سے تین سال کی ایک بچی بھی ہے۔ دوسری طرف کچھ کہتے ہیں کہ اس عورت کو دوبارہ لانا ٹھیک نہیں، اگر دوبارہ لائے گا تو ہم لوگ لڑکے اور اس کے گھر والوں سے لین دین اور تعلقات ختم کرلیں گے، تو ان کا ایسا کرنا کیسا ہے؟ شرعی جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد ابرار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شرعی حلالہ ہو چکا ہے، تو اب پہلے شوہر کے لئے اس کے ساتھ نکاح کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اور نکاح کے بعد دوسرے لوگوں کا لڑکے والوں سے بائیکاٹ کرنا درست نہیں ہے۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۹۱)

حلالہ کے بعد شوہر اول سے نکاح کرے یا شوہر ثانی سے

سوال [۶۹۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زبیدہ کی شادی مجاہد کے ساتھ ہوئی، پھر مجاہد نے تین طلاق دیدیں، تو زبیدہ نے محمد احمد سے شادی کرلی، پھر محمد احمد نے بھی تین طلاق دیدیں۔ اب زبیدہ سے مجاہد بھی شادی کرنا چاہتا ہے اور محمد احمد بھی شادی کرنا چاہتا ہے، تو شرعاً کس کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: اظہار عالم، رحمت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اب اس وقت محمد احمد کی طلاق کے بعد جب تین ماہواری گذر جائے گی، تو صرف مجاہد کے لئے اس کے ساتھ شادی کرنا جائز ہوسکتا ہے، محمد احمد کے لئے جائز نہ ہوگا۔

عن نافع عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيرهٔ، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ١٢/ ٢٩٥، رقم: ١٣٤٢٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٔ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ٥٤٧، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۱۰/ ۱۴۲۰ھ

حلالہ، مہر فاطمی اور حضانت سے متعلق سوال

سوال [٦٩٠٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) جاوید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں، اس کے چار بچے بھی ہیں، اب دوبارہ ساتھ رکھنا چاہتا ہے شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) مہر فاطمی کی مقدار کتنی ہے؟

(۳) دولڑکیاں ہیں ایک دس سال کی دوسری ایک سال کی دولڑکے ۱؍ چھ سال،

۲؍پانچ سال کی عمر کے ہیں ان کو باپ لے سکتا ہے یا ماں کے پاس رہیں گے؟ ماں کے پاس رہنے کی صورت میں خرچہ کس پر ہوگا؟

المستفتی: محمد انیس، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جاوید نے جو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، اس سے بیوی کے اوپر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں؛ اس لئے آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح درست نہ ہوگا اور حلالہ کی شکل یہ ہے کہ عدت گذرنے کے بعد کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستری ہو جائے، پھر وہ اس کو طلاق دیدے، تو دوبارہ عدت کے بعد جاوید کے لئے مذکورہ بیوی کے ساتھ نکاح کرنا درست ہوگا۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهُ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهُ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥)

(۲) موجودہ اوزان کے حساب سے مہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کیلو ۳۰؍گرام ۹۰۰؍سو ملی گرام چاندی ہے؛ لہٰذا اب دس گرام کے تولہ کے حساب سے مہر فاطمی کی مقدار ۱۵۳؍تولہ ۹۰۰؍ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹)

(۳) لڑکیاں جب تک بالغ نہ ہو جائیں اور لڑکے جب تک سات سال کے نہ ہو جائیں، حق پرورش ماں کو حاصل رہے گا اور بچوں کی تعلیم وتربیت وغیرہ کا خرچہ باپ کے ذمہ ہوگا اور تعلیم وتربیت جیسے باپ کہے اسی طرح کرنا لازم ہوگا۔

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتیٰ؛ لأنه الغالب. (شامي، كراچي ۳/ ۵٦٦، زكريا ٥/ ٢٦٧)

والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض: أي تبلغ في ظاهر الرواية.

(در مختار مع الشامي، كراچي ۳/ ۵٦٦، زكريا ٥/ ٢٦٨)

نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه أحد. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٥٦٠، جديد ١/ ٦٠٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۲۹۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۵/۱۴۲۸ھ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعه قاسمیه

مدرسه شاهی مرادآباد، الهند

(جلد ۱۷)

المجلد السابع عشر

الایمان والنذور الحدود الجهاد والهجرة القطة، الإمارة والسياسية القضاء، الوقف إلى باب المساجد

۴۰۳ ـــــــــــ ۸٦۷

ناشر

مکتبه اشرفیه، دیوبند، الهند

01336-223082

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

❖❖ ❍❖❍

فہرست عناوین

صفحہ	۱۸ کتاب الأیمان والنذور	مسئلہ نمبر
۲۴	(۱) باب الأیمان	

(۲) باب النذور ۷۰

۲۳ کتاب القضاء

	(۲) باب الشهادة	۲۸۷

	۲۴ کتاب الوقف	
	(۱) باب ما یتعلق بنفس الوقف	۳۰۱

(۲) باب الوقف علی الأولاد ۳۵۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۸ کتاب الأیمان والنذور

۱ باب الأیمان

قسم کا دارومدار الفاظ پر ہے یا نیت پر؟

سوال [۷۴۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے چچا بسلسلہ ملازمت سعودی عرب گئے ہوئے تھے جب وہ آئے تو انہوں نے اپنے بھتیجہ پر شک ظاہر کیا کہ اس نے اپنی چچی سے ناجائز تعلقات کر رکھا ہے، لہٰذا اس سلسلے میں چچا نے اپنے بھتیجہ سے گفتگو کی تو اس نے چچی سے ناجائز تعلقات ہونے سے انکار کردیا، تو چچا نے کہا کہ قسم کھا، کہا کہ تو طلاق کی قسم کھا، لہٰذا بھتیجہ کی دو چچی ہیں (۱) اختری (۲) نسیمہ، نسیمہ وہ چچی ہیں جن کا اس سے تعلق ہونے کا شک ہے، لہٰذا بھتیجہ چارپائی کی ایک جانب بیٹھا اور دوسری جانب اس کا چچا بیٹھا، اب بھتیجہ اس طرح قسم کھاتا ہے، اپنی زبان سے کہتے ہوئے: اختری چچی سے میرے ناجائز تعلقات ہوئے تو میری بیوی کو تین طلاق ہیں ، اور اختری لفظ کو وہ زبان سے ادا کرتا ہے اور اس کا نفس لفظ بھی سنتا ہے، لیکن اس کا چچا اختری لفظ نہیں سنتا، باقی الفاظ سنتا ہے، اور اب بھی وہ آتا جاتا ہے، چونکہ وہ کہتا ہے کہ میرے اس سے ناجائز تعلقات اگر ہیں تو اپنی بیوی کو طلاق دیدوں گا، اس خوف سے کہ کہیں طلاق نہ ہوجائے، اور یہ بھی کہتا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی، حالانکہ اس لڑکے سے نسیمہ کے ناجائز تعلقات ہیں، کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی۔

خط کشیدہ الفاظ زبان سے ادا کیے لیکن دل سے نہیں کیے، بلکہ لفظ اختری ہی ادا کیا زبان سے، جبکہ لفظ اختری کو اس کے چچا نے نہیں سنا

المستفتی: مستری محمد حنیف دھامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بھتیجہ نے قسم کھاتے وقت صراحتاً اختری کا نام لیا ہے گرچہ اس کا ناجائز تعلق نسیمہ کے ساتھ ہے جس کی بنا پر اس کو قسم کھلائی گئی تھی، لیکن اس نے اس کے خلاف اختری سے ناجائز تعلق نہ ہونے کی قسم کھائی، لہٰذا اپنی قسم میں حانث نہ ہونے کی وجہ سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لیے کہ قسم میں صریح الفاظ کے مقابلے میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے چاہے اس کے چچا مخاطب نے اس کا لفظ نہ سمجھا ہو۔

الأیمان مبنیة علی الألفاظ لا علی الأغراض، وفی الشامی: أی الألفاظ العرفیة، و قوله: لا علی الأغراض: أی المقاصد والنیات. (شامی، کتاب الأیمان مبحث مهم فی تحقیق قولهم الأیمان مبنیة علی الألفاظ ...... زکریا دیوبند ٥/٥٢٨، کراچی ٣/٧٤٣)

الأیمان مبنیة علی الألفاظ العرفیة، والأغراض التی تدل علیها هذه الألفاظ أما الأغراض العرفیة الزائدة علی الألفاظ فإنها غیر معتبرة. (الفقه علی المذاهب الأربعة، کتاب الأیمان مبحث الأصول التی تعتبر فی الأیمان، دار الفکر ٢/٨٨)

والمعتبر فی الأیمان الألفاظ، دون الأغراض. (البحر الرائق باب الیمین فی الدخول والخروج...... زکریا دیوبند ٤/٥٠١، کوئٹه ٤/٢٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۲۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹؍۴؍۱۴۳۵ھ

قسم میں الفاظ کا اعتبار ہے یا نیت کا؟

سوال [۷۴۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ کا فرزند عربی سوم میں زیرِ تعلیم تھا کہ اسی اثنا میں اس کی طبیعت کافی ناساز ہوگئی تو احقر نے یہ نذر مانی کہ یا اللہ اگر میرا فرزند صحیح ہوجائے گا تو فراغت کے بعد اسے ایک سال کے لیے تبلیغی جماعت میں بھیجوں گا، الحمد للہ اس کی طبیعت بھی صحیح ہوگئی، اور دورۂ حدیث شریف سے فراغت بھی ہوگئی، فراغت کے بعد سے بندہ کئی سالوں سے مستقل کہہ رہا ہے کہ جماعت میں جاؤ مگر وہ جماعت میں جانا پسند نہیں کرتا ہے، آیا ایسی صورت میں اس کی تلافی کی شکل میں رقم کی اتنی مقدار کہ جتنی ایک سال کی جماعت میں خرچ ہوتی ہے کسی دینی کام میں دیدینے سے اس کی تلافی ہوسکتی ہے یا نہیں، یا کوئی اور بہتر صورت ہو تو وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد صلاح الدین سہرسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ اپنے فرزند سے ناامید نہ رہیں، کبھی اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یہ بات ڈالدیں گے کہ وہ خود چلا جائیگا، آپ نے اپنی نذر میں یہ قید نہیں لگائی ہے کہ فراغت کے بعد اسی سال میں بھیجیں گے، لہٰذا اس نذر میں گنجائش ہے کہ فراغت کے کئی سال کے بعد سال بھر کے لیے بھیجا جاسکتا ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اسی کو ہی سال بھر کے لیے بھیجا جائے، اور اس کے لیے حکمت عملی اختیار کی جائے، کہ حضرت مولانا لاٹ صاحب سے ملاقات کرائی جائے اور اجتماعات میں ان لوگوں کی صحبت اور خدمت میں کچھ ایام گذارے اس سے ان شاء اللہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں بات ڈالدے اور وہ خود چلا جائے جس سے آپ کی نذر پوری ہوجائے۔

ومن نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط و كان من جنسه واجب أى فرض ...... وهو عبادة مقصودة ...... ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر

لحديث من نذر و سمى فعليه الوفاء بما سمى. (تنوير مع الدر المختار على الرد، كتاب الأيمان، مطلب: في أحكام النذر، زكريا ديو بند ٥/ ٥١٥-٥١٦، كراچی ٣/ ٧٣٥)

أما أصل الحكم فالناذر لايخلو من أن يكون نذر و سمى أو نذر ولم يسم فإن نذر و سمى فحكمه وجوب الوفاء بما سمى. (بدائع، كتاب النذر، حكم النذر، زكريا ديو بند ٤/ ٢٤١، كراچی ٥/ ٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۱۱/ ۱۴۳۲ھ

جس بستی میں نہ جانے کی قسم کھائی وہاں سے گذرنے کا حکم

سوال [۷۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں فلاں بستی میں نہیں جاؤں گا مگر اور جگہ جانے کا راستہ ٹھیک اس بستی کے بیچ سے ہوکر پیدل اور سائیکل وغیرہ کا ہے، اس کے علاوہ جو راستہ ہے نہایت خطرناک ہے تو کیا ہم اس بستی کے بیچ سے گذر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد عرفان صدیقی، بانکہ، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بے خیالی میں اس بستی سے ہوکر گذرے گا تو کفارۂ یمین ادا کرنا لازم نہ ہوگا، اور اگر بالارادہ اس بستی سے ہوکر گذرے گا تو قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

رجل حلف لا يخرج من الري إلى الكوفة فخرج من الري يريد مكة و طريقه على الكوفة قال محمد: إن كان حين خرج من الري نوى أن يمر بالكوفة فهو حانث. (بدائع، كتاب الأيمان، ألفاظ اليمين المعلق، زكريا ديوبند ٣/ ٦٩، كراچی ٣/ ٤٢، هنديه زكريا قديم ٢/ ٧٨، جديد ٢/ ٨٥، البحر الرائق زكريا

دیوبند ٤/٥٢٣، کوئٹہ ٤/٣١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۰۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۳/۱۴۱۵ھ

مجبوری میں قرآن کی قسم کھانا

سوال [۷۴۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی مجبوری کی بنا پر قرآن کی قسم کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور مجبوری کیا سمجھی جائیگی؟

المستفتی: محمد شعیب، مقبرہ اول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن مجید کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ غیر اللہ کی قسم ہے جو ناجائز ہے۔

عن سعد بن عبيدة قال: سمع ابن عمر رجلا يحلف ”لا والكعبة“ فقال له ابن عمر: إني سمعت رسول الله يقول: من حلف بغير الله فقد أشرك. (سنن أبي داؤد، الأيمان والنذور، باب اليمين بغير الله، النسخة الهندية ٢/٤٦٣، دار السلام رقم: ٣٢٥١، مسند أحمد بن حنبل ٢/٨٦-٨٧، رقم: ٥٥٩٣)

ولو قال بالقرآن أو بالمصحف أو بسورة كذا من القرآن فليس بيمين لأنه حلف بغير الله تعالىٰ. (بدائع الصنائع، كتاب الأيمان، مالا يجوز الحلف به، زكريا ٣/١٧، كراچی ٣/٨)

أو قال بالقرآن أو قال بالمصحف أو قال بسورة من القرآن فليس ذٰلك يمين. (تاتارخانية الفصل الثاني، ألفاظ الأيمان كوئٹه ٤/٤١٩، زكريا ٦/١٦ رقم: ٨٧٣٧)

لیکن قرآن کی قسم کا عرف اور رواج ہوجانے کی وجہ سے قسم کھانے سے منعقد ہوجائیگی، مگر گنہگار ہوگا، لہٰذا اس قسم کے خلاف کرنے کی صورت میں کفارہ بھی دینا واجب ہوگا۔ (مستفاد:

عزیز الفتاویٰ ۱/۵٦۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۲۴، ڈابھیل ۱۴/۳۸، احسن الفتاویٰ ۵/۴۸۸)

الأيمان مبنية على العرف. (شرح الحموى على الأشباه و النظائر ص: ٩٦)

والأصح أن يقول: الأيمان مبنية على العرف و العادة فما تعارف الناس الحلف به يكون يمينا. (المبسوط، دار الكتب العلمية بيروت ۱۳۳/۸)

الأيمان مبنية على العرف فما تعورف الحلف به فيمين و مالا فلا...... قال الكمال: ولايخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينا. (الدر مع الرد، زكريا ٥/ ٤٨٤-٤٨٥، كراچى ٣/ ٧١٢)

اگر کوئی سخت مجبوری ہی درپیش ہو کہ کسی کا حق تلف ہو رہا ہو یا ظلم ہو رہا ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔

قال رسول الله ﷺ: ألا إن الله ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم فمن كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت. (مسلم شريف كتاب الأيمان، باب النهى عن الحلف بغير الله، النسخة الهندية ٢/ ٤٦، بيت الأفكار رقم: ١٦٤٦، صحيح البخارى، الأيمان والنذور، باب لاتحلفوا بآبائكم، النسخة الهندية ٢/ ٩٨٣، رقم: ٦٣٩١، ف:٦٦٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۵۱٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲ھ

صحیح بات پر قرآن کی قسم کھانا

سوال [۷۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے اوپر ایک عورت کے ساتھ زنا کا الزام لگایا گیا ہے جبکہ یہ بات بالکل غلط ہے، لہٰذا میں نے قرآن پاک ہاتھوں میں رکھ کر قسم کھائی ہے کہ میں نے کبھی بھی اس سے زنا نہیں کیا ہے، لہٰذا جواب دیں کہ صحیح بات پر قرآن کی قسم کھانا چاہیے یا نہیں؟

المستفتی: محمد نعیم کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: اگر اپنی قسم میں سچا ہے تو عنداللہ آپ پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے یمین لغو کو بھی معاف فرمایا ہے۔

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ. [المائدة: ۸۹]﴾

عن عطاء بن أبی رباح قال: کنت أنا و عبید بن عمیر اللیثي عند عائشة رضی الله عنها -زوج النبی ﷺ- فسألها عبید عن قول الله عز وجل: "لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ، قالت: حلف الرجل علی علمه، ثم لایجده علی ذلک فلیس فیه کفارة. (السنن الکبریٰ للبیهقی، الأیمان، باب من حلف علی شئ وهو یری أنه صادق ثم وجده کاذبا، دار الفکر ۱۴/۴۹۴ رقم: ۲۰۵۰۹) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۱/۷ھ

قرآن کریم کی جھوٹی قسم کھانا

سوال [۷۴۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ ایک قطعہ زمین وایک دوکان کے کرایہ دار چلے آرہے ہیں اس کا دخل ہم سب لوگوں نے تنویر حسین کو دیدیا تھا، اور دخل کے کاغذ کو ۹۳/۱۱/۲۲ء کو لکھوا کر دونوں بہنوں اور پانچ بھائیوں نے جو اس جگہ کے کرایہ دار تھے، دخل کے کاغذ پر سب لوگوں نے دستخط اپنے اپنے کر دیئے تھے، جگہ کے مالک اصل حقدار، وارثان عبدالغفار سے اس جگہ کے دخل لینے پر تنویر حسین کا جھگڑا ہو گیا کہ تم نے اس جگہ کا دخل کیوں دیا یہ جگہ ہماری تھی، کرایہ داروں سے ہم دخل خود لیتے، جھگڑا اتنا بڑھا کہ بات پولیس تک پہنچ گئی، احمد نور ولد عبدالغفار نے مجھ اسلام سے تھانہ میں کلام پاک کی قسم کھلوائی کہ اس کاغذ پر تم سب لوگوں کے دستخط ہیں یا نہیں؟ دستخط تو ہم سب لوگوں کے تھے، لیکن میں نے ان دستخطوں سے پولیس کے روبرو منع کر دیا کہ یہ

دستخط ہمارے نہیں ہیں اور نہ کوئی دخل تنویر حسین کو دیا ہے، دخل ہمارے پاس ہے تو اس مسئلہ میں مجھے کیا کرنا ہوگا جو کہ میں نے کلام پاک کی جھوٹی قسم کھائی ہے۔

المستفتی: محمد اسلام رفعت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پولیس کے خوف سے آپ نے قصداً قرآن کریم کی جھوٹی قسم کھائی اور دستخط سے انکار کیا حالانکہ آپ کے دستخط ہوئے تھے، اس کی وجہ سے آپ پر گناہ ہوا اور آپ کی جھوٹی قسم کی وجہ سے دوسرے کا جو نقصان ہوا ہے پہلے اس کی تلافی کرنا لازم ہے، اس کے بعد آپ پر توبہ کرنا لازم ہے۔

وهی غموس إن حلف علی کاذب عمدا...... ویأثم بها فتلزمه التوبة.

(درمختار، کتاب الأیمان زکریا ٥/٤٧٤-٤٧٥، کراچی ٣/٧٠٥-٧٠٦)

عن عبد الله رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من اقتطع مال امرئ مسلم بیمین کاذبة، لقی الله وهو علیه غضبان، قال عبد الله: ثم قرأ رسول الله مصداقه من کتاب الله ''إن الذین یشترون بعهد الله و أیمانهم ثمنا قلیلا أولئک لا خلاق لهم فی الآخرة ولایکلمهم الله. (صحیح البخاری، کتاب التوحید ٢/١١٠٩ رقم: ٧١٤٥، ف: ٧٤٤٥)

عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما قال: جاء أعرابی إلی النبی ﷺ فقال: یارسول الله! ما الکبائر، قال: ...... الیمین الغموس قلت: وما الیمین الغموس: قال: الذی یقتطع مال امرئ مسلم، هو فیها کاذب.

(صحیح البخاری، کتاب استتابة المعاندین والمرتدین ٢/١٠٢٢ رقم: ٦٦٥٣ ف: ٦٩٢٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۵۸۲/۳۲)

غصہ میں قرآن لے کرشادی نہ کرنے کی قسم کھانا

سوال [۷۴۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی عورت نے قرآن کریم کو ساتھ لے کر غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گی، تو اگر یہ شادی کرلے گی تو کون سا کفارہ واجب ہوگا، اور گنہگار ہوگی یا نہیں؟ اور اس کا شادی کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شادی نہ کرنے کی قسم گناہ پر قسم ہے، اس کا توڑ دینا ضروری ہے، اور شادی کر کے اپنی قسم کا کفارہ ادا کریں، یعنی دس مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلا دیں، یا ان کو جوڑا لے کر دیں، یا اس کی قیمت دیں، اور اگر اس کی طاقت نہ ہوتو تین روز بلا ناغہ روزہ رکھیں۔

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْا اَيْمَانَكُمْ. [المائدة: ۸۹] ﴾

عن إبراهيم قال: قال عبد الله: من حلف بالقرآن فعليه بكل آية يمين. (المصنف لابن أبي شيبة، الأيمان والنذور في الرجل يحلف بالقرآن، ما عليه في ذٰلك، مؤسسة علوم القرآن ۵۳۷/۷ رقم: ۱۲۳۶۲)

عن أبي مالك قال: الأيمان ثلاثة: يمين تكفر، ويمين لا تكفر، ويمين لا يؤاخذ بها، فأما التي تكفر فالرجل يحلف على قطيعة رحم أو معصية الله. (الدر المنثور ۵۵۱/۲، تحت الآية ۸۹ من سورة المائدة)

ونوع لا يجوز حفظها وهو أن يحلف على ترك طاعة أو فعل معصية.

(عالمیگیری، کتاب الأیمان، الباب الاول، فی تفسیرها الخ، زکریا قدیم ۲/۵۲، جدید ۲/۵۷)

لایخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمینا (وقوله) و عند الثلاثة المصحف والقرآن وکلام الله یمین. (الدر المختار، کوئٹه ۳/۵٦، کراچی۳/۷۱۲، زکریا ۵/٤٨٤-٤٨٥)

ومن حلف علی معصیة کعدم الکلام مع أبویه (إلی قوله) وجب الحنث والتکفیر. (تنویر الأبصار مع الدر المختار، زکریا دیوبند ۵/۵۰٦، کوئٹه ۳/٦٨، کراچی ۳/۷۲۸)

وکفارته تحریر رقبة أو إطعام عشرة مساکین أو کسوتهم بما یستر عامة البدن و إن عجز عنها وقت الأداء صام ثلاثة أیام ولاء. (تنویر الأبصار مع الدر المختار زکریا ۵/۵۰۲ تا ۵۰۵، کوئٹه ۳/٦٦، کراچی ۳/۷۲۵ تا ۷۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۳۵۳)

اولاد کی قسم کھانا

سوال [۷۴۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے سالے کی شادی عنقریب ہونے والی ہے میں نے اپنے سالے کو کہا تھا کہ تم اگر اپنے ہونے والے سسر کے ساتھ کپڑا پسند کرنے جاؤ گے تو میں اپنے لڑکے کی قسم کھاتا ہوں کہ میں شادی میں شامل نہیں ہوں گا، لیکن وہ ہونے والے سسر کے دباؤ میں آکر کپڑا پسند کرنے کو دوکان پر چلا گیا، اب اگر میں کسی وجہ سے شادی میں شامل ہو گیا تو اولاد کی قسم کا کیا کفارہ ہے، روزہ یا پیسہ یا اور کچھ؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: ہارون رشید جھوکا نالہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اولاد کی قسم کھانا شرعاً جائز نہیں ہے لیکن پھر بھی

ایک قسم کے نذر اور وثیقہ کے درجے میں ہو جاتا ہے، اس لیے کفارہ واجب ہو جاتا ہے، اور قسم کا کفارہ الگ الگ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دونوں وقت کھانے کا پیسہ دینا ہے۔

عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ أدرك عمر بن الخطاب وهو يسير في ركب يحلف بأبيه فقال، ألا إن الله ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم من كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت. (بخاری شریف، کتاب الأیمان والنذور، باب لاتحلفوا بآبائکم ۲/۹۸۳، رقم: ٦٣٩١، ف ٦٦٤٦)

وحاصله أن اليمين بغيره تعالىٰ تارة يحصل بها الوثيقة –إلى– و إنما كانت الوثيقة فيه أكثر من الحلف بالله تعالىٰ في زماننا لقلة المبالاة بالحنث ولزوم الكفارة. (شامی، کتاب الأیمان کراچی ۳/۷۰۵، زکریا دیوبند ٥/٤٧٤)

قوله عشرة مساكين و تحته في الشامية: أي تحقيقا أو تقديرا حتى لو أعطى مسكينا واحدا في عشرة أيام كل يوم نصف صاع يجوز. (شامی، کراچی ۳/۷۲٥، زکریا ٥/٥٠٣)　　فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ر ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۲٦)

یمین لغو کی ایک صورت

سوال [۷۴۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نامی ایک شخص سے بکر نے کہا کہ بستر پر ایک چھوٹے بچہ نے پیشاب کردیا ہے، تیسرے شخص نے زید سے کہا بچہ نے پیشاب نہیں کیا ہے، زید کو بکر کی بات پر یقین تھا، نیز بچے کا پینٹ ایسے رنگ کا تھا، جس سے پیشاب کا اثر معلوم ہو رہا تھا، زید کو بالکل یقین تھا کہ بچہ نے پیشاب کیا ہے، اسی پر زید نے کہا خدا کی قسم اگر بچہ نے پیشاب نہیں کیا ہے تو میں حانث ہو جاؤں گا جب غور سے دیکھا گیا تو بچہ نے پیشاب نہیں کیا تھا، از روئے شرع زید

حانث ہوگا یا نہیں؟ اگر حانث ہوا تو اب کیا کرنا چاہیے؟

المستفتی: محمد نعیم دودھ والے، محلّہ لال باغ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں زید حانث نہیں ہوا بلکہ یمین لغو ہوگئی۔

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ. [المائدة: ٨٩]﴾

لغو وهو أن يحلف على أمر في الماضي أو في الحال وهو يظن أنه كما قال والأمر بخلافه بأن يقول والله قد فعلت كذا وهو ما فعل و يظن أنه فعل (إلى قوله) نرجوا أن لايؤاخذ بها صاحبها. (هنديه، كتاب الأيمان، الباب الأول في تفسيرها الخ، زكريا قديم ٢/ ٥٢، جديد ٢/ ٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۴۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۵/ ۱۴۱۵ھ

چوری ہونے پر تمام محلّہ والوں سے طلاق مغلظہ کی قسم دلوانا

سوال [۷۴۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی آدمی کی کوئی چیز چوری ہوگئی یا کوئی قیمتی مال وجائیداد کا کسی نے نقصان پہنچایا، صاحب مال گاؤں کے آدمی کو جمع کر کے مندرجہ ذیل شرائط کی قیود لگا کر سب سے قسم لیتا ہے:

کہ میں مسجد میں (خدا کے گھر) حلفیہ قسم کھاتا ہوں کہ میں نے مال چوری نہیں کیا یا نقصان نہیں پہنچایا، اگر چوری کیا یا نقصان پہنچایا، یا اس کے بارے میں کہ کس نے کیا اگر مجھے معلوم ہے تو میری زوجہ پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوں، اور جب جب میں نکاح کروں میری بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوں، اور کمیٹی جو سزا مقرر کرے منظور رہے، اور آخرت کی سزا الگ۔ بہتوں نے ان شروط کے ساتھ حلف کھانا نہیں چاہا، کیا طوعاً وکرہاً اس جیسا حلف لینا

صاحب مال کے لیے یا کمیٹی کے لیے جائز ہے؟

المستفتی: غلام نبی کپال، ساؤتھ ۲۴/ پرگنہ ویسٹ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طریقہ پر قسم لینے سے فقہاء نے ممانعت فرمائی ہے، اس لیے مال کی تلاش کے لیے دوسرا جائز طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور اس میں بہت سے باعزت لوگوں کی آبروریزی بھی ہوگی۔

رجل أراد أن يحلف غيره ليس له أن يحلفه بالطلاق و العتاق والأيمان المغلظة. (فتاویٰ قاضيخان، كتاب الأيمان، فصل في تحليف الظلمة، زكريا جديد ۲/ ۱۱، وعلى هامش الهندية زكريا ۲/ ۱۳)

والتحليف بالطلاق والعتاق والأيمان المغلظة لم يجوزه أكثر مشائخنا وفي الخانية: وإن أراد المدعي تحليفه بالطلاق والعتاق في ظاهر الرواية لايجيبه القاضي إلى ذٰلك؛ لأن التحليف بالطلاق والعتاق حرام، ومنهم من جوزه في زماننا، والصحيح ما في ظاهر الرواية، وفي كتاب الحظر والإباحة من التاتارخانية: والفتوىٰ على عدم التحليف بالطلاق والعتاق. (البحر الرائق، كتاب الدعوىٰ زكريا ۷/ ۳٦۲، كوئٹه ۷/ ۲۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۸۰۲)

بچہ پیدا نہ ہونے دینے کی قسم کھانا

سوال [۷۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: زید کی شادی ہوئی، شادی کے بعد بچہ بھی ہوا، دوسرا بچہ بھی جلدی ہوگیا، تیسرا حمل بھی ہوگیا تو زید اور ہندہ میں جھگڑا ہوا، زید نے حلفیہ قسم کھالی اب بچہ پیدا نہیں ہونے دیں گے، دنیوی ترکیب

کے مطابق روک لگاتا ہے اب تیسرے بچہ کو تقریباً تین سال ہوگئے ہیں، اب زید اور ہندہ دونوں چاہتے ہیں کہ بچے پیدا ہوں، لیکن زید نے قسم کھالی ہے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

المستفتی: زید سلیم پور دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی قسم معصیت کی قسم ہے اس پر قائم رہنا درست نہیں، اس کے خلاف عمل کیا جائے، اس کے بعد قسم کا کفارہ ادا کردے، اور کفارہ میں دس مسکین کو دونوں وقت کھانا یا اس کی قیمت دیدی جائے، اور قیمت میں ہر ایک فقیر کو ایک صدقہ کی قیمت دیدی جائے۔

عن سعيد بن المسيب أن أخوين من الأنصار كان بينهما ميراث، فسأل أحدهما صاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتني القسمة، لا أكلمك أبدا، كل مالي في رتاج الكعبة، فقال عمر بن الخطاب رضى الله عنه: إن الكعبة لغنية عن مالك، كفر يمينك وكلم أخاك، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يمين عليك، ولا نذر في معصية الرب، ولا في قطيعة الرحم، ولا فيما لا تملك. (المستدرك، كتاب الأيمان، دار البشائر الإسلامية ۸/ ۲۷۸۹ رقم: ۷۸۲۳)

عن طاؤس عن أبيه أنه كان يقول: إن حلف رجل على معصية الله فليكفر وليدعه حتى يكون له أجر ما ترك، و أجر ما كفر عن يمينه. (مصنف عبد الرزاق الأيمان، باب من حلف على يمين فرأى غيره خيرا منها، المجلس العلمي ۸/ ۴۹۷، رقم: ۱۶۰۳۹)

علق النذر بما هو معصية كقوله إن كلمت أبي فعلي نذر فهو كما علقه بمباح إن أبهم وكان عليه أن يحنث نفسه و يكفر الخ. (بزازيه، كتاب الأيمان، فيبل الفصل الثالث في يمين الطلاق، زكريا جديد ۱/ ۱۷۷، وعلى هامش الهندية ۴/ ۲۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۰۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۶/ ۱۴۱۶ھ

’’مجھے قسم ہے‘‘ کے الفاظ سے حانث ہونا

سوال [۷۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے خالد سے کہا کہ اگر میں نے تیرے گھر جا کر کھانا کھایا تو مجھے قسم ہے، پھر زید نے خالد کے گھر جا کر کھانا کھالیا تو زید حانث ہوگا یا نہیں؟ یعنی یہ واضح فرمائیں کہ لفظ ’’مجھے قسم ہے‘‘ سے قسم منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ’’مجھے قسم ہے‘‘ کے الفاظ سے قسم منعقد ہوجاتی ہے، لہٰذا زید کے خالد کے گھر جا کر کھالینے سے زید حانث ہوگیا، اس پر کفارہ کی ادائیگی لازم ہے۔

وكذا لو قال: عليه يمين ...... يكون يمينا كذا في فتاوىٰ قاضيخان. (هنديه، كتاب الأيمان، الباب الثاني زكريا قديم ٢/٥٣، جديد ٢/٥٨)

وكذا قوله علي يمين ...... في قول أصحابنا الثلاثة. (بدائع الصنائع، زكريا ٣/١٥، كراچی ٣/٧-٨)

وكذا لو قال: عليه يمين ...... أن لا يفعل كذا يكون يمينا. (خانيه، زكريا جديد ٢/٦)

ولو قال: علي يمين ...... فهو يمين. (تاتارخانية زكريا ٦/١١ رقم: ٨٧٢٨، وعلى هامش الهندية ٢/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۱/۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۰۷/۴۰)

إن قبلتني فتقبيلك إياي حرام سے قسم کا انعقاد

سوال [۷۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: لو قال رجل لامرأته: ''إن قبلتني فتقبيلک إياى حرام'' ثم بعد أيام تقدم إليها ليقبلها فقبلته فهذا يمين أم لا؟ ومن يحنث الرجل أو المرأة؟ أجيبوا من فضلكم بنص من الفقه.

المستفتي: شہید اللہ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مرد کے اپنی بیوی سے ''إن قبلتني فتقبيلک إياى حرام'' کہنے سے مرد کے حق میں یمین منعقد ہوجائے گی، لہٰذا اگر بیوی نے اس کو بوسہ لے لیا تو اپنی قسم میں حانث ہوجائیگا۔

عن سعيد بن جبير أن ابن عباس قال: في الحرام يكفر، وقال ابن عباس لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة. (صحيح البخاري، التفسير يأيها النبي لم تحرم ما أحل الله لك، النسخة الهندية ٢/٧٢٩، رقم: ٤٧٢١، ف: ٤٩١١)

عن الضحاک، أن أبابكر و عمرو ابن مسعود قالوا: من قال لامرأته: هي عليه حرام، فليست عليه بحرام، و عليه كفارة يمين. (المصنف لابن أبي شيبة، الطلاق، من كان يقول: الحرام يمين وليس بطلاق، مؤسسة علوم القرآن ٩/٦٠٤ رقم: ١٨٥٠٧-١٨٥١٠)

ومن حرم شيئا ثم فعله كفر ليمينه لما تقرر أن تحريم الحلال يمين قوله: أي لأجل الحنث فيها لأن السبب الحنث لا اليمين، قوله: لما تقرر الخ، أي في قوله تعالىٰ: يأيها النبي لم تحرم ما أحل الله لک تبتغي مرضات أزواجک والله غفور رحيم، قد فرض الله لكم تحلة أيمانكم، فبين الله تعالىٰ أن نبيه صلى الله عليه وسلم حرم شيئا مما هو حلال، قلت: تقبيل المرأة زوجها حلال والرجل حرمه على نفسه بقوله، ومنه أي من تحريم الحلال قولها لزوجها أنت علي حرام أو حرمتک على نفسي فلو طاوعته في الجماع أو أكرهها كفرت. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الأيمان كوئٹه ٢/٣٣٦-٣٣٧، وهكذا في الشامي زكريا ديوبند ٥/٥٠٨-٥٠٩، كراچی

۳/۷۲۹- ۷۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۵۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۴/۱۴۳۰ھ

اگر تم نے فلاں عورت سے بات کی تو قسم ہے؟

سوال [۷۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

لو قالت امرأة لزوجها "إن كلمت فلانة فى التليفون فعليك القسم" ثم كلمها فى التليفون، فهذا القسم ينعقد أم لا؟ ومن يكون حالفا الرجل أو المرأة ومن يحنث الرجل أو المرأة؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیوی نے جس وقت شوہر سے یہ کہا ہے کہ تم نے اگر فلاں عورت سے ٹیلی فون پر بات کی تو تم پر قسم ہے" اگر شوہر نے اس کے جواب میں ہاں کہہ دیا تو یہ یمین ہوگی اور قسم کھانے والا مرد ہوگا اور اس عورت سے ٹیلی فون پر بات کرنے سے حانث ہوجائے گا لیکن اگر مرد نے ہاں نہیں کہا تو یہ کلام لغو ہوجائے گا۔

ولو قال عليک عهد الله إن فعلت كذا فقال نعم، فالحالف المجيب، وتحته فى الشامية: ولا يمين على المبتدئ، وإن نوى اليمين أي لإسناده الحلف إلى المخاطب فلا يمكن أن يكون الحالف غيره. (الدر مع الرد، كتاب الأيمان، قبيل مطلب: حلف لا يدخل فلان داره، زكريا ۵/۶۷۷، كراچی ۳/۸۴۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۷/۲۶۲-۲۶۳، هندية، زكريا قديم ۲/۶۰، جديد ۲/۶۶)

ومقصود الزوجة هنا هو الاستحلاف كما لا يخفى، وفى الشامي: قال: فإن نوى الاستحلاف فلا شيئ على واحد منهما أى لأن المخاطب لم

یجبه بقوله: نعم حتی یصیر حالفا. (شامی، مطلب: قال: لتفعلن کذا قال، نعم، زکریا دیوبند ٥/٦٧٦، کراچی ٣/٨٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۴/۱ھ

قسم کھا کر کہنا کہ ''میری جیب میں کتنے روپئے ہیں، صحیح بتانے پر سب دیدوں گا''

سوال [۷۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی قسم کھائے کہ میری جیب میں کتنے روپئے ہیں اگر آپ نے صحیح صحیح بتا دیا تو سب روپئے آپ کو دیدوں گا؟ زید نے اس مسئلہ کا جواب دیا کہ اگر بتانے والا شخص اس طرح کہے کہ آپ کی جیب میں ایک روپیہ ہے، دو روپیہ ہے، تین روپیہ ہے چار روپیہ ہے، اسی طرح پچاس تک کہہ دے اور اس کی جیب میں صرف چالیس روپئے نکلیں تو اس قسم کے کھانے والے کو چالیس روپیہ دینا ضروری ہے، اور اگر نہیں دے گا تو وہ حانث ہو جائے گا، اس لیے کہ اس قسم کے کھانے والے نے مطلق بولا تھا، کہ میری جیب میں جتنا روپیہ ہے اگر صحیح بتا دیا تو سب آپ کا؛ اس لیے اس کو دینا واجب ہے، ہاں اگر قسم کھانے والا اس طرح کہتا ہے کہ میری جیب میں جتنا روپیہ ہے ایک مرتبہ میں اگر آپ نے صحیح بتا دیا تو سب آپ کا، تو اس صورت میں اگر بتلانے والا ایک مرتبہ میں نہیں بتلاتا تو وہ حانث نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس نے قید لگا دی ہے، ایک مرتبہ میں بتلانے کی؟

المستفتی: شاہد جمال، مئوناتھ بھنجن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متکلم کا یہ جملہ کہ میری جیب میں جتنا روپیہ ہے صحیح صحیح بتا دیا تو سب روپیہ آپ کو دیدوں گا تو عرف وتعامل میں ایسی گفتگو کا مدار ایک مرتبہ کہنے پر ہے، ایک عدد بتانے پر ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا ہے کہ ایک سے لے کر اربوں

تک گنتا چلا جائے اور اس کے جیب میں چالیس روپئے ہوں تو ایسی صورت میں قسم کھانے والا متکلم اگر وہ بتلا دینے والے کو پیسہ نہ دے تو وہ حانث نہ ہوگا، اس کی قسم نہیں ٹوٹی اور یہ کہا جائیگا کہ بتلانے والا بتلا ہی نہیں پایا۔

الأصل أن الأيمان مبنية إلى قوله: وعندنا على العرف، وتحته في الشامية: لأن المتكلم إنما يتكلم بالكلام العرفي أعني الألفاظ التي يراد بها معانيها التي وضعت لها في العرف وقوله في الشامية ومعناه أن اللفظ إذا كان عاما يجوز تخصيصه بالعرف. (شامي، كتاب الأيمان، مبحث مهم في تحقيق قولهم: الأيمان مبنية على الألفاظ، زكريا ديوبند ٥/ ٥٢٨، كراچی ٣/ ٧٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۰۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۹ھ

گھر بچانے کی خاطر جھوٹی قسم کھانا

سوال [۷۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت ہے اس کا شوہر اس پر شک کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تجھ کو قسم ہے، اگر وہ قسم کھاتی ہے تو جھوٹی قسم کھانی پڑتی ہے، اور اگر نہیں کھاتی ہے تو گھر بگڑتا ہے، اس صورت میں کیا کرے؟

المستفتی: عبد القادر، متعلم جامع الہدیٰ گل شہید، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں جھوٹی قسم کھانے کی بالکل اجازت نہیں ہے، بلکہ جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے، اس لیے صورت مذکورہ میں قسم کھانے کی اجازت نہیں ہے، البتہ اپنے شبہ کو کسی اور طریقہ سے ختم کرے یا اس کو ظاہر کر کے معافی مانگ لے، گھر بگاڑنا بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے فریقین اپنے معاملہ کو نرمی سے سلجھانے کی کوشش کریں اور جن باتوں پر شوہر

کوشک ہے ان کو اپنے اندر سے بالکلیہ دور کرنے کا عہد کرے۔

عن عبد الله بن عمر عن النبی علیہ وسلم قال: الکبائر: الإشراک بالله ...... والیمین الغموس. (صحیح البخاری، الأیمان والنذور، باب الیمین الغموس، النسخة الهندیة ۲/۹۸۷، رقم: ۶۴۱۹، ف: ۶۶۷۵)

غموس تغمسه فی الإثم ثم فی النار وهی کبیرة مطلقا لکن إثم الکبائر متفاوت إن حلف علی کاذب عمدا کوالله ما فعلت کذا عالما بفعله أو حال کوالله ماله علي ألف بخلافه، ووالله إنه بکر عالما بأنه غیره ویأثم بها. (در مختار مع الشامی، کتاب الأیمان، کراچی ۳/۷۰۶، زکریا ۵/۴۷۴-۴۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۶/۸ھ

چوری کرنے کے بعد جھوٹی قسم کھانا

سوال [۷۴۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے کسی کا سامان چوری کیا اور پھر اس سے پوچھنے پر اس نے انکار کرتے ہوئے جھوٹی قسم کھائی تو ایسی صورت میں اس پر کفارۂ یمین لازم ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: شمیم اختر ارریاوی مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چوری کا انکار کرتے ہوئے جھوٹی قسم کھانے سے کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے، البتہ سخت گناہ کا مرتکب ہوا ہے، حدیث شریف میں جھوٹی قسم کھانے پر سخت وعید آئی ہے، اس لیے توبہ واستغفار کرے۔

عن أبی وائل عن عبد الله عن النبی علیہ وسلم قال: من حلف علی یمین

كاذبا ليقتطع مال رجل أو قال: أخيه لقى الله وهو عليه غضبان. (بخاری شريف، الشهادات، باب قول الله عزوجل "إن الذين يشترون بعهد الله الخ، النسخة الهندية ١/٣٦٨، رقم: ٢٦٠، ف: ٢٦٧٦)

وهى غموس إن حلف على كاذب عمدا كوالله ما فعلت عالما بفعله ...... ويأثم بها فتلزمه التوبة، وفى الشامية: إذ لا كفارة فى الغموس يرتفع بها الإثم فتعينت التوبة ليتخلص منه. (شامی، كتاب الأيمان، زكريا ديوبند ٥/٤٧٤ - ٤٧٦، كراچی ٣/٧٠٥-٧٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴؍۷؍۱۴۲۰ھ

کلما کی قسم کا حکم

سوال [۷۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کسی شخص کو کلما کی قسم بالجبر والا کراہ اس طرح کھلائی گئی کہ اگر میں فلاں مسجد میں امامت کروں یا فلاں کام کروں تو جب بھی کسی لڑکی سے نکاح کروں اس کو طلاق مغلظہ واقع ہو، قسم کھانے والے شخص نے بعد میں دونوں کام کیے، اب اگر وہ کسی لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی آسان تر شکل کیا ہوگی، قسم کھانے والا شخص نوجوان ہے اور اس کو شادی کی اشد ضرورت ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ شدید ضرورت مثلاً نکاح ہی لے لیجئے کی بنا پر ائمہ اربعہ حقہ میں سے کسی دوسرے امام کے فتویٰ پر کسی خاص جزئیہ میں عمل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقدوس قاسمی نیرانوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مذکورہ صورت میں کلما کی قسم منعقد ہو چکی ہے اس لیے کہ قسم کے انعقاد کا مدار الفاظ پر ہے نیت پر نہیں ہے۔

وأما اليمين بالله فلا يتوقف عليها أى على النية فينعقد إذا حلف عامدا أو ساهيا أو مخطيأ أو مكرها، وكذا إذا فعل المحلوف عليه كذٰلک الخ .(الأشباه والنظائر ص:٤٨)

والمعتبر فى الأيمان الألفاظ دون الأغراض . (البحر الرائق، الأيمان، باب اليمين فى الدخول والخروج، زكريا ديوبند ٥٠١/٤، كوئٹه ٢٩٨/٤)

ہاں البتہ کلما کی قسم کے بعد کسی عورت کے زوجیت میں آنے کی شکل اور حیلہ بھی موجود ہے کہ حالف کا نکاح کوئی دوسرا آدمی فضولی بن کر اس سے اجازت لیے بغیر کسی عورت سے کردے اور اطلاع ملنے پر زبان سے اس نکاح کو قبول نہ کرے اور نہ ہی زبانی اجازت دے بلکہ خاموشی میں بیوی کا مہر ادا کردے، یا اس کے ساتھ ہم بستری کرلے تو یہ نکاح فضولی کے لیے اجازت فعلی ہے، جو معتبر ہے؛ اس لیے اس طریقہ سے شادی کی صورت بن جائے گی اور بیوی پر طلاق بھی نہیں پڑے گی۔

والحيلة فيه عقد الفضولى (إلى قوله) وكيفية عقد الفضولى أن يزوجه فضولى فأجاز بالفعل بأن ساق المهر ونحوه لا بالقول فلا تطلق.

(مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب التعليق، دار الفكر مصرى قديم ٤١٩/١، دار الكتب العلمية بيروت جديد ٦٠/٢)

حلف لايتزوج فزوجه فضولى فأجاز بالقول حنث وبالفعل لا يحنث وبه يفتى. (الدر مع الرد، باب اليمين فى الضرب ...... مطلب: حلف لايتزوج فزوجه فضولى زكريا ٦٧٢/٥، كراچى ٨٤٦/٣)

(۱) کسی خاص فرد کے لیے اس کی اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر صفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۳۲/۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷ر صفر ۱۴۱۴ھ

کلما کی قسم کا شرعی حکم

سوال [۷۴۲۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کلما کی قسم کی شرعی حیثیت کیا ہے اگرکسی کافرکوقسم کھلادی تھی پھرکسی موقع پراس نے اسلام قبول کرلیا، اوراس نے نکاح کرلیاتو اس کا کیاحکم ہے؟ اوراس کے برعکس کسی مسلم نے یہ قسم کھائی تھی پھر بدقسمتی سے وہ حالت کفر میں لوٹ گیااور پھرایمان قبول کرلیا اس کے بعداس نے نکاح کرلیاتو پہلی والی شکل میں اوردوسری والی شکل میں اس قسم کاحکم اوراس کا اثر توباقی نہ رہے گا؟

المستفتی: شمس احمد سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کلما کی قسم کی حیثیت یہ ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان یہ کہے گا کہ میں جب جب بھی نکاح کروں گاعورت پرطلاق ہے، عقدنکاح کرتے ہی عورت بائنہ ہوجائے گی، لہٰذا کسی بھی عورت سے نکاح کے بعد ہم بسترنہیں ہوسکتا ہے،کلما کی قسم کسی کافر کوکھلادی گئی تھی، بعد میں وہ مسلمان ہوگیاتو اس کے حق میں یہ قسم لغوقرار پائے گی کیونکہ کافر فروعات شرعیہ کامکلّف نہیں ہے۔

إن الكفار مخاطبون بالعقوبات سوى حد الشرب وبالمعاملات.

(شامی الجهاد، باب استيلاء الكفار، مطلب: فی أن الأصل فی الأشياء الإباحة، زكريا ٦/ ٢٦٨، كراچی ٤/ ١٢٨)

برخلاف اگر یہ قسم کوئی مسلمان کھالیتا ہےاورمرتد ہو جا تا ہے، پھرارتداد کے بعد اسلام میں لوٹ آتا ہےتو کلما کی قسم اس کے حق میں معتبر ہوگی۔

ثم اعلم أن مما يبطل التعليق ارتداد الزوج ولحاقه بدار الحرب عنده خلافا لهما. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب التعليق، زكريا ٤/ ٣٥، كوئٹه ٤/ ٢١)

قوله خلافا لهما أى للصاحبين فعندهما لايبطل التعليق لأن زوال الملك لا يبطله وله أن بقاء تعليقه باعتبار قيام أهليته وبالارتداد ارتفعت

العصمة فلم يبق تعليقه لفوات الأهلية فإذا عاد إلى الإسلام لم يعد ذٰلك التعليق الذى حكم بسقوطه. (شامی، باب التعليق، قبيل مطلب: في مسألة الكفر زكريا ٤/ ٦٠٠، كراچی ٣/ ٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۷۰۱/۳۳)

کلما کی قسم کی تلقین کا حکم

سوال [۷۴۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک استاذ نے ایک دن اپنے شاگرد کو اچانک بلایا اور بلا کر یہ کہا کہ میں تم کو قسم دیتا ہوں اور کہا کہ جس طرح میں کہوں اسی طرح تم بھی کہتے رہنا تو استاذ صاحب نے اپنی زبان سے یہ کہا کہ اگر میں فلاں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کروں گا تو شادی کرنے بھی ساتھ ساتھ ایسا ہی کہا پھر استاذ نے کہا اگر میں نے فلاں گناہ کا ارتکاب کرلیا تو جب جب میں شادی کروں میری بیوی کو تین طلاق، تو اسی طرح شاگرد نے اپنے استاذ کے کلمات کو دہرایا، اور میں اس قسم کے نتیجے سے واقف نہیں تھا اور مجھ سے اس گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہو گیا، لہٰذا مفتی صاحب میں بہت زیادہ پریشانی میں مبتلا ہوں کہ اگر نکاح نہیں کرتا ہوں تو زنا کاری میں مبتلا ہونے کا پختہ یقین ہے، اس لیے مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ اگر نکاح کے جواز کی کوئی صورت ہو تو اس کو تحریر فرمادیں اور یہ بھی گذارش ہے کہ اگر چند صورتیں ہوں تو تمام کو تحریر فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہاں پر کلما والی قسم کا ثبوت نہیں ہوا ہے اس لیے کہ سوالنامہ میں ایک دوسرے کو تلقین کی شکل ہے، انشاء کی شکل نہیں ہے، اور کلما کی قسم منعقد ہونے اور طلاق واقع ہونے کے لیے انشاء لازم ہے، اور یہاں انشاء کا ثبوت نہیں ہے، بلکہ تلقین ہے اس لیے مذکورہ واقعہ میں کسی بھی لڑکی سے نکاح کرنے پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ولكن لا بد في وقوعه قضاء و ديانة من قصد إضافة لفظ الطلاق إليها عالما بمعناه ولم يصرفه إلى ما يحتمله كما أفاده فى الفتح و حققه فى النهر احترازا عما لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها أو كتب ناقلا من كتاب امرأتى طالق مع التلفظ أو حكى يمين غيره فإنه لا يقع أصلا مالم يقصد زوجته و عما لو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غير عالم بمعناه فلا يقع أصلا على ما أفتى به مشائخ أو زجند. (شامی، کتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب فی قول البحر: إن الصريح يحتاج فی وقوعه ديانة إلى النية، زكريا ديوبند ٤/٤٦١، کراچی ٣/ ٢٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۵۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۵ھ

''ہم کھارہے ہیں کلما کی قسم'' کہنا

سوال [۷۴۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں پڑھتا ہے اس مدرسہ میں اتفاق سے دو طالب علموں میں جھگڑا ہو گیا ان میں ایک طالب علم زید کے پاس اٹھتا بیٹھتا تھا، لہٰذا اس نے زید کو اپنا ہمراز سمجھ کر دوسرے سے انتقام لینے کا پلان بتلا دیا کہ میں اس کو فلاں موقعہ پر اس طرح غنڈوں سے پٹائی کراؤں گا، زید نے سوچا کہ اس میں ایک مومن بھائی کی جان کا خطرہ ہے، لہٰذا اس نے یہ راز فاش کر دیا، اور اس کو آگاہ کر دیا تاکہ مد مقابل سے ہوشیار رہے، پس وہ ہوشیار رہنے لگا، جس کی وجہ سے مارنے والے طالب علم کا ارادہ ناکام ہو گیا، اب یہ ناکام شخص غصہ میں بھرا ہوا زید کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ تم نے اس کو ہمارا راز بتلایا؟ زید گھبرایا اور جھوٹ بول دیا، کہ میں نے نہیں بتلایا، تو اس نے کہا کہ اچھا کھاؤ کلما کی قسم کہ میں نے نہیں بتلایا، زید مارے خوف کے انکار نہیں کر پایا، اور زبان سے اتنا کہہ دیا کہ ہاں ہم کھارہے ہیں کلما کی قسم، حالانکہ

دل میں بالکل نیت قسم کھانے کی نہیں تھی، تو کیا صورت مذکورہ میں قسم متحقق ہوگئی اور کیا وہ جب جب نکاح کرے گا طلاق پڑ جائے گی؟ زید ابھی غیر شادی شدہ ہے اور جوانی کے اس مرحلہ میں ہے کہ اگر نکاح نہ کرے تو عین یقین ہے کہ زنا میں مبتلا ہو جائے گا، تو ایسی شکل میں اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر قسم نہیں ہوئی، جیسا کہ اس کا کہنا ہے کہ میں نے یہ الفاظ کہا کہ ہاں قسم کھا رہے ہیں کے علاوہ زبان سے کچھ کہا ہی نہیں، اور دل میں بھی صرف یہ نیت تھی کہ اس شہر (جہاں کا معاملہ ہے) کی لڑکی سے جب جب شادی کروں تو اس کو طلاق تو کیا اس کی یہ نیت معتبر مانی جائے گی؟

المستفتی: محمد الیاس کٹک اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صرف کلما کی قسم کھاتا ہوں اور کھا رہا ہوں اور کھالیا ہوں کے الفاظ سے کلما والی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں زید کسی بھی عورت سے نکاح کرسکتا ہے اور اگر اس طرح کہتا ہے کہ میں جب جب نکاح کروں گا تو بیوی کو طلاق ہے، تو کلما والی طلاق ہو جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۴۰۷، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۹۹)

الأيمان مبنية على الألفاظ لا على الأغراض. (الدر مع الرد، الأيمان، زكريا ديوبند ٥/٨٢٥، كراچى ٣/٧٤٣)

الأيمان مبنية على الألفاظ العرفية، والأغراض التي تدل عليها هذه الألفاظ أما الأغراض العرفية الزائدة على الألفاظ فإنها غير معتبرة. (الفقه على المذاهب الأربعة، دار الفكر ٢/٨٨)

والمعتبر في الأيمان الألفاظ دون الأغراض. (البحر الرائق، كوئٹه ٤/٢٩٨، زكريا ٤/٥٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۱۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۱۱ھ

بہن بھائیوں سے نہ ملنے کی قسم کھانا؟

سوال [۷۴۲۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص محمد عظیم نے اپنے بہن بھائیوں سے نہ ملنے کی قسم کھائی ہے کہ اگر میں اپنے بہن بھائیوں سے ملوں تو اپنی اولاد سے زنا کروں، آج محمد عظیم کی والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا اور کچھ عزیز و اقرباء اس بات پر بضد ہیں کہ محمد عظیم اوراس کے بھائی بہن میں میل کرادیں، کیاایسی حالت میں میل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عظیم محلّہ اصالتپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد عظیم نے بڑی گندی قسم کھائی ہے چاہیے کہ وہ اپنے بھائی بہنوں سے میل جول کرلے اورایک کفارۂ قسم ادا کردے۔

عن أبی هريرة رضی الله قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم: من حلف علی يمين فرأى غيرها خيرا منها، فليأت الذی هو خير، وليكفر عن يمينه.

(صحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا، فرأى غيرها ...... النسخة الهندية ۴۸/۲ بيت الأفكار رقم: ۱۶۴۹)

عن سعيد بن المسيب أن أخوين من الأنصار كان بينهما ميراث، فسأل أحدهما صاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتنی القسمة، لا أكلمک أبدا، كل مالی فی رتاج الكعبة، فقال عمر بن الخطاب رضی الله عنه: إن الكعبة لغنية عن مالک، كفر يمينک وكلم أخاک، فإنی سمعت رسول الله صلی الله علیہ وسلم يقول: لايمين عليک، ولا نذر فی معصية الرب، ولا فی قطيعة الرحم، ولا فيما لا تملک. (المستدرك، كتاب الأيمان، دار البشائر الإسلامية ۲۷۸۹/۸ رقم: ۷۸۲۳، سنن أبی داؤد، الأيمان والنذور، باب فی قطيعة الرحم، النسخة الهندية ۴۷۱/۲، دار السلام رقم: ۳۲۷۲)

من حلف على معصية مثل أن لا يصلى أو لا يكلم أباه أو ليقتلن فلانا ينبغى أن يحنث نفسه و يكفر عن يمينه. (هدايه، كتاب الأيمان، باب مايكون يمينا و مالايكون يمينا، اشرفى ۲/ ٤٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر شوال المکرّم ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۶۲)

تمہارے یہاں کھایا تو سور کا گوشت کھایا

سوال [۷۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی نے غصہ کی حالت میں اپنے لڑکے سے کہا کہ تمہارے یہاں اگر کھانا کھایا تو سور کا گوشت کھایا تو کیا کفارہ ہوگا؟

المستفتی: عبید الرحمٰن سنگا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے بندہ کو حرام کرنے اور حرام کہنے سے وہ چیز حرام نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنی جگہ بعینہٖ حلال ہی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿**يَا اَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ**.[التحريم: ۱]﴾

لہٰذا سوالنامہ میں یہ جو کہا گیا ہے کہ اگر تمہارے یہاں کھانا کھایا تو سور کا گوشت کھایا، اس سے نہ کھانا کھانا اس کے حق میں حرام ہوگا اور نہ ہی قسم منعقد ہوگی، اور نہ ہی کفارہ لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۱۶۲، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۲)

لو قال إن أكلت هذا الطعام فهو علي حرام فأكله فلا حنث عليه. (شامی، كتاب الأيمان، مطلب: فی تحريم الحلال، زكريا ٥/ ٥٠٨، كراچی ٣/ ٧٢٩)

ولو قال: هو يأكل الميتة إن فعل كذا لايكون يمينا. (تاتارخانية،

الأیمـان، الفصل الثانی، ألفاظ الیمین، کوئٹه ٤/٤٢٣ زکریا ٦/٢٠ رقم: ٨٧٤٨، المحیط البرهانی المجلس العلمی ٦/٧١ رقم: ٦٧٧٢)

التعلیق بما تسقط حرمته بحال ما کالمیتة والخمر، والخنزیر لایکون یمینا . (البحر الرائق، الأیمان، زکریا ٤/٤٨٣ کوئٹه ٤/٢٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۸۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۲۶ھ

بیٹی کے گھر نہ جانے کی قسم توڑنے پر کفارہ

سوال [۷۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی شادی شدہ لڑکی سے لڑائی کے دوران کہا ''قسم کھاتا ہوں اللہ پاک کی کہ میں تیرے گھر پر نہیں جاؤں گا'' اب اگر باپ قسم توڑتا ہے بیٹی کے گھر پر جاتا ہے تو اس کا کفارہ کیا دینا پڑیگا، روزہ رکھا جائیگا یا صدقہ دینا پڑیگا؟ پہلے لڑکی کے گھر جایا جائے یا کفارہ دیا جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کفارہ لڑکی کے گھر جانے سے پہلے واجب نہیں ہوگا اور کفارہ ادا کرنے میں تفصیل یوں ہے کہ دس فقیروں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا یا اس کی قیمت یا دس فقیروں کو جوڑے دیدیئے جائیں، یا غلام آزاد کردیا جائے، ان امور میں اختیار ہے جو چاہے اختیار کرسکتا ہے لیکن اگر ان میں سے کسی کی بھی طاقت نہیں ہے تب تین روزہ رکھنے کی اجازت ہوگی، اب صاحب معاملہ خود ہی سمجھ لے کہ وہ دس فقیروں کو کھانا یا اس کی قیمت دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر دے سکتا ہے تو روزہ رکھنا کافی نہیں۔ (مستفاد: معارف القرآن ۳/۲۲۳)

﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ

اِذَا حَلَفْتُمْ . [المائدة: ٨٩] ﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۲۳۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۳/۱۴۱۴ھ

بھائی سے نہ بولنے کی قسم کھانا

سوال [۷۴۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیوی مجھ سے لڑتی ہے غلط الفاظ بولتی، طرح طرح کے جھوٹے الزام لگاتی ہے، کئی مرتبہ مجھے مارا بھی ہے، محلّہ والوں نے کئی بار فیصلہ بھی کردیا، مگر وہ اپنی ان عادات سے باز نہیں آئی، اور ایک میرا حقیقی بھائی ہے، اس کی بیوی کو میرے اوپر الزام لگاتی ہے کہ تیرا تعلق اس سے ناجائز ہے، اور یہ کہتی ہے کہ تم اپنے بھائی کو چھوڑ و میں تمہارے بھائی سے نہیں ملنے دوں گی، اس بارے میں کئی آدمیوں کے سامنے مجھے مجبوراً قسم دلائی، اور میں نے قسم کھالی کہ میں اپنے بھائی سے نہیں بولوں گا، یا اس کے بچوں سے بھی نہیں بولوں گا، اس قسم سے کیا کفارہ ہوتا ہے؟ کیونکہ میں اپنے بھائی سے بولنا چاہتا ہوں، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: ذاکر حسین ولد شوکت حسین محلّہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: آپ اپنے بھائی سے بول لیں اس کے بعد دس مسکینوں کو دونوں وقت کفارہ میں کھانا کھلا دیں اس کے بعد بولنے میں گنہگار نہیں ہوں گے۔

عن أبی هريرة رضی الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حلف على يمين فرأى غيرها خيرا منها، فليأت الذى هو خير، وليكفر عن يمينه.

(صحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا، فرأى غيرها ...... النسخة الهندية ٢/ ٤٨، بيت الأفكار رقم: ١٦٤٩)

عـن سـعيد بن المسيب أن أخوين من الأنصار كان بينهما ميراث، فسأل أحـدهـمـا صـاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتنى القسمة، لا أكلمك أبدا، كل مالى فى رتاج الكعبة، فقال عمر بن الخطاب رضى الله عنه: إن الكعبة لغنية عـن مـالك، كفر يمينك و كلم أخاك، فإنى سمعت رسول الله ﷺ يقول: لايمين عليك، ولا نذر فى معصية الرب، ولا فى قطيعة الرحم، ولا فيما لا تملك.

(المستدرك، كتاب الأيمان، دار البشائر الإسلامية ٨/٢٧٨٩، رقم: ٧٨٢٣، سنن أبى داؤد، الأيمان والنذور، باب فى قطيعة الرحم، النسخة الهندية ٢/٤٧١، دار السلام رقم: ٣٢٧٢)

مـن حلف على معصية مثل أن لا يصلى أو لا يكلم أباه أو ليقتلن فلانا يـنبـغـى أن يحنث نفسه و يكفر عن يمينه لقوله عليه السلام: من حلف على يـمـيـن و رأى غيـرهـا خيـرا مـنها فليأت بالذى هو خير ثم ليكفر عن يمينه.

(هدايه، كتاب الأيمان، باب مايكون يمينا و مالايكون يمينا، اشرفى ٢/٨٢)

اگر کھانا کھلانے کی صورت نہ ہوتو دس مساکین میں سے ہر ایک کو ایک صدقہ فطر کی قیمت دیدیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۶۹۶)

دیورانی اور جیٹھانی کا آپس میں نہ بولنے کی قسم کھانا

سوال [۷۴۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو عورتیں جو کہ قریبی رشتہ دار یعنی دیورانی جیٹھانی ہیں، آپس میں جھگڑے کی شدت میں دیورانی نے قسم کھالی کہ میں تم سے کبھی نہ ملوں گی، لیکن ایک شادی کے موقع پر حالات ایسے بنے کہ لڑائی ختم کرکے ملنا پڑ گیا وہ بھی اس طرح کہ جیٹھانی اور اس کے شوہر دیورانی کے پاس گئے اور کہا کہ کشیدگی ختم کرنے کے لیے تمہاری قسم کا کفارہ ادا کریں گے لہٰذا

براہ کرم آگاہ فرمائیں کہ اس طرح قسم کھالینے سے کیا کفارہ ادا کرنا ہوگا ؟

المستفتی: عبداللطیف مغل پورہ اول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دیورانی اگر جیٹھانی سے بولے گی تو کفارہ قسم ادا کرنا ہوگا ، اور کفارۂ قسم دس مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا یا اس کی قیمت ادا کرنا ہے۔

﴿فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ . [المائدة: ۸۹]﴾

عن سعيد بن المسيب أن أخوين من الأنصار كان بينهما ميراث، فسأل أحدهما صاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتنى القسمة، لا أكلمك أبدا، كل مالى فى رتاج الكعبة، فقال عمر بن الخطاب رضى الله عنه: إن الكعبة لغنية عن مالك، كفر يمينك وكلم أخاك، فإنى سمعت رسول الله ﷺ يقول: لايمين عليك، ولا نذر فى معصية الرب، ولا فى قطيعة الرحم، ولا فيما لا تملك . (المستدرك، كتاب الأيمان، دار البشائر الإسلامية ۸/۲۷۸۹ رقم: ۷۸۲۳، سنن أبى داؤد، الأيمان والنذور، باب فى قطيعة الرحم، النسخة الهندية ۲/۴۷۱ دار السلام رقم: ۳۲۷۲)

ومن حلف لا يكلم فلانا فكلمه، وهو بحيث يسمع إلا أنه نائم حنث . (هدايه، كتاب الأيمان، باب اليمين فى الكلام، اشرفى ۲/۴۹۳)

وكفارة اليمين (إلى قوله) وإن شاء أطعم عشرة مساكين كالإطعام فى كفارة الظهار. (هدايه اشرفى ۲/ ۴۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۷۵)

بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا

سوال [۷۴۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ بیوی سے صحبت نہیں کروں گا، دو ماہ اس پر کاربند رہا اس کے بعد صحبت شروع کردی، اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: افضال احمد کٹگھر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں شخص مذکور پر اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔

﴿ **لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ.** [المائدة: ۸۹] ﴾

عن عدى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا حلف أحدكم على اليمين، فرأى غيرها خيرا منها، فليكفرها، وليأت الذى هو خير. (صحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا فرأى ...... النسخة الهندية ۴۸/۲، بيت الأفكار، رقم: ۱۶۵۱)

والمنعقدة ما يحلف على أمر فى المستقبل أن يفعله أو لا يفعله وإذا حنث فى ذٰلک لزمته الكفارة. (هدايه، كتاب الأيمان، اشرفى ۴۷۸/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۸؍ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۶۸)	۱۴۱۰/۱۲/۲۸ھ

گھر کھانا نہ کھانے کی قسم کھانا

سوال [۷۴۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے قسم کھائی کہ گھر کھانا نہیں کھاؤں گا چھ ماہ تک نہیں کھایا، اس کے بعد

کھانا شروع کر دیا، اس کے لیے شریعت میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: افضال احمد کٹگھر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اب بعد میں جب گھر میں کھانا کھالیا ہے تو اپنی قسم کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہو چکا ہے، اور آئندہ ہمیشہ گھر کھانا کھا سکتا ہے، اور کفارہ دس فقیروں کو جوڑا یا دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا یا اس کی قیمت ادا کرنا ہے۔

﴿ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ. [المائدة: ٨٩] ﴾

ومنعقدة ما يحلف على أمر في المستقبل أن يفعله أو لا يفعله و إذا حنث في ذٰلك لزمته الكفارة. (هدايه، كتاب الأيمان، اشرفي ٢/ ٤٧٨)

وإن شاء كسا عشرة مساكين كل واحد ثوبا فما زاد و أدناه مايجوز فيه الصلاة و إن شاء أطعم عشرة مساكين كالإطعام في كفارة الظهار. (هدايه، الأيمان باب ما يكون يمينا و مالايكون يمينا، اشرفي ٢/ ٤٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴؍ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۶۳)

حلال جانور کے گوشت کو اپنے اوپر حرام کرنا

سوال [۷۴۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص غصہ کی حالت میں حلال جانور کے گوشت کے بارے میں کہہ دے کہ خنزیر کا گوشت کھاؤں، اگر میں اس گوشت کو کھاؤں تو وہ کس طرح گوشت کھائے، قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا ہوگا؟

المستفتی: منظور احمد امام مسجد باز ید پور میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کسی حلال چیز کوحرام کرنے سے حرام نہیں ہوتی بلکہ یہ قسم ہوجاتی ہے، جب کھائے گا تب اس پر کفارۂ یمین واجب ہوجائیگا، یعنی دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھرکھانا کھلانا یا کپڑا ایک ایک جوڑا دینا۔

﴿يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاةَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ،قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ. [التحريم: ١-٢]﴾

﴿وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ . [المائدة: ٨٩]﴾

تحريم الحلال يمين. (المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ٧٠)

ومنها أن يحرم على نفسه شيئا حلالا كأن يقول هٰذا الطعام علي حرام فإنه لا يحرم عليه ولكن إن أكله تلزمه كفارة اليمين. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، دار الفكر ٢/ ٧٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۸۵)

قسم کھائی کہ اگر اس لڑکی سے شادی نہ ہوئی تو کبھی شادی نہ کرونگا

سوال [۷۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکے نے ایک لڑکی کے سامنے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ اگر تم سے میری شادی نہیں ہوئی تو زندگی بھر اپنی شادی نہیں کروں گا، لیکن اب وہ لڑکا اس لڑکی کی شادی کسی دوسرے کے ساتھ ہوجانے پر اپنی شادی بھی کسی دوسری لڑکی کے ساتھ کرنا چاہتا ہے اب جو اس نے قسم کھائی تھی اس سلسلے میں وہ کیا کرے؟

المستفتی: محمد یونس محلہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی دوسری لڑکی کے ساتھ پہلے نکاح کرلے اوراس کے بعد قسم کا کفارہ ادا کردے اور کفارہ میں دس غریبوں کو کھانا کھلا دینا کافی ہے، اور کھانے کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔

﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ. [المائدة: ۸۹]﴾

عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حلف على يمين، فرأى خيرا منها، فليأت الذى هو خير، وليكفر عن يمينه. (مسند أحمد بن حنبل ۲/۲۰٤، رقم: ٦٩٠٧)

حلف لا يتزوج النساء فتزوج امرأة يحنث. (فتاویٰ عالمگیری، الأيمان، الباب الثامن فى اليمين فى البيع والشراء والتزوج، زكريا قديم ۲/۱۱۸، جديد ۲/۱۲۸، مبسوط، دار الكتب العلمية بيروت ۹/۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۲۱/۲۶)

کسی عورت سے نکاح کی قسم کھانے کے بعد عورت کا دوسرے سے نکاح ہوجانا

سوال [۷۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو ہندہ نے قسم کھلائی کہ تم کو مجھ سے شادی کرنی ہوگی اور ہندہ نے زید کو قرآن کی قسم کھلائی اور زید نے قسم کھالی، اب ہندہ کی شادی دوسری جگہ ہوگئی اب زید پریشان ہے کہ میں نے جو قسم کھائی ہے اس کا کیا ہوگا؟ اس کے کفارہ دینے کی کیا صورت ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے مطابق زید کو ہندہ ہی نے قسم کھلائی

ہے جس میں ضمناً قسم کا تعلق ہندہ کی رضامندی اور ہندہ کے داعیہ کے ساتھ معلق ہے، اور اب جب ہندہ کی رضامندی باقی نہیں رہی اور اس نے دوسری جگہ نکاح کرلیا ہے اور زید آخر تک نکاح پر آمادہ رہا ہے تو زید حانث نہ ہوگا اور زید پر کفارہ بھی لازم نہ ہوگا، ہاں البتہ اگر زید نے بعد میں ہندہ کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کردیا ہوتا اور ہندہ نے زید کے انکار کرنیکی وجہ سے دوسری جگہ نکاح کیا ہوتا تو حکم دوسرا ہوتا۔

كما استفاده من الفتح: ومن حلف ليهبن عبده لفلان فوهبه ولم يقبل بر في يمينه والأصل أن إسم عقد المعاوضة كالبيع والإجارة والصرف والسلم والنكاح والرهن والخلع بإزاء الإيجاب والقبول معا. (فتح القدير، الأيمان، باب اليمين في تقاضي الدرهم، دار الفكر ٥/٢٠٢-٢٠٣، زكريا ٥/١٨٩، كوئٹه ٤/٤٦٨، الدر مع الرد كراچی ٣/٨٤٥-٨٤٦، زكريا ديوبند ٥/٦٧١-٦٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣ ر جمادی الثانیہ ١٤١٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٨/٢٧٣٣)

دوسری شادی نہ کرنے کی قسم کھانے کے بعد دوسری شادی کرنا

سوال [٧٤٣٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص کسی کا شرعی حق ادا نہ کرے تو دوسرا فریق غلط بیان اور کسی طریقہ سے اپنا حق وصول کرلے تو اس میں کیا کوئی گناہ ہوگا، مثلاً کسی عورت کی کوئی جائیداد ہے، جو خاص عورت ہی کے نام ہے، شوہر اس کا کرایہ لے لے عورت کو نہ دے، اور اگر عورت جائیداد فروخت کرنا چاہے تو اس پر بھی شوہر اپنی ناراضگی کا اظہار کرے جبکہ شوہر اپنی پہلی عورت کی زندگی میں دوسرا نکاح کرچکا ہے بغیر کسی شرعی مجبوری کے صرف نئی اور پرانی کے چکر میں باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ذریعہ معاہدہ کرچکا ہو کہ تمہاری زندگی میں ایسا نہیں ہوگا، ان تمام حالات کو مد

نظر رکھتے ہوئے عورت اپنا حق کرایہ کسی طرح لے لے تو کیا کوئی مضائقہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کو اپنی جائیداد میں مالکانہ تصرف کا حق ہر وقت ہے، چاہے آپ فروخت کردیں یا کرایہ وصول کرلیں۔

المالک هو المتصرف فی الأعيان المملوكة كيف شاء الخ.

(بيضاوی شريف، رشيديه ١/ ٧)

ہاں البتہ شوہر سے مشورہ لینا مستحسن ہے، رہا شوہر کا دوسری بیوی سے شادی کرنا سو اس کو ہر وقت اختیار ہے اس میں آپ کو اعتراض کا حق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے شوہر کو اجازت ہے۔

﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ. [النساء:٣]﴾

اگر شوہر نے کتاب اللہ ہاتھ میں لے کر قسم کھائی ہے تو قسم توڑنے کی بنا پر کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

عن أبی هريرة رضی الله قال قال رسول الله ﷺ: من حلف على يمين فرأى غيرها خيرا منها، فليأت الذی هو خير، وليكفر عن يمينه وليفعل. (سنن الترمذی، الأيمان، باب ما جا فی الكفارة قبل الحنث، النسخة الهندية ١/ ٢٧٩، دار السلام رقم: ١٥٣٠)

من حرم على نفسه شيئا مما يملكه لم يصر محرما و عليه إن استباحه كفارة يمين. (هداية، كتاب الأيمان، باب ما جاء مايكون يمينا ومالا يكون يمينا، اشرفی ٢/ ٤٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٩ ربیع الاول ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢١٦٠/٢٦)

لڑکے کا شادی نہ کرنے کی قسم کھا کر شادی کرنا

سوال [٧٤٣٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک لڑکا ایک لڑکی سے پیار کرتا تھا جب لڑکی کی دوسری جگہ شادی ہونے لگی تو لڑکے نے اس لڑکی کے سامنے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ اگر تم نے مجھ سے شادی نہیں کی تو میں زندگی بھر کسی دوسری لڑکی سے شادی نہیں کروں گا، لڑکی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اس نے دوسری جگہ شادی کرلی، لڑکی کی بے وفائی کو دیکھتے ہوئے کافی عرصہ کے بعد لڑکے نے بھی شادی کرلی اب لڑکے نے جو قسم قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر کھائی تھی اس کے لیے وہ لڑکا کیا کرے؟

المستفتی: محمد یونس اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: صورت مذکورہ میں قسم کھانے والے لڑکے کا نکاح دوسری لڑکی کے ساتھ ہو چکا ہے لیکن قسم توڑنے کی وجہ سے اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے، اور قسم کا کفارہ دس فقیروں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے یا اس کی قیمت دینا ہے۔

﴿وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ. [المائدة: ۸۹]﴾

المنعقدة ما يحلف على أمر في المستقبل أن يفعله أو لا يفعله و إذا حنث في ذٰلك لزمته الكفارة. (هدايه، كتاب الأيمان، اشرفى ۲/ ۴۷۸)

عن عدى قال: قال رسول الله ﷺ: من حلف على يمين، فرأى غيرها خيرا منها، فليأت الذى هو خير وليكفر عن يمينه. (صحيح مسلم، الأيمان والنذور، باب ندب من حلف على...... النسخة الهندية ۲/ ۴۸ بيت الأفكار رقم: ۱۶۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۲۵)

ہندوستان میں نہ رہنے کی قسم کھانا

سوال [۷۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک شخص کے لڑکوں میں آپس میں لڑائی کی نوبت آ گئی، شخص مذکور کے سامنے لڑائی تو اللہ تعالیٰ نے ٹال دی، مگر شخص مذکور کو بہت صدمہ ہوا، اسی صدمہ میں اس نے تین مرتبہ ان الفاظ میں قسم کھالی ''قسم اللہ کی مجھے ہندوستان میں نہیں رہنا ہے'' لہٰذا قسم مذکور کا کفارہ تحریر فرمادیں، کیونکہ شخص مذکور کا ارادہ بدل گیا ہے، اب شخص مذکور ہندوستان میں رہنا چاہتا ہے؟

المستفتی: عبدالعزیز برتن بازار شاہی مسجد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شخص مذکور نے اپنی قسم کے خلاف ہندوستان میں رہنے کا ارادہ کرلیا ہے تو اس پر کفارۂ قسم واجب ہو چکا ہے۔

كما استفاده من الشامي: و تنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا.

(شامی، کراچی ۳/۳۵۵، زکریا ٤/٦٠٩)

(وقوله) حلف لا يسكن هذه الدار (إلى قوله) إنما يُعدُّ ساكنا إذا كان قصده العود. (شامی، کراچی ۳/۷۵۲، زکریا ٥/٥٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۸/۲۴)

ہندو کے قتل کی قسم کھانا

سوال [۷۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ۸۰ء میں ایک ہندو شخص کو جان سے مارنے کی قسم کھائی تھی، اب وہ ہندو گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے ایسی صورت میں اپنی قسم کا کفارہ کس طرح ادا کروں؟

المستفتی: محمد جاوید قاضی ٹولہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عن عدی بن حاتم قال: قال رسول الله

ﷺ: **من حلف على يمين، فرأى غيرها خيرا منها، فليأت الذى هو خير وليكفر عن يمينه.** (صحيح مسلم، الأيمان والنذور، باب ندب من حلف على...... النسخة الهندية ٢/٤٨ بيت الأفكار رقم: ١٦٥١)

ومن حلف على معصية كعدم الكلام مع أبويه أو قتل فلان وإنما قال اليوم لأن وجوب الحنث لا يتأتى الا فى اليمين المؤقتة أما المطلقة فحنثه فى آخر حياته فيوصى بالكفارة بموت الحالف ويكفر عن يمينه بهلاک المحلوف عليه غاية وجب الحنث والتكفير لأنه أهون الأمرين. (درمختار، كتاب الأيمان، كراچى ٣/٧٢٨، زكريا ديوبند ٥/٥٠٦-٥٠٧)

ومن حلف على معصية مثل أن لا يصلى أو لا يكلم أباه أو ليقتلن فلانا ينبغى أن يحنث نفسه و يكفر عن يمينه. (هدايه، باب مايكون يمينا و مالا يكون يمينا، اشرفى ٢/٤٨٢)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرنے کی قسم کھالے تو اس قسم کا توڑنا اور کفارہ دینا لازم ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں قسم کھانے والے کو چاہیے کہ وہ مذکورہ ہندو کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کردے، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے، کفارہ کی ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلادے یا ان کو کپڑے پہنادے یا ان کی قیمت لگا کر الگ الگ مسکینوں کو دیدے، اگر کھانا کھلانے اور کپڑے پہنانے کی طاقت نہ ہو، تو تین دن کے لگاتار روزے رکھے۔

وكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين أو كسوتهم بما يستر عامة البدن و إن عجز عنها وقت الأداء صام ثلاثة أيام ولاء. (تنوير مع الدر، كتاب الأيمان ٥/٥٠٢-٥٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۱/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰۲۲/۲۶)

قسم کا کفارہ

سوال [۷۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے پڑوس میں میا بیوی میں نا اتفاقی چل رہی تھی، بقرعید کا ٹائم تھا، عورت نے قسم کھائی کہ میں عید کے دن نہ پکاؤں گی، اور نہ کھاؤں گی، میں کچھ پکاؤں یا کھاؤں تو اپنے بچوں کا گوشت پکاؤں، لہٰذا سب نے کہہ سن کر مغرب کے بعد کھانا کھلا دیا اس میں بقرعید کا گوشت تھا، دن میں اس نے کچھ نہیں پکایا، دوسرے دن قربانی بھی ہوئی، اور اس نے پکایا بھی کھایا بھی، سب نے کہا اس کا کفارہ چلا جائیگا، اس نے تین دن کی قسم کھائی تھی کہ بقرعید کا گوشت نہیں پکاؤں گی، بقرعید کے دن تو سب نے یہ کہہ کر کھلا دیا کہ اب بقرعید کا دن ختم ہو گیا مغرب کے بعد دوسرا دن شروع ہو جاتا ہے لیکن اس نے پکایا نہیں تھا اور جگہ سے آیا ہوا تھا، تو اب اس کا کفارہ کیا ہوگا؟

المستفتی: قاری سلامت جان، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قسم کے بعد بقرعید کی شام کو گوشت کھانے کی وجہ سے قسم ٹوٹ گئی ہے اس کا کفارہ دس مسکین کو کھانا کھلانا ہے، یا اس کا پیسہ الگ الگ دس فقیروں کو دینا ہے، ایک فقیر کو ایک صدقۂ فطر کی قیمت دیدی جائے۔

﴿**وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ.**﴾ [المائدة: ۸۹]

وإن شاء أطعم عشرة مساكين كالإطعام في كفارة الظهار. (هداية، الأيمان، باب ما يكون يمينا و مالايكون يمينا، اشرفی ۲/ ۴۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۸۷)

۱۵۰ مرتبہ قسم توڑنے کا کفارہ

سوال [۷۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قسم کھائی کہ فلاں حرام کام نہیں کروں گا لیکن اس حرام کام کو غالباً ۱۵۰ مرتبہ کیا تو اس کا کفارہ کتنا ہوگا؟

المستفتی: محمد رفیع کاشی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سب کا ایک کفارہ ادا کرنا کافی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/ ۸۸)

كفارات الأيمان، إذا كثرت تداخلت، ويخرج بالكفارة الواحدة عن عهدة الجميع، وقال شهاب الأئمة: هذا قول محمد، قال صاحب الأصل: هو المختار عندي. (شامي، كتاب الأيمان، مطلب: تتعدد الكفارة لتعدد اليمين، زكريا ٥/ ٤٨٦، كراچی ٣/ ٧١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ شوال ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۱۰/ ۱۴۱۷ھ

کفارۂ قسم ادا کرنے کا طریقہ

سوال [۷۴۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے غصہ میں قسم کھائی تھی کہ میں گھر نہیں جاؤں گا، تو ان کے عزیز ان کو پکڑ کر لے آئے گھر کے اندر، لہٰذا قسم ٹوٹ چکی ہے، اب کفارہ ادا کرنا ہے وہ کیسے ادا کریں، کیونکہ اس سے پہلے کفارہ کے متعلق معلوم کیا تھا، تو آپ نے فرمایا تھا کہ پانچ آدمی صبح کو اور پانچ شام کو کھلا دیں، لیکن گھر پر کھانے کا کوئی بند و بست نہیں اب کیا کریں، کیا کھانے کی

قیمت لگا کر دام بانٹ دیئے جائیں، یا روزہ رکھ لے، اور کتنے رکھے جائیں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قسم کے کفارہ میں دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا یا دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا ہے، البتہ گھر میں کھانے کا بندوبست نہ ہونے کی صورت میں دس مسکینوں کو دو وقت کے کھانے کی قیمت ادا کرنے کی شرعاً اجازت ہے، پانچ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی جو بات ہے وہ صحیح نہیں ہے، اور مالی کفارہ ادا کرنے کی استطاعت رکھتے ہوئے روزہ رکھ کر کفارہ ادا کرنا جائز نہیں۔

﴿ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ. [المائدة: ٨٩] ﴾

ولو غدى مسكينا و أعطاه قيمة العشاء أجزأه و كذا إذا فعله فى عشرة مساكين.

(شامی، كتاب الأيمان، مطلب: كفارة اليمين زكريا ٥٠٣/٥، كراچی ٧٢٦/٣، الجوهرة النيرة، دار الكتاب ديوبند ٢٧٨/٢، كوئٹه ٢٩٢/٢، هنديه، زكريا قديم ٦٣/٢، جديد ٦٩/٢)

وإن عجز عنها كلها وقت الأداء صام ثلاثة أيام ولاء. (در مختار مع الشامی زكريا ٥٠٥/٥، كراچی ٧٢٧/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ر صفر المظفر ١٤٢٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٤/٦٠١٧)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٦/٢/١٤٢٠ھ

دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کی شکل

سوال [٧٤٤١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (١) قسم کا کفارہ دس آدمیوں کو کھانا کھلانا ہے اگر دس آدمیوں کو دو پہر اور دس آدمیوں کو رات میں کھلایا جائے تو اس طرح دونوں وقت کی خوراک ایک مانی جائیگی یا ایک

ہی وقت کی خوراک دس آدمیوں کو کھلائی جائے، کیا ایک ہی دن میں دس مسکینوں کو کھلائی جائے گی یا وقفہ وقفہ سے ایک یا دو مسکین کو کھلائی جائے؟

(۲) خدا کو راضی کرنے کے لیے کوئی چیز بتادیں جبکہ میں توبہ نفل واستغفار کی کثرت بھی رکھتا ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قسم کا کفارہ دس مسکینوں میں سے ہر ایک مسکین کو صدقۂ فطر کی مقدار غلہ دینا ہے، یا اگر کھانا کھلایا جائے تو دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے، لیکن اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جنہیں صبح کو کھلایا ہے شام کو بھی انہیں کو کھلانا لازم ہے اگر شام کو دوسرے کو کھلائیں گے تو کفارہ ادا نہیں ہوگا، اس لیے آسان شکل یہی ہے کہ الگ الگ دس مسکینوں کو دونوں وقتوں کے کھانے کا پیسہ دیدیا جائے اور خدا کو راضی کرنے کے لیے کثرت کے ساتھ ذکر واستغفار کیا جائے اور ساتھ میں اللہ سے امید رکھی جائے۔

أو إطعام عشرة مساكين، قال في الشامية: وفي الإطعام إما التمليك أو الإباحة فيعشيهم ويغديهم (إلى قوله) وإذا غدى مسكينا وعشى غيره عشرة أيام لم يجزه لأنه فرق طعام العشرة على عشرين كما إذا فرق حصة المسكين على مسكينين (وقوله تحقيقا أو تقديراً) حتى لو أعطى مسكينا واحدا في عشرة أيام كل يوم نصف صاع يجوز. (شامی، زكريا ٥/٥٠٣، كراچی ٣/٧٢٦، ونحوه في التاتارخانية ٦/٣٠٣)

ويجوز دفع القيمة ...... ولو غداهم و عشاهم في يوم واحد أو عشاهم في يوم آخر أو غداهم في يومين أو غداهم و أعطاهم قيمة عشائهم الخ. (تاتارخانية ٦/٣٠٢-٣٠٣، رقم: ٩٤٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۵/۱۴۳۴ھ

قسم کی خلاف ورزی اور کفارہ کا مستحق

سوال [۷۶۶۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے کسی شخص کے روبرو قسم کھائی اور پھر اپنی قسم توڑ دی تو قسم کے کفارہ کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ اور قسم کے کفارہ کے لیے غرباءزیادہ مستحق ہیں یا مدرسہ کے طلباء؟

المستفتی: محمد قمر سلیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قسم کھانے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا گناہ ہے ہاں البتہ خلاف پہلو میں خیر غالب ہو تو قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا حلال اور جائز ہے، اس میں گناہ بھی نہیں اور قسم کے کفارہ کا پیسہ غرباء اور مدرسہ کے طلباء میں سے جس کو چاہیں دے سکتے ہیں، البتہ غریب طلبہ کو دینے میں زیادہ فضیلت ہے، اس لیے کہ کفارہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ دینی علوم کا تعاون بھی ہو جاتا ہے۔

عن عدی بن حاتم قال: قال رسول الله ﷺ: إذا حلف أحدکم علی الیمین فرأی غیرها خیرا منها، فلیکفرها ولیأت الذی هو خیر. (صحیح مسلم، الأیمان، باب ندب من حلف یمینا، النسخة الهندیة ۲/۴۸، بیت الأفکار رقم: ۱۶۵۱)

وکره نقلها إلا إلی قرابة أو أحوج أو من دار الحرب إلی دار الإسلام أو إلی طالب علم، وفی المعراج: التصدق علی العالم الفقیر أفضل. (شامی، زکریا ۳/۳۰۴، کراچی ۲/۳۵٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۶/ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۵۱/۳۶)	۱۴۲۳/۱۱/۱۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲ باب النذور

کیا محض دل میں ادارہ کر لینے سے نذر منعقد ہو جاتی ہے؟

سوال [۷۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی کی طبیعت ناساز ہوگئی تھی میں نے دل ہی دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب اس کو شفاء عطا فرمائیں گے تو کچھ روپیہ صدقہ کروں گا، اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرما دی، لہٰذا اس وقت محلّہ کی مسجد میں تعمیری کام جاری ہے، یہ روپیہ اگر مسجد میں دیدوں تو صدقہ ادا ہو جائے گا؟ اگر ادا نہیں ہوگا تو صحیح مصرف تحریر فرما دیں؟

المستفتی: محمد علی مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض دل میں ارادہ کر لینے سے نذر منعقد نہیں ہوتی، بلکہ زبان سے کہنا بھی ضروری ہے۔

النذر لا تكفى فى إيجابه النية بل لابد من التلفظ به. (الأشباه والنظائر ص: ۸۹)

لہٰذا مذکورہ صورت میں صدقہ واجب نہیں ہوگا، ہاں دل میں ارادہ کے ساتھ زبان سے بھی کہا ہے تو واجب ہے، اور کسی نادار فقیر کو دینا ضروری ہے، مسجد میں جائز نہیں ہے۔

فركن النذر: هو الصيغة الدالة عليه، وهو قوله: لله عز شانه على كذا، أو عليّ كذا، وهذا هدي، أو صدقة، أو مالي صدقة أو ما أملك صدقة أونحو ذٰلک. (بدائع الصنائع، كتاب النذر، زكريا ديوبند ٤/٢٢٦، دار الكتب العلمية بيروت ٦/٣٣٣، كراچی ٥/٨١)

المسألة الأولى فى حقيقة النذر: وهو التزام الفعل بالقول مما

یکون طاعة لله عز وجل، من الأعمال قربة. (أحکام القرآن لابن عربی، دار الکتب العلمیة ۱/۳۵۲، کراچی ۲/۸۱، بحواله محمودیه ڈابھیل ۱۴/۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رمحرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۴۳)

کیا نذر پوری کرنا واجب ہے؟

سوال [۷۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شوگر کے مریض نے منت مانی کہ اگر اللہ مجھ کو اس مرض سے شفا عطا فرمادے تو میں حج کروں گا، ڈاکٹر مریض سے کہتا ہے کہ اب تمہارا شوگر اس مرحلہ میں ہے کہ تم کو اب دوا کی ضرورت نہیں، صرف کھانے پینے میں احتیاط کرنے سے شوگر کنٹرول میں رہے گا، کیا ایسی صورت میں حج کی ادائیگی واجب ہے یا نہیں؟

(۲) کیا مذکورہ حج کی ادائیگی خود کرنا ضروری ہے یا کسی دوسرے کے ذریعہ بھی کرانا جائز ہے؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اپنے مرض سے شفایابی کی شرط پر منت مان لینے کی صورت میں جب اللہ تعالیٰ اسے شفا دیدے تو اس پر اپنی منت کو پوری کرنا واجب ہو جاتا ہے، لہٰذا حج کی منت ماننے والا مریض جب شفایاب ہوگیا اور سفر حج پر قادر بھی ہے تو اب اس پر حج ادا کرنا واجب اور ضروری ہے۔

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ. [الحج: ۲۹]﴾

وكذا لو قال عليَّ حجة سواء كان النذر مطلقا أو معلقا بشرط بأن قال إن فعلت كذا فلله عليَّ أن أحج حتى يلزمه الوفاء إذا وجد الشرط. (عالمگیری، کتاب الحج، الباب السابع عشر فی النذر بالحج زکریا قدیم ۱/۲۶۲ جدید ۱/۳۲۷)

(۲) جب منت ماننے کی وجہ سے حج فرض ہوگیا تو اب خود اسے ادا کرنا بھی لازم ہو گیا، ہاں اگر وہ از خود کرنے پر قادر نہ ہو تو پھر اس حج فرض کو دوسروں کے ذریعہ کروانا بھی جائز ہے۔(مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۵۶۸)

وإنما شرط عجز المنوب للحج الفرض لا للنفل. (کنز الدقائق کتاب الحج، باب الحج عن الغير مكتبه مجتبائی دهلی ۹۴، هنديه زكريا قديم ۱/۲۵۷، جديد ۱/۳۲۱)

وقوله لله علي حجة سواء: لأن الحج لا يكون إلا لله تعالىٰ، وسواء كان النذر مطلقا أو معلقا بشرط بأن قال: إن فعلت كذا فلله علي أن أحج حتى يلزمه الوفاء به إذا وجد الشرط ولا يخرج عنه بالكفارة. (بدائع الصنائع كتاب الحج، بيان من نذر أن الحج زكريا ۲/ ۴۷۲-۴۷۳، كراچی ۲/ ۲۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۱۸)

نذر پوری کرنے کا شرعی حکم

سوال [۷۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک ہزار روپئے اپنے ساتھی کو بطور امانت رکھنے کے لیے دیئے کچھ دنوں بعد میرا ساتھی مجھ سے یہ کہتا ہے کہ رقم چوری ہوگئی، مگر چھان بین کے بعد وہ خود اقرار کرتا ہے کہ میں نے خرچ کر لیے تھے، اب مجھے رقم کی واپسی کی بہت ہی کم امید تھی، میں نے اسی دوران نذر مانی کہ اے اللہ اگر میرا داخلہ فلاں مدرسہ میں ہوجاتا ہے تو وہ رقم جو میرے ساتھی کے پاس ہے، اگر اس نے دیدیا تو بغیر ثواب کی نیت کے غریبوں پر تقسیم کردوں گا، اب خدا کے فضل سے میرا داخلہ بھی مطلوبہ جگہ میں ہوگیا، اور میرے ساتھی نے رقم بھی واپس کردی، اب سوال یہ ہے کہ کیا نذر منعقد ہوگئی؟

(۲) میں نے نذر مانی کہ اے اللہ! اگر میرا فلاں مدرسہ میں داخلہ ہوگیا تو ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا، اب میرا داخلہ ہوگیا ہے، تو اب سوال ہے کہ مجھے روزے رکھنے پڑیں گے؟

المستفتی: پی زیڈ، اسلم کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مذکورہ صورت میں آپ کا فلاں مدرسہ میں داخلہ ہو جانے اور آپ کے ساتھی کا رقم واپس کر دینے کی وجہ سے نذر منعقد ہوگئی، لہٰذا واپس کردہ رقم غریبوں پر تقسیم کرنا ضروری ہے۔

من نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط و كان من جنسه واجب أى فرض وهو عبادة مقصودة ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر. (شامی، زکریا ۵/۵۱۵، کراچی ۳/۷۳۵)

(۲) نیز آپ کا مطلوبہ مدرسہ میں داخلہ ہوجانے کی وجہ سے روزے کی نذر بھی منعقد ہوگئی، اس لیے ایک ماہ کے روزے رکھنا آپ پر لازم ہے۔

من نذر وسمى فعليه الوفاء بما سمى (الحديث) كصوم و صلاة وصدقة لقوله تعالىٰ "وليوفوا نذورهم (الحج: ۲۹) . (شامی، زکریا ۵/۵۱۶، کراچی ۳/۷۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۴ھ

نذر مان کر اس سے رجوع کرنا

سوال [۷۴۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں ایک گائے مدرسہ میں طلبہ کو کھانے کے لیے دوں گا، پھر ایک سال تک وہ کام پورا نہیں ہوا، اتنے میں اس نے وہ حدیث سن لی کہ "**لاتنذروا فإن النذر لا يغني من القدر شيئا**" (نذر سے مقصود کے حصول اور عدم حصول میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے) تو اس نے اپنی منت سے رجوع کرلیا، پھر رجوع کے بعد سے دو سال بعد بفضلہ تعالیٰ وہ کام پورا ہوگیا تو کیا اب وہ منت پوری کرنی ضروری ہے یا نہیں؟ کیا کام پورا ہونے سے پہلے منت سے رجوع کرنا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: منت ماننے سے وہ لازم اور تام ہوجاتی ہے پھر کبھی بھی اس منت سے رجوع کرنے سے رجوع نہیں ہوتا ہے، لہٰذا زید نے جب منت مان لی ہے تو منت لازم ہوگئی ہے، پھر جب دو سال کے بعد مقصد پورا ہوگیا ہے تو نذر کا پورا کرنا لازم ہے۔

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ. [الحج: ۲۹]﴾

والنذر في معنى الطلاق والعتاق لأنه لا يحتمل الفسخ بعد وقوعه. (البحر الرائق كتاب الصوم فصل في النذر كوئٹه ٢/٢٩٦ زكريا ٢/٥١٨، التفسير المظهري زكريا ٦/٢٠٦)

والنذر ...... ولايحتمل الفسخ بعد وقوعه. (المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ٤٢/٢٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۴۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۷؍۱۴۲۳ھ

نذر میں ایک کام پر تین چیزوں کے معلق کرنے کا حکم

سوال [۷۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے نذر مانی کہ اگر میں فلاں گناہ کروں تو میرے ذمہ بیس رکعت نماز، پانچ سو روپیہ اور ایک ہفتہ کے روزے ہیں، مذکورہ مسئلہ میں مندرجہ ذیل باتیں معلوم کرنی ہیں:

(۱) مذکورہ مسئلہ میں زید نذر بھی پوری کرسکتا ہے اور کفارۂ یمین بھی دے سکتا ہے؟ مذکورہ نذر ایک شمار ہوگی یا تین؟

(۲) اگر ایک شمار ہوگی تو بیس رکعت ادا کرنے کے بعد بھی کفارۂ یمین دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے نذر کرتے وقت یہ نیت کی تھی کہ پانچ سو روپیہ اپنے پاس سے نکالنے

ہیں، مالدار کو بھی دے سکتا ہے؟ رفاہ عام لائبریری میں بھی خرچ کرسکتا ہے؟ یہ نیت لغو ہوگی یا پوری نذر لغو ہو جائے گی؟

المستفتی: محمد زبیر قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیس رکعت نماز، اور پانچ سو روپئے اور ایک ہفتہ کے روزے، ان تینوں چیزوں کو نذر کرتے وقت ایک چیز کے ساتھ معلق کردیا ہے، اس طریقے سے ایک شرط کے ساتھ متعدد چیزوں کو معلق کرنے کی صورت میں جب وہ شرط پائی جائے جس پر متعدد چیزوں کو معلق کیا گیا ہے تو وہ تمام چیزیں لازم ہو جاتی ہیں، لہٰذا مذکورہ صورت میں جب زید نے فلاں گناہ کرلیا ہے، تو اس کے اوپر بیس رکعت نماز بھی لازم ہو جائیں گی، پانچ سو روپیہ کا صدقہ کرنا بھی لازم ہو جائیگا، اور ایک ہفتہ کے روزے رکھنا بھی لازم ہو جائیگا، اور چاہے پانچ سو روپیوں کے بارے میں فقیروں کو دینے کی نیت نہ کی ہو، صرف جیب سے نکالنے کی نیت کی ہو تب بھی پانچ سو روپیہ فقیروں کو دینا لازم ہو جائیگا، مال داروں کو دینا یا رفاہ عام میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ نذر میں جو پیسہ دینا لازم ہو جاتا ہے وہ متعین نہ ہونے کی صورت میں فقیروں کو دینا لازم ہوتا ہے۔

روی ابن سماعة عن أبی یوسفؒ، إذا قال رجل امرأة زید طالق ثلاثا و رقیقه أحرار وعلیه المشی إلی بیت الله جل شانه إن دخل هذه الدار، فقال زید: نعم، کان کأنه قد حلف بذٰلک کله. (بدائع الصنائع، کتاب النذور، شروط النذور، زکریا ٤/٢٣٩، کراچی ٥/٨٩)

اور یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ صرف بیس رکعت نماز پڑھ لینا، پانچ سو روپئے اور ایک ہفتے کے روزے کی طرف سے کافی نہیں ہوگا، جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔

ویخرج عن العهدة بالوفاء بما سمی أیضا إذا کان شرطا لایرید کونه لأن فیه معنی الیمین وهو المنع وهو بظاهره نذر فیتخیر و یمیل إلی أی الجهتین شاء. (البحر الرائق کراچی ٤/٢٩٥، زکریا ٤/٤٩٦، هدایه اشرفی ٢/٤٨٣)

وفـي الشـامية: قـولـه: (مـصرف الزكاة والعشر) وهو مصرف أيضا لـصـدقة الفطر و الكفارة والنذر وغير ذٰلک من الصدقات الواجبة كما في القهستاني. (شامی زکریا ۳/۲۸۳، کراچی ۲/۳۳۹)

وأمـا بقية الصدقات المفروضة والواجبة كالعشر والكفارات والنذور وصـدقة الفطر فلا يجوز صرفها للغني لعموم قوله عليه السلام: لاتحل صدقة لغني. (البحر الرائق کوئٹه ۲/۲٤٥، زکریا ۲/٤۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۹ھ

کام پورا ہونے سے پہلے نذر پوری نہ ہوگی

سوال [۷۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے حرم شریف میں یوں کہا اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں حج کروں گا، زید گھر آ گیا، زید کا فلاں کام ابھی نہیں ہوا، کہ زید نے اپنے والد صاحب کو حج پر بھیج دیا اور اپنے دل میں یہ نیت کرلی کہ میں نے جو حرم شریف میں منت مانی تھی وہ پوری کر رہا ہوں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا فلاں کام پورا ہونے سے پہلے منت کی ادائیگی ہو جائیگی اور زید کو خود جانا چاہیے یا والد صاحب کے بھیجنے سے ادائیگی ہو جائے گی اور بعد میں جب فلاں کام ہو جائیگا تو دوبارہ منت کا پورا کرنا تو واجب نہیں ہوگا؟

المستفتی: عبد الرشید قاسمی سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے جو نذر مانی ہے کہ فلاں کام پورا ہونے کے بعد حج کرے گا تو اس کام کے پورا ہونے سے پہلے نذر پوری نہ ہوگی، لہٰذا باپ کو جو حج کو بھیجا ہے، اس کا تعلق نذر سے نہیں ہوسکتا، بلکہ جب کام پورا ہو جائیگا تو اسباب مہیا ہونے کی

صورت میں حج کرنا لازم ہوگا اور خود کے معذور ہونے کی صورت میں حج بدل کرانا لازم ہوگا۔

أجمع أصحابنا –رحمهم الله–: أن النذر بالعبادات إذا كان معلقا بالشرط و أداها قبل وجود الشرط لايجوز سواء كانت العبادة بدنية أو مالية. (تاتارخانية الأيمان، الفصل السادس والعشرون في النذور كوئٹه ٥/٥٠، زكريا ٦/٢٩٢ رقم: ٩٤٠٦)

ثم الوفاء بالمنذور به نفسه حقيقة إنما يجب عند الإمكان، فأما عند التعذر فإنما يجب الوفاء به تقديرا بخلفه لأن الخلف يقوم مقام الأصل، كأنه هو كالتراب حال علم الماء. (بدائع الصنائع زكريا ٤/٢٤٣، كراچی ٥/٩١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۲ھ

نذر پوری نہ ہونے پر بکروں کی قربانی کرنا

سوال [۷۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے دو بکرے پالے تھے اس نیت سے کہ بیوی بیمار ہے اس کا آپریشن ہونا ہے پیٹ میں پتھری ہے، تو آپریشن کے بعد بکروں کو ذبح کر کے خوشی کریں گے، لیکن اب آپریشن نہیں ہوا تو کیا ان بکروں کی قربانی عیدالاضحیٰ میں کرسکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: محمد داؤد بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب آپریشن نہیں ہوا ہے تو نذر بھی پوری نہیں ہوئی ،لہٰذا ان بکروں کو اب قربانی میں ذبح کرنا جائز اور صحیح ہو جائیگا۔

عن ثابت بن الضحاک أن رسول الله ﷺ قال: من حلف على ملة غير الإسلام فهو كما قال: وليس على ابن آدم نذر فيما لايملک. (صحيح البخاري، الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن، النسخة الهندية ٢/٨٩٣، رقم: ٥٨١٢، ف:٦٠٤٧)

لم یوجد النذر فی الملک ولا مضافا إلی سببه فلم یصح. (درمختار، کتاب الأیمان، قبیل باب الیمین فی الدخول والخروج، زکریا ۵/۵۲٦، کراچی ۳/۷٤۲، تبیین الحقائق مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۱۵۵، زکریا ۳/۵۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

نذر کی تکمیل کے لیے متعینہ مکان ضروری نہیں

سوال [۷۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے منت مانی کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو دارالعلوم میں دو بکرے دوں گا اب زید کا کام پورا ہوگیا، زید کی امانت ۲۰ / ہزار روپیہ عمر کے پاس ہے، اب جب زید عمر کے پاس اپنی امانت کے پیسے لینے گیا تو عمر نے کہا کہ میں تمہاری طرف سے دو بکرے مدرسہ میں دیدوں گا، عمر نے بکرے کے بجائے پانچ ہزار روپیہ دوسرے مدرسہ میں دیدئے جبکہ زید کی نیت یہ تھی کہ دو بکرے دارالعلوم میں دوں گا، آپ وضاحت فرمائیں کہ زید کی نذر پوری ہوگئی یا نہیں یا دوبارہ زید کو دو بکرے دارالعلوم میں دینے پڑیں گے۔

المستفتی: محمد ساجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں زید کی نذر پوری ہوگئی ہے۔

عن جابر بن عبد الله أن رجلا قام یوم الفتح فقال: یا رسول الله! إنی نذرت لله إن فتح الله علیک مکة أن أصلی فی بیت المقدس رکعتین، قال صل ههنا، ثم أعاد علیه، فقال: صل ههنا، ثم أعاد علیه فقال: شانک إذا، وفی روایة زاد فقال النبی ﷺ: والذی بعث محمدا بالحق لو صلیت ههنا لأجزأ عنک صلاة فی بیت المقدس. (سنن أبی داؤد، الأیمان والنذور، باب من

نـذر أن يـصـلى في بيت المقدس، النسخة الهندية ٢/ ٤٦٨، دار السلام رقم: ٣٣٠٥-٣٣٠٦، وهكذا في مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٨/ ٤٥٦، رقم: ١٥٨٩١)

وإن كـان مـقيدا بمكان بأن قال: لله على أن أصلى ركعتين في موضع كـذا أو أتصدق على فقراء بلد كذا يجوز أداؤه في غير ذٰلک المكان. (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل حكم النذر الذي لا تسمية فيه، زكريا ٤/ ٢٤٥، كراچی ٥/ ٩٣)

وإن كـان مـقيـدا بـمـكان بأن قال: لله على أن أصلى ركعتين في موضع كذا، أو أتصدق على فقراء بلد كذا يجوز أداؤه في غير ذٰلک المكان عند أبي حـنيـفة وصـاحبيه؛ لأن المقصود من النذر هو التقرب إلى الله عز وجل، وليس لـذات المكان دخل في القربة. (الـفـقه الإسلامي وأدلته، كتاب النذور، نذر المباح ونذر المعصية، هدى انٹرنیشنل ٣/ ٤٨٤، دار الفكر ٤/ ٢٥٦٨) ***فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم***

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۹۹)

نذر ذبح اور نذر اضحیہ کا فرق

سوال [۷۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر کتابوں میں دیکھنے میں آیا ہے کہ نذر کی قربانی کا گوشت نا ذر اور غنی کے لیے کھانا جائز نہیں ہے، لیکن بدائع کی ایک عبارت سے اس کا تجزیہ نظر سے گذرا کہ اضحیہ منذورہ کا گوشت نا ذر اور غنی دونوں کے لیے جائز ہے، مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں تاکہ شکوک وشبہات دور ہو جائیں، کیونکہ امداد الفتاویٰ وغیرہ میں اضحیہ منذورہ کے گوشت کو ناذر اور غنی کے لیے ناجائز لکھا ہے، اور اس کے اوپر ہندیہ وغیرہ کا جزئیہ بھی نقل فرمایا ہے، لہٰذا اس سلسلے میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: عبد اللہ بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اضحیہ منذورہ کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ احقر ایک زمانہ تک متأخرین کی بعض جزئیات اور بعض بڑوں کے فتاویٰ کو دیکھ کر ناذر اور غنی کے لیے اس کا گوشت کھانے کو ناجائز لکھتا رہا، لیکن کتب فقہ کی مختلف اور متضاد جزئیات کی مراجعت کے بعد جو کچھ باتیں سامنے آئی ہیں وہ پیش خدمت ہیں:

اولاً: یہ بات ذہن نشیں کر لینی ضروری ہے کہ نذر ذبح اور نذر اضحیہ میں بہت بڑا فرق ہے، کیونکہ نذر ذبح میں صرف ذبح اور تصدق مقصود ہوتا ہے، اس ذبح میں تقرب الی اللہ مقصود نہیں ہوتا ہے، اور اس ذبح کا وقت بھی متعین نہیں ہوتا ہے بلکہ کسی بھی زمانہ میں کسی بھی وقت نذر پوری کرنے کے لیے ذبح کرنا جائز ہو جاتا ہے، اور اس نذر کا گوشت ناذر اور غنی دونوں کے لیے بالاتفاق جائز نہیں ہے، اس کا تصدق سب کے نزدیک واجب ہے، اور نذر اضحیہ اس کے بالکل برعکس ہے، اس لیے کہ نذر اضحیہ میں اصل مقصد تقرب الی اللہ ہوتا ہے، اس میں محض ذبح کرنا مقصد نہیں ہوتا بلکہ ذبح کے ذریعہ سے ایک عبادت کی ادائیگی اور رضائے الٰہی مقصد ہوتی ہے اور ساتھ میں اس کا گوشت کھانا بھی مقصد ہوتا ہے اور اس ذبح میں تصدق اصل مقصد نہیں ہوتا ہے اس لیے نذر ذبح اور نذر اضحیہ کا فرق ملحوظ رکھنا لازم اور ضروری ہے، اگر یہ فرق ملحوظ نہ رہے تو طرح طرح کے اشتباہ وشبہ اور تردد کی وجہ سے حکم لگانے میں فرق آئیگا، اور بعد کے فقہاء کے اقوال اسی وجہ سے مختلف ہو چکے ہیں، چنانچہ بعض فقہاء نے نذر اضحیہ کا گوشت کھانا ناذر اور غنی دونوں کے لیے ناجائز لکھا ہے، جیسا کہ امام فخر الدین زیلعی نے صراحت کے ساتھ ناجائز لکھا ہے، اور باقی جتنے فقہاء نے اس کے ناجائز ہونے کو لکھا ہے وہ سب ان کے بعد کے فقہاء متأخرین ہیں، کسی نے مجمل لکھا اور کسی نے صراحتاً لکھا، اور یہ اشتباہ صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ نذر ذبح اور نذر اضحیہ کے حکم کے درمیان فرق کو واضح کر کے نہیں لکھا گیا ہے، بلکہ مجمل اور مجموعی حکم لکھا گیا کہ ناذر اور غنی کے لیے منذورہ کا گوشت کھانا جائز نہیں، پھر اسی اصول کے اندر اضحیہ منذورہ کو بھی شامل کر دیا گیا ہے، اس

تمہید کے بعد اضحیہ منذورہ کے متعلق جو کچھ سمجھ میں آیا ہے وہ حسب ذیل ہے کہ جو آدمی صاحب نصاب نہ ہو یا بالکل فقیر ہو اس نے قربانی کی نیت سے جو جانور خریدا ہے اس کے خریدنے کے وقت وہ اضحیہ منذورہ کے حکم میں ہوجاتا ہے، اب اس کا گوشت کھانا اس کے لیے اور غنی کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں متأخرین فقہاء میں اسی بنیاد پر اختلاف ہوا جو اوپر ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ متأخرین فقہاء میں سے فقیہ ابوالسعود اور قاضی برہان الدین وغیرہ نے فقیر اور غنی کے لیے اس کا گوشت کھانے کو ناجائز لکھا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وذكر أبو السعود أن شراء ه لها بمنزلة النذر فعليه التصدق بها، أقول: التعليل بأنها بمنزلة النذر مصرح به فى كلامهم، وقوله: قال القاضى برهان الدين: لا يحل. (شامى، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٧٣، كراچى ٦/٣٢٧)

اسی کے پیش نظر حضرت تھانویؒ نے ہندیہ کے اس جزئیہ کو نقل فرماکر ناجائز لکھا ہے جو نہایہ کے حوالہ سے ہندیہ میں لکھا ہوا ہے۔

أما فى الأضحية المنذورة سواء كانت من الغنى أو الفقير فليس لصاحبها أن يأكل و لا أن يؤكل الغنى، هكذا فى النهاية. (هندية، كتاب الأضحية، قبيل الباب السادس فى بيان ما يستحب فى الأضحية، زكريا قديم ٥/٣٠٠، جديد ٥/٣٤٦ – ٣٤٧)

اور ساتھ میں ہندیہ کے حوالے سے زیلعی کا جزئیہ بھی نقل فرمادیا ہے اور دوسرے فتویٰ میں حضرت تھانویؒ نے یہ لکھا ہے کہ اگر زبان سے نذر مانی ہے تو اس کا کھانا خود اس کیلئے تو جائز نہیں ہے، اور اگر مثل نذر کے اس کے اوپر واجب ہوگیا ہو تو اس کا کھانا جائز ہے، اور اس میں مطلق نذر سے متعلق جزئیہ نقل فرمایا ہے، اضحیہ منذورہ سے متعلق جزئیہ نقل نہیں فرمایا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۵۶۳) میں یہ دونوں فتوے موجود ہیں، اس کے برخلاف علامہ شامی علیہ الرحمہ نے صاحب بدائع کی صراحت کی طرف اشارہ کرکے لکھا ہے کہ فقیر نے قربانی کے لیے جو جانور خریدا ہے اس کا گوشت خود فقیر کے لیے جائز اور حلال ہے، اور پھر تاتارخانیہ کے حوالہ سے قاضی بدرالدین کا قول بھی نقل فرمایا ہے کہ اس کا گوشت کھانا جائز اور حلال ہے، شامی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

ظاهر كلامه أن الواجبة على الفقير بالشراء له الأكل منها وقوله: وفي التاتارخانية: سئل القاضي بديع الدين عن الفقير: إذا اشترى شاة لها هل يحل لها الأكل؟ قال: نعم. (شامی، زکریا ۹/ ۴۷۳، کراچی ۶/ ۳۲۷، تاتارخانية ۱۷/ ۴۱۳، رقم: ۲۷۶۷۳)

شامی اور تاتارخانیہ کی ان عبارات سے فقیر کے خریدے ہوئے اضحیۂ منذورہ کا گوشت خود فقیر اور غنی کے لیے کھانا بلا شبہ جائز ہے، اسی کے پیش نظر حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ نے اپنے فتاویٰ میں واضح الفاظ کے ساتھ لکھا ہے کہ فقیر پر اضحیہ خریدنے سے اضحیہ واجب ہوجاتا ہے، اور وہ اضحیہ مثل منذورہ کے ہوجاتا ہے، اور نذر میں سے خود کھانا اور اغنیاء کو کھلانا جائز اور درست نہیں، ساتھ میں مفتی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب بڑے جانور کو سات آدمیوں نے مل کر خریدا ہو جن میں ایک فقیر بھی ہو تو فقیر کا حصہ منذورہ کے حکم میں ہونے کے باوجود سب کی قربانی بلاتردد جائز ہوجاتی ہے، اور خود فقیر کا اس میں سے کھانا اور اغنیاء کو کھلانا درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۵/ ۵۶۸)

مفتی صاحب کی عبارت پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ انہوں نے پہلے یہ بات واضح کردی ہے کہ نذر کے گوشت میں سے خود کھانا اور اغنیاء کو کھلانا درست نہیں ہے پھر اس کے بعد قول راجح نقل فرمایا ہے کہ جائز اور درست ہے، لہٰذا اب غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کس نذر میں سے کھانا جائز نہیں اور کس نذر میں سے کھانا جائز ہے؟

اب اس کے بعد اصل مسئلہ واضح کیا جارہا ہے کہ نذر کی دو قسمیں ہیں: (۱) نذر ذبح: جس میں اصل مقصد ذبح ہی ہوتا ہے اور گوشت کا تصدق بھی مقصد ہوتا ہے اور اس ذبح کے لیے ایام اور وقت کی تعیین نہیں ہوتی۔

(۲) نذر اضحیہ یہ دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہوتا ہے (۱) اس نذر میں تقرب الی اللہ ہی اصل مقصد ہوتا ہے (۲) اس نذر کی ادائیگی ایام اضحیہ کے ساتھ مشروط ہوتی ہے اور ضمناً گوشت کھانا بھی مقصد ہوتا ہے اور اس نذر میں تصدق مقصد نہیں ہوتا اور جو جانور تقرب الی اللہ کی غرض سے ذبح کیا جاتا ہے اس کا گوشت کھانا خود ذابح اور غنی دونوں کے لیے جائز ہوتا ہے،

لہٰذا نذر ذبح کا گوشت کھانا ناذر اور غنی دونوں کے لیے جائز نہیں اور نذر اضحیہ کا گوشت کھانا ناذر اور غنی کے لیے جائز ہے، اور اسی کو صاحب بدائع نے وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، اور فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بھی بذل المجہود میں اسی کو واضح فرمایا ہے، اس سے ان کا رجحان بھی یہی ثابت ہوا کہ نذر اضحیہ کا گوشت کھانا ناذر اور غنی دونوں کے لیے جائز ہے، چاہے ناذر فقیر ہو یا غنی، ہر ایک کا حکم یکساں ہے، عبارت ملاحظہ فرمایئے:

إن الدماء أنواع ثلاثة: نوع يجوز لصاحبه أن ياكل منه بالإجماع و نوع لا يجوز له أن ياكل منه بالإجماع و نوع اختلف فيه، فالأول: دم الأضحية نفلا كان أو واجبا منذورا كان أو واجبا مبتدأ، والثاني: دم الإحصار و جزاء الصيد ...... دم النذر بالذبح، والثالث: دم المتعة والقران فعندنا يؤكل و عند الشافعي رحمه الله لا يؤكل. (بدائع، كتاب التضحية، باب يستحب في الأضحية أن تكون سمينة، زكريا ٤/٢٢٣-٢٢٤، كراچی ٥/٨٠، بذل المجهود، قديم ٤/٧٦، جديد ٩/٥٦٦-٥٦٧)

وإن نذر أضحية في ذمته ثم ذبحها فله أن ياكل منها وقال القاضي من أصحابنا من منع الأكل منها وهو ظاهر كلام أحمد بناءً على الهدى المنذور. (المغني للابن قدامة ٩/٣٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۰۸)

مشرک کی نذر کا حکم

سوال [۷۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی مشرک شخص نے اپنے تمام بیل کے مرجانے کی وجہ سے ایک منت مانی اور اس نے یہ منت مانی کہ اگر میرا فلاں بیل زندہ رہا تو اس کی قربانی کروں گا، اور اللہ کے فضل

سے اس کا بیل زندہ رہا اب وہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے قربانی کروانا چاہتا ہے تو کیا یہ درست ہے، اگر درست ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: قسمت علی مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مشرک نے جو منت مانی ہے کہ میرا فلاں بیل زندہ رہا تو میں اس کی قربانی کروں گا یہ منت صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ نذر اور منت کی صحت کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے، البتہ اس بات کا اس کو اختیار ہے کہ کسی مسلمان کو وہ بیل تحفہ کے طور پر دیدے یا ہدیہ کردے پھر وہ مسلمان اس کو اپنے اختیار سے ذبح کردے تو اس کا گوشت ہر شخص کے لیے کھانا جائز ہے۔

ومنها الإسلام فلا يصح نذر الكافر. (بدائع، كتاب النذر زكريا ٤/٢٢٦، كراچى ٥/٨٢)

ثانيا الإسلام فلا يصح نذر الكافر. (الفقه الإسلامى و أدلته، هدى انٹرنيشنل ٣/٤٧١، دار الفكر ٤/٢٥٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۹۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۵/۱۴۲۸ھ

نذر میں خیرات کی رقم متعین نہیں کی تو کیا کریں؟

سوال [۷۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی نے منت مانی کہ میرا فلاں کام ہوجائے گا تو میں کچھ غلہ یا کچھ روپیہ خیرات کروں گا تو اگر غلہ خیرات کرے تو اس کی مقدار کیا ہوگی، اور اگر روپیہ خیرات کرے تو اس کی مقدار کیا ہوگی، کیونکہ اس نے متعین نہیں کیا کہ اتنا غلہ یا اتنا روپیہ خیرات کروں گا۔

المستفتی: اسرار الحق محمد پور اعظم گڑھ یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اگر منت ماننے والے کے دل میں کچھ خیال تھا کہ اتنا دوں گا تو اسی قدر دے اور اگر کچھ خیال نہ تھا تو غلہ میں سے کم از کم ایک صدقۂ فطر کی مقدار دے اور روپیوں میں سے بھی ایک صدقۂ فطر کی مقدار ادا کرے اور ایک صدقۂ فطر کی مقدار پندرہ یا سولہ روپیہ ہیں، اس لیے جب اس نے صدقہ کا نام لیا ہے تو صدقۂ متعارف کی آخری مقدار ایک صدقۂ فطر ہے، اس لیے مقدار متعین نہ کرنے کی صورت میں ایک صدقۂ فطر کی مقدار دینا لازم ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۳/ ۴۸)

الفطرة نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه أو زبيب أو صاع تمر أو شعير. (درمختار مع الشامی، زکریا ۳/ ۳۱۸، کراچی ۲/ ۳۵۷، قدوری ص: ۵۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

متعینہ مدرسہ میں نذر کا پیسہ دیں یا کسی بھی مدرسہ میں؟

سوال [۷۴۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو فلاں مدرسہ میں ۵۰۰؍ روپیہ دوں گا وہ کام ہوگیا تو دریافت یہ کرنا ہے کہ جس متعین مدرسہ میں پانچ سو روپئے دینے کی منت مانی ہے اسی مدرسہ میں پانچ سو روپیہ دینے سے منت پوری ہوگی یا کسی دوسرے مدرسہ میں بھی دینے سے یہ ذمہ ادا ہوجائیگا، یا کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو بھی دینے سے ذمہ سے فارغ ہوجائے گا؟

المستفتی: محمد ساجد بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نذر کا پیسہ اسی مدرسہ میں دینا

ضروری نہیں بلکہ کسی بھی مدرسہ میں دینے سے نذر پوری ہوجائیگی، البتہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ متعینہ مدرسہ میں نذر کا پیسہ دیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ١/ ٣١٩، جدید ڈابھیل ١٤/ ٧٤)

نذر لفقراء مكة جاز الصرف لفقراء غيرها . (الدر المختار مع الشامي، كتاب الأيمان، مطلب: النذر غير المعلق لا يختص بزمان الخ زكريا ٥/ ٥٢٤، كراچی ٣/ ٧٤٠)

نـذر لفقراء مكة جاز الصرف إلى فقراء غيرها. (مجمع الأنهر، الأيمان، قبيـل بـاب اليمين في الدخول والخروج، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٢٧٦، مصرى قديم ١/ ٥٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
٢/ ذی قعدہ/ ١٤٢١ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٦٩٣٦)	٢/ ١١/ ١٤٢١ھ

ایک مسجد میں روپئے دینے کی نذر مان کر دوسری مسجد میں دینا

سوال [٧٤٥٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں فلاں مسجد میں سو روپئے دوں گا اس شخص کا کام ہوگیا اب اس شخص نے مسجد متعین کے بجائے دوسری مسجد میں سو روپئے دیدیئے، اور دوسری مسجد زیادہ حقدار ہے پہلی مسجد کی بنسبت، تو اس طرح منت پوری ہوئی یا نہیں؟

یا اگر مسجد کے بجائے کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو سو روپئے دیدیئے تو منت پوری ہوئی یا نہیں؟ ان دونوں جزئیوں کا مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسری مسجد میں روپئے دینے سے منت پوری ہوگئی کیونکہ جس مسجد کی تعیین کی ہے وہ لازم نہیں ہے، اسی طرح مسجد کے بجائے کسی غریب کو دیدینے سے بھی منت پوری ہوگئی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ٥/ ٤٨٠، فتاویٰ محمودیہ قدیم ١٤/ ٣١٨-٣١٩، جدید ڈابھیل ١٤/ ٧٤)

قال الشامی تحت قوله (فإنه لا يجوز تعجيله الخ) وكذا يظهر منه أنه لا يتعين فيه المكان والدرهم والفقير. (شامی، کتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و مالایفسد، زکریا ۴۲۴/۳، کراچی ۴۳۷/۲)

وإن كان مقيدا بمكان بأن قال لله تعالىٰ على أن أصلى ركعتين فى موضع كذا، أو أتصدق على فقراء بلد كذا، يجوز أداؤه فى غير ذٰلك المكان عند أبى حنيفة و صاحبيه لأن المقصود من النذر هو التقرب إلى الله عز وجل وليس لذات المكان دخل فى القربة. (الفقه الاسلامی و أدلته، هدی انٹرنیشنل دیوبند ۴۸۴/۳، دار الفكر ۲۵٦۸/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۳۱/۳۵)

مسجد میں سو روپیہ دینے کی نذر ماننا

سوال [۷۴۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک مرتبہ کسی کام کے ہونے سے پہلے کہا تھا کہ اگر میرا کام ہوجائے تو میں سو روپئے دوں گا، کام ہوگیا اور میں نے پچاس روپئے ایک مسجد میں ایک موقع پر دیئے، کیا میں ۵۰/ روپئے اور کسی مسجد میں یا اسی مسجد میں دوں تو ٹھیک ہوگا یا مجھے اکٹھے سو روپئے دینے ہوں گے؟

المستفتی: منہاج الدین صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ نے مسجد میں دینے کے لیے نذر مانی ہے تو کسی بھی مسجد میں دے سکتے ہیں، لہٰذا بقیہ پچاس روپئے چاہے اس مسجد میں دیدیں یا کسی دوسری مسجد میں آپ کو اختیار ہے۔

والنذر من اعتكاف أو حج أو صلاة أو صيام أوغيرها غير المعلق و

لو معينا لا يختص بزمان و مكان و درهم و فقير، فلو نذر التصدق يوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم على فلان فخالف جاز. (شامی، كتاب الأيمان، مطلب: النذر غير المعلق لا يختص بزمان و مكان و درهم، زكريا ديوبند ٥/ ٥٢٤، كراچی ٣/ ٧٤١ وهكذا فی زكريا ٣/ ٤٢٤، كراچی ٢/ ٤٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۶۱)

کاروبار شروع ہونے پر مسجد میں ضرورت کے سامان دینے کی نذر

سوال [۷۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے کاروبار شروع کرنے پر ایک مخصوص رقم صدقہ کرنے کا ارادہ کیا، ساتھ ہی یہ ارادہ بھی کیا کہ اس رقم سے مسجد میں تسبیح، لوٹے، مصلیٰ، جھاڑ وغیرہ بھی رکھ دوں گا، اور بقیہ رقم غرباء مساکین پر خرچ کردوں گا، صحیح مصرف بتادیجیے، کس طرح سے خرچ کیا جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مذکورہ اشیاء میں سے کوئی چیز عبادت مقصودہ میں سے نہیں ہے، اس لیے ان میں سے کوئی چیز شرعاً اس پر لازم نہیں ہے، نیز زبان سے کہے بغیر محض نیت کر لینے سے نذر ثابت نہیں ہوتی، ہاں البتہ غرباء ومساکین پر جو رقم خرچ کرنے کو زبان سے منت مانی ہے وہ رقم فقراء پر کسی بھی طریقے سے خرچ کرسکتا ہے، اور اگر زبان سے نہیں کہا ہے تو وہ بھی واجب نہیں ہوگی، بلکہ اپنی مرضی واختیار سے جو چاہے جہاں چاہے خرچ کرسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/ ۱۲۵)

ومن شروطه أن يكون عبادة مقصودة فلا يصح النذر بعيادة المريض و تشييع الجنازة والوضوء والاغتسال و دخول المسجد و مس المصحف والأذان وبناء الرباطات والمساجد وغير ذٰلک وإن كانت قربا إلا أنها غير مقصودة.

(شامی، مطلب فی أحكام النذر زكريا ٥/ ٥١٦، كراچی ٣/ ٧٣٥، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢٢٨،

کراچی ۸۲/۵، المبسوط للسرخسی دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۲۸/۳، الفقه الإسلامی و أدلته، ھدی انٹرنیشنل دیوبند ۴۷۳/۳، دار الفکر ۲۵۵۵/۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۰۵)

مسجد میں مصلیٰ یا اگربتی دینے کی نذر

سوال [۷۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض آدمی منت کا مصلیٰ یا اگربتی یا پیسے وغیرہ مسجد میں دیدیتے ہیں شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: اسرار الحق محمد پور، اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگربتی وغیرہ ایسی چیز نہیں کہ اس کی نذر مانی جائے البتہ مسجد میں صفوف ومصلیٰ دینے کی منت ماننے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۱۲/ ۱۳۴-۱۳۵)

ومن نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط و كان من جنسه فرض وهو عبادة مقصودة كصوم و صلاة و صدقة و وقف. (شامی، کتاب الأیمان، مطلب: فی أحکام النذر، زکریا دیوبند ۵/ ۵۱۵-۵۱۶، کراچی ۳/ ۷۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۲۷)

کام پورا ہونے پر نوافل اور صدقہ وخیرات کی نذر ماننا

سوال [۷۴۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اپنے کاموں کے سلسلے میں اللہ پاک سے یہ منت مانی جائے کہ کام ہو جائے گا تو شکرانہ کے نوافل ادا کروں گا، اور دس آدمیوں کو کھانا کھلاؤں گا، تو کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں، اور اگر ہم یہ چاہیں کہ جو پیسے کھانے کے بنتے ہوں وہ کسی اپنے ضرورت مند عزیز کو دیدیں تو کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں؟

المستفتی: رحمت الٰہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ایسی نذر ماننی جائز ہے بشرطیکہ معصیت کا کام نہ ہو، دس آدمیوں کے کھانے کے پیسے ایک ضرورت مند کو دینے سے نذر پوری نہیں ہوگی اور اگر نقدی دینا ہو تو دس ہی آدمیوں کو ہر ایک کو صدقۂ فطر کی مقدار دینا ہوگا۔

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ . [الحج: ٢٩] ﴾

عن عائشة رضى الله عنها عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصيه فلا يعصيه. (صحيح البخارى، الأيمان والنذور، باب النذر فى الطاعة، النسخة الهندية ٢/٩٩١، رقم: ٦٤٤٠، ف: ٦٦٩٦)

إذا نذر شيئا من القربات لزمه الوفاء به. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب ما يلزم الوفاء به، دار الكتاب ديوبند ٦٩٢، قديم ٣٧٨)

وإذا جعل الرجل لله على نفسه إطعام مسكين فهو على ما نوىٰ من عدد المساكين وكيل الطعام لأن المنوىٰ من محتملات لفظه (إلى قوله) فعليه طعام عشرة مساكين لكل مسكين نصف صاع من حنطة (إلى قوله) إن قال فى نذره إطعام المساكين فليس له أن يصرف الكل إلى مسكين واحد جملة. (المبسوط للسرخسى، دار الكتب العلمية بيروت ٨/١٥٢، هنديه قديم ٢/٦٦، جديد ٧٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۰/۲۴)

جو تنخواہ ملے گی اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروں گا

سوال [۷۴۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مدرس ہے وہ اس نیت سے پڑھاتا ہے کہ جو کچھ مجھے تنخواہ ملے گی اس کو میں اللہ کے راستے میں خرچ کروں گا، چنانچہ اس نے کچھ اپنی نیت کے مطابق اللہ کے راستے میں خرچ کر دیا، اب اس کو کچھ گھریلو ضرورت پیش آ گئی، تو کیا اس پیسہ کو اپنی ضرورت میں خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: سید عادل حسین جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے صرف دل میں نیت کر لی تھی اور زبان سے اس کا تلفظ نہیں کیا تھا تو پیسہ کو اپنی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے، اس کو راہ خدا میں خرچ کرنا لازم نہیں ہے، اور اگر زبان سے اس کا تلفظ بھی کر لیا ہے تو اس کو راہِ خدا میں صرف کرنا ہوگا، کیونکہ اس صورت میں نذر ثابت ہو جاتی ہے ثبوتِ نذر کے لیے تلفظ لازم ہے۔

فركن النذر: هو الصيغة الدالة عليه، وهو قوله: لله عز شانه عليّ كذا، أو عليّ كذا، أو هذا هدى، أو صدقة، أو مالى صدقة أو ما أملك صدقة أو نحو ذٰلك. (بدائع الصنائع، كتاب النذر، زكريا ديو بند ٤/٢٢٦، دار الكتب العلمية بيروت ٦/٣٣٣، كراچی ٥/٨١)

والنذر عمل اللسان والقياس يقتضى أنه لا ينعقد إلا بلفظ الخ. (كتاب الفقه على مذاهب الاربعة، دار الفكر ٢/١٤٢)

إيجاب الفعل المباح على نفسه بالقول تعظيما لله تعالىٰ الخ. (قواعد الفقه اشرفی ص: ٥٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ / ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۷۳)

بیس ہزار رکعت پڑھنے کی نذر ماننا

سوال [۷۴۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ایک دوست پہلے بہت شریف تھا اور وہ قبل از بلوغ کسی غلط عادت میں نہیں تھا، لیکن اب سے تقریباً دو سال قبل اس نے ایک غلط عادت پکڑ لی اور وہ عادت اس نے اپنی زندگی کا معمول بنالی، وہ عادت یہ ہے کہ وہ مشت زنی کرتا ہے، جب کافی دن کرتے ہوئے اس عادت سے اسے چھٹکارا نہیں ملا تو اس نے قسم کھائی کہ اب یہ کام نہیں کروں گا، لیکن پھر بھی اس کو اس نے تقریباً دو سو مرتبہ کیا، اور پھر اس نے اس سے بھی سخت قسم کھائی کہ اگر میں مشت زنی کروں گا تو بیس ہزار رکعت پڑھوں گا لیکن کچھ دنوں بعد وہ اپنے اوپر کنٹرول نہ کرسکا اور اس کام کو تقریباً سات مرتبہ کیا، اس کو کتنا کفارہ ادا کرنا ہوگا یا اسے کتنی رکعت نماز پڑھنی ہوگی اس پر ایک لاکھ چالیس ہزار رکعت حساب سے بیٹھتی ہیں، جسم میں اتنی رکعت پڑھنے کی طاقت بھی نہیں ہے، قسم اس وجہ سے کھائی تھی کہ اس کام سے بچ جاؤں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلی قسم کی وجہ سے ایک کفارہ کافی ہے، چاہے اس کے بعد کئی سو بار یہ حرکت کی ہو، اور دوسری قسم کی وجہ سے بیس ہزار رکعت نماز پڑھنی ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۲/ ۸۸)

عن ابن عباس: أن رسول الله ﷺ قال: ومن نذر نذرا أطاقه فليف به. (سنن أبی داؤد، الأيمان والنذور، باب من نذر نذرا لايطيقه، النسخة الهندية ۲/ ۴۷۲، دار السلام رقم: ۳۳۲۲)

عن عائشة رضی الله عنها عن النبی ﷺ قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه. (صحيح البخاری، باب النذر فی الطاعة ۲/ ۹۹۱، رقم: ۶۴۴۰، ف: ۶۶۹۶)

كفارات الأيمان إذا كثرت تداخلت، ويخرج بالكفارة الواحدة عن

عهدة الجميع، وقال شهاب الأئمة: هذا قول محمد، قال صاحب الأصل: هو المختار عندي. (شامی، الأیمان، مطلب تتعدد الکفارة لتعدد الیمین، زکریا ٥/٤٨٦ کراچی ٣/٧١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍شوال ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۱۰/۱۴۱۷ھ

لا الٰہ الا انت الخ ۱۲۴۰۰۰ مرتبہ پڑھنے کی نذر ماننا

سوال [۷۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نے یہ نذر مانی کہ اگر ہمارا کام بن جاوے تو آیت کریمہ کا ختم کرادیں گے یعنی لا الٰہ الا انت سبحانک، ایک لاکھ چوبیس ہزار مرتبہ، ان کا کام پورا ہوگیا، اور افراد نہیں مل رہے ہیں کہ جن سے یہ منت مذکورہ پوری کرائی جائے، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ تکمیل کرلینا ضروری ہے یا اس کا کوئی بدل ہوسکتا ہے، یہ نذر درست ہوتی ہے یا نہیں؟ اور پھر آیت کریمہ ختم کرانے سے مذکورہ وعدہ پورا ہوگیا یا نہیں؟

المستفتی: مولانا محمد سالم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شرعاً یہ نذر صحیح نہیں ہے، اس لیے پوری کرنا بھی لازم نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/ ۱۲۰، ۱۲/ ۱۱۵، ۱۲/ ۱۵۰، ۱۲/ ۱۵۴)

ولم يلزم الناذر ماليس من جنسه فرض الخ. (الدر المختار، کتاب الأیمان، مطلب: فی أحکام النذر، کراچی ٣/٧٣٦، کوئٹہ ٣/٧٣، زکریا دیوبند ٥/٥١٨، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٢/٢٧٤، مصری قدیم ١/٥٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۶۳)

کیا نذر کردہ روزہ کے درمیان ترتیب لازم ہے؟

سوال [۷۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے نذر مانی تھی کہ میرا فلاں کام ہوجائے تو میں ایام بیض قمری ماہ کی ۱۳/۱۴/۱۵/تاریخ کا روزہ رکھوں گا، لیکن زید نے ایک ماہ کا روزہ رکھا اور دوسرے ماہ میں دو روزہ ۱۴/۱۵/رکھا، ۱۳/تاریخ کا روزہ بھول سے چھوٹ گیا تو اب زید کیا کرے، وہ دونوں ماہ کے روزے دوبارہ رکھے یا ایک ماہ کا تینوں ۱۳/۱۴/۱۵/رکھے، یا صرف قمری ۱۳/تاریخ کا روزہ رکھ لے تو نذر پوری ہوجائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں زید نے جب ایک ماہ کے ایام بیض یعنی ۱۳/۱۴/۱۵/کو روزہ رکھ لیا تھا تو اس کی نذر پوری ہوگئی، دوسرے ماہ میں ایام بیض کو روزہ رکھنا لازم نہیں ہے۔

عن الحسن فی رجل جعل علیه صوم شهر، قال: إن سمی شهرا معلوما فلیصمه ولیتابع. (المصنف لابن أبی شیبة، الأیمان والنذور فی رجل جعل علیه صوم شهر، مؤسسة علوم القرآن ۷/۶۰۲، رقم: ۱۲۶۳٤)

فبوجود الفعل مرة یتم الشرط. (هدایه، کتاب الطلاق، باب الأیمان فی الطلاق، اشرفی ۲/۳۸۶)

نذر صوم شهر معین لزمه متتابعا. (شامی، مع الدر کراچی ۳/۷٤۱، زکریا ۵/۵۲۵، مجمع الأنهر مصری قدیم ۱/۵٤۸، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۲۷۶) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۴/صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۳۴/۳۷)

اگر میرا داخلہ فلاں مدرسہ میں ہوجائے تو ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا

سوال [۷۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں نے ایک ہزار روپیہ اپنے ساتھی کو رکھنے کے لیے دیا، بطور امانت، کچھ دنوں کے بعد میرا ساتھ مجھ سے یہ کہتا ہے کہ رقم چوری ہوگئی، مگر چھان بین کے بعد وہ خود اقرار کرتا ہے کہ نہیں میں نے خرچ کر لیے تھے، اب مجھے رقم کی واپسی کی بہت ہی کم امید تھی، میں نے اسی دوران نذر مانی کہ اے اللہ اگر میرا داخلہ فلاں مدرسہ میں ہوجاتا ہے تو وہ رقم جو میرے ساتھی کے پاس ہے اگر اس نے دیدی تو بغیر ثواب کی نیت سے غریبوں میں تقسیم کردوں گا، اب خدا کے فضل سے میرا داخلہ بھی مطلوبہ جگہ ہوگیا اور میرے ساتھی نے رقم بھی واپس کردی اب سوال یہ ہے کہ نذر منعقد ہوگی یا نہیں؟

میں نے نذر مانی کہ اے اللہ میرا اگر فلاں مدرسہ میں داخلہ ہوگیا تو ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا اب میرا داخلہ ہوگیا تو کیا مجھے روزہ رکھنے پڑیں گے؟

المستفتی: پی زیڈ اسلم گیٹ کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال میں ذکر کردہ صورت میں نذر منعقد ہوجائے گی کیونکہ جس شرط کے ساتھ اس کو معلق کیا ہے وہ شرط پائی گئی، لہٰذا اب نذر بھی منعقد ہوگئی ہے، اور بغیر ثواب کی نیت کی قید لگانا درست نہیں، یہ آپ کا حلال روپیہ ہے، اس لیے دیتے وقت ثواب کی نیت کی جاسکتی ہے۔

ثم إن علقه بشرط يريده كأن قدم غائبي أو شفي مريضي (يوفى) وجوبا (إن وجد) الشرط. (در مختار مع الشامی، زکریا ۵/۵۲۱، کراچی ۳/۷۳۸، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ص: ۶۹۸)

(۲) دوسرے سوال کے اندر بھی نذر معلق بالشرط ہے، اور شرط کا وجود بھی ہوگیا ہے، نیز

یہ نذر عبادت مقصودہ میں سے بھی ہے، لہٰذا نذر پوری کرنے کے لیے اب روزہ رکھنا واجب ہے۔

عن الحسن في رجل جعل عليه صوم شهر، قال: إن سمى شهرا معلوما فليصمه وليتابع، وإذا لم يسم شهرا معلوما، أو لم ينوه فليستقبل الأيام فليصم ثلاثين يوما، وإن صام على الهلال و أفطر على رؤيته، فكانت تسعة و عشرين يوما أجزاه ذٰلک، و إن فرق إذًا استقبل الأيام. (المصنف لابن أبي شيبة، الأيمان والنذور في رجل جعل عليه صوم شهر، مؤسسة علوم القرآن ٦٠٢/٧، رقم: ١٢٦٣٤)

ومن نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط و كان من جنسه واجب (و وجد الشرط) المعلق به لزم الناذر. (در مختار مع الشامي زكريا ٥١٦/٥، كراچى ٧٣٥/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ رمحرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۵۷/۳۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۲۱ھ

زندگی بھر روزہ رکھنے کی منت کے بعد قدرت نہ ہو تو؟

سوال [۷۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی آدمی نے کسی حادثہ کے موقع پر یہ منت مانی کہ اگر اس حادثہ میں ہمارے آل اولاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، اور سب بچ گئے تو زندگی بھر روزہ رکھوں گا، اور اس حادثہ میں سب بچ گئے، کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، اور اس نے روزہ بھی رکھنا شروع کر دیا، اسی دن کے بعد اب اس کی حالت یہ ہو گئی کہ نہ روزہ رکھ سکتا ہے اور نہ ہی اس کے پاس اتنا مال ہے کہ روزے کے بدلے میں مال کسی غریب کو دے تو اب اس منت سے بری ہونے کی کوئی صورت ہو تو واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد حسین عالم بھاگلپوری متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سب لوگ بچ گئے تو زندگی بھر روزہ رکھنا

واجب ہوگیا، اب اگر روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہے تو ہر روزہ کے بدلے میں ایک صدقۂ فطر فقیر کو دیدیا کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہا کرے۔
(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۷۷)

عن ابن عباس رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: من نذر نذرا لم يسمه، فكفارته كفارة يمين، و من نذرا نذرا فى معصية فكفارته كفارة يمين، و من نذر نذرا لايطيقه فكفارته كفارة يمين، و من نذر نذرا أطاقه فليف به. (سنن أبى داؤد، الأيـمان والنذور، باب من نذرا نذرا لايطيقه، النسخة الهندية ۲/ ٤٧٢ دار السلام رقم: ۳۳۲۲، سنن ابن ماجه، الكفارات، باب ما جاء من نذر نذرا لم يسم، النسخة الهندية ١٥٤، دار السلام رقم: ۲۱۲۸، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربى ١١/ ٣٢٥، رقم: ١٢١٦٩)

نذر بصوم الأبد فضعف ...... و إن لم يقدر استغفر الله تعالىٰ. (فتاوىٰ بزازيه كتاب الصوم، الفصل الرابع فى النذر زكريا جديد ١/ ٦٩، وعلى هامش الهندية ٤/ ١٠٣، هندية زكريا قديم ١/ ٢٠٩، جديد ١/ ٢٧٢، قاضيخان، زكريا جديد ١/ ١٣٦ -١٣٧، و على هامش الهندية ١/ ٢١٩، الدر مع الرد كراچى ٣/ ٧٤١، زكريا ٥/ ٥٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۳۳)

ایک ہی قسم کی نذروں کے متعدد روزہ کی نیت کا طریقہ

سوال [۷۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے ذمہ ایک ہی قسم کی نذروں کے متعدد روزے تھے، یا روپئے وغیرہ تو بلا تعیین خاص نذر روزہ اور روپیہ ادا ہوں گے یا نہیں؟ صرف نذر ادا کرنے کی نیت کی ان میں سے ایک کو متعین نہیں کیا۔

المستفتی: محمد زبیر قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زید کے ذمہ ایک ہی قسم کی نذروں کے متعدد روزے لازم تھے، تو ان کو بغیر تعیین کے اپنے اوپر لازم شدہ مطلقاً نذر کے روزہ کی نیت کرکے رکھ لینا جائز ہے، مثلاً متعدد اوقات میں چھ روزے لازم ہو گئے ہیں، تو ان کو اس طریقہ سے رکھنا جائز ہے کہ فی الجملہ نذر کے چھ روزے لازم ہیں، لیکن صرف نذر کی نیت سے چھ روزے رکھنا کافی ہو جائے گا، اسی طریقہ سے متعدد بار پانچ، پانچ سو روپئے کی نذر مان لی ہے مثلاً تین مرتبہ پانچ پانچ سو کرکے پندرہ سو کی نذر مان لی ہے تو مطلقاً نذر کی نیت سے پندرہ سو روپئے فقیروں کو دینے سے نذر پوری ہو جائیگی۔

ولو أصبح صائما ينوى من اليومين اللذين وجبا عليه أجزأه عن واحد منهما استحسانا وكذٰلك لو افتتح صوما من ظهارين أجزأه عن واحد منهما استحسانا. (الفتاویٰ التاتارخانية، الصوم، الفصل الثالث فی النية، کوئٹه ۲/ ۳٦۰، زکريا ۳/ ۳۷۳ رقم: ٤٦۰٦، المحيط البرهاني، المجلس العلمی ۳/ ۳٤٤، رقم: ۳۰۷۳- ۳۰۷٤)

وإن وجبت عليه كفارات أيمان متفرقة فأعتق رقابا بعددهن و لم ينو لكل يمين رقبة بعينها أو نوىٰ فى كل رقبة عنهن أجزأه استحسانا. (هنديه، الأيمان، الفصل الثانی فی الكفارة، زكريا قديم ۲/ ٦٤، جديد ۲/ ۷۰، المبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ۸/ ۱٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۷۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۹ھ

شوہر کو چلہ کی جماعت میں بھیجنے کی نذر کا شرعی حکم

سوال [۷۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ نے یہ نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اپنے شوہر کو ۴۰؍ دن کے

لیے جماعت میں بھیجوں گی، اب ہندہ کا فلاں کام ہو گیا، ہندہ کی ہر ممکن کوشش کے باوجود ہندہ کا شوہر جماعت میں جانے کے لیے تیار نہیں ہے، اب سوال یہ ہے کہ جب ہندہ کو اپنے شوہر پر قوت حاصل نہیں ہے تو ہندہ کی نذر شرعاً معتبر ہوئی یا نہیں؟ اگر معتبر ہے تو ''الدین یسر'' کے پیش نظر ہندہ اپنے بیٹے یا کسی اجنبی کو ۳۰/۳۰ دن کے روپئے دے کر جماعت میں بھیج سکتی ہے؟ جب کہ ہندہ نے یکبارگی ۴۰/ دن جانے کی قید نہیں لگائی تھی، اب ہندہ اپنی نذر سے کیسے بری الذمہ ہوسکتی ہے؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد عمر حسن آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ہندہ کو اپنے شوہر پر قوت حاصل نہیں ہے تو ہندہ کا شوہر کو چالیس دن کی جماعت میں بھیجنے کی نذر شرعاً معتبر نہیں ہوئی، کیونکہ نذر کی صحت کے لیے جہاں اور بھی شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عبادت مقصودہ کی نذر مانی جائے؛ لہٰذا اس نذر کو پوری کرنے کے لیے کسی صورت کو اپنانے کی ضرورت نہیں، فقہی جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

عن عمران بن حصینؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لا وفاء لنذر فی معصیة ولا فیما لا یملک العبد . (صحیح مسلم ۲/۴۵)

النذر إن کان فی المباح أو فی المعصیة فلا یلزمه ...... والأصل فی ذٰلک أن کل ما کان له أصل فی الفروض لزم الناذر بنذره وکل مالم یکن له أصل فی الفروض لزم الناذر بنذره فالذی له أصل: الصوم والصلاة والحج والصدقة والاعتکاف، والذی لا أصل له فی الفروض: عیادة المریض، وتشییع الجنازة ودخول المسجد، وفی السراجیة: بناء الرباط والسقایة والقنطرة ونحوه. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الإیمان، الفصل السادس والعشرون: فی النذور، زکریا ۶/۲۸۱، رقم: ۹۳۷۶، بدائع الصنائع زکریا ۲۲۷-۲۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۲۰۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۱۷ھ

جماعت میں سال لگانے کی نذر ماننا

سوال [۷۴۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک سال تبلیغی جماعت میں جانے کی نذر مانی تو اس کی یہ نذر ماننا درست ہوگیا یا نہیں، اگر اس کی نذر درست ہے تو کیا اس کا درمیان سال میں گھر آنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں اس نذر کا پورا کرنا لازم نہیں، کیونکہ نذر کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عبادت مقصودہ میں سے ہو اور تبلیغ عبادت مقصود نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۹۱)

ومنها أن یکون قربة مقصودة فلا یصح النذر بعیادة المرضیٰ وتشییع الجنائز والوضوء والاغتسال و دخول المسجد الخ . (بدائع الصنائع، کتاب النذر، زکریا ٤/ ٢٢٨، کراچی ٥/ ٨٢، المبسوط للسرخسی، دار الکتب العلمیة بیروت ٣/ ١٢٨، الدر مع الرد زکریا ٥/ ٥١٦، کراچی ٣/ ٧٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶ رشعبان المعظم ۱۴۲۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۹۴)	۱۴۲۷/۸/۸ھ

امام ومؤذن کو کھانا دینا بہتر ہے یا اس کی رقم

سوال [۷۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل مرادآباد شہر میں یہ رواج ہوگیا ہے کہ حادثہ سے نجات یا بیماری سے شفا پانے کے بعد عموماً بکرا ذبح کرکے یا سالم زندہ بکرا دینے کو اور کبھی پکا کر گھر بلا کر کھانا کھلانے کو ہی تمام دیگر طریقوں پر ترجیح دی جاتی ہے، حالانکہ کبھی کبھی ضرورتمندوں کو دیگر اشیاء کی، گوشت خوری سے بھی شدید ضرورت ہوتی ہے یا مسجد میں کام ہورہا ہے یا کسی دینی مدرسہ میں سخت پریشانی ہوتی ہے مگر

جان کے بدلے میں جان کے تصور سے صرف بکرا ذبح کرنے یا زندہ دینے ہی کو ترجیح دی جاتی ہے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور تمام طریقہائے صدقات میں کونسا طریقہ سب سے افضل ہے؟

(۲) ہر جمعرات کو مسجد کے مؤذن اور اماموں کے حجروں میں کھانا بھیجا جاتا ہے جو ایک ڈھیر کی شکل اختیار کر جاتا ہے، اور وہ روٹیاں سکھا کر فروخت کر دیتے ہیں، کیا روٹی کھانے کے بجائے مستحق امام یا مؤذن کو نقد دینا افضل ہے، یا کھانا ہی بھیجنا چاہیے یا اس قدر روپئے مسجد کے لیے بھیج دیں کہ بلب اور دیگر ضروریات حاصل ہو جائیں، دونوں طریقوں میں سے کون سا طریقہ افضل ہے، اور کس میں زیادہ ثواب ہے؟

المستفتی: امیر احمد خاں، مغل پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر امام مسجد کے لیے کھانا متعین کرلیا گیا ہے تو مذکورہ صورت میں مسجد کے بلب وغیرہ کے لیے پیسہ دینے سے ذمہ داری ادا نہ ہوگی، بلکہ امام ومؤذن کو کھانا یا اس کی قیمت دینے سے ہی ذمہ داری ادا ہو سکتی ہے، اور اگر آپ نے اپنے اوپر امام ومؤذن دونوں کے لیے کسی چیز کھانا وغیرہ کی ذمہ داری نہیں لی ہے تو آپ کو اختیار ہے چاہے کھانا بھیج دیں یا اس کی قیمت ہدیہ کر دیں یا اتنا پیسہ مسجد کو ضروریات کے لیے دیدیں اس میں آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

المالک هو المتصرف فی الأعيان المملوكة كيف ما شاء. (بیضاوی مکتبہ رشیدیہ ۱/ ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۳۱)

حرام کام پر مانی ہوئی منت کا پورا کرنا

سوال [۷۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اگر کوئی شخص حرام کام کرنے پر منت مانے تو وہ کام پورا ہوجانے سے منت ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسی صورت میں کفارۂ یمین ادا کرنا اس پر لازم ہے۔

عن ابن عباس رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: من نذر نذرا لم يسمه، فكفارته كفارة يمين، و من نذرا نذرا فى معصية فكفارته كفارة يمين، و من نذر نذرا لايطيقه فكفارته كفارة يمين، و من نذر نذرا أطاقه فليف به. (سنن أبى داؤد، الأيمان والنذور، باب من نذر نذرا لايطيقه، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٢، دار السلام رقم: ٣٣٢٢)

علق النذر بما هو معصية كقوله إن كلمت أبى فعلي نذر فهو كما لو علقه بمباح إن أبهم وكان عليه أن يحنث نفسه و يكفر لأنه إذا عرى عن النية فهو يمين و إن نوى شيئا بعينه فهو على ما نوى ولا يحنث نفسه فى المباح. (بزازيه، كتاب الأيمان، النوع الثالث فى النذر، زكريا جديد ١/ ١٧٧، و على هامش الهندية ٤/ ٢٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ / جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۴۸۰/۳۲)

کام ہونے پر صدقہ کرنے کی نذر ماننا

سوال [۷۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منت ماننے کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ اگر میرے عزیز کی طبیعت ٹھیک ہوگئی تو بکرا کٹوادوں گا، اسی طرح کاروباری معاملات کرتے ہیں کسی شخص نے کوئی کاروبار شروع کیا اور اس نے شروع میں ہی صدقہ کردیا کہ اللہ برکت عطا فرمائیں، کاروبار میں اتار چڑھاؤ تو

آتے ہی رہتے ہیں، وہ کسی کاروباری پریشانی میں گھر گیا، مثلاً اس کی رقم کسی خریدار نے روک لی، تو اس نے صدقہ شروع کردیا کہ شاید اللہ تعالیٰ اس سے اس کی پریشانی دفع فرمادیں، اور ایک شکل اس کی یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ منت مان لے کہ جب میری یہ رقم آجائے گی تو میں صدقہ کروں گا، امید ہے کہ مطلب واضح ہوگیا ہوگا۔

المستفتی: جاوید اقبال،واجدنگرمرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ شکل درست ہے اور جب شفایاب ہوجائے یا رقم آجائے تو جو صدقہ متعین کرلیا تھا وہ واجب ہوجائے گا۔

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ . [الحج: ۲۹] ﴾

عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه. (صحيح البخاري، الأيمان و النذور، باب النذر في الطاعة، النسخة الهندية ۲/ ۹۹۱، رقم: ۶۴۴۰، ف: ۶۶۹۶)

ومن نذر نذرا مطلقا فعليه الوفاء ...... بما سمى و إن علق النذر بشرط فوجد الشرط فعليه الوفاء بنفس النذر. (هدايه، كتاب الأيمان، باب ما يكون يمينا ومالايكون يمينا اشرفی ۲/ ۴۸۳، المبسوط للسرخسی دار الكتب العلمية بيروت ۸/ ۱۳۶، الدر مع الرد، كرچی ۳/ ۷۳۵، زكريا ۵/ ۵۱۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰/ ۱۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۶۰)

قبروں پر دودھ چڑھانا

سوال [۷۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دفن کے دوسرے یا تیسرے دن کے بعد عورتوں کا دودھ کا پیالہ لے جا کر قبر پر رکھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب بساڈ، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبروں پر دودھ یاغلہ یاشیرینی وغیرہ لے جاکر چڑھانے کا مقصد نذر لغیر اللہ ہوتی ہے، فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ نذر لغیر اللہ حرام ہے اوراس چیز کا کھانا بھی حرام ہے، اس سے بچنا ضروری اورلازم ہے۔(مستفاد: مجموعۃ الفتاویٰ ۲/۳۹۰)

ومما یوخذ من الدراهم و الشمع والزیت وغیره تنقل إلی ضرائح الأولیاء تقربا إلیهم فحرام بإجماع المسلمین، و أما النذر الذی ینذره أکثر العوام علی ما هو مشاهد کأن یکون لإنسان غائب (إلی قوله) فهذا النذر باطل بالإجماع لوجوه منها أنه نذر مخلوق، والنذر للمخلوق لا یجوز لأنه عبادة، والعبادة لا تکون للمخلوق. (البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر، زکریا ۲/۵۲۰-۵۲۱، کوئٹه ۲/۲۹۸، وهکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند ۶۹۳، الدر مع الرد کراچی ۲/۴۳۹، زکریا ۳/۴۲۷، هندیه زکریا قدیم ۱/۲۱۶، جدید ۱/۲۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۶۵)

نذر کے بکرے کی عمر کتنی ہو؟

سوال [۷۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک بکرا صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے، اس نذر کے بکرے کی عمر کتنی ہونی چاہیے؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: بشیر احمد بنگلوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نذر کے بکرے کی عمر بھی ایک سال ہونا شرط

ہے، کیونکہ نذر کے جانور میں وہی تمام شرائط ہیں جو قربانی کے جانور میں ہوتی ہیں۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۶۵، میرٹھ ۲۶/ ۳۵۳، دارالعلوم ۱۲/ ۱۰۴)

ولو أوجب علی نفسه بدنة ...... ولو أوجب جزورا فعلیه الإبل خاصة ولا یجوز فیهما إلا ما یجوز فی الأضاحی وهی الثني من الإبل والبقر والجذع من الضأن إذا کان ضخما. (بدائع الصنائع، کتاب النذر، شروط النذر زکریا ٤/ ٢٣٣، کراچی ٥/ ٨٥-٨٦)

ولو قال لله علی هدي یجب علیه ما یجزئ فی الأضحیة من الضأن والمعز والإبل أو البقر. (تفسیر مظهری، سورة الحج، زکریا ٦/ ٢٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۰)

نذر کے جانور کی عمر

سوال [۷۴۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صدقہ کرنے کی صورت میں جانور کی عمر متعین ہے کہ کتنے دنوں کا ہو؟

المستفتی: محمد مظفر عالم کرولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں نذر کے جانور کو صدقہ کا جانور کہا جاتا ہے اور اس جانور میں قربانی کے شرائط کا ہونا لازم ہے، لہٰذا اگر بڑا جانور رہے تو مکمل دو سال ہوکر تیسرے سال میں داخل ہوگیا ہو، جیسے کٹرا وغیرہ اور اگر چھوٹا جانور رہے تو ایک سال مکمل ہوکر دوسرے سال میں داخل ہوگیا ہو جیسے بکرا وغیرہ۔

ولا یؤخذ فی الصدقة إلا ما یجوز فی الأضحیة. (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، فصل مقدار الواجب فی السوائم، زکریا ٢/ ١٣٠، کراچی ٢/ ٣٢)

ولا یجوز فیهما إلا ما یجوز فی الأضاحی وهو الثني من الإبل والبقر

والجذع من الضأن إذا كان ضخما. (بدائع الصنائع، كتاب النذر، شروط النذر، زكريا ٤/ ٢٣٣، كراچی ٥/ ٨٥-٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۳۹/۳۶)

بکرے کی نذر مانی تھی لیکن غلطی سے بکری خریدی گئی

سوال [۷۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں اللہ کے واسطے ایک بکرا صدقہ کروں گا، پھر وہ کام ہوگیا، وہ آدمی بازار سے صدقہ کی نیت سے بکرا خرید کر لایا، لیکن اتفاق سے دیکھا کہ وہ بکرا نہیں بلکہ بکری ہے، تو مذکورہ صورت میں بکرا ہی صدقہ کرنا ہے؟ اگر خریدے ہوئے جانور کو صدقہ کردے تو کیا منت کی ادائیگی سے بری نہیں ہوگا؟ جواب جو بھی ہو صریح جزئیہ کی نشاندہی کر کے احسان فرمائیں؟

المستفتی: مولانا عبد الجلیل خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بکرا صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے تو بکرے کی جگہ بکری کی تبدیلی میں کوئی حرج نہیں ہے چاہے بالقصد بکری لایا ہو یا بے خبری میں بکری آگئی ہو۔ (مستفاد: از کفایت المفتی ملتان ۲/ ۲۰۹)

ولو قال لله علی أن أذبح جزورا و أتصدق بلحمه فذبح مكانه سبع شياه جاز. (بزازيه، كتاب الأيمان، النوع الثالث فی النذر، زكريا جديد ١/ ١٧٧، وعلى هامش الهندية ٤/ ٢٧١، هنديه زكريا قديم ٢/ ٦٦، جديد ٢/ ٧٣، مجمع الأنهر، مصرى قديم ١/ ٥٤٨، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٢٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۱۷/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۲ھ

اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں ایک بکرا ذبح کروں گا

سوال [۷۴۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر زید نے کہا کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو میں کوئی ایک بکرا نیاز (ذبح) کروں گا تو ایک بکرا ذبح کرنا نذر معین کہلائیگا یا غیر معین؟

المستفتیه: عبدالرزاق ابراہیمی شمس العلوم، ارریہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کا یہ کہنا کہ میرا فلاں کام ہوجانے پر ایک بکرا نیاز میں ذبح کروں گا، تو زید کی یہ نذر نذرِ غیر معین ہے زید پر بکرا ذبح کرنا لازم نہیں ہے، اگر بکرا کے بدلے اس کی قیمت یا قیمت کے برابر کوئی چیز صدقہ کردے تو بھی کافی ہو جائیگا۔

(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۸، احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۸۳)

قال لله عليّ أن أذبح جزورا و أتصدق بلحمه فذبح مكانه سبع شياه جاز. (الدر مع الرد، كتاب الأيمان، زكريا ديوبند ٥/ ٥٢٤، كراچى ٣/ ٧٤٠، البحر الرائق زكريا ديوبند ٤/ ٤٩٩، كوئٹه ٤/ ٢٩٦، فتح القدير دار الفكر مصرى ٥/ ٩٢، كوئٹه ٤/ ٣٧٥ زكريا ديوبند ٥/ ٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۱۱ھ

مرض سے شفایابی پر بکرے کی نذر مانی لیکن شفایاب نہیں ہوا، تو کیا کرے

سوال [۷۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے ایک بکرا خریدا اور یہ نذر مانی کہ اگر میں ٹھیک ہوگیا تو اس بکرے کو صدقہ کروں گا پھر اس شخص کا انتقال ہوگیا تو اس بکرے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: لیاقت حسین مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ٹھیک ہونے کے بعد بکرا صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے اور ٹھیک نہیں ہوا اور وفات پا گیا تو شرعاً مذکورہ بکرا صدقہ کرنا واجب نہیں رہا بلکہ ورثاء اس کو میراث میں تقسیم کر سکتے ہیں، ہاں البتہ بطور ایصال ثواب کے اس بکرے کی قیمت کو غرباء کے درمیان تقسیم کر دیں تو ان شاء اللہ میت کو اس کا ثواب پہنچ جائے گا۔

فإن علقه بشرط يريده كأن قدم غائبى أو شفي مريضي يوفى وجوبا إن وجد الشرط. (الدر المختار، كتاب الأيمان، زكريا ديوبند ٥/٥٢١، كراچى ٣/٧٣٨، حاشية الطحطاوى على المراقى الفلاح، دار الكتاب ديوبند ص: ٦٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۹۶)

اولاد کی خوشی میں بکرے اللہ کے نام قربان کرنے کی منت ماننا

سوال [۸۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ماں اپنی اولاد کی خوشی میں منت مانے یا اس کی حفاظت جان کی وجہ سے، کہ میں سات بکرے اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کروں گی ایسی حالت میں جب کہ وہ اتنی استطاعت نہ رکھتی ہو تو کیا وہ قسطوں میں ادا کر سکتی ہے، بکرے ہی ذبح کرنے ہیں یا بکری اور اس کی قیمت مال کی شکل میں صدقہ کر سکتی ہے؟ اور اس کی عمر یعنی جانور دونتا یا اونہ ہونا چاہیے؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: ضیاء الرحمٰن محلّہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس ماں نے اپنی اولاد کی خوشی میں یا حفاظت جان کی خوشی میں سات بکرے قربانی کرنے کی منت مانی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اولاد کی دولت کے ذریعہ خوشی کا موقعہ عنایت کیا اور جان کی حفاظت فرمائی ہے تو ایسی صورت میں سات بکرے قربانی کرنا

لازم ہے، البتہ ایک ساتھ سات کرنے کی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے قسطوں میں کرنے کی اجازت ہے، لہٰذا جیسے جیسے استطاعت ہو ویسے ویسے ایک ایک دو دو بکرے فقراء میں تقسیم کردے، اسی طریقے سے جتنے دنوں میں گنجائش ہوا تنے دنوں میں سات بکرے مکمل کرسکتی ہے۔

عن ثابت بن الضحاک أن رسول الله ﷺ قال: من حلف على ملة غير الإسلام فهو كما قال، وليس على ابن آدم نذر فيما لايملك. (صحيح البخاري، الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن، النسخة الهندية ٢/٨٩٣، رقم: ٥٨١٢، ف: ٦٠٤٧)

لو التزم بالنذر أكثر مما يملكه لزمه ما يملك هو المختار. (الهندية كتاب الأيمان، الباب الثاني زكريا قديم ٢/٦٥، جديد ٢/٧١)

ونذر أن يتصدق بألف من ماله وهو يملك دونها لزمه ما يملك منها.

(الدر المختار مع الشامي، زكريا ٥/٥٢٥، كراچی ٣/٧٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۰۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱/۱۲ھ

کیا اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے بکرے کی قربانی کرسکتے ہیں؟

سوال [۷۴۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص نے کوئی بکرا یا دنبہ وغیرہ اللہ کے نام پر رکھ چھوڑا کوئی قربانی یا صدقہ وغیرہ میں ذبح کرنے کی نیت نہیں کی صرف مقصدا تنا تھا کہ اللہ کے نام پر اس کو ذبح کروں گا، تو کیا ایسا جانور قربانی یا صدقۂ واجبہ مثلاً نذر ونیاز وغیرہ کی تکمیل میں ذبح کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: یوسف علی بجنوری، خادم مدرسہ فیض القرآن نگینہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب کوئی جانور بکرا یا دنبہ وغیرہ اللہ کے نام پر چھوڑا اور اسے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنے کی نیت کی تھی تو اب یہ جانور مستقل طور پر نذر کا

ہوگیا، ایسا جانور قربانی یا صدقۂ واجبہ نذر و نیاز کی تکمیل میں ذبح کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ایسا جانور فقراء کا حق بن جاتا ہے، لہٰذا اسے ذبح کرکے فقراء کو کھلانا ضروری ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۲/ ۲۰۸، مطول زکریا دیوبند ۹/ ۱۵۱، رقم المسئلۃ: ۳۷۰۵)

﴿ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ ۔ [الحج: ۲۹] ﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۱۲)

اولیاء کی قبروں پر مرغا بکرا ذبح کرنے سے متعلق سوالات

سوال [۷۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکرا، مرغا اولیاء اللہ کی نذر ماننا اوران کی قبروں پر ذبح کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے اور ایسا شخص مؤمن ہے کہ نہیں اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا، اس کا ذبیحہ کھانا اس کو زکوٰۃ دینا اس سے شادی بیاہ کرنا کیسا ہے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: شبیر احمد رائے پورہ، سورت گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولیاء اللہ کی نذر ماننا اوران کی قبروں پر بکرا مرغا ذبح کرنا انتہائی فعل شنیع ہے، ایسی نذر باطل ہوتی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں اور ایسا شخص بدعتی اور فاسق ہے، ایسے بدعتی اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور فاسق مسلمان کا ذبیحہ حلال ہوتا ہے، اور فاسق مسلمان اگر مستحق زکوٰۃ ہے تو اسے زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے۔

وأما النذر الذی ینذره أكثر العوام على ما هو مشاهد كأن يكون لإنسان غائب أو مريض أو له حاجة ضرورية فيأتي بعض الصلحاء فيجعل ستره على رأسه فيقول يا سيدي فلان إن رد غائبي أو عوفي مريضي أو قضيت حاجتي فلك من الذهب (إلى قوله) فهٰذا النذر باطل بالإجماع.

(البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر، کراچی ۲/۲۹۸، زکریا ۲/۵۲۰)

ویکره إمامة عبد و أعرابی و فاسق. (شامی، کراچی ۱/۶۱۱، زکریا ۲/۲۹۹)

فإن ذبح کل مسلم و کل کتابی حلال (إلی) برا کان أو فاجرا. (الفقه فی الفتاویٰ، من یجوز ذبحه ۱/۲۲۸)

ولایجوز صرفها لأهل البدع و تحته فی الشامیة: فالمراد هنا بالبدع المکفرات. (شامی زکریا ۳/۳۰۴، کراچی ۲/۳۵۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍۷؍۱۴۳۱ھ

بیماری سے شفایاب ہونے پر بزرگ کے مزار پر بکرا ذبح کرنے کی نذر ماننا

سوال [۷۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے خاندان میں سے کوئی بیمار ہو تو زید نے منت مانی کہ اگر ان کو اس بیماری سے شفایابی ہو جائے تو میں فلاں بزرگ کے مزار میں بکرا ذبح کروں گا، بعدہ ان کو شفایابی ہو گئی، اور وہ شخص اپنی منت کو پورا کرنے کے واسطے متعین شدہ مزار میں جا کر بکرا ذبح کر کے اپنی منت کو پورا کرتا ہے تو یہ فعل کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز، اگر جواز کی صورت ہے تو اس گوشت کو کن لوگوں میں تقسیم کیا جائے، فقراء میں یا صاحب نصاب بھی ان میں داخل ہے؟

المستفتی: محمد صدیق اللہ مدناپوری مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے فلاں بزرگ کے مزار میں ذبح کرنے کی جو منت مانی ہے اس سے مقصود اگر صاحب مزار بزرگ کا تقرب ہو جیسا کہ عموماً ہوتا ہے تو یہ نذر صحیح نہ ہوگی بلکہ اس طرح کی نذر ماننا معصیت اور حرام ہے، اور اگر ذبح سے مقصود تقرب الی اللہ اور تصدق ہو تو یہ نذر صحیح ہے کسی بھی جگہ بکرا ذبح کر کے غرباء میں گوشت تقسیم کر سکتے ہیں، اس بزرگ کی مزار میں جا کر ذبح کرنا بدعت اور بدعقیدگی ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

واعلم أن النذر الذی يقع للأموات من أكثر العوام إلى ضرائح الأولياء الكرام تقربا إليهم فهو بالإجماع باطل و حرام. (در مختار مع رد المحتار کراچی ۲/۴۳۹، زکریا ۳/۴۲۷، هندیه زکریا قدیم ۱/۲۱۶، جدید ۱/۲۷۹، البحر الرائق کوئٹه ۲/۲۹۸، زکریا ۲/۵۲۱، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ۶۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۴۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۲۷ھ

دیوی، مزار اور بت کے نام سے منت ماننا

سوال [۷۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض کو جنگل جھاڑ میں جا کر آنے کے بعد بخار و بیماری لگ جاتی ہے پھر وہ یا اس کے متعلقین اس کے شفایاب ہونے پر دیوی کے نام سے یا فلاں مزار کے فلاں پیر کے نام سے مرغا اور مینڈھا اور بکرے کی منت مانتے ہیں اور اس کو ذبح کرنے کے وقت اللہ ہی کا نام لیتے ہیں اور پھر اس کو خود کھاتے ہیں اور کھلاتے ہیں تو ایسا جانور رکھانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دیوی، مزار اور بت کے نام سے منت ماننا ناجائز اور حرام ہے، اور موجب کفر بھی ہوسکتا ہے، ایسا کرنے والوں پر توبہ واستغفار لازم ہے، البتہ اگر جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کر دیا جائے تو مالک اور غیر مالک سب کے لیے کھانا حلال ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۱/ ۳۱۸، امداد الفتاویٰ ۵/ ۳۵۹، فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۴۸۹، جدید زکریا ۴۶۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۹۵)

صدقہ بکرے کا کریں یا قیمت کا؟

سوال [۷۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنے بچے کی پیدائش پر ایک سال کے بعد یہ ارادہ کیا تھا کہ ہر سال اس کی پیدائش کی تاریخ پر یا کچھ آگے پیچھے ایک بکرا صدقہ کر دیا کروں گا، لڑکا ماشاء اللہ اکیس سال کا ہو گیا، اس بار وہ کہتا ہے کہ صدقہ بکرے کا نہیں کرنا چاہیے، ویسے ہی پیسے دیدینا چاہیے، جبکہ ہمارا دل اس بات کو نہیں مان رہا ہے کہ جس چیز کا صدقہ ہم نے بول رکھا ہے اس سے ہٹ کر کیا جائے؟

المستفتی: ضیاء الحق اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں آپ کو اختیار ہے، خواہ آپ بعینہٖ بکرے کو صدقہ کریں، یا اس کی قیمت صدقہ کریں، اس کی وجہ سے نذر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، لیکن بہتر یہ ہے کہ بجائے بکرے کے بکرے کی قیمت صدقہ کر دیں اس لیے کہ اس سے فقیروں کی ضرورت زیادہ پوری ہو سکتی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۸)

بخلاف النذر بالتصدق بشاتين و سطين فتصدق بشاة بقدرهما جاز لأن المقصود إغناء الفقير وبه تحصل القربة وهو يحصل بالقيمة. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم، زکریا ۳/ ۲۱۱)

بخلاف النذر بالتصدق بأن نذر أن يتصدق بشاتين و سطين فتصدق بشاة بقدرهما جاز لأن المقصود إغناء الفقير وبه تحصل القربة وهو يحصل بالقيمة.

(حاشية على حلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الزکاۃ فصل فی الغنم، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۷۱، زکریا ۲/ ۵۹، البحر الرائق، کوئٹہ ۲/ ۲۲۱، زکریا ۲/ ۳۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۲/۳ھ

نذر کے بکرے کی قیمت سے نذر پوری کرنا

سوال [۷۴۸۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے نذر مانی ہے اگر میں بیماری سے شفایاب ہوگیا تو بکرا صدقہ کروں گا اب زید شفایاب ہوگیا تو اب سوال یہ ہے کہ بکرے کا ہی صدقہ کرنا ضروری ہے یا اس کی قیمت سے بھی نذر پوری کی جاسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بکرے کا صدقہ کرنا ضروری نہیں، اس کی قیمت سے بھی نذر کا پورا کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۸، فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۰۱)

رجل قال إن نجوت من هذا الغم الذى أنا فيه فعلي أن أتصدق بعشرة دراهم فاشترى بعشرة دراهم خبزا فتصدق بعين الخبز أو ثمن الخبز يجزيه. (التاتارخانية، الأيمان، الفصل السادى والعشرون فى النذور ٦/ ٢٨٣ رقم: ٩٣٨٠، هنديه زكريا قديم ٢/ ٦٦، جديد ٢/ ٧٢، قاضيخان زكريا جديد ١/ ١٦٥، وعلى هامش الهندية ١/ ٢٦٩)

نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز إن ساوى العشرة كتصدقه بثمنه. (شامى زكريا ٥/ ٥٢٥، كراچى ٣/ ٧٤١، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٢٧٦، مصرى قديم ١/ ٥٤٨)

ولو نذر أن يتصدق بخبز كذا فتصدق بقيمة جاز. (تفسير مظهرى، مكتبه زكريا ٦/ ٢٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۱)

کیا بکرا صدقہ کرنے کی نذر میں قیمت ادا کرنا کافی ہے؟

سوال [۷۴۸۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام پورا ہو جائے تو ایک مخصوص مقدار میں غرباء پر بکرے صدقہ کروں گا، زید کی نذر پوری ہو جاتی ہے، تو کیا بکروں کا ہی صدقہ کرنا ضروری ہے، یا ان کی قیمت بھی فقراء پر صدقہ کی جا سکتی ہے؟

المستفتی: راشد حسین امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید کا کام پورا ہو گیا تو اس پر نذر پوری کرنا واجب ہے، اس کو اس بات کا اختیار ہے کہ جو مخصوص مقدار اس کی نیت میں تھی اس مقدار کے زندہ بکرے صدقہ کردے یا اس مقدار کے برابر قربانی کے شرائط کے مطابق اتنی تعداد کے بکرے خرید کر ذبح کر کے گوشت فقراء میں تقسیم کر دے، یا اتنے پیسے کا بازار سے گوشت خرید کر صدقہ کر دے، یا اتنے پیسے غریبوں میں تقسیم کر دے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۵۱، احسن الفتاویٰ ۵/۴۸۳)

عن خوات بن صالح بن خوات بن جبير عن أبيه عن جده قال: مرضت فعاد النبي ﷺ فلما برأت قال: صح جسمك يا خوات ف لله بما وعدته، قلت: ماوعدت لله شيئا، قال: إنه ليس من مريض يمرض إلا نذر شيئا، و نوىٰ شيئا من الخير، فف لله بما وعدته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٤/٢٠٥، رقم: ٤١٤٨)

نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز إن ساوى العشرة كتصدقه بثمنه. (در مختار، كتاب الأيمان، مطلب: النذر غير المعلق لا يختص بزمان و مكان و درهم و فقير زكريا ديوبند ٥/٥٢٥، كراچی ٣/٧٤١، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الكتاب ديوبند ٦٩٨، تبيين الحقائق، مكتبه إمداديه ملتان ١/٢٧١، زكريا ٢/٦٠، هنديه زكريا قديم ٢/٦٦، جديد ٢/٧٢، تاتارخانية كوئٹه ٥/٤٢، زكريا ٦/٢٨٣ رقم: ٩٣٨٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۵؍ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۴۳)

نذر شدہ جانور کی قیمت کھلانے کے علاوہ دوسرے کاموں میں لانا

سوال [۷۴۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صدقہ کی نیت سے زید نے جانور ذبح کرکے مدرسہ کے بچوں کو کھلانے کے لیے مدرسہ کے ذمہ دار کے پاس رقم دی (جانور کی قیمت) تو کیا یہ رقم مدرسہ کے دوسرے اخراجات میں خرچ کی جاسکتی ہے، یا جانور ہی ذبح کرکے گوشت کھلانا ہوگا، کیونکہ ایسے جانور ذبح کرنے کے لیے بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے بطور صدقہ جانور ذبح کردیجئے، اس لیے یہ سوال حاضر خدمت ہے؟

المستفتی: ریاض الدین خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانور ہی ذبح کرکے کھلانا ضروری نہیں بلکہ بازار سے گوشت خرید کر اور کھانے پینے کے دوسرے سامان خرید کر کسی بھی طرح کے کھانے کی شکل میں طلبہ پر خرچ کردیا جائے تو بھی جائز ہے، لیکن مدرسہ کے دوسرے اخراجات میں خرچ کرنا درست نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۲۲)

النذر لا يختص بزمان و مكان و درهم و فقير فلو نذر التصدق يوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم على فلان، فخالف جاز. (شامی زکریا ۵/۵۲٤، کراچی ۳/۷٤۰، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الكتاب ديوبند ٦٩٦)

وكذا يظهر منه أنه لا يتعين فيه المكان و الدرهم و الفقير لأن التعليق إنما أثر فى انعقاد السببية. (شامی زکریا ۵/۵۲٤، کراچی ۳/۷٤۱)

وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر و الكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما فى القهستانى. (شامی زکریا ۳/۲۸۳، کراچی ۲/۳۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/۷۹۵٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۲ھ

نذر کے جانور کا مصرف

سوال [۷۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب کی بیٹی کی منگنی ہوئی اور شادی کی بات چیت مکمل ہوگئی اس پر انہوں نے مدرسہ میں دو بکرے بھیجے کہ ان بکروں کو بھیج رہا ہوں قبول فرمالیں، اور دعا کرا دیں کہ شادی وغیرہ بھی خیریت سے ہوجائے۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ان بکروں کو مدرسہ کے جلسہ میں مہمانوں کی ضیافت کے لیے ذبح کرایا جاسکتا ہے، یا طلبہ ہی کے لیے پکوایا جائے جو بھی شریعت کا حکم ہو تحریر فرمادیں؟

المستفتی: شکیل احمد ڈھکہ اوجھاری امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو دو بکرے مدرسہ میں بھیجے وہ اگر بیٹی کی منگنی کی خوشی میں بھیج رہا ہے تو مدرسہ میں سب کے لیے کھانا جائز ہے، لہٰذا مدرس کے کھانے، مہمان کی ضیافت اور طلبہ کے کھانے وغیرہ میں شامل کرنا جائز ہے، اور اگر مذکورہ صاحب نے پہلے سے نذر مان رکھی تھی کہ اگر بیٹی کا رشتہ ہوجائے تو مدرسہ میں دو بکرے دوں گا، تو ایسی صورت میں یہ دونوں بکرے نذر کے ہوں گے، صرف طلبہ ہی کھاسکتے ہیں، ضیافت وغیرہ میں استعمال نہیں ہوسکتے۔

فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع فلا بأس به، وفي الفتاویٰ العتابية: وكذٰلك يجوز النفل للغني. (تاتارخانية، كتاب الزكوٰة، الفصل الثامن فيمن توضع فيه الزكاة، كراچی ۲/۲۷۵، زكريا ۳/۲۱٤، رقم: ٤١٥٥)

مصرف الزكاة والعشر: هو فقير وهو من له أدنى شيئ (در مختار) وفي الشامي: وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذٰلك من الصدقات الواجبة. (شامي كراچی ۲/۳۳۹، زكريا ۳/۲۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۳۱ھ

صدقۂ نافلہ اور نذر معین وغیر معین کے بکرے کا مصرف

سوال [۷۴۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو لوگ صدقۂ نافلہ اور نذر معین اور غیر معین میں بکرا، دنبہ وغیرہ ذبح کرتے ہیں اسی طرح جو یونہی نیاز وغیرہ کے نام پر کھانا کھلاتے ہیں کیا ان اصناف سے صدقہ کرنے والا اور منت ماننے والا خود اور اپنے اہل وعیال اور صاحب نصاب خویش واقارب، دوست واحباب کو کھلا سکتا ہے، یا تمام گوشت کا مساکین پر صدقہ کرنا لازم ہے، دلائل کتب فقہ سے نوازیں۔

المستفتی: یوسف علی بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو جانور صدقۂ نافلہ میں ذبح کیا گیا ہو اس کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے اہل وعیال اور صاحب نصاب دوست واحباب وغیرہ کو بھی کھلا سکتا ہے، کیونکہ یہ ان کے لیے ہبہ کے درجے میں ہوگا۔

وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغني لأنها تجري مجرى الهبة. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه، زكريا ۲/۱۵۷، كراچى ۲/۴۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۶/۳۳۲، شامى كراچى، ۶/۳۲۷، زكريا ۹/۴۷۳، البحر الرائق كوئٹه ۲/۲۴۵، زكريا ۲/۴۲۷)

نذر معین وغیر معین اور نیاز نیز صدقات واجبہ میں ذبح ہونے والے جانور کا گوشت نہ ناذر کھا سکتا ہے اور نہ اہل وعیال اور مالدار دوست واحباب کو کھلا سکتا ہے، یہ صرف مساکین فقراء کا حق ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۶۳)

أخرج البخاري تعليقا عن ابن عمر: لايؤكل من جزاء الصيد والنذر ويؤكل مما سوى ذٰلك. (بخاری، المناسك، النسخة الهندية ۱/۲۳۲ رقم الباب: ۱۲۳)

إذا نذر ذبح شاة لا يأكل الناذر منها ولو أكل فعليه قيمة ما أكل أو مثله

فی الأجناس . (تاتارخانیة کراچی ۲/۳۱۷، زکریا ۳/۲٦٦ رقم: ٤٣٢٥)

هذا فی الأضحية الواجبة والسنة سواء إذا لم تكن واجبة بالنذر و إن وجبت به فلايأكل منها شيئا و لا يطعم غنيا سواء كان الناذر غنيا أو فقيرا لأن سبيلها التصدق . (شامی زکریا ۹/٤٧٣، کراچی ٦/٣٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۱۲)

نذر کا بکرا کون کون کھا سکتا ہے؟

سوال [۷۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ نے ایک استفتاء ارسال کیا تھا جس میں بکرا صدقہ کرنے کا ذکر تھا، اس استفتاء کا نمبر ۲/۴٦٠٦ ہے، آپ نے تحریر فرمایا کہ سوالنامہ کا جواب صحیح ہے، نذر کا بکرا صرف غرباء کھا سکتے ہیں نہ خود کھا سکتے ہیں، نہ مالدار، میں نے یہ سوال کیا تھا کہ مذکورہ جواب کافی و مکمل ہے یا نہیں؟ اس کی تشنگی باقی ہے، مزید غور فرما کر اس کی سیرابی فرما دیں۔

المستفتی: محمد انوار الحق امروہہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ نے سوالنامہ نمبر ۴٦٠٦ میں سالم بکرا کا بھی سوال کیا ہے، جی ہاں، سالم بکرا بھی دیا جا سکتا ہے کہ مدرسہ والے ذبح کر کے طلبہ کو کھلا دیں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ اپنے مکان ہی پر ذبح کرا کے طلبہ کی دعوت کر دی جائے مگر طعام میں خود شریک نہیں ہو سکتے۔

أخرج البخاری تعليقا عن ابن عمر: لايؤكل من جزاء الصيد والنذر ويؤكل مما سوى ذٰلك. (بخاری، المناسك، النسخة الهندية ۱/۲۳۲ رقم الباب: ۱۲۳)

عن عطاء قال: ماكان من جزاء صيد أو نسك أو نذر للمساكين

فإنه لايأكل منه، عن سعيد بن جبير قال: لا يؤكل من النذر، ولا من الكفارة، ولا مما جعل للمساكين، عن الحكم قال: قال علي: لا يؤ كل من النذر، ولا من جزاء الصيد، ولا مماجعل للمساكين. (المصنف لابن أبي شيبة، الحج، فی هدی الكفارة و جزاء الصيد، مؤسسة علوم القرآن جديد ٨/١٤٦ رقم: ١٣٣٦٣- ١٣٣٦٥- ١٣٣٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۸۹)

کیا نذر کا کھانا مالدار رشتہ دار کھا سکتے ہیں؟

سوال [۷۴۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص اپنے کام پورا ہونے پر اللہ سے مانی ہوئی منت کا کھانا تقسیم کرتا ہے تو وہ کھانا کیا صرف غریبوں کو ہی تقسیم کیا جا سکتا ہے یا اس میں کچھ اپنے مالدار رشتہ داروں کو بھی تقسیم کر دے تو اس میں شرعی طور سے کوئی گناہ تو نہیں ہے؟

المستفتی: عبداللہ خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نذر کا کھانا صرف غریب لوگ کھا سکتے ہیں اور خود نذر ماننے والے اور مالدر کے لیے کھانا ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۰۳)

عن الحكم قال: قال علي: لايؤكل من النذر، ولا من جزاء الصيد، ولا مما جعل للمساكين. (المصنف لأبن أبی شيبة، الحج، فی هدی الكفارة و جزاء الصيد، مؤسسة علوم القرآن ٨/١٤٦، رقم: ١٣٣٦٦)

ناذر لمعينة ولو فقيرا ولو ذبحها تصدق بلحمها (إلى قوله) ولا يأكل الناذر منها فإن أكل تصدق بقيمة ما أكل وتحته فی الشامية: الأنسب

أن يقال و لو غنيا . (در مختار مع الشامی، کتاب الأضحية، کراچی ۶/ ۳۲۰، زکریا ۹/ ۴۶۳- ۴۶۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۱۶)

کیا نذر کے گوشت کا مصرف صرف فقراء ہیں؟

سوال [۷۴۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حمل کے دوران میری بیوی کی طبیعت خراب چل رہی تھی تب میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں صدقہ کروں گا اس وقت میرے پاس انتظام نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کر سکا، اس وجہ سے آج کر دیا ہے، آپ سے گذارش ہے کہ یہ بتانے کی مہربانی کریں کہ یہ گوشت صرف غریبوں میں تقسیم ہوگا یا کسی عزیز کے یہاں بھی بھیج سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد تعارف محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ نے بیوی کے حمل کے زمانے میں نیت کے ساتھ زبان سے بیوی یا اور کسی کے سامنے یا تنہائی میں کہا بھی ہے تو یہ شرعاً نذر ہے اس میں جانور کے اندر قربانی کے جانور کی شرطیں بھی لازم ہیں، اور اس کا گوشت صرف فقراء کھا سکتے ہیں نہ آپ کھا سکتے ہیں نہ ہی کوئی دوسرا مالدار۔

عن خوات بن صالح بن خوات بن جبير عن أبيه عن جده قال: مرضت فعاد النبي ﷺ فلما برأت قال: صح جسمك يا خوات ف لله بما وعدته، قلت: ماوعدت لله شيئا، قال: إنه ليس من مريض يمرض إلا نذر شيئا، و نوىٰ شيئا من الخير، فف لله بما وعدته. (المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی ۴/ ۲۰۵، رقم: ۴۱۴۸)

أخرج البخاری تعلیقا عن ابن عمر: لایؤکل من جزاء الصید والنذر ویؤکل مما سوی ذٰلک. (بخاری، المناسك، النسخة الهندية ١/٢٣٢ رقم الباب: ١٢٣)

ولایجوز فیهما إلا ما یجوز فی الأضاحی. (بدائع الصنائع زکریا ٤/٢٣٣، کراچی ٥/٨٥)

ولو قال: إن برئت من مرضی هذا ذبحت شاة (إلی) إلا إذا زاد و أتصدق بلحمها فیلزمه. (الدر مع الرد کراچی ٣/٧٣٩، ٧٤٠، زکریا ٥/٥٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦٠٦٨)

منت کی شیرینی کے مستحق کون؟ مسجد میں منت کی شیرینی لے جانا

سوال [۷۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں جمعہ کے دن لوگ مسجد میں شرینی پہنچاتے ہیں کوئی تو منت کی شیرینی دیتا ہے تو کوئی خوشی میں بھیجتا ہے، پھر جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد وہ شیرینی تمام لوگوں اور بچوں میں تقسیم کردیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ایسا کرنا کہ مسجد میں شیرینی منت وغیرہ کی پہنچانا کیسا ہے؟ اس شیرینی کے کھانے کے مستحقین کون لوگ ہیں؟

المستفتی: ابوالمعید قاسمی نعمت پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد میں منت وغیرہ کی شیرینی لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر شیرینی نذر ومنت کی ہے تو اس کے مستحق فقراء ومساکین ہیں، اغنیاء کو دینا درست نہیں، کیونکہ نذر واجب التصدق ہے جو فقراء کا حق ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۳۴)

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْنِ . [التوبة: ٦٠]﴾

مصرف الزكاة و هو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذور.

(شامی زکریا ۳/ ۲۸۳، کراچی ۲/ ۳۳۹)

لیکن مسجد میں اس کا امتیاز کون کرسکتا ہے، اس لیے مالدار لوگ ہرگز نہ کھائیں اور نہ ہی مسجد میں بھیجنے کی رسم جاری رکھیں، بلکہ نذر و منت کی شیرینی بجائے مسجد کے غریبوں کے گھروں میں پہنچانے کی کوشش کریں۔

عن عطاء قال: ما كان من جزاء صيد أو نسك أو نذر للمساكين فإنه لايأكل منه. (المصنف لابن أبي شيبة، الحج، فی هدی الكفارة و جزاء الصيد مؤسسة علوم القرآن جديد ۸/ ۱٤٦ رقم: ۱۳۳٦۳، ۱۳۳٦٥، ۱۳۳٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ / جمادی الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۵/ ۱۴۲۱ھ

غرباء میں تقسیم کی نیت کے بعد گوشت کا خود کھانا اور مالداروں کو کھلانا

سوال [۷۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بکرا میں نے قربانی کے لیے لیا تھا جو کہ عید الاضحیٰ پر قربانی کے لائق نہیں ہوا، میں نے دوسرا بکرا لاکر قربانی کردی، اس پہلے بکرے کے لیے میں نے یہ نیت کی تھی کہ اس کو غریبوں میں تقسیم کردوں گا اب اس کا گوشت اپنے استعمال میں لائیں یا سارا غریبوں میں تقسیم کرنا ہے۔

المستفتی: زاہد حسین شیدی سرائے مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے بکرے جس کے بارے میں غریبوں میں تقسیم کرنے کی صرف نیت کی ہے اس کو ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت خود کھانا اور غریبوں اور مالداروں میں تقسیم کرنا سب جائز ہے، اس لیے کہ صرف دل سے نیت کرنے سے نذر مکمل نہیں ہوتی ہے نذر کے لیے زبان سے تلفظ کرنا شرط ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۹۹، فتاویٰ دار العلوم ۱۲/ ۱۱۹)

النذر لا تكفى فى إيجابه النية بل لا بد من التلفظ به. (الأشباه والنظائر قديم ص: ٨٩)

فركن النذر هو الصيغة الدالة عليه. (بدائع الصنائع زكريا ٤/٢٢٦ دارالكتب العلمية بيروت ٦/٣٣٣، كراچی ٥/٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۵۹)

ناذر کے اہل خانہ کا نذر شدہ بکرے کا گوشت کھانا

سوال [۷۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی ماں نے زید کے بچپن ہی میں جب زید کی طبیعت خراب ہوئی تھی تو یہ منت مانی تھی کہ اگر زید کی طبیعت صحیح ہوگئی تو میں اللہ کے نام پر ایک بکرا قربانی کروں گی، اب زید کی طبیعت صحیح ہوگئی ہے اور زید کی ماں اللہ تعالیٰ کے نام پر ایک بکرا قربانی کر رہی ہے، لہٰذا زید کے گھر والوں کے لیے اور زید کے خاندان والوں کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے اس بکرے کا گوشت کھانا کیسا ہے، نیز اس طرح کی منت ماننا کیسا ہے؟

المستفتی: افتخار احمد ارریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اس بکرے کا گوشت فقراء ومساکین کا حق ہے انہیں کو کھلانا لازم ہے، زید یا اس کے خاندان والوں ورشتہ داروں کے لیے اس میں سے کھانا جائز نہیں ہے، نیز اس طرح کی منت ماننا درست ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۳/ ۴۷)

إذا نذر ذبح شاة لا يأكل الناذر. (الفتاویٰ التاتارخانية كراچی ٢/٣١٧، زكريا ديوبند ٣/٢٦٦ رقم: ٤٣٢٥)

عن عطاء قال: لا يؤكل من جزاء الصيد و لا مما يجعل للمساكين من

النذر و غير ذٰلک، ولا من الفدية، ويؤكل مما سوىٰ ذٰلک. (إعلاء السنن، الحج، باب يستحب الأكل من لحوم الهدايا الخ، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۵۱۷، رقم: ۳۰۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/صفر المظفر ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۸۵)

بیماری کا بکرا فقیروں کے لیے بھی ناجائز

سوال [۷۴۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیماری سے شفایابی کے لیے بکرا ذبح کرنا کیسا ہے؟ تا کہ جان کا بدلہ جان ہو اس کا گوشت فقیروں کے لیے کھانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیماری سے شفایابی کے لیے جان کا بدلہ جان یا دفع مصائب سمجھ کر جانور ذبح کرنا ناجائز اور حرام ہے، فقیروں کو اس کا گوشت کھانا جائز نہیں کیونکہ یہ میتۃ کے حکم میں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۹، امداد الفتاویٰ ۳/۵۷۰، احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۶۷)

ذبح لقدوم الأمير و نحوه كواحد من العظماء يحرم لأنه أهل به لغير الله ولو ذكر اسم الله. (شامی، كتاب الذبائح، زكريا ۹/۴۴۹، كراچی ۶/۳۰۹)

والذبح قد يكون للأكل فيكون مباحا أو مندوبا أو للأضحية فيكون عبادة أو لقدوم أمير فيكون حراما وتحته في الحموى فتكون الذبيحة ميتة. (الأشباه مع الحموى، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها ۱/۱۱۰، مكتبه زكريا) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۲۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۹ کتاب الحدود

۱ باب القصاص و الدیة

مسلمان کو قتل کرنے والے کی معافی کی کیا صورت ہے؟

سوال [۷۴۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص مسلم نے ایک شخص مسلم کو بلا کسی جرم کے قتل کیا ہے اب اس کی معافی کی کیا صورت ہے؟

(۲) اسی طرح ایک مسلم نے ایک شخص مسلم کو جبکہ وہ اس کو تنگ کرتا تھا قتل کر دیا ہے، اس کی معافی کی کیا صورت ہے تاکہ آخرت کی پکڑ سے بچ جائے۔

المستفتی: محمد اشرف قاسمی مدرس عربی کالج بنگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) عمداً قتل کرنے والے اگر اپنے آپ کو اولیاء مقتول کے سپرد کر دیں اور اولیاء مقتول معاف کر دیں تو دنیا میں وہ بری ہو گیا، البتہ آخرت کے لیے خداوند قدوس سے توبہ واستغفار کے ساتھ ساتھ مقتول کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہے تو ممکن ہے کہ آخرت کے مؤاخذہ سے محفوظ ہو جائے گا۔

عن أبی سعید الخدری أن النبی ﷺ قال: کان فیمن قبلکم رجل قتل تسعة و تسعین نفسا الخ. (صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب قبول توبة القاتل و إن کثر توبته، النسخة الهندیة ۲/ ۳۵۹، بیت الأفکار رقم: ۲۷۶۶)

اعلم أن توبة القاتل لاتكون بالاستغفار و الندامة بل يتوقف على إرضاء أولياء المقتول ...... فإن عفوا عنه كفته التوبة وقدمنا أنفا أنه بالعفو عنه يبرأ في الدنيا الخ. (شامی، كتاب الجنايات، قبيل باب القود فيما دون النفس، كراچی ٥٤٩/٦ زكريا ١٩٥/١٠، الفقه الاسلامی و أدلته، مكتبه هدی انٹرنيشنل ديوبند ١٦٨/٦، دار الفكر ٥٥٧٢/٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رجمادی الاخریٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۴۵)

ساڑھے سات ماہ کے حمل کو نکلوا کر پھینکنے والی عورت کا حکم

سوال [۷۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی کی بیوی نے بغیر شوہر کی اجازت کے ساڑھے سات ماہ کے حمل سے زندہ بچہ نکلوا کر زندہ بچہ پھینک دیا ہو اور وہ بچہ مر گیا ہو اور اس فعل میں کچھ اور لوگ شریک ہوں اور شوہر کو ۵/۶ ردن بعد اس فعل قبیح کا پتہ چلا ہو تو ایسی صورت میں بیوی اور شریک لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ ایسی بیوی کو نکاح میں رکھنا کیسا ہے؟ جبکہ اس کا شوہر اس کے اس فعل کی وجہ سے بیحد پریشان اور ناراض ہے؟

المستفتی: محمد ناصر دولت باغ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی عورت اور اس کام میں شریک ہونے والے قتل کے گناہ کے مرتکب ہیں اگر اسلامی حکومت ہوتی تو ان پر دیت لازم ہوجاتی یہ سب لوگ گناہ عظیم کے مرتکب ہیں۔

لايخفى أنها تأثم إثم القتل لو استبان خلقه و مات بفعلها. (شامی، كتاب الديات، قبيل باب ما يحدثه الرجل في الطريق وغيره، زكريا ٢٥٥/١٠، كراچی ٥٩١/٦)

نیز دو مہینے مسلسل روزہ رکھنا واجب ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے نادم ہو کر توبہ کرنا بھی ضروری ہے۔

وكفارتهما أى الخطأ وشبه العمد عتق قن مؤمن فإن عجز عنه صام شهرين ولاءً. (در مختار کراچی ٦/٥٧٤، زکریا دیوبند ١٠/٢٣١-٢٣٢)

ایسی عورت شرعاً فاسقہ ہے، شوہر کی مرضی ہے چاہے اس کو رکھے اور چاہے طلاق دے کر الگ کردے، اور اس کو طلاق دے کر الگ کر دینا شوہر پر لازم نہیں ہے۔

ولايجب على الزوج تطليق الفاجرة. (در مختار کراچی ٢/٤٢٧، زکریا دیوبند ٩/٦١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۲ھ

زانیہ بیوی کو چاقو سے مارنے والا شخص قاتل ہے

سوال [۷۴۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی بیوی ہندہ شادی سے قبل ناجائز تعلقات کی بنا پر دولڑکوں کی ماں بن چکی تھی، شادی کے ایک ماہ بعد ساری تفصیلات زید کے گھر والوں کو معلوم ہوئیں جس کی شہادت ہندہ نے اپنی زبانی چار گواہوں کی موجودگی میں دی، اس کے بعد زید نے اپنی اس بیوی ہندہ کو چاقو مار کر قتل کر دیا تو کیا ایسی صورت میں زید پر قتل کا گناہ تو نہیں ہوا؟ ہوا تو کفارہ کیا ہے؟ البتہ ان دونوں بچوں کو ہندہ دواؤں کے ذریعے اسقاط کرا چکی تھی، جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: مزمل حسین، شولا پور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں ایسی صورت میں زید پر قتل کا گناہ ہوگا کیونکہ زنا کا ثبوت ہونے کے بعد بھی شوہر یا کسی اور شخص کو قتل یا حد شرعی کا اختیار نہیں ہوتا ہے، حدود

شرعی صرف حاکم مسلم ہی جاری کرسکتا ہے، نیز دارالاسلام ہونا بھی شرط ہے، اور ہندوستان دار الاسلام نہیں ہے، اس لیے یہاں کسی کو حدود شرعی قائم کرنے کا حق نہیں ہے، لہٰذا شوہر سخت ترین گناہ کا مرتکب ہوگیا، اس کو توبہ واستغفار کرکے اپنے گناہ کی معافی کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کرنا لازم ہے، نیز بیوی کے لیے مغفرت کی دعا کرنا چاہیے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/ ۱۹۸)

عن زيد بن ثابت رضى الله عنه قال: لا تقام الحدود فى دار الحرب مخافة أن يلحق أهلها بالعدو، عن حكيم بن عمير أن عمر رضى الله كتب إلى عمير بن سعد الأنصارى و إلى عماله أن لايقيموا حدا على أحد من المسلمين فى أرض الحرب. (السنن الكبرىٰ للبيهقى، السير باب من زعم لا تقام الحدود فى أرض الحرب، دار الفكر ١٣/ ٤١٥ رقم: ١٨٧٣٤ – ١٨٧٣٥)

ولا حد بالزنا فى دار الحرب. (الدر المختار، كتاب الحدود، مطلب الزنا شرعا لا يختص بما يوجب الحد بل أعم، كراچى ٤/ ٥ زكريا ديوبند ٦/ ٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۹۶)

زانی وزانیہ کی سزا

سوال [۷۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکا غیر شادی شدہ ایک شادی شدہ عورت کو لے کر چلا گیا جبکہ اس عورت کا شوہر موجود ہے اب چند ماہ کے بعد وہ عورت اپنے شوہر کے یہاں آگئی ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس عورت اور اس لڑکے کو جو اس عورت کو لے کر گیا تھا کیا سزا دی جائے، خطرہ یہ بھی ہے کہ اگر اس کے اوپر قدم نہ بڑھایا گیا تو معاشرہ خراب ہوجائیگا؟

المستفتی: سلیم الدین قاسمی مولویان، سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر شادی شدہ لڑکے کا شادی شدہ عورت کو بھگا

کر لیجانے کی صورت میں ان کے لیے حدود شرعی ہیں، اور حدود شرعی قائم کرنے کے لیے حکومت اسلامی کا ہونا ضروری ہے چونکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں اس لیے ان دونوں پر حد جاری نہیں کی جاسکتی، البتہ بستی کے مسلمان پنچایت کریں اور مناسب سزا کے لیے جو بھی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے جس سے سزا مرتب کرنے والوں پر کسی قسم کا ایکشن نہ ہو، وہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے، لیکن ایسے معاملہ میں لڑکے سے زیادہ عورت کو سزا دینی چاہیے، اس میں عورت کی حرکت زیادہ ہے، جبکہ اس کا شوہر اور بچے موجود ہیں، سب کو چھوڑ کر کیوں گئی، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو عورت کو سزائے موت ہوتی اور لڑکے کو سو کوڑے لگائے جاتے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/۵۱۵)

أن رجلا من الأعراب جاء إلى النبی صلى الله عليه وسلم وهو جالس فقال يا رسول الله اقض بيننا بكتاب الله فقام خصمه فقال صدق اقض لنا يارسول الله بكتاب الله إن ابنی كان عسيفا على هذا فزنیٰ بامرأته فاخبرونی أن على ابنی الرجم فافتديت بمأة من الغنم ووليدة ثم سألت أهل العلم فزعموا أن على ابنی جلد مأة و تغريب عام فقال والذی نفسی بيده لأقضين بينكما بكتاب الله أما الغنم والوليدة فرد عليک و على ابنک جلد مأة و تغريب عام و أما أنت ياأنيس فاغد على امرأة هذا فارجمها فغدا أنيس فرجمها.

(بخاری شریف، کتاب المحاربين، باب من أمر غير الإمام بإقامة الحد غائبا عنه، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۱۰، رقم: ٦٥٧٥، ف: ٦٨٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۹ھ

لڑکی کے زنا کا دعویٰ کرنے سے زنا کا ثبوت

سوال [۷۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ زید پر الزام لگاتی ہے کہ زید نے میرے ساتھ زنا کیا ہے، ہندہ نے پنچان کو

جمع کیا، پنچان نے ہندہ سے پوچھ تاچھ کی ہندہ نے اقرار کیا مگر زید انکار کرتا ہے، پنچان نے گواہ طلب کیا ہندہ سے تو ایک گواہ عورت کولا یا گیا، اس کے علاوہ کوئی دوسرا گواہ نہیں ہے، زید کے انکار پر پنچان نے ایک مولوی صاحب کو بلایا، مولوی نے فرمایا کہ زید زنا کا انکار کرتا ہے اس لیے میں زید کو کلما کی قسم کھلاؤں گا۔

(۱) مسئلہ یہ ہے کہ ہندہ کے اقرار پر زنا کا ثبوت ہوگا یا نہیں؟

(۲) زید کے انکار پر کلما کی قسم کھلانا درست ہے یا نہیں؟

(۳) زید کے انکار پر کلما کی قسم کھلانے کے متعلق فقہاء نے کچھ تحریر فرمایا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد وکیل بن ماسٹر حسن احمد ضلع سپول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندہ جو زید پر الزام لگا رہی ہے اور زید اس کا انکار کر رہا ہے تو ایسی صورت میں محض کسی عورت کا کسی مرد کے بارے میں یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ اس نے میرے ساتھ زنا کیا ہے، اس لیے کہ بہت ممکن ہے کہ وہ اس کو داغدار کرنا چاہتی ہے، اس لیے کہ زنا کے ثبوت کے لیے شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے، اور اس عورت کے پاس شرعی گواہ نہیں ہیں، اس لیے زید کے خلاف کوئی شرعی حکم لاگو نہ ہوگا، اور نہ ہی زید کو کلما کی قسم کھلانے پر مجبور کرنا درست ہوگا۔

﴿**لَوْلَا جَآئُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ.** [النور: ۱۳]﴾

عن عمرو بن شعیب قال: قال رسول اللہ ﷺ قضی اللہ ورسولہ أن لا تقبل شہادۃ ثلاث، ولا اثنین ولا واحد علی الزنا. (مصنف عبد الرزاق، الطلاق، باب قولہ ولا تقبلوا لہم شہادۃ أبدا، المجلس العلمی ۳۸۷/۷، رقم: ۱۳۵۷۱)

إن شہد علی الزنا أقل من أربعۃ بأن شہد واحد أو اثنان أو ثلاثۃ لا تقبل الشہادۃ. (عالمگیری، کتاب الحدود، الباب الخامس فی الشہادۃ علی الزنا، زکریا قدیم ۱۵۱/۲، جدید ۱۶۵/۲)

وإن أقرت بالزنا بفلان فكذبها فلا حد عليها أيضا . (شامی زکریا دیوبند ۶/۱۱، کراچی ۹/٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۸۰۰۳)

غیر اسلامی ممالک میں زانی کی سزا

سوال [۷۴۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید شادی شدہ ہے، اور یہ چند بھائی ہیں زید گھر سے دور ملازمت کرتا ہے اور زید کا ایک چھوٹا بھائی بھی شادی شدہ ہے، اچانک زید کی اہلیہ پر زید کے چھوٹے بھائی نے جو شادی شدہ ہے رات کی تنہائی میں موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنہ منہ کالا کرنا چاہا، اولاً تو زید کی اہلیہ کو نیند تھی زید کے بھائی کی شرارت کی بنیاد پر فعل سے قبل آنکھ کھل گئی، جب اس نے اس صورت حال کو دیکھا تو وہ بہت پریشان ہوئی اور حتی الامکان وہ بچنے کی کوشش بھی کرتی رہی، بقول زید کی اہلیہ کے، لیکن بچنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ شور مچا دیتی چونکہ گھر میں والدین بھی نہیں تھے، اور نہ لڑکے کی اپنی اہلیہ تھی، گھر میں لڑکا اور اس کی بھابھی اور اس سے چھوٹے بھائی بہن جن میں ایک دو کی عمر تقریباً دس اور تیرہ سال کے درمیان تھی، لیکن وہ بہت گہری نیند میں سو رہے تھے، شور نہ کرنے کی وجہ بقول زید کی اہلیہ کے کہ شور کرنے کی صورت میں اپنی عزت اور گھر خاندان کی بدنامی اور اختلاف شدید ہونے کا خدشہ تھا، اس لیے اس صورت حال کے پیش نظر مجبور ہوگئی، دوسری وجہ یہ کہ لڑکے اور لڑکی کے والدین شریف اور اچھے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں، گھر اور خاندان کی بے عزتی کے ڈر سے شور کرنے سے مجبور ہوگئی اور زید کے بھائی نے اس مجبوری سے فائدہ اٹھا لیا، اس غلط فعل کے ہونے سے پہلے آپس میں حجت بھی ہوئی، پھر بھی بچنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا، زید کا بھائی اس فعل سے قبل اپنی بھابھی کو طرح طرح کا لالچ بھی دیتا رہا کہ آئندہ تمہاری ہر ضروریات پوری کرتا رہوں گا، کسی طرح کی کوئی پریشانی بھی نہ ہونے دوں گا، پھر بھی وہ کسی طرح

راضی نہیں ہوئی، اس کے بعد زید کے بھائی نے بزورو زبردستی اپنی بھابھی کے ساتھ منہ کالا کرلیا، لڑکی کا ماضی اور حال کسی بھی زمانے میں محرم اور غیر محرم سے اس قسم کا کوئی بھی تعلق نہ تھا اور نہ ہے، بقول لڑکی کے بحوالہ قسم کافی دن گذر جانے کے بعد شوہر کو اہلیہ کے ذریعہ ہی یہ بات معلوم ہوئی تو شوہر اس صورت حال سے بہت پریشان ہے کہ آخر کیا کرے، چھوڑنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، اس وجہ سے کہ چھوڑنے کی صورت میں بہت بڑا فتنہ پیدا ہوسکتا ہے، اور آپس میں دونوں خاندانوں کا ٹکراؤ ہوسکتا ہے اس لیے وہ حالات سے مجبور ہے، اور فی الحال یہ حرکت بھی پوشیدہ ہے، ظاہر ہونے کی صورت میں امکان ہے کہ آپس میں شدید اختلاف ہوجائے اور فتنہ کا ذریعہ بن جائے، فی الحال شوہر والدین اور بھائی وغیرہ کے ساتھ رہتا ہے، شوہر اس فعل کی وجہ سے بھائی وغیرہ کے ساتھ رہنے میں عار محسوس کررہا ہے، وقتی طور پر حالات بھی ایسے نہیں ہیں کہ وہ بذات خود گھر والوں سے الگ ہوجائے، گھر کے افراد میں سے ظاہری طور پر ان دونوں بھائی اور اہلیہ کے علاوہ کسی کو علم نہیں ہے اور شوہر بھی اس بات کو محدود رکھے ہوئے ہے حتی کہ چھوٹے بھائی کو بھی علم نہیں کہ بڑے بھائی کو اس بات کا علم ہوگیا ہے، شوہر اس صورت حال سے شش و پنج میں مبتلاء ہے کہ کیا کرے، شرعی اعتبار سے اس کے متعلق کیا حکم ہوسکتا ہے، مجرم اس مسئلہ میں فاعل اور مفعول دونوں ہیں یا صرف فاعل ہے، مجرم اور غیر مجرم دونوں کے لیے شرعی حکم کی وضاحت فرمائیں تاکہ دل کی بے اطمینانی دور ہوجائے، نیز بڑا بھائی چھوٹے بھائی سے اس صورت حال کی وجہ سے شریعت کے اعتبار سے کتنا اور کس طرح کا تعلق رکھ سکتا ہے؟ اور کیا لڑکی کے معاف کرنے سے شرعی عقوبات ختم ہوسکتی ہیں یا نہیں؟

لڑکی اس غلط فعل کا بدلہ لڑکے کو قتل کرکے یا کروا کر لینا چاہے تو شرعی اعتبار سے درست ہے، یا نہیں؟ اور ایسا کرنے سے لڑکی گنہگار ہوگی یا نہیں؟ یا اس جرم کا بدلہ ہوگا یا بدلے کی کوئی دوسری صورت ہو تو وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ شہید نگر غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب بھابھی اور دیور کے درمیان اس طرح کا

فعل شنیع اور بدکاری عمل میں آئی ہے، اور دونوں شادی شدہ ہیں تو اگر اسلامی حکومت ہوتی تو سنگسار کا حکم ہوتا، لیکن ہمارے یہاں اسلامی حکومت نہیں، حدود وقصاص نافذ نہیں ہو سکتے، اس لیے اللہ سے سچی توبہ کے علاوہ کوئی دوسری شکل نہیں، اور بھابھی اور دیور کے درمیان دوری کے اسباب پیدا کرنا ضروری ہے، دونوں کا گھر الگ الگ ہونا چاہیے، اور اس فعل بد کی وجہ سے بھابھی کا نکاح جو اپنے شوہر کے ساتھ قائم ہے اس میں کوئی فرق نہیں آئیگا، ہاں البتہ ان دونوں کو خدا کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور سچے دل سے توبہ کرلینا چاہیے اور منہ کالا کرنے والے لڑکے کو قتل کرنے کی جو بات کہی گئی ہے شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

عن زيد بن ثابت رضي الله عنه قال: لا تقام الحدود في دار الحرب مخافة أن يلحق أهلها بالعدو. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، السير، باب من زعم لا تقام الحدود في دارالحرب، دار الفكر ١٣/ ٤١٥، رقم: ١٨٧٣٤)

الحد خالص حق الله تعالىٰ فلايستوفيه إلا نائبه وهو الإمام. (فتح القدير، كتاب الحدود، فصل في كيفية إقامة الحد، دار الفكر مصري قديم ٥/ ٢٣٦، زكريا ٥/ ٢٢٤، كوئٹه ٥/ ٢٢)

رجل شرب الخمر و زنى ثم تاب ولم يحد في الدنيا هل يحد له في الآخرة؟ (وقوله) فإذا تاب توبة نصوحا أرجو أن لايحد في الآخرة. (شامي زكريا ٦/ ٤، كراچی ٤/ ٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۵۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۳/ ۱۴۲۶ھ

زنا کا کفارہ کیا ہے؟

سوال [۷۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اپنی سالی سے زنا کا مرتکب ہو کر سالوں سے بیمار چل رہا ہے،

اور بہت زیادہ روتا ہے، اگر اس کا کوئی کفارہ ہو تو وہ بھی بتادیجئے، ہماری دینی بہن کا شوہر ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زنا کا کفارہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حد اور کوڑا لگانا ہے لیکن اس کے لیے مسلم حاکم شرط ہے، اور ہندوستان میں حدود وقصاص کا جاری کرنا بادشاہ اور حاکم اسلام نہ ہونے کی وجہ سے ممکن نہیں اس لیے مذکورہ شخص اللہ تعالیٰ سے خالص توبہ کرے، شاید حق تعالیٰ معاف فرمادیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۸۰)

عن حكيم بن عمير أن عمر رضي الله كتب إلى عمير بن سعد الأنصاري و إلى عماله أن لايقيموا حدا على أحد من المسلمين في أرض الحرب، حتى يخرجوا إلى أرض المصالحة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، السير، باب من زعم لا تقام الحدود في أرض الحرب دار الفكر ۱۳/۴۱۵، رقم: ۱۷۸۳۵)

لا حد بالزنا في الحرب والبغي الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحدود، مطلب: الزنا شرعا لا يختص بما يوجب الحد بل أعم كراچی ۴/۵، زكريا ديوبند ۶/٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۵۹)

بدکاری سے عورت حرام نہیں ہوتی

سوال [۷۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی زوجہ کو شخص غیر کے ساتھ برہنہ ہمبستر ہوتے دیکھ لیا، تو اب یہ عورت اپنے شوہر کے لیے حلال رہی؟ جب کہ وہ یہ حرکت دو چار مرتبہ اور بھی اسی شخص کے ساتھ کر چکی ہے، لیکن اب وہ آئندہ کے لیے توبہ کرتی ہے، اور اپنے کیے پر نادم ہے، شوہر نے معاف کر دیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ عورت اپنے شوہر کی نکاح میں رہی؟ کیا شوہر کو

جملہ خدمات کرنے کا حق حاصل ہے؟ کیا عدت اور نکاح ثانی وغیرہ کی ضرورت ہے؟

(نوٹ) اس عورت کے اپنے شوہر سے آٹھ ماہ تا چودہ سال کی عمر کے پانچ بچے بھی ہیں، اور اس وقت بھی وہ قریب تین ماہ کے حمل سے ہے، جب کہ شخص غیر سے تعلق جڑے دو ماہ گذرے ہیں اس دلیل کی بنا پر عورت کا کہنا ہے کہ یہ حمل شوہر ہی سے ہے، براہ کرم جواب با صواب سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس فعل بد کی بناء پر عورت گناہ عظیم کی مرتکب ہے، سچی توبہ کرنا لازم ہے، اور پیٹ میں جو حمل ہے شرعی طور پر وہ شوہر ہی کا ہے، اور شوہر کا نکاح پہلے کی طرح بدستور باقی ہے، نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا، اور جس منحوس مرد نے یہ حرکت کی ہے اس کے اور عورت کے درمیان سخت پابندی لگادی جائے، ہرگز ایک دوسرے کی صورت نہ دیکھیں، اللہ کے عذاب سے ڈرو، خدا کا خوف کرو، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو پتھر سے مار مار کر جان سے ختم کر دیا جاتا۔

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيلًا. [الإسراء: ۳۲]﴾

قالت عائشة: قال رسول الله ﷺ: الولد للفراش وللعاهر الحجر.

(صحيح البخاري، المغازي، النسخة الهندية ۲/۶۱۶، رقم: ۴۱۳۸، ف: ۴۳۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۰۶۸)

کیا شراب کو بڑھاوا دینے والے کو موت کی سزا دی جاسکتی ہے؟

سوال [۷۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: شراب یا نشہ آور اشیاء کے استعمال یا کاروبار پر جب کوئی آدمی اس کے فروغ کا ذریعہ بن رہا ہو تو کیا اس کو موت کی سزا دی جاسکتی ہے؟ بحوالہ حدیث جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: سید معین نواز راپچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں شراب وغیرہ میں موت کی سزا نہیں ہے، اور جہاں دار الاسلام میں قرآن وحدیث کے احکام نافذ ہیں وہاں پر شراب پینے کا شرعی ثبوت حاصل ہونے کے بعد ۸۰/کوڑے لگانے کا حکم ہے، اور شراب کی تجارت پر حکومت اپنی طرف سے رکاوٹ ڈالنے کی مجاز ہے۔

قال رسول اللّٰہ ﷺ: لایحل دم امرء مسلم إلا رجل قتل فقتل أو رجل زنی بعد ما أحصن أو رجل ارتد بعد إسلامه. (مصنف ابن أبی شیبة، الدیات، ما یحل به دم المسلم، مؤسسة علوم القرآن ۱۴/ ۲۹۷-۲۹۸، رقم: ۲۸۴۸۱، سنن النسائی، المحاربة ما یحل به دم المسلم، النسخة الهندیة ۲/ ۱۴۷، دار السلام رقم: ۴۰۲۳، مسند أحمد بن حنبل ۶/ ۲۰۵، رقم: ۲۶۲۱۹)

التعزیر لغة التأدیب مطلقا و شرعاً تأدیب دون الحد ...... والتعزیر مفوض إلی رأی الإمام. (شامی زکریا ۶/ ۱۰۳، کراچی ۴/ ۶۰)

یحد مسلم ناطق مکلف شرب الخمر ولو قطرة ...... بشهادة رجلین ...... أو یثبت بإقراره مرة صاحیا ثمانین سوطا للحر. (شامی زکریا ۶/ ۷۳، کراچی ۴/ ۳۷)

أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: لم یقتل الشارب. (بذل المجهود کتاب الحدود، باب إذا تتابع فی شرب الخمر دار البشائر الإسلامیة ۱۲/ ۵۷۸، قدیم سهارنپور ۵/ ۱۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۷۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۴ھ

چیخ وپکار سے ہونے والی موت کا ذمہ دار کون؟

سوال [۷۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک سماجی ذمہ دار اور کارکن ہے، جس کے خاندان کے لوگ تین سو سال سے سماجی اور معاشرتی خدمت انجام دیتے آرہے ہیں، زید مسجد اور محلّہ کے انتظام کا بھی ذمہ دار ہے، (جس کو ہمارے عرف میں مہتوں کہتے ہیں) زید اسی رمضان میں مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آیا، مسجد میں پہلے سے بکر اور دیگر مصلیان موجود تھے، بکر زید کو دیکھتے ہی چراغ پا ہوگیا اور زید سے الجھنے اور یہ الزام دینے لگا کہ تم نے ماموں اور بھانجے میں لڑائی کرادی ہے، یہ جملہ بار بار دہرا رہا تھا، اور زید کو مسلسل دھکیل رہا تھا، زید نے بکر سے کہا کہ میں روزے سے ہوں روزہ افطار کرنے کے بعد بات کر لینا، بکر ہارٹ کا پرانا مریض تھا اس لیے دیگر مصلیوں نے سمجھایا، لیکن وہ اپنی بات پر مصر تھا، زید سنت ظہر پڑھنے لگا، بکر اصرار کے ساتھ یہ کہنے لگا کہ فیصلہ ابھی ہوگا، اور نماز ظہر بعد میں ہوگی، بکر زور زور سے کہنے لگا کہ نہیں فیصلہ ابھی ہوگا، نماز ظہر بعد میں، اس جملہ کو کہتے کہتے اس کو دل کا دورہ پڑا اور مسجد کے فرش پر گر گیا اور اس کی موت واقع ہوگئی، واضح ہو کہ ظہر کی نماز باجماعت پڑھی جانے لگی، اور تین رکعت ہوچکی تھیں رونا پیٹنا شروع ہوگیا، اہل خانہ بکر کی لاش گھر لے گئے، اور پھر پلٹ کر مسجد میں آکر ماں بہن کی گالی دینے لگے، اور طیش میں آکر یہ کہنے لگے کہ خون کا بدلہ خون سے لیا جائیگا نیز بکر کے انتقال کے تیسرے دن بعد نماز ظہر مسجد میں سب کو روک لیا گیا اور ایک شخص نے مائک سے یہ اعلان کیا کہ زید بکر کی موت کا ذمہ دار ہے، لہٰذا اس کو اب محلّہ کی ذمہ داری اور مہتو سے برطرف کیا جاتا ہے، جبکہ زید کے خاندان سے مہتو کی ذمہ داری تین سو سال سے چلی آرہی ہے، اور لوگوں نے باتفاق رائے زید کو مہتو منتخب کیا تھا اور یہی اہل محلّہ کا جمہوری نظام ہے، معلن نے محلّہ والوں سے کوئی رائے مشورہ نہ لیتے ہوئے اپنے دبدبے کا مظاہرہ کیا اور خود بنفس نفیس زید کو سماجی منصب سے ہٹانے کا اعلان کردیا۔

(۱) جواب طلب امر یہ ہے کہ بکر کا یہ کہنا کہ فیصلہ ابھی ہوگا نماز بعد میں ہوگی، کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۲) زید بکر کی موت کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے؟

(۳) کسی شخص کا مسجد میں ہنگامہ اور ماں بہن کی گالی دینا شرعاً درست ہے؟

(۴) زید کو بکر کی موت کا ملزم مانتے ہوئے اور بغیر عوامی رائے مشورہ کے ازخود کسی کا یہ اعلان کر دینا کہ زید اب محلّہ کا مہتو نہیں رہے گا، صحیح ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال اپنی جگہ واقع کے مطابق صحیح اور درست ہے اور سائل کا بیان سچا ہے تو ایسی صورت میں ازخود جذباتی انداز سے چیخ وپکار کے ساتھ دورے کا شکار ہو کر موت واقع ہوئی ہے لہٰذا ایسی صورت میں شخص مذکور کی موت میں زید کا کوئی دخل اور واسطہ نہیں رہا بلکہ بکر اپنی موت مرا ہے، اور یہ موت موت فجأت کے قبیل سے ہے، لہٰذا زید پر الزام بے جا اور بے موقع ہے، اور بکر کی موت کا سبب بنا کر زید کے بارے میں مسجد کی ذمہ داری سے برطرف کرنے کا اعلان کرنا زید کے اوپر زیادتی ہے، نیز اعلان کرنے والا مسجد کے ذمہ دار اور کمیٹی کی طرف سے اعلان کے لیے مقرر کردہ بھی نہیں ہے اس لیے اس اعلان کا بھی شرعی طور پر کوئی اعتبار نہیں ہے۔

موت الفجاء ة البغتة ...... موت الفجأة وقوعه بغير سبب من مرض وغيره ...... وعن عائشة وابن مسعود موت الفجأة راحة للمومنين و أسف على الفاجر. (فتح الباری کتاب الجنائز، باب موت الفجأة تحت رقم الحديث ١٣٨٨، دار الريان للتراث القاهرة ٢٩٩/٣)

مسجد میں گالی گلوچ کرنا اور بازار کی طرح شور مچانا ناجائز اور سخت گناہ ہے، جس کے بارے میں حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث شریف میں ہے۔

عن عبد اللّٰه يعني ابن مسعودؓ قال قال رسول اللّٰه ﷺ سيكون في

آخر الزمان قوم يكون حديثهم في مساجدهم ليس لله فيهم حاجة. (صحيح ابن حبان ۳۰۸/٦، دار الفكر رقم: ٦٧٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شوال ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱٦۵٦)

کیا حکومت کا ساتھ دینے والا شخص واجب القتل ہے؟

سوال [۷۵۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شاہین جماعت اسلامی میں سے ہے جموں وکشمیر کی حکومت کا باغی ہے، مسلمانوں میں اپنے کو مجاہد ظاہر کرتا ہے، ۱۵؍رمضان المبارک کو محمد شریف جو متقی مسلمان تھا، شاہین محمد شریف کو اس طریقہ پر قتل کرتا ہے کہ اول آگ سے جلایا پھر سر میں گولی مار کر قتل کر دیا، اور نعش کو تقریباً ۲۰۰؍فٹ نیچے گرادیا، بعد میں شاہین محمد شریف مقتول کو الزام لگاتا ہے کہ یہ اندرونی طور سے حکومت کا ساتھ دیتا تھا، بریں بنا تو واجب القتل تھا، اس لیے میں نے اس کو قتل کر دیا، بعد تحقیقات یہ تمام الزام غلط اور جھوٹ تھے، کیا محمد شریف واجب القتل تھا اگر نہیں تو کیا محمد شریف شہید ہے، محمد شریف کو روزہ کی حالت میں قتل کیا گیا، کیا محمد شریف پر شہید کے احکام جاری ہوں گے، کیا مسلمان واجب القتل ہوتا ہے، اگر ہاں تو کب اور کون کریگا؟ کیا غیر اسلامی حکومت میں بھی؟ اور اوپر ذکر کیے ہوئے شاہین جماعت اسلامی کے ایسے فعل پر شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالغنی، ڈوڈہ کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی مسلمان کو صرف تین صورتوں میں قتل کرنا جائز ہوتا ہے، ان کے علاوہ باقی کسی بھی شکل میں قتل کرنا جائز نہیں ہے، (۱) اس نے جان بوجھ کر دوسرے مسلمان کو قتل کر دیا ہو تو قصاص میں حکومت اسلامی کے نظام کے تحت قتل کیا جا سکتا ہے۔ (۲) شادی شدہ مسلمان نے زنا کیا ہو اس کا شرعی طریقہ سے ثبوت ہو چکا ہو۔

(۳) مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوگیا ہو، ان کے بغیر کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

عن أبی أمامة بن سهل بن حنیف أن رسول الله ﷺ قال لا یحل دم امرئ مسلم إلا بإحدی ثلاث زنی بعد إحصان أو ارتداد بعد إسلام أو قتل نفس بغیر حق فقتل به. (سنن الترمذی، باب ما جاء لا یحل دم امرئ مسلم إلا بإحدی ثلاث، النسخة الهندیة ۲/ ۳۸، دار السلام رقم: ۲۱۵۸)

عن عبد الله قال: قام فینا رسول الله ﷺ فقال: والذی لا إله غیره، لا یحل دم رجل مسلم یشهد أن لا إله إلا الله، وأنی رسول الله إلا ثلاثة نفر، التارک الإسلام، المفارق للجماعة أو الجماعة (شک فیه أحمد) والثیب الزانی، والنفس بالنفس. (صحیح مسلم، کتاب القسامة، باب ما یباح به دم المسلم، النسخة الهندیة ۲/ ۵۹، بیت الأفکار رقم: ۱۶۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۱۱/ ۱۴۱۷ھ

حادثہ کے بعد ذمہ دار ڈرائیور ہے یا مالک جبکہ مالک کے ذمہ دار ہونے کا معاہدہ ہو

سوال [۷۵۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی نوکری کے وقت صاحب گاڑی سے یہ طے کرلیا تھا کہ اگر کسی قسم کا ایسا نقصان ہو جس کی وجہ سے دیت دینے کی نوبت آوے یا جان کے بدلے جان دینے کی نوبت آوے تو اس کا ذمہ دار آپ خود ہوں گے، میں نہیں ہوں گا، تو اس صورت میں اس قسم کا حادثہ پیش آجاوے تو گاڑی کا مالک ذمہ دار ہوگا یا زید؟ نیز زید گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اور ان تمام صورتوں کی بناء پر ٹریفک چلانا جائز ہوگا کہ نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے اپنی نوکری کے وقت صاحب گاڑی کے

ساتھ جو شرط طے کی تھی وہ شرط باطل ہے، اس لیے دیت کا ذمہ دار صاحب گاڑی نہیں ہوگا بلکہ زید کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔

والإجارة تفسدها الشروط كما تفسد البيع الخ. (الجوهرة النيرة كتاب الإجارة كوئٹه ۱/۳۲۳، دار الكتاب ديوبند ۱/۳۱۳، قدوری ص: ۱۰۲، هنديه زكريا قديم ۴/۴۴۲، جديد ۴/۴۷۸)

إذا اجتمع المباشر والمسبب أضيف الحكم إلى المباشر. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۲۳۷)

نیز زید گنہگار بھی ہوگا اس لیے اللہ سے توبہ واستغفار کرلینا لازم ہے، ٹریفک چلانا جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۷۸۲)

ایکسیڈینٹ کی صورت میں کیا ڈرائیور پر دیت واجب ہے؟ اور دیت کی مقدار؟

سوال [۷۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید خوب تیزی کے ساتھ بس چلا رہا تھا، کہ اچانک ایک سائیکل والا سامنے آگیا، زید نے بس روکنے کی کوشش کی لیکن بس نہ رکی، کیونکہ گاڑی جب تیزی میں ہوتی ہے تو فوراً نہیں رکتی ہے، اور سائیکل والے کا ایکسیڈینٹ ہوگیا اور وہ مر گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے اوپر دیت لازم ہے یا جان کے بدلہ جان، اور ڈرائیور قاتل میں شمار ہوگا کہ نہیں؟ اور اگر دیت لازم ہوگی تو اس کی مقدار کیا ہوگی؟

المستفتی: محمد زکریا سرائے ترین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں زید پر دیت واجب ہے، جان

کے بدلے جان نہیں ہے۔

اور دیت کی شرعی مقدار نقدی دس ہزار درہم چاندی یا اس کی قیمت ہے، اور تولہ کے وزن سے دو ہزار چھ سو پچیس تولہ چاندی ہوتی ہے، یا سو اونٹ یا ایک ہزار بکریاں ہیں۔

نیز مرحوم کے ورثاء کو کسی خاص قسم کی رقم پر راضی کر کے بطور صلح کے معاملہ ختم کر لینا بھی جائز ہے۔

لو أن دابتين لو استقبلتا و اصطدمتا فعطبت إحداهما ولكل واحد منهما سائق فضمان التي عطبت على الآخر. (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الجنایات، فصل فی القتل الذی یوجب الدیة، جدید زکریا ۳/ ۳۲٤، علی هامش الهندیة ۳/ ٤٤٤)

لأن الدية مجهولة فإنها من الدراهم عشرة آلاف ومن الدنانير ألف دينار ومن الإبل مأة ومن الغنم ألف شاة. (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الصلح، قبيل باب الصلح عن العقار و عما يتعلق به، جديد زكريا ۳/ ۵۹، على هامش الهندية ۳/ ۹۸، وهكذا في الهداية اشرفي ديوبند ۳/ ۵٦۸)

والصلح جائز عن دعوى الأموال ...... ويصح عن جناية العمد والخطاء. (هدایه اشرفی دیو بند ۳/ ۲۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۴/ ۱۴۱۰ھ

حادثہ کا شکار ہونے والے کے ورثاء کیلئے سرکاری امداد حاصل کرنا

سوال [۷۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص کی کسی حادثہ میں سرکاری یا پرائیویٹ نوکری کے دوران موت واقع ہو جانے پر سرکار کی طرف سے دیا جانے والا معاوضہ یا امداد اس کے بیوی بچوں کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟ یا کوئی شخص کسی ایکسیڈینٹ یا حادثہ کا شکار ہو کر صرف زخمی ہو جائے تو اس حالت

میں اس کے علاج کے لیے سرکاری پیسہ اس کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں حکومت کی طرف سے دی ہوئی رقم حادثہ میں مرنے والوں کے لیے یا زخمیوں کے لیے ایک قسم کا تعاون ہے جس کا لینا بلا تردد جائز اور درست ہے، اور مذکورہ رقم مرنے والے کے تمام وارثین کے درمیان شرعی حصوں کے حساب سے تقسیم ہوگی۔ (مستفاد: انوار رحمت ۳۴۲ تا ۳۷۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۷۹/۳۸)

حادثہ میں مرنے والے کے معاوضہ کا حکم

سوال [۷۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی مسلمان فساد میں مر جائے یا اور کسی حادثہ میں مر جائے تو اس کے گھر والوں یا اس کے بیوی بچوں کو معاوضہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نبی کے زمانے میں ایسا ہوا ہو تو اس کو بھی ذکر کریں؟

المستفتی: راحت جان قریشی پیر غیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فسادات کے درمیان افراتفری کے دوران جب کسی کو مار دیا جائے اور حکومت ان کو معاوضہ دینا چاہے تو وارثین کے لیے یہ معاوضہ لینا جائز ہے، حدیث شریف میں اس قسم کے واقعات موجود ہیں، غزوۂ احد میں افراتفری کے دوران مسلمانوں کے ہاتھوں سے حضرت حذیفہ کے والد حضرت یمان شہید ہو گئے، اس پر حضور ﷺ نے مسلمانوں کی طرف سے دیت ادا کرنے کا ارادہ فرمایا تھا لیکن حضرت حذیفہ نے معاف فرما دیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیت کے لیے پیشکش کرنا جواز کی دلیل ہے۔

وأما حسيل بن جابر (وهو اليمان والد حذيفة بن اليمان) فاختلفت عليه أسياف المسلمين وهم لايعرفونه فقتلوه فقال حذيفة أبي أبي فقالوا: والله ما عرفناه و صدقوا فقال حذيفة يغفر الله لكم وهو أرحم الراحمين، فأراد رسول الله ﷺ أن يديه فتصدق حذيفة بديته على المسلمين فزاده ذٰلک عند رسول الله ﷺ خيرا. (أسد الغابة، دار الفكر ١/٤٩٣، الروف الأنف ١١/٦)

عن محمود بن لبيد قال: اختلفت سيوف المسلمين على اليمان أبي حذيفة يوم أحد و لايعرفونه فقتلوه فأراد رسول الله ﷺ أن يديه، فتصدق حذيفة بديته على المسلمين. (مسند أحمد بن حنبل ٥/٤٢٩، رقم: ٢٤٠٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۹۲/۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۷ھ

حکومت سے ملنے والی امدادی رقم کا مستحق کون ہے؟

سوال [۷۵۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ڈرائیور تھا، گاڑی چلاتے ہوئے زید کا ایکسیڈینٹ ہوگیا اور ایکسیڈینٹ میں ہی انتقال ہوگیا، زید نے ماں باپ اور تنہا ایک بیوی کو حیات چھوڑا، زید کے ماں باپ اور بیوی نے زید کے ایکسیڈینٹ کے ذریعہ موت واقع ہونے کی وجہ سے عدالت میں معاوضہ کا دعویٰ کردیا، اور تینوں کو مدعی بنا کر دعویٰ ہوا، ادھر زید کے انتقال کے بعد زید کے والدین کی لاپراہی کی بنیاد پر زید کی بیوی اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور وہیں رہتے ہوئے دعوے کی دیکھ ریکھ کی، اور جج نے معاوضہ منظور کر کے تینوں کو برابر کا تین تہائی حصہ دار بنا کر فیصلہ دیدیا، لیکن زید کی بیوی حاملہ تھی، اس لیے کچھ لوگوں کی غیرت دلانے پر زید کے ماں باپ اس کی بیوی کو اپنے گھر لے آئے، اتفاق سے دو روز بعد ہی زید کی بیوی کے لڑکا پیدا ہوا اور پیدا ہوتے ہی پانچ منٹ کے بعد مر گیا، اور پانچ گھنٹوں کے بعد زید کی بیوی کا بھی انتقال ہوگیا،

حضوروالا سے درخواست ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ معاوضہ تین تہائی تینوں کے نام برابر ہے، زید کے ماں باپ نے تو اپنے نام کا معاوضہ نکال لیا ہے، اور زید کی بیوی کے نام کا نہیں نکلا ہے، جبکہ زید کی بیوی کے انتقال کو تقریباً بیس روز ہو چکے ہیں۔

مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ اس معاوضہ کے حقدار جو اہلیہ کے نام پر ہے زید کے ماں باپ ہیں یا زید کی بیوی کے ماں باپ حقدار ہیں؟

المستفتی: مہدی حسن امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت نے جو امدادی رقم زید کی بیوی کے نام سے دی ہے وہ زید کی بیوی کے والدین کا حق ہے، زید کے والدین کا حق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱۰/۵۲۴، جدید زکریا ۱۰/۲۹۱، فتاویٰ نظامیہ ۱/ ۲۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۱۹ھ

مقتول کے ورثاء کا مال پر صلح کرنا

سوال [۷۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھائی محمد شریف ولد ابن حسن ساکن محلّہ اصالتپورہ متصل نائیوں والی مسجد کا قتل تقریباً ۱۰؍ سال قبل محلّہ اصالتپورہ کے پڑوسی اکرم ولد عبد شیخ ساکن مرادآباد نے نامعلوم وجہ کے ساتھ کردیا، جس کا مقدمہ چل رہا ہے، قاتلوں نے جج حضرات کو خریدنے کی ناکام کوشش کی مگر اللہ کے فضل سے ناکام رہے، اس مورچے پر ہارنے کے بعد قاتلوں نے میرے ماموں، خالاؤں اور عزیزوں پر اللہ واسطے معافی کی دہائی دے کر مطالبہ کیا کہ مقتول شریف کے اس قتل کے بدلے ہم لوگوں سے صدقہ جاریہ جیسا کوئی کام کرالیں جس کا اجر اس کو آخرت میں ملتا رہے اور قاتلوں کو اللہ واسطے معاف کردیں یا پھر کوئی معاوضہ کی رقم لے

لیں، اس رائے سے اتفاق کرنے والوں میں میرے سگے ماموں باشرع حکمت اللہ بھی ہیں، آپ سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں میرے معاملہ کا حل فرمادیں، میرے والد ابن حسن قتل کے وقت حیات تھے اوراب والدہ زندہ ہیں، نیز ذہن کو یہ بات پریشان کئے ہوئے ہے، کیا وہ حشر میں ہم پر کوئی دعویٰ تو نہیں کریگا، اس دنیا میں معافی سے حشر میں قاتلوں کوتو معافی نہیں مل جائیگی؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہم وارثان نے قانونی پیچیدگی سے لکھ کر معاف بھی کردیا پھر بھی ہم سب کا دل معاف نہیں کریگا، مقتول جوان تھا، غیرشادی شدہ ،تندرست وخوبصورت تھا، اللہ اس کی مغفرت فرمائے۔

المستفتی: رئیس احمد ساکن اصالتپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مقتول کے ورثاء کے لیے شرعی طور پر یہ جائز ہے کہ قاتل سے مال پر صلح کرکے قصاص کو معاف کردیں، اس لیے کہ قصاص اولیاء اور ورثاء کا ہی حق ہے، اور مال کی مقدار کوئی متعین نہیں ہے، بلکہ اولیاء کی مرضی ہے کہ وہ جتنے مال پر چاہیں صلح کرلیں، اور اس صلح کی وجہ سے مقتول کے اولیاء گنہگار نہیں ہوں گے، اور نہ ہی محشر میں مقتول اولیاء سے یہ سوال کرے گا کہ تم نے مال لے کر معاف کیوں کیا، اور اس مال میں اولیاء کا پورا حق ہے، وہ چاہے اپنی ذات پر خرچ کریں یا مقتول کے لیے کار خیر میں خرچ کردیں اور اگر بعض ورثاء اپنے حصے اپنی ذات پر خرچ کرنا چاہیں تو کسی کو ان پر دباؤ ڈالنے کا حق نہیں کہ وہ کار خیر میں خرچ کریں بلکہ جن کی مرضی کارِ خیر کی ہے وہ اس میں خرچ کریں اور جن کی مرضی ذات پر خرچ کرنے کی ہے وہ اس میں خرچ کریں، دوسروں کو دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے۔

﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ.﴾ [البقرة: ۱۷۸]

إذا اصطلح القاتل وأولياء القتيل على مال سقط القصاص ووجب المال قليلا كان أو كثيرا (وقوله) لأنه حق ثابت للورثة يجرى فيه الإسقاط عفوا فكذا تعويضا الخ. (هدايه، كتاب الجنايات، فصل و إذا اصطلح القاتل اشرفى ۵۷۱/۴)

ویسقط القصاص بصلحهم علی مال و إن قل المال لأنه حقهم فیجوز تصرفهم فیه کیف شاؤا. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/٣٢٦، مصری قدیم ٦٢٧/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۹۰)

بطور تاوان دی گئی رقم کا حکم

سوال [۷۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اور بکر دونوں میں جھگڑا ہوا بکر کو کافی چوٹ آئی، جس کی وجہ سے زید نے بکر کے گھر والوں کو تین ہزار روپئے دیئے تاکہ وہ اپنا علاج کرے تو کیا بکر کو وہ روپئے لینے جائز ہیں یا نہیں؟ اگر جائز ہیں تو کیا بکر بخوشی یہ رقم مسجد کو دے سکتا ہے اور مسجد اس رقم کو تصرف میں لاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد طیب ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید نے بکر کے گھر والوں کو بطور تاوان جو تین ہزار روپیہ دیئے ہیں بکر کے لیے وہ روپئے لینے جائز ہیں اور وہ حلال ہیں، اس میں اسے ہر طرح کے تصرف کا حق ہے، اپنے علاج میں خرچ کرسکتا ہے، نیز مسجد میں بھی دے سکتا ہے۔

﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَان.﴾ [البقرة: ١٧٨]

ویسقط القصاص بصلحهم علی مال و إن قل المال لأنه حقهم فیجوز تصرفهم فیه کیف شاؤا. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/٣٢٦، مصری قدیم ٦٢٧/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۵۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲ باب التعزیر

غلط مسئلہ بتانے پر بطور تاوان دعوت کھانا

سوال [۷۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ایک عالم صاحب نے مسئلہ بتایا کہ قصائی سے بڑے میں دو حصہ خرید کر عقیقہ کرسکتے ہیں، بقیہ قصائی فروخت کرسکتا ہے، اس پر ایک شخص نے ایک بڑے جانور میں سے ۲/حصہ گوشت لے لیا، اور پانچ حصہ قصائی کو دیدیا، قصائی نے فروخت کردیا، تو عقیقہ ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو عقیقہ دوبارہ کرنا پڑیگا یا نہیں، اگر نہ کرے تو گنہگار تو نہیں ہوگا؟

(۲) پھر جب فاضل دارالعلوم عالم کو صحیح مسئلہ معلوم ہوگیا تو انہوں نے رجوع کرلیا اب جب یہ بات نیتا قسم کے لوگوں کو معلوم ہوئی تو عالم صاحب کو شرمندہ کیا اور کہتے ہیں کہ تاوان کے طور پر مرغا کی دعوت کرو ورنہ بغاوت کریں گے، تو کیا عالم صاحب سے تاوان کے طور پر دعوت کھانا جائز ہے؟

(۳) اس جانور کی کھال کی قیمت ۸۶/ روپیہ مدرسہ میں دیدی تھی اور اب وہ یتیم بچوں پر صرف ہوچکے ہیں ان کی اس قیمت کو واپس کرنا پڑیگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسماعیل شریف نگر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) عقیقہ میں بڑے جانور کے ساتوں حصے قربت کے لیے ہونا لازم ہیں اگر ساتوں حصے قربت کے لیے نہیں ہیں ان میں سے کچھ محض گوشت خوری یا تجارت کے لیے ہوں تو ایسے جانور سے عقیقہ کا حصہ لینا جائز نہیں ہے، اس سے عقیقہ کی سنیت ادا نہ ہوگی اگر عقیقہ کی سنیت ادا کرنا چاہے تو دوبارہ کرنا پڑیگا نیز عقیقہ کا مطلب اور اس کی

حقیقت دعوت کرکے کھلانا نہیں ہے بلکہ جانور ذبح کرنے سے عقیقہ کی سنیت ادا ہو جاتی ہے اور دوست و احباب کو صرف گوشت دینا کافی ہے، نیز اس سے رسم و رواج کی دعوتوں کا شرعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/۳۴۴، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۵۲۵)

ووجه الفرق أن البقرة تجوز عن سبعة بشرط قصد الكل القربة و اختلاف الجهات فيها لايضر . (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه امداديه ملتان ٦/٨، زكريا ٦/٤٨٤)

ولو ذبح بدنة أو بقرة عن سبعة أولاد أو اشترك فيها جماعة جاز سواء أرادوا كلهم العقيقة أوأراد بعضهم العقيقة وبعضهم اللحم كما فى الأضحية، قلت: مذهبنا فى الأضحية بطلانها بإرادة بعض اللحم فليكن كذٰلک في العقيقة. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة فى العقيقة، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/ ١٣٢، كراچى ١٧/ ١١٩)

اگر دوبارہ نہیں کریگا تو سنت کا عمل باقی رہ جائیگا، البتہ بہت بڑا گناہ نہ ہوگا، ترک سنت کی ملامت ہوگی۔

(۲) جب عالم صاحب نے اپنی غلطی کا اقرار کرکے سابقہ مسئلہ سے رجوع کرلیا ہے تو اس پر کوئی تاوان نہیں، آئندہ مسئلہ بتلانے میں احتیاط کرنا چاہیے اور نیتا لوگوں کا ان سے مرغ کی دعوت کا مطالبہ بے اصل ہے، نیز عوام کا علماء کی توہین کرنا اوران کا مذاق اڑانا سخت گناہ ہے، ان کو ایسی حرکتوں سے توبہ کرنا چاہیے۔

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعى. (هنديه، كتاب الحدود، فصل فى التعزير، زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١١٢، ٣٧/ ٣٥٤)

من أبغض عالما من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر ...... ويخاف عليه الكفر إذا شتم عالما أو فقيها من غير سبب. (هنديه، الباب التاسع فى أحكام المرتدين، زكريا قديم ٢/ ٢٧٠، جديد ٢/ ٢٨٢)

(۳) مدرسہ میں جو رقم دیدی ہے وہ پھر سے واپس نہ ہوگی ۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۱۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۴۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ　　الجواب صحیح
۱؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ　　احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۰۲ ۴۷)　　۱؍۳؍۱۴۱۷ھ

طلبہ سے غیر حاضری پر مالی تاوان لینا

سوال [۷۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں مدرسہ میں مقامی طلبہ پڑھتے ہیں، ہوتا یہ ہے کہ طلباء کرام اور ان سے بڑھ کر سرپرستگان کرام کی غفلت ولاپرواہی کے باعث آئے دن طلبہ غیر حاضر ہوجاتے ہیں، ہر طرح فہمائش ومناسب تنبیہ کی گئی اور کی جاتی ہے مگر کوئی تدبیر خاص کارگر نہیں ہو پا رہی ہے، البتہ صرف ایک صورت رہ گئی ہے کہ جس کے اختیار کرنے کے بعد کافی سدھار کی امید وابستہ ہے، اور وہ یہ کہ ایسے طلبہ کے لیے بلا عذر شرعی غیر حاضری کی صورت میں بطور تنبیہ مدرسہ کی کچھ مالی اعانت کا مطالبہ ان پر رکھ دیا جائے اور اس کی رسید بھی دی جائے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں؟

المستفتی: محمد افہام احمد ایٹہ یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلبہ کی غیر حاضری پر مالی تاوان لینا جائز نہیں۔

والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (شامی زکریا ٦/ ١٠٦، کراچی ٤/ ٦١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٣٥٤)

البتہ جواز کی شکل اس شرط پر ہوسکتی ہے کہ رقم لینے کے بعد آخری سال میں اس رقم کو ضرور واپس کردیا جائے۔

وأفاد في البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به

إمساک شیئ من ماله عند مدة لینزجر ثم یعیده الحاکم إلیه لا أن یأخذه الحاکم لنفسه أو لبیت المال. (شامی کتاب الحدود، باب العزیز زکریا دیوبند ۶/۱۰۶، کراچی ۴/۶۱، حاشیة الطحطاوی علی الدر کوئٹه ۲/۴۱۰-۴۱۱، البحر الرائق کوئٹه ۵/۴۱، زکریا دیوبند ۵/۶۸هندیه قدیم ۲/۱۶۷، جدید ۲/۱۸۱، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱۲/۲۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۷؍۱۴۲۰ھ

غیر حاضری کی بنا پر طلبہ سے فیس لینا

سوال [۷۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کی جانب سے ہونے والی تعطیل مثلاً عید الاضحیٰ، امتحان ششماہی وغیرہ کے موقع پر وقت مقررہ پر اگر طالب علم مدرسہ حاضر نہ ہوسکے ایسی صورت میں ناظم مدرسہ یا مہتمم کا عذر معقول وغیر معقول سب کو ٹھکرا کر غیر حاضری پر طلبہ سے مثلاً پچاس روپیہ کا جرمانہ وصول کرنا یا ہفتوں اور مہینوں کا کھانا بند کردینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شہاب الدین بستوی، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقت مقرر پر حاضر نہ ہونے والے طلبہ سے ناظم یا مہتمم مدرسہ کا مالی جرمانہ لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۵۲۴، ۵/۱۷۳، ۱۲/۳۲۳، جدید ڈابھیل ۱۴/۱۳۶، کفایت المفتی قدیم ۲/۱۶۵، جدید مطول ۹/۱۷۵، فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۲۵۲)

لا یأخذ المال في المذهب. (در مختار زکریا ۶/۱۰۵، کراچی ۴/۶۱)

والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال. (شامی زکریا ۶/۱۰۶، کراچی ۴/۶۱، البحر الرائق کوئٹه ۵/۴۱، زکریا ۵/۶۸، هندیه زکریا قدیم ۲/۱۶۷،

جديد ١٨١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٢٥٤)

البتہ تعزیراً طلبہ کا کھانا بند کردینا جائز ہے، کیونکہ کھانا بند کردینے میں ان سے کچھ جرمانہ نہیں لیا جاتا بلکہ منجانب مدرسہ جو امداد ملتی ہے اس پر روک لگائی جاتی ہے، یہ مالی جرمانہ کا ضابطہ شریعت سے ٹکراتا ہے، لہٰذا جائز نہیں ہے۔

التعزير: من أسماء الأضداد يطلق على التفخيم والتعظيم و على التأديب. (منحة الخالق كوئٹه ٥/ ٤٠، زكريا ٥/ ٦٧)

لأن المقصود منه الزجر. (البحر الرائق كوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ٥/ ٦٨) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۸۴/۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۴ھ

مدارس واسکولوں میں طلبہ سے لیٹ فیس وصول

سوال [۷۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدارس واسکول میں دیر حاضری کی بناء پر طلبہ سے مالی جرمانہ لیا جاتا ہے جس کا نام اسکول والوں نے لیٹ فیس رکھا ہے، تو کیا اس طرح لیٹ فیس کے نام سے مالی جرمانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس کی متبادل شکل کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مدارس یا اسکول میں طلبہ سے دیر حاضری کی بنا پر لیٹ فیس کے نام سے مالی جرمانہ لینا جائز نہیں، البتہ اس کی متبادل شکل یہ ہوسکتی ہے کہ زجر و توبیخ کے لیے ان پر ایک ماہ یا اس سے کم کی کھانے یا رہائش یا اساتذہ کے پڑھانے وغیرہ کی اجرت مقرر کردی جائے تاکہ طلبہ دیر حاضری سے باز آجائیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۳۶)

عن علي بن زيد عن أبى حرة الرقاشى عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: ألا! لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقى، باب فى قبض اليد عن الأموال المحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ٣٨٧/٤ رقم: ٥٤٩٢)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعى، وفي شرح الآثار التعزير بالمال كان فى ابتداء الإسلام ثم نسخ، والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (شامى كتاب الحدود، مطلب: فى التعزير بأخذ المال كراچى ٦١/٤، زكريا ١٠٦/٦)

ومن جملة ذٰلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال، وأفاد فى البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شيئ من ماله عند مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (البحر الرائق كوئٹه ٤١/٥، زكريا ٦٨/٥، هنديه كوئٹه ١٦٧/٢، هنديه اتحاد ١٨١/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:)

بطور سزا یا غلطی پر مالی جرمانہ وصول کرنے کا حکم

سوال [۷۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص یا کوئی ادارہ یا محلّہ یا کوئی مدرسہ کسی کی غلطی سدھارنے کے لیے یا سزا کے طور پر بطور جرمانہ کسی سے کچھ پیسے وصول کرتا ہے تو کیا یہ پیسے وصول کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فرحان مقبرہ والی گلی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بطور سزا یا غلطی سدھارنے کی غرض سے کسی بھی ادارہ، محکمہ یا مدرسہ کا مالی جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ بطور سزا اور جرمانہ کے متعین رقم وصول کرلی جائے اور سال کے آخر میں وہ پیسہ واپس کردیا جائے تو اس طرح جائز اور درست ہے، تاکہ وقتی طور پر دباؤ پڑ جائے۔

إن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شيئ من ماله عند مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

(شامی، کتاب الحدود، باب التعزیر، زکریا ٦/١٠٦، کراچی ٤/٦١، هندیه زکریا قدیم ٢/١٦٧، جدید ٢/١٨١، البحر الرائق کوئٹه ٥/٤١، زکریا ٥/٦٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۰/۲۶ھ

شوہر کا بیوی کی طرف سے دائر کیے گئے جھوٹے مقدمے کا خرچہ بیوی سے وصول کرنا

سوال [۷۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ منکوحہ پانچ سال سے اپنے میکہ والدین کے گھر میں رہ رہی ہے، اپنے شوہر کے پاس نہیں آئی، ہندہ نے غیر شرعی لباس (ساڑی) نہ ملنے اور آزادانہ گھومنے پر پابندی وغیرہ کی وجہ سے شوہر سے نالاں ہوکر اپنے میکہ میں رہ کر شوہر پر دیوانی مقدمہ بھی تقریباً چار سال سے لگا رکھا ہے، یہی نہیں شوہر کو ستانے اور مزید پریشان کرنے کے لیے اس نے اپنے والدین کے کہنے پر اس عرصہ میں دور دراز مقامات پر دو مقدمات اور شرعی عدالتوں میں بھی دائر کیے ہیں جس سے کہ شوہر ہر سہ مقدمات سے کافی پریشان ہے، اور جو ظلماً اخراجات کرائے گئے اس سے زیر بار بھی ہوگیا، شوہر قانون شریعت کے مطابق اپنی منکوحہ کو اپنے پاس

رکھنا چاہتا ہے، مگر ہندہ مذکورہ زبردستی طلاق کی خواہاں ہے، یاد رہے کہ تحریر ہذا لکھے جانے تک مقدمہ دیوانی کورٹ میں زیر سماعت ہے، جبکہ شرعی عدالتوں کے مقدمات ثبوت وشہادت کے بعد خارج ہو چکے ہیں، شرعی مقدمات کے سلسلے میں تقریباً آٹھ سو روپئے خرچ ہوئے ہیں، دیوانی کے اخراجات جو کئی ہزار روپئے ہیں، وہ الگ ہیں، ایسی صورت میں شوہر اپنے ان جائز اخراجات کے پانے کا حقدار ہے یا نہیں؟ کیونکہ محض جسمانی اور مالی اذیتوں سے دو چار کرنے کے لیے بیک وقت دو دو عدالتوں میں مقدمات قائم کیے، دوسری صورت میں اگر ہندہ ان اخراجات کو ادا نہیں کرتی ہے تو اس کے مہر جو ۵۱ ۵؍ ہیں اور شادی میں جو جہیز دیا گیا ہے جو ۱۹۷۸ء سے اب تک برت کر کافی کو ہندہ نے ختم کر دیا ہے، نیز مندرجہ بالا اخراجات سے کافی کم ہے، نہ ادا کرے، تو شرعاً دینے کا حقدار تو نہیں ہے؟ یعنی آخری صورت میں شوہر کا قول یہ ہے کہ طلاق ہی چاہیے تو ہر سہ مقدمات کے اخراجات ہندہ ادا کرے بصورت دیگر اپنا مذکورہ مہر اور مذکورہ جہیز ختم کرے، یاد رہے کہ ہندہ اس کے والدین کافی متمول اہل ثروت ہیں، جبکہ شوہر غریب ہے، یہی وجہ ہے کہ مذکورہ لوگ پریشان کرنے کے لیے ایسا کرتے رہتے ہیں، آپ شرعی اور اخلاقی حیثیت سے جواب عنایت فرمائیں کہ شوہر کا یہ مطالبہ جو مبنی بر انصاف ہے کیا صحیح نہیں ہے؟ اور شوہر ایسے مطالبہ کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟ جواب جلد از جلد عنایت فرمائیں گے کہ مزید ظلم وستم اور زیر باری سے نجات ہو؟

المستفتی: نظام الدین بہرائچ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اخراجات مقدمہ میں شوہر فاعل مختار ہے، اس لیے بیوی پر اس کا تاوان واجب نہیں ہوگا، البتہ دین مہر اور اخراجات مقدمہ کے برابر مال کی شرط پر طلاق دینا اور شوہر کے لیے مال وصول کر لینا جائز ہوسکتا ہے۔

وإن طلقها علی مال فقبلت وقع الطلاق و لزمها المال. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع اشرفی ۲/ ٤٠٥، قدوری ص: ۱۸۰، هنديه زكريا قديم ۱/ ٤٩٥، جديد ۱/ ٥٤٨)

بیوی جو مقدمات وغیرہ کے ذریعہ شوہر کو ایذا پہنچاتی ہے، اس کا گناہ بیوی پر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۶۹)

ڈاکٹر سے جرمانہ وصول کرنے کی ایک شکل

سوال [۷۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری اہلیہ کے پتے میں پتھری تھی کئی مہینوں سے اس کا دہلی میں علاج چل رہا تھا، میں دہلی میں سروس کرتا ہوں رہنے والا رامپور اسٹیٹ کا ہوں، دہلی میں ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا کیونکہ یہاں پر خرچہ بہت زیادہ آرہا تھا، دوسرے گھر کے افراد رامپور میں رہتے ہیں، اس لیے سہولت کے تحت اور کم خرچہ کی وجہ سے میں نے آپریشن رامپور میں کروادیا، لیکن ٹانکے کٹنے کے بعد پیٹ میں بہت تکلیف رہنے لگی غرض کہ میرا اسپتال کے علاوہ بھی اچھا خاصہ خرچ ہوگیا یہ آپریشن میں نے پرائیویٹ نرسنگ ہوم میں کروایا تھا، چنانچہ جب تکلیف حد سے زیادہ بڑھنے لگی اور ٹانکے بھی اپنے آپ پھٹنے لگے، اور بہت زیادہ پس (پیپ) نکلنے لگی تو میں اپنی اہلیہ کو دہلی لے آیا یہاں بھی اچھا خاصہ خرچ ٹیسٹ وغیرہ میں آیا کئی ہسپتالوں میں دکھایا سب نے یہی بتایا کہ آپریشن کے دوران ایک پٹی جس سے زخم صاف کیا تھا پیٹ ہی میں چھوڑ دی ہے جس کی وجہ سے تکلیف بڑھ رہی ہے، چنانچہ دہلی کے ایک ہسپتال میں دوبارہ آپریشن کرانا پڑا۔

تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ میرے تمام گھر والے اور ملنے جلنے والے یہ کہتے ہیں کہ اس ڈاکٹر سے جس نے پہلے آپریشن کیا تھا، اور جس کی وجہ سے اتنی تکلیف اٹھانی پڑی، جان کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا اور مزید پیسہ خرچ ہوا، اس ڈاکٹر سے کمپن سیشن لینا چاہئے، میرا آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا اس ڈاکٹر سے پیسہ لینا جائز ہے کہ نہیں؟

(۲) اگر جائز ہے تو کتنا لینا جائز ہے، کیونکہ خرچہ کا کچھ اندازہ نہیں ہے اور ابھی اہلیہ

ہسپتال میں ہے، آگے نہ معلوم کتنا خرچہ ہو، جیسا کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اپنے خرچہ کا دگنا تگنا بھی لیا جاسکتا ہے، وہ اس لیے کہ آگے ڈاکٹر کو تنبیہ ہوسکے اور انسانی جان کی اہمیت کو جان سکے تو اس قدر کمپن سیشن جائز ہے یا نہیں؟ اور کس قدر ڈیمانڈ جائز ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی یہ بات ثابت ہوجائے کہ پہلے آپریشن میں ڈاکٹر کی لاپرواہی سے پیٹ ہی میں پٹی رہ گئی ہے اس کی وجہ سے دوسرے آپریشن کی نوبت آئی ہے تو ایسی صورت میں دوسرے آپریشن کے تمام اخراجات پہلے ڈاکٹر سے وصول کیے جاسکتے ہیں، اور جتنے اخراجات ہوئے ہیں اتنے ہی لے سکتے ہیں زیادہ لینا مناسب نہیں اور یہ واقعہ ازقبیل جنایات ہے، اور جنایات میں اتنا ہی لینا جائز ہے جتنا نقصان ہوا ہے۔

کما استفید من عبارۃ الهدایة: ولو وضع حجرا فنحاه غيره عن موضعه فعطب به إنسان فالضمان على الذى نحاه. (هداية، كتاب الدية، باب ما يحدثه الرجل فى الطريق، اشرفى ٤/٦٠٣، الجوهرة النيرة، دار الكتاب ديو بند ٢/٢١٢، كوئٹه ٢/٢٢٢، تبيين الحقائق مكتبه امداديه ملتان ٦/١٤٥، زكريا ٧/٣٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۳۱۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۳ھ

پچاس ہزار کے مالی جرمانہ کا حکم

سوال [۷۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اور ہندہ کے درمیان ناجائز تعلق قائم ہوا جب گاؤں والوں کو معلوم ہوا تو گاؤں والوں نے زید کو ہندہ سے شادی کرنے کو کہا لیکن زید نے شادی کرنے سے انکار کردیا، تو مجبوراً گاؤں والوں نے ایک پنچایت کی صورت میں زید سے سزا کے طور پر پچاس ہزار روپئے وصول کیے ہیں، لہٰذا معلوم یہ کرنا ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان روپئے کا

مصرف کیا ہے؟ کیا ان روپیوں کو مسجد، مدرسہ یا دینی کتب خریدنے میں صرف کیا جا سکتا ہے یا گاؤں کے رفاہی کاموں غریب بچیوں کی شادی بیاہ کے موقع پر خرچ کیا جا سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں ذکر کردہ واقعہ میں زید سے گاؤں کی پنچایت نے جو پچاس ہزار روپئے بطور سزا و جرمانہ وصول کیے ہیں، شرعاً وصول کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا اس پیسے کو مسجد، مدرسہ یا گاؤں کی غریب بچیوں کی شادی میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ زید ہی کو واپس کردینا لازم ہوگا اور زید کے اوپر یہ لازم ہے کہ وہ اس گناہ عظیم سے سچی توبہ کرے، نیز زید کے لیے ہندہ کے ساتھ نکاح کرلینا بھی درست ہے۔

قال فی الدر: لابأخذ مال فی المذهب، وتحته فی الشامية: قال فی الفتح: و عن أبی يوسفؒ يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما و باقی الأئمة: لايجوز و مثله فی المعراج، وظاهره أن ذٰلک رواية ضعيفة عن أبی يوسف، قال فی الشرنبلالية: ولا يفتی بهذا لما فيه من تسليط الظلمة علی أخذ مال الناس فيأكلونه، و مثله فی شرح الوهبانية عن ابن وهبان ...... وفی شرح الآثار: التعزير بالمال كان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (در مختار مع الشامی، کتاب الحدود، باب التعزیر، زکریا دیوبند ۶/۱۰۵-۱۰۶، کراچی ۶۱/۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۱۵/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۱۵ھ

پنچایت کے عائد کردہ مالی جرمانہ کی شرعی حیثیت

سوال [۷۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا زبیدہ کے ساتھ ازدواجی رشتہ طے ہوگیا اور منگنی بھی ہوگئی، لیکن اس کے بعد زید

نے زبیدہ کے کمزور کردار کی خبرسن کر (معلوم نہیں کہ خبر جھوٹی تھی یا سچی) رشتہ ختم کردیا، اب اس معاملہ کو طے کرنے کے لیے برادری کی پنچایت ہوئی، پنچایتی لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جوخرچ ہوا ہے وہ اوراس کے علاوہ مزید جرمانے کے طور پرایک بڑی رقم زیدزبیدہ کوادا کرے، شرعی اعتبار سے وضاحت فرمائیں کہ اس خبر پرزید کا رشتہ ختم کرنا جائز ہے یانہیں؟ اور پنچایتی لوگوں کا زید پرخرچ و جرمانہ عائد کرنا صحیح ہے یا غلط، اورزید کا اس جرمانہ وغیرہ کوادا کرنا جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: بدرحسین جلال پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: منگنی صرف وعدۂ نکاح ہے نکاح نہیں ہے، البتہ بلا وجہ وعدہ خلافی کرنا سخت گناہ ہے، لہٰذا زید کو چاہیے تھا کہ جب اسے لڑکی کے غلط کردار کی خبر دی گئی تو اس کی تحقیق کرتا، اس لیے کہ ایسے موقع پر اکثر و بیشتر غلط خبریں اڑادی جاتی ہیں، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اوراڑی ہوئی خبر پرلڑکی کے بارے میں بدگمانی پیدا کرنا بجائے خود ایک گناہ ہے البتہ لڑکے سے رشتہ ختم کرنے کی بنیاد پر مالی جرمانہ وصول کرنا شریعت میں جائز نہیں ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآئَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ. [الحجرات :٦] ﴾

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ. [الحجرات :١٢] ﴾

الخلف في الوعد حرام (الأشباه) وعن أبي يوسفؒ يجوز التعزير بأخذ المال وعندهما و باقي الأئمة لا يجوز، ومثله في المعراج، وظاهره: أن ذٰلك رواية ضعيفة عن أبي يوسفؒ قال في الشرنبلالية ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس. (شامی، کتاب الحدود، باب التعزير، كراچی ٦١/٤، زكريا ١٠٦/٦)

والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (البحر الرائق ٤١/٥،

زکریا ٥/٦٨، شامی زکریا ٦/١٠٥، کراچی ٤/٦١، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة ٣/١٦٤، هندیة زکریا قدیم ٢/١٦٧، جدید ٢/١٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۹/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۱۳ھ

کمیٹی والوں کا کسی شخص کو مالی یا جسمانی سزا دینا

سوال [۷۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے گاؤں میں ایک کمیٹی ہے اگر کوئی شخص کسی پر ظلم وزیادتی کرتا ہے یا کوئی کسی کی زمین غصب کرتا ہے تو کمیٹی حق والے کو حق دلاتی ہے، اور نقصان کی تلافی و دفع ظلم کے لیے جرمانہ عائد کرتی ہے یا حسب ضرورت پٹائی بھی کرتی ہے یہ جرمانہ عائد کرنا یا پٹائی کرنا شرعاً درست وجائز ہے؟ اگر درست نہیں تو اس کی متبادل شکل پیش فرمائیں، جس سے لوگ دوسروں پر ظلم وزیادتی اور دوسروں کے حقوق دبانے سے رک جائیں؟

المستفتی: فصیح الدین مدھوبنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمیٹی والوں کے لیے کسی شخص کو مالی یا جسمانی تعزیر کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال. (البحر الرائق ٥/٤١، زکریا ٥/٦٨، شامی زکریا ٦/١٠٥، کراچی ٤/٦١، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة ٣/١٦٤، هندیة زکریا قدیم ٢/١٦٧، جدید ٢/١٨١، الموسوعة الفقهیة ٣٧/٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۱۶/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۲۰ھ

مالی جرمانہ ودیگر مسائل

سوال [۷۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک برادری نے اصلاح کے لیے کچھ قواعد دستوراساسی کے طور پر بنائے ہیں تا کہ خلاف شریعت رسومات بند ہوں، مثلاً: گیت نہ گائے جائیں، سہرانہ باندھا جائے وغیرہ، جو شخص خلاف ورزی کرتا ہے اس پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے، بہت سارو پیہ بھی اس سلسلے میں برادری کے فنڈ میں موجود ہے، اور بہت سے برتن بھی کھانے کھلانے کے لیے اس رقم سے خریدے گئے ہیں جو برادری کی شادیوں میں سب ہی کے کام آتے ہیں، برتنوں کی کل رقم جرمانہ کی نہیں ہے بلکہ کچھ چندے سے خریدے ہیں، اب معلوم ہوا کہ مالی جرمانہ وصول کرنا شریعت کے خلاف ہے، اس لیے اب ہم یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ جرمانہ کے بجائے کیا صورت اختیار کریں جس سے برادری پر اثر پڑ سکے، حقہ پانی بند کرنا، یا برادری سے اخراج بھی مؤثر عمل نہیں ہے، خارج ہوتے ہوتے خارج شدہ افراد کی اکثریت ہوجائیگی، اسی طرح ارشاد، تلقین، تزکیۂ باطن جیسے اعمال بھی ان پر ناقابل عمل ہیں، کوئی ایسی صورت تجویز فرمایئے جس سے برادری مشرکانہ، ہندوانہ، جاہلانہ رسومات سے پاک ہوکر اسلامی معاشرے میں داخل ہوجائے؟

(۲) برادری سے اگر چندہ کیا جائے تا کہ ان کی فلاح و بہبود کے کاموں میں صرف کیا جاسکے تو اس کی کیا صورت اختیار کرنی چاہیے؟

(۳) جرمانہ میں وصول شدہ رقم اور خرید کردہ ظروف کا کیا کیا جائے؟ کیونکہ وہ بھی جرمانہ کی رقم سے خریدے گئے ہیں اور نہ معلوم کتنے اس مسئلہ کے افراد وفات پاچکے ہیں؟

(۴) ہماری برادری میں عرصہ سے یہ دستور ہے کہ موت ہوجانے پر ساری برادری کام بند کردیتی ہے اس سے روزگار پر بھی اثر پڑتا ہے، اوراس سلسلے میں مالی جرمانہ بھی عائد کیا جاتا ہے؟ ازراہِ کرم جوابات سے نوازیں۔

المستفتی: محمد رضوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعاً مالی جرمانہ جائز نہیں ہے، اس کے لیے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوافل مقرر کردیئے جائیں، جس سے تائب ہوجانے کا قوی امکان ہے۔

لا بأخذ مال فی المذهب وتحته فی الشامية: إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامی کراچی ٤/٦١، زکریا ٦/١٠٦)

(۲) جس سے جتنا مال جرمانہ لیا گیا ہے اتنی رقم اس کو واپس کردی جائے، اور اگر وفات پاگئے ہیں تو ان کے ورثاء کو واپس کردی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۶/۱۹۳، ڈابھیل ۱۴/۴۸۴، ۶/۳۴۳)

(۳) زبردستی یا دباؤ ڈال کر چندہ حاصل کرنا جائز نہیں بلکہ جو اپنی خوشی اور بطیب خاطر دیدے اس سے لیا جائے۔

لايجوز لأحد أن يتصرف فی ملک الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفيه ص: ١١٠)

(۴) کام بند کرنا بے اصل ہے، کام اپنا جاری رکھیں، صرف تجہیز وتدفین اور نماز جنازہ میں شرکت کے لیے کام میں وقفہ کیا جائے جو صرف ڈیڑھ گھنٹہ کا کام ہے، شریعت نقصان پر مجبور نہیں کرتی ہے، اور جو لوگ ملازم ہیں ان کو نہ روکا جائے، جبکہ دوسرے لوگ موجود ہوں۔

الصلاة عليه صفتها فرض كفاية بالإجماع فيكفر منكرها لأنه أنكر الإجماع فی الشامی ووقتها وقت حضوره. (در المختار، كتاب الصلاة، باب فی صلاة الجنائز، مطلب: فی صلاة الجنازة، زكريا ديو بند ٣/١٠٢، كراچی ٢/٢٠٧)

لاضرر ولا ضرار. (قواعد الفقه اشرفيه ١٠٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۶۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۰ کتاب الجهاد

۱ باب الهجرة

ہجرت کی شرعی حیثیت

سوال [۷۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں پریشانیوں اور یہاں کے حالات خراب ہونے کی وجہ (دیناچپور) مغربی بنگال سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانا چاہتا ہوں تو شرعاً مجھ کو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحسیب، دیناچپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ بآسانی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر سکتے ہیں اور وہاں آپ کو افاقہ مل سکتا ہے تو مذکورہ حالات میں آپ کے لیے ہجرت کرنا جائز اور مستحسن ہے۔

ہجرت در اسلام بر دو وجہ واقع شد، اول انتقال از در خوف بدار امان (الی قولہ) وثانی انتقال از دار کفر بدار اسلام (الی قولہ) وہجرت انتقال از دار الکفر علی العموم ہر کراں براں قدرت بود باقی ماند تا روز قیامت الخ۔ (اشعۃ اللمعات ۱/۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۳۴)

اسلام میں جہاد مدافعانہ ہے یا جارحانہ بھی؟

سوال [۷۵۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اسلام میں جہاد مدافعانہ ہی ہے یا جارحانہ بھی ہے، اللہ کے نبی ﷺ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کے ادوار میں تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کافر قوموں سے بھی قتال کیا گیا ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نہیں نکلتے تھے، سرایا وغیرہ کا بھیجا جانا اور کفار پر غفلت کی حالت میں حملہ کرنا اس کی واضح دلیل ہے؟

المستفتی: بشیر احمد فیلڈ اسسٹینٹ آفیسر کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام میں مدافعانہ اور جارحانہ دونوں طرح جہاد مشروع ہے، تفصیل یوں ہے کہ جہاد وقتال کا مقصد دفع فساد اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے، نہ کہ ایمان پر مجبور کرنا اور دفع فساد دو طریقے سے ہوسکتا ہے:

(۱) دفع فساد مدافعانہ طریقے سے کہ جب کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائیں تو مدافعت کے لیے جہاد کرنا مسلمانوں پر لازم ہو جاتا ہے، جس کو سورہ بقرہ آیت ۱۹۰ اور سورہ حج آیت ۳۹ میں بیان کیا گیا ہے، شریعت میں اس طرح کے جہاد کو مدافعانہ جہاد کہا جاتا ہے

(۲) دفع فساد کی دوسری صورت اقدامی اور جارحانہ طریقے سے کہ جب مسلمانوں کو کفار کی قوت وشوکت سے اسلام کی آزادی وحفاظت کا خطرہ ہو تو ان کی طرف سے جارحانہ حملہ ہونے سے پہلے ہی لشکر اسلام پر لازم ہو جاتا ہے کہ ان سانپ بچھوؤں کے سر کچل دیں، چاہے مقابلے کی شکل میں ہو یا غفلت اور مفاجاتی حملہ کی شکل میں، ہر ممکن ان کے سر پہلے ہی کچل دینے کا حکم ہے، جس کو سورہ بقرہ آیت ۱۹۳ اور سورہ برأت آیت ۵ میں بیان گیا ہے، شریعت میں اس کو اقدامی وجارحانہ جہاد کہا جاتا ہے، لہٰذا دونوں طرح کے جہاد میں کوئی شبہ نہ ہونا چاہیے۔ (مستفاد: سیرت المصطفیٰ ۱/ ۴۹۴، معارف القرآن ۱/ ۴۵۱)

آیاتِ قرآنیہ ملاحظہ فرمایئے:

﴿ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ، وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْل. [البقرۃ: ۱۹۰-۱۹۱] ﴾

﴿وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظَّالِمِیْنَ. [البقرۃ:۱۹۳] ﴾

﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوْا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُمُوْھُمْ وَخُذُوْھُمْ وَاحْصُرُوْھُمْ وَاقْعُدُوْا لَھُمْ کُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوْا الصَّلَاۃَ وَآتَوُا الزَّکَاۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ. [التوبہ: ۵] ﴾

﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ. [الحج: ۳۹] ﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۰۳)

مسلمانوں پر جہاد کب فرض ہے؟

سوال [۷۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جہاد مسلمانوں پر کب فرض ہوتا ہے؟ اس کی کیا شرطیں ہیں؟

المستفتی: بشیر احمد، آفیسر کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب سربراہ مملکت کو دشمنوں کی حملہ آوری کا علم ہو جائے تو جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

قال بعضهم: الجهاد قبل النفير تطوع وبعد النفير يصير فرض عين،

وعـامة المشائخ رحمهم الله تعالىٰ قالوا: الجهاد فرض على كل حال، غير أنـه قبـل الـنـفيـر فـرض كفاية و بعد النفير فرض عين هو الصحيح، ومعنى التـفسيـر أن يـخبـر أهل مدينة أن العدو قد جاء يريد أنفسكم و ذراريكم و أمـوالـكم فإذا أخبروا على هذا الوجه افترض على كل من قدر على الجهاد مـن أهل تلک البلدة أن يخرج للجهاد. (فتـاویٰ عالمگيری، كتاب السير، الباب الاول، زكريا قديم ٢/١٨٨، جديد ٢/٢٠٥، شامی كراچی ٤/١٢٢، زكريا ٦/١٩٩)

اور جہاد کی شرائط میں سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ اسلامی لشکر ہو، اور سربراہ مملکت و سربراہ لشکر ہو، اور اس سربراہ کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ آزاد مسلمان ہو، عاقل و بالغ ہو، احکام اسلام نافذ کرنے پر قادر ہو، اور اسلامی سرحد کی حفاظت و دشمنوں کے مقابلہ میں لشکر کشی کرنے پر قادر ہو، ظالم ومظلوم کے درمیان قوت قاہرہ کے ذریعہ سے انصاف کرنے پر قادر ہو، اس کے بغیر مسلمانوں کو دشمنوں کے پنجے میں جہاد کے نام سے ڈالدینا ہرگز جائز نہیں ہے، ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا۔

ويشترط كونه مسلما حرا ذكرا عاقلا بالغا قادراً وتحته في الشامية: قادراً على تنفيذ الأحكام و إنصاف المظلوم من الظالم وسد الثغور و حماية البيضة و حفظ حدود الإسلام و جر العساكر. (الـدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، بـاب الإمـامة، مـطـلـب شـروط الإمـامة الكبرىٰ، كراچی ١/٥٤٨، زكريا ديو بند ٢/٢٨٠، إعلاء السنن كراچی ١٢/٣، دار الكتب العلمية بيروت ١٢/٦٠٥)

ويتقدم إلى من يؤمره أن لا يحمل المسلمين على مهلكة ولا يأمرهم بـدخول مطمورة يخاف أن يقتلوا تحتها فإن فعل ذٰلک فقد أساء ويستغفر الـلـه تعالىٰ. (إعـلاء السـنـن، كتاب السير، باب فرضية الجهاد و دوامه مع كل أمير برا و فاجراً كراچی ١٢/٦، دار الكتب العلمية بيروت ١٢/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١ر رمضان المبارک ١٤٠٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٥/١٤٠١)

کیا ہندوستانی مسلمانوں پر جہاد فرض ہے؟

سوال [۷۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان کے اندر مسلمانوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں؟ اور جہاد ہندوستان کے ہندوؤں سے کرنا ہے تو ہندوستان میں رہتے ہوئے یہاں کے ہندوؤں سے جہاد کیا جاسکتا ہے؟ اسلامی جہاد کی کتنی شرائط ہیں، اور کیا کیا؟ نیز ان شرائط کا ثبوت قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں ہے یا نہیں؟ اور کیا وہ شرائط ہندوستان میں پائی جاتی ہیں؟

المستفتی: شاہجہاں علی امدادیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں جہاد فرض نہیں ہے اس لیے کہ فرضیت جہاد کی جو شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں وہ شرطیں ہندوستان میں نہیں پائی جاتی ہیں، جہاد کے فرض ہونے کے لیے چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) اعلاء کلمۃ اللہ: اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی غرض سے جہاد ہو۔

(۲) جس قوم سے جہاد کرنا ہے اس کے اور مسلمانوں کے درمیان سرحد اور باڑ ہو ورنہ مخلوط آبادی کی صورت میں لڑائی شروع کردی جائے تو وہ جہاد نہ ہوگا بلکہ خانہ جنگی ہوگی، تم ان کا ایک مارو گے وہ تمہارے دس ماریں گے۔

(۳) تمام مسلمانوں کا سپہ سالار ایک ہو اس لیے کہ سپہ سالار وقائد متعدد ہوں تو آپس میں لڑیں گے، دشمنوں سے مقابلہ نہیں ہوسکتا، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے جنگ کے وقت سارے مسلمانوں کا ایک ہی قائد ہونے کا حکم فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت علیؓ کے واقعہ میں موجود ہے۔

(۴) دشمنانِ اسلام کے لشکر اور ہتھیاروں کی تعداد کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لشکر اور ہتھیاروں کی تعداد ان کی نصف سے کم نہ ہو، ان شرائط کے بغیر جہاد کا نام لینا شریعت کے احکام سے ناواقفیت اور جہالت ہے۔

اور ہندوستان میں یہ شرائط موجود نہیں ہیں، اس لیے ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستانی ہندؤں کے ساتھ ہندوستان میں رہتے ہوئے جہاد کا نام دے کر لڑنا جائز نہیں ہے۔

عن أبی موسیٰ قال جاء رجل إلی النبی ﷺ فقال: الرجل یقاتل للمغنم والرجل یقاتل للذکر والرجل یقاتل لیریٰ مکانه فمن فی سبیل الله قال: من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا فهو فی سبیل الله. (بخاری شریف، باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا، النسخة الهندیة ۱/۳۹۴، رقم: ۲۷۲۶، ف: ۲۸۱۰، صحیح مسلم، الأمارة، باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا فهو فی سبیل الله، النسخة الهندیة ۲/۱۳۹، بیت الأفکار رقم: ۱۹۰۴)

بقی أن النفیر إذا کان عاما فهل یجب الجهاد عینا علی المسلمین المقیمین بدار الحرب أیضا أم لا؟ والظاهر أن المخاطب بقوله: و إذا استنفرتم فانفروا؛ أهل دار الإسلام لا غیرهم و هذا هو المراد بقول الفقهاء. (إعلاء السنن، کتاب السیر، باب وجوب الجهاد عینا علی من استنفرهم الإمام...... دار الکتب العلمیة بیروت ۱۲/۱۱)

عن البراء قال: بعث النبی ﷺ جیشین و أمر علی أحدهما علي بن أبی طالب رضؓ و علی الآخر خالد بن الولید وقال: إذا کان القتال فعلي. (ترمذی شریف، المناقب، النسخة الهندیة ۲/۲۱۴ دار السلام رقم: ۳۷۲۵، صحیح البخاری، المغازی، باب بعث علی بن أبی طالب...... النسخة الهندیة ۲/۶۲۳، رقم: ۴۱۷۷ ف: ۴۳۵۰)

وفی الحدیث دلالة علی اشتراط الأمیر للجهاد و أنه لا یصح بدونه لقوله علیه السلام: الجهاد واجب علیکم مع کل أمیر فإذا لم یکن للمسلمین أمیر فلاجهاد. (إعلاء السنن، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۲/۴)

﴿اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّئَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ. [الأنفال: ٦٦]**﴾** فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۶۳/۴۰)

کیا ہندوستان میں ہندوؤں سے جہاد کی شرائط پائی جاتی ہیں؟

سوال [۷۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان میں ہندوؤں سے جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں، اسلامی جہاد کی شرائط کتنی ہیں اور کیا کیا ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں ہندوؤں سے جہاد کرنا جائز نہیں کیونکہ یہاں جہاد کی شرائط مفقود ہیں، جہاد کی چار شرطیں ہیں، ان میں تین واجبی ہیں:

(۱) جس قوم سے جہاد کرنا ہے مسلمانوں اور اس قوم کے درمیان حد فاصل (بارڈر) ہونا لازم ہے۔

(۲) تمام مسلمانوں کا سپہ سالار اور قائد ایک ہو، وہ یہاں مفقود ہے۔

(۳) صرف اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہو۔

(۴) دشمنان اسلام کے لشکر اور آلات وہتھیار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد و آلات جہاد کم سے کم آدھا ہو۔ ان شرائط کے بغیر جہاد کا نام لینا جہالت ہے۔

عن سهل بن سعد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أمرت أن اقاتل الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله فإذا قالوا لا إله إلا الله عصموا مني دماءهم و أموالهم إلا بحقها و حسابهم على الله. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٦/١٣٢، رقم: ٥٧٤٦)

وفي الحديث دلالة على اشتراط الأمير للجهاد و أنه لايصح بدونه ...... وحفظ حدود دار الاسلام و إنصاف المظلوم من الظالم إذا الإخلال بهذه الأمور مخل بالغرض ...... وينبغي أن يبتدئ بترتيب قوم في أطراف البلاد يكفون من بإزائهم من المشركين. (اعلاء السنن، كتاب السير، باب فرضية الجهاد و دوامه، كراچی ١٢/٤-٥-٦، بيروتی ١٢/٤ - ٦)

أما شرط إباحته فشيئان: أحدهما امتناع العدو عن قبول ما دعى إليه

من الدين الحق، وعدم الأمان والعهد بيننا و بينهم، والثانی: أن يرجو الشوكة والقوة لأهل الاسلام باجتهاده أو باجتهاد من يعتقد فی اجتهاده ورأيه و إن كان لا يرجو القوة والشوكة للمسلمين فی القتال فإنه لا يحل له القتال لما فيه من إلقاء نفسه فی التهلكة. (هنديه، كتاب السير، الباب الأول، زكريا قديم ۲/۱۸۸، جديد ۲/۲۰۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۵۴/۴۰)

کیا کفار سے جہاد کرنا اکراہ میں داخل ہے؟

سوال [۷۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اسلام کے بارے میں زبردستی کو قرآن میں منع کیا گیا ہے، ''**لا اكراه فی الدين**'' لیکن حدیث میں ہے، ''**أمرت أن اقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله**''، شاید اسی وجہ سے بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ ظہور اسلام کے بعد کفار ایمان نہ لائیں تو ان سے جہاد کیا جائیگا، اور ظہور کے بعد ایمان نہ لانے پر ان سے لڑنا تاکہ ایمان کے دائرہ میں داخل ہوجائیں، اکراہ نہیں ہے؟ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد توفیق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث نبوی ''**أمرت أن اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله**'' (مسلم شريف، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا اله الا الله محمد رسول الله، السنخة الهندية ۱/۳۸، بيت الأفكار رقم: ۲۱)

اس حدیث شریف کے اندر اعلاء کلمۃ اللہ کو حتی یقولوا لا الہ الا اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اعلاء کلمۃ اللہ بعض حالات میں قتال وجہاد کے ذریعہ اور کبھی جزیہ کے ذریعہ اور کبھی معاہدے

کے ذریعہ سے حاصل ہو جاتا ہے، اور حدیث بالا کے اندر اعلاء کلمۃ اللہ اور دفع فساد بذریعہ قتال و جہاد کو بیان کیا گیا ہے، نہ کہ کفار کو ایمان پر مجبور کرنے کو فرمایا گیا ہے، شراح حدیث لکھتے ہیں:

أن يكون المراد بما ذكر عن الشهادة و غيرها التعبير عن إعلاء كلمة الله و إذعان المخالفين فيحصل في بعض بالقتل و في بعض بالجزية و في بعض بالمعاهدة. (فتح الملهم اشرفيه ديوبند ١/١٩١)

﴿ **وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِينَ.** [البقرة:١٩٣] ﴾

خلاصہ عبارت یوں ہوگا کہ "**أمرت أن اقاتل الناس حتى يكون الدين كله لله و لا تكون فتنة و كلمة الله هي العليا**" اب یہ ثابت ہوا کہ قتال کا حکم کفار کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے نہیں تھا، بلکہ اسلام کو ان کے فتنہ وفساد سے محفوظ رکھنے کے لیے تھا، لہٰذا ثابت ہوا کہ حدیث بالا میں دفع فساد کے لیے قتال کا حکم دیا گیا ہے، نہ کہ جلب ایمان کے لیے، اور "لا اکراہ فی الدین" کے اندر جبر واکراہ سے اسلام میں داخل کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، دفع فتنہ وفساد کی ممانعت ہرگز نہیں کی گئی ہے، نیز عرب کے لوگ اپنے آبائی دین کے عار کے سامنے جان و مال کو ہلاکت میں ڈالنے کے لیے ہر طرح تیار ہو جاتے تھے، لیکن باپ دادا کے دین پر داغ لگنے کو ہرگز برداشت نہیں کرتے تھے، اسی وجہ سے جن لوگوں نے تحت السیف اسلام قبول کیا ہے انہوں نے تلوار کے خوف سے اسلام قبول نہیں کیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وقعت اسلام کی توفیق عطا فرمائی، اس لیے ان کو سچا پکا مسلمان تسلیم کیا گیا، اور سچائی کے ساتھ دنیا سے گذر بھی گئے، جیسا کہ محققین نے اس کی صراحت کردی ہے۔

فإن قيل مشركو العرب الذين أمر النبي ﷺ بقتالهم و أن لايقبل منهم إلا الاسلام أو السيف قد كانوا مكرهين على الدين، ومعلوم أن من دخل في الدين مكرها فليس بمسلم فما وجه إكراههم عليه، قلنا، لم يكن العرب ليدخلوا في دين غير دين آبائكم مكرهين هم قوم لا يعطون الدنية مخافة الموت و يرجحون بذل النفوس دون العار فمن دخل منهم الاسلام دخل فيه

طوعا برغبته ومن لم يرض بالدخول فيه أثر القتل فقتل الخ. (أحكام القرآن للتهانوي ١/٤٥٦)

سوال یہ پیدا کیا جاتا ہے کہ اگر کسی کافر قیدی کو قتل کے لیے پیش کیا جائے اور اسی وقت وہ اسلام قبول کرلے تو اس کا اسلام بالاتفاق صحیح ہے تو معلوم ہوا کہ تلوار کے خوف سے بالجبر والاکراہ ایمان قبول کرایا گیا ہے، جو لا اکراہ فی الدین کی منافی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے قتل کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ اس مفسد کے فتنہ کو ختم کرنے کے لیے قتل کا حکم صادر کیا گیا ہے، ورنہ کتنے ذمی اسلامی حکومت کے زیر سایہ مطیع ہوکر رہتے ہیں، اگر جبراً اسلام میں داخل کرنا مقصود ہوتا تو ان ذمیوں پر اکراہ بہت آسان تھا، اور دفع فتنہ کی غرض سے قتل کے وقت جب بخوشی ایمان قبول کرلیا تو اب فتنہ کا اندیشہ باقی نہ رہا، اور مسلمانوں کے تمام حقوق اس کو حاصل ہوجائیں گے۔

وفيه صيانة من أتى بكلمة التوحيد نفسه ولو كان عند السيف وفيه أن الأحكام تجرى على الظاهر. (أحكام القرآن ١/٤٠)

لہٰذا حضور ﷺ کے تمام غزوات یا تو کفار کے حملہ کو دفع کرنے کے لیے یا ان سے خطرہ کی بنیاد پر اقدامی تھے، نہ کہ کفار کو جبر واکراہ سے ایمان میں داخل کرنے کے لیے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۱۰/۲۵)

کفارِ ہند ذمی ہیں یا حربی؟

سوال [۷۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کفار ہند کو کیا کہنا چاہیے ذمی، مستامن یا حربی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کے حق

میں ہندووار باب وطن شرعی طور پر معاہد کے حکم میں ہیں اور معاہد کی جان و مال عزت وآبرو کی رعایت کرنا لازم وضروری ہے، اسی طرح ان کے اوپر بھی مسلمانوں کی عزت وآبرو اور جان و مال کی رعایت کرنا لازم وضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۸۷)

کیا ہندؤوں کا لوٹا ہوا مال مالِ غنیمت ہے؟

سوال [۷۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گذشتہ سال ضلع بھاگلپور میں غیر مسلموں نے مسلمانوں پر حملہ کیا بہت سے مسلمانوں کی جانیں گئیں، مال بھی لوٹا گیا، دریں اثناء مسلمانوں نے بھی غیر مسلموں کے گاؤں پر حملہ کیا، اور غیر مسلموں کو مارا پیٹا اور ان کے مال کو بھی لوٹ لائے جس میں غلہ نقد روپیہ، سونا چاندی، اور جانور وغیرہ ہیں، کیا اس لوٹے ہوئے مال کا کھانا بطور مال غنیمت کے مسلمانوں کے لیے جائز ہے؟ جواب بالتفصیل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد خالد غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان جمہوری حکومت ہے اس کے باشندے مسلم وغیر مسلم سب ایک حاکم ہی کے زیر تحت رہ کر شہری زندگی گذارتے ہیں ایسی حکومت میں اگر کسی غیر مسلم قصبہ یا محلّہ کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم ہو تو ظلم کا تعلق صرف اسی قصبہ یا محلّہ کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے، دوسرے غیر مسلم قصبہ یا محلّہ کا مال لوٹنا مظلوم یا غیر مظلوم مسلمانوں کے لیے ہرگز جائز ودرست نہیں ہے، اس لیے مذکورہ لوٹے ہوئے مال اپنے استعمال میں لانا ناجائز اور حرام ہوگا اس لیے کہ وہ مال غصب ہے، لہٰذا اگر مالکان تک رسائی ممکن نہ ہو تو غریب ونادار فقراء میں تقسیم کردینا لازم ہوگا۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصى والطاعات أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول ففى جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالک وإلا ففى جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلک الأموال على الفقراء الخ. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، تحت رقم الحديث ۵۹، سهارنپور قديم ۱/ ۳۷، دار البشائر الاسلاميه ۱/ ۳۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۷/ ۱۴۱۱ھ

کسی لڑائی میں غیروں کا مال آجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۷۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی لڑائی میں غیروں کا مال ہاتھ آیا تو کیا وہ مال غنیمت میں شمار ہوگا اسی طرح ان کی عورتیں ہاتھ آئیں تو کیا ان کو باندیاں بنایا جا سکتا ہے، اور بغیر نکاح کے ان سے صحبت کرنا صحیح ہے؟ براہ کرم جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد فاروق اسماعیل بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومتی سطح پر جنگ ولڑائی ہوجائے اور مسلم حکومت کو حربی غیر مسلمین کے مال اور عورتیں ہاتھ آجائیں تو وہ غنیمت میں شامل ہوں گی، اسی طرح غیر مسلم حکومت غالب آجائے تو وہ بھی مسلموں کی اشیاء کی مالک ہوجائے گی، تقسیم غنائم کے بعد جس کے حصہ میں باندی آئیگی وہ بغیر نکاح کے صحبت کرسکتا ہے۔

إن غلبنا على الشرک حل لنا ما نأخذه من ذٰلک أى من أموالهم و

أولادهم (إلى قوله) **فإن غلبوا على أموالنا، اعلم أن الكفار إن غلبوا على أموال المسلمين واحرزوها بدارهم ملكوها عندنا .** (الجوهرة النيرة، كتاب السير، كوئٹه ۲/ ۳٦٥، دار الكتاب ديوبند ۲/ ۳٤۷، البحر الرائق كوئٹه ٥/ ۹٥، زكريا ٥/ ١٦٠، فتح القدير، دار الفكر مصرى ٦/ ٣، زكريا ٦/ ٣، كوئٹه ٥/ ٢٥٤)

وتثبت الأحكام أى من حل الوطئ و البيع والعتاق والإرث. (شامى، كتاب الجهاد، باب المغنم و قسمته، مطلب: فى قسمة الغنيمة، زكريا ٦/ ٢٣٠، كراچى ٤/ ١٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۱۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۱ کتاب اللقطة

۱ باب اللقطة

لقطہ کا حکم

سوال [۷۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لقطہ کا حکم عام کتب فقہ وفتاویٰ میں صدقہ کردینا لکھا ہے، لیکن حضرت تھانویؒ نیک کام میں صرف کرنے کو لقطہ کا حکم لکھتے ہیں، تو لقطہ کو صدقۂ واجبہ میں شمار کریں گے یا صدقۂ نافلہ میں؟ اگر صدقۂ واجبہ میں شامل کریں گے تو حضرت تھانویؒ کی مذکورہ عبارت کی توجیہ کیا ہوگی؟

المستفتی: محمد قاسم گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت تھانویؒ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے مناسب یہ تھا کہ کس کتاب کے کس صفحہ پر یہ عبارت ہے ذکر کردیتے، بہر حال لقطہ کے بارے میں حکم یہی ہے کہ اگر لقطہ اٹھانے والا سرمایہ دار ہے تو اس کی تشہیر اور انتظار مکمل ہو جانے کے بعد صدقہ کرنا لازم اور واجب ہے، نیک کام اور رفاہِ عام کے کاموں میں صرف کرنے کی بات ہمارے سامنے نہیں آئی، البتہ اگر لقطہ اٹھانے والا فقیر ہے تو تشہیر اور انتظار مکمل ہونے کے بعد اس کو اختیار دیا گیا ہے، چاہے تو اپنی ذات پر خرچ کرے یا کسی فقیر اور ضرورت مند کو دیدے، لیکن یہ صراحت کہیں نہیں ملی کہ لقطہ اٹھانے والا فقیر بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کرکے رفاہِ عام اور کارِ خیر میں صرف کرے۔

عن أبی هریرة أن رسول الله ﷺ سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئا فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليردها إليه و إن لم يأت صاحبها فليتصدق بها. (سنن الدار قطني، كتاب الرضاع، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٠٨، رقم: ٤٣٤٣، نصب الراية ٣/٧٠٥، المعجم الأوسط، دار الفكر ١/٦٠٠، رقم: ٢٢٠٨، الدراية مع الهداية اشرفی ٢/٦١٤)

وإن كان الملتقط غنيا لم يجز له أن ينتفع بها ...... و إن كان الملتقط فقيرا فلا بأس بأن ينتفع بها. (هدايه، كتاب اللقطة اشرفی ٢/٦١٧، البحر الرائق كوئٹه ٥/١٥٧، زكريا ٥/٢٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۰۳)	۱۴۳۱/۶/۲۲ھ

ملتقط فقیر کا لقطہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے

سوال [۷۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید خود مسکین وفقیر ہے اور وہ کسی جگہ پر ایک گھڑی پاتا ہے بعد اعلان کے منتظر رہا، مگر ایسی جگہ ہے جہاں علاوہ مقامی کے باہری بھی بہت آتے ہیں اور مقامی وباہری حضرات سے معلومات بھی کی گئی ہے، لیکن پتہ نہیں چل سکا ہے تو کیا زید اس کو استعمال کر سکتا ہے، جبکہ زید مسکین ہے؟

(۲) اسی طرح کوئی صاحب نصاب کوئی چیز پائے بعینہٖ اسی مسئلہ بالا کی طرح ہو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: قاری سجاد حسین، اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر پانے والا شخص فقیر اور ضرورت مند ہے تو اس

کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

عن الحسن قال: إذا كان إليها محتاجا فليأكلها. (المصنف لابن أبي شيبة، ما رخص فيه من اللقطة، مؤسسة علوم القرآن جديد ۱۱/ ۲۲٤ رقم: ۲۲۰۷۰)

وإن كان الملتقط فقيرا فلابأس بأن ينتفع بها. هداية، كتاب اللقطة اشرفی ۲/٦۱۸، قلوری، ۱٤۸، هنديه زكريا قديم ۲/ ۲۹۱، جديد ۲/ ۳۰۰)

(۲) اگر پانے والا شخص مالدار ہے تو اس کیلیے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے بلکہ حسب استطاعت تشہیر کے بعد کسی محتاج کو صدقہ کرسکتا ہے۔

وإن كان الملتقط غنيا لم يجز له أن ينتفع بها. (هدايه، كتاب اللقطة أشرفی ۲/٦۱۷، قدوری ۱٤۸، هنديه زكريا قديم ۲/۲۹۱، جديد ۲/ ۳۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶٦٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ

نامعلوم شخص کے کبوتر گھر آجائیں تو ان کا حکم

سوال [۷۵۳٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دوسروں کے پالے ہوئے کبوتر مثلاً عبد اللہ کے پالتو کبوتر عبد الرحمٰن کے کبوتروں میں جاتے ہیں اور پھر عبد الرحمٰن ہی کے گھر رہنے لگتے ہیں اور بچے دیتے ہیں اور عبد اللہ کے گھر نہیں لوٹتے اور نہ عبد اللہ کے گھر کا پتہ چلتا ہے، تو کیا یہ دوسرے یعنی عبد اللہ کے پالے ہوئے کبوتر یا اس کے بچے عبد الرحمٰن کھا سکتا ہے؟

المستفتی: محمد اشفاق بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عبد الرحمٰن کے لیے عبد اللہ کے کبوتر کو اپنے یہاں روک لینا اور اس کو کھانا جائز نہیں، بلکہ عبد اللہ کو وہی کبوتر واپس کردینا واجب ہے،

کھائے گا تو حرام کھائے گا۔

عن أبی حرة الرقاشی، عن عمه أن رسول اللهﷺ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (شعب الإیمان، باب فی قبض الید عن الأموال المحرمة، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعی. (قواعد الفقه اشرفی ص: ١١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ٥٠٦٦)

نامعلوم شخص کی مرغی گھر آجائے تو اس کا حکم

سوال [۷۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی کی مرغی عبداللہ کے گھر آ گئی اور باوجود کوشش وجستجو کے مرغی والے کا پتہ نہ چلا تو کیا اس مرغی کو یا اس کے انڈے کو عبداللہ کھا سکتا ہے؟

المستفتی: محمد اشتیاق بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اگر تلاش وجستجو کے باوجود مرغی کا مالک نہ ملے تو دو گواہوں کے سامنے اس کو صدقہ کر دینا لازم ہے خود اس کے لیے کھانا جائز نہیں ہے۔

عن أبی هریرة قال قال رسول اللهﷺ: سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شیئا فلیعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فلیردها إلیه و إن لم یأت صاحبها فلیتصدق بها فإذا جاء فلیخیره بین الأجر، وبین الذی له.

(سنن الدار قطنی، کتاب الرضاع، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/١٠٨، رقم: ٤٣٤٣، المعجم الأوسط دار الفکر ١/٦٠٠، رقم: ٢٢٠٨، الدرایة مع الهدایة اشرفی ٢/٦١٤)

فإن جاء صاحبها و إلا تصدق بها. (هداية كتاب اللقطة اشرفى ٢/٦١٥)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۰۶۶)

اسٹیشن پر ملنے والی سونے کی چین کا حکم

سوال [۷۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کے زمانے میں لقطہ کا کیا مسئلہ ہوگا ایک صاحب کو اسٹیشن کی سیڑھی پر سے سونے کی چین ملی اور انہوں نے اٹھالی، اب یہ صاحب کیا کریں، کیا صدقہ کردیں یا کچھ اور کریں؟

المستفتی: ذبیح الرحمٰن قاسمی، بدست عزیزی کرامت علی قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن صاحب کو چین ملی ہے ان پر لازم ہے کہ چین کو حفاظت سے رکھے رہیں، اور چین کے مالک کو تلاش کرنے کی کوشش کریں، ممکن ہو تو اسٹیشن پر اعلان کرادیں اور اخبار میں بھی شائع کرادیں، اور جب ظن غالب ہو جائے کہ مالک نے اپنی چین کو تلاش کرنا چھوڑ دیا ہوگا اور مالک کے ملنے کی توقع نہ رہے تو چند لوگوں کو گواہ بنا کر اصل مالک کی طرف سے کسی غریب کو صدقہ کردے۔

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئا فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليردها إليه و إن لم يأت صاحبها فليتصدق بها فإذا جاء فليخيره بين الأجر، و بين الذى له.

(سنن الدار قطنى، كتاب الرضاع، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٠٨، رقم: ٤٣٤٣، المعجم الأوسط، دار الفكر ١/٦٠٠ رقم: ٢٢٠٨، الدراية مع الهداية اشرفى ٢/٦١٤)

ويعرف الملتقط اللقطة فى الأسواق و الشوارع مدة يغلب على ظنه أن

صاحبها لا يطلبها بعد ذٰلک (إلى قوله) ثم بعد تعريف المدة المذكورة، الملتقط مخيَّر بين أن يحفظها حسبة و بين أن يتصدق بها. (هندية، كتاب اللقطة، زكريا قديم ۲/ ۲۸۹، جديد ۲/ ۲۹۹، وهكذا في القدوري ص: ۱۴۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۶۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۷؍۱۴۲۹ھ

لقطہ کی رقم مسجد میں لگانا

سوال [۷۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد میں یا خارج مسجد کچھ رقم ہاتھ لگتی ہے، لوگ اعلان کر دیتے ہیں لیکن جب اس رقم کا مالک نہیں ملتا تو وہ رقم لوگ مسجد کے گولک میں ڈال دیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ گمشدہ رقم کا مالک اگر نہ ملے تو وہ رقم مسجد میں دی جاسکتی ہے یا کسی غریب کو صدقہ کر دینا چاہیے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اعلان کے باوجود رقم کا مالک نہ ملے اور اس کے ملنے سے مایوسی ہوجائے تو اس رقم کو اصل مالک کی طرف سے مساکین وفقراء پر تقسیم کر دیا جائے، اس رقم کو مسجد میں دینا درست نہیں ہے، لیکن اگر وہ کسی وقت آ گیا تو اس کو یہ اختیار ہوگا کہ صدقہ پر راضی ہوجائے اور چاہے تو اپنے پیسے وصول کر لے۔

عن عمر بن الخطاب قال في اللقطة: يعرفها سنة، فإن جاء صاحبها و إلا تصدق بها، فإن جاء صاحبها بعد ما يتصدق بها، خيره، فإن اختار الأجر، كان له، و إن اختار المال، كان له ماله. (مصنف عبد الرزاق، كتاب اللقطة، المجلس العلمي ۱۰/ ۱۳۹، رقم: ۱۸۶۳۰)

فإن جاء صاحبها و إلا تصدق بها (إلى قوله) فإن جاء صاحبها يعني بعد ما تصدق بها فهو بالخيار إن شاء أمضىٰ الصدقة وله ثوابها و إن شاء ضمن الملتقط.

(ہدایہ، کتاب اللقطة، اشرفی ۲/ ۶۱۵، قلوری ص: ۱۴۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۰۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۸/ ۱۴۲۸ھ

گمشدہ روپئے اٹھا کر مسجد میں دینا

سوال [۷۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گمشدہ پیسہ اٹھا کر مسجد کی گولک میں ڈالدینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: طریق الاسلام کھڑی آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پایا ہوا پیسہ اٹھا کر مسجد کی گولک میں ڈالدینا جائز نہیں ہے، بلکہ اصل مالک کو دینا لازم ہے، اگر اصل مالک نہ مل سکے اور امید بھی نہ ہو تو پھر ایسا پیسہ فقیر غریب کو صدقہ کردیا جائے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۴۷، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۱۶۰)

عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئا فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليرد ها إليه و إن لم يأت صاحبها فليتصدق بها. (سنن الدار قطنی، کتاب الرضاع، دار الکتب العلمية بيروت ٤/ ١٠٨، رقم: ٤٣٤٣، المعجم الأوسط، دار الفكر ١/ ٦٠٠، رقم: ٢٢٠٨، الدراية مع الهداية اشرفی ٢/ ٦١٤)

فينتفع الرافع بها لو فقيرا و إلا تصدق بها على فقير. (در مختار علی الشامی، کتاب اللقطة، زکریا دیوبند ٦/ ٤٣٧، ٤٣٨، کراچی ٤/ ٢٧٩، هدايه اشرفی ٢/ ٦١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۶۷)

لقطہ کے جانور پر خرچ کی گئی رقم کہاں سے وصول کریں؟

سوال [۷۵۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ملتقط جانور کے لقطہ کو واپس کرتے وقت مالک سے اپنا خرچ وغیرہ لے گا، کما فی الدر المختار۔

لیکن اگر ایک سال اعلان کرنے کے بعد بھی مالک نہ مل سکا تو غنی شخص اس جانور کو صدقہ کرے گا، مگر سوال یہ ہے کہ ایک سال چارہ وغیرہ کا خرچ وہ کہاں سے وصول کریگا، کیا اس جانور کو فروخت کر کے اس کی قیمت میں سے اپنا خرچ لے سکتا ہے، یا نہیں؟ صریح جزئیہ اگر مل جائے تو نقل فرمادیں۔

اور اگر اس دوران اس جانور سے کوئی بچہ پیدا ہو تو کیا اس کا بھی صدقہ کرنا ضروری ہے، یا ملتقط کی ملکیت میں آجائے گا، جبکہ اسی کے یہاں رہنے سے اس جانور کے بچہ پیدا ہوا ہے، اور اس نے اس جانور کی ہر طرح سے دیکھ بھال کی ہے، شامی میں تو اس طرح کے جزئیات نہ مل سکے، دیگر کتب میں مل جائیں تو نقل فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد فاروق غفرلہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک سال تک اعلان کا حکم جانوروں میں مطلق نہیں ہے، بلکہ جن کے لیے منافع ہوں مثلاً دودھ دینے والے ہوں یا بار برداری وغیرہ کے کام کے ہوں تو اس طرح کے جانور کی کمائی سے اس پر خرچ کیا جائے گا اور اگر ایسا جانور ہو کہ اس کے لیے منافع نہ ہوں تو حاکم یا جماعت مسلمین کی اجازت سے مالک کے آنے کی امید پر ۳۰ر دن تک اس پر خرچ کریگا، اس کے بعد مذکورہ ذمہ دار کی اجازت سے فروخت کر کے ثمن امانت میں رکھے گا، اور ملتقط اپنا خرچ کردہ پیسہ وصول کریگا، اور ایک سال تک اعلان کے بعد ثمن صدقہ کریگا۔

إن کان للبهيمة منفعة آجرها و أنفق عليها من أجرتها لأن فيه إبقاء العين على ملكه من غير إلزام الدين عليه، و إن لم يكن لها منفعة و خاف أن

تستغرق النفقة قيمتها باعها و أمر بحفظ ثمنها إبقاء له معنى عند تعذر إبقائه صورة. (هدايه، كتاب اللقطة، اشرفى ٢/٦١٦)

قالوا إنما يأمر بالإنفاق يومين أو ثلاثة على قدر ما يرىٰ رجاء أن يظهر مالكها فإذا لم يظهر يأمر ببيعها لأن دارة النفقة مستأصلة فلا نظر فى الإنفاق مدة مديدة و أفاد أيضا إذا بيعت أخذ الملتقط ما انفق بإذن القاضى. (البحر الرائق، كتاب اللقطة، كراچى ٥/١٥٦، زكريا ٥/٢٦١-٢٦٢)

و إذا لم يظهر يؤمر ببيعها و إذا باعها أعطى الملتقط ما أنفق فى اليومين أو الثلاثة. (عالمگيرى، كتاب اللقطة، زكريا جديد ديوبند ٢/٣٠٠، قديم ٢/٢٩١)

نیز جانور سے اگر بچہ پیدا ہوجائے تو وہ بھی مالک ہی کی ملکیت میں شمار ہوگا، مال کے ساتھ بیع یا صدقہ کے تابع ہوگا۔

لأن ولد الحيوان يتبع أمه (وقوله) ولم يعلم مالكه. (شامى، كتاب اللقطة، مطلب فيمن وجد حطبا فى نهر أو وجد جوزا او كمّثرى، زكريا ديوبند ٦/٤٤٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٥/٢١٤، كراچى ٤/٢٨٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۳۴)

نابالغ لڑکے نے پائی ہوئی رقم ضائع کردی

سوال [۷۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: اگر نابالغ مسجد میں پائی ہوئی رقم کو اپنے اوپر خرچ کرلے یا ضائع کردے تو اس رقم کے بارے میں کیا حکم ہوگا، کیا لڑکے پر اس کا تصدق واجب ہے یا اس کے والدین پر یا کسی پر نہیں؟

المستفتی: مسہار علی جمادار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نابالغ بچوں کا حکم بھی باب لقطہ اور افعال کی صحت

میں مکلّف بالغوں سا ہے، لہٰذا اگر پائی ہوئی رقم بچے ضائع کردیں یا خرچ کردیں تو مالک کو اس کا ضمان ادا کرنا لازم اور ضروری ہوگا اور اگر مالک کا پتہ نہ چل سکے تو والدین یا وصی پر اس کا تصدق لازم ہوگا، اور ہلاکت کی صورت میں والدین یا وصی کے مال میں سے ضمان ادا کرنا لازم ہوگا۔

وفی الوهبانية: الصبی کبالغ فیضمن إن لم یشهد ثم لأبیه أو وصیه التصدق و ضمانها فی مالهما لا مال الصغیر. (الدر المختار، کتاب اللقطة، کوئٹه ۳/ ۳۵۱، کراچی ٤/ ۲۸۰، زکریا ٦/۴۳۹)

وفی القنية: وجد الصبی لقطة ولم یشهد یضمن کالبالغ (بحر) و فی الشامیة: قلت المراد ما یشمل إشهاد ولیه أو وصیه. (البحر الرائق، کوئٹه ۵/ ۱۵۱، زکریا ۵/ ۲۵٤، شامی کوئٹه ۳/ ۳۵۱، کراچی ٤/ ۲۸۰، زکریا ٦/ ۴۳۹)

وفی البحر أیضا فأما الملتقط فلم أری من بین شرائطه و لا یشترط بلوغه بدلیل ما فی المجتبی التعریف إلی ولی الصبی والوارث فدل علی صحة التقاطه الخ. (البحر الرائق کوئٹه ۵/ ۱۵۰، زکریا ۵/ ۲۵۲)

وإن أتلفا (أی الصبی والمجنون شیئا لزمهما ضمانه لأن الأفعال تصح منهما ولأن الإتلاف موجب للضمان ولایتوقف علی القصد. (الجوهرة النیرة، کتاب الحجر، امدادیه ملتان ۱/ ۲۹۳، دار الکتاب دیوبند ۱/ ۲۸۵، هدایه اشرفی دیوبند ۳/ ۳۵۳، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۵/ ۱۹۲، زکریا ٦/ ۲۵٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۳/ ۲۳)

❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۲ کتاب الإمارۃ والسیاسۃ

امت کی قیادت وامامت میں اسلام کا نقطۂ نظر

سوال [۴۳ ۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) امت کی قیادت یا امامت کے سلسلے میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے؟

(۲) چونکہ پوری امت مسلمہ کا کوئی قائد وامام نہیں ہے تو کیا امت کے کسی جزء کے قائد کا انتخاب کیا جا سکتا ہے؟

(۳) اگر امت کے کسی جزء کا قائد منتخب کیا جا سکتا ہے تو اس کا فیصلہ جغرافیائی حدود یا کسی جماعت یا کسی تنظیم وتحریک کی ممبرشپ کی بنیاد پر کیا جائیگا؟

(۴) وہ مسلمان جو دیارِ کفر یا غیر مسلم معاشرے میں مقیم ہیں کیا ان کے لیے خصوصی احکام ہیں؟

(۵) قائد میں کن خصوصیات وصلاحیتوں کا ہونا لازمی ہے؟

(۶) قائد کے انتخاب کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

(۷) وہ لازمی شرائط وقیود کیا ہیں جن کی تکمیل کے بعد ہی کوئی مسلمان قیادت کے انتخاب میں حصہ لے سکتا ہے؟

(۸) کیا وہ مسلمان جو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہیں وہ ووٹنگ کے حق سے محروم رہیں گے؟

براہ کرم آپ ان دیگر علماء وعلمی شخصیات کی نشاندہی فرمائیں، جو اس معاملہ میں ہماری رہنمائی فرما سکتے ہیں، اس سلسلے میں ایک گذارش ہے کہ موضوع پر دلائل قرآن وسنت کے حوالہ

کے ساتھ دیئے جائیں، آپ کے گرانقدر مشوروں اور رہنمائی کے ہم انتہائی ممنون ہوں گے۔

المستفتی: مخلص مناظر احسن اسسٹینٹ ڈائریکٹ اسلامک فاؤنڈیشن لنڈن روڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اسلامی شریعت کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ ہر مسلم قوم کا کوئی قائد ہو اور سب اس پر متفق ہوں۔

عن تميم الداری رضی الله عنه قال: تطاول الناس فی البناء فی زمن عمر رضی الله عنه فقال عمر: يا معشر العريب! الأرض الأرض، إنه لا إسلام إلا بجماعة، ولا جماعة إلا بإمارة، ولا إمارة إلا بطاعة. (مسند الدارمی، العلم، باب فی ذهاب العلم، دار المغنی ۱/۳۱۵، رقم: ۲۵۷، جامع بيان العلم وفضله، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۶۲، رقم: ۳۲۶)

(۲) کیا جاسکتا ہے۔

ذكر المحققون ...... أنه إذا لم يوجد الإمام الموصوف بهذه الصفات جاز نصب من لم يتصف ببعضها للضرورة الخ. (نبراس ص: ۳۲۲)

(۳) اگر اسلامی حکومت ہے تو حکومت کے قانون کے مطابق حدود کی تعیین ہوگی اور غیر مسلم حکومت ہے، تو اس کے لیے حد متعین نہیں ہے بلکہ جتنے دور تک لوگ بآسانی آپس میں متفق ہو سکتے ہیں، ان کی تراضی سے قائد کا انتخاب کیا جائے۔

طرق ثبوت الإمامة أربعة (إلى قوله) الثالث بيعة أهل الحل والعقد بإجماع أهل السنة. (نبراس ص: ۳۲۲)

(۴) ان پر لازم ہے کہ آپس کے تراضی سے کسی بااہل، بااثر شخصیت کو اپنے امور شرعیہ کا ذمہ دار بنائیں۔

وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضی قاضيا بتراضی المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم. (شامی، كتاب القضاء، قبيل مطلب فی حكم تولية القضاء فی بلاد، تغلب

علیها الکفار کوئٹه ٤/٣٤٢، کراچی ٥/٣٦٩، زکریا دیوبند٨/٤٣، النهر الفائق دار الکتب العلمیة بیروت ٣/٦٠٤)

(۵) اگر قوم کسی اہل شخص پر متفق ہوجائے تو فبہا ورنہ بوقت اختلاف کثرت رائے کا اعتبار ہے۔

إن المقرر عند المشائخ أنه متی اختلف فی المسئلة فالعبرة مما قاله الأکثر الخ. (عقود رسم المفتی قدیم ص: ٣٤)

(۶-۷) عدالت،شجاعت،مسائل شرعیہ میں معلومات، اجتہاد اور حسن تدبیر۔

شروط الإمامة العدل ...... ومنها الشجاعة والاجتهاد فی المسائل والتدبیر المصیب. (نبراس شرح شرح عقائد نسفی ص: ٣٤٢)

نیز جو مسلمان شرائط مذکورہ کا حامل ہو اور اپنے اوپر مسلمانوں کے حقوق کے سلسلے میں پورا اعتماد رکھتا ہو وہ ووٹنگ کا حقدار ہے، آپ کے ملک کے اہل علماء اور علمی شخصیات سے احقر واقف نہیں ہے، اس لیے نشاندہی سے معذور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵رمحرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۴۹)

قرآن وحدیث سے ہٹ کر اسلامی قانون بنانا

سوال [۷۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چند روز ہوئے اخبار میں مسلم پرسنل لاء یعنی مسلمانوں کے اسلامی قوانین میں ترمیم کے متعلق مضمون تھا، کیا واقعی مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی ہوتی ہے، اب تک یہ بات کہی وسنی جاتی تھی، کہ اسلامی قوانین کا مأخذ قرآن وحدیث ہے، اس میں ترمیم ممکن نہیں ہے، اس سلسلے میں مفتیان کرام وجماعت مسلک دیوبند کا کیا موقف ہے؟

المستفتی: کرامت علی، بدست عزیزی ذبیح الرحمٰن چاندپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلامی قوانین کا مدار قرآن وحدیث پر ہے، اس سے ہٹ کر الگ سے قانون بنانا قطعاً جائز نہیں، لیکن مسلم پرسنل لاء کی طرف سے کس طرح اور کس مسئلہ میں ترمیم کا اعلان ہوا ہے احقر کے علم میں نہیں، اس کی پوری صورت سامنے ہو تو کچھ کہا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۹۵)	۱۴۲۱/۴/۲۱ھ

برادری کے صدر کا دوسری شادی کے متعلق دستور شائع کرنا

سوال [۷۵۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو اپنے کو برادری کا صدر کہلواتا ہے اس نے برادری کا دستور شائع کیا ہے جس میں مندرجہ ذیل عبارت ہے:

(۱) اگر کوئی شخص دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو شادی کرنے کی وجہ سے پہلے مجبوری یا ضرورت سے صدر صاحب کو آگاہ کریگا، اور منظوری لیگا، صرف عیش پرستی وعیاشی کیلئے دوسری شادی کی اجازت نہیں ہوگی۔

کیا اس شخص کے پابندی لگانے کا مطلب شریعت میں مداخلت ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حنیف قریشی میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی میں ایک سے چار تک شادی کی اجازت ہے، بس صرف شرط یہ ہے کہ سب بیویوں کے حقوق کو برابری کے ساتھ ادا کیا جائے اور شرعی طور پر یہ بھی ایک ضرورت ہے کہ کبھی ایک بیوی سے جنسی خواہش پوری نہیں ہوتی ہے تو دوسری شادی کرلینا جائز اور درست ہے، اس میں کسی کو پابندی لگانے کا حق نہیں، اللہ تعالیٰ

نے تعددِازواج کا اختیار دیا ہے، فرمایا:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ. [النساء:٣]﴾

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٥/رمضان ١٤١٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/ ٣٦١٥)

ہندوستان میں بیت المال قائم کرنا کیسا ہے؟

سوال [٧٥٤٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (١) کیا ہندوستان جیسے ممالک میں زکوٰۃ وصدقات وچرم قربانی وغیرہ جمع کرنے کے لیے بیت المال قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(٢) اگر بیت المال قائم کیا جائے تو ایسی صورت میں اسلامی مدارس پر یک گونہ ضرب آتی ہے کہ مدارس میں اس دور میں عموماً زکوٰۃ وصدقات کی رقم دی جاتی ہے، تو ایسی صورت میں قیام بیت المال سے دینی مدارس کے بند ہونے کا خطرہ ہے، تو کیا ایسی صورت میں بیت المال میں ان چیزوں کو جمع کرنا بہتر ہے یا اسلامی مدارس میں دینا بہتر ہے؟

(٣) زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے مدرسین مدرسہ کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کوئی جواز کی صورت ہو تو اس کو تحریر فرمائیں؟

(٤) مسجد کی آمدنی کو مدارس پر خرچ کرنا اور اس سے مدرسین کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں، جبکہ وقف صرف مسجد کے لیے ہے اور مسجد کو بھی وقتاً فوقتاً ضرورت پڑتی ہے؟

المستفتی: رفیع اللہ قاسمی پہانی ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (١) بیت المال کی چار قسمیں ہیں اور چاروں کے لیے الگ الگ شرائط ولوازمات ہیں: (١) بیت المال الخمس جس میں مال غنیمت کا خمس جمع ہوا

کرتا ہے (۲) بیت المال الخراج یعنی وہ بیت المال جس میں خراج جزیہ اور غیر مسلموں سے حاصل شدہ ٹیکس وغیرہ جمع کیے جاتے ہیں (۳) بیت المال الضوائع یعنی وہ بیت المال جس میں لقطے اور لا وارث کا ترکہ اور لاوارث مقتول کی دیت وغیرہ جمع کیے جاتے ہیں (۴) بیت المال الصدقات جس میں زکوٰۃ پیداوار کا عشر اور صدقات واجبہ جمع کیے جاتے ہیں اور سوالنامہ میں چوتھی قسم کے بیت المال سے متعلق سوال کیا گیا ہے اس کی شرطوں میں سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ دیانتداری اور امانتداری کے ساتھ مستحقین تک پہنچادیا جائے اور ان کو مالک بنادیا جائے اور ہندوستان جیسے ممالک میں اصل مستحق مدارس کے طلبہ ہیں، نیز ایک نظام کے تحت میں پورے ملک میں بیت المال کا چلنا ضروری ہے، تو کیا بیت المال قائم کرنے والے تمام مدارس کے اخراجات کے کفیل بن سکتے ہیں اس ملک میں میرے خیال میں اس شرط کا پورا ہونا بہت مشکل اور محال ہے بلکہ بیت المال کے نام سے جمع کر کے خیانت کا شکار ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا، اس لیے جائز نہیں ہوگا، اور ایک نظام حکومت کے تحت ہونا اس لیے ضروری اور لازم ہے کہ خیانت کرنے والوں پر دارو گیر کرنے والا نظام حکومت ہی ہوسکتا ہے اس لیے بغیر اس کے ممکن نہیں۔

(۲) اس پر فتن دور میں ایک طاقت وقوت کے ماتحت کے بغیر بیت المال کا وجود ممکن نہیں ہے اور یہ طاقت نظام حکومت ہی کو ہوسکتا ہے اس لیے اس کے بغیر جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد کفایت المفتی قدیم ۴/۳۰۳، جدید مطول ۶/ ۲۹۸)

بیـــوت الـــمــــال أربــعة ☆ لكل مصارف بينها العالمونا

فـأولهــا الـغـنـائم والكنوز ☆ ركــاز بـعـدهـا المتصدقونا

وثـــالثهـــا خراج مع عشور ☆ وجــالية يـليهــا العـاملونـا

ورابـعهـا الضوائع مثل مالا ☆ يـكـون لــه أنـا س وارثونـا

فمصرف الأولين أتى بنص ☆ وثـــالثهـــا حـواه مـقـاتلونـا

و رابـعهـا فـمصرفه جهات ☆ تساوى النفع فيها المسلمونا

(الـدر مـع الرد، كتاب الزكاة، باب العشر، زكريا ديوبند ٤/ ٢٨١-٢٨٣، كراچی ٢/ ٣٣٧-٣٣٨)

(۳) زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی رقم مدرسین وملازمین کی تنخواہوں میں دینا جائز نہیں ہے اس لیے کہ ان اشیاء کو بغیر عوض کے فقیر کی ملکیت میں دینا واجب ہے۔

يشترط أن يكن الصرف تمليكا لا إباحة. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۱، كراچى ۲/ ۳٤٤)

البتہ بڑے مدارس جن میں فقہ حدیث تفسیر اور حفظ قرآن کی تعلیم ہوتی ہے اور ان میں بیرونی مستحق طلبہ ہوں اور ان کے قیام وطعام کا نظم بھی ہو تو ایسے مدارس میں اگر امداد کی رقم سے تنخواہیں پوری نہ ہوسکیں تو ضمنی طور پر حیلۂ تملیک کا طریقہ اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن الحرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة. (هندية، كتاب الحيل، الفصل الأول، زكريا قديم ٦/ ٣٩٠، جديد ٦/ ٣٩٣)

(۴) جائز نہیں ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة ...... كراچى ٤/ ٤٤٥، زكريا ديوبند ٦/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۱۰/ ۱۴۱۴ھ

ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟

سوال [۷۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟

المستفتی: ریاض الدین آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان نہ دار الاسلام ہے اور نہ ہی دار الحرب بلکہ دونوں کے مابین دار الجمہوریہ اور دار الامن ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۹)

وقوله لاتصير دار الإسلام دار حرب أى بأن يغلب أهل الحرب على دار من دورنا أوارتد أهل مصر وغلبوا و أجروا أحكام الكفر أو نقض أهل الذمة العهد وتغلبوا على دارهم ففى كل من هذه الصور لا تصير دار حرب. (شامی، كتاب الجهاد، باب المستامن، مطلب: فيما تصير به دار الإسلام دار حرب و بالعكس، زكريا ديوبند ٦/٢٨٨، كراچی ٤/١٧٤)

لو أجريت أحكام المسلمين و أحكام أهل الشرك لا تكون دار حرب. (شامی، كراچی ٤/١٧٥، زكريا ديوبند ٦/٢٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٠/٢٩٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۸۰)

وندے ماترم اور قومی ترانہ کے الفاظ عقیدہ کے خلاف تو نہیں

سوال [۷۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مروجہ قومی ترانہ جس میں بھارت بھاگیہ ودھاتا (بھارت ہے مقدر بنانے والا) اور وندے ہماچل یمنا گنگا جیسے الفاظ شامل ہیں، اسلامی عقیدے کے خلاف ہے یا نہیں؟

(۲) کیا وندے ماترم اور وندے ہماچل میں عقیدے کے اعتبار سے کوئی فرق ہے؟

(۳) قومی ترانہ کی مروجہ ادائیگی کا طریقہ بالکل سیدھا اور ساکت کھڑا رہنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) قومی جھنڈے کو سلامی دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) اگر یہ چیزیں ناجائز اور عقیدے کے خلاف ہیں تو مسلمانوں کو ایسی تقریبات میں شامل ہونا چاہیے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) مروجہ قومی ترانہ اپنے وطن ہندوستان کی

سر بلندی، فتح، اور اس کی تعریف پر مشتمل ہے، ’’بھارت بھاگیہ ودھاتا‘‘ اس میں اگر خطاب اللہ تعالیٰ سے ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اے بھارت کی قسمت بنانے والے، یہ معنی درست ہوسکتے ہیں اور اگر خطاب بھارت سے ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے بھارت ہی قسمت بنانے والا ہے، جو شرکیہ معنی ہے، لہٰذا یہ معنی مراد نہ لیے جائیں، ’’وندے ہماچل یمنا گنگا‘‘ اس میں لفظ ’’وندے‘‘ نہیں ہے جیسا کہ آپ کو شبہ ہورہا ہے بلکہ اصل لفظ ’’وندھ‘‘ ہے جو وندھیا چل کا مخفف ہے، اور وندھیا چل ایک پہاڑ کا نام ہے۔ (تاریخ ہند ۱۱/۸) لہٰذا یہ جملہ اسلامی عقیدے کے خلاف نہیں ہے۔

(۲) دونوں ترانوں میں عقیدہ کے اعتبار سے کافی فرق ہے، وندھ، ہماچل میں ہندوستان کی تعریف وغیرہ کی گئی ہے اور ’’وندے ماترم‘‘ کے مضامین شرکیہ الفاظ پر مشتمل ہیں، اس ترانے میں ملک کی سرزمین کو درگا دیوی تصور کرکے اس کی تعریف میں سر جھکانے کا اعلان ہے، اور اس ترانے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سراسر اسلامی عقیدے کے خلاف ہے، مثلاً: تو ہی جسم کے اندر کی جان ہے تو ہی بازؤوں کی قوت ہے، دلوں کے اندر تیری ہی حقیقت ہے، تیری ہی محبوب مورتی ہے، ایک ایک مندر میں تو ہی درگا دس مسلح ہاتھوں والی، اس پورے ترانہ کا جائزہ لیا گیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس ترانے کا منظر خالص مذہبی اور شرکیہ ہے جو اسلامی عقائد سے قطعاً میل نہیں کھاتا، لہٰذا اس ترانہ کو پڑھنے سے سخت اجتناب لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/ ۴۰۶، جدید مطول ۱۳/ ۲۱۵، پیغام محمود دیوبند ص: ۴۵، شمارہ ۲-۱)

(۳) قومی ترانہ کے وقت ادب سے سیدھا کھڑا رہنا اس کا احکام شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ہر ایک علاقہ اور ارباب وطن کے رسم ورواج سے اس کا تعلق ہے، ہاں البتہ ترانہ میں اللہ اور اس کے رسول کی ایسی حمد وثنا ہو جس کے آداب بجالانے کے لیے جذبہ ابھرتا ہو تب اس کی گنجائش ہے، اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی حمد وثنا نہیں ہے تو اس عمل کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۴) جھنڈے کو سلامی دینے کی کوئی حقیقت شریعت میں ثابت نہیں ہے، البتہ کسی

اہم کام کی کامیابی پر جھنڈا لہرانا اور گاڑنا جائز ہے، جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر آقاءِ نامدار ﷺ کے حکم سے مسجد رایہ جس جگہ پر ہے وہیں پر اسلام کی کامیابی کا جھنڈا گاڑا گیا تھا۔

(۵) مذکورہ اعمال کے بارے میں اوپر احکام شرعیہ لکھے جاچکے ہیں، ان میں سے جو جائز پہلو ہو اس میں شرکت کی گنجائش ہے، اور جو ناجائز پہلو ہے اس میں مسلمانوں کے لیے شرکت جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۳۸)	۱۴۲۱/۶/۷ھ

حکومت کا مسلمانوں میں پسماندہ وغیر پسماندہ کی تقسیم کرنا

سوال [۷۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمانوں میں پسماندہ وغیر پسماندہ کی تقسیم کرنا کیسا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب انسان برابر ہیں، اور کسی کو کسی پر کوئی فضیلت وفوقیت کا معیار تقویٰ اور پرہیزگاری ہے، قبائل اور ذات کی تقسیم محض پہچان کے لیے ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَاُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ. (حجرات: ۱۳)“

حدیث شریف میں آیا ہے ”کلکم من بنی آدم و الآدم من تراب.

حجۃ الوداع میں رسول اکرم ﷺ نے فخر ومباہات کی تمام دیواریں ڈھادیں تھیں، آپ کے ارشادِ گرامی کا مفہوم ہے کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، لہٰذا ان آیات واحادیث کی روشنی میں پسماندہ اور غیر پسماندہ کی تقسیم کیسی؟

اور ”تُؤَدُّوْا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا. (نساء: پ ۵) میں واضح ارشاد ہے کہ عہدے ان کی صلاحیت کے مطابق ملنے چاہئیں، اس کے باوجود ریزرویشن کرنا کیسا ہے، موجودہ ہندوستانی نظام میں کیا یہ تقسیم غیر انسانی وغیر اسلامی نہیں؟ قرآن واحادیث کی روشنی

میں جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں اور امت کو گمراہی سے بچائیں اس لیے کہ بہت سے مسلمانوں نے تھوڑے سے دنیاوی فائدے کے لیے اسی تقسیم کو تسلیم کرلیا ہے۔

المستفتی: منصور احمد صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام میں برتری اور ترقی کا مدار تقویٰ اور صلاحیت پر ہے، ذات و برادری پر نہیں ہے، اور قرآن وحدیث میں برادری اور قبائل کی تقسیم صرف پہچان کے لیے ہے، ذات اور عزت وشرف کی پسماندگی اور برتری صلاحیت اور تقویٰ کے اعتبار سے ہوتی ہے، کہ کسی میں تقویٰ اور صلاحیت ہے تو وہ سب پر فائق اور برتر ہوگا، چاہے کسی بھی برادری سے تعلق رکھتا ہو، اور اگر کسی میں تقویٰ اور صلاحیت نہیں ہے تو وہ پسماندہ ہے چاہے کسی بھی برادری سے تعلق رکھتا ہو اس لیے حکومت ہند کی تقسیم اسلامی شریعت کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ. [الحجرات:۱۳] ﴾

فتح مکہ کے موقعہ پر حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

عن ابن عمير أن رسول الله خطب الناس يوم فتح مكة فقال: يأيها الناس إن الله قد أذهب عنكم عَبيَّة الجاهلية و تعاظمها بآبائها فالناس رجلان: رجل بر تقي كريم على الله، و فاجر شقي هين على الله، والناس بنو آدم، وخلق الله آدم من تراب، قال الله: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ. (سنن الترمذي، التفسير، باب و من سورة الحجرات، النسخة الهندية ۲/ ٦٢، دارالسلام رقم: ۳۲۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۱۲ھ

سفیر کا چندہ کرنے کے لیے دو پاسپورٹ بنوانا

سوال [۷۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب سفارت کرتے ہیں، مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے، انہوں نے دو پاسپورٹ بنوا رکھے ہیں تا کہ ہر سال باہر کے ملک کے سفر میں آسانی ہوجائے اور مدرسہ کو آمدنی ہوتی رہے، ان کو ایسا کرنا اور مدرسہ کے ذمہ داران کا ایسا جاننے کے بعد بھی ان سے چندہ کرانا کیسا ہے؟

المستفتی: حامد علی مدرسہ ارشاد العلوم ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دو پاسپورٹ کا بنوانا سرکاری قانون کے مطابق ناجائز ہے، اس لیے اس سے اجتناب کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ اپنے آپ کو خطرہ میں خود مبتلا نہ کرو: ’’وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ. (بقرۃ: ۱۹۵)

ہاں البتہ ان پاسپورٹوں سے دوسرے ممالک میں جا کر جو چندہ حاصل کیا جائیگا وہ سب جائز اور حلال مال ہیں، ان کو مدرسہ میں داخل کرنا اور مدرسہ کا اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۰؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۵۰)	۱۴۱۸/۱/۲۰ھ

بغیر لائسنس کے ہندوستان میں اسلحہ رکھنا

سوال [۷۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرات علماء کرام سے یہ بات آئے دن سننے کو ملتی رہتی ہے کہ وطن سے محبت جزء ایمان ہے، نیز ملک کے آئین کی خلاف ورزی خیانت ہے، ان باتوں پر قیاس کرتے ہوئے ایک بات ذہن میں آتی رہتی ہے کہ ایک طرف احادیث وقرآن میں اپنے دشمنوں کی

حفاظت کے طور پر احتیاطی اورانتظامی نظریہ سے آلات حرب (اسلحہ) رکھنے کی اجازت بلکہ تاکیدی حکم معلوم ہوتا ہے، تو دوسری طرف ملک کا قانون بلامنظوری سرکار آلات حرب یا اسلحہ رکھنے کو جرم قرار دیتا ہے، اور پکڑے جانے پر تعزیرات ہند کی مقررہ دفعات کے تحت ملزم قرار دے کر قید و بند کی سزائیں دی جاتی ہیں، قطع نظر ملکی قوانین کے بلامنظوریٔ سرکار آلات حرب یا اسلحہ رکھنے کی شریعت میں کہاں تک اجازت ہے، کہیں یہ چیزیں بلا لائسنس کے اپنے گھر میں رکھنا شرعی نقطۂ نظر سے آئین ملک میں خیانت تو نہیں؟

المستفتی: ابوحارث عثمانی علی گنج ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستانی قانون کے اعتبار سے بغیر لائسنس کے اسلحہ رکھنا جرم ہے، اور لائسنس کے ساتھ اسلحہ رکھنے کی اجازت ہے، لہٰذا اس قانون پر عمل کرنے میں شریعت سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، شریعت میں جو اسلحہ رکھنے کی اجازت ہے وہ مطلق ہے، اور ہندوستانی قانون میں بھی رکھنے کی اجازت ہے، مگر لائسنس کے ساتھ، تو لائسنس کے ساتھ اسلحہ رکھنے کی قید لگانا شریعت کی اجازت کی مخالفت نہیں ہے، اور حکومت نے جو لائسنس کی قید لگائی ہے وہ ملکی مصلحت اور ملکی امن کے پیش نظر لگائی ہے تاکہ چور ڈکیت، بدمعاش بلا لائسنس کے ہتھیار کے ذریعہ سے ملک کے اندر نقض امن کا سبب نہ بنیں، اس لیے اگر کسی کو اسلحہ یا ہتھیار رکھنا ہے تو سرکاری قانون کی اجازت کے ساتھ رکھنا چاہیے، اس کی مخالفت کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

عن أنس بن مالک رضی اللہ قال قال رسول اللہ ﷺ: اسمعوا و أطیعوا وإن استعمل علیکم عبد حبشی کان رأسہ زبیبۃ. (صحیح البخاری، الأحکام، باب السمع والطاعۃ للإمام مالم تکن معصیۃ، النسخۃ الھندیۃ ۲/۱۰۵۷، رقم: ۶۸۵۹، ف: ۷۱۴۲، مشکوٰۃ ۲/۳۱۹)

عن ابن عباس یرویہ قال قال رسول اللہ ﷺ: من رأی من أمیرہ شیئا یکرھہ فلیصبر فإنہ لیس أحد یفارق الجماعۃ شبرا فیموت، إلا مات

ميتة جاهلية. (صحيح البخاری، الأحكام، باب السمع و الطاعة للإمام مالم تكن معصية، النسخة الهندية ۲/۱۰۵۷، رقم: ٦٨٦٠، ف: ٧١٤٢، سنن الدارمی، دار المغنی ٣/١٦٣٧، رقم: ٢٥٦١، مشكوٰة ٢/٣١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳رصفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۱۸)

عالم دین کے الیکشن لڑنے سے متعلق چند سوالات

سوال [۷۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص عالم دین ہیں اور ایک مدرسہ میں نظامت کے فرائض انجام دیتے ہیں جس کی تنخواہ پاتے ہیں، کبھی کبھی مسجد میں نماز بھی پڑھاتے ہیں جبکہ مستقل امام مقرر نہ ہو، اہل بستی کے اصرار پر گاؤں سبھا کی سیٹ سے پردھانی میں الیکشن لڑنا چاہتے ہیں، ایسی صورت میں جبکہ رشوت کا لین دین عام طور پر پردھان کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اور بغیر رشوت کے کوئی اسکیم نہیں چل پاتی، پولیس کے پاس جب کوئی جھگڑا پہنچتا ہے تو اس میں بھی جائز ناجائز ہمدردی کر کے کچھ روپیہ پیسہ رشوت کے طور پر دے کر پردھان ہی چھڑا کر لاتا ہے، جب فریقین میں جھگڑا ہوتا ہے تو بھی ایک دوسرے کے حق دلانے میں کمی بیشی ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

(۲) کیا ان کے پیچھے جماعت کی نماز پڑھنا درست ہے؟

(۳) ان کی کمائی ہوئی روٹی روزی حلال ہوگی؟

(۴) رشوت دینا دلانا اس میں سے کچھ پیسہ لے کر خرچ کرنا درست ہوگا؟

(۵) اوقاتِ مدرسہ میں پردھانی سے متعلق معاملات دخیل ہوں اور وہ لوگوں سے ملاقات، بات چیت کریں پھر پوری تنخواہ لیں تو درست ہوگا؟

المستفتی: عطاء الرحمٰن قاسمی ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) الیکشن اور گاؤں سبھا کی امیدواری کے لیے جن عالم صاحب کو مقرر کیا گیا ہے وہ خود اپنا جائزہ لے لیں اور اچھی طرح غور کرلیں کہ کیا وہ رشوت خوری کی گرم بازاری سے خود کو بچا سکتے ہیں؟ ظاہری حالات ومشاہدات سے یہ بات عیاں ہے کہ ان برائیوں سے خود کو بچانا مشکل ہے، لہٰذا خود کو اس سے محفوظ رکھنا بہتر ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۲/۲۹۱، جدید زکریا ۵/۵۳۲)

لیکن ایسے بھی بہت سے لوگ ہیں جو کسی بھی حال میں رشوت نہیں لیتے، لہٰذا ان پر فسق وفجور کا الزام نہیں۔

(۲) اور نہ ہی ان کی امامت میں کوئی کراہت آسکتی ہے۔

(۳) رشوت کی روٹی روزی حرام ہے، لیکن کوئی رشوت نہیں لیتا اور اتفاق سے مجبوری میں دینا پڑتا ہے تو اس کی روزی روٹی بلاتردد حلال ہے۔

(۴) نیز مجبوری کی حالت میں رشوت دینے والے پر بھی فسق وفجور کا الزام نہیں بلکہ لینے والے پر وبال ہے۔

وفي الشامية: دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه و ماله ولاستخراج حق له ليس برشوة يعني في الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ديوبند ۹/۶۰۷، كراچی ٦/٤٢٣-٤٢٤)

(۵) اگر وہ مدرسے کا ناظم ومہتمم ہے اور مدرسہ کے ساتھ پردھانی کی بھی ذمہ داری سنبھالنا چاہتا ہے تو اس کے لیے بہترین شکل یہ ہے کہ مدرسہ میں کام کرنے والوں اور کمیٹی والوں کے مشورہ سے اوقات تقسیم کرکے مثلاً صبح کے چار گھنٹے ہیں اس میں سے دو گھنٹے مدرسہ کے لیے اور دو گھنٹہ پردھانی کے لیے، اسی طرح شام میں دو گھنٹہ ہے ایک گھنٹہ مستقل طور پر مدرسہ کے لیے اور ایک گھنٹہ عوام کی شکوہ وشکایت کے لیے مخصوص ومتعین کرلے اور نظام الاقات مشورہ سے متعین کرلے تو پوری تنخواہ لینا جائز اور درست ہے۔

وفی القنیة: یدرس بعض النهار فی مدرسة و بعض النهار فی مدرسة أخریٰ ولایعلم شرط الواقف یستحق غلة المدرس فی المدرسین. (البحر الرائق، کتاب الوقف، زکریا دیوبند ۵/۳۵۸، کوئٹه ۵/۲۱۴، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۶/۲۹۳، المدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر مصری قدیم ۱/۷۵۲، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۵۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۸۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۳ھ

مسلمانوں کے لیے سیاست میں حصہ لینا کیسا ہے؟

سوال [۵۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اس دور میں مسلمانوں کے لیے سیاست میں حصہ لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری نہیں ہے تو بظاہر مسلمان عضو معطل بن کر رہ جائیں گے، اور اگر ضروری ہے تو اس کے لیے سرکاری تعلیم حاصل کرنا ضروری اور سرکاری کالج و یونیورسٹیز کا ماحول لادینی کا ہے، جس کا اثر ناگزیر ہے، جیسے مشاہد ہے، سرکاری اداروں میں عمل تو بڑی بات ہے عقائد کا صحیح رکھنا دشوار ہے، اور اگر اس دہریت کے اثر سے بچ کر نکل جائے تو شاذ ہے، اور شاذ معدوم کی طرح ہے، ایسی صورت میں مسلمانوں کے لیے کونسی راہ ہے، کیا ان یونیورسٹیز اور کالج میں اپنے بچوں کو بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: بشیر احمد آفیسر کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس دور کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کے مذہبی اور شہری حقوق کی حفاظت کے لیے ایسے مسلمانوں کو ہر زمانہ میں سیاست میں حصہ لینا ضروری ہے، جو امور سیاسیہ میں ماہر اور مسلمانوں کے خیر خواہ اور ان

کے حقوق کی حفاظت کے اہل ہوں۔ (مستفاد: حجۃ اللہ البالغہ قدیم ۱/ ۱۴۸)

یہ محض دعویٰ بلا دلیل ہے کہ سیاست میں حصہ لینے کے لیے ایسی سرکاری تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے جو دہریت کا شکار ہے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مفتی محمود ملتانیؒ، مولانا عبدالحق حقانیؒ وغیرہم کیا دنیائے اسلام کی تاریخ میں سیاسی رہنما نہیں تھے؟ کیا ان حضرات نے دہریت آمیز تعلیم حاصل کر کے اپنے اپنے دین کو بگاڑا ہے، کیا ہندوستان کی تاریخ میں کوئی دہریت آمیز تعلیم یافتہ امور سیاسیہ میں ان حضرات سے آگے بڑھ کر رونما ہو سکا؟ کیا ان حضرات نے حقوق شہریت کی حفاظت کرنے کے لیے امور سیاسیہ کا کوئی گوشہ باقی چھوڑا؟ لہٰذا اب بھی امور سیاسیہ میں مناسبت اور مہارت حاصل کرنے کے لیے دہریت آمیز تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی اپنے بچوں کو ایسی یونیورسٹیوں میں بھیجنا جائز ہو سکتا ہے؟ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۰۴/۲۵)

کیا عورتیں کمیٹی کا رکن بن سکتی ہیں؟

سوال [۷۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان کے مختلف مقامات کے مسلمانوں نے تعلیم وثقافت کی ترویج و صلاح معاشرہ وباہمی تعاون کے فروغ کی خاطر اپنے اپنے جائے قیام پر کمیٹیاں اور جماعتیں بنائی ہوئی ہیں، ان جماعتوں میں افراد مقررہ رقم کی ادائیگی کے بعد اس کے ممبر شمار ہوتے ہیں، ووٹ کے ذریعہ ان ممبروں میں سے ذمہ داران کا انتخاب عمل میں آتا ہے، لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ درج ذیل امر میں شریعت مطہرہ کی رائے سے آگاہ فرمائیں کہ عورتیں ان جماعتوں اور کمیٹیوں کی ممبر ورکن انتظامیہ بن سکتی ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے لیے شرعی پردہ کے ساتھ بغیر غیرمحرموں سے اختلاط کے ممبری ورکن انتظامیہ کا حق اورذ مہ داری کا ادا کرنا متعذر ہے اس لیے ممنوع ہے۔

﴿وَقَرۡنَ فِيۡ بُيُوۡتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِيَّةِ الۡأُوۡلَى . [الأحزاب: ۳۳]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۲/۲۴)

عورتوں کا الیکشن میں کھڑے ہونا

سوال [۷۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل گورنمنٹ نے یہ قانون بنادیا کہ بعض شہر یا قصبہ میں یا قصبہ کے بعض حلقہ میں مستورات ہی چیرمینی یا ممبر کا الیکشن لڑسکتی ہیں، ظاہر بات ہے کہ اگر مسلمان عورت کھڑی ہوگی تو جلسہ میں تقریر بھی کرے گی، بے پردہ لوگوں کے سامنے بھی آئے گی، لوگوں سے بات کریگی، ووٹ مانگنے کے لیے مردوں کے پاس جاکر درخواست کریگی، چیرمین ہوکر میٹنگ میں جایا کریگی، غیرمحرم لوگ اس کے پاس آکر اپنی ضروریات اور حاجات سنایا کریں گے، بے محابا اور بے پردگی کے ساتھ ان سے ہم کلام ہوگی اس کے علاوہ بہت قبائح ہیں، تو کیا مسلم عورت کو الیکشن میں کھڑے ہونے کی اجازت ہے، جبکہ عورت کے علاوہ مرد کی سیٹ ہی نہیں ہیں، اگر جائز ہے تو فبہا اگر ناجائز ہے تو عورت کو ووٹ دینا پھر کیسا ہے؟

المستفتی: حسیب الرحمٰن چاند پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں پر شرعی پردہ ہر حال میں لازم ہے اور جو عورتیں الیکشن میں کھڑے ہونے کا عزم رکھتی ہیں وہ مسئلہ معلوم کرکے اس پر عمل کرنے کا فکر

نہیں رکھتیں اس لیے سیاسی مسئلہ کو سیاسی مصلحت سے حاصل کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۱۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۴ھ

عورت ووٹ لینے یا دینے کی حقدار ہے یا نہیں؟

سوال [۷۵۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مروجہ دستاویز کی رو سے جو بھی مرد، عورت عام ممبر بن جائے مجلس انتظامیہ و ذمہ داران کی طرف سے ووٹ دینے کا اسے حق مل جاتا ہے، عورت ووٹ دینے یا لینے کی حقدار بن سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) عورت غیر محرم کو ووٹ دے کر نمائندہ بنا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: وصی الرحمٰن چاندپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ علت کی بناء پر ووٹ ڈالنے کا شرعاً ان کو حق نہیں اور شرعی پردے کے ساتھ دینے کا حق ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/ ۳۷۱، جدید مطول ۳/ ۲۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۳۲)

ائمہ حضرات کے لیے حکومتی امداد حاصل کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

سوال [۷۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغربی بنگال میں حکومت کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ ائمۂ مساجد کو ماہانہ

ڈھائی ہزار روپئے وظیفہ دیا جائے گا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ائمہ حضرات کے لیے مذکورہ وظیفہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یہ بھی سننے میں آرہا ہے کہ وقف کی رقم سے یہ وظیفہ ائمہ حضرات کو دیا جارہا ہے، اگر بات یہی ہے تو مذکورہ رقم کو لینے میں کوئی قباحت تو نہیں؟ اگر حکومت اپنے فنڈ سے ائمہ حضرات کو بطور وظیفہ ماہانہ رقم دے تو لینے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ ائمہ حضرات میں سے جن کو ماہانہ ڈھائی ہزار روپئے مل رہے ہیں ان میں سے بعض نے حکومت سے یہ اپیل کی ہے کہ ان کے ماہانہ وظیفہ کو بڑھا کے ساڑھے تین ہزار کیا جاوے، سوال یہ ہے کہ حکومت سے اس طرح کی اپیل کرنا یا مانگ رکھنا از روئے شرع کیسا رہے گا؟

المستفتی: جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ائمہ حضرات کو حکومت کی جانب سے ملنے والا وظیفہ شرعاً جائز اور درست ہے، اس وظیفہ کو مشتبہ سمجھنا خود کو حرج میں مبتلا کرنا ہے، کیونکہ حکومت کو حاصل ہونے والی آمدنی کا اکثر حصہ حلال اور جائز مال ہوتا ہے، جو بطور ٹیکس مختلف ذرائع سے وصول کیا جاتا ہے اسی طرح ائمہ حضرات کا ضرورت کی بنا پر حکومت سے اس وظیفہ میں اضافہ کا مطالبہ بھی درست ہے، البتہ ہندوستان میں ہمارے اکابر نے اس کی مخالفت کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت سے وظیفہ پانے والے حضرات حکومت کی خوشامدی کرنے لگیں گے اس لیے ائمہ حضرات کا اس وظیفہ کو لینے سے احتیاط برتنی چاہئے، بلکہ اس سے گریز لازم ہے۔

ویفتی الیوم بالجواز علی الإمامة وتعلیم القرآن والفقه. (مجمع الأنهر، کتاب الإجارة الفاسدة، دار الکتب العلمیة بیروت ۵۳۳/۳، مصری قدیم ۳۸۴/۲)

والجزیة والخراج و مال التغلبی و هدیة أهل الحرب یصرف فی مصالحنا کسد الثغور و بناء القناطر والجسور و کفایة القضاة والعلماء.

(البحر الرائق کتاب السیر، فصل فی الجزیة، کوئٹه ۱۱۷/۵، زکریا ۱۹۸/۵)

وفی الشامی: وکذا النفقة علی المساجد کما فی زکاة الخانیة فیدخل فیه الصرف علی إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان و نحوهما. (شامی مطلب: فی مصارف بیت المال زکریا ٦/٣٤٩، کراچی ٤/٢١٧)

وإن کان غالب ماله حلالا لا بأس بقبول هدیته والأکل منها. (هندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات زکریا قدیم ٥/٣٤٣، جدید ٥/٣٩٧)

ویجوز للإمام والمفتی قبول الهدیة و إجابة الدعوة الخاصة، ثم قال إلا أن یراد بالإمام إمام الجامع أی و أما الإمام بمعنی الوالی فلا تحل الهدیة ...... والأولی فی حقهم إن کانت الهدیة لأجل ما یحصل منهم من الإفتاء والوعظ والتعلیم عدم القبول لیکون علمهم خالصاً لله تعالیٰ، و إن أهدی إلیهم تحببا و توددا لعلمهم وصلاحهم فالأولیٰ القبول. (شامی کتاب القضایا، مطلب فی حکم الهدیة للمفتی زکریا قدیم دیوبند ٨/٤٩-٥٠، کراچی ٥/٣٧٢-٣٧٣)

درء المفاسد أولی من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة و مصلحة قدم دفع المفسدة غالبا. (الأشباه قدیم ص: ١٤٧، زکریا ٢٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۳۲/۴۰)

سیاسی عالم کا غیر مسلم کو رادھا کرشن کی تصویر دینا

سوال [۷۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب بڑے دیندار، صاحب علم اور سند یافتہ عالم ہیں، اور سماجی کاموں میں بھی پیش پیش رہتے ہیں، اس بنا پر سماج میں ان کا کافی اثر ورسوخ ہے، انہوں نے خاص موقع پر کسی غیر مسلم سیاسی آدمی کو رادھا کرشن کی تصویر پیش کی یہ بات محتاج بیان نہیں کہ رادھا کرشن کی غیر مسلم پوجا کرتے ہیں، اور نعوذ باللہ اپنے تئیں وہ ان کو خدا کا درجہ دیتے ہیں، اب سوال یہ ہے:

(۱) شرعاً شخص مذکور کا یہ عمل کیسا ہے؟

(۲) یہ تعاون علی الاثم میں داخل ہے یا نہیں؟

(۳) اس مقصد سے کہ وہ سیاسی آدمی ہمارے قومی ادارے کا کام آسان کردے گا اس طرح کی تصویر پیش کرنے کی اجازت ہوسکتی ہے؟

(۴) ایسے شخص کو مدرسہ کا ذمہ دار یا ٹرسٹی بنانا کیسا ہے؟

(۵) کیا ایسے شخص کو تجدید ایمان کرنا چاہیے؟

المستفتی: رشید احمد بھوٹیرا ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال مذکورہ شخص کا سوالنامہ میں ذکر کردہ عمل سخت گناہ کی بات ہے، کسی مقصد کے حصول کے پیش نظر ہندو سیاسی لیڈر کو رادھا کرشن وغیرہ کی تصویر پیش کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، ایسا کرنے والے شخص پر توبہ واستغفار لازم ہے۔

لو أن رجلا عبد الله خمسين سنة ثم جاء يوم النيروز فأهدى إلى بعض المشركين بيضة يريد به تعظيم ذٰلک اليوم فقد كفر بالله وأحبط عمله. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الحادی والعشرون ۳٤٧/٧، رقم: ١٠٦٥٦)

لو اتخذ مجوسيا دعوة لحلق شعر رأس صبيه و دعا الناس إلى ذٰلک فحضر بعض المسلمين دعوته وأهدى إليه شيئا حيث لايكفر، وفی الخانية: والأولىٰ أن لايفعل ولايوافقهم على مثل ذٰلک. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الحادی والعشرون ۳٤٧/٧ رقم: ١٠٦٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
یکم ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۲۹)	۱۴۳۱/۱۲/۱ھ

کیا آئین ہند کے حامی باطل کے حامی ہیں

سوال [۷۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کیا اس شخص کو جو ہندوستانی آئین کی جو کہ غیر اسلامی ہے یا اس کے نظام باطل کی حامی کسی جماعت کی حمایت وہمنوائی کرے در حقیقت نظام باطل کا ہمنوا وحمایتی نہیں سمجھا جائیگا؟

المستفتی: شمس الحق قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آئین ہند میں جو قانون ودستور بنے ہوئے ہیں وہ جمہوری اور سیکولر ہیں، اگر حکومت ان قوانین پر مکمل طریقہ پر خود بھی عمل کرے اور تمام رعایا کو عمل کا پابند بنائے تو کسی مسلمان کو شریعت کے مطابق زندگی گذارنے میں کوئی پریشانی اور رکاوٹ لاحق نہیں ہوسکتی، لیکن افسوس کی بات ہے کہ نہ حکومت ان قوانین پر عمل کرتی ہے اور نہ ہی رعایا کو اس کا پابند بناتی ہے، حکومت کے عمل کا ان قوانین سے دور تک بھی تعلق نہیں رہتا ہے، اس لیے آپ نے جو سوال میں لکھا ہے شاید عمل کو دیکھ کر لکھا ہے، ورنہ فی نفسہٖ قانون ایسا خطرناک نہیں ہے، جو اسلامی زندگی کے خلاف ہو، ہاں البتہ آپ کے سوال کا مطلب شاید یہ ہو کہ آئین ہند کے خلاف مسلم دشمنی میں جو عمل ظہور میں آرہا ہے وہ اسلام کے بھی خلاف ہے، تو گویا کہ وہ اسلام کے بھی خلاف کرتے ہیں، اور آئین ہند کے مخالفین کی بھی حمایت کرتے ہیں، درحقیقت ایسے لوگوں کو کہا جاسکتا ہے کہ وہ باطل کی حمایت کرتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۹؍صفر المظفر ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۹۹)	۱۴۲۱/۲/۱۹ھ

چیرمین پر سڑک کی تعمیر کے لیے حکومت سے ملنے والی رقم کو وہیں صرف کرنا لازم ہے

سوال [۷۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ محمد حسین بیجاپور کرناٹک کے ایک گاؤں کا چیرمین ہوں، حکومت کے حوالہ سے ایک مسئلہ وضاحت طلب ہے، ہم کو سڑک درست کروانا یا کہیں سڑک بنوانا پڑتا ہے، لہٰذا ہم حکومت کو ایک معتد بہ مقدار مثلاً ایک لاکھ کا خرچ بتلاتے ہیں اور پچاس ہزار میں ہم مکمل کام

کرا لیتے ہیں، بقیہ رقم آپس میں تقسیم ہو جاتی ہے، مسئلہ ذیل میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ بقیہ پچاس ہزار رقم میں سے بیس ہزار درمیان کے کچھ افسروں کو دینا پڑتا ہے اور یہ دینا لابدی ہوتا ہے اس کے بغیر ایک لاکھ رقم حاصل ہی نہیں ہوسکتی، بقیہ تیس ہزار ہم غیر مسلموں میں تقسیم کرتے ہیں، وہ جو ہمیں الیکشن میں اپنے اپنے محلوں میں جتانے میں معاون ہوتے ہیں اور ان پر خرچ کرنا اس اعتبار سے لابدی وضروری ہوتا ہے حالانکہ ہم اس میں سے کچھ بھی استعمال نہیں کرتے چنانچہ سیاسی پالیسیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرح رقم تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حسین کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سڑک کی تعمیر کے لیے حکومت کی طرف سے جو رقم آتی ہے اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا لازم ہے، اور پچاس ہزار کے خرچ میں ایک لاکھ کی مانگ کرنا پھر اس کے بعد بچی ہوئی رقم کو ووٹروں میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ حکومت کی طرف سے آئی ہوئی رقم صرف سڑک کی تعمیر کے لیے آئی ہے، ووٹروں میں تقسیم کرنے کے لیے نہیں آئی ہے، لہٰذا یہ جھوٹ اور غلط بیانی کے ذریعہ سے امانت میں خیانت ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

عن عبد الله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا إيمان لمن لا أمانة له ولا دين لمن لا عهد له. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۰/۲۲۷، رقم: ۱۰۵۵۳، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۱۳/۴۳۹، رقم: ۷۱۹۶، المعجم الأوسط، دار الفكر ۲/۸۵، رقم: ۲۶۰۶، مسند أحمد بن حنبل ۳/۱۳۵، رقم: ۱۲۴۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۸/۶ھ

چیرمین کا کسی ضرورتمند کو نگر پالیکا کی زمین بغیر معاوضہ کے دینا

سوال [۷۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: شہر یا قصبہ میں جوز مین نگر پالیکا کے قبضہ میں ہوتی ہے اگر چیر مین صاحب کسی ضرورتمند کو بغیر کسی معاوضہ کے مشورہ کرکے دیدیں تو لینے والے غریب آدمی کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شاکر قصبہ ککرالہ بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضرورتمند کے لیے شرعاً لینا جائز ہے، بشرطیکہ چیرمین صاحب کو حکومت کی طرف سے اس کی اجازت حاصل ہو کیونکہ چیرمین صاحب نگرپالیکا کی اشیاء میں تصرف کرنے میں حکومت کے وکیل ہیں۔

أنت وكيلي في كل شيئ جائز أمرك ملك الحفظ والبيع والشراء ويملك الهبة الصدقة، حتى إذا أنفق على نفسه من ذٰلك المال جاز؛ حتى يعلم خلافه من قصد المؤكل. (شامی، کتاب الوکالة، زکریا دیوبند ۸/۲۴۱، کراچی ۵/۵۱۰، البحر الرائق زکریا ۷/۲۳۹، کوئٹہ ۷/۱۴۱، بزازیہ زکریا جدید ۲/۲۴۱ وعلی هامش الهندية ۵/۴۵۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۵/۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۵۵)

سرکاری گاڑیوں کی مرمت کا خرچہ سرکار سے وصول کرنا

سوال [۷۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: راقم الحروف ایک کارخانہ کا مالک ہے جس میں جیپ کار، فی ریٹ، امبیسڑ و دیگر گاڑیوں کی مرمت ہوتی ہے، اکثر وبیشتر سرکاری گاڑیاں مرمت کے لیے آتی ہیں، اس سلسلے میں ایک زحمت میرے سامنے یہ ہے کہ مثلاً میں نے ایک گاڑی کی مرمت کی جس کی اجرت وسامان کی لاگت تین ہزار روپیہ ہوئی، لیکن سرکاری کام میں یہ کرنا ہوتا ہے کہ ڈرائیور مجھ سے دس فیصد مانگتا ہے، اور بل پاس کرنے والا اس پر پندرہ فیصد مانگتا ہے، اب میری

مجبوری یہ ہے کہ جو بل تین ہزار کا ہونا چاہیے تھا وہ بل مجھے تین ہزار سات سو پچاس روپیہ کا بنانا پڑتا ہے، آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ جوزائد رقم مجھے بل میں لکھنی ہوتی ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ درست ہے یا نہیں؟ جیسا بھی ہو مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عبدالحمید مظاہری چاندپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری گاڑیوں کی مرمت کرنے میں آپ کا جو سامان لگتا ہے اور پھر واؤچر وغیرہ کے منظور کرانے میں آپ کو جو رقم دینا پڑتی ہے وہ تمام رقم لکھ کر سرکار کے سامنے بل بنا کر پیش کرنا اور تمام خرچہ لکھ کر وصول کرنا جائز ہے، جیسا کہ ان جزئیات سے معلوم ہوتا ہے۔

ومن اشتریٰ شیئا و أغلی فی ثمنه فباعه مرابحة علی ذٰلک جاز (إلی قوله) والأصل أن عرف التجار معتبر فی بیع المرابحة فما جری العرف بإلحاقه برأس المال یلحق به ومالا فلا. (عالمگیری، کتاب البیوع، الباب الرابع عشر فی المرابحة والتولیة والوضیفة، زکریا قدیم ۳/ ۱۶۱، جدید ۳/ ۱۵۸)

ویضم أجرة السمسار فی ظاهر الروایة. (عالمگیری زکریا قدیم ۳/ ۱۶۲، جدید ۳/ ۱۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۰۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۶/۱۶ھ

چک بندی کی شرعی حیثیت

سوال [۷۵۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریعت مطہرہ کی روشنی میں چند سوالوں کے جواب درکار ہیں تقریباً ۲۸؍ سال ہو گئے ہمارے یہاں چک بندی ہوئی تھی، اور چک بندی محکمہ کا افسر چک ناپ گیا تھا،

اور ہر ایک شخص اپنے اپنے چکوں پر اس وقت سے قابض ہے، اب کاشتکار اپنے چکوں کو ناپتے ہیں تو کسی کا چک کم ہے اور کسی کا زیادہ ہے اور کسی کا بالکل صحیح ہے، چک بندی آفیسر سے ناپنے میں کمی زیادتی ہوگئی ہوگی۔

(۱) اب کم والا اپنے پڑوسی سے کہتا ہے کہ میری زمین کم ہے میری زمین پوری کرو وہ کہتا ہے کہ میری زمین تو پوری ہے میں کیوں دوں، میرے پڑوسی سے مجھے دلوا دو میں تجھے دیدوں گا، اب دونوں مل کر تیسرے کے پاس جاتے ہیں وہ تیسرا شخص زمین دینے کیلئے بالکل تیار نہیں تو اب یہ دوسرا شخص جس کی زمین پوری ہے وہ عنداللہ مجرم تو نہیں ہے؟

(۲) نیز چک بندی آفیسر جب چک ناپتا ناپتا جنگل کی آخری حد بندی پر پہنچتا تھا تو وہ اس کو ناپتا نہیں تھا بلکہ نشان لگا کر یہ کہہ دیا کرتا تھا کہ یہاں سے تمہارا چک ہے، اس کو ناپتا نہیں تھا، اب کسی کا چک زیادہ ہے اور کسی کا کم ہے، اور کسی کا بالکل صحیح ہے، انہیں میں ایک ہے جس کے تین سمت چک روڈ ہے اور ایک سمت میں گاؤں ہے، نشان لگا کر چھوڑ گیا اور کہہ گیا کہ یہ تمہارا چک ہے اس میں کوئی کمی زیادتی نہیں کی اس کو ناپا گیا تو موقع پر یہ چک زیادہ ہے، تو اس میں زیادتی کی وجہ سے صاحب چک عنداللہ مجرم تو نہیں ہے یا ہے؟

المستفتی: لیاقت حسین بشن پورا غوانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کا حصہ بالکل صحیح ہے اس پر عنداللہ کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا اور جس کے حصہ میں زیادہ آیا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ زائد حصہ کم والے کے حوالے کر دے کیونکہ زائد حصہ کم والے کا حق ہے، اس کو اپنے پاس رکھنا جائز نہ ہوگا اس میں آفیسر سے غلطی ہوگئی ہے اور آفیسر کی غلطی کی وجہ سے اس شخص کے لیے حلال نہ ہوگا جس کے پاس زیادہ چلا گیا ہے اور حلال ہونے کے لیے سبب شرعی شرط ہے اور سبب شرعی یہی ہے کہ صاحب حق سے خرید لے یا وہ بخوشی ہبہ کر دے اس کے بغیر حلال نہیں ہے۔

عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمہ أن رسول اللہ ﷺ قال: لایحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منہ. (شعب الایمان، باب فی قبض الید عن الأموال

الحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۲۹ھ

عراق کے کویت پر غاصبانہ قبضہ کرنے سے متعلق چند سوالات

سوال [۷۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگست ۱۹۹۰ء میں عراق نے کویت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کیا اور اسے عراق کا انیسواں صوبہ قرار دیا، کویت کی کرنسی کو عراق کی کرنسی کے ہم پلہ قرار دیا، اس دوران کویت میں مختلف ممالک کے لوگ تجارت ملازمت وغیرہ کرتے تھے، ان میں بعض کی اچھی خاصی تجارت تھی یا ملازمت بہت ہی اچھی تھی، جو اس جنگ کے سبب یا تو ان کی تجارت اور املاک مکمل یا اکثر ضائع ہوگئی یا ان کی ملازمت چلی گئی، دنیا کے ۲۸؍ ملکوں نے مل کر امریکہ کی قیادت میں عراق پر شدید حملہ کے بعد کویت کو عراق کے قبضہ سے چھڑایا اور عراق کو شکست ہوئی، نتیجتاً عراق کو اقوام متحدہ اور امریکہ کی جو شرط ہوا سے ماننا پڑا، من جملہ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اس جنگ میں امریکہ یا کسی بھی ملک کا یا کسی بھی فرد کا چاہے وہ کسی بھی ملک کا باشندہ ہو اس کا جو بھی نقصان ہوا اس نقصان کا مکمل جرمانہ عراق سے وصول کیا جائیگا اور شرط کے مطابق امریکہ واقوام متحدہ عراق کے تیل کے کنووں کا مکمل کنٹرول اپنے پاس رکھیں گے اقوام متحدہ جہاں کہے وہیں بیچنا ہوگا اس تیل کو بیچ کر اس نقصان کا انجبار کیا جائیگا، اور عراق کو اس کی ضرورت کے مطابق رقم ملے گی جب مکمل انجبار ہو جائیگا، تو ان کنوؤں سے اپنے کنٹرول سے دست بردار ہو جائیں گے، اس کے بعد امریکہ نے ان ممالک میں جہاں کے لوگ کویت میں مقیم تھے، ان ملکوں میں وہاں کی حکومت کے ذریعہ ان حضرات کے درمیان کچھ فارم تقسیم کیے اس میں جس کا جو بھی نقصان ہوا، اس کی تفصیل لکھ کر اس ملک میں طے کردہ محکمہ تک پہنچائی گئی ہمارے علم کے مطابق تین قسم کے فارم تقسیم ہوئے (۱) A فارم

(۲) C فارم (۳) D فارم: A فارم میں جولوگ وہاں مقیم تھے ان کو اپنے نام وغیرہ کی تفصیل درج کرنی تھی اس فارم والوں کے لیے امریکہ و اقوام متحدہ نے ایک رقم ہی طے کردی ہے کہ جولوگ وہاں مقیم تھے ان کو اتنی رقم ہر حال میں دی جائے گی۔

D.C فارم: اس فارم میں جولوگ مقیم تھے ان کے مالی نقصانات کی بنا پر یا ذہنی کوفت یا ملازمت کے چلے جانے کی بنا پر ایک مدت تک بیکار رہنے کا جو بھی کلیم/مقدمہ کرنا ہوا سے اس فارم میں درج کیا جاتا، اس موقع پر جہاں لوگوں نے اپنے نقصان کی تفصیل لکھی، وہیں پر اپنے نقصان سے کئی گنا زائد اکثر لوگوں نے لکھا اس کے بعد جب فارم امریکہ اور اقوام متحدہ کے پاس پہنچے تو اس نے جتنا جس نے نقصان لکھوایا تھا وہ مکمل منظور فرما کر ہندوستان کا حکومت ہند کو سپرد کردیا، جو جستہ جستہ ہر ایک کو بینک کے قوانین کے مطابق مل جائیگا اس موقع پر مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں امید ہے کہ اس کا حل از روئے شرع مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

(۱) ایک مسلم ملک اگر کسی دوسرے ملک پر حملہ کر کے اس پر غلبہ پا کر قبضہ کر لے تو کیا قابض ملک اس مقبوضہ ملک کا مالک ہوگا یا غاصب؟

(۲) قابض ملک سے مقبوضہ ملک کا یا وہاں کے ملکی / غیر ملکی باشندگان کا جو مالی نقصان ہوا چاہے اس کی فوج نے یا دوسروں نے جو وہاں مقیم تھے انہوں نے لوٹا ہو یا وہ مالکان غیر ملکی اپنی املاک اپنے ملک مثلاً ہندوستان سفر کی مشقت کی بنا پر وہاں چھوڑ کر چلے آئے تو اب اس کا مالی جرمانہ اس سے یعنی عراق سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) بعض حضرات نے C اور D فارم کے مطابق اپنا نقصان بہت لکھوایا ہے حالانکہ ان کا نقصان اس سے بہت کم ہوا ہے، یا بالکل ہوا ہی نہیں تو ایسے لوگ ان پیسوں کو لے سکتے ہیں یا نہیں؟

نوٹ: اگر ان پیسوں کو مسترد کردیں تب بھی یہ رقم بظاہر واپس پہنچنے والی نہیں بلکہ مقامی ذمہ دار یا ملکی ذمہ داروں کی نذر ہو جائیگی تو اس کا حل کیا ہوگا؟

(۴) کیا اپنے مالی نقصان کے برابر رقم لے سکتے ہیں؟

(۵) اگر لے سکتے ہیں تو اپنے نقصان سے زائد رقم کا مصرف کیا ہوگا اور اگر نہیں لے سکتے تو پھر اس رقم کا مصرف کیا ہوگا؟

(۶) بعض حضرات نے اس موقعہ پر جو ذہنی کوفت اور پریشانی ہوئی اس کا بھی مقدمہ کرکے اس کا تاوان لکھوایا ہے، تو کیا اس معاوضہ کو لے سکتے ہیں؟

(۷) جنگ سے پہلے کویتی دینار کی ہندوستان میں زرتبادلہ کی شرح ۵۷/روپیہ تھی لیکن عراق کے قبضہ کے بعد اس کا نرخ ۵/ یا ۱۰/روپیہ تک ہوگیا بہت سے لوگوں کے پاس وہ کرنسی موجود تھی مگر اپنی ضرورت کی وجہ سے انہوں نے اسی شرح پر بیچ دی تو یہ زرتبادلہ کا جو نقصان انہیں برداشت کرنا پڑا اسے مالی نقصان میں محسوب کیا جائے گا یا نہیں؟

(۸) بعضوں کی تنخواہ بہت زائد تھی، جو بھی ہو بعد میں دوبارہ جنگ کے بعد میں یا تو نہ وہ ملازمت رہی یا وہ ملازمت رہی مگر شرح تنخواہ وہ نہ رہی بلکہ اس سے کم ہوئی تو کیا وہ لوگ اپنی تنخواہ اور ملازمت کے بدلہ کوئی معاوضہ مالی لے سکتے ہیں؟

(۹) بعض لوگ آج تک دوبارہ وہاں نہیں جاسکے تو کیا انہوں نے جو کلیم کیا ہے جس میں اپنے نقصان سے زائد رقم لکھی ہے، اس میں سے آج تک کی تنخواہ کے حساب سے رقم لے سکتے ہیں؟

(۱۰) وہ حضرات جو وہاں گئے تھے وہ تقریباً لاکھ روپیہ ویزا کے خرچ کرکے گئے تھے ان میں سے بعض حضرات کو تو ابھی پہنچے ایک دو دن یا ہفتہ عشرہ یا مہینہ دو مہینہ ہوئے تھے غرض کہ اپنی ویزا سے فائدہ اٹھا بھی نہیں پایا تھا تو کیا اسے مالی نقصان میں شمار کیا جائیگا؟

(۱۱) بعض حضرات کو وہاں گئے ہوئے کئی سال ہوئے تھے اور بہت کچھ کمایا بھی کیا وہ حضرات ویزا کا خرچ لے سکتے ہیں؟

(۱۲) بعض حضرات ان کو جو رقم ملنے والی ہے اس میں سے کچھ حصہ مدارس میں دینا چاہتے ہیں کیا مدارس اس رقم کو لے سکتے ہیں؟ کس مصرف میں؟

(۱۳) اگر از روئے شرع پیسہ نہ لے سکتے ہوں بلکہ صدقہ کرنا ہو تو بعض وہ حضرات جن کو پیسہ ملنے والے ہیں وہ خود ہی بہت مقروض ہیں تو کیا وہ اپنے قرضہ کے بقدر رقم لے سکتے ہیں؟

(۱۴) معلوم ہوا کہ یہ ساری رقم اقوام متحدہ نے حکومت ہند کو آج سے تین سال قبل ادا کر دی ہے اور ان تین سالہ مدت کا سود بھی حکومت ہند ادا کر رہی ہے، تو اس سلسلے میں سوال یہ ہے کہ حکومت ہند جو سود دے رہی ہے اس رقم کو ہم سود قرار دیں گے یا پراویڈنٹ فنڈ کی طرح ہوگا۔

(۱۵) اقوام متحدہ نے بھی وہ رقم مع سود ادا کی ہے، یعنی جنگ کے بعد جتنے بھی سالوں کے بعد حکومت ہند کو سپرد کی وہ سود کے ساتھ دی ہے تو اس کا حل کیا ہوگا، امید ہے کہ ان سوالات کا شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد انور فلاحی، محمد خالد رشید، دار العلوم لونا واڑہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) جب عراق سے الگ کویت ایک مستقل مسلم حکومت ہے تو عراق کا کویت پر قبضہ کر کے اس کو اپنے ملک کا حصہ قرار دینا ناجائز اور غاصبانہ قبضہ ہے، اس پر غصب کے احکام جاری ہو جائیں گے۔

(۲) مقبوضہ ملک کویت واپس ہو جانے کے بعد اگر کویت حکومت اور اس کے ملکی و غیر ملکی باشندوں کے مالی نقصانات کا عراق سے انجبار کرنے پر قدرت ہو چکی ہے، تو واجبی نقصانات کا انجبار جائز اور درست ہوگا۔

وإن نقص في يده ضمن النقصان لأنه دخل جميع أجزائه في ضمانه بالغصب فما تعذر رد عينه يجب رد قيمته. (هدايه، كتاب الغصب اشرفی ۳/ ۳۷٤)

(۳) واجبی نقصان سے زیادہ لکھوا کر زیادہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور جن لوگوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا ہے، ان کا نقصان لکھوا کر کچھ حاصل کرنا بھی ناجائز اور جھوٹ اور دھوکہ دہی ہے۔

﴿وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ. [الحج: ٣٠]﴾

اب اگر ناحق رقم یا زائد رقم حاصل ہو گئی ہے اور اس کو واپس کرنے میں حکومت عراق تک واپسی ممکن نہیں ہے تو اس رقم کو فقراء میں تقسیم کر دینا لازم ہے۔

من اکتسب مالا بغیر حق (إلى قوله) أو بغیر عقد كالسرقة والغصب والخیانة والغلول ففی جمیع الأحوال المال الحاصل له حرام علیه (إلى قوله) یجب علیه أن یرده علی مالکه إن وجد المالک وإلا ففی جمیع الصور یجب علیه أن یتصدق بمثل تلک الأموال علی الفقراء . (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قدیم ۱/۳۷، دار البشائر الاسلامیه ۱/۳۵۹، رقم: ۵۹)

(۴) جی ہاں مالی نقصان کے برابر رقم لے سکتے ہیں۔

(۵) زائد رقم کا صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

(۶) ذہنی کوفت کا مالی جرمانہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے لے لیا ہے تو اس کا صدقہ کردینا لازم ہوگا، البتہ ذہنی کوفت جس نے کسی مسلمان کو پہنچائی وہ گنہگار ہوگا مگر اس کا مالی معاوضہ نہیں۔

(۷) کرنسیوں کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، اس لیے اس نقصان کا کوئی انجبار نہیں ہے، نیز آپ نے خود اپنے فعل اور اختیار سے تبادلہ کیا ہے اس لیے اس نقصان کا بدلہ نہیں ہے۔

(۸) جن کی تنخواہیں کم ہوگئی ہیں ان کو تنخواہیں بڑھانے کا مطالبہ کرنا جائز ہے مگر اس کمی کا ذمہ دار عراق نہیں ہے، بلکہ کویت حکومت ہے، کیونکہ آپ کویت کے ملازم ہیں عراق کے نہیں، اور جن کی ملازمت ختم ہوگئی ہے ان کو ملازمت بحال کرنے کا مطالبہ جائز ہے، البتہ عراق کے قبضہ اور جنگ کے زمانہ میں جو نقصان ہوا ہے وہ عراق سے وصول کرنا جائز ہوگا، اور ملازمت کا مالی معاوضہ کسی طرح ممکن نہیں ہے، کیونکہ آپ کی ملازمت کب تک رہے گی اور آپ کب تک زندہ رہیں گے اس کا علم کسی کو نہیں ہے۔

(۹) اگر وہ لوگ دوبارہ جاکر ملازمت میں لگ جاتے ہیں تو درمیان کے نقصان کا انجبار کیا جاسکتا ہے۔

(۱۰) جو لوگ ہزاروں لاکھوں روپیہ خرچ کر کے وہاں پہنچ گئے ہیں اور ابھی تک خرچ شدہ رقم وصول نہیں ہو پائی تھی کہ عراق کا قبضہ ہو کر پورا نقصان ہو گیا ہے تو جتنا نقصان ہوا

اتنے کا انجبار جائز ہوگا۔

(۱۱) جن لوگوں نے وہاں جا کر سالوں سے کمایا ان کے لیے ویزا خرچ لینا جائز نہ ہوگا اس لیے کہ انہوں نے اپنے ویزا اور سفر سے پورا فائدہ حاصل کر لیا ہے۔

(۱۲) مساجد و مدارس میں واجبی رقم میں سے دے سکتے ہیں، زائد رقم میں سے دینا جائز نہ ہوگا اور نہ ہی اس رقم میں سے دینا جائز ہوگا جو جھوٹے دعویٰ سے حاصل کیا گیا ہے۔

(۱۳) جو لوگ خود مستحقین زکوٰۃ ہیں ان کے لیے زائد رقم کا خود استعمال کرنا جائز ہوگا کیونکہ وہ خود مصرف ہیں۔

(۱۴) جو سود حکومت ہند یا اقوام متحدہ کی طرف سے مل رہا ہے ان میں سے حکومت ہند سے حاصل ہونے والا سود فقراء میں تقسیم کردیں اور اقوام متحدہ سے ملنے والا سود خود استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ اقوام متحدہ درحقیقت امریکہ کے زیر تحت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۰۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۱۱/ ۱۴۱۸ھ

کفیل کا حکومت کا فنڈ خود استعمال کرنا

سوال [۷۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس وقت حکومت کی طرف سے ایک فنڈ غریب محتاج بیوہ بوڑھے اور معذور لوگوں کو گاؤں کے ذمہ داروں یعنی پردھان، سرپنچ اور قصبات میں چیرمین و دیگر ممبران نگر پالیکا کی سفارش پر ایک سو روپیہ ماہانہ منظوری پر ملتا ہے، اگر کوئی آدمی ایسا ہو جس کے پاس جائیداد بھی ہو اور اس کے لڑکے اچھی کمائی کرتے ہوں بظاہر ان کو کوئی بھی محتاجگی نہیں بلکہ خود کفیل ہیں ایسے لوگوں کے لیے حکومت کے فنڈ کا روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد فرید نگر ٹھاکردوارہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ فنڈ صرف غریب محتاجوں کے لیے قائم کیا گیا ہے تو سوالنامہ میں جن ذمہ داروں کی تصدیق کی بات ہے ان کے سامنے خود اپنے آپ کو کفیل ہونے کی بات ظاہر کردینا ہوگا اگر ظاہر کرنے کے باوجود ملتا ہے تو اس کا لینا اور اپنے اوپر خرچ کرنا جائز ہوگا اگر کذب بیانی سے کام لیا گیا تو لینا جائز نہیں ہوگا۔

عن أبی حرۃ الرقاشي عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه اشرفيه ديوبند ص: ١١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۷۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۵ھ

۶۰/ سال سے اوپر عمر والی بیواؤں اور بوڑھوں کو منجانب سرکار ملنے والی امداد کا حکم

سوال [۷۵۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکومت کی طرف سے ۶۰/ سال کے اوپر کی عمر والوں کو کچھ روپئے اور غلہ ملتا ہے اسے لینا کیسا ہے، حکومت ہند کی طرف سے بوڑھوں بیواؤں کے لیے خصوصی امداد ہے، شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: حاجی چھوٹے مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمر کے ایک خاص عرصہ میں پہنچ کر سرکار کی جانب سے جو رقم غلہ وغیرہ امداد کی شکل میں ملتی ہے وہ سرکار کی جانب سے تبرع اور عطیہ ہے، اس کا لینا اور استعمال کرنا بلا شک وشبہ جائز اور درست ہے۔

عن ابن عمر رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: من وهب هبة، فهو أحق بها، مالم يثب منها. (المستدرك، البيوع، دار البشائر الإسلامية ۳/ ۸۷۵، رقم: ۲۳۲۳، سنن الدار قطنی، البيوع، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۳۸، رقم: ۲۹۵۰)

حكم الهبة ثبوت الملك للموهوب له. (تاتارخانية، كتاب الهبة، زكريا ۱۴/ ۴۱۳، رقم: ۲۱۵۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ / ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۳ھ

حکومت سے روپیہ ملنے کی ایک جائز صورت

سوال [۷۵۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکومت عوام کو بطور امداد کے کاروبار کرنے کے لیے روپئے دیتی ہے جس میں کا نصف روپیہ حکومت کو واپس کرنا پڑتا ہے، اور نصف معاف ہوتا ہے مثلاً چار ہزار روپئے حکومت سے لیے اس سے کاروبار کیا پھر حکومت کو دو ہزار روپیہ واپس کر دیا باقی سب تاجر کا ہو گیا ہے تو کیا اس طرح حکومت سے روپئے لینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کس مد میں خرچ کیا جا سکتا ہے؟

(۲) حکومت سے چار ہزار لے کر اسی کے قانون کے مطابق دو ہزار حکومت کو واپس کر دے، اور بقیہ دو ہزار سے عوام الناس کے لیے یا اپنے لیے بیت الخلاء بنا سکتے ہیں؟

المستفتی: زین العابدین سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حکومت نصف معاف کر دیتی ہے تو اس کا حکم شرعاً تبرع کے ہے، شرعی طور سے خود مالک ہو جاتا ہے، وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے، اپنے بچوں پر، تعمیر مکان، تعمیر بیت الخلاء اپنے لیے یا غیر کے لیے ہر امر جائز ہے، اس کے صرف کرنے میں من جانب شرع کوئی پابندی نہیں ہے۔

ویکون متبرعاً علی المدعی علیه کما لو تبرع بقضاء الدین. (هدایه، کتاب الصلح، باب التبرع بالصلح والتوکیل، اشرفی ۳/ ۲۵۰)

العفو إنما یسقط ما کان مستحقا للعافی خاصة. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۹۳، رقم: ۱۹۱)

وهبة الدین ممن علیه إبراء. (هدایه کتاب الهبة، باب ما یصح رجوع و مالا یصح، اشرفی ۳/ ۲۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۱۸)

فسادزدہ لوگوں کا حکومتی امداد لینا

سوال [۷۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فساد کے دوران مرنے والوں کے وارثوں کو جو حکومت امداد دیتی ہے کیا وہ جائز ہے اور مالی نقصان کے بارے میں بھی کیا حکومت سے ملنے والی امداد جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شاہد حسین محلّہ پیر غیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب حکومت اپنی طرف سے فسادزدہ علاقہ کے لوگوں کے ضائع شدہ مال کا تاوان ادا کرے اور شہید ہونے والوں کے ورثاء کو مخصوص مقدار میں مال تو وارثوں اور حقداروں کو لینا جائز ہے، اگرچہ ورثاء اور حقدار صاحب حیثیت کیوں نہ ہوں۔

ما کان علی وجه التبرع یستوی فیه الغنی والفقیر. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱٦، رقم: ۲۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۹۷)

دوکانداروں کے لیے حکومت کا تعاون لینا

سوال [۷۵۶۹]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گورنمنٹ کی جانب سے دوکانداروں کے لیے یہ اسکیم نکلی ہے کہ جو دوکانیں رجسٹرڈ ہیں ان کے مالک فارم بھر کر بھیج دیں اگر کوئی دوکاندار مرتا ہے کسی حادثہ میں تو اس کو گورنمنٹ کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ دیا جائیگا تو کیا روپیہ لینا جائز ہے؟

المستفتی: دوکاندار شیر کوٹ بازار بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکانداروں کے لیے یہ ایک نیا قانون نکلا ہے کہ جس دوکان کا رجسٹریشن ہو جائے اور دوکاندار کسی حادثہ میں یا یوں ہی مر جائے تو حکومت کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ بطور تعاون دیا جاتا ہے یہ حکومت کا تعاون دوکانداروں کے لیے بلا تردد جائز اور حلال ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۳۱۶، جدید زکریا ۱۰/ ۲۲۵)

أخذ الجائزة من السلطان قال بعضهم يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمدؒ: وبه نأخذ مالم نعرف شيئا حراما بعينه و هو قول أبي حنيفةؒ و أصحابه. (عالمگیری، کتاب الکراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

مکان وغیرہ کی تعمیر کے لیے مالداروں کا حکومتی امداد لینا

سوال [۷۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آٹھ سو روپیہ حکومت لیتی ہے اور لوگوں کو بیت الخلاء بنانے کے لیے تقریباً

ساڑھے تین ہزار روپئے کا سامان دیتی ہے تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ حکومت ان غریبوں کو جو غیر صاحب نصاب ہوتے ہیں بیس ہزار روپیہ مکان بنانے کے لیے دیتی ہے تو اس غیر صاحب نصاب کا ان روپیوں کو لینا جائز ہے یا نہیں اور جو صاحب نصاب ہو اس کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد راشد ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت آٹھ سو روپیہ لے کر بیت الخلاء بنانے کے لیے ساڑھے تین ہزار روپئے کا سامان اسی طرح غریبوں کو مکان بنانے کے لیے چوبیس ہزار روپئے دیتی ہے یہ حکومت کی جانب سے امداد ہے اور حکومت کی امداد غریب و مالدار سب کے لیے یکساں طور پر حلال وجائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۳۱۷، جدید زکریا دیوبند ۱۰/ ۲۲۵)

أخذ الجائزة من السلطان قال بعضهم يجوز مالم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمدؒ: وبه ناخذ مالم نعرف شيئا حراما و هو قول أبي حنيفةؒ و أصحابه ...... أن الشيخ أبا القاسم كان يأخذ جائزة السلطان. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۸/ جمادی الاولی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۸۳)	۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

سرکاری تعاون لے کر ضرورت پوری کرنا

سوال [۷۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا ایک لڑکا ہے اس کی تنخواہ بارہ سو روپیہ ماہانہ ہے اس کے دو بچے ہیں کل ملا کر ہم چار لوگ ہیں، میں آپ سے یہ مشورہ لینا چاہتی ہوں کہ میری ماں بہنیں ہماری حالت دیکھتے ہوئے سمجھاتی ہیں کہ سرکار کے پاس سے جو مہینہ آتا ہے اس کا فارم تم بھی بھر دو تو کیا یہ

پیسہ میں لے سکتی ہوں، کیا میں یہ فارم بھر سکتی ہوں، اس بات کو سمجھ کر اللہ کے واسطے مشورہ دیں کہ کیا میں اس کام کو کر سکتی ہوں؟

دوسری بات یہ ہے کہ دو سال پہلے رمضان میں میں یہ سوچ رہی تھی کہ ہمارا خرچ کیسے چلے گا؟ تو ایک انجان عورت آئی اور ایک ہزار روپیہ دینے لگی، میں نے منع کر دیا، پر وہ زبردستی دے گئی اور بھی دو تین ماں بہنیں پیسے دیتی ہیں، تو کیا ہم لے لیں کیا یہ پیسہ لینا گناہ تو نہیں؟

المستفتی: نور جہاں بیگم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کی ضرورت بیٹے کی تنخواہ بارہ سو روپیہ سے پوری نہیں ہوتی ہے تو سرکاری تعاون لے کر ضرورت پوری کرنا شرعاً جائز ہے اسی طرح جو بہنیں تعاون کرتی رہتی ہیں اس کے لینے میں بھی کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے۔

عن قبيصة بن مخارق الهلالي قال: تحملت حمالة، فأتيت رسول الله ﷺ أسأله فيها، فقال: أقم، حتى تأتينا الصدقة، فنأمر لك بها، قال: ثم قال: يا قبيصة! إن المسئلة لا تحل إلا لأحد ثلاثة رجل، تحمل حمالة، فحلت له المسئلة حتى يصيبها، ثم يمسك، ورجل أصابته جائحة اجتاحت ماله، فحلت له المسئلة حتى يصيب قواما من عيش، أو قال سدادا من عيش و رجل أصابته فاقة حتى يقوم ثلاثة من ذوي الحجا من قومه: لقد أصابت فلانا فاقة، فحلت له المسئلة حتى يصيب قواما من عيش، أو قال سداداً من عيش، فما سواهن من المسئلة يا قبيصة سحتا يأكلها صاحبها سحتا. (مسلم شريف، باب من تحل له المسألة، النسخة الهندية ١/ ٣٣٤، بيت الأفكار رقم: ١٠٤٤، مسند الدارمي، دارالمغنى ٢/ ١٠٤٤، رقم: ١٧٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۵۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۱۲ھ

نومسلمہ کا اپنا ہندوانی نام بتا کر ووٹ حاصل کرنا

سوال [۷۵۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک نومسلمہ عورت جو پہلے ذات کی چمارن تھی، اس نے مذہب اسلام قبول کیا اور ایک چودھری مسلمان شخص سے نکاح کرلیا، ابھی حال ہی میں پنچایتی انتخاب میں اس نے الیکشن میں کامیابی حاصل کی ہے، لیکن وہ سیٹ پچھڑی ذات کے لوگوں کے لیے مختص تھی، مذکورہ عورت نے اپنے سابقہ مذہب ونام کو بتلاکر کہ میں چمارن ہوں، میرا نام فلانہ ہے، الیکشن لڑا۔

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی عورت جس نے اپنے آپ کو چمارن یعنی کافر ہندو کہا ہو اور بھری عدالت یا کچہری میں کہنا پڑیگا، تو کیا مسلمان رہی یا اسلام سے پھر کر مرتد ہوگئی؟ نیز اس عورت کو اپنے سابقہ نام ''میوا دیوی'' چمارن کے نام سے ہی دستخط کرنا پڑیگا کیا اس کو ہر مرتبہ تجدید ایمان کرنا پڑیگا، فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۳۸۴ کے فتویٰ ۸۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ عورت دائرہ ایمان سے خارج ہے، اور امداد الفتاویٰ ۴/۵۹۳-۵۹۴ میں حضرت تھانویؒ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہے، بلکہ احتیاطاً تجدید ایمان ونکاح کرنا لازم ہے؟

المستفتی: محمد آزاد بیگ بہرائچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں عورت کی جانب سے نہ تو کفر کا اقرار ہے اور نہ مذہب اسلام کا انکار ہے اس بناء پر محض چمارن اور ہندوانی نام بتانے سے اس کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، لہٰذا زوجین اپنے نکاح پر علی حالہ باقی ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید مطول ۱/ ۲۰۹، قدیم ۱/ ۳۷، عزیز الفتاویٰ قدیم ۱/ ۱۷)

إذا أطلق الرجل كلمة الكفر عمدا لكنه لم يعتقد قال بعض أصحابنا لايكفر لأن الكفر يتعلق بالضمير ولم يعتقد الضمير على الكفر. (البحر

الرائق، کتاب السير، باب أحكام المرتدين، کوئٹہ ٥/ ١٢٥، زکریا ٥/ ٢١٠، شامی کراچی ٤/ ٢٢٤، زکریا ٦/ ٣٥٨، هنديه زكريا قديم ٢/ ٢٧٦، جديد ٢/ ٢٨٧)

لايفتى بكفر مسلم إذا كان فى كفره خلاف. (در مختار زکریا ٦/ ٣٦٧، کراچی ٤/ ٢٤٠)

ويؤمر بالاستغفار والتوبة. (در مختار علی الشامی زکریا ٦/ ٣٩٠، کراچی ٤/ ٢٣٠، ٤/ ٢٤٧)

البتہ عورت کا یہ عمل اور اس طرح فریب دیکر ووٹ حاصل کرنا اسلامی رو سے درست نہیں ہے یہ اس کی جانب سے دھوکہ اور فریب کاری ہے اور دھوکہ وفریب کاری کی وجہ سے انسان فاسق تو ہوجاتا ہے مگر کافر نہیں ہوتا، لہٰذا یہ عورت اس عمل کی وجہ سے فاسق تو ہے کافر نہیں، اس بناپر اس کیلیے توبہ واستغفار کرنا لازم ہے۔

والكبيرة لاتخرج العبد المؤمن من الإيمان على أن مرتكب الكبيرة فاسق. (شرح عقائد نعيميه ديوبند ص: ١٠٩)

اور سوالنامہ میں جو امداد الفتاویٰ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا حوالہ دیا گیا ہے وہاں پر یہ صورت نہیں ہے، بلکہ فتاویٰ دارالعلوم تو صراحتاً کفر کا اقرار اور اسلام کا انکار ہے، اس بناء پر اس سے استدلال کرکے اس پر کفر کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

☆فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ☆

۲۳ کتاب القضاء

۱ باب ما يتعلق بنفس القضاء

غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء کا تصور

نظام قضاء کی اہمیت

اسلام ایک اجتماعی اور آفاقی مذہب ہے اور اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مسلمان جہاں بھی رہے اپنی شہری زندگی باقی رکھنے کے لیے نظام قضاء قائم کرنا اپنا اولین فریضہ تصور کیا ہے، اور قضاء شرعی کے بغیر مسلم معاشرے کے لیے اسلامی اجتماعی زندگی کا تصور ناممکن ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بڑے اہتمام اور حکیمانہ انداز سے اتحادی اور اجتماعی زندگی کا حکم فرمایا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا. [آل عمران: ۱۰۳]﴾

اور تمام مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ اپنے مسائل کے حل کے لیے ذمہ دار علماء سے مراجعت کریں اور ان کے مشورہ کے مطابق اپنے معاملات طے کریں۔

﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. [النحل: ۴۳]﴾

اور ایک جگہ فرمایا کہ ایمانی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کیلیے خدا اور رسول اور مسلم سربراہوں کی اطاعت ضروری اور لازم ہے، نیز آپس کے نزاعی معاملات کو منشاء الٰہی اور منشاء رسول کے مطابق حل کرنے کے لیے قرآن وحدیث کے حاملین اور شریعت کے ذمہ داروں

کے پاس پیش کرنے کو ایمان کی شرط قرار دیا:

﴿قال الله تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ. [النساء: ۵۹]﴾

اور امارت وخلافت اور ولایت اور قضاء اسلام کے اجتماعی نظام میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے کہ ایک مسلمان کی بہترین شخصی اور مدنی زندگی، شرعی تنظیم کے بغیر ایک طرح کی رہبانیت ہے جو دائرہ اسلام میں نہیں آتی، بلکہ جاہلیت کی خصوصیات میں سے ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ اپنی مدنی اور شہری زندگی گذارنے میں امیر وقاضی کی اطاعت نہیں کرتے اور کسی امیر کے ہاتھ پر بیعت کیے بغیر مرجاتے ہیں وہ جاہلیت کی موت مرتے ہیں، اور آخرت میں خدائی عذاب سے بچنے کے لیے ان کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی اور خالی ہاتھ دربارِ الٰہی میں ان کی پیشی ہوگی۔

عن نافع قال: جاء عبد الله بن عمر إلى عبد الله بن مطيع حين كان من أمر الحرة –إلى– سمعت رسول الله ﷺ يقول: من خلع يداً من طاعة لقي الله يوم القيامة لا حجة له ومن مات وليس في عنقه بيعة مات ميتة جاهلية. (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب ملازمة المسلمين عند ظهور الفتن، النسخة الهندية ۲/۱۲۸، بيت الأفكار رقم: ۱۸۵۰)

نظام قضاء کو اس حدیث کے عموم سے خارج نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا مذکورہ نصوص قرآنیہ اور حدیث نبوی سے واضح ہوتا ہے کہ نظام قضاء کے بغیر اسلامی اجتماعی زندگی کا تصور ممکن نہیں ہے، اور اسلام میں قضاء کی جس قدر اہمیت ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داری بھی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کو عہدۂ قضاء کا حامل بنایا گیا ہے گویا اس کو بغیر چھری کے ذبح کردیا گیا ہے:

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من ولي القضاء أو جعل قاضيا بين الناس فقد ذبح بغير سكين. (سنن الترمذي، أبواب الأحكام، باب ما

جاء عن رسول الله ﷺ فی القاضی، النسخة الهندية ۱/ ۲۴۷، دار السلام رقم: ۱۳۲۵، مسند البزار، مکتبه العلوم والحکم ۱۵/ ۱۴٦، رقم: ۸٤۷۲، حجة الله البالغة ۲/ ۱٦٦، بنایه قدیم ۳/ ۳۷۱، جدید اشرفیه دیو بند ۹/ ۱۱)

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲٦۷۸

غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظامِ قضاء

سوال [۷۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی ممالک میں جہاں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کو حاصل ہے کیا مسلمانوں پر اپنے نزاعی مسائل کے تصفیہ کے لیے اسلامی نظام قضاء قائم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر اسلامی ممالک جہاں اقتدار اعلیٰ کفار کو حاصل ہے، وہاں کے مسلم باشندگان پر لازم ہے کہ اپنے نزاعی اور عائلی مسائل کے حل کے لیے حکومت سے اقتدار حاصل کر کے اسلامی نظام قضاء قائم کریں، اور اگر حکومت کی طرف سے اقتدار حاصل نہیں ہے، تو اقتدار حاصل ہونے تک کے لیے تراضی مسلمین سے نظام قضاء کا قیام اور آپسی تراضی سے کسی باصلاحیت شخص کا عہدۂ قضاء کے لیے انتخاب جائز اور درست ہوگا وہ قاضی شرعی قاضی اور اس کا فیصلہ شرعی فیصلہ ہوگا۔ (مستفاد: مجموعۃ الفتاویٰ قدیم ۳/ ۳۰۷، جدید ۱/ ۳۵۳، امداد المفتیین، کراچی ۲/ ۸۹۴)

نیز کسی مسلم والی کی تلاش وجستجو جاری رکھنا ایسے ممالک کے تمام مسلمانوں پر ہر ممکن واجب ہے، تاکہ نظم ونسق سب کچھ اسی کے حکم سے منشاء شریعت کے مطابق جاری ہو سکے اور اسی کی ماتحتی میں قضاء کا نظام بھی چلتا رہے، جیسا کہ آگے شامی اور بحر کی عبارات سے اس کی تائید ہوتی ہے:

ولو فقد وال لغلبة كفار وجب على المسلمين تعيين وال و إمام للجمعة وتحته فى الشامية: وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد و يصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم. (الدر المختار مع الشامى، كتاب القضاء، مطلب: أبو حنيفة دعى إلى القضاء ثلاث مرات، فأبى، كراچى ٥/٣٦٨-٣٦٩، زكريا ٨/٤٤-٤٣، البحر الرائق كوئٹه ٦/٢٧٤، زكريا ٦/٤٦١)

اوراب چونکہ ہندوستان میں شرعی امارت اورولایت کا قیام عمل میں آچکا ہے اوراسی کے ذیل میں امیراوروالی شرعی کا تعین بھی ہو چکا ہے اس لیے امیر شرعی کی جانب سے قاضی شرعی کا تقرر بھی درست ہوسکتا ہے، اور کتب فقہ کی بے شمار عبارتوں سے اس کی تائید ملتی ہے، اور مسئلہ چونکہ نازک ترین ہے اس لیے شامی و فتح القدیر اور بحر کے حوالے سے چند فقہی عبارتیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) علامہ شامیؒ تا تارخانیہ اور جامع الفصولین کے حوالہ سے رقمطراز ہیں:

وأما بلاد عليها ولاة الكفار (إلى قوله) أن يلتمسوا واليا مسلما منهم.

(شامى كراچى ٥/٣٦٩، زكريا ٨/٤٣)

(۲) علامہ ابن نجیمؒ مصری البحرالرائق میں نقل فرماتے ہیں:

وأما بلاد عليها ولاة الكفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضى بتراضى المسلمين و يجب عليهم طلب وال مسلم الخ.

(البحر الرائق كوئٹه ٦/٢٧٤، زكريا ٦/٤٦١)

(۳) علامہ ابن ہمامؒ فتح القدیر میں نقل فرماتے ہیں:

إذا لم يكن سلطان و لا من يجوز التقلد منه كما هو فى بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة فى بلاد المغرب الآن وبلنسية وبلاد الحبشة وأقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم يجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولى قاضيا أو يكون هو الذى

یقضی بینهم. (فتح القدیر، دار الفکر بیروت۷/ ۲٦٤، کوئٹه ٦/ ۳٦٥، زکریا ۷/ ٦/۲٤٦، فتاویٰ عبد الحی ۲/ ۳۰۷، کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۱۷، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۳۳۷)

اب مذکورہ عبارات پر غور کیا جائے تو حسب ذیل پانچ امور منکشف ہو سکتے ہیں:

(۱) شامی اور بحر کی عبارات میں اس کی صراحت ہے کہ تراضئ مسلمین سے قاضی کا تقرر جب ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ جب مسلم والی کی طرف سے قاضی کا تقرر نہ ہوسکتا ہو۔

(۲) مسلمانوں پر انتخاب والی اور امیر کی تگ و دو اور سعی کرنا لازم اور واجب ہے تاکہ اس امیر کی طرف سے قاضی کا تقرر ہو سکے۔

(۳) فتح القدیر کی عبارت میں اس کی صراحت ہے کہ غیر اسلامی ممالک کے تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ کسی فرد پر متفق ہوکر اس کو اپنا والی اور امیر بنالیں۔

(۴) وہی والی قاضی کا تقرر کیا کرے گا۔

(۵) اگر کسی وجہ سے قاضی کا تقرر نہ ہوتو والی خود فریضۂ قضاء انجام دیا کرے، اور ان عبارات سے یہ بات بھی مستفاد ہوتی ہے کہ غیر مسلم ممالک میں مسلم امیر وقاضی کے حق میں صحت امارت وصحت قضاء کے لیے قوت تنفیذ شرط نہیں ہے، اور الحیلۃ الناجزۃ کی عبارت میں اس مدعی کی تائیدی صراحت بھی موجود ہے کہ حاکم کے بحیثیت حاکم ہونے کے لیے قوت نافذہ شرط نہیں ہے بلکہ یہ ایک امر زائد ہے۔

واجب الطاعۃ کا مصداق

تین ذمہ دار بالکل الگ الگ ہیں: (۱) جس کو قوت عسکری حاصل ہوتی ہے اس کے ہر جائز حکم کی تعمیل ہر فرد پر واجب ہوتی ہے، اور عدم تعمیل میں باغی و عاصی ہوگا اسی کو واجب الطاعۃ سے بھی تعبیر کرتے ہیں، اور یہ سلطان کی صفت ہوتی ہے۔

(۲) جس کو قوت عسکری حاصل نہ ہو بلکہ صرف قوت ارادی حاصل ہو اس کے ہر حکم کی تعمیل عام لوگوں پر واجب نہیں ہوتی بلکہ صرف اس معاملہ کے فریقوں پر واجب ہوتی ہے جو اس

کے پاس پیش کیاجائے ،فیصلہ سے قبل وبعد ہرحال میں واجب ہے،اوریہی قاضی کی صفت ہے۔
(۳) حکم جس کی قوت کا مدارفریقین پر ہے،لیکن فیصلہ کے بعد پھراس کی تعمیل بھی فریقین پرواجب ہوجاتی ہے۔
(۴) اوراس مقالہ میں جہاں جہاں واجب الطاعۃ کالفظ آیا ہےاس سے قسم اول ہی مراد ہے۔

الحاكم من حيث هو حاكم ليس له إلا الإنشاء و أما قوة التنفيذ فأمر زائد على كونه حاكمافقد يفوض إليه التنفيذ وقد لايندرج في ولايته.

(الحيلة الناجزة جديد امارت شرعيه هند ص: ٢٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

ایک اہم شبہ

بعض احباب کوفتح القدیر کی عبارت:

وأقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم. (فتح القدير، دار الفكر بيروت ٧/٢٦٤، كوئٹه ٦/٣٦٥، زكريا ٧/٢٤٦)

اوراس جیسی عبارتوں سے یہ شبہ پیداہوسکتا ہے کہ جن غیرمسلم حکومت میں مسلمان امیر و والی مقرر کرنا واجب اورلازم ہے یا تراضی سے قاضی مقرر کرنا جائز ہےان سے وہ مما لک مراد ہیں جہاں کے مسلمانوں نے والی کافرکو مال دے کراختیار واقتدار حاصل کرلیا ہےاگر چہ بیرونی سطح پر کفار کا غلبہ ہے،لیکن اندرونی سطح پر اقتدار اورقوتِ قاہرہ مسلمانوں کو حاصل ہے، لہٰذا جن مما لک میں مسلمانوں کو نہ بیرونی سطح پرقوت حاصل ہےاورنہ ہی اندرونی سطح پرتوایسے مما لک میں تراضیٔ مسلمین سے والی یا قاضی کا تقرر درست نہ ہونا چاہیے،اور ہندوستان ان مما لک میں سے ہے کہ جن کے اکثر بلاد ایسے ہیں کہ جہاں کے مسلمانوں کو اندرونی سطح پربھی بااختیاراقتدارحاصل نہیں ہےاس لیے ہندوستان جیسے مما لک میں نظام امارت اورنظام قضاء کی بات بے فائدہ معلوم ہوتی ہے۔

شبہ کا ازالہ اور بلاد کی اقسام

اگر تمام بلاد اور امصار کا تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو اس طرح کے شبہات کی نوبت نہ آئیگی اور تجزیہ کرنے میں بلاد کی سات قسمیں نکلتی ہیں:

(۱) پہلی قسم وہ بلادِ اسلام ہیں جہاں خود خلیفۃ المسلمین موجود ہو اور اپنی ولایت عامہ کے ذریعہ سے قضاۃ کا تقرر کرتا ہو اور خلیفۃ المسلمین کا مسلمان اور عادل ہونا شرط ہے اور اس کا ظالم اور جابر ہونا بھی نا قابل تصور ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ بلاد اسلام ہیں جہاں خلیفۃ المسلمین کی طرف سے والی وسلطان کا تقرر کیا جاتا ہے اور یہ والی اگر چہ ظالم ہو لیکن مسلمان ہونا شرط ہے پھر یہی والی قضاۃ کا تقرر کیا کرے گا، اور بلاد کی ان دونوں قسموں کی طرف علامہ تمر تاشیؒ نے تنویر الابصار میں:

ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر. (تنویر الابصار مع الدر کراچی ۵/۳٦٨، زکریا ٨/٤٣)

کے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے ایسے ممالک میں تراضیٔ مسلمین سے قاضی کا انتخاب درست نہ ہوگا اور عالمگیری وغیرہ کا جزئیہ:

لایصیر قاضیا. (هنديه كتاب أدب القاضى الباب الخامس فى التقليد والعزل زكريا قديم ١/٣١٥، جديد ١/٢٨٣)

ایسے ممالک کا مصداق ہے۔

(۳) تیسری قسم وہ بلاد ہیں جو پہلے مسلمانوں کے قبضہ میں تھے اور بعد میں کفار کا تسلط ہو چکا ہے لیکن مسلمانوں نے مال دے کر یا صلح کے ذریعہ سے اندرونی سطح پر اقتدار حاصل کر لیا ہے اور سلطان کافر نے مسلم والی مقرر کر دیا ہے اور پھر مسلم والی اپنی طرف سے قضاۃ کا تقرر کیا کرتا ہے، ایسے بلاد میں اندرونی سطح پر کفار کا کوئی اختیار نہیں رہتا ہے، اس لیے ایسے بلاد درحقیقت دارالاسلام ہیں، انہیں ممالک کی طرف علامہ شامیؒ نے تاتارخانیہ کی عبارت:

وبلاد الإسلام التي في أيدي الكفرة لا شك أنها بلاد الإسلام لا بلاد الحرب لأنهم لم يظهروا فيها حكم الكفر والقضاة مسلمون. (شامی، کتاب القضاء کراچی ۵/ ۳٦٨، زکریا ۸/ ٤٣)

کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے اور اشکال میں درج کردہ فتح القدیر کی عبارت ''ويجعلونه واليا فيولي قاضيا'' جس کے ذریعہ حضرت مفتی عبدالکریم صاحبؒ نے الحیلۃ الناجزۃ کے اخیر میں اشکال پیش فرمایا ہے اس کا مصداق بھی اسی تیسری قسم کے بلاد ہیں۔

(۴) چوتھی قسم کے وہ بلاد ہیں کہ جن پر باقاعدہ کفار کا تسلط ہو چکا ہے، اور اندرونی اور بیرونی ہر طرح کا اقتدار کفار کو حاصل ہے، اور کفار نے کسی مسلمان کو مسلم پرسنل لاء کے لیے والی تو نہیں بنایا ہے لیکن اپنی طرف سے مسلم قاضی کا تقرر کردیا ہے تو ایسی صورت میں اس کے شرعی قاضی ہونے کے لیے تراضیٔ مسلمین شرط ہے اور اس چوتھی قسم کے بلاد کی طرف علامہ شامی نے درمختار کی عبارت ''ولو كان كافرا'' کے ذیل میں تاتارخانیہ کی عبارت:

الإسلام ليس بشرط فيه أي في السلطان الذي يقلد. (شامی، کراچی ۵/ ۳٦٨، زکریا ۸/ ٤٣)

اور چند سطور کے بعد:

ولكن إذا ولى الكافر عليهم قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة. (شامی، کراچی ۵/ ۳٦٩، زکریا ۸/ ٤٤)

کے ذریعہ سے نوٹ فرمایا ہے اور یہ بلاد دارالاسلام کے دائرہ میں نہیں آتے، ہاں البتہ دارالجمہوریہ کے دائرے میں آنا ممکن ہے۔

(۵) پانچویں قسم وہ بلاد ہیں کہ جن میں کفار نے بیرونی سطح کے ساتھ ساتھ اندرونی سطح پر بھی اپنا اقتدار جمارکھا ہے، اور اپنی طرف سے والیٔ مسلم کا تقرر بھی نہیں کیا اور نہ ہی مسلم قاضی کا تقرر کیا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اپنے پرسنل لاء میں آزادی بھی ہے تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر اپنے پرسنل لاء کے لیے امیر اور والی کا انتخاب کرنا واجب

ہے اور اگر امیر کا انتخاب عمل میں نہ آسکے تو جب تک امیر منتخب نہ ہو جائے اس وقت تک کے لیے تراضئ مسلمین سے قاضی کا تقرر کرنا جائز اور درست ہے اور اس مدعیٰ کو علامہ ابن نجیمؒ مصری اور صاحب جامع الفصولین اور علامہ شامی نے

وأما بلاد عليها ولاة الكفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين ويجب عليهم طلب وال مسلم، هٰذا بألفاظ البحر وعبارة الشامي يجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم. (البحر الرائق کوئٹہ ٦/ ٢٧٤، زکریا ٦/ ٤٦١، جامع الفصولین ١/ ١١، شامی کراچی ٥/ ٣٦٩، زکریا ٨/ ٤٣)

جیسی عبارتوں کے ذریعہ ثابت فرمایا ہے اور ہندوستان جیسے ممالک کے بلاشبہ پانچویں قسم کے بلاد کے دائرے میں داخل ہونے میں کسی کو انکار نہ ہوگا اور اس جیسے ممالک میں نظام قضاء کے جواز میں کسی فقیہ کا اختلاف بھی نہیں ہے۔

(٦) چھٹی قسم وہ بلاد ہیں جہاں کوئی مستقل سلطان نہ ہو بلکہ قبائلی نظام ہو اور ہر قبیلہ کا الگ الگ امیر ہو کہ وہ بزورطاقت امیر بن بیٹھا ہو یا قبیلہ کا منتخب کردہ امیر ہو تو ایسے بلاد میں وہی امیر بمنزلۂ سلطان کے ہے اور اس کو قاضئ شرعی منتخب کرنے کا حق حاصل ہوگا اور اسی کی طرف علامہ شامیؒ نے

ثم إن الظاهر أن البلاد التي ليست تحت حكم سلطان بل لهم أمير منهم مستقل بالحكم عليهم بالتغلب أو باتفاقهم عليه يكون ذٰلك الأمير في حكم السلطان فيصح منه تولية القاضي عليهم. (شامی، کراچی ٥/ ٣٦٩، زکریا ٨/ ٤٤)

کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے۔

(٧) ساتویں قسم وہ بلاد کفار ہیں جہاں کے مسلمان بالکل بے بس ہیں اور ان کو حکومت کی طرف سے کسی طرح کی مذہبی آزادی نہیں ہے اور کھلم کھلا طور پر مذہبی تعلیم و تنظیم کی بھی اجازت نہیں ہے، وہاں کے مسلمان نظام قضاء کے مخاطب ومکلّف نہیں ہیں، وہاں کے مسلمان خفیہ طور پر پنچایتوں کے ذریعہ ذاتی معاملات طے کریں گے لہٰذا ہندوستان اشکال میں پیش کردہ عبارت کے ذیل میں نہیں آئیگا۔

غیر اسلامی ممالک میں امیر وقاضی بننے کے لیے ہر حلقہ کے اہل حل وعقد کی رضا شرط ہے

اب اخیر میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلانے کی سخت ضرورت محسوس ہورہی ہے کہ غیر اسلامی ممالک میں والی اور امیر مسلم کی طرف سے انتخاب قاضی کے تصور کے لیے یہ بات شرط کے درجے میں ہوگی کہ امیر شریعت کا انتخاب ہر اس حلقہ کے علماء اور اہل حل وعقد نے کیا ہو، جہاں امیر کے زیر تحت قاضی کا تقرر کیا جارہا ہے ورنہ تین امور میں سے ایک لازم ہوگا:

(۱) ہر حلقہ کے نمائندوں کو بلا کر تجدید امارت کی جائے۔

(۲) جن حلقوں کے نمائندے قیام امارت کے وقت انتخاب امیر میں شرکت نہ کرسکیں ان سے دوبارہ رضا مندی لی جائے۔

(۳) وہاں پر قاضی کے انتخاب کے لیے وہاں کے مسلمانوں کی تراضی کو ملحوظ رکھا جائے لہٰذا ایسے حلقہ کے لوگ جنہوں نے امیر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے وہ اگر امیر اور قاضی کی ماتحتی قبول نہ کرتے ہوئے ان کی اطاعت نہ کریں یا امیر کے ہاتھ پر بیعت تو کرلی ہے لیکن امیر کی طرف سے بدعنوانی محسوس کرنے کی وجہ سے امیر کی ماتحتی سے الگ ہو جائیں، تو ان پر باغی اور خارجی ہونے کا الزام بھی عائد نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۳۲/۵، جدید ڈابھیل ۵۷۷/۴)

کیونکہ غیر اسلامی ممالک کے امیر وقاضی کو امیر قہری اور قاضی قہری نہیں کہا جاسکتا بلکہ امیر ارادی اور قاضی ارادی کہا جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے ''امداد الفتاویٰ'' میں اس کا تائیدی تجزیہ پیش فرمایا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۵۷۹/۴، امداد المفتیین کراچی ۸۹۴/۲)

(۲) قوت عسکری سلطان کی صفت ہوتی ہے، قاضی کی صفت صرف قوت ارادی ہوتی ہے اور اگر قاضی کو قوت تنفیذ بھی عسکری سلطان کی طرف سے حاصل ہو جائے تو یہ قاضی کی ایک صفت خارجہ ہے صفت لازمہ نہیں ہے، اہل حل وعقد ان سرداران قوم کو کہتے ہیں جن کے ہاتھ قومی معاملات کا بندوبست ہو اور دوسرے علاقہ کے ایسے نمائندے بھی اس میں شامل ہیں

جن پر حلقہ کے لوگ اعتماد رکھتے ہوں اور لوگوں پر ان کا اثر بھی ہو۔ (مستفاد: ازالۃ الخفاء اردو ص: ۷)

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الف فتویٰ نمبر: ۲۶۸۹/۲۷

قضاء اور قاضیٔ شرعی کی حقیقت

سوال [۷۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قضاء کی حقیقت، قاضیٔ شرع کی تعریف اور قضاء کے ارکان وشرائط کیا ہیں؟

الف: قضاء کی تعریف میں ''الزام'' سے الزام حسی مراد ہے یا الزام معنوی؟

ب: اگر الزام حسی مراد ہے تو کیا اس کے بغیر قضاء شرعی کا تصور ممکن نہیں؟ اور کیا اس قید کا اعتبار حالت اختیار اور حالت احتیاج میں یکساں ہوگا، خواہ دار الاسلام ہو یا غیر دار الاسلام خواہ قاضی کو منجانب والی کلی اختیارات مفوض ہوں یا جزوی؟

ج: اگر الزام سے الزام معنوی مراد ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا قوت نافذہ کے بغیر قضاء کے معنی متحقق ہو سکتے ہیں، پھر مفتی کے فتویٰ اور قاضی کے فیصلہ میں حد فاصل کیا ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قضاء کی حقیقت

(۱) لفظ قضاء لغت میں حکم اور فیصلہ کے معنی میں بولا جاتا ہے:

القضاء هو بالمد والقصر لغة الحكم الخ. (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص: ۴۳۲، در مختار، کتاب القضاء کراچی ۵/۳۵۱، زکریا ۸/۱۹-۲۰)

(۲) اور صاحب لغۃ الفقہاء اور صاحب قواعد الفقہ نے اصول شریعت کے تحت لفظ قضاء کی حقیقت کا ان الفاظ سے انکشاف کیا ہے کہ ضابطۂ شریعت کے مطابق حق کے ساتھ

لوگوں کے نزاعات میں فیصلہ دینے کو قضاء کہا جاتا ہے۔

القضاء شرعاً فصل الخصومات وقطع المنازعات. (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص: ٤٣٢)

القضاء الفصل فی الخصومات. (لغة الفقهاء ص: ٣٦٥)

(۳) اور ملک العلماء علامہ علاء الدین کاسانی قضاء شرعی کی تعریف ان الفاظ سے پیش کرتے ہیں کہ قضاء کے معنی لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون اور ضابطہ کے مطابق صاحب حق کو حق دینے کا فیصلہ کرنا ہے۔

القضاء هو الحكم بين الناس بالحق والحكم بما أنزل الله عز وجل. (بدائع الصنائع، كتاب أدب القاضی، كراچی ٢/٧، زكريا ٥/٤٣٨)

(۴) علامہ ابن نجیمؒ ان الفاظ سے قضاء کی تعریف نقل فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ دینا شرعی قضاء ہے۔

القضاء الحكم بين الناس بالحق. (البحر الرائق كوئٹه ٦/٢٥٤،زكريا ٦/٤٢٧)

(۵) علامہ تمرتاشیؒ نے تنویر الابصار میں قضاء کی تعریف یہ کی ہے کہ قضاء کے معنی شریعت میں مقدمات کا فیصلہ اور منازعات کو ختم کرنے کے ہیں۔

وشرعا فصل الخصومات وقطع المنازعات الخ. (تنوير الأبصار مع الدر كراچی ٥/٣٥٢، زكريا ٨/٢٠)

(۶) اور فتاویٰ عالمگیری میں خزانۃ المفتیین کے حوالہ سے قضاء کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ شریعت اسلامی میں قضاء اس قول ملزم کو کہتے ہیں جو ولایت عامہ کی بناء پر صادر ہوتا ہے۔

وفی الشرع قول ملزم يصدر عن ولاية عامة. (هنديه، زكريا قديم ٣/٣٠٦، جديد ٣/٢٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

شرعی قاضی کی حقیقت

شرعی قاضی اس کو کہا جاتا ہے جو لوگوں کے عائلی اور نزاعی معاملات کے تصفیہ کے

لیے امیر اور والی کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے، صاحب قواعد الفقہ قاضی کی حقیقت اس طرح نقل فرماتے ہیں کہ قاضی وہ شخص ہے جس کو باختیار امیر کی طرف سے مقدمات ودعویٰ اورنزاعات کے فیصلہ کے لیے مقرر اور متعین کیا جاتا ہے۔

القاضی هو الذی تعین و نصب من جهة من له الأمر لأجل القضاء أی فصل الخصومات و حسم الدعاوی والمنازعات وغیر ذٰلک. (قواعد الفقه اشرفی دیو بند ص: ٤٢٠)

اورصاحب لغۃ الفقہاء نے قاضی کی تعریف یوں نقل فرمائی ہے کہ قاضی وہ ہے جس کو والی نے لوگوں کے درمیان مقدمات کے فیصلہ کے لیے مقرر کیا ہے۔

القاضی من نصبه والی الأمر لفصل الخصومات بین الناس. (لغة الفقهاء كراچی ص: ٣٥٤)

اہلیت قضاء کی شرائط

عہدۂ قضاء کی صلاحیت اور اہلیت کے لیے قاضی کا آٹھ عمدہ صفات کے ساتھ متصف ہونا شرط ہے:

(۱) عاقل ہونا، لہٰذا مجنون اور مختل الحواس شخص کا تقرر منصب قضاء کے لیے درست نہ ہوگا، اسی طرح اگر صحیح العقل شخص کو منصب قضا پر فائز کیا جائے اور بعد میں ماؤف الدماغ اور پاگل ہوجائے تو اس کا عہدہ باطل ہوجائیگا۔

(۲) بالغ ہونا ضروری ہے، لہٰذا نابالغ کی تقرری درست نہ ہوگی۔

(۳) مسلمان ہونا لازم ہے لہٰذا کافر غیر مسلم عہدۂ قضاء کے اہل نہیں۔

(۴) آزاد ہونا شرط ہے، لہٰذا غلام کی تقرری درست نہ ہوگی۔

(۵) بینا ہونا شرط ہے، اس لیے کسی نابینا کو قاضی بنانا درست نہ ہوگا اسی طرح اگر حالت بینائی میں قاضی بنایا گیا ہے اور بعد میں نابینا ہوگیا ہے تو عہدۂ قضاء اس کا باطل ہوجائیگا۔

(۶) بولنے والا ہونا ضروری ہے لہٰذا گونگے کا تقرر درست نہ ہوگا، نیز اگر تقلید قضاء کے بعد گونگا ہو جائے تو اس کا منصب باطل ہو جائے گا۔

(۷) سننے والا ہو بالکل بہرا نہ ہو ہاں البتہ اگر تھوڑا اونچا سنتا ہے تو اس کی تولیت درست ہے، اور اگر تولیت قضاء کے بعد بالکل بہرا ہو جائے تو تولیت باطل ہو جائے گی۔

(۸) قاضی حد قذف میں سزا یافتہ نہ ہو، لہٰذا محدود فی القذف کو قاضی بنانا درست نہ ہوگا یہ تمام شرائط علامہ کاسانیؒ کی بدائع میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہیں۔

الصلاحية للقضاء لها شرائط : منها العقل و منها البلوغ ومنها الإسلام و منها الحرية و منها البصر و منها النطق و منها السلامة عن حد القذف. (بدائع الصنائع، کتاب ادب القاضی، کراچی ۳/۷، زکریا ۵/۴۳۸)

و زاد فی قواعد الفقه السمع. (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص: ۴۲۱)

قضاء کی تعریف میں الزام کا مصداق

مفہوم قضاء میں جس الزام کا ذکر آتا ہے وہ دو قسموں پر ہے:

(۱) الزام حسی: اس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ مادی طور پر کسی آدمی کو کسی شئ کی پابندی پر مجبور کیا جائے، مثلاً دارالاسلام میں جس قاضی کو قوت عسکری اور ولایت عامہ حاصل ہے وہ کسی کو جیل میں ڈال دے یا قصاص اور حد قائم کرے تو ایسی صورت میں قاضی کے حکم اور فیصلہ سے مجرم پر سزائیں لازم کر دی گئی ہیں وہ محکوم علیہ پر بطور الزام حسی کے لازم ہوتی ہیں۔

(۲) الزام معنوی: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قاضی جس پر حکم لاگو کرتا ہے اس پر امر محکوم بہ کو شریعت تسلیم کر لیتی ہے، مثلاً قاضی نے حامد کا نکاح خالدہ سے فسخ کر دیا تو شریعت یہ تسلیم کر لے گی کہ خالدہ کی زوجیت حامد کے ساتھ باقی نہیں رہی چاہے حامد اس کو تسلیم کرے یا نہ کرے، اسی طرح خالد نے بکر پر سو روپیہ کا دعویٰ کیا اور بکر نے انکار کر دیا اور قاضی نے سو روپیہ بکر کے ذمہ واجب الاداء قرار دیتے ہوئے اس کی ادائیگی کا حکم دیدیا تو ایسی صورت

میں شریعت بکر کے ذمہ سو روپیہ کی ادائیگی لازم تسلیم کر لے گی، اسی طرح ماجد سے چوری کا ثبوت ہونے کی وجہ سے قاضی نے قطع ید کا حکم دیدیا، تو شریعت ماجد کو واجب القطع تسلیم کر لے گی حاصل یہ نکلا کہ قاضی نے حکم کو محکوم علیہ پر لازم کر دیا ہے، لیکن حسی طور پر ابھی اس پر عمل در آمد نہیں ہوا ہے تو ایسے الزام کو الزام معنوی کہا جاتا ہے، اور قاضی کی تعریف میں جس الزام کا ذکر آتا ہے اس سے الزام معنوی ہی مراد ہوا کرتا ہے، الزام حسی ہرگز مراد نہیں ہوتا۔

ہماری یہ تقریر علامہ ابن فرحون اندلسی متوفی ۷۹۹ کی مشہور کتاب ''تبصرۃ الحکام'' کی عبارت سے بہت اچھی طرح مستفاد ہوسکتی ہے۔

حقیقة الحکم إنشاء إلزام إو إطلاق، فالإلزام کما إذا حکم بلزوم الصداق أو النفقة أو الشفقة ونحو ذٰلک فالحکم بالإلزام هو الحکم وأما الإلزام الحسي من الترسیم والحبس فلیس بحکم لأن الحاکم قد یعجز عن ذٰلک. (تبصرة الحکام ۱/ ۱۲)

اور ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں علامہ شیخ عبداللہ مالکی نے اپنے جواب کے ذیل میں صاف واضح کر دیا ہے کہ الزام حسی تنفیذی الزام ہوتا ہے جو نہ قاضی کی شرائط میں داخل ہے اور نہ ہی صحت قضاء کی حقیقت کے دائرے میں آتا ہے، بلکہ قاضی صرف انشاء حکم کا مکلّف ہوتا ہے۔

الحاکم من حیث هو حاکم لیس له إلا الإنشاء و أما قوة التنفیذ فأمر زائد علی کونه حاکما فقد یفوض إلیه التنفیذ وقد لایندرج في ولایته.

(الحیلة الناجزة، جدید امارت شرعیه هند ص: ۲۸۳-۲۸٤)

اور علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اصالۃً قضاء قاضی صرف محکوم بہ کے لیے مظہر ہوتا ہے مثبت نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ محکوم بہ واقعہ میں پہلے سے ثابت شدہ ہوتا ہے، اور قضاء قاضی اس کو معرض ظہور میں لاتا ہے۔

القضاء مظهر لا مثبت و تحته في الشامیة: لأن الحق المحکوم به کان ثابتا والقضاء أظهره والمراد ما کان ثابتا ولو تقدیراً کالقضاء بشهادة الزور. (الدر المختار مع الشامي، کتاب القضاء، مطلب: إذا قاس القاضي و أخطأ، کراچي ٥/٤١٩، زکریا ۱۱۳/۸)

اور الزام حسی اور الزام تنفیذی دار الاسلام اور ایسے والی اور قاضی کے ساتھ مخصوص ہے کہ جس کو شرعی طور پر قوت عسکری حاصل ہوتی ہے جو قاضی کی شرائط سے خارج ہے۔

قوت منفذہ قاضیٔ شرعی کا جزء لاینفک اور صفت لازمہ نہیں

قوت منفذہ قاضیٔ شرعی کی صفت لازمہ یا جزء لاینفک نہیں ہے، اور اس مدعی کا ثبوت درمختار اور شامی کی اس عبارت سے بہت آسانی سے ہوسکتا ہے:

وأما الأمير فمتى صادف فصلا مجتهدا فيه نفذ أمره وتحته في الشامية: فقول الشارح نفذ أمره بمعنى وجب امتثاله. (در مختار، کراچی ۵/ ۴۰۹، زکریا ۸/ ۹۹)

اگر حاکم کسی شئ کا حکم کرتا ہے تو مامور پر اس کا امتثال واجب ہوجاتا ہے یہ نہیں ہے کہ اس کا حکم نافذ اور جاری ہوجاتا ہے، عدم امتثال سے گنہگار ہوجاتا ہے، اور اسی کو الزام معنوی کہتے ہیں اور علامہ شامیؒ نے کتاب القضاء کے شروع میں تحریر فرمایا ہے کہ قاضیٔ شرعی حکم کی تنفیذ نہیں کرتا بلکہ نفس الامری میں ثابت شدہ حکم کو ''**قضيت، حكمت، أنفذت، ألزمت عليك القضاء**'' کے الفاظ سے معرض ظہور میں لاتا ہے اور ظالم سے مظلوم کا حق لے کر دلا دینا قاضی کے مفہوم میں داخل نہیں ہے، بلکہ یہ ایک امر آخر ہے جس کا اصل ذمہ دار حکومت انتظامیہ یا فوجداری محکمہ ہوتا ہے۔

فالمراد بالإلزام التقرير التام، وفي الظاهر فصل احترز به عن الإلزام في نفس الأمر لأنه راجع إلى خطاب الله تعالىٰ و على صيغة مختصة أي الشريعة كألزمت، وقضيت، وحكمت، وأنفذت عليك القضاء وبأمر ظن لزومه فصل عن الجور والتشهي ومعنى في الظاهر أي الصورة الظاهرة إشارة إلى أن القضاء مظهر في التحقيق للأمر الشرعي لامثبت. (شامی، کتاب القضاء، کراچی ۵/ ۳۵۲، زکریا ۸/ ۲۰)

نیز علامہ شامیؒ ایک صفحہ کے بعد تنفیذ کی بحث میں ایک عبارت ایسی نقل فرماتے ہیں کہ جس سے سارے شبہات دور ہوسکتے ہیں:

وإذا رفع إليه قضاء قاض أمضاه بشروطه و هٰذا هو التنفيذ الشرعي.

(شامی، کتاب القاضی، مطلب: فی التنفیذ کراچی ۵/۳۵۳، زکریا ۸/۲۱)

اب اس عبارت سے یہ بات صاف واضح ہوجاتی ہے کہ قضاء ایک مستقل امر ہے اور تنفیذ ایک امر آخر ہے کہ قاضی کے فیصلہ کردینے کے بعد اس فیصلہ شدہ حکم کے مطابق ظالم کو مظلوم کے حق ادا کرنے پر حکومت کی انتظامیہ یا فوجداری محکمہ جبر واکراہ کرسکتا ہے، نیز اگر قاضی کو عہدۂ قضاء کے ساتھ ساتھ تنفیذ کا حق بھی حاصل ہے تو وہ ازخود نافذ بھی کرسکتا ہے اور اسی طرح کتاب القاضی اِلی القاضی کے طور پر جب دوسرے ایسے قاضی کے یہاں پہنچ جائے جس کو تنفیذ کا اختیار حاصل ہے تو وہ بھی نافذ کرسکتا ہے، اور اسی کو مذکورہ عبارت میں تنفیذ شرعی کہا گیا ہے اور قاضی کا فیصلہ الزام معنوی کے دائرے میں اور انتظامیہ اور فوجداری محکمہ وغیرہ کا اس فیصلہ کو بالاجبار جاری کرنا الزام حسی کے دائرہ میں آتا ہے، نیز بعض فیصلے ایسے ہوتے ہیں کہ جس کے نفاذ میں الزام حسی کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ فسخ وتفریق کے مسائل ہیں، کہ محض قاضی کے فسخ کردینے سے بیوی آزاد ہوجاتی ہے اور شوہر کو کسی وجودی عمل پر مجبور کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، اس لیے قوت تنفیذ کے اشکال کو لے کر مسئلہ قضاء میں شبہ پیدا کرنا میرے خیال میں درست نہیں ہے۔

قاضی اور مفتی میں فرق

قاضی کے حکم اور مفتی کے فتویٰ کے درمیان واضح فرق یہ ہے کہ قاضی حکم کو شخص مخصوص پر لاگو کرتا ہے اور محکوم بہ کو اس پر واضح اور ظاہر کرتا ہے اور وہ حکم اسی شخص کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور مفتی عمومیت کے ساتھ صرف حکم کی نوعیت بتلا دیتا ہے جو کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی، مثلاً کوئی اپنی زوجہ کی ماں کو غلط ارادہ سے پکڑ چکا ہے تو مفتی یہ کہے گا کہ

ایسی صورت میں بیوی شوہر پر حرام ہوچکی ہے لیکن مفتی کے مسئلہ بتلانے کی وجہ سے بیوی خود بخود نکاح سے خارج نہ ہوگی، اور اگر قاضی یہ کہہ دے کہ میں نے اس کے نکاح کو فسخ کردیا ہے تو بیوی خود بخود نکاح سے خارج ہو جائے گی ،تو مفتی کے فتویٰ میں کوئی الزام ثابت نہیں ہوا اور قاضی کے فیصلہ میں الزام ثابت ہو چکا، اسی طرح مفقود مجنون اور متعنت وغیرہ کے نکاح کے بارے میں مفتی یوں حکم بتا سکتا ہے کہ ایسی صورت میں نکاح فسخ کیا جاتا ہے لیکن شخصی طور پر فسخ کا حکم لگا نہیں سکتا ہے اور قاضی شخص متعین پر فسخ کا حکم لگا سکتا ہے۔

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۸۳

قاضی کا حلقۂ عمل اور دائرۂ اختیار

سوال [۷۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قاضی کے حلقۂ عمل اور دائرہ اختیار میں کس طرح کے مسائل داخل ہوں گے؟ کیا کسی سبب سے دائرہ اختیار میں تحدید ہوسکتی ہے؟ اگر قاضی کا حلقۂ عمل ان مسائل تک محدود ہو جن میں بظاہر قوت عسکری کی ضرورت نہیں تو کیا پھر بھی قوت قاہرہ شرط ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قاضی کا حلقۂ عمل اور دائرۂ اختیار بہت محدود اور مقید ہوا کرتا ہے کہ امیر کی جانب سے جن مسائل اور شرائط کے ساتھ قاضی کو پابند کیا گیا انہیں مسائل کے دائرے میں رہ کر قاضی اپنا فریضۂ قضاء انجام دے سکتا ہے، اور اپنے دائرۂ اختیار سے باہر ہو کر اگر کوئی فیصلہ دے گا تو وہ غیر نافذ اور غیر معتبر قرار دیا جائیگا، لہٰذا اگر کسی قاضی کو والی شریعت کی جانب سے نکاح طلاق فسخ وتفریق نان ونفقہ کے مسائل کا پابند کیا گیا تو وہ ان مسائل کے دائرے سے ہٹ کر اگر کوئی فیصلہ دیتا ہے تو وہ شرعاً غیر نافذ اور نا قابل اعتبار قرار دیا جائیگا، حاصل یہ ہے کہ امیر کی جانب سے قاضی کو کسی خاص علاقہ اور خاص زمانہ اور خاص

معاملہ اور خاص مسئلہ کے ساتھ پابند کرنا صحیح اور درست ہے۔

علامہ شامی نے اس مدعیٰ کو ثابت کرنے کے لیے چند اصولی مثالیں دے کر پھر غزوۂ موتہ کو دلیل بنا کر پیش فرمایا ہے۔

الولاية تقبل التقييد والتعليق بالشرط كقوله إذا وصلت إلى بلدة كذا فأنت قاضيها وإذا وصلت إلى مكة فأنت أمير الموسم والإضافة كجعلتك قاضيا فى رأس الشهر والاستثناء منها كجعلتك قاضيا إلا فى قضية فلان و لا تنظر فى قضية كذا والدليل على جواز تعليق الإمارة و إضافتها قوله ﷺ حين بعث البعث إلى موتة وأمرعليهم زيد بن حارثه إن قتل زيد بن حارثة فجعفر أميركم و إن قتل جعفر فعبد الله بن رواحة الخ. (شامی، كتاب القضاء، مطلب: القضاء يقبل التقييد كراچی ٥/٤١٩، زكريا ٨/١١٣-١١٤)

اور قریب قریب یہی عبارت فتح القدیر میں بھی موجود ہے۔ (فتح القدیر، دارالفکر بیروت ۷/۲۵۴، کوئٹہ ۶/ ۳۵۸، زکریا ۷/ ۲۳۵)

اور البحرالرائق میں مزید وضاحت کے ساتھ صراحت موجود ہے:

ولو استثنى حوادث فلان لايقضى فيها ولو قضى لاينفذ الخ. (البحر الرائق كوئٹه ٦/٢٥٩، زكريا ٦/٤٣٥)

اور فتاویٰ عالمگیری میں اس سے بھی زیادہ واضح عبارت کے ساتھ شرائط کو نقل فرمایا ہے۔

وإذا قلد السلطان رجلا قضاء يوم يجوز و يتأقت و إذا قيده بالمكان يجوز ويتقيد بذٰلك المكان فعلى هذا لو قيد القاضى إنابة نائبه فى مسجد معين لايكون للنائب أن يقضى فى مسجد آخر الخ. (هنديه، كتاب أدب القاضى، الباب الخامس فى التقليد والعزل، زكريا قديم ٣/٣١٥، جديد ٣/٢٨٣)

نیز سوال (۲) کے تحت ثابت کیا جاچکا ہے کہ الزام حسی کے لیے قوت عسکری کی ضرورت ہوتی ہے اور الزام معنوی کے لیے قوت عسکری کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ صرف قوت ارادی کافی ہوتی ہے، قیام قضاء پر قوت عسکری کا اشکال بے محل ہے، جیسا کہ الزام کی

بحث میں الحیلۃ الناجزۃ کی عبارت ''**وأما قوۃ التنفیذ فأمر زائد**'' سے تصریح کردی گئی ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ جدید امارت شرعیہ ہند۲۸۳)

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۷ر ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۹۰

غیر اسلامی حکومت کی طرف سے مسلم قاضی کا تقرر

سوال [۷۵۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان اوراس جیسے غیر اسلامی ممالک میں قاضی کا تقرر کن طریقوں پر شرعاً درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ جبکہ ظاہر ہے کہ دار الاسلام میں خلیفۃ المسلمین یا اس کے ولاۃ حکام قضاۃ کا تقرر کرتے ہیں:

الف: غیر مسلم حکومت اگر مسلم قاضی مقرر کرے تو کیا شرعاً وہ قاضی ہوجائیگا؟ اگر نہیں تو:

یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل أو الجائر ولو کان کافرا. (در مختار مع الشامی کراچی ۳٦٨/٥، زکریا ۴۳/۸)

اور ...... **الإسلام لیس بشرط أی فی السلطان الذی یقلد.** (فتاویٰ عالمگیری جدید زکریا ۲۷۷/۳، قدیم ۳۱۰/۳)

وغیرہ جزئیات کا کیا مطلب ہے، اگر وہ شرعاً قاضی ہوجاتا ہے تو کیا ولایت کا فرعلی المسلم کا الزام نہ آئے گا؟ نیز والیٔ کافر کی تقلید کافی ہے، یا تراضیٔ مسلمین بھی ضروری ہے۔

ب: اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلم قضاۃ کا تقرر نہ ہو اوراس ملک کے مسلمان اپنے نظم شرعی اور اجتماعی امور کے قیام وبقاء کے لیے کوئی امیر منتخب کرلیں جیسا کہ ہندوستانی مسلمانوں نے اپنا امیر الہند منتخب کرکے نظام امارت قائم کرلیا ہے تو کیا یہ امیر اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء شرعاً قاضی مقرر ہوسکتے ہیں؟ اگر نہیں تو فقہاء کرام کی:

وإذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد

المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة فى بلاد المغرب الآن وبلنسه وبلاد الحبشة و أقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم يجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه وليا فيولى قاضيا أو يكون هو الذى يقضى بينهم. (فتح القدير، دار الفكر بيروت ٧/٢٦٤، كوئٹه ٦/٣٦٥، زكريا ٧/٢٤٦)

جیسی تصریحات کا کیا مطلب ہے؟ اوراگران امراء کے تقرر سے شرعاً قاضی ہوجاتا ہےتو کیونکر؟ جبکہ ظاہر ہے کہ قوت قاہرہ حاصل نہ ہوگی؟

ج: غیر اسلامی مما لک میں اگر مسلمان باہمی تراضی سے قاضی کا تقرر کریں تو کیا شرعاً وہ قاضی ہوگا یانہیں؟ بصورت نفی ''**يصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين**'' (شامی) کا کیا مطلب ہے؟ قاضیٔ جمعہ مراد ہے یامطلق قاضی، اگر قاضیٔ جمعہ مراد ہےتو کیا اقامت جمعہ کے لیےقاضی کا ہونا شرط ہے؟ اوراگرمطلق قاضی مراد ہےتو کیا یہاں قوت شرط نہ ہوگی اگرتراضیٔ مسلمین سےقاضی ہوجاتا ہےتو:

وإذا اجتمع أهل بلدة على رجل و جعلوه قاضيا يقضى فيها بينهم لايصير قاضيا. (فتاوىٰ عالمگيرى قديم ٣/٣١٥، زكريا جديد ٣/٢٨٣)

جیسی فقہی جزئیات کامحمل کیا ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نصب قاضی کا اصل تعلق مسلمانوں کے مصالح کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، اس لیے نصب قاضی میں بھی تراضیٔ مسلمین بالواسطہ یا بلا واسطہ لازم اورضروری ہے۔

(۱) بالواسطہ کا مطلب یہ ہے کہ تراضیٔ مسلمین سے امیر اوروالی شریعت کا تقرر ہو جائے اورپھر وہی امیر اوروالی قاضی کا انتخاب کرے۔

(۲) بلاواسطہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں امیر کا وجود نہ ہو وہاں کے مسلمان آپس کی تراضی سے قاضی کا انتخاب کریں، جیسا کہ فتح القدیر اورشامی اور بحر کی عبارات سے ماقبل میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ (فتح القدیر دار الفکر بیروت ۷/۲۶۴، کوئٹہ ۶/۳۶۵، زکریا

۷/ ۲۴۶، البحر الرائق کوئٹہ ۶/ ۲۷۴، زکریا ۶/ ۴۶۱، شامی کراچی ۵/ ۳۶۹، زکریا ۸/ ۴۳)

اس لیے غیر مسلم حکومت اگر کسی مسلم کو باختیار قاضی بنادے تو اس کے باقاعدہ شرعی قاضی ہونے کے لیے مسلمانوں کی تراضی شرط ہے، اس کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وإذ ولى الكافر عليهم (أى على المسلمين) قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة. (شامی، كتاب القضاء، مطلب فى حكم تولية القضاء، كراچی ۳/ ۳٦۹، زكريا ۸/ ٤٤)

لہٰذا اس طرح غیر مسلم حاکم کی طرف سے قاضیٔ شرعی کا تقرر صحیح ہوجائیگا، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے اس کو خوب وضاحت کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ (کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۱۸، ۲۲۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۳۳۹-۳۳۱)

اور اسی کی طرف علامہ حصکفیؒ نے:

يجوز تقلد القضاء من السلطان العادل أو الجائر ولو كان كافرا.

(درمختار كراچی ٥/ ۳٦۸، زكريا ۸/ ٤۳، اعلاء السنن، كتاب القضاء، تقلد الولاية والقضاء من كافر دار الكتب العلمية بيروت ١٥/ ٥٦، فتاوىٰ دار العلوم جديد ۸/ ١٤۸)

سے اشارہ فرمایا ہے۔

ولایۃ الکافر علی المسلم کا مسئلہ

یہاں ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلم قاضی کے انتخاب کو صحیح قرار دیا جائے تو بظاہر اس سے ولایت کافر علی المسلم لازم آرہی ہے جو شرعاً ناجائز ہے؟

جواب: تو اس کا جواب یہ ہے کہ ولایت کافر علی المسلم وہاں لازم آتی ہے، جہاں پر بالواسطہ یا بلا واسطہ تراضیٔ مسلم بالکل مفقود ہوجائے، اور یہاں تراضی کی قید لگی ہوئی ہے جیسا کہ شامی کی مذکورہ عبارت اس حقیقت کو اچھی طرح واضح کررہی ہے، اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بہت صاف الفاظ میں ۲۷/ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ میں عبدالمجید مدراسی کے

سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔ (کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۲۱، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۳۳۱)

نیز اگر غیر مسلم حکومت میں مسلم امارت قائم نہیں ہوئی ہے اور تراضیٔ مسلمین سے بھی کسی کو قاضی نہیں بنایا گیا ہے، اور نہ ہی مسلمانوں کی تراضی سے حکومت نے کسی مسلمان کو جج یا قاضی بنایا ہے بلکہ حکومت نے مسلمانوں کی تراضی کے بغیر اپنی مرضی سے کسی مسلمان کو قاضی اور جج یا منصف بنالیا ہے تو ضرورتاً اس کو قاضیٔ شرعی کے قائم مقام قرار دیا جائیگا اور اس کا وہ فیصلہ شرعاً معتبر ہوگا جو قانون شرعی کے مطابق عمل میں لایا گیا ہو۔ (کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۲۳، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۳۴۹)

غیر اسلامی حکومت میں مسلم امراء کی طرف سے قاضی کا تقرر

غیر اسلامی ممالک میں جب باقاعدہ اور باضابطہ امارت شرعیہ اور ولایت شرعیہ کا قیام عمل میں آجائے تو وہاں کے امیر اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء کی طرف سے ہی قاضی کا تقرر لازم ہوگا، کسی اور کو انتخاب قاضی کا حق حاصل نہ ہوگا، اس لیے کہ انتخاب قاضی کا حق اصولی طور پر علی الترتیب صرف تین اشخاص کو درجہ بدرجہ حاصل ہوتا ہے:

شخص اول: سب سے پہلے وہاں کے امیر اور والیٔ شریعت کو یہ حق حاصل ہوتا ہے جیسا کہ شامی کی عبارت سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے:

كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضيا. (شامي كراچى ٥/٣٦٩، زكريا ٨/٤٣، فتح القدير، دار الفكر بيروت ٧/٢٦٤، كوئٹه ٦/٣٦٥، زكريا ٧/٢٤٦، البحر الرائق كوئٹه ٦/٢٧٤، زكريا ٦/٤٦١)

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں: (۱) غیر اسلامی ممالک کے مسلمانوں پر ایک فرد پر متفق ہوکر اس کو امیر اور والی بنانا واجب ہے۔

(۲) وہی امیر قاضی کا انتخاب کریگا۔

شخص دوم: اگر سوء اتفاق سے امیر اور والیٔ شرعی کا قیام عمل میں نہ آسکے اور

مسلمانوں کی تراضی اور مطالبہ سے غیر مسلم حکومت کسی مسلمان کو منصب قضاء کے لیے منتخب کرتی ہے تو ثانوی درجہ میں غیر مسلم حکومت کو تقلید قضاء کا حق حاصل ہوگا، اور اس مدعیٰ کی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے کفایت المفتی میں شاندار طریقے سے وضاحت فرمائی ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۱۸، زکریا ۱۱/ ۳۳۹)

نیز علامہ شامی نے ان الفاظ سے اس کی وضاحت فرمائی ہے:

إذا ولی الکافر علیهم قاضیا ورضیه المسلمون صحت تولیته بلا شبهة الخ. (شامی کراچی ٥/٣٦٩، زکریا ٨/٤٣)

شخص سوم: تقلید قضاء کے لیے اگر مذکورہ دونوں شکلیں میسر نہ ہوسکیں تو ضرورتاً تراضیٔ مسلمین سے قاضی کا انتخاب کیا جاسکتا ہے اور سب مسلمانوں کی تراضی کو شخص حکمی قرار دے کر اس کو تقلید قضاء کا حق دیا جاسکتا ہے، اور شامی اور جامع الفصولین وتاتارخانیہ اور البحر الرائق کی عبارت:

ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین. (شامی کراچی ٥/٣٦٩، زکریا ٨/٤٣، جامع الفصولین ١/١١، البحر الرائق کوئٹہ ٦/٢٧٤، زکریا ٦/٤٦١، تاتارخانیة زکریا ١١/٩ رقم: ١٥٣٤١، امداد المفتیین کراچی ٢/٨٩٤)

کا یہی مطلب ہے، اب اس تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ انتخاب قاضی کا حق سب سے پہلے غیر مسلم حکومت میں امیر شریعت اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء کو حاصل ہے، اور اس میں قوت قاہرہ کا اشکال نہ کیا جائے، اس لیے کہ قوت تنفیذ قضاء شرعی کا نہ رکن ہے اور نہ ہی شرط ہے، جیسا کہ الزام کی بحث میں دلائل وبراہین سے اس مدعیٰ کو ثابت کیا جا چکا ہے، درمختار میں ہے:

القضاء مظهر لامثبت. (در مختار کراچی ٥/٤١٩، زکریا ٨/١١٣)

اور شامی میں ہے:

وإذا رفع إلیه قضاء قاضی أمضاه بشروطه و هذا هو التنفیذ الشرعی. (شامی کراچی ٥/٣٥٣، زکریا ٨/٢١)

امیر شریعت مذکور کو اور اس کے قضاۃ کو حق فسخ نکاح وغیرہ حاصل ہے، جیسا کہ شامی

کی اس عبارت سے واضح ہے۔

ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین. (شامی کراچی ٥/٣٦٩، زکریا ٨/٤٣، جامع الفصولین ١/١١، البحر الرائق کوئٹه ٦/٢٧٤، زکریا ٦/٤٦١، تاتارخانیة زکریا ١١/٩ رقم: ١٥٣٤١، امداد المفتیین کراچی ٢/٨٩٤)

نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے امداد المفتیین میں بالکل انشراح کے ساتھ امارت وقضاء کو جائز قرار دیا ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین کراچی ۵/ ۳۶۹، فتاویٰ دار العلوم ۸/ ۱۴۶)

تراضیٔ مسلمین سے جو قاضی مقرر ہوتا ہے اس سے قاضیٔ جمعہ مراد نہیں

فقہاء کی عبارت "**ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین**" سے قاضیٔ جمعہ ہرگز مراد نہیں ہے بلکہ مطلق قاضی مراد ہے، اس لیے کہ تراضیٔ مسلمین سے قاضی کا تقرر جب درست ہوسکتا ہے کہ جب شدید ضرورت ہو اور اقامت جمعہ کے لیے قاضی کا تقرر ہرگز لازم نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۴۲۷)

نیز جہاں جہاں تراضیٔ مسلمین سے قیام قضاء کا ذکر ہے، وہاں پر اقامت جمعہ و عیدین کے لیے جو عبارت آئی ہے اس کا تعلق ''ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین'' کے ساتھ ہرگز نہیں ہے بلکہ دونوں کا مقصد الگ الگ ہے۔

وأما بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین إقامة الجمع والأعیاد و یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیهم أن یلتمسوا والیا مسلما منهم. (شامی کراچی ٥/٣٦٩، زکریا ٨/٤٣)

اب اس عبارت پر بغور نظر ڈالی جائے تو تین باتیں الگ الگ سمجھ میں آتی ہیں:

(۱) جمعہ وعیدین کے قیام کے لیے باضابطہ مسلم نظام کی ضرورت نہیں، لہٰذا غیر اسلامی حکومت میں جب نظام مسلم عمل میں نہ آسکے تو بغیر نظام والی کے جمعہ وعیدین کا قیام جائز ہے۔

(۲) اگر مسلمان تراضی سے قاضی مقرر کریں گے، تو وہ شرعی قاضی کے دائرے میں

آجائیگا۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/۸۹۴)

(۳) اصالۃً حق تقلید قاضی والی کو حاصل ہے، اس لیے انتخاب والی ان پر لازم ہے، لہٰذا اس عبارت میں قاضیٔ جمعہ وعیدین مراد نہیں بلکہ قاضیٔ مطلق ہی مراد ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۴۲۷)

تراضیٔ مسلمین سے تقرر قاضی پر اشکال

تراضیٔ مسلمین سے انتخاب قاضی کی صحت میں نظر ثانی کی ضرورت ہے، اس لیے کہ کتب فقہ میں اس کے خلاف بے شمار عبارتیں موجود ہیں، جن میں صاف الفاظ سے حکم شرعی کی صراحت موجود ہے کہ تراضیٔ مسلمین سے تقلید قاضی صحیح نہیں ہے، اوراس مدعیٰ پر ہم شامی وخلاصۃ الفتاویٰ اور عالمگیری کی تین عبارتیں بطور نظیر پیش کرتے ہیں:

(۱) علامہ شامیؒ ’’تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر‘‘ کے ذیل میں نقل فرماتے ہیں کہ اگر کسی شہر کے لوگ آپسی تراضی سے کسی کو قاضی بنالیں گے تو وہ شرعی قاضی نہ ہوگا۔

هذا ظاهر في اختصاص تولية القضاء بالسلطان ونحوه كالخليفة حتى لو اجتمع أهل بلدة على تولية واحد القضاء لم يصح. (شامی، کتاب القضاء کراچی ۵/۳٦۸، زکریا ۸/٤۳)

(۲) علامہ طاہر بن احمدؒ خلاصۃ الفتاویٰ میں قریب قریب یہی الفاظ نقل فرماتے ہیں:

اجتمع أهل بلدة وقلد القضاء لرجل لا يجوز ولا يصير قاضيا.

(خلاصة الفتاویٰ ٤/۲)

(۳) فتاویٰ عالمگیری میں محیط سے اسی طرح کی عبارت نقل کی گئی ہے:

وإذا اجتمع أهل بلدة على رجل وجعلوه قاضيا يقضي فيما بينهم لايصير قاضيا. (هنديه زكريا قديم ۳/۳۱٥، جديد ۳/۲۸۳)

لہٰذا تراضیٔ مسلمین سے تولیت قضاء صحیح نہ ہوگی۔

جوابات

اس اشکال کے دو جواب دیئے جاتے ہیں: (۱) مذکورہ تینوں عبارتوں کا مصداق دارالاسلام ہے، غیر دارالاسلام نہیں ہے، کہ دارالاسلام میں اگر سلطان اور والی سے صرف نظر کرکے آپس کی تراضی سے اگر قاضی منتخب کرلیا جائے تو وہاں پر وہ شرعی قاضی نہ ہوگا اس لیے کہ یہ حاکم مسلم کے ساتھ ایک قسم کی بغاوت ہے، اور عالمگیری میں یہ عبارت منجانب سلطان تولیت قضاء کے ضمن میں لائی گئی ہے، اور ان عبارتوں کا موضوع بحث دارالاسلام ہی ہے اور ہم نے جن عبارتوں سے تراضیٔ مسلمین سے تولیت قضاء کا جواز ثابت کیا ہے، وہ سب بلاد کفار سے متعلق ہیں، لہٰذا دونوں قسم کی عبارات کے مصداق ہی بالکل الگ الگ ہیں اس لیے اشکال درست نہ ہوگا۔

(۲) تراضیٔ مسلمین سے تولیت قضاء وہاں پر ناجائز ہے کہ جہاں ضرورت نہ ہو اور جہاں اس کی ضرورت ہے وہاں جائز ہے، اسی وجہ سے علامہ شامیؒ نے مذکورہ عبارت کے بعد متصلاً اس اشکال کو ان الفاظ سے صاف اور بےغبار کردیا ہے:

وهذا حيث لا ضرورة وإلا فلهم تولية القاضي أيضا كما يأتي بعده.

(شامی کراچی ۵/۳۶۸، زکریا ۸/۴۳)

نیز ساتھ ساتھ ''**كمايأتي بعده**'' کے الفاظ سے چند سطور کے بعد جواز کے حق میں آنے والی عبارت:

ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين. (شامی کراچی ۵/۳۶۹، زکریا ۸/۴۳)

کی طرف توجہ بھی دلائی ہے، لہٰذا اشکال میں پیش کردہ عبارتیں بےمحل ہیں بامحل نہیں ہیں۔

قوت عسکری اور قوت قاہرہ نظام قضاء کے لیے شرط نہیں

غیر اسلامی ممالک میں تولیت قضاء کا امکان ہی نہیں ہے اس لیے کہ غیر اسلامی

حکومت میں مسلم قاضی کو قوت عسکری حاصل نہیں ہوتی اور قوت قاہرہ مفہوم قضاء کے لیے جزء لاینفک ہے، اس کے لیے بطور نظیر شرح عقائد نسفی کی ایک عبارت پیش کی جاتی ہے جس کو علامہ شامی نے بھی نقل فرمایا ہے:

المسلمون لابد لهم من إمام يقوم تنفيذ أحكامهم المشروعة و إقامة حدودهم وسد ثغورهم و تجهيز جيوشهم و أخذ صدقاتهم وقهر المتغلبة.

(شرح عقائد مع النبراس ص: ۳۱۰، شامی، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة مطلب: شروط الإمامة الكبرىٰ، کراچی ۱/۵٤۸، زکریا ۲/ ۲۸۰)

اس عبارت سے امیر شریعت اور قاضیٔ شریعت کے لیے قوت تنفیذ صفت لازمہ معلوم ہوتی ہے، اور غیر اسلامی ممالک میں اس قوت کا امکان نہیں ہے، تو بغیر اس کے قاضی کیسے بنایا جاسکتا ہے؟

جوابات

(۱) مذکورہ عبارت میں ”**إقامة حدودهم و سد ثغورهم وتجهيز جيوشهم**“ کے الفاظ پر غور کیا جائے تو یہ بات کہنے پر مجبور ہونا پڑیگا کہ قوت تنفیذ دارالاسلام کے امیر اور قاضی کے لیے صفت لازمہ ہے۔

غیر اسلامی ممالک کے امیر وقاضی کے لیے لازم نہیں ہے، اس لیے کہ سد ثغور وتجہیز جیوش واقامت حدود یہ سب دارالاسلام کے لیے صفات لازمہ ہیں اور ہم جن عبارتوں سے تولیت قضاء کو ثابت کرتے ہیں ان کا دائرۂ عمل دارالاسلام نہیں ہے بلکہ غیر اسلامی ممالک ہی ان کا دائرۂ عمل ہے۔

(۲) قضاء کی دو قسمیں ہیں: (۱) قضاء قہری (۲) قضاء ارادی، قضاء قہری کے لیے قوت تنفیذ شرط ہوتی ہے، اور قضاء ارادی کے لیے قوت تنفیذ شرط نہیں ہوتی ہے، اور قضاء قہری کا تعلق دارالاسلام سے ہوتا ہے، اور قضاء ارادی کے لیے دارالاسلام اور قوت تنفیذ شرط نہیں

ہوتی، اوراشکال میں پیش کردہ عبارت کاتعلق قضاءقہری کے ساتھ ہے، قضاءارادی کے ساتھ نہیں ہے، اور غیراسلامی مما لک میں قضاءارادی ہی کا قیام ہوتا ہے اوراسی تجزیہ کوحضرت تھانویؒ نے امدادالفتاویٰ میں بہت مختصرالفاظ میں نقل فرمایاہے۔(مستفاد: امدادالفتاویٰ ۵/۵۷۹)

اورحدودوقصاص وغیرہ امور کاتعلق قضاءقہری کےساتھ خاص ہے، اورنکاح وطلاق، فسخ وتفریق وغیرہ امورقضاءقہری کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ قضائے ارادی سے بھی ان امورکا فیصلہ ہوسکتا ہے، نیزقوت قہری کا مطلب یہ ہے کہ حاکم کے ہرجائزحکم کی تعمیل عام لوگوں پرلازم ہوتی ہےاورقوت ارادی کا مطلب یہ ہے کہ ہرحکم کی تعمیل لازم نہیں ہوتی ہے بلکہ صرف اسی معاملہ میں لازم ہوتی ہےجوحاکم کے پاس پیش کیاجاتا ہے۔

ہندوستان کےنظام قضاءپراکابرکی عدم موافقت کیوں ہوئی؟

اگرہندوستان میں نظام قضاءجائزہےتوحضرات اکابرنےاس کی مخالف کیوں فرمائی؟

جوابات

اس کےتین جواب دیئے جاتے ہیں:

(۱) جوحضرات قیام امارت اور قیام قضاء کے حامی تھے وہ اس امارت و قضاءکو واجب الطاعت بھی کہتے تھے، جیسا کہ علماء بہارآج بھی اپنی امارت کوامارت قریہ کی طرح واجب الطاعۃ قراردیتے ہیں اورکلی طورپرواجب الطاعۃ ہونے کے لیےقوت تنفیذ اورانصاف المظلوم من الظالم شرط ہے، اور یہ اس امارت و قضاء سےممکن نہیں ہے، اس لیے اکابر نے مخالفت فرمائی ہے، چنانچہ ۱۷/جمادی الاولی ۱۳۶۴ھ میں سہارنپور میں اس مسئلہ پر بحث کرنے کے لیے اساطین امت کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی تھی اوراس میٹنگ میں حضرت اقدس مفتی محمودالحسن صاحب گنگوہیؒ بھی رکن رکین کی حیثیت سےشریک تھے، اورسب نے عدم موافقت پراتفاق کرلیا تھا پھرحضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے ۳۰/رجب

المرجب ۱۳۸۸ھ میں جوازامارت کا فتویٰ صادر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ واجب الطاعۃ ہونے کی نفی بھی کردی ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/۳۳۲،جدید ڈابھیل ۴/۵۷۷)

نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ بھی اس میٹنگ میں رکن رکین کی حیثیت سے شریک تھے لیکن پھر اپنے انشراح کے ساتھ قیام امارت اور نظام قضاء کے جواز پر فتویٰ صادر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ امارت قہری اور قضاء قہری کی طرح کلی طور پر واجب الطاعۃ ہونے کی نفی کردی ہے۔(امداد المفتیین کراچی ۲/۸۹۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکابر کی عدم موافقت کی اصل بنیاد کلی طور پر واجب الطاعۃ کی شرط ہے، ورنہ نفس قضاء کی مخالفت نہیں تھی۔

(۲): تراضئ مسلمین سے تولیت قضاء اس وقت درست ہوسکتی ہے کہ جب غیر مسلم حکومت مسلمانوں کے مطالبہ کے باوجود مسلمانوں کی مرضی کے مطابق مسلم قاضی کا تقرر نہ کرے، اور اگر حکومت غیر مسلم مسلمانوں کی مرضی اور مطالبہ کے مطابق مسلم قاضی مقرر کرتی ہے تو پھر تراضئ مسلمین سے تولیت قاضی صحیح اور درست نہیں ہوسکتی، اور بعض اکابر نے قاضی بل پیش کرنے سے قبل اس کی مخالف فرمائی تھی، چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انگریزی حکومت اپنی فیاضی سے ہر ایک قوم کو مذہبی آزادی عطا فرماتی ہے، اور مذہبی نزاعات کے تصفیہ کے واسطے ہر ایک قوم کے مذہبی قانون کو پیش نظر رکھا ہے، اور چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں سے غفلت ہے کہ انہوں نے اراکین سلطنت کو اس کی طرف توجہ نہیں دلائی، نیز ایک جگہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس فرض حق کو ظاہر کرنے سے غفلت کی ورنہ ممکن نہیں تھا کہ اس طرف توجہ نہ ہوتی، بالجملہ مسلمانانِ ہندوستان کے لیے قاضی کا تقرر نہایت ضروری ہے، نیز بدوں امداد حکومت اگر خود مسلمان کسی کو قاضی بنادیں تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوسکتا، پھر اس کے نیچے حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیملپوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بلاشبہ مسلمانانِ ہند کے لیے قاضی کا تقرر نہایت اہم اور ضروری ہے۔

یہ سب عبارتیں ”فتاویٰ مظاہر علوم ۱/۱۸۳، ۱/۱۸۴“ میں موجود ہیں، ان عبارتوں پر غور کیا

جائے تو صاف واضح ہو جاتا ہے کہ ان اکابر کی مخالفت کی بنیاد یہی تھی کہ جب حکومت کی طرف سے باضابطہ مسلم قاضی کا تقرر ممکن ہے تو پھر تراضئ مسلمین سے بلاضرورت انتخاب قاضی کیونکر درست ہوسکتا ہے، اور تراضئ مسلمین سے ضرورت شدیدہ کے وقت تولیت قضاء جائز ہوتی ہے اور بعد میں جب مسلمانوں نے قاضی بل کا مسئلہ اٹھایا ہے اور حکومت ہند نے اب تک اس کی طرف توجہ نہیں کی ہے تو ضرورت کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے نظام قضاء از خود عمل میں لانا جائز ہو چکا ہے، اور آج اگر وہ اکابر موجود ہوتے تو بلاشبہ اس کی اجازت دیتے۔

اکابر مفتیان کا فتویٰ

جواب (۳) اکابر کے زمانہ میں شہرۂ آفاق دو مفتی موجود تھے: (۱) مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ (۲) مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ ان دونوں حضرات نے اپنے اپنے زمانے میں نہایت انشراح کے ساتھ بوقت ضرورت تراضئ مسلمین سے نظام قضاء کے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔ (ملاحظہ کیجئے کفایت المفتی قدیم ۲/۲۲۲، جدید زکریا مطول ۱۱/۳۳۱، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۸/ ۱۴۶ -۸/ ۱۵۱- ۱۰/ ۲۴۷- ۱۲/ ۲۷۴)

نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی مفتی اعظم پاکستان نے بڑے انشراح کے ساتھ اس نظام قضاء کے جواز پر فتویٰ دیا ہے ملاحظہ ہو۔ (مستفاد: امداد المفتیین مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۲/۸۹۴)

لہٰذا اب ہندوستان میں نظام قضاء کے جواز میں کسی قسم کا تردد نہ ہونا چاہیے۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۷۰۰)

الحیلۃ الناجزۃ لکھنے کی وجہ

سوال [۷۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اگر تراضیٔ مسلمین سے نظام قضاء کا قیام عمل میں آسکتا ہے تو ’’الحیلۃ الناجزۃ‘‘ لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کی وجہ تالیف تین ہیں: (۱) ’’الحیلۃ الناجزۃ‘‘ لکھنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ اکابر کے زمانے میں اگر باضابطہ نظام امارت و نظام قضاء عمل میں آچکا ہوتا تب بھی اس کتاب میں مالکیہ سے لیے گئے مسائل سے کوئی مفر نہیں تھا، اس لیے کہ مسئلہ مفقود میں مسلک حنفی پر عمل بہت دشوار آمیز بات ہے، اور مجنون، متعنت، غائب غیر مفقود وغیرہ کا نکاح حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق تو قاضی فسخ کرسکتا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان مسائل میں قاضی کا فسخ نکاح معتبر نہیں ہے، اور امام محمدؒ کا قول نہایت ضعیف ہونے کی وجہ سے فقہاء نے غیر مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/ ۲۵۹، شامی کتاب النکاح قبیل باب العدۃ کراچی ۳/ ۵۰۱، زکریا ۵/ ۱۷۵، فتح القدیر دارالفکر بیروت ۴/ ۳۰۴، کوئٹہ ۴/ ۱۳۳، زکریا ۴/ ۲۷۲)

تو معلوم ہوا کہ حنفیہ کا اصل مذہب مسلک شیخین ہے جس پر عمل بہت مشکل ہے اور حضرت امام مالکؒ کے یہاں ان تمام مسائل میں سہولت کا پہلو اختیار کیا گیا ہے، جس کی اس زمانہ میں حنفیہ کو بھی سخت ضرورت ہے، اس لیے اپنے مذہب سے عدول کرکے ان مسائل کو مسلک مالکی سے لیا گیا ہے اور ’’الحیلۃ الناجزۃ‘‘ میں مسلک مالکیؒ کے مطابق ان تمام مسائل کی تفصیل لکھی گئی ہے تاکہ لوگ ان مسائل سے ناواقف نہ رہیں اور وقت ضرورت ان سے کام لے سکیں، اور مقدمہ میں خود حضرت تھانویؒ نے وجہ تالیف یہی تحریر فرمائی ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۱/ جدید امارت شرعیہ ہند ۲۴)

اور اسی وجہ سے حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحبؒ جو الحیلۃ الناجزۃ کے مؤلف ہیں، انہوں نے جوازِ امارت ونظام قضاء کا فتویٰ دیا ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین کراچی ۲/ ۸۹۴)

لہٰذا ’’الحیلۃ الناجزۃ‘‘ کی وجہ سے باب نظام قضاء پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا اور نظام قضاء قائم ہونے کے بعد بھی مذکورہ مسائل میں قاضی کو مسلک مالکی کے مطابق فیصلہ کرنا پڑیگا۔

(۲) اس زمانہ میں امارت کا قیام عمل میں نہ آسکا تھا اور جس امارت پر مسئلہ اٹھایا گیا تھا اس میں واجب الطاعۃ ہونے کی قید بھی تھی، جو امارت قہریہ کی صفت ہے، اور امارت قہریہ کا قیام ممکن نہیں اس لیے مذہب مالکی کو اختیار کر کے جماعت مسلمین کی تجویز عمل میں آئی ہے جیسا کہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے شروع میں علماء بہار کی تصدیق کے ذیل میں حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی نے یہی علت نقل فرمائی ہے۔ (تصدیقات الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص: ۱۵، جدید امارت شرعیہ ہند ص: ۳۱۶)

اور حضرت مفتی صاحب موصوف نے الحیلۃ الناجزۃ کے بالکل آخری صفحہ کے حاشیہ کے تحت عربی عبارت میں نقل فرمایا ہے کہ تراضیٔ مسلمین سے قاضی بنانا اس لیے مشکل ہے کہ اس سے معارضہ اور بدعنوانیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ (الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۱۳۶، جدید امارت شرعیہ ہند ۲۹۰)

اور اب چونکہ باقاعدہ امارت کا قیام عمل میں آچکا ہے اگرچہ امارت ارادی ہی کیوں نہ ہو تو اس کے زیر تحت نظام قضاء کا چلانا ممکن ہے، اس لیے الحیلۃ الناجزۃ کا اشکال نہ ہونا چاہیے۔

(۳)

تلفیق کی بحث

مذہب غیر پر عمل کرنے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ تلفیق خارق اجماع لازم نہ آئے اور اگر خارق اجماع تلفیق لازم آجائے تو بالاتفاق مذہب غیر پر عمل جائز نہیں ہے، اور تلفیق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عمل واحد میں تلفیق: اس کی یہ شکل ہوتی ہے کہ ایک ہی عمل کے بعض حکم اپنے مذہب سے لیے جائیں اور بعض مذہب غیر سے مثلاً شافعیہ کے یہاں وضو میں ترتیب لازم ہے اور ربع سر کا مسح لازم نہیں، اور حنفیہ کے یہاں ترتیب لازم نہیں اور ربع سر کا مسح لازم ہے، تو اگر کوئی شخص بے ترتیب وضو کرتا ہے اور ربع سر سے کم مسح کرتا ہے تو یہ عمل واحد میں تلفیق ہے اور یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۲) دو عمل جداگانہ ہوں اور ان میں تلفیق کی جائے، مثلاً ربع رأس سے کم مسح

کرے اور فاتحہ خلف الامام نہ پڑھے تو وضو شافعیہ کے مذہب پر ہوا، اور نماز حنفیہ کے مذہب پر لیکن وضو اور نماز دونوں الگ الگ عمل ہیں اور یہ تلفیق ممنوع تو نہیں لیکن مستحسن بھی نہیں ہے، اسی طرح الحیلۃ الناجزۃ میں دوشئ الگ الگ ہیں:

(۱) جماعۃ المسلمین اور قاضئ مسلم

(۲) وہ مسائل جن میں مسلک حنفی پر عمل کرنا دشوار ہے، اب اگر ان مسائل کو مالکیہ سے لیا جائے اور نظام قضاء کو حنفیہ سے تو تلفیق کی دوسری قسم لازم آتی ہے، جو اگر چہ جائز ہے لیکن مستحسن نہیں ہے، اس لیے دونوں چیزوں کو مالکیہ سے لے کر الحیلۃ الناجزۃ کی تالیف کی گئی ہے اور یہی وجہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' صفحہ ۲۶ ر میں لکھی گئی ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص:۴، جدید امارت شرعیہ ہند ص:۲۸)

تو معلوم ہوا کہ تلفیق کی دوسری قسم سے بچنے کے مذکورہ مسائل کے ساتھ ساتھ قاضی کے بجائے جماعۃ المسلمین کو اختیار فرمایا ہے، اسی وجہ سے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں یہ امر بھی بہت مستحکم طور پر نقل فرمایا ہے کہ اگر کسی جگہ حنفی اور مالکی دونوں مذہب کے الگ الگ قاضی موجود ہوں تو حنفی مذہب کے لوگ مذکورہ مسائل میں حنفی قاضی کے یہاں اپنا مقدمہ نہ پیش کریں بلکہ مالکی قاضی کے یہاں پیش کیا کریں، اور حنفی قاضی کے یہاں ان مسائل کا مقدمہ آجائے تو خود مالکی مذہب کے مطابق فیصلہ نہ کرے بلکہ مالکی قاضی کے یہاں بھیج دیا کرے۔ (مستفاد: حاشیۃ الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص:۲۳، جدید امارت شرعیہ ہند ص:۵۳)

تاکہ کسی طرح کی تلفیق لازم نہ آجائے اور اسی وجہ سے حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ دہلویؒ، حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحب بہاریؒ جو نظام امارت وقضاء کے حامی تھے، الحیلۃ الناجزۃ لکھنے کے دوران جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ میں تھانہ بھون تشریف لے جاکر اس مسئلہ پر باقاعدہ بحث وتمحیص فرمائی ہے اور مذکورہ علتوں کی بناء پر الحیلۃ الناجزۃ کی موافقت فرمائی ہے، لیکن قیام نظام قضاء کا انکار بھی نہیں فرمایا ہے، کیونکہ دونوں مسئلے اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور اس کے بعد یہ تینوں حضرات موقع بموقع نظام قضاء

کی ترغیب فرماتے رہے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ نے اپنے حلقہ میں باقاعدہ امارت کا قیام فرمایا اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ۱۳۵۵ھ میں نظام قضاء کے جواز کا فتویٰ دیا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲/۲۲۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۳۳۱)

اور حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ نے اپنے خطبہ صدارت میں اس کی ترغیب دی۔ (تذکرہ جمعیۃ علماء ہند بحوالہ امامت وامارت کا تصور ص: ۵۷)

اور الحیلۃ الناجزۃ کی تالیف میں تعاون بھی فرمایا ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص: ٦، جدید امارت شرعیہ ہند ص: ۳۱)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۷۰۳)

نظام قضاء کے بعد مذہب مالکی کے مطابق جماعت مسلمین کی عدم ضرورت

سوال [۸۷۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فقہ حنفی میں قوت قاہرہ ومنفذہ کے بغیر اگر قاضئ شرع ہونے کی گنجائش نکلتی ہے تو کیا پھر بھی فقہ مالکی کے مطابق جماعت مسلمین کا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت رہتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلک حنفی کے مطابق نظام قضاء کا قیام بغیر قوت قاہرہ کے جائز اور درست ہے، اس لیے کہ قاضی کا فیصلہ الگ چیز ہے اور اس فیصلہ کے مطابق حکم کی تنفیذ امر آخر ہے، اس لیے دونوں چیزوں کی ذمہ داری دو شخص الگ الگ طور پر لے سکتے ہیں، مثلاً فیصلہ قاضی کی طرف سے صادر ہو جائے اور اس کی تنفیذ فوجداری محکمہ وغیرہ کردے، یا ایک قاضی فیصلہ کردے اور یہ فیصلہ کتاب القاضی الی القاضی کے طور پر دوسرے ایسے قاضی کے پاس پہنچ جائے جس کو حق تنفیذ بھی حاصل ہے تو دوسرا قاضی اس

فیصلہ کی شرائط ملحوظ رکھ کر تنفیذ کرسکتا ہے، اور اسی کو تنفیذ شرعی کہا جاتا ہے، نیز اگر ایک قاضی کو فیصلہ اور تنفیذ دونوں حق حاصل ہیں، تو فیصلہ کے ساتھ ساتھ تنفیذ حکم بھی کرسکتا ہے، اس کو علامہ شامی نے بہت واضح الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

قالوا وإذا رفع إليه قضاء قاض أمضاه بشروطه وهذا هو التنفيذ الشرعي. (شامی، کتاب القاضی، مطلب: فی التنفیذ کراچی ۵/۳۵۳، زکریا ۸/۲۱)

نیز اس جیسے دلائل ماقبل میں الزام اور قوت عسکری کی بحث میں گذر چکے ہیں، لہٰذا اب جب حنفی مسلک کے مطابق باقاعدہ قاضیٔ شرعی کا تقرر جائز ہے تو عدول عن المذہب کر کے مالکی مسلک کے مطابق جماعت مسلمین کو اختیار نہ کرتے ہوئے قاضیٔ حنفی کو اختیار کرنا بہتر ہوگا۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۰۴/۲۷)

مقام واحد میں تعدد قضاۃ

سوال [۷۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مقام پر متعدد قاضی ہوسکتے ہیں یا صرف ایک؟ متعدد قاضی ہونے کی صورت میں اگر اختلاف کی صورت پیش آجائے تو فیصلہ کی صورت کیا ہوگی؟

المستفتی: معز الدین خادم ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلک حنفی کے مطابق ایک شہر میں متعدد قضاۃ کا ایک ساتھ تقرر کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اور اس میں دو صورتیں عمل میں آسکتی ہیں۔

(۱) ایک مقام میں کئی قضاۃ ایک ساتھ یکساں ذمہ داری انجام دینے کے لیے مقرر کیے جائیں تو ان میں سے ہر ایک کا بوقت فیصلہ موجود ہونا اور سب کی رائے کا متفق ہونا شرط

ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک بھی موجود نہ ہو یا کسی کی رائے میں اختلاف ہو تو فیصلہ معتبر اور لازم نہ ہوگا۔ اور اس حکم کو عالمگیری میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

السلطان إذا قلد قضاء ناحية إلى رجلين فقضىٰ أحدهما لايجوز كالوكيلين. (هنديه، زكريا قديم ۳/ ۳۱۷، جديد ۳/ ۲۸۵)

اور فتاویٰ بزازیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

فوض قضاء ناحية إلى رجلين لايملك أحدهما القضاء. (الفتاوىٰ البزازيه زكريا ۲/ ٦٩، و على هامش الهندية زكريا ٥/ ١٣٤)

(۲) ایک شہر کے مختلف محلوں کے لیے کئی قاضیوں کو الگ الگ مقرر کر دیا جائے تو ہر ایک قاضی مستقل بالحکم ہوگا، کسی ایک کا فیصلہ دوسرے کی رائے پر موقوف نہ ہوگا، اور اسی طرح اگر کسی کو بعض معاملات کے فیصلہ کے لیے اور دوسرے کو بعض دوسرے معاملات کے لیے مقرر کیا جائے تو ایسی صورت میں بھی ایک کا فیصلہ دوسرے پر موقوف نہ رہے گا اور فتاویٰ عالمگیری میں یہ حکم اس طرح موجود ہے۔

ولو قلدهما على أن يتفرد كل واحد منهما بالقضاء يجوز. (هنديه زكريا قديم ۳/ ۳۱۷، جديد ۳/ ۲۸۵)

اور اگر ایک شہر میں الگ الگ دو قاضی ہوں اور کسی مقدمہ کے فریقین میں سے مدعی کہتا ہے کہ فلاں قاضی (زید) کے پاس معاملہ پیش کیا جائے اور مدعی علیہ کہتا ہے کہ اس کے پاس نہیں بلکہ دوسرے قاضی (بکر) کے پاس پیش کیا جائے تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مدعی کی رعایت کر کے مقدمہ زید کے پاس پیش کرنا لازم ہے، اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مدعی علیہ کی رعایت کر کے بکر کے پاس پیش کرنا لازم ہے، اور امام محمدؒ کے قول کا صحیح اور مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔

لوكان في المصر قاضيان كل على محلة على حدة فالعبرة للمدعى عند أبي يوسف وللمدعى عليه عند محمدؒ وهو الصحيح. (مجمع الأنهر ۲/ ١٥١)

آخر میں ایک اہم مشورہ

اب اخیر میں ایک مشورہ یہ ہے کہ ایک شہر میں ایک قاضی بنانے میں بدعنوانیاں پیدا ہوسکتی ہیں اس لیے اگر ایک شہر میں ایک قاضی کے بجائے متعدد قاضی مقرر کردیئے جائیں اور ان کو اس طرح پابند کردیا جائے کہ ہر معاملہ میں سب ایک ساتھ بیٹھ کر فیصلہ کیا کریں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں اس طرح کی جزئیات موجود ہیں تاکہ کوئی حکم غلط صادر نہ ہو جائے اور وقت ضرورت ایک دوسرے کے معاون رہیں تو ایسا کرنا بہتر ہوگا۔ (مستفاد: عالمگیری زکریا قدیم ۳/۳۱۷، جدید۳/۲۸۵، بزازیہ زکریا۲/ ۶۹، وعلی ہامش الہندیہ زکریا۵/۱۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۷۰۵)

محکمۂ شرعیہ کی حیثیت

سوال [۷۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض اینکہ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب زید مجدہم کے زیر سرپرستی اسلامی پنچایت مجلس دعوۃ الحق ہردوئی میں قائم ہے، اس میں فسخ نکاح وغیرہ کے معاملات طے پاتے ہیں اس اسلامی پنچایت میں مدعیہ نے ۱۶؍جون ۱۹۹۶ء کو اپنے فسخ نکاح کی اپیل کی ہے اس کی کارروائی پر مدعی علیہ حاضر ہوا اور عرضی دعویٰ کی جواب دہی کے بجائے اس نے درخواست دی کہ ہمارا مقدمہ دار القضاء سیتاپور میں برائے رخصتی زیر سماعت ہے، لہٰذا یہاں کی اسلامی پنچایت سے مقدمہ خارج کردیا جائے اور دار القضاء سیتاپور کا اطلاعی فارم نمبر (۱) بھی پیش کیا جس کے دیکھنے سے یہ ظاہر ہوا کہ شوہر مدعی علیہ نے ۱۵؍جنوری ۱۹۹۶ء کو وہاں کی شرعی عدالت میں اپیل کردی تھی، اور ۷؍اپریل ۹۶ء کو وہاں کی شرعی پنچایت کی جانب سے

مدعیہ کے نام کاروائی کی گئی لیکن مدعیہ کے بقول اس کو کسی قسم کی دار القضاء سیتاپور سے اس کے مقدمہ کی کارروائی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں۔

لہٰذا اب ایسی صورت میں کیا کارروائی ہونی چاہیے؟ آپ سے گذارش ہے کہ اپنی رائے عالی اور قیمتی مشورہ سے سرفراز فرمائیں؟

المستفتی: شفقت اللہ، خادم اشرف المدارس ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعدہ عرض اینکہ یہ خاکسار آپ کی اور حضرت والا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی دعا سے بخیر وعافیت ہے۔

جب اسلامی پنچایت ہردوئی کو باقاعدہ اس کا ثبوت مل چکا ہے کہ فریقین کا معاملہ دار القضاء سیتاپور میں چل رہا ہے اور یہاں سے ٦ ؍ ماہ قبل سے وہاں مقدمہ چل رہا ہے تو دار القضاء سیتاپور ہی میں معاملہ چلنا چاہیے، یہاں سے خارج کر دینا چاہیے، مدعیہ عدم علم کا دعویٰ ہی کیوں نہ کر رہی ہو، البتہ اگر سیتاپور دونوں فریق کو بآسانی حاضر ہونا دشوار ہے تو کتاب القاضی الی القاضی کے اصول سے وہاں سے فائل منگوا کر ہردوئی میں کارروائی کی جاسکتی ہے۔

حضرت اقدس محی السنۃ شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں بہت بہت سلام اور دعا کی درخواست پیش فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠ ؍ ربیع الثانی ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٤٧٦٣)

محکمۂ شرعیہ کی حیثیت

سوال [٧٥٨١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل دار القضاء سیتاپور جس میں محکمۂ شرعیہ کو بھی ختم کر دیا گیا ہے قریب دوسو مقدمہ ہیں کوشش اس بات کی کی جاتی ہے کہ چار مہینہ میں مقدمہ کا فیصلہ کر دیا جائے اس کے

لیےضروری کارروائی تیزی سے کی جاتی ہےاور اللہ کاشکر ہے کہ اکثر مقدمات کا چار مہینہ کی مدت میں فیصلہ ہو جاتا ہےاب ایک مقدمہ بوجہ عدم ادائیگی نان نفقہ ہماری عدالت میں پیش ہے،مدعی علیہ نے صاف لفظوں میں محکمہ شرعیہ کے فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا ہے، اس کا کہنا ہے کہ ہم اس فیصلہ کو ماننے کے پابند نہیں ہیں آپ سے عرض یہ کرنا ہے کہ حیلۂ ناجزہ کا یہ فیصلہ کہ تین آدمیوں کی پنچایت بھی اس فیصلہ کو کرسکتی ہے، اگر فریق ثانی اس کو ماننے سے انکار کردے تو شرعی پنچایت کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ اس کا کسی کتاب میں ذکر نہیں ملا، آپ نے قضا کے سلسلے میں بہت سی جزئیات کو جمع کیا ہے، اس لیے درخواست ہے کہ اس جزئیہ کو اگر آپ کے علم میں ہو تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، اصل یہ ہے کہ قریہ قریہ پنچایت بن رہی ہے اس کا دارالقضاء یا محکمۂ شرعیہ سے تعلق بھی نہیں ہے، چند نفر جمع ہوئے اور پنچایت ترتیب دے لی، اس صورت میں اگر کوئی انکار کر دے کہ آپ کی پنچایت کا فیصلہ قابل قبول نہیں ہے تو کیا نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ظہیر الاسلام سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو دارالقضاء یا محکمہ شرعیہ مسلم پرسنل لاء بورڈ یا امارت شرعیہ کے ماتحت چلتے ہیں یا ملک کے بااثر علماء اور مسلمانوں کے نمائندہ علماء کے ماتحت چلنے والی پنچایتیں ہیں ان کو نکاح طلاق اور فسخ نکاح وغیرہ مسائل میں قاضیٔ شرعی کی حیثیت حاصل ہے، جب شرعی محکموں میں ایک فریق مذکورہ مسائل میں دعویٰ دائر کریگا تو دوسرے فریق پر محکمۂ شرعیہ کے فیصلہ کو ماننا لازم ہوگا، انکار کی گنجائش نہیں، ہاں البتہ جو پنچایتیں گاؤں گاؤں قریہ قریہ قائم ہیں اور وہ کسی بڑی تنظیم کے ماتحت نہیں ہوتی ہیں وہاں غلط فیصلہ کا بھی بڑی حد تک امکان ہے، وہ سب محض پنچ کے حکم میں ہوتی ہیں، ان کا فیصلہ فریقین کی رضامندی پر موقوف ہے، اب رہا آپ کا سوال کہ کوئی صریح جزئیہ تو تلاش بسیار کے باوجود دست یاب نہیں ہو سکا البتہ مسئلہ متعنت وغیرہ سے قضاء کی حیثیت کا ثبوت واضح ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۱ر ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۶۵)	۱۱/۴/۱۴۱۷ھ

قضاء قاضی کے لیے کن امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے؟

سوال [۷۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہندوستان میں شرعی پنچایت یا محکمۂ شرعیہ کے نام سے جو ادارے قائم ہیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آیا محکمۂ شرعیہ کا فیصلہ قضاء قاضی کے حکم میں ہوگا یا نہیں جبکہ محکمۂ شرعیہ کے پاس قوت تنفیذ نہیں ہے؟

(۲) کیا قاضیٔ شرع برائے نزاعات کے تقرر کے لیے عمومی اجلاس ضروری ہے یا صرف خواص بھی اس کا تقرر کر سکتے ہیں؟

(۳) کیا قاضی کے تقرر کے لیے اتفاق رائے ضروری ہے یا کثرت رائے پر بھی تقرر کیا جا سکتا ہے؟

(۴) قوت قاہرہ سے کیا مراد ہے؟

(۵) کیا قیام قاضی کے لیے قوت قاہرہ شرط ہے؟

(٦) کیا قضاء اور تنفیذ دونوں امور ایک ہی فرد کے لیے ضروری ہیں، اگر قوت تنفیذ نہ ہو تو قضاء قاضی معتبر ہوگا؟

(۷) ایسے ممالک میں جہاں حکومت اسلامیہ نہیں ہے تو کیا قاضی کا تقرر برائے تنازعات کیا جا سکتا ہے؟ بالخصوص ان امور میں جن میں قوت قاہرہ کی ضرورت نہ ہو۔

المستفتی: دفتر دارالعلوم اسماعیل نگر، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اس کا فیصلہ تسلیم کر لینا لازم اور واجب ہوتا ہے (۲) اہل حل وعقد وخواص بھی کر سکتے ہیں (۳) کثرت رائے سے بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ یہ کثرت اہل حل وعقد کی ہو (۴) قوت قاہرہ سے قوت عسکری مراد ہے (۵) شرط نہیں ہے (٦) ایک شخص کے لیے ضروری نہیں ہیں بلکہ الگ ہو سکتے ہیں جیسا کہ انڈین عدالت میں حاکم فیصلہ

دیتا ہے اوفوجداری محکمہ اس کونافذ کر کے عمل میں لاتا ہے(۷)جی ہاں قائم کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ: مدلل اس لیے نہیں لکھا ہے کہ یہ تمام مسائل دلائل کے ساتھ ان شاءاللہ تعالیٰ احقر کی کتاب بنام ’’غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء کا تصور‘‘ میں عنقریب شائع ہو کرآنے والے ہیں، الحمد للہ کتابت ہوچکی ہے آپ ایک ماہ کے بعد ایک خط یاد دہانی کے لیے روانہ کردیں ان شاءاللہ آپ کو بھیج دیں گے۔؟ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
یکم ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۹۰)	۱/۴/ ۱۴۱۴ھ

امارت شرعیہ سلطان کے قائم مقام ہے یا قاضی کے؟

سوال [۷۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دہلی کی امارت شرعیہ کا جو مقام ہے وہ قائم مقام سلطان ہے یا قائم مقام مقامی قاضیٔ اسلام ہے؟

المستفتی: محمد بخدابخش گوبند پور۲۴ر پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ امارت شرعیہ یاہلال کمیٹی قائم مقام سلطان کے ہے، غیر اسلامی ممالک میں جب باقاعدہ اور باضابطہ امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آجائے تواس کے سربراہ کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی رضامندی سے کوئی قاضی مقرر کردے۔(مستفاد: ایضاح النوادر۲/ ۱۲۹)

کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة الآن یجب علی المسلمین أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولي قاضیا. (شامی، کتاب القضاء، مطلب: فی حکم تولیة القضاء فی بلاد تغلب علیها

الکفار، کراچی ۳٦٩/٥، زکریا ٤٣/٨، فتح القدیر، دار الفکر بیروت ٢٦٤/٧، کوئٹہ ٣٦٥/٦، زکریا ٢٤٦/٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۱۴۴۱/۶۴۴۱)

قاضی یا امام کا متبع شریعت اور مسائل شرعیہ سے واقف ہونا لازم ہے

سوال [۷۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں شہر جے پور میں راجہ کے زمانے کے شہر کے ایک قاضی مقرر ہیں جو شہر میں ہونے والے نکاحوں کے پڑھانے اور عیدگاہ میں عیدین کی نماز کے ذمہ دار ہیں جب ان کو قاضی مقرر کیا گیا تھا اس وقت جے پور شہر میں علماء تو درکنار مساجد میں صحیح قرآن پڑھنے والے امام صاحبان بھی مہیا نہیں تھے، قاضی صاحب خود نہ تو عالم ہیں نہ حافظ، نہ زیادہ دینی مسائل سے واقف، یہی وجہ ہے کہ وہ خود نکاح نہیں پڑھاتے اور نہ عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں، چند لوگوں کو انہوں نے اپنا نائب مقرر کر رکھا ہے، انہیں سے نکاح پڑھواتے ہیں اور انہیں سے عیدین کی نماز پڑھوا لیتے ہیں، لیکن دو سال سے انہوں نے اپنے ایک لڑکے کو اپنا جانشین مقرر کر دیا ہے، اور عیدگاہ میں اسی سے عیدین کی نماز پڑھواتے ہیں، وہ لڑکا بھی نہ عالم ہے نہ حافظ ہے نہ زیادہ دینی معلومات رکھتا ہے، قرآن بھی تجوید سے نہیں پڑھتا، انگریزی اسکول میں پڑھا ہوا ہے پہلے وہ تقریبات میں ڈانس بھی کرتا تھا، اب جے پور شہر میں اللہ کا شکر ہے کہ بہت سے علماء، حفاظ ومفتیان کرام ہو گئے ہیں، لہٰذا شہر کے علماء کو ان کی امامت سے اختلاف ہے، اور رمضان المبارک میں جو سفراء مدارس اسلامیہ سے آتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ عیدگاہ کا امام عالم ہونا چاہیے، مذکورہ بالا حالات میں چند باتیں دریافت طلب ہیں: (۱) شہر کا قاضی کیسا شخص ہونا چاہیے؟ (۲) نکاح پڑھانے کا حق صرف مقررہ قاضی کو ہی

ہے یا دیگر علماء کرام بھی پڑھا سکتے ہیں؟ (۳) عیدگاہ میں عیدین کا امام جو کہ پورے شہر کی نمائندگی کرتا ہے کیسا ہونا چاہیے؟ (۴) قاضی صاحب کے لڑکے کو صرف صاحبزادگی کی بنیاد پر جو کہ غیر عالم ہے علماء و مفتیان کرام کے موجود ہوتے ہوئے عیدگاہ کا امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: اصغر احمد خان، انوار حسین جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قاضی ہو یا امام متبع شریعت اور مسائل شرعیہ سے واقف ہونا چاہیے اور امام بھی ایسا ہونا چاہیے جو قرآن کریم کو صحیح طریقہ سے پڑھتا ہو، اس قاضی کو جس زمانہ میں قاضی بنایا گیا تھا، اس وقت اصول شرع کا خیال نہیں رکھا گیا تھا، اس لیے کہ شہر جے پور جس میں بڑی مسلم آبادی ہے ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہاں کوئی صحیح قرآن پڑھنے والا نہ رہا ہو، نیز جو لوگ موروثی طور پر شہروں میں قاضی یا امام کی حیثیت سے مقرر ہوتے آئے ہیں اگر وہ ان عہدوں اور منصبوں کے شرعی طور پر اہل نہیں ہیں تو ہندوستان میں ایسے قاضی اور ایسے امام کی پیروی اور اتباع کرنا لازم نہیں ہے، ہر شہر اور ہر علاقہ کے مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اپنے مسائل کے حل کے لیے اہل علم اور شریعت کے ذمہ دار علماء کا انتخاب کریں اور پھر اس عالم پر سب لوگ متفق ہو جایا کریں نیز جہاں پر مسلمانوں کے اتفاق سے تجربہ کار متبحر عالم دین کو عہدۂ امامت یا عہدۂ قضاء پر مقرر نہیں کیا گیا ہے وہاں مسلمان موروثی امام اور قاضی کے پابند نہیں ہیں بلکہ اپنے مسائل کا حل قابل اعتماد علماء سے حاصل کریں اور قابل اعتماد علماء سے اپنا نکاح وغیرہ پڑھوائیں، اور جامع مسجد اور عیدگاہ کے لیے متبع شریعت عالم کا انتخاب کر لینا چاہیے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۱۲)

وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم الخ. (شامی، كتاب القاضی، مطلب أبو حنيفة دعی إلى القضاء ثلاث مرات فأبى، كراچی ٥/٣٦٩، زكريا ٨/٤٣، البحر الرائق كوئٹه ٦/٢٧٤، زكريا ٦/٤٦١،

تاتارخانية زكريا ۹/۱۱۱ رقم: ۱۵۳۴۱، فتح القدير، دار الفكر بيروت ۲٦٤/۷، كوئٹه ۳٦٥/٦، زكريا ۲٤٦/۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۴۵/۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۱۵ھ

دھوکہ باز کو قاضی متعین کرنا

سوال [۷۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جو عالم ہے اگر دو سال سے کم عمر کا جانور ذبح کر کے دھوکہ دیتا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آیا ایسے شخص کو قاضیٔ شہر منتخب کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر قاضیٔ شہر منتخب ہوا اور وہ ایسی حرکت کرے تو اس کی اتباع جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ کوئی فیصلہ کرے تو اس کو مانا جائیگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں دھوکہ دہی کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے، سائل کا صرف کسی عالم کو متعین کرنا یہ درست نہیں ہے، دھوکہ دینے والا خواہ کوئی بھی ہو، شرعاً دھوکہ دہی ناجائز ہے، پھر سائل کا مزید یہ پوچھنا کہ ایسے شخص کو قاضیٔ شہر منتخب کرنا پھر اس کی اتباع کے بارے میں پوچھنا اس سلسلے میں ان لوگوں سے پوچھا جائے جو اپنے شہر کا قاضی منتخب کرنے والے ہیں، ہم صرف اتنی بات کہہ سکتے ہیں کہ شہر کا قاضی ہو یا مسجد کا امام متبع شریعت ہونا چاہیے۔

قال عليه الصلاة والسلام: من غشنا فليس منا. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ۷۰/۱، بيت الافكار رقم: ۱۰۱)

إن الفاسق ليس بأهل للقضاء فلايصح قضاؤه لأنه لايؤمن عليه لفسقه وهو قول الثلاثة واختاره الطحاوي، قال العيني: وينبغي أن يفتى به خصوصاً في هذا الزمان. (شامي، كتاب القضاء، مطلب: في حكم القاضي الدرزي والنصراني كراچی ۳۵۵/۵-۳۵٦، زكريا ۲۵/۸)

ثم أفضل هؤلاء أعلمهم بالسنة و أفضلهم ورعاً. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فی بيان من هو أحق بالإمامة، زكريا ۱/ ۳۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۲۳/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۴/ ۱۴۲۹ھ

کیا فیصلہ کی کاپی ہر فریق کو ملنی چاہیے؟

سوال [۷۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فریقین کے درمیان فیصلہ ہوا تو ہر فریق کو فیصلہ کی کاپی ملنی چاہیے؟

المستفتی: شبیر احمد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فریقین کے درمیان فیصلہ ہوا تو فیصلہ کی کاپی جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اس کو ملنی چاہیے، اور مصالحت کی صورت میں دونوں فریق کو ملنی چاہیے۔

والحجة ما عليه علامة القاضي أعلاه و خط الشاهدين أسفله و أعطى للخصم. (شامی، کتاب القضاء مطلب: فی العمل بالسجلات، کراچی ۳۶۹/۵، زکریا ۴٤/۸)

وفي وضع آخر ينبغي للقاضي أن يعتذر للمقضى عليه ويبين له وجه قضائه و يبين له أنه فهم حجته ولكن الحكم في الشرع كذا يقتضي القضاء عليه …… و من يسمع يخل فربما تفسد العامة عرضه وهو برئ و إذا أمكن إقامة الحق مع عدم إيغار الصدور كان أولىٰ. (شامی، کراچی ۳۷٦/۵، زکریا ۵٤/۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۰۸۰/۳۴)

فیصلہ کے لیے فریقین کا موجود ہونا لازم ہے

سوال [۷۵۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رامپور میں آپ نے ایک مقام پر میٹنگ میں یہ فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے معاملات کو سلجھانے کے لیے شرعی عدالتوں کا سہارا لینا چاہیے، سرکاری عدالتوں میں نہ جائیں، شرعی عدالتوں میں شرعی طور پر فیصلے ہوتے ہیں جو باعث فلاح اور ثواب ہیں، میرا ایک معاملہ تھا جو میں نے مقامی شرعی عدالت میں رکھنا چاہا جو کہ مبلغ ۳۰۰/روپئے بطور اخراجات لیتے ہیں، توانچارج (صدر) مفتیٔ شرعی عدالت نے یہ کہہ کر مجھے مایوس کر دیا کہ فیصلہ کرانے کے لیے دونوں فریقوں کو آنا چاہیے، جبکہ اصولاً یہ بات غلط، غیر قانونی اور غیر اصولی ہے، معاملہ میرے پڑوس کی ایک مسجد کے متولی کے قطعی غیر قانونی عمل اور اسلامی اخلاق کے برتاؤ کے قطعی خلاف ہے، میں ایسا سمجھ رہا ہوں کہ منع کرنے والے مفتی صاحب کو خوف خدا کی جگہ خوف انسان یا متولی یا اس کے خاندان کا رہا، اس خط کے ذریعہ آپ کی آراء کو جاننا چاہتا ہوں، تاکہ مفتی مذکور سے کہہ سکوں آپ اس میں رہنمائی فرمائیں میں معاملہ کو شرعی عدالت کے ذریعہ سلجھانا چاہتا ہوں، چونکہ سرکاری عدالتیں بغیر جھوٹ اور رشوت کے نہیں چلتی ہیں، اور میری عمر ۷۶ سال ہے خوف خدا ہے ورنہ اب تک عدالت نگینہ منصفی جا سکتا تھا، رائے ضرور تحریر فرمائیں؟

المستفتی: عبدالمالک نگینہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میں نے ٹانڈہ ضلع رامپور میں دورانِ گفتگو اور سوال وجواب کے درمیان صاف طور پر یہ بات کہی تھی کہ وہ مسائل جو خاص طور پر مسلمانوں کے عائلی معاملات یعنی میاں بیوی کے معاملات سے تعلق رکھتے ہوں ان کا حل محکمۂ شرعیہ اور شرعی پنچایت کے ذریعہ سے کرانا چاہیے، عدالتوں میں جا کر فریقین اپنے پیسے برباد نہ کریں اور یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ جائیداد اور مالی معاملات کا حل محکمۂ شرعیہ اور شرعی پنچایت

کے بس کی بات نہیں ہے اس لیے کہ محکمۂ شرعیہ اور شرعی پنچایت کے پاس قوت عسکری موجود نہیں ہے اس لیے مالی معاملات سے متعلق مفتی سے فتویٰ لیا جا سکتا ہے، مفتی مسئلہ بتلا دیں گے عمل کرنا نہ کرنا صاحب معاملات کا کام ہے اس لیے کہ مفتی کا فتویٰ فیصلہ نہیں ہوتا ہے بلکہ شریعت پر عمل کرنے کا راستہ بتلانا ہوتا ہے۔

نیز سوال میں جو لکھا گیا ہے کہ دونوں فریق کو آنا چاہیے یہ بات درست اور صحیح ہے، جہاں بھی محکمۂ شرعیہ قائم ہے وہاں کے محکمہ پر لازم ہے کہ صرف ایک فریق کا بیان سن کر فیصلہ نہ کرے، بلکہ دونوں فریق کی بات سننے کے بعد ہی فیصلہ کی اجازت ہوتی ہے، لہٰذا مفتی صاحب نے صحیح کہا ہے کہ ایک طرفہ بیان سن کر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

ولا یقضی علی غائب ولا له، أی لا یصلح بل لا ینفذ علی المفتی به.

(شامی، کتاب القضاء مطلب: فی أمر الأمیر وقضائه، کراچی ۵/۴۰۹، زکریا ۸/۱۰۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۴/۱۴ھ

ناحق فیصلہ کرنے کا حکم

سوال [۷۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مدعی کے مدعیٰ علیہ کے اسٹیٹ میں دو طویلے، گودام، روم وغیرہ کے ساتھ تھے، ایک طویلہ تقریباً ۶۲/سال ہوئے، پگڑی سے رکھا تھا، دوسرا طویلہ ۲۰۰۴ء میں خرید کر رکھا تھا، جس کا ٹرانسپورٹ مدعی علیہ نے مدعی کے پاس سے تقریباً گیارہ، بارہ لاکھ روپئے لیے تھے، ایک روم تھا جس کا ٹرانسپورٹ تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپئے لیے تھے۔

(۲) ۲۰۰۶ء میں اسٹیٹ مالک نے چاہا کہ یہاں سے سارے طویلے نکال کر یہاں پر آئی ٹی پارک بنواؤں، اس کے لیے مدعی علیہ نے مدعی کو بلا کر کہا، آپ کو دو طویلے، روم وغیرہ

کے عوض بارہ ہزار سات سو پچاس فٹ کا ایریا دوں گا، اور تیرہ کار پارکنگیں اور اس کے بننے تک ماہانہ ایک لاکھ دس ہزار روپے کرایہ دوں گا، اور چوبیس ماہ میں بنا کر اس کا قبضہ دیدوں گا، یہ مدعیٰ علیہ کا مدعی سے عہد پیمان ہوا، اس پر مدعی نے اپنی جگہ خالی کر کے مدعیٰ علیہ کو سونپ دی۔

(۳) مدعیٰ علیہ نے مدعی کو بارہ ہزار سات سو پچاس فٹ ایریا دیا تھا، اس میں سے مدعی نے دو ہزار سات سو فٹ جگہ بیچ دی، اور دس ہزار پچاس فٹ جگہ کا مدعی علیہ نے مدعی کو دستاویز کر کے دیدی، اور تیرہ کار پارکنگیں دیں۔

(۴) مدعی نے مدعی علیہ کے ساتھ ساڑھے چار ایکڑ زمین میں پندرہ پیسے کی حصہ داری کی ۲۰۰۸ء میں مدعی نے مدعی علیہ کو حصہ داری کے ایک کروڑ اکیس لاکھ روپے دیئے تھے۔

(۵) ۲۰۰۸ء میں مدعی علیہ کے ساتھ ساڑھے سات ایکڑ زمین میں دس پیسے کی حصہ داری کی تھی، جس کے مدعی نے مدعی علیہ کو چھیالیس لاکھ روپے دیئے تھے۔

(۶) ۲۰۰۸ء مدعی نے مدعی علیہ کے ساتھ آئی ٹی ٹو میں بیس پیسے کی حصہ داری کی تھی، جس میں مدعی نے مدعی علیہ کو ایک کروڑ بیس لاکھ روپے دیئے تھے۔

(۷) مدعی نے مدعیٰ علیہ کے پاس سے دو فلیٹ رکھے تھے، جس کی قیمت پچاسی لاکھ روپئے مدعیٰ علیہ کو دیئے تھے، یہ بھی ۲۰۰۸ء میں رکھے تھے۔

(۸) مدعیٰ علیہ نے دس ہزار پچاس فٹ جگہ کا کرایہ عہد و پیمان کے مطابق اڑتیس ماہ تک دیا، پھر کرایہ دینا بند کر دیا۔

(۹) مدعیٰ علیہ نے چوبیس ماہ میں بنا کر دینے کا وعدہ کیا تھا، چوبیس کی جگہ، چالیس ماہ ہو گئے لیکن نہ کرایہ دیتا ہے نہ جگہ کا قبضہ۔

(۱۰) مدعی نے مجبوراً قانونی کارروائی شروع کی، جس میں مدعی کے تقریباً ایک کروڑ روپئے خرچ ہو گئے، لیکن کوئی صحیح نتیجہ نہ نکلا، اگر عدالت میں جاتے ہیں تو بیس پچیس سال لگ جاتے ہیں، اس لیے مجبوراً یہ مسئلہ سماج پنچ کو سونپنا پڑا، مدعی نے تین حکم مقرر کئے، اور مدعی علیہ نے تین حکم، مدعی اور مدعیٰ علیہ نے دس دس لاکھ روپئے ڈیپوزٹ کے طور پر حکموں کے پاس

رکھیں، اور دونوں نے اپنا اپنا پاور لکھ کر دیا۔

(۱۱) مدعی اور مدعٰی علیہ کی پہلی میٹنگ ہوئی، مدعیٰ علیہ نے کھڑے ہوکر کہا کہ یہ فیصلہ آربی ٹیشن کے ماتحت ہوگا، نہ کہ سماجی لیول اور حلفیہ چونکہ مدعی نے اس معاملہ کا گواہ مدعیٰ علیہ کے ایک حکم کو بنایا تھا، اور دوسرا مدعیٰ علیہ کے ایک آئی ٹی پارک حصہ دار کو بنایا تھا، جو اس معاملہ کو اچھی طرح جانتے تھے، معاملہ سونپنے کے بعد چھ ماہ کے بعد فیصلہ سنایا۔

(۱۲) امور بالا خانہ سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ مدعی کا مدعیٰ علیہ پر کیا حق ہے؟

حکموں کا فیصلہ

(۱) مدعیٰ علیہ نے مدعی کو جو دس ہزار پچاس فٹ جگہ کا دستاویز کر کے دیا تھا، اس میں سے دو ہزار پانچ سو فٹ جگہ کم کر دیں، پرانے دستاویز واپس لے کر نئے دستاویز بنانے کا فیصلہ کیا اور نئے دستاویز کا خرچ مدعی کے ذمہ ڈالا۔

(۲) مدعی علیہ نے عہد و پیمان کے مطابق جو اڑتیس ماہ کرایہ دیا تھا اس میں سے تقریبا چھبیس لاکھ روپئے مدعی کے پاس سے واپس لیا۔

(۳) مدعی کو تیرہ کار پارکنگیں دی تھی، اس میں سے نو کار پارکنگیں واپس لیں۔

(۴) مدعی کی جو دس ہزار پچاس فٹ جگہ تھی، اس میں سے چھتیس سو فٹ جگہ تین سال پہلے کرایہ پر دی تھی، کرایہ کے ایک کروڑ روپئے مدعیٰ علیہ کے پاس جمع تھے، جس میں سے مدعی کو سینتیس لاکھ روپئے دینے کا وعدہ کیا، وہ بھی ایک سال کے بعد قسط وار، ایک تو تین سال سے مدعی کی رقم استعمال کر رہے ہیں، اور فیصلہ میں تریسٹھ لاکھ روپئے کم کر کے دینے کا وعدہ ایک سال کے بعد وہ بھی قسط وار۔

(۵) مدعی نے مدعیٰ علیہ کے پاس سے دو فلیٹ رکھے تھے، جس کے پچاسی لاکھ روپئے مدعی علیہ کو دیئے تھے، یہ فلیٹ ۲۰۰۸ء میں رکھے تھے، مدعی کا مطالبہ تھا کہ آج تک کے کرایہ کے ساتھ فلیٹ کا قبضہ دیا جائے نہ تو کرایہ دیا نہ تو فلیٹوں کا قبضہ دیا، نہ فلیٹوں کی قیمت واپس دی۔

(۶) مدعی نے مدعیٰ علیہ کے ساتھ ساڑھے چار ایکڑ زمین میں حصہ داری کی تھی جس میں ایک کروڑ اکیس لاکھ روپئے دیئے تھے، اور ساڑھے سات ایکڑ زمین کی حصہ دار میں چھیالیس لاکھ روپئے دیئے تھے، اور آئی ٹی ٹو میں حصہ داری کے ایک کروڑ بیس لاکھ روپئے دیئے تھے، یہ حصہ داری ۲۰۰۸ء میں کی تھی، مدعی کا مطالبہ تھا، کہ ان تینوں کا آج تک کا حساب، اور آج کی قیمت کے حساب سے، مجھے اس کی قیمت دی جائے تو نہ تو اس کا حساب دیا، اور نہ اس کی قیمت واپس کی۔

(۷) مدعی نے اپنا حق لینے کے لیے قانونی خرچ کیا تھا، اس کا مطالبہ کیا تو یہ خرچ بھی نہ دیا۔

(۸) مدعی نے حکموں سے کہا کہ آپ لوگوں نے تو ایک طرفہ فیصلہ کیا، میرا حق سب مدعی علیہ کو دیدیا، تو کہنے لگے کیا کریں وہ مانتا ہی نہیں، وہ تو دینے کے لیے تیار ہی نہیں، تو ہم نے سوچا یہ کچھ بھی دیگا، تو مدعی کا بڑا نقصان ہوگا اس لیے ہم نے اسی پر فیصلہ کرلیا، مدعی نے یہ مسئلہ سماجی پنچ کو اس لیے سونپا تھا کہ مدعی کی جگہ دس ہزار پچاس فٹ دستاویزی تھی، عدالت میں صرف اس کا دعویٰ چل سکتا ہے، باقی حصہ داری یہ سب دو نمبر کی چیزیں تھیں، دو نمبر کا دعویٰ عدالت میں نہیں چل سکتا، اس لیے سماج کے لوگوں کو سونپا تھا، تو سماج کے لوگوں نے جو دستاویزی جگہ تھی اس میں سے دو ہزار پانچ سو پچاس فٹ جگہ کم کردی، پھر دو نمبر کی حصہ داری کا تو کیا کہنا؟ تو مدعی کا اتنا بڑا حق ضائع کرنے کا مجرم صرف مدعیٰ علیہ ہوگا، یا پھر یہ حکم بھی اس جرم میں شریک ہوں گے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بشرط صحت سوال حکموں پر لازم تھا کہ کسی کے دباؤ اور کسی کے ماننے اور نہ ماننے کی پرواہ کیے بغیر صحیح فیصلہ کرتے مگر انہوں نے یہ سوچ کرکہ سامنے والا نہیں مانے گا اسی کے حق میں فیصلہ کردیا جو غلط ہے، اور ظالم کی معاونت اور مدد ہے، احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جو شخص جھگڑے میں باطل کی بلاحق معاونت کرتا ہے تو وہ

اللہ اوراس کے رسول کے ذمہ سے نکل جاتا ہے، اورتا حیات اللہ کی ناراضگی کا شکار رہتا ہے، لہٰذا مدعی کا حق مارنے کا جتنا گناہ مدعیٰ علیہ پر ہوگا اس میں یہ حکم بھی شامل ہوں گے۔

عن سالم عن أبيه قال قال النبی ﷺ من أخذ من الأرض شيئا بغير حقه خسف به يوم القيامة إلى سبع أرضين. (بخاری شریف، کتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض ۱/ ۳۳۲، رقم: ۲۳۹۰، ف: ۲۴۵۴)

عن سعيد بن زيد قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: من أخذ من حق امرئ من المسلمين شبرا بغير حق طوقه الله تعالىٰ يوم القيامة سبع أرضين. (المعجم الأوسط، دار الفكر بيروت ۱۶۷/۶، رقم: ۸۳۸۳، صحيح مسلم، كتاب المساقاة و المزارعة، باب تحريم الظلم و غصب الأرض، النسخة الهندية ۲/ ۳۳، بيت الأفكار رقم: ۱۶۱۰، صحيح البخاری، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض ۱/ ۳۳۱، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲)

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من أعان بباطل ليدحض بباطله حقا فقد برئ من ذمة الله و ذمة رسوله. (المعجم الكبير، دار احياء التراث العربی بيرت ۱۱/ ۹۴، رقم: ۱۱۲۱۶، ۱۱/ ۱۷۲، رقم: ۱۱۵۳۹، المعجم الأوسط، دار الفكر بيروت ۲/ ۱۸۰، رقم: ۲۹۴۴، المستدرك، جديد نزار مصطفى الباز بيروت ۷/ ۲۵۲۱، رقم: ۷۰۵۲، كنزالعمال قديم ۳/ ۴۹۹، الدر المنثور، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۴۵۲)

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من أعان على خصومة بغير حق كان فی سخط الله حتى ينزع. (المستدرك، مكتبه نزار مصطفى الباز بيروت ۷/ ۲۵۲۱، رقم: ۷۰۵۱، الدر المنثور، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۴۵۲، ومثله فی المعجم الكبير للطبرانی، دار احياء التراث العربی بيروت ۱۲/ ۲۹۶، رقم: ۳۴۳۵، مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ۱۰/ ۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۰ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۱۲/۴۰)	۱۴۳۵/۱/۲۰ھ

شریعت کے خلاف فیصلہ صادر کرنے والی پنچایت میں شرکت کا حکم

سوال [۷۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس پنچایت میں شریعت کے خلاف فیصلے ہوتے ہوں اس پنچایت کے شرکاء کیا شرعاً گنہگار ہوں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس پنچایت میں شریعت کے خلاف فیصلے کیے جاتے ہوں اس پنچایت میں شرکت کرنے والے شرکاء گنہگار رہوں گے۔

﴿قال الله وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ . [المائدة: ٤٧] ﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۱۴ھ

قضاء اور تحکیم کے بعض مسائل

سوال [۷۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل ایک مقدمہ زمین کا زیر سماعت ہے، احقر کو نہ کوئی تجربہ ہے نہ علم و معلومات، صرف خیال کر کے باصرار قبول کرلیا ہے کہ اچھی بات ہے لوگ شریعت سے فیصلہ لینا چاہ رہے ہیں اس لیے اس کام پر اصرار بھی مناسب نہیں، وہ یہ ہے کہ معاملہ حوالے ہوجانے کے بعد احقر نے ایک وضاحت نامہ جاری کیا جو درج ذیل ہے:

وضاحت نامہ: فریق اول: امان اللہ خان ورفقاء

فریق ثانی: اشرف خان وبرادران

مسلم شریف ودیگر کتب حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص بالشت بھر زمین بھی ناحق لے گا (دبائیگا) اس کے گلے میں (قیامت کے دن) ساتوں زمین کے طوق ڈالے جائیں گے (انتہی الحدیث) اس لیے دریافت طلب امور کے جوابات پوری سچائی ودیانت کے ساتھ اپنے علم ومعلومات کی روشنی میں صاف صاف تحریر کریں:

(۱) مطلوبہ آراضی (متنازع فیہ) میں آپ کو حق ملکیت، بیع، ہبہ، وراثت وغیرہ اسبابِ ملک میں سے کس حیثیت سے حاصل ہوا، اس کی وضاحت کریں؟

(الف) حق ملکیت اگر بحیثیت خرید وفروخت حاصل ہوا ہے تو اس کا ثبوت پیش کریں؟

(ب) اور اگر بذریعہ ہبہ حق ملکیت حاصل ہوا ہے تو واہب (ہبہ کرنے والے) کی زندگی میں آراضیٔ موہوبہ (ہبہ کی گئی زمین) پر موہوب لہ (جس کو ہبہ کی گئی) کا قبضہ وتصرف ثابت کریں۔

(ج) اگر بذریعہ وراثت حق ملکیت حاصل ہوا ہے تو مورث سے اپنا نسبی تعلق ثابت کریں؟

(۲) جس زمین کے آپ مدعی وطالب ہیں اس کا موجودہ حدود اربعہ موقع مناسبت کے ساتھ تحریر کریں؟

ضروری باتیں: (۱) ہر دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے دو معتبر دیندار شرعی گواہ پیش کرنے ہوں گے۔

(۲) گواہان پر معقول وجائز وجہ کے ساتھ نقد واعتراض کا حق حاصل ہوگا۔

(۳) اولاً جوابات صاف اردو میں تحریر کر کے دینے ہوں گے۔

دوبارہ پھر مذکورہ بالا تحریر بھیجنی اور اس کے بعد پھر فیصلہ کی تاریخ دینی ہے۔

والسلام: خورشید انور

تحریر یہ ہے کہ......فریق اول (مدعی): امان اللہ ورفقاء

فریق دوم (مدعا علیہم): اشرف خاں وبرادران

۳؍ اگست ۹۰ء کو صبح سات بجے بروز جمعہ کو تشریف لاکر مدعیان شرعی گواہ پیش کریں

ورنہ مدعا علیہم سے قسم لے کر معاملہ کو تکمیل فیصلہ کی صورت دیدی جائے گی، حدیث پاک میں ہے ’’البينة على المدعى واليمين على من انكر‘‘

والسلام: خورشید انور

مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں بتلائیں کہ وضاحت نامہ اور دوسری تحریر درست ہے یا نہیں اس میں جو غلطی ہو اس سے مطلع فرمائیں؟

(۲) قسم کس طرح لی جائے گی؟

(۳) کیا سبھی سے قسم لی جائے یا کہ مدعا علیہم کی جانب سے ایک شخص جو خود بھی مدعا علیہم ہی میں سے ہے صرف اسی سے قسم لی جائے؟

(۴) قسم کے الفاظ خود کہلوائے جائیں یا وہ خود جن الفاظ سے قسم کھانا چاہے اس کو سن لیا جائے جو حرج ہو سکتا ہو، تحریر فرمائیں؟

(۵) فیصلہ کی اور بھی صورت سمجھ میں آئے تو بلا کیف تحریر فرمائیں؟

(۶) سرکاری کاغذات بیعنامہ اور بینک کی تحقیقات و زمین نامہ بظاہر مدعا علیہم کے حق میں ہیں تو کیا فیصلے کی تحریر میں مذکورہ دستاویزات کا حوالہ دیکھا جائے گا؟

برائے مہربانی غور فرما کر جواب عنایت فرمائیں یا جو بھی ضروری مشورہ ہو تحریر فرمائیں اگر احقر کی حاضری ضروری ہو تو احقر خود بھی حاضر ہو سکتا ہے، مدرسہ کی ذمہ داریوں کی وجہ سے فی الحال حامل عریضہ ہی کو میں بھیج رہا ہوں۔

المستفتی: احقر خورشید انور ابن قاری شوکت علی بادل خان والی مسجد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) وضاحت نامہ اور تحریر مکرر درست اور صحیح ہے، قاضی، پنچ اور فیصل کو مذکورہ وضاحت طلب کرنے کا حق ہے، اور اسباب ملک کی وضاحت کا مطالبہ بھی سب صحیح ہے۔

رجل إدعى دارا في يد إنسان وقال في دعواه هذه الدار كانت لأبي فلان مات و تركها ميراثا لي، ولأختي فلانة ولا وارث له غيرنا، وترك دواباً و ثيابا

فقسمنا الميراث ووقعت هذه الدار في نصيبي بالقسمة و اليوم جميع هذه الدار ملكي لهذا السبب وفي يد هذا بغير حق فدعواه صحيحة الخ. (هنديه، كتاب الدعوىٰ، الفصل الثالث فيما يتعلق بدعوىٰ العقار، زكريا قديم ٤/١٢، جديد ٤/١٦)

فإن ادعى عقاراً حدوه و ذكر أنه في يد المدعى عليه وأنه يطالبه به لأنه تعذر التعريف بالإشارة لتعذر النقل فيصار إلى التحديد، فإن العقار يعرف به ويذكر الحدود الأربعة ويذكر إسما أصحاب الحدود و أنسابهم ولا بد من ذكر الحد لأن تمام التعريف به عند أبي حنيفةؒ على ما عرف هو الصحيح. (هدايه اشرفی دیو بند ۳/۲۰۲)

(۲-۳) مدعا علیہم میں سے ہر ایک سے الگ الگ قسم لینا ضروری ہے جو قسم سے انکار کریگا اس کا حصہ مدعی کو دیدیا جائے گا۔

مستفاد: فإن لم تقم له بينة استحلف الشركاء. (هدايه، كتاب القسمة اشرفی دیو بند ٤/٤٢٠)

(۴) کلمات قسم کہلوائے جانے چاہئیں، کیونکہ طریق قسم سے عوام ناواقف ہوتے ہیں۔

واليمين بالله دون غيره وقد يؤكد بذكر أوصافه وهو التغليظ و ذلك مثل قوله "قل: والله الذي لا إله إلا هو، عالم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم، الذي يعلم من السر و الخفاء، ما يعلم من العلانية، ما لفلان هذا عليك ولا قبلك، هذا المال الذي إدعاه إلى آخره. (هدايه، كتاب الدعوىٰ، باب اليمين، اشرفی دیو بند ۳/۲۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۹۲)

جائیداد کے لیے دو فریق میں جھگڑے کا فیصلہ

سوال [۷۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) دوفریقوں کے درمیان کسی جائیداد پر نزاع ہوتو ایسی صورت میں سرکاری کاغذات کوشرعی ثبوت سمجھ کران کی بنیاد پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے یانہیں؟ اگرنہیں تو پھر فیصلہ کے لیے کن چیزوں کوشرعی طور پر بنیاد بنایا جائے، جبکہ چشم دید گواہان انتقال کر چکے ہوں؟

(۲) اگر فریقین کے کاغذی ثبوت مشتبہ اور مشکوک ہوں تو پھر فیصلہ کے لیے شرعی اصول کیا ہے؟ ایسی صورت میں ”**البينة على المدعي و اليمين على من أنكر**“ کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے یانہیں؟ ایسی صورت میں جبکہ فریقین کے دلائل مشتبہ ہوں تو قبضہ والے کے حق میں فیصلہ کرنا کیسا ہے، جبکہ قبضہ کا عرصہ پچھتر سال سے زائد ہو چکا ہے اس عرصہ کے اندر کوئی تنازعہ ملکیت وغیرہ کا سامنے نہیں آیا؟

(۳) کتنے عرصہ کے قبضہ کو شریعت نے قبضہ تسلیم کیا ہے؟

المستفتی: نبی اللہ شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر جائیداد سے متعلق نزاع اور اختلاف ہے اور جن لوگوں کے قبضہ میں جائیداد موجود ہے ان کے قبضہ میں رہتے ہوئے دوسرے فریق نے اگر چھتیس سال تک کسی قسم کا دعویٰ نہیں کیا ہے چھتیس سال گذرنے کے بعد دوسرے فریق نے دعویٰ کیا ہے اور جانبین میں سرکاری کاغذات کا ثبوت بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں جائیداد انہیں لوگوں کی ملکیت سمجھی جائے گی جن لوگوں کے قبضہ میں چلی آ رہی ہے، اور اگر چھتیس سال سے پہلے دوسرے فریق کی طرف سے دعویٰ کا سلسلہ چل رہا ہے تو اس کو واضح کیا جائے کہ قبضہ کے کتنے سالوں کے بعد اختلاف کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس کے بعد شرعی حکم بیان کیا جائیگا، اور اگر کسی ایک فریق کے حق میں سرکای کاغذات موجود ہیں اور کاغذات سرکاری دفاتر میں بھی محفوظ ہیں اور ان کاغذات کے خلاف دوسرے کاغذات سرکاری دفاتر میں نہیں ہیں تو ایسی صورت میں جس فریق کے حق میں سرکاری دفاتر میں کاغذات محفوظ ہیں، شرعی طور پر اسی فریق کا حق اس جائیداد میں ثابت ہوگا، دوسرے فریق کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

وحاصله أن ما مر من قولهم لايعتمد على الخط و لايعمل به مبني

علی أصل المنقول فی المذهب قبل حدوث العرف ولما حدث العرف فی الاعتماد علی الخط والعمل به فی مثل هذه المواضع أفتوا به. (رسائل ابن عابدین ۲/ ۱٤٤ ثاقب بکڈپو دیوبند)

للعلامة الشیخ علاء الدین الحصکفی شارح التنویر و الملتقی رسالة فی ذٰلک، حاصلها بعد أن نقل ما هنا من أنه یعمل بکتاب الأمان. (رسائل ابن عابدین ۲/ ۱٤٤ ثاقب بکڈپو دیوبند)

(۲) اگر فریقین کے کاغذی ثبوت مشتبہ اور مشکوک ہوں تو ان کاغذات کا غیر جانبدار لوگوں کے ذریعہ سے معائنہ کرایا جائے اور پھر سرکاری دفاتر سے رجوع کیا جائے جس فریق کے حق میں کاغذات صحیح ثابت ہو جائیں اسی فریق کے حق میں فیصلہ ہوگا اور اگر کاغذات کے بارے میں کسی ایک فریق کے حق میں صحیح ثبوت نہیں ہو پاتا ہے تو وہاں کے لوگوں کی شہادت دیکھی جائے گی، اور اگر شہادت بھی نہیں ہے تو جس کے قبضہ میں جائیداد ہے شرعی طور پر وہی مدعیٰ علیہ اور منکر سمجھا جائے گا اس سے قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

ولاترد الیمین علی المدعی لقوله علیه السلام: البینة علی المدعی والیمین علی من أنکر. (هدایه کتاب الدعویٰ، باب الیمین، اشرفی دیوبند ۳/ ۲۰۳)

فإن فی ید أحدهما قضی بها له هو الأصح. (شامی باب دعویٰ الرجلین، کراچی ۵/ ۵۷۷، زکریا ۸/ ۳۳۵)

(۳) سوالنامہ میں یہ جو پوچھا گیا ہے کہ کتنے عرصے کے قبضے کو شریعت نے تسلیم کیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے **''القول قول القابض''** جو فرمایا ہے اس کا مصداق پوچھنا چاہتے ہیں کہ جس کے قبضے میں شئ ہے وہ مدعی علیہ اور منکر ہوتا ہے اور دوسرا فریق مدعی ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں منکر کا قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے، بایں طور کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں جس کے قبضہ میں شئ ہے اس سے قسم لے کر اسی کے حق میں فیصلہ کیا جاتا ہے، اور اگر سائل اس سے یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ جس کے قبضہ میں جائیداد ہے اس کے قبضہ میں ہوتے ہوئے دوسرے فریق کا دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوسکتا ہے اگر یہی پوچھنا چاہتا ہے تو

اس کے لیے یہ لازم ہے کہ جائیداد قابض کے قبضے میں آنے کے بعد بعض روایات میں پندرہ سال اور بعض میں ۳۳؍سال اور بعض میں ۳۶؍سال تک اور بعض روایات میں بغیر تعیین عرصۂ دراز تک دوسرے فریق کی جانب سے کسی قسم کا دعویٰ نہیں ہوا ہے تو ایسی صورت میں قابض کے خلاف دوسرے فریق کا دعویٰ معتبر نہیں ہوتا ہے، اور سوالنامہ میں یہ جو کہا گیا ہے کہ قبضہ کو عرصہ ۵۷؍سال سے زائد ہو چکا ہے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ ۵۷؍سال تک دوسرے فریق کی طرف سے کوئی دعویٰ نہیں ہوا ہے تو اتنے عرصہ کے بعد فریق ثانی کا دعویٰ معتبر نہ ہوگا۔

ہاں البتہ اگر ان کے پاس سرکاری کاغذات سرکاری دفاتر میں محفوظ ہیں اور ان کاغذات میں کسی قسم کے شکوک وشبہات نہیں ہیں تب ان کا دعویٰ درست ہوگا، ورنہ نہیں، اور اگر یہ مراد ہے کہ قابض کے پاس ۵۷؍سال سے زائد ہو چکا ہے مگر جب سے قبضہ ہے اس وقت سے دوسرے فریق کی طرف سے دعویٰ کا سلسلہ جاری ہے تو ایسی صورت میں جانبین کی بات قابل سماعت ہوگی اور ۵۷؍سال تک قبضہ کی وجہ سے فریق مخالف کا دعویٰ منسوخ نہیں ہوگا، ہاں البتہ اگر ۳۳ سال یا ۳۶؍ سال تک دوسرے فریق نے کسی قسم کا دعویٰ نہیں کیا ہے پھر اس حالت میں مزید ۳۰؍۳۵؍سال گذر گئے، ۵۷؍سال ہو گئے ہیں اس کے بعد دوسرا فریق دعویٰ کر رہا ہے تو اس کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا۔

وفی الحامدیة عن الولوالجیة: رجل تصرف زمانا فی أرض و رجل آخر یریٰ الأرض والتصرف ولم یدع ومات علی ذٰلک لم تسمع بعد ذٰلک دعویٰ ولده فتترک علی ید المتصرف الخ، ثم اعلم أنه نقل العلامة ابن الغرس فی الفواکه البدریة عن المبسوط: إذا ترک الدعویٰ ثلاثا و ثلاثین سنة ولم یکن مانع من الدعویٰ ثم ادعیٰ لاتسمع دعواه لأن ترک الدعویٰ مع التمکن یدل علی عدم الحق ظاهرا و مثله فی البحر، وفی جامع الفتاویٰ: وقال المتأخرون من أهل الفتاویٰ: لا تسمع الدعویٰ بعد ست و ثلاثین سنة.

(شامی، کتاب الخنثی، کراچی ۷۴۲/۶، زکریا ۴۶۸/۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۴۹/۳۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٢ باب الشهادة

دعویٰ بغیر گواہی کے قبول نہیں

سوال [٧٥٩٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ رئیسہ خاتون اپنے حقیقی خسر شوہر کے باپ جمیل احمد کے بارے میں یہ دعویٰ کرتی ہے کہ چند مرتبہ میرا خسر ناجائز طریقے سے اپنی شہوت کی آگ بجھانے کے لیے میرے جسم کے پوشیدہ حصوں، پستان، فرج، کمر بند، شلوار میں ہاتھ ڈال چکا ہے، مگر چونکہ وہ بھی میرا دوسرا باپ ہے، اس لیے میں نے اس کو اس کے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دیا، کچھ وقت تک یہ راز شوہر، خوش دامن، شوہر کے چچا وغیرہ گھر والوں تک ہی پوشیدہ رکھا، مگر جب طریقہ حد سے بڑھ گیا اور گھر کے افراد جمیل احمد پر کنٹرول نہیں کر سکے تو مجبوراً رئیسہ خاتون نے اپنے میکہ میں اس کا اظہار کر دیا ہے، پنچایت میں جمیل احمد نے رئیسہ کے دعویٰ کی تردید کر دی، جمیل احمد کے گھر والوں نے بھی اس واقعہ کی تصدیق نہیں کی بلکہ ان واقعات سے اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیا، جمیل احمد رئیسہ کے قول کی تکذیب کرتا ہے، رئیسہ کے پاس موقع کا کوئی گواہ نہیں ہے، حضرت والا سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب باصواب سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: بندۂ خدا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رئیسہ خاتون کا یہ کہنا کہ اس کا خسر جمیل احمد اپنی شہوت کی آگ بجھانے کے لیے کئی مرتبہ اس کے جسم کے پوشیدہ حصوں میں ہاتھ ڈال چکا

ہے، اوراس دعویٰ پر رئیسہ خاتون کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں ہے، جبکہ جمیل احمد اس دعویٰ کا انکار کررہا ہے، اوراس واقعہ کی رئیسہ خاتون کے شوہر سمیت تمام گھر والوں نے تصدیق نہیں کی ہے اس لیے رئیسہ خاتون کا دعویٰ معتبر نہ ہوگا، اورشوہر کے ساتھ اس کے نکاح میں فرق نہ آئے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۳۲۰)

وإن إدعت الشهوة في تقبيله أو تقبلها ابنه و أنكرها الرجل فهو مصدق وفي الشامية: إدعت الزوجة أنه قبل أحد أصولها أو فروعها بشهوة أو إن أحد أصولها أو فروعها قبله بشهوة (إلى قوله) فهو مصدق لأنه ينكر ثبوت الحرمة والقول للمنكر.

(شامي، كتاب النكاح، زكريا ديوبند ٤/ ١١٤-١١٥، كراچی ٣/٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۹۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۱۴ھ

فاسق کی شہادت مقبول ہے یا مردود؟

سوال [۷۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید بے ریش ہے، منع کرنے کے باوجود بھی ڈاڑھی منڈاتا ہے فسق وفجور میں مبتلا رہتا ہے ایسے میں اس کی شرعی شہادت مقبول ہے یا مردود؟

المستفتی: محمد اسلام، امروہہ (جے پی نگر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی منڈانا فسق ہے بلکہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بڑا گناہ ہے، اس لیے کہ اس میں کھلم کھلا اور علی الاعلان شریعت کی خلاف ورزی ہے، اورفاسق کی شہادت مقبول نہیں۔

﴿**قال الله تعالىٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآئَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ.** [الحجرات:٦]﴾

﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِنكُمْ وَاَقِيْمُوْا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ. [الطلاق: ۲]﴾

كالفاسق والذی يرتكب المعاصی أن شهادته لا تجوز. (بدائع، كتاب الشهادة، كراچی ٦/٢٦٩، زكريا ٥/٤٠٤)

البتہ اگر عادل شاہد نہ ہونے کی وجہ سے حق تلفی کا اندیشہ ہو یا پھر وہ خود سچی توبہ کرلے بایں طور کہ ڈاڑھی منڈوانا اور دوسرے معاصی کو چھوڑ دے تو پھر اس کی شہادت مقبول ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۲۰۴)

﴿**قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ يَعْمَلْ سُوْءً ا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَحِيْمًا.** [النساء: ۱۱۰]﴾

عن أبی عبيدة بن عبد الله عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: التائب من الذنب كم لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ٣١٣، دار السلام رقم: ٤٢٥٠، المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی ١٥٠/١٠، رقم: ١٠٢٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۱۸۳/۳۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍۶؍۱۴۲۰ھ

کیا فاسق اور قرآن کریم کی قسم کھانے والے کی گواہی معتبر ہے؟

سوال [۷۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ قرآن کریم کی قسم کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جو لوگ قرآن کریم کی قسم کھانے کو جائز سمجھتے ہیں ان کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

(۳) جو لوگ صوم وصلاۃ کے پابند نہیں ہیں ان کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

(۴) جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں ان کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد علی مین بازار بڑھاپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) قرآن کریم کی قسم کھانا ممنوع اورناجائز ہے مگر اگر کسی نے قرآن کریم کی قسم کھالی ہے تو متعارف ہونے کی وجہ سے قسم صحیح اور منعقد ہو جائے گی، خلاف ورزی پر کفارہ واجب ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/۶۰)

عن ابراهيم قال: قال عبد الله: من حلف بالقرآن فعليه بكل آية يمين.

(المصنف لابن أبي شيبة، الأيمان والنذور، مؤسسة علوم القرآن ۷/۵۳۷، رقم: ۱۲۳۶۲)

الأيمان مبنية على العرف فما تعورف الحلف به فيمين و ما لا فلا ...... قال الكمال: ولايخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينا.

(الدر مع الرد، الأيمان، زكريا ۵/۴۸۴-۴۸۵، كراچی ۳/۷۱۲)

(۲) جولوگ جائز سمجھتے ہیں ان کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اس سے قسم صحیح ہو جاتی ہے اگر چہ اس طرح قسم کھانے سے گناہ بھی ہوتا ہے، لہٰذا ایسے لوگ فاسق نہیں ہیں اس لیے ان کی گواہی معتبر اور صحیح ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/۶۰)

(۳-۴) بے نمازی اور داڑھی منڈانے والے شرعا فاسق ہیں، معاملات اور حقوق میں ان کی گواہی شرعا معتبر نہیں ہے۔

﴿**قال الله تعالىٰ: وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَاَقِيْمُوْا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ.** [الطلاق:۲]﴾

ولا من يأتي بابا من الكبائر التي يتعلق بها الحد للفسق. (هدايه، كتاب الشهادة، باب من يقبل شهادته ومن لايقبل، اشرفی ۳/۱۶۲)

ولا بد في ذٰلک كله من العدالة الخ. (هدايه اشرفی ۳/۱۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۰۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۳ھ

بیوی کا شوہر کے خلاف طلاق کے بارے میں جھوٹی گواہی دینا

سوال [۷۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی ہندہ کو کبھی بھی کوئی طلاق نہیں دی، مگر ہندہ نے عدالت میں کچھ گواہوں کے ساتھ یہ بیان دیا ہے کہ زید نے مجھ ہندہ کو طلاق دیدی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا شریعت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: قاضی محمد مرغوب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس عدالت میں ہندہ نے شوہر کے خلاف طلاق ثابت کرنے کے لیے جھوٹی شہادت پیش کی ہے، اگر اس عدالت کا جج غیر مسلم ہے تو نہ شہادت معتبر ہوگی اور نہ غیر مسلم جج کا فیصلہ طلاق کے بارے میں معتبر ہوگا اس لیے مذکورہ عدالتی کارروائی اور فیصلہ کی وجہ سے ہندہ پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

﴿**قال الله تعالیٰ: وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا.** [النساء: ١٤١]﴾

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم، وينفذ للمسلم على الذمي. (شامي، كتاب القضاء، باب التحكيمط زكريا ١٢٦/٨، كراچی ٤٢٨/٥)

ومنها الإسلام إلى ما قال لأن القضاء من باب الولاية بل هو أعظم الولايات وهؤلاء ليست لهم أهلية أدنىٰ الولاية وهي الشهادة فلأن لا يكون لهم أهلية أعلاها أولىٰ. (بدائع الصنائع، زكريا ٤٣٨/٥، كراچی ٣/٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۱۲/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۹ھ

البينة على المدعى واليمين على من أنكر

سوال [۷۵۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی محمد شمیم کارخانہ دار ہے، اس کا کاریگر حساب لینے آیا تو اس کوانہوں نے ایک ہزار روپیہ دیدیا اور اس کی نوٹ بک پر لکھ دیا، وہ روپیہ لے کر چلا گیا اور اس نوٹ بک کو وہیں چھوڑ دیا، پھر دو تین دن بعد آیا تو اس نے پانچ سو روپیہ کا مطالبہ کیا تو کارخانہ دار نے کہا کہ میں نے تم کو ایک ہزار روپیہ دیدیا تھا تو اس پر بات بڑھ گئی، دونوں کلام پاک اٹھانے کو تیار ہو گئے پھر انہیں سمجھا دیا گیا تو رک گئے، بس اب اس بات پر تکرار ہو رہی ہے لہٰذا ان دونوں میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا اور یہ روپئے کارخانہ دار دے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کارخانہ دار کے پاس کاریگر کو ہزار روپئے ادا کرنے پر گواہ موجود ہیں تو کاریگر جھوٹا دعویٰ کر رہا ہے، لہٰذا کارخانہ دار پر مزید پانچ سو روپیہ واجب نہیں ہیں اور اگر کارخانہ دار کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے تو کاریگر کو قسم دلائی جائے گی اگر وہ قسم کھالے تو باقی ماندہ پانچ سو روپئے ادا کر دیا جائے گا۔

فكتب ابن عباس رضى الله عنهما أن رسول الله ﷺ قال: ...... ولكن البينة على المدعى، واليمين على من أنكر. (السنن الكبرىٰ للبيهقى، كتاب الدعوىٰ والبينات، باب البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه، دار الفكر ١٥/ ٣٩٣، رقم: ٢١٨٠٥)

البينة على المدعى واليمين على من أنكر. (المبسوط، دار الكتب العلمية بيروت ١٦/ ٦٠، قواعد الفقه اشرفى ٦٦، هدايه، باب القسامة، اشرفى ٤/ ٦٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۲ھ

مقدمہ میں گواہوں کوپیش کرناکس کے ذمہ لازم ہے،مدعی کے یامدعی علیہ کے؟

سوال [۷۵۹۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مقدمہ میں گواہوں کا پیش کرنا مدعی علیہ پرلازم ہے یامدعی پر؟

المستفتی: انوارالحق سری نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی میں مدعی علیہ پر گواہوں کا پیش کرنالازم نہیں ہوتا ہے بلکہ گواہوں کا پیش کرنا مدعی پرہی لازم ہوتا ہے۔

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما أن النبی ﷺ قال: البینة علی المدعی، والیمین علی من أنکر. (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الدعویٰ والبینات، باب البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه، دار الفکر ۱۵/ ۳۹۳، رقم: ۲۱۸۰۵)

البینة علی المدعی والیمین علی من أنکر. (المبسوط، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۶/ ۶۰، قواعد الفقه اشرفی ص: ۶۶، هدایه، باب القسامة اشرفی ٤/ ٦٣٥)

المدعی من لایستحق إلا ببینة والمدعیٰ علیه من یکون مستحقا بلاحجة. (مجمع الأنهر، کتاب الدعویٰ، دار الکتب العلمیة بیروت ۳/ ۳٤٤، قدیم ۲/ ۲۵۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۳۰ ؍صفرالمظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۷۵)

گونگی باؤلی لڑکی کا اشارے سے اپنے حمل کودوآمیوں کا بتلانا

سوال [۷۵۹۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی گونگی باؤلی جوکہ گھر گھر جاکر روٹی مانگ کرکھاتی ہے اس لڑکی کے دو

بھائی بھی ہیں، اس لڑکی کو آٹھ مہینہ کا حمل ہے بغیر شادی کے، محلّہ کے لوگوں نے اس لڑکی سے معلوم کیا تو وہ دو آدمیوں کے نام اشارہ سے بتلاتی ہے، کچھ لوگوں نے پولیس کیس بنا دیا ہے، پولیس کو روکنے کے لیے محلّہ کے چار شخصوں نے مل کر صلح کی درخواست ڈال دی ہے، آپس میں انتشار کا اندیشہ ہے، وقت کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے پوری بستی کو خدا کے عذاب سے بچانے کے لیے اس کی سزا یا کفارہ تحریر فرمادیں، تاکہ پوری بستی عذاب سے بچ جائے، اس لڑکی سے کسی بھی وقت میں کوئی بھی شخص نکاح کرنے کو تیار نہیں ہے۔

المستفتی: شمیم احمد دولت باغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض لڑکی کے زبانی یا اشارہ سے کہنے کی وجہ سے مذکورہ دونوں افراد پر شرعاً کوئی سزا مرتب نہیں ہوسکتی، جب تک کہ چار چشم دید شرعی گواہ شہادت نہ دیں، یا ملزمان خود اس کا اقرار نہ کریں، نیز محض شبہ کی بناء پر کسی کی عزت اتارنا یا پولیس کیس کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿**قال اللّٰه تعالیٰ: لَوْلَا جَآئُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ.** [النور: ۱۳] ﴾

﴿**قال اللّٰه تعالیٰ: فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِنْكُمْ .** [النساء: ۱۵] ﴾

ويثبت بشهادة أربعة رجال في مجلس واحد. (در مختار، كتاب الحدود، زكريا ديوبند ۶/۸، كراچی ۴/۷، كوئٹه ۳/۱۵۶)

(**وقوله) فلايثبت بعلم القاضي ولا بالبينة على الإقرار وفي الشامي: ثبوته بأحد شيئين الشهادة بالزنا أو الإقرار به الخ.** (الدر المختار مع الشامي، زكريا ديوبند ۶/۱۲، كراچی ۴/۱۰۹، كوئٹه ۳/۱۵۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۷/ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۲۸)

مشرقی یوپی کامعاملہ مدعی علیہ کے اخراجات کے متحمل نہ ہونے کے باوجود مغربی یوپی میں دائرکرنا

سوال [۷۵۹۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱-الف) زید کے خسر بکر نے اپنی دختر کے معاملہ میں سینکڑوں بلکہ کئی سومیل دور مغربی یوپی ہاپوڑ ضلع غازی آباد کی شرعی پنچایت میں درخواست گزاری کی ہے، جب کہ فریقین مشرقی یوپی ضلع بہرائچ کے باشندے ہیں اور پاس بھی شرعی پنچایت قائم ہے، نیز مدعا علیہ غریب ہےاور بعد مسافت کے اخراجات برداشت کرنے کا قطعاً متحمل نہیں ہے۔

(ب) کوئی فریق بہرائچ مشرق سے ہاپوڑ مغرب فیصلہ لینے کے لیے جائے وقت و روپیہ صرف کرکے وہ بھی اس صورت میں کہ اخراجات کا متحمل نہ ہو یہ شرعی ضابطہ کے موافق ہے؟

(ج) کیا بہرائچ کے فیصلے ہاپوڑ کے دائرۂ اختیار میں آتے ہیں؟

(۲) اگر بکر مدعی نے ایسی صورت میں بہرائچ شرعی پنچایت کونظر انداز کرکے ہاپوڑ میں چارہ جوئی کی ہے تو کیا ہاپوڑ کی شرعی پنچایت فیصلہ کرنے کی مجاز ہے؟ اگر نہیں ہے تو درخواست خارج کریگی یا متعلقہ ضلع کوواپس کریگی؟

واضح ہو کہ بکر مدعی کافی متمول اوراہل ثروت ہے، محض ایذارسانی کے لیے اتنی دور کا انتخاب کیاہے، شریعت کااس بارے میں کیاحکم ہے؟

المستفتی: معین الدین فیروزآباد جامع مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) زیدکواس بات کاحق ہے کہ ہاپوڑمحکمۂ شرعیہ شرعی پنچایت میں درخواست دے کر بہرائچ محکمۂ شرعیہ شرعی پنچایت میں مقدمہ منتقل کروالے ورنہ ہاپوڑمحکمہ شرعیہ میں اپنی آمد ورفت کے اخراجات کے سلسلے میں درخواست دے کراخراجات دینے کی شرط پرحاضرہوا کرے، محکمۂ شرعیہ شرعی پنچایت کے قیام کااصل مقصد مسلمانوں کے لیےسہولت فراہم کرناہے۔

المشقة تجلب التيسير. (الأشباه والنظائر قديم ص: ١٢٥، قواعد الفقه اشرفی ص: ١٢٢، رقم: ٣٢١)

شریعت مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں بلکہ بوقت مشقت آسانی کی صورت اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہے، یا تو آمد و رفت کے اخراجات دیدیں یا مقدمہ بہرائچ منتقل کردیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۶۸۳)

ایک جگہ کی شرعی پنچایت کے فیصلہ کو روک کر دوسری جگہ اپیل کرنا

سوال [۷۶۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر بہرائچ کے مقدمہ سلسلے میں ہاپوڑ کی شرعی پنچایت فیصلہ کرنے کی مجاز ہوتے ہوئے یا مجاز نہ ہوتے ہوئے کوئی فیصلہ کردیوے تو ان دونوں صورتوں میں صوبائی یا آبائی کوئی عدالت ہے، جہاں پر اپیل کی جاسکے، اگر کی جاسکتی ہے تو کیا اور کیسے، اور مجاز نہ ہوتے ہوئے کوئی کاروائی جاری کرنے کے لیے درخواست دے کر کاروائی روکی جاسکتی ہے، یا منتقل کرایا جاسکتا ہے؟ کیونکہ عقلاً شرعی ضوابط کے تحت فیصلہ نزدیکی اور ملحقہ ضلع میں جہاں شرعی پنچایت موجود ہے، ہونا چاہئے، براہ کرم مذکورہ سوال کا جواب شرع کے مدنظر تحریر کردیں تا کہ اس سے آگاہ ہوکر شریعت کے مطابق اس پر چلا جاسکے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اب تک ہندوستان میں ایسی کوئی مرکزی مسلم عدالت قائم نہیں ہوئی ہے۔

قد اختلفوا فی ما إذا کان العقار لا فی ولایة القاضی وتنازعا فیه عند قاض آخر فمنهم من یصحح قضاؤه. [الأشباه قدیم ص: ۱٦۰] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۶۸۳)

باپ بیٹے کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں کہاں کہاں معتبر ہے

سوال [۷۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس طرح نکاح کے معاملہ میں باپ کی گواہی بیٹے کے لیے اور بیٹے کی گواہی باپ کے لیے درست ہے، اسی طرح نکاح کے علاوہ دیگر معاملات میں بھی باپ کی گواہی بیٹے کے حق میں اور بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں درست ہے؟

المستفتی: سعید احمد سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح کے معاملہ میں باپ بیٹے کا ایک دوسرے کے حق میں گواہ بننا شرعا معتبر ہے، البتہ دیگر معاملات میں باپ بیٹے کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں شرعاً معتبر نہیں ہے۔

و من الشرائط عدم قرابة أولاد. (شامی، کتاب الشهادات، زکریا ۸/۱۷٤، کراچی ٥/٤٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۷۸)

ووٹ کے متعلق چند ضروری مسائل

سوال [۷۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤں میں زید اور بکر دونوں پردھانی کے لیے کھڑے ہوئے تو معلوم ہوا کہ زید ذاتی مفاد اور نام ونہاد کی غرض سے کھڑا ہوا ہے اور بکر قوم وملت کی خدمت اور سچی ہمدردی کا ارادہ رکھتا ہے تو کیا بکر کو چھوڑ کر زید کا ووٹ سے تعاون کرنا از روئے شرع درست ہے؟ یہ بظاہر تعاون علی الاثم معلوم ہوتا ہے اور خود زید کا یہ اقدام اپنے حق میں کہاں تک درست ہے؟

(۲) ایک آدمی مومن ہے لیکن وہ اسلام کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتا، صوم وصلاۃ جیسے اہم امور کی بھی پرواہ نہیں کرتا، شراب وجوئے کا عادی ہے تو کیا غیر مسلم کو ایسے بدکردار مسلمان پر ووٹ دے کر ترجیح دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) نیز مذکورہ بالا بدکردار مسلمان شخص کو عوام کے لیے ووٹ دے کر کامیاب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ووٹ دینے کا یہ معنی ہوتا ہے کہ ہم ایک گواہی دیتے ہیں اور اپنا رہنما اور خادم جانتے ہیں تو غیر مسلم کو یا ایسے ہی بدعتی کو اور فاسق کو کس حد تک اپنا رہنما بنانا درست ہوگا؟

(۵) ووٹ کے بارے میں ایک مسلمان کا بازی لے جانے کی نیت سے دوسرے مسلمان بھائی کے مقابلے میں کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) حامد مطلقاً ووٹ دینے کا قائل نہیں، اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

(۷) گاؤں کا پردھان اگر مسلمان ہو جائے تو قوم وملت کی کون کون ذمہ داریاں اس پر عائد ہونی چاہئیں، اور عوام کا اس کے ساتھ کیا رویہ اور برتاؤ ہونا چاہیے، کیا اسلامی نقطۂ نظر سے ایسے پردھان کا اسلام میں کچھ مقام ہے؟

(۸) ایک غیر مسلم آدمی ہے جس کے کھیت سے ہو کر لوگوں کا گذر ہوتا رہتا ہے، وہی آدمی پردھانی کے لیے کھڑا ہو گیا ہے اگر مسلمان اس کو ووٹ دیکر کامیاب نہیں بناتے ہیں تو وہ اس راستے کو ضرور بند کر دیگا، جس سے خصوصاً بارش کے ایام میں حرج عظیم لاحق ہوگا تو اب ایسی شدید ضرورت کے وقت اسے مسلمان کے مقابلہ میں کامیاب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقیوم بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) الیکشن میں کھڑا ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ امور سیاسیہ میں مہارت رکھتا ہو، اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور ان کے حقوق کی حفاظت کا اہل ہو، ذاتی مفاد اور محض نام ونہاد کے لیے کھڑا ہونا جائز نہیں ہے، اور جن لوگوں کو یہ حقیقت

معلوم ہوا ان کے لیے ایسے شخص کو ووٹ دینا جائز نہیں ہے، بلکہ ایسے شخص کو دینا چاہیے جو مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کر سکتا ہو، لہٰذا مذکورہ صورت میں زید کو ووٹ دینا جائز نہیں ہوگا، اور بکر کے اندر اہلیت ہے تو اس کو ووٹ دے کر کامیاب بنانا ضروری ہے تاکہ زید کی ایذا سے مسلمان محفوظ رہیں، نیز مذکورہ حالات میں زید کا یہ اقدام اس کے حق میں حرام ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۴/۳۷، جدید مطول ۳/۲۵۴)

(۲) جمہوری ملک میں ووٹ اسلام وکفر کی بنیاد پر نہیں دیئے جاتے ہیں اور نہ ہی اس بنیاد پر الیکشن لڑائے جاتے ہیں اس لیے جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گا اور حقوق دلوائیگا اور نفع پہنچائے گا ظلم کو روکے گا اس کو ووٹ دینا چاہیے، اس میں ہندو مسلم کی بات نہیں ہوتی، تاہم ہندو غیر مسلم کے مقابلے میں اگر کوئی لائق اور با اہل مسلم موجود ہو تو اس کو ووٹ دے کر کامیاب بنانا زیادہ بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۶۷، ڈابھیل ۴/ ۶۱۸)

اور بدکردار خائن شخص کو کامیاب بنانا جائز نہیں ہوگا، نیز کون لائق و قابل اعتماد ہے علاقہ والوں کو خود فیصلہ کرنا چاہیے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/ ۳۷۰، جدید مطول ۳/ ۲۶۰)

(۳) جی نہیں۔

(۴) اگر (۱) کی شرائط موجود ہوں تو گنجائش ہے لیکن اگر ان شرائط کے حامل پابند شرع دیندار نیک صالح شخص موجود ہو تو وہی شخص اس کا مستحق ہوگا، اس کے مقابلے میں دوسروں کو کامیاب بنانا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۴/۳۷، جدید مطول ۳/ ۲۵۵)

(۵) اگر قومی حقوق کی حفاظت کا ارادہ نہیں ہے تو ناجائز ہے۔

(۶) اگر ووٹ میں مفاسد ظاہر ہو جائیں تو حامد پر کوئی الزام نہیں ہے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ضروری ہے۔

(۷) اسمبلی اور مجلس قانون ساز کی طرف سے جو ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں وہی شریعت کے نقطۂ نظر سے بھی عائد ہوں گی۔

(۸) اس میں اہلیت نہیں ہے تو جائز نہیں ہوگا بلکہ باصلاحیت مسلمان کو کامیاب کرنا

لازم ہے، اگر چہ بارش میں کچھ مشقت ہی اٹھانی پڑے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/ ۳۷۴، جدید مطول ۳/ ۲۵۵، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/ ۱۶، ڈابھیل ۴/ ۶۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۷۳)

ووٹ کی شرعی حیثیت

سوال [۷۶۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ووٹ دینے کے لیے ووٹ بوتھ پر پہنچنا پڑتا ہے، وہاں عورتوں کو بھی جانا پڑتا ہے تو عورتیں کس طرح ووٹ دیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت کی ہے، اور مسلمانوں کا ایک قانونی حق ہے اس کو ضائع ہونے نہیں دینا چاہیے، اور عورتیں مکمل شرعی پردہ کے لحاظ کے ساتھ بوتھ پر جا کر ووٹ ڈالدیں اور بے پردگی سے پوری طرح بچیں۔ (مستفاد: فقہی مقالات ۲/ ۲۸۸، جواہر الفقہ ۵/ ۵۳۶، فتاویٰ حقانیہ ۲/ ۲۸۵، جدید فقہی مسائل ۱/ ۴۵۷)

قال مالک تفسير هذا الحديث أن الرجل يكون عنده شهادة في الحق لرجل لا يعلمها فيخبره بشهادته، زاد يحى بن سعيد إذا علم أنه ينتفع بها الذى له الشهادة وهذا لأن الرجل ربما نسى شاهده فظل مغموما لايدرى من هو؟ فإذا أخبره بذلك فرج كربه. (أوجز المسالك، دار القلم ۱۳/ ۵۶۲، نووی علی هامش المسلم هندی ۲/ ۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۸۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

٢٤ كتاب الوقف

١ باب ما يتعلق بنفس الوقف

وقف کی جائیداد کا مالک کون؟

سوال [۷۶۰۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وقف کی جائیداد کا مالک متولی ہے یا موقوف علیہم میں سے ہرایک؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف کی جائیداد کا مالک نہ متولی ہوتا ہے اور نہ ہی موقوف علیہم بلکہ وقف کی جائیداد کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہوتا ہے، متولی امین اور محافظ ہوتا ہے اور موقوف علیہم صرف جائیداد کے منافع کے حقدار ہوتے ہیں۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته ذٰلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربیٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاری، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

الوقف حبس العين و إزالة ملک المالک المجازی مقتصرة علی حکم ملک الله تعالیٰ المالک الحقيقي. (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٧١، مصرى قديم ١/ ٧٤٠)

حبس العين علی حكم ملک الله تعالیٰ علی وجه تعود منفعته إلی العباد. (هنديه زكريا قديم ٢/ ٣٥٠، جديد ٢/ ٣٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۲۳۵۵)

موقوفہ زمین اللہ کی ملک ہے

سوال [۷۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد یا مدرسہ کے نام جو زمین وقف کردی جائے یا مسجد، مدرسہ بنوادیا جائے تو کیا بنوانے کے بعد بھی بنوانے والے کی ملکیت میں رہتا ہے، یا وہ اللہ کی ملکیت ہوجاتا ہے، بنوانے والے کو کیا یہ اختیار رہے کہ جب چاہے مدرسہ کی ٹپائی ٹاٹ وغیرہ اٹھالے جائے اگر کوئی شخص ایسا کرے تو شرعاً اس کی یہ حرکت کیسی ہے؟

المستفتی: محمد طیب سیتاپوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد یا مدرسہ کے لیے زمین وقف ہوجانے کے بعد اس میں کسی کی ملکیت باقی نہیں رہتی، نیز جس نے وقف کیا ہے، یا وقف کی زمین پر مسجد یا مدرسہ کی عمارت تعمیر کردی ہے، اس شخص کی بھی اس میں کسی قسم کی ملکیت یا حق باقی نہیں رہتا، اس کو اس میں کسی قسم کے حق کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے، نیز ٹپائی ٹاٹ وغیرہ اٹھا کر لے جانے والا شرعاً بہت بڑا ظالم اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اسے توبہ کرلینا چاہیے، اور ٹپائی ٹاٹ وغیرہ فوراً واپس کردینا چاہیے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له علی عهد رسول الله ﷺ،

وكـان يـقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهـو عـنـدي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايبـاع ولايوهـب ولايـورث، ولـكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته ذٰلک فـي سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي الـقـربـىٰ، ولا جنـاح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤، وهكذا في الصحيح المسلم، الوصية، باب الوقف، النسخة الهندية ٢/ ٤١، بيت الأفكار رقم: ١٦٣٢)

عن أبي حرزة الرقاشي عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لايحل مال امرئ مسلم، إلا بطيب نفس منه. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب لوحا فأدخله في سفينة، دار الفكر ٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

فـإذا تم ولزم لايملک ولايعار ولايرهن الخ. (در مختار، كتاب الوقف، زكريا ديوبند ٦/٥٣٩، كراچی ٤/٣٥١-٣٥٢)

لايـجـوز لأحـد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعي الخ. (قواعد الفقه اشرفی ديو بند ص: ١١٠، رقم: ٢٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۹۷)

واقف کا مالک ہونا ضروری ہے

سوال [۷۶۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد محمد بخش کا ۱۹۶۳ء میں انتقال ہو گیا تھا مرحوم کے انتقال کے بعد ہمارے تایا زاد بھائی محمد ابراہیم منصوری نے ہمارا ولی بن کر اپنی جانب سے والد مرحوم کی

جائیداد کو پتھر والی مسجد حسن پور کے لیے وقف کر دیا، جبکہ ہم تینوں بہنوں میں سے ایک نابالغ تھی اور ایک نے انکار کرتے ہوئے اور انگوٹھہ نہیں لگایا اور ایک بہن، ابراہیم کے چھوٹے بھائی علاء الدین منصوری کے نکاح میں تھی، اس بہن نے بتلایا کہ مجھے طلاق دینے کی دھمکی دے کر زبردستی انگوٹھہ لگانے پر مجبور کیا تھا، ہماری والدہ اب مرحومہ ہو چکی ہیں لیکن ان سے بھی زبردستی انگوٹھہ لگوالیا تھا، مسجد والوں نے بھی اس جائیداد پر قبضہ کرلیا ہے اور اس جائیداد کا سارا ملبہ تقریباً ایک لاکھ روپئے کا انہیں بیچ چکے ہیں ہمارا کوئی مددگار نہیں تھا، لیکن اب کچھ ہمدردوں نے ہمیں کاغذات نکال کر دکھلائے تو اس میں وہی نوعیت ہے جو صورت حال ہم نے لکھی ہے تو کیا ایسی صورت میں ہم اپنے والد مرحوم کی وراثت کے حقدار رہے ہیں یا نہیں، جو حکم ہوگا ہم ماننے کو تیار ہیں، ایک بہن کا انتقال ہو گیا ہے، مرحومہ نے بھی انگوٹھہ لگانے سے انکار کر دیا تھا، البتہ مرحومہ کے شوہر اور ان کے بچے موجود ہیں، آپ ہمیں شریعت کی روشنی میں مسئلہ سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتی: صابرہ خاتون زوجہ نذیر احمد حسن پور امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد بخش کے انتقال کے بعد اس کی جائیداد کو اس کے بھتیجہ نے مسجد کے نام جو وقف کر دی ہے وہ شرعاً درست نہیں ہوا، وہ وقف نہیں بلکہ غصب ہے اور مرحوم محمد بخش کی جائیدا دان کے وارثین کے درمیان شرعی حصوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگی، لہٰذا کل جائیداد ۷۲/سہام میں تقسیم ہو کر ۹/سہام محمد بخش کی بیوہ کو اور ہر ایک لڑکی کو ۱۶/۱۶/سہام ملیں گے، باقی ۱۵/سہام محمد بخش کے بھائی بہنیں اگر زندہ تھے تو بھائی بہنوں کو ملیں گے اور اگر بھائی بہنیں زندہ نہیں رہے ہیں تو اس کے بھتیجوں کو ملیں گے، لہٰذا ارباب مسجد پر لازم ہے کہ وارثین کی جائیداد کو واپس کر دیں، مسجد میں غصب کا مال خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۳/۲۹۰)

عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: أیها الناس! إن الله طیب لایقبل إلا طیبا وإن الله أمر المؤمنین بما أمر به المرسلین، فقال: یأیها الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا إنی بما تعملون علیم.

(صحيح مسلم، الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، النسخة الهندية ١/٣٢٦، بيت الأفكار رقم: ١٠١٥، مسند دارمي دار المغنى ٣/١٧٨٦، رقم: ٢٧٥٩)

قوله و شرط سائر التبرعات أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكا تاما (إلى قوله) حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح و إن ملكه بعد بشراء أو صلح. (شامي، كتاب الوقف، مطلب: قد يثبت الوقف بالضرورة، زكريا ديوبند ٦/٥٢٣، كراچي ٤/٣٤٠-٣٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۸/۱ھ

ارادہ ظاہر کرنے سے وقف تام نہیں ہوتا

سوال [۷۶۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے ایسی جگہ زمین خریدی جہاں آبادی نہیں تھی، پھر انہوں نے ایک مسجد تعمیر کرنے کا اردہ کیا اور ارادہ ظاہر بھی کیا اب کافی عرصہ بعد اس علاقہ میں آبادی بھی کافی ہوگئی ہے، اور آبادی الحمد للہ مسلمانوں پر مشتمل ہے اور اس آبادی میں کوئی مسجد بھی نہیں ہے اور مسجد کی ضرورت ہے، اب زمین کے مالک کو اس شخص نے جس سے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا انہوں نے مسجد تعمیر کرنے کو کہا وہ راضی ہوگئے اور اس جگہ چہار دیواری ہوگئی ہے لیکن ابھی اس جگہ نماز نہیں ہورہی ہے۔

لیکن اب صاحب ملکیت چاہتے ہیں کہ اس جگہ کو فروخت کر کے دوسری جگہ زمین شہر کے قرب و جوار کے کسی دیہات میں خرید لی جائے کیا وہ جگہ فروخت کر کے دوسری جگہ زمین خریدی جاسکتی ہے؟ از راہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر ہماری رہنمائی فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کو بار بار پڑھ کر دیکھا گیا ہے اس میں صرف اتنی بات ہے کہ صاحب زمین نے اپنی زمین کے ایک حصہ پر مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے

اور ارادہ ظاہر کر کے اس کی چہار دیواری کر دی ہے اور صرف ارادہ ظاہر کر کے چہار دیواری کر دینے سے وقف نہیں ہوتا ہے بلکہ وقف کے لیے مخصوص شرائط ہیں ان میں سے کوئی بھی شرط ابھی اس زمین پر لاگو نہیں ہوئی اور خالی زمین کے وقف ہونے کے لیے واقف کی طرف سے وقف کے الفاظ کا استعمال کرنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ میں نے یہ زمین مسجد تعمیر کرنے کے لیے وقف کر دی ہے، اور سوالنامہ میں اس طرح ثبوتِ وقف کے کوئی الفاظ ثابت نہیں ہیں، اس لیے اس پر مسجد کی تعمیر شروع کرنے سے پہلے مالک زمین کو اختیار ہے کہ چاہے اس جگہ مسجد بنادے یا اس کے بدلہ میں دوسری جگہ جہاں زیادہ مناسب سمجھے وہاں بنادے، اور یہ زمین کسی دوسری ضرورت میں استعمال کرے یا بیچ دے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۳۸۸-۳۸۹، میرٹھ ۲۱/ ۲۴۰)

وفی الملتقط الناصری: وإذا بنی مسجدا لا یصیر مسجدا حتی یقر بلسانه أنه مسجد لایباع ولایوهب ولایرهن ولایورث، وفتح الباب و أذن فیه وأقیم و أذن للناس بالدخول فیه عامة فیصیر مسجدا إذا صلی بجماعة فیه. (تاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد، زکریا ۸/ ۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۵)

ورکنه الألفاظ الخاصة کأرضی هذه صدقة موقوفة مؤبدة علی المساکین ونحوه من الألفاظ کموقوفة لله تعالیٰ، أو علی وجه الخیر والبر. (شامی مطلب: قد یثبت الوقف بالضرورة، زکریا دیوبند ۶/ ۵۲۲-۵۲۳، کراچی ۴/ ۳۴۰، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۴۴/ ۱۱۴)

فأما رکنه فالألفاظ الخاصة الدالة علیه. (هندیة کتاب الوقف، الباب الاول زکریا قدیم ۲/ ۳۵۲، جدید زکریا ۲/ ۳۴۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۱۵)

زبانی وقف کرنے سے مسجد کا حکم

سوال [۷۶۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک مسلم فریق کی زمین پر زمانہ سابقہ میں کچی مسجد بنی ہوئی تھی بعد کے لوگوں نے اسے منہدم کر کے پختہ دیوار اور چھت دار مسجد تعمیر کی، اس عمارت کے مخدوش ہونے کے بعد تیسری مرتبہ مسجد تعمیر ہو رہی ہے اور ہر دفعہ گاؤں کی مدد وتعاون سے ہی مسجد تعمیر ہوئی ہے، لیکن مسجد کی زمین وقف نہیں ہے، اور اب بھی زمین مالک زمین کے نام ہے اور ۳۰/سال کے بعد ان کے وارثین نے زمین کی رسید اپنے یا اپنے باپ دادا کے نام کٹوائی ہے، اور ان کا دعویٰ ہے کہ زمین میری ہے، کیونکہ جب تیسری دفعہ مسجد کی تعمیر شروع کی گئی تو زمین کے وارثین نے مسجد بنوانے سے روکا اور مار پیٹ بھی ہوئی اور زور زبردستی لوگوں نے اس مقام پر مسجد کی تعمیر شروع کر دی، اور بہت ہی مضبوط طریقہ پر بنیاد کھڑی کی اور ایک منزلہ تیار کر دی گئی لیکن ابھی بھی اس منزل میں ادھورا کام ہوا ہے اور آگے کی منزل تیار کرنی ہے، لیکن شدید طور پر رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے، اور وارثین زمین کو اپنی ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اول دن ہی مسجد بنوانے سے روکا تھا، حالانکہ آج بھی اذان واقامت با جماعت نماز ہوتی ہے، اور اذان و جماعت میں کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور نہ کسی فرد کو نماز پڑھنے سے روکا جاتا ہے ہاں فتنہ کا خوف ضرور ہے کیونکہ ناخوشگوار واقعہ رونما ہو چکا ہے، اور آج بھی وارثین زمین پر اپنا دعویٰ کیے ہوئے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی مسجد جو وقف نہیں ہے اور کھتیان بھی مالک زمین کے نام ہے اور ان کے وارثین نے مالگذاری رسید بھی اپنے یا اپنے باپ دادا کے نام کٹوائی ہے، اور زمین پر اپنی ملکیت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کافی ہنگامہ ہونے کے بعد بھی مسجد کے نام منتقل نہیں کر رہے ہیں کیا ایسی مسجد کو مسجد کا نام دیا جا سکتا ہے اور اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملے گا؟

نیز ان لوگوں کے بارے میں جو اپنے باپ دادا کی (زبانی بلا ثبوت وبلا وقف تحریری) مسجد میں دی گئی زمین کا تیس سال کے بعد اپنے نام یا اپنے باپ دادا کے نام رسید مالگذاری کٹوائے اور مالکانہ حق کا دعویٰ برقرار رکھے اور مسجد کے نام منتقل نہیں کر کے گاؤں والوں کو

پریشانی میں مبتلا کیے ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اوراب تک لوگ اس جگہ کو مسجد کی زمین ہی مان رہے تھے، کیونکہ کسی نے کھتیان نہیں دیکھا تھا، ادھرادھوری مسجد کی تعمیر ہوجانے کے بعدزمین کی حقیقت کا انکشاف ہواہے؟

اگر وارثین مسجد کے نام زمین کومنتقل نہیں کرتے ہیں تو اس میں صرف کی گئی رقم کا مطالبہ وارثین مدعین سے کیا جاسکتا ہے،سوال کی ہرشق کا جواب شریعت کی زبان میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل دیا جائے تاکہ نزع رفع ہوسکے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب زبانی وقف کرکے مسجد بنائی جاچکی ہےاور اس کے بعد ایک مرتبہ اور ازسرِ نوتعمیر مسجد ہوگئی ہے، نیز باقاعدہ اذان و اقامت اورنماز باجماعت بھی ہونے لگی ہے،تو وہ بالاتفاق مسجد شرعی ہوگئی،اگرچہ تحریری وقف نامہ کی نوبت نہ آئی ہو،اورزمین واقف ہی کے نام ہو،اوراس مسجد میں دیگرمساجد کی طرح نماز بلاتأمل درست ہے،اور واقف کے وارثوں کا اس میں ایسی مداخلت کرنا جوکہ وقف کےخلاف ہو، نیز وراثت کا دعویٰ کرنا قطعاً غلط ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۳۹۱)

ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله: جعلته مسجدا عند الثانی (در مختار) قوله بالفعل أی بالصلاة فیه، ففی شرح الملتقی: أنه یصیر مسجدا بلا خلاف، ثم قال عند قول الملتقی، وعند أبی یوسفؒ یزول بمجرد القول ...... قلت: وفی الذخیرة: وبالصلاة بجماعة یقع التسلیم بلاخلاف...... ویصح أن یراد بالفعل الإقرار. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد، زکریا دیوبند ٦/٥٤٤ - ٥٤٥، کراچی ٤/٣٥٥ -٣٥٧)

من بنی مسجدا لم یزل ملکه عنه حتی یفرزه عن ملکه بطریقة ویأذن بالصلاة فیه. (هندیه، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق به، زکریا قدیم ٢/٤٥٤، جدید ٢/٤٠٨)

وأما المسجد فلیس له أن یرجع فیه ولایبیعه ولایورث عنه، لأن الوقف

اجتمع فيه معنيان: الحبس والصدقة. (عناية على هامش فتح القدير، كتاب الوقف فصل فى أحكام المسجد، زكريا ديوبند ٦/٢١٦، كوئٹه ٥/٤٤٣، دار الفكر مصرى قديم ٦/٢٣٢)

ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع فيه ولايبيعه ولايورث عنه. (هدايه اشرفى ٢/٦٤٥)

لاتسمع الدعوىٰ ممن رأى رجلا يتصرف فى أرض زمانا ولم يدع الرأى حال حياة المتصرف وفى منية الفقهاء رأى غيره يبيع أرضا فقبضها المشترى وهو ساكت كان ذٰلك إقرارا بالملك للبائع، فهٰذا يدل على أن السكوت عن المعارضة، إذا رأى غيره يتصرف فى شيئ ينزل منزلة إقراره، بأنه لاحق له، وفى الكنز باع عقاراً وبعض أقار به حاضر يعلم البيع، ثم ادعى لا تسمع. (طحطاوى على الدر كوئٹه ٣/٢٠٣)

لو باع عقارا أو غيره و امرأته أو أحد أقاربه حاضر يعلم به ثم ادعى ابنه مثلاً أنه ملكه لا تسمع دعواه. (شامى زكريا ٨/١١٧، كراچى ٥/٤٢٢)

رجل تصرف زمانا فى أرض و رجل آخر رأى الأرض والتصرف ولم يدع ومات على ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوى ولده، فتترك على يد المتصرف لأن الحال شاهد. (شامى زكريا ٨/٣١٨، كراچى ٥/٥٦٥)

والحاصل من هذه النقول أن الدعوىٰ بعض مضى ثلاثين سنة ...... لاتسمع إذا كان الترك بلاعذر ...... لأن تركها هذه المدة مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهرا. (شامى زكريا ١١/٦٥٤، كراچى ٨/٩٧)

وما فى الخلاصة: المدعى والمدعى عليه إذا كانا فى موضع، ولا مانع وادعى بعد ثلاثين سنة ...... لاتسمع. (طحطاوى على الدر كوئٹه ٣/٢٠٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۵۱)

صرف بنیاد رکھنے سے شرعی مسجد کا حکم

سوال [۷۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کی باؤنڈری کے اندر جو چاروں طرف سے گھری ہوئی ہے اور پانچ کمرے اور آگے برآمدہ ہے اب اس میں ایک مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، اس باؤنڈری کے اندر تین جگہیں تجویز کی گئی ہیں، بنیاد رکھتے وقت آپس میں انتشار ہوگیا، جھگڑے کو دبانے کے لیے عارضی طور پر بیچ صحن میں رکھ دی گئی تھی، لیکن جہاں پر عارضی طور پر بنیاد رکھی گئی تھی وہاں پر آج تک کوئی نماز ادا نہیں کی گئی، مختلف جگہوں پر نماز ادا کر رہے ہیں، تو کیا مدرسہ کے کمروں کے اتر سائیڈ والی زمین پر مسجد بنائی جاسکتی ہے؟ اب اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ مسجد اتر پچھّم بنائی جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے احاطہ میں تعمیر مسجد کی نیت سے گڑھا کھودنے اور محض اس کی بنیاد رکھنے سے وہ جگہ شرعی مسجد نہیں بنتی ہے، بریں بنا اگر ذمہ دارانِ مدرسہ اس جگہ مسجد نہ بنا کر دوسری جگہ اتر پچھّم جانب میں مسجد بنانے پر رضامند ہوں تو اس جانب میں بھی مسجد بنانا شرعاً جائز اور درست ہے، اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں۔

لایصیر مسجدا بمجرد البناء مالم یوجد القبض والتسلیم وبالصلاۃ بجماعۃ یقع القبض والتسلیم بلا خلاف. (تاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد، زکریا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴)

قال أبو حنیفةؒ: لایکون مسجدا حتی یصلی فیه جماعة بإذنه. (تاتارخانیة زکریا ۸/۱۵۷، رقم: ۱۱۴۹۷)

مبادلة دار الوقف بدار أخریٰ إنما یجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو محلة أخریٰ خیرا. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی شروط الاستیذان، زکریا دیوبند ۶/۵۸۶، کراچی ۴/۳۸۶، البنایة اشرفیه دیوبند ۷/۴۶۰، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۴۴/۱۹۶-۱۹۷، رقم: ۱۱۴۹۷)

وإن کان للوقف ریع ولکن یرغب شخص فی استبداله إن اعطی مکانه بدلا أکثر ریعا منه فی صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبی یوسفؒ والعمل علیه. (شامی زکریا ۵۸۷/۶، کراچی ۳۸۷/۴، النهر الفائق، دار الکتب العلمیة بیروت ۳۲۰/۳، البحر الرائق کوئٹه ۲۲۳/۵، زکریا ۳۷۳/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر المظفر ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۲۳/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۲/۱۶ھ

بنیاد رکھنے سے مسجد کا حکم

سوال [۷۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وہ آراضی جس میں مسجد کے لیے بنیاد کھودی گئی اور صرف پانچ اینٹیں رکھی گئی تھیں اور کبھی نہ اذان ہوئی اور نہ نماز پڑھی گئی تو کیا اس میں گھر وغیرہ بنایا جاسکتا ہے؟ مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف بنیاد رکھنے کی وجہ سے مسجد کا حکم ثابت نہیں ہوتا اس لیے اگر کسی کی ملکیت کی زمین ہے تو اس کے لیے اس زمین پر مسجد کا ارادہ ملتوی کر کے دوسری عمارت بنانا جائز ہے۔

التسلیم فی المسجد: أن تصلی فیه جماعة بإذنه ...... ویشترط مع ذلک أن تکون الصلاة، بأذان و إقامة جهرا لاسرا. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و مایتعلق به، زکریا قدیم ۴۵۵/۲، جدید ۴۰۸/۲، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۱۵۶/۸، رقم: ۱۱۴۹۴، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۱۲۴/۹، رقم: ۱۱۳۳۵-۱۱۳۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍شوال المکرم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۵۹/۳۷)

میرے مکان میں مسجد بنالو اور اس کے بدلہ مجھ کو کوئی زمین دیدینا کہنے کا حکم

سوال [۷۶۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید وغیرہ نے میرا مکان نماز پڑھنے کے لیے مجھ سے مانگا میں نے ان کو دیدیا کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے کہا کہ مکان ہمیں مسجد بنانے کے لیے دیدو اور اس کے بدلے میں ہماری زمین لے لو میں نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے، مگر جب زمین دینے کا وقت آیا تو زید وغیرہ بدلے میں مجھ کو ایسی زمین دے رہے تھے کہ جس کے یہ خود قانونی مالک ہی نہیں ہیں، (یعنی گرام سبھا کی زمین) اس پر میں نے جواب دیا کہ مجھے ایسی زمین بدلے میں چاہیے کہ جس کا تم بیعنامہ میرے نام کراسکو بس زید وغیرہ مجھے ایسی زمین نہیں دیے پائے کہ جس کا بیعنامہ میرے نام ہوسکتا، لہٰذا میں نے اپنا مکان ان سے خالی کرالیا اور حسب سابق اس میں رہائش اختیار کرلی، نیز زید وغیرہ نے میرے مکان میں تقریباً ڈیڑھ سال نماز باجماعت ادا کی رمضان شریف میں تراویح میں قرآن شریف بھی دومرتبہ پڑھایا گیا اور ایک مرتبہ شبینہ بھی ہوا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا:

(۱) میرے مکان کا بدل ادا کیے بغیر زید وغیرہ کو اس کو مسجد قرار دینا جائز ہے؟

(۲) مذکورہ مکان میں ڈیڑھ سال تک نماز باجماعت ادا کرنے سے یا تراویح میں قرآن شریف سننے سے یا اس میں شبینہ کرانے سے کیا شرعی مسجد ہوسکتا ہے؟

(۳) زید وغیرہ عوام کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ جس جگہ پر نماز باجماعت اور تراویح میں قرآن پاک اور شبینہ ہوجائے وہ جگہ شرعی مسجد ہوجاتی ہے کیا شرعی اعتبار سے ان کا یہ پروپیگنڈہ صحیح ہے؟

(۴) کیا ایسی صورت میں شرعی اعتبار مجھے اپنے مکان میں رہائش اختیار کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: فرید احمد، سیف جانسرائے سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد شرعی وہ ہے کہ کوئی ایک شخص یا چند اشخاص

اپنی مملوکہ زمین کو اپنی ملک سے جدا کردیں، اور اللہ کے نام سے مسجد کے لیے وقف کردیں اور اس کا راستہ شاہراہ عام کی طرف کھول کر مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدیں اس کے بعد جب ایک مرتبہ اس میں اذان وجماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے تو وہ جگہ مسجد شرعی بن جاتی ہے، اور چونکہ نہ آپ نے اپنے گھر کو مسجد کے لیے دیا ہے اور نہ ہی زید وغیرہ نے اسے خرید کر مسجد کے لیے وقف کیا ہے اس لیے وہ مکان مسجد شرعی نہیں ہوسکتا صرف نماز اور تراویح ادا کرنے سے کوئی جگہ مسجد نہیں ہوجاتی، لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ آپ نے اس شرط کے ساتھ یہ مکان لوگوں کو دیا تھا کہ اگر اس کا متبادل کوئی زمین دیں گے تب مسجد بنے گی ورنہ نہیں۔

فلو جعل وسط داره مسجدا و أذن للناس بالدخول و الصلاة فيه، إن شرط معه الطريق صار مسجدا ثم قال: ولو عزل بابه إلى الطريق الأعظم يصير مسجدا ثم قال بعد ذٰلک بشيئ رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قومه بالصلاة فيها بجماعة قالوا: إن أمرهم ...... بالصلاة أبدا او أمرهم فيها بالصلاة بالجماعة ولم يذكر الأبد إلا أنه أراد بها الأبد ثم مات لايكون ميراثا. (حاشية الطحطاوی علی الدر كوئٹه ٢/ ٥٣٦،شامی، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، زكريا ٦/ ٥٤٥، كراچی ٤/ ٣٥٦، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ٢٠٢، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٩١)

اور اگر یہ شرط نہیں لگائی کہ اگر متبادل زمین دیں گے تب مسجد بنے گی بلکہ صرف یہ کہا کہ آپ لوگ اس کو مسجد بنالیں مجھ کو کوئی متبادل زمین دیدینا اس کے بعد ان لوگوں نے اس کو مسجد بنالیا اور مسجد کے ہی سارے احکام اس میں جاری کردیئے اور اس کی شہرت بھی ہوگئی، اور لوگ اس میں مسجد سمجھ کر نماز پڑھنے لگے تو ایسی صورت میں یہ مسجد شرعی بن چکی ہے، اب اس میں قیامت تک عبادت کے علاوہ دوسرا کام کرنا جائز نہ ہوگا، اب اگر ذمہ داران مسجد آپ کو متبادل زمین نہ دے سکیں، تو ان لوگوں کے ذمہ آپ کے مکان کی قیمت ادا کرنا لازم ہوگی، اور اس کو مسجد کے علاوہ کسی دوسرے کام میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، لہٰذا اگر یہ دوسری شکل ہے تو آپ کو اس میں رہائش کرنے کا حق نہ ہوگا، بلکہ صرف قیمت لینے کا حق آپ کو ہوگا، اور اگر پہلی شکل ہے تب رہائش کا حق آپ کو ہوسکتا ہے۔

وقال أبويوسف هو مسجد أبدا إلى قيام الساعة لايعود ميراثا ولايجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، وبه علم أن الفتوىٰ على قول محمدؒ في آلات المسجد وعلى قول أبي يوسف في تابيد المسجد. (شامی کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره زکریا دیوبند ٦/٥٤٩، کراچی ٤/٣٥٩)

(۲) اور اگر پہلی شکل ہے، تو پھر زید وغیرہ لوگوں میں جو مسجد کی شہرت دے رہے ہیں، ان کے شہرت دینے کا کوئی اعتبار نہیں، اور اگر دوسری شکل ہے تو ان کا شہرت دینا صحیح اور آپ کو بھی اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے، بس آپ صرف اس مکان کی قیمت لینے کے حقدار ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۶۳)

نہ بیچنے کی شرط لگا کر مسجد کو زمین وقف کرنا

سوال [۷۶۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی نے تھوڑی زمین ایک مسجد کے لیے وقف کی، اور شرط لگائی کہ اس زمین کو مسجد کمیٹی کبھی بھی بیچ نہیں سکے گی اور مذکورہ زمین میں چند قبریں ہیں ان قبروں کی حفاظت کی بھی شرط لگائی اور زمین کے چاروں طرف ایک آدمی کی زمین ہے اس نے اپنی زمین میں بڑے بڑے درخت لگا رکھے ہیں، جن کا سایہ اس زمین پر پڑنے کی وجہ سے اس سے فصل وغیرہ کی امید نہیں کی جاتی، اب مذکورہ زمین سے برابر والی زمین کے مالک کے ہاتھ بیچنے کے علاوہ مسجد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ زمین کا وقف درست ہوگا یا نہیں؟ اور اس کی شرط درست ہے یا نہیں اور اگر شرط صحیح نہیں تو ضرورت کے وقت مسجد کمیٹی اس زمین کو بیچ سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ وقف شرعاً درست ہے، اس زمین کو کھیتی یا

درخت وغیرہ لگا کر جس طرح بھی ہو سکے قبروں کو باقی رکھتے ہوئے مسجد کے کام میں لایا جائے لیکن اس کوفروخت کرنا شرعاً جائز نہیں۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنى استفدت مالا وهوعندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبى ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك فى سبيل الله وفى الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

فإذا تم ولزم لايملك ولايعار ولايرهن ...... أى لايقبل التمليك لغيره بالبيع و نحوه. (شامى، كتاب الوقف، زكريا ديوبند ٦/٥٣٩، كراچى ٤/٣٥١-٣٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰رمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۲۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۱۳ھ

جس جگہ کو مسجد کے نام سے خریدا گیا ہو وہ مسجد ہے یا نہیں؟

سوال [۷۶۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان خریدا گیا، اور خریدتے وقت یہ ارادہ تھا کہ یہاں پر فضائل اعمال کی تعلیم کی جائیگی، مسجد کے ارادہ سے جگہ نہیں خریدی گئی تھی، لیکن ارادہ یہ تھا کہ اگر اسی مکان کے پڑوس میں کوئی اور مکان مل گیا تو اسی مکان کو وسیع کر کے مسجد بنا لیا جائیگا، اور اگر اس مکان کے پڑوس میں کوئی جگہ مناسب نہیں ملی تو اس مکان کو بدل دینے کا ارادہ تھا، اور دوسری طرف

جہاں وسیع جگہ ملے، وہاں اس مکان کو فروخت کر کے مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ تھا، کچھ دنوں تک مذکورہ مکان میں صرف فضائل اعمال کی تعلیم ہوتی رہی، اور نماز جامع مسجد میں ادا کی جاتی تھی، پھر اس کے بعد عشاء کی نماز اولاً اس مکان میں ادا کی جانے لگی، پھر رفتہ رفتہ پنج وقتہ نمازیں اذان کے ساتھ ادا کی جانے لگیں، لیکن یہ بات یاد رہے کہ اس وقت ابھی عارضی طور پر یہاں نماز ادا کی جاتی رہی، مسجد کی نیت سے نماز نہیں پڑھی جاتی تھی، اور جمعہ بھی یہاں ادا نہیں کیا جاتا تھا، اور اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ جب چندہ کی ضرورت پڑی تو اس مکان کو مسجد بلال سے موسوم کیا گیا اور اسی نام پر چندہ بھی کیا گیا، تو کیا ایسی صورت میں مذکورہ مکان شرعی مسجد کے حکم میں گیا اور کیا اس مکان کو بدل کر دوسری جگہ خریدی جاسکتی ہے؟

(۲) دوسرا یہ کہ اسی مکان کو زمین دوز کر کے اسی پر مسجد بنائی جائے، لیکن کیا اس میں یہ طریقہ اختیار کرنا درست ہوگا، کہ ابھی جہاں نماز ادا کی جاتی ہے، وہاں نیچے بیت الخلاء وغیرہ بنالی جائیں اور اوپر مسجد تعمیر کردی جائے؟

(۳) یا پہلے جہاں بیت الخلاء تھے ان بیت الخلاؤں کو نیچے رکھتے ہوئے ان کے اوپر مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے؟

نوٹ: مندرجہ بالا مسائل جگہ کی قلت کی بنا پر پیش آئے۔

المستفتی: عبدالعزیز

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی جگہ جس کو مسجد کی نیت سے نہیں خریدا گیا اور نہ ہی مسجد کی نیت سے اس میں نماز پڑھی گئی تو اس پر مسجد شرعی کا اطلاق نہیں کیا جائیگا، لہٰذا مذکورہ مکان فروخت کر کے اس کی قیمت اور مسجد بلال کے نام پر جو چندہ کیا گیا ہے اس چندے کے پیسے دونوں کو ملا کر مسجد کے لیے مناسب جگہ خرید کر مسجد بلال کے نام سے تعمیر کی جائے تو جائز ہوگا۔

وأما إن وقت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة ففي هٰذا الوجه لا تصير الساحة مسجدا لو مات يورث عنه. (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما يتعلق به، زکريا قديم ۲/۴۵۵، جديد ۲/۴۰۹، الفتاویٰ التاتارخانية

زکریا ۸/۱۵۷ رقم: ۱۱۴۹۹، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/ ۱۲۵، رقم: ۱۱۳۳۸)

(۲) اگراس عمارت کو مسمار کر کے نیچے تہہ خانہ کی شکل دے دی جائے جس میں ضروریات مسجد پوری ہوسکیں اور پھر اس کے اوپر نماز کے لیے جماعت خانہ کی شرعی مسجد بنالی جائے، تو ایسا کرنا اس وقت جائز ہے کہ جب جماعت خانہ کے نیچے کے حصہ میں بیت الخلاء پیشاب پاخانہ وغیرہ نہ ہو، ہاں البتہ وضوخانہ، امام ومؤذن کے رہنے کے لیے کمرے مسجد کے سامان رکھنے کی جگہ یا مسجد کی آمدنی کے لیے دکانیں وغیرہ بنالی جائیں تو اس کی گنجائش ہے اور بیت الخلاء جماعت خانہ یعنی شرعی مسجد کے حدود سے باہر کے حصے میں بنانا چاہیے، شرعی مسجد کے حدود میں نیچے اوپر بنانا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۸۵)

الظاهر عدم الجواز ومايأتي متنا لايفيد الجواز لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه على أن الظاهر عدم صحة جعله مسجدا بجعل بيت الخلاء تحته كما يأتي أنه لو جعل السقاية أسفله لايكون مسجدا فكذا بيت الخلاء لأنهما ليسا من المصالح تأمل. (تقريرات رافعی ملحق بالشامی مطلب: فی أحكام المسجد ۲/۸۵، کراچی ۲/۸۵)

(۳) مسجد کے جماعت خانہ کے نیچے بیت الخلاء کا ہونا درست نہیں ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزر چکا ہے، بلکہ بیت الخلاء شرعی مسجد کے حدود سے الگ ہونا ضروری ہے اوپر یا نیچے درست نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۸۵)

الظاهر عدم الجواز ومايأتي متنا لايفيد الجواز لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه على أن الظاهر عدم صحة جعله مسجدا بجعل بيت الخلاء تحته كما يأتي أنه لو جعل السقاية أسفله لايكون مسجدا فكذا بيت الخلاء لأنهما ليسا من المصالح تأمل. (تقريرات رافعی ملحق بالشامی مطلب: فی أحكام المسجد ۲/۸۵، کراچی ۲/۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۷۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۵ھ

زمین وقف کرنے کے بعد اپنی ملکیت میں لینا

سوال [۷۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی زمین مسجد اور مدرسہ کے لیے دیدی، اوراس میں مسجد ومدرسہ کے ذمہ داران نے تعمیر کرائی، اوراب مسجد میں پنجوقتہ مع جمعہ نماز ہوتی ہے پھر کسی بات کے اوپر جھگڑا ہوگیا تو وہ زمین والا کہتا ہے کہ مسجد اور مدرسہ میں تالا لگادوں گا اب اگر وہ شخص تالا لگادیتا ہے تو کیا اس کو اس بات کا حق ہے کہ وہ مسجد یا مدرسہ میں تالا لگائے؟ اور اگر تالا لگادیتا ہے تو کیا اس زمین کا آخرت میں اس کو اجر ملے گا یا نہیں؟ اور جس شخص سے جھگڑا ہوا ہے اس کو مسجد میں نماز پڑھنے سے اور اس کی اولاد کو مدرسہ میں پڑھنے سے روکتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد یا مدرسہ کے لیے جو زمین دیدی ہے اور اس پر مسجد یا مدرسہ کی تعمیر بھی ہوچکی ہے تو اب اس سے زید یا زید کے ورثاء کا کوئی حق متعلق نہیں ہے، اگر زید بہت زیادہ حد سے تجاوز کرتا ہے اور نمازیوں سے لڑائی جھگڑے کرتا ہے اور مدرسہ میں طلبہ کو پڑھنے سے روکتا ہے تو ایسی صورت میں زید ہی کو آنے جانے سے روکا جاسکتا ہے، اور ایسے شخص کو مسجد یا مدرسہ کا ذمہ دار بنانا بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/۴۱۰، امداد الفتاویٰ ۲/۷۰۰)

﴿وقد قال الله تعالىٰ: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَاللّٰهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا. [البقرة: ١١٤]﴾

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه

غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲٦۸۳، ف: ۲۷٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۶۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۴؍۱۴۱۷ھ

موقوفہ زمین میں مالکانہ حقوق کسی کو حاصل نہیں ہوتے

سوال [۷۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مولانا عبد العزیزؒ نے ۱۹۸۱ء صوفی باغ مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داری سنبھالی۔

(۲) ۱۹۸۱ء میں مولانا عبد العزیزؒ نے مسجد شہید کرائی اور قومی تعاون سے مسجد وصحن کے اوپر کے حصہ میں دو منزلہ بلڈنگ کی تعمیر کرائی۔

(۳) اس نئی تعمیر کے وقت صوفی باغ کمیٹی کے ذمہ داروں نے تحریراً دستاویز لکھ دی تھی کہ یہ ملکیت مسجد کی ہے صرف مسجد ومدرسہ کے استعمال میں لی جاسکتی ہے خاندان والے نہ اس کو استعمال کر سکتے ہیں اور نہ کسی کو کرایہ پر دے سکتے ہیں (اس دستاویز کی نقل سوال کے ساتھ شامل ہے)

مسجد بلڈنگ کا کام مکمل ہوا اور مدرسہ آہستہ آہستہ چلتا رہا اس درمیان ۱۹۸۶ء میں مولانا عبد العزیز دیوان کا انتقال ہوگیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

(۴) ۱۹۸۶ء میں مولانا عبد العزیز کے انتقال کے وقت مفتی سلیم صاحب وڈچھپا ناظم واستاذ تھے، انہوں نے بڑے درد سے مجھ سے (سلیم چاندی والا) سے کہا کہ مدرسہ بند ہونے کی تیاری میں ہے اور صوفی باغ کے کمیٹی کے ذمہ داران اس تعمیر کو ہوٹل چلانے کے لیے کرایہ پر دینے کی بات کرر ہے ہیں، ان کی بات سن کر میں (سلیم چاندی والا) قاری اسماعیل صدیق صاحب سعید بھائی، حسین بھائی، سید صاحب، یعقوب بھائی اور عبد اللہ بھائی نے مل کر مشورہ کیا کہ یہ ملکیت کسی بھی حالت میں ہوٹل والے کو یا کسی اور کرایہ دار کو کرایہ پر نہ

دی جائے کیونکہ مولانا عبدالعزیزؒ نے قوم کے روپیہ سے بلڈنگ بنائی ہے اس میں مدرسہ ہی چلنا چاہیے، الحمدللہ ایسا ہی ہوا، جس کا آج مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

بہرحال مدرسہ چلتا رہا پھر مشورہ کرکے مسجد کے پڑوس کی جگہ مطبخ کے لیے خریدنے کی بات طے ہوئی، اس کے لیے عبدالرحمٰن ہمدرد (لاجپور) سے بات کرکے ۶۵۰۰۰ روپیہ پگڑی طے کرکے ان کو نقد دے کر قبضہ حاصل کیا، لیکن کرایہ کی رسید کے بارے میں اختلاف ہوا، وہ مدرسہ کے نام سے بنانے سے منع کررہے تھے اور سلیم بھائی کے نام سے بنانا چاہتے تھے، ہم اس بات پر متفق نہ ہوئے، کیونکہ یہ تو قوم کے روپیہ کی ملکیت ہے اس لیے مدرسہ کے نام سے کرایہ رسید بننی چاہیے، ۱۹۹۰ر میں مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام سے کرایہ رسید بنی، اور ۲۰۰۰ء میں مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام سے رجسٹر بھی ہوچکا۔

۱۹۸۶ء کے سال میں مفتی سلیم صاحب ناظم تھے اس وقت طلبہ کی تعداد ۱۷ر تھی، اور ۳ر اساتذہ تعلیم میں مشغول تھے، مفتی صاحب نے خود بھی چندہ کیا تھا اس طرح ۱۹۸۶ء کا سال ختم ہوا۔

(۵) ۱۹۸۷ء میں مفتی سلیم صاحب، سید صاحت، حضرت حسین بھائی، اور یعقوب بھائی نے مل کر اس سال کے لیے چندہ کیا اس وقت طلباء کی تعداد ۳۰ر تھی، لیکن اسی سال مفتی سلیم صاحب لندن چلے گئے، ان کی جگہ مولانا یوسف بودیات کو ناظم بنا دیا گیا۔

(۶) ۱۹۸۷ء کے بجٹ کے لیے میں (سلیم چاندی والا) سعید بھائی، قاری اسماعیل وغیرہ ۱۰ر ممبروں نے ۵۰۰۰، ۵۰۰۰ روپیہ لیے، اس وقت طلبا کی تعداد ۳۵ر تھی اسی سال مولانا یوسف صاحب بودیات مدرسہ سے علاحدہ ہوئے ان کی جگہ قاری اسماعیل کو ناظم بنایا گیا۔

(۷) ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۰ء تک طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا اور رہائش کے لیے تنگی محسوس ہونے لگی تو میں (سلیم چاندی والا) اور قاری اسماعیل نے مل کر چندہ کیا اور مسجد کے صحن کے اوپر تیسری منزل کی تعمیر کرائی اس کا کرایہ مدرسہ آج تک صوفی باغ کمیٹی کے ذمہ داروں کو ادا کررہا ہے۔

(۸) مطبخ سے متصل جگہ جو صوفی باغ کی کمیٹی کی ہے وہ ہندو گھاڑی والے کے

قبضہ میں تھی، ہم نے ان سے بات کر کے ۱۹۹۱ء میں ۲؍لاکھ روپیہ چندہ کر کے پگڑی دے کر لے لی، اس جگہ کا نام بھی مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام سے کرایہ رسید بنی اور آج تک صوفی کمیٹی کے ذمہ داران کرایہ وصول کر رہے ہیں۔

مطبخ سے متصل جگہ جسے ہندو گھاڑی والے بھائی سے پگڑی دے کر لی تھی، ان کے اوپر کے حصہ کا قبضہ سورپرہ ہوٹل کے مالک کمال بھائی نے ۵۰۰۰ (پانچ ہزار) دے کر صوفی باغ کمیٹی کے ذمہ داران سے پگڑی دے کر لیا تھا۔

اس کے بعد میں خود (سلیم چاندی والا) اور قاری اسماعیل، عبداللہ بھائی، یعقوب بھائی، اور سید صاحب نے مل کر سورپرہ ہوٹل کے مالک کمال بھائی کے ساتھ مشورہ کر کے کمال بھائی سے اوپر کے حصہ کا حق ۵۰۰۰؍ (پانچ ہزار) روپیہ دے کر مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام حاصل کر لیا، بعدہ کمال بھائی نے ۵۰۰۰؍روپئے لے کر مدرسہ میں للہ دیدیئے۔

اوپر لکھی ہوئی تفصیل پڑھ کر شرعی فیصلہ دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

پانچ پانچ روپئے کے اسٹام پیپر پر لکھا ہوا اقرار نامہ

ہم نیچے دستخط کرنے والے ”حضرت شاہ صوفی سلیمان بن حافظ احمد دیوان ٹرسٹ“ کے ارکان ٹرسٹ:

(۱) مولوی عبدالحق میاں — سملک

(۲) مولوی عبدالعزیز ایم دیوان — لاجپور

(۳) عبدالاحد عبدالحفیظ صوفی — لاجپور

(۴) عبدالجبار محمد سعید صوفی — لاجپور

(۵) شبیر احمد عبدالصمد صوفی — لاجپور

اس تحریر سے ہم واضح کرتے ہیں کہ ”صوفی باغ“ اسٹیشن کے سامنے، سورت میں مذکورہ ٹرسٹ کی زمین میں ایک مسجد اور درگاہ ہے، جو ممبئی ٹرسٹ ایکٹ ۱۹۵۰ء کے تحت

سورت نمبر بی ۸۶۹ سے رجسٹر کیا گیا ہے۔

مذکورہ مسجد شہید کر کے ازسرنو ۱۹۸۱ء میں تعمیر کی گئی ہے اور اس کے علاوہ اس کا صحن اور اوپر پہلا اور دوسرا منزلہ بھی تعمیر کیا گیا ہے، مذکورہ ملکیت (جو ازسرنو تعمیر ہوئی ہے) صرف مسجد کی ہے جس کو صرف مسجد و مدرسہ ہی کے استعمال میں لیا جاسکتا ہے، مذکورہ ملکیت کی کوئی بھی جگہ یا کمرے دوسری کسی استعمال میں یا خاندان کے لوگوں کو یا دوسرے کسی بھی اشخاص کو رہنے کے لیے یا دوسرے کسی بھی مقصد کے لیے کرایہ پر نہیں دی جاسکتی، اور اس میں کسی کو بھی مع فیملی رہائش کا حق نہیں دیا جاسکتا۔

دستخط ارکان ٹرسٹ:

سورت ریلوے اسٹیشن کے قریب حضرت مولانا شاہ صوفی سلیمان لاجپوریؒ کے زمانہ سے صوفی باغ مسجد و مدرسہ چل رہا تھا اور فی الحال بھی جاری ہے، لیکن حضرت کے زمانہ میں کبھی جاری رہتا تو کبھی حالات سے دو چار ہو کر بند ہو جاتا تھا اس طرح ایک مدت تک رہا، اخیر میں یعنی ۱۹۸۱ء میں حضرت مولانا عبدالعزیز دیوان لاجپوریؒ کے انتقال کے بعد صوفی ٹرسٹ کے ذمہ داران اس ملکیت کو ہوٹل چلانے کے لیے کرایہ پر دینا چاہتے تھے اس کی خبر ہوتے ہی (سلیم چاندی والا) قاری اسماعیل، محمد صدیق (معروف بہ حضرت) سعید بھائی، حسین بھائی، سید صاحب، یعقوب بھائی اور عبداللہ بھائی سب نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ اس ملکیت کو کسی بھی طرح کرایہ پر نہ دی جائے، اور الحمد للہ اس کام میں وہ کامیاب نہ ہو سکے، لیکن ہم نے خوب محنت سے چندہ کر کے مدرسہ کو آگے بڑھایا یہاں تک کہ فی الحال ۱۲۰۰/ طلبہ دینی تعلیم حاصل کرر ہے ہیں، اور اس کی تعلیم و تربیت کے لیے اساتذہ کی ایک بڑی جماعت رات، دن جفاکشی میں لگی ہوئی ہے، مدرسہ ہماری نگرانی میں آنے کے بعد آج تک ۶۷ حفاظ، ۱۰۸ قاری، ۳۸/ عالم بنے ہیں۔

مختصراً مسجد و مدرسہ ویران نہیں ہے بلکہ برابر دینی کام میں لگا ہوا ہے، موجودہ ترقی و چمک و دمک کو دیکھ کر صوفی صاحب کے خاندان والے اس ملکیت کا مطالبہ کرر ہے ہیں کہ یہ تو

ہمارے خاندان کی ملکیت ہے، ہمیں واپس کی جائے تو کیا اس حالت میں مسجد و مدرسہ کی ملکیت کے مطالبہ کا حق انہیں حاصل ہے؟ حالانکہ قوم کے روپیہ سے بنی ہوئی اس ملکیت کا آج تک ہم کرایہ ادا کر رہے ہیں اور کرایہ کی رسید بھی ہمارے پاس موجود ہے۔

ہم ذمہ داران جو اس وقت تھے آج تک مل کر کام کر رہے ہیں، اور ہم نے اپنی کوئی غرض اور کوئی ذاتی مفاد حاصل نہیں کیا ہے، حتی کہ تنخواہ کی کوئی رقم تک نہیں لی، صرف ایک دینی کام سمجھ کر تن، من دھن سے اور پورے ذوق وشوق اور محنت سے کام کیا تھا، اور کر رہے ہیں، استفتاء کا جواب دیکر ممنون وشاکر فرمائیں اور عنداللہ اجر وثواب پائیں؟

نوٹ: مولانا عبد العزیز کے انتقال کے بعد کی پوری تفصیل اور دستاویز اس کے ساتھ شامل ہیں۔

المستفتی: بھائی سلیم چاندی والا، مدرسہ اسلامیہ وقف سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد اور مدرسہ جس جگہ پر قائم ہیں وہ جگہ اگر وقف کی ہے یا مسلمانوں کے چندہ سے مسجد اور مدرسہ قائم کیے گئے ہیں تو مسجد تو ہمیشہ ہمیش کے لیے وقف علی اللہ ہوتی ہے اس کو ملکیت یا کسی اور چیز میں تبدیل کرنا اس میں مالکانہ حقوق کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے، اور جو مدرسہ قوم کے چندہ سے تعمیر کیا گیا ہے وہ بھی قومی وقف کے حکم میں ہے اس پر بھی وراثت کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے، نیز اگر صوفی خاندان کے لوگ صرف انتظام ہاتھ میں لینے کے لیے کوشاں ہیں اور موجودہ حالات میں جو لوگ انتظام سنبھال رہے ہیں ان کے ذریعہ سے مدرسہ اور مسجد کی ترقی ہورہی ہے اور ان کی طرف سے کوئی خیانت اور بدنظمی بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں صوفی خاندان کے لوگوں کے لیے نظام اپنے ہاتھ میں لینے کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے، سوالنامہ میں یہ جو لکھا گیا ہے کہ اس ملکیت کا کرایہ ادا کیا جا رہا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ صوفی خاندان کی ملکیت ہے، اور انہیں کرایہ ادا کیا جا رہا ہے اور انہیں سے کرایہ کی رسید لی جاتی ہے، یا کسی دوسرے لوگوں کی ملکیت

ہے اور انہیں کرایہ ادا کیا جاتا ہے، یہ بات واضح نہیں ہو پائی اس لیے اس سلسلے میں کچھ لکھنے سے معذرت خواہ ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۳۵۵)

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنى استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبى ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك فى سبيل الله وفى الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤، وهكذا فى الصحيح المسلم، الوصية، باب الوقف، النسخة الهندية ٢/ ٤١، رقم: ١٦٣٢)

فإذا تم و لزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولايرهن، وتحته فى الشامية: لايكون مملوكا لصاحبه ولايملك أى لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه. (شامى كتاب الوقف زكريا ديوبند ٦/٥٣٩، كراچى ٤/٣٥١-٣٥٢)

رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قوما أن يصلوا فيها بجماعة أبدا أو أمرهم بالصلاة مطلقا و نوىٰ الأبد ففى هذين الوجهين صارت الساحة مسجدا لو مات لايورث عنه. (هنديه، الباب الحادى عشر فى المسجد و ما يتعلق به، زكريا قديم ٢/ ٢٥٥، جديد ٢/ ٤٠٩، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ٩/ ١٢٥، رقم: ١١٣٣٨، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٨/ ١٥٧، رقم: ١١٤٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۳؍ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۶۴)	۱۴۳۱/۱/۲۳ھ

وقف تام ہونے کے بعد واقف کے رشتہ دار کا غاصبانہ طور پر فائدہ اٹھانے سے متعلق مختلف احکام

سوال [۷۶۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی ریاض الاسلام صاحب مرحوم نے اپنی ایک بڑی جائیداد کو باقاعدہ سرکاری کاغذات پر تحریر کرا کر وقف کر دیا تھا، اور تحصیلدار کیرانہ کے یہاں رجسٹر کرادیا تھا، جس کا فوٹو اسٹیٹ ہمارے پاس موجود ہے جس میں یہ بھی تحریر ہے کہ اس وقف کا متولی ومنتظم میں خود (حاجی ریاض الاسلام) رہوں گا، اور اپنی وفات کے بعد ان کی بیوی مسماۃ ام کلثوم متولیہ ہوں گی ان کے بعد پانچ اشخاص جن کے نام تحریر کر دیئے گئے تھے، ان پانچ اشخاص میں سے ایک صاحب شیخ نثار احمد صاحب کو منیجر کے طور پر رکھا گیا تھا، ہوا یہ کہ حاجی ریاض الاسلام کے انتقال کے بعد جو ۱۹۶۵ء میں ہوگیا تھا، منیجر صاحب نے دفتر سنی سینٹر حال بورڈ سے اس وقف کی فائل بھی ختم کرا کر ضلع مظفر نگر میں اس وقف کو بھی ختم کرنے کی اپیلیں دائر کیں اور اس میں بھی وہ کامیاب ہو گئے اور ابھی تک اس وقف میں ملکیت جاری ہے لیکن قصبہ کے کچھ اشخاص کے علم میں جب یہ بات آئی کہ یہ وقف پراپرٹی ہے انہوں نے کوشش کر کے میرٹھ محافظ خانہ سے اصل وقف نامہ نکلوایا جس پر بطور گواہ مولوی محمد طاہر اور قاضی مسعود اور منشی سبحان بیگ کے دستخط موجود ہیں، ۱۹۶۶ء میں مولوی شبیر احمد صاحب نے اس کے لیے سنی سینٹرل بورڈ میں پھر اس وقف کے لیے درخواست کی جس پر اس وقت کے صدر جناب شوکت حمید مرحوم نے شیخ نثار احمد کو منیجر کے عہدہ سے ہٹا کر مولوی شبیر احمد کو منیجر مقرر کر دیا اور واقف کی ہدایت کے مطابق خالی جگہوں کو اس طرح پُر کیا:

(۱) مولانا اسعد اللہ صاحب، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

(۲) مولانا احتشام الحق کاندھلہ

(۳) مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلہ

(۴) مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، اس لمبی تحریر کے

بعد آپ سے ان امور کا جواب مطلوب ہے؟

(۱) واقف کے وقف کر دینے کے بعد کیا خود واقف کو یا نامزد متولیوں میں سے کسی کو اس وقف کو ختم کر دینا یا کرا دینا جائز ہے؟

(۲) اس وقف پر بطور ملکیت قبضہ جمائے رکھنا جائز ہے یا نہیں اور اس کی آمدنی کو اپنے اور اپنی اولاد کے نیز اپنی اولاد کی شادی بیاہ میں خرچ کرنا اور حضرات علماء وصلحاء کو طعام الولیمہ نام رکھ کر بلانا اور ان علماء کو معلوم ہونے پر اس میں شرکت کرنا اور کھانا وغیرہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) قصبہ کے اشخاص کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: صوفی جلال الدین ادارہ اصلاح امت یوپی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب حاجی ریاض الاسلام صاحب نے اپنی جائیداد کو وقف کردیا اور شرعی طور پر وقف تام اور لازم بھی ہوگیا تو وہ وقف شدہ زمین تا قیامت وقف ہی رہے گی اور خود واقف یا متولیوں میں سے کسی کے لیے بھی اس وقف کو ختم کرنا جائز نہیں ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنى استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبى صلی اللہ علیہ وسلم تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك فى سبيل الله وفى الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاری، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/ ۳۸۷، رقم: ۲٦۸۳، ف: ۲۷٦٤)

فإذا تم ولزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولايرهن، وتحته فى الشامية: لايكون مملوكا لصاحبه ولايملك أى لايقبل التمليك لغيره

بالبیع ونحوہ لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه ولایعار ولا یرهن لاقتضاء هما الملک. (شامی، کتاب الوقف، زکریا دیوبند ٦/٥٣٩، کراچی ٤/٣٥١-٣٥٢)

فیزول ملک الواقف عنه إلی الله تعالیٰ علی وجه تعود منفعته إلی العباد فیلزم ولایباع ولایوهب ولایورث. (ھدایه، اشرفی دیوبند ٢/٦٣٧)

وإذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه. (ھدایه، اشرفی دیو بند ٢/ ٦٤٠)

(۲) اس وقف میں بطور ملکیت قبضہ جمائے رکھنا اوراس کی آمدنی کو اپنے یا اپنی اولاد کے اخراجات میں صرف کرنا ناجائز اور حرام ہے ایسا کرنیوالا شخص شرعاً غاصب ہے اس پر لازم ہے کہ وہ وقف کی جائیداد واپس کردے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۸۱، ڈابھیل ۱۵/ ۴۵۹)

وذکر ظهیر الدین فی فتاویه أن الفتویٰ فی غصب العقار والدور الموقوفة بالضمان، وإن الفتویٰ فی غصب منافع الوقف بالضمان. (شامی، کتاب الغصب، قبیل مطلب شرعی دار و سکنها ...... زکریا دیوبند ٩/ ٢٧٢، کراچی ٦/ ١٨٦، هندیه، الباب التاسع فی غصب الوقف، زکریا قدیم ٢/ ٤٤٩، جدید ٢/ ٤٠٥)

اوراس آمدنی سے کی جانے والی شادی بیاہ میں یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ یہ شخص ظلماً لی ہوئی وقف کی آمدنی سے شادی بیاہ کررہا ہے، شرکت کرنا اوراس کے یہاں کھانا کھانا درست نہیں ہے۔

لایجیب دعوة الفاسق المعلن لیعلم أنه غیر راض بفسقه و کذا دعوة من کان غالب ماله من حرام مالم یخبر أنه حلال و بالعکس یجیب مالم یتبین عنده أنه حرام. (ھندیه، کتاب الکراھة، الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات، زکریا قدیم ٥/ ٣٤٣، جدید ٥/ ٣٩٧، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٣٦/ ١٢٢)

(۳) قصبہ کے مذکورہ اشخاص کا کوشش کرکے محافظ خانہ سے وقف نامہ کی اصل نکلوانا تاکہ وقف کی اصلیت ثابت ہوجائے درست ہے، اور وقف کی اصلیت ثابت ہوجانے کے بعد اس میں خورد برد کرنے والے لوگ گنہگار رہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۸۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۷۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۱ھ

صدقۂ جاریہ کی رقم سے تعمیر شدہ عمارت کو منہدم کرکے اس میں کاشت کرنے کا حکم

سوال [۷۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ اصحاب خیر نے صدقۂ جاریہ اور ایصال ثواب برائے مرحومین دینی تعلیم گاہوں کی تعمیر کے لیے ایک معتد بہ رقم ذمہ دارانِ مدرسہ کو دی ان ذمہ دارانِ مدرسہ نے ابتداء تو تعمیر شروع کردی مگر بعد ازاں نہ صرف تعمیر کا ارادہ ترک کیا بلکہ اس ادھوری تعمیر کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر اس پر کاشت شروع کردی، تو کیا بغیر ان اصحاب خیر کی اجازت اور علم میں لائے ایسا کرنا درست ہے؟ اس صورت میں صدقۂ جاریہ اور ایصال ثواب ثابت رہیں گے یا منقطع ہوجائیں گے، اگر ثابت رہیں گے تو قرآن وحدیث سے واضح فرمائیں اور اگر منقطع ہوتے ہیں تو ذمہ دار کون ہوگا؟

المستفتی: عبدالوہاب ٹانڈہ بادلی، حاجی پورہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقۂ جاریہ اور مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے دینی تعلیم گاہوں کی تعمیر کی غرض سے جو معتد بہ رقم ذمہ دارانِ مدرسہ کو دی گئی ہے اس رقم کو صدقۂ جاریہ ہی پر خرچ کرنا ذمہ دارانِ مدرسہ کو لازم ہے اور مدرسہ میں درسگاہ اور کمرہ کی تعمیر کرکے اس میں دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کردیا جائے تو یہ صدقۂ جاریہ کی ایک قسم ہے، لہٰذا تعمیر کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر جس نے اس پر کاشت شروع کردی ہے اس نے صدقۂ جاریہ کو ختم کردیا ہے لہٰذا اس پر لازم ہے کہ جس صدقہ جاریہ کے لیے رقم دی گئی ہے اسی میں وہ رقم خرچ کریں یا اتنی رقم اس کو واپس کردیں جس نے یہ رقم دی ہے، ورنہ خائن اور سخت گنہگار رہوں گے، اور عنداللہ مؤاخذہ ہوگا۔

وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلايملك الدفع إلى غيره. (شامی، کتاب الزکوٰۃ، زکریا دیوبند ۳/۱۸۹، کراچی ۲/۲۶۹)

رجل جمع مالا من الناس لينفقه في عمارة المسجد فأنفق من تلك الدراهم في حاجته ثم رد بدلها في نفقة المسجد لايسعه أن يفعل ذٰلك

فإن فعل فإن عرف صاحب ذٰلک المال رد المال علیه أو سأله تجدید الإذن فیه. (الفتاویٰ التاتارخانیة، الفصل الحادی والعشرون، زکریا ۸/ ۱۹۸، رقم: ۱۱۶۲۹، المحیط البرهانی، المجلس العلمی جدید ۹/ ۱۵۳، رقم: ۱۱۴۵۰، هندیه، الباب الثالث عشر زکریا قدیم ۲/ ۴۸۰، جدید ۲/ ۴۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

والدہ مرحومہ کی وقف علی الخیر جائیداد سے اپنی ضرورت پوری کرنا

سوال [۷۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک بوڑھا بےروزگار ہوں اور میں اپنے ایک لڑکے کے ساتھ رہ رہا ہوں، گذشتہ سال اس لڑکے کی ٹانگ ٹوٹ جانے کی وجہ سے آمدنی اس قدر قلیل ہوگئی ہے کہ اس کے بچوں کے لیے گذر اوقات دشوار ہوگئی، چند روز سے ہینڈ پمپ بھی خراب ہوگیا اس کی درستی کے لیے ۵۰۰؍ روپیہ درکار ہیں، میری والدہ مرحومہ نے ایک جائیداد وقف علی الخیر چھوڑی ہے کیا میں اس میں سے یہ ضرورت پوری کرسکتا ہوں؟ اس سلسلے میں شریعت کے حکم سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: سردار خاں محلّہ طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اگر وقف علی الخیر سے مراد یہ ہے کہ مطلقاً موقوفہ جائیداد سے غرباء ومساکین کی ضرورت پوری کی جائیگی تو ایسے خستہ اور نازک حالات کی بنا پر آپ اپنی والدہ مرحومہ کی وقف علی الخیر کی آمدنی سے مذکورہ ضرورت پوری کرسکتے ہیں، اس لیے کہ اس وقت آپ بھی فقراء میں شامل ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۲۵۷، جدید مطول ۹/ ۴۱۷)

فإن احتاج بعض قرابته أو بعض ولده إلی ذٰلک الوقف فی الصحة

فههنا أحكام أحدها أن صرف الغلة إلى فقراء القرابة أولىٰ فإن فضل منها شيئ يصرف للأجانب. (هنديه، كتاب الوقف الباب، الثامن زكريا قديم ۲/ ۳۹۵، جديد ۲/ ۳۷۲، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۸/ ۱۱۲-۱۱۳، رقم: ۱۱۳۵۸-۱۱۳۵۹، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۹/ ۷۸، رقم: ۱۱۲۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۶۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۴/ ۱۴۲۱ھ

وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں کہنے کا حکم

سوال [۷۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محکمۂ شرعیہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں ایک استفتاء بشکل عرضی دعویٰ داخل ہوا ہے اس کا فوٹو کاپی مع دستاویزات کے روانہ ہے، چند چیزیں محل بحث ہیں امید ہے کہ ساری جزئیات کو منقح کر کے مع ادلہ وحوالہ جات کے جواب تحریر فرمائیں گے۔

(۱) موصی نے اپنے دستاویزات میں جو عبارت تحریر کی ہے وہ یہ ہے کہ مسجد قدیم کے حق میں وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں کہ بعد میری وفات کے مسجد مذکور، مکان مذکور کی مالک کامل ہوگی، اس طرح کی تعبیر کہ ''وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں'' میں وقف اور وصیت دونوں لفظ موجود ہیں اور بعد میری وفات کے یہ لفظ بھی موجود ہے تو یہ وقف ہے یا وصیت ہے؟

(۲) اور ان دونوں شکلوں میں موصی کی جانب سے شرط لگانا شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ شرط کی تفصیل بھی دستاویز میں موجود ہے؟

(۳) اگر وصیت ہے تو کیا پورے مکان کی وصیت کو تسلیم کیا جائیگا کیونکہ دستاویز اہلیہ کی رضامندی سے تحریر ہے یا یہ رضامندی غیر معتبر ہے، وصیت صرف ایک ثلث مکان میں واقع ہوگی اور باقی دو ثلث میں وارثین کا حصہ ہوگا یا نہیں؟

(۴) دوثلث تقسیم کرتے وقت کیا اہلیہ اورلڑکی دونوں کا حصہ ہوگا یا صرف لڑکی کا حصہ ہوگا، کیونکہ اہلیہ کی طرف سے دست برداری کا دستاویز ہے، کیا اس کو اپنے حق سے دست برداری پر محمول کیا جائیگا، اگر دونوں کا حصہ ہوگا تو کتنا کتنا ہے، اہلیہ کا انتقال ہوگیا ہے اب صرف لڑکی موجود ہے؟

(۵) اگر وقف ہے تو اس شکل میں پورا مکان موقوف ہوگا یا وارثین کا حصہ اس شکل میں بھی لگے گا؟

(۶) وقف اور وصیت کے مابین فرق کیا ہے؟ دینے والے کی تحریر کو آسانی سے وقف یا وصیت پر محمول کیا جاسکتا ہے؟

(۷) اگر موت کے ساتھ واقف نے تعلیق کردی ہے تو یہ وقف صحیح ہے یا نہیں اور یہ وقف ہی ہے یا موت کے ساتھ تعلیق کے پائے جانے کی وجہ سے وصیت ہوجا ئیگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف اور وصیت میں تضاد نہیں ہے، بلکہ دونوں ایک امر میں جمع ہوسکتے ہیں، لہٰذا مذکورہ معاملہ میں وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں کے الفاظ سے ثلث ملکیت کے اندر وقف اور وصیت دونوں صحیح ہوچکی ہیں۔

الوقف على ثلاثة أوجه إما أن يكون في الصحة أو في حالة المرض أو وقف بعد الموت فما كان في الصحة فالقبض والإفراز يكون شرطا لصحته كالهبة وما كان بعد الموت فالقبض والإفراز ليس بشرط لصحته لأنه وصية إلا أنه يعتبر من الثلث وما كان في حالة المرض فحكمه حكم الوقف في الصحة. (قاضيخان، كتاب الوقف فصل في وقف المريض، زكريا جديد ٣/ ٢٢١، وعلى هامش الهندية ٣/ ٣١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍رجب المرجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۷/۱۴۱۶ھ

کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے نام وقف کی آمدنی کا حکم

سوال [۷۶۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ایک جائیداد کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے لیے وقف ہے ہندوستان میں واقع ہے اس وقف کی آمدنی کبھی بھی مذکورہ جگہوں پر خرچ نہیں ہوئی اور نہ فی زمانہ خرچ ہونے کی ضرورت اور شکل ہے، اس وقف کا متولی اس کی آمدنی کنجڑوں والی مسجد میں صرف کیا کرتا ہے، تو کیا شرعاً ایسی مجبوری کی حالت میں کہ مکہ ومدینہ اس کی آمدنی پہنچانا دشوار گذار کام ہے اس کی آمدنی ہندوستان کی دیگر مساجد میں صرف کی جاسکتی ہے؟

(۲) ایک وقف شاہی مسجد اور کنجڑوں والی مسجد کے لیے مشترک ہے، کنجڑوں والی مسجد کے ایک نمازی جو کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی والے وقف کے متولی ہیں ان کا کہنا ہے کہ سوال (۱) کی موقوفہ جائیداد کو شاہی مسجد اپنی تولیت میں لے لے، اور اس کی تمام آمدنی شاہی مسجد میں خرچ کرلے، اور جو اس سوال (۲) میں مشترک وقف ہے وہ کنجڑوں والی مسجد کے لیے مکمل دیدے تاکہ اس کی تمام آمدنی کنجڑوں والی مسجد میں خرچ کریں تو کیا شرعاً ایسا کرنا صحیح اور درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جو جائیداد کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے لیے ہندوستان میں وقف ہے اس کی آمدنی کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے لیے واقف کی غرض اور شرائط کے مطابق کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی میں خرچ کرنا لازم اور واجب ہے، اور یہ کہنا درست نہیں کہ فی زمانہ مذکورہ جگہوں میں خرچ کرنے کی ضرورت اور شکل نہیں ہے، اس لیے کہ جس زمانہ میں واقف نے کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے نام سے وقف کیا تھا اس زمانہ میں وہاں پر آمدنی پہنچانا آج کل کے مقابلہ میں بہت دشوار تھا، اور آج کے زمانہ میں وہاں پہنچانا کوئی مشکل اور دشوار نہیں، ہر مہینے میں آمد ورفت ہے، خاص کر شعبان رمضان میں عمرہ کو جانے والے اور پھر ذیقعدہ سے حجاج کرام کا تانتا لگ جاتا ہے، اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں خرچ کرنے کا

آسان طریقہ یہ ہے کہ حرمین کے متصل قرآن کریم کے مکتبات ہیں ان مکتبوں سے قرآن کریم خرید کر انہیں مکتبوں سے وقف للہ کی مہر لگوا کر مسجد حرام اور مسجد نبوی میں بسہولت رکھا جاسکتا ہے، اور لوگ اس طرح رکھتے ہیں، دنیا بھر کے لوگ ان قرآن کریم میں تلاوت کرتے رہتے ہیں، اسلئے آج تک کی جو آمدنی وہاں نہیں خرچ کی گئی ہے یہ ذمہ دار اور متولی کی طرف سے خیانت اور لا پرواہی ہے، لہٰذا ان جائیداد کی آمدنی کو حرمین میں نہ بھیج کر ہندوستان کی دیگر مساجد میں خرچ کرنا غرض واقف اور شرط واقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

شرط الواقف کنص الشارع ...... إن عزل القاضی للخائن واجب علیه ومقتضاه الإثم بترکه والإثم بتولیة الخائن. (مجمع الأنهر، کتاب الوقف، فصل، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۶۰۲، مصری قدیم ۱/ ۷۵٤)

علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، مطلب: غرض الواقفین واجبة، زکریا ۶/ ۶۶۵، کراچی ٤/ ٤٤٥)

(۲) جو جائیداد شاہی مسجد اور کنجڑوں والی مسجد کے لیے مشترک وقف ہے اس کو اسی طریقے سے شاہی مسجد اور کنجڑوں والی مسجد کے لیے مشترک باقی رکھنا لازم اور ضروری ہے، اور اس کی آمدنی دونوں مسجدوں کے لیے جس مقدار اور شرط کے ساتھ خرچ کرنے کے لیے واقف کی ہدایت ہے، اسی مقدار اور شرط کے مطابق عمل کرنا ذمہ داروں پر لازم ہے، اگر اس کے خلاف کریں گے تو وہ ذمہ دار خائن ہوں گے، اور مستحق تولیت نہیں رہیں گے، اور جو سوالنامہ میں مسجد حرام اور مسجد نبوی کے موقوفہ جائیداد کو مشترک طور پر شاہی مسجد اور کنجڑوں والی مسجد کے لیے مکمل دینے کی جو بات کہی گئی ہے وہ شرعی طور پر جائز نہیں ایسا کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل به فیجب اتباع شرائط الواقفین فی أوقافهم. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۸۰، شامی مطلب: فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع زکریا ۶/ ۶٤۹، کراچی ٤/ ۳۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ / صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۱۹)

متعینہ مصارف پرصرف کرنا لازم ہے

سوال [۷۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب رقم دیتے ہیں کہ یہ فلاں فلاں پرصرف کردیں تو کیا وصول کرنے والا شخص جس کو مزکی نے دی ہے اور مصارف متعین کیے ہیں، یہ رقم مدرسہ میں دے سکتا ہے، جبکہ خود مزکی نے مصارف متعین کردیئے ہیں، ایسی صورت میں اگر وصول کرنے والا مدرسہ میں دے تو اس کا یہ عمل کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب صاحب خیر نے مصرف متعین کردیا ہے تو اس متعین مصرف میں خرچ کرنا لازم ہوتا ہے اگر اس کے خلاف کیا جائے گا تو خیانت ہو جائے گی اور اپنی جیب سے اس مصرف میں خرچ کرنا لازم ہوگا، مدرسہ کو دینا بھی جائز نہ ہوگا بلکہ اسی جگہ خرچ کرنا لازم ہے، جہاں خرچ کے لیے متعین کیا گیا ہے۔

رجل جمع مالا من الناس لينفقه فی عمارة المسجد فأنفق من تلک الدراهم فی حاجته ثم رد بدلها فی نفقة المسجد لا يسعه أن يفعل ذٰلک.

(الفتاویٰ التاتارخانية، الفصل الحادی و العشرون، زکريا ۸/۱۹۸، رقم: ۱۱۶۲۹)

شرط الواقف کنص الشارع أی فی المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به. (الدر مع الرد، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، زکريا ديوبند ۶/۶۴۹-۶۵۰، کراچی ۴/۳۶۶)

مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی زکريا ۶/۶۶۵، کراچی ۴/۴۴۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۲۰۳)

واقف کی شرط کا حکم

سوال [۷۶۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد مرحوم نے ایک پلاٹ مسجد کے لیے وقف کیا تھا جس پر مسجد تعمیر ہو چکی اس سے متصل ایک پلاٹ مسجد سے مشرق کی جانب مدرسہ کے لیے وقف کیا اس سے کچھ دوری پر ایک پلاٹ شادی ہال کے لیے وقف کیا آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے مسجد کی توسیع بہت ضروری ہوگئی، مسجد کے آگے پیچھے دائیں بائیں کوئی جگہ ایسی نہیں جس کو خرید کر مسجد کی توسیع میں شامل کرسکیں، محراب کی جانب اور دائیں بائیں روڈ ہے اور مشرق کی جانب مدرسہ کی زمین ہے جس پر ابھی مدرسہ قائم نہیں ہوا ہے مرحوم کے ورثاء جو ان اوقاف کے منتظم ہیں، انہوں نے باہمی اتفاق سے یہ طے کیا کہ مدرسہ کی زمین اس مجبوری کی وجہ سے مسجد کی توسیع میں شامل کرلی جائے اور واقف کے دوسرے مقصد کو پورا کرنے کے لیے مدرسہ کو اس کے عوض میں شادی ہال کی زمین دیدی جائے کیونکہ مدرسہ شادی ہال کے وقف کے مقابلہ میں اعلیٰ ترین وقف ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس بستی میں کئی شادی ہال موجود ہیں، اور یہ زمین شادی ہال کے لیے ناکافی بھی ہے پھر واقف کی دوسری زمین جس میں عیدگاہ قائم ہے اس میں شادی وغیرہ بھی ہوتی ہے جس سے واقف کے شادی ہال کا مقصد اس جگہ سے پورا ہو جارہا ہے، اور شادی ہال کے نام سے وقف زمین معطل (بیکار) پڑی ہوئی ہے۔

مذکورہ بالا اعذار کی وجہ سے اس میں اگر مدرسہ قائم کیا جائے جو کہ شادی ہال کی بہ نسبت اعلیٰ ترین وقف ہے، تو کیا شرعی اعتبار سے اس کی گنجائش ہے، یا اس کے علاوہ کوئی متبادل شکل ہو تو رہنمائی فرمائیں، واضح رہے کہ واقف نے دستور العمل میں یہ لکھا ہے کہ جو جگہ میں نے جس کام کے لیے وقف کی ہے کسی کو اسے بیچنے ہبہ کرنے اور بدلنے وغیرہ کا اختیار نہیں ہے، مستحکم جواب سے نوازیں۔

المستفتی: اراکین مسجد ناگپور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: واقف نے دستورالعمل میں صاف وضاحت کے ساتھ اس بات کی شرط لگائی ہے کہ شادی ہال کی جگہ پر شادی ہال ہی بنانا ضروری ہے، اس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں اور مدرسہ کی جگہ پر مدرسہ ہی بنانا ہے اس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں، اس لیے مدرسہ کی جگہ کو مسجد میں شامل کر کے مدرسہ کو شادی ہال کی جگہ منتقل کرنا جائز نہ ہوگا بلکہ شادی ہال کی جگہ شادی ہال ہی بنانا ضروری ہوگا، چاہے شادی ہال چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه. (كتاب الوقف، مطلب: ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، زكريا ديوبند ٦/٧٣٥، كراچی ٤/٤٩٥، البحر الرائق كتاب الحواله، باب كتاب القاضي الى القاضي وغيره، كوئٹه ٧/١٤، زكريا ديوبند ٧/٢٤)

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، زكريا ديوبند ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥)

ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوىٰ. (شامی، مطلب فی نقل أنقاض المسجد و نحوه، زكريا ديوبند ٦/٥٥١، كراچی ٤/٣٥١)

وقد علم منه أنه لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الواقفين للآخر. (البحر الرائق زكريا ديوبند ٥/٣٦٢، كوئٹه ٥/٢١٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۰۳/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۱۲ھ

واقف کی شرائط کو پورا کرنے کا حکم

سوال [۷۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے سوال برائے فرائض شرعی آمدنی موقوفہ حاجی کلن مرحوم کے جواب مؤرخہ

۱۸؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ میں آپ نے سہامات قائم کیے ہیں اب چونکہ ۳۰؍نومبر ۱۹۹۵ء کونور جہاں کا انتقال ہوگیا ہے اور اس نے ایک دختر مسماۃ بدر النساء چھوڑی ہے لیکن وقف نامہ اولاً ۱۹۳۲ء کی دفعہ ۹؍کے تحت اس کو صرف اس کی زندگی تک ہی مستفید ہونے کا حق دیا گیا ہے، ایسی صورت میں اس کے ۱۰۵ سہام کس کس میں کس طرح تقسیم ہوں گی؟

المستفتی: عبدالرحمٰن شیخ سرائے محمود، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب واقف نے یہ شرط لگائی ہے کہ نور جہاں کو وقف کی آمدنی میں سے صرف اس کی زندگی تک فائدہ اٹھانے کا حق ہوسکتا ہے اس کے بعد اس کے ورثاء کی طرف آمدنی کا حق منتقل نہ ہوگا، لہٰذا واقف کی شرط کی رعایت کرتے ہوئے نور جہاں کے انتقال کے بعد آمدنی میں سے جو حصہ نور جہاں کو مل رہا تھا وہ اس کی دختر بدر النساء کی طرف منتقل نہ ہوگا، بلکہ بقیہ شرکاء کے حصوں کے ساتھ منضم ہو جائے گا، کیونکہ مسئلۂ وقف میں واقف کی شرط کی رعایت کرنا واجب ہوتا ہے۔

شرط الواقف کنص الشارع الخ. (شامی، مصری ۳/۴٦۱، کراچی ٤/۳٦٦، زکریا ٦/٦٤۹)

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، مصری ۳/٤٦۱، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رجب المرجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۱۶ھ

واقف کی غرض کے خلاف وقف کے استعمال کا حکم

سوال [۷۶۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منشی محمد ابراہیم مرحوم نے اپنی جائیداد واقع محلہ مغلوشاہ نجیب آباد ضلع بجنور

مدرسہ اسلامیہ عربیہ امداد العلوم محلّہ مغلوشاہ نجیب آباد ضلع بجنور، کو یہ کہہ کردی تھی کہ اس عمارت میں لڑکیوں کی دینی تعلیم ہونی چاہیے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو روزِ قیامت ذمہ دارلوگوں کا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ ہوگا، مندرجہ بالا بات کی تصدیق محلّہ کے چار لوگوں نے تحریری طور پر کی ہے، تصدیق کرنے والوں میں جناب عبدالرحمٰن صاحب مدرسہ کے نائب مہتمم ہیں اور بشیر احمد صاحب مدرسہ کی کمیٹی کے ممبر ہیں، تصدیق کا کاغذ اس سوال کے ساتھ منسلک ہے مدرسہ کی کمیٹی میں دو بار اس بات کا ریزولیشن بھی پاس ہو چکا ہے کہ اس جگہ تعلیم نسواں شروع کی جائے لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ مدرسہ والوں نے ان کی جائیداد کی پختہ تعمیر کرا کر نیچے کے حصہ کو ایک دونکاندار کو دیدیا اور اوپر کی منزل رہائش گاہ کے لیے کسی شخص کو کرایہ پر دیدی ہے اور وہ روپیہ دینی تعلیم پر صرف ہورہا ہے۔

براہ کرم تحریر فرمائیں کہ عمارت کو تعلیم نسواں کے بجائے کرایہ پر چڑھا دینا جائز ہے یا نہیں؟ خلاصہ تحریر فرمائیں کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟

خادم عزیز اللہ بقلم خود

ہم لوگ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ منشی محمد ابراہیم نے اپنی جائیداد واقع محلّہ مغلوشاہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ امداد العلوم محلّہ مغلوشاہ نجیب آباد کو یہ کہہ کردی تھی کہ اس عمارت میں بچیوں کی دینی تعلیم ہونی چاہیے، اور اگر ایسا نہ ہوا تو روز قیامت ذمہ دارلوگوں کا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ ہوگا۔

بشیر احمد سراج عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور جناب عبد الرحمٰن صاحب اور بشیر احمد صاحب مقبول الشہادت ہیں، دونوں اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ محمد ابراہیم نے اپنی عمارت کو تعلیم البنات ہی کی غرض سے وقف کیا ہے تو اس عمارت میں صرف تعلیم نسواں ہی جائز ہوسکتی ہے، دوسری صورتیں اس وقت تک جائز نہیں ہو

سکتیں جب تک کہ غرض واقف کے مطابق لڑکیوں کی تعلیم ممکن ہو۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، مصری ۳/ ٤٦٤، کراچی ٤/ ٤٤٥، زکریا ٦/ ٦٦٥)

لہٰذا اس کے خلاف فکر کرنے والے متولی تولیت کے لائق نہیں ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۱۲)

غرض الواقف کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے

سوال [۷۶۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ فاطمہ بیگم بنت حاجی کلن مرحوم بیوہ حاجی محمد صدیق ساکن محلّہ کرولہ مراد آباد اپنے والد مرحوم حاجی کلن کی موقوفہ جائیداد جو کہ وقف علی الاولاد کے طور پر چلی آرہی تھی، کرایہ کی آمدنی کی ذمہ دار بھی تھیں، انہوں نے اپنی بہنوں اور بھانجوں وغیرہ کے سامنے یہ زبانی وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد موقوفہ جائیداد کی آمدنی میں سے میرا جتنا بھی حصہ ہو میری نند مسماۃ مندی مرحومہ کے لڑکے اقبال حسین کو دیا جائے، مؤرخہ ۲۴؍ جون ۱۹۸۹ء مسماۃ فاطمہ بیگم کا انتقال ہوگیا بوقت انتقال مندرجہ ورثاء موجود تھے، سگی بہن غفرانہ بیگم، ہاجرہ بیگم، صابرہ بیگم، بھانجے اور بھانجی مرحومہ یعنی بسم اللہ بیگم کی اولاد فاخر حسین، زاہد حسین، صابر حسین، ذاکر حسین، شاہد حسین، بدر النساء، خیر النساء، سگی نند، مسماۃ سروری بیگم۔

(۲) نند کے بچے اقبال حسین پسر مسماۃ مندی مرحوم الطاف حسین، ابرار حسین پسران مسماۃ کبریٰ بیگم، کیا زبانی وصیت کو تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر نہیں تو اوپر لکھے ہوئے وارثان میں سے کس کو کتنا حق پہنچتا ہے، از روئے شرع بتانے کی زحمت فرمائیں۔

نوٹ: واقف نے واقف نامہ میں اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ میرے کسی بھی وارث کو یا کسی بھی متولی کو جائیداد ہائے موقوفہ کو کسی طرح منتقل کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا، نیز

یہ بھی تحریر ہے کہ کسی شخص یا مسماۃ نور جہاں کو اپنے حصہ کی رقم آمدنی کو کسی طرح منتقل کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا تو ان حالات میں فاطمہ بیگم کی مذکورہ وصیت درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ واقف نے وقف نامہ کے اندر اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ کسی بھی حقدار کو اپنے حصہ کی رقم آمدنی کو کسی کی طرف منتقل کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا اور شریعت میں واقف کی غرض کی رعایت کرنا واجب ہے، اس لیے فاطمہ بیگم کی وصیت درست نہیں ہوگی بلکہ وقف نامہ کی شرائط اور وضاحت کی رعایت کرتے ہوئے شرعی حقداروں کو ہی ملا کرے گی، موصی لہ اقبال حسین کو مذکورہ حصہ کی رقم نہیں مل سکتی۔

القضاء بخلاف شرط الواقف كالقضاء بخلاف النص لاينفذ لقول العلماء، شرط الواقف كنص الشارع. (الأشباه والنظائر قديم ص: ١٦٩، جديد زكريا ديوبند ١/ ٣٠٠)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کراچی کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ديوبند ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۲۷)

شرائط واقف کی رعایت لازم لیکن استبدال کی شرط معتبر نہیں

سوال [۷۶۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ واقف حاجی نثار حسین مرحوم نے اپنی کل جائیداد واقع شہر مرادآباد بتاریخ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو واسطے پرورش پرداخت اپنی اولاد و بھانجہ و بھتیجہ کے اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد نسلاً بعد نسل بطناً بعد بطن وقف کردی اور اپنی ملکیت سے نکال کر ملکیت خداوند تعالیٰ الحی والقیوم میں دیدی، واقف نے وقف نامہ میں تحریر کیا ہے کہ اگر خدانخواستہ میری نسل میں کوئی باقی نہ رہے تو میرے بھانجہ و بھتیجے کی نسل میں جو موجود ہوں اس کی آمدنی میں بقدر نصف مستفید ہوتے

رہیں، واقف نے اپنے لڑکے عبدالمجید کے افعال وطریقہ وبودوباش سے تنگ وپریشان ہوکراور اپنی بہنوں کے ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے ایک تولیت نامہ تحریر کیا، تولیت نامہ میں واقف نے اپنے حقیقی بھائی کے پوتے کو جو کہ خود واقف کا بھی پوتا ہے، تازیست متولی مقرر کردیا اور بعد وفات متولی عبدالحکیم مذکور اس کی اولاد ذکور پسر اکبر متولی ہوتا رہے گا، واقف کا نافرمان لڑکا لاولد موت ہوگیا، اور فی الحال واقف کی نسل ختم ہوگئی تو کیا ایسی صورت میں عبدالحکیم کی اولاد ذکور پسر اکبر کو تولیت یا اس کی اولاد ذکور کی موجودگی میں عبدالحکیم کی دختر شادی شدہ کو تولیت پہنچتی ہے، اور وہ واقف کی آمدنی کی حق دار ہے یا نہیں؟ اس سوال کے ساتھ (۱) وقف نامہ ۱۲/۱ اکتوبر ۱۹۴۴ء (۲) وتتمہ ۱۹۴۶ء (۳) ومزید تولیت نامہ برحق عبدالحکیم ۱۹۵۷ء (۴) وقف نامہ مزید ۱۹۵۷ء تاریخ امروزہ تولیت نامہ، واقف نثار حسین کے حقیقی بھائی ولایت حسین کا پڑپوتا اکبر حسین اور پڑپوتی شاہین اختر اور واقف کی حقیقی بہن کا لڑکا مناحیات ہیں، نسل ہی کوئی نہیں ہے، بھانجہ اور بھتیجہ کی نسل میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، ان حالات میں جائداد موقوفہ کی آمدنی میں کون کتنے کا حصہ دار ہے؟ اور تولیت کس کو پہنچتی ہے، اور بعد کا وقف نامہ پہلے کے وقف ناموں کے ساتھ سمجھا جائیگا یا الگ سے سمجھا جائیگا، نئے وقف نامہ کی جائیداد اور پرانے وقف نامہ کی جائیداد ایک سمجھی جائے گی یا الگ الگ سمجھی جائے گی؟

اور واقف کے نئے وقف نامہ میں جو اس نے بعد میں لکھا ہے، اس میں صراحت ہے، کل خرچ کرنے کے بعد بقیہ آمدنی متولی کی رہے گی، اس میں کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا، لہٰذا اس میں بھی بتلایا جائے کہ اس کی آمدنی تنہا متولی کی رہے گی، یا یہ بھی تقسیم ہوگی اور اکبر حسین متولی کے بعد اکبر حسین کی ہمشیرہ مسماۃ شاہین اختر متولیہ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: اکبر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب شرائط واقف تولیت عبدالحکیم کی باصلاحیت اولاد ذکور کی موجودگی میں شاہین اختر کو نہیں پہنچ سکتی۔

شرط الواقف کنص الشارع. (شامی، نعمانیہ ۳/۴۲۲، کراچی ۴/۳۶۶، زکریا

٦/ ١٤٩)

اور آمدنی وقف نامہ ۱۹۴۴ء کے مطابق مصارف میں سے جو جو موجود ہوں ان سب کو حسب شرائط ملتی رہے گی، بھتیجہ اور اس کی اولاد کو نصف اور بھانجہ اور اس کی اولاد کو نصف ملے گی اور اس میں مذکر و مؤنث سب برابر حصہ دار ہوں گے

رجل قال أرضي هذه صدقة موقوفة علی ولدی کانت الغلة لولد صلبه یستوی فیه الذکور والأنثی. (قاضیخان، کتاب الوقف، فصل فی الوقف علی الأولاد، زکریا جدید ٣/ ٢٢٤، وعلی هامش الهندیة ٣/ ٣١٩، هندیه زکریا قدیم ٢/ ٣٧٣، جدید ٢/ ٣٥٩)

مستفتی نے جو دو فتوے بقیہ تمام آمدنی عبدالحکیم اور آئندہ آنے والے متولیوں کے حق میں ہونے کے سلسلے میں پیش کیے ہیں خاکسار کو ان سے اتفاق نہیں ہے، اس لیے کہ غرض وقف میں استبدال واقف کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔

کما فی الهندیة لو قال أرضی صدقة موقوفة لله تعالیٰ أبداً علی أن أضع غلتها حیث شئت جاز وله أن یضع غلتها حیث شاء فإن وضع فی المساکین أوفی الحج أو فی إنسان بعینه فلیس له أن یرجع عنه. (هندیه، الباب الرابع فیما یتعلق بالشرط فی الوقف، زکریا قدیم ٢/ ٤٠٢-٤٠٣، جدید ٢/ ٣٧٧، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ٩/ ٩، رقم: ١٠٩٦٨، الفتاوی التاتارخانیة زکریا ٨/ ٤٤، رقم: ١١١٦٨)

فإن قال لا أشاء أن أعطی أحدا منهم فالغلة لهم وقد أبطل مشیئته فصار کأنه لم یشترط لنفسه مشیئته. (هندیه، زکریا قدیم ٢/ ٤٠٤، جدید ٢/ ٣٧٧)

پرانے اور نئے وقف نامہ دونوں کا حکم اپنی اپنی شرائط کے مطابق الگ الگ ہوگا، ۱۹۴۶ء کے بعد کے اوقاف کی آمدنی حسب شرائط واقف موجودہ اور آئندہ آنے والے متولیوں کو ملتی رہے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر شوال المعظم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۸۵)

قبرستان کے لیے زمین وقف کرکے اس سے رجوع کرنا

سوال [۷۶۱۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی عبدالوہاب صاحب نے اپنی اولاد کی موت سے دلی صدمہ کی وجہ سے اپنی زمین قبرستان کے لیے وقف کردی اور مجمع میں وقف کا اعلان کردیا، پھر کارکنان قبرستان نے کہا کہ قبرستان کو پچاس سال تک مزید زمین کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے انہوں نے اس زمین کوفروخت کردیا اوراس رقم کو دوسرے کے ساتھ کاروبار میں لگادیا، مالی کمزوری کی وجہ سے ان کا کاروبار بند ہوگیا اس لیے اب وہ چاہتے ہیں کہ تجارت سے حاصل شدہ موصولہ منافع میں سے آدھے نفع کو اپنے مصرف میں اورآدھے کوکارِخیر میں خرچ کریں تو کیاایسا کرناان کے لیے جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: فیض الرحمٰن طباخیان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب حاجی عبدالشکورصاحب نے قبرستان کے لیےزمین وقف کردی ہے اورمجمع عام میں اعلان بھی کردیاتو وہ زمین قبرستان کے لیے وقف ہو گئی اور بعد میں نہ کارکنانِ قبرستان کوواپس کرنے کاحق ہے اور نہ ہی واقف حاجی عبدالوہاب صاحب کو واپس لے کر فروخت کرنے کا حق ہے، لہٰذا حاجی صاحب کے لیے اس زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں اس فروخت کرنے میں ذمہ دارانِ قبرستان اور حاجی صاحب سب گناہگار رہوں گےاور جواس کی قیمت سے کاروبارشروع کردیا ہے وہ بھی درست نہیں ہے، بلکہ قیمت دےکر زمین کوواپس لےکر قبرستان کے حوالہ کردینا لازم ہوگا، حاجی صاحب کے لیے اس کے منافع میں سے آدھا اپنے مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۵/ ۵۷۰،محمودیہ قدیم ۶/ ۱۵۸، ڈابھیل۱۴/ ۴۶۹، اختری بہشتی زیور۳/ ۶۹)

ویزول ملکه بمجرد القول عند أبی یوسف و محمدؒ لا مالم یسلمه إلی ولی و بقول أبی یوسفؒ یفتی للعرف. (الدر المنتقی، کتاب الوقف، دار الکتب

العلمية بيروت ٢/ ٥٧٠، مصرى قديم ١/ ٧٤١)

وقال صدر الشهيد و مشائخ بلخ يفتون بقول أبى يوسف و نحن نفتى بقوله أيضا لمكان العرف الخ. (البحر الرائق كوئٹه ٥/ ١٩٠، زكريا ٥/ ٣١٨)

وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه الخ. (هدايه ٢/ ٦٤٠)

وتحته فى فتح القدير: وهو بإجماع الفقهاء الخ. (فتح القدير بيروتى ٦/ ٢٢٠، زكريا ٦/ ٢٠٤، كوئٹه ٥/ ٤٣٣)

زمین کے واپس آنے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو پوری قیمت صدقہ کر دینا لازم ہوگا۔

ينبغى لهٰذا الواقف أن يتصدق بأصلها على الفقراء ولو باعها وتصدق بثمنها جاز. (قاضيخان زكريا جديد ٣/ ١٩٩، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٨٦)

ولارجوع فيها أى فى الصدقة لأن المقصود هو الثواب وقد حصل. (البحر الرائق كتاب الهندية باب الرجوع فى الهبة كوئٹه ٧/ ٢٩٧، زكريا ٧/ ٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۹۶)

سرکاری زمین پر مدرسہ قائم کرنا

سوال [۷۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرادآباد شمال میں رام گنگا نام کا ایک دریا بہتا ہے اس کے کنارے پر لوگوں نے (ہندو مسلمان) مکانات تعمیر کر لیے ہیں، جبکہ وہ پوری کالونی بن چکی ہے، اور دریا سرکاری جائیداد ہے یہاں لگ بھگ دس ہزار کی تعداد میں مسلم آبادی ہے، لہٰذا اس جگہ ایک دینی مدرسہ بچوں کی تعلیم کے لیے قائم کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے بھی اہل بستی نے ایک جگہ گھیر رکھی ہے، اس جگہ میں دینی مدرسہ تعمیر کرنا کیسا ہے؟ اور پھر اس تعمیر شدہ عمارت میں جماعت سے نماز پڑھنے سے نماز جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: جملہ اہل بستی نئی آبادی رام گنگا مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگراس سرکاری جگہ میں من جانب سرکار مدرسہ تعمیر کرنے کی اجازت ہواور آئندہ اس میں سرکار کی جانب سے کسی قسم کا خدشہ بھی نہ ہوتو ایسی جگہ میں مدرسہ تعمیر کرنا جائز ہے،اوراس مدرسہ میں جماعت سے نماز پڑھنے سے بلاکراہت نماز صحیح ہوجائے گی، نیز جماعت کا ثواب بھی مل جائیگا،لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔

وإن صلی أحد فی البیت بالجماعة لم ینالوا فضل جماعة المسجد. (شامی، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، زکریا دیوبند ۲/ ۴۹۵، کراچی ۲/ ۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۱ھ

سوال وجواب

سوال [۷۶۲۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: استفتاء الف: ۳۵۴۴/۱/ کے پیش نظر ایک سوال یہ ہے کہ اس معاملہ میں اجازت سے شرعاً اجازت قولی وتحریری مراد ہے، یاصرف حکومت کا نہ روکنا اورآباد ہونے دینا تعمیرات پرروک نہ لگانا مراد ہے نیز سرکاری طور پر وہاں پر بسنے والوں کو بجلی و پانی بھی دیا جارہا ہے اور میٹر بھی دیئے جارہے ہیں، آیااس کواجازت سمجھا جائیگا یانہیں؟

المستفتی: اہل رام گنگا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکار کا پانی یا بجلی وغیرہ دیناوقتی اجازت ہے،مگر سرکارقوانین وضوابط پرکبھی بھی عمل کر کے خالی کراسکتی ہے اس لیے وہاں پر سرکاری کاغذات حاصل ہونے سے قبل مسجد ہرگز نہ بنائی جائے البتہ مدرسہ بنانے کی گنجائش ہے، اس لیے کہ مدرسہ منتقل بھی ہوسکتا ہے مسجد منتقل نہیں ہوسکتی، لہٰذا مدرسہ کے لیے اجازت عملی بھی کافی ہوسکتی

ہے اور مسجد کے لیے اجازت قولی وتحریری لازم ہوگی۔

الوقف وهو (إلى قوله) فلايجوز له إبطاله الخ. (الدر المختار کراچی ۴/۳۳۹، زکریا ۶/۵۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۸/۲۱ھ

پٹہ کی زمین پر مدرسہ کی تعمیر

سوال [۷۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے عمر سے چھ ڈسمل زمین خریدی اور اس کا بیع نامہ نہیں کرایا صرف اسٹامپ پر لکھوالیا اور اسی زمین سے متصل ایک پٹے کی زمین خریدی اس کا بھی اسٹام کرالیا، اور اس تمام زمین پر فی الحال اس کا قبضہ بھی ہے اب وہ زمین اس نے جو تقریباً ایک بیگھا ہوتی ہے بکر کو چار لاکھ ساٹھ ہزار روپئے میں بیچ دی ہے اور بکر اس زمین میں مدرسہ بنوانا چاہتا ہے تو کیا بکر کا اس زمین کو خریدنا اور اس زمین میں مدرسہ بنوانا جائز ہے یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی صاحب ایسی زمین کے لیے مدرسہ کے اعتبار سے کچھ رقم دینا چاہیں تو ان کو اس کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد معروف ساکن ویر پور تھان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے جو زمین عمر سے خریدی ہے وہ اس کا مالک بن گیا ہے، پٹہ کی زمین کی اگر متعلقہ محکمہ سے اجازت لے کر خرید وفروخت ہوئی ہے تو اس پر مدرسہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر پٹہ کی زمین خرید کر مدرسہ بنانے کے لیے کسی نے پیسہ دیا ہے اور پردھان سے تحریری اجازت لے لی تو اس میں کوئی حرج نہیں یہ بھی شرعاً جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۹۲، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۱/ ۳۳۵،

ڈابھیل ۱۵/۶/۱۷ا)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۰/۱۴۳۴ھ

جائیداد مدرسہ کو دے یا بھائی کو؟

سوال [۷۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت نے رامپور دوراہے پر ڈیڑھ سوگز زمین خریدی تھی مدرسہ کے ارادے سے کہ اس میں مدرسہ بنواؤں گی اور اس میں ایک منزلہ عمارت بھی بن گئی ہے اب لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ مدرسہ مت کھلواؤ بلکہ تمہارے جو بھائی غریب ہیں انہیں وہ جگہ دیدو، کیونکہ یہ بھی ثواب ہی کا کام ہے۔

اس لیے آپ حضور والا سے مؤدبانہ وعاجزانہ التماس ہے کہ اس مسئلہ کا حل نکال کر یہ بتائیں کہ اس زمین میں مدرسہ ہی کھلوایا جائے یا وہ زمین غریب بھائی کو دیدی جائے؟

المستفتی: سہیل احمد مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ عورت نے جب مدرسہ ہی کے ارادے سے زمین خریدی اور اس میں مدرسہ کی نیت سے ایک منزلہ عمارت بھی بنا دی ہے اور دینی مدرسہ جس میں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے وہ صدقۂ جاریہ ہوتا جب تک اس مدرسہ میں قرآن کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہے گا تو مذکورہ عورت کو ثواب پہنچنے کا سلسلہ بھی جاری رہے گا، اس لیے بھائی کو دینے کے مقابلہ میں عورت کے لیے یہی بہتر ہے کہ دینی مدرسہ کے لیے ہی اس کو وقف کردے اور بھائی کو نہ دینے کی وجہ سے مذکورہ عورت کسی طرح گنہگار نہ ہوگی۔

عن أبی ہریرۃ أن رسول اللہ ﷺ قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة إلا من صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صاحب يدعو

له. (مسلم شريف، الوصية، باب ما يلحق من الإنسان من الثواب بعد وفاته، النسخة الهندية ۲/ ٤١، بيت الأفكار رقم: ١٦٣١، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۳۷۲، رقم: ۸۸۳۱)

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي شريف رشيد ص: ۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۲۱)

اپنی ملکیت کی زمین پر مدرسہ قائم کرنا

سوال [۷۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کے پاس اس کی ملکیت میں تقریباً ایک ایکڑ زمین ہے اس زمین کے چھ حصے کر کے ایک حصہ میں اس کا خاندانی قبرستان ہے جو وقف نہیں ہے، اور بقیہ پانچ حصہ زمین کا خالی پڑا ہوا ہے، وہ کاشت کے بھی قابل نہیں ہے اب وہ شخص اپنی ملکیت کی اس خالی زمین میں مدرسہ قائم کرنا چاہتا ہے، شرعی اعتبار سے اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن محلّہ خواجہ فیروز شاہ، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ خالی زمین جبکہ قبرستان کے لیے وقف نہیں ہے اور مالک کی ملکیت میں باقی ہے تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ اس میں مسجد یا مدرسہ بنائے شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ کارِ ثواب ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي شريف رشيد ص: ۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۸۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۳ھ

محکمۂ کسٹوڈین کے قبضہ میں آنے والی موقوفہ جائیداد کا حکم

سوال [۷۶۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شیخ چھٹن نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ اپنے لڑکے محمد نور کے نام وقف کیا، محمد نور ہندوستان تقسیم ہوجانے کے بعد پاکستان چلا گیا، محمد نور سے متعلق جائیداد پر محکمۂ کسٹوڈین نے اپنا قبضہ کرلیا اور اس موقوفہ جائیداد کو نیلام کردیا، محمد نور کا انتقال ہوچکا ہے اب اس کی اولاد میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پاکستان ہی میں ہیں اور ان کو نہرو لیاقت پیکٹ کے تحت پاکستان میں محمد نور جائیداد کا متبادل حصہ حکومت پاکستان سے مل چکا ہے، اس سلسلے میں درج ذیل استفسارات جواب طلب ہیں:

(۱) ہندوستان کی تقسیم کے بعد جو موقوفہ جائیداد محکمۂ کسٹوڈین کے قبضہ میں آئیں ان کی حیثیت وقف کی رہی یا نہیں؟

(۲) محکمۂ کسٹوڈین تقسیم ہند کے بعد موقوفہ جائیدادوں پر قبضہ کرلے تو اس نیلام کو خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۳) موقوفہ جائیدادوں کی حیثیت کن کن صورتوں میں بدل سکتی ہے؟

نوٹ: محمد نور کا بھی انتقال پاکستان میں ہوا ہے، وقف نامہ میں شیخ چھٹن کے بعد موقوفہ جائیداد کا متولی محمد نور ہوگا، محمد نور کے بعد اس کی نسل درنسل ہوتی رہے گی، محمد نور کی نسل اگر منقطع ہوجائے تو نیک ایماندار اور حنفی المسلک کوئی بھی شخص متولی ہوگا؟

المستفتی: محمد عمر، سرائے ترین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تقسیم ہند کے بعد جس موقوفہ زمین کو سرکار نے محکمۂ کسٹوڈین کے ذریعہ سے اپنے قبضہ میں لے لیا ہے اس کی حیثیت وقف کی نہیں رہی بلکہ وہ حکومت کی ملکیت میں غاصبانہ طور پر منتقل ہوگئی ہے، اب اگر منجانب سرکار نیلام کے موقع پر

کوئی مسلمان اس زمین کو اپنے پیسہ سے خرید لیتا ہے تو وہ اس کا شرعی طور پر مالک ہو جائیگا، اور موقوفہ جائیداد کی حیثیت حکومت کے قبضہ کی صورت میں بدل جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۳۱، جدید زکریا ۵۱۰ رقم: ۸۸۴، امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۶۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۴/۱۴۱۵ھ

۲ باب الوقف علی الأولاد

وقف علی الأ ولاد

سوال [۷۶۳۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی کل جائیداد بہ تفصیل وقف نامہ واقع مرادآباد بتاریخ ۱۲/۱اکتوبر ۱۹۴۴ءکووقف واسطہ پرورش وپرداخت اپنی اولاد و بھانجہ وبھتیجہ کے اوراس کی اولاد کی اولاد نسلاً بعدنسلاً ......کووقف کردی اوراپنی ملکیت سے نکال کرخداوندی قیوم کی ملکیت میں دیدی، زید نے وقف نامہ میں مزید تحریرکیا ہے کہ اگرخدانخواستہ میری نسل میں کوئی باقی نہ رہے تو میرے بھتیجے و بھانجہ کی نسل میں جوموجود ہوں اس کی آمدنی میں بقدرنصف نصف مستفید ہوتے رہیں، واقف کالڑکالاولدفوت ہوگیابھانجہ کی نسل ہی نہیں ہے، بھانجہ ابھی حیات ہے اور وہ آدھی آمدنی طلب کرتا ہے وہ آمدنی کا حقدار ہے یانہیں، بھتیجہ کی نسل میں ایک لڑکی شاہین اختر شادی شدہ اورایک لڑکاپسراکبرمتولیٔ مذکورموجودہیں ایسی صورت میں کیالڑکی بھی آمدنی کی حقدارہےاوراس کوکیادیاجائیگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: واقف نےوقف نامہ میں بھانجہ اوربھتیجہ کوبرابرکا حق دارقراردیاہےاس لیے بھانجہ نصف آمدنی کا حقدار ہےاوراس کی آدھی آمدنی طلب کرنا حق بجانب اوردرست ہے۔

شرط الواقف کنص الشارع. (الأشباہ والنظائر قدیم ص: ۱۷۰، جدید زکریا ص: ۳۰۰)

اورجب بھتیجہ کےایک لڑکا اورایک لڑکی موجود ہےتو بھتیجہ کاحق (نصف آمدنی) دونوں اولاد کےدرمیان برابرتقسیم ہوتارہےگااوراس میں لڑکااورلڑکی دونوں کوبرابرکاحق ملتا

رہے گا، لڑکے کو لڑکی سے زیادہ نہیں ملے گا، لہٰذا بھتیجہ کی لڑکی شاہین اختر کو اکبر حسین کے برابر کا حصہ ملتا رہے گا اور شاہین اختر کی موت کے بعد اس کی اولاد کو اس کا حصہ ملتا رہے گا۔

رجل قال أرضي هذه صدقة موقوفة على ولدي كانت الغلة لولد صلبه، يستوي فيه الذكر والأنثىٰ الخ. (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الوقف، فصل في الوقف على الأولاد، زكريا ۳/۲۲۴، وعلى هامش الهندية زكريا ۳/۳۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۹ / ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶۲۹/۲۷)	۹/۴/۱۴۱۲ھ

وقف علی الاولاد کی ایک صورت

سوال [۷۶۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو مکانات وقف علی الاولاد ہیں جس میں ایک مکان میں متولی رہتا ہے اور دوسرے مکان میں صرف ایک کوٹھری اور ایک دیوار تھی وہ منہدم ہوگئی اب صرف اراضی ہے اور متولی کے مالی حالات ایسے نہیں ہیں کہ اس کو تعمیر کر سکے، اور جس مکان میں رہتا ہے اس کی بھی مرمت کرانا ضروری ہے، از شرع اس کو کیا کرنا چاہئے جس سے مکان مسکونہ متولی بھی منہدم ہونے سے برقرار رہے جواب سے مطلع فرمائیں۔

واقفہ نے اپنے بھائی کے پوتے عشرت علی کو متولی نامزد کر دیا تھا، یہ وصیت کر دی تھی کہ وقف کی آمدنی سے عشرت علی اپنی زندگی میں مستفید ہوتا رہے گا، اور عشرت علی کی اولاد مستفید ہوتی رہے گی، نیز تولیت کے بارے میں یہ شرط لگائی تھی کہ ہر متولی اپنے بعد کے لیے اپنی مرضی سے متولی نامزد کر دے ورنہ ہر متولی کی اولاد اکبر متولی ہوتا رہے گا، نیز وقف نامہ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ بوقت وقف دونوں مکانات کا کرایہ اٹھارہ روپیہ رہا ہے، متولی ان میں سے دو روپیہ مسجد قلعہ والی کو ہر ماہ دیتا رہے گا، چاہے متولی اپنے جیب سے دیدے یا کرایہ کی آمدنی سے دیدے، ان حالات میں عشرت علی کا لڑکا یعقوب علی اب متولی ہے اور

اس کے پاس اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ وقف کے مکانات کی تعمیر ومرمت کراسکے، یا ترقی دے کر وقف کی آمدنی میں سے ہر حق دار کو حق پہنچا سکے، اور مسجد کو مسجد کا حق دے سکے اور عشرت علی کی اولاد میں سے اس وقت دولڑکے موجود ہیں اور اس وقت عشرت علی کے ان تمام اولاد کو وقف کا فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے، ان حالات میں مذکورہ وقف کا شرعی حکم کیا ہوگا؟

المستفتی: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شرعی طور پر متولی پر لازم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے وقف کی جائیداد کی ضائع ہونے سے حفاظت کرے، اور اگر ٹوٹ پھوٹ جائے تو اس کی مرمت کرادیا کرے، اور اگر متولی خود وقف کی حفاظت ومرمت وغیرہ سے عاجز ہے تو اس پر لازم ہے کہ کسی باصلاحیت شخص کو تولیت کا ذمہ دار بنائے اور خود تولیت سے دستبردار ہوجائے ورنہ سخت گنہگار ہوگا اور شرعاً خائن ثابت ہوگا، نیز اس وقت اگر مرمت کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہے تو قابل رہائش مکان کو کرایہ پر دے کر اس آمدنی سے دوسرے مکان کی مرمت کرانا ضروری ہوگا، نیز اس میں فائدہ اٹھانے کا حق عشرت علی کی تمام اولاد کو برابر حاصل ہے، تنہا متولی حقدار نہیں ہے، نیز مسجد قلعہ والی کو کل اٹھارہ میں سے دو روپیہ کے تناسب سے آمدنی پہنچانا لازم ہے، ورنہ متولی سخت گنہگار ہوگا۔

ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود و كذا تولية العاجز لأن المقصود لا يحصل به ويستوى فيه الذكر والأنثىٰ. (شامی، كتاب الوقف، مطلب: في شروط المتولى، زكريا ٦/٥٧٨، كراچی ٤/٣٨٠، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٢٦، زكريا ٥/٣٧٨)

ولو أبى أو عجز عمّر الحاكم بأجرتها يعنى آجرها الحاكم من الموقوف عليه أو غيره وعمّرها بأجرتها ثم يردها بعد التعمير إلى من له السكنى الخ. (البحر الرائق كوئٹه ٥/٢١٨، زكريا ٥/٣٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶ ؍ ۲۲۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۵/۲۲ھ

وقف علی الاولاد کا حکم

سوال [۷٦٣٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حاجی کلن صاحب مرحوم نے اپنی حیات ۱۹۳۲ء میں ایک وقف نامہ علی الاولاد علی الخیر تحریر کیا اور انہوں نے اسی وقت اپنی تمام جائیداد کو اللہ جل شانہ کی ملکیت میں دیدیا اور اسی وقت سے خود جائیداد موقوفہ کے متولی ہو گئے اور وقف نامہ میں تحریر کر دیا کہ تاحیات میں خود متولی رہوں گا اور بعد میرے انتقال میری بیوی نمبر (۴) مسماۃ چھوٹی وقف جائیداد کی متولیہ ہوگی، مسماۃ چھوٹی کے انتقال کے بعد یا عقد ثانی کرنے کے بعد میری اولاد در اولاد نسلاً بعد نسل بطناً بعد بطن کا سلسلۂ تولیت جاری رہے گا جس میں سب سے پہلے میری اولاد ذکور اور اولاد ذکور نہ ہو تو اولاد اناث متولی مقرر ہوگی اور جب میری اولاد ذکور اور اولاد اناث کا سلسلہ ختم ہو جائے گا تو میری اولاد ذکور کی اولاد ذکور اور جب اولاد ذکور کی اولاد ذکور نہ ہو تو اولاد اناث کا سلسلۂ تولیت جاری ہوگا اور ہر متولی وقف نامہ کی دفعہ ۵/ کے مطابق وقف جائیداد کی آمدنی کو میرے وارثانِ شرعی کے درمیان بحصۂ شرعی تقسیم کرے گا۔

حاجی کلن صاحب نے چار شادیاں کیں جن میں پہلی بیوی سے بانو فاطمہ اور بسم اللہ پیدا ہوئیں، دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، تیسری بیوی سے ایک لڑکی شاہجہاں پیدا ہوئی اس تیسری بیوی کے ساتھ ایک دختر نور جہاں جو اپنے پہلے شوہر سے پیدا تھی ساتھ میں آئی تھی، چوتھی بیوی سے غفران، ہاجرہ، صابرہ پیدا ہوئیں (ہاجرہ، صابرہ وقف نامہ تحریر کرنے کے بعد پیدا ہوئیں) بانو اور شاہجہاں کا انتقال حاجی کلن صاحب کی حیات میں ہو گیا تھا، بانو نے اپنے انتقال پر ایک پسر عبدالسلام چھوڑا، (بانو کا انتقال وقف نامہ تحریر ہونے کے بعد ہوا) شاہجہاں سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی، اس کے بعد حاجی کلن صاحب کا انتقال ہوا اور بعد انتقال حاجی کلن صاحب کے ان کی چوتھی بیوی مسماۃ چھوٹی وقف جائیداد کی متولیہ بنی اس کے بعد مسماۃ چھوٹی کا انتقال ہو گیا، بعد انتقال مسماۃ چھوٹی کے فاطمہ بیگم وقف جائیداد کی

متولیہ مقرر ہوئی اوراب تک تولیت کا کام انجام دے رہی ہیں اس دوران مسماۃ بسم اللہ کا انتقال ہوگیا بوقت انتقال مسماۃ بسم اللہ نے مندرجہ ذیل وارثان چھوڑے، پسران: فاخر حسین،شاہد حسین،صابرحسین،ذاکرحسین،شاہد حسین،......دختران: بدرالنساء،خیرالنساء۔

اب ۲۷/دسمبر ۱۹۸۸ءکوعبدالسلام پسر مسماۃ بانو کا انتقال ہوتا ہےاس نے صرف دو لڑکیاں زرینہ اورنفیسہ چھوڑیں۔

آج موجودہ وارثان شرعی حاجی کلن صاحب مرحوم ایک نظر میں اس طرح ہیں:

دختران حاجی کلن صاحب مرحوم: فاطمہ،نورجہاں،غفرانہ،ہاجرہ،صابرہ۔

نواسے: فاخرحسین،زاہد حسین،صابرحسین ،ذاکرحسین،شاہد حسین۔

نواسی: بدرالنساء،خیرالنساء۔

پرنواسی: زرینہ،نفیسہ

لہٰذااز روئے شرع مندرجہ بالا حاجی کلن صاحب مرحوم کے وارثان شرعی کو کتنے کتنے سہام ملنے چاہئیں،تفصیل سےوضاحت فرمائی جائے۔

نوٹ: وقف نامہ ۱۹۳۲ءکی فوٹو اسٹیٹ کاپی حاضرخدمت ہے۔

المستفتی: صابرہ بیگم دختر حاجی کلن صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: وقف نامہ کی شرائط پرغورکرنے کے بعدمعلوم ہوا کہ اگرکسی کا انتقال ہو جائے تو اس کا حصہ منسوخ نہیں ہوگا بلکہ مرنے والے کا حصہ اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم ہوجائے گا،لہٰذا جوحضرات وارث چھوڑ کر گذر گئے ہیں ان کے حصے ان کےورثہ کےدرمیان تقسیم ہوجائیں گے۔

الحاصل أن الواقف إذا وقف على أولاده وأولاد أولاده وعلى أولاد أولاد أولاده و على ذريته ونسله و طبقة بعد طبقة و بطنا بعد بطن تحجب الطبقة العياء السفلىٰ على أن من مات عن ولد انتقل نصيبه إلى ولده (إلى قوله) وترك ولدا و ولد ولد، أو اسفل من ذٰلک استحق ما كان يستحقه أبوه لو كان حيا الخ.

(الأشباه ديوبندی ص: ٢١٨،جديد زكريا ص: ٣٧٤ مطبوعه كراچی ١٨٠/١)

لو وقف على أولاد الظهور دون أولاد البطون فماتت مستحقة عن ولدين أبوهما أبوهما من أولاد الظهور هل ينتقل نصيبها لهما فأجبت نعم: ينتقل نصيبهما لهما لصدق كونهما من أولاد الظهور باعتبار والدهما المذكور. (شامی، کتاب الوقف، قبيل فصل فيما يتعلق بوقف الأولاد من الدرر، زكريا ٦٩٥/٦، كراچی ٤٦٧/٤)

وكل ولد يحدث له بعد هذا الوقف قبل حدوث الغلة وولد الولد أبدا ومن مات منهم قبل حدوث الغلة تسقط حصته ومن مات بعد ذٰلک استحق سهمة ويكون ذٰلک لورثته والبطن الأعلى والبطن الأسفل فى ذلک على السواء. (فتاویٰ عالمگیری، زكريا قديم ٣٧٦/٢، جديد ٣٦١/٢)

مذکورہ عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ بانو کی موت کے بعد بانو کا حصہ بانو کے لڑکے عبدالسلام کو ملے گا اس کے بعد عبدالسلام کی لڑکیوں کو ملے گا، اسی طرح بسم اللہ کی وفات کے بعد اس کا حصہ اس کی اولاد کو ملا کرے گا، اور شاہجہاں چونکہ لاولد فوت ہوئی ہے اس لیے اس کا حصہ باپ کی طرف منتقل ہوکر باپ کے ورثہ کے درمیان حسب حصص شرعیہ تقسیم ہوجائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۳۰۵)

اولاد اکبر کے انتقال کے بعد مکان موقوفہ کا مالک کون؟

سوال [۷۶۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میرے دادا منشی جان محمد صاحب اور داری محترمہ بلقیس جہاں بیگم نے اپنی اولادوں کی سکونت اور آرام کے واسطے اپنی کچھ صحرائی اور سکنائی جائیدادیں وقف علی الاولاد کی تھیں، میرے دادا اور دادی کے بطن سے آٹھ بچے تھے جس میں پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تفصیل حسب ذیل ہے:

محمد سلطان، محمد عرفان، محمد نعمان، محمد فرقان، محمد ریحان، سردار جہاں، گوہر جہاں، کوثر جہاں، ان آٹھوں اولادوں کے لیےواسطے سکونت آٹھ مکان سب کوالگ الگ نمبر کے حساب سے اپنی حیات میں ہی تقسیم کر دیئے تھے، اور سب لوگ اپنے اپنے نمبر اور حصہ کے مکانوں کے بطور متولی قابض چلے آرہے ہیں، اس کی تفصیل وقف نامہ کی دفعہ ۷/اور ۸/میں درج ہے۔

(۲) میرے دادا نے وقف نامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے بطن کی ہر اولاد کے فوت ہونے پر اس کے حصہ ونمبر کے مکان کا متولی اس کی اولاد اکبر (بڑی اولاد) مقرر ہوگی اور ہمیشہ اولاد اکبر کو اولاد اصغر پر ترجیح دی جائیگی، اور یہ سلسلہ اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ بطناً بعد بطنٍ چلتا رہے گا۔

میری گذارش ہے کہ الحمدللہ میرے والد محمد عرفان صاحب باحیات ہیں ان کے پانچ بچے تین لڑکے اور دو لڑکیا ہیں، جن کے نام حسب ذیل ہیں: مراد عرفان، شبلی عرفان، شمشاد عرفان، اور دو لڑکیاں: ناہید بیگم، حبیس بیگم، میرے والد کے بڑے لڑکے مراد عرفان کا انتقال ہوگیا ہے ان کے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں اور ان کی اہلیہ موجود ہیں، میری ایک بہن حبیس بیگم کا بھی انتقال ہوگیا ہے۔

میرا سوال یہ ہے کہ میرے والد الحمدللہ بقید حیات ہیں، میرے والد کے مکان کا ان کے بعد از روئے وقف نامہ کون متولی ہوگا، ہم دو بھائیوں میں سے یا بڑے بھائی جن کا انتقال ہو چکا ہے ان کا لڑکا یعنی میرے والد کا پوتا، اس مکان موقوفہ میں کس کو سکونت رکھنے اور متولی کے حق کو انجام دینے کا حق حاصل ہوگا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے تینوں گوشوں پر غور کیا گیا اور وقف نامہ میں جو یہ شرط لگائی گئی ہے کہ واقف کی ہر اولاد کے فوت ہونے پر اس کے حصہ کے مکان کا متولی اس کی اولاد اکبر مقرر ہوا کرے گی، اس شرط کے پیش نظر اور قانون شریعت کے پیش نظر اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ہر متولی کی موت کے وقت اس کی زندہ اولادوں میں سے جو ولد اکبر ہوگا وہی اگلا متولی ہوگا، اس لیے عرفان کی زندگی میں اس کا بڑا

لڑکا جوفوت ہوگیا ہے عرفان کی موت کے فوت شدہ لڑکے کی اولاد کی طرف تولیت منتقل نہ ہوگی، بلکہ عرفان کی موت کے وقت جو اولادیں زندہ رہیں گی اوران زندہ اولادوں میں جو بڑا لڑکا ہوگا وہی اگلا متولی بنے گا۔

وقف علی ولده و أولادهم و نسلهم لايدخل ولد من كان أبوه مات قبل الوقف لكونه خصص أولاد الولد الموقوف عليه فخرج المتوفى قبله. (الأشباه قديم ص: ٢١٣، جديد زكريا ص: ٣٦٨)

وقف على أولاده و أولاد أولاده و ذريته على أن يبدأ بالبطن الأعلىٰ ثم و ثم، قلنا: لاشيئ للبطن الثاني مادام واحد من الأعلىٰ فلو مات واحد من البطن الثاني و ترک ولدا مع وجود الأعلىٰ ثم انقرض الأعلى فلا مشاركة له مع البطن الثاني لأنه من الثالث فإذا انقرض الثاني شارک الثالث. (الأشباه قديم ص: ٢١٣، جديد زكريا ص: ٣٦٨)

وحاصل جواب السبكي أن ما اختص المتوفى وهو النصف مقسوم بين أولاده الثلاثة، ولاشيئ لولدى ابنه المتوفى في حياته ومن فات من الثلاثة عن غير نسل رد نصيبه إلى إخوته فيكون النصف بينهما. (الأشباه قديم ص: ٢١٢، جديد زكريا ص: ٣٦٦)

لو وقف على ولده ...... لايدخل ولد ولده إن كان له ولد لصلبه فإن لم يكن له ولد لصلبه استحقه ولد الإبن، فإذا ولد للواقف ولد رجع من ولد الإبن. (الأشباه قديم ص: ١١٩، جديد زكريا ٢١٥)

ومن مات من أهل الوقف قبل استحقاقه لشيئ من منافع الوقف وله ولد استحق ولده ماكان يستحقه المتوفىٰ لو كان حيا، لكن الأرجح اختصاص الأخ، ويرجحه أن التنصيص على الإخوة وعلى الباقين منهم كالخاص. (الأشباه قديم ص: ٢١٢، جديد زكريا ص: ٣٦٣-٣٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۱۲ھ

واقف کی شرط کی پابندی لازم ہے

سوال [۷۶۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: درخواست ہذا کے ساتھ وقف نامہ کی فوٹو کاپی منسلک ہے، براہ کرام مندرجہ ذیل مذکور حقائق کی روشنی میں ازروئے شرع حق تولیت کس کو پہنچتا ہے، تحریر فرمائیں؟

(۱) مسماۃ بستی بیگم بنت شیخ امین الدین زوجہ مولوی بشیر الدین نے اپنا مملوکہ و مقبوضہ ایک قطعۂ مکان واقع محلّہ مغلپورہ اول مرادآباد، مؤرخہ ۹/۱ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو وقف علی الاولاد معہ بیس روپیہ سالانہ مصرف خیر کے نام رجسٹری کرائی تھی۔

(۲) مسماۃ بستی بیگم مقرہ تاحیات اپنی موقوفہ کی متولیہ رہیں، اور ۱۹۴۶ء میں وفات پائی۔

(۳) بعد واقفۂ وفات واقعہ مذکورہ ان کے تنہا پسر مسمیٰ حمید الدین و حقیقی نواسہ مسمی افتخار احمد ازروئے شرائط وقف ۴/ یک ساتھ متولیٔ مکان موقوفہ ہوئے۔

(۴) پسر واقفہ مسمی حمید الدین کا دخل و قبضہ مکان موقوفہ پر تاحیات ان کی رہا اور وہ لاولد ۱۹۶۵ء میں فوت ہوئے بعدۂ ان کی زوجہ مسماۃ نور جہاں بیگم مکان موقوفہ میں رہائش رکھتی تھیں اور ۱۹۶۸ء میں وہ بھی وفات پا گئیں۔

(۵) یہ کہ واقفہ کا نواسہ مسمی افتخار احمد ۱۹۴۷ء میں پاکستان چلا گیا تھا اور وہ بھی لاولد تھا باوجود اس کے کہ شرائط وقف ۵/ کے تحت اس کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ جس کو چاہے باضابطہ طور پر مکان موقوفہ کا متولی مقرر کردے مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور وہ بھی ۱۹۹۵ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

(۶) یہ کہ ایسی صورت حال میں سلسلۂ تولیت از روئے شرط ۸/ خاندانِ مقرہ کو منتقل ہوگئی۔

(۷) یہ کہ شجرۂ خاندان مقرہ بستی بیگم حسب ذیل ہے، سائل مسماۃ بستی بیگم کا سب بڑا پوتا ہے۔

نوٹ: مسماۃ بستی بیگم مجھ سائل کے والد کی حقیقی پھوپھی تھیں، یعنی سائل کی دادی ہوئیں، مجھ سائل کے دو حقیقی بھائی وسات چچیرے بھائی حیات ہیں اور سائل مسماۃ بستی بیگم واقفہ کے پوتوں میں سب سے اکبر ہے، مزید یہ کہ سائل کے مورث اعلیٰ اور مولوی بشیر الدین کے والد دو علاحدہ خاندن سے تعلق رکھتے ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل کا سوال مبنی برصدق ہے تو موقوفہ جائیداد کے بارے میں فقہاء کرام نے ایک اصل اور ضابطۂ شرعی بیان کیا ہے وہ یہ کہ

شرط الواقف کنص الشارع. (الأشباه والنظائر قديم ص: ١٧٠، جديد زكريا ص: ٣٠٠)

یعنی شارع کی نص کے مشابہ واقف کی شرائط کا حکم ہوتا ہے، لہٰذا واقفہ بستی بیگم مرحومہ نے اپنے وقف نامہ علی الاولاد میں جو دفعات وشرائط تحریر کیں ہیں ان میں دفعہ ۵/ سے اولاد اکبر کا متولی ہونا ثابت ہوتا ہے، دفعہ ۶/ سے واضح ہوتا ہے کہ افتخار احمد کو لاولد ہونے کی صورت میں چار علماء کرام حنفی المذہب کو متولی سمجھا جائیگا، ان سہ دفعات وشرائط کے مدنظر حسب سوال سائل اولاد اکبر واحد حسین عثمانی ہیں اور افتخار احمد مرحوم نے اپنی زندگی میں کسی کو متولی بھی مقرر نہیں کیا ہے، نیز سلسلۂ خاندانی مقررہ واقفہ میں واحد حسین عثمانی ہوتے ہیں، لہٰذا تولیت کا حق واحد عثمانی کو ہی ان کے سوالات اور واقفہ مقررہ کی دفعات وشرائط کی روشنی میں شرعاً ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: الطاف الرحمٰن بچھرایونی
۳/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
مدرسہ حیات العلوم مرادآباد

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۳/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۳۲/۳۴)

تولیت میں واقف کی شرائط کا حکم

سوال [۷۶۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں میرے دادا مرحوم چھوٹے ولد بادا اللہ شیخ روغن گر محلّہ باڑہ شاہ صفا نزد دلال

مسجد مرادآباد نے ایک مکان جس میں چار کمرے اور چار دوکانیں ہیں محلّہ کسرول جھبوا کا نالہ کے سامنے واقع بذریعہ وقف نامہ ۱۹؍جولائی ۱۹۳۲ء میں رجسٹری ۱۴؍اکتوبر ۱۹۳۲ء میں کرائی اوراس کی رجسٹری سب رجسٹرار صاحب سے مرادآباد میں کرائی تھی، نمبر ایک جلد نمبر ۵۹۶؍ کے صفحات نمبر ۲۳۱-۲۳۳ میں سلسلہ نمبر ۲۰۵ وقف نامہ علی الاولاد ونسل درنسل کردیا تھا، چھوٹے مشکور نے اس طرح تحریر کیا ہے کہ میری ہی نسل میں سے متولی رہے گا، دیگر برادری کے یا دیگر قوم کا متولی نہ ہوگا، میری نسل ختم ہوجائے تو میرے رشتہ دار اور خاندان کا متولی ہوگا، میرے رشتہ داران کے بعد میری برادری کے پانچ آدمی چن کر متولی قائم کرلیے جائیں، میری برادری ختم ہوجائے تو ایسی صورت میں محلّہ کے پانچ آدمی چن کر متولی قائم کردیئے جائیں، میرے محلّہ والے متولی نہ بننا چاہیں تو ایسی شکل میں مدرسہ شاہی مسجد کو متولی بنایا جائے، اور باہتمام منتظم شاہی مدرسہ متولی مذہب اہل سنت والجماعت مسلک امام ابوحنیفہؒ کا ہوگا، غیر قوم یا مذہب کا کوئی متولی نہ ہوگا، اور جو متولی جائیداد موقوفہ کا ہوگا، واقف نے وقف نامہ میں تحریر کردیا ہے، کہ اس مکان میں میرے متولی سکونت کرتے رہیں گے، سکونت کے بعد اس مکان کی جتنی آمدنی ہوگی اس کے چار حصے کرکے ایک حصہ کار خیر میں خرچ ہوگا، ایک حصہ مکان کی مرمت میں خرچ ہوگا، دو حصے میری دختران اور نواسیوں کو دیتا رہے گا، نواسیوں کے بعد کسی اور آمدنی نہیں دی جائے گی وقف نامہ میں یہ بھی تحریر ہے کہ میرا متولی عبدالرحمٰن رہے گا، عبدالرحمٰن جس کو چاہے گا اس کو متولی مقرر کردے گا، بعد عبدالرحمٰن ذکور پسر اکبر اس کا متولی بنے گا، اسی طرح سے سلسلۂ نسل درنسل بطن دربطن چلتا رہے گا کسی غیر قوم کا متولی نہ ہوگا، وقف نامہ کی روسے تحریر لکھی گئی ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ چھوٹے مرحوم کی نسل حیات ہے، پوتے پڑپوتے حیات ہیں، وقف نامہ میں چھ نام درج ذیل ہیں:

(۱) نسل درنسل بطن دربطن۔

(۲) رشتہ داران حیات ہیں۔

(۳) خاندان حیات ہے۔

(۴) میری برادری حیات ہے۔

(۵) محلّہ والے حیات ہیں۔

(۶) مدرسہ شاہی مسجد حیات ہے۔

اس لیے علماء دین ومفتیان کرام سے مؤبانہ التماس ہے کہ مسئلۂ ذیل کے بارے میں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف نامہ اورسوالنامہ کو بار بار پڑھا گیا، وقف نامہ میں واقف کی طرف سے جوشرائط وقیودات لکھی جاتی ہیں ان کی رعایت اوران کی پابندی کرنا بعد والوں پر لازم ہوجاتی ہے اوروقف نامہ میں خاص طور پر دو چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی:

(۱) مذکورہ موقوفہ جائیداد کی آمدنی کا مصرف کیا ہوگا؟

(۲) جائیداد موقوفہ کامتولی کون ہوگا؟

ان دونوں باتوں میں سے آمدنی کے بارے میں وقف نامہ میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ چارحصہ کرکے ایک حصہ کارخیر میں خرچ ہوگا اوردوسرا حصہ مرمت وغیرہ میں خرچ ہوگا، اوردوحصے واقف کی دونوں لڑکیوں کو دیئے جائیں گے، اور وصولی کی رسید بھی حاصل کی جائیگی، اوردونوں لڑکیوں کی صلبی اولادیعنی مرحوم کے نواسے اورنواسیوں کودختران کے بعدملا کریں گے، اورنواسے اورنواسیوں کے بعد نیچے کی اولادکونہیں دیا جائیگا، بلکہ یہ آمدنی مدرسہ شاہی کو ملاکرے گی، لہٰذا واقف کی اس شرط کی پابندی بعد والوں پرنہایت ضروری ہوگی، سوالنامہ میں سائل نے اس بات کوواضح نہیں کیاہے کہ نواسے اورنواسیاں زندہ ہیں یانہیں؟ لہٰذا اگرنواسے اورنواسیاں زندہ ہیں یا دختران زندہ ہیں تو آمدنی کے چارحصوں میں سے دوحصے ان کوملتے رہیں گے، اوراگرنواسے اورنواسیاں موجودنہیں ہیں تو آمدنی کے چارحصہ کرکے دوحصہ مدرسہ شاہی میں پیش کردینا لازم وواجب ہوگا، اب سائل خوددیکھ لے کہ دختران یا نواسے اور نواسیاں زندہ ہیں یانہیں، اورواقف نے دوسری شرط زیادہ اہمیت سے یہ لکھی ہے کہ تولیت کی ذمہ داری واقف کے بعدواقف کے چھوٹے بیٹے عبدالرحمٰن کو حاصل رہے گی، اورعبدالرحمٰن

کے بعد عبد الرحمٰن کی اولاد یا عبداللہ کی اولاد میں سے جس کو عبد الرحمٰن باصلاحیت اور اہل سمجھے اس کو متولی بنائے گا، اور سوالنامہ میں سائل نے لکھا ہے کہ واقف کا پوتا زندہ ہے اگر واقف کا پوتا باصلاحیت امانتدار ہے اور وقف جائیداد کی آمدنی کو واقف کی شرائط کے مطابق خرچ کریگا اور دیانتداری اور خوف خدا اس پر غالب ہے اور خاندان کے لوگ اس کو متولی بنانے میں مطمئن ہیں تو وہ متولی بن سکتا ہے، مگر خاندان کے اہم دیندار لوگوں کے مشورہ سے جیسا کہ وقف نامہ میں واقف نے اس طرح شرط لگائی ہے۔

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به. (در مختار مع الشامي، كتاب الوقف مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، كراچی ٤/٤٣٣، ٦/٦٤٩)

لأن شرط الواقف معتبر فيراعىٰ كالنص وعليه الفتوىٰ. (مجمع الأنهر قديم ١/٧٤٣، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۳/۹۲۸۳)	۱۴۲۸/۵/۱ھ

وقف علی الاولاد کی صورت میں نسل ختم ہونے پر متولی کون ہوگا؟

سوال [۷۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں شیخ محمد عبد الہادی عرف محمد جان خلف منشی عبد الحکیم صاحب مرحوم قوم شیخ اپنے پیشہ زمینداری وٹھیکہ داری محلہ شیدھی سرائے مرادآباد اپنی تمام جائیداد ہائے صحرائی و سکنائی مندرجہ دستاویز ہذا فاتیسی مبلغ نو ہزار اٹھانوے روپیہ کچھ آنہ کا بذریعہ خریداری و نیز بذریعہ خود بلا شرک غیر کے مالک اور قابض ہوں، اور مذکورہ جائیداد اس وقت تمام قسم کے مؤاخذہائے شرعی وقانون سے پاک ہے، میں نے مندرجہ دستاویز کی بابت یہ تجویز کیا کہ میں ان تمام جائیدادوں کا اپنی حیات میں شریعت کے احکام کے مطابق ایسا انتظام کردوں جس

کی آمدنی سے میں اور میری زوجہ اور اولاد نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن اور اگر میری کوئی اولاد پیدا نہ ہوتو میرے بھائی منشی عبدالباری صاحب مرحوم کی لڑکی نایاب بیگم اور اس کی اولاد اور اس کے شوہر کی پرورش و پرداخت ہوتی رہے، اور خیراتی امور بھی انجام پاتے رہیں، اور اگر خدانخواستہ میری بھتیجی نایاب بیگم کی نسل میں بھی کوئی اولاد مذکر موجود نہ رہے تو اس وقت جائیداد ہٰذا کی کل آمدنی خدا کی راہ میں خیراتی امور میں خرچ ہوئے تاکہ خوشنودئ خدا اور رسول ہو، مجھے اور میرے وارثین کو ثواب اخروی ملتا رہے، لہٰذ میں حسب ایکٹ نمبر ۱۹۱۳/٦ء آج کی تاریخ سے تمام جائیداد مذکورہ دستاویز ہند کے تحت تمام متعلقات وتوابعات سے تمام حقوق داخلی وخارجی کے اور بغیر کسی استثناء کے حق آمدنی کو اپنی ذات اور اپنی زوجہ اور اپنی اولاد در اولاد نسلا بعد نسل کی پرورش و پرداخت کے واسطے اور نیز انجام دہی خیراتی امور کے واسطے جن کی تصریح ذیل میں ہے وقف کرتا ہوں، اور اپنے قبضہ اور ملکیت سے نکال کر اللہ کی ملکیت میں دیتا ہوں، اور آج کے بعد میں اور میرا کوئی وارث اس کا مالک نہیں رہا۔

شرائط ومقاصدِ وقف جن پر ہمیشہ عمل ہوتا رہے گا۔

(۱) اپنی زندگی میں خود متولی رہوں گا، مجھ کو اپنے زمانۂ تولیت میں جائیداد موقوفہ میں تصرف کرنے اور ان کے متعلق ہر طرح کے انتظامات کرنے اور ان کی آمدنی اپنی مرضی سے اپنی اور اپنی زوجہ اور اپنی اولاد کی پرورش و پرداخت کرنے اور خیراتی امور میں خرچ کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور کسی بھی شخص کو اس میں دخل اندازی کا حق نہ ہوگا۔

(۲) میرے بعد میری زوجہ اختری بیگم متولیہ ہوں گی اور ان کو میری طرح تمام جائیداد کو اپنے تصرف میں رکھنے کا اور ان کے متعلق ہر طرح انتظامات کرنے کا حق حاصل ہوگا لیکن ان پر یہ لازم ہوگا کہ وہ جائیداد موقوفہ کہ آمدنی حسب ذیل طریقہ سے خرچ کریں:

(۳) اس کے بعد میں اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاد ذکور نہ ہوتو اولاد از قسم اناث جائیداد ہائے موقوفہ کی متولی مقرر ہوگی۔

(۴) اگر خدانخواستہ میری کوئی اولاد پیدا نہ ہو یا میری زوجہ کی حیات میں کوئی اولاد

موجود نہ رہے تو متولیہ میری بھتیجی نایاب بیگم مقرر ہوگی۔

(۵) اور میری بھتیجی کے انتقال پر اس کی اولاد اکبراز قسم ذکور متولی ہوگی۔

(۶) اور اگر خدانخواستہ میری بھتیجی کی نسل میں کوئی اولاد ذکور موجود نہ رہے تو اس وقت جائیداد مذکورہ کا متولی مذہبی، دیانت دار، اہل سنت والجماعت میں سے کوئی شخص بحکم عدالت مجاز مقرر ہوگا، جو کمیٹی کی نگرانی میں جس کو عدالت مقرر کرے گی تولیت کی خدمت انجام دے گا، اور اب عبدالہادی کے اولاد ختم ہونے کے بعد واقف کی شرائط کے مطابق عبد الہادی کی اکلوتی بھتیجی نایاب بیگم کو متولیہ بنا دیا گیا تھا، ۸۷ء کو نایاب بیگم کا انتقال ہو گیا اور نایاب بیگم کی نسل میں کوئی اولاد ذکور واناث بھی باقی نہ رہی اور نہ اس کا شوہر البتہ عبدالحکیم کے بھائی اور عبدالہادی واقف کے تایا عبدالرحیم کی دوسری نسل میں عبدالساجد ولد عبدالاحد ولد عبدالرحیم موجود ہیں، ان کے علاوہ اس نسل میں بھی اب کوئی دیگر فرد حیات نہیں ہے، یعنی عبد الساجد کے علاوہ عبدالہادی کے کنبہ میں اب کوئی فرد موجود نہیں ہے تو ان حالات میں مذکورہ وقف نامہ کے شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے عبدالساجد ولد عبدالاحد، عبدالہادی کی جائیداد کا متولی ازروئے شرع بن سکتا ہے یا نہیں؟ حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب واقف کی نسل ختم ہونے کے بعد نایاب بیگم کی نسل بھی ختم ہو چکی ہے تو واقف کی شرائط کے مطابق مذکورہ جائیداد موقوفہ کا متولی اہل سنت والجماعت میں سے عدالت مجاز کے حکم سے کمیٹی کی نگرانی میں کوئی مذہبی دیانتدار شخص ہی ہو سکتا ہے، عبدالساجد ولد عبدالاحد محض خاندانی ہونے کی بنیاد پر مذکورہ جائیداد کا متولی شرعاً نہیں بن سکتا، کیونکہ واقف کی شرائط واغراض کی مخالفت جائز نہیں ہے، نیز واقف کی شرائط کے مطابق مذکورہ جائیداد کی کل آمدنی دیانتدار اور متولی کی نگرانی میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنی واجب ہوگی۔

القضاء بخلاف شرط الواقف كالقضاء بخلاف النص لاينفذ لقول العلماء شرط الواقف كنص الشارع. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۱۷۰، جديد

زکریا ۳۰۰، شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، زکریا ٦/٦٤٩، کراچی ٤/٤٣٣)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقف واجبة الخ. (شامی کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۷۰)

وقف علی الاولاد میں واقف کی اولاد کے علاوہ کا متولی بننا

سوال [۷۶۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منیراًبنت نجابت علی مرحوم نے اپنی ایک آراضی ۱۸۹۰ء میں وقف علی الاولاد کیا اور کچھ حصۂ آمدنی قبرستان اور مسجد وغیرہ کے لیے وقف کیا، اور وقف نامہ میں بصراحت لکھا کہ اس آراضی کا متولی میرے خاندان کا لائق آدمی رہے گا، اور ۱۸۹۰ء سے خاندان سے ہی متولی ہوتے رہے اب ایک شخص گلزار عابد خاں ولد ابّن خاں ساکن شیدی سرائے مرادآباد نے عدالت میں یہ دکھا کر کہ منیراً کے خاندان میں کوئی زندہ نہیں ہے اس آراضی کا ۱۹۹۰ء میں متولی بن گیا جبکہ منیراً کے خاندان میں نرینہ اولاد پڑپوتے سلیمان، محبوب حسین، سلطان حسین وغیرہ موجود ہیں، تو گلزار حسین کا متولی بننا ازروئے شرع جائز ہے یا حسب تحریر وقف نامہ ناجائز ہے، شرعی حکم تحریر فرمادیں؟ کرم ہوگا۔

المستفتی: محبوب حسین ولد علی حسین گل شہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت میں منیراًبنت علی مرحوم کا وقف علی المقابر اور اس کی ولایت اپنی اولاد کے حق میں کرنا جائز ہے اور جب تک واقف کی لائق اولاد موجود رہے گی دوسرا کوئی بھی شخص اس آراضیٔ موقوفہ کا متولی نہیں بن سکتا ہے، لہٰذا مسئولہ

صورت میں گلزار عابد خان کا متولی بننے کی کوشش کرنا شرعاً نا جائز ہے، وہ متولی نہیں ہوسکتا ہے۔

شـرط الواقف كنص الشارع. (شـامـی، كتـاب الـوقف مطلب فی قولهم شرط الواقف كنص الشارع، زكريا ٦/٦٤٩، كراچی ٤/٤٣٣، قواعد الفقه اشرفی ديو بند ص: ٨٥)

و مراعات غرض الواقفين واجبة. (شامی زكريا ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥)

ولـو جـعـل الـولاية لأفـضـل أولاده وكـانـوا فی الفضل سواء تكون لأكبـرهـم سـنـا ذكـرا كـان أو انثىٰ ولو لم يكن فيهم أحد أهلا لها فالقاضی يقيم أجنبيا إلى أن يصير أحد منهم أهلا لها فترد إليه. (هندية، الباب الخامس فی ولاية الوقف زكريا قديم ٢/٤١١، جديد ٢/٣٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٨ ربیع الاول ١٤١٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/٥٢١٤)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٨/٣/٨ھ

وقف علی الاولاد کا متولی کون ہو؟ اس کو فروخت کرنے اور اس میں رہائش اختیار کرنیکا حق کس کو ہے؟

سوال [٧٦٤٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فیاض حسین ولد محمد بخش ومسماۃ عزیزن زوجہ فیاض حسین کا ایک مکان پختہ واقع محلّہ تمبا کو والان مرادآباد میں ہے، فیاض حسین کی کوئی اولاد نہیں ہے، عزیزن نے اپنے بھائی منشی عظیم الدین کے لڑکے جناب عین الدین عرف مونے میاں کو گود لے کر اپنی اولاد کی طرح پرورش کی اور شادی بھی کی، مکان کو ہر طرح کے ضرر وشرر سے محفوظ رکھا، بلا اکراہ و اجبار برائے راحت ورہائش اپنے واپنے پسر متبنیٰ مذکور، برائے حصول ثواب اخروی وقف علی الاولاد ١٤/١١ اکتوبر ١٩٤٨ء کو تحریر لکھ کر رجسٹری آفس میں رجسٹری کرادی، اس تحریر میں فریق اول فیاض حسین تاحیات متولی رہیں گے، اور ان کو تاحیات سکونت واختیارات کرائے پر دینے کے ہر طرح کے حاصل ہوں گے، کوئی شخص حساب لینے یا کسی طور پر دخل دینے کا مجاز نہ ہوگا، فریق اول کے بعد ان کے پسر عین الدین عرف مونے میاں کو متولی ہونے کا حق حاصل

ہوگا، اور جو اختیارات فریق اول کو حاصل ہوں گے وہ اختیارات عین الدین عرف مونے میاں کو حاصل ہوں گے، عین الدین عرف مونے میاں کے بعد ان کی اولاد ذکور میں جو شخص قابل تولیت بموجب تولیت نامہ ہوگا وہ متولی نسل درنسل بدلتا رہے گا، اور ہر متولی کو اپنی حیات میں متولی نامزد کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

عین الدین عرف چھوٹے میاں نے دو شادیاں کی، پہلی بیوی کا انتقال ۱۹۴۶ء کو ہوا، اس وقت یہ تحریر نہیں لکھی گئی تھی ان سے ایک لڑکا اظہر الدین ولد عین الدین عرف مونے میاں و ایک لڑکی فریدہ خاتون تھی شادی کے بعد اظہر الدین مکان کے بالائی منزل میں رہتے ہیں، عین الدین عرف مونے میاں نے ۱۹۴۷ء میں نسیمہ خاتون سے دوسری شادی کی ان سے چار لڑکے (۱) ضیاء الدین (۲) صغیر الدین (۳) نوید الدین (۴) عبید الدین۔

چھ لڑکیا: نوشاد جہاں، انور جہاں، کوثر جہاں، منور جہا، ثروت جہاں، کشور جہاں (یہ طلاق شدہ ہیں) اور ضیاء الدین اپنے بھائی کے ساتھ رہتی ہیں۔

عین الدین کا انتقال ۱۹۷۵ء کو ہوا اور تمام ذمہ داریاں عین الدین کے پسر ضیاء الدین نے سنبھالیں والد کا کاروبار سب بہنوں کی شادیاں، بھائیوں کی شادی، پڑھائی تمام اخراجات کی ذمہ داری آج تک انہوں نے ہی سنبھال رکھی ہے، ۱۹۷۵ء میں والد کے انتقال کے بعد سب نے مل کر والد کے مال و متاع میں بٹوارہ کرکے اپنے اپنے حصے لے لیے، ۱۹۸۳ء میں اظہر الدین ولد عین الدین کا انتقال ہوگیا، ان سے دولڑکے مظہر الدین، اظہر الدین اور تین لڑکیا: غزالہ پروین، سیما پروین، فوزیہ پروین ہیں، اس تفصیل کے بعد درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) دین و شریعت اور وقف نامہ کی روشنی میں اس وقت وقف ہذا کا متولی کس شخص کو ہونا چاہیے؟

(۲) خاندان بڑا ہے مکان چھوٹا ہے اس وجہ سے کیا مکان کو تقسیم کیا جاسکتا ہے تاکہ اپنا اپنا حصہ بنوا کر رہا جاسکے؟

(۳) کیا متولی کو اختیار ہے کہ وہ کسی کو مکان میں رہنے سے منع کرے اور خالی کرنے

کے لیے کہے؟

(۴) اگر مکان تقسیم کیا جائے تو اس کو کس طرح سے کیا جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) عین الدین کے انتقال کے بعد عین الدین کا بیٹا اظہر الدین وقف نامہ کی شرائط کے مطابق متولی رہا اور اب اظہر الدین کے انتقال کے بعد عین الدین کے لڑکوں میں جو زیادہ دیانت دار متبع شریعت ہوگا اس کو تولیت کا حق پہنچے گا۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥)

شرط الواقف كنص الشارع. (شامی، زکریا ٢/٦٤٩، کراچی ٤/٤٣٣)

(۲) مکان جب چھوٹا ہے اور خاندان بڑا ہے تو اس مکان کے اوپر منزلہ بنا کر کے الگ الگ رہائش اختیار کرنے کی گنجائش ہے مگر اسے فروخت کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاری، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٥)

إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولاتمليكه. (هدايه، اشرفی ديوبند ٢/٦٤٠، هنديه، زكريا قديم ٢/٣٥٠، جديد ٢/٣٤٦)

(۳) جب مکان واقف کی اولاد کے علاوہ کسی اور کے پاس کرایہ پر نہیں ہے بلکہ صرف واقف کی اولاد ہی اس مکان میں رہتی ہے تو متولی کو یہ حق نہیں ہے کہ واقف کی اولاد میں سے کسی

کو رکھے اور کسی کو رہنے سے منع کردے، بلکہ اس مکان سے فائدہ اٹھانے کا سبھی کو حق ہے۔

(۴) اس کا جواب نمبر۲؍ میں آگیا ہے۔

نعم لأن للناظر التصرف فی الوقف بما فیه الحفظ والمصلحة وحیث عرض المتولی المشروط له. (تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الوقف الباب الثالث فی أحکام النظائر ۱/۲۲۱، مکتبه میمنیه مصر بحواله فتاویٰ محمودیه ڈابھیل ۱۴/۳۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۶۶)

وقف علی الاولاد جائیداد کو میراث کی طرح تقسیم کرنا

سوال [۷۶۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شارق شکیل کو ایک قطعہ مکان اور باغ دو کانیں وراثت میں ملیں یہ مکان میری دادی کو ان کے والد کی وراثت میں ملا تھا، جس کو میرے والد مرحوم نے تعمیر کر دیا تھا، اس مکان کو حافظ مہربان علی صاحب (میری دادی کے والد) نے تقریباً ۱۹۳۵ء میں وقف علی الاولاد کر دیا تھا، ان کا انتقال ۱۹۶۵ء میں ہوا جس کی وجہ سے اس وقف نامہ کو اس وقت کے عالموں کو دکھایا گیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ وقف نامکمل ہے اس وقت مجلس میں جو لوگ موجود تھے انہوں نے بتایا کہ:

(۱) اس وقف میں فی سبیل اللہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس وقف کی آمدنی کو صرف واقف کے پوتے امتیاز علی اور پوتی روشن جہاں اور انوار النساء کی پرورش اور شادی وغیرہ میں صرف کرنے کو لکھا ہے، جو کہ ان کی حیات میں ہی پوری ہوگئی۔

(۲) وقف میں علی الخیر کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی وقف کی آمدنی کا کوئی حصہ اللہ کی راہ میں صرف کرنا لکھا ہے یہ وقف صرف اپنی اولادوں تک محدود ہے علی الخیر کا اس سے کوئی مطلب نہیں ہے، لہٰذا اس وقف کو ختم کر کے سبھی وارثانِ مہربان علی جن میں ان کا ایک بیٹا چار بیٹیاں ایک پوتا ایک پوتی حیات تھے، ان سب لوگوں کی موجودگی میں مہربان علی کی وراثت کا حصہ بنالیا گیا۔

(۳) وراثت کی تقسیم میں مذکورہ مکان کا آدھا حصہ اورایک دوکان میری دادی کے حصہ میں آئی اور آدھا مکان اورایک دوکان دادی کی بہن کے حصہ میں آئی، ایک دوکان مہربان علی کے بیٹے کے حصہ میں آئی، دو دروازوں والی دوکان ایک پوتا امتیاز علی اور پوتی روشن جہاں کے حصہ میں آئی۔

(۴) اس تقسیم کے بعد میرے والد اور دادا نے مکان پر قابض کرایہ داروں کو روپیہ دے کر مکان خالی کرایا، اور میرے والد نے اس مکان کو تعمیر کرائی، میری دادی کی بہن کے حصہ کو بھی میرے والد نے روپیہ دے کر خرید لیا دو دروازوں والی ایک دوکان میرے دادا نے مہربان علی کے پوتے امتیاز علی اور روشن جہاں سے خرید لیا جس کی رجسٹری موجود ہے، ایک دوکان جو مہربان علی کے بیٹے کے حصہ میں آئی تھی اسے بھی روپیہ ادا کر کے خرید لیا، یہ ساری تقسیم علماء اور خاندان کے بزرگ حضرات اور وارثان مہربان علی کی موجودگی اور سہمتی سے ہوئی جس کے کچھ گواہان آج بھی موجود ہیں۔

راقم الحروف اس جائیداد کے مسئلہ میں آپ کی رائے جاننے کا خواہشمند ہے:

(۱) کیا جس وجہ سے میری معلومات کے مطابق اس وقف کو ختم کر کے وارثت میں تقسیم کیا گیا ہے صحیح ہے یا اس وقف کو ختم کرنے کی دیگر وجوہ بھی ہیں؟

(۲) جن لوگوں کو اس وقف میں متولی بنایا تھا انہوں نے علماء کی موجودگی میں اس وقف کو ختم کر کے وراثت میں تبدیل کرلیا، اور اپنے حصہ کی جائیداد کو فروخت کر دیا تو کیا یہ وقف پھر بن سکتا ہے؟

(۳) کیا یہ وقف دوبارہ سے قائم ہوسکتا ہے تو ہماری کیا حیثیت رہے گی؟

(۴) کیا اس وقف علی الاولاد کو ختم کر کے وراثت میں شامل کیا گیا تو یہ تقسیم وراثت صحیح ہوئی ؟

(۵) کیا میری دادی اوران کی بہن کو وراثت میں صحیح حق مل گیا؟

مہربان علی کے پوتے امتیاز علی اور پوتی روشن جہاں اس وقف کو دوبارہ قائم کرنا چاہتے ہیں جبکہ وقف ختم کرنے اور وراثت تقسیم کرنے میں وہ پیش پیش تھے اور وہ وراثت

کے ذریعہ ملی دوکانوں کو میرے دادا کے ہاتھ فروخت کرچکے ہیں؟

المستفتی: شارق شکیل رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف کی تین قسمیں ہیں: (۱) وقف علی اللہ جیسا کہ مساجد مقابر وغیرہ کا وقف ہوتا ہے، اسی طرح مدارس کا وقف (۲) وقف علی الفقراء: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی جائیداد کی آمدنی کو فقراء پر خرچ کرنے کے لیے وقف کیا جائے اور فقراء و مساکین پر خرچ کا سلسلہ جاری رہے (۳) وقف علی الاولاد: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مالک جائیداد کو یہ خطرہ ہے کہ اس کے بعد اولاد جائیداد کو خرد برد کرکے ختم کردے گی اس سے بچنے کے لیے اس طریقہ سے وقف کیا جاتا ہے کہ جائیداد کو فروخت کرنا، ہبہ کرنا وغیرہ جائز نہیں ہوگا، اور کسی شخص کو مالک بنانا بھی درست نہیں ہوگا، بلکہ اولاد ان جائیداد میں رہائش اختیار کرکے فائدہ اٹھاسکتی ہے یا جائیداد کو کرایہ وغیرہ پر دے کر اس کی آمدنی اولاد کے درمیان ان کے تناسب کے حساب سے تقسیم ہوتی رہے گی، اس طرح سے وقف کی تین قسمیں ہوجاتی ہیں، اور وقف علی الاولاد کے لیے وقف علی الخیر اور فی سبیل اللہ وغیرہ کی قید لگانا مشروط نہیں ہے، لہٰذا مورث اعلیٰ جس نے وقف علی الاولاد کیا تھا وہ وقف اپنی جگہ درست تھا، اور بعد میں اسے میراث بنا کر تقسیم کرنا درست نہیں تھا، اور اس کے بعد جس طریقہ سے کسی سے کسی نے خریدا کسی نے کسی کو فروخت کیا کسی کو دوسرے سے وراثت میں ملا یہ سب چیزیں اس ایک غلطی پر موقوف ہیں جس میں وقف کو ختم کرکے میراث بنالیا گیا ہے، اب اس الجھاؤ کو کس طریقہ سے ختم کیا جائے وہ خود اصحاب معاملات جانیں۔

عبارة المواهب في الوقف على نفسه وولده و نسبه و عقبه جعل ريعه لنفسه أيام حياته ثم و ثم جاز عند الثاني وبه يفتي. (شامی، کتاب الوقف، فصل فيما يتعلق بوقف الأولاد من الدرر، کراچی ٤/٤٦٧، زکریا ٦/٦٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۸/۱۶ھ

وقف علی الاولاد کی جائیداد کی تقسیم

سوال [۷۶۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نواب ساجد خاں کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء میں پانچ لڑکے، پانچ لڑکیاں ہیں، ترکہ میں وقف علی الاولاد دادا الٰہی جائیداد ہے اس میں کس وارث کو کتنے کتنے حصے ملیں گے؟

المستفتی: محمد اویس، میاں سرائے سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف علی الاولاد کا حکم شرعی یہ ہے کہ جو جائیدادیں وقف علی الاولاد کی گئی ہیں، ان کو فروخت کرنا جائز نہیں، صرف ان کی آمدنی وقف نامہ کی شرائط کے مطابق اولاد کے درمیان تقسیم ہوا کرے گی، اگر وقف نامہ میں آمدنی تقسیم ہونے کے بارے میں کوئی شرط اور تفصیل نہیں لکھی ہے، بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ میری اولاد کے درمیان اس کی آمدنی تقسیم ہوا کرے گی، تو ایسی صورت میں اولاد ذکور واناث سب کو برابر آمدنی کا حصہ ملتا رہے گا، اور سوالنامہ میں درج ہے کہ پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں موجود ہیں، لہٰذا مذکورہ جائیداد کی آمدنی دس حصوں میں تقسیم ہوکر ہر لڑکے اور لڑکی کو ایک ایک حصہ ملا کرے گا۔

رجل قال أرضي هذه صدقة موقوفة علی ولدي كانت الغلة لولد صلبه يستوي فيه الذكر والأنثیٰ لأن إسم الولد مأخوذ من الولادة والولادة موجودة في الذكر والأنثیٰ. (قاضيخان في هامش الهندية ۳/ ۳۱۹)

وصحح قاضيخان دخول البنات فيما إذا وقف علی أولاده و أولاد أولاده وهو المعمول به الآن، ولا يفضل الذكر علی الأنثیٰ في القسمة بينهم. (مجمع الأنهر قديم ۱/ ۷۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۸۶/۳۸)

وقف علی الاولاد جائیداد کی تقسیم کا ایک مسئلہ

سوال [۷۶۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فدوی کے والد کو انتقال ہوئے قریب پانچ سال کا عرصہ ہوا ہے، ان کے پسماندہ گان میں فدوی کی والدہ تین بہنیں اور فدوی خود موجود تھے، ایک سال قبل ایک بہن کا انتقال ہو چکا ہے، والد کے انتقال کے وقت والد کا ایک اوقافی پلاٹ ۴۰×۳۵ نزول پر حاصل کیا ہوا تھا، جس پر والد صاحب اپنے اخراجات سے ایک کمرہ ۱۰×۸ تعمیر کروا کر رہ رہے تھے، پھر فدوی اس پلاٹ کے مابقیہ حصہ پر اپنے اخراجات سے اس تعمیر میں وقتاً فوقتاً اضافہ کرتے ہوئے قابل رہائش شکل دی، کل تعمیر اینٹ مٹی اور ٹین پوش پر مشتمل ہے، اس پلاٹ اور جملہ مکان کے جملہ ٹیکس واجبات فدوی اپنے ذاتی اخراجات سے ادا کرتا آرہا ہے، مرحومہ بہن اور ان کی اولاد عرصۂ دراز سے اس مکان میں رہتے آرہے ہیں، چونکہ وہ مطلقہ تھیں، مرحومہ کے دو لڑکے اور ایک لڑکی جو بالغ ہیں موجود ہیں، والد کی اس میراث سے ایک بہن اپنا حصہ طلب کر رہی ہے، میراث کی تقسیم بموجب شرع تفصیلاً عرض کر دیں؟

المستفتی: محمد معروف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ماتقدم وعدم موانع ارث مرحوم کی جائیداد وترکہ بوقت وفات موجود ورثاء کے درمیان حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا، نیز یاد رکھئے کہ اوقافی نزول کی زمین پر صرف حق رہائش حاصل ہوتا ہے، فروختگی کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

۴۰/۸

مرحوم میـــــــــــــــــت

بیوی	لڑکا	لڑکی		لڑکی	لڑکی
۱/۵	۱۴	۷	۷	۷	۷

مذکورہ مکان اور دیگر ترکہ ۴۰ رسہام میں تقسیم ہوکر بیوی کو ۵ ر اور لڑکے کو ۱۴ ر اور لڑکیوں کو ۷-۷ ر ملیں گے، اور مرحومہ لڑکی چونکہ باپ کی وفات کے وقت زندہ تھی اس لیے باپ کی وارثہ ہوجائے گی، اور اس کا حصہ اس کی اولاد کو ملے گا، اور بعد میں لڑکے نے جو کچھ ذاتی پیسہ سے تعمیر کی وہ اس کی طرف سے تبرع ہوگا، کیونکہ خرچ کرتے وقت دیگر ورثاء سے اس کی اجازت نہیں لی ہے، ہاں البتہ دیگر ورثاء بخوشی اس خرچہ کو مجریٰ کرانے پر راضی ہوجائیں، تو کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰/۹۴۲۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۱۹ھ

وقف علی الاولاد میں مذکر ومؤنث سب شامل ہوتے ہیں

سوال [۷۶۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنے ترکہ میں کافی جائیداد چھوڑی اور جائیداد کی آمدنی بھی چھوڑی، لیکن زید نے اپنی وفات سے پہلے ایک وقف نامہ وقف علی الاولاد لکھا اس میں کہیں مذکر و مؤنث کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ زید کی کوئی لڑکی نہیں تھی، صرف تین لڑکے تھے، لیکن آگے چل کر زید کے لڑکوں کے لڑکیاں بھی ہوئیں، اب زید کے پوتے موجود ہیں اور وہ زید کی جائیداد پر قابض ہیں تو کیا ان پوتیوں کو اس جائیداد میں سے کچھ حق ملے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وقف علی الاولاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اولاد ذکور واناث سب وقف میں حقدار رہوں گے، اور مذکورہ صورت میں جب مذکر ومؤنث کا ذکر نہیں ہے اور وقف علی الاولاد ہے تو اس میں پوتوں کے ساتھ پوتیاں بھی شریک ہوجائیں گی اور آمدنی میں سے میراث کے طریقہ سے ”للذکر مثل حظ الانثیین“ یعنی لڑکے کو لڑکی کا ڈبل ملے گا۔

وبیان ذلک أن عبد القادر لما توفی انتقل نصیبه إلی أولاده الثلاثة وهم علی و عمر و لطیفة، "للذکر مثل حظ الانثیین" فلعلي خمساه ولعمر خمساه وللطیفة خمسه وهذا هو الظاهر عندنا. (الأشباه قدیم ص: ٢٠٦، جدید زکریا ص: ٣٥٧)

رجل قال: أرضی هذه صدقة موقوفة علی ولدی کانت الغلة لولد صلبه یستوی فیه الذکور والأنثیٰ. (قاضیخان کتاب الوقف، فصل فی الوقف علی الأولاد زکریا جدید ٣/ ٢٢٤، وعلی هامش الهندیة زکریا قدیم ٣/ ٣١٩، هندیه، قدیم ٢/ ٣٧٣، جدید ٢/ ٣٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۱ر ربیع الاول ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۸۱)	۱۴۱۶/۳/۱۱ھ

وقف علی الاولاد میں تولیت کا حق کس کس کو حاصل ہے؟

سوال [۷۶۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب حاجی کلن نے اپنی دو جائیدادوں (ایک مکان مسکونہ واقع محلّہ گل شہید پختہ باغ، ایک دوکان کاروبار کپڑا، بازار منڈی چوک مرادآباد) کی بابت ایک وقف نامہ ۱۹۳۲ء میں علی الاولاد وعلی الخیر کیا تھا اس کے بعد تین مکانات حاجی کلن نے اور خریدے اور سال ۱۹۳۵ء میں پہلے وقف نامہ کا ذکر وترمیم کرتے ہوئے دوسرا وقف نامہ علی الاولاد وعلی الخیر کردیا، وقف نامہ میں واقف نے اپنی دختر مسماۃ بانو کو بھی تحریر کیا تھا مگر حکم خداوندی کہ بانو کا واقف کی حیات میں ہی ۱۹۳۶ء میں انتقال ہوگیا، اور اس نے اپنا ایک پسر عبدالسلام چھوڑا، دونوں وقف ناموں کی نقول سوال کے ساتھ ہمرشتہ ہیں۔

۱۹۴۷ء میں حاجی کلن (واقف) نے اپنے انتقال پر مسماۃ چھوٹی بیوہ اور پانچ لڑکیاں: فاطمہ، غفورن، ہاجرہ، صابرہ، بسم اللہ، (ایک لڑکی نور جہاں بھی جو مسماۃ چھوٹی اپنے ساتھ لائی تھی) اور ایک نواسہ عبدالسلام کو وارث چھوڑا۔

۱۹۵۵ء میں چھوٹی بیوہ کا انتقال ہو گیا اس نے اپنے انتقال پر اپنے بطن کی چار لڑکیوں کو: غفورن، ہاجرہ، صابرہ، نور جہاں (جو پہلے شوہر سے ساتھ لائی تھی) اور اپنے سوکن کے بطن کی دو لڑکیاں فاطمہ اور بسم اللہ کو وارث چھوڑا۔

۱۹۶۶ء میں بسم اللہ نے اپنے انتقال پر شوہر حامد حسین، چار لڑکے فاخر حسین، زاہد حسین، ذاکر حسین، شاہد حسین، دو لڑکیاں: بدر النساء، خیر النساء کو وارث چھوڑا۔

۱۹۸۸ء میں عبد السلام نے اپنے انتقال پر دو لڑکیاں زرینہ خاتون ونفیسہ خاتون کو وارث چھوڑا۔

۱۹۸۹ء میں مسماۃ فاطمہ کا لاولد انتقال ہو گیا، ورثاء میں تین حقیقی بہنیں، غفورن، فاخرہ، صابرہ، سوتیلی بہن نور جہاں، پانچ بھانجے: فاخر حسین، زاہد حسین، صابر حسین، ذاکر حسین، شاہد حسین، دو بھانجیاں: بدر النساء، خیر النساء، دو پوتیاں: زرینہ خاتون، نفیسہ خاتون دختران عبد السلام ان کی وارث ہوئیں، ۱۹۹۳ء میں زاہد حسین نے اپنے انتقال پر چار لڑکے: افتخار حسین، اسرار حسین، شہزاد انور، جاوید انور، ۶ رلڑکیاں: زاہدہ یاسین، عابدہ بیگم، ممتاز جہاں، پروین جہاں، عشرت جہاں، مشرف جہاں، وارثان چھوڑے۔

۱۹۹۵ء میں مسماۃ صابرہ نے اپنے انتقال پر شوہر عبد الرحمٰن تین لڑکے اقبال انور، کمال انور، جلال انور، تین لڑکیاں: شہناز انور، نشاط انور، نگار انور وارث چھوڑے۔

نوٹ: بسم اللہ مرحومہ کے شوہر حامد حسین اور صابرہ مرحومہ کے شوہر عبد الرحمٰن واقف کی اولاد میں سے نہیں ہیں اور یہ وقف علی الاولاد ہے تو وقف میں کون کون حصہ دار ہوگا اور کتنا کتنا حصہ ملے گا اور کون کون محروم رہے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسماۃ چھوٹی چونکہ اولاد کے دائرے میں داخل نہیں ہے اس لیے اس سے سلسلہ جاری نہ ہوگا بلکہ وصیت واقف کی وجہ سے چھوٹی صرف اپنی زندگی میں فائدہ اٹھا سکتی تھی، اس کے بعد اس کی اولاد یا ورثاء میں آمدنیٔ وقف کا حق جاری نہ

ہوگا، بلکہ صرف حاجی کلن ہی کی اولاد میں سلسلہ جاری رہے گا، نیز بسم اللہ مرحومہ کے شوہر حامد حسین اور صابرہ مرحومہ کے شوہر عبدالرحمٰن بھی واقف کی اولاد میں داخل نہیں ہیں، اس لیے یہ لوگ بھی بسم اللہ اور صابرہ کے توسط سے مذکورہ وقف کی آمدنی میں حصہ دار نہیں ہوں گے، جن کا حق ۸؍صفر ۱۴۱۴ھ کے لکھے ہوئے فتوے میں مذکور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۳۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۱۱ھ

اولاد ذکور کی عدم موجودگی میں اولاد اناث متولی بنے گی

سوال [۷۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قادر بخش وقادر النساء نے اپنی جائیداد کو وقف علی الاولاد کر دیا اور تولیت کے حقوق پیارے جان کو دیدئے پھر پیارے جان اس جائیداد کے متولی رہے، دفعہ ۳؍ میں لکھا ہے کہ پیارے جان متولی کے بعد ان کی اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاد ذکور نہ ہوتو اولاد اکبر از قسم اناث جائیداد موقوفہ کی متولی مقرر ہوگی، اور جب تک پیارے جان کی نسل کا سلسلہ باقی رہے گا ہر متولی کے بعد پیارے جان کی نسل اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاد ذکور موجود نہ ہوں تو اولاد اکبر از قسم اناث جائیداد موقوفہ کی متولی مقرر رہا کرے گی، اور اس متولی پر لازم ہو گا کہ مثل پیارے جان کے جائیداد موقوفہ کی آمدنی............ الخ

اس دفعہ کی روشنی میں بتلایئے کہ پیارے جان کی ایک ہی لڑکی فضیل النساء تھی جو کہ پیارے صاحب کی حیات میں انتقال کرگئی تھی، اس کی اولادوں میں دو لڑکے: بڑا لڑکا ثروت حسین اور شوکت حسین ہیں، تو پیارے جان کے انتقال کے بعد دفعہ ۳؍ کی رو سے بڑا لڑکا ثروت حسین متولی ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: ثروت حسین محلّہ مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چونکہ مذکورہ وقف نامہ میں لکھا ہوا ہے کہ اگر متولی

کی اولاد ذکور موجود نہ ہوتو اولا دِ اناث کوتولیت ملے گی، لہٰذا مسئولہ صورت میں واقعتاً اگر متولی کی اولاد ذکور موجود نہیں ہے تو اولا د اناث یعنی نواسے کومتولی بنایا جاسکتا ہے، اور حسب شرائط واقف متولی کی لڑکی کا بڑا لڑکا اس کا متولی بننے کا مستحق ہوگا۔

شرط الواقف كنص الشارع، وفي الشامية: أي في المفهوم: والدلالة ووجوب العمل به. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، كراچي ٤٣٣/٤، زكريا ٦٤٩/٦، قواعد الفقه اشرفي ديوبند ص:٨٥، الأشباه و النظائر قديم ص:١٧٠، جديد زكريا ص: ٣٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۸۷)

وقف علی الاولاد سے متعلق ایک جامع فتویٰ

سوال [۷۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اکبر حسین ولد عبدالحکیم نے کچھ جائیداد موقوفہ سے متعلق مدرسہ شاہی سے مفتی ریاض الدین صاحب پھر مفتی شبیر احمد صاحب پھر مفتی سلمان صاحب سے مختلف اوقات میں فتاویٰ حاصل کیے، اور ان ہی جائیداد سے متعلق جامعہ نعیمیہ اور مظاہر علوم سہارنپور سے اور مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی سے جوابات حاصل کیے، مجھے ایسا لگتا ہے کہ مفتیان کرام کے جوابات کا الگ الگ حکم ہے، لہٰذا گذارش ہے کہ جائیدادِ موقوفہ کے تمام وقف نامے، تولیت نامے، اور مفتیان کرام کی طرف سے لکھے ہوئے تمام جوابات پر غور فرما کر صحیح رہنمائی، شریعت کی روشنی میں پیش فرمائیں تاکہ الگ الگ فتویٰ کا حکم بھی معلوم ہو جائے، اور ہم شریعت کے مطابق عمل بھی کرسکیں، تمام کاغذات سوال کے ساتھ ہم رشتہ ہیں۔

المستفتی: اکبر حسین ولد عبدالحکیم، ساکن محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل کے پیش کردہ تمام کاغذات جن میں وقف نامہ اور تبدیل تولیت نامہ اور بعد کے خرید کردہ جائیداد کے وقف کی شرائط اور مختلف دارالافتاء سے حاصل کردہ تمام جوابات بغور دیکھے گئے، سائل کے مختلف سوالات میں تولیت نامہ اور وقف نامہ میں خلط ملط بھی ہے، اب تمام کاغذات کی روشنی میں جو صحیح بات سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ واقف نے ۱۹۴۴ء میں جن جائیداد کے بارے میں وقف علی الاولاد کیا ہے اور اس میں واقف نے خود شرط نمبر آٹھ میں لکھا ہے کہ میں اس وقف کو کسی وقت مسترد ومنسوخ نہ کرسکوں گا، لہٰذا یہ وقف علی الاولاد ہمیشہ وقف علی الاولاد ہی رہے گا، لہٰذا جن جائیداد کے بارے میں ۱۹۴۴ء میں وقف علی الاولاد کردیا تھا ان کو نہ وقف علی اللہ میں تبدیلی کرنا جائز ہوگا اور نہ وقف علی الفقراء میں تبدیل کرنا جائز ہوگا، اور نہ ہی آمدنی کے مصارف میں تبدیلی ہوسکتی ہے، لہٰذا اس وقف نامہ کی شرائط کے مطابق اس وقف علی الاولاد کی آمدنی میں سے جس طرح جتنا اکبر حسین کو ملے گا اتنا ہی اکبر حسین کی بہن شاہین اختر کو ملے گا، لیکن شاہین اختر کو تولیت کا حق حاصل نہیں ہوگا، اور یہی بات مدرسہ شاہی سے حاصل شدہ فتویٰ ۱۵/شوال المکرّم ۱۴۰۷ھ اور ۹/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ کا حاصل ہے، اور ۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ میں مظاہر علوم سہارنپور کے لکھے ہوئے فتوے کا حاصل بھی یہی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ۱۹۵۷ء میں واقف نے دو کام کیے: ایک کام تو یہ کیا کہ اپنے بہنوئی ننھے ولد علی بخش کے ضعیف العمری کی وجہ سے اپنے بھتیجے عبدالحکیم کو نامزد کردیا اور یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ محض تولیت کی تبدیلی کی وجہ سے نفس وقف اور شرائط وقف اور وقف علی الاولاد کی آمدنی کے مصارف میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے، اس لیے آمدنی کے مصارف اپنی جگہ بدستور باقی رہیں گے، اور مصارف میں تبدیلی جائز نہ ہوگی، اور تولیت میں تبدیلی جائز ہے، یہی مظاہر علوم سہارنپور کے فتوے کا حاصل بھی ہے، دوسرا کام ۱۹۵۷ء میں واقف نے یہ کیا ہے کہ اس نے کچھ نئی جائیداد خریدی ہے اور ان نئی جائیدادوں کے بارے میں وقف علی الاولاد کی کوئی صراحت نہیں ہے بلکہ ان کا متولی عبدالحکیم کو بنانے کا ذکر ہے، اور عبدالحکیم کے بعد اس کے اولاد ذکور میں سے پسر اکبر کے متولی بنتے رہنے کا

ذکر ہے، اور اولاد کے درمیان اس کی آمدنی کے تقسیم ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے، بلکہ مرمت اور دیگر کارِ خیر میں خرچ کرنے کے بعد بقیہ آمدنی متولی کے اپنے صرفہ میں لانے کا ذکر ہے، اس لیے بعد کے خرید کردہ جائیداد میں سے شاہین اختر اور اس کی اولاد کو نہیں ملے گا، بلکہ ضروری اخراجات کے بعد بقیہ پیسہ متولی اپنے صرفہ میں لاسکتا ہے، اور نہ ہی ان جائیداد کا متولی شاہین اختر ہوسکتی ہے، اور سائل نے ۱۴۰۵ھ میں مفتی ریاض الدین صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا مدرسہ شاہی سے جو جواب حاصل کیا ہے وہ جواب اور پھر ۱۹۸۵ء میں جامعہ نعیمیہ سے حاصل کردہ جواب اور ۱۴۰۹ھ ۵/ ربیع الثانی کو مظاہر علوم سہارنپور سے حاصل کردہ جواب اور ۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ کو مدرسہ شاہی سے حاصل کردہ جواب، ان تمام جوابات کا تعلق بعد کے خرید کردہ جائیداد سے متعلق ہے، اس لیے کہ ان جوابات کے سوال میں سائل نے جو لکھا ہے وہ بعد کے خرید کردہ جائیداد کے مطابق ہی ہے، ۱۹۴۴ء میں وقف کردہ جو جائیداد ہے اس سے ان سوالات اور جوابات کا تعلق نہیں ہے، اگرچہ بعض سوالات میں خلط ملط کر دیا گیا ہے، مفتیان کرام کو سوالات کی عبارت کے ذریعے سے واقعہ کی گہرائی تک پہنچنے میں کافی دشواری ہوئی ہے، اور ۱۵/ شوال ۱۴۰۷ھ میں مدرسہ شاہی سے حاصل کردہ جواب اور ۱۴۱۲ھ ۹/ ربیع الثانی کو مدرسہ شاہی سے حاصل کردہ دوسرا جواب، اور ۲۱/ رجب ۱۴۰۴ھ میں مفتی حبیب الرحمٰن سے حاصل کردہ جواب کا پہلا جز، اور ۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ کو مظاہر علوم سہارنپور سے حاصل کردہ جواب، ان تمام کا تعلق ۱۹۴۴ء میں کیا ہوا وقف علی الاولاد سے متعلق ہے، اس لیے کہ ۱۹۴۴ء میں جن جائیداد کو وقف علی الاولاد کے طور پر وقف کر دیا گیا تھا، اور ان کے مصارف بھی متعین کر دیئے گئے تھے تو ان جائیداد کے وقف کی نوعیت اور وقف کی آمدنی کے مصارف میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، لہٰذا تمام مفتیان کرام کا لکھا ہوا فتویٰ اپنی اپنی جگہ پر درست ہے، سائل نے پہلے کے وقف اور بعد کے وقف کو مخلوط کر کے سوال کیا ہے اس لیے یہ کہنا قطعاً درست نہیں ہے کہ ایک جائیداد کے متعلق مختلف مفتیان کرام کے مختلف انداز سے الگ الگ جوابات ہیں، بلکہ تمام جوابات اپنی اپنی جگہ درست ہیں، اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ ۱۹۴۴ء میں جو وقف علی الاولاد کیا ہے اس میں تبدیلی بھی جائز نہیں ہے اور اس کی آمدنی کے مصارف میں

تبدیلی کرنا بھی جائز نہیں ہے، لہٰذا اس کی آمدنی میں شاہین اختر اکبر حسین کے برابر کی شریک ہوگی، پھر ان دونوں کی وفات کے بعد ان دونوں کی اولاد میں ان دونوں کا حق منتقل ہوتا رہے گا، اور ۱۹۴۴ء کے بعد جن جائیداد کو وقف کیا گیا ہے ان کی آمدنی میں شاہین اختر یا اس کی اولاد شریک نہیں ہوں گی اور مختلف دارالافتاء سے لیے گئے فتاویٰ کا حاصل بھی یہی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ　　الجواب صحیح
۲۸ / صفر المظفر ۱۴۲۳ھ　　احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۳۳/۳۶)　　۱۴۲۳/۲/۲۸ھ

وقف علی الاولاد میں شرعی ورثاء کے علاوہ کسی اور کا حق نہیں ہے

سوال [۷۶۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۱۹۴۱ء میں ہمارے نانا ننھے بخش نے ۱۱۵ / گز آراضی وقف علی الاولاد کی اور اس آراضی میں رہنے کے لیے گھر بھی بنایا اور ننھے بخش کے انتقال کے بعد اس زمین کی متولیہ ان کی بیوی اور ہماری نانی بھولی تھی، اور بھولی نے بعد میں ہماری والدہ سعیدہ اور بڑے بھائی شریف کو متولی بنادیا تھا، اس کے بعد ہمارے بڑے بھائی کے سالے عبد العلی عرف منا اور اس کی بیوی کو رہائش کے لیے ہماری والدہ نے اسی گھر میں ایک کوٹھری دیدی، جس میں یہ کئی سال تک رہائش پذیر رہے، اور اب تقریباً ۱۵ / سال پہلے انہوں نے لالباغ میں اپنا مکان بنالیا تھا، اور اس کوٹھری کو انہوں نے تالا لگا رکھا ہے اور اس وقت اس کا متولی ننھے بخش کی اولادوں میں سے صرف میں تنہا ہوں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کوٹھری پر شرعاً کس کا حق ہے، اور کیا عبد العلی کے لیے اس کوٹھری کو جواب بوسیدہ ہوکر ڈھانے کے قریب ہے اس کے اوپر قبضہ کرکے مالکانہ طور پر تعمیر کرنے کا حق ہے، جبکہ اس کا میں متولی ہوں اور میری طرف سے اس کی اجازت نہیں۔

المستفتی: رئیس احمد پیر غیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کے بڑے بھائی کے سالے عبد العلی اور

ان کی بیوی آپ کے نانا کی اولاد میں شامل نہیں ہیں، اور مذکورہ جائیداد وقف علی الاولاد ہے اس لیے متولی کی اجازت کے بغیر اس میں عبدالعلی اور اس کی بیوی وغیرہ کو رہنے کا بھی حق نہیں ہے اور متولی کی اجازت کے بغیر اپنے استعمال کے لیے اس کو تعمیر کرنا اور اس کا قبضہ نہ چھوڑنا قطعی طور پر جائز نہیں ہے۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥)

شرط الواقف كنص الشارع. (شامی زکریا ٦/٦٤٩، کراچی ٤/٤٣٣، قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص:٨٥، الأشباه و النظائر قديم ص:٧٠، جديد زكريا ص: ٣٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۴/۱۱۴۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۳/۱۴۳۵ھ

واقف کی اولاد کا موقوفہ علی الاولاد مکان پر دوسری منزل تعمیر کرنا

سوال [۷۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنا مکان وقف علی الاولاد کر دیا، وقف کی شرائط میں سے یہ ہے کہ اس وقف شدہ جائیداد میں کسی کا تصرف اور اثر نہیں ہوگا اور یہ وقف اللہ کی ملکیت میں ہے اس میں زوال نہیں ہوسکتا، اب صورت مسئولہ یہ ہے کہ واقف نے خود اس وقف شدہ مکان پر دوسری منزل تعمیر کر دی ہے، تو یہ دوسری منزل وقف ہوگئی یا وقف نہیں مانی جائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر بغرض وقف بنایا ہے تو وقف میں داخل ہوگی اور اگر اپنی ملکیت کے لیے بنایا ہے تو ناجائز ہے، اب بہتر صورت یہ ہے کہ اس منزلہ کو بھی وقف ہی کر دے، ورنہ اس کی اجرت حاصل کر کے وقف میں شامل کر دے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو وقف کے مکان کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنا ملبہ وہاں سے علاحدہ کر کے لے جائے، اور وقف

کے مکان پر کوئی نقص بھی نہ آنا چاہیے۔

فإن بنى للوقف فوقف و إن لنفسه أو أطلق فله رفعه إن لم يضر الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی حکم بناء المتولی وغیرہ، کوئٹہ ٤/ ٤٧٠، کراچی ٤/ ٤٥٥، زکریا ٦/٦٧٩)

واستفاده من الأشباه: ومنها لو غصب أرضا فبنى فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر (من قيمته) قلعها وإلا ضمن له قيمتها. (الأشباه والنظائر قديم ص: ١٤٤، جديد زكريا ص: ٢٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۶۱)

وقف علی الاولاد شئ کی بیع

سوال [۷۶۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جائیداد وقف ہے اس وقف نامہ کو توڑ کر اس کا بیع نامہ ایک صاحب نے کرایا ہے، جس کو وقف کے متولی و دیگر مالکان جائیداد نے روپیہ لے کر بیع کیا تھا، اس جائیداد کے خریدار جو کہ اب مالک جائیداد ہیں کرایہ داروں سے دوکان خالی کرنے کو کہہ رہے ہیں، جائیداد کا کرایہ برابر جمع ہو رہا ہے کیا نئے بنے مالک کے کہنے پر پرانے کرایہ دار کو دوکان خالی کر دینا چاہیے یا نہیں؟ کیا نئے مالک کو دوکان خالی کرانے کا حق ہے؟

وقف نامہ وقف علی الاولاد ہے وقف کرنے والے کی اولاد نے بیع نامہ کیا ہے وقف علی اللہ رب العالمین نہیں ہے، کیا اولاد کو بیع کرنے کا حق ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب بھی کوئی چیز وقف کی جاتی ہے تو وہ اللہ کی ملکیت ہو جاتی ہے اور منافع بندوں کے لیے ہوتے ہیں جب ایک مرتبہ وقف تام ہو جائے تو

اس کی بیع ہبہ جائز نہیں، اسی طرح اس میں وراثت بھی نہیں چل سکتی، اب مسئلۂ مذکورہ میں جب جائیداد وقف علی الاولاد ہے تو متولی اور مالکان وقف کوشئ موقوف کا بیچنا ہی جائز نہیں ہے، بیع صحیح نہیں ہوئی، اس کی واپسی لازم ہے، جس کی بناء پر نئے مالک کی ملک کا تحقق ہی نہ ہوا، لہٰذا اس کو دوکانیں خالی کروانے کا حق حاصل نہ ہوگا، اوراس کے کہنے پر دوکانداروں پر دوکانیں خالی کرنا بھی لازم نہیں ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۵)

وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ فيزول ملك الواقف عنه إلى الله تعالىٰ على وجه تعود منفعة إلى العباد، فيلزم ولايباع ولايوهب ولايورث. (هدايه، كتاب الوقف اشرفى ديوبند ۲/۶۳۷، عينى قديم ۲/۹۸۵، جديد اشرفيه ديوبند ۶/۸۸ هنديه زكريا قديم ۲/۳۵۰، جديد ۲/۳٤٦، فتح القدير، دار الفكر بيروت ۶/۲۰٤، كوئٹه ۵/٤۱۹، زكريا ۶/۱۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۸۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۳/۱۴۱۹ھ

وقف علی الاولاد جائیداد کوفروخت کرنا

سوال [۷۶۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عبدالرشید نے ایک مکان جس کا وقف نمبر 178/A ہے وقف علی الاولاد کیا جس کی اس وقت کی کل آمدنی ۲۷؍روپئے میں سے تین روپئے شہتوت والی مسجد کے مصرف خیر میں صرف کرنے کو لکھا تھا، لیکن عبدالرشید کے لڑکے کی بہو اور پانچ پوتیوں نے اس وقف مکان کو بدست محمد حسین عرف للا کو فروخت کردیا، اب محمد حسین چاہتا ہے کہ اس مکان میں جو مسجد کا حق بنتا ہے وہ پورا مسجد کو دیدے، مجھے اپنی آخرت کا پورا خیال ہے، لہٰذا قانون شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ مسجد کا کتنا حق بنتا ہے، مکان مذکورہ کی آراضی موقع پر دوسوبیس گز ہے، جو کہ لب سڑک ہے، یہ مکان وقف بورڈ میں آج بھی اندراج ہے اور اس مکان کی آمدنی میں سے ۲۰؍جنوری ۱۹۵۰ء سے ۲۰؍جنوری ۲۰۱۳ء تک مسجد کو کچھ نہیں ملا، واقف عبدالرشید کا انتقال ۳۱؍جنوری ۱۹۵۰ء کو ہوگیا یعنی گیارہویں دن، اس سوال میں کچھ بھی چھپایا نہیں گیا ہے، اللہ میری مدد کرے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف علی الاولاد کی جائیداد کو بیچنا جائز نہیں ہے اور سوال نامہ میں جس جائیداد کا ذکر ہے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ۱۹۵۰ء تک اس کی آمدنی ۲۷؍روپئے سالانہ رہی اور ان ۲۷؍روپیوں میں سے تین روپیہ شہتوت والی مسجد کے لیے ہوا کرے گا، تو اس تناسب سے ۲۲۰ روپیوں میں سے ۹؍گز مکمل اور ایک گز کے چھٹے حصے کی آمدنی مسجد کو ملنا ضروری اور لازم ہے اس لیے بااثر لوگوں کو چاہیے کہ مسجد کا حق ضائع ہونے نہ دیں۔

فإذا تم و لزم لا یملک و لایملک وتحته فی الشامیة: أی لایکون مملوکا لصاحبه ولایملک أی لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه. (شامی، کتاب الوقف، مطلب مهم: فرق أبو یوسف بین قوله موقوفة، کراچی ۳۵۱/٤-۳۵۲، زکریا ٥۳۹/٦)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، کتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة کراچی ٤٤٥/٤، زکریا ٦٦٥/٦)

شرط الواقف کنص الشارع أی فی المفهوم والدلالة. (الدر مع الرد، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، زکریا دیوبند ٦٤٩/٦-٦٥٠، کراچی ٤۳۳/٤، قواعد الفقه اشرفی ص: ۸٥، الأشباه والنظائر قدیم

ص: ۱۷۰، زکریا جدید ص: ۳۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۶۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۴/۲۰ھ

وقف علی الاولاد جائیداد کو ضائع ہونے کے خطرہ سے فروخت کرنا

سوال [۷۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جائیداد وقف علی الاولاد ہے اور وہ جائیداد غیر مسلم کے پاس ۴۰/ سال سے ہے، اوراس کا کرایہ بھی پانچ سال سے نہیں آرہا ہے اور کچھ جائیداد مسلم بھائیوں کے پاس بھی ہے، اوراس کا کرایہ بھی کسی کے پاس دس سال سے ہے اور کسی کے پاس ۵/۶/ سال سے ہے تو اس صورت میں کیا اس جائیداد کو بیچا جاسکتا ہے، اس کے بیچنے سے کوئی گناہ تو نہیں؟ اگر اس کو بیچ کر دوسری جگہ لے لیں تو کیا حرج ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور وقف کی جائیداد سے موقوف علیہم کو کچھ نہیں مل رہا ہے اور نہ ہی کرایہ داروں سے خالی کرانا آسانی ممکن ہے تو مناسب قیمت میں فروخت کر کے دوسری جگہ مناسب جائیداد خرید کر موقوف علیہم پر وقف کردینا جائز ودرست ہوگا۔

والثانی أن لایشترطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بأن لایحصل منه شیئ أصلا أو لایفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضی. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی استبدال الوقف و شروطه، کراچی ۳۸۴/۴، زکریا ۵۸۳/۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۰۷)

۳ باب ولایۃ الوقف

کیا تولیت میں حق وراثت جاری ہوتی ہے؟

سوال [۷۶۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے کسی وقت میں ایک مسجد، ایک خاندان کے لوگوں کی آراضی میں اپنے یا اور لوگوں کے تعاون سے بنائی یہ ایک پرانی بات ہے، ہماری یادداشت کے مطابق اس خاندان کے علاوہ سبھی لوگوں کا تعاون برابر جاری ہے، لیکن وہ ہمیشہ سے اپنی تولیت کے دعویدار بنتے چلے آرہے ہیں، اور آج تک ان ہی کے خاندان میں تولیت چلی آرہی ہے، آج اس مسجد میں نماز پڑھنے والوں کو اعتراض ہے کہ متولی بناتے وقت نمازیوں سے بھی رائے لینی چاہیے، اس پرانہوں نے صاف طور پر یہ کہہ کر نمازیوں کی بات مسترد کردی کہ اس میں ہم کو کسی کی رائے لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہمارا حق وراثت ہے، اب نمازیوں کا سوال یہ ہے کہ کیا تولیت میں حق وراثت جائز ہے، اگر جائز ہے تو گذارش ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی صحیح صحیح وضاحت فرمائیں، اس بات پر کچھ لوگوں نے نماز پڑھنی چھوڑ دی کیا یہ جائز ہے؟ نیز چند علماء دین نے اس مسجد میں نماز نہ ہونے کا مسئلہ بتایا کہ مسجد ہذا میں نماز پڑھنا بس سر کا پھوڑنا ہے۔

المستفتی: مسعود الحسن رشیدی، مسجد مولویان سہس پور، بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک واقف کے خاندان میں تولیت کے لائق کوئی شخص موجود ہوگا اس وقت تک اسی کو متولی بنایا جائیگا، واقف کے خاندان والوں پر کسی اجنبی کو مقدم نہیں کیا جائیگا، ہاں ان کے خاندان میں کوئی بھی شخص تولیت کی اہلیت نہیں رکھتا تو اس صورت میں اجنبی شخص کو متولی بنانا درست ہے، البتہ آج کل کے زمانہ کے اعتبار سے متولی کو چاہیے کہ وہ اپنی

ماتحتی میں ایک کمیٹی بنالے اور امور مسجد کے بارے میں اس کمیٹی سے مشورہ لیا کرے، یہی بہتر شکل ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۷۹، جدید مطول ۹/۱۵۲، امداد الفتاویٰ ۲/۶۲۷)

ولایجعل القیم فیه من الأجانب ما وجد فی ولد الواقف و أهل بیته من یصلح لذٰلک، فإن لم یجد فیهم من یصلح لذٰلک فجعله إلی أجنبی. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: لا یجعل الناظر من غیر أهل الوقف، زکریا دیوبند ٦/٦٣٧-٦٣٨، کراچی ٤/٤٢٤، المبسوط للسرخسی دار الکتب العلمیة بیروت ١٢/٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۲۳ھ

واقف کے ورثاء کی موجودگی میں غیر کا متولی بننا

سوال [۷۶۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: منیرن بنت نجابت علی نے ۱۹/ بیگھہ ٦/ بسوا، ۱/۰ ۲۵-۱/۱۵۱ کی آراضی ۷/ اپریل ۱۸۹۰ء کو مصرف خیر کے لیے وقف کی اور اس کی شرائط خمسہ میں سے شرط ۴/ یہ ہے کہ میرے خاندان اور اولاد میں سے لائق شخص متولی ہوتا رہے گا، اور اس متولی کو خود بھی یہ اختیار رہوگا کہ میرے خاندان سے لائق شخص کو متولی مقرر کیا کرے، اور ان شرائط کے ساتھ یہ جائیداد وقف ہوتی ہے اور ابھی واقف کے خاندان میں فلاں فلاں لوگ موجود ہیں ان تمام وارثین کی موجودگی میں کچھ فراڈ قسم کے لوگوں نے ایک خفیہ کمیٹی بنا کر اپنے آپ کو مذکورہ جائیداد کا متولی ثابت کرنے کے لیے مرادآباد کے سی او صاحب سے غلط بیانی سے کام لے کر لکھوالیا ہے، پھر لکھنؤ وقف بورڈ میں اس کا اندراج کرالیا ہے، نیز جامعہ نعیمیہ کے نائب مفتی مختار احمد نعیمی اور دوسرے شخص مقبول حسین نعیمی انہوں نے سی او صاحب سے غلط بیانی سے تصدیق لکھوالی ہے اور گلزار عادل کو ذمہ دار ثابت کیا ہے، اور ان کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے پر محمد یامین کی صدارت میں کمیٹی تشکیل دینے کی تصدیق کی ہے اور یہ سب خفیہ طور پر ہوا ہے، وارثین کو اس سلسلے میں کوئی اطلاع فراہم نہیں ہوئی،

تو کیا شرعاً اس طرح کی کمیٹی تشکیل دینا جائز ہے، جبکہ ہم فلاں فلاں سب وارثین موجود ہیں، اس لیے ہم فلاں فلاں وارثین دھوکہ دے کر متولی بننے والوں کو ہرگز اس جائیداد کے قریب بھی آنے نہیں دینا چاہتے، تو کیا شرعی طور پر ہماری موجودگی میں خفیہ طور پر ایسے فراڈ قسم کے لوگوں کو متولی بننے کا حق ہے، شریعت کا جو بھی حکم ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد معروف سنبھلی گیٹ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ اور وقف نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ واقف کے خاندان میں وارثین کی موجودگی میں کسی بھی شخص کو خود متولی بننے کا حق نہیں ہے، نہ گلزار عادل کو متولی بننے کا حق ہے اور نہ ہی محمد یامین کی صدارت میں کمیٹی تشکیل دینے کا کسی کو حق ہے، اور نہ ہی جامعہ نعیمیہ کے کسی مفتی کو اس ناجائز تولیت کی تصدیق کرنے کا حق ہے، بلکہ واقف کے وارثین میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ خود اس کے متولی بننے کا حق رکھتے ہیں، لہٰذا واقف کے وارثین کو خبر نہ دے کر جو کمیٹی تشکیل دی گئی ہے وہ شرعی طور پر فراڈ کمیٹی ہے، ایسی فراڈ کمیٹی کو جائیداد موقوفہ کا ذمہ دار بننے کا کوئی حق نہیں ہے، ایسے لوگوں کو تولیت سے فوراً علاحدہ کردیا جائے، نیز ایسے خائن لوگوں کو شرعی متولی بنانا جائز بھی نہیں ہے، اور ایسے لوگوں کو کمیٹی سے فوراً علاحدہ کر کے غرض واقف اور شرائط واقف کے مطابق واقف کے وارثین مذکورہ موقوفہ جائیداد اپنی تولیت میں لے لیں۔

لیس من النظر تولیة الخائن لأنه یخل بالمقصود. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ٦/٥٧٨، کراچی ٤/٣٨٠، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٣٦/١٠١، ٤٤/٢٠٧، ٤٤/٢٠٩، البحر الرائق زکریا دیوبند ٥/٣٧٨، کوئٹه ٥/٢٢٦)

إن عزل القاضی للخائن واجب علیه ومقتضاه الإثم بترکه والإثم بتولیة الخائن ولاشک فیه. (مجمع الأنهر، کتاب الوقف، دار الکتب العلمیة بیروت ٢/٦٠٢، قدیم ١/٧٦٢، شامی، مطلب: یأثم بتولیة الخائن، زکریا ٦/٥٧٨، کراچی ٤/٣٨٠، البحر الرائق زکریا ٥/٤١١، کوئٹه ٥/٢٤٥)

فإن کان فی نزعه مصلحة یجب علیه إخراجه دفعا للضرر عن

الوقف. (بزازيه، زكريا جديد ٣/ ١٣٤، وعلى هامش الهندية ٦/ ٢٥٣)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، كتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/ ٤٤٥، زكريا ٦/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ر رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۲۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

واقف کی اولاد میں بیٹا متولی ہوگا یا پوتا؟

سوال [۷۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اولادِ واقف میں بیٹے اور پوتے ہیں کون متولی ہوگا؟ مقدم کون ہوگا؟

المستفتی: محمد خدا بخش، گوبند پوری، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقف نے کسی کے متولی ہونے کی تعیین کردی ہے تو وہی متولی ہوگا اور اگر متعین نہیں کیا ہے تو ایسی صورت میں واقف کے خاندان میں جو متقی پرہیزگار اور امانتدار ہوگا وہی تولیت کا حقدار ہوگا بیٹا پوتا کی کوئی تخصیص نہیں اور اگر خاندان میں امانت دار کوئی نہیں ہے تو جائیداد موقوفہ سے قریب رہنے والوں میں جو امانتدار شخص ہو اسی کو متولی بنانا چاہیے، اس لیے کہ خائن کی تولیت جائز نہیں۔

ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود. (شامی، كتاب الوقف، مطلب: في شروط المتولي، زكريا ديوبند ٦/ ٥٧٨، کراچی ٤/ ٣٨٠، البحر الرائق كوئٹه ٥/ ٢٢٦ زكريا ٥/ ٣٧٨، هنديه، الباب الخامس، زكريا قديم ٢/ ٤٠٨، جديد ٢/ ٣٨٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ٢٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ر شوال المکرّم ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۶۵)

باشرع متولی پرالزام لگاکر تولیت سے ہٹانا

سوال [۷۶۵۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسمیٰ محمد یاسین صاحب کو بانی مسجد نے مسجد تعمیر کر کے وقف کرتے وقت متولی مقرر کیا تھا اوراسی زمانہ سے آج تقریباً ۲۰/۲۵/سال کا عرصہ ہورہا ہے کہ وہ تولیت کی ذمہ داری دیانتداری کے ساتھ انجام دے رہے ہیں اورحساب وکتاب میں کبھی کسی طرح کی کمی زیادتی یا خیانت کی بات سامنے نہیں آئی اوراب بھی کسی قسم کی خلاف شرع بات ان سے ثابت نہیں ہے، لیکن ابھی کچھ دنوں سے کچھ لوگوں کا محمد یاسین سے نظریاتی اختلاف کا سلسلہ شروع ہوا اوراس اختلاف کے نتیجے میں ان لوگوں نے محمد یاسین صاحب کو خائن بدعقیدہ وغیرہ کے الفاظ سے بدنام کرنا شروع کردیا ہے، اور بلا وجہ ان کو مسجد کی تولیت سے معزول کرنے کی کوشش کررہے ہیں، اورمحمد یاسین صاحب باضابطہ متولیٔ وقف ہیں، تو کیا اس طرح بلا وجہ کسی مسلمان پر جھوٹے اورغلط الزامات لگا کر مجروح کرنا شرعاً جائز ہے؟ نیز ان کے خلاف مقدمہ بازی کا سلسلہ بھی شروع کررکھا ہے جس کی وجہ سے وہ پریشانی میں ہیں، اورنماز روزہ اورباشرع ہونے میں بھی کوئی کمی نہیں ہے، اوریہ بات بھی واضح رہے کہ حساب وکتاب اورتولیت کی ذمہ داری میں کوئی کمی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں محمد یاسین صاحب کو پریشان کرنے والوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہوگا؟

(۲) اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے محمد یاسین صاحب کی دفاع میں اگر مقدمہ کے نام سے چندہ کیا ہوا پیسہ خرچ کریں تو کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایسا متولی جوکہ صوم وصلاۃ کا پابند اورمتبع شریعت ہواس سے مال وقف میں کسی قسم کی خیانت ظاہر نہ ہوئی ہو تو ایسے متولی کومعزول کرنے کی کوشش کرنے کا شرعاً کسی کوحق نہیں ہے، نیز کسی مسلمان پر بے بنیاد اورغلط الزامات

لگانا اور بلا وجہ اس کو بدنام کرنا اور جھوٹے مقدمات میں پھنسا کر اس کو پریشان کرنا سخت ترین گناہ ہے احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، ایسے لوگوں کو اپنی اس بدعملی سے باز آ کر تائب ہونا چاہیے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۶/۱۷۴، جدید ڈابھیل ۱۴/۳۵۰)

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: المسلم أخو المسلم لايخونه ولايكذبه ولايخذله، كل المسلم على المسلم حرام، عرضه و ماله ودمه، التقوىٰ هٰهنا. (ترمذی شريف، باب ما جاء فی شفقة المسلم على المسلم، النسخة الهندية ۲/۱۴، دار السلام رقم: ۱۹۲۷، مسند بزار، مكتبه العلوم والحكم ۱۵/۳۳۵، رقم: ۸۸۹۱)

ليس للقاضی عزل الناظر بمجرد شكاية المستحقين حتى يثبتوا عليه خيانة. (در مختار على الشامی، كتاب الوقف، مطلب: ليس للقاضی عزل الناظر، زكريا ۶/۶۵۶، كراچی ۴/۴۳۸-۴۳۹)

(۲) مقدمہ کے عنوان سے جو چندہ جمع کیا گیا ہے اس کو دفاعی مقدمہ میں صرف کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۱۴۹، جدید مطول ۱۰/۲۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۴۴/۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۴ھ

فاسق مسجد کا متولی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

سوال [۷۶۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اونچی مسجد دھامپور وقف ۱۱۹/ر کی انتظامیہ کمیٹی کا سکریٹری جو پیشہ سے وکیل ہے اور کبھی مسجد مذکور میں نماز پڑھنے تک نہیں آتا اور اس کی بیوی مذہباً ہندو ہے، کیا ایسا شخص کسی وقف جائیداد خاص طور پر مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کا سکریٹری بننے کا مستحق ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو آدمی غیر مسلم ہندنی کو بیوی بنا کر رکھتا ہے شرعاً

وہ فاسق اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، نیز باوجود قدرت کے مسجد میں باجماعت نماز ادا نہ کرنا بھی فسق ہے، ایسا شخص شرعاً کسی مسجد یا دینی ادارہ کا ذمہ دار بننے کا اہل نہیں ہے، اہل مسجد پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو مسجد کی منتظمہ کمیٹی کا سکریٹری ہرگز نہ بنائیں، نیز جو شخص ذمہ دار بننے کی خواہش کرتا ہو اس کو بھی سکریٹری یا رکن کمیٹی بنانا جائز نہیں ہے۔

عن أبي موسىٰ قال: دخلت على النبي ﷺ أنا ورجلان من بني عمي، فقال أحد الرجلين: يارسول الله! أمرنا على بعض ماولاك الله عز وجل وقال الآخر: مثل ذٰلك، فقال: إنا والله لا نولي على هذا العمل أحدا سأله، ولا أحدا حرص عليه. (صحيح مسلم، الإمارة، باب النهى عن طلب الإمارة والحرص عليه، النسخة الهندية ٢/ ١٢٠، بيت الأفكار رقم: ١٧٣٣)

ولايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود. (شامى، كتاب الوقف مطلب: فى شروط المتولى، زكريا ديوبند ٦/٥٧٨، كراچى ٤/٣٨٠، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٢٦ زكريا ٥/٣٧٨، هنديه، الباب الخامس، زكريا قديم ٢/٤٠٨، جديد ٢/٣٨٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/٢٠٧)

وطالب التولية لا يولى. (الدر المنتقى، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٦٠٣، قديم ١/٧٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۹ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۵۶)

جو شخص مسجد کا حساب وکتاب نہ دے اس کو متولی بنانا

سوال [۷۶۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید عرصۂ دراز سے ایک مسجد کی دیکھ بھال اور نگرانی کررہا تھا، مسجد کی آمد وصرف کا

حساب بھی وہ اپنے پاس رکھتا تھا، اس درمیان جب جب بھی مصلیانِ مسجد نے زید سے مسجد کے حساب سے متعلق رابطہ کیا وہ ٹال مٹول سے کام لیتا رہا، تین سال قبل مصلیانِ مسجد نے مسجد کا حساب سمجھنے کے لیے زیادہ اصرار کیا تو زید نے نہ صرف مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا بلکہ مسجد کی ضروریات کو دیکھنا بھی چھوڑ دیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ صورت حال میں زید مسجد کا ذمہ دار بننے کا اہل ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کا ذمہ دار ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو دیانتدار ہو مسجد کی ضروریات کا اچھی طرح انتظام کرسکتا ہو، اور آمد وخرچ کا حساب صحیح طریقے سے رکھ سکتا ہو، لہٰذا سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت اگر صحیح ہے تو زید مسجد کا ذمہ دار بننے کا اہل نہیں، کمیٹی والوں کو چاہیے کہ زید کو ہٹا کر اس کی جگہ کسی ایسے شخص کو مسجد کا ذمہ دار بنالیں جو دیانتدار ہو اور حساب وکتاب صحیح طور پر کرتا ہو اور مسجد کی ضروریات کا انتظام اچھی طرح کرتا ہو۔

وينزع وجوبا لو غير مامون أو عاجزا أو ظهر به فسق وفي الشامي: ولايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن وكذا تولية العاجز لأن المقصود لايحصل به.

(شامي، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي، زكريا ديوبند ٥٧٨/٦، كراچي ٣٨٠/٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٠٧/٤٤، البحر الرائق كوئٹه ٢٢٦/٥، زكريا ٣٧٨/٥، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٦٠٢/٢، مصرى قديم ٧٦٢/١، بزازيه زكريا جديد ١٣٤/٣، وعلى هامش الهندية ٢٥٣/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۹۱/۳۸)	۱۴۲۹/۵/۲ھ

تولیت وقف کا حقدار خائن شخص نہیں ہے

سوال [۷۶۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کسی درگاہ کے سجادہ نشیں کا انتقال ہوگیا، انہوں نے اپنی حیات مبارکہ میں کسی کو متولی یا سجادہ نشیں نہیں بنایا تھا، اور نہ کسی کے لیے کچھ وصیت کی تھی، کچھ آراضی درگاہ کے نام وقف بھی سجادہ نشین صاحب کے نام تھی، اور بکر نے سوچا بھائی زید حافظ قرآن بھی ہے اور سید بھی ہے، بھلے ہی لڑکا ہے آگے چل کر ہوشیار ہو جائے گا، سجادہ نشیں کے نام سے ایک فرضی وصیت نامہ زید کی سجادہ نشینی کے لیے مشتہر کردیں، اور زید سے یہ اقرار لے لیں کہ درگاہ کا سجادہ نشیں ہو جانے کے بعد آپ ساری بقیہ آراضی اور جملہ سامان درگاہ کے نام وقف کردیں، چنانچہ اور بکر نے زید سے گفتگو کی، زید نے حلفیہ کہا کہ میں سجادہ نشیں ہونے کے بعد آراضی وجملہ سامان درگاہ کو درگاہ کے نام وقف کروں گا۔

چنانچہ وہ وصیت نامہ جعلی تیار ہوا، اور زید کو سجادہ نشیں وصیت نامہ کی رو سے قرار دیا گیا، جملہ آراضی جو سجادہ نشین متوفی کے نام تھی، زید کے نام منتقل ہوگئی، جب زید نے دیکھا کہ میں بالکل مالک ومختار ہو گیا تو وہ آراضی درگاہ کے نام وقف نہ کی، اور یہ کہ وہاں کا سامان اور زرنقد خفیہ طریقے سے اپنے آبائی مکان کو روانہ کرنا شروع کردیا، جب بکر نے یہ حالت دیکھی تو بکر نے زید سے کہا کہ بھائی اس بقیہ آراضی کو آپ حسب وعدہ وقف کردیں، تب زید نے صاف انکار کردیا کہ میں مالک ومختار ہوں، میں وقف نہیں کروں گا، نہ میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے، قرآن کریم کو اٹھانے اور قسم کھانے لیے تیار ہو گئے، زید مرید بھی برابر کررہے ہیں اور ہماری مسجد کے امام بھی ہیں، کیا ایسے پیر سے بیعت ہونا اور اس کو امام بنانا شرعی اعتبار سے درست ہے؟ براہ کرم جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سائل اگر اپنے بیان میں سچا ہے تو سوالنامہ میں درج شدہ شخص شرعاً سخت خائن ہے، ایسے خائن شخص کو فوراً تولیت سے علاحدہ کردینا تمام مسلمانوں پر لازم ہے، اور ایسا خائن شخص شرعاً فاسق ہے، اس کے ہاتھ پر بیعت ہونا گمراہی کا

باعث ہوگا، جولوگ بیعت ہو چکے ہیں، سلسلۂ بیعت اس سے ختم کردیں، نیز اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی ۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۳/۱۳۶)

ولایولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن وکذا تولیة العاجز لأن المقصود لایحصل به . (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ۶/۵۷۸، کراچی ۴/۳۸۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/۲۰۷، البحر الرائق كوئٹه ۵/۲۲۶، زکریا ۵/۳۷۸، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۶۰۲، مصری قديم ۱/۷۶۲، بزازيه زكريا جديد ۳/۱۳۴، وعلى هامش الهندية ۶/۲۵۳)

إن كراهة تقديمه كراهة تحريم. (شامی مصری ۱/۵۲۳، زکریا ۲/۲۹۹، کراچی ۱/۵۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۸۵)

متولی کا نااہل کو جانشیں بنانا

سوال [۷۶۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا جانشیں ومتولی اور درگاہ کا سجادہ نشیں ومتولی تھا، زید اس مسجد ودرگاہ کا واحد باختیار جانشیں ومتولی حسب دستور سابق بذریعۂ تولیت نامہ باضابطہ منتخب کردیا گیا تھا، اس کو اپنی جانب سے مناسب شخص کو اپنی جگہ اپنی حیات میں متولی وجانشیں مسجد کیلئے اور سجادہ نشیں ومتولی درگاہ مقرر کرنے کے اختیارات حاصل تھے، کہ بموجب اپنے اختیارات کسی دیگر شخص کو بذریعۂ تولیت نامہ منتقل کرے اور یہی دستور وطریقہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا تھا، لہٰذا زید متولی وجانشین مسجد اور سجادہ نشیں ومتولیٔ درگاہ نے بعمر ۷۶؍سال ضعیف العمری، پیرانہ سالی، لاغری، کولہے کی ہڈی کریک ہوجانے کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذوری کی بناء پر وجہ سے اپنی

حیات میں اپنی جانب سے حسب دستور سابق اپنے حقوق واختیارات استعمال کرتے ہوئے جو کہ بذریعۂ تولیت نامہ اس کو حاصل تھے، مؤرخہ ۳۱/۱۲/۱۹۷۰ء کو اس مسجد ودرگاہ مذکورہ کا اپنی جانب سے باضابطہ سجادہ نشیں ومتولیٔ درگاہ اور جانشیں ومتولیٔ مسجد مذکور مقرر کردیا۔

جیسا کہ صاف طور سے واضح ہے کہ اس سے پہلے بھی اسی طرح باضابطہ مسجد ودرگاہ مذکور کے جانشیں ومتولیان اور سجادہ نشیں ومتولیان بموجب تولیت نامہ ایک دوسرے کو اس طرح حقوق واختیارات منتقل کرتے چلے آئے ہیں، یعنی ایک شخص جو بذریعۂ تولیت نامہ منصب پر فائز تھا، اپنے اختیارات وحقوق بموجب تولیت نامہ دیگر مناسب شخص کو منتقل کرتا چلا آرہا ہے، زید کا منتخب کردہ موجودہ متولی وجانشین مسجد اور سجادہ نشیں ومتولیٔ درگاہ مذکور بموجب تولیت نامہ مؤرخہ ۳۱/۱۲/۱۹۷۰ء باضابطہ حسب دستور سابق قائم ہے، قدیم وقف مسجد ودرگاہ سے متعلقہ قدیمی وقف نامہ زمانۂ قدیم سے فساد میں برباد ہوگیا، اس لیے وقف کا نام نامعلوم ہے، اس لیے واقف کی نیت کا معلوم ہونا ناممکن ہے، اسی لیے عرصۂ دراز سے منصب پر فائز متولیان وجانشین مسجد اور سجادہ گان ومتولیان درگاہ مذکور نے اول ہی سے کسی تولیت نامہ میں واقف کا نام وقف نامہ کا ذکر اور وقف کی شرائط اور نیت کا ذکر نہیں کیا ہے، صرف بذریعۂ تولیت نامہ وسابقہ دستورِ منصبِ مسجد ودرگاہ مذکور صاف طور سے واضح ہوتا ہے، یہی دستور اب تک چلا آرہا ہے، تولیت نامہ محفوظ ہے، لیکن قدیمی وقف نامہ عرصۂ قدیم سے ہی فساد میں برباد ہوچکا ہے، واقف کا نام اور واقف نے وقف نامہ کس تاریخ میں اور کس سن کو تحریر کیا تھا اور وقف نامہ کا دستاویزی حوالہ نمبر کیا تھا، چونکہ ان سب باتوں کا علم نہیں ہے اس وجہ سے حکومت کے دفتر سے قدیمی وقف نامہ مہیا نہیں کیا جاسکتا، کیا زید کا منتخب کردہ شخص مسجد ودرگاہ کا متولی وسجادہ نشیں روبشریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم مقرر کیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: عزیز الرحمٰن، رحمٰن بلڈنگ، بلبلی خانہ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر تولیت نامہ میں متولی کو اپنی حیات میں جانشین

بنانے کے اختیارات کی صراحت موجود ہے،تو زید کا کسی لائق با صلاحیت معاملہ فہم وامانت دار شخص کو جانشیں بنانا صحیح ہے، وہاں کی قوم اگراس سے زیادہ باصلاحیت والے شخص کو مقرر کردے تو قوم کا مقرر کردہ شخص زیادہ اولیٰ وافضل ہوگا۔

مرض المتولي و فوض التولية إلى غيره جاز (إلى قوله) والباني للمسجد أولىٰ من القوم بنصب الإمام والمؤذن في المختار إلا إذا عين القوم أصلح مما عينه (إلى قوله) أراد المتولي إقامة غيره مقامه في حياته إن كان التفويض له عاما صح و إلا فلا. (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٠٣، مصري قديم ١/ ٧٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۳۳۶)

رشوت دے کر اپنے نام تولیت کرانا

سوال [۷۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شیخ چھوٹے نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ اور مکان کا کچھ حصہ وقف کر دیا، جس میں تا حیات خود متولی بنے رہنے کی صراحت کی، اور شیخ چھوٹے کے انتقال کے بعد اپنے لڑکے محمد نور کو متولیٔ جائیداد ہونے کی صراحت کی اور اس بات کی بھی وضاحت کی کہ محمد نور کے بعد اس کی اولاد متولی ہوتی رہے گی، وغیرہ، پھر محمد نور پاکستان چلے گئے جہاں ان کی اولاد میں عبد السمیع و مسماۃ شمشادی پیدا ہوئے، محمد نور کے پاکستان چلے جانے کے چند سال بعد محمد نور کا انتقال ہو گیا پھر محمد نور کی جائیداد کو محکمۂ کسٹوڈین نے نیلام کر دیا، یہ نیلام شیخ محمد رفیق مرحوم نے خریدا جس کی خریداری کے جملہ کاغذات مکمل طور پر شیخ محمد رفیق کی اولاد محمد عمر ومحمد شفیق کے پاس موجود ہیں، اب ۴۵؍ سال گذر جانے کے بعد محمد اسلام ولد عبد السلام نے یوپی سنی سینٹرل بورڈ آف وقفس اترپردیش لکھنؤ کے دفتر کو رشوت دے کر اپنا نام تولیت میں درج کرا لیا۔

(۱) تو دریافت یہ کرنا ہے کہ محمد اسلام ولد عبد السلام جبکہ شیخ محمد نور کی نسل میں سے نہیں ہے، اور وقف نامہ میں محمد نور کے بعد ان کی نسل سے متولی ہونا درج ہے، تو محمد اسلام ولد عبد السلام کا رشوت دے کر سنی سینٹرل بورڈ آف وقفس اتر پردیش سے اپنے کو متولی بنوانا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) نیز محمد نور کے پاکستان چلے جانے کے بعد ان کی جائیداد کو محکمۂ کسٹوڈین کا نیلام کرنا اور اس نیلام کو شیخ محمد رفیق کا خریدنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جبکہ محمد اسلام ولد عبد السلام محمد نور کی اولاد میں داخل نہیں ہے تو اس کو تولیت کا حق حاصل نہیں ہے، نیز رشوت دے کر اپنے نام سے تولیت حاصل کر لینا جائز نہیں ہے، ایسے شخص کو متولی بننے کا حق نہیں ہے، شریعت میں بے نفس اور امانت دار شخص کو متولی بنانے کا حکم ہے۔

لايولى إلا أمين قادر بنفسه (إلى قوله) من طلب التولية على فسق استحق العزل. (شامی، کتاب الوقف مطلب فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ٦/٥٧٨- ٥٧٩، کراچی ٤/ ٣٨٠، البحر الرائق کوئٹه ٥/ ٢٢٦، زکریا ٥/٣٧٨)

(۲) شیخ محمد رفیق کا مذکورہ نیلام کو خریدنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے، اور شیخ محمد رفیق کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء اس کے مالک ہوں گے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۹۱، جدید ڈابھیل) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۸۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۹ھ

واقف کی شرط کے خلاف اولادِ اناث کی مذکر اولاد کو متولی بنانا

سوال [۷۶۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب غلام محمد صاحب مرحوم نے اپنی جائیداد وقف ناموں کے ذریعہ وقف

کردی، ایک وقف نامہ وقف فی سبیل اللہ کے لیے تحریر کیا اور دوسرا وقف نامہ وقف علی الاولاد کے لیے تحریر کیا اور انتظام وقف کے لیے جو شرائط وقف نامہ میں اپنی طرف سے تحریر کیں وہ مختصراً اس طرح ہیں:

(۱) تاحیات خود میں واقف متولیٔ جائیداد موقوفہ مذکورہ رہوں گا، اور آمدنی موقوفہ کو اپنی رائے سے صرف کروں گا۔

(۲) بعد وفات مجھ واقف کے میرا پسر غلام سبحانی و میرا داماد حافظ عظمت علی متولی جائیداد موقوفہ و مذکورہ رہیں گے اور بعد وفات متولیان مذکور (ہر متولی) کے ان کی اولاد میں جو پسر کلاں اور لائق تولیت ہوگا وہ متولیٔ موقوفہ ہوگا۔

(۳) اگر متولیان مذکور کی اولاد سے کوئی پسر (خورد و کلاں) لائق تولیت نہ ہوں تو دیگر پسران کی اولاد سے جو دو شخص لائق تولیت ہوں گے وہ متولیٔ موقوفہ ہوں گے۔

(۴) اگر کسی پسران کی اولاد سے کوئی لڑکا نہ ہو تو پھر لڑکیوں کی اولاد میں سے جو کوئی لڑکا لائق تولیت سمجھا جائے وہ متولی مقرر ہوگا، جس کو ارکانِ انجمن قوم پنجابیان یا چار شخص معزز اہل برادری مقرر کریں گے۔

(۵) اگر خدانخواستہ اولاد پسران و دختران واقف سے بسلسلۂ ذکور واناث کوئی باقی نہ رہے تو آمدنی موقوفہ مذکورہ کو اصحاب انجمن قوم یا معزز اہل برادری مقررہ مدوں میں خرچ کریں گے۔

چنانچہ بموجب شرائط وقف غلام حضرت صاحب تاحیات وقف کے متولی رہے ان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے غلام سبحانی اور عظمت علی صاحب مرحوم نے تولیت کے فرائض مشترکہ طور پر انجام دیئے، ان دونوں حضرات کے انتقال کے بعد عظمت علی صاحب منجھلے فرزند انصار علی صاحب اور غلام سبحانی صاحب کے فرزند کلاں غلام سلطانی صاحب وقف کے متولی ہوئے، کیونکہ عظمت علی کے بڑے بیٹے اسرار احمد صاحب بیرون ملک تھے جب وہ ہندوستان آ گئے تو انصار علی صاحب اپنے برادر کلاں کے حق میں تولیت سے دستبردار ہو گئے، اور اسرار احمد صاحب اور غلام سلطانی صاحب متولی رہے، اسرار احمد صاحب کے انتقال کے بعد چونکہ ان کی

کوئی اولاد ملک میں نہیں تھی، اور عظمت علی صاحب کی اولادوں میں سے بھی کوئی لائق تولیت نہ تھا تو غلام حضرت صاحب کے دوسرے پسر غلام جیلانی مرحوم کے فرزند غلام مصطفیٰ بجائے اسرار احمد صاحب وقف کے متولی وقف بورڈ کی طرف سے مقرر کردیئے گئے، غلام مصطفیٰ اور غلام سلطانی ہردو حضرات وقف کی تولیت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

غلام سلطانی صاحب کا حال میں انتقال ہوگیا اور ان کے پسر کلاں عرفان احمد جو بموجب وقف نامہ متولی ہونے کے زیادہ مستحق اور لائقِ تولیت ہیں، وقف بورڈ کے سامنے ان کی درخواست زیرِغور ہے، غلام حضرت صاحب مرحوم کی دوسری لڑکی کے صاحبزادے امتیاز احمد نے بھی وقف کی تولیت کے لیے درخواست گذاری ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:

(۱) کیا وقف نامہ کی شرائط کی رو سے عرفان یا ان کے دوسرے برادران خورد تولیت کے حقدار ہیں یا نہیں؟

(۲) اسرار احمد صاحب کے انتقال کے بعد جب وقف غلام حضرت صاحب کی اولاد اناث میں تولیت کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور وقف نامہ کی شرائط ۳؍ کے مطابق دیگر پسر کی اولاد میں سے غلام مصطفیٰ صاحب متولی ہوگئے، تو کیا پھر سے یہ سلسلۂ تولیت دوسری اولاد اناث کی طرف منتقل ہوسکتا ہے، جبکہ واقف کے پسران کی اولاد میں موجود ہیں اور لائق تولیت ہیں؟

(۳) اگر واقف کی اولاد اناث میں دوبارہ سے تولیت کا سلسلہ منتقل ہوسکتا ہے تو وہ غلام مصطفیٰ صاحب جو اسرار احمد صاحب (جو اولاد اناث کے سلسلے میں سے تھے) کے انتقال کے بعد متولی مقرر ہوئے تھے بجا ہونا چاہیے، کیونکہ موجودہ درخواست گذار امتیاز احمد صاحب واقف کی اولاد اناث میں سے ہیں، اور غلام مصطفیٰ صاحب کے متولی مقرر ہوتے وقت ان کے حق میں حلفنامہ کے ذریعہ اپنا حق چھوڑ چکے ہیں جبکہ اسرار احمد صاحب کے بعد ان کی جگہ امتیاز احمد صاحب اپنے کو متولی مقرر ہونے کے لیے پیش کرنا چاہتے تھے۔

(۴) کیا وقف نامہ کی شرائط کے مطابق غلام سبحانی وغلام سلطانی صاحب مرحوم کی اولاد میں تولیت کا حق ختم ہوگیا ہے، براہ کرم مندرجہ بالا سوالات کے جوابات وقف نامہ کی شرائط کے مطابق عنایت فرمائیں، عنداللہ ماجور ہوں گے؟

المستفتی: عرفان احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف نامہ کی شرائط میں یہ بات صاف الفاظ میں مذکور ہے کہ واقف کی اولاد ذکور کی موجودگی میں یا اولاد ذکور کی مذکر اولاد کی موجودگی میں واقف کی اولاد اناث کی طرف تولیت منتقل نہیں ہوگی، اور جب واقف کی اولاد ذکور کی مذکر اولاد موجود ہے تو اس کے ہوتے ہوئے اولاد اناث کی مذکر اولاد کی طرف تولیت منتقل نہیں ہوگی، لہٰذا عرفان احمد واقف کی اولاد ذکور کی اولاد میں سے موجود ہے، اس لیے امتیاز احمد کو تولیت حاصل نہیں ہوگی اور عرفان احمد کو چھوڑ کر امتیاز احمد کو تولیت کا حق دینا شرط واقف کی خلاف ورزی ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے، لہٰذا وقف بورڈ کو اس شرط کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، كتاب الوقف مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة ...... زكريا ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥)

لأن شرط الواقف معتبر فيراعى كالنص الشارع وعليه الفتوىٰ.

(مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧٤، مصری قديم ١/٧٤٣)

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ لفظ اولاد میں صلبی اولاد کے پوتے پڑپوتے وغیرہ سب علی الترتیب شامل ہوتے ہیں، یہ کہنا غلط ہے کہ صلبی لڑکوں کے نہ ہونے کی حالت میں پوتے پڑپوتے اولاد میں شامل نہیں ہیں، بلکہ علی الترتیب پوتے پڑپوتے بھی شامل ہوتے ہیں۔

لأن ولد الولد اسم لمن ولده ولده وابنته ولده (إلى قوله) فإذا قال على ولدى فإن ولد البنت لايدخل فی ظاهر الرواية لأن اسم الولد يتناول ولده لصلبه وإنما يتناول ولد الابن لأنه ينسب إليه عرفا. (شامی زكريا ديوبند ٦/٦٩٠، كراچی ٤/٤٦٤)

ومن وقف على أولاده دخل فی ذٰلک أولاد الأولاد ماتناسلوا. (فقه السنة ٣/٣٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۶۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۲۶ھ

وقف نامہ میں واقف کی شرائط پر عمل کرنا لازم ہے

سوال [۷٦٦۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قادر بخش ومسماۃ رحمت النساء بنت چھٹن نے ایک وقف نامہ ۱۷ رمئی ۱۹۳۸ء میں لکھا جس میں پیارے خاں کے لڑکے کو اپنے بعد متولی مقرر کیا تھا، قادر خان کے ایک لڑکے پیارے خاں اور ایک لڑکی پیاری اولاد اناث میں سے ہیں، پیارے خاں کا انتقال ہوگیا ان کے کوئی لڑکا نہیں تھا، ایک لڑکی تھی رفیقن وہ اپنے والد پیارے خان کے سامنے مرگئی اس وقت مسماۃ پیاری دختر قادر خان ومرحومہ رفیقن کے لڑکے زندہ ہیں وقف نامہ میں یہ لکھا ہے کہ پیارے خان متولی کے بعد اس کی اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاذ کور موجود نہ ہو تو اولاد اکبر از قسم اناث جائیداد مذکورہ میں متولی مقرر ہوگی، مذکورہ بالا تحریر کے تحت جب واقف کی اولاد اناث زندہ ہیں تو کیا پسر کی لڑکی کی اولاد متولی ہوسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت محمدیہ میں وقف نامہ میں واقف کی شرائط پر ہی عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، فقہ کا جزئیہ ہے:

شرط الواقف كنص الشارع. (قواعد الفقه اشرفی ص:۸۵، رقم: ۱۵۲)

لہٰذا حسب سوال واقف نے جبکہ اس کی وضاحت وقف نامہ میں کی ہے، کہ پیارے خان کی جب اولاد ذکور واناث نہ رہے تو پیاری جو کہ دختر قادر بخش کی ہیں ان کو حق تولیت پہنچے گا، ان کے بعد ان کی اولاد اکبر از قسم ذکور متولی ہوگا اس لیے اس دفعہ کا چونکہ وقف نامہ میں تذکرہ ہے اس لیے اب جبکہ پیارے خاں مرحوم کی اولاد ذکور واناث نہیں ہیں تو حق تولیت شرعاً قادر بخش کی بیٹی پیاری کو پہنچتا ہے، اور وقف نامہ کی تفصیل کے مطابق ہی جملہ امور پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ رصفر المظفر ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۱۰)

وقف کے مقصد کی تکمیل میں رکاوٹ ڈالنے والے متولی کو ہٹانا

سوال [۷۶۶٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب ثروت شخص نے دلی میں ایک چار منزلہ عمارت بنائی اس میں تہ خانہ بھی ہے، کل پانچ منزل ہو گئے، اس میں سے ایک منزل اپنے کارِ خیر کے لیے متعین کرلیا، باقی منزلیں لڑکوں کے درمیان تقسیم کر دیا، اور جس منزل کو اپنے کارِ خیر صدقۂ جاریہ کے لیے متعین کیا ہے اس کے لیے ایک تحریر لکھ دی کہ میرے لڑکوں میں سے فلاں لڑکا اس کا متولی رہے گا، اوراس کے مرنے کے بعد مرکز نظام الدین کے ذمہ دار علماء اس کے متولی رہیں گے، اوراس کی آمدنی مساجد ومدارس ضرورت مند علماء وصلحاء اوراہم کار خیر میں خرچ ہوتی رہے گی، اس کے بعد وہ سرمایہ دار ۱۹۹۹ء میں وفات پاگئے اوران کے وفات پانے سے لے کر کے آج تقریباً ۱۴؍سال تک وہ منزل یونہی خالی پڑی ہوئی ہے اور جو لڑکا متولی ہے اس کو اس سلسلے میں کوئی فکر نہیں ہے، شروع میں اس جگہ کو تقریباً ۷۰؍۸۰؍ ہزار روپئے ماہانہ کرایہ دار لینے کو تیار تھے، اور بڑھتے بڑھتے اب اس کا کرایہ ماہانہ ڈیڑھ لاکھ ہے اور ڈیڑھ، سوا لاکھ روپئے ماہانہ کرایہ پر لینے کے لیے لوگ تیار ہیں، لیکن جو لڑکا متولی ہے وہ اجازت نہیں دیتا اور آج تک چودہ سال میں اس منزل کا کرایہ ایک کروڑ سے زیادہ ہو جاتا جو کار خیر میں خرچ ہو سکتا تھا، کوئی اچھی مسجد بھی بن جاتی، اور مدارس اور دیگر کارِ خیر میں بڑی بڑی رقم مرحوم کی طرف سے خرچ کی جاتی اوران کو ثواب پہنچتا لیکن مذکورہ لڑکے کے متولی ہونے کی وجہ سے یہ سلسلہ جام ہو گیا ہے اب حضرات مفتیان کرام سے یہ سوال ہے کہ جس لڑکے کو والد نے متولی بنایا تھا اس کی لاپرواہی کی وجہ سے اس کو ہٹا کر کے وارثین میں سے کسی دوسرے ایسے لڑکے کو متولی بنایا جا سکتا ہے جو مذکورہ جائیداد کو کرایہ پر دے کر صدقۂ جاریہ کا مناسب سلسلہ جاری کردے، امید ہے کہ شرعی حکم کتابوں کے حوالے سے تحریر فرمائیں گے تا کہ والد کو پہنچنے والا ثواب جو رکا پڑا ہے وہ جاری ہو جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وقف کی ملکیت بندہ کے حق سے نکل کر اللہ کی ملک ہو جاتی ہے اور متولی اس کی دیکھ بھال کرنے والا ہوتا ہے جس پر مصالح وقف اور غرض واقف کا بجالانا ضروری ہوتا ہے تاکہ واقف کا مقصد پورا ہوتا رہے لیکن شخص مذکور چونکہ غافل ہے، اور صدقۂ جاریہ کا سلسلہ جاری ہونے میں رکاوٹ بنا ہوا ہے جس بناپر واقف کا مقصد بھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ رہا ہے، اس لیے محلّہ یا خاندان کے بااثر افراد مذکورہ شخص کو برطرف کر کے کسی ایسے دوسرے لڑکے کو متولی بنادیں جو صدقۂ جاریہ کا سلسلہ جواب تک جاری نہ ہوسکا اس کو جاری کرے اور واقف کے مقصد کو بروئے کار لانے میں معاون ثابت ہو۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥)

شرط الواقف كنص الشارع. (شامی زكريا ٦/٦٤٩، كراچی ٤/٤٣٣)

القيم إذا لم يراع الوقف يعزله القاضی. (شامی زكريا ٦/٥٧٨، كراچی ٤/٣٨٠)

للقاضی أن يعزل الذی نصبه الواقف إذا كان خيرا للوقف......

(هنديه، الباب الخامس فی ولاية الوقف، زكريا قديم ٢/٢٠٩، جديد ٢/٣٨٠)

ليس للسلطان ولا للقاضی أن يدخل عليه فی ذٰلک إلا أن لايصلح لذٰلک فكان الشرط باطلا ويوليها غيره وينزعها من يده. (تاتارخانية زكريا ٨/٥٦، رقم: ١١١٩٤)

إذ الحاكم ناظر لمصلحة الوقف فإن كان فی نزعه مصلحة يجب عليه إخراجه دفعا للضرر عن الوقف. (بزازيه زكريا جديد ٣/١٣٤، وعلى هامش هندية ٦/٢٥٣)

إن تصرف القاضی فی الأوقاف مقيد بالمصلحة ويجب الإفتاء والقضاء لكل ما هو أنفع للوقف وحيث رأى القاضی المصلحة فی عزله لتعطيل مصالح الوقف بذٰلک فقد صح عزله. (تنقيح الفتاویٰ الحامدية ١/٢٠٨، محمود يه ڈابھيل ١٤/٣٦٦)

قال فی الأسعاف: لايولی إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل المقصد وكذا

تولية العاجز لأن المقصود لايحصل به. (طحطاوی علی الدر کوئٹه ۲/ ۵۴۴، البحر الرائق زکریا ۵/ ۳۷۸، کوئٹه ۵/ ۲۲۶، شامی کراچی ٤/ ۳۸۰، زکریا ٦/ ۵۷۸)

ولو كان خائنا تنزع منه ويوليه غيره. (مجمع الانهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ٦۰٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۱٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۵/۱۴۳۴ھ

متولی کا کہنا کہ مسجد ہم نے اپنے فائدے کے لیے بنوائی ہے کیسا ہے؟

سوال [۷٦٦۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو مسجد چندہ سے بنی ہو اور متولی یہ کہے کہ مسجد ہم نے اپنے فائدہ کے لیے بنوائی ہے جبکہ تمام محلّہ کی اس میں قربانی ہے تو یہ قول متولی کا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عرفان سلیم پور گڑھی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال مذکور میں متولی کا یہ کہنا کہ مسجد میں نے اپنے فائدہ کے لیے بنوائی ہے اس سے مراد اگر آخرت کا فائدہ ہے تو کوئی حرج نہیں ہے بلکہ حدیث ’’**من بنى لله مسجدا بنى الله له فى الجنة مثله**‘‘. (صحيح مسلم، باب فضل بناء المساجد والحث عليها، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۱، بيت الأفكار رقم: ۵۳۳)

کا مصداق ہوگا، اور اگر دنیاوی فائدہ مراد ہے تو مسجد کو اپنے ذاتی فائدہ کے لیے مخصوص کرنا درست نہیں اور متولی کا قول غلط ہے حتی کہ نماز کے لیے بھی مسجد میں اپنی جگہ مخصوص کرنے کا حق نہیں کہ وہاں کسی کو کھڑا ہونے اور نماز پڑھنے سے روکے، کیونکہ مسجد کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتی۔

وتخصيص مكان لنفسه وليس له ازعاج غيره منه لو مدرسا وتحته

فی الشامية: (وليس له) قال فی القنية: له فی المسجد موضع معين يواظب عليه وقد شغله غيره قال الأوزاعی له أن يزعجه وليس له ذلک عندنا أی لأن المسجد ليس ملكا لأحد. (در مختار مع الشامی، کتاب الصلاة باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مطلب: فيمن سبقت يده إلى مباح، زكريا ٢/ ٤٣٦- ٤٣٧، كراچی ١/ ٦٦٢، هنديه زكريا قديم ١/ ١٠٨، جديد ١/ ١٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۷ھ

وقف علی الخیر کو وقف علی الاولاد میں تبدیل کرنا

سوال [۷۶۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد ادریس واقف نے ۱۹۶۰ء میں اپنی کل جائیداد وقف علی الخیر کر دیا اور تا حیات خود ہی متولی رہے اور اپنے بعد اپنی دونوں بیویوں کو متولی قرار دیا، پھر بیویوں نے اپنے بعد کے لیے واقف کی شرط کے مطابق واقف کے نواسے اور پوتے افضال احمد ولد محمد جان کو متولی بنا دیا، پھر افضال احمد نے نجمہ (جو واقف کی بھتیجی اور گود پالی لڑکی تھی) کو متولیہ بنا دیا، جواب تک متولیۂ کل جائیداد ہے۔

دفعہ ۷؍ میں واقف نے لکھا ہے کہ جائیداد مذکورہ کا متولیانہ انتظام کر کے باقاعدہ اس کی آمدنی ومصارف کا حساب رکھوں گا اور منہائی خرچ خانگی ومرمت وانتظام وغیرہ اور بعد ادائیگیٔ کل ٹیکس وغیرہ جو رقم بچے گی اس کو بکارِ خیر خرچ کرتا رہوں گا، اور ہر متولی اسی طرح عامل رہے گا۔

دفعہ ۸؍ میں لکھا ہے کہ اس طرح جائیداد کی خالص آمدنی میں سے غرباء ومساکین کی امداد کی جائیگی، نیز منڈی ہلدوانی میں لڑکیوں کے مسلم اسکول کو (اگر کوئی قائم ہو جائے) رقم سالانہ دی جایا کرے گی، اگر کسی وقت ہلدوانی اور مرادآباد میں مندرجہ بالا قسم کے اسکول نہ ہوئے تو متولی دوسرے اسکولوں میں زیر تعلیم غریب مسلم طالبات کو وظائف دیا کریگا، ہلدوانی

کے مسلم اسکولوں کے علاوہ متولی دیگر جگہ پر بھی مسلم اسکولوں کو سالانہ رقم دے سکتا ہے۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ واقف محمد ادریس کی وقف کردہ جائیداد مذکورہ شرائط کے مطابق وقف علی الخیر رہے گی اور شرط کے مطابق خرچ کیا جائیگا یا اسے اب موجودہ متولیہ وقف علی الاولاد کرسکتی ہے، جیسا کہ وقف بورڈ لکھنؤ سے وقف علی الخیر کو بدل کر وقف علی الاولاد کروالیا ہے، تو وقف علی الاولاد کروالینے کی وجہ سے واقف کی تمام اولاد کو اس میں سے آمدنی ملے گی یا صرف متولیہ کی اولاد کو آمدنی سے حصہ ملے گا، اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ اس وقف شدہ جائیداد کو وراثت کے طور پر تقسیم کرسکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمادیں۔

المستفتی: اخلاق احمد قدوائی نگر ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف نامہ کی دفعات اور شرائط کو بغور پڑھا گیا اس میں متولی نے صاف لفظوں میں واضح کردیا ہے کہ مذکورہ جائیداد وقف علی الخیر ہے اور اس وقف میں ترمیم کا حق خود متولی کو بھی نہیں تھا، جیسا کہ متولی نے لکھا ہے اس لیے بعد میں لے پالک لڑکی نجمہ نے جو وقف بورڈ لکھنؤ سے وقف علی الخیر سے وقف علی الاولاد کی طرف منتقل کرلیا ہے، یہ قطعاً ناجائز اور حرام ہے، ایسی متولیہ کو تولیت کا حق حاصل نہیں ہے، اور جیسا کہ وقف نامہ کے اندر منشاء وقف کے خلاف عمل ہونے کی صورت میں یا مناسب متولی کی تلاش کے لیے ہلدوانی کے جج کا مشورہ لازم قرار دیا گیا ہے، اس لیے جج کے سامنے موجودہ متولیہ کے خلاف تحریراپیل کرکے اس متولیہ کو معزول کردیا جائے، اور مسلمانوں کے پانچ دیانتدار افراد کے ساتھ جج صاحب کی زیرسرپرستی تولیت کی تشکیل دی جائے، اور اس کے بعد مذکورہ جائیداد جس طرح وقف علی الخیر تھی اسی طرح وقف علی الخیر کی طرف منتقل کردی جائے، اور ہلدوانی مرادآباد میں مسلم لڑکیوں کے اسکول میں خرچ کرنے کی جو شرائط ہیں ان شرائط کے تحت طالبات کے مذکورہ اسکولوں میں خرچ کیا جائے اور مرادآباد محلّہ اصالتپورہ میں بنات القریش کے نام سے اسکول چل رہا ہے، اور یہ اسکول کافی عرصہ سے چل رہا ہے، اور فی الحال

بھی چل رہا ہے، ہلدوانی میں مسلم لڑکیوں کا اسکول ہے، تو اس (بنات القریش) میں خرچ کرنا لازم اور واجب ہے، اور اگر ہلدوانی میں نہیں ہے تو اس جائیداد کی آمدنی بنات القریش اصالت پورہ مرادآباد میں اور غریب مسلمانوں میں خرچ کرنا لازم اور واجب ہے اور وقف علی الاولاد کی شکل دینا ہرگز جائز نہیں اور نہ ہی اس جائیداد کو فروخت کرنا اور اس میں مالکانہ تصرف کرنا جائز ہے، بلکہ جس متولی کی سرپرستی میں وقف نامہ کی شرائط کے خلاف عمل ہوا ہے اس کو برطرف کردینا لازم ہے۔

وفي البزازية: إن عزل القاضي للخائن واجب عليه، ومقتضاه الإثم بتركه والإثم بتولية الخائن ولاشک فيه. (مجمع الأنهر، کتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٦٠٢، مصری قديم ١/٧٦٢، شامی، مطلب يأثم بتولية الخائن، زکريا ٦/٥٧٨، کراچی ٤/٣٨٠، البحر الرائق زکريا ٥/٤١١، کوئٹه ٥/٢٤٥، بزازيه زکريا جديد ٣/١٣٤، وعلی هامش الهندية ٦/٢٥٣)

نیز یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ وقف نامہ میں متولی نے کہا کہ اس کی کوئی اولاد نہیں، لیکن سوال میں متولی کے نواسہ اور پوتا کا تذکرہ ہے، یہ کہاں سے آئے؟ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۴ھ

حسب مصالح واقف منتظمین کا جائیداد موقوفہ میں ترمیم وتعمیر کرنا

سوال [۷۶۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت کسی شہر میں مسافر خانہ، مدرسہ، قبرستان وغیرہ دیگر عوامی مسلم فلاحی تعمیرات قائم کرتی ہے اور افراد کے بجائے رہبر اصول دستور وضوابط مطبوعہ یا غیر مطبوعہ کو مابعد کارکنان کے لیے اس شرط کے ساتھ قابل پابندی قرار دے کر اس دارِ فانی سے کوچ کر جاتی ہے کہ حسب مصالح ضوابط کے تحت ترمیم کا حق مابعد کے منتظمین کو حاصل رہے گا، تو کیا

مذکورہ بالاقسم کی عمارتوں میں توسیع وتعمیر وترمیمات ضروریہ کو یہ کہہ کرروکا جاسکتا ہے کہ یہ کارروائی منشاء واقف کے خلاف ہے، ضرورتِ سوال یوں پیش آئی کہ موجودہ گورنمنٹ نے اکثر فلاحی عمارتوں کواگر کسی نے وقف میں درج کرادیں تو جائیداد موقوفہ قرار دیدیا ہے اور لفظ منشاء واقف مخالفین بطور حربہ استعمال کرسکتے ہیں جبکہ واقفِ موجودہ ادارہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: محمد علاؤالدین ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرمذکورہ وقف جائیداد میں تعمیروترمیم کی نہایت ضرورت ہے اس کے بغیر منافع بہت دشوار ہیں اوراس جماعت کے بانی ارکان نے حسب مصالح ضوابط کے تحت ترمیم کا حق مابعد منتظمین کو دے رکھا تھا تو اب ان عمارتوں میں تعمیر و توسیع وترمیمات ضروریہ ان کی منشاء کے خلاف نہیں ہیں۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/۳۳۳، کفایت المفتی قدیم ۷/۳۱۴، جدید مطول ۹/۴۸۶)

كما فى الشامية فى الخيرية: قد صرحوا بأن الإعتبار فى الشروط لما هو الواقع لا لما كتب فى مكتوب الوقف. (الشامی، کتاب الوقف مطلب: فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، کراچی ٤/٤٣٣، زکریا ٦/٦٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۸؍۳؍۱۴۱۷ھ

وقف علی الاولاد مکان کومتولی کافروخت کرنایاکرائے پردینا

سوال [۷۶۷۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب الطاف حسین مرحوم نے اپنی ایک جائیداد مکان وقف علی الاولاد کیا اور اپنی حیات تک خود متولی رہے اوراپنے انتقال کے بعد اپنی لڑکی اشفاق جہاں اوراس کے بعد اس کی لڑکی عابدہ بیگم کومتولی قرار دیا، عابدہ کے بعد اس کی اولاد ذکور واناث میں سے جو پسر

اکبر ہوگا یا بڑی دختر ہوگی متولی ہوتے رہیں گے۔

(۱) اس وقت اس مکان کی اشفاق جہاں متولیہ ہیں کیا اشفاق جہاں متولیہ اس مکان موقوفہ کوفروخت کرسکتی ہیں؟

(۲) کیا متولیہ اشفاق جہاں اس مکان کو اپنی اولاد کوکرایہ پر دے سکتی ہیں اور جو آمدنی ہوگی وہ کس طرح تقسیم ہوگی؟

(۳) جو اولادیں اس مکان میں نہیں رہ رہی ہیں وہ رہنے والوں سے کرایہ لے سکتی ہیں یا نہیں؟

(۴) اس وقت اس مکان موقوفہ کی اشفاق جہاں متولیہ ہیں اور عابدہ بیگم کا انتقال ہو چکا ہے تو اب اشفاق جہاں کے بعد متولی کون ہوگا؟

نوٹ: اس مکان میں اس وقت اشفاق جہاں اور ان کی اولادوں میں تین لڑکے اور ایک لڑکی رہتی ہیں اور تین لڑکیاں اور ایک لڑکا باہر رہتا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اشفاق جہاں متولیہ کے لیے اور اسی طرح بعد میں آنے والے کسی بھی متولی کے لیے مذکورہ مکان موقوفہ کوفروخت کرنا شرعاً جائز نہیں۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷٦٤)

والمعلوم بالوقف من شرطه عدم البيع و نحوه. (فتح القدير، كتاب

الوقف، دار الفکر ٦/٢٠٤، زکریا ٦/١٩٠، کوئٹه ٥/٤١٩)

(۲) اشفاق جہاں متولیہ اپنی اولاد کو مکان موقوفہ کرایہ پر دے سکتی ہے، اور جن لوگوں پر آمدنی خرچ کرنے کے لیے واقف نے شرط لگائی ہے وقف نامہ کی شرط کے مطابق ان مستحقین پر آمدنی کا تقسیم ہونا لازم ہے۔

رجل وقف داره على قوم بأعيانهم وجعل آخره للفقراء فآجر المتولى الدار من الموقوف عليهم جازت الإجارة. (عالمگیری، الباب الخامس فی ولاية الوقف، زکریا قدیم ٢/٤٢١، جدید ٢/٣٨٨)

فإن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية. (شامی زکریا ٦/٥٥٩، کراچی ٤/٣٦٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٣١-١٣٢)

(۳) جب اشفاق جہاں متولیہ خود موجود ہیں تو آمدنی انھیں کو ملے گی، اشفاق جہاں کی موجودگی میں اشفاق جہاں کی ان اولادوں کو جو اس مکان میں نہیں رہ رہی ہیں آمدنی کا حصہ نہیں ملے گا، ہاں البتہ ماں جو چاہے اپنی مرضی سے اپنی اولاد کو دے سکتی ہے، وہ اس کے اختیار میں ہے، البتہ اشفاق جہاں کے مرنے کے بعد مکان میں رہنے والی اولادوں سے مکان میں نہ رہنے والی اولادیں اپنے حصوں کا کرایہ وصول کر سکتی ہیں۔

ولو قال أرضى هذه صدقة موقوفة على أولادى يدخل فيه البطون كلها لعموم اسم الأولاد ولكن يكون الكل للبطن الأول مادام باقيا فإذا انقرض يكون للثانى فإذا انقرض يكون للثالث والرابع والخامس فتشترك هذه البطون فى القسمة، والأقرب والإلا بعد فيه سواء. (عالمگیری، الباب الثالث فی المصارف، الفصل الثانی زکریا قدیم ٢/٣٧٤، جدید ٢/٣٦٠)

لو قال على أولادى يدخل فيه البطون كلها لعموم إسم الأولاد ولكن يقدم البطون الأول، فإذا انقرض فالثانى ثم من بعدهم يشترك جميع البطون فيه على السواء قريبهم و بعيدهم. (شامی، کتاب الوقف، مطلب لو قال على أولادى بلفظ الجمع، زکریا دیوبند ٦/٦٩٧، کراچی ٤/٤٦٩)

(۴) جب عابدہ بیگم کا انتقال اشفاق جہاں متولیہ کی موجودگی میں ہو چکا تو وقف نامہ کی شرائط کے مطابق اشفاق جہاں کی مذکر اولادوں میں جو سب سے بڑا زندہ ہے اسی کو تولیت حاصل ہوگی، لیکن آمدنی ذکور واناث کے درمیان ''وللذکر مثل حظ الانثیین'' کے اعتبار سے تقسیم ہوگی، لڑکوں کو دو دو اور لڑکیوں کو ایک ایک۔

ولو جعل الولاية لأ فضل أولاده وكانوا فى الفضل سواء تكون لأكبرهم سنا. (عالمگیری، الباب الخامس فی ولایة الوقف، زکریا قدیم ۲/ ۴۱۱، جدید ۲/ ۳۸۱)

يعطيهم على قدر المواريث للذكر مثل حظ الأنثيين. (تاتارخانية الفصل التاسع کوئٹه ۵/ ۷٦۵، زکریا ۸/ ۸۲ رقم: ۱۱۲۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۵۰۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۱۴ھ

متولی کا مسجد کے سامان میں خیانت کرنا

سوال [۷٦۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کی دوکان ایک ہندو فوٹوگرافر کو دینا اور اس میں پوجا پاٹ ہونا جائز ہے یا نہیں، مسجد کے کرنٹ سے مسجد کے متولی صاحب اپنے گھر کی لائٹ اور ٹی وی چلاتے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز، مسجد کا پانی گھر میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں، مسجد کی لکڑی گھر میں جلانا، مسجد کا گھنٹہ گھر میں چلانا جائز ہے یا نہیں، اور مسجد کا چندہ اور کرایہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ مسجد کا میٹر بند کرنا، حافظ قرآن کو جھوٹ بولنا جائز ہے یا نہیں، اور یہ ثابت ہو جائے کہ یہ جھوٹا ہے تو ان کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: سرفراز احمد کٹگھر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جتنے امر لکھے گئے ہیں ان کا

ارتکاب کرنے والا سخت ترین خائن ہے، ایسا شخص فاسق ہے اس کو متولی بنانا جائز نہیں ہے اور علاقہ کے تمام لوگوں پر لازم ہے کہ اس شخص کو فوراً مسجد کی تولیت سے الگ کر کے کسی متبع شریعت متولی کا انتخاب کریں۔

إن عزل القاضي للخائن واجب عليه و متقضاه الإثم بتركه والإثم بتولية الخائن ولاشک فيه . (مجمع الانهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٦٠٢، مصری قدیم ١/٧٦٢، شامی، مطلب: يأثم بتولية الخائن، زكريا ٦/٥٧٨، کراچی ٤/٣٨٠، البحر الرائق کوئٹہ ٥/٢٤٥، زكريا ٥/٤١١، بزازيه جديد ٣/١٣٤، وعلى هامش الهندية ٦/٢٥٣)

نیز جھوٹ بولنا کسی کے لیے بھی عام حالات میں جائز نہیں ہے ہاں البتہ دو آدمی کے درمیان صلح کرنے کے لیے اور فتنہ کو ختم کرنے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت ہے تو اگر مذکورہ حافظ نے صلح اور جوڑ پیدا کرنے کے لیے جھوٹ بولا ہے اور بعد میں جھوٹ بولنا ثابت ہوگیا ہے تو وہ فاسق نہیں ہے۔

عن أسماء بنت يزيد قالت: قال رسول الله ﷺ: لا يحل الكذب إلا في ثلاث: يحدث الرجل امرأته ليرضيها والكذب في الحرب، والكذب ليصلح بين الناس. (سنن الترمذي، باب ما جاء في إصلاح ذات البين النسخة الهندية ٢/١٥، دار السلام رقم: ١٩٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۴۶)	۱۴۱۸/۱/۱۸ھ

متولی مسجد کی خیانت اگر ثابت ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۷۶۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: منشی محمد جان و بلقیس جہاں میرے والدین نے کچھ مکانات وغیرہ وقف علی الاولاد کیے اور ہر لڑکی لڑکے کا الگ الگ مکان مقرر کردیا اس طرح اپنی جائیداد اپنی ملکیت سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں دیئے گئے۔

واقف کے ایک فرزند محمد نعمان نے وقف کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے حصے کا وقف مکان وقف بورڈ سے اجازت بیع منسوب کر کے نہایت خفیہ اور راز دارانہ طریقے سے ایک شخص کے ہاتھ بیع قطعی کر دیا مجھ واقف کی دختر نے ان باتوں کی انکوائری کرائی اور مقدمہ لڑایا اور سیل پرمیشن جعلی ثابت کرا دی، وقف بورڈ لکھنؤ میں مقدمہ ہوا اور اس نے اجازت بیع کو جعلی بتایا اور کلکٹر کو خریدار کا قبضہ ہٹانے کا آرڈر دیا مکان خالی ہوگیا میں نے بورڈ سے معلوم کیا کہ اب نعمان جو Defaulter بن گئے ہیں ان کا اس مکان میں کوئی حق بنتا ہے یا نہیں، وقف بورڈ نے صاف کہہ دیا کہ محمد نعمان کا اب ہرگز کوئی حق نہیں بنتا، اس سلسلے میں جناب عالی شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

المستفتیہ: گوہر جہاں محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کی خیانت ثابت ہوجائے اس کی تولیت باقی رکھنا جائز نہیں ہے، جب محمد نعمان کی طرف سے خیانت ثابت ہوگئی اب اس کو کبھی متولی نہیں بنایا جاسکتا اور اس کے فروخت کر دینے کے بعد جتنا نقصان ہوا اور مقدمہ کا صرفہ اور خرچہ جو کچھ بھی ہوا ہے وہ اس کے حق میں سے وصول کیا جائیگا اس کے بعد وقف کی آمدنی میں سے اس کا جو حق بیٹھتا ہے وہ اس کو ملے گا مگر خود متولی اور منتظم نہیں بن سکتا، بلکہ جو دیانتدار شخص متولی ہوگا، وہی اس کا حق اس کو دیتا رہا کریگا۔

وقف علی نفر استولی علیہ ظالم لایمکن انتزاعہ من یدہ فادعی الموقوف علی واحد منہم أنہ باع من ہذا الظالم و سلمہ إلیہ وہو منکر فأرادوا تحلیفہم ذٰلک (إلی قولہ) کما أن الفتویٰ فی غصب منافع الوقف بالضمان نظراً للوقف وہو اختیار مشائخنا ومتی قضیٰ علیہ بالقیمۃ تؤخذ منہ القیمۃ فیشتری بہا ضیعۃ أخریٰ فتکون وقفا الخ. (ہندیہ، کتاب الوقف الباب التاسع فی غصب الوقف، زکریا قدیم ۲/۴۴۹، جدید ۲/۴۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹/ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۹۳)

متولی کو مسجد پر مالکانہ قبضہ اور ناجائز تصرف کا حق حاصل نہیں

سوال [۷۶۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص عرصۂ دراز سے مسجد کا متولی ہے اب دیرینہ تولیت کی بناء پر مسجد کے اندر مالکانہ تسلط کا اظہار کرنے لگا، وہ اس طرح کی نہ تو کسی کو مسجد کے چندہ کے اندر حق دار بناتا ہے، اگر چہ یہاں کی عوام چندہ بنیت ثواب دینا چاہتی ہے؟

(۲) اور نہ ہی مسجد کے اندر فضائل قرآن وحدیث کی تعلیم ہونے دیتا ہے اور نہ ہی مسجد کا کوئی حساب وغیرہ مصلیوں کے سامنے رکھتا ہے، مصلیوں کے زبردست اصرار پر بھی مسجد کے اندر فضائل قرآن وحدیث کو نہیں ہونے دیتا، عوام اس حالت سے کافی پریشان ہے۔

(۳) جب ہوش مند حضرات کہتے ہیں کہ صاحب تعلیم حدیث کے اجراء کے خاطر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جام شہادت نوش فرمائے اور اب موجودہ علماءِ حق اس کی تگ ودو میں پسینہ بہارہے ہیں اور فرماتے ہیں نیز تجربہ بھی بتارہا ہے کہ اس طریقۂ تعلیم سے عوام کے اندر چند ہی روز کے اندر دینی شعور پیدا ہو جاتا ہے، اور عوام آخرت سے متعلق اپنے مستقبل سے آگاہ ہو جاتی ہے، تو متولی صاحب کا جواب یہ ہوتا ہے کہ میں کسی عالم والم کی باتوں کو نہیں مانتا، اب عوام کا سوال یہ ہے کہ کیا ایسا آدمی تولیت کا حق دار ہو سکتا ہے، یا کہ نہیں نیز اس آدمی کا شریعت کے اندر کیا درجہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد شرعی وقف ہے اس کا متولی امین وحفیظ ہوتا ہے اگر سوال نامہ میں شخص مذکور واقعی خائن اور املاک مسجد اور مسجد میں اپنا مالکانہ تصرف جما رکھا ہے، تو مسجد کی کمیٹی اور مسلمانوں پر کسی دیانتدار متبع شرع متولی مقرر کرنا اور ایسے متولی کو معزول کر دینا لازم ہے۔

ولو كان خائنا شرع منه. (الدر المنتقى، دار الكتب العلمية بيروت ٦٠٤/٢، قديم ٧٦١/١)

إن عزل القاضی للخائن واجب علیه ومقتضاه الإثم بترکه والإثم بتولیة الخائن. (مجمع الأنهر، کتاب الوقف، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۶۰۲، مصری قدیم ۱/۷٦۲، کراچی ٤/۳۸۰، البحر الرائق کوئٹه ٥/۲٤٥، زکریا ٤/٤۱۱)

(۲) مسجد کے اندر فضائل قرآن وحدیث کی تعلیم باعث نجات اور قبولیت اور بڑی فضیلت ہے۔

عن أبی هریرة قال قال رسول الله ﷺ: وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت الله، یتلون کتاب الله ویتدراسونه بینهم إلا نزلت علیهم السکینة و غشیتهم الرحمة، وحفتهم الملائکة و ذکرهم الله فیمن عنده الحدیث. (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر، النسخة الهندیة ۲/۳٤٥، بیت الأفکار رقم: ۲٦۹۹)

(۳) اگر علماء کی دینی باتیں پیش کرنے کی وجہ سے مذکورہ جملہ استعمال کیا ہے تو بہت ممکن ہے کہ کفر تک پہنچ جاوے، اس لیے اپنے اس قسم کے جملوں سے توبہ کرکے باز آنا لازم ہے۔

(إلی) رجل عرض علیه خصمه فتویٰ الأئمة فردها وقال "جه بار نامه فتویٰ أو رده" قیل: یکفر الخ. (عالمگیری، الباب التاسع فی أحکام المرتدین، زکریا قدیم ۲/۲۷۲، جدید۲/ ۲۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۸۹)	۱۲/۱/ ۱۴۱۱ھ

سود اور مسجد کی رقم استعمال کرنے والے متولی کا حکم

سوال [۷۶۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سہس پور محلّہ قاضیان کی مسجد کی آٹھ بیگہ زمین آبادی کے لیے مبلغ ساڑھے تین لاکھ روپئے میں فروخت ہوئی خریداران نے مہتمم صاحب کو مبلغ اسی ہزار روپئے بطور بیع

نامہ دیا، مہتمم صاحب نے وہ روپیہ بینک میں جمع کردیا، اتفاق سے مہتمم صاحب ایک قتل کے مقدمہ میں مشکوک ہوگئے جس کی وجہ سے بیع نامہ نہیں ہوسکا، مہتمم صاحب نے خریداران سے کہا کہ تم اپنا روپیہ مع سود کے واپس لے لو اب ہمیں زمین نہیں بیچنی ہے، لہٰذا ان کو اسی ہزار روپئے کی رقم واپس کردی، اور سود کا روپیہ ان کو نہیں دیا، جو کہ مبلغ بارہ ہزار روپئے تھا، وہ روپیہ مہتمم صاحب نے نہ تو مسجد کو دیا اور نہ خریداران کو واپس کیا جب محلّہ والوں نے تقاضہ کیا تو انہوں نے صفائی سے منع کردیا کہ نہ تو مسجد کو دینا ہے اور نہ خریداران کو، مہتمم صاحب بے نمازی اور بے عمل ہیں، مسجد کی رقم کو اپنے خرچ میں لگالیتے ہیں، یہ رقم دو سال تک بینک میں رہی اب آپ کی رائے کے محتاج ہیں اس بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں؟

المستفتی: واصف علی محلّہ سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بائع (متولی مسجد) اور مشتری کی باہم رضامندی سے معاملۂ بیع ختم ہوجانے کی وجہ سے بیع فسخ ہوگئی اور مشتری کی اصل رقم اس کو مل چکی ہے، اور مشتری کی بطور بیع نامہ دی ہوئی رقم سے جو سود کا بارہ ہزار روپیہ جمع ہوگیا ہے وہ بہر حال سود ہے، جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرة: ۲۷۵]﴾

اس روپیہ کو شرعاً استعمال کرنے کا حق نہ متولیٔ مسجد کو ہے اور نہ مشتری کو بلکہ اس روپئے کو بلانیت ثواب غرباء محتاجوں میں اس نیت سے تقسیم کردینا کہ اس کے وبال سے محفوظ رہیں واجب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۲۱/۱۶، ڈابھیل ۴۴۴/۱۶، ۲۰۳/۴، ڈابھیل ۳۰۱/۱۶، ایضاح النوادر ۹۹/۱)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث فأما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه و يريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ۳۷/۱، دار البشائر الإسلاميه ۳۵۹/۱، رقم: ۵۹)

جو متولی مسجد کی رقم کو اپنے خرچ میں استعمال کرتا ہے اس کو شرعاً متولی رہنے کا حق نہیں

ایسی حالت میں مسلمانوں کو چاہیے کہ کسی دوسرے شخص کو جو دیندار وامانت دار ہو متولی مقرر کرلیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۰/ ۲۰۸، ڈابھیل ۱۴/۳۶۲)

لایولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولایة مقیدة بشرط النظر (إلی قوله) و أن الناظر إذا فسق استحق العزل ولاینعزل، کالقاضی إذا فسق لاینعزل علی الصحیح المفتی به. شامی کتاب الوقف مطلب: فی شروط المتولی زکریا دیوبند ٦/٥٧٨-٥٧٩، کراچی ٤/٣٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۴/۲۸ھ

واقف کی غرض کے خلاف موقوفہ زمین میں تصرف کرنا

سوال [۷٦٧۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی جگہ اس شرط پر مدرسہ دینیہ کو دی کہ وہ مدرسہ قائم کریں تاکہ ان کو ان کے بزرگوں کو ایصال ثواب ہو، محلّہ کے لوگوں نے اس کو قبول کرلیا اور اس میں تقریباً پندرہ بیس ہزار روپئے مدرسہ کے لگا دیئے، اب وقف کرنے والے وہ جگہ دینے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مدرسہ بناؤ تو لے لو ورنہ ہم نہیں دیں گے، محلّہ والے کہتے ہیں کہ آپ کو کوئی مطلب نہیں ہے ہم چاہیں مدرسہ بنوائیں یا مدرسہ کی آمد کا کوئی مکان تعمیر کرائیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ ان کو دی ہوئی جگہ لینے کا حق ہے یا نہیں؟

المستفتی: ریاست علی خان بدایوں، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شخص مذکور نے اسی شرط پر اپنی جگہ مدرسہ کو دی ہے کہ اس میں مدرسہ ہی قائم کریں گے دوسرا کام نہیں تو ایسی صورت میں اس جگہ پر مدرسہ کے علاوہ دوسرا کام کرنا جائز نہ ہوگا، وقف کرنے والے کو اپنی غرض وقف کے خلاف

کرنے پر روک لگانے کا حق ہے، اور غرض وقف کے خلاف تصرف کرنے والے متولی اور ذمہ دار کو شرعی طور پر تولیت اور ذمہ داری سے برطرف کرنے کا حق ہے۔

وفی الجواهر: القیم إذا لم یراع الوقف یعزله القاضی (وقوله) أن للقاضی عزل المتولی الخائن غیر الواقف بالأولی. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فیما یعزل بالناظر، زکریا ٦/٥٧٨، کراچی ٤/ ٣٨٠)

فإن کان فی نزعه مصلحة، یجب علیه إخراجه دفعا للضرر عن الوقف. (بزازیه زکریا جدید ٣/ ١٣٤، و علی هامش الهندیة ٦/٢٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۵ھ

٤ باب بیوع الأوقاف

وقف کی زمین فروخت کرنا

سوال [۷۶۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی کلن مرحوم ساکن گل شہید مراد آباد نے اپنی حیات میں خرید کردہ وتعمیر کردہ جائیداد کو۱۹۳۲ء و ۱۹۳۵ء میں وقف علی الاولاد وعلی الخیر کیا جس کی عبارت کو دونوں وقف ناموں میں اس طرح درج کیا گیا ہے:

وقف کیا میں نے اور جائیداد ہائے موقوفہ کو اپنے قبضہ وملکیت سے نکال کر اللہ جل شانہ کے قبضہ اور ملکیت میں دیدیا میں نے اور آج کی تاریخ سے ہی میرا کوئی وارث یا جانشین مالک ان جائیدادوں کا نہیں رہا، اور وہ تمام جائیدا دملکیت اللہ جل شانہ میں داخل ہوگئیں اور اثر زوال سے محفوظ ہوگئیں، اوراب یا آئندہ مجھ کو یا میرے وارثان کو جائیداد ہائے موقوفہ کے جز یا کل کو یا ان کی آمدنی کو بذریعۂ بیع یا ہبہ، رہن دخلی یا ضمانت بکفالت یا بالعوض دین مہر یا کسی اور طریقہ پر منتقل کا یا کسی مطالبہ کے زیر بار کرنے کا حق اور اختیار نہیں رہا۔

اس وقت جائیداد ہائے موقوفہ کی آمدنی کرایہ وارثان شرعی کو کم آمدنی کرایہ ہونے کی وجہ سے کم مل رہا ہے ایسی حالت میں ورثاء اور متولیان اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کیوں نہ ان تمام وقف جائیداد کو فروخت کر کے جدید جائیداد خرید کر زیادہ سے زیادہ کرایہ پر دی جائے خرید کردہ جائیداد کو وقف ناموں کے مطابق اس پر عمل کیا جائے، تاکہ ورثاء کو زیادہ سے زیادہ آمدنی کرایہ حاصل ہو اور اس کے مطابق مصارف خیر میں خرچ کیا جائے، لہٰذا متولی یا کوئی بھی وارث اس کام کو شرعاً یا اخلاقاً کرسکتا ہے یا نہیں؟ وضاحت سے جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرحمٰن سرائے شیخ محمود مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض آمدنی کم ملنے کی وجہ سے وقف کی جائیداد فروخت کرکے دوسری جائیداد لینے کی شرعاً اجازت نہیں ہے جو کچھ مل رہا ہے اس پر قناعت کرکے وقف کی جائیداد کو اپنی جگہ باقی رکھنا لازم ہے۔

والثالث أن لایشرطه أیضا ولکن فیه نفع فی الجملة، وبدله خیر منه ریعا و نفعا وهذا لایجوز استبداله علی الأصح المختار. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی استبدال الوقف وشروطه، کراچی ٤/٣٨٤، زکریا ٦/٥٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۶۰۲/۳۲)

زیادتیٔ آمدنی کی غرض سے وقف کی زمین فروخت کرنا

سوال [٧٦٧٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی زمین یا مکان کسی مدرسہ یا مسجد کے لیے وقف کی گئی جس سے وقف کرنے والے کا مقصد صدقۂ جاریہ ہے اور اس سے بذریعۂ کاشت یا کرایہ آمدنی بھی ہورہی ہے لیکن اگر اس کو فروخت کرکے اس رقم سے کسی دوسری جگہ اچھی کوئی مکان یا دوکان بنا کر اس کو کرایہ پر چڑھایا جائے تاکہ پہلے کے مقابلے پر آمدنی زائد حاصل ہوسکے، یا پھر اس رقم سے اسی مسجد میں کوئی درسگاہ یا کمرہ اور اسی مسجد کا کوئی حصہ بنادیا جائے، تاکہ وقف کرنے والے کا مقصد صدقۂ جاریہ بھی پورا ہوسکے، اور آمدنی بھی بڑھ جائے یا مدرسہ اور مسجد کی ضرورت بھی پوری ہوجائے، اس مقصد سے اس موقوفہ جائیداد کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحیم روڑکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں موقوفہ زمین

اورمکان قابل انتفاع ہیں اس لیے محض نفع کی زیادتی کی غرض سے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

والثالث أن لايشرطه أيضا ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خير منه ريعا و نفعا وهذا لايجوز استبداله على الأصح المختار. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی استبدال الوقف و شروطه، کراچی ٤/٣٨٤، زکریا ٦/٥٨٤)

(وقوله) بل اتفق أنه أمكن أن يؤخذ بثمنه ما هو خير منه مع كونه منتفعا به فينبغي أن لايجوز لأن الواجب إبقاء الوقف على ما كان عليه دون زيادة. (شامی کوئٹه ٣/٤٢٧، کراچی ٤/٣٨٨، زکریا ٦/٥٨٩، فتح القدير، مطبوعه دار الفكر لبنان ٦/٢٢٨، کوئٹه ٥/٤٤٠، زکریا ٦/٢١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۵۰)

نا قابل انتفاع موقوفہ زمین کو بیچ کر قابل انتفاع زمین خریدنا

سوال [۸۶۷۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ میمونہ نے اپنی حیات میں تقریبا اپنی چار بیگھہ زمین مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی کے نام وصیت کردی تھی، مدرسہ اب تک اس پر قابض بھی ہے لیکن اس زمین کے قرب وجوار کے لوگوں سے اس زمین پر قابض ہونے کا سخت خطرہ ہے، وہ زمین فی الحال انہیں لوگوں کی کرایہ داری میں ہے، لیکن مدرسہ رحمانیہ کو کرایہ کے نام پر کوئی پیسہ نہیں دیتے ہیں، اب اس زمین کے مدرسہ کے قبضہ سے نکلنے کے خطرہ کے ساتھ ساتھ مدرسہ کو کرایہ نہ ملنے کی بناء پر بالکل ناقابل انتفاع ہوگئی ہے، ان وجوہات کی بنا پر مدرسہ رحمانیہ کی منتظمہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس زمین کو بیچ کر واقف کے نام مدرسہ رحمانیہ میں کمرہ یا درسگاہ تعمیر کرادی جائے تاکہ میت کو اس کا ثواب پہنچتا رہے، تو کیا یہ فیصلہ شرعاً درست ہے؟ تحریر فرمائیں۔

نیز بتلائیں کہ اگر کوئی وقف ناقابل انتفاع ہو تو اس کو فروخت کرکے اس کے عوض

دوسری زمین اس رقم سے خرید کر وقف قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالغفور صاحب مہتمم جامعہ رحمانیہ ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جبکہ مذکورہ زمین موقوفہ مدرسہ رحمانیہ کے حق میں بالکل ناقابل انتفاع ہوگئی ہے تو منتظمہ کا مذکورہ فیصلہ شرعاً صحیح اور درست ہے۔

والثانی أن لایشرطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بأن لایحصل منه شيئ أصلا أو لا یفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح. (شامی، کتاب الوقف مطلب فی استبدال الوقف وشروطه، مطبوعه کوئٹه ۳/۴۲٤، کراچی ٤/۳۸٤، زکریا ٦/۵۸۳، البحر الرائق کوئٹه ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳)

وصح شرط أن یستبدل به أی بالوقف غیره أی یبیعه و یشتری بثمنه أرضا أخریٰ إذا شاء عند أبی یوسف استحسانا لأن فیه تحویله إلی ما یکون خیرا من الأول أو مثله فکان تقریراً لا إبطالا فإذا فعل صارت الثانیة کالأولیٰ فی شرائطها. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۵۷٦) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۷ر شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۲۲)

مسجد کی زمین کو فروخت کرنا

سوال [۷٦۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک قطعۂ مکان کا مالک ہے وہ غیر شادی شدہ ہے اس کے ورثاء میں صرف بھتیجے ہیں اس نے اپنی زندگی میں سلامتیٔ ہوش وحواس بھتیجوں کو نہ دے کر اپنا سارا حصہ مسجد کو وقف کر دیا ہے لیکن مسجد اس پر ابھی تک اپنا قبضہ و دخل نہیں کر سکی ہے، بھتیجے اس وقف پر راضی نہیں ہیں، کیا یہ وقف صحیح ہے یا نہیں؟ اس وقف کو تبدیل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ذاکر حسین، محلّہ دانگ محمد علی روڈ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ واقعہ کے مطابق نہیں ہے، سوالنامہ میں مسجد کو وقف کرنے کا ذکر ہے، اور ۲۲/ رجب ۱۴۳۳ھ میں وقف نامہ کہہ کر اس کا جواب لیا گیا ہے، اور اب جبکہ وقف نامہ منگوایا گیا تو ثابت ہوا کہ وقف نامہ نہیں ہے بلکہ رجسٹری بیع نامہ ہے کہ مسجد نے مذکورہ مکان خریدا ہے لہٰذا مکان کا وہ حصہ جس کی رجسٹری مذکور ہے وہ شرعی طور پر مسجد کی ملکیت ہے، اور جن لوگوں کا قبضہ اس مکان پر ہے وہ ناجائز قبضہ ہے، ہاں البتہ اگر مسجد کو قبضہ نہیں مل پا رہا ہے اور قابض لوگ اس کو خرید کر قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں تو اس کی مناسب قیمت متعین کر کے مسجد اس کو فروخت کر دے اور اس پیسہ کے ذریعہ سے مسجد کے لیے کوئی مناسب جائیداد خرید لی جائے جس سے مسجد کے لیے آمدنی کا سلسلہ جاری رہے، تو اس طرح کرنے کی ضرورتاً گنجائش ہے۔

مبادلة الوقف بدار آخر إنما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو محلة أخرىٰ خيرا وبالعكس لايجوز. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: في شروط الاستبدال، کراچی ٤/٣٨٦، زکریا ٦/٥٨٦)

مبادلة دار الوقف بدار أخرىٰ إنما تجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو تكون المحلة المملوكة خيرا من المحلة الموقوفة وعلى عكسه لايجوز. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۸۷)

تکمیل وقف کے بعد ہبہ کرنا

سوال [۷۶۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی جائیداد وقف علی الاولاد ہو تو کیا اس کو بیچا جا سکتا ہے، اس کے بیچنے سے کوئی گناہ تو نہیں؟

المستفتی: منصور احمد شمسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف کامل ومکمل ہوچکنے کے بعد اس کا فروخت کرنا ہبہ کرنا، گروی رکھنا وغیرہ ہرگز جائز نہیں ہے، اگر فروخت کی جائے تو فروخت کرنے والا سخت ترین گنہگار ہوگا اور عقدِ بیع فسخ کرنا لازم ہوگا۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

فإذا تم و لزم لا يملك ولايملك ولا يعار ولا يرهن. (الدر المختار، كتاب الوقف مطلب: مهم فرق أبو يوسف بين قوله موقوفة الخ كراچی ٤/٣٥٢،زكريا ٦/٥٣٩)

إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولاتمليكه. (هدايه، اشرفی ديوبند ٢/٦٤٠، هنديه زكريا قديم ٢/٣٥٠، جديد ٢/٣٤٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۵؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۶/۲۰۹۸)

موقوفہ زمین کو فروخت کرنا

سوال [۷۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک چوپال جس میں نماز پنجگانہ وجمعہ وتعلیم ودینیات اردولگ بھگ عرصہ پچاس ساٹھ برس پیشتر سے ہورہی تھی، جب کہ اس بستی میں کوئی مسجد ودینی مدرسہ نہیں تھا یہ جگہ چند لوگوں کی ملکیت تھی، جس کو ان لوگوں نے مستقل طور پر نماز پنج گانہ وجمعہ وتعلیم دینی کے لیے وقف کرر کھا تھا، اب چند سال سے مسجد بھی اسی محلّہ میں قائم ہوگئی ہے جس میں نماز پنج گانہ و جمعہ ہورہا ہے، نیز زمانہ کے حالات دیکھتے ہوئے چونکہ اس چوپال کے بغل میں ایک پنڈت کا مکان ہے جس کے دینیات کے سکھلانے میں حارج ہونے کا امکان تھا، نیز جگہ کے بے موقع ہونے کی وجہ سے ایک صاحب خیر نے اپنی مقبوضہ گرام سماج کی زمین کو وقف کردیا جس میں مدرسہ کی کچھ عمارت پختہ بلا چھت کے قائم ہے، اور تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔

اب مذکورہ چوپال خالی پڑی ہے جبکہ یہ طے ہوا تھا کہ یہ جگہ مدرسہ ہی میں وقف رہے گی اور مدرسہ کے ہی کام میں خرچ ہوگی، اب اس چوپال کے بیچنے کے بچار میں ہیں، مسلمان (بالخصوص جن لوگوں نے وقف کیا تھا ان میں بعض باحیات ہیں اور بعض فوت ہوگئے ہیں لیکن ان کے ورثاء) لہٰذا بالتفصیل واضح فرمائیں کہ اس موقوفہ چوپال جس میں برسہا برس سے پنج وقتہ نماز اور نماز جمعہ اور تعلیم دینیات ہوتی چلی آرہی تھی، بعدہٗ چند سالوں سے خالی پڑی ہے، اس کی بکری (فروختگی جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اگر جائز ہے تو اس کی رقم مدرسہ میں یا مسجد میں یا ان دونوں جگہوں میں سے کس جگہ استعمال کی جائے نیز اس کی فروختگی مسلم کے ہاتھ کی جاسکتی ہے یا غیر مسلم کے ہاتھ بھی کی جاسکتی ہے؟

المستفتی: محمد اسلم مدرسہ ضیاء العلوم سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زمین ایک مرتبہ وقف ہوچکی ہے تو وہ ہمیشہ کے لیے اللہ کی ملکیت ہوگئی اس کو بلا عذر شرعی فروخت کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ غرض واقف کے مطابق اس کو مسجد یا مدرسہ کے کام میں لانا لازم وضروری ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا

وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷٦٤)

وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه. (هدایه، کتاب الوقف، اشرفی دیوبند ۲/ ٦٤۰، هندیه زکریا قدیم ۲/ ۳۵۰، جدید ۲/ ٤٦۳، بدائع زکریا ۵/ ٦/ ۳۲، فتاویٰ خانیة زکریا ۳/ ۱۹۹، وعلی هامش الهندیة زکریا ۳/ ۲۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۱۷)

موقوف زمین کوفروخت کر کے اس کی جگہ دوسری زمین خریدنا

سوال [۷۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ اسلامیہ معارف العلوم قصبہ سہس پور بجنور یوپی ہند کی تقریباً **۳۰**؍ سال سے ایک موقوفہ زمین پڑی ہے اس سے مدرسہ کو کوئی فائدہ نہیں ہے اب تک کوئی پیسہ اس سے مدرسہ کو نہیں ملا اور آئندہ بھی اس سے مدرسہ کو فائدہ پہنچنے کی کوئی امید نہیں، اب مدرسہ کے ذمہ داران یہ چاہتے ہیں کہ اس موقوفہ زمین کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے قریب کی ایک زمین لی جائے جس سے مدرسہ کو فائدہ پہنچے گا، کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟

المستفتی: امیر احمد سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر موجودہ حالت میں موقوفہ زمین موقوف علیہ یعنی

مدرسہ کے لیے کسی قسم کے فائدہ کا باعث نہیں ہے اور اس سے کوئی پیسہ حاصل نہیں ہو رہا ہے، اور نہ ہی مدرسہ کو وہاں تعمیر کی ضرورت ہے تو ایسی بے فائدہ حالت میں اس کو فروخت کر کے اس کی پوری قیمت سے ایسی زمین خرید کر مدرسہ کے نام رجسٹری کر دینا جائز ہوگا جس سے مدرسہ کو فائدہ اور آمدنی پہنچتی ہو، نیز اس کا خیال رکھنا لازم ہے کہ جو زمین خریدی جائے اس کی مدرسہ کے نام پر رجسٹری کروالی جائے نیز یہ بھی لازمی شرط ہے کہ یہ سارا کام کمیٹی کی متفقہ رائے سے ہو۔

والثاني أن لايشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيئ أصلا ولا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: في استبدال الوقف وشروطه، کوئٹہ ۳/۴۲۴، کراچی ۴/۳۸۴، زکریا ۶/۵۸۳، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۲۰)

مسجد کے لیے وقف شدہ زمین کو فروخت کرنا

سوال [۷۶۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے سرکار سے زمین خریدی کچھ مدت تک اس زمین سے فائدہ حاصل کرنے کے بعد مسجد کے نام پر وقف کر دیا، مسجد والے اس زمین کی پیداوار غلہ کو فروخت کر کے مسجد میں صرف کرتے رہے لیکن اب اس زمین کو فروخت کر کے محلّہ کی اس مسجد کی تعمیر کو مکمل کرنا چاہتے ہیں جس کے لیے وہ وقف کی گئی تھی، لہٰذا حضور والا سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں دلیل دے کر وضاحت فرمائیں کہ ایسا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد یاسین گوپال پور بھاگل پور بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگراس مسجد کی ملکیت میں نہیں دی ہے بلکہ اس مسجد کے نام سے وقف کیا ہے تاکہ اس کے منافع سے مسجد کو فائدہ پہنچتا رہے تو ایسی صورت میں اس موقوفہ زمین کے کسی بھی حصہ کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے چاہے اس کی رقم اسی مسجد ہی میں خرچ ہوتی ہو اس لیے کہ فروخت کرنے میں غرض واقف کی مخالفت لازم آتی ہے جو جائز نہیں ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۱۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۴ھ

مسجد کی موقوفہ زمین فروخت کرنا

سوال [۷۶۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ سعیداً جو لا ولد تھیں ۱۹۴۴ء میں اپنا ایک مکان مسجد نیازیان امروہہ کے لیے وقف کر دیا جو اس وقت منہدم ہو چکا ہے اس موقوفہ مکان کا سرکاری کاغذ جو سعیداً نے وقف کرتے وقت مسجد کے لیے لکھا تھا موجود ہے، بیس سال سے جو کرایہ دار اس میں رہتا تھا بیس سال سے اس نے اس کا کرایہ بھی ادا نہیں کیا، کرایہ ۱۲/ روپیہ ماہانہ مقرر ہوا تھا کرایہ دار اس منہدم مکان کو ترک کر کے دوسرے مکان میں رہنے لگا یہ موقوفہ مکان ایسے چند مکانوں میں سے ایک ہے جن کا راستہ مشترک ہے، اسی درمیان شاہنواز نامی ایک شخص نے مسجد کے نمازیوں اور متولی سے پوچھے بغیر اس موقوفہ مکان کی تعمیر کرانی شروع کرادی، مسجد کے اکثر نمازیوں نے میٹنگ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ہم مکان مذکور نہ تو شاہنواز صاحب کو دیں گے اور نہ گذشتہ کرایہ دار کو یہ مکان مسجد سے ہٹ کر ذرا فاصلہ سے ہے دونوں طرف (شاہنواز اور گذشتہ کرایہ دار) کے درمیان تنازع شدید ہے، مسجد کے اکثر نمازی متولی سمیت مکان

مذکور کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر کے اس کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگانا چاہتے ہیں کیا مسجد کے نمازی ایسا کر سکتے ہیں یعنی یہ مکانِ موقوف فروخت ہوسکتا ہے یا نہیں اگر یہ مکان فروخت نہیں ہوگا تو کوئی بھی اس کو اپنے قبضہ میں لے لے گا؟

المستفتی: محمد عبداللہ امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی کمیٹی اور ذمہ داران کی اجازت کے بغیر شاہنواز کا اس موقوفہ زمین میں تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی پرانا کرایہ دار کے لیے جائز ہے بلکہ ذمہ داران مسجد ہی مسجد کی مصلحت اور منافع کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کریں گے نیز اس کو فروخت کر کے اس کا پیسہ مسجد میں لگانا اس کے وجود کو وقف سے ختم کر دینا بھی جائز نہیں ہے، بلکہ مسجد کے زیر تحت مکان یا دوکان کی شکل میں مسجد کی کل آمدنی کا ذریعہ بنایا جائے اور ذمہ داران مسجد پر اس کی حفاظت لازم ہے۔

وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع، ليس له ذلك. (فتاویٰ تاتارخانية زكريا ٨/٦٦ رقم: ١١٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۹۲)

مسجد کی زمین کب فروخت کرنا جائز ہے؟

سوال [۷۶۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: موتی مسجد ٹانڈہ کا ایک باغ ہے جو کہ وقف ہے مسجد کے پاس کوئی نقشہ آراضی لمبائی چوڑائی کا نہیں ہے وقف کرنے والا، ایک زمانہ ہوا، انتقال کر چکا ہے، سرکاری تحصیل کے نقشہ سے معلوم ہوا کہ کچھ آراضی وقف ہٰذا کی دوسرے کے قبضہ میں ہے، سابق متولی حاجی سبطہ نبی مرحوم نے عدالت میں دعویٰ کر دیا مقدمہ مسجد کے حق میں طے ہو

گیا اب کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ پنچایتی طور پر مسجد کو آراضی کا معاوضہ دلوا دیا جائے اور آراضی قبضہ دار سے خالی نہ کرائی جائے، قبضہ دار کے حق میں چھوڑ دیا جائے تو کیا از روئے شرع مقتدیان مسجد کو پنچایتی طور پر آراضیٔ مسجد کو چھوڑ دینے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ متولیٔ مسجد کو جو کہ وقف کرنے والوں کا پڑپوتا ہے کیا قبضہ دار سے زمین کا معاوضہ لینے کا حق ہے یا نہیں؟

المستفتی: ضیاء النبی متولی مسجد موتی ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مقدمہ میں کامیابی حاصل ہوجانے کے بعد اگر آئندہ وقف کی مذکورہ زمین کے ضائع ہوجانے اور دوسروں کے قبضہ میں چلے جانے کا خطرہ نہ ہوتو اس زمین کو فروخت کرنا درست نہ ہوگا زمین ہی وقف کی شکل میں باقی رکھنا لازم ہوگا لہٰذا اگر بآسانی زمین ہی وصول ہوسکتی ہے تو معاوضہ وصول نہ کیا جائے، کیونکہ واقف کی شرط کی رعایت کرنا واجب ہوتی ہے۔

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

لہٰذا زمین ہی واپس لے لی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۰۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۷؍۱۴۱۵ھ

مسجد کی زمین بضرورت فروخت کرنا

سوال [۷۶۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کی موقوفہ آراضی جو کسی وقت قابل کاشت تھی اب اس کے چاروں طرف رائس ملز کے بن جانے سے قابل انتفاع نہیں رہی، اہل محلّہ کی خواہش ہے کہ اس آراضی کو

فروخت کر کے کسی اور جگہ آراضی خرید لی جائے، معلوم کرنا یہ ہے کہ اس طرح کی تبدیلی شرعاً درست ہے یا نہیں؟ چونکہ آراضی کی مالیت تو رائس ملز کے درمیان واقع ہونے سے بہت بڑھ گئی ہے مگر کاشت ہونا بند ہوگئی ہے جس کی وجہ سے مسجد کی آمدنی بالکل ختم ہوگئی اور فروختگی کی صورت میں آراضی دوگنا بڑھ جائے گی، اور آمدنی بھی بہتر ہو جائے گی، امید ہے کہ جواب تسلی بخش عنایت فرمائیں گے۔

المستفتی: مولانا عبدالغفور صاحب ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مذکورہ آراضی سے مسجد کی آمدنی بالکل ختم ہورہی ہے تو اس زمین کو فروخت کر کے مسجد کی آمدنی کے لیے کوئی دوسری اچھی زمین خرید لینا اور مسجد کے نام وقف کر دینا جائز اور درست ہے، البتہ مسجد کی کمیٹی کی اجازت بھی اس میں لازم ہے۔

والثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيئ أصلا ولا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز وعلى الأصح، إذاكان بإذن القاضي. (شامی، کتاب الوقف مطلب فی استبدال الوقف و شروطه، کوئٹه ۳/٤٢٤، کراچی ٤/٣٨٤، زکریا ٦/٥٨٣، البحر الرائق کوئٹہ ٥/٢٢٣، زکریا ٥/٣٧٣، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۳۲)

مسجد کی خستہ زمین فروخت کر کے دوسری زمین خریدنا

سوال [۷۶۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قطعۂ زمین جو مسجد کی ہے باپ دادا کے زمانہ سے متولی کے نام سے چلی آرہی ہے، متولی اس کو فروخت کر کے مسجد کی دوسری آراضی پر مسجد کے لیے مکانات تعمیر کرانا

چاہتا ہے آیا ایسی زمین فروخت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

نوٹ: مسجد کی مذکورہ زمین بیکار پڑی ہے آبادی کے قریب ہے اور تالاب کے کنارے ہے اس آراضی سے لوگ مٹی کھودتے ہیں کچھ حصہ تالاب ہوگیا ہے تو اس زمین کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور فروخت کرنے کے بعد حاصل شدہ رقم سے مسجد کی دوسری آراضی پر مسجد کے لیے مکانات تعمیر کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حامد علی، خادم ارشاد العلوم ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ زمین سے مسجد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے تو اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے دوسری ایسی زمین خریدنا جائز ہے جس سے مسجد کو مستقل فائدہ پہنچتا رہے لیکن فروخت شدہ زمین کی قیمت اور پیسہ کو تعمیر وغیرہ میں لگانا جائز نہیں ہے۔

سئل الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولی بیعها و یشتری بثمنها أخریٰ قال نعم (إلی قوله) وإذا صار الوقف بحیث لا ینتفع به المساكین فللقاضی أن یبیعه و یشتری بثمنه غیرہ. (فتح القدیر، کتاب الوقف فصل و إذا بنی مسجدا لم یزل ملکه عنه، دار الفکر بیروت ٦/ ٢٣٧، کوئٹه ٥/٤٤٧، زکریا ٦/٢٢٠، بنایة قدیم ٢/١٠٧، جدید اشرفیه دیوبند ٧/٤٥٩، هکذا فی البحر کوئٹه ٥/٢٥٢، زکریا ٥/٣٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸رمحرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۲۹۴/۳۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۱۸ھ

کیا مسجد شرعی بننے کے بعد اسے بیچا نہیں جاسکتا؟

سوال [۷۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج سے تینتالیس سال قبل یعنی ۱۹۵۵ء میں پورے عوام الناس کی اتفاق رائے

سے چار گھٹ زمین تعمیر کے لیے خریدی گئی، ابھی تعمیر زیر غور رہی تھی، کہ عرصہ پانچ سال گذر گیا، دریں اثناء زید نے اپنی متنازعہ زمین میں سے ایک گھٹ زمین تعمیر مسجد کے لیے وقف کردیا جو مجوزہ چار گھٹ سے کافی دور الگ ہے، باتفاق رائے زید کی دی ہوئی زمین ایک گھٹ پر کچے گارے کی کھپڑ اپوش مسجد تعمیر ہوگئی، تقریباً چالیس سال سے باقاعدہ پانچ وقت کی نماز واذان جمعہ قائم ہے دریں اثناء مجوزہ چار گھٹ مسجد کی زمین اتفاق رائے سے بکر کو ایک بیگھہ زمین کے بدلے دیدی گئی جس میں انہوں نے مکان تعمیر کرلیا، ایک بیگھہ زمین کی آمدنی مسجد موجودہ کے فنڈ میں آتی ہے اور اب چالیس سالہ قائم کی ہوئی کچی مسجد سے پچھّم تقریباً چالیس گز کی دوری پر جبریہ دو گھٹ زمین خرید کر ایک پختہ مسجد کی بنیاد ڈال دی گئی ہے جو زیر تعمیر ہے، بار بار ایسا کرنا کیا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے؟ اور کون سی مسجد صحیح ہوگی؟

المستفتی: محمد رستم علی بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو زمین مسجد کے لیے وقف ہوچکی ہے اور اس میں کچی تعمیر کر کے نمازیں بھی شروع ہوچکی ہیں وہ زمین ہمیشہ کے لیے مسجد کی رہے گی قیامت تک مسجد کے علاوہ اس زمین کو کسی دوسرے کام میں لانا جائز نہیں ہے، پختہ مسجد اسی زمین پر بنانی چاہیے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذٰلک لم يصدق...... فإذا كان هذا في الوقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئا منه مستغلا ولا سكنى. (در مختار، كتاب الوقف قبيل مطلب: فيما لو خرب المسجد او غيره، زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۴۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۱۵ھ

مسجد شرعی کے تحقق کے بعد اس کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۷۶۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر نیچریال ضلع عادل آباد محلّہ رحمت نگر میں ۱۹۸۴ء میں ایک دینی درسگاہ بچوں کی تعلیم کے لیے بنوائی گئی تھی، یہ درسگاہ جو سیمنٹ کے ٹین شیڈ سے بنائی گئی تھی، جامع مسجد کافی دور ہونے کے باعث ہم تمام اہلیان رحمت نگر اس میں پنج وقتہ نمازیں وجمعہ وغیرہ بھی ادا کرنے لگے اور آج تک مستقل ادا کر رہے ہیں اور اس کا نام مسجد نورین دے دیا لیکن یہ عمارت شہر سے بالکل ہٹ کر متصل آبادی کے ایک نشیبی جگہ پر واقع ہے، جو ایک چھوٹی ندی کا ساحل بھی ہے قریب ہی گوداوری ندی واقع ہے، زیادہ بارش ہونے کی صورت میں طغیانی کا پانی مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اور تقریباً ۴/فٹ اونچائی تک ہو جاتا ہے پانی ختم ہونے تک دو تین دنوں تک اس میں نماز ادا نہیں کر سکتے، اس لیے اہلیان محلّہ ومصلیان مسجد کا ارادہ ہے کہ اس ٹین شیڈ کو صرف مدرسہ کی حد تک رکھ کر مسجد کہیں اندرون محلّہ اونچے مقام پر تعمیر کر لیں اس پریشانی کے باعث اس عمارت جس کا نام مسجد نورین دیدیا گیا ہے یہ مدرسہ میں منتقل کر کے دوسری جگہ مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر عمارت مذکورہ کو مدرسہ میں منتقل کرنا ناجائز ہے تو پھر اس پریشانی میں کیا کریں، جبکہ بارش کے ایام میں پانی مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کی عمارت متاثر ہونے کے ساتھ ساتھ کئی دنوں تک ہم لوگ اس میں نماز بھی ادا نہیں کر سکتے؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: سید مصطفیٰ علی رحمت نگر ضلع عادل آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ عمارت مسجد کی نیت سے نہیں بنائی گئی تھی بلکہ ضرورت کی بناء پر وہاں نماز کا سلسلہ شروع ہوا ہے اور نہ ہی بعد میں ذمہ داران نے اس کو ہمیشہ کی مسجد میں تبدیلی کی نیت کی ہے بلکہ وقتی ضرورت کے لحاظ سے جمعہ وپنج گانہ نماز

اس میں ادا کی جا رہی ہے تو وہ شرعی مسجد نہیں ہے اس کو دوسری ضروریات کیلئے منتقل کرنا جائز ہوگا لیکن اگر تعمیر کے وقت مسجد کی نیت کی گئی ہے یا بعد میں مسجد میں منتقل کرنے کی نیت کی جا چکی ہے تو پھر اس کو کسی دوسری چیز میں منتقل کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ ہمیشہ کے لیے وہ مسجد ہی رہے گی اب لوگ خود اس بارے میں خود غور فرمائیں کہ حقیقت کیا ہے؟

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذٰلک لم يصدق.

(در مختار، کتاب الوقف قبیل مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره، زکريا ٥٤٨/٦، کراچی ٣٥٨/٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٦/١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۵؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۰۰)

تعمیر مسجد کے لیے زمین کو فروخت کرنا

سوال [۷۶۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری بستی میں ایک پرانی مسجد ہے جس کی پرانی عمارت کو توڑ کر از سر نو بنانے کا ہم نے فیصلہ کیا ہے مگر غربت کی وجہ سے بستی والوں کو اتنی مالی قدرت نہیں ہے کہ باہمی چندہ دے کر اسے جدید بنا سکیں، اس لیے مسجد کے متولی صاحب نے ساری بستی والوں سے مشورہ کر کے مسجد کی وقف زمینوں میں سے دو زمینوں کو بیچ دیا اور اسی روپیہ سے تجدید کے کام کو شروع کیا، مذکورہ دونوں زمینوں کو ایک مسلمان نے وقف کیا تھا، جن کا بہت برس پہلے انتقال ہو چکا ہے، اور حال میں مرحوم کی نہ کوئی اولاد باقی ہے نہ کوئی ہم عمر نہ کوئی ایسا شخص جس سے ہم یہ بات معلوم کر سکیں کہ مرحوم نے دونوں زمینوں کو عدم فروخت کی شرط پر وقف کیا تھا، یا مطلقاً مسجد کی اعانت کے لیے وقف کیا تھا، پھر دونوں زمینوں میں سے ایک زمین مسجد سے بہت دور ایک پہاڑی بستی میں تھی، جس کی کوئی رجسٹری وغیرہ ہمارے پاس نہیں تھی صرف زبانی ہبہ مسجد کے نام تھا، وہاں کے لوگ اسے خالی پا کر آباد کرتے تھے، اور ہر سال کچھ غلہ مسجد

کو دیتے تھے، اگر کبھی اس کو آباد کرنے والے یا ان کے بعد ان کی اولاد اپنی زمین ہونے کا دعویٰ کرے اور ہماری ہونے کا انکار کردے تو ہم اس زمین کو واپس لینے میں نا کام ہو جائیں گے۔

اسی طرح اگر انہوں نے اسے بیچ ڈالا تب بھی کوئی چارہ نہیں، کیونکہ زمین کی دلیل ہمارے پاس نہیں ہے، اور قوت بازو بھی وہاں کار آمد نہ ہوگی، اس لیے ہم نے اسے آباد کرنے والوں کے ہاتھ بیچ دیا اور دوسری زمین جو ہم نے بیچی تھی وہ ایک مدرسہ کے قریب تھی مدرسہ کا میلا پانی اور بیت الخلاء کی نالی اس زمین کے کنارے پر ہے جس کی وجہ سے زمین سال بھر گندے پانی سے بھری رہتی ہے اور وہاں کھیتی وغیرہ کرنے کا بند وبست نہیں ہے، جس کی وجہ سے وہ سالہا سال سے بیکار پڑی ہوئی تھی، اس لیے ہم نے مدرسہ والوں کے ہاتھ زمین کو بیچ دیا انہوں نے خرید کر اسے میلے پانی کیلئے چاہ بنا دیا تو دونوں زمینوں کو بیچ کر ہمیں ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ ملا جو سارا روپیہ تجدید کے کام میں صرف ہو گیا صرف بیس ہزار روپیہ اب تک باقی ہے، جو بقیہ کام میں خرچ ہوگا، اب ہم خدام اس ارشاد گرامی کے انتظار میں ہیں کہ:

(۱) مذکورہ علت پر ہمارا ان دونوں زمینوں کو بیچنا جائز ہوا یا نہیں اور اس روپیہ کو تجدید کے کاموں میں خرچ کرنا جائز ہوا یا نہیں؟

(۲) اگر جائز نہیں ہوا تو اب اس جبرِ نقصان کی کیا صورت ہے؟ کیونکہ ایک لاکھ روپیہ کو باہمی چندہ سے جمع کرنا بستی والوں کی طاقت سے باہر ہے؟

(۳) اس جدید مسجد میں نماز بلا کراہت جائز ہوگی یا نہیں؟ جبکہ مسجد کے اندرونی صحن کی آدھی تعمیر اسی روپیہ سے ہوئی ہے، اور بقیہ آدھا صحن اب تک پرانا ہے، اور جب پورا صحن اسی روپیہ سے بنے گا تب ادائے نماز کا کیا حکم ہوگا؟

(۴) بقیہ روپیہ کو تجدید کے کام میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں یا اور کچھ کرنا ہے؟

المستفتی: مسٹر محمد کرامت علی متولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) جن دو زمینوں کا سوالنامہ میں ذکر ہے ان میں سے پہلی والی زمین سے مسجد کے منافع کا سلسلہ جاری تھا، لیکن کاغذی اور سندی

اعتبار سے مسجد کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں تھا، اس لیے زمین کے بارے میں ہونا یہ چاہیے تھا کہ ذمہ داران مسجد سرکاری طور پر اس زمین کو رجسٹری کرا لیتے، لیکن ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ اس زمین کو فروخت کر دیا گیا، لہٰذا اب اہل مسجد پر لازم ہے کہ جتنے پیسے میں اس زمین کو فروخت کر کے مسجد کی تعمیر کی ہے اتنے پیسے میں دوسری زمین خرید کر مسجد کے نام رجسٹری کرا لیں تاکہ ہمیشہ کے لیے اس زمین کے منافع مسجد کے لیے آتے رہیں، اگر فی الحال گنجائش نہیں ہے تو آئندہ دیر سویر یہ کام کرنا اہل مسجد پر لازم ہے۔

اور دوسری زمین کی حیثیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مسجد کے منافع سے خارج ہو چکی ہے، تو ایسی زمین کے بارے میں اس بات کی گنجائش ہے کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری ایسی زمین مسجد کے نام سے خرید کر رجسٹری کرا لی جائے جس سے مسجد کو ہمیشہ نفع پہنچتا رہے، مگر یہاں ایسا نہیں کیا گیا بلکہ اس پیسہ کو مسجد کی تعمیر میں خرچ کر دیا گیا، لہٰذا اب ذمہ داران مسجد پر یہ بات لازم ہے کہ دیر سویر مسجد کے نام سے چندہ جمع کر کے اتنے پیسہ سے دوسری زمین خرید کر مسجد کے نام رجسٹری کرا لیں جتنا پیسہ فروخت شدہ زمین کا مسجد کی تعمیر میں خرچ ہو چکا ہے۔

(۳) جب یہ بات طے کر لی جائے گی کہ وقف شدہ زمین کی قیمت جو مسجد میں لگائی گئی ہے اتنی قیمت کی دوسری ایسی زمین مسجد کے نام خرید کر رجسٹری کرا دی جائے گی جو مسجد کے لیے نفع مند ہو اور اس کے منافع مسجد کے لیے ہوں اور یہ بات باضابطہ تحریر میں بھی آ جائے اور اس سلسلے میں کوشش بھی شروع کر دی جائے تو تعمیر کی ہوئی مسجد میں نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی۔

(۴) جو روپیہ بچا ہوا ہے اس کو آگے کی تعمیر میں خرچ نہ کیا جائے، بلکہ زمین خریدنے کے لیے باقی رکھا جائے

والظاهر عدم اشتراط اتحاد الجنس في الموقوفة للاستغلال لأن المنظور فيها كثرة الريع وقلق المرمة والمؤنة فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع و يحصل منها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن لأن الأرض أدوم

وأبقى و أغنى عن كافة الترميم والتعمير بخلاف الموقوفة للسكن لظهور أن قصد الواقف الانتفاع بالسكن ولايخفى أن هذه الشروط فيما لم يشترط الواقف استبداله لنفسه أو غيره. (شامی، کتاب الوقف مطلب فی شروط الاستبدال، کراچی ٤/٣٨٦، زکریا ٦/٥٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۹۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۲۹ھ

تعمیری ضرورت کے پیش نظر مسجد کا مکان فروخت کرنا

سوال [۷۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہماری مسجد (مسجد قریشیان) کا ایک مکان ہے جس کو مسجد نے خریدا ہے اور اس کا بیعنامہ بحیثیت متولی متولی مسجد کے واسطے مسجد کے نام ہے اب کمیٹی تعمیری ضرورت کے پیش نظر اس کو فروخت کرنا چاہتی ہے، تو کیا اس کو فروخت کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ یہ مکان خریدا ہوا ہے، وقف نہیں ہے اور فروختگی کے لیے اعلان کرنا ضروری ہے یا خاموشی سے بیچنا صحیح ہے؟

(۲) اس مکان کو پہلے مکان مالک نے زید کے ہاتھ فروخت کیا مگر ایفائے وعدہ نہ ہونے کی وجہ سے اس سے بیع کا معاملہ ختم ہوا اور مسجد کے نام چندہ کے ذریعہ سے کمیٹی نے خریدا تو کیا یہ خریدنا صحیح ہے؟

(۳) اس مکان پر زید قابض ہے مسجد نے نہ اس کو کرایہ پر رکھا ہے اور نہ ہی اس کو کرایہ کی رسید دی جاتی ہے اور زید مکان خالی نہیں کر رہا ہے، تو ایسی شکل میں مسجد کی کمیٹی کی کیا ذمہ داری ہے؟

(۴) کمیٹی مسجد اس مکان کو مسجد کے لیے اپنے آپ کو جھگڑا سے بچا کر اس زید کی خاطر کل مالیت کی تہائی رقم لے کر اس کو فروخت کرسکتی ہے، جبکہ دوسرے خریدار کل مالیت کی نصف یا اس سے بھی زیادہ رقم دینے کیلئے آمادہ اور تیار ہیں اور کہتے ہیں کہ مکان ہمارے نام فروخت کرو ہم مسجد کے فائدے کے لیے زیادہ سے زیادہ رقم دیں گے، اب کمیٹی تہائی پر

فروخت کرسکتی ہے یا اس سے زائد رقم دینے والے کے ہاتھ فروخت کرنا یا مکان عدالت کے ذریعہ سے خالی کراکر بڑی رقم سے بیچنا ضروری ہے؟

(۵) بعض ممبران کمیٹی کہتے ہیں کہ عدالت کی کیا ضرورت ہے، مسجد کا مکان ہے کون پریشان ہوگا اور بعض مصر ہیں اب کونسی راہ اختیار کی جائے؟

(٦) اگر کمیٹی مسجد اپنے آپ کو جھگڑے یا عدالت کی پریشانی سے بچا کر مسجد کا مکان بہت کم قیمت میں فروخت کردے یا مسجد کی آراضی کی دیکھ بھال نہ کرے تو کیا اللہ کے یہاں اس کی پکڑ ہوگی کیا اس کے لیے کوئی زبردست وعید ہے؟

المستفتی: کمیٹی مسجد قریشیان، محلّہ رانڈ ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب مسجد نے اس کو خریدا ہے تو بوقت ضرورت مسجد اس کو فروخت بھی کرسکتی ہے اس میں کوئی قباحت نہیں البتہ کم قیمت میں فروخت نہ کیا جائے جس سے مسجد کا نقصان ہو، نیز فروخت کرنے کے لیے اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ قیمت بڑھانے کے لیے اعلان کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

لابأس ببیع من یزید الخ. (هدایه، کتاب البیوع باب البیع الفاسد فصل فیما یکره، اشرفی دیوبند ۳/٦٦)

(۲) زید کے ساتھ معاملہ ختم ہوچکنے کے بعد اگر مسجد نے خریدا ہے تو عقد صحیح ہوچکا ہے اور زید پر لازم ہے کہ مسجد کا مکان فوراً خالی کردے اگر زید نے صاحب مکان کی شرائط پوری نہ کرسکنے کی وجہ سے خریدا نہیں ہے، اور مسجد نے شرائط پوری کرکے خریدا ہے یا صاحب مکان نے اپنی طرف سے مسجد کے حق میں کچھ رعایت کی ہے پھر مسجد نے خریدا ہے تو یہ بیع بھی ''**من یزید**'' کے دائرہ میں داخل ہوکر صحیح ہوگئی ہے۔

وأما إذا لم یرکن أحدهما إلی الآخر فهو بیع من یزید. (هدایه، اشرفی دیوبند ۳/٦٦)

(۳) جب مسجد نے زید کو کرایہ پر نہیں دیا ہے تو زید کا اس مکان پر قبضہ جمائے رکھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بغیر إذنه. (قواعد الفقه ۱۱۰)

(۴) پہلے کمیٹی کے لوگ اس کا خیال کریں کہ اگر اپنا مکان ہوتا تو اتنی کم قیمت میں فروخت کر دیتے یا نہیں جبکہ مسجد کی جائیداد کی اپنی ذاتی جائیداد سے زیادہ حفاظت کرنا لازم ہے اس لیے کم قیمت اور مسجد کو نقصان پہنچا کر فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ زیادہ سے زیادہ قیمت میں فروخت کرنا لازم ہوگا۔

فلایجوز بالأقل أی لایصح إذا کان بغبن فاحش. (شامی، کتاب الوقف مطلب: لا یصح إیجار الوقف، کراچی ۴/ ۴۰۲، زکریا ۶/ ۶۰۸)

(۵) اگر عدالت کے ذریعہ خالی کرانے میں مسجد کا فائدہ ہے تو عدالت مجاز سے رابطہ قائم کرنا لازم ہوگا۔

(۶) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسجد کی جائیداد کے لیے عدالت کی کیا ضرورت ہے؟ تو نقصان کی صورت میں وہ اپنی ذاتی جائیداد کے بارے میں کیا طریقہ اختیار کریں گے؟

(۷) اگر موجودہ کمیٹی کو مسجد کی جائیداد اور مالیت کی حفاظت از خود یا عدالت مجاز کے ذریعہ سے نہیں کر سکتی تو ان کو دست بردار ہونا چاہیے، اور جو لوگ اس کی اہلیت رکھتے ہیں ان کو یہ ذمہ داری انجام دینا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۳/ ۱۴۱۷ھ

مسجد کے پرانے ملبے کا حکم

سوال [۷۶۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کسی مسجد کی تعمیر نو کی جائے تو اس کے پرانے ملبے جیسے اینٹ روڑہ مٹی

وغیرہ کوکہیں بھی پھینکا جاسکتا ہے یا اس کے لیے کوئی شرط ہے؟

(۲) پرانے سامان میں سے لوہا چوکھٹ، کواڑ وغیرہ جو موجودہ تعمیر میں کام نہ آرہے ہوں تو کیا ان کو فروخت کر کے اس کا پیسہ موجودہ تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے؟

المستفتی: صمد الٰہی محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسجد کے پرانے پتھر اینٹ روڑہ مٹی وغیرہ جو مسجد کے کسی استعمال میں نہیں لائے جاسکتے وہ بھی قابل احترام ہیں، اس لیے ان کو ایسی جگہ پھینکنا کہ جس سے بے ادبی لازم آئے مناسب نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کو فروخت کردیا جائے کہ جو بیت الخلاء وپیشاب خانہ کے علاوہ عمارت کے دوسرے کام میں لے آئے اور اگر فروخت نہ ہوسکے تو ایسی جگہ پر ڈال دیں جہاں ناپاکی وغیرہ کی وجہ سے بے ادبی لازم نہ آئے۔ (مستفاد: رحیمیہ قدیم ۹/ ۱۹۷، جدید زکریا ۹/ ۱۵۲)

ولاترمی براية القلم المستعمل لاحترامه كحشيش المسجد و كناسته لايلقى فى موضع يخل بالتعظيم. (در مختار على الشامى، كتاب الطهارة كراچى ۱/ ۱۷۸، زكريا ۱/ ۳۲۲)

(۲) مسجد کی چوکھٹ، کواڑ وغیرہ متولی اور کمیٹی مسجد کی اجازت سے فروخت کر کے اس رقم کو مسجد کے استعمال میں لانا جائز ہے، لیکن لینے والے کو یہ ہدایت کردی جائے کہ اس کو بیت الخلاء و پیشاب گھر میں استعمال نہ کرے تاکہ سوء ادبی لازم نہ آئے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۶/ ۲۰۷، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۴۷۳)

ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه للاحتياج وقدمنا أنه لافرق بين المتولي والحاكم فى الإجارة والتعمير فكذا فى النقض قال فى الهداية: و إن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع و صرف ثمنه إلى مرمة صرفا للبدل إلى مصروف المبدل. (البحر الرائق، كتاب الوقف، زكريا ۵/ ۳۶۷، كوئٹه ۵/ ۲۱۹ تا ۲۲۰)

ویصرف إلی عمارته إن احتاج و إلا حفظ إلی وقت الحاجة و إن تعذر صرف عینه یباع و یصرف ثمنه إلیها. (ملتقی الأبحر، دار الکتب العلمیة بیروت ۵۸۹/۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۹۰/۳۵)

مسجد فروخت کردینا اور سامانِ مسجد اپنے کاروبار میں لگانا

سوال [۷۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے کچھ لوگوں کو جمع کرکے ایک مسجد تعمیر کرائی جس میں مقامی وبیرونی چندہ جمع کیا گیا، مسجد کے نام پر اور ایک عرصہ تک تقریباً ڈھائی سال تک مسجد میں آذان ونماز برابر ہوتی رہی اور رمضان المبارک میں قرآن پاک بھی ہوا لیکن بعد میں یہ مسجد آپسی اختلاف کا شکار ہوگئی، مسجد میں اذان ونماز ہونی بند ہوگئی، اور مسجد ویران پڑی رہی، کچھ دن بعد زید نے یہ مسجد فروخت کردی اور مسجد کی اینٹ اور رقم سے اپنا مستقل کاروبار شروع کردیا ہے، تو اس صورت میں شریعت زید کے بارے میں کیا حکم دیتی ہے، اس کے گھر کا کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور شادی بیاہ میں شرکت کرنا مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں، اور اس کا چندہ لینا دوسری مسجد کے لیے کیسا ہے؟ اسکا شریعت کیا حکم دیتی ہے، کیا وہ مسلمان ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد انور مدرسہ اسلامیہ عربیہ مفتاح العلوم بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب باقاعدہ مسجد بن چکی ہے، اور اس میں باقاعدہ نماز ہوچکی ہے، تو وہ شرعی مسجد بن چکی ہے، اب وہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی، کوئی انسان اس مسجد کا مالک نہیں ہوسکتا، لہٰذا مذکورہ صورت میں مسجد کی بیع ختم کرکے مسجد کو اپنی حالت میں لوٹانا تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے اگر متولی نہ مانے تو حکومت سے احتجاج کرکے

مسجد کو بحال کرانا لازم ہوگا۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع إلى قوله ولو خرب ما حوله و استغنٰى عنه يبقى مسجداً عند الإمام، والثاني أبداً إلى قيام الساعة و به يفتى. در مختار ،كتاب الوقف قبيل فيما لو خرب المسجد أو غيره، كراچی ٤/ ٣٥٨، زكريا ٦/ ٥٤٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/ ٢٩٦)

نیز جب تک متولی مسجد کو نہ لوٹائے اس کا بائیکاٹ کرنا درست ہوگا۔

﴿وَلا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. [هود: ١١٣]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ر رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۳۶)

مسجد کی زمین فروخت کر کے دوسری جگہ خریدنا

سوال [۷۶۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اب سے تقریباً چالیس سال قبل جب عام سرکاری زمین کی چک بندی ہوئی تھی، تو موضع نعمت پور کے کم و بیش چالیس کاشتکاروں نے مشترکہ طور پر اپنی مسجد کے اخراجات صف، لوٹے، تعاون امام وغیرہ کی غرض سے ساڑھے تین بیگھہ خام تہائی آراضی چھوڑوائی تھی، جو اسی بستی کی ۵۴ ر سالہ معروف دینی درسگاہ مدرسہ انوار القرآن نعمت پور کی جنوبی دیوار سے بالکل ملحق ہے، مدرسہ مذکورہ کو اس زمین کی اپنی تعلیمی وتنظیمی شعبہ جات کی ترقیات کے لیے بہت اشد ضرورت ہے اس لیے کہ زمین مذکور کے علاوہ کوئی دوسری زمین مدرسہ کے آس پاس کسی بھی طرف نہیں ہے کہ جس سے مدرسہ کی روز افزوں ترقیاتی منصوبوں کی تعمیر وتکمیل ہو سکے، کیونکہ مدرسہ کے مشرق میں سرکاری پختہ سڑک مغرب میں قبرستان شمال میں عام سرکاری راستہ ہے، بس یہی زمین ہے جو مدرسہ کی جنوبی دیوار سے ملی ہوئی ہے، اس میں فی الحال مسجد کی طرف سے بشکل ٹھیکہ کاشت ہو رہی ہے جس سے مسجد کی

ضروریات اور مدرسہ کی حدود اربعہ میں گنجائش نہ ہونے کی مجبوری کی بنا پر مدرسہ کی طرف سے مسجد کی اس زمین کے تبادلہ میں ایسی زمین جو مذکورہ زمین سے زیادہ قیمتی زیادہ پیداوار دینے والی یعنی آمدنی میں اضافہ کرنے والی ہو برائے مصارف مسجد مذکورہ کو دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ اہل بستی متولیٔ مسجد اور ارباب مدرسہ باہم متفق ہوں؟

المستفتی: عبدالغفور سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد ومدارس کی وہ جائیداد جس کو مسجد یا مدرسہ نے ازخود خریدی ہے اس کو تو انفع کو پیش نظر رکھتے ہوئے فروخت کر کے اس کے عوض دوسری زمین خریدے یا کسی اور ضروریات میں لگائے تو یہ جائز ہے، لیکن مسجد یا مدرسہ کی وہ جائیداد جس کو کسی شخص واحد نے دی ہے یا مشترک لوگوں نے دی ہے وہ وقف کے حکم میں ہو جاتی ہے، پس چک بندی میں جو جائیداد مسجد کو حاصل ہوئی ہے وہ بھی وقف کے حکم میں ہوگی، لہٰذا اگر اس سے کسی بھی درجہ کا نفع مسجد کو حاصل ہوتا ہے تو اس کو فروخت کرنے کی اجازت نہ ہوگی ہاں البتہ چک بندی کے موقعہ پر جن جن لوگوں کی زمین کا حصہ مسجد کی اس زمین میں آیا ہے ان سب لوگوں کی مرضی اور اجازت سے اس تبدیلی کی گنجائش ہوسکتی ہے، اور یہ خیال رکھا جائے کہ نعمت پور ہی سے تبادلہ والی زمین دی جائے، اور انفع بھی ہو اور یہ واقفین کی اجازت کے ساتھ مقید کر کے لکھا جا رہا ہے، نیز دوسرے علماء سے بھی رائے معلوم کرلی جائے تو اچھا ہے۔

مبادلة دار الوقف بدار أخریٰ إنما یجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو تکون المحلة المملوکة خیرا من المحلة الموقوفة و علی عکسه لایجوز و إن کانت المملوکة أکثر مساحة و قیمة و أجرة لاحتمال خرابها فی أدون المحلتین لدنائتها و قلة رغبات الناس فیها. (البحر الرائق، کتاب الوقف کوئٹه ٥/٢٢٣، زکریا ٥/٣٧٣، شامی کراچی ٤/٣٨٦، زکریا ٦/٥٨٦، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٢/٥٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۲۹ھ

مسجد کے نام پر دیئے گئے پلاٹ کو فروخت کر کے رقم دوسری مسجد میں لگانا

سوال [۷۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۱۹۴۶ء میں شہر ناگپور سے دور ایک کھیتی کی زمین پر مسلمان بھائیوں نے ایک لے آؤٹ ڈالا اور اس میں بڑے بڑے پلاٹس ڈالے گئے، اس زمین پر مسلم آبادی بسانے کی غرض سے پلاٹ ڈالے گئے، اور ایک بڑا پلاٹ لے آؤٹ مالک نے مسجد کے لیے ایک شخص کے نام رجسٹری کردی، اس رجسٹری میں یہ تحریر ہے کہ اس پلاٹ کو فروخت نہیں کر سکتے، لیکن افسوس کہ اس خطۂ زمین پر مسلمان آبادی نہیں بٹھائی جاسکی، ہوا یوں کہ یہاں پر دوسرے مذہب کے لوگوں نے پلاٹس خرید کر مکانات تعمیر کیے اور وہ لوگ یہاں آباد ہوگئے۔

خاص بات یہ ہے کہ اس لے آؤٹ پر ایک پلاٹ مسجد تعمیر کرنے کی غرض سے رکھا گیا لیکن آج تک یہاں مسجد تعمیر نہیں کی جاسکی، کیونکہ یہاں پر مسلم آبادی بہت کم ہے، اس پورے لے آؤٹ میں مشکل سے مسلمانوں کے رہائشی چھ سات مکانات ہیں، مسجد کی تعمیر کے مقصد سے رکھا گیا یہ پلاٹ زید کی نگرانی میں تھا، زید کے انتقال کے بعد اس پلاٹ کی نگرانی کا ذمہ زید کے رشتہ دار بکر کے ہاتھوں میں آگیا لیکن بکر کا انتقال بھی ہوگیا، اور فی الحال اس پلاٹ کی نگرانی کی ذمہ داری بکر کے بیٹے عمر کے ہاتھوں میں ہے، اس پلاٹ کی نگرانی اس کے ٹیکس وغیرہ کی ادائیگی پہلے زید پھر بکر اور آج تک عمر کے ہاتھوں میں ہے۔

زمین کی بڑھتی ضرورت اور بڑھتی قیمتوں کے اس دور میں اس پلاٹ پر دوسرے مذاہب کے لوگوں پر بری نظر ہے، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پلاٹ کو ان کے حوالہ کردیا جائے تاکہ یہ لوگ اس پلاٹ پر اپنی عبادت گاہ بنالیں، اس رمضان شریف کے آخری عشرہ میں غیر مذہب کے چند شر پسند عناصر نے ناجائز قبضہ کر کے اس پلاٹ پر ایک مورتی نصب کر کے پوجا پاٹ کرنا شروع کردیا تھا، لیکن عمر اوران کے ساتھیوں کی وجہ سے کافی محنت اور

جدوجہد کے بعد اس پلاٹ کوکسی صورت میں ناجائز قبضہ سے آزاد کیا گیا۔

ایسے دشوار کن حالات میں مسجد کے اس پلاٹ کی نگرانی ایک دشوار کن مسئلہ بن گیا ہے مندرجہ بالا حالات میں کیا یہ ممکن ہے کہ مسجد کے نام پر رکھے گئے اس پلاٹ کو فروخت کردیا جائے اوراس سے حاصل ہوئی رقم کوکسی دوسری مسجد میں دیدیا جائے؟

المستفتی: عبدالمجید رنسورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جوحالات پیش کیے گئے ہیں اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ مذکورہ پلاٹ میں اب تک مسجد تعمیرنہیں کی گئی ہے،لہٰذا وہ پلاٹ شرعی مسجد کے دائرے میں نہیں آیا،اور بعد میں مسجد تعمیر کی بھی جائے تو خطرات سے خالی نہیں ہے،تو ایسی صورت میں ایسا کرنا جائز ہے کہ اس پلاٹ کوفروخت کرکے جہاں مسلمانوں کی آبادی کی کثرت ہے وہاں پراس پیسے سے مسجد تعمیر کرلی جائے۔

اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه: والثاني أن لايشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيئ أصلا.

(شامی، کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف و شروطه، کراچی ٤/٣٨٤، زکریا ٦/٥٨٤)

أفتى به الإمام أبو شجاع و الإمام الحلواني وكفى بهما قدوة ولاسيما في زماننا فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل يأخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد و كذٰلک أو قافه يأكلها النظار أو غيرهم. (شامی زکریا ٦/٥٥٠، کراچی ٤/٣٦٠)

سئل شيخ الاسلام عن أهل القرية افترقوا و تداعى مسجد القرية إلى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشب المسجد وينقلونه إلى ديارهم هل لواحد من أهل القرية أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسک الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد قال: نعم الخ.

(هندیه، زکریا قدیم ۲/ ۴۷۹، جدید ۲/ ۴۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ شوال المکرّم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۲ھ

مسجد بنانے کی غرض سے خریدی گئی زمین کی قیمت ادا کرنے سے قبل مسجد کی تعمیر

سوال [۷۶۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک زمین جس کا معاہدہ ہوا ہے، اور جس نے اس زمین کو لیا تھا اس کا تقریباً تین سال پہلے انتقال ہوگیا اس کی والدہ اور اس کے بھائی اس زمین پر مسجد بنوانا چاہتے ہیں تو کیا وہ مسجد بنوا سکتے ہیں، جبکہ اس کی رجسٹری نہیں ہوئی ہے، اور پیسہ زمین کا باقی ہے زمین والا کہتا ہے پہلے میرا حساب کرو، پھر مسجد بنواؤ جب تک میرا پیسہ ادا نہیں کرو گے مسجد بنانے کی اجازت نہیں دوں گا، تو کیا ایسی مسجد میں نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی بشیر احمد صاحب محلّہ کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک زمین والے کا پیسہ مکمل ادا نہ کیا جائے اس وقت تک اس کی رضامندی کے بغیر وہاں مسجد کا بنانا جائز نہ ہوگا، اگر بنالی جائے تو پیسہ ادا کرنے تک اس مسجد میں نماز مکروہ ہوتی رہے گی۔

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص: ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۸/۱۶ھ

مدرسہ کی زمین کس کے ہاتھ فروخت کی جائے

سوال [۷۶۹۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ کی زمین کا تھوڑا سا ٹکڑا ہے جس کو مدرسہ کے صدر اور زیادہ تر اراکین کمیٹی حافظ محمد شفیع کو فروخت کرنا چاہتے ہیں اور زمین کا یہ حصہ لمبی مدت سے حافظ محمد شفیع کے قبضہ میں بھی ہے وہی اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں جبکہ کمیٹی کے قلیل ممبران اس زمین کو حافظ محمد شفیع کے بھائی محمد وجیہ کو فروخت کرنا چاہتے ہیں، تو کیا ان تھوڑے اور تعداد میں کم ممبران کا اس زمین کو صدر اور بیشتر ممبران کی اجازت کے بغیر محمد وجیہ کو فروخت کرنا جائز ہے؟

المستفتی: مستری محمد نبی ٹانڈہ بادلی، رامپور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرسہ کی مذکورہ زمین مدرسہ کے نام سے وقف ہے تو اس کو بیچنا ہی جائز نہ ہوگا نہ محمد وجیہ کے ہاتھ نہ محمد شفیع کے ہاتھ اور اگر وہ زمین وقف کی نہیں ہے بلکہ مدرسہ کی ملکیت ہے تو اس میں مدرسہ کو تصرف کا حق ہے اگر مدرسہ کے ذمہ داران اس کی فروختگی پر متفق ہوجائیں تو جس کے ہاتھ سے مدرسہ کو پیسہ زیادہ ملتا ہے اسی کے ہاتھ فروخت کرنا چاہیے، اس میں محمد وجیہ، محمد شفیع یا کسی اور میں کوئی فرق نہیں بلکہ انفع للمدرسہ ہونا چاہیے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه

غير متمول به. (صحيح البخاری، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/ ٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

فی الشامية: وقد صرح صاحب الحاوی القدسی بأنه يفتی بكل ما هو أنفع للوقف. (شامی، کتاب الوقف مطلب شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع، کراچی ٤/ ٣٤٤، زکریا ٦/ ٥٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۹۶)

مدرسہ کی زمین بیچ کر اپنا قرضہ وصول کرنا

سوال [۷۶۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید، عمر اور بکر تینوں نے ایک مدرسہ بنانے کی نیت سے آراضی خریدی جس میں تینوں نے گیارہ گیارہ ہزار روپئے اپنی جیب سے ڈالے اور باقی رقم چندے کے پیسوں میں سے ڈالی، اور اس کی باؤنڈری بھی چندے کے سیمینٹ اینٹ اور پیسوں سے کرائی ابھی زمین میں مدرسہ نہیں بنا کہ زید کا انتقال ہو گیا اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد عمر کا بھی انتقال ہو گیا، ابھی زمین یوں ہی پڑی تھی کہ بکر نے اس آراضی کو فروخت کر دیا اس نیت سے کہ یہ رقم اسی شہر کے مدرسوں میں لگ جائے گی جس شہر میں آراضی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں حصہ داروں کے وارث اور تیسرا حصہ دار بکر یہ تینوں صرف گیارہ گیارہ ہزار کے ہی مالک ہوں گے یا اس مقدار رقم کے جس میں آراضی آج فروخت ہوئی ہے جبکہ اس آراضی کی خرید ورجسٹری وباؤنڈری میں مسلمانوں سے چندہ شدہ رقم بھی صرفہ میں آئی تھی؟

گیارہ گیارہ ہزار کیلئے یہ طے کیا تھا کہ جب مدرسہ پروان ہو جائے گا تو اپنے اپنے گیارہ گیارہ ہزار واپس لے لیں گے۔

نوٹ: وہاں مدرسہ بننے کے حالات نہیں رہ گئے تھے تب آراضی فروخت کی گئی ادھر دوشریکوں کا انتقال بھی ہو گیا تھا؟ **المستفتی: محمد اظہر کاشی پور**

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ سے واضح ہوا کہ مذکورہ تینوں افراد نے گیارہ گیارہ ہزار کل ۳۳؍ ہزار روپئے اکٹھا کرکے مدرسہ قائم کرنے کے لیے زمین خریدی ہے کہ مدرسہ کے پاس جب پیسہ آجائے گا اپنا اپنا پیسہ واپس وصول کرلیں گے، اور ۳۳؍ ہزار روپئے پر مزید روپیہ جو زمین کی خریداری میں لگا ہے وہ چندہ کے پیسے سے لگا ہے اور سوالنامہ کے مطابق سوئے اتفاق تینوں افراد میں سے دو اللہ کو پیارے ہوگئے اور مذکورہ زمین کی صرف چہاردیواری ہو پائی ہے اور وہ بھی چندے کے پیسے سے ہوئی ہے، اور سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہاں مدرسہ قائم کرنے کے لیے حالات سازگار نہیں ہیں اس بناء پر جو فریق زندہ ہے اس کے لیے اس زمین کو مناسب قیمت پر فروخت کرکے اپنے اپنے گیارہ گیارہ ہزار روپئے تینوں فریقوں کا یا مرحوم فریقوں کے وارثین کا وصول کرنا درست ہوگا اس کے بعد مابقیہ مدارس ہی پر خرچ کرنا لازم ہوگا، ان پیسوں سے نئی زمین خرید کر مدرسہ قائم کریں یا اس کے قریب ترین مدرسہ پر وہ پیسہ خرچ کریں، اور یہ بات واضح رہے کہ اپنے اپنے گیارہ گیارہ ہزار روپئے سے زائد پیسہ تینوں فریقوں میں سے کسی کے لیے اپنی ذات پر یا اپنے وارثین پر خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ مدارس پر خرچ کرنا واجب ہوگا۔

سئل الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذر استغلالها هل للمتولی أن يبيعها و يشتری بثمنها أخریٰ؟ قال: نعم. (فتح القدير، كتاب الوقف، فصل و اذا بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه، دار الفكر بيروت ٦/٢٣٧، كوئٹه ٥/٤٤٧، زكريا ٦/٢٢٠، بنايه قديم ٢/١٠٠٧، جديد اشرفيه ديوبند ٧/٤٥٩، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٥٢، زكريا ٥/٣٤٥)

يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامی كراچی ٤/٣٥٩، زكريا ٦/٥٤٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۲۳)

آبادی کے لیے قبرستان فروخت کرکے دوسری جگہ اس کی زمین خریدنا

سوال [۷۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) قبرستان آبادی سے ملحق ہے اس میں میت دفنائیں جارہی ہیں، اس قبرستان کو آبادی کے لیے فروخت کرکے دوسری جگہ قبرستان کے لیے خرید سکتے ہیں یانہیں؟

(۲) میت کے ثواب کے لیے یا خیر و برکت کے لیے قرآن پاک پڑھوا کر دعا کرانے کے بعد قرآن پاک پڑھنے والوں کو چائے بسکٹ کھلانا پلانا کیسا ہے؟ پڑھنے والے اس کو کھاپی سکتے ہیں یانہیں؟

المستفتی: احقر عطاء الرحمٰن کوری روانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب تک قبرستان دفنائے جانے کے قابل ہو اس وقت تک اس کو فروخت کرنا یا اس میں دوسرا کام کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/ ۳۲۶ ط ۱۰/ ۱۴۸، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۲۴۲، ۱۵/ ۳۵۹)

فإذا تم أی الوقف ولزم لایملک و لا یملک أی لایقبل التملیک لغیره بالبیع و نحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه. (شامی، کتاب الوقف مطلب مهم: فرق أبو یوسف بین قوله موقوفة الخ، کراچی ٤/ ٣٥١ - ٣٥٢، زکریا ٦/ ٥٣٩)

(۲) ختم قرآن کے موقع پر بغیر لوازمات کے معمولی چائے ناشتہ میں کوئی قباحت نہیں ہے، اس لیے کہ اس طرح کا معمولی انتظام کرنا عام رواج ہے، مگر کھانا کھلانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ عام رواج نہ ہونے کی وجہ سے وہ عوض بن جائے گا۔

ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلی القبر فی المراسم و اتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراء ة سورة الأنعام أو الإخلاص، والحاصل أن إتخاذ الطعام عند قراء ة

القرآن لأجل الأكل يكره. (شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی كراهية الضيافة من أهل الميت، كراچی ۲/ ۲٤۰، زكريا ۳/ ۱٤۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۹ھ

قبرستان کو فروخت کرنا

سوال [۷۷۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سرزمین امرتسر محلہ سلطان ونیڈر روڈ پر ایک قدیم قبرستان واقع ہے جس میں کافی پرانی قبریں اور کئی ایک مزارات بھی موجود ہیں اور نئی میت بھی دفنائیں گئی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ قبرستان جاری وساری ہے لیکن قبرستان کا کچھ حصہ پنجاب وقف بورڈ نے کرایہ پر دے کر یہ اجازت دیدی ہے کہ وہ اس جگہ پر مارکیٹ بنالیں لیکن امرتسر کے سارے مسلمان اس کے خلاف ہیں، لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب سے ہمیں نوازیں۔

المستفتی: محمد جمیل احمد انصاری مسلم جنتا ویلفئر ایکشن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وقف کے قبرستان کو فروخت کردینا وقف بورڈ کو حق نہیں ہے، قبرستان کو قبرستان ہی رکھنا لازم ہے، وقف کو کلی طور پر ختم کردینا ہرگز جائز نہیں ہے، اور نہ ہی مارکیٹ بنانے کے لیے کرایہ پر دینا جائز ہوسکتا ہے، البتہ اگر بالکل بوسیدہ قبرستان ہے تو اس کو اوقاف کے جنس میں سے صرف مسجد یا دینی مدرسہ کی تعمیر کے کام میں لانا جائز ہوسکتا ہے، فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۶۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۲۹ھ

وقف کردہ ذاتی قبرستان کی خالی زمین کوفروخت کرنا

سوال [۷۷۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک نجی قبرستان ۱۸۷۵ء سے ہے اس میں کچھ حصے میں ابھی بھی جنازہ کو دفنایا جاتا ہے باقی آراضی خالی ہے جہاں کافی عرصہ سے کوئی تدفین نہیں ہوئی، اور جو اس آراضی کے وارثین ہیں وہ خالی آراضی کوفروخت کرنا چاہتے ہیں اس خالی پڑی آراضی کے متعلق اہل محلّہ کے سبھی لوگوں کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں یہ فیصلہ طے پایا کہ اس جگہ کو اس کے وارثین سے خرید کر ایک مسجد تعمیر کروادی جائے تو کیا وارثین سے خرید کر اس آراضی پر مسجد تعمیر کرائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: اعجاز حسین محلّہ بارہ دری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ قبرستان کے جس حصہ پر تدفین کا سلسلہ بند ہے اس قبرستان کے وارثین اور مالکوں کی اجازت سے اس حصہ پر مسجد تعمیر کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، چاہے وارثین خود مسجد تعمیر کریں یا مسجد تعمیر کرنے کے لیے دوسرے لوگوں کے ہاتھ فروخت کریں اور وہ لوگ وہاں مسجد تعمیر کریں ہر طرح جائز اور درست ہے۔

وذكر أصحابنا إذا خرب و دثر لم يبق حوله جماعة، و المقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملكا لأربابها، فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً أو موضع المقبرة مسجد وغير ذٰلک. (عمدة القاری، كتاب الصلاة باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية، زكريا ۳/۴۳۵، دار احياء التراث العربی بيروت ۴/۱۷۸)

لوأن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا. (عمدة القاری زكريا ۳/۴۳۵، دار احياء التراث العربی بيروت ۴/۱۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۵۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۱۰ھ

پرانے قبرستان کی خرید وفروخت

سوال [۷۷۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبرستان جو شیعہ خاندان کا تھا جس میں تقریباً ۴۰/ یا ۵۰/سال سے کسی مردہ کو نہیں دفن کیا گیا تھا وہ ان کے وارثین نے فروخت کردیا، تو خریدار کے واسطے کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب دیجئے خریدار مکان تعمیر کرا کر اس میں رہائش پذیر ہے، تو کیا وہ اس جگہ میں رہ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عزیز الرحمٰن محلّہ عیدگاہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبرستان بالکل پرانا ہے اور ملکیت کا قبرستان ہے تو اس کے مالکان کے لیے فروخت کرنا اور اس میں کھیتی وغیرہ کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۱۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۰۶)

جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى و صار ترابا الخ. (الدر المختار کراچی ۲/ ۲۳۸، زکریا ۳/ ۱۴۵)

و إذا بلى الميت وصار ترابا فى قبره جاز نبش القبر و زرعه والبناء عليه وغير ذلك باتفاق. (الفقه على مذاهب الأربعة دار الفكر بيروت ۱/ ۵۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۲۶ھ

جس مکان میں قبرستان کی جگہ آگئی اس کو خریدنا

سوال [۷۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان قبرستان سے متصل ہے یوں تو بہت سے مکانات قبرستان سے

متصل ہیں ان میں سے ایک مکان بک رہا ہے اس مکان کے بارے میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قبرستان کی جگہ کچھ گھری ہوئی ہے تحقیق کچھ نہیں ہے اب آیا وہ مکان خریدیں یا نہیں، اگر خرید لیں تو شرعاً کوئی قباحت تو نہیں اگر نہیں خریدی تو پھر اس مکان کو کوئی دوسرا خرید لے گا تو اس کے بارے میں بھی وہی قباحت ہوگی تو کیا کرنا چاہیے جبکہ بہت دنوں سے وہ مکان بنا ہوا ہے، بہر کیف مشتری کو وہ مکان خریدنا چاہیے یا نہیں؟

المستفتی: شکیل احمد برولان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تحقیق کرلی جائے اور قبرستان کے حدود سے متعلق کاغذات دیکھ لیے جائیں اگر واقعی قبرستان کا حصہ مذکورہ مکان میں نہیں آیا ہے تو خرید سکتے ہیں اور اگر قبرستان کا حصہ اس میں آیا ہوا ہے تو اس کو خریدنا جائز نہ ہوگا اور اگر کوئی دوسرا آدمی خریدیگا تو ذمہ دار وہی ہوگا آپ پر کچھ نہیں ہوگا۔

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلاسبب شرعی. (قواعد الفقہ اشرفی دیوبند ص: ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۲۴)	۱۴۱۵/۳/۱۵ھ

چہار دیواری کے لیے قبرستان کی کچھ زمین فروخت کرنا

سوال [۷۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آراضی گرام سبھا کی تھی اس میں لوگوں نے مردوں کو دفن کرنا شروع کر دیا، اسی آراضی کے قریب مکانات ہیں ان مکانات سے گندہ پانی وغیرہ اس آراضی کی قبروں میں جاتا ہے، یہ قبریں تقریباً ۸۰؍ سال پرانی ہیں تو اب اس آراضی کے کچھ حصہ کو فروخت کر کے اسی قبرستان میں چہار دیواری وغیرہ کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں، تاکہ بقیہ قبروں کی بے حرمتی نہ

ہو، اور جس حصہ کوفروخت کرنا ہے اس میں قبریں ہیں، لیکن مجبوری صرف یہ ہے کہ کچھ حصہ کی طرف لوگوں کے گھروں کے دروازے ہیں اور گندی نالیاں جس سے قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے اس لیے ان گھروں کے دروازوں کے سامنے کی آراضی کوفروخت کر کے بقیہ قبروں کو چہار دیواری کے ذریعہ سے محفوظ کر سکتے ہیں یا نہیں اور اگر لوگوں کے دروازوں کے سامنے چہار دیواری قائم کرتے ہیں تو فساد ہونے کا خطرہ ہے، اپنے دروازوں کے سامنے چہار دیواری نہیں بنوانے دیں گے، ایسے حالات میں کچھ آراضی انہیں دے کر جھگڑا ختم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: انور حسین قاسم پور گڑھی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کی چہار دیواری کے اندر پورا قبرستان آجانا چاہئے اور جس حصہ کوفروخت کرنے کے لیے کہا جارہا ہے سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس حصہ میں قبریں موجود ہیں اور قبروں سمیت اس حصہ پر فروخت کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کیونکہ جب اس میں قبریں موجود ہیں تو سرکاری اعتبار سے بھی اس حصہ کو قبضہ کرنے میں کسی کو اعتراض کا حق نہ ہوگا، اور جب ادھر سے لوگ دروازے کھول رہے ہیں تو اس طرف سے اول فرصت میں دیوار بنا دینا چاہیے، فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔

لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها. (عمدة القاری، كتاب الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية، دار احياء التراث العربی بيروت ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رصفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۹ھ

قبرستان کے درخت فروخت کر کے چہار دیواری قائم کرنا

سوال [۷۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے گاؤں کے عام قبرستان مسجد کے نام ریکارڈ شدہ ہیں وقف کی ملکیت نہیں، قبرستان کو جانوروں سے محفوظ رکھنے کے لیے قبرستان کے اندر جو پرانے درخت ہیں پھلدار نہیں ہیں، فروخت کر کے قبرستان کو گھیرا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بالتفصیل جواب دیں۔

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کی حفاظت نہایت ضروری ہے، اس لیے قبرستان کے درختوں کو بیچ کر اس سے حاصل شدہ رقم کے ذریعہ قبرستان کی چہار دیواری قائم کرنا جائز اور درست ہے۔

سئل نجم الدين في مقبرة فيها أشجار هل يجوز صرفها إلى عمارة المسجد قال: نعم، إن لم تكن وقفا على وجه آخر، قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد قال إلى ما هي وقف عليه إن عرف. (عالمگیری، کتاب الوقف، قبیل الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی ستغنی عنها، زکریا قدیم ۲/۴۷۶، جدید ۲/۴۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۲۹ھ

قبرستان کی چہاردیواری کیلئے زمین کوفروخت کرنا

سوال [۷۷۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤں والوں نے پرانے قبرستان کے پیڑ فروخت کر کے اسی قبرستان کے برابر ایک بیگھہ زمین خریدی تھی، جس میں تین قبریں ہیں ایک مینڈھ پر ہے باقی زمین میں کوئی قبر نہیں ہے، قبرستان آبادی کے بیچ میں ہے، گاؤں کے گندے نالوں کا پانی قبرستان میں آنے کی وجہ سے قبرستان کی بے حرمتی ہو رہی ہے، قبرستان کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، گاؤں

والے قبرستان کی حفاظت کے لیے نئی خرید کردہ زمین میں سے کچھ زمین فروخت کرنا چاہتے ہیں، جس میں کوئی قبر نہیں اور اس فروخت کردہ زمین کی رقم سے چہاردیواری کرا کے قبرستان کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں جس سے قبرستان کی بے حرمتی نہ ہو، واضح رہے کہ زمین قبرستان کی ملکیت کے لیے خریدی تھی، وقف نہیں کیا تھا، قبرستان کے تصرف کے لیے خریدی تھی؟

المستفتی: فرقان احمد کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نئی خرید کردہ زمین باقاعدہ وقف نہیں ہے محض قبرستان کی ملکیت ہے تو ایسی صورت میں قبرستان کی ضرورت اور چہاردیواری وغیرہ کے لیے اس میں سے بقدر ضرورت زمین کو فروخت کر کے قبرستان کی چہاردیواری کرانے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۳۵، جدید زکریا ۵۱۵، اہتمام وشوریٰ کی شرعی حیثیت ۵۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۶۸)

۵ باب استبدال الأوقاف

مسجد کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا

سوال [۷۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بھائی نے مدرسہ اور پنج گانہ نماز کے لیے کچھ زمین وقف کردی ہے تو اس زمین میں مدرسہ اور پنج گانہ نماز بہت سال سے ہو رہی ہے، پھر ابھی اس کا بھائی اپنے بھائی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس مدرسہ اور پنج گانہ نماز کی جگہ کو اپنی زمین میں لے آیا تو اس مدرسہ اور پنج گانہ نماز کی جگہ میں تعلیم اور نماز کیسی ہوگی؟

المستفتی: عبدالکریم آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو زمین مسجد کے لیے وقف کردی گئی اور اس میں ایک دو مرتبہ اذان اور جماعت ہو چکی ہے تو یہ مسجد شرعی بن گئی ہے، اور قیامت تک مسجد ہی رہے گی اس مسجد کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا جائز نہیں، لیکن جب صورت مذکورہ میں مسجد کو منتقل کرلیا گیا اور پہلی مسجد کو توڑ دیا گیا تو پہلی مسجد کی جگہ کی پوری حفاظت ضروری ہے، اور ثانی مسجد میں نماز پڑھنے اور تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں البتہ منتقل کرنے والا گنہگار ہوگا اس پر توبہ واستغفار لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/۲۸۰، جدید ڈابھیل ۱۴/۳۰۲)

قلت: وفی الذخیرۃ: وبالصلاۃ بجماعۃ یقع التسلیم بلا خلاف حتی أنہ إذا بنی مسجدا و أذن للناس بالصلاۃ فیہ جماعۃ فإنہ یصیر مسجدا. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد، زکریا دیوبند ۶/۵۴۵، کراچی ۴/۳۵۶، المحیط البرھانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۴، رقم: ۱۱۳۳۶، الفتاویٰ التاتارخانیۃ زکریا ۸/۱۵۶ رقم: ۱۱۴۹۴)

ولو خرب ما حولہ أی ولو مع بقائہ عامراً و کذا لو خرب ولیس لہ ما یعمر بہ وقد استغنی الناس عنہ لبناء مسجد آخر. (شامی، مطلب: فیما لو خرب

المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچى ٤/٣٥٨، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، قديم ١/٧٤٨، هنديه الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به زكريا قديم ٢/٤٥٨، جديد ٢/٤١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۲۶۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۸ھ

مسجد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال [۷۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے مسجد کے لیے ایک آراضی وقف کی تھی جس آراضی میں چھپر ڈال کر تقریباً چار سال سے باجماعت نماز ادا کی جارہی ہے، غور طلب بات یہ ہے کہ یہ جگہ بھی تنگ ہے اور راستہ بھی صحیح نہیں ہے اسی زمین کا دوسرا حصہ جو اس کے برابر میں ہے وہ سڑک کے کنارہ پر ہے اگر شرعاً گنجائش ہو تو موجودہ مسجد کے حصہ کو برابر والے حصہ سے بدل لیا جائے؟

المستفتی: محمد ہارون سرائے کھجور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کے لیے وقف شدہ آراضی پر جب چھپر ڈال کر اس میں باضابطہ تین چار سال تک نماز ہوتی رہی ہے تو وہ شرعی مسجد ہوچکی ہے وہ اب قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہے گی اس زمین کی تبدیلی کسی طرح جائز نہیں ہے۔

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (قوله) ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثانى أبدا إلى قيام الساعة الخ. (درمختار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچى ٤/٣٥٨، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، مصرى قديم ١/٧٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۵۵۸)

مسجد منتقل کرنے کا حکم

سوال [۷۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنگل میں ایک کھیت کے بالکل درمیان میں ایک مسجد ہے اب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس مسجد کو شہید کردیا جائے یا وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ منتقل کردیا جائے، تاکہ درمیان سے ہٹ کر مسجد ایک گوشہ میں آجائے تو کیا ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات درست ہے؟

المستفتی: قاری عزیز احمد ککرالہ ضلع بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مسجد ایک بار بن جاتی ہے تو وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی کے حکم میں ہوتی ہے اس کو شہید کرنا جائز نہیں ہوتا، لہٰذا جو مسجد جنگل میں کھیت کے درمیان واقع ہے اس کو شہید کرنا ہرگز جائز نہیں ہوگا، اس کو بحالہ باقی رکھنا اور اس کے تمام حقوق اور احترام کو باقی رکھنا وہاں کے مسلمانوں پر فرض ہے، یہاں تک کہ اگر وہاں سے مسلمانوں کی آبادی بھی ختم ہوجائے تو پھر بھی اس کو وقف بورڈ سے رجسٹریشن کرا کے حفاظت کرنا لازم ہوگا، اور منتقل کرنا جائز نہ ہوگا۔

ولو خرب ما حوله أی ولو مع بقائه عامراً وكذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر. (شامی، مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ٥٤٨/٦، كراچی ٣٥٨/٤، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٥٩٥/٢، قديم ٧٤٨/١، هنديه الباب الحادی عشر فی المسجد ما يتعلق به زكريا قديم ٤٥٨/٢، جديد ٤١٠/٢)

خربت القرية والمسجد ولا يصلى فيه أحد عند الثانی رحمه الله هو مسجد أبدا: لأن كونه مسجدا لايتوقف فی الإبتداء على الصلاة عنده فكذا فی البقاء. (بزازيه، الوقف، الفصل الرابع فی المسجد ومايتصل به زكريا جديد ١٤٤/٣، وعلى هامش الهندية ٢٧٠/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۴۰)

کیا مسجد کی زمین کو تبدیل کرنے کی شرعاً گنجائش ہے؟

سوال [۱۰۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد کا موقوفہ مکان ہے جس کا کرایہ مسجد کے اخراجات میں استعمال ہوتا ہے اس مکان کے پچھواڑے میں ایک مسلمان کا مکان تھا جب ان صاحب نے اپنا مکان بنایا اللہ جانے کیا صورت پیش آئی جان بوجھ کر یا انجانے میں اللہ کو ہی معلوم، موقوفہ مکان کی ۵×۳۰ جگہ اس مکان میں آگئی اور پڑوسی مسلمان نے موقوفہ مکان کی جگہ اپنے مکان میں شامل کر کے پکا مکان بنالیا اور اس واقعہ کو چند سال ہو گئے اب جب کہ مسجد کی نئی کمیٹی بنی، موقوفہ مکان کو سرکاری محکمہ کے آدمیوں کے ذریعہ ناپا گیا تو واقعتاً موقوفہ جگہ میں سے تقریباً ۵×۳۰ جگہ اس پکے مکان میں شامل نکلی، اب اگر اس جگہ کو جو کہ پکے مکان میں شامل ہے واپس لیا جائے تو مکان اس نوعیت کا بنا ہوا ہے کہ لمبائی میں از ابتدا تا انتہاء مکان کو توڑ کر ہی اس موقوفہ مکان کی جگہ واپس لی جاسکتی ہے، جبکہ وہ مسلمان غالباً پکا مکان توڑ کر جگہ کی واپسی پر راضی نہیں ہے، یا پھر معاملہ کورٹ میں جائے تو ۱۵/۲۰ ر سال کی فرصت ہو جائے گی، ان حالات میں چند صورتیں عقلاً سمجھ میں آتی ہیں، کونسی صورت شرعاً درست اور موقوفہ زمین کے احکامات اور پڑوسی مسلمان کے حالات کے مناسب ہوگی بتا دیں؟

(۱) پکا مکان توڑ کر موقوفہ جگہ واپس لی جائے، جبکہ یہ کام اہل شہر ومحلّہ از خود نہیں کر سکتے، معاملہ کورٹ میں جائے گا اور کئی سال فائل میں رہے گا؟

(۲) اس شامل جگہ کی قیمت لے لی جائے؟

(۳) گذشتہ دنوں اور آئندہ کے لیے کمیٹی کرایہ متعین کر لے؟

(۴) اس موقوفہ جگہ جو کہ مکان میں شامل ہو چکی ہے اس کے بدلے کوئی جگہ بدلہ میں وصول کر لی جائے؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عتیق الرحمٰن قاسمی، کامٹی ناگپور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حسب تحریر سوال مسجد کی جو زمین پڑوسی مسلمان کے مکان میں شامل ہوگئی ہے اور اب وہ مسلمان پڑوسی بھی مکان توڑ کر مسجد کی زمین واپس کرنے پر راضی نہیں ہے، اور معاملہ کورٹ میں لے جانے کی صورت میں وقت وسرمایہ کے ضیاع کے باوجود مسجد کے حق میں فیصلہ یقینی نہیں ہے تو اب مسئولہ صورت میں شرعاً اتنی گنجائش ہے کہ اس زمین کی معتد بہ اور معقول قیمت صاحب مکان سے وصول کرکے مسجد کی ملکیت کے لیے مناسب جگہ پر دوسری زمین خرید لی جائے۔

لایجوز استبدل العامر إلا في أربع: قال الشامي: و الثالثة أن یجحده الغاصب ولا بینة أی و أراد دفع القیمة فللمتولی أخذها لیشتری بها بدلا.

(شامی، کتاب الوقف، مطلب لایستبدل العامر إلا فی أربع، زکریا ٦/٥٨٨، کراچی ٤/٣٨٨، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/١٩٨، الفقه الإسلامی و أدلته، مکتبه الهدی انٹرنیشنل ٨/٢٢٠، دار الفکر ١٠/٧٦٧٦، الأشباه والنظائر کراچی ١/٣٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۵۱)

مسجد کے موقوفہ مکان کو دوسری مسجد میں تبدیل کرنا

سوال [۱۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان جو کہ مسجد کھجور والی کے نام سے وقف ہے، لیکن مسجد مذکورہ مکان سے دور ہے، مکانِ موقوف محلّہ ہذا ہی میں واقع ہے لیکن مسجد مذکور میں شامل کرنا ناممکن ہے اس محلّہ میں دوسری مسجد کی ضرورت کا احساس ہے، اہل محلّہ وذمہ دارانِ مسجد مذکور اس مکان مذکور کو مسجد کی شکل میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں کیا اس مکان مذکور کا مسجد میں تبدیل کرنا جائز ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس موقوفہ مکان کی مسجد کو ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس کو اس مسجد میں شامل کرنا ممکن ہے، اور ذمہ دارانِ مسجد بھی اس مکان کو دوسری مسجد بنانے کی اجازت دیدیں تو پھر اس مکان کو ضرورت کے پیشِ نظر دوسری مسجد میں تبدیل کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳۲/۷، جدید مطول ۱۱۶/۱۰)

مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجدا أو المسجد رحبة و أرادو أن يحدثوا له بابا و أرادو أن يحولوا الباب عن موضعه فلهم ذٰلك فإن اختلفوا نظر أيهم أكثر و أفضل فلهم ذٰلك. (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و مايتعلق به، زكريا قديم ۲/۴۵٦، جديد ۲/۴۰۹، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۹/۱۲۵، رقم: ۱۱۳۳۹، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۸/۱۵۷ – ۱۵۸، رقم: ۱۱۵۰۰، حاشية الچلپي على تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۳/۳۳۱ زكريا ۴/۲۷۴، شامي كراچي ۴/۳۷۸، زكريا ۶/۵۷٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۰/شوال المکرم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۶۲/۳۷)

مسجد اور اس کی زمین کا دوسری زمین سے تبادلہ کرنا

سوال [۷۷۱۲]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ عرصہ پہلے ایک مسئلہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا جس کی نقل ساتھ میں لگادی گئی ہے، پہلے آپ کے ذریعہ طلب کردہ امور کی وضاحت میں عرض ہے کہ قدیم مسجد کا رقبہ ۵۰۰/اسکوائر فٹ ہے اور اس سے متصل قطعۂ اراضی میں سے واقف نے ۱۵۰۰/اسکوائر فٹ جگہ وقف کی ہے، کل ملاکر قدیم مسجد ۵۰۰+۱۵۰۰ وقف کردہ زمین، کل جگہ ۲۰۰۰ اسکوائر فٹ، اب اس وقت یہ مسئلہ پیش آیا ہے کہ:

واقف نے پہلے کہا تھا کہ میں نے مسجد کے علاوہ ۱۵۰۰/اسکوائر فٹ جگہ وقف کی ہے لیکن اب وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ۱۵۰۰/فٹ جگہ مسجد پکڑ کر میری مراد تھی، یعنی اب میں جوجگہ مدرسہ کو دونگا وہ کل ملاکر ۱۵۰۰/اسکوائر فٹ ہوگی اور مسجد بھی اس میں گنی جائے گی، اب بلڈر جوجگہ خرید رہا ہے وہ ۱۵۰۰/اسکوائر فٹ جگہ کی قیمت متعین کریگا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) جب پوری جگہ کی قیمت لگائی جارہی ہے تو اس میں مسجد بھی گنی جائے گی تو کیا اس طرح مسجد کو فروخت کیا جاسکتا ہے؟ واقف کا کہنا ہے کہ اب ہم قیمتاً دیدیں گے اور پھر اسی جگہ کو اس بلڈر سے خرید کر پھر وہاں مسجد بنائیں گے، بلڈر بھی اس پر راضی ہے تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز و درست اور صحیح ہے؟

(۲) پہلے ۱۵۰۰ اسکوائر فٹ کا وعدہ کرنا مختلف شخصیات کے سامنے اپنے وقف کردہ جگہ کا تذکرہ کرنا اور پھر وقت آنے پر اپنے سارے وعدوں کو فراموش کر کے مسجد بھی اسی میں شامل کر کے گننا کیسا ہے؟

(۳) ایسے حالات میں ناظم مدرسہ (جو کہ مدرسہ کے اراکین میں ہیں) کے لیے خاموش رہنا چاہیے یا علاحدگی اختیار کرنی چاہیے یا اگر یہ غلط ہورہا ہے تو مسجد کی حفاظت کی خاطر اور مدرسہ کی بقاء کے لیے آواز بلند کرنی چاہیے؟

امید ہے کہ آپ کو دی گئی زحمت کے لیے معاف فرما کر جواب کافی وشافی دیں گے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) جب پہلے ہی سے مسجد شرعی موجود ہے اس مسجد اور اس کی زمین کو دوسری زمینوں کے ساتھ فروخت کرنا قطعاً جائز نہیں ہے بلکہ مسجد انسانوں کی ملکیت سے الگ تھلگ رہے گی اور اس کا خرید وفروخت کرنا جائز نہیں ہوگا، اب رہی یہ بات کہ مسجد کی جگہ کو چھوڑ کر الگ سے ۱۵۰۰/سو اسکوائر فٹ زمین مدرسہ کو دینے کا وعدہ کرنا اور پھر اس وعدہ سے مکر جانا اگر واقعی یہ بات صحیح ہے تو وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، لیکن مالک زمین یہ کہہ رہا ہے کہ میری مراد مدرسہ اور مسجد دونوں کا ۱۵۰۰/اسکوائر فٹ میں شامل ہونا تھی، گویا کہ ۵۰۰/اسکوائر فٹ مسجد کا پہلے سے وقف تھا ہی اور اب ہزار فٹ مدرسہ کے لیے وقف

ہے کل ۱۵۰۰/ اسکوائر فٹ ہوجائیں گے، اگر مالکِ زمین واقف یہی مراد لیتا ہے تو وہ اس کے اختیار میں ہے، اگر بالفرض واقف نے مسجد کو چھوڑ کر مدرسہ کے لیے ۱۵۰۰/ اسکوائر فٹ دینے کا اظہار کیا ہے تو صرف اظہار کی وجہ سے وقف نہیں ہوتا بلکہ بوقت وقف جتنے حصے کو وقف کرے گا اتنا ہی وقف ہوگا۔

عن عبد الله بن عمرو أن النبی ﷺ قال: أربع من کن فیه کان منافقا خالصا (إلی قوله) و إذا حدث کذب، وإذا عاهد غدر . (بخاری، باب علامة المنافق، النسخة الهندیة ۱/ ۱۰، رقم: ۳۴)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة . (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة، زکریا ٦/ ٦٦٥، کراچی ٤/ ٤٤٥)

(۳) پہلے سوال کا جواب ۲۸/ جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ کو لکھا جا چکا ہے اس کے اوپر پھر واقف کی طرف سے وعدہ خلافی کی بات کو بعینہٖ اسی پیڈ پر لکھ کر بھیجا گیا ہے جس پر پہلے واقف کی طرف سے لکھا گیا تھا، مدعی اور مدعی علیہ دونوں کا پیڈ ایک ہی ہے اس لیے اصل معاملہ کو سمجھنے سے ہم قاصر ہیں، لہٰذا اس معاملہ میں وہاں کے قریبی علماء ومفتیان کرام سے رابطہ قائم کر کے مسئلہ کا حل طلب کریں، وہ اصل حقیقت کے بارے میں تحقیق کر کے شرعی مسئلہ بتائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۰٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۳/ ۱۴۳۴ھ

مسجد کی زمین کا تبادلہ کرنا

سوال [۷۷۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خسرہ (۱) مسجد موجود آباد بھی ہے خسرہ ۲/ مسجد کے سامنے عام سڑک اور مسجد کے درمیان زید کی زمین (مسجد اور سڑک کے درمیان زید کی زمین) ہے خسرہ ۳/ مسجد سے اتر

جانب مسجد کی خالی غیر آباد زمین اس زمین کے بعد بھی زید کی زمین بعدہٗ عام سڑک ہے۔

مسئلہ یہ دریافت طلب ہے کہ خسرہ ۳۲/ والی زمین جانب شمال غیر آباد یہ زمین مسجد کی ایک عرصہ سے مانی جارہی ہے، گاؤں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مسجد کی زمین ہے، ہم بھی اس کو یہی جانتے تھے، اب چونکہ مسجد سے متصل اپنی زمین میں رہن سہن کررہے ہیں ہمارے سامنے مسجد کی خالی زمین ہمارے آنے جانے میں رکاوٹ ہے اور دل بھی گوارہ نہیں کرتا کہ ہم مسجد کی زمین کو استعمال کریں تو ہم کو لوگوں نے مشورہ دیا کہ تم یہ زمین بدل لو، مسجد کو دوسری جگہ دیدو، تو ہم نے غور وفکر کیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسجد کے سامنے اور خالی پڑی زمین کے سامنے ہماری خود اپنی زمین ہے، لہٰذا مسجد کے ٹھیک سامنے ہم اپنی زمین مسجد کو دیدیں اور باقی جو کمی رہ جاتی ہے وہ ہم دوسری جگہ سے دیدیتے ہیں، زیادہ اگر لینا چاہیں تو اس کے لیے بھی تیار ہیں، یہ بات تو اس وقت تک تھی جب ہم لوگوں کو یہی معلوم تھا کہ خسرہ ۳۲/ مسجد کی زمین ہے، لیکن جب ہم نے اس زمین کے کاغذات وغیرہ دیکھے تو تقریباً پچاس سال پہلے سروے میں اس زمین کو بہار سرکار نے غیر مجروہ عام کھیتیاں میں لکھا ہوا ہے لہٰذا یہ زمین مسجد کی نہیں رہی، بہار سرکار غیر مجروہ عام کا مطلب ہے کہ کوئی بھی اس کو قبضہ کرسکتا ہے رہ سکتا ہے گاؤں کا پردھان مکھیا غریبوں کے نام سے پٹہ کرسکتا ہے، یا کسی کے نام پر پٹہ کرسکتا ہے، اسی کو یوپی وغیرہ میں گرام سماج کی زمین کہا جاتا ہے۔

اب مسئلہ یہ دریافت کرنا ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ پورے گاؤں والوں کی نگاہ میں ہے کہ مسجد کی زمین ہے تو یہ چاہتے ہیں کہ مسجد کو کوئی نقصان نہ ہو مسجد کا کام بھی ہو جائے اور ہمارا بھی کام ہو جائے، خسرہ ۳۲/ ہم کو نہیں چاہیے اور خسرہ ۲/ کی زمین جو کہ ہماری ہے ٹھیک مسجد کے سامنے سڑک تک مسجد کو مل جائے چونکہ یہاں زمین پوری نہیں تو دوسری جگہ اس کمی کو پورا کردیں۔

نوٹ: پورے گاؤں میں اس مسجد کے علاوہ دوسری مسجد نہیں ہے ہم اگر اپنی زمین خسرہ ۲/ کو استعمال میں لے لیں تو مسجد میں آنے جانے کا راستہ بند ہو جائے گا، اور مسجد میں راستہ دینے کے لیے ہم کو کوئی مجبور بھی نہیں کرسکتا، یہ باتیں تو صرف سمجھانے کے لیے لکھ

دی ہیں، تفصیل کے ساتھ، ورنہ مسئلہ صرف یہ ہے کہ بہار سرکار غیر مجروہ عام جو ایک زمانے سے مسجد کے قبضہ میں مانی جارہی ہے خالی ہے، بے مصرف ہے، مسجد اور ہم کو اپنی اپنی ضرورت ہے، کیا تبادلہ کر سکتے ہیں؟ شریعت کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تبادلہ کی صورت میں مسجد کا فائدہ زیادہ ہے اس لیے تبادلہ کرنے کی گنجائش ہے، تاکہ مسجد کی توسیع اور نمازیوں کی آمد ورفت اور مسجد کی دیگر ضروریات سہولت سے پوری ہوسکیں۔

وفیہا (أی الأشباہ) لایجوز استبدال العامر إلا فی الأربع وتحتہ فی الشامیۃ: الرابعۃ أن یرغب إنسان فیہ ببدل أکثر غلۃ وأحسن صقعا فیجوز علی قول أبی یوسف وعلیہ الفتویٰ کما فی فتاویٰ قارئ الہدایۃ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب لایستبدل العامر إلا فی أربع، زکریا دیوبند ۶/۵۸۸، کراچی ۴/۳۸۸، الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۴۴/۱۹۸، الفقہ الإسلامی وأدلتہ، مکتبہ الہدی انٹرنیشنل ۸/۲۲۰، الأشباہ والنظائر کراچی ۱/۳۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۵/۱۴۳۴ھ

مسجد کی زمین کا تبادلہ کب جائز ہے؟

سوال [۷۷۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آپ سے ملاقات پر ایک مسجد کی موقوفہ آراضی کو مسجد کے متصل ایک آراضی سے بدل کر مسجد کی توسیع کا مسئلہ معلوم کیا تھا، وقف نامہ اس وقت تک نظر سے نہیں گذرا تھا واپسی پر وقف نامہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ زمین نواب رامپور کی وقف شدہ ہے نواب صاحب نے مؤذن امام اور مسجد کے معمولی صرفہ کے لیے یہ زمین وقف کی ہے، مزید برآں یہ معلوم ہوا کہ

زمین مؤذن کے ورثاء کے نام سرکاری کاغذات میں رجسٹرڈ ہوگئی اب تک آمدنی مسجد کے حوالے کررہے ہیں لیکن آئندہ بھی یہ صورت باقی رہے اس پر لوگوں کو کچھ زیادہ اطمینان نہیں ہے، مسجد کے متصل جو زمین ہے وہ مؤذن ہی کی ہے اور اس تبادلہ پر وہ راضی بھی ہے کیا ایسی صورت میں تبادلہ کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟

المستفتی: مفتی محمد اشتیاق مفتی مدرسہ رحمانیہ، ٹانڈہ رامپور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعہ ایسا ہی ہے کہ مذکورہ موقوفہ زمین مؤذن کے ورثاء کے نام سرکاری طور پر رجسٹرڈ ہوچکی ہے تو وہ آراضی نیم ہلاکت کا شکار ہوگئی ہے، اور آئندہ تکمیل ہلاکت کا خطرہ ہے، اس لیے واقف کے صدقہ جاریہ کو باقی رکھنے کے لیے مؤذن کی مذکورہ زمین سے تبادلہ کرکے مسجد کے نام سے رجسٹری کرالی جائے تو اس کی گنجائش ہوگی جبکہ مسجد کی کمیٹی بھی اس سے متفق ہو۔

والثانی أن لا یشرطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بأن لایحصل منه شیئ أصلا أو لا یفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضی و رأیه المصلحة فیه. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی استبدال الوقف و شروطه، زکریا ۶/۵۸۳-۵۸٤، کراچی ٤/۳۸٤، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/١٩٦، الفقه الإسلامی و أدلته مکتبه هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ۸/۲۱۹، دار الفکر ۱۰/۷٦۷٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
یکم صفر المظفر ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۵۰)	۱۴۱۵/۲/۱ھ

نماز کے لیے مخصوص مسجد کی جگہ کو دوسرے مقصد میں استعمال کرنا

سوال [۷۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک بڑی مسجد جس میں جمعہ، عیدین وغیرہ کی نمازیں ہوتی ہیں، اس کے صحن میں نماز کے لیے صفوں کا نشان موجود ہے، جس پر جماعت ہوتی ہے، صحن کے آخری حصہ کی صف اور فرش ماربل کا پختہ بنا ہوا ہے، تقریباً آٹھ دس نمازیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ کو ایک کمرہ بنا کر اس میں پانی کے لیے بجلی کا موٹر لگا دیا ہے، جبکہ یہ کام خارج مسجد میں بھی انجام دیا جا سکتا تھا، ایسی صورت میں جبکہ وہ جگہ نماز کے لیے مخصوص تھی کیا شرعاً کسی دوسرے مقصد کے لیے استعمال کرنا اور اس جگہ کو نماز کی ادائیگی سے محروم کر دینا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: عبد السلام پیرزادہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ فعل ناجائز ہے، اس کمرہ کو توڑ کر مسجد میں داخل کر لینا ضروری ہے ورنہ ایسا کرنے والے سب گنہگار رہوں گے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلى قوله) فيجب هدمه ولو على جدار المسجد. (شامی، کتاب الوقف، قبیل مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره، زکریا ٥٤٨/٦، کراچی ٣٥٨/٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٦/١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۲/۲۴)

مسجد کی جگہ تبدیل کرنا

سوال [۷۷۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک زمین رہائش کے لیے خریدی، خریدتے وقت یہ ارادہ کیا کہ ایک طرف اتنا حصہ نئی مسجد کی تعمیر کے لیے ہے اس میں مسجد بنوائی جائے گی، چنانچہ جب ارادہ کے مطابق مسجد کے لیے جگہ دیدی، چھپر وغیرہ پڑ گیا، نماز ہونے لگی، دو تین سال نماز اور رمضان میں تراویح بھی ہوئیں، اب محلّہ والے کہتے ہیں کہ اس کے بدلے دوسری جگہ مسجد

تعمیر کرالیں اس کے پیسہ کو وہاں لگالیں گے، تو کیا زمین مذکورہ میں مسجد نہ بنوا کر دوسری جگہ اس کی رقم لگائی جاسکتی ہے، جب کہ واقف وہاں ہی مسجد کے لیے بضد ہے؟

المستفتی: مولوی عبدالباسط بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اول جگہ نماز قائم ہونے کی بناء پر شرعی قاعدے سے وہ مسجد بن گئی ہے، اب وہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی، پس اہل محلّہ یا کسی بھی شخص کو اس کے منتقل یا تبدیل کرنے کا اختیار نہ ہوگا، بالفرض اگر مسجد ویران ہوجائے اور کوئی نماز پڑھنے والا بھی وہاں نہ ہو تب بھی اس کی بقاء واجب ہے، اور اگر واقف منتقل کرنے پر رضا مند ہو جائے تب بھی جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۳۵)

إذا بنى مسجدا و أذن للناس بالصلاة فيه جماعة فإنه يصير مسجدا.

(شامی، کتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد، زكريا ديو بند ٦/٥٤٥، كراچی ٣٥٦/٤، منحة الخالق كوئٹه ٥/٢٤٨، زكريا ٥/٤١٦، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/١٢٤، رقم: ١١٣٣٦، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٥٦، رقم: ١١٤٩٤)

في فتاوىٰ الحجة: لو صار أحد المسجدين قديما و تداعى إلى الخراب فأراد أهل السكة بيع القديم و صرفه في المسجد الجديد فإنه لا يجوز. (هنديه، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به، زكريا قديم ٢/٤٥٨، جديد ٢/٤١٠، شامی كراچی ٤/٣٥٨، زكريا ٦/٥٤٨، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، مصری قديم ١/٧٤٨، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٥١، زكريا ٥/٤٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۰ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۰۳)	۱۴۱۷/۶/۱۲ھ

مسجد کی زمین کے تبادلہ کا حکم

سوال [۷۷۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: خسرہ ۱/ زید کی زمین ۹/ڈسمل، خسرہ ۲/مسجد ۱۱/ڈسمل، خسرہ ۳/مسجد سے اتر جانب ۱۷/ڈسمل جو برٹش حکومت کے دور سے زید کے والد مرحوم آباد کرتے رہے، بعدۂ تقریباً چالیس سال سے خود زید آباد کر رہا ہے، صورت مسئولہ یہ ہے کہ مسجد سے متصل زید تقریباً سال بھر سے اپنا مکان بنا کر بود و باش اختیار کئے ہوئے ہے، زید کے خیال میں یہ بات آئی کہ مسجد کی زمین کی پیمائش کرائی جائے اس کے لیے کاغذات وغیرہ دیکھے گئے تو اب یہ بات سامنے آئی کہ یہ ۱۵/ڈسمل زمین خسرہ ۳/ والی سرکاری کاغذات میں بہار سرکار غیر مجروہ عام مسجد کا ایک کمرہ اور صحن درج ہے، اور یہ بات آج تک کسی کو معلوم نہیں، خود زید کو بھی نہیں اور مسجد جس خسرہ میں بنی ہوئی ہے اسی خسرہ کی تقریباً ایک ڈیڑھ ڈسمل زمین جانب اتر خالی ہے اگر کمرہ وغیرہ والی بات ہوتی تو خسرہ میں ہونی چاہیے لیکن دوسرے خسرہ میں اس کو دکھایا جا رہا ہے۔

بہر حال دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس طرح سرکاری دستاویز میں لکھا ہوا ہونے سے مسجد کی ملکیت تسلیم کی جائے گی یا نہیں؟ اور اگر تسلیم کر لی جائے تو اس صورت میں خسرہ ۳/ کا تبادلہ مسجد کے فائدے کو دھیان میں رکھ کر کیا جائے تو تبادلہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مسجد کا فائدہ یہ ہے کہ مسجد کے سامنے زید کی زمین ہے، بعدۂ عام سڑک اگر زید اپنی زمین کو استعمال میں لے آئے، تو مسجد کا راستہ بالکل ختم ہو جاتا ہے، وجہ اس کی خسرہ ۱/ زید کی زمین خسرہ ۳/ والی کے سامنے آرہی ہے اور خود خسرہ ۲/ بھی مسجد کے سامنے تو ہے ہی، اسی کے پیش نظر زید چاہتا ہے کہ مسجد کے سامنے جتنی زید کی زمین آرہی ہے مسجد لے لے اپنا راستہ بنا لے اگر وہ زمین پوری نہیں ہوئی تو کمی کو دور کرنے کے لیے مسجد سے متصل پیچھے باقی ماندہ زمین مسجد کو دی جائے گی، جو مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہوگی اور مسجد پہلے کے مقابلہ مربع ہو جائے گی، شریعت کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: الحاج عبد الرؤف، مقام چکنی، ضلع ارریہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خسرہ ۳/ کی زمین جس کے بارے میں کاغذات میں عام مسجد کا ایک کمرہ اور صحن ہونا درج ہے اور اس پر زید آباد ہے، وہ زمین سرکاری

کاغذات کے اعتبار سے مسجد کی ملکیت ہے جو واقعہ میں بالفعل زید کے تصرف میں چلی آرہی ہے، اور خسرہ ۱؍بھی زید کی ملکیت ہے جو اسی کے تصرف میں ہے تو ایسی صورت میں اگر خسرہ ۳؍کے بجائے خسرہ ۱؍سے مسجد کا فائدہ زیادہ ہوسکتا ہے، تو تبادلہ کی گنجائش ہے۔

مبادلة دار الوقف بدار أخریٰ إنما تجوز إذا كانت في محلة واحدة و تكون المحلة المملوكة خيرا من المحلة الموقوفة. (هنديه، الباب الرابع، فيما يتعلق بالشرط في الوقف، زكريا قديم ٢/ ٤٠٠، جديد ٢/ ٣٧٥، الدر مع الرد كراچی ٤/ ٣٨٦، زكريا ٦/ ٥٨٦، مجمع الانهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٧٦، مصری قديم ١/ ٧٣٦، البنايه اشرفيه ٧/ ٤٦٠، البحر الرائق كوئٹه ٥/ ٢٢٣، زكريا ٥/ ٣٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ　　الجواب صحیح
۳۰؍شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ　　احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۷۳/۴۰)　　۱۴۳۴/۱۰/۳۰ھ

واقف کی اجازت سے مسجد کی زمین کو دوسری زمین سے بدلنا

سوال [۸۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے چندسال قبل اپنی قطعۂ آراضی پر ایک پلاٹ مسجد کے لیے دیا تھا، اور وہ پلاٹ جن صاحب کے حوالہ کیا تھا، انہوں نے کسی عالم دین کو بلا کر تبرکا چند اینٹیں ان سے وہاں رکھوالیں بعدہٗ اس جگہ کی نہ تو کوئی حد بندی ہوئی اور نہ ہی اس پر کوئی نماز ادا ہوئی، اب میں اپنی مرضی سے اسی قطعۂ آراضی پر اس کے بدلہ میں دوسرا پلاٹ مسجد کے لیے دینا چاہتا ہوں، جو اس کے مقابلہ میں زیادہ موزوں بھی ہے اور اس پر جلد ہی مسجد تعمیر ہونا اور زیادہ آباد رہنا یقینی ہے، تو کیا مجھے اس تبدیلی کا اختیار ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تعمیر مسجد کے لیے جو زمین دی گئی ہے اور اس میں مسجد کی تعمیر کی نیت سے صرف گڑھا کھود کر بنیاد رکھی گئی ہے ابھی تعمیر شروع نہیں ہوئی ہے،

اورسوالنامہ کے مطابق اس زمین سے بہتر آبادی سے قریب واقف کی دوسری زمین موجود ہے، تو ایسی صورت میں واقف کے لیے یا واقف کی اجازت سے اس زمین کے بدلہ میں آبادی سے قریب والی زمین کو مسجد کے لیے لے لینا جائز اور درست ہوگا، اس لیے کہ پہلے والی زمین شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل نہیں ہوئی ہے، لہٰذا اس زمین کو دوسری موزوں زمین سے بدل کر اس دوسری زمین میں مسجد تعمیر کرنا شرعاً درست ہے۔

لایصیر مسجدا بمجرد البناء مالم یوجد القبض و التسلیم و بالصلاۃ فیه بجماعة یقع القبض و التسلیم بلاخلاف. (تاتارخانية، الوقف، لفصل الحادی والعشرون، زکریا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱۲٤، رقم: ۱۱۳۳۵– ۱۱۳۳٦)

قال أبو حنیفة رحمة الله علیه: لایکون مسجداً حتی یصلی فیه جماعة بإذنه. (تاتارخانیة زکریا ۸/۱۵۷، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱۲٤، رقم: ۱۱۳۳٦)

مبادلة دار الوقف بدار الأخریٰ إنما تجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو محلة الأخریٰ خیرا. (شامی، الوقف، مطلب فی شروط الاستبدال، زکریا دیوبند ٦/۵۸٦، کراچی ٤/۳۸٦)

وإن کان للوقف ریع ولکن یرغب شخص في استبداله إن أعطیٰ مکانه بدلا أکثر ریعا منه فی صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبي یوسف والعمل علیه. (شامی زکریا ٦/۵۸۷، کراچی ٤/۳۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۴/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۲/۲۹ھ

مسجد کے لیے دی گئی زمین کو دوسری بری زمین سے تبدیل کرنا

سوال [۷۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک زمین جس کا رقبہ سترہ سو مربع فٹ ہے، بغرض حصول ثواب دارین

مسجد بنانے کے لیے وقف کردی ہے لیکن مشورہ سے یہ طے پایا کہ یہ جگہ مسجد کے لیے ناکافی ہے۔

لہٰذا اسی جگہ کچھ فاصلہ پر ایک بڑا پلاٹ (سترہ سو پچاس مربع فٹ) عمرو کا ہے، عمرو سے بات کرنے پر وہ راضی ہوگئے کہ بڑے پلاٹ کے عوض چھوٹا پلاٹ سترہ سو مربع فٹ والا لے لیں اور مسجد کی تعمیر بڑے پلاٹ پر ہو، اس سلسلے میں واقف پلاٹ زید سے بھی گفتگو کی گئی تو ان کا قول یہ ہے کہ اس طرح نیت بدلنے میں کوئی شرعی حرج نہ ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے میں بھی بہتر خیال کرتا ہوں کہ مسجد وسیع سے وسیع تر ہوجائے، اس سلسلے میں احکام شرع سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: نیاز احمد انصاری، بارہ بنکی یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مسجد کے نام سے مذکورہ زمین وقف کردی گئی ہے تو وہ زمین وقف ہوکر مالک کی ملکیت سے نکل چکی ہے، لیکن ابھی تعمیر کا سلسلہ شروع نہیں ہوا ہے، اور اس سے بڑی زمین اس کے معاوضہ میں مناسب جگہ پر تعمیر مسجد کے لیے مل رہی ہے تو اس کے بدلے میں بڑی والی زمین لے کر اس میں مسجد تعمیر کرنے کی گنجائش ہے، اس لیے کہ اس تبدیلی میں مسجد ہی کے لیے زیادہ نفع اور فائدہ ہے، اور نمازیوں کی زیادہ گنجائش بھی تبدیلی کی صورت ہی میں ہے، لہٰذا اس تبدیلی کی وجہ سے واقف کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آئیگی، بلکہ اس کا ثواب اپنی جگہ باقی رہے گا اور بڑی زمین کا ایثار کرنے والے کو بھی ثواب ملے گا، اور یہ کام مسجد کی کمیٹی اور ذمہ داروں کی منعقدہ رائے سے ہونا چاہئے۔

وأما الاستبدال بدون الشرط فلايملكه إلا القاضي، قال الشامي بحثا عنه: وإن كان للوقف ريع، ولكن يرغب شخص في استبداله إن أعطى مكانه بدلا أكثر ريعا منه في صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبي يوسف، والعمل عليه. (شامي زكريا ٦/٥٨٧، كراچی ٤/٣٨٦)

وأما الاستبدال بدون الشرط فلايملكه إلا القاضي بإذن السلطان، حيث

رأى المصلحة فيه، وفي القنية: مبادلة دار الوقف بدار أخرىٰ، إنما تجوز إذا كانتا في محلة واحدة. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۸۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۱۷ھ

مسجد کے مکان کا دوسرے مکان سے تبادلہ کرنا

سوال [۷۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں مرکزی نوری مسجد شہر ''ہردہ'' سے ملے ہوئے غیر مسلم اور مسلم کے مکانات ہیں اور چار مکان آگے مسجد کے مکانات ہیں، آبادی کی کثرت کی وجہ سے مسجد چھوٹی پڑنے لگی ہے اور نماز پڑھنے، مدرسہ لگانے اور جماعت ٹھہرنے میں دقت ہوتی ہے، ایسی صورت میں مسجد سے لگے ہوئے غیر مسلم اور مسلم کے مکانات مسجد میں لے کر ان کے بدلے میں مسجد کے مکانوں میں سے مکان دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور مسجد کے مکان کو فروخت کرکے اس کی قیمت کو مسجد کے کام میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

وضاحت: جس مکان کا مسجد میں لینے کا ارادہ ہے اس کی قیمت کم ہے، اور جو مکان بدلے میں دینا ہے اس کی قیمت زیادہ ہے، برائے مہربانی جواب میں اس صورت کے حکم کی بھی وضاحت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ مذکورہ مکان مسجد کی ملکیت میں ہے یا وہ موقوفہ مکان ہے، اگر ملکیت میں ہے تو متولی اہل محلّہ کے باہمی مشورہ سے تبادلہ کرسکتا ہے، جس میں مسجد کا زیادہ نفع ہو اور اگر موقوفہ مکان ہے تو جب تک اس مکان سے ادنیٰ فائدہ حاصل ہوتا رہے تبادلہ درست نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۴/ ۴۸۸، انوار رحمت ۱۴۲)

فإن أراد المتولی أن یبیع ما اشتریٰ ...... وقال بعضهم: یجوز هذا البیع وهو الصحیح الخ. (البحر الرائق، کتاب الوقف کوئٹه ۲۰۷/۵، زکریا دیوبند ۳۴۶/۵، قاضیخان زکریا جدید ۲۰۷/۳، وعلی هامش الهندیة ۲۹۷/۳)

إن الخلاف فی الثالث إنما هو فی الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فإنه لایجوز حیئنذ الاستبدال علی کل الأقوال. (شامی، مطلب فی استبدال الوقف و شروطه زکریا ۵۸۴/۶، کراچی ۳۸۴/۴-۳۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۹۱/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۳ھ

مسجد کی آراضیٔ موقوفہ کا استبدال

سوال [۷۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) خدمت اقدس میں گذارش ہے کہ میرے داداجی نے اپنی حیات میں ۱۷؍ کاٹھا زمین مسجد میں وقف کی تھی لیکن انہوں نے ۶؍ کاٹھا زمین پر مسجد بنائی، اور باقی زمین ان کے قبضے میں تھی اور اس وقت سے آج تک وہ ہمارے قبضہ میں ہے، ان کی وفات کے بعد ہم نے زمین ناپ کے دیکھی کہ ۱۱؍ کاٹھا زمین مسجد میں دینے کے بعد مسجد کی زمین پوری ہوگی، لیکن اگر وہ زمین چھوڑ دیں تو ہمارے جانے آنے کا راستہ اور دیگر ضروریات زندگی سب بند ہوجائیں گی، تو ہم نے اپنے مقامی علماء سے فتویٰ طلب کیا تھا تو ان حضرات نے ہمارے گھر کی پوزیشن اور وہ زمین جو مسجد بلسکا کی باہر ہے جو مسجد کے لیے کارآمد نہیں ہے اس کو دیکھ کر یہ فتویٰ دیا تھا کہ اس زمین کے ۴۲؍ ڈبل زمین دینی ہوگی، جو مسجد کے لیے زیادہ کارآمد ہو، ہم نے اسی کے مطابق ڈبل زمین دیدی جو قیمت کے اعتبار سے بھی زیادہ ہے، آج سے ۱۶؍ ۱۷؍ سال قبل کی بات ہے، اور اسی کے مطابق گھر دوار بنا کر رہتے ہیں اور سابق متولی اور دیگر

خواص کی موجودگی میں دلیل ریکارڈ وغیرہ ہو چکا ہے، موجودہ متولی صاحب نے کہا کہ یہ عوض بدل کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے، لہٰذا یہ زمین چھوڑ دینی ہوگی، حالانکہ وہ زمین مسجد کے لیے کچھ کارآمد نہیں ہے اور اس کو چھوڑ دینے سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہے گا، لہٰذا حضور والا سے گذارش ہے کہ مسجد کی زمین کا استبدال کسی صورت میں جائز ہے یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ مسجد کے لیے زیادہ نفع وکارآمد نہیں، شریعت کے مطابق فتویٰ عنایت فرمادیں، اور حوالہ دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

المستفتی: محمد اظہارالحق ۲۴ر پرگنہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقف نے بعد کے متولی وغیرہ کے لیے بوقت وقف استبدال کی شرط لگائی تھی تو استبدال صحیح رہے گا۔

لو شرط الواقف فی الوقف الاستبدال لكل من ولی هذا الوقف صح ذلک ولكل من ولی الوقف ولاية الاستبدال. (قاضيخان، كتاب الوقف، فصل فی مسائل الشرط فی الوقف، زكريا جديد ۳/۲۱۵، وعلى هامش الهندية زكريا ۳/۳۰۸)

الأول أن يشرطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه و غيره فالاستبدال فيه جائز على الأصح. (الدر مع الدر، مطلب فی استبدال الوقف و شروطه، كوئٹه ۳/۴۲۴، كراچی ۴/۳۸۴، زكريا ديوبند ۶/۵۸۳، الفقه الاسلامی و أدلته مكتبه الهدی انٹر نيشنل ديوبند ۸/۲۱۹، دار الفكر ديوبند ۱۰/۷۶۷۵)

اور اگر واقف نے استبدال کی شرط نہیں لگائی تھی اور مسجد کے لیے بالکل ناقابل انتفاع ہو چکی ہے، تو قاضئ شرعی کی اجازت سے استبدال جائز رہے گا۔

والثانی أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيئ أصلا أو لا يفی بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح، إذا كان بإذن القاضی و رأيه المصلحة فيه. (الدر مع الرد كوئٹه ۳/۴۲۴، كراچی ۴/۳۸۴، زكريا ديوبند ۶/۵۸۳-۵۸۴، الفقه الإسلامی و أدلته، هدی

انٹرنیشنل دیوبند ۸/۲۱۹، دار الفکر ۱۰/۷۶۷۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٩٦)

اوراگر زمین کسی حدتک منتفع بہ ہے تو کسی کے لیے استبدال جائز نہیں رہے گا اگر چہ اس کا عوض اس سے زیادہ انفع ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر جمادی الاولی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۲۳/۲۰۳)

مسجد کی زمین کا دوسری جگہ سے تبادلہ کرنا

سوال [۷۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی نے ایک آراضی مسجد کے لیے وقف کردی اس میں مسجد کی سنگ بنیاد بھی رکھی گئی اوراب تک موجود ہے اورکئی وقتوں کی نماز باجماعت بھی اس میں ادا کی گئی البتہ اس کی چوحدی ہنوز نہیں ہوئی ہے، اب واقف صاحب اس زمین کو بیچنا چاہتے ہیں، تو کیا واقف کے لیے اس وقف کردہ زمین کو بیچنا جائز ہے، اوراس سنگ بنیاد کی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ پر مسجد بنائی جاسکتی ہے، اور یہ دوسری جگہ اس پہلی جگہ کے مقابلے میں قیمتی بھی اور اچھی بھی ہے تو کیا اس کا بدلہ دوسری جگہ سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ: کھلے میدان میں نماز بھی ہوئی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوزمین تعمیر مسجد کے لیے دی گئی ہواس میں صرف گڑھا کھودکر بنیاد رکھ دینے سے وہ مسجد شرعی نہیں ہوتی، اسی طرح کھلے میدان میں چند لوگوں کے یونہی نماز پڑھ لینے سے وہ مسجد شرعی کے حکم میں داخل نہیں ہوتی، بلکہ مسجد شرعی ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ واقف کی اجازت سے اس زمین میں باضابطہ تعمیر ہو اور پھر اذان واقامت کے ساتھ نماز کا سلسلہ شروع ہوجائے اورزمین میں نمازیوں کے نماز پڑھنے کے لیے آنے جانے کی غرض سے راستہ بنادیا جائے، اور مذکورہ زمین میں یہ سب شرائط نہیں

پائے گئے، اس لیے یہ زمین شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل نہیں ہوئی، لہٰذا اس زمین کو ایسی زمین سے بدلنا جو مسجد کے لیے زیادہ بہتر اور موزوں ہو جائز اور درست ہے اور سوالنامہ میں یہ مذکور ہے کہ دوسری جانب زمین پہلی زمین کے مقابلے میں مسجد تعمیر کرنے کے لیے زیادہ مناسب اور بہتر ہے، اس لیے مذکورہ زمین کے بدلے میں دوسری مناسب زمین لے کر اس میں مسجد تعمیر کرنا جائز اور درست ہوگا۔

لایصیر مسجداً بمجرد البناء مالم یوجد القبض والتسلیم وبالصلاة بجماعة یقع القبض والتسلیم بلاخلاف. (تاتارخانیة، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد، زکریا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹٤)

قال أبو حنیفة رحمه الله: لایکون مسجدا حتی یصلی فیه جماعة بإذنه. (تاتارخانیة زکریا ۸/۱۵۷، رقم: ۱۱٤۹۷)

لو صلی فیه جماعة بغیر أذان و إقامة سرا لا جهرا لایصیر مسجداً. (تاتارخانیة زکریا ۸/۱۵٦ رقم: ۱۱٤۹٤)

مبادلة دار الوقف بدار أخریٰ إنما یجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو محلة أخریٰ خیرا. (شامی زکریا ٦/٥٨٦، کراچی ٤/٣٨٦، البحر الرائق کوئٹہ ٥/٢٢٣، زکریا ٥/٣٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۴۶)

مسجد کے کونے کو عذر کی بناء پر مسجد سے خارج کرنا

سوال [۷۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کونہ جو پہلے خارج مسجد تھا اور مسجد کے سیدھ سے باہر تھا کچھ لوگوں کو معلومات نہ ہونے کی بنا پر وہ کونہ انہوں نے مسجد میں داخل کرلیا اس کے مسجد میں داخل ہونے

سے سبھی لوگوں کو راستے کی تکلیف ہوگئی ہے اب سبھی لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ کونہ خارج مسجد ہو جائے اور یہاں کو راستہ نکل جائے جبکہ یہ جگہ تقریباً دو یا تین میٹر ہوگی، اور یہ جگہ مسجد کی دیوار کی سیدھ سے باہر ہے لیکن یہ جگہ مسجد ہی کی ملکیت میں ہے، عرض ہے کہ ہمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بتلائیں کہ کیا ہم اس جگہ کو خارج مسجد کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ جگہ اور کونہ مسجد کی ملکیت ہے اور اب وہ حدود مسجد میں آچکی ہے اور اس میں نماز بھی ہو چکی ہے، تو وہ مسجد شرعی کے دائرہ میں داخل ہو چکی ہے، اب اس کو مسجد سے خارج کرنا جائز نہ ہوگا۔

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلى قوله) ولو على جدار المسجد و تحته فی الشامی: مع أنه لم يأخذ من هواء المسجد شيئا.

(الدرمع الرد، كتاب الوقف، قبيل مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۲۵)

مسجد کا بعض حصہ سڑک میں شامل کر کے دوسری جانب زمین لینا

سوال [۷۷۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم ۲-۳ کے درمیان دکھن کنارے پر ایک قدیم مسجد ہے، مسجد پلیٹ فارم سے نشیب میں ہے، اب جبکہ محکمۂ ریلوے پلیٹ فارم کی توسیع کر رہا ہے، مسجد پلیٹ فارم سے تین چار فٹ نیچی ہو جائے گی، آفیسران ریلوے کی درخواست ہے کہ مسجد کی پشت یعنی پچھّم سے پلیٹ فارم کے لیے چار پانچ فٹ زمین ریلوے کو دیدی جائے محکمۂ ریلوے اس کے عوض میں مسجد سے متصل زمین دیدیگا اور مسجد کی از سر نو تعمیر کروائے گا، تاکہ مسجد

اونچی ہوجائے اور باہر سے پانی نہ جائے۔

مسجد کا رقبہ درج ذیل ہے:

لمبائی: ۳۴رفٹ ۶ راںچ ...... چوڑائی: اتری حصہ ۳۱رفٹ ۶ رانچ، درمیانی حصہ ۳۰رفٹ ۶رانچ، دکھنی حصہ: ۲۹رفٹ ۶رانچ

جس حصہ میں نماز ہوتی ہے اس کا رقبہ لمبائی میں ۲۵رفٹ ۶رانچ اور چوڑائی میں ۲۰رفٹ ۶رانچ ہے، محراب کا حصہ ۴رفٹ ہے۔

درج ذیل امور کا شرعی جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں:

(۱) دیوار کا کچھ حصہ پلیٹ فارم کے لیے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) دیوار کا کچھ حصہ دینے کے بعد محکمۂ ریلوے کا مقصد پورا نہ ہو تو کیا محراب کا کچھ حصہ دیا جاسکتا ہے؟

(۳) مفاد عامہ کے پیش نظر اگر حکومت زبردستی محراب کا کچھ حصہ لے تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

(۴) کیا کوئی ایسی صورت شریعت مطہرہ میں ہے جس سے حکومت اور مسلمانوں میں ٹکراؤ کی نوبت نہ آئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے بعض حصہ کو سڑک میں شامل کر کے اس کے بدلہ میں دوسری جانب مسجد کے لیے زمین دینے یا مسجد بنا کر دینے سے متعلق اکابر اہل فتاویٰ سے بھی سوال کیا جاچکا ہے، چنانچہ حضرت گنگوہیؒ سے اسی قسم کا سوال کیا جاچکا ہے، اور حضرت گنگوہیؒ نے عدم جواز کو ترجیح دی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲۷)

اور اسی طرح کا سوال حضرت تھانویؒ سے کیا گیا اور حضرت تھانویؒ نے شامی وغیرہ کی مختلف عبارات کو شامل کر کے تقریباً ڈھائی صفحہ پر عربی میں جواب لکھا ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ مسجد کا کوئی حصہ معاوضہ میں دینا ناجائز ہے، اور جن عبارات میں ضرورت عامہ کی بنا پر مسجد کے بعض حصہ کو گزرگاہ بنانے کی اجازت دی گئی ہے ان عبارات کا مطلب یہ نہیں کہ جس حصہ کو گزرگاہ

بنایا جائے وہ مسجد سے خارج ہو جائے گا بلکہ وہ حصہ مسجد ہی میں رہے گا، اور اس حصہ سے ہر طرح کے لوگوں کو گزرنے کی اجازت ہے، حتی کہ کافر کو بھی گزرنے کی اجازت ہے، مگر حائضہ، نفساء اور جنبی کو گزرنے کی اجازت نہیں، اس لیے کہ وہ حصہ مسجد ہی ہے، اسی طرح معاوضہ اور تبادلہ میں مسجد کا کوئی حصہ سڑک اور راستہ میں دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۵۵)

اور بعینہٖ یہی سوال حضرت مفتی کفایت اللہؒ سے کیا گیا تو انہوں نے کافی وضاحت کے ساتھ یہ بات لکھی ہے کہ مسجد کا کوئی حصہ تبادلہ میں دینا، یا عام لوگوں کے گزر کے لیے سڑک میں دے دینا جائز نہیں ہے، مفتی صاحبؒ کا یہ فتویٰ بعینہٖ ہمارے مذکورہ سوال کے جواب سے ملتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۳۶، جدید مطول ۱۰/ ۱۴۴)

اور حضرت مفتی شفیع صاحبؒ سے بھی اسی طرح کا سوال کیا گیا، انہوں نے بھی عدم جواز کا جواب لکھا۔ (امداد المفتیین کراچی ۷۶۰)

اور فتاویٰ عبدالحی میں بھی تقریباً اسی طرح کے عدم جواز کا فتویٰ ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ لکھنؤ ا/ ۲۵۵)

درمختار، البحر الرائق، طحطاوی علی الدر، مجمع الانہر، تبیین الحقائق وغیرہ کتابوں کے مصنفین نے ان سب کتابوں میں درمختار و شامی کی اس عبارت کی طرح عبارتیں نقل فرمائی ہیں، جس میں وسیع مسجد کے زائد حصہ کو ضرورت عامہ کی بناء پر گزرگاہ بنانے کی اجازت دی گئی ہے، لیکن سبھی حضرات نے ساتھ میں یہ قید لگائی ہے کہ اس راستہ میں عامۃ المسلمین کے ساتھ کافر بھی گزر سکتا ہے، مگر وہ حصہ مسجد ہی کا حصہ رہے گا، لہٰذا اس حصہ پر سے جنبی، حائضہ اور نفساء کا گذر ہر گز جائز نہیں ہے، اس وجہ سے کہ وہ حصہ مسجد ہے، اور مسجد سے ان لوگوں کا گزرنا جائز نہیں ہے، ان کے علاوہ عام انسانوں کو اپنی دنیوی ضرورت کے لیے بھی گزر کر آنا جانا جائز ہوگا، اسی وجہ سے گزرنے کی اجازت دی گئی مگر بیچنے اور تبادلہ میں دینے کی اجازت نہیں دی گئی، لہٰذا فقہ کی مذکورہ کتابوں کی وہ عبارات جن میں دیوار مسجد تک مسجد میں شامل ہونے کے بعد اس کو مسجد سے خارج کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اس کے اور گزرگاہ اور راستہ بنانے کی اجازت والی عبارت کے درمیان تعارض نہیں ہے۔

واعلم أنه لو ضاق المسجد وبجنبه طريق العامة يوسع منه وكذا بالعكس؛ لأنهما للمسلمين نص عليه محمد كذا في الاختيار، ونحوه في الدرر والتنوير، والمراد بعكسه أن يجعل في المسجد ممر لتعارف أهل الأمصار في الجوامع، و جاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر إلا الجنب والحائض والنفساء والدواب كما في المنح وغيره عن الزيلعي. (سكب الأنهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٦، مصرى قديم ١/٧٤٨)

ومعنى قوله كعكسه أنه إذا جعل في المسجد ممرا فإنه يجوز لتعارف أهل الأمصار في الجوامع، وجاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر إلا الجنب والحائض والنفساء لما عرف في موضعه. (البحر الرائق زكريا ٥/٤٢٨، كوئٹه ٥/٢٥٥، تبيين الحقائق، مكتبه امداديه ملتان ٣/٣٣٢، زكريا ديوبند ٤/٢٧٤)

قلت: وظاهر كلام المصنف والشارح جوازه إلا أنه لايعطى حكم الطريق من كل وجه. (الطحطاوى عل الدر كوئٹه ٢/٥٤٣)

ولايوضع الجذع على جدار المسجد و إن كان من أوقافه. (شامى زكريا ٦/٥٤٨، كراچى ٤/٣٥٨)

اور دیوار مسجد بھی مسجد ہی کے حکم میں ہوتی ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین کراچی ۷۹۴، فتاویٰ خلیلیہ ۱/ ۱۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۲۲/۳۸)

مسجد کا حصہ قیمت یا بلا قیمت پڑوسی کو دینا

سوال [۷۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک قطعہ دومنزلہ مکان جنوب رو ایک سال قبل عبد الغفار ولد عبد الغفور

مرحوم جوکہ میرے حقیقی چچا ہوتے ہیں سے خرید کیا ہے مکان کے مشرق جانب رحیم والی مسجد محلّہ کسرول واقع ہے، میرے چچا نے یہ مکان تقریباً تیس سال قبل دومنزلہ بنایا تھا، مکان کی خریداری کرنے کے بعد میرے علم میں آیا کہ اس مکان اور مسجد کے بیچ میں ایک آبچک مسجد کا ہے، جوکہ بسمت جنوب سے شمال کی جانب پیش طاق کے بعد ختم ہوجاتا ہے، جس کارقبہ ۳ رگز ۱۴ رگرہ ہے، آبچک کی پیمائش کی فوٹو کاپی سوال کے ساتھ منسلک ہے، مسجد کی تعمیر کے وقت ذیلی منزل میں اسکو شامل کرلیا گیا ہے اور دوسری منزل پر اس کو چھوڑ دیا گیا ہے، عبدالغفار کے مکان کی تعمیر سے پہلے متولی مسجد ہٰذا نے کہا جب آپ مکان تعمیر کررہے ہو تو اسے اپنے مکان میں شامل کرلو کیونکہ اگر اسے ایسے ہی چھوڑتے ہو تو یہ آبچک مسجد اور آپ کے مکان دونوں کو نقصان پہنچائے گا، کیونکہ دوسری منزل پر اس چھوٹے سے آبچک کی صفائی کون کرے گا، میں نے اپنے چچا سے مکان خریدنے کے بعد دوسری منزل پر آبچک چھوڑ کر اپنے حصہ میں دیوار کرلی، اور مسجد ہٰذا اور محلّہ کے ذمہ دار حضرات کو موقع کو دکھایا کیونکہ میں مسجد کی آراضی کو اپنے مکان میں شامل کرکے کوئی گناہ کا عمل نہیں کرنا چاہتا ہوں، لیکن مسجد ہٰذا و محلّہ کی دیواروں کو برسات کے پانی وگندگی سے کافی نقصان پہنچے گا، لہٰذا مفتیان شرع سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ میرے لیے اور مسجد کے لیے کوئی ایسا شرعی حل تلاش کریں جس سے میرے اوپر گناہ عائد نہ ہوتا ہو، ویسے میں اس جگہ کی قیمت یا جگہ کے بدلے دوسری جگہ مسجد کو دے سکتا ہوں، کیونکہ دوسری مسجد کے برابر میں میرا مکان ہے، خدا میری مدد کرے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے جس آب چک کا ذکر کیا گیا ہے یہ در حقیقت حکم شرعی کے اعتبار سے آب چک نہیں ہے، بلکہ عین مسجد ہے اس لیے کہ مسجد کے نیچے کی منزل اس حصہ کو شامل کرکے بنی ہوئی ہے، اور دوسری منزل میں اہل مسجد نے ناواقفیت میں اس حصہ کو باہر چھوڑ دیا ہے اور دوسری منزل میں اس حصہ کو مسجد سے باہر چھوڑنے کی وجہ سے وہ حصہ مسجد سے خارج نہ ہوگا، بلکہ داخل مسجد ہی ہوگا، لہٰذا اس حصہ کو پڑوسی کے حوالہ کرنا یا

اس کی تحویل میں دینا کسی طرح جائز نہیں، اس طرح اس حصہ کو نہ ہی مفت میں دینا جائز ہے، اور نہ ہی اس حصہ کا کرایہ لینا جائز ہے، اس لیے کہ وہ عین مسجد ہے، کیونکہ دیوار مسجد بھی حکم مسجد میں داخل ہوتی ہے، اور سوالنامہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ پڑوسی نے اپنے حصہ میں دیوار کھینچ کر اس حصہ کو اپنے حدود سے باہر نکال دیا ہے یہ انہوں نے صحیح کیا ہے، اب ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ تیسری منزل کی چھت کے اوپر چہار دیواری قائم کر کے، اور لینٹر کو باقی رکھ کر مسجد میں چھوڑ دیں اور اوپر سے ٹیپر بنادیں تاکہ وہاں پر پانی نہ رکنے پائے اور مسجد کی عمارت نقصان سے محفوظ رہے، اور دیکھنے والے دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ حصہ مسجد کا ہے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلک لم يصدق فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئا منه مستغلا ولاسكنى. (شامی کتاب الوقف، قبيل مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ٥٤٨/٦، کراچی ٣٥٨/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۸۷)

نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے درمیان کی مسجد کے تبادلہ کا مسئلہ

سوال [۷۷۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نئی دہلی پلیٹ فارم کے بیچ میں ایک مسجد ہے حکومت ہند چاہتی ہے کہ اس مسجد کو ختم کر کے اس جگہ کو ریلوے کے استعمال میں لے آئے، اور اس کے بدلے مسلمان جہاں چاہیں جتنی بڑی مسجد چاہیں بنالیں، کیا اس طرح کرنے کی شرعاً گنجائش ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جگہ ایک بار مسجد بن چکی ہے وہ تا قیامت مسجد

ہی رہے گی اس کو کسی دوسرے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے، لہٰذا پلیٹ فارم کی مسجد کو ریلوے کے استعمال کے لیے دینا جائز نہیں ہے، اگرچہ حکومت اس کے بدلے میں دوسری جگہ مسجد بنا کر دے۔ (مستفاد: فتاویٰ حقانیہ حیدرآباد ۵/۱۰۴، کفایت المفتی قدیم ۷/۳۶، جدید زکریا مطول ۱۰/۱۰۴)

لو كان مسجد في محلة ضاق على أهله ولايسعهم أن يزيدوا فيه فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذٰلك المسجد له ليدخله في داره ويعطيهم مكانه عوضا ما هو خير له فيسع فيه أهل المحلة؟ قال محمد: لايسعهم ذٰلك. (هندية، الباب الحادي عشر في المسجد و مايتعلق به، زكريا قديم ۲/۴۵۷، جديد ۲/۴۱۰، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۸/۱۶۲، رقم: ۱۱۵۱۱، المحيط البرهاني كوئٹه ۷/۱۳۰، الملجس العلمي ۹/۱۲۷، رقم: ۱۱۳۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۲۷)

واقف کے وارث کا موقوفہ مکان کو ایک ہزار روپئے کے بدلہ لینا

سوال [۷۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی زید نے اپنے چچازاد بھائی کو اپنے پاس رکھ لیا اور پھر چند دنوں کے بعد اس شخص کا انتقال ہوگیا جس نے رکھا تھا، انتقال سے پہلے اپنے لڑکے بکر سے وصیت کردی تھی کہ اپنے چچا کا خیال رکھنا لیکن کسی وجہ سے وہ لڑکا اپنے چچا سے کنارہ کش ہوگیا، پھر اس لڑکے کے چچا کی طبیعت خراب ہوگئی، پھر بھی اس لڑکے نے اپنے چچا کا کچھ خیال نہ کیا، زیادہ طبیعت خراب ہونے پر اس نے اپنا حصہ مکان کا مسجد کے نام وقف کردیا، جب یہ بات اس کے لڑکے کو معلو ہوئی تو وہ اپنے چچا کا خیال کرنے لگا، تو وقف شدہ مکان اس لڑکے کو دیدیا اور جس مکان میں وہ لڑکا رہتا تھا وہ مسجد میں وقف کردیا، چچا نے انتقال کے وقت اس لڑکے سے کہا کہ اگر ایک ہزار روپیہ لے آؤ تو اس مکان کے بدلے میں ایک ہزار روپیہ مسجد میں

دیدوں اور وہ مکان مسجد سے واپس کرلوں اس لڑکے کے پاس اتنی جلدی روپئے نہ ہوسکے اور اس کے چچا کا انتقال ہوگیا، اب اس لڑکے بکر کو قریب ۳۰؍سال ہوگئے ہیں تو کیا ایک ہزار روپیہ دے کر مسجد سے مکان واپس لوٹا سکتا ہے؟

المستفتی: محمد ابراہیم سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اب جبکہ عمر کا انتقال ہوگیا ہے اس کے بھتیجے بکر کو مسجد سے وہ مکان ایک ہزار روپیہ کے بدلے میں واپس لینا جائز نہیں ہے۔

أما إذا قال الواقف علی أن لفلان ولایة الاستبدال فمات الواقف لایکون لفلان ولایة الاستبدال بعد موت الواقف. (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الرابع فیما یتعلق بالشرط فی الوقف، زکریا قدیم ۲/ ۴۰۰، جدید ۲/ ۳۷۵، قاضیخان زکریا جدید ۳/ ۲۱۵، وعلی هامش الهندیة ۳/ ۳۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۶؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۱۲)	۱۴۱۷/۳/۶ھ

مسجد کی زمین میں ذاتی رقم سے رہائشی مکان تعمیر کرنا

سوال [۷۷۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد قریشیان محلہ فیل خانہ کی جگہ تھی اس جگہ میں احسان الٰہی اور ان کے داماد عظمت حسین نے اپنے ذاتی پیسوں سے مکان بنوایا اور اسی مکان میں رہتے رہے، اور کرایہ داری کی رسید احسان الٰہی کے نام آتی رہی، اور کرایہ بھی احسان الٰہی ادا کرتے تھے، پھر ان کے انتقال کے بعد ان کی بیوی کے نام کرایہ داری کی رسید آنے لگی، اور وہ کرایہ ادا کرتی رہیں، پھر ان کی لڑکی شاہدہ کے نام رسید کرایہ داری آنے لگی، اور وہ کرایہ ادا کرتی رہیں۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ احسان الٰہی کے ایک بھائی محبوب الٰہی تھے، (جواب بغیر

شادی شدہ انتقال کر چکے ہیں) اور ایک بھائی نور الٰہی تھے اور ایک بھائی مہر الٰہی تھے جو احسان سے پہلے انتقال کر گئے، نور الٰہی کی دو لڑکیا ہیں: ۱۔ چندا ۲۔ قمر جہاں۔

تو کیا شرعاً اس مکان میں احسان الٰہی کے دیگر بھائیوں یا مذکورہ بھتیجوں کے کسی طرح حقوق نکلتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عظمت حسین فیل خانہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی جگہ پر کسی کے لیے رہائش کی غرض سے ذاتی رقم صرف کر کے مکان بنانا جائز نہیں اور نہ ہی متولی یا ذمہ داران مسجد کے لیے اس کی اجازت دینے کا اختیار ہے، البتہ اگر ذمہ داران مسجد نے اس وقت مسجد کے مفاد کی خاطر اس طرح کرایہ پر دیا تھا کہ مکان کی قیمت کرایہ میں مجریٰ ہو جائے گی، اس کے بعد پھر کرایہ کا سلسلہ جاری رہے گا، تو اس کی اس وقت گنجائش تھی مگر جب احسانِ الٰہی جو اصل کرایہ دار تھا اس کا انتقال ہو چکا ہے تو کرایہ داری کا معاملہ شرعی طور پر ختم ہو چکا ہے، اب معاملہ صاف کر کے زمین و مکان مسجد ہی کو دیدینا لازم ہے، اس میں احسان الٰہی کے ورثاء میں سے کسی کا کوئی حق متعلق نہیں ہے، البتہ مکان کی قیمت کرایہ میں مجریٰ ہونے سے اگر کچھ باقی ہے تو صرف وہی مسجد سے وصول کر سکتے ہیں۔

وإذا مات أحد المتعاقدين وقد عقد الإجارة لنفسه انفسخت الإجارة. (هدايه اشرفيه ديو بند ۳/ ۳۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴؍۱؍۱۴۱۷ھ

مسجد کی دیوار توڑ کر اس کو پختہ بنا کر اپنے مکان کی چھت ڈالنا

سوال [۷۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک موقوفہ جائیداد بنام مسجد ہے، اس کی ایک دیوار پڑوسیوں نے توڑ کر اپنی پکی دیوار بنا کر اس کے اوپر لینٹر ڈال لیا ہے اب از روئے شرع ان کے لیے کیا حکم ہے؟

المستفتی: لیاقت حسین کاتب، بلاری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی دیوار بھی مسجد کی طرح وقف میں داخل ہے اس لیے اس کی دیوار توڑ کر کسی کے لیے پکی دیوار بنا کر مالکانہ تصرف کر کے اس پر لینٹر ڈال کر اپنے مکان وغیرہ کی چھت کو قائم کرنا ہرگز جائز نہیں ہے تمام مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ پڑوسیوں کو اس پر مجبور کریں کہ وہ مسجد کی دیوار اور زمین سے اپنا قبضہ چھوڑ دیں۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذٰلک لم يصدق فإذا كان هٰذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد الخ. (الدر المختار، كتاب الوقف، قبيل مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۹۳)

مسجد کے ماتحت مدرسہ یا دینی ہال بنانا

سوال [۷۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قوم راعین برادری میں ایک مسجد عمر فاروق کا کام چالو ہے جب مسجد کا کام چالو کیا تو ہم نے بہت سے دیندار اور پیش اماموں کو بلایا تھا، ان کے سامنے ہم نے یہ بات رکھی کہ ہم مسجد دو منزل کی بنوائیں گے، نیچے ہال ہوگا اور اوپر کی منزل پر مسجد ہوگی ان سب لوگوں نے یہ کہا کہ مسجد کی بنیاد زمین پر رکھی گئی ہے، یعنی محراب کا پتھر زمین پر رکھا گیا ہے، اس لیے آپ کو نماز کی جماعت کے لیے پیش امام کو نیچے ہی کھڑا کرنا پڑے گا، یعنی جماعت نیچے ہی

ہوگی، زیادہ نمازی ہونے پر اوپر کی منزل پر نمازی جاسکتے ہیں، امام نیچے ہی کھڑا ہوگا، جماعت اوپر کی منزل پر نہ ہوگی، نیچے کی منزل کا ہال مسجد ہی میں رہے گا، مگر قوم کا ارادہ یہ ہے کہ ہال کے اندر مدرسہ بنادیا جائے گا اور کبھی ضرورت پڑنے پر اس ہال میں برات یا جماعتوں کو بھی ٹھہرالیا جائے گا، جلسہ وغیرہ بھی کرالیں گے، کئی لوگوں نے اعتراض کیا کسی آدمی نے ان کو یہ کہہ دیا کہ نیچے کے محراب کو دیوار کی شکل میں بند کردیا ہے، نیچے محراب نہیں رہا، بلکہ ایک دیوار بن گئی، اسی محراب پر اوپر کی منزل پر دوسرا محراب بن جائے گا، یہ لوگ امام کو اوپر کھڑا کرکے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہیں، آپ سے گذارش ہے کہ آپ ہم کو پوری تفصیل کے ساتھ جواب دینے کی مہربانی کریں کہ کیا:

(۱) اوپر کی منزل پر امام نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) کیا نیچے کے ہال کے محراب کو بند کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) ہال کو مدرسہ یا برات یا جلسہ کے یا آئی ہوئی دینی جماعتوں کے سونے کے واسطے کام میں لے سکتے ہیں؟ جواب جلد دینے کی مہربانی کریں۔

المستفتی: حاجی ماسٹر علی محمد جھنجھنوں راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پہلے سے اس جگہ پر مسجد تھی اور نئے سرے سے دوبارہ دومنزلہ مسجد بنائی جارہی ہے جیسا کہ سوالنامہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ نیچے کی منزل کی محراب کو ختم کرکے دیوار بنائی جائے اگر واقعۃً ایسا ہی ہے کہ پرانی مسجد کی جگہ پر از سرنو تعمیر کے موقع پر یہ پروگرام بنا ہے، کہ نیچے ہال رکھا جائے اور اوپر مسجد بنائی جائے تو یہ شرعاً جائز نہیں ہے، اس لیے کہ جب ایک دفعہ مسجد بن جاتی ہے تو قیامت تک وہ مسجد ہی رہتی ہے، اس لیے اوپر نیچے دونوں حصے مسجد ہی ہوں گے، نیچے کے حصے کو برات وغیرہ ٹھہرانے کے لیے یا قومی پروگرام وغیرہ کے لیے یا مدرسہ کے لیے متعین کرنا جائز نہیں ہے۔

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام، والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتي. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره، زکریا

٥٤٨/٦، كراچی ٣٨٤/٤، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٥٩٥/٢، قديم ٧٤٨/١)

اوراگر وہاں پہلے سے کوئی مسجد نہیں تھی بلکہ نئی زمین لے کر نئی مسجد کا پروگرام بن رہا ہے تو تمام چندہ دہندگان یا زمین دینے والوں کے مشورہ سے ایسا پروگرام بنانے کی گنجائش ہے کہ نیچے کے حصہ کو خارج مسجد کردیا جائے اوراس کو مدرسہ کی شکل دے کر محلّہ کے بچوں کو وہاں پر تعلیم دینا اوراوپر والے حصہ کو باضابطہ مسجد قراردینا جائز ہے، لیکن بارات وغیرہ ٹھہرنے کے لیے اس جگہ کو استعمال کرنا جائز نہ ہوگا، بارات کا ٹھہرنا مفادِ مسجد اور مدرسہ کے خلاف ہے، اس لیے جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ دینی جماعتوں کے ٹھہرنے اوردینی جلسہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لو جعل تحته حانوتا و جعله وقفا على المسجد قيل لا يستحب ذٰلک ولكنه لو جعل فی الابتداء هكذا صار مسجدا و ماتحته صار وقفا عليه ويجوز المسجد والوقف الذى تحته ولو أنه بنى المسجد أولا ثم أراد أن يجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل و ينبغی أن يرد إلى حاله.

(حاشية الچلبی على التبيين ٣٣٠/٣، زكريا ٢٧١/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۵۵/۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۳/۹ھ

مسجد کو مدرسہ اور وضوخانہ میں تبدیل کرنا

سوال [۷۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گلی نمبر۳؍ بڑے احاطہ کے نکڑ پر ایک مسجد ۱۹۶۲ء میں تعمیر کی گئی تھی اس کے مشرقی حصہ میں کچھ زمین خرید کر مدرسہ قائم کردیا گیا تھا اس کے اندر حفظ وقرآن کا سلسلہ جاری تھا جس وقت مسجد تعمیر ہوئی تھی، اس وقت مسجد کی زمین کی گہرائی تیرہ یا چودہ فٹ تھی، اس میں پلر کھڑے کر کے مسجد تعمیر کردی گئی تھی، اور نماز شروع ہوگئی تھی، کچھ دنوں کے بعد نمازیوں کی تعداد بڑھنے پر نیچے انڈر گراؤنڈ میں بھی نماز شروع کردی گئی تھی، اب اس مسجد کو نئے سرے

سے تعمیر کرنے کے لیے شہید کر دیا گیا اور اب نئی تعمیر میں زمین پر جو جگہ مسجد کی تھی اس کو مدرسہ کی شکل میں طالب علموں کی رہائش کے لیے اور ایک سائیڈ میں وضوخانہ اور دو کانوں کے لیے دس بارہ فٹ اوپر لینٹر ڈال دیا گیا ہے اور اس لینٹر کو مسجد کے لیے استعمال کرنے کے لیے سوچا گیا ہے لہٰذا مسجد کی جگہ پر مدرسہ وضوخانہ اور دوکانوں کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: اہل محلّہ اصالتپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے متعلق مستفتیوں سے زبانی معلوم کیا گیا کہ مذکورہ مسجد کے مشرقی جانب دوکانیں تھیں اور اس کے اوپر مدرسہ کی عمارت کھڑی تھی اور مسجد کے جنوبی جانب جو پتلا راستہ جارہا ہے اس جانب دیوار تک حدود مسجد ہی میں شامل تھا، مستفتی سے زبانی معلوم ہوا کہ اسی جانب دکانیں وضوخانہ وغیرہ بنانے کا پروگرام ہے، اگر واقعہ ایسا ہی ہے تو شرعی طور پر اس جانب دکانیں وضوخانہ وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ حصہ پرانی مسجد کے حدود میں شامل تھا لہٰذا اس حصہ میں مسجد کے علاوہ کوئی اور کام جائز نہ ہوگا، البتہ مشرقی جانب میں جتنا حصہ پرانی مسجد سے خالی رہا ہو اس حصہ میں وضوخانہ وغیرہ بنایا جاسکتا ہے، اور جس حصہ میں پہلے دکانیں تھیں اس میں آئندہ بھی دکانیں بنائی جاسکتی ہیں، اور جیسے ان کے اوپر پہلے مدرسہ تھا آئندہ بھی اس کے اوپر مدرسہ بنانا درست ہوگا اور جس حصہ میں پرانی مسجد کا حجرہ تھا اس حصہ میں آئندہ بھی حجرہ وغیرہ بنانا جائز ہوگا، مگر پرانی مسجد کی جو حدود تھیں اس میں مسجد کے علاوہ کوئی اور کام کرنا اس حصہ میں سے کوئی بھی چیز مسجد کے علاوہ کسی اور کام میں لینا جائز نہیں ہے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذٰلک لم يصدق. (شامی کتاب الوقف زکریا ۶/۵۴۸، کراچی ۴/۳۵۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/۲۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ / رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۶۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۷/۱۴۲۵ھ

مسجد کی زمین مدرسہ کو وقف کرنا

سوال [۷۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قطعہ آراضی مسجد کی جس پر برسوں مقدمہ بھی چلا اور آخر میں فیصلہ مسجد کے حق میں ہوا، اسی مسجد کے متصل اسلامیہ مدرسہ بھی قائم ہے مدرسہ کے بائیں جانب جگہ کی قلت ہونے کی وجہ سے مسجد نے وہ جگہ مدرسہ کو اس مقصد کیلئے وقف کردی تاکہ تعلیم وتدریس کا مبارک کام بحسن وخوبی انجام پاسکے، مگر مدرسہ نے مسجد کی وقف شدہ زمین پر مدرسہ کی آمدنی کے لیے دکان تعمیر کروادیئے ہیں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ کیا مسجد کی زمین مدرسہ کو وقف کرنا نیز وقف شدہ زمین پر دکان تعمیر کروانا درست ہے کہ نہیں؟ مسئلہ کی وضاحت بالدلیل فرمائیں، تاکہ کسی بھی فریق کو اشتباہ نہ رہے، اللہ آپ کو اجر عظیم سے نوازے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مسجد کے لیے وقف شدہ زمین ہے تو اس کو مدرسہ کے لیے منتقل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر مسجد کی ملکیت کی زمین ہے تو منتقل کرنا جائز ہے مگر مدرسہ پر اس کی قیمت مسجد کو ادا کردینا لازم ہوگا، نیز وقف کی زمین میں دکان بنانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ واقف کی غرض کی رعایت کرنا واجب ہوتا ہے۔

أن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۵؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۱۷)

نامعلوم پوشیدہ قبر کو ہموار کر کے اس زمین میں مسجد مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک آراضی جس میں ایک کنواں تھا اور ایک نامعلوم شخص کی قبر تھی اہل محلّہ کافی عرصہ سے اس میں عرس کراتے رہے، لوگوں کا کہنا ہے کہ تین زمانے تک اس میں عرس ہوتا رہا، دورانِ عرس کسی نے اس آراضی کا دعویٰ نہیں کیا، اب اہل محلّہ اس آراضی کو دینی درسگاہ کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں، شرع کا کیا حکم ہے؟ اور اب بھی اس آراضی کا کوئی دعویدار نہیں ہے تو کیا طلبہ اس دینی درسگاہ میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ تراویح وختم قرآن درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آراضی کسی کی ملک غصب شدہ نہیں ہے اس لیے اس میں نماز بلا کراہت صحیح اور درست ہو جائے گی، نیز نامعلوم پوشیدہ قبر کو ہموار کر کے مسجد یا مدرسہ بنانے کا جواز حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ مسجد نبوی بھی مشرکین کی قبروں پر واقع ہے اور بوسیدہ قبرستان میں مسجد بنانے کا جواز بھی کتب معتبرہ سے ثابت ہے، اس لیے درسگاہوں میں بلا شبہ نماز جائز ہو جائے گی، مگر مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجد لم أر بذلك بأسا الخ. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد دار احياء التراث العربى ٤/ ١٧٩، زكريا ديوبند ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ررمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۹/ ۱۴۱۴ھ

مسجد کے وضوخانہ پر اسکول کا حکم

سوال [۷۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں باہر سڑک کی طرف مسجد کی آراضی میں دو کانیں بنی ہوئی ہیں، ان کے پیچھے مسجد کا راستہ اور وضوخانہ ہے اس جگہ پر نماز نہیں ہوتی ہے، دوکانوں اور وضوخانہ کی چھت پر ایک اسکول چل رہا ہے، جس کو تقریباً سترہ سال ہو گئے ہیں وضوخانہ کی چھت کا چھجہ گلی کی

طرف نکلا ہوا ہے اور اس پر اسکول کا بیت الخلاء بنا ہوا ہے، اس اسکول کا کرایہ مسجد کے جملہ اخراجات میں آتا ہے، آپ یہ بتائیں کہ اس جگہ پر اسکول یا دوکانیں جائز ہیں یا نا جائز ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کو کما حقہ کرایہ ادا کرتے ہوں اور اسکول کا راستہ بھی بالکل الگ ہو، اور لڑکے لڑکیوں کی مخلوط تعلیم نہ ہوتی ہو بلکہ صرف لڑکوں کی یا صرف لڑکیوں کی تعلیم ہوتی ہو اور مسجد جب چاہے آسانی سے خالی کرسکتی ہو، تو اسکول کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/۷۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۳؍شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۳۲/۳۴)	۱۴۲۰/۱۰/۲۳ھ

مسجد کی جائیداد اور کمروں میں اسکول چلانا

سوال [۷۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آراضی برائے مسجد خریدی گئی اور چندہ بھی مسجد کی آراضی کے عنوان سے ہی ہوا ہے، مسجد کی تعمیر اور زمین کے لیے ہی لوگوں نے چندہ دیا بحمد اللہ ان پیسوں سے مسجد کے لیے زمین خریدی گئی اور مسجد کی تعمیر کی گئی، مسجد کی آراضی میں چند دوکانیں مسجد کے لیے بنادی گئیں تا کہ ان سے مسجد کی تھوڑی آمدنی ہوتی رہے اور مسجد کی ضروریات میں صرف ہوتی رہے ان دوکانوں کے اوپر کچھ کمرے بنائے گئے ہیں، جس میں جمعہ کی نماز میں نمازیوں کی تعداد بھی رہتی رہی ہے، اور سہ دری کی صفوں سے وہ صف ملی رہتی ہے پھر کچھ دنوں کے بعد ان کمروں میں اسکول چلا دیا گیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) مسجد کی آراضی کی خریداری برائے مسجد ہوئی ہے اس میں اسکول چلانا درست ہے یا نہیں؟

(۲) اگر مسجد کی کمیٹی معقول اور مناسب کرایہ اسکول والوں سے لینا چاہے تو اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟

(۳) عام مصلیوں کو اسکول کے قیام سے ناراضگی ہے نیز عام طور پر جماعتیں آتی رہتی ہیں، چونکہ بڑی مسجد ہے، اسکول میں پڑھانے والی مستورات ہیں جس کی وجہ سے بے پردگی ہوتی ہے۔

المستفتی: علیم الدین قاسمی چھمی نگر دھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی جائیداد اور کمروں میں اسکول چلانا درست نہیں ہاں البتہ دینی مدرسہ چلانے کی گنجائش ہے اور اسکول کی اجازت اس لیے نہیں ہے کہ اگر بعد میں وہاں دینی مدرسہ قائم کرنا چاہیں تو اسکول والے خالی نہیں کریں گے، اسکول والے ہمیشہ مسجد والوں پر غالب ہو جایا کرتے ہیں، اس لیے کرایہ لے کر بھی اسکول چلانے کی اجازت نہیں دینی چاہیے، تاکہ بعد میں اختلاف اور فتنہ کا سبب نہ بن سکے اور چونکہ مدرسہ بھی ایک دینی ادارہ اور وقف کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے مدرسہ قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں، نیز مدرسہ قائم کرنے میں بھی شرط ہے کہ مسجد اور مدرسہ کے ذمہ دار اور متولی ایک ہی شخص ہو اور اگر دونوں کے ذمہ دار الگ الگ ہوں تو پھر مدرسہ پر لازم ہے کہ مسجد کو ان کمروں کا کرایہ ادا کرے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۳۸)

أما المال الموقوف على المسجد الجامع إن لم تكن للمسجد حاجة للحال فللقاضي أن يصرف في ذٰلک لكن على وجه القرض فيكون دينا في مال الفيئ. (هنديه، الوقف، قبيل الباب الثاني عشر في الرباطات و المقابر …… زكريا قديم ٢/٤٦٤، جديد زكريا ٢/٤١٤، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٩٩، رقم: ١١٦٣١، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/١٥٤، رقم: ١١٤٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۲۶ھ

خفیہ طور پر مسجد کی زمین میں ہسپتال یا اسکول بنانا

سوال [۷۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کرولہ سرسید نگر کی بڑی مسجد کے سامنے کچھ زمین مسجد ہی کی پڑی ہوئی ہے اور مسجد اور وہ زمین مکمل وقف کرنے والوں نے صرف مسجد کے لیے وقف کیا تھا، پھر بعد میں جو متولی رہا تو اس متولی نے محلّہ والوں کے مشورہ سے خالی زمین پر مدرسہ قائم کیا جس میں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے اس وقت دو کمرے ہیں، جن میں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے اور دو استاذ مسجد کے اندر تعلیم دیتے ہیں کچھ زمین مسجد ہی کے سامنے خالی پڑی ہوئی ہے اب وہاں کے لوگوں میں دو پارٹی ہوگئی ایک پارٹی یہ کہتی ہے کہ مسجد کی اس زمین پر ہسپتال قائم ہوگا اور دوسری پارٹی یہ کہتی ہے کہ مسجد کی اس زمین پر مدرسہ تو قائم ہوسکتا ہے لیکن ہسپتال قائم نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ مدرسہ میں درسگاہ کی کمی ہے مسجد میں تعلیم ہورہی ہے، نیز جن لوگوں نے وقف کیا ہے، وہ لوگ بھی ہسپتال بنانے پر راضی نہیں بلکہ مدرسہ بنانے پر راضی ہیں، آپ شرعی حکم سے آگاہ فرمایئے کہ کیا مسجد کی زمین پر ہسپتال بنانا جائز ہے؟

(۲) اب کچھ لوگوں نے عدالت کے ذریعہ اپنے پیسوں کے زور سے ہسپتال کے لیے اگریمنٹ کرالیا ہے، تو کیا مسجد کی زمین کو خفیہ طور پر ہسپتال کے لیے اگریمنٹ کرانا شرعاً جائز ہے ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: اہلیان محلّہ سرسید نگر بڑی مسجد کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب وہ زمین مسجد اور اس کے متعلقات کے لیے وقف ہوچکی ہے، تو اس زمین میں مسجد اور اس کے متعلقات ہی کا کام ہوسکتا ہے، اور محلّہ کی مسجد کے متعلقات میں دینی تعلیم کے مکتب بھی شامل ہوتے ہیں، جس میں محلّہ کے بچے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، مکتب ومدرسہ باضابطہ گرچہ مسجد کے متعلقات میں نہیں آتے لیکن اقرب اجناس میں ہیں اس لیے کہ خود مسجد کے اندر بھی دینی تعلیم کا درس دینا جائز ہے، مگر مسجد کے اندر بیٹھ کر ڈاکٹر کا مریضوں کو دیکھنا اور ہر طرح کے لوگوں کی آمد ورفت قطعاً ناجائز اور حرام ہے، اس لیے مدرسہ کو مسجد سے تعلق ہے، ہسپتال اور اسکول کو نہیں ہے، لہٰذا وہاں

باضابطہ مدرسہ قائم کرنے کی گنجائش ہے، مگر ہسپتال یا اسکول قائم کرنا قطعاً جائز نہیں، بلکہ اگر زور وزبردستی سے ہسپتال یا اسکول قائم ہو جائے تو اس کو ختم کردینا تمام مسلمانوں پر لازم ہے، لہٰذا جن لوگوں نے خفیہ طور پر ہسپتال کے لیے اگریمنٹ کرالیا ہے، وہ شرعاً خائن اور مسجد کی زمین کے غاصب شمار ہوں گے، تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ سب مل کر ایسے لوگوں کے اختیارات سے مسجد کی اس زمین کو نجات دلائیں اور پھر کبھی ایسے لوگوں کو مسجد یا اس کی زمین پر اختیار کا موقع نہ دیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۱۵۴، جدید زکریا ۹/۱۳۲)

ويجوز الدرس في المسجد و إن كان فيه استعمال اللبود والبواري المسبلة لأجل المسجد. (البحر الرائق، كتاب الوقف فصل في أحكام المسجد، كوئٹه ٥/ ٢٥٠، زكريا ٥/٤١٩، هنديه، الباب الخامس آداب المسجد، زكريا قديم ٥/ ٣٣٠، جديد ٥/ ٣٠٥)

قيم المسجد لايجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أو في فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا و مسكنا تسقط حرمته وهذا لايجوز و الفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد كذا في محيط السرخسي. (هنديه الباب الحادي عشر في المسجد ومايتعلق به زكريا قديم ٢/ ٤٦٢، جديد ٢/ ٤١٣، البحر الرائق كوئٹه ٥/ ٥٤٩، زكريا ٥/ ٤١٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٢٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۴۱)	۱۴۲۱/۵/۵ھ

مسجد میں اسکول قائم کرنا

سوال [۷۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مساجد اسلامیہ کے اندر علوم عصری (انگریزی سائنس، ٹریننگ، کمپیوٹر) کا رواج ڈالنا کیسا ہے؟ اور اس سے کیا فوائد ہیں؟ اور کیا نقصانات لازم آتے ہیں، کیونکہ ایک صاحب نے اس سلسلہ میں کوشش کی اور جاری کردیا، دیگر حضرات اس اقدام کی ستائش

کرتے ہوئے تقلید بھی کررہے ہیں،، باضابطہ طور پر اخبار میں اس کی اشاعت بھی ہوئی، اور تائید بھی، اخبار کا زیروکس ارسال کیا جارہا ہے اس کا مطالعہ کرکے قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ اگر کوئی قباحت لازم آتی ہے تو مناسب طریقہ سے اس کی اصلاح کیسے کی جائے ، اور اس کی صورت کیا ہوگی؟ کیونکہ آپ حضرات تو رہبر قوم ہیں، آپ کا قول قابل تقلید ہوگا اور آپ کا اس سے عوام کو باخبر کرنا ضروری ہوگا۔

اس سلسلے میں حقیر کے ذہن میں کچھ نکات آئے ہیں جو سامنے ہیں:

(۱) مساجد کے اندر دنیا کے اغراض ومقاصد کا بیان کرنا حتی کہ گمشدہ اشیاء کا اعلان کرنا فقہاء کرام منع کرتے ہیں، تو ہنر کے لیے مساجد کی جگہوں کا استعمال کیا معنی رکھتا ہے؟

(۲) مساجد کے اندر چندے سے اسکول کے اخراجات پورے کیے جاتے ہیں یہ کہاں تک درست ہے؟

(۳) اسلام نے صلوات خمسہ کے علاوہ کچھ نوافل بھی رکھیں ہیں، اگر چہ فرض یا واجب نہیں ہیں اور آبادیوں میں اکثر جگہ خرافات رہتی ہیں، اب کوئی اللہ کا بندہ عبادت میں مشغول ہونا چاہے تو اس کے لیے مسجد ہی مناسب ہے، اور اگر وہ بھی اغراض میں استعمال ہونے لگے تو بندہ کہاں جائے؟ پھر مصلی اگر بادل ناخواستہ مسجد چلا بھی جائے تو اس کا سکون غارت ہوجائے؟

(۴) عورت ہر کلاس کے وقت حاضری دے گی، تاکہ درس نہ چھوٹے، اس میں تمام حالات پائے جائیں گے، جبکہ ایام خاص میں مسجد میں داخلے ممنوع ہیں۔

(۵) تعلیم کے بعد بچے خالی اوقات میں کھیل کود بھی کریں گے، جس سے شور شرابہ ہوگا، کیا یہ درست ہے؟

(۶) بہت سی مساجد غیر آباد ہیں، آنے والے وقتوں میں مقاصد کو اول سمجھنے والے حضرات آمدنی کے واسطے شادی بیاہ و دیگر پارٹیوں میں مساجد کی جگہوں کے استعمال کرنے کا تصور بھی کرسکتے ہیں؟

(۷) ادارہ میں ہر قوم وملت کا داخلہ لینا ہوگا، روک نہیں سکتے، اور اس میں غیر مسلم

طلباء بھی ہوں گے، پاک رہیں گے یا ناپاک، خدا جانے، اسی طرح اگلے آدمی نے احتیاط سے ادارہ شروع کیا تو کوئی ضروری نہیں کہ مقلد بھی اسی احتیاط پر قائم رہے، اور نہ رہنے کی صورت میں نقصان کیا ہوگا اور فائدہ کیا؟ وہ سامنے ہے۔

(۸) ظاہری چمک کو دیکھ کر مساجد کو مقاصد دینی کے واسطے استعمال کر کے نتائج سے منہ موڑنا اور تقدس مساجد کا پامال کرنا لازم آتا ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟

المستفتی: قاری عبدالقدیر قریشی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے اندر اسکول کی تعلیم ہرگز جائز نہیں ہے، نیز کمپیوٹر وغیرہ کی تعلیم تو مسجد سے خارج ہونی چاہیے نیز عورتوں کا آکر اس میں تعلیم دینا الگ سے امر قبیح ہے، تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ مسجد کے اندر سے اسکول کی تعلیم ختم کرادیں، اور اگر حکومت کی طرف سے اس کا انتظام کیا گیا ہے تو علاقہ کے تمام مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ حکومت سے احتجاج کر کے وہاں سے تعلیم کو ختم کرادیں۔

حدیث پاک میں حرمت مسجد کے خلاف تمام امور کو منع کر دیا گیا ہے، یہاں تک کہ گمشدہ اشیاء کے اعلان کو بھی منع کر دیا گیا ہے۔

عن أبي عبد الله مولى شداد بن الهاد أنه سمع أباهريرة يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من سمع رجلا ينشد ضآلة في المسجد فليقل: لا ردها الله عليك، فإن المساجد لم تبن لهذا. (سنن أبي داؤد، باب النهي عن انشاد الضلال في المسجد، النسخة الهندية ١/٦٨، دار السلام رقم: ٧٦٧، صحيح مسلم باب النهي عن نشد الضالة في المسجد، النسخة الهندية ١/٢١٠، بيت الأفكار رقم: ٥٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵رشوال المکرم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۰۰/۳۳)

مسجد ومدرسہ کی زمین میں سرکاری اسکول بنانا

سوال [۷۷۳۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قریہ جمال پور میں ایک آراضی تقریباً ۴/ بیگھہ مسجد قریہ کی ملک تھی، جس وقت چک بندی سرکاری ہوئی اس وقت عوام نے اس ملک کے بدلہ ایک دوسری آراضی جو ۴/ بیگھہ سے کم ہے اپنی مسجد اور مدرسہ نعمت پور کے لیے مقرر کرادی، چنانچہ عوام اس وقت سے یہ سمجھتی رہی ہے کہ یہ تین بیگھہ آراضی ہے جس میں دو بیگھہ مسجد جمال پور کی ہے اور ایک بیگھہ مدرسہ نعمت پور کی ہے، اب کچھ ایام سے گاؤں میں سرکاری پرائمری اسکول بنانے کا مسئلہ آیا ہے جس کے لیے جگہ تجویز پیش کرنے میں عوام میں اختلاف ہوا، بعض لوگوں نے مدرسہ کی مقبوضہ آراضی میں اسکول بنانے کی تجویز پیش کی، دوسرے لوگوں نے اس کی تردید کی کہ مدرسہ کی زمین میں اسکول بنانا جائز نہیں؟

بہرحال خلاصہ یہ ہوا کہ سرکاری کاغذات کی جانچ کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ مذکورہ آراضی جو چار بیگھہ سے کم ہے اس کے تین نمبر ہیں، جن میں ۲/ نمبر مسجد قریہ کے نام ہیں، اور ایک نمبر میں سرکاری کاغذات میں اسکول فارم لکھا ہوا ہے، کسی مدرسہ کا نام درج نہیں، جبکہ عوام وخواص کے ذہن میں پہلے ہی سے مدرسہ کی سمجھی جارہی ہے، کیا اس میں سرکاری اسکول بنوانا جائز ہے یا نہیں؟، بعض لوگ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان تینوں نمبروں میں سے ایک میں اسکول اور دوسرا مدرسہ نعمت پور کے لیے اور تیسرا نمبر مسجد قریہ کے لیے تجویز کردیا جائے تاکہ تنازع ختم ہوجائے تو کیا ایسا کرنا بھی جائز ہے یا نہیں؟ گاؤں میں کچھ لوگ غیر مسلم ہریجن بھی ہیں اور بعض مسلمان بھی اسی جگہ اسکول بنانے پر بضد ہیں، شدید تنازع کا خطرہ ہے، کیا صورت بہتر ہے اور کیا مشورہ ہے؟

المستفتی: اطہر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عوام اور غیر مسلم مدرسہ کو بھی اسکول ہی کہتے ہیں

اور جس وقت سے مدرسہ چل رہا ہے اس وقت سرکاری پرائمری اسکول کا وجود بھی نہ تھا، اور زمین کی آمدنی مدرسہ ہی کے لیے آئی ہے، اس لیے شرعاً وہ زمین مدرسہ ہی کی ہوگی، اور مدرسہ کی زمین میں سرکاری اسکول بنانا شرعاً جائز نہ ہوگا، اور جو مسجد کے نام سے دو بیگہ زمین ہے وہ مسجد کی ہی ملکیت ہوگی، اس میں بھی اسکول بنانا جائز نہ ہوگا، اس کے لیے وہاں کے لوگوں کو دوسری زمین تجویز کرنی چاہیے۔

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰، رقم: ۲۷۰، شرح المجلة رستم اتحاد دیوبند ۱/ ۶۱ رقم المادة: ۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۸۶)	۱۴۱۸/۵/۱۲ھ

مسجد کی موقوفہ زمین میں اسکول بنانا

سوال [۷۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: منتیا والی مسجد کی زمین مسماۃ منتیا خاتون نے مسجد کے لیے وقف کی تھی، اس میں نیچے والے حصہ میں دینی تعلیم ہوتی ہے اور مسجد ہے، کچھ لوگوں نے دینی تعلیم ختم کر کے اسکو پرائمری اسکول بنا دیا، اس میں ہندی، انگلش کی تعلیم شروع کردی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جس میں ماسٹرنیاں ہندی انگلش کی تعلیم دیتی ہیں، جبکہ یہ پوری زمین مسجد کے لیے وقف کی ہے، اب وہاں کے ذمہ داران نیچے سمیت پورے کو مسجد بنانا چاہتے ہیں، کہ اسکول ختم ہوکر صرف عبادت گاہ ہی رہے تو ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: مصلیان مسجد منتیا والی اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو زمین مسجد کے لیے وقف کی گئی اس میں اسکول

بنانا یا کسی دوسرے مصرف میں استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے، اس میں مسجد بنانا ہی ضروری ہے، لہٰذا مسئولہ صورت میں اسکول ختم کر دینا ضروری ہے، اور نیچے سمیت مسجد بنانا بلاتر دد جائز ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/۴۲۲)

مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا دیوبند ٦/٦٦٥)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه ص: ٨٥، رقم: ١٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۹ھ

کار پارکنگ کی منزل کو مسجد بنانا

سوال [۷۷۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں پونہ میں پانچ منزلہ بلڈنگ ہے اس کے نیچے کار پارکنگ ہے، بلڈنگ کے مالک اب یہ چاہتے ہیں کہ اس پارکنگ میں مسجد بنالیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا بلڈنگ کے نیچے جو تہ خانہ کی شکل میں پارکنگ کا حصہ ہے اس کو مسجد بنایا جاسکتا ہے، اس کے اوپر رہائشی بلڈنگ ہے، اس سے مسجد کی مسجدیت پر کوئی فرق تو نہ آئے گا، اور کیا بلڈنگ کا اچھا اور گندا پانی اس مسجد کے نیچے سے پائپ لائن کے ذریعہ گذار سکتے ہیں؟ اس سے مسجد کی بے ادبی تو نہیں ہوگی؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد شرعی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ زمین سے لے کر عنان آسمان تک وہ مسجد ہی ہو، مکمل وقف علی اللہ ہو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور کار پارکنگ میں مسجد بنانے کی صورت میں چونکہ اوپر والوں کی رہائش علی حالہ باقی رہے گی اس

لیے وہ جگہ مسجد شرعی نہ بنے گی، البتہ عبادت خانہ کے طور پر اس میں نماز پڑھی جاسکتی ہے، لیکن مسجد شرعی کا ثواب اس میں نہیں ملے گا۔

﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ. [الجن: ۱۸]﴾

وحاصله أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله و علوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ: وأن المساجد لله. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی أحكام المسجد، زكريا ٦/٥٤٧، كراچی ٤/٣٥٨، البحر الرائق، فصل فی أحكام المسجد، كوئٹه ٥/٢٥١، زكريا ٥/٤٢١)

لأنه مسجد إلى عنان السماء و كذا إلى تحت الثرىٰ. (شامی، کراچی ١/٦٥٦، زكريا ٢/٤٢٨، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ١/١٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۲۳)	۱۴۳۵/۵/۱۰ھ

مسجد کی جگہ مندر بنانے کی حمایت کرنا

سوال [۷۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب ایسے حالات ہوں کہ ایک مسجد میں فرقہ پرست غیر مسلموں نے جبراً بت رکھ کر بت پرستی شروع کردی ہو اور اس مسجد کو منہدم کر کے باقاعدہ بت خانہ بنانے کا ارادہ رکھتے ہوں، اور اس کا اعلان عالمی سطح پر بھی کردیا ہو اس مندر کی تعمیر کے لیے عدالت کے حکم کو توڑ کر بنا نقشہ پاس کیے اس مسجد کے ملحقہ قبرستان میں اس فرقہ پرست غیر مسلموں کے گروہ نے اس مندر کی بنیاد رکھی، جبکہ بنیاد کھودتے ہوئے مردوں کی ہڈیاں نکل آئی ہوں، اور اس حالت میں امت مسلمہ کے جذبۂ ایمانی کو ٹھیس پہنچتی ہو اور امت مسلمہ نے عالمی سطح پر احتجاج کیا ہو، اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے ہوں۔

ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل سوال کے جواب سے نوازیں:

کوئی بھی مسلمان خواہ وہ عالم ہو یا عام، مندر کی بنیاد کی وکالت کرے اور اس کو

درست قرار دے تو ایسے عالم یا عام مسلمانوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا کہا جائیگا؟

المستفتی: فضل الرحمٰن چودھریان، بلندشہر یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کو منہدم کرنا اور قبرستان میں مذکورہ بنیاد رکھنا اور عام مسلمان یا کسی عالم کا کسی مندر کی بنیاد کو درست قرار دینے کے لیے وکالت وحمایت کرنا ناجائز حرام ہے، اور وکیل گمراہ اور مرتکب گناہ کبیرہ ہوگا، اور تمام مسلمانوں پر اس مسجد کی صیانت لازم ہے، لیکن لڑنا اور فتنہ وخونریزی کا سبب بنالینا ہرگز جائز نہیں ہوگا، بلکہ حکومت اور سرکار کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ مبوب قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲۷، کفایت المفتی قدیم ۷/۱۳۴، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۲۰ معارف القرآن ۱/ ۲۳۹)

﴿وقال تعالیٰ: **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِيْ خَرَابِهَا.** [البقرة: ١١٤]﴾

وتحته فی تفسیر الرازی: السعی فی تخریب المسجد قد یکون لوجهین: أحدهما منع المصلین و المتعبدین والمتعهدین له من دخوله فیکون ذٰلک تخریبا، والثانی بالهدم والتخریب. (تفسیر کبیر ۳/۱۱)

التوکیل بالخصومة لایجوز عند أبی حنیفة سواء کان التوکیل من قبل الطالب أو من قبل المطلوب. (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الوکالة، زکریا جدید ۳/۷، وعلی هامش الهندیة ۳/۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۸۱۳)

مسجد کی جگہ میں اسکول بنانا

سوال [۷۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مسجد کی جگہ میں اسکول بنانا کیسا ہے؟ اور اسکول بن بھی گیا ہے، اس کے اندر تعلیم ہندی، انگلش کی دی جاتی ہے، اور مسجد کو اسکول سے نہ آمدنی ہورہی ہے اور نہ ہی کوئی فائدہ ہورہا ہے، بلکہ مسجد کے بیت الخلاء اور استنجاء گھر کو اسکول کے متعلم اور دیگر حضرات دوکاندار وغیرہ استعمال کر کے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور جو دوکانیں ہیں ان کا کرایہ بھی اسکول کے حضرات وصول کررہے ہیں، اور اسکول بھی مسجد کی رقم سے بنایا گیا ہے، اور ذمہ دار حضرات کوئی بھی اس طرف دھیان نہیں دیتے، اور اگر یہ سب باتیں شریعت کی نظر میں جائز نہ ہوں تو ان پر کون حضرات گنہگار ہوں گے؟ اور اب کیا صورت ہو کہ مسجد کی زمین مسجد کی دوکانیں مسجد کی بنائی جاسکیں تفصیل کے ساتھ جواب دے کر عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالستار بجنوری، متعلم جامع الہدیٰ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی زمین پر اسکول بنانا اور ہندی اسکول کی تعلیم کے لیے اس کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے جب کہ مسجد کو اس کا کرایہ بھی نہ مل رہا ہو، نیز مسجد کے بیت الخلاء اور استنجاء خانہ اسکول والوں کو استعمال کرنے کا حق نہیں ہے، نیز مسجد کے پیسہ سے اسکول بنانا بھی ہرگز جائز نہیں ہے، لہٰذا زمین اور عمارت سب مسجد کے سپرد کردینا لازم اور واجب ہوگا، اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو مسجد اور اسکول دونوں کے ذمہ داران سخت گنہگار ہوں گے۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفی ص: ١١٠، رقم: ٢٧٠، شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ٦١/١، رقم المادة ٩٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۳۷)

مسجد کی زمین مندر بنانے کے لیے دینا جائز نہیں

سوال [۷۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسلمان حافظ حاجی کے گھر کے برابر میں مندر ہے، مندر والے مندر میں ایک بڑا بت رکھنا چاہتے ہیں، اور وہ مندر والے اس حافظ حاجی کو بلا کر لاتے ہیں تا کہ وہ مندر میں بڑا بت رکھنے میں اس کو کوئی اعتراض نہ ہو، کہ مندر وقف کی جگہ پر ہے، زبردستی بنا ہوا ہے اور وہ حافظ حاجی بھی مسجد کی اراضی میں ہی رہتا ہے، وقف اسکول نے اس کو دیکھ بھال کے لیے رکھا ہے، اور وہ حافظ حاجی خوف کی وجہ سے ان کو اجازت دیدیتا ہے، بت کو نصب کرنے کی کیا اس کی اجازت جائز ہے، اور وہ شرک کرنے والا ہوا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مسلمان حافظ حاجی کے لیے وقف کی زمین کو مندر کے لیے دیدینا اور اس میں بت رکھنے کی اجازت دینا ہرگز جائز نہیں ہے، مسجد وقف سے متعلق کمیٹی اور ذمہ داران پر لازم ہے کہ مذکورہ حافظ حاجی صاحب کو مذکورہ ذمہ داری سے معزول کر کے دوسرے قابل اعتماد شخص کو ذمہ دار بنادیں، نیز وقف بورڈ سے رابطہ کر کے مسجد کے وقف کو واپس کرنے کی سعی کریں، مذکورہ اجازت سے مذکورہ حافظ صاحب مشرک نہیں ہوں گے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۳۴، جدید زکریا ۱۰/۴۵۲)

﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ [الجن: ۱۸]

عن ابن عمرؓ أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول ﷺ وكان يقال له ثمغ، وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس فأردت أن أتصدق به فقال النبي ﷺ: تصدق بأصله لايباع ولايوهب ولا يورث. (صحيح البخاري، الوصايا باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا ...... النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶٤)

أن الوقف لايجوز بيعه ولاهبة ولايكون ميراثا. (البناية، الوقف اشرفيه ديوبند ۷/ ۴۲۵، قديم ۲/ ۹۸۵)

متولی الوقف باع شيئا منه أو رهن فهو خيانة فيعزل أو يضم إليه ثقة.

(فتاویٰ عالمگيری، الباب الخامس فی ولاية الوقف، زکريا قديم ۲/ ۴۱۳، جديد ۲/ ۳۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۴۶)

مسجد کا کچھ حصہ دوکان بنانے میں لینا

سوال [۷۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کا وضوخانہ توڑ کر اس میں دوکانیں بنانے کا پروگرام ہے، جس سے مسجد کی آمد میں اضافہ ہوگا، اوران دوکانوں سے وصول ہونے والی رقم کو مسجد کے اخراجات میں خرچ کیا جائیگا، لیکن اسی کے ساتھ معلوم کرنا ہے کہ وضوخانہ کی وہ جگہ اتنی نہیں ہے جس میں دوکانیں بن جائیں، بلکہ ان دوکانوں کے لیے مسجد کے صحن میں سے تقریباً ایک صف یا اس سے کچھ زیادہ جگہ لینی پڑے گی تو کیا اس صورت میں مسجد کے صحن میں سے یہ جگہ دوکانوں کے لیے لی جاسکتی ہے یا نہیں؟

نوٹ: دوکانیں مسجد کی رہیں گی، فروخت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، اوراس کی چھت ضرورت پڑنے پر ہر نماز کے لیے استعمال ہوگی۔

المستفتی: ارا کین کمیٹی جامع مسجد قریشیان ٹھاکر دوارہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کے صحن میں سے جس حصہ کو دوکان میں لینے کا ارادہ کیا گیا ہے، اس حصہ کو دوکان میں لینا قطعی طور پر جائز نہیں ہے، خدانخواستہ اگر اس حصہ میں دوکان کے لیے عمارت بنالی گئی ہے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس عمارت کو توڑ

کر کے اس حصہ کو حدود مسجد میں داخل کرلیا جائے اس لیے ذمہ داران مسجد پر لازم ہے کہ جو ارادہ کیا ہے اس کو ختم کرلیں۔

قيم المسجد لايجوز له أن يبنى حوانيت فى حد المسجد أو فى فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا و مسكنا تسقط حرمته و هذا لايجوز والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد. (هنديه، الوقف الباب الحادى عشر فى المسجد و ما يتعلق به، زكريا قديم ٢/٤٦٣، جديد ٢/٤١٣، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ٩/١٣٧، رقم: ١١٣٨٢، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٧٨، رقم: ١١٥٦٣)

قال الفقيه أبو الليث رحمه الله لايجوز له أن يجعل شيئا من المسجد مسكنا أو مشتغلا. (فتاوىٰ قاضيخان، باب الرجل يجعل داره مسجدا …… زكريا جديد ٣/٢٠٤، وعلى هامش الهندية ٣/٢٩٣، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، قديم ١/٤٧٨، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٥١، زكريا ٥/٤٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۱۵ھ

وقف کردہ مکان کو وقف تام ہونے کے بعد بدلنا

سوال [۷۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک مکان فی سبیل اللہ دینی مدرسہ کے لیے وقف کیا اور مدرسہ کے متولی کے قبضہ میں دیدیا، اب اس کا ارادہ اس وقف کردہ مکان کو اپنی ملکیت میں واپس لینے کا ہے اور اس جگہ دوسرا مکان یا دوکان وقف کرنا چاہتا ہے، کیا زید کا یہ فعل از روئے شرع محمدی وفقہ حنفی درست ہے یا نہیں؟ جبکہ واقف نے وقف نامہ کی شرائط میں مندرجہ عبارت تحریر کی ہے کہ:

کہ کوئی بھی متولی یا صدر قطعۂ مذکورہ کو کسی طرح بھی کسی کے حق میں منتقل کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ مدلل بیان کرنے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد طاہر رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زیدکو اپنا موقوفہ مکان واپس لینے کا حق نہیں ہے، اگر چہ وہ اس کے عوض میں دوسرا مکان دے رہا ہو، ہاں البتہ اگر مدرسۂ مذکورہ کے متولی اور کمیٹی کے افراد متدین ہیں اور دوسرا مکان مدرسہ کے حق میں اول مکان کے مقابلہ میں کم درجہ کا نہیں ہے تو متولی اور کمیٹی کی اجازت سے تبادلہ کی گنجائش ہے، مذکورہ شرائط کے تغیر کی گنجائش نہیں ہے۔

وأما الاستبدال ...... بدون الشرط فلايملكه إلا القاضي. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب في استبدال الوقف و شروطه، زكريا ٦/٥٨٣، كراچی ٤/٣٨٦)

والملك يزول ...... بقضاء القاضي ...... أن يسلمه إلى المتولي و تحته في الشامي أي يسلم الواقف و قفه بعد أن نصب له متوليا. (شامي، كراچی ٤/٣٤٤، زكريا ٦/٥٢٧-٥٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۷۳)

مسجد کی زمین پر رفاہی ہسپتال قائم کرنا

سوال [۷۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شہر کی جامع مسجد کی کافی تعداد میں دوکانیں ہیں جن کا کرایہ وغیرہ مسجد اور امام و مؤذن اور دیگر تمام اخراجات کے لیے بہت کافی و وافی ہے، بلکہ کافی روپیہ مسجد کے فنڈ میں موجود ہے، جامع مسجد کا ایک موقوفہ مکان جو کہ قبلہ کی سمت کچھ دوری پر ہے اور چونکہ یہ مکان کافی پہلے کا وقف شدہ ہے، واقف کی تحریر وقف اور اس کی نیت سے متعلق کچھ موجود نہیں ہے، جامع مسجد کمیٹی کے لوگ اس جگہ پر رفاہِ عام کے طور پر ایک ہسپتال بنانا چاہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوگی کہ اہل خیر حضرات سے چندہ لے کر تعمیر کی جائے، مسلم ڈاکٹروں کو مہیا کیا جائے، چونکہ آج کل ڈاکٹر لوگ بہت زیادہ روپیہ علاج کے نام پر لیتے ہیں، مریضوں سے اتنا

ہی روپیہ لیا جائے جتنا اس کے علاج پر ہوتا ہے، بالخصوص ہمارے اس علاقہ میں عورتوں کی ڈیلیوری کا معاملہ بڑا سنگین ہے کہ پرائیویٹ اور سرکاری اسپتالوں میں ڈیلیوری عموماً مرد ڈاکٹر ہی کرواتے ہیں، یہ اسپتال قائم کر کے لیڈیز ڈاکٹرنی رکھ کر ڈیلیوری کا معقول انتظام کرنا ترجیحات میں سے ہوگا، اسپتال کے تمام اخراجات کے بعد اگر رقم بچے تو وہ رقم ان شاء اللہ جامع مسجد کے فنڈ میں جمع کردی جائے گی، ان حالات کے پس منظر میں:

جامع مسجد کے اس موقوفہ مکان پر اسپتال بنوایا جا سکتا ہے؟ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ شہر کامٹی چھوٹا شہر ہے جن میں دار الاقامہ والے ۲/عدد بڑے مدرسہ اور کئی مساجد میں مکاتب کا انتظام ہے۔

المستفتی: عتیق الرحمٰن قاسمی، کامٹی ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب مسجد کی دیگر ذرائع آمدنی مسجد کے اخراجات کے لیے کافی ہیں اور ان سے مسجد کی ضروریات بحمد اللہ پوری ہو رہی ہیں، تو اراکین کا مذکورہ مکانوں کو ہسپتال بنانا اس طرح جائز ہے کہ ہسپتال کی تعمیر کے عنوان سے مسجد کمیٹی کے ارکان چندہ کر کے ہسپتال تعمیر کریں، اور ہسپتال مع عمارت مسجد کی ملک ہو، مسجد جب چاہے اس جگہ کو کسی دوسرے مصرف میں استعمال کرسکتی ہو، اس میں کسی کو اعتراض و رکاوٹ ڈالنے کا کوئی حق نہ ہو، اور جب تک وہاں ہسپتال کی جانب سے معقول کرایہ مقرر کریں، ہسپتال انتظامیہ مسجد کو حسب ضابطہ ادا کرتی رہے۔

لو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها و تكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل كان للقيم أن يبني فيها بيوتا فيؤاجرها.

(هنديه، الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، زكريا قديم ٢/٤١٤، جديد زكريا ٢/٣٨٣)

قيم يبيح فناء المسجد ليتجر فيه القوم أو يضع فيه سررا أجرها ليتجر فيها الناس فلا بأس إذا كان لصلاح المسجد. (البحر الرائق، كتاب

الوقف، فصل فی أحکام المسجد، کوئٹہ ۵/ ۲۴۹، زکریا ۵/ ۴۱۸، ہندیہ زکریا قدیم ۵/ ۳۲۰، جدید ۵/ ۳۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/ ۱۰۲۵۱)

غیر وقف شدہ مدرسہ کی زمین کا تبادلہ کرنا

سوال [۷۷۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج سے تقریباً ۵۳؍سال پہلے مقام جھنڈنا ضلع بلاس پور ہماچل پردیس میں پہلے تو کسی گھر میں ایک مولانا نے بچوں کو دینی تعلیم دینی شروع کی بعد میں مولانا نے چندہ وغیرہ اکٹھا کرکے دو کمرے کچی اینٹ اور گارے سے تعمیر کرایا اور بچوں کو تعلیم دینے لگے، پر جس جگہ پر یہ کمرے تعمیر کیے گئے وہ زمین آبادی کے باہر ہے جس کا مالکانہ حق کسی کے پاس نہیں تھا، اس لیے اس زمین کو وقف نہیں کہا جاسکتا، ریوینیو کارڈ میں اس زمین کا اندراج آبادی ہے، جس کا خسرہ ۱۶۶۱ ہے، ریوینیو کارڈ میں مدرسہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، قانون کے مطابق آبادی زمین پر جو قابض ہوتا ہے اس کو ہی سرکار مالک مانتی ہے، اسی بیچ دو تین سال شروع میں لوگوں نے مولانا کو تنخواہ دی اور بعد میں تنخواہ دینے میں اپنی مجبوری ظاہر کیں، جب مولانا نے لوگوں کی اجازت سے نیچے کے دو کمرے میں دوکان شروع کردی، اور اس کے اوپر رہائش کرنے لگے، یہ سلسلہ پچھلے پچاس سال سے آج تک جاری ہے، ان پچاس سالوں میں مولانا نے مدرسے کی مرمت بھی کروائی، تین بار چھت بدلی، فرش ڈالے، اور دوسرے کئی اور رکھ رکھاؤ کے کام کیے، اسی بیچ مولانا نے تقریباً ۴۸؍سال تک امامت بھی کی مگر اس کا کوئی پیسہ نہیں لیا، اب مولانا صاحب اور لوگوں کے بیچ ان کمروں کو خالی کروانے کے بارے میں فساد ہے، مولانا ان کمروں کو خالی نہ کرکے ان کی جائز قیمت یا زمین کے بدلے میں دوسری جگہ زمین دینے کو تیار ہیں، موجودہ حالت میں یہ زمین مدرسہ کی تعمیر کے

لیے کافی نہیں ہے، اس کے دونوں طرف لوگوں کے مکان بنے ہوئے ہیں، اور ایک طرف سڑک ہے اور آس پاس کوئی زمین دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔

اس ٹکراؤ کو چلتے ہوئے تقریباً ۲۵؍سال سے زیادہ ہو چکے ہیں اور مقدمہ فساد وغیرہ ہونے کا اندیشہ ہے، یہاں کے لوگ جن کے بیچ مولانا صاحب نے ۴۸؍سال سے زیادہ وقت تک امامت کی ہے کچھ اس تنازع کا پرسکون حل چاہتے ہیں، کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ زمین کی قیمت لے کر اس پیسے سے کسی کھلی جگہ پر مدرسہ تعمیر کیا جائے، علماء دین ہمیں بتائیں کہ کیا ان حالات میں مولانا سے ان کمروں کی بازار کے حساب سے قیمت لے کر ان پیسوں سے دوسری جگہ زمین کا تبادلہ کر سکتے ہیں، ایسے حالات میں جب مدرسہ کی زمین وقف نہیں ہے آپ اپنی رائے دیں کہ ان حالات میں کیا کیا جا سکتا ہے؟ جس سے اس فساد کو ہمیشہ کے لیے ختم کیا جا سکے۔

المستفتی: نسیم احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ زمین مدرسہ کے لیے وقف نہیں ہے اور جب مولانا صاحب اس کے بدلے میں مدرسہ بنانے کے لیے اس زمین کی قیمت دینا چاہتے ہیں تو اس زمین کی قیمت لے کر دوسری کھلی جگہ میں مدرسہ بنا لینا جائز اور درست ہوگا۔

لو غصب أرضا فبنى فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها وردت وإلا ضمن له قيمتها. (الاشباه والنظائر ص:١٤٤)

وكذا لو غصب أرضا فبنى عليها أو غرس ...... يضمن صاحب الأكثر قيمة الأقل وفي الشامية تحته: أي فلو قيمة البناء أكثر يضمن الغاصب قيمة الأرض ولا يؤمر بالقلع وهذا قول الكرخي، قال في النهاية: وهو أوفق لمسائل الباب. (شامی، کتاب الغصب، زکریا ٢٨٠/٩، کراچی ١٩٢/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شوال المکرم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۰/۱۹ھ

مدرسہ کو ماڈرن اسکول میں تبدیل کرنا

سوال [۷۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں ایک دینی درسگاہ ہے جو قوم مسلم کی اعانت سے قائم ہوئی ہے، مدرسہ کے ذمہ دار ناظم کو اس جگہ کی تمنا تھی کہ یہ مل جائے اس جگہ میں قاری عبد اللہ صاحب کا مکان تھا یہ قاری صاحب ناظم مدرسہ کے استاذ بھی تھے، ان کی ایک وارثہ لڑکی تھی ضرورت پر اس نے ایک ہندو کو اس زمین سے متصل جگہ کو مبلغ ساٹھ ہزار روپئے میں فروخت کردی، ناظم مدرسہ کو جب معلوم ہوا تو بڑا رنج ہوا، اس لڑکی کو اس کی سسرال سے جو علیگڑھ میں تھی، بلوایا، فرمایا بیٹی تم نے اپنے والد ماجد کی اس زمین ومکان کو ایک ہندو کو بیچ دیا، جبکہ مسلمان کو دینا چاہیے تھا، اس وارثہ نے کہا کہ میں نے سب لوگوں سے کہا لیکن کسی نے نہیں لیا، بلکہ انکار کردیا، مجھے ضرورت تھی میں نے بیچ دیا، ناظم مدرسہ نے کہا کہ ٹھیک ہے جو ہوا وہ ہوا، یہ بقیہ زمین تم ہم کو دیدو، ہم اس میں تمہارے والد مرحوم کے نام پر مدرسہ قائم کریں گے، اس وارثہ نے کہا بہتر ہے، اگر آپ میرے والد مرحوم کے نام پر جو آپ کے استاذ بھی ہیں مدرسہ کھولیں گے تو میں اس حصہ کو جو اس مکان سے بڑا بھی ہے آپ کو پچاس ہزار روپیہ میں دیتی ہوں، ناظم مدرسہ نے فرمایا ٹھیک ہے، لیکن بیٹی مدرسہ میں اس وقت سرمایہ کی کمی ہے، تیس ہزار روپیہ اور چھوڑ دو، اس وارثہ کے والد ماجد کے نام مدرسہ کھولا، اور اس کا نام مدرسہ رشیدیہ ناشر العلوم رکھا، ۱۳/۱۴ سال تک مدرسہ رشیدیہ اپنی شان وشوکت کے ساتھ ۱۲/ معلموں کی خدمات سے دینی تعلیم کونسل لکھنؤ کے نصاب پر جس میں ہندی وانگریزی کی بھی تعلیم ہوتی، گویا عصری تعلیم کے ساتھ مدرسہ چل رہا تھا، ناظم مدرسہ کی وفات کے بعد ان کے وارثین نے مدرسہ رشیدیہ ناشر العلوم کی تدفین کرکے اس کی جگہ ناظم مدرسہ کے نام کے ساتھ اس کو انگلش میڈیم، میموریل کا جنم دیدیا، جہاں پر اس تعلیم سے قرآن کی آیتوں کے خلاف کہ اللہ نے فرمایا کہ بلند کرتا ہوں ان لوگوں کے درجات جو ایمان لائے، اور جو اہل علم ہیں، اسی

طرح ”خیر کم من تعلم القرآن و علمه“ کے خلاف کفر شرک، دہریت، یہودیت و نصرانیت کی تعلیم کو اس جگہ پر دوبالا کردیا، حتی کہ ڈانس بھی لڑکیوں کا اس میں رکھ دیا، باقاعدہ پروگرام کے تحت مسلم بچیوں کی جن کی عمریں ۱۲/۱۳ سال ہیں، نچا کر دیکھ کر، دکھلا کر دوسرے دن اخباروں میں نتائج بھیجے جاتے ہیں، اللهم احفظنا منه۔

ازروئے شریعت مطہرہ جو بھی حقانی حکم ہو اس کو تحریر کیا جائے، تاکہ فتویٰ دکھا کر ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔

وعدہ خلافی، مدرسہ کا نام بورڈ پر انگلش میڈیم کے ساتھ، جگہ و مدرسہ کے نام کی تبدیلی، ڈانس ناچ وغیرہ، دوسرے دن نتائج کا اخبار میں دینا، بے غیرتی کی حد بھی کچھ ہوتی ہے۔

المستفتی: محمد ازہر خادم جامعہ ناصر العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ نے اپنے والد صاحب سے ملی ہوئی متروکہ جائیداد کو چونکہ ۳۰/ ہزار میں فروخت کردیا ہے لہٰذا آپ کی اس میں ملکیت باقی نہیں رہی ہے، وہ مدرسہ کی ملکیت میں منتقل ہوگئی اور اگر مدرسہ قومی چندہ کے ذریعہ سے قائم ہوا ہے تو اس کو ماڈرن اسکول میں تبدیل کرنا قطعی طور پر جائز نہیں ہے، اس کو مدرسہ ہی رہنے دینا لازم ہے، نیز اس میں لڑکیوں کا ڈانس وغیرہ کرانا گناہ عظیم ہے۔

إن الملكة تثبت بمجرد العقد إذا استجمع البيع شرائط الانعقاد. (شرح المجلة للأتاسی ۲/ ۳۵۷)

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زکریا ٦/ ٦٦٥، کراچی ٤/ ٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۶۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۵ھ

مدرسہ کی زمین پرسرکاری مدرسہ یااسکول بنانا

سوال [۷۷۴۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغربی بنگال میں ایک مدرسہ ہے جس میں کثیرتعداد میں علاقائی وبیرونی طلبہ تعلیم پارہے ہیں اوراس کا خرچ زکوٰۃ وصدقات اورعطیات ہی سے پورا ہوتا ہے، مذکورہ مدرسہ میں کچھ سال پہلے مدرسہ ہٰذا کی ضرورت کے پیش نظر زکوٰۃ وصدقات عطیات ہی کی رقم سے ایک زمین مدرسہ کے متصل ہی خریدی گئی تھی، لیکن اب گاؤں کے بعض لوگ زبردستی اس زمین کوسرکار کے حوالہ کرکے ہائی مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، جبکہ اس ہائی مدرسہ میں مسلم وغیر مسلم دونوں طرح کے مدرسین وملازمین طلبہ وطالبات ہوں گے، اس سلسلے میں اختلافات چل رہے ہیں، بعض زبردستی سرکار کے حوالہ کرکے ہائی مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، اوربعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ دینی مدرسہ کی زمین کوکسی بھی حالت میں نہیں دیا جائیگا، بلکہ دینی مدرسہ کی زمین دینی مدرسہ ہی کی ضرورت میں استعمال کی جائے گی؟

المستفتی: محمداقبال مالدہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ زمین مدرسہ کے لیے خریدے جانے کی وجہ سے خالص اسی دینی مدرسہ کی زمین شمار ہوگی، بریں بنااس زمین میں ہائی سرکاری مدرسہ یا اسکول بنانا جائزنہیں ہے اس زمین کوخالص دینی تعلیم کے مدرسہ میں شامل کرنا لازم ہے، نیز یہ بات بھی یادرکھنے کی ہے کہ زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے پیسہ کے ذریعہ سے زمین خریدنا فقراء اورمساکین کی حق تلفی ہے، ہاں البتہ مجبوری کے تحت دینی مدرسہ کے مدرسین کی تنخواہوں کے لیے تملیک کی گنجائش ہے۔

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلاسبب شرعی. (قواعد الفقه ص: ۱۱۰)

البقعة الموقوفة علی جهة إذا بنی رجل فیها بناء ووقفها علی تلک

الجهة يجوز بلا خلاف تبعا لها، فإن وقفها على جهة أخرىٰ اختلفوا فيه والأصح أنه لايجوز. (هنديه، الوقف، الباب الثانى فيما يجوز وقفه و مالايجوز ......، زكريا قديم ۲/ ۳٦۲، جديد ۲/ ۳۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۷/ ۱۴۳۱ھ

پرانی قبروں پر مدرسہ کا بیت الخلاء بنانا

سوال [۷۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ جس کے نیچے مزار شریف ہے اور دیگر قبریں بھی موجود ہیں اور اسی مزار شریف کے اوپر پاخانہ بنا ہوا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شکیل سیدی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مزار اور قبریں بہت پرانی ہیں، میت کے گوشت وہڈی اکثر مٹی بن جانے کا ظن غالب ہے مثلاً تیس چالیس سال کی پرانی قبریں ہیں تو پھر اس کے اوپر مکان یا مدرسہ یا مسجد بنانا جائز ہے، اور اس میں ضروریات کے بیت الخلاء وغیرہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۳۰۳، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۷۴)

ولو بلى الميت و صار ترابا جاز دفن غيره فى قبره و زرعه والبناء عليه.
(هنديه، الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس، زكريا قديم ۱/ ۱٦۷، جديد ۱/ ۲۲۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ٦/ ۳۲٦، ۳۸/ ۳٤۸، ٤۰/ ۳۳، البناية اشرفيه ديوبند ۳/ ۲۵۳، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، دار الكتاب ديوبند ۱/ ٦۱۲، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۱/ ۲٤٦، زكريا ۱/ ۵۸۹، شامى زكريا ۳/ ۱٤۵، كراچى ۲/ ۲۳۸)

وإذا بلى الميت وصار ترابا فى قبره جاز نبش القبر و زرعه والبناء عليه وغير

ذٰلک باتفاق. (الفقه علی المذاهب الأربعة، دار الفکر ۵۳۸/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۰۳/۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۱ھ

موقوفہ قبرستان میں دوکان، کارخانہ وغیرہ کی تعمیر

سوال [۱۵۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کمیٹی ہٰذا کے زیر انتظام علاقہ صدر میں عیدگاہ کے پاس ایک قبرستان ہے جو قانونی طور سے پینتالیس سال سے بند ہے:

(۱) اس قبرستان کی چہار دیواری میں دو دیوار کو آبادی گھیرے ہوئے ہے۔

(۲) دو دیوار آبادی کے گھیرے میں ایک دیوار چوڑائی کی جانب میں قبرستان کمیٹی کے مکانات میں کرایہ دار رہتے ہیں۔

(۳) دوسری دیوار سے لگ کر دیگر لوگ بسے ہوئے ہیں جو ان کی ملکیت کی جگہ ہے۔

(۴) باقی دو دیواروں کے اندرونی حصہ میں پندرہ بیس فٹ خالی جگہ عیدگاہ کے سامنے لب سڑک ہے جہاں اب کچی اور پکی قبروں کے نشانات باقی نہیں ہیں بلکہ اب وہ جگہ ہموار ہے۔

(۵) اس خالی جگہ پر منتظمہ کمیٹی ملت کے ہنر مند افراد کی فلاح وبہبود کے لیے تعمیری کام کرنا چاہتی ہے۔

(۶) ملت کے یہ ہنر مند نوجوان مناسب جگہ نہ ملنے کی بناء پر غیر محفوظ علاقوں میں بڑی دشواریوں کے ساتھ روزی حاصل کر رہے ہیں، اب یہی لوگ اس جگہ پر کارخانے کھولنے اور دیگر کاروبار کرنے کے خواہشمند ہیں۔

(۷) ایسی حالت میں اسی پندرہ بیس فٹ خالی جگہ میں تعمیری کام کرنا کس حد تک مناسب ہے، اس نازک مسئلہ پر ہم شرعی احکام کے تحت آپ کی خدمت میں فتویٰ کی صورت

میں جاننا چاہتے ہیں کہ تمام عام مسلمانوں کو بھی معلوم ہو جائے اور آئندہ ہمارے تعمیری کام میں رکاوٹ کا سبب نہ بنے۔

(۸) اسی قبرستان میں شر پسند محیر سماجی عناصر اخلاق سوز جرم کرنے سے بھی ہچکچاتے نہیں۔

(۹) مذکورہ خالی جگہ پر مزید ہماری بے توجہی رہی تو آبادی میں اضافہ کے سبب رہائشی قلت سے متأثر افراد اس پر قابض ہو جائیں گے، اور مستقبل میں ہمیں پچھتانا پڑیگا۔

(۱۰) اسی قبرستان میں چند پرانی قبریں شکستہ حالت میں ہیں اور چند برسوں میں یہ قبریں بھی اپنے وجود کو ختم کر دیں گی، اور نشانات بھی باقی نہیں رہیں گے، تو ابھی سے ہی ان کو منہدم کر دیں تو کیا حرج ہے؟

اس سلسلے میں آپ کی خدمت میں دست بدستہ عرض ہے کہ شرعی احکام اور وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے منصوبہ بندی کے تحت تعمیری کام اور ہنر مند افراد کی فلاح بہبود اور نیک مقاصد کے پیش نظر رہنمائی فرمائیں تاکہ کمیٹی ہذا فوری طور پر کام کر سکے، امید ہے کہ ہماری درخواست پر غور وخوض کرتے ہوئے مسئلہ اور شرعی احکام کے تحت اپنے مفید مشوروں سے نوازیں گے، اور منتظمہ کمیٹی کے تعمیر وفلاحی مقاصد پر حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ممنون ومشکور فرمائیں گے۔

المستفتی: سیول لائنس مسلم قبرستان کمیٹی ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ وجوہات میں مذکورہ موقوفہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں نشاناتِ قبور مٹ چکے ہوں یا شکستہ کچی پکی قبروں کو برابر کر کے ہر صورت میں مکان ودوکان اور کارخانہ وغیرہ کی تعمیر کرنا ناجائز اور حرام ہوگا، عند اللہ سخت گنہگار ہوں گے، البتہ قبرستان شدہ شدہ لوگوں کے قبضہ میں ہوجانے کا سخت خطرہ ہو رہا ہے اور میت کی تدفین بھی وہاں نہیں ہو رہی ہے تو وہاں مسجد یا دینی مدرسہ بنا دیا جائے کسی اور کام میں استعمال نہ کیا جائے، کیونکہ وقف کا تا قیامت وقف ہی رہنا لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۲۲، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۱۳)

أن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعات غرض

الواقفين واجبة، كوئٹه ۳/٤٦٤، كراچى ٤/٤٤٥، زكريا ٦/٦٦٥)

مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبول مشركى الجاهلية، و يتخذ مكانها مساجد، دار احياء التراث العربى ٤/١٧٩، زكريا ديوبند ٣/٤٣٥، تحت رقم الحديث :٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۳/۷)

مزار پر لینٹر ڈال کر مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محلّہ اصالت پورہ میں فینسی پریس کے سامنے گلی میں تین مزار ہیں، ان کے متعلق چبوترہ بھی ہے، اہل محلّہ کا خیال ہے کہ مزار کے اوپر لینٹر ڈال کر بچوں کی دینی تعلیم کے لیے مدرسہ قائم کر دیا جائے، آیا ایسا کرنا از روئے شرع صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر وقف کی زمین پر مذکورہ مزار ہیں تو اہل محلّہ اور ذمہ داروں کے مشورہ سے اور اگر زمین ملکیت کی ہے تو اس کے مالک کی اجازت سے مزار کے اوپر لینٹر ڈال کر اس کے اوپر دینی تعلیم کے لیے مدرسہ بنانا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/۵۷۹)

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة و أقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء (إلى قوله) قالوا: إن كان فى المقبرة سعة بحيث لايحتاج إلى ذٰلک المكان فلا بأس به. (الهندية، الوقف، الباب الثانى عشر فى الرباطات والمقابر

والخانات، والحياض، زکریا قدیم ۲/۲٦۷، جدید ۲/٤۱٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۳/ ۱۴۱۷ھ

کیا قبرستان میں بنائی گئی مسجد میں پڑھی گئی نمازیں واجب الاعادہ ہیں؟

سوال [۷۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں مسجد بنادی گئی ہے تو اب وہ نماز جو پڑھی جاچکی ہیں وہ اعادہ کی جائیں گی یا نہیں؟ اور وہ ادا کی ہوئی نمازیں مقبول ہوں گی یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالقیوم مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبریں مٹ جانے کے بعد وہاں مسجد بنائی گئی اگر قبرستان کسی کی ملکیت ہو اور مالک کی اجازت سے بنائی گئی ہے تو اب تک جو نمازیں ہوگئی ہیں سب بلا کراہت درست ہوگئی ہیں اور اگر وقف کا قبرستان ہے اور وہاں تدفین کا سلسلہ بھی باقی ہے تو وہاں مسجد بنانا درست نہیں ہے، البتہ جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ لازم نہیں ہوگا۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار احياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ديو بند ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۸۶)

مدرسہ کو مسجد بنانا

سوال [۷۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: ایک جگہ بستی والوں نے مل کرایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اورایک عمارت بنائی اسی میں پنجوقتہ نماز بھی ہوتی ہے، اور بچوں کی تعلیم بھی ہوتی ہے، بستی کے سارے بچے وہاں پڑھتے ہیں، وہاں پر جگہ اتنی ہے کہ دوصفیں لگ سکتی ہیں، اب بستی والے چاہتے ہیں کہ آگے ممبر نکال کرامام کی جگہ نکال دی جائے، تاکہ پیچھے دو کے بجائے تین صفیں لگنے لگیں، تو اس مدرسہ کی عمارت کومسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں اوراس میں منارہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر واقعتاً مدرسہ میں مسجد کی ضرورت ہے تو عمارت بنانے والوں کا آپس کی رضامندی سے اس کو مسجد میں تبدیل کرنا جائز ہے، اوراس میں منارہ بھی بنانا جائز ہے، اورایسی حالت میں وہ عمارت مسجد شرعی کے حکم میں ہوگی، لہٰذا اس کا احترام بھی دیگر مساجد کی طرح کرنا ہوگا، اور مسجد بن جانے کے بعداس کی مسجدیت کوختم کرکے عمارت مدرسہ میں شامل کرنا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۲/۶۶۴، جدید ڈابھیل ۱۵/۴۸۷)

وبه علم أن الفتویٰ علی قول محمد فی آلات المسجد و علی قول أبی یوسف فی تأبید المسجد. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد، کراچی ٤/٣٥٩، زکریا ٦/٥٤٩، البحر الرائق زکریا ٥/٤٢٣، کوئٹہ ٥/٢٥٢، بزازیه جدید زکریا ٣/١٤٤، و علی هامش الهندية زکریا ٦/٦٧٠، فتح القدير، دار الفكر بیروت ٦/٢٣٦، کوئٹہ ٥/٤٤٦، زکریا ٦/٢١٩، هنديه زکریا قدیم ٢/٤٥٨، جدید ٢/٤١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۴ھ

مدرسہ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا

سوال [۷۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مدرسہ حنفیہ تقریباً تیس پینتیس سال سے قائم ہے، اور تعمیر شدہ ہے، کچھ جگہ خالی ہے، جس کی باؤنڈری مکمل ہے، حسب دستور مدرسہ کی آراضی جو خریدی گئی تھی اس کی رقم چندہ کر کے بذریعۂ حیلۂ تملیک خرچ کی گئی اور فی الحال جو دیواریں قائم ہیں وہ چندہ جو مدرسہ کے نام وصول کیا گیا اسی رقم سے تعمیر شدہ ہیں، اب کچھ محلّہ کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس مدرسہ میں ایک مسجد بھی تعمیر کی جائے، جس کے تعمیر ہو جانے کے بعد محلّہ والوں کی تکلیف دور ہو جائیگی، تو کیا ایسا کرنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا کہ جگہ مدرسہ کے واسطے خریدی گئی تھی اس میں ترمیم کرنے کا حق کسی کو نہیں، نہ جانے کتنے چندہ دہندگان مر بھی چکے ہوں گے۔

المستفتی: محمد شفیع غفرلہ مدرس شمس العلوم کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ خالی زمین زکوٰۃ وصدقۂ واجبہ میں حیلۂ تملیک کر کے اس کی رقم سے خریدی گئی ہے تو ایسی زمین خریدنے کے لیے اگرچہ حیلۂ تملیک فی نفسہ ممنوع تھا، لیکن جب حیلۂ تملیک کر لیا گیا ہے اور اس پیسہ سے مدرسہ کے نام زمین خرید لی گئی ہے تو مدرسہ اس کا مالک ہو چکا ہے، لہٰذا مدرسہ ہی کے مفاد میں اس زمین کا تصرف ہو سکتا ہے، محلّہ کی مسجد کے لیے درست نہ ہوگا، ہاں البتہ مدرسہ کو اس کی قیمت ادا کر کے محلّہ والے خرید کر مسجد بنائیں تو جائز ہو سکتا ہے۔

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعی. (قواعد الفقہ اشرفی دیوبند ص: ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۴/۱۰ھ

مدرسہ کے نام سے دی گئی زمین پر مسجد اور قبرستان بھی بنانا

سوال [۷۷۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ احقر کے چچا حضرات کی کاشتکاری کی زمین تھی احقر نے ترغیب دی مدرسہ قائم کرنے کے لیے بفضلہٖ تعالیٰ سب حضرات نے بخوشی اس کو قبول کر کے وقف کر دیا، الحمد للہ زمین وسیع ہے اور اس جگہ نئی آبادی بھی ہو رہی ہے، اس لیے احقر یہ چاہتا ہے کہ اس زمین میں مدرسہ کے ساتھ ایک مسجد اور ایک قبرستان بھی شامل ہو جائے، تاکہ طلبہ اساتذہ و متعلقین مدرسہ کے لیے یہ ضرورت بھی پوری ہو جائے، کیونکہ پرانا قبرستان غیر محفوظ اور متنازع ہے، تو احقر کا یہ اقدام شرعاً کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب واقفین نے مدرسہ ہی کے نام سے زمین وقف کی ہے تو وہ زمین مدرسہ ہی کے لیے متعین ہے، اور مدرسہ کی ضروریات میں عام طور پر مسجد میں شامل ہوتی ہے اس لیے اس میں مدرسہ کے ساتھ مسجد بنانا بلا تردد جائز ہوگا، مگر قبرستان بنانا درست نہ ہوگا، اس لیے کہ مسجد اور مدرسہ واقفین کی غرض کے دائرہ میں ہے، اور قبرستان ان کی غرض کے دائرہ میں نہیں ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ص: ۱۳۷)

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مرعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٥٤٩)

بخلاف شرط الواقف لأن مخالفة كمخالفته النص. (الأشباه قديم ص: ١٩٢)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال في الخانية معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلك من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحر الرائق، کتاب الوقف، کوئٹه ٥/٢١٥، زکریا ٥/٣٦٠)

يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامی، کراچی ٤/٣٥٩، زکریا ٦/٥٤٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۲ھ

وقف شدہ غیر مستعمل کنواں پر مدرسہ کی تعمیر کرنا

سوال [۷۷۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد بہت پرانی تھی، اور اسی سے متصل دکھن طرف مدرسہ کی عمارت تھی جب مسجد کی توسیع کا ارادہ ہوا تو مدرسہ کی عمارت ختم کر کے تقریباً ۱۰ رفٹ دکھن طرف مدرسہ کی زمین میں مسجد کشادہ کرائی گئی اور مسجد کی آخری دیوار بنادی گئی کہ یہ دیوار حد فاصل ہے، اتر طرف مسجد اور دکھن طرف مدرسہ ہے اور اب مدرسہ کی جدید عمارت مدرسہ کے دکھن آخری باؤنڈری پر پچھّم پورب بنی ہوئی ہے، پرانے مدرسہ کی عمارت مسجد میں شامل کیے جانے کے بعد اب مدرسہ کی باقی زمین اتری جانب بحیثیت صحن باقی ہے اور اسی صحن میں مسجد کی جانب مغرب و دکھن مدرسہ کا بنا ہوا بیت الخلاء و پیشاب خانہ ہے اور اسی کے بالکل سیدھ میں جانب مشرق ایک کنواں تھا، جو پچیس تیس سال سے بند ہے، کیونکہ اب واٹر ورکس اور چاپا کل کے ذریعہ پانی ملتا ہے، اب موجودہ زمانہ میں کنواں کی کوئی ضرورت نہیں رہی یہ کنواں اب مدرسہ کی باؤنڈری کے اندر ہے جس پر مدرسہ کے لوگ کمرہ بنوا رہے ہیں، جو لینٹر تک جا کر رک گیا، کہ یہ کنواں مسجد کا ہے، اس پر مدرسہ کی تعمیر درست نہیں، جبکہ پرانے اور معمر لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ کنواں رفاہ عام کے لیے تھا، جس سے محلّہ کے ہندو و مسلمان سبھی پانی بھرتے تھے، نیز وہ لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ کنواں اس لیے یہاں بنا تا تھا کہ محلّہ کے لوگ اور مسجد کے لوگ بھی اس کا پانی استعمال کریں گے، اور مسجد کے اتر جانب مسجد میں چاپا کل لگ گیا ہے، جس سے مصلیان مسجد اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں اسی سے دو تین فٹ جانب اتر اور مسجد کے جانب دکھن پندرہ سولہ سال قبل کا بنا ہوا ایک باورچی خانہ ہے موجودہ کمیٹی سے قبل جو کمیٹی تھی انہیں حضرات نے استنجا خانہ اور باورچی خانہ بنوایا تھا جس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا اب موجودہ کمیٹی نے بند کنویں پر تعمیر شروع کی تو اس پر یہ اعتراض کہ یہ مسجد کا ہے۔

اگر سابقہ کمیٹی یہی کام کرتی تو اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوتا نیز سابقہ کمیٹی نے یہ جو باورچی خانہ بنوایا ہے تو توسیع شدہ مسجد کی آخری دیوار کی باؤنڈری جب پورب جانب مسجد کی

باؤنڈری میں ملے گی، تو یہ دیوار باورچی خانہ کے اندر سے گذرے گی، جس کا اکثر حصہ دکھن جانب مدرسہ میں اور کچھ حصہ اتر جانب مسجد میں پڑے گا، اور وہ کنواں اس باورچی خانہ کے دکھن دو تین فٹ کے بعد ہے جو بند تھا جس پر تعمیر رکی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کنواں مسجد کا ہے یا جو بھی کنواں مسجد کے قریب ہوتا ہے وہ مسجد ہی کے لیے وقف ہوتا ہے جبکہ مسجد کے لیے وقف کا کوئی ثبوت نہیں اور کیا اس پر مدرسہ کی تعمیر شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: عبداللہ غفراللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب پرانے اور معمر لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ کنواں رفاہ عام کے لیے تھا، کسی کے لیے مخصوص نہیں تھا، اور اب لوگوں کو اس کی ضرورت باقی نہیں رہی، نیز مسجد میں پانی کا انتظام بھی ہو گیا، تو اگر اس کنواں کا واقف یا اس کی اولاد موجود و معلوم ہے تو اس کو حق ہے چاہے مسجد میں دیدے یا مدرسہ میں دیدے اور اگر واقف کی اولاد میں کوئی موجود نہیں یا معلوم نہیں، تو وہ کنواں لقطہ کے حکم میں ہوگا، اور مدرسہ کی تعمیر اس پر صحیح و درست ہو جائیگی مسجد کے قریب ہونے سے مسجد کا نہیں سمجھا جائے گا۔

حوض في محلة خرب فصار بحيث لاتمكن عمارته و استغنى أهل المحلة عنه إن كان يعرف واقفه يكون له إن كان حيا و لورثته إن كان ميتا و أن كان لايعرف واقفه فهو كاللقطة في أيديهم يتصدقون به على فقير ثم يبيعه الفقير فينتفع بالثمن. (هنديه، كتاب الوقف الباب الثالث عشر في الأوقاف التي يستغني عنها، زكريا قديم ٢/٤٧٩، جديد زكريا ٢/٤١٩، تاتارخانية زكريا ٨/١٩٧، رقم: ١١٦٢٨، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٥٢، زكريا ٥/٤٢٢، الفتاویٰ البزازيه جديد زكريا ٣/١٤٥، وعلى هامش الهندية زكريا ٦/٢٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٨/ شعبان المعظم ١٤١٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/ ٤١٤١)

مدرسہ کی زمین پر مسجد تعمیر کرنے کا حکم

سوال [۷۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ مفتاح العلوم کیلئے گاؤں والوں نے ڈیڑھ ایکڑ زمین چندہ کر کے خریدی ہے جو مکمل مدرسہ کے نام پر ہے لیکن وہ جگہ شہر میں آچکی ہے، اس لیے اس جگہ کے اطراف چند مسلم احباب کے مکانات ہیں اور انہوں نے مدرسہ کے ذمہ داروں کے منع کرنے کے باوجود اس جگہ پر چندہ کر کے مسجد تعمیر کی ہے، کیا اس جگہ پر نماز درست ہوگی جبکہ مدرسہ کے ذمہ داروں نے کہا کہ آپ اس ضلع میں دوسری جگہ خرید لیں اس کی مالی امداد کے لیے مدرسہ والے آپ کا تعاون کریں گے، لیکن انہوں نے اس کو مانا نہیں، اور جبراً اس جگہ پر مسجد کی تعمیر ہوئی ہے، شرعی حکم اس سے متعلق کیا ہے؟

المستفتی: شبیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی ملکیت کی زمین میں ذمہ داران کی اجازت اور مدرسہ کی ضرورت کے بغیر مسجد تعمیر کرنا ایسا ہے جیسا کہ غصب کی زمین میں مسجد تعمیر کی گئی، اور غصب شدہ زمین میں مسجد تعمیر کرنے سے مسجد تو صحیح ہوجاتی ہے لیکن اس مسجد میں اس وقت تک نماز پڑھنا مکروہ گا، جب تک ذمہ داران مدرسہ سے حقوق مدرسہ کے لین دین کا معاملہ صاف نہ کرلیا جائے سب سے بہتر شکل یہ ہے کہ جب وہاں مدرسہ بھی بننا ہے، تو مسجد کو مدرسہ کے ذمہ داروں کی تولیت میں دیدیا جائے، اور مدرسہ اور مسجد دونوں کے ذمہ دار ایک ہی ہوجائیں۔

وحكمه: وجوب رد المغصوب إن كان قائما و مثله إن كان هالكا إو قيمته. (البحر الرائق، كتاب الغصب، كوئٹه ۱۰۸/۸، زكريا ۱۹۶/۸)

ووجوب رد عينه في مكان غصبه إن كانت باقية، والضمان لو هلكت

ففي المثلي كالكيلي والوزني والعددي المتقارب يجب مثله، فإن انقطع المثل تجب قيمته. (ملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٧٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۳/ ۱۴۲۵ھ

گرام سماج کی زمین میں مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں عید گاہ سے متصل آبادی یعنی گرام سماج کی کافی زمین پڑی ہوئی ہے اسی میں ایک طرف سرکاری اسکول بھی بنا ہوا ہے، ہم لوگوں کی رائے ہے کہ اس گرام سماج کی زمین میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے، کیونکہ اس جگہ میلہ بھی لگتا ہے، جس سے خانۂ خدا کی عظمت پامال ہوتی ہے، نیز اس میں کچھ لوگوں نے کوڑا ڈالنے اور اپنے گھورے بنانے شروع کردیئے ہیں، اگر ہم نے وہاں مدرسہ قائم نہ کیا تو وہ زمین میلے ٹھیلے، کوڑا گوبر ڈالنے کی نذر ہو جائے گی، تو کیا ہم ایسی جگہ میں مدرسہ قائم کر سکتے ہیں، نیز اس میں موجودہ پردھان کی اجازت بھی شرط ہے یا نہیں؟ عدم اجازت کی صورت میں ہم مدرسہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد یونس رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گرام سماج کے ذمہ دار کی اجازت کے بغیر وہاں مدرسہ قائم کرنا جائز نہیں، اگر پردھان ہی گرام سماج کا ذمہ دار ہے تو اس کی اجازت لازم ہے۔

سلطان أذن لأقوام أن يجعلوا أرضا من أرض الكورة في مسجدهم، ويزيدوا فيه و يتخذوا حوانيت موقوفة على مسجدهم؟ قال الفقيه أبو بكر الإسكاف: إن كانت البلدة فتحت عنوة جاز أمره. (تاتارخانية، زكريا ٨/ ١٦٠ رقم: ١١٥٠٧)

عن عمرو بن يثربي قال: خطبنا رسول الله ﷺ فقال ألا! ولا يحل

لامرئ من مال أخيه شيء إلا بطيب نفس منه. (مجمع الأنهر، باب الغصب و حرمة مال المسلم، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٧١)

عن سماک قال سمعت علقمة بن وائل يحدث عن أبيه أن النبی ﷺ: اقطعه أرضا بحضر موت. (ترمذی، أبواب الأحكام، باب ماجاء فی القطائع، النسخة الهندية ١/٢٥٧، دار السلام رقم: ١٣٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۷/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۹۹۵۲/۳۸)

موقوفہ بوسیدہ قبرستان پر دینی مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک موقوفہ قبرستان ہے اور اس قبرستان کے ایک جانب سے سرکاری روڈ ہے، اور اس روڈ کے کنارے پر قبرستان کی زمین پر لوگوں نے مکانات بنوالیے تھے، کمیٹی کے لوگوں نے لڑ بھڑ کران مکانات کو ختم کرادیا، اب اس جگہ پر پیلر قائم کر کے دینی مدرسہ کے بچوں کی تعلیم اور رہائش کے لیے کمرہ بنانے کا پروگرام ہے، یہ جائز ہوگا یا نہیں، یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جس جگہ پر کمرہ بنانے کا پروگرام ہے اس جگہ پر سیکڑوں سالوں سے تدفین عمل میں نہیں آئی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ قبرستان میں سیکڑوں سال سے تدفین کا سلسلہ بند ہے اور لوگوں کے ناجائز قبضہ کا خطرہ ہے، اور قبرستان کے اس حصہ میں تدفین کا سلسلہ بھی باقی نہیں رہے تو ایسی زمینوں پر مدرسہ قائم کرنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۷۹، جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۹۷)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذٰلک بأسا. (قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى

المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار احياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زكريا ديوبند ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨)

والمقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد دارا و موضع المقبرة مسجدا. (فتح الملهم، مكتبه اشرفيه ٢/ ١١٨)

ألا ترىٰ أن موضع مسجد رسول الله ﷺ كان مقبراً للمشركين فنبش و اتخذ مسجدا. (تاتارخانية زكريا ٨/ ١٨٨ رقم: ١١٥٩٧، والوالجية، مكتبه دار الإيمان ٣/ ٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۷)

مدرسہ کی آراضی کو مزار میں شامل کرنا

سوال [۷۷۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آراضی جو مدرسہ اسلامیہ کے نام سے وقف ہے اور اس میں مدرسہ میں پڑھنے والے طلبہ قیام پذیر بھی ہیں، اب کچھ حضرات اسی آراضی کو مزار شریف کی توسیع کے لیے اس میں شامل کرنا چاہتے ہیں، واضح رہے کہ واقف نے متولی اول کو جو خود صاحب مزار ہیں یہ اختیار دیا تھا، کہ متولی اول ہی صرف ایک دو قبر کی اجازت دے سکتے ہیں، اب تین قبریں اس جگہ پر موجود ہیں، ان کے علاوہ متولی ثانی وغیرہ کو کسی قبر کے بنانے کا اختیار نہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ آراضی کو مزار شریف میں شامل کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ عدم جواز کی صورت میں جو لوگ بضد ہو کر اس کو شامل کرنا چاہیں تو ان کے لیے کیا حکم ہے؟ مدلل ومفصل جواب دیں۔

المستفتی: اختر نوری چاند پوری بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب مذکورہ آراضی مدرسہ کے لیے وقف ہے اور واقف نے بوقت وقف صرف ایک دو قبر کی اجازت دی تھی اور تین قبریں اس جگہ پر بن گئیں تو منشأ واقف کے مطابق اب آئندہ اس میں مزید قبروں کی اجازت نہ ہوگی، لہٰذا مذکورہ آراضی کا کوئی بھی حصہ مزید مزار کے لیے دینا اور اس میں شامل کرنا جائز نہ ہوگا، مدرسہ ہی میں استعمال کرنا لازم ہوگا۔

ولايجوز له أن يفعل إلا ماشرط وقت العقد. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: لايجوز الرجوع عن الشروط، زکريا ٦/٦٨٥، کراچی ٤/٤٥٩)

أما إذا قال الواقف على أن لفلان ولاية الاستبدال فمات الواقف لايكون لفلان ولاية الاستبدال بعد موت الواقف إلا أن يشترط الولاية بعد وفاته، وليس للقيم ولاية الاستبدال إلا أن ينص له بذلک. (هنديه، الباب الرابع فيما يتعلق بالشرط فی الوقف، زکريا قديم ٢/٤٠٠، جديد ٢/٣٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۰/ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۹۳/۳۷)	۲۰/ ۱۱/ ۱۴۲۴ھ

مدرسہ کی جگہ پر قبرستان بنانا

سوال [۷۷۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہاں ایک مہتمم صاحب نے مدرسہ کی زمین میں کمیٹی کے مشورہ سے ایک قبرستان بنایا تاکہ اگر کسی طالب علم یا استاذ کا انتقال ہوجائے تو اس میں دفن کیا جاسکے، واضح رہے کہ یہ زمین مدرسہ کے لیے لوگوں سے چندہ کر کے خریدی گئی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمارے مہتمم صاحب کا مذکورہ عمل کیسا ہے؟ کوئی حرج تو نہیں ہے؟

المستفتی: محمد عبد القدوس مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے نام سے جو چندہ کیا جاتا ہے اس چندہ کو مدرسہ ہی کی ضروریات میں خرچ کرنا لازم ہے، اور مدرسہ کے چندہ کے پیسہ سے خریدی ہوئی زمین کو قبرستان بنانا جائز نہیں ہے، بلکہ اس زمین کو مدرسہ ہی کی ضروریات میں استعمال کرنا لازم ہے، چاہے مدرسہ کے لیے کمرہ یا درسگاہ بنائیں یا مدرسہ کے لیے آمدنی کا ذریعہ بنائیں اور اگر قبرستان بنانا ہو تو قبرستان کے لیے الگ سے چندہ کریں، یا کوئی صاحب خیر اپنی زمین دینے کے لیے بخوشی پیش کش کرے تو درست ہے، اور اس کی خلاف ورزی خیانت ہے۔

بعث شمعا في شهر رمضان إلى مسجد فاحترق و بقي منه ثلثه أو دونه ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذ بغير إذن الدافع، ولو كان العرف في ذلك الموضع أن الإمام و المؤذن يأخذه من غير صريح الإذن في ذلك فله ذلك. (البحر الرائق، كتاب الوقف فصل في أحكام المسجد كوئٹه ۵/۲۵۰، زکریا ۵/۴۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۶؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۷/۱۰۰۳۷)	۲۶/۴/۱۴۳۱ھ

مدرسہ کو منتقل کرنا

سوال [۷۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) چند آدمیوں نے اپنی زمین اس لفظ کے ساتھ مدرسہ کو دی کہ ’’ہم مدرسہ کو یہ زمین دیتے ہیں‘‘ تو کیا اس لفظ سے زمین وقف ہوگئی یا نہیں؟۔

(۲) مدرسہ کے متصل ایک صاحب کا پولٹری فارم (مرغی فارم) ہے جس کی بدبو کی وجہ سے مدرسہ کو وہاں سے منتقل کرنا از حد ضروری ہے تو کیا اس زمین کو فروخت کر کے اس قیمت سے مدرسہ کو دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں، اگر ایسا نہ کیا جائے تو وہ زمین صرف کاشت ہی کے قابل رہ جاتی ہے، اور اس سے منشاء معطین فوت ہو رہا ہے حالانکہ معطین نے یہ زمین

تعلیم وتربیت کے لیے دی ہے، اوراس صورت میں زمین اس قابل نہیں رہ جاتی، اس صورت میں معطین کوسخت تکلیف ہوگی، تو کیا زمین کوفروخت کیا جاسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین دینے والوں کا یہ کہہ کر دینا کہ ہم نے یہ زمین مدرسہ کو دی ہے اگر اس سے مدرسہ کے نام بطور وقف دینے کی نیت رہی ہو اور عرف میں بھی یہی ہوتا ہو تو ایسی صورت میں وہ زمین مدرسہ کے لیے وقف ہوگئی ہے اور اگر اس سے مدرسہ کو بطور عطیہ دینے کی نیت رہی ہو تو وہ زمین مدرسہ کی ملکیت میں ہوگئی ہے اور سوالنامہ میں اس جگہ پر مدرسہ چلانے کی دشواریاں پیش کی گئی ہیں کہ مرغی فارم کی بدبو کی وجہ سے طلبہ اور مدرسین کا وہاں پر پڑھنا اور پڑھانا بڑا مشکل ہے اور بدبو کی وجہ سے بیماری پھیلنے کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں زمین چاہے وقف کی گئی ہو یا مدرسہ کی ملکیت میں دی گئی ہو دونوں صورتوں میں اس زمین کو بیچ کر اسی پیسہ سے کسی مناسب جگہ پر متبادل زمین خرید کر مدرسہ بنالیا جائے، اور اس میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ معطیین کے مقصد اور منشاء کے مطابق جاری کرادیا جائے تو جائز ہے۔

ذکر هلال عن أبی حنيفة إذا قال جعلت أرضی هذه للفقراء إن كان هذا فی تعارفهم وقفا كان وقفا. (تاتارخانية زكريا ۸/۷ رقم: ۱۱۰٦۷)

مبادلة دار الوقف بدار أخریٰ إنما يجوز إذا كان فی محلة أخریٰ خيرا و بالعكس لايجوز. (شامی، كتاب الوقف، مطلب: فی شروط الاستبدال، كراچی ٤/۳۸٦، زكريا ٦/٥۸٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/٥۷٦، البحر الرائق كوئٹه ٥/۲۲۳، زكريا ٥/۳۷۳)

وكذلک سائر الوقوف عنده إلا أنها إذا خربت عن انتفاع الموقوف عليهم جاز استبدالها بإذن الحاكم بأرض أو دور أخریٰ تكون وقفا مكانها. (إعلاء السنن، باب إذا خرب المسجد أو الوقف لم يعد إلی ملك الوقف ولا يباع، دار الكتب العلمية بيروت ۱۳/۲٤۷، كراچی ۱۳/۱۱۲)

لايجوز استبدال العامر إلا فی الأربع لو شرطه الواقف (إلی قوله) الرابعة:

أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة و أحسن صعقا. (الدر المختار مع الشامی، مطلب: لايستبدل العامر إلا فی أربع کراچی ٤ /٣٨٨، زکریا ٦/٥٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ر محرم الحرام ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/ ١٠٩٢٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٧/١/١٤٣٤ھ

مسجد و مدرسہ کی زمین کا تبادلہ کرنا

سوال [٧٧٦٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قطعۂ آراضی مسجد ومدرسہ کے لیے خریدی گئی، مدرسہ اسلامیہ اسکول کے نام رجسٹری ہوئی، کل زمین اسلامیہ اسکول کے نام خریدی گئی اب وہ افتادہ پڑی ہے وہاں اس میں کسی قسم کی تعمیر نہیں ہوئی، لیکن وہاں آس پاس آبادی ہوگئی، اس وجہ سے اسے بیچ کر دوسری جگہ زمین لینا چاہتے ہیں تاکہ مدرسہ آبادی سے علاحدہ بنا کر بچوں کی تعلیم وتربیت اچھی ہوسکے، اور شہری مسموم فضا سے محفوظ رہیں تو کیا اس زمین کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابوالفضل آگرہ یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ زمین افتادہ پڑی ہے اور کسی قسم کی تعمیر نہیں ہوئی ہے اور مسجد مدرسہ کے لیے وہ جگہ مناسب نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس زمین کو فروخت کرکے اس کے بدلے میں دوسری مناسب جگہ خرید کر یا تبادلہ کرکے مسجد ومدرسہ بنانا جائز اور درست ہے، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اول وہلہ میں مسجد مدرسہ کے نام سے نئی زمین کی رجسٹری کرانا لازم ہے، تاکہ آئندہ کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

مبادلة الوقف بدار آخر إنما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو محلة أخرىٰ خيرا وبالعكس. (شامی، کتاب الوقف مطلب: فی شروط الاستبدال، کراچی

٣٨٦/٤، زكريا ٤٨٦/٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٥٧٦/٢، البحر الرائق كوئٹه ٢٢٣/٥، زكريا ٣٧٣/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۳۸)

مدرسہ کی زمین پر اسکول کھولنا

سوال [۷۷۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی زمین مسلم یتیم خانہ کے لیے وقف کردی اور چندہ کرکے لوگوں نے یتیم خانہ تیار کرلیا، اور تھوڑے ہی دنوں تک یتیم خانہ چلا تھا کہ کسی وجہ سے بند ہوگیا یا کم بچے پڑھنے لگے، تو اتنے میں اچانک زید کا انتقال ہوگیا اور اس کے بعد اس کے لڑکے ماجد نے اس یتیم خانہ میں اپنے باپ کے نام ایک اسکول تیار کرالیا، جس میں مسلم وغیر مسلم، سکھ عیسائی وغیرہ کے بچے تعلیم حاصل کرنے لگے، تو کیا اس یتیم خانہ کی زمین پر اسکول کھولنا اور دوسری قوم کو تعلیم دینا، اور بچوں کی فیس سے جو بھی آمدنی ہو اس کو تھوڑا بہت یتیم خانہ کے اوپر خرچ کرکے (یعنی دکھلاوے کے لیے) باقی اپنی ضروریات میں خرچ کرنا اور اسکول کے نام پر سال میں ایک مرتبہ انگریزی ڈانس کرانا، جبکہ مسلمان ان حرکتوں سے ناراض ہیں، کیا صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: اور دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت وہاں کے مسلمان یہ چاہ رہے ہیں کہ اب اسکول بند ہو اور شروع سے صرف یتیم بچے یہاں پڑھیں، اور چلانے کے لیے سب تیار ہیں، لیکن ماجد کے مالدار ہونے کی وجہ سے اور بااثر آدمی ہونے کی وجہ سے لوگ کچھ نہیں بول سکتے ہیں، کہ ہم پھنس جائیں گے، اور سارا بوجھ اس پر آجائے گا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دینی تعلیم کے لیے یتیم خانہ کے وقف کی زمین

میں دینی تعلیم ہی ہونا لازم ہے، ماجد نے جو اسکول کھولا ہے وہ ناجائز قبضہ ہے، اسکول کو ختم کر کے مسلمان یتیم بچوں کی دینی تعلیم کا سلسلہ جاری کیا جائے، واقف نے دینی تعلیم کے لیے وقف کیا ہے اور واقف کی غرض کی رعایت لازم ہوتی ہے۔

و أن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفين، واجبة کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۹۸)

قبرستان میں پلر لگا کر اس پر مسجد بنانا

سوال [۷۷۶٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نئی مسجد محلّہ حیات نگر سیوہارہ میں مسجد سے ملا ہوا قبرستان ہے مسجد کو وسیع کرنے کے لیے لوگ قبرستان والوں سے اجازت لے کر قبرستان میں ستون کھڑا کر کے اوپر مسجد بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ قبرستان میں قبریں موجود ہیں، آیا قبرستان کے اوپر مسجد بنا کر اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور قبر کے اوپر مسجد بنا کر اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور مسجد اس کے اوپر بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمر محلّہ حیات نگر سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستفتی سے زبانی معلوم ہوا کہ قبرستان مملوکہ ہے تو ایسی صورت میں مالکوں کی اجازت سے ایسا کرنا جائز ہے کہ قبرستان میں اونچے اونچے قدآدم پلر اٹھا کر اس کے اوپر لینٹر ڈال کر مسجد بنالی جائے اور نیچے دفن کا سلسلہ بھی جاری رہے، لہٰذا سوالنامہ میں قبرستان کے اوپر پلر قائم کر کے توسیع مسجد کا جو پروگرام ظاہر کیا گیا ہے وہ مالکوں کی اجازت اور فتنوں سے حفاظت کی شرط پر جائز ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۱/۵۹۳، احسن الفتاویٰ ۶/۴۰۹)

فإن قلت هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها (إلى قوله) لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، وهكذافى المحيط البرهانى، المجلس العلمى ٩/ ١٤٤، رقم: ١١٤١١)

و المقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد دارا أو موضع المقبرة مسجدا وغير ذلك. (عمدة القارى، دار إحياء التراث العربى ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۹۳)

قبرستان کی آراضی میں مسجد تعمیر کرنا

سوال [۷۷۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ محلّہ نودھا کے ایسے علاقہ میں رہتے ہیں جہاں پر کافی دور تک کوئی مسجد نہیں ہے، نمازیوں کی آسانی کے لیے مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں ہمارے محلّہ میں ایک بہت پرانا سادات کا قبرستان ہے، راستہ سے متصل قبرستان کی ایسی زمین ہے جہاں کوئی قبر نہیں ہے، اور نہ ہی قبر کا کوئی نشان باقی ہے اور محلّہ کے اسی نوے سال کی عمر کے معمر حضرات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے اپنی یاد میں یہاں پر کوئی قبر نہیں دیکھی اس جگہ پر ہم لوگ قبرستان کی کمیٹی اور سبھی حضرات کی رضامندی سے مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، قبرستان کی اس آراضی میں مسجد تعمیر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرقبرستان کی وہ زمین جس میں مسجد بنانے کے لیے سب لوگ رضا مند ہیں اس میں ساٹھ ستر سال سے دفن کا سلسلہ بند ہے اور وہاں دفن کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں قبرستان کے تمام ذمہ داران اور کمیٹی کے افراد اور بااثر لوگوں کے اتفاق رائے سے مسجد کی تعمیر کرنا جائز اور درست ہے، اس لیے کہ مسجد بھی من جملہ اوقاف میں سے ایک وقف ہے اور عبادت کی جگہ ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبني قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا (وقوله) **فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكاننها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩ زكريا ٣/ ٤٣٥ تحت رقم الحديث ٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۰۶)

بوسیدہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا

سوال [۸۷۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت پرانا قبرستان جس کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ کوئی بھی جگہ ایسی نہ ہوگی جس میں کوئی قبر نہ ہو اس کے ایک حصہ میں مسجد تعمیر کر لی گئی ہے، کیا اس مسجد میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: ماسٹر فرقان علی براہپور سیوہارہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر قبریں پرانی ہو چکی ہیں اور میت کے اجزاء کے مٹی بن جانے کا غلبۂ ظن ہو تو اس کو برابر کر کے مسجد بنا کر نماز ادا کی جائے تو بلا کراہت نماز

درست ہوجائے گی، چنانچہ مسجد نبوی بھی مشرکین کی بوسیدہ قبروں پر واقع ہے۔

قال أنس: فكان فيه ما أقول لكم قبور المشركين وفيه خرب وفيه نخل فأمر النبی ﷺ بقبور المشركين فنبشت ثم بالخرب فسويت وبالنخل فقطع فصفو النخل قبلة المسجد. (بخاری شریف، الصلاة باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، النسخة الهندية ۱/۶۱، رقم: ٤٢٤، ف: ٤٢٨)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا (إلى قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و تيخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۴۹)

بوسیدہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا

سوال [۷۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کے شمالی جانب جہاں پر کوئی قبر نہیں ہے لیکن بعض لوگوں کا قول ہے کہ دو تین قبریں یہاں پر تھیں، اسے برابر کر کے ۱۹۸۹ء میں دوکانیں بنائی گئیں اور انہیں دکانوں پر ۲۰۱۱ء میں ایک مسجد تعمیر کی گئی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ مسجد بنانا صحیح ہے یا نہیں اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بوسیدہ قبرستان میں مسجد بنانا بلاشبہ جائز اور درست ہے لیکن دوکانیں بنانا جائز نہیں، اس لیے جس مسجد کا تذکرہ کیا جارہا ہے اس کے نیچے کی دوکانوں کو بھی مسجد ہی میں شامل کر لینا چاہیے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا (إلى قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و تيخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم اشرفی دیو بند٢/ ١١٨)

وحاصله أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله و علوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ: وَ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ (الجن:١٨). (البحر الرائق، الوقف، فصل فی أحكام المسجد زكريا ديو بند ٥/ ٤٢١، كوئٹه ٥/ ٢٥١، شامی، مطلب فی أحكام المسجد زكريا ٦/ ٥٤٧، كراچی ٤/ ٣٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۷۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۱۱/ ۱۴۳۴ھ

قبرستان کی زمین کو مسجد میں صرف کرنا

سوال [۷۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کی جائداد کو مسجد میں صرف کرنا یا اس میں نل وغیرہ لگوانا یا آپس میں تقسیم کرنا، کمیٹی والے ہوں یا عام مسلمان ہوں جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: موقوفہ قبرستان کی جائداد قبرستان کی ضرورت سے زائد نہ ہو یا وہاں قبریں موجود ہوں تو قبرستان کی جائداد کو مذکورہ تصرفات میں سے کسی میں بھی تصرف کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۲۳، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۱۲، فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۸۷)

شرط الواقف كنص الشارع الخ. (الأشباه و النظائر قديم ص: ١٧٠)

أن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی كوئٹه ٣/ ٤٦٤، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

البتہ قبرستان اگر کسی کی ملکیت کا ہے تو اس کی اجازت سے مذکورہ تمام تصرفات جائز ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۸۹، کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۲۳، جدید مطول ۱۰/ ۵۱۲)

لو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ والبناء علیہ. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، قبیل فصل فی التعزیر، زکریا دیوبند ۱/ ۵۸۹، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۴۶، الدر المختار کوئٹہ ۱/ ۶۶۲، کراچی ۲/ ۲۳۸، زکریا ۳/ ۱۴۵، البحر الرائق کوئٹہ ۱/ ۱۹۵، زکریا ۲/ ۳۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۱۶)

قبرستان کی خالی جگہ میں اتفاق رائے سے مسجد بنانا

سوال [۷۷۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عام قبرستان ہے جو کہ پوری برادران قریش کی ہے جو اوقاف بورڈ میں بھی درج ہے، اور وقتاً فوقتاً اوقاف بورڈ والے اس کی محافظت کے لیے آتے جاتے ہیں، اسی قبرستان میں برادری کے کچھ لوگ نئی مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور کچھ برادری کے لوگ مسجد کی تعمیر کے سخت مخالف ہیں، آیا اس صورت میں اس عام قبرستان میں مسجد بنانا جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عام قبرستان ہے اور جہاں مسجد بنانے کا ارادہ ہے وہاں پر کوئی ایسی قبر نہیں ہے جس کے میت کے اجزاء موجود ہونے کا ظن غالب ہو اور نہ آئندہ قبرستان کو اس زمین کی ضرورت ہے تو بلا اختلاف کے تمام مسلمانوں کے متفقہ فیصلہ سے مسجد بنانے کی گنجائش ہے۔

لو أن مقبرۃ من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذلک بأسا (إلی قولہ) فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی

المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۱۷۹/٤، زکریا ٤۳٥/۳، رقم: ٤۲۸، فتح الملهم اشرفی دیوبند ۲۱۸/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۰۷)

قبرستان کی افتادہ زمین میں مسجد بنانا

سوال [۷۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایسی جگہ جہاں عرصۂ دراز قبل قبرستان کی جگہ آبادی میں نکل گئی تھی، اس کے باوجود لوگ دفن کرتے رہے لیکن ۲۵؍ سال سے اب تک کوئی نئی قبر نہیں بنی ہے، گرام پردھان کی طرف سے مسجد کے نام اس جگہ کی رسید دس سال قبل کاٹ دی گئی تھی، اور وہاں پر مسجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہے، تو وہاں مسجد بنانا اور اس میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مذکورہ زمین قبرستان کے لیے وقف تھی اور اس میں دفن کا سلسلہ مدت دراز سے ختم ہو چکا ہے جیسا کہ سوالنامہ میں پچیس سال سے دفن کا سلسلہ ختم ہونے کا ذکر ہے، اور اس جگہ کے کسی کے قبضہ میں جانے کا خطرہ ہے اور غرض واقف کے مقاصد حاصل نہیں ہو پا رہے ہیں تو ایسی صورت میں اس جگہ پر قبرستان کے ذمہ داروں کے مشورہ سے مسجد کا تعمیر کرنا جائز اور درست ہے اس لیے کہ اوقاف میں سے مسجد اعلیٰ درجہ کا وقف ہوتا ہے اور واقف کی غرض اور مقاصد میں کوئی کمی نہیں آتی ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا (إلى قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب

هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨ ،فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ٢/ ١١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵رصفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۸۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۵ھ

قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانا

سوال [۷۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے قبرستان کی جگہ تین حصوں میں ہے اور قبرستان کے تینوں حصے مسلم آبادی کے بیچ میں ہیں، اور پورے قبرستان کی دیوار سے حد بندی کر دی گئی ہے، جس کی وجہ سے زمین کے ضائع ہونے کا بھی کوئی اندیشہ نہیں ہے، قبرستان کے تینوں حصوں میں سے ایک حصہ معصوم قبرستان کے نام سے جانا جاتا ہے جس کے قریب میں مسلمانوں کی آبادی تھی، جنہوں نے بائیس سال پہلے قبرستان ٹرسٹ سے معصوم قبرستان کے ایک کنارے پر پانچ چھ فٹ کے گڑھے (کھائی) پر مسجد مدرسہ تعمیر کی اجازت مانگی تھی کہ مسجد کی چھت کا کچھ حصہ اور کچھ دیواریں اور ستون اور بیت الخلاء مسمار (کمزور) حالت میں ہونے کی وجہ سے مرمت کرنے کی اجازت دی جائے اور ساتھ میں مسجد کے دونوں طرف گیلری بنانے اور جماعت کے لیے دو نئے کمرے کی اجازت دی جائے، یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ جگہ ۱۹۹۱ء میں ایک روپئے کے کرائے کے ٹوکن پر دی گئی تھی۔

نوٹ: ارا کین مسجد کا اجازت نامہ سوال کے پرچے کے ساتھ شامل ہے۔

سوال یہ ہے کہ (۱) جو جگہ خالص قبرستان کے نام سے وقف ہو اس کو دوسرے ٹرسٹ کو مسجد یا مدرسہ بنانے کے لیے دے سکتے ہیں؟

(۲) ۱۹۹۱ء میں ۲۵۰ فٹ لمبی اور ۱۲۵ رفٹ چوڑی جگہ اس وقت کے ٹرست صاحبان نے صرف ایک روپئے کے کرائے پر مدت متعین کیے بغیر دی تھی، اتنی جگہ کو ایک روپئے کے

کرائے پر ٹرسٹ صاحبان کو مدت متعین کیے بغیر دینے کا شریعت نے اختیار دیا ہے؟

(۳) اردگرد کی زمینوں کو دیکھتے ہوئے ابھی اس زمین کی قیمت (جو ایک روپے کے ٹوکن پر دی گئی ہے) کئی گنا زائد بنتی ہے تو کیا ابھی اسی ایک روپے کے کرائے کو برقرار رکھیں یا بڑھا سکتے ہیں؟

(۴) مسجد کمیٹی کے کہنے کے مطابق مسجد کے کچھ حصے کمزور ہو گئے ہیں تو کیا قبرستان ٹرسٹ صاحبان پرانی عمارت کی مرمت اور نئی تعمیر کی اجازت دے سکتے ہیں؟

(۵) قریب میں مسجد کی جگہ خرید کر مسجد بنا دی جائے، تو پرانی مسجد کے نام والی عمارت کو جب تک باقی رہے مدرسہ کی غرض میں استعمال کیا جا سکتا ہے؟

(۶) کیا قبرستان کے نام سے وقف جگہ پر مسجد تعمیر کرنا درست ہے؟

(۷) اور اگر عمارت بنا دی ہو تو وہ شرعی مسجد کے حکم میں شمار ہو گی، جس میں ستائیس نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے یا پھر عبادت خانہ شمار ہو گی؟

(۸) اگر عبادت خانہ شمار ہوتی ہو تو اس صورت میں عمارت پر مسجد لکھنا درست ہے یا عبادت خانہ؟

(۹) اگر عبادت گاہ ہے تو اس صورت میں سامنے زمین خرید کر مسجد بنا کر وہاں نماز پڑھنا درست ہے یا پھر عبادت گاہ میں ہی پڑھے؟ اکثر لوگ بائیس سال سے مسجد سمجھ کر ہی وہاں نماز ادا کر رہے ہیں؟

(۱۰) اگر قبرستان کے ٹرسٹ صاحبان اس جگہ کو پہلی صورت پر لانے کے لیے مسجد کمیٹی سے جگہ خالی کرنے کی گذارش کریں تو اس صورت میں ٹرسٹ صاحبان از روئے شرع گناہگار ہوں گے یا نہیں؟

(۱۱) قبرستان کے قرب و جوار میں مسجد کے لیے جگہ کا انتظام ہو سکتا ہو تو قبرستان کی جگہ کو (جو جگہ قبرستان کے غرض سے ہی وقف ہے) مسجد کی غرض میں مشغول رکھا جا سکتا ہے؟

آپ سے گزارش ہے کہ جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سارے سوالات کا حاصل یہ ہے کہ قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ جیسے قبرستان وقف ہوتا ہے اس سے اعلیٰ درجہ کا وقف مسجد ہوتی ہے اور قبرستان کے مقابلے میں واقف کو مسجد کا ثواب زیادہ ملتا ہے اس لیے قبرستان کی فاضل زمین پر جس میں دفن نہ ہورہا ہو، اس پر کمیٹی کے مشورہ سے مسجد شرعی بنانا بلاتردد جائز اور درست ہے، اور پھر مسجد سے کرایہ وصول کرنا درست نہیں ہوگا تاکہ مسجد مکمل طور پر وقف علی اللہ ہوجائے اور واقف کے لیے صدقۂ جاریہ بن کر کے قیامت تک ثواب کا سلسلہ جاری ہوجائے اور اس مسجد سے متصل ضمناً قرآن کی تعلیم کے لیے مکتب کا کمرہ بنایا جائے تو یہ بھی وقف ہے اور اس سے بھی صدقۂ جاریہ کا ثواب واقف کو ملتا رہے گا، اس لیے وہاں کے سارے مسلمانوں کو اس بات پر متفق ہوکر مسجد کا تعاون کرنا چاہیے اور آپس میں اختلاف اور انتشار پیدا نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ مسجد نبوی جو دنیا کے سارے مسلمانوں کا مرجع ہے، پرانے قبرستان کے اوپر ہی بنی ہے اور ساتھ میں اصحاب صفہ کے لیے مدرسہ صفہ کا چبوترہ بھی اسی کے اوپر قائم ہے، ممکن ہے کہ اس جواب سے وہاں کے سب مسلمان اختلاف کو ختم کرکے مسجد کے تعاون میں متفق ہوجائیں۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا (إلى قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد دار احياء التراث العربى ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد اشرفيه ديو بند ٢/١١٨)

الثامنة فى وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة قال فى الخانية معزيا إلى أبى بكر البلخى إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحر الرائق، كتاب الوقف كوئٹه ٥/٢١٥، زكريا

دیوبند ۵/۰۶ /۳۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۰۲/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱۱/۱۴۳۴ھ

قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانے کا حکم

سوال [۷۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کے لوگوں نے آج سے تقریباً بیس برس قبل بالاتفاق قبرستان میں ایک مدرسہ کی تعمیر کے لیے بنیاد رکھی تھی، لیکن اس بنیاد پر تعمیری کام شروع نہیں ہوا تھا کہ اچانک حالات میں تبدیلی آئی اور گاؤں میں اختلاف ہو گیا، اور دو فریق بنام دیوبندی وبریلوی وجود میں آگئے یعنی کچھ لوگ دیوبندیت کے نام سے موسوم ہوئے اور کچھ بریلویت کے نام سے اور دونوں فریقوں کے قبرستان ایک ہی رہے، اور بریلوی مکتب فکر نے اپنا مدرسہ الگ بنالیا، اور دیوبندی مکتب فکر نے الگ بنالیا، اور وہ بنیاد جو قبرستان میں رکھی گئی تھی، جوں کی توں رہی، بریلویوں نے اپنا مدرسہ مسجد میں بنالیا اور دیوبندیوں نے الگ جگہ لے کر اپنا مدرسہ بنالیا، اتفاق کی بات یہ ہے کہ دیوبندیوں کے مدرسہ کی جگہ اسی مدرسہ کے بالکل برابر میں ملی جس کی بنیاد سب لوگوں کے اتفاق سے رکھی گئی تھی، اور دیوبندی مکتب فکر کے مدرسہ کا نام ''مدرسہ ابی بن کعب'' رکھا گیا، اور مدرسہ ابی بن کعب کا راستہ بھی قبرستان کے درمیان سے ہو گیا اور پہلا والا مدرسہ جس کی بنیاد بیس برس قبل رکھی گئی تھی وہ سارا کا سارا بالکل مدرسہ ابی بن کعب کے سامنے آگیا، اور مدرسہ ابی بن کعب کے طلبہ اس بنیاد کے احاطہ میں کھیلنے لگے، جو قبرستان میں رکھی گئی تھی، پھر ایک دن ایک سرکاری ملازم (پٹواری) نے آکر دیکھا تو اس نے قبرستان کے اس حصہ کو مدرسہ ابی بن کعب کے کھیل کا میدان قرار دیدیا اور کاغذات میں بھی اسی طرح لکھ دیا کہ یہ زمین مدرسہ ابی بن کعب کے کھیل کا میدان ہے، اور اس کے علاوہ بقیہ زمین قبرستان ہے، اور اس بات کا علم لوگوں کو چند ماہ بعد ہوا اور آہستہ آہستہ

یہ خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی، جب بریلویوں کو اس کا علم ہوا، تو انہوں نے تحصیل سے پورے قبرستان کے کاغذات لے لیے، اور یہ دعویٰ کردیا کہ یہ زمین مدرسہ ابی بن کعب کے کھیل کا میدان نہیں ہے، بلکہ یہ قبرستان کی زمین ہے، اور قبرستان ہی کی رہے گی، جب ان ساری باتوں کا علم مدرسہ ابی بن کعب کے مہتمم صاحب کو ہوا، تو انہوں نے کہا کہ بیس برس قبل جب بالاتفاق یہاں مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی تھی تو یہ مدرسہ ہی کی رہے گی، بھلے ہی قبرستان کی زمین میں ہو، اور میں اسے مدرسہ ہی مانوں گا، بھلے ہی اس بنیاد پر مدرسہ تعمیر نہ ہوا ہو، جب کہ گاؤں کے تمام لوگ حتی کہ دیوبندی حضرات بھی حضرت مہتمم صاحب مدرسہ ابی بن کعب کے خاندان کے علاوہ اس بات پر متفق ہیں کہ جب بیس برس قبل والی بنیاد پر مدرسہ تعمیر نہیں ہوا تھا اور حالات خراب ہوگئے تھے، تو اب اس بنیاد کو ختم کر کے اس بنیاد کے ملبے سے اور کچھ اور سامان منگا کر قبرستان کی چہار دیواری کرادی جائے، اور مہتمم صاحب اور ان کے خاندان والے اس کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ گاؤں کے حالات اس وجہ سے کشیدگی اختیار کیے ہوئے ہیں۔

تو آپ سے مطلوب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں مہتمم مدرسہ ابی ابن کعب کا اس طریقہ پر اپنی من مانی کرنا اور پورے گاؤں کے حالات کے خراب ہونے کا باعث بننا صحیح ہے یا نہیں؟ حالانکہ پورے گاؤں کے لوگ، خواہ وہ دیوبندی ہوں یا بریلوی، مہتمم صاحب کے خاندان کے علاوہ اس بات پر متفق ہیں کہ اس بنیاد پر جب مدرسہ تعمیر نہ ہوسکا، تو اس بنیاد کو اکھاڑ کر قبرستان کی چہار دیواری کرادی جائے، اور قبرستان کا وہ حصہ جو مدرسہ ابی بن کعب کے سامنے آگیا ہے اور جسے مدرسہ ابی بن کعب کا کھیل کا میدان قرار دیا گیا ہے اسے قبرستان ہی رکھا جائے، واضح رہے کہ جب سے ان دونوں فرقوں (دیوبندی، بریلوی) کا وجود ہوا ہے اسی وقت سے بریلوی مکتب فکر کے قبضہ میں مسجد ہے، اور دیوبندی مکتب فکر کے قبضہ میں عیدگاہ ہے اور دیوبندیوں نے اپنی مسجد اختلاف کے وقت (جو تقریباً ۱۵یا۱۶/برس قبل بنام دیوبندی و بریلوی ہوا تھا) الگ بنائی تھی اور آج تک بحمد اللہ وہ دیوبندی کے قبضہ میں ہے۔

لہٰذا آپ حضرات سے درخواست ہے کہ مذکورہ مسئلہ کو سمجھ کر قرآن وحدیث کی روشنی میں مع حوالہ جات جواب عنایت فرمائیں تاکہ ضرورت کے وقت مراجعت کی جاسکے، خصوصاً

درج ذیل سوالات کے جوابات مع حوالہ تحریر فرمائیں:

(۱) حضرت مہتمم صاحب کا اس طریقہ پر زور دینا اور اپنی من مانی کرنا کس حد تک درست ہے؟

(۲) مدرسہ کی بنیاد جو بیس برس قبل رکھی گئی تھی اس کا اکھاڑنا کہاں تک درست ہے؟

(۳) مذکور فی السوال مضمون کی صورت میں حضرت مہتمم صاحب کا ساتھ دینا چاہئے یا ان لوگوں کا جو مہتمم صاحب کے مخالف ہیں؟

(۴) مہتمم صاحب کا ساتھ دینے میں ساتھ دینے والا گنہگار تو نہیں ہوگا؟

(۵) قبرستان کی زمین میں مدرسہ بنانا از روئے شرع کیسا ہے؟ جب کہ یہ قبرستان وقف شدہ ہے؟

(۶) مہتمم صاحب کا ساتھ نہ دینے والے کو لوگوں کا ملامت اور لعن طعن کرنا کیسا ہے؟

نوٹ: ساتھ دینے سے مراد یہ ہے کہ جس طریقہ سے مہتمم صاحب قبرستان میں وضع شدہ بنیاد پر مدرسہ بنانے کے قائل ہیں اسی طرح دوسرے حضرات بھی ہوں، اور اس معاملہ میں مہتمم صاحب کا تعاون کر رہے ہوں۔

المستفتی: حاجی محمد انتظار صاحب جہانگیر پور ضلع غازی آباد یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ قبرستان میں اگر فاضل زمین پڑی ہوئی ہے جس میں تدفین کی ضرورت نہیں ہے یا قبرستان بالکل پرانا ہو چکا ہے جس میں تدفین کا سلسلہ بالکل بند ہو چکا ہے تو اس میں مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا شرعاً جائز اور درست ہے اس لیے کہ مسجد اور دینی مدرسہ بھی وقف کی ہی ایک قسم ہے اور اگر قبرستان میں فاضل زمین موجود نہیں ہے جس میں تدفین کی ضرورت نہ ہو یا پرانا بوسیدہ قبرستان نہیں ہے جس میں تدفین کا سلسلہ بند ہو چکا ہو بلکہ تدفین کا سلسلہ جاری ہو تو اس میں مسجد یا مدرسہ قائم کرنا درست نہیں ہے اور سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ شروع میں جس جگہ پر مدرسہ کی تعمیر کے لیے بنیاد رکھی گئی تھی تو وہ قبرستان سے

فاضل زائد زمین ہے آپس کی رنجش اور اختلاف کی وجہ سے وہ مدرسہ نہیں بن سکا اور وہ زمین خوامخواہ افتادہ پڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے اگر اس حصہ میں مدرسہ یا مسجد بن جائے تو واقف کو صدقۂ جاریہ کے اعتبار سے ثواب ملنے کا سلسلہ جاری ہوجائے، مسئلہ شرعی تو یہی ہے جیسا کہ مسجد نبوی بھی مشرکین کے پرانے قبرستان کے اوپر بنی ہوئی ہے جو ذیل کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

عن أنس بن مالک قال قدم النبی ﷺ المدینة ...... و کان یحب أن یصلی حیث أدرکته الصلاة ویصلی فی مرابض الغنم و أنه أمر بناء المسجد فأرسل إلی ملأ بنی النجار فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا و الله لا نطلب ثمنه إلا إلی الله عز و جل قال أنس فکان فیه ما أقول لکم قبور المشرکین و فیه خرب، وفیه نخل فأمر النبی ﷺ بقبور المشرکین فنبشت ثم بالخرب فسوِّیت و بالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد و جعلوا عضادتیه الحجارة و جعلوا ینقلون الصخر وهم یرتجزون و النبی ﷺ معهم و هو یقول اللهم لا خیر إلاخیر الآخرة فاغفر الأنصار و المهاجرة. (بخاری شریف، الصلاة باب هل ینبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، النسخة الهندیة ۱/۶۱، رقم: ۴۲۴، ف: ۴۲۸)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا (إلی قوله) **فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد دار احیاء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد اشرفیه دیو بند ۲/۱۱۸)

کاش کہ لوگوں میں اختلاف نہ ہوتا اور سیاسی رنگ نہ پکڑتا اور مسجد اور مدرسہ کی عمارت تعمیر ہوجاتی تو بہتر ہوتا، لیکن محض کھیل کا میدان قرار دینا غرض واقف کے خلاف ہے، باقی اختلاف اور فتنہ سے بچنے کا طریقہ اختیار کرنا حتی الامکان لازم ہے، کسی کا ساتھ دینا نہ دینا اس طرح ذاتیات سے متعلق کچھ لکھنا منصب افتاء کے مناسب نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۳۳)

بہت پرانی قبروں پر مسجد بنانا

سوال [۵۷۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک آراضی پلاٹنگ کرنے کے لیے خریدی اس آراضی کے ایک گوشہ میں کچھ پرانی پکی قبریں بنی ہوئی ہیں، تقریباً دوڈھائی سوگز آراضی اندازہ کر کے کہ قبرستان ہوگی انہوں نے چھوڑ دی بقیہ فروخت کر دی، اب وہاں آبادی ہوگئی، آبادی کے لیے مسجد کی ضرورت ہے، زید نے کہہ دیا کہ اگر علماء شریعت کی روشنی میں اجازت دیں تو محلّہ والے مسجد بنالیں، میں یہ آراضی مسجد کو دیدوں گا، مقامی بزرگ کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی یہاں کسی کو دفن ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اندازاً وہ قبریں لگ بھگ سو سال پرانی ہوسکتی ہیں تو کیا اس آراضی پر مسجد بن سکتی ہے؟

المستفتی: رضوان قادر دیبا سرائے سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بہت پرانی قبروں کا نشان ہے اور بڑی عمر کے لوگوں نے اپنی زندگی میں وہاں دفن ہوتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، تو مطلب یہ ہے کہ بہت پرانی قبریں ہیں، لہٰذا وہاں کے مسلمانوں اور ذمہ داروں کے مشورہ اور اتفاق سے، یا اس زمین کے مالک کی اجازت سے اس کے اوپر مسجد بنانا شرعی طور پر جائز ہے اور حضور ﷺ کے زمانے میں مسجد نبوی جس جگہ پر بنی تھی وہ بھی اسی طرح پرانی قبروں کی جگہ تھی۔

هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة،

باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ١٧٩/٤،

زكريا ٤٣٥/٣ رقم: ٤٢٨، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ١١٨/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۴۹/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۲ھ

مملوکہ قبرستان میں توسیع مسجد باجازت مالکان

سوال [۷۷۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری ملکیت کا آبائی قبرستان واقع سرائے حسینی بیگم متصل مسجد کھجور والی میں لوگ قبریں منہدم کرکے مسجد کی توسیع کررہے ہیں، اس ذیل میں آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ شریعت محمدی کے تحت اس اقدام کا کیا جواز ہے فریقین متفق ہیں کہ اس مسئلہ کا فیصلہ آنجناب کے فتوے پر ہوگا؟

المستفتی: مظفر الدین محلّہ نئی بستی محمد روڈ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب قبرستان ملکیت کا ہے تو مالکان قبرستان کی اجازت سے توسیع مسجد میں شامل کرلینا درست ہے جبکہ قبروں میں میت کے اجزاء باقی نہ رہنے کا ظن غالب ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۴۸۹، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۱۱، کفایت المفتی قدیم ۱/ ۱۲۳، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۱۲)

لو بلی الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل فصل فی التعزية، مكتبه امداديه ملتان ٢٤٦/١، زكريا ديوبند ٥٨٩/١، الدر مع الرد كوئٹه ٦٦٢/١، كراچی ٢٣٣/٢، زكريا ١٣٨/٣، البحر الرائق كوئٹه ١٩٥/٢، زكريا ٣٤١/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۰/۲۴)

بوسیدہ قبروں کو مسجد کی توسیع میں داخل کرنا

سوال [۷۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غالباً دوسال پرانی آراضی قبرستان کی ہے، جس میں قبرستان قائم ہے حد بندی کیساتھ، اورلوگ یہ شہادت دیتے ہیں کہ ہمارے آباءواجداد، اعزہ واقرباء یہاں پر مدفون ہیں اس کے قریب مسجد ہے اس مسجد کو شہید کر کے پندرہ فٹ آراضی قبرستان کی لے کر مسجد کی توسیع کی جارہی ہے، تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ قبرستان کی آراضی مسجد میں لے سکتے ہیں یا نہیں شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: پھندق خاں سالار پور پوسٹ اترا سی کلاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبرستان بوسیدہ ہو گیا ہے جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے تو مالک کی اجازت سے قبرستان کی جگہ کو مسجد کی توسیع میں شامل کرنا شرعاً درست ہے۔

جاز زرعه و البناء عليه إذا بلي وصار ترابا. (در مختار على الشامي، كتاب الصلاة، بـاب صـلاة الـجنـازة، مـطلب: في دفن الميت، زكريا ٣/ ١٤٥، كراچی ٢/ ٢٣٨، زكريا ٣/ ٢٣٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٦/ ٣٢٦، ٣٨/ ٣٤٨، ٤٠/ ١٣٣، البناية اشرفيه ديوبند ٣/ ٢٥٣)

فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/ ١١٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۰۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۵ھ

پرانے قبرستان میں مسجد بنا کر نماز پڑھنا

سوال [۷۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے جہاں پر تقریباً پینتیس سال قبل قبرستان تھا، اب وہاں پر مسجد ہے جس میں نماز پنجگانہ ادا کی جاتی ہے اب عوام کا کہنا ہے کہ یہ جگہ قبرستان کی ہے، لہٰذا اس میں نماز پڑھنا کیسے جائز ہوگا؟ وہاں پر مسجد کا بننا کیسا ہے؟ اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اعظم ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرانا قبرستان جس میں دفن کا سلسلہ بند ہو چکا ہو اس میں مسجد تعمیر کرنا بلاشبہ اور بلا تردد جائز ہے اور اس مسجد میں نماز پڑھنا بلا شبہ اور بلا کراہت جائز اور درست ہے، چنانچہ مسجد نبوی جس میں ریاض الجنۃ بھی شامل ہے، پرانے قبرستان کے اوپر تعمیر کی گئی ہے اس میں جو قبریں تھی ان کو برابر کر دیا گیا اور کھجور کے پرانے پیڑ بھی تھے ان کو کاٹ کر کے مسجد نبوی کے لیے ستون کا کام لیا گیا تھا، لہٰذا بوسیدہ قبرستان کے اوپر تعمیر مسجد کے صحیح ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہونا چاہئے۔

عن أنس بن مالک قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینة ...... و کان یحب أن یصلی حیث أدرکته الصلاة ویصلی فی مرابض الغنم و أنه أمر ببناء المسجد فأرسل إلی ملأ بنی النجار فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا: لا والله لا نطلب ثمنه إلا إلی الله عز و جل قال أنس فکان فیه ما أقول لکم قبور المشرکین وفیه خرب وفیه نخل فأمر النبي صلی اللہ علیہ وسلم بقبور المشرکین فنبشت ثم بالخرب فسویت وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد و جعلوا عضادتیه الحجارة و جعلوا ینقلون الصخر وهم یرتجزون والنبی صلی اللہ علیہ وسلم معهم. (بخاری شریف، الصلاة باب هل نبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، النسخة الهندیة ۱/۶۱، رقم: ٤٢٤، ف: ٤٢٨)

هل یجوز أن تبنی المساجد علی قبور المسلمین؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم

لایجوز لأحد أن یملکها فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحیاء التراث العربی ٤/١٧٩، زکریا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیه ٢/١١٨)

إن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعات غرض الواقفین واجبة، کوئٹه ٣/٤٦٤، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۳۳ھ

قبرستان کی خالی زمین پر عبادت گاہ بنانا

سوال [۷۷۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کی آراضی میں مسجد یا عیدگاہ بنانا چاہتے ہیں اور نعشیں دفن ہوتی چلی آئی ہیں، لیکن کچھ حصہ میں پندرہ بیس سال سے کوئی نعش دفن نہیں ہوئی تو اس خالی حصہ میں عبادت گاہ بنانا اور اس میں نماز فرض یا واجب ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمران الحق خادم معارف القرآن، گڑھی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کا جو حصہ تدفین سے خالی پڑا ہوا ہے اور آئندہ بھی اس کی ضرورت نہیں تو قبرستان کی کمیٹی اور ذمہ داران کی اجازت سے اس حصہ پر مسجد یا عیدگاہ بنانا شرعاً جائز اور درست ہے، اور نماز فرض وواجب کا ادا کرنا بھی درست ہے۔

هل یجوز أن تبنی المساجد علی قبور المسلمین؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن

موتاهم لایجوز لأحد أن یملکها فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین لا یجوز تملکه لأحد فمعناهما علی هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحیاء التراث العربی ۱۷۹/٤، زکریا ٤۳٥/۳، رقم: ٤۲۸، فتح الملهم کتاب المساجد اشرفیه ۱۱۸/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۲؍ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۴۸/۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۱/۱۳ھ

پندرہ سال پرانی قبروں کو ختم کر کے مسجد بنانا

سوال [۷۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان میں ایک مسجد پہلے سے آباد ہے جو نماز جمعہ کے لیے ناکافی ہے، مسجد کی توسیع ہورہی ہے، محراب کے بائیں جانب تقریباً دس پندرہ سال پرانی تین کچی قبریں ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ قبروں کو ختم کر کے مسجد میں شامل کرنا جائز ہے یا نہیں، موجودہ محراب کو جو اس وقت بیچ میں نہیں ہے باقی رکھا جائے یا ختم کر کے درمیان میں کردیا جائے، جہاں قبریں بنی ہوئی ہیں؟

المستفتی: اشراق احمد آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موقوفہ قبرستان میں مسجد بنی ہوئی ہے جن قبروں کا سوالنامہ میں ذکر ہے اگر ان قبروں کے اندر میت کے مٹی بن جانے کا ظن غالب ہو اور ان کے اقرباء یا دیگر کسی کی طرف سے فتنہ کا بھی اندیشہ نہ ہو تو ایسی صورت میں قبرستان کے ذمہ داروں کی مرضی سے اور میت کے وارثین کی بھی مرضی سے ان قبروں کو برابر کر کے مسجد میں شامل کرنا جائز اور درست ہے، اور محراب مسجد کی اگلی صف کے بیچ میں ہونا مسنون ہے۔

إن الـميت إذا بلى فصار ترابا جاز زرعه و البناء عليه. (هنديه، الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس، زكريا قديم ١٦٧/١، جديد ٢٢٨/١، شامى زكريا ١٣٨/٣، كراچى ٢٣٣/٢، ٢٣٨، ٧)

قال ابن القاسم: لـو أن مـقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لـم أر بـذٰلك بـأسـا و ذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ١٧٩/٤، زكريا ٤٣٥/٣، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ١١٨/٢)

إن الـمحراب إنـما بنى علامة لمحل قيام الإمام ليكون قيامه وسط الصف كما هو السنة. (شامى زكريا ٤١٤/٢، كراچى ٦٤٦/١، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٩٦/٣٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۷٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۳۴ھ

قبرستان یا میونسپل بورڈ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا

سوال [۷۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جو آراضی قبرستان کے لیے وقف کی گئی ہو اور اس میں لوگوں کو دفن کیا جاتا ہو اس میں بغیر واقف کی اجازت کے مسجد تعمیر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۲) جس آراضی کا مالک گرام سماج یا میونسپل بورڈ ہو اس جگہ پر مسجد تعمیر کرنا درست ہے یا نہیں، ان دونوں اداروں میں برادران وطن اور مسلمان دونوں شامل ہوتے ہیں ایسی صورت میں صرف مسلم ممبران کی اجازت کافی ہوگی یا دونوں کی اور اس جگہ کو بغیر معاوضہ لینا

درست ہے یا نہیں؟

(۳) جس جگہ قبریں نہ ہوں بلکہ امام جس جگہ کھڑا ہوگا اس کے سامنے قبریں موجود ہوں مسجد تعمیر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حسن مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر واقف زندہ ہے اور وہ تعمیر کی اجازت نہیں دیتا ہے یا واقف زندہ نہیں ہے لیکن پوری زمین صرف قبرستان کے لیے وقف ہوئی ہے اور پورا قبرستان اب بھی دفن کے کام میں آرہا ہے ایسا نہیں کہ قبرستان بوسیدہ ہو چکا ہو اور تازہ دفن بھی نہ ہوتا ہو بلکہ تازہ دفن کا سلسلہ باقی ہے تو ایسے قبرستان میں مسجد بنانا غرض واقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥)

(۲) گرام سماج کی زمین اس کی اجازت کے بغیر اور میونسپل کی زمین اس کی اجازت کے بغیر تعمیر مسجد کے کام میں لانا جائز نہیں ہے، اگر تعمیر کرلیا ہے تو کسی طرح اجازت حاصل کرنا یا قیمت ادا کردینا لازم ہے۔

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفی ص: ١١٠، رقم: ٢٧٠، شرح المجلة، رستم مکتبه اتحاد ١/٦١، رقم المادة ٩٦)

(۳) جہاں مسجد بنانے کا پروگرام ہے اگر وہ زمین قبرستان کی ضرورت سے زائد ہے اور نہ ہی وہاں پر کوئی ایسی قبر ہے جس کے اعضاء خاک نہ ہوئے ہوں تو وہاں مسجد بنانے کی گنجائش ہے اور محراب کے سامنے اگر قبریں ہیں تو سامنے اگر دیوار حائل ہو جائے تو نماز میں کسی قسم کی کراہت لازم نہ آئے گی، ہاں البتہ دیوار حائل نہ ہو بلکہ کھلا چھوڑ دیا جائے تو نماز میں کراہت آئے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۴۸۷، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۵۰)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر

بذٰلک بأسا. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحیاء التراث العربی ۱۷۹/٤، زکریا ۴۳۵/۳، رقم: ٤۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیه ۱۱۸/۲) **فقط واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۹۵)

قبرستان میں مسجد یا کار پارکنگ بنانا

سوال [۷۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قطعۂ قبرستان جس میں تقریباً ۶۰؍۷۰؍سال سے کوئی دفن نہیں ہوا ہے اور ایک عرصہ سے وہاں مچھلی بازار اور کبوتر بازار بھی لگتا ہے اس کی چہار دیواری کرادی گئی ہے اب وقف کمیٹی کے لوگ پلر کھڑے کرکے لینٹر ڈال کر اس پر کمرے بنوا کر ایک دینی مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں، نیچے کچی زمین پر کار اسکوٹر پارکنگ بنانا چاہتے ہیں تا کہ مسجد و مدرسہ کے اخراجات پورے ہوتے رہیں، تو کیا یہ جائز ہے اور بہتر ہے اگر بہتر نہیں ہے تو اور کوئی راستہ بتائیں، اگر ہم اس جگہ کو خالی چھوڑتے ہیں تو کچھ لوگ اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں؟

المستفتی: نجم الحسن تمبا کو والان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس موقوفہ قبرستان میں تقریباً ۶۰؍۷۰؍سال سے مردوں کے دفن کرنے کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور قبرستان کے اس حصہ کے اسی طرح خالی پڑے رہنے کی صورت میں وقف کمیٹی کے باہم مشورہ سے وہاں دینی مدرسہ یا مسجد تعمیر کرنے کی گنجائش ہے، اور چونکہ مذکورہ قبرستان موقوفہ ہے اس لیے وہاں کار پارکنگ بنانا جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہ واقف کی منشاء کی خلاف ورزی ہوگی، جس کی شرعاً اجازت نہیں ہے ہاں البتہ نیچے کے حصہ کو بھی مدرسہ یا مسجد کے حصہ میں شامل کرنا جائز ہے اس لیے کہ جس طرح قبرستان وقف ہوتا ہے اسی طرح مسجد

بھی وقف ہوتی ہے، اور مدرسہ بھی وقف کے حکم میں ہی ہوتا ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۵/ ۳۵۹)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تمليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/ ١١٨)

وأما المقبرة الداثرة إذا بنى فيها مسجد ليصلى فيه فلم أر فيه بأسا، لأن المقابر وقف وكذا المسجد فمعناهما واحد. (عمدة القارى، دار إحياء التراث العربى ٤/ ١٧٤، زكريا ٣/ ٤٣٥، تحت رقم الحديث ٤٢٨)

سئل الأوزجندى عن المقبرة فى القرىٰ إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتٰى لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها و استغلالها؟ قال: لا! ولها حكم المقبرة. (فتاوىٰ عالمگيرى، الباب الثانى عشر فى الرباطات والمقابر والخانات، زكريا قديم ٢/ ٤٧٠، ٤٧١، زكريا جديد ٤/ ٤١٦، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٨/ ١٨٩، رقم: ١١٦٠٠، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ٩/ ١٤٥، رقم: ١١٤١٤)

شرط الواقف كنص الشارع فى وجوب العمل به و فى المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه اشرفى ديوبند ص: ٨٥، رقم: ١٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۱۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۶/ ۱۴۳۳ھ

قبر برابر کر کے مسجد کی صف میں شامل کرنا

سوال [۷۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: ایک مسجد بنائی ہے اور وہ مسجد قبرستان کے کنارے ہے اور مسجد کے آگے ایک قبر ہے کیا اس کو برابر کر کے صف بنادی جائے اور اس کے اوپر نماز ہوگی یا نہیں؟ ،قبر توڑ کر مسجد کے حدود میں داخل کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد مشتاق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس قبر کے اندر میت کے مٹی بنجانے کا ظن غالب ہو چکا ہے بایں طور کہ قبر بہت پرانی ہے تو قبرستان کے ذمہ داران کی اجازت سے اس کو برابر کر کے مسجد میں شامل کر لینے کی گنجائش ہے نیز اس کی وجہ سے آپس میں کسی قسم کا فتنہ بھی نہ ہونا چاہیے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحیاء التراث العربی ٤/١٧٩، زکریا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیه ٢/١١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠/رجب المرجب ١٤١٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/ ٣٥٢٧)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٠/٧/١٤١٤ھ

قبرستان میں مسجد و مدرسہ کی تعمیر کی شرعی حیثیت

سوال [٧٧٨٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے گاؤں میں دو قبرستان ہیں، ایک قبرستان گاؤں کے بالکل متصل ہے بلکہ اب آبادی کے درمیان آچکا ہے جس میں آج سے تقریباً پچیس تیس سال قبل تدفین عمل میں آئی تھی ، گاؤں کے قریب والے قبرستان میں لوگوں کے گندگی پھینکنے کی وجہ سے اس میں تدفین کا عمل عرصۂ تیس سال سے موقوف ہے، اور اب ضرورت بھی نہیں ہے اس لیے کہ دوسرا بڑا قبرستان صاف ستھرا تدفین کے لیے گاؤں سے تھوڑی ہی دور پر موجود ہے، تو کیا اس

قبرستان میں مسجد و دینی مدرسہ تعمیر کرسکتے ہیں، جہاں پر اب قبروں کے نشانات بالکل نہیں ہیں، جس میں لوگ غلاظت اور گندگی پھینکتے ہیں اور گھور لگاتے ہیں، اور گاؤں کی آبادی کافی وسیع ہورہی ہے، اس عرصہ میں چند سالوں سے اس علاقہ میں تعمیر مسجد کے لیے جگہ کی تلاش جاری ہے تو اس قدیم قبرستان پر جہاں قبروں کے نشانات بالکل نہیں ہیں اور نہ اس میں تدفین ہوتی ہے اگر مسجد و دینی مدرسہ تعمیر کرتے ہیں تو یہ قبرستان غلاظت وگندگی اور ناجائز قبضوں سے محفوظ ہوجائے گا، اور نمازیوں کے لیے مسجد کی ضرورت بھی پوری ہوجائے گی، حکم شرع باحوالہ کتب فقہ سے واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد آزاد بیگ ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس قبرستان میں ۳۰/۲۵ رسال سے تدفین کا عمل نہیں ہوا ہے اور نہ ہی اس میں آثار قبر موجود ہیں بلکہ وہ مٹ چکے ہیں اور اس کو کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ بنالیا گیا ہے تو اس جگہ میں مسجد اور دینی مدرسہ قائم کرنا جائز اور درست ہے۔

فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فاذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.

(عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ١٨٨/٨، رقم: ١١٥٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۴۱/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۲۰ھ

۳۱؍سال سے خالی پڑے قبرستان میں مسجد یا مدرسہ بنانا

سوال [۸۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان محلّہ بروالان دھر گھاٹ اشی کل اسکول رام گنگا کے کنارے واقع ہے، ۱۹۸۰ء کے فساد میں اس قدیم قبرستان میں فرقہ پرست عناصر نے لوگوں کو تدفین کرنے سے روک دیا اور آس پاس کے زیادہ تر مسلمان یہ علاقہ چھوڑ کر دوسری جگہوں پر چلے گئے، تقریباً ۳۱؍سال سے اس قبرستان میں کوئی تدفین نہیں ہوئی، اور قبرستان کے کچھ حصہ پر غیر مسلموں نے ناجائز مکانات تعمیر کرلیے، باقی بچی آراضی پر کوڑا کباڑا پھیلا دیا، پرانی قبریں اس وجہ سے مفقود ہوگئیں ہیں۔

مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ قبرستان کے دوسرے کنارے پر ۴۶۰ گز جگہ مزید قبرستان کے لیے ہے کیا اس جگہ کے کچھ حصہ پر مسجد اور دینی مدرسہ تعمیر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ ۴۶۰؍گز زمین میں کوئی بھی قبر نہیں ہے، تو کیا شریعت رو سے مسجد و مدرسہ تعمیر ہوسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرانا قبرستان جس میں تدفین کا سلسلہ بند ہو چکا ہو اس میں مسجد اور مدرسہ تعمیر کرنا بلاشبہ جائز ہے، اسی طرح قبرستان کی وہ جگہ جس میں ابھی تک تدفین نہ ہوئی ہو اور وہ جگہ خالی پڑی ہو اس میں بھی مسجد اور مدرسہ تعمیر کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

عن أنس بن مالك قال قدم النبي ﷺ المدينة …… وكان يحب أن يصلي حيث أدركته الصلاة ويصلي في مرابض الغنم و أنه أمر ببناء المسجد فأرسل إلى ملأ بني النجار فقال يا بني النجار ثامنوني بحائطكم هذا قالوا والله لا نطلب ثمنه إلا إلى الله عز و جل قال أنس فكان فيه ما أقول لكم قبور المشركين فنبشت ثم بالخرب فسويت وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد و جعلوا عضاديته الحجارة و جعلوا ينقلون

الصخر وهم يرتجزون والنبي ﷺ معهم . (بخاری شریف، الصلاة باب هل نبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، النسخة الهندية ١/٦١، رقم: ٤٢٤، ف: ٤٢٨)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨، هكذا في فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانى، المجلس العلمي بيروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧/ محرم الحرام ١٤٣٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۹۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٧/١/١٤٣٣ھ

قبر کو مسمار کر کے اس پر مسجد یا مدرسہ بنانا

سوال [٧٧٨٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبر کو مسمار کر کے اس کے اوپر مسجد یا مدرسہ یا مکان بنوانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کو مسمار کر کے اس پر کسی قسم کی تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر وہاں عرصۂ دراز سے اموات دفن نہ کیے جاتے ہوں اور زمین بھی مملوکہ ہو تو ایسی صورت میں مالک یا ذمہ دار حضرات وہاں مسجد یا مدرسہ یا مکان وغیرہ کسی بھی طرح کی تعمیر کر سکتے ہیں اور اگر وہ قبرستان موقوفہ ہو اور طویل عرصہ سے اس میں مردے بھی دفن نہ ہوتے ہوں تو اہل محلّہ کی اتفاق رائے سے وہاں صرف مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا جائز ہے اور ذاتی تصرف

کرکے وہاں مکان وغیرہ بنوانا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۱۹۷، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۵۳، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۷۹، احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۰۹)

لو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره فی قبره و زرعه والبناء علیه. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، قبیل فصل فی التعزیة، مکتبه امدادیه ملتان ۱/ ۲٤٦، زکریا دیوبند ۱/ ٥٨٩، الدر مع الرد کوئٹه ۱/ ٦٦٢، کراچی ۲/ ۲۳۳، زکریا ۳/ ۱۳۸، البحر الرائق کوئٹه ۲/ ۱۹٥، زکریا ۲/ ۳٤۱)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ۱۷۹، زکریا ۳/ ٤۳٥، رقم: ٤۲٨، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیه ۲/ ۱۱٨، هکذا فی فتاویٰ التاتارخانية زکریا ٨/ ۱٨٨، رقم: ۱۱٥۹۷، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بیروت ۹/ ۱٤٤، رقم: ۱۱٤۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۹۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍ ۷؍ ۱۴۱۷ھ

پرانے قبرستان میں مدرسہ ومسجد قائم کرنا

سوال [۷۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قطعۂ آراضی ہے جو پہلے کبھی قبرستان تھا لیکن ایک صدی سے زائد عرصہ سے اس زمین میں تدفین کا عمل بند ہے اس زمین کا خسرہ نمبر ۲۷۴ ہے، اس نمبر کی

آراضی میں ایک مسجد اور مدرسہ ہے وقف بورڈ میں مدرسہ ومسجد کا وقف نمبر تو ملتا ہے مگر یہ ثبوت نہیں ملتا کہ اس کے مالک نے اس کو وقف کیا ہے یا نہیں؟

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ آراضئ مسجد ومدرسہ وقف کہلائے گی مذکورہ آراضی کو مدرسہ ومسجد کے لیے کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟

المستفتی: اقرار احمد محلّہ ملکان کرتپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیسے قبرستان وقف ہوتا ہے ایسا ہی مسجد اور مدرسہ بھی وقف ہوتے ہیں، لہٰذا بوسیدہ قبرستان میں جس میں تدفین کا سلسلہ بند ہوگیا ہے اس میں مسجد اور مدرسہ کی تعمیر شرعی طور پر جائز اور درست ہے اور وقف بورڈ میں ان زمینوں کا صرف وقف کے طور پر مل جانا کافی ہے، مسجد اور مدرسہ کی تفصیل کی ضرورت نہیں، بخاری شریف میں روایت ہے کہ مسجد نبوی بھی پرانے قبرستان میں ہی تعمیر ہوئی ہے اس لیے مسجد اور مدرسہ جس حالت میں ہیں اسی حالت میں باقی رکھنا ضروری ہے اور ہر مسلمان کو مسجد اور مدرسہ کا تعاون کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۰، ۱۵۱)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٨٨رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۳۴)

افتادہ قبرستان میں مسجد یا مدرسہ قائم کرنا

سوال [۸۸۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان ہے اس قبرستان کے چاروں طرف غیر مسلموں کی آبادی تھی اس وقت بھی اس قبرستان میں مردے دفنائے جاتے تھے کچھ لاوارث مردے دفن ہونے کی وجہ سے اور ان کی دہشت اور بدبو کی وجہ سے اس وقت کے غیر مسلموں نے ضلع مجسٹریٹ کو درخواست دی (اس میں لکھا تھا کہ اس قبرستان کے آس پاس کوئی بھی مسلمان نہیں ہے، بدبو دار مردے دفن ہونے کی وجہ سے ہمارے بچوں میں دہشت اور خوف بیٹھ گیا ہے)اسی وجہ سے ضلع مجسٹریٹ نے مردے دفنانا بند کرادیا تھا، جواب موجودہ حالات میں قانون کی طرف سے کوئی روک نہیں ہے، اب اس قبرستان کے اردگرد مسلمانوں کی آبادی پھیل گئی ہے کچھ لوگوں نے شہادت دی کہ اہل محلّہ کی جانب سے اس قبرستان میں صفائی کا کام چل رہا ہے تاکہ دوبارہ مردوں کو دفنایا جائے ،اہل محلّہ کے پچیس فیصد لوگ قبرستان چاہتے ہیں اور پچھتر فیصد لوگوں کی رائے ہے کہ: (۱) قبرستان کے اوپر چھت پاٹ کر اہل محلّہ کے لیے شادی ہال بنایا جائے۔

(۲) قبرستان کے اوپر چھت پاٹ کر دینی مدرسہ بنایا جائے۔

(۳) قبرستان کے اوپر چھت پاٹ کر اسکول بنایا جائے۔

یہ قبرستان تقریباً چالیس سال سے بند تھا اس قبرستان کے چاروں طرف گندے پانی کے پرنالے کھلے ہوئے ہیں لوگ، اپنی دیگر ضروریات کی چیزیں گائے، بھینس، جنریٹر وغیرہ قبرستان کی جگہ پر استعمال کر رہے ہیں، یہی پچھتر فیصد لوگوں کی رائے ہے، قبرستان کا خسرہ نمبر ۱۸۱ وقف ۹۸۳ ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان اگر افتادہ ہوجائے اور اس میں تدفین کی ضرورت نہ ہو یا تدفین کا سلسلہ بند ہوجائے تو ایسے قبرستان میں صرف مدرسہ اور مسجد قائم

کرنے کی اجازت ہے، اور ذمہ داران قبرستان کے مشورے سے ایسا کرنے کی گنجائش ہے کہ پلر قائم کرکے اوپر مسجد یا مدرسہ قائم کرلیا جائے اور نیچے دفن کا سلسلہ جاری رہے، اس لیے کہ جس طرح قبرستان وقف کی قسم میں سے ہے اسی طرح مسجد اور مدرسہ بھی وقف کی قسم میں سے ہیں، لیکن قبرستان کو پاٹ کر اس کے اوپر شادی ہال بنانا یا ہسپتال بنانا، یا اسکول بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ تینوں چیزیں وقف کی قسم میں سے نہیں ہیں، اور مسجد و مدرسہ وقف کی قسم میں سے ہیں اس لیے ان کی گنجائش ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۵۰)

بوسیدہ قبرستان میں مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا

سوال [۷۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) قبر سے ٹیک لگانا اور اوپر چڑھنا منع ہے مگر پرانے قبرستان میں کاشت ہوجاتی ہے اور مسجد و مدرسہ بھی تعمیر ہوجاتے ہیں تو ایسی صورت میں ان مردوں کو تکلیف نہیں ہوتی ہوگی، اور کیا وہ مردے کہیں اور منتقل ہوجاتے ہیں؟

(۲) پرانے قبرستان جہاں پر قبریں ظاہر نہ ہوں تو وہاں پر مسجد و مدرسہ یا دوکان و مکان بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ان مردوں کا تعلق اس مٹی کے ساتھ ہوتا ہے چاہے اس پر عمارت ہی کیوں نہ تعمیر کر لی گئی ہو قیامت کے دن وہ وہیں سے اٹھائے جائیں گے، لیکن عالم ثانی و برزخ میں تکلیف وراحت کا تعلق اصالۃً روح کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم کو جو مٹی بن چکا ہوتا ہے اس کا احساس نہیں ہوتا ہے، اسی وجہ سے عمارت بنانے اور کھیتی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

كما استفيد من الشامي: لو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل فصل فى التعزية، مكتبه امداديه ملتان ۱/۲٤٦، زكريا ديو بند ۱/۵۸۹، الدر مع الرد كوئٹه ۱/٦٦٢، كراچى ۲/۲۳۳، زكريا ۳/۱۳۸، البحر الرائق كوئٹه ۲/۱۹۵، زكريا ۲/۳٤۱)

(۲) ایسے پرانے قبرستان ہوں کہ ان میں دفن کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور قبریں بھی سب پرانی ہو چکی ہیں تو اس میں ذمہ داران قبرستان کے مشورہ سے مسجد یا مدرسہ بنانا جائز اور درست ہے، مگر مکان اور دوکان بنانا جائز نہیں ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين (إلى قوله) جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ٤/۱۷۹، زكريا ۳/٤۳۵، رقم: ٤۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۲/۱۱۸، هكذا فى فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانى، المجلس العلمى بيروت ۹/۱٤٤، رقم: ۱۱٤۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۹۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۲ھ

دوسرے کی زمین میں بلا اجازت مردے دفن کرنا یا مسجد بنانا

سوال [۷۷۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج سے تقریباً ۸۰؍سال قبل گاؤں سے باہر کچھ زمین تقریباً تین بیگھہ ہندو ومسلمان زمینداروں کی تھی، طاعون کے زمانہ میں بغیر زمینداروں کی اجازت کے اس میں کچھ لوگوں نے مردے دفن کرنے شروع کر دیئے، زمینداروں نے اس پر اعتراض کیا آخر مقدمہ قاضی عبد الغنی صاحب کے یہاں کر دیا، انہوں نے قبرستان تسلیم نہیں کیا اس کے بعد مان سنگھ مجسٹریٹ کے یہاں مقدمہ کر دیا انہوں نے مردے دفن کرنے کی اجازت دیدی، یہ بڑوں سے سنا ہے، اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ہے، مردے اس میں دفن ہوتے رہے، اب تقریباً ۲۰؍سال سے دفن کرنا ترک کر دیا، اب اس میں کھنڈے پڑے ہوئے ہیں، ایک کنارہ پر مسجد تعمیر کر دی ہے اور جو باقی ہے اس میں اکثر لوگوں کی رائے اسلامی مدرسہ کی ہے، اب اس کی چہار دیواری کرنا چاہتے ہیں، جبکہ اس کی ایک سمت میں آبادی ہے، اس کا راستہ بالکل بند ہو جائے گا، لوگوں نے آبادی کو راستہ دینے سے عذر کر دیا ہے، کہ قبرستان میں راستہ جائز نہیں ہے، جبکہ مدت دراز سے آبادی کا راستہ اسی جگہ سے ہے، ایسی شکل میں راستہ کی اجازت ہوسکتی ہے کہ نہیں جبکہ دو سمتوں میں انہیں لوگوں نے پختہ عام راستے اور ایک سمت میں خام راستہ بنا دیا ہے؟

المستفتی: اصغر علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں غیر کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر مردہ دفن کرنا یا مسجد و مدرسہ بنانا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۴۲، جدید زکریا مطول ۱۰/۳۱۵)

فإن شرط الواقف التأبيد والأرض إذا كانت ملكا لغيره فللمالك استردادها و أمره بنقض البناء. (شامی، كتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة مع شيخه، زكريا ٦/ ٥٩١، كراچی ٤/ ٣٩٠)

لیکن اگراس مالک نے مسجد یا مدرسہ بنانے کی اجازت دیدی ہے تواس میں مسجد یا مدرسہ بنانا جائز ہے،قبرستان میں جب قبر کے نشانات مٹ چکے ہوں، اورمیت بھی مٹی بن چکی ہوتو اس کے احکام قبرستان کے احکام نہیں ہوں گے اوراس میں راستہ وغیرہ بنانا درست ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۳۰۳، ۱۵/ ۳۲۱، جدید ڈابھیل ۱۵/۳۷۴، ۳۹۲)

كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى و صار ترابا. (در مختار زكريا ٣/ ١٤٥، كراچی ٢/ ٢٣٨)

آبادی کے دونوں جانب لوگوں کے آنے جانے کے لیے کچے پکے راستے موجود ہیں تو بلاضرورت مذکورہ زمین میں راستہ بنانے سے اجتناب کرنا چاہیے، اوراس پرانے قبرستان میں مسجد یامدرسہ بنالینا زیادہ بہتر ہوگا۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد دار، إحياء التراث العربى ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/ ١١٨، هكذا فى فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٨/ ١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانى، المجلس العلمى بيروت ٩/ ١٤٤، رقم: ١١٤١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۱۲ھ

نجی قبرستان میں مدرسہ کی تعمیر

سوال [۷۷۹۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک نجی قبرستان ہے جو کچھ حضرات کا مشترک ہے، سر دست وہ آبادی کے بالکل درمیان میں آچکا ہے، چاروں طرف آبادی ہے درمیان میں قبرستان آنے کی وجہ سے چونکہ جگہ خالی پڑی ہوئی ہے تو لوگوں نے اسی میں غلاظت اور گندگی ڈالنی شروع کردی ہے، کافی زمین میں کوڑے کے ڈھیر لگے ہیں اب اس صورت حال کے پیش نظر ہم لوگ چاہتے ہیں کہ اس قبرستان کے کچھ حصہ میں جہاں قبریں بالکل ناپید ہوچکی ہیں ایک دینی مدرسہ مکتب کی شکل میں قائم کردیں جس کی وہاں سخت ضرورت بھی ہے اور اس میں باقی قبرستان کی حفاظت بھی ہے لہٰذا آنجناب سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں شریعت کے فیصلہ سے آگاہ فرمائیں کیا ایسے قبرستان میں مدرسہ بنا سکتے ہیں؟

واضح رہے کہ کچھ عرصہ قبل قبرستان کی کچھ زمین مسجد کو بھی دیدی گئی ہے اب یہ چاہتے ہیں کہ اسی کے متصل ایک مدرسہ تعمیر کریں؟

المستفتی: شمس الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ کہ مذکورہ قبرستان کے مشترک مالکان موجود ہیں، لہٰذا ان کی اجازت سے وہاں دینی مدرسہ قائم کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۱۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۰۶)

وذكر أصحابنا أن المسجد إذا خرب ودثر لم و يبق حوله جماعة، والمقبرة إذا عفت و دثرت، تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد دارا، أو موضع المقبرة مسجدا و غير ذلك. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبول مشركى الجاهلية، و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ٤ /١٧٩، زكريا ديوبند ٣/ ٤٣٥، تحت رقم الحديث ٤٢٨، فتح الملهم، اشرفيه ديوبند ٢ /١١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذو الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۴۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۲/ ۱۴۱۸ھ

قبرستان کے اوپر مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارا ایک ذاتی قبرستان ہے ہم اس کے اوپر لینٹر ڈال کر قبرستان سے متصل مدرسہ کی درسگاہیں اس کے اوپر بنانا چاہتے ہیں کیا شرعاً ہم ایسا کر سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں قبرستان کے اوپر لینٹر ڈال کر اس کے اوپر مدرسہ کی درسگاہیں بنانا جائز ہے بشرطیکہ قبریں اتنی پرانی ہوچکی ہوں کہ میت کا بدن مٹی بن جانے کا ظن غالب ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۱۷۳، ۱۰/۲۸۷، جدید ڈابھیل ۱۴/۵۰۷، ۱۵/۳۵۱)

وتقدم أنه إذا بلي الميت وصار ترابا يجوز زرعه والبناء عليه. (شامی، کتاب الصلاة، قبيل مطلب فی وضع الجريد و نحو الآس على القبور، كراچی ۲/۲۴۵، زكريا ۳/۱۵۵، ۳/۱۳۸، در مختار كراچی ۲/۲۳۸، زكريا ۳/۱۴۵، تبيين الحقائق ملتان ۱/۲٤٦، زكريا ديوبند ۱/۵۸۹، هنديه زكريا قديم ۱/۱٦۷، جديد ۱/۲۲۸، الفقه على مذاهب الأربعة، دار الفكر بيروت ۱/۵۳۸، البحر الرائق كوئٹه ۲/۱۹۵، زكريا ۲/۳٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۹ر رجب المرجب ۱۴۱۶
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۵۴)

قبرستان میں پلر قائم کر کے مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان سرائے حسینی بیگم وقف ۵۲ ۷ مرادآباد صورت حال یہ ہے کہ قبرستان کی جانب شمال سرکاری سڑک اور نالہ سے متصل ایک لمبی سی آراضی (پٹی کی شکل میں) خالی ہے

جس میں پچاسوں سال سے کوئی قبر نہیں ہے اور نہ ہی قبر کے نشانات ہیں، مذکورہ آراضی پر قبر کھودنے والا جو کہ چوکیدار بھی تھا، کے مکانات بنے ہوئے تھے، جس کو کمیٹی وقف ۵۲ ۷ نے ساڑھے چھ لاکھ روپیہ دے کر خالی کرایا تھا، نیز اسی مذکورہ آراضی کی ایک جانب لکڑی کی ٹال بھی تھی، جس کو کمیٹی نے چالیس ہزار روپیہ دے کر خالی کرایا تھا، اس پر بھی کوئی قبر نہیں ہے، سرکاری نالہ اور سڑک سے متصل نگر نگم کی طرف سے ایک راستہ نمازیوں اور دفن میں آنے جانے والے حضرات کے لیے بنا ہوا ہے جس پر نگر نگم کے چوکے بچھے ہوئے ہیں، راستہ اور سرکاری نالہ کے درمیان قبرستان کی دیوار کھڑی ہے جس میں وضوخانہ وغیرہ بنا ہوا ہے۔

قبرستان وقف ۵۲ ۷ کی کمیٹی جو کہ مدرسہ کی بھی کمیٹی ہے اتفاق رائے سے تعلیمی ضرورت کی بناء پر راستہ و وضوخانہ کے اوپر دس فٹ اونچا پلر کھڑا کر کے درسگاہیں، طلباء کے لیے رہائشی کمرے تعمیر کرا رہی ہے جبکہ نیچے کا حصہ اپنی ہیئت پر باقی ہے۔

کیا قبرستان کی مذکورہ زمین پر درسگاہیں رہائشی کمرے تعمیر کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں لکھی ہوئی صورت حال اور واقعہ کے مطابق موقوفہ قبرستان کے کنارے کے جس حصہ پر دفن کا سلسلہ پچاسوں سال سے بند ہے، اور وہ زمین ایسی ہی پڑی ہوئی ہے اس میں پلر قائم کر کے دینی مدرسہ کی ضرورت کا کمرہ بنانا جائز اور درست ہے اس لیے کہ دینی مدرسہ کی ضرورت کا کمرہ بھی کسی کی ملکیت نہیں ہے بلکہ وہ بھی وقف ہی میں شامل ہے اس لیے یہ غرض واقف کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس سے واقف کو ثواب پہنچنے کا سلسلہ جاری رہے گا، اس لیے کمرہ بنانے کا مذکورہ منصوبہ شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۷۹)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلک بأسا وذلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم

لایجوز لأحد أن یملکها فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین . (عمدۃ القاری، الصلاۃ، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحیاء التراث العربی ۱۷۹/٤، زکریا ٤۳۵/۳، رقم: ٤۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیه ۱۱۸/۲، هکذا فی فتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۱۸۸/۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحیط البرهانی، المجلس العلمی بیروت ۱٤٤/۹، رقم: ۱۱٤۱۱)

المقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملکا لأربابها فاذا عادت ملکا یجوز أن یبنی موضع المقبرة مسجدا وغیر ذٰلک. (فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیه ۱۱۸/۲، ومثله فی الهندیة زکریا قدیم ٤٦۹/۲، جدید ٤۱٦/۲، الفتاویٰ الولوالجیة ۹۱/۳، دار الإیمان سهارنپور)

فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین . (فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیه ۱۱۸/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۸)

پرانا موقوفہ قبرستان کو ناجائز قبضے سے بچانے کے لیے اس پر دینی مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کے ایک کنارے کا حصہ یوں ہی افتادہ پڑا ہوا ہے، اس میں لوگوں کے قبضہ کرنے اور عمارت بنانے کا خطرہ ہے اس جگہ پر کمیٹی کا ارادہ ہے کہ دینی مدرسہ کا کمرہ بنادیا جائے تاکہ اس میں دینی تعلیم ہوسکے، اور دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی رہائش ہوسکے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کے ایک کنارے کا حصہ جو یوں ہی افتادہ پڑا ہوا ہے اور اس میں لوگوں کے عمارت بنانے کا خطرہ بھی ہے تو ایسی زمین پر دینی مدرسہ کے

لیے کمرہ بنانا کہ دینی تعلیم ہو سکے اور دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ رہائش اختیار کر سکیں درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۷۹، جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۹۷)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد اشرفيه ٢/١١٨، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/١٤٤ رقم: ١١٤١١)

والمقبرة إذا عفت ودثرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المقبرة مسجدا وغير ذٰلک. (فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨، عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٤٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨)

ألا ترىٰ أن موضع مسجد رسول الله ﷺ كان مقبرة للمشركين فنبش واتخذ مسجدا. (تاتارخانية زكريا ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، والولوالجية دار الايمان ٣/٩١، المحيط البرهانی المجلس العلمی بيروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١، هنديه زكريا قديم ٢/٤٦٩، جديد ٢/٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۸)

افتادہ قبرستان کو غلاظت پھینکنے کی وجہ سے مدرسہ میں منتقل کرنا

سوال [۷۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک قبرستان افتادہ ہے عرصۂ دراز سے وہاں پر کوئی دفن نہیں ہوا ہے وہاں لوگوں نے غلاظت ڈالنی شروع کردی ہے، جس کی وجہ سے انتہائی گندگی رہتی ہے اوراس برادری کے افراد وہاں پر ایک دینی درسگاہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو کیا اس جگہ مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن قاسمی، ٹھاکردوارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر قبرستان کسی قوم یا جماعت کا وقف کردہ ہے اور بعد میں واقفین کی غرض کے مطابق دفن نہیں ہورہا ہے، بلکہ دفن کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، تو اس میں مدرسہ یا مسجد بنا کر واقفین کی روح کو ثواب پہنچانا جائز ہے، بلکہ افضل ہے ایسی صورت حال میں مدرسہ یا مسجد بنانا غرض واقف کے خلاف عمل نہیں ہوگا، بلکہ کارِ ثواب سے خالی رکھنا ہی غرض واقف کی مخالفت ہے کیونکہ جب قبرستان افتادہ ہو اور قبریں بوسیدہ ہو جائیں اور باقاعدہ دفن کا سلسلہ باقی نہ رہے ایسے قبرستان میں فقہاء ومحدثین نے تعمیر کو جائز ثابت فرمایا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۲۳، امداد الفتاویٰ ۲/۵۷۹)

إذا بلى الميت وصار ترابا يجوز زرعه والبناء عليه. (شامی، کتاب الصلاة قبيل مطلب فی وضع الجريد و نحو الآس على القبور، کراچی ۲/۲۳۳، زکریا ۳/۱۵۵، ۳/۱۳۸، در مختار کراچی ۲/۲۳۸، زکریا ۳/۱۴۵، تبيين الحقائق، ملتان ۱/۲۴۶، زکریا ديوبند ۱/۵۸۹، هنديه زکریا قديم ۱/۱۶۷، جديد ۱/۲۲۸، الفقه على مذاهب الأربعة، دار الفكر بيروت ۱/۵۳۸، البحر الرائق کوئٹه ۲/۱۹۵، زکریا ۲/۳۴۱)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸،

فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/ ١١٨، هكذا في فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٨/ ١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٩/ ١٤٤، رقم: ١١٤١١)

نیز سوالنامہ کے مسئولہ قبرستان سے متعلق ۱۹؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ کو واقعہ کے خلاف سوال کی نوعیت بدل کر عدم جواز کا فتویٰ حاصل کیا گیا ہے۔

سوال میں لکھا گیا تھا کہ مذکورہ افتادہ قبرستان میں قبریں اتنی تعداد میں ہیں کہ کوئی جگہ خالی نہیں ہے بعد میں دوسری نوعیت کے سوال آنے پر احقر اور جامع الہدیٰ کے مفتی حضرت مفتی عبدالرؤف نے ازخود جاکر دیکھا تو اس میں کوئی قبر دیکھنے میں نہیں آئی صرف ایک پختہ پرانی قبر کے نشانات باقی ہیں اور کچھ نہیں، اس لیے ۱۹؍شوال ۱۴۰۹ھ کو خلاف واقعہ سوال کے جواب میں جو فتویٰ شاہی کے دارالافتاء سے حاصل کیا گیا ہے وہ مذکورہ قبرستان کے حق میں قابل عمل نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۶۱)

قبرستان کی جگہ مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی زمین ہے، جنوب اور دکھن کی طرف سڑک ہے دونوں جانب کچھ لوگوں نے قبضہ کر کے اپنے مکانات اور ایک لمبی چوڑی مارکیٹ دوکانوں کی بنادی ہے اور جنوب کی جگہ ہے جس کو بعض لوگ چاہتے ہیں کہ کچھ رشوت لے کر وہ زمین دیدی جائے لیکن کچھ سمجھ دار لوگوں نے یہ سوچا ہے کہ اس زمین میں (یعنی قبرستان) کی زمین کے کچھ نیچے کے حصہ میں دوکانیں نکال دی جائیں اور اوپر کے حصے میں مدرسہ اسلامی لائبریری کھول دی جائے جو کرایہ پر دیدی جائے اور اگر اس جگہ کچھ نہیں بناتے ہیں تو غیر لوگ قبضہ کر لیتے ہیں پھر نہ مسلمانوں کے قبضے میں رہتی ہے بلکہ اس میں جھگڑا پیش آجاتا ہے، وہ ایک ایسی بستی ہے

کہ جہاں نہ مدرسہ ہے نہ دین کا کام ہوتا ہے لہٰذا کوئی درمیان راستہ نکلتا ہو تو واضح طور پر تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، جہاں مدرسہ بنانے کا ارادہ کیا ہے اس جگہ قبریں نہیں بلکہ قبرستان کی زمین خالی ہے، اندر کے حصے میں قبریں ہیں؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے قبرستان کی چہار دیواری کر کے حفاظت کرنا مسلمانوں پر لازم ہے، اس کو دفن ہی کے کام میں استعمال کرنا لازم ہے، لیکن اگر چہار دیواری کے باجود حفاظت ممکن نہیں ہے تو مدرسہ قائم کر کے دینی تعلیم کے کام میں استعمال درست ہو سکتا ہے ورنہ غرض واقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہوگا، اور جن لوگوں نے قبرستان کی زمین دبالی ہے وہ سب سخت گنہگار ہوں گے ان پر زمین واپس کرنا لازم ہے۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مرعاة غرض الواقفين واجبة، كراچی ٤/٤٤٥، زكريا ٦/٥٤٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۸۹۵)

ذاتی قبرستان میں دینی تعلیم کا سلسلہ جاری کرنے کے لیے مکتب بنانا

سوال [۷۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم برادران اپنے ذاتی قبرستان کو ۹؍ فٹ اونچائی پر پاٹ کر اس پر تحفیظ القرآن ودینی تعلیم کا سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ دیں کہ اس ارادے سے قبرستان کو پاٹنا شرعاً جائز ہے، اللہ تعالیٰ آپ اور ہم سب کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

المستفتی: اقبال حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبرستان خاندان والوں کی ذاتی ملکیت کا ہے تو خاندان کے سب لوگوں کے اتفاق اور رضا مندی سے اس قبرستان کے ۹/۸ رفٹ اونچائی پر لینٹر ڈال کر تحفیظ القرآن یا دینی تعلیم کے لیے مکتب یا مدرسہ بنانا جائز اور درست ہے اس میں دو کام ایک ساتھ ہو سکتے ہیں، نیچے تدفین کا سلسلہ بھی جاری رہے اور اوپر تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہے۔ (مستفاد: نظام الفتاویٰ ۴/ ۲۰۷، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۵/ ۳۶۰)

ومن بنى سقاية للمسلمين أو خانا يسكنه بنو السبيل أو رباطا أو جعل أرضه مقبرة لم يزل ملكه عن ذلك حتى يحكم به حاكم عند أبي حنيفة لأنه لم ينقطع عنه حق العبد. (فتاویٰ تاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في الرباطات والمقابر، زكريا ۸/ ۱۸۵، رقم: ۱۱۵۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ر شوال المکرّم ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۸۰۴)

بوسیدہ قبرستان میں اسکول بنانا

سوال [۷۷۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک پرانی مسجد ہے، اس کے شمال میں قبرستان تھا جنوب میں بھی اور صدر دروازہ مشرق پر بھی تینوں طرف قبریں تھیں، قبرستان بستی میں آجانے کی وجہ سے تدفین بند ہوگئی تھی اس مسجد اور قبرستان کی دیکھ بھال ایک صاحب مسمی حکیم محمد اشرف صاحب مرحوم کرتے تھے، اور وہی متولی تصور کیے جاتے تھے، مسجد اور قبرستان نائیکان کہلاتا تھا، خدا جانے یہ مسجد اور قبرستان ان کی تولیت میں دادِ الٰہی تھا یا اور کسی استحقاق کی بنا پر، اس قبرستان کے جنوبی حصے پر لکڑی کی دوکان موصوف کیا کرتے تھے، جب نمازی تعداد میں بڑھ گئے اور دین کا شغف ہوا تو مسجد کے شمال کی جانب ایک حجرہ بنا دیا گیا اور مدرسہ قائم کیا گیا ۱۹۴۵ء میں ایک نمازی حاجی حمید اللہ کو دینی شغف

غالب ہوا اور وہ درس وتدریس میں لگ گئے، قدیم متولی نے ان کو انتظام مدرسہ اور مسجد بطور مہتمم سپرد کردیا، مدرسہ بنام تعلیم القرآن نائک رائے شیرکوٹ ۱۹۴۵ء سے چل رہا ہے، باہر کے طلبہ کا بھی بندوبست ہے، حجرہ مسجد کی توسیع میں آگیا، اور جانب شمال ایک عمارت پختہ برائے مدرسہ حاجی حمید اللہ کے اہتمام میں تعمیر ہوگئی، اور مدرسہ کی حد بندی کے لیے پیڑ جو قبرستان کے حدود میں کھڑے ہوئے تھے کاٹ کر ان کو فروخت کر کے حد بندی بھی کردی گئی، اب قدیم متولی کا انتقال ہوگیا، ان کی قبر بھی مسجد کے دروازہ کے باہر بنادی گئی اور ایک قبر ان کے خاندان کی جنوب مسجد بنادی گئی، جب مسجد کی توسیع ہوئی تو قدیم متولی کی قبر مسجد کے احاطہ میں آگئی اور دوسری قبر مسجد کے حدود سے باہر ہے، جانب جنوب جب توسیع کی ضرورت پیش آئی تو قدیم متولی کے وارثین حائل ہوئے اور بخوشی توسیع نہیں ہونے دی، جدید متولی اور نمازیوں نے توسیع کرلی، اور تنازعہ مقدمہ عدالت میں داخل ہوگیا، مقدمہ حاجی حمید اللہ جیت گئے، اس کے جانب مشرق اور جنوب متولی حمید اللہ اور مدار المہام ٹھیکیدار عنایت اللہ اور نائب مہتمم حال عبد الشکور نے دوکان تعمیر کرادیں، اور کچھ حصہ میں ملحقہ مسجد بجانب مغرب وجنوب مدرسہ یا اسکول کی عمارت تعمیر کرادی، اس میں رقم پرانے مدرسہ کی صرف ہوئی، اور دوکانوں کا کرایہ مسجد میں لگنے لگا، اور مدرسہ یا اسکول میں تعلیم ہونے لگی، اب کچھ اشخاص کو اعتراض ہے کہ مسجد کی جائیداد میں مدرسہ قائم نہیں ہوسکتا، ناجائز ہے اب شرعاً کیا حکم ہے؟

جبکہ یہ قبرستان تھا اور اب بھی قبریں موجود ہیں، ایک مسجد کے صحن میں اور ایک مسجد کے باہر جنوب میں مسجد کی حد سے باہر ہے یہ جگہ بذریعہ عدالت حاصل ہوئی، کہ عطا کردہ نہ خرید شدہ ہے، جس طرح کرایہ دوکان مسجد میں لگ رہا ہے، مدرسہ یا اسکول بھی کرایہ دے تو یہ کیسا ہے؟ اور جو رقم تعمیر میں صرف ہوئی ہے وہ کرایہ میں محسوب ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یا مسجد کی سمجھی جائے گی؟ یا قابل واپسی ہے؟ یا یہ عمارت جو مدرسہ یا اسکول کے جنوب میں ہے اور پرانے مدرسہ کی رقم لگی ہے مہتمم صاحب کی نیت کو مدنظر رکھتے ہوئے عمارت مدرسہ کی شرعاً سمجھی جائے گی؟ شرعی جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: منجانب کمیٹی انجمن تعلیم القرآن شیرکوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ پرانے قبرستان میں مسجد تعمیر کی گئی ہے اور اس کے بعد مسجد سے متصل زمین میں مدرسہ یا اسکول قائم کیا جارہا ہے، تو اس سلسلے میں شرعی حکم یہ ہے کہ قبرستان بوسیدہ ہونے کے بعد جب دفن کا سلسلہ موقوف ہوجائے تو مسلمانوں کی رائے سے ایسے پرانے قبرستان میں مسجد یا دینی مدرسہ قائم کرنا جائز ہے لیکن اسکول قائم کرنا جائز نہیں ہے، اور سوالنامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ زمین مسجد کی نہیں ہے، بلکہ قبرستان کی ہے اس لیے مسجد کی طرف سے مدرسہ پر اشکال نہیں ہونا چاہیے، ہاں البتہ اگر اسکول قائم کیا جارہا ہے تو اعتراض صحیح ہے اور سب پر ضروری ہے کہ اسکول کا سلسلہ وہاں سے منقطع کرادیں۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ٢/١١٨، هكذا في فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۷۳/۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۱ھ

بوسیدہ قبرستان میں لڑکیوں کا اسکول بنانا

سوال [۷۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) منسلک فتویٰ الف ۵/۳۷۷۶ کی روشنی میں مذکورہ عمارت میں جوکہ قبرستان ملحقہ مسجد میں تعمیر ہوگئی ہے اور قدیمی مدرسہ تعلیم القرآن قائم کردہ ۱۹۴۵ء ملحقہ مسجد بجانب شمال اس کے تحت اگر دوسری جانب جنوب ایک مدرسہ جس میں دینی تعلیم اور دنیوی تعلیم دونوں دی جائیں اور قانونی مجبوری بھی درپیش ہو اور ملت کی تعلیمی مشکلات کا ازالہ بھی ہو ایسی صورت میں مدرسہ یا ادارہ قائم ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) جبکہ مذکورہ عمارت تینوں متولیان کے ایماء ومنشاء سے برائے تعلیم تعمیر کی گئی ہے اور رقم قدیمی مدرسہ کی صرف ہوئی، منسلکہ فتویٰ کی صورت میں یہ عمارت مسجد کی ہوجائے گی تو اس صرف شدہ رقم کو مسجد مدرسہ کو دے گی یا نہیں؟

(۳) جبکہ قبرستان کی زمین میں دوکانیں تعمیر کرکے اس کا کرایہ مسجد کو دیا جارہا ہے تو کیا اس عمارت کو بھی کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی سے صرف شدہ رقم مدرسہ والی مدرسہ کو دی جائے گی یا نہیں؟ یا اگر مدرسہ یا ادارہ کرایہ دار بن کر اس عمارت کو استعمال کرے اور کرایہ کی آمدنی سے مدرسہ کی رقم اگر واپس ہوئی ہے تو اس میں محسوب ہوسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے فتویٰ کے جواب کے بعد جو دوبارہ سوالات کیے ہیں ان سوالات کو ہم نے جناب منشی عبد الرشید صاحب شیرکوٹی جنہوں نے موقع ومحل کو اچھی طرح دیکھا ہے اور حالات سے بھی واقف ہیں سے پوری تفصیل معلوم کی اور معلومات کے بعد ہم کو جو صحیح بات سمجھ میں آئی ہے وہ یہی ہے کہ بوسیدہ قبرستان میں پہلے مسجد بنی ہے اس کے بعد اس سے متصل خالص دینی مدرسہ بنا ہے پھر اس مدرسہ کے پیسہ سے ایک دوسری جانب لڑکیوں کا اسکول قائم کیا گیا ہے اگر اصل ماجرا اور خلاصۂ واقعہ ایسا ہی ہے تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ مذکورہ بوسیدہ قبرستان میں مسجد ومدرسہ بنانا شرعاً جائز اور درست ہے، مگر جو لڑکیوں کا اسکول قائم کیا گیا ہے وہ قطعاً جائز نہیں ہے، جب وہ عمارت مدرسہ کے پیسے سے بنائی گئی ہے تو وہ عمارت مدرسہ کی ملکیت ہے اس میں خالص دینی تعلیم ہوسکتی ہے لہٰذا

اسکول والے وہ عمارت مدرسہ کو واپس کردیں، تاکہ اس میں قرآن کریم کی تعلیم ہوسکے، اور سائیڈ میں جو دوکانیں بنائی گئی ہیں اس کی آمدنی مسجد یا مدرسہ کو حاصل ہو جائے یہ درست ہے، لیکن وہاں دنیوی تعلیم کے لیے اسکول کا سلسلہ قطعاً مناسب نہیں ہے، اگر کرایہ دے کر بھی وہاں اسکول قائم کیا جاتا ہے تو بعد میں اس کا اثر اچھا نہیں رہتا، اسکول والے مدرسہ والوں پر غالب آجاتے ہیں اس لیے وہاں اسکول جاری نہ رکھا جائے، بلکہ صرف قرآن کریم کی تعلیم کے لیے مدرسہ قائم کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ بھی وقف کی ایک قسم ہے۔

هل يجوز ان تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ٢/ ١١٨، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/ ١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/ ١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۳؍ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍ ۷؍ ۱۴۲۱ھ

افتادہ قبرستان میں مکتب بنانا اور عید کی نماز ادا کرنا

سوال [۷۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان جو سالوں سے ویران پڑا ہوا ہے تقریباً تیس چالیس سال سے اس میں میت کو دفنایا بھی نہیں جاتا ہے، قبر کے کوئی آثار بھی اس میں نہیں ہیں اب گاؤں والے

اس جگہ میں مکتب بنانا چاہتے ہیں اور اس میں عید کی نماز بھی ادا کرنا چاہتے ہیں۔

اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس جگہ پر اس طرح کا کوئی بھی کام جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرانا اور ویران قبرستان جس میں دفن کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہو کمیٹی اور ذمہ دار کے مشورہ سے اس پر مسجد یا مدرسہ قائم کرنا درست اور جائز ہے اس لیے کہ جس طرح قبرستان از قبیل وقف ہوتا ہے اسی طرح مساجد و مدارس بھی از قبیل وقف ہوتے ہیں اور اگر قبرستان ملکیت کا ہے تو مالکوں کی اجازت سے مسجد یا مدرسہ اس پر قائم کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۳۲)

هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/۱۷۹، زكريا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ۲/۱۱۸، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ۹/۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۴۷)

پرانے قبرستان میں عیدگاہ بنانے کا حکم

سوال [۷۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک زمین گورستان کے نام سے موسوم ہے، البتہ اس وقت کے عمر رسیدہ

حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی زندگی میں کبھی بھی دفن وقبر دیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے البتہ سنی ہوئی بات یہ ہے کہ آباء واجداد اس زمین کو دفنانے اور قبر دینے میں استعمال کرتے تھے، اور ان حضرات کا زمانہ بھی سو سال سے پہلے کا ہے، اسی وقت سے مذکورہ زمین گورستان کے نام سے موسوم ہے، فی الحال لوگ اس زمین میں بیت الخلاء کا کام لیتے ہیں، نیز سباطۃ قوم بھی بنی ہوئی ہے مزید دیگر طرح طرح کا کام اس سے لیا جاتا ہے۔

معلوم ہو کہ یہ زمین وقف کی بھی نہیں ہے اب ہم لوگ اس زمین میں عید گاہ بنانا چاہتے ہیں لہٰذا شرعاً عید گاہ بنانا درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: الہام منڈل مرشد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ زمین وقف کی نہیں ہے بلکہ فرد واحد کی ملکیت ہے یا کسی قبیلہ اور خاندان کی ملکیت ہے تو اس فرد یا خاندان کے موجودہ لوگوں کی اجازت سے عید گاہ بنانا شرعاً جائز اور درست ہوگا، نیز اس میں مدرسہ اور مسجد بنانا بھی جائز ہوگا۔

جاز زرعه و البناء عليه إذا بلى و صار ترابا. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: في دفن الميت كراچی ۲/۲۳۸، زكريا ۳/۱۴۵، شامی كراچی ۲/۲۳۳، ۲۴۵، زكريا ۳/۱۳۸، ۱۵۵، تبيين الحقائق امداديه ملتان ۱/۲۴۶، زكريا ۱/۵۸۹، هنديه زكريا قديم ۱/۱۶۷، جديد ۱/۲۲۸، الفقه على مذاهب الأربعة، دار الفكر بيروت ۱/۵۳۸، البحر الرائق كوئٹه ۲/۱۹۵، زكريا ۲/۳۴۱)

والمقبرة إذا عفت و درسرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً أو موضع المقبرة مسجدا و غير ذٰلك. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد دار احياء التراث العربى ۴/۱۷۹، زكريا ۳/۴۳۵، تكمله فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ۲/۱۱۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۱۲ھ

عیدگاہ کی توسیع کے لیے قبرستان کی جگہ لینا

سوال [۷۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں گودھنا کی عیدگاہ کی توسیع ہونا ضروری ہے، عیدگاہ کا کچھ حصہ جی ٹی روڈ میں شامل ہوگیا ہے اس لیے چھوٹی پڑ جاتی ہے، عیدگاہ کے متصل قبرستان ہے جس میں نئی اور پرانی ہر طرح کی قبریں ہیں اور یہ قبرستان بھی بہت پرانا نہیں ہے، عیدگاہ بننے کے بعد ہی بنایا گیا تھا، جدھر توسیع ہونی ہے ادھر بھی نئی پرانی قبریں ہیں، اور توسیع ہونے کے بعد بھی جو جگہ بچے گی اس میں قبرستان رہے گا، تدفین کا عمل ہوتا رہے گا، گاؤں کے لیے ایک دوسرے قبرستان کا انتظام ہوگیا ہے، اکثر لوگوں کی تدفین وہیں ہونے لگی ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ان حالات میں جبکہ قبرستان کا دوسری جگہ بھی نظم ہوگیا ہے، تدفین میں کوئی دشواری نہیں ہوگی، اس عیدگاہ کے قریب والے قبرستان میں توسیع عیدگاہ کا کام کرالیا جائے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں چونکہ دفن کے لیے دوسرا قبرستان موجود ہے، جہاں تدفین کا عمل اس کے مقابلے میں زیادتی کے ساتھ ہو رہا ہے، اور وہاں کے لوگ اس کو عیدگاہ میں شامل کرنے پر راضی ومتفق ہیں اور کوئی فتنہ وغیرہ کا اندیشہ نہیں ہے تو عیدگاہ میں شامل کرلینا درست ہے، البتہ نئی قبروں کو اس وقت تک ہموار کرنے کی گنجائش نہیں ہے جب تک اس کے اندر کی میت کے مٹی ہوجانے کا ظن غالب نہ ہوجائے۔

ولو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیره فی قبره و زرعه والبناء علیه. (هندیه الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس، زکریا قدیم ۱/۱۶۷، جدید ۱/۲۲۸، تبیین الحقائق زکریا ۱/۵۸۹، امدادیه ملتان ۱/۲۴۶، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ص: ۶۱۲)

وأما المقبرة الداثرة إذا بنی فیها مسجداً لیصلی فیه فلم أر فیه بأسا،

لأن المقابر وقف، وكذا المسجد فمعناهما واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هـل تنبـش قبـور مشـركـي الـجـاهـلية و يتـخـذ مكـانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ۴/۱۷۹، زكريا ۳/۴۳۵ تحت رقم الحديث: ۴۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۹ھ

قبرستان کی وقف شدہ زمین میں عیدگاہ بنانا

سوال [۷۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے گاؤں موضع اہرولی ضلع اعظم گڑھ میں ایک میرے خاندان کی مشترکہ زمین ہے جس کے کچھ حصے میں غیر معلوم زمانے سے کچھ لوگ مردوں کی تدفین کرتے تھے اور مابقیہ حصۂ زمین کو لوگ اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کرتے تھے، مگر چند سال قبل خاندان مذکورہ کے جملہ افراد نے باتفاق رائے مابقیہ حصۂ زمین کو جس میں تاحال کوئی قبر نہیں ہے، قبرستان کو دیدیا، اور اس اضافہ حصے کے ساتھ پورے قبرستان کی گھیرابندی کرادی، اور اس وقت پوری زمین قبرستان کے احاطے میں ہے اور اس کیفیت پر چند سال گذر جانے کے بعد خاندان مذکورہ کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ چونکہ اس اضافی حصہ میں کوئی قبر نہیں ہے لہٰذا اس اضافی حصے میں عیدگاہ کی تعمیر کردی جائے اور خاندان مذکورہ ہی کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب ہم نے اس کو ایک بار قبرستان کے نام وقف کردیا تو وہاں عیدگاہ کی تعمیر کیونکر درست ہوسکتی ہے؟

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مابقیہ حصۂ زمین کو قبرستان کے لیے وقف کردینے کے بعد شرعی نقطۂ نظر سے اس میں عیدگاہ کی تعمیر ہوسکتی ہے؟

المستفتی: محمد ارشد القاسمی اہرولی اعظم گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو جگہ قبرستان کے لیے وقف کردی گئی ہے وہ

جگہ مالک کی ملکیت سے نکل چکی ہے اور وہ زمین قبرستان کی ہوگئی ہے اس جگہ کو عیدگاہ میں منتقل کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ جب تک اس جگہ پر تدفین کا سلسلہ شروع نہ ہو اس وقت تک کے لیے عارضی طور پر وہاں پر عید کی نماز پڑھنا جائز ہوگا، اس لیے کہ عید کی نماز سال بھر میں صرف دو مرتبہ پڑھی جاتی ہے، اور یہ نماز قبرستان کی زمین پر کنارے کھلی فضا پر کھیتی کی زمین پر کہیں بھی پڑھی جاسکتی ہے، مگر عیدگاہ کے نام پر وقف کو منتقل کرنا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۰۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۶۳)

إن المانع هنا كون المحل موقوفا على الدفن فلايجوز استعماله في غيره. (عالمگیری مع حاشیه قدیم ۲/ ٤٧١، جدید زکریا ۲/ ٤١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۹۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۳/۶ھ

پرانے قبرستان کو جنازہ گاہ بنانا

سوال [۸۰۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گاؤں میں چک بندی کے زمانے سے قبل ایک قبرستان ہے، لیکن اب اس قبرستان میں تقریباً تین سال سے گاؤں کی کوئی میت دفن نہیں ہوتی ہے، اب وہاں پر کسی قبر کا نشان بھی باقی نہیں ہے، کیونکہ میتوں کی تدفین کا سلسلہ جدید قبرستان میں ہو رہا ہے، پرانے قبرستان پر لوگ غاصبانہ قبضہ کر رہے ہیں، پھر متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ پرانے قبرستان میں نماز جنازہ ہو جایا کرے کیونکہ میت کی نماز جنازہ کے لیے گاؤں میں کوئی جگہ نہیں ہے، تو کیا پرانے قبرستان میں نماز جنازہ درست ہے یا نہیں؟ ایسا جواب دیں جو مدلل اور باحوالہ ہو۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان میں نماز جنازہ کے لیے کوئی جگہ مخصوص کرلی جائے یا کوئی قبروں سے خالی جگہ ہو اور نماز پڑھتے وقت قبر سامنے نہ آتی ہو تو قبرستان

میں نماز جنازہ بلاکراہت درست ہے، لہٰذا پرانا بوسیدہ قبرستان کہ جس میں قبروں کے نشان تک نہیں رہے، اس میں نماز جنازہ بلاتردد درست ہے۔

ولابأس بالصلاة فيها إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولانجاسة ...... وأنها لا تكره في مسجد أعد لها وكذا في مدرسة و مصلى عيد. (طحطاوی علی المراقی، قدیم ص: ٣٢٦، دار الكتاب ديوبند ١/ ٥٩٥، الدر مع الرد كراچی ١/ ٣٨٠، زكريا ٢/ ٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۲/۶۹۷)

ویران قبرستان میں وقتی طور پر قربان گاہ بنانا

سوال [۷۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پرانا قبرستان موجود ہے چک بندی کے اندر کچھ زمین قبرستان کے لیے ملی جو کہ پرانے قبرستان سے بالکل ملی ہوئی ہے اس لیے قبرستان کے اندر بھی کچھ قبر دیدی گئی ہے جبکہ زیادہ حصہ ابھی خالی ہے، اور قبرستان کی کچھ زمین بغل کے کھیت والے قبضہ کیے ہوئے ہیں اب سوال یہ ہے کہ اس گاؤں میں پہلے سے قربانی ہوتی ہے لیکن اس کے لیے کوئی مستقل جگہ نہیں ہے، بلکہ جہاں چاہا کرلیا لیکن اب حکومت اس کے لیے زمین مانگ رہی ہے کہ زمین دکھائیے کہ قربانی کہاں کریں گے، تو گاؤں والوں کے سامنے چند باتیں ہیں:

(۱) اتنی مالی حالت مضبوط نہیں ہے کہ مستقل کہیں زمین بڑے جانوروں کی قربانی کیلئے خریدلیں۔

(۲) اگر قربانی نہیں کرتے ہیں تو پھر حکومت بعد میں قربانی نہیں کرنے دے گی۔

لہٰذا گاؤں والے یہ سوچ رہے ہیں کہ جو زمین قبرستان کی خالی ہے اس میں یا پھر جو

لوگ قبضہ کیے ہوئے ہیں وہ زمین قبرستان کی کسی طرح ان لوگوں سے خالی کرا کے اور اس زمین کی چوہدی کرا کے باؤنڈری بنا کر کے اس میں قربانی کریں تو کیا اس زمین میں قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

اور قربانی کی کھال کی قیمت سے قربانی کی جگہ یا قربانی کی چوحدی کے لیے اینٹ وغیرہ لا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: برکت اللہ دیوریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لوگوں کے قبضہ کیے ہوئے حصہ کو ان سے چھڑوا کر اس میں قربان گاہ وقتی طور پر بنانے کی گنجائش ہے اور جب قبرستان کو اس کی ضرورت پڑے گی تو اس کو خالی کر کے قبرستان کو واپس کرنا ہوگا۔

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة وأقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن وآلات القبر و أجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذٰلک قالوا: إن كان في المقبرة سعة بحيث لايحتاج إلى ذٰلک المكان فلابأس به و بعد ما بنى لو احتاجوا إلى ذٰلک المكان رفع البناء حتى يقبر فيه. (هنديه، الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات والحياض، زكريا قديم ٢/٤٦٧، جديد ٢/٤١٦)

(۲) قربانی کی کھال کی قیمت سے قبرستان کی چوحدی وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس پیسہ کو فقیر غریب کو صدقہ کر دینا لازم ہے۔

فإن بيع اللحم أو الجلد به أي بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٧٥، كراچي ٦/٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۰۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۱۱/ ۱۴۱۴ھ

قبرستان کی زمین میں لیٹرین کا گٹر بنانا

سوال [۷۸۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محلّہ قائم کی بیر مچھلی بازار میں ایک مکان ہے جس کے شمال میں قبرستان ہے اور کاغذات میں بھی قبرستان ہی درج ہے، اب مالک مکان اس قبرستان میں لیٹرین کا گٹر بنانا چاہتے ہیں جبکہ گٹر کے لیے گڑھا کھودا گیا ہے، تو وہاں پرانی قبریں نکلی ہیں اور ہڈیاں بھی اس کے باوجود گٹر بنانا چاہتے ہیں تو یہ گٹر بنانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالک مکان کے لیے اپنے لیٹرین کا گٹر قبرستان میں بنانا قطعاً جائز نہیں ہے، نیز گٹر کی کھدائی میں میت کی ہڈیاں نکلنے کا بھی ذکر ہے، یہ میت اور اہل قبر کے ساتھ سخت بے حرمتی ہے، شریعت اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتی ہے۔

فعلیٰ هذا ما ذكره أصحابنا في كتبهم من إن وطء القبور حرام وكذا النوم عليها ليس كما ينبغي فإن الطحطاوي هو أعلم الناس بمذاهب العلماء ولاسيما بمذهب أبي حنيفة ...... قلت لكن قد علمت أن الواقع في كلامهم التعبير بالكراهة لابلفظ الحرمة وحينئذ فقد يوفق بأن ما عزاه الإمام الطحاوي إلى أئمتنا الثلاثة من حمل النهي على الجلوس لقضاء الحاجة يراد به نهي التحريم. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب: في وضع الجريد ونحو الأس على القبور، زكريا ديوبند ۳/۱۵۵، كراچی ۲/۲۴۵، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دار الكتاب ديوبند ص: ۶۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۳/۱۴۲۵ھ

بوسیدہ قبرستان جو گندگی پھینکنے کا مرکز ہے اس کو کس کام میں لایا جائے؟

سوال [۷۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان جو گندگی پھینکنے کا مرکز بنا ہوا تھا، گندا پانی اس میں جمع ہو جاتا تھا، کئی بار اس کی حفاظت کا انتظام کیا گیا مگر کچھ دن محفوظ رہا پھر وہی حالت شروع ہوگئی، اس کی حفاظت کسی طرح ممکن نہیں تھی، پھر محلّہ کے کچھ لوگوں نے اس کو بیچنے کا اعلان کر دیا لیکن کامیاب نہ ہوئے، پھر محلّہ کے دوسرے لوگوں نے یہ ضرورت محسوس کی کہ ایک چھوٹا مکتب بنا دیا جائے تاکہ چھوٹے چھوٹے بچے تعلیم حاصل کرتے رہیں، پھر سب کے مشورہ سے مدرسہ قائم کر دیا گیا، بنیادیں بھر کر ایک میٹر بھراؤ ڈلوا کر دیواریں کھڑی کر کے چھت ڈالدی گئی، اب اس میں ۲۵۰؍طلبہ تعلیم پاتے ہیں اب مسئلہ دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسی حالت میں اس جگہ مدرسہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اس کو اسی طرح گندگی ڈالنے کے لیے چھوڑ دیں جبکہ حفاظت اس کے علاوہ ممکن نہیں اور قریب ہے کہ لوگ اس میں گھر بنالیں، اور جو لوگ قبرستان کو گندا کرتے ہیں یا وہاں کوئی کام کرتے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: نذیر احمد ڈڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب قبرستان بالکل پرانا اور بوسیدہ ہو جائے اور اس میں دفن کا سلسلہ ختم ہو جائے تو پورے قبرستان میں یا اس کے بعض حصہ میں لوگوں کے ناجائز قبضہ کا سلسلہ شروع ہو جائے اور ایسے قبرستان میں مسجد یا مدرسہ بنا لینا چاہیے، تاکہ وقف کا قبرستان وقف ہی کے مصرف میں استعمال ہوتا رہے اور مسجد و مدرسہ بھی وقف ہی ہے اس لیے وہاں پر مسجد بنانا بھی جائز ہے اور مدرسہ بنانا بھی جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۴۳، محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۴۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۵۹)

هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم:

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زکریا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم کتاب المساجد اشرفیه ٢/١١٨، هکذا فی فتاویٰ التاتارخانية زکریا ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بیروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

(۲) جولوگ قبرستان کو گندا کرتے ہیں اوراس میں دیگر غلط کام کرتے ہیں ان کا یہ فعل شرعاً ناجائز ہے، لہٰذا ان کو اس سے باز آنا چاہیے۔

ولايجوز لأهل القرية الانتفاع بالمقبرة الداثرة فلو كان فيها حشيش يحش و يرسل إلى الدواب ولاترسل الدواب فيها. (البحر الرائق، الوقف، فصل فی أحکام المسجد، کوئٹه ٥/٢٥٤، زکریا ٥/٤٢٦، هندیه زکریاقدیم ٢/٤٧١، جدید ٢/٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰/ ۶۷۳۰)	۱۴۲۱/۵/۲۹ھ

قبرستان میں مسجد کا کمرہ بنا کر فیملی کے ساتھ رہائش اختیار کرنا

سوال [۸۰۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کے بغل میں کوئی قبر یا قبرستان ہے اس کے اوپر مسجد کے ذمہ دار حضرات نے ایک کمرہ بنایا ہے اوراس کمرہ میں بال و بچے کے ساتھ رہنا سہنا جبکہ قبر نیچے ہے کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر موقوفہ قبرستان میں ایسا ہورہا ہے، تو ناجائز

اورمکروہ تحریمی ہے۔

عن جابر قال: نهى رسول ﷺ أن يجصص القبر، و أن يقعد عليه، و أن يبنى عليه. (صحيح، مسلم، فصل في النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۲، بيت الأفكار رقم: ۹۷۰)

ويكره أن يبنى على القبر أو يقعد عليه أو ينام أو يؤطا عليه أو يقضى عليه حاجة الإنسان من بول أو غائط. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز زكريا ۱/ ۵۸۷، امداديه ملتان ۱/ ۲۴٦، هنديه زكريا قديم ۱/ ۱٦٦، جديد ۱/ ۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۱۶)

صدیوں پرانی قبر کو برابر کر کے اس پر مکان تعمیر کرنا

سوال [۷۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک آراضی خریدی اس آراضی میں ایک کافی زمانہ پرانی صدیوں عرصہ کی ایک قبر یعنی ہدیرہ ہے زید اس آراضی میں مکان بنانا چاہتا ہے اور وہ قبر (ہدیرہ) اندر آرہی ہے، تو زید اس قبر یعنی ہدیرہ کو مسمار کر کے اور اس کو ہموار کر کے بالکل نام ونشان مٹا کر اس پر اپنا مکان بنا سکتا ہے یا نہیں اور اس کو مسمار کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں اور زمین کا بیع نامہ داخل خارج نقشہ وغیرہ پاس اور منظور کرایا گیا ہے نگر پالیکا سے اور یہ قبر (ہدیرہ) بھی خرید شدہ آراضی میں موجود ہے جو کہ زید کی ملکیت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب وہ قبر پرانی ہے اور صاحب قبر کے اجزاء کا مٹی بن جانے کا ظن غالب ہے تو مالک زمین کو پختہ قبر کو ختم کر کے زمین کو ہموار کر کے اس پر تعمیر کرنا جائز اور درست ہے۔

وإذا بلى الميت وصار ترابا يجوز زرعه والبناء عليه. (شامی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ قبیل مطلب فی وضع الجرید و نحو الأس علی القبور، زکریا ۳/۱۵۵، ۱۴۵، کراچی ۲/۲۴۵، ۲۳۸، ۲۳۳، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۱/۲۴۶ زکریا ۱/۵۸۹، البحر الرائق ۲/۱۹۵، زکریا ۲/۳۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۳۴۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۴/۱۴۱۴ھ

مملوکہ زمین میں ساٹھ سالہ پرانی قبر پر تعمیر کرنا

سوال [۷۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک رہائشی مکان میں ۱۹۵۰ء میں مکان مالک کے انتقال ہونے پر ان کی تدفین اسی مکان میں اس وجہ سے کر دی گئی کہ اس وقت شہر میں کرفیو لگا ہوا تھا ان کے وارثین سے وہ مکان تقریباً ۱۹۴۰ء میں میرے والد سخاوت اللہ مرحوم نے خرید لیا تھا، وہ قبر آج بھی پکی حالت میں موجود ہے، میں اپنے مکان کی تعمیر نو کرانے جا رہا ہوں، کیا میں اس قبر پر کمرہ وغیرہ بنا سکتا ہوں استعمال کر سکتا ہوں، اس کی کیا صورت ہوگی، اب تقریباً ساٹھ سال پرانی قبر ہو چکی ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اپنی مملوکہ زمین میں جو پچاس ساٹھ سالہ قبر ہے اس قبر کو برابر کر کے رہائشی کمرہ وغیرہ بنانا شرعاً جائز اور درست ہے۔

وإذا بلى الميت وصار تراباً يجوز زرعه والبناء عليه. (شامی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ قبیل مطلب فی وضع الجرید و نحو الأس علی القبور زکریا ۳/۱۵۵، ۱۴۵، کراچی ۲/۲۴۵، ۲۳۸، ۲۳۳، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۱/۲۴۶ زکریا ۱/۵۸۹، البحر الرائق ۲/۱۹۵، زکریا ۲/۳۴۲)

ولو بلى الميت وصار ترابا جاز ...... والبناء عليه. (هندیه، الباب

الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس، زکریا قدیم ١/١٦٧، جدید ١/٢٢٨، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ١/٢٤٦، زکریا ١/٥٨٩، البنایة اشرفیه دیوبند ٣/٢٥٣)

کل یتصرف فی ملکه ما شاء. (شرح المجلة رستم اتحاد ١/٦٥٤، رقم المادة: ١١٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۰۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۳/۴ھ

زیر ملکیت قبرستان کو اپنی ضرورت میں صرف کرنا

سوال [۷۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے اپنے دادا کو اپنی زمین میں دفن کیا تھا، جس کو کافی عرصہ ہوگیا اب ہم اس زمین کو تقسیم کررہے ہیں اور دادا کی قبر راستہ اور کچھ بنیاد کے نیچے آرہی ہے، اس طویل عرصہ میں قبر کافی خستہ اور بوسیدہ ہوچلی ہے، کیا ایسی صورت میں اس قبر کو راستہ میں لاسکتے ہیں یا نہیں، شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زمین آپ کی ملکیت ہے اور قبر اتنی پرانی اور بوسیدہ ہوچکی ہے کہ جس سے میت کے مٹی ہوجانے کا ظن غالب ہے تو ایسی صورت میں مالکان زمین اس کو برابر کرکے اپنی ہر ضرورت (راستہ، تعمیر، کھیتی وغیرہ) میں استعمال کرسکتے ہیں۔ (مستفاد: محمود یہ قدیم ۱۵/۳۲۱، ۱۰/۳۰۳، ۷/ ۲۳۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۹۱، ۳۷۴، ۳۸۰)

جاز زرعه و البناء علیه إذا بلی المیت و صار ترابا. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زکریا ٣/١٤٥، کراچی ٢/٢٣٨، البحر الرائق کوئٹه ٢/١٩٥، زکریا ٢/٣٤٢، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ١/٢٤٦، زکریا ١/٥٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۳۰۳)

قبرستان کی آراضی کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرنا

سوال [۷۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک آراضی قبرستان کی ہے وہاں موجودہ قبریں ہیں زید نے قبرستان کے اندر کئی تنور کھدوائی اور آگ جلا کر دیگیں بھی پکائی گئیں، تنور کھودتے وقت ہڈیاں وغیرہ بھی نکل آئیں ان کو دفن کر دیا گیا۔

(۲) زید نے وہاں شامیانے کرسی وغیرہ لگا کر لوگوں کے کھانے کا نظم بھی کیا خوب چلت پھرت بھی ہوئی کیا قبرستان کے اندر اس طرح کے پروگرام کرنے کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان کی آراضی کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، لہٰذا وہاں تنور کھدوا کر دیگیں پکانا شامیانے اور کرسی وغیرہ لگا کر لوگوں کے کھانے کا نظم کرنا اور چلنا پھرنا جائز نہیں ہے، ایسے لوگوں کو توبہ کرنا چاہیے اور آئندہ کے لیے ایسے کام نہ کرنے کا عہد کر لینا چاہیے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۶/ ۴۷۶، ۲/ ۴۲۱، ۷/ ۲۴۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۹۵، ۳۹۳، ۳۹۴، کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۲۲، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۱۳)

عن جابر قال: نهى رسول ﷺ أن يجصص القبر، و أن يقعد عليه، و أن يبنى عليه. (صحيح مسلم، فصل في النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۲، بيت الأفكار، رقم: ۹۷۰)

وعن أبي حنيفة رحمة الله تعالىٰ أنه يكره أن يبنى عليه بناء من بيت أو قبة أو نحو ذٰلك لما مر من الحديث آنفا، و كذا يكره وطئه والجلوس عليه كذٰلك. (كبيري قديم، فصل في الجنائز ص: ۵۵۵ لاهور ص: ۵۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۱۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۲۲ھ

قبرستان کی جگہ پر اپنا کارخانہ بنانا

سوال [۷۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کی حدود میں پانچ قبریں بنی ہوئی تھیں، ایک شخص نے ان قبروں کو ہموار کرکے عین اسی جگہ پر اپنا ذاتی کارخانہ تعمیر کرلیا اور اس کی آمدنی اپنے ہی مصارف میں استعمال کرتا ہے اس شخص کا یہ عمل شرعی نقطۂ نظر سے کیسا ہے؟

المستفتی: وصی الدین میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص خود قبرستان کا مالک نہیں ہے اس کا قبرستان کے کسی بھی حصہ کو ذاتی استعمال میں لگانا جائز نہیں ہے وہاں کے سربرآوردہ لوگوں پر لازم ہے کہ وہاں سے کارخانہ ہٹا کر اس جگہ کو قبرستان میں شامل کریں اور اگر دفن کا سلسلہ وہاں ختم ہو چکا ہے، تو اس جگہ کو مسجد یا دینی مدرسہ کے کام میں لگالیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۱۲۲)

عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمه أن رسول اللّٰه قال: لایحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (شعب الإیمان للبیهقی، باب فی قبض الید عن الأموال المحرمة، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/۳۸۷، رقم: ۵۴۹۲)

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلاسبب شرعی الخ. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰، رقم: ۲۶۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۶؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۶ھ

قبرستان کی جگہ پر قبضہ کرنے، لکڑیاں ڈالنے، وغیرہ کا حکم

سوال [۷۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: قبرستان کی جگہ پر قبضہ کرنا اور قبروں پر لکڑیاں ڈالنا اور مکان بنانا اور مویشی باندھنا اور قضاء حاجت کرنا اور قبروں پر قوالیاں کرانا کیسا ہے؟

المستفتی: مسعود احمد خاں کاش گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کی جگہ پر قبضہ کرنا قبروں پر لکڑیاں ڈالنا، مکان بنانا، مویشی باندھنا، اور قضاء حاجت کرنا نیز قبروں پر قوالیاں کرانا یہ سب اعمال ناجائز ہیں، اہل محلّہ پر لازم ہے کہ قبرستان کو ایسے لوگوں سے پاک کریں اور اگر گنجائش ہو تو سب مل کر قبرستان کی چہار دیواری کردیں تاکہ قبرستان دوسروں کے ناجائز قبضہ سے محفوظ ہو جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۵/۳۸۳)

عن جابر قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم أن تجصص القبور وأن يكتب عليها، و أن يبنى عليها، و أن توطأ. (سنن الترمذي، الجنائز، باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور و الكتابة عليها، النسخة الهندية ١/ ٢٠٣، دار السلام، رقم: ١٠٥٢)

عن ابن مسعود يقول: لأن أطأ على جمرة أحب إلي من أن أطأ على قبر رجل مسلم. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٩/ ٣٢١ رقم: ٩٦٠٥)

وكره وطؤها بالأقدام. (حاشية الطحطاوي عن مراقي الفلاح، دار الكتاب ديوبند ٦٢٣)

ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل أو يقعد عليه أو يقضى عليه حاجته. (الفتاوىٰ التاتارخانية، الفصل الثاني الثلاثون، الجنائز، القبر والدفن، زكريا ٣/ ٧٣، رقم: ٣٧٤٠، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٣/ ٩٤، رقم: ٢٤٨٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۶ھ

قدیم قبرستان کو طعام گاہ بنانا

سوال [۷۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک قبرستان میں تقریباً پچاس سال سے کوئی میت دفن نہیں ہوئی وہاں میز، کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانا صحیح ہے یا غلط؟ جس پر لوگ کرکٹ وغیرہ بھی کھیلتے ہیں اور جہاں پر لوگ مٹی اور روڑہ ڈالتے ہیں لیکن اس جگہ کو لوگ کھانا کھلانے میں استعمال کو غلط قرار دیتے ہیں، اور نقطہ چینی کرتے ہیں جبکہ محلّہ میں کوئی بھی اتنی بڑی جگہ نہیں ہے جسے کھانا کھلانے کے لیے استعمال کیا جاسکے، وہاں کھانا پکوانا نہیں ہے، صرف کھانے کے استعمال میں لانا ہے، لہٰذا مجبوری کے تحت اس جگہ کو استعمال کرنے کا خیال کیا گیا ہے تو اس جگہ کو استعمال کرنا صحیح ہے یا غلط؟

المستفتی: محمد طاہر سیفی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کو کھانا کھلانے وغیرہ کے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ قبرستان قدیم کیوں نہ ہو، اگر اس میں دفن کا سلسلہ بند ہوگیا ہے تو وہاں پر مسجد یا مدرسہ بنا کر دینی کام کا سلسلہ جاری کردینا چاہیے۔

إن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفین، واجبة زکریا ٦/ ٦٦٥، کراچی ٤/ ٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۵۵)

پرانے قبرستان کو شادی ہال بنانا

سوال [۷۸۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے محلّہ کے پاس میں ایک جگہ پڑی ہوئی ہے اور ایک کونے میں مٹی کا ڈھیر لگا ہوا ہے لوگ اس کو حظیرہ سمجھ رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبرستان ہے، لیکن تقریباً سو سال سے وہاں کوئی دفن ہوتے ہوئے نہیں دیکھا گیا جس میں کچھ زمین پڑوسی کسانوں نے جوت لی ہے، اور باقی پر بھی قبضہ کرنے کا اردہ ہے اور وہاں پر کچھ لوگ کوڑا گوبر وغیرہ بھی

ڈالتے ہیں، اور وہاں پرنالی کا گندہ پانی بھی جارہا ہے، اب سارے اہل محلّہ کا مشورہ یہ ہے کہ اپنے روپئے سے اس جگہ کو ۵/فٹ بھراؤ ڈال کر ہال بنادیا جائے جس کی آمدنی مدرسہ کو دی جائے گی، اور مدرسہ میں بیرونی طلبہ کے لیے کھانے کا بھی انتظام ہے، آیا اہل محلّہ ایسا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: انور حسین، سرائے سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس جگہ کا ذکر سوالنامہ میں ہے، وہ پرانے زمانے کا قبرستان ہے، اب اگر محلّہ کے لوگ متفق ہو جاتے ہیں اور وہاں دفن کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو اس زمین پر شادی ہال بنانا تو جائز نہ ہوگا البتہ مسجد یا مدرسہ کی عمارت بنانا جائز ہے اس لیے کہ جس طرح قبرستان وقف کا ہوتا ہے اسی طرح مسجد اور مدرسہ بھی وقف کا ہوتا ہے۔

هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ٢/١١٨، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۱ھ

بوسیدہ قبرستان میں شادی ہال اور ہسپتال بنانا

سوال [۷۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر میں ایک پرانا قبرستان ہے جو پچھلے کئی سالوں تقریباً ۵۶؍سال سے بند ہے، جہاں اب تدفین نہیں ہوتی ہے، اکثر قبریں منہدم بھی ہوگئی ہیں جن کے نشانات باقی نہیں رہے ساتھ ہی کچھ قبریں پکی بھی ہیں جو باقی ہیں، مقامی لوگوں کے قول کے مطابق یہاں کچھ بزرگوں کے مزارات موجود ہیں، یہ وقف کی جائیداد ہے اس قبرستان کی زمین پر نگراں کمیٹی ہے جس نے ایک حصہ پر شادی ہال (میرج گارڈن) بنایا ہے اور اس شادی ہال کو ایک غیر مسلم کو ٹھیکے پر دے دیا ہے جس پر غیر مسلم شادی و دیگر پروگراموں میں ناچ گانے باجے ڈھول بجاتے ہیں جبکہ وہاں مسلمانوں کی قبریں ہیں، اسی نگراں کمیٹی نے دوسرے حصہ پر ایک ہسپتال بنایا، جس میں مسلم غیر مسلم کا علاج ہوتا ہے، اسی قبرستان کے زمین کے کونے میں پوجا پاٹ بھی کرتے ہیں ساتھ ہی شراب خوری بھی ہوتی ہے اس زمین کے نیچے حصہ پر ۲۶؍دوکانیں بنا کر مسلم غیر مسلم کو اجرت پر دی ہیں اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ:

(۱) کیا قبرستان کی زمین پر شادی ہال (میرج ہال) بنانا اور غیر مسلم کو کرایہ پر دینا اس پر ناچ گانے باجے، ڈھول تاشہ بجانا، ہون کونڈ پوجا پاٹ وشراب خوری کرنے کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور اس زمین پر بنے شادی ہال کا بنانا جائز ہے یا شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) قبرستان کی زمین پر ہسپتال بنانا جائز ہے یا اس کا شرع میں کیا حکم ہے؟

(۳) قبرستان کی زمین پر بنی دوکانوں کا مسلم اور غیر مسلم کو اجرت پر دینا جائز ہے یا شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

(۴) مذکورہ میرج ہال کو مندرجہ بالا لہو لعب اور تمام حرام خرافات کے ساتھ باقی رکھا جائے گا یا منہدم کیا جائے گا، شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: انتظامیہ کمیٹی کڑھاؤ گھاٹ اندور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وقف کا قبرستان ہے اور قبرستان بوسیدہ ہو چکا ہے تو اس میں نہ شادی ہال بنانا جائز ہے اور نہ ہی ہسپتال بنانا، ہاں البتہ اس میں مسجد بنانا یا قرآن وحدیث کی تعلیم کے لیے مدرسہ بنانا جائز ہے، اس لیے کہ مسجد اور مدرسہ بھی از قبیل اوقاف ہیں جو واقف کی غرض کے مطابق ہے، اور مسجد اور مدرسہ کا ثواب واقف کو ملتا رہے گا اور شادی ہال اور ہسپتال از قبیل اوقاف نہیں ہوتے ہیں نیز شادی ہال میں طرح طرح کی خرافات بھی ہوتی ہیں، اس لیے جائز نہیں ہے لہٰذا شادی ہال یا ہسپتال کے نام سے جو عمارت بنائی گئی ہے اسے مسجد یا دینی مدرسہ میں تبدیل کر دینا چاہیے، اور جو دوکانیں بنی ہوئی ہیں ان دوکانوں کو مسجد یا مدرسہ کی آمدنی کے لیے متعین کر دینا چاہیے۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زکریا ٦/ ٦٦٥، کراچی ٤/ ٤٤٥)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زکریا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم کتاب المساجد اشرفیه ٢/ ١١٨، هکذا فی فتاویٰ التاتارخانية زکریا ٨/ ١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/ ١٤٤، رقم: ١١٤١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۱۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۸/۱ھ

قبرستان کے اوپر لینٹر ڈال کر روڈ بنانا اور بدلے میں دوسری زمین لینا

سوال [۷۸۱۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دہلی لکھنؤ روڈ کی توسیع ہو رہی ہے جس میں فور لائن کی سڑک بن رہی ہے اس میں مسلمانوں کے قبرستان کا کچھ حصہ آرہا ہے، حکومت چاہتی ہے کہ قبروں کے اوپر کچھ اونچائی سے سڑک بن جائے اور قبریں جوں کی توں محفوظ رہیں کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو قبرستان روڈ کی توسیع کی وجہ سے روڈ کے درمیان آ گیا ہے اس قبرستان کو اس کی حالت پر باقی رکھ کر اوپر سے لینٹر ڈال کر روڈ بنایا جائے اور مسلمانوں کو اس کے بدلے دوسرا قبرستان دیدیا جائے تو شرعاً مجبوری میں اس کی گنجائش ہے۔

أرض الوقف إذا غصبها غاصب و أجرى عليها الماء حتى صارت بحرا لا تصلح للزراعة يضمن قيمتها، و يشترى بها أرضا أخرىٰ فتكون وقفا مكانها، وكذا أرض الواقف إذا قل نزلها بحيث لا تحتمل الزراعة ولا تفضل غلتها عن مؤنتها ويكون صلاح الأرض في الاستبدال بأرض أخرىٰ، و إن كان لا كذٰلك، بل اتفق أنه أمكن أن يوخذ بثمن الوقف ماهو خير منه مع كونه منتفعا به . (اعلاء السنن، کتاب الوقف باب يجوز وقف العقار والدور …… کوئٹہ ۱۳/۱۶۱، دار الكتب العلمية لبنان ۱۳/۱۸۷، ۱۸۸ تحت رقم الحديث ٤٥٢٨، الولو الجية دار الايمان ۳/۹۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٩٥)

قال إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال و القيم يجد بثمنها أرضا أخرىٰ هو أنفع للفقراء وأكثر ريعا كان له أن يبيع هذه الأرض و يشترى بثمنها أرضا أخرىٰ جوز رحمه الله استبدال الأرض بالأرض. (قاضيخان، الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجدا …… زكريا جديد ۳/۲۱۰، قديم ۳/۳۰۰، بزازيه زكريا جديد ۳/۱۳٤، و على هامش الهندية ٦/٢٥٤، المحيط البرهاني المجلس العلمي ۹/۲۵ رقم:

۱۱۰۱۹،الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۶۳/۸ رقم: ۱۱۲۱۵، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ۵۷۶/۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۹۷/۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲۲/۴۰)

قبروں کو مٹا کر پختہ راستہ بنانا

سوال [۷۸۱۹]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی قبروں پر پختہ راستہ بنا کر ان کا نشان مٹایا جائے اور اس راستہ پر مستقل طور پر چلا جائے تو یہ عمل شرعاً کس حد تک جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان کی قبروں کے نشانات مٹا کر اس پر پختہ راستہ بنانا اور مستقل گذرگاہ بنالینا ناجائز ہے، ایسا کرنے والے سب گنہگار رہوں گے، مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اس حرکت سے لوگوں کی روک تھام کریں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱۲۰/۷، ۱۳۴/۷، جدید زکریا مطول ۵۰۸/۱۰، ۵۲۰)

عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور، و أن يكتب عليها وأن يبنى عليها و أن تؤطأ. (سنن الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها، النسخة الهندية ۲۰۳/۱، دار السلام، رقم: ۱۰۵۲)

ويكره أن يبنى على القبر أو يقعد عليه أو ينام عليه أو يوطأ عليه. (هنديه، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس، زكريا جديد ۲۲۷/۱، قديم ۱۶۶/۱، تبيين الحقائق امداديه ملتان زكريا ۵۸۷/۱، امداديه ملتان ۲۴۶/۱)

فعلى هذا ما ذكره أصحابنا في كتبهم من وطء القبور حرام. (شامي، قبيل مطلب: في وضع الجريد ونحو الآس على القبور، كوئٹه ۶۶۷/۱، كراچی ۲۴۵/۲،

زکریا ۳/ ۱۵۵، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیو بند ۶۲۳)

ویکره القعود علی القبر، ولو وجد طریقا فی المقبرة وهو یظن أنه طریق أحدثوا لایمشی فی ذٰلک. (قاضیخان زکریا جدید ۱/ ۱۲۲، و علی هامش الهندیة ۱/ ۱۹۵)

یکره المشی فی طریق ظن أنه محدث حتی إذا لم یصل إلی قبره إلا بوطء قبر ترکه. (الدر مع الرد کراچی ۲/ ۲۴۵، زکریا ۳/ ۱۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۶۴)

پختہ راستہ بناتے وقت قبر آجائے تو کیا کریں؟

سوال [۷۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی جگہ قبرستان ہے، پختہ راستے توڑنے پر قبر کا نشان یا گڑھا یا تختے وغیرہ پائے جائیں تو اس جگہ قبر بنائی جائے یا راستہ پختہ بنا دیا جائے، شرع کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس جگہ اگر گزرگاہ وغیرہ بن جانے کا خطرہ ہو تو قبر کا نشان بنا دینا بہتر ہے۔

عن جابر قال: نهی رسول الله ﷺ أن تجصص القبور، و أن یکتب علیها وأن یبنی علیها و أن تؤطأ. (سنن الترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی کراهیة تجصیص القبور و الکتابة علیها، النسخة الهندیة ۱/ ۲۰۳، دار السلام رقم: ۱۰۵۲)

کره وطؤها بالأقدام لما فیه من عدم الاحترام. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح قدیم ۱/ ۳۴۲، دار الکتاب دیو بند ۱/ ۶۲۳، شامی زکریا ۳/ ۱۵۵، کراچی ۲/ ۲۴۵) **فقط واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۶۴)

قبرستان عامہ کی چہاردیواری توڑکرلب سڑک دوکان بنانا

سوال [۷۸۲۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شہر روڑکی آبادی کے اعتبار سے ایک بڑی جگہ ہے، مسلمان اچھی تعداد میں آباد ہیں، اس شہر میں صرف ایک قبرستان ہے، شہر کے پورے مردے اس میں دفن ہوتے ہیں، اس کی جانب جنوب ایک پختہ ڈامر کی سڑک ہے اور قبرستان کی یہ جانب اپنی حد سڑک سے چندفٹ کے فاصلہ پر دیوار سے جو کہ قدآدم ہے محفوظ ہے، اور یہ دیوار کچھ دن پہلے منتظمین نے عام مسلمانوں کے تعاون سے تعمیر کی تھی، اور قبرستان کے اس حصہ سے متعلق نہ کوئی جھگڑا ہے اور نہ ہی دیوار سے محفوظ ہونے کی بنا پر حکومت یا اغیار کے قبضہ کا بظاہر کوئی خوف ہے اور اکثر قبرستان وعیدگاہ وغیرہ ہندوستان میں چہاردیواری سے محفوظ ہیں اور صاف سی بات ہے کہ قبرستان کو کسی آمدنی کی بھی ضرورت نہیں ہوا کرتی، اگرچہ وقتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اس قبرستان کو آم کے درختوں کے پھلوں سے بھی آمدنی ہوتی ہے اور اگر نہ بھی ہوتو ان کو عمومی چندہ سے بہت آسانی سے پورا کیا جاسکتا ہے جس کی مثالیں یہاں پر موجود ہیں، ان حالات میں جنوب کی جانب لب سڑک قبرستان کی دیوار کو توڑکر اس دیوار سے اندر کی جانب جس میں پرانی قبریں بھی ہیں اگر بالفرض محال نہیں ہیں، مگر یہ ضرور ہے کہ قبرستان کے اس حصہ میں آئندہ قبریں بنائی جاسکتی ہیں، منتظمین قبرستان اس جگہ پر تقریباً تیس دوکانوں کا منصوبہ بنا کر تعمیر شروع کریں تاکہ ان کے کرایہ سے آمدنی حاصل ہوسکے، بقول منتظمین قبرستان کے فنڈ میں پیسہ بھی نہیں ہے، یہ تعمیر قرض لے کر یا پیشگی کرایہ حاصل کرکے پوری کی جائے گی جس سے بلاوجہ قبرستان پر قرض کا بار بھی ہوجائے گا، جبکہ قبرستان کا شرعی مقصد اور منشاء ومصرف مردوں کا دفن کرنا ہے نہ کہ مارکیٹ بنانا۔

لہٰذا شریعت کی روشنی میں بتلایا جائے کہ منتظمین کا ان دوکانوں کی تعمیر کا منصوبہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو بعض لوگ علماء سے معلومات کرنے کے بعد اس تعمیر میں رکاوٹ کررہے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو ایسی تعمیر کرنے والوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیونکہ بنیاد وغیرہ کی کھدائی پر مردوں کی ہڈیاں وغیرہ بھی نکلی ہیں جس

سے مردوں کی بے حرمتی معلوم ہوتی ہے، ان دوکانوں سے ہونے والی آمدنی کو کیا کسی دوسرے وقف یعنی مدرسہ، مسجد، مسافر خانہ، پرخرچ کیا جا سکتا ہے؟

المستفتی: عبدالرحیم روڑ کی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان موقوفہ برائے دفن میں غرض واقف کے خلاف دوکانیں تعمیر کرنا ناجائز ہے، قبروں کی ضرورت کے لیے دوکانوں کو توڑ کر اس پر شرعاً قبریں بنائی جاسکتی ہیں، جولوگ علماء سے معلومات کر کے رکاوٹ ڈال رہے ہیں وہ حق پر ہیں، تعمیر کرنے والے ناحق، ناجائز کام کر رہے ہیں، نیز جو انتظامیہ غرض واقف اور حکم شرع کے خلاف کرے اس کو معزول کر کے دوسری انتظامیہ قائم کرنا لازم ہے، اس کی آمدنی مسجد، مدرسہ، مسافر خانہ پرصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/۵۸۷)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، کوئٹه ۳/۴٦٤، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥)

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة و أقبروا فيها (إلى قوله) وبعد ما بنى لو احتاجوا إلى ذلک المکان رفع البناء حتى يقبر فيه. (فتاویٰ قاضيخان، الوقف، فصل فی المقابر والرباطات، زکریا جدید ۳/۲۱۹، وعلی هامش الهندية ۳/۳۱۳، هندیه زکریا قدیم ۲/٤٦۷، جدید ۲/٤۱٦)

وإنما تثبت ولاية الاستبدال بالشرط وبدون الشرط لا تثبت.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/۱۹۸)

ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود وكذا تولية العاجز.

(الدرمع الرد، مطلب: شروط المتولی کوئٹه ۳/٤۲۱، کراچی ٤/۳۸۰، زکریا ٦/۵۷۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/۲۰۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲٦/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۵۰)

٦ باب المساجد

مسجد کا محافظ کون اور مسجد شرعی کی حد

سوال [٨٨٢٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (١) اللہ کیلئے مسجد بنائی جاتی ہے، مسجد کا محافظ کون ہے مسلمان؟

(٢) مسجد میں پاخانہ، پیشاب گھر کیوں ہے، کسی مسجد میں پاخانہ پیشاب گھر اوپر اور کسی مسجد میں نیچے ہے؟

المستفتی: ریاض الدین شیدی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (١) مسجد اللہ کا گھر ہے اس کا حقیقی محافظ بھی وہی ہے۔

﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ. [الجن: ١٨]﴾

لیکن مسجد کی حفاظت جبھی ہوسکتی ہے جب اس میں پانچوں وقت نماز پڑھی جائے اور اس کو آباد رکھا جائے۔

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلَاةَ. [التوبه: ١٨]﴾

مسجد کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں، وہی محافظت کرتے ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

(٢) مسجد شرعی وہ ہے جو جماعت خانہ کے حدود میں ہے جہاں تک صفیں بچھائی جاتی ہیں یا صفوں کے نشان بنائے جاتے ہیں یا مسجد کی تعمیر کرنے والوں نے جہاں تک حدود مسجد میں داخل کرنے کا ارادہ کرلیا ہے اس حدود کے اندر وضوخانہ، پیشاب خانہ، بیت الخلاء وغیرہ کسی قسم کا تصرف جائز نہیں ہے اور اس حدود سے باہر وضوخانہ غسل خانہ، پیشاب گھر،

بیت الخلاء، امام ومؤذن کے کمرے وغیرہ کوئی بھی چیز بنانا جائز ہے، نیچے کی منزل میں بھی جائز ہے اوپر کی منزل میں بھی جائز ہے، لیکن آپ کا سوال واضح نہیں ہے کہ بیت الخلاء، پیشاب گھر کس حصہ میں بنانے کے متعلق سوال ہے اگر شرعی مسجد کے حدود سے باہر ہے تو جائز ہے، آپ کا شبہ کرنا درست نہیں ہے۔

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه أي المسجد جاز. (در مختار، الوقف، مطلب في أحكام المسجد، زكريا ٦/٥٤٧، كراچي ٤/٣٥٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/٢٠٢، مجمع الانهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٤، قديم ١/٧٤٧)

وفي تقريرات الرافعي تحت قول لمصالحه: ليس بقيد بل الحكم كذلك إذا كان ينتفع به عامة المسلمين على ما أفاده في غاية البيان.

(الرافعي في آخر الشامي، زكريا ٦/٨٠، كراچي ٤/٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

مسجد کی حفاظت کا ذمہ دار کون؟

سوال [۷۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں اب بابری مسجد تحریک نے ایک پیچیدہ صورت اختیار کر لی ہے کیونکہ بعض نام نہاد مسلمانوں نے اس سے اختلاف کرنا شروع کر دیا ہے جس کی بنا پر عام مسلمانوں میں مختلف شبہات پیدا ہو رہے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو بابری مسجد کی حفاظت کے لیے احتجاج اور مظاہرے کرنا اور اس کی حفاظت کے لیے میدان عمل میں آنا من حیث المذہب ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: لئیق احمد خان جمالی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی حفاظت تمام مسلمانوں پر فرض ہے البتہ لڑنا جھگڑنا اور فتنہ برپا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، بلکہ سرکاری ضابطہ کے مطابق مسجد کی صیانت و حفاظت کے لیے حکومت کی طرف رجوع کرنا اور حکومت ہی سے احتجاج کرنا لازم ہے۔
(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ مکتوب قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲۷)

﴿**اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلَاۃَ.**﴾ [التوبہ: ۱۸] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۸۳)

موجودہ زمانے میں کسی مسجد کو مسجد حرام یا مسجد اقصیٰ یا مسجد نبوی سے موسوم کرنے کا حکم

سوال [۷۸۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مساجد ثلاثہ (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ) کے ناموں پر کسی اور مسجد کا نام بھی رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ٹانڈہ بادلی میں مسجد تعمیر ہو رہی ہے جس کا نام مسجد اقصیٰ رکھا گیا ہے بعض حضرات کو اس نام پر اعتراض ہے اس لیے کہ مساجد ثلاثہ کی فضیلت اور خصوصیت ہے۔
دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ نام باقی رکھا جائے یا اس کو تبدیل کیا جائے؟

المستفتی: جلیس احمد ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعاً اس نام میں جواز کی گنجائش ہے لیکن اس طرح عام مساجد کے نام رکھنے سے عام لوگوں کے دلوں میں مساجد ثلاثہ کی جو عظمت ہے اس میں آہستہ آہستہ خفت ہو جائے گی مثلاً جس مسجد کا نام مسجد اقصیٰ رکھا جائے اس کے قرب لاشعور بچے جن کے کانوں میں عنفوان حواس سے محلہ کی مسجد کے لیے مسجد اقصیٰ کا لفظ پڑتا

رہے گا، تو بعد میں عاقل بالغ ہونے پر جب اہل مسجد اقصیٰ کا نام آئے گا تو وہ عظمت دلوں میں نہیں ہوگی، جو ہونا چاہیے تھی، اس لیے ایسا نام رکھنا بہتر نہیں ہے فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شوال المکرّم ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۱۹)

حرم میں نماز پڑھنے کی فضیلت کہاں کہاں ہے؟

سوال [۷۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ جو حدیث میں ہے کہ بیت اللہ پر روزانہ ایک سوبیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ان میں سے چالیس بیت اللہ میں نماز پڑھنے والوں کے لیے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ حرم شریف میں کہیں بھی نماز پڑھیں تو ان نیکیوں کے حقدار ہوں گے یا خاص خانۂ کعبہ کے اندر یا حطیم میں نماز پڑھنے پر یہ نیکیاں ملیں گی؟

المستفتی: انیس احمد نہٹور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث مبارک میں جو چالیس رحمتیں بیت اللہ میں نماز پڑھنے والوں کے لیے ذکر کی گئی ہیں وہ حدیث شریف اپنی جگہ درست ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ینزل اللہ علی أهل المسجد مسجد مكة كل يوم عشرين و مأة رحمة، ستين منها للطائفين، و أربعين للمصلين وعشرين منها للناظرين. (المعجم الأوسط، دار الفكر ٤/٣٨١، رقم: ٦٣١٤، وهكذا في الترغيب و الترهيب للمنذري ٢/١٢٢، رقم: ١٧١٤)

حرم شریف میں کہیں بھی نماز پڑھنے سے یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، خواہ حطیم کے اندر نماز پڑھے یا اس کے باہر نماز پڑھے، اس لیے کہ حطیم اور اس سے خارجی حصہ سب ہی

مسجد حرام کے حدود میں داخل ہیں اس لیے کہ اس میں خانہ کعبہ کے اندر کا حصہ مراد نہیں ہے، بلکہ مسجد حرام اور مطاف مراد ہے، اس لیے کہ نماز کی جگہ مسجد حرام ہی ہے اور کعبۃ اللہ کے اندر کا حصہ تو قبلہ ہے یہ الگ بات ہے کہ کعبۃ اللہ کے اندر بھی نماز جائز ہے۔

لما كان الاعتبار للتسمية عندنا لم يختص ثواب الصلاة فی مسجده عليه الصلاة و السلام بما كان فی زمنه. (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب: ما زيد فی المسجد النبوی هل يأخذ حكمه زكريا ٢/١٠٧، كراچی ١/٤٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٢/ ذی الحجہ ١٤٢٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٩٧٣٢/٣٨)

کیا حرمین شریفین میں نماز کی فضیلت عورتوں کے لیے بھی ہے؟

سوال [٧٨٢٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ آیا ہے اس میں مرد اور عورت باہم شریک ہیں، یا صرف مرد کو ہی ثواب ملے گا جیسا کہ خطباب حکیم الاسلام میں ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس کے بارے میں علامہ منذری نے الترغیب والترہیب میں یہی لکھا ہے کہ حرمین شریفین میں نماز کی جو فضیلت آئی ہے وہ مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتیں اس میں شامل نہیں ہیں بلکہ ان کا اپنے گھروں اور قیامگاہوں میں نماز ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔

إن قول النبی صلى الله عليه وسلم صلاة فی مسجد النبی صلى الله عليه وسلم تعدل ألف صلاة فی غيرها من المساجد إنما أراد به صلاة الرجال دون صلاة النساء. (صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامی ٢/٨١٤، ٨١٥، رقم الباب: ١٧٧)

اور علامہ شامی نے نقل فرمایا ہے کہ پورے حدود حرم اور حدود مکہ اور حدود مدینہ منورہ

میں سے کہیں نماز ادا کی جائے تو فضیلت حاصل ہو جائے گی، لہٰذا منذری وغیرہ نے جو عورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے یہ باقاعدہ مسجد حرام میں جا کر ادا کرنے سے استثناء ہے، مگر حدود حرم میں اپنی قیامگاہ میں فضیلت کا استثناء نہ ہوگا۔

بل المشهور عند أصحابنا أنه يعم جميع مكة بل جميع حرمها الذى يحرم صيده. (شامی، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها مطلب: فی أفضل المساجد، زکریا ۴۳۲/۲، کراچی ۶۵۹/۱)

اور اپنی قیامگاہ میں بے حجابی اور فتنہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے اور مسجد میں جانے میں خطرہ ہے۔

مامن مصلى للمرأة خير من بيتها إلا فى حج أو عمرة إلا امرأة قد يئست من البعولة. (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ۳۵/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۰ رشوال المکرم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۵۱/۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۰/۲۰ھ

کعبۃ اللہ کے چاروں طرف کا مطاف اور مسقّف عمارت بھی مسجد حرام ہی ہے

سوال [۷۸۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت مفتی سعید احمد صاحب نے تحفۃ القاری ۳۸۲/۸ پر فتح مکہ کے عنوان کے ذیل میں لکھا ہے کہ ''مسجد حرام'' درحقیقت کعبہ شریف کا نام ہے اور اس کے اردگرد جو مطاف ہے وہ مسجد کا حصہ نہیں اس کو مسجد مجازاً کہا جاتا ہے'' لہٰذا مفتی صاحب سے سوال ہے کہ کیا مطاف اور اس کی چاروں طرف کی عمارت واقعی مسجد نہیں ہے؟ باحوالہ مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن مقدس میں کعبۃ اللہ کو مسجد حرام کہا گیا ہے مگر کتب احادیث وتفاسیر میں ایسی صریح عبارت نہیں ملی جس میں یہ بات واضح کی گئی ہو کہ مطاف اور اس کی چاروں طرف کی عمارتیں مسجد نہیں ہیں، بلکہ کعبۃ اللہ کے مسجد حرام ہونے

کے ساتھ ساتھ مطاف اور اس کی چاروں طرف کی عمارت بھی مسجد حرام ہی میں داخل ہیں، اور جمہور امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کعبۃ اللہ کی چاروں طرف کا مطاف اور عمارت بھی حقیقی طور پر مسجد حرام ہے۔

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾. [البقرة: ١٤٩]

قلت: قد روى ابن جريج عن عطاء عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ قال: البيت قبلة لأهل المسجد والمسجد قبلة لأهل الحرم والحرم قبلة لأهل الأرض في مشارقها و مغاربها من أمتي. (تفسير قرطبي، مكتبه دار الكتب العلمية ١٠٦/٢، تفسير قرطبي بيروت ١٥٩/٢)

إنما ذكر الحرم أو المسجد دون الكعبة مع أنها هي القبلة إشارة إلى أن الواجب على النائي استقبال جهة الكعبة دون عينه. (تفسير مظهري زكريا ١٦٠/١)

وفي ذكر المسجد الحرام الذي هو محيط بالكعبة دون الكعبة مع أنها القبلة التي دلت عليها الأحاديث الصحاح إشارة إلى أنه يكفي للبعيد محاذاة جهة القبلة. (روح المعاني زكريا ١٤/٢)

فالمراد بالمسجد الحرام حينئذ الحرم سماه المسجد الحرام لأن كله مسجد. (تفسير مظهري زكريا ٣٩٨/٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۹۰/۴۰)

کیا ایک دفعہ نماز پڑھنے سے شرعی مسجد بن جائے گی

سوال [۷۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب خیر نے اپنی سکنائی اراضی مسجد کے نام سے چھوڑ دی تھی چند حضرات کے ذریعہ معلوم بھی ہوا کہ ماضی میں اسی آراضی پر نماز بھی ادا کی گئی لیکن بشکل مسجد کوئی تعمیر

نہیں ہوئی، اب کافی عرصہ سے یہ آراضی خالی نہیں پڑی ہے بلکہ قریب کے رہنے والے اس کو استعمال کررہے ہیں، اس وقت موقع پر آراضی مذکورہ پندرہ یا بیس میٹر مربع ہے کیا اس آراضی میں مسجد ہی تعمیر کرائی جائے، یا اس کو فروخت کر کے کسی دوسری مسجد میں رقم لگادی جائے؟ قرآن وحدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب صاحب خیر نے اپنی مذکورہ زمین مسجد کے لیے دیدی ہے اور اس میں اس کی اجازت سے باقاعدہ نماز بھی پڑھی گئی ہے تو وہ زمین شرعی مسجد بن چکی ہے اس لیے اس میں صرف مسجد ہی بن سکتی ہے اس کو فروخت کرنا یا اس کو حرمت مسجد کے خلاف دیگر مصارف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا اور شرعی مسجد ہونے کے لیے بشکل مسجد تعمیر شرط نہیں ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاحط النسخة الهندية ۱/ ۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶٤)

ولو اتخذ أرضه مسجدا ليس له الرجوع فيه ولا بيعه وكذا لا يورث عنه. (تبيين الحقائق، كتاب الوقف،فصل ومن بنى مسجدا لم يزل ملكه، زكريا ٤/ ۲۷۲، امداديه ملتان ۳/ ۳۳۰)

رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قوما أن يصلوا فيها بجماعة (إلى قوله) أحدها إن أمرهم بالصلاة فيها أبدا نصا بأن قال صلوا فيها أبدا أو أمرهم بالصلاة مطلقا و نوى الأبد ففي هذين والوجهين صارت الساحة مسجدا

لو مات لا يورث عنه الخ. (فتاویٰ عالمگیری، الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد و مايتعلق به، زکریا جدید ۲/ ۴۰۹، قدیم ۲/ ۴۵۵، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/ ۱۲۵، رقم: ۱۱۳۳۸، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۸/ ۱۵۷، رقم: ۱۱۴۹۹)

وفی البحر: الصحيح أنه يصير مسجدا. (البحر الرائق کوئٹه ۵/ ۲۴۸، زکریا ۵/ ۴۱۶، قاضیخان زکریا جدید ۳/ ۲۰۲، وعلی هامش الهندیة ۳/ ۲۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۸۰۹)

ذاتی زمین میں مسجد بنا کر نماز کی اجازت دینے سے کیا مسجد شرعی ہو جائے گی؟

سوال [۷۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں نے ایک زمین اپنے پیسہ سے خریدی مکان کے نام سے، محکمۂ گورنمنٹ سے اس کو بنانے کا اجازت نامہ لیا، نقشہ میں مکان اور مسجد کچھ نہیں لکھنا پڑتا، بلکہ بلڈنگ ہی لکھتے ہیں، اور بغیر کسی اور سے چندہ لیے بنالیا ہے ابھی بہت کچھ کام باقی ہے مگر نماز نہیں ہو رہی ہے، اپنے اہل محبت بھائی زیادہ ہیں اس لیے کوئی اس مسجد میں نماز کے لیے نہیں آتے ایک صاحب بھی مکان بنارہے ہیں، رہنے پر ایک دو وقت آتے ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کسی اور سے چندہ نہیں لیا ہے پتہ نہیں نماز ہوگی یا نہیں؟

(۲) ایک صاحب کہتے ہیں کہ وقف نہیں کیا اس لیے نماز ہونے میں شک ہے؟ ہم نے مسجد سب کے لیے بنائی ہے، میں روکتا نہیں ہوں بلکہ بلاتا ہوں نماز کے لیے، کمیٹی بنانے میں صدر سکریٹری کے لیے جھگڑے ہوئے پولیس آئی، لگتا ہے کہ مسجدوں میں ان لوگوں نے قبضہ کرلیا ہے، جماعت نہیں جاتی، وہ اپنا پروگرام کرتے ہیں، برائے کرم اوپر کے دونوں مسئلوں پر شرعی اعتبار سے اور قانونی اعتبار سے ہماری رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: حافظ شوکت علی فرید نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) دوسروں سے چندہ کیے بغیر ذاتی پیسہ سے بنائی گئی مسجد، شرعی مسجد کے حکم میں ہے، اس میں نماز اور جماعت کرنا درست ہے۔

(۲) جب زمین کے مالک نے مسجد بنا کر اپنا قبضہ اٹھا لیا اور ہر ایک کو آنے کی اجازت دیدی اور اذان ونماز شروع ہوگئی تو اب وہ بغیر صریح وقف کے اذان ونماز کی اجازت سے وقف شدہ شرعی مسجد ہوگئی ،اس صورت میں مسجد شرعی میں نماز اور جماعت کرنے کا ثواب بھی ملے گا۔

وفي الذخيرة: و بصلاة جماعة يقع التسليم بلاخلاف حتى أنه إذا بنى مسجدا و أذن للناس بالصلاة فيه جماعة فإنه يصير مسجدا. (شامي، الوقف، مطلب: في أحكام المسجد، زكريا ديوبند ٦/٥٤٥، كراچی ٤/٣٥٦، البحر الرائق ٥/٢٤٨، زكريا ٥/٤١٦، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/١٢٤، رقم: ١١٣٣٦، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٥٦، رقم: ١١٤٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۲۷ھ

نوتعمیر مسجد کو مسجد کا حکم کب حاصل ہوگا؟

سوال [۷۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد نئی تعمیر ہورہی ہے اس کو مسجد کا حکم کب سے دیا جائیگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نئی تعمیر شدہ مسجد کو مسجد کا حکم اس وقت حاصل ہوگا جب اس میں نماز باجماعت شروع ہوجائے۔

التسليم في المسجد أن تصلى فيه جماعة بإذنه –إلى– ويشترط مع

ذٰلک أن تکون الصلاۃ بأذان و إقامة جهرا لا سرا، لو جعل رجلا واحدا مؤذنا و إماما و أقام و صلی وحده صار مسجدا بالاتفاق. (هندیه، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به، زکریا قدیم ۲/۴۵۵، جدید ۲/۴۰۸، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۴، رقم: ۱۱۳۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۶۰۳)

کیا مسجد شرعی ہونے کے لیے وقف ضروری ہے؟

سوال [۷۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مسجد میں نماز جائز ہونے کے لیے زمین کا وقف ہونا ضروری ہے، اگر کسی نے اپنی زمین میں مسجد بنا کر اجازت عام دیدی یا کسی شخص نے اپنی زمین میں مسجد بنانے کی اجازت دیدی اور لوگوں نے مسجد بنائی اور اس میں نماز ہورہی ہے کیا نماز اس میں جائز ہے یا نہیں؟ یا نماز جائز ہونے کے لیے باضابطہ لکھنؤ سے وقف کرانا ضروری ہے، یا گورنمنٹ کے کھاتے میں وقف کا اندراج ضروری ہے؟

المستفتی: محمد منصور احمد محلہ رحمت نگر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز میں مسجد کا ثواب حاصل کرنے کے لیے شرعی مسجد ضروری ہے، اور شرعی مسجد کے لیے وقف ہونا لازم ہے اور کسی شخص کا اپنی زمین میں مسجد بنا کر یہ کہہ دینا کہ میں نے اس کو مسجد بنادی ہے شرعی مسجد ہونے کے لیے امام ابویوسفؒ کے نزدیک کافی ہے، اور اگر لوگوں نے نماز پڑھنا شروع کردی ہے تو تمام فقہاء کے نزدیک مسجد ہوجائے گی اور اگر لوگوں کو مسجد بنانے کی اجازت دیدی ہے اور لوگوں نے مسجد بنا کر نماز شروع کردی ہے تو بھی سب کے نزدیک وہ شرعی مسجد ہوجائے گی اور شرعی وقف اور مسجد

ہونے کے لیے لکھنؤ یا گورنمنٹ کے کھاتے میں اندراج لازم نہیں ہے۔

ویزول ملکه عن المسجد والمصلى بالفعل وبقوله جعلته مسجدا عند الثاني و شرط محمد و الإمام الصلاة فيه بجماعة. (الدر المختار، الوقف، مطلب في أحكام المسجد، زكريا ٦/٤٤ ٥ - ٥٤٦، كراچی ٤/٣٥٥ - ٣٥٧، وهكذا في الهندية زكريا قديم ٢/٣٥٥، جديد ٢/٨ ٤٠، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٥٦، رقم: ١١٤٩٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/١٢٤، رقم: ١١٣٣٦)

ولايتم الوقف حتى يقبض …… ففي المسجد بالإفراز. (الدر المختار، مطلب: شروط الوقف على قولهما كراچی ٤/٣٤٨، زكريا ديوبند ٦/٥٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۸۰)

مسجد کے لیے وقف شدہ زمین پر مسجد بنانا

سوال [۷۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آراضی جناب حاجی اچھن صاحب ولد حاجی بنیاد حسین صاحب کی واقع محلّہ گوئیاں باغ میں ہے جس پر کافی لمبے عرصہ سے نگر پالیکا کا ناجائز قبضہ ہے اور اس پر کوڑا وغیرہ پڑتا ہے، حاجی اچھن صاحب محلّہ پیرزادہ میں رہتے ہیں یہ ہمیشہ سے اس آراضی کے ذمہ دار ہیں حاجی اچھن صاحب نے اس مقبوضہ جگہ پر مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی ہے، جس کا متولی جناب عاقل بھائی ولد جناب یوسف بھائی نل والے کو بنایا ہے، آپ سے التماس ہے کہ آپ اس تحریر کو پڑھ کر شریعت کے اعتبار سے فتویٰ دیں کہ اس آراضی پر مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس علاقہ میں کافی دور تک کوئی مسجد نہیں ہے جس سے اس محلّہ کے لوگوں کو نماز ادا کرنے کے لیے بہت دور جانا پڑتا ہے، اس لیے اہل محلّہ نے اس تحریک کو مضبوطی کے ساتھ چلانے کے لیے قدم اٹھایا ہے، مہربانی کر کے جواب تحریر کریں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حاجی اچھن صاحب نے جب اس زمین کومسجد کے واسطے وقف کردیا ہےتو اس پر مسجد تعمیر کرنا بلاتر دد درست ہے،لیکن پہلے اس زمین سے نگر پالیکا کا قبضہ اٹھانا چاہیے،تاکہ آئندہ مشکلات نہ کھڑی ہوجائیں۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۱۹۳،ڈابھیل ۱۴/ ۳۹۱)

ولو قال داری للمسجد أو أعطيتها له صح و يكون تمليكا فيشترط التسليم. (هنديه، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الثانى، زكريا قديم ۲/ ٤٦٠، جديد ۲/ ٤١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۲/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/۴۸۳۹)

وقف تام ہونے سے قبل اس پر مسجد تعمیر کرنا

سوال [۷۸۳۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی حیات میں ہی سوگز زمین اپنے چار بچوں میں تقسیم کرکے ان سب کے نام کردی تھی، جن میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں سب سے چھوٹی بیٹی کی وفات ہو جاتی ہےاس نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے سامنے یہ وصیت کردی تھی کہ اگر میں اپنا نکاح ہونے سے پہلے مرگئی تو میرے نام پے جومکان ہے وہ مسجد کے نام وقف کردیا جائے،اور میرا سارا سامان کسی غریب لڑکی کی شادی میں جہیز کی شکل میں دیدیا جائے میں تم لوگوں میں سے کسی کونہیں دوں گی،اس نے یہ وصیت اس لیے کی تھی کہ اس کے سگے عزیز رشتہ دار اس کے ساتھ بدسلوکی کیا کرتے تھے،اس کا نکاح کہیں نہیں کرتے تھے، بالآخر اس نے اپنے گھر والوں کے ظلم وستم سے تنگ آکر ایک دن خودسوزی کرلی، یہاں تک کہ اس نے اسپتال میں بھی دم نکلنے سے پہلے یہی بیان دیا کہ میرا مکان مسجد

کے نام کرنا میرے کسی بھائی بہن وغیرہ کومت دینا، اس کے اس بیان کے گواہ متوفیہ کے دونوں بھائی اور بہن رشتہ دار اور محلّہ کے چندلوگ ہیں، اس کے انتقال کے چالیسویں کے بعد حاجی بدرالدین صاحب سلنڈر والے کے یہاں ایک پنچایت بیٹھی اس میں تقریباً پینتالیس آدمی موجود تھے، جن میں خاص خاص آدمی یہ ہیں، کانٹھ والے ملا جی عرف بھورے بھائی، نواب علی، حاجی رئیس صاحب، رفیق بھائی، للہ چودھری، راجہ بابو وغیرہ، اور خود حاجی بدر الدین صاحب بھی موجود تھے، ان سب لوگوں نے متوفیہ کے دونوں بھائی ریاست اور لیاقت اور بہن عشرت سے کہا کہ مرنے والی کے مال اور مکان کے سب سے پہلے حقدار تم تینوں ہوتو تم تینوں میں سے جس کو چاہئے اور جتنا چاہیے بتادو تو اس پر تینوں نے یہ جواب دیا کہ مرنے والی نے جو وصیت کی ہے اسی پر عمل کیا جائے تو لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وصیت تھی، تو ان تینوں نے بتایا کہ ہماری بہن شروع سے کہتی تھی کہ میرا مکان مسجد کو دیا جائے، اور میرا سامان کسی غریب لڑکی کو بطور جہیز دیا جائے اور ان تینوں نے کہا کہ ہمیں نہ تو اس کے سامان میں سے کچھ چاہیے، اور نہ اس کے مکان میں سے ہمیں اس میں سے لے کر گنہگار نہیں ہونا ہے، ہمیں خدا کو جواب دینا ہے، ہم اس کو ثواب پہنچانے کے لیے اس کی وصیت پر عمل کریں گے۔

ان کی اس بات پر وہاں موجود لوگوں نے واہ واہ کی اور مبارکباد دی اور سب لوگ خوش ہوئے، کہ اس سے اچھی بات کیا ہے؟ بہرحال پنچایت نے ان کی اس بات پر عمل کیا، سامان تو غریب لڑکی کی شادی میں بطور جہیز دیدیا گیا، اور اس وقت مسجد کو مکان کی ضرورت نہیں تھی، تو اس میں تالا لگوادیا، کہ جب ضرورت پیش آئے گی تو تالا کھول کر وقف بورڈ کے ذریعہ پکا کام ہو جائے گا، اور اس وقت تحریری طور پر کوئی بیان یا دستخط نوٹ نہیں کیے، اس امید پر کہ پنچایت بے فکر تھی، کہ پینتالیس آدمیوں کے سامنے انہوں نے متوفیہ کی وصیت پر عمل کرنے کا اقرار کیا ہے، اور مسجد کو دینے کا وعدہ کیا ہے، یہ لوگ اپنے قول وقرار اور عہد و پیمان سے نہیں پھریں گے، اور نہ مکر کریں گے، اور نہ مسجد کے مال کے ساتھ دھوکہ بازی کریں گے، اب ایک سال بعد قریب ہی کی مسجد کے پیش امام کو مکان کی ضرورت پڑی تو پنچایت کے لوگوں نے متوفیہ کے دونوں بھائیوں اور بہنوں کو بلا کر وہ مکان مسجد کے نام وقف کرنے کی بات کی

اور تالا کھلوانے کے لیے چابی مانگی تو اب دونوں بھائی ریاست اور لیاقت اپنے قول وقرار سے پھر گئے، اور چابی دینے سے انکار کردیا، لیکن بہن عشرت رضا مند ہے تو جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا ہمشیرہ متوفیہ کی مذکورہ بالا زبانی وصیت کرنے کے بعد اور دونوں بھائیوں کے قول و قرار کرنے پھر مکرنے کے بعد بھی از روئے شرع دونوں بھائی اس مکان متوفیہ کے حصہ دار بن سکتے ہیں؟ اور کیا قبضہ کرکے اپنے تصرف میں لا سکتے ہیں، اگر وہ سہیم ومتصرف نہیں ہو سکتے تو ان کے مکرنے اور انکار کرنے کی صورت میں اہل محلّہ اور اراکین کمیٹی جبراً اس مکان کا تالا توڑ کر مسجد کے لیے وقف کرنے کے شرعاً مجاز ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ شرعی یا قانونی ہو تو رہنمائی فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مکان کے ایک تہائی حصہ میں مرحومہ کی وصیت نافذ ہوگی اور وہ حصہ مسجد کے لیے وقف ہوگا، کیونکہ ایک تہائی میں وصیت کا نفاذ ورثاء کی اجازت پر موقوف نہیں ہے۔

عن عامر بن سعد عن أبیه قال: مرضت، فعادني النبی ﷺ فقلت: یا رسول اللّٰه ﷺ أدع اللّٰه أن لایردنی علی عقبی، قال: لعل اللّٰه یرفعک و ینفع بک ناسا، قلت: أرید أن أوصی، و إنما لی ابنة، قلت: أوصی بالنصف، قال: النصف کثیر، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث، والثلث کثیر أو کبیر، قال: فأوصی الناس بالثلث وجاز ذلک لهم. (صحیح البخاری، باب الوصیة بالثلث، النسخة الهندیة ۱/۳۸۳، رقم: ۲۶۶۳، ف: ۲۷۴٤)

وتجوز بالثلث للأجنبی عند عدم المانع و إن لم یجز الوارث ذلک لا الزیادة علیه إلا أن تجیز ورثته بعد موته وهم کبار. (شامی زکریا ۱۰/۳۳۹، کراچی ۶/۶۵۰)

البتہ دیگر دو تہائی میں مسجد کی طرف سے قبضہ نہیں ہوا اور وارثین اپنے وعدے اور اقرار پر برقرار نہیں رہے، لہٰذا ان دو تہائی میں مسجد کے لیے وقف تام نہیں ہوا، اس بنا پر ان دو تہائی میں ورثاء کی ملکیت باقی ہے، ان کی رضا مندی کے بغیر اس پر زبردستی قبضہ کرنا جائز نہیں ہے۔

عن القاسم أن رجلا استأذن ورثته أن یوصی بأکثر من الثلث، فأذنوا له، ثم رجعوا فیه بعد ما مات، فسئل عبد الله عن ذٰلک، فقال: ذاک النکرة لایجوز. (المعجم الکبیر للطبرانی، دار إحیاء التراث العربی ۹/۲۳۷، رقم: ۹۱۶۱، مسند الدارمی، دار المغنی للنشر و التوزیع ۴/۲۰۳۶، رقم: ۳۲۳۷)

ولایتم الوقف حتی یقبض لم یقل للمتولی لأن تسلیم کل شیئ بما یلیق به، ففی المسجد بالإفراز وفی غیره بنصب المتولی و بتسلیمه إیاه ابن کمال.

(شامی الوقف، مطلب: شروط الوقف علی قولهما زکریا ۶/۵۳۴، کراچی ۴/۳۴۸)

اور جو وارث اپنے اقرار پر باقی ہے دو تہائی میں سے اس کے حصہ کے بقدر مسجد کے لیے وقف ہوگا، لہٰذا بہن عشرت کی رضامندی سے اس کا حصہ مسجد کی ملک ہوجائے گا۔

عن الحسن فی الرجل یوصی بأکثر من الثلث فرضي الورثة قال: هو جائز.

(مسند الدارمی، باب فی الذی یوصی بأکثر من الثلث، دار المغنی ۴/۲۰۳۶ رقم: ۳۲۳۷)

إذا أجاز بعض الورثة جاز علیه بقدر حصته. (شامی زکریا ۱۰/۳۴۰، کراچی ۶/۳۴۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۳۰۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۹/۹ھ

مسجد اور اس کے متعلق چند مسائل

سوال [۷۸۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چند لوگوں نے مل کر مسجد کے لیے ایک زمین خریدی اور لوگوں نے دوسرے محلے کے ایک عالم صاحب کو اپنا سرپرست بنالیا، عالم صاحب نے اور محلّہ کے سارے لوگوں نے چندہ کرکے اس زمین کو لکھالیا، قانونی دشواریوں کی وجہ سے وہ زمین عالم صاحب ہی کے نام رجسٹری ہوگئی، اور اس میں پنجوقتہ نماز شروع ہوگئی، ہم پنجوقتہ نمازیوں نے اپنی بستی کے

بڑے مدرسہ کے مفتی صاحب کوامام بنالیا، دوسال ہورہے ہیں ان کو امامت کرتے ہوئے، انہوں نے مؤذن کا بھی انتظام کردیا، جو مدرسہ کے طالب علم ہیں، مفتی صاحب کی عدم موجودگی میں نماز بھی پڑھاتے ہیں، تنخواہ کا کوئی نظم نہیں ہے، دو چار لوگ مل کر تقریباً پانچ سو روپیہ دیتے ہیں، لیکن کوئی ضروری نہیں دیدیا تو رکھ لیا کوئی مطالبہ نہیں، ایک دولوگوں کے علاوہ محلّہ کے سارے لوگ اور پنجوقتہ نمازی مفتی صاحب کو ہی امام بنانا چاہتے ہیں، کئی مرتبہ امام کے بدلنے کی بات آئی، سارے لوگوں نے کچھ کو چھوڑ کر کے انکار کردیا اور سب نے کہا کہ ہماری مسجد کے امام مفتی صاحب ہی رہیں گے، ہم لوگوں نے صرف یہ سوچا کہ مفتی صاحب کے رہنے میں استفادہ زیادہ ہوسکتا ہے، چنانچہ فجر کے بعد درس قرآن بھی ہوتا ہے، دوسری جانب سرپرست عالم صاحب کو مدرسہ اور اس کے ذمہ داران سے کچھ ذاتی رنجش ہے، اور مفتی صاحب سے سرپرست کا کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن پھر بھی مدرسہ سے رنجش کی وجہ سے وہ ہماری مسجد میں مفتی صاحب کی امامت کے مخالف ہیں، جبکہ مدرسہ علاقہ واطراف میں بہت مشہور ہے، مدرسہ کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے ہے، مخالفین میں ایک دولوگ ہی محلّہ کے ہیں، جو عقیدۃً بریلوی ہیں، خود سرپرست عالم صاحب اہل حق اپنے کو کہتے ہیں لیکن امامت کے مسئلہ میں پنجوقتہ نمازیوں اور اہل حق کی بات نہ مان کر کرے بدعتیوں اور بریلویوں کے ہمراہ ہیں، لہٰذا مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے عنایت فرمائیں:

(۱) جو مسجد چندہ سے تعمیر کی گئی ہے اور سرپرست عالم کے نام درج ہوگئی جو محلّہ سے دور دوسرے محلّہ میں رہتے ہیں کیا ان کا مسجد میں حق ملکیت ہے؟

(۲) کیا سرپرست کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ پنجوقتہ نمازیوں اور اہل محلّہ کی باتوں اور مشوروں کو نظر انداز کردے محض اس لیے کہ اس مسجد کی زمین اس کے نام درج ہے؟

(۳) ایسے امام کو جس سے اکثر نمازی ومحلّہ والے خوش ہوں کیا ان کو امامت سے ہٹایا جاسکتا ہے جبکہ سرپرست کے سوا اہل حق میں سے کوئی مخالفت نہ کرتا ہو اور ہر حال میں مفتی صاحب کو ہی امام بنانا چاہتے ہوں؟

(۴) یہ شکایت کرنا کہ امام چونکہ نیاز فاتحہ نہیں کرتے لہٰذا امامت کے حقدار نہیں ہیں؟

(۵) کچھ لوگ غیر محلّہ کے ہیں، مسجد میں بیجا مداخلت کرتے ہیں ان کا یہ فعل کیسا ہے؟

(۶) سرپرست کا بغیر عذر شرعی کے امام کی مخالفت کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

المستفتی: شمس عالم بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جو زمین اہل محلّہ کے چندہ کی رقم سے خریدی گئی اور مسجد کی تعمیر کی گئی اور مصلحتاً عالم صاحب کے نام سے رجسٹری ہوگئی تو شرعی طور پر عالم صاحب اس زمین یا مسجد کے مالک نہیں ہوئے، اور نہ ہی اس میں ان کا مالکانہ تصرف کرنا جائز ہے اور اب اہل محلّہ کو چاہیے کہ عالم صاحب کے نام سے رجسٹری منسوخ کرکے مسجد کے نام سے وقف نامہ مکمل کرالیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۱۱/۱۵، جدید ڈابھیل ۵۴۹/۱۴)

(۲) اہل محلّہ اور اکثر نمازیوں کے مشورہ کو سرپرست کا محض اس لیے نظر انداز کردینا کہ مسجد کی زمین خود ان کے نام ہے جائز نہیں ہے بلکہ ان پر لازم ہے کہ اہل محلّہ اور پنجوقتہ نمازیوں کے مشوروں کو سنیں پھر آپس میں کسی ایک رائے پر سبھی حضرات متفق ہوجائیں اور مسجد کی جو زمین ان کے نام ہے فوراً اس سے اپنا نام کٹوا کر مسجد کے نام کردیں، مسجد کی زمین کا کسی فرد کے نام ہونا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۱۱/۱۵، جدید ڈابھیل ۵۴۹/۱۴)

فإن اختلفوا اعتبر أكثرهم. (در مختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ۲۹۷/۲، کراچی ۵۵۹/۱)

(۳) جب تمام اہل محلّہ اور پنجوقتہ نمازی مفتی صاحب کی امامت سے خوش ہیں تو مفتی صاحب کو ہی امام بنانا چاہیے، محض سرپرست اور چند بدعتیوں کی مخالفت کی وجہ سے انہیں امامت سے معزول کرنا صحیح نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۲۵۱/۳)

إن القوم إذا عينوا مؤذنا و إماما كان أصلح مما نصبه البانی فهو أولیٰ. (شامی، الصلاة، باب الأذان، قبيل مطلب هل باشر النبی ﷺ الأذان بنفسه، زكريا ۷۱/۲، کراچی ۴۰۰/۱)

(۴) نیاز فاتحہ کرنا خود بدعت ہے اور اس پر داروگیر کرنا خلاف شریعت عمل ہے، ایسے لوگوں

کی بات پر عمل کرنا گناہ اور معصیت ہے اس لیے ایسے لوگوں کی بات پر عمل نہ کیا جائے اور نہ ہی امام کو امامت سے معزول کیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۳/ ۲۵۱، عزیز الفتاویٰ ۱۲۲، امداد المفتیین ۱۵۷)

(۵) امام مقرر کرنے کا حق اہل محلّہ اور پنجوقتہ نمازیوں کا ہے اس میں غیر اہل محلّہ کو مداخلت کرنے کا حق نہیں ہے۔

وإن تنازع في نصب الإمام و المؤذن مع أهل المحلة إن كان مااختاره أهل المحلة أولىٰ من الذى اختاره البانى فما اختاره أهل المحلة أولىٰ. (الأشباه قديم ص: ١٤١)

(۶) امام جب مفتی اور عالم ہے اور اس میں کوئی شرعی خرابی بھی نہیں اور اکثر اہل محلّہ اس سے خوش ہیں تو سرپرست کو بلا عذر شرعی امام کی مخالفت نہیں کرنا چاہیے۔

الأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة صحة و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش. (در مختار، الصلاة، باب الإمامة، زكريا ٢/ ٢٩٤، كراچى ١/ ٥٥٧، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، دار الكتاب ديوبند ٢٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۱۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ ۷/ ۱۴۲۴ھ

مسجد شرعی بننے کے بعد نمازیوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روکنا

سوال [۷۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے دادا، پردادا نے ایک مسجد بنائی جو اپنی ذاتی آراضی اور اپنی جیب خاص سے تیار کرائی امام کی تنخواہ اور مسجد کے جملہ اخراجات وہی لوگ اپنی جیب سے پورا کرتے چلے آئے ہیں لیکن بنانے والے کی یہ نیت نہیں تھی کہ اس میں صرف ہم تنہا ہی نماز پڑھا کریں گے بلکہ یہ نیت تھی کہ سب اہل محلّہ اور مسلمان نماز ادا کریں گے، اور سینکڑوں برس سے ادا کرتے چلے آئے ہیں البتہ مسجد اور امام کے جملہ اخراجات بنانے والوں کے خاندان

والے ہی برداشت کرتے ہیں اب زید کے دادا، پردادا جو مسجد بنانے والے تھے وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے، اب زید وغیرہ کبھی کبھی نمازیوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ ہماری مسجد ہے اس میں نماز پڑھنے مت آؤ، اس شکل میں جبکہ زید اپنی مسجد میں تمام نمازیوں کو نماز پڑھنے سے منع کرے تو عام نمازیوں کو اس مسجد میں نماز پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

(۲) عام نمازیوں کی نماز میں کچھ نقص تو نہیں آتا، جبکہ زید وغیرہ اپنی مسجد میں آنے کو اور نماز پڑھنے کو منع کرتے ہیں؟

(۳) کیا زید کو کہنے کا حق ہے کہ یہ صرف ہماری مسجد ہے اس کو ہم نے بنایا ہے جبکہ بناتے وقت یہ نیت تھی کہ سب نماز پڑھیں گے؟

(۴) اگر زید ہٹ دھرمی سے اس مسجد میں عوام کو نماز پڑھنے سے روکے یہ دھونس دے کر کہ مسجد ہماری ہے تو زید وغیرہ گنہگار ہوں گے؟

(۵) عام نمازی اس مسجد میں آ کر نماز ادا کرتے رہیں، زید کے کہنے کی پرواہ نہ کریں یا کسی اور مسجد میں جا کر نماز ادا کریں؟

المستفتی: اقبال احمد شیر کوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کے دادا پردادا نے اللہ تعالیٰ کے واسطے شرعی مسجد بنائی تھی اور اس وقت عام مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دے چکے تھے تو مذکورہ مسجد شرعی مسجد بن چکی ہے، زید یا کسی دوسرے کو یہ حق نہیں ہے کہ نمازیوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کرے، منع کرنے والے سخت ترین گناہ کے مرتکب ہوں گے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو بہت بڑا ظالم اور گناہ گار قرار دیا ہے۔

﴿ **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ.** [البقرة: ١١٤] ﴾

وليس لورثته منعهم. (شامی الوقف، مطلب: في أحكام المساجد، زكريا ٦/٥٤٧، كراچی ٤/٣٥٧)

مذکورہ مسجد میں تمام مسلمانوں کو آزادانہ نماز پڑھنے کا حق ہے اس میں وارثین کا کوئی حق اس طرح باقی نہیں رہا ہے کہ وہ کسی کو نماز پڑھنے سے منع کیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۵۰)

دوسوسال پرانی مسجد جس کے موقوفہ ہونے کا ثبوت نہ ہو موقوفہ کہلائے گی؟

سوال [۷۸۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد دوسوسال پرانی ہے پہلے یہاں قبرستان تھا سوسال سے اس آراضی میں تدفین کا عمل نہیں ہوتا ہے اس مسجد کے دوطرف اسی خسرہ نمبر ۲۷۴ کی خالی آراضی ہے دوطرف مسجد کی دوکانیں بنی ہوئی ہیں، وقف بورڈ میں یہ مسجد وآراضی و دوکانیں نمبر ۱۰۷۸/ ۲۹۹۳ شیشہ گران ومردہ گان کے نام سے درج ہیں، اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے کہ اس کے مالک نے اس کو وقف کیا یا نہیں؟

المستفتی: شیشگران، دملکان، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ آراضی کے موقوفہ ہونے کے لیے اتنا ثبوت کافی ہے کہ مسجد شرعی اس میں قدیم زمانہ سے بنی ہوئی ہے اور خالی زمین میں تدفین کا سلسلہ اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ یہ جگہیں دفن کے لیے وقف ہیں، اور وقف بورڈ میں اس جائیداد کے وقف نمبر کا مل جانا بھی مذکورہ جائیداد کے وقف کے ثبوت کے لیے کافی ہے، اور مسجد کے دائیں بائیں جو خالی زمینیں پڑی ہوئی ہیں جن میں دفن کا سلسلہ جاری نہیں ہے اس میں مسجد کی توسیع کی بھی گنجائش ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا (إلى قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه

لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية، و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد اشرفيه ۲/۱۱۸، هكذا فی فتاوی التاتارخانية زكريا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ۹/۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱، هنديه زكريا قديم ۲/۴۶۹، جديد ۲/۴۱۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱۸ھ

کیا عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے؟

سوال [۷۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ راجح قول کیا ہے؟

المستفتی: محمد یوسف میواتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدگاہ بہت سے احکام میں باتفاق علماء مسجد کا حکم رکھتی ہے، نیز نفس عبادتگاہ ہونے کی حیثیت سے بھی عیدگاہ انتہائی حرمت وعظمت کی حامل ہے، جس طرح موقوفہ عیدگاہ میں کھیل تماشہ کشتی وغیرہ کرنا ناجائز ہے، اسی طرح اس کو گانے باجے کی جگہ بنالینا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۲۸)

وأما المتخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد فی حق جواز الاقتداء وأن انفصل الصفوف رفقا بالناس لا فی حق غيره به يفتى نهاية. (در مختار مع الشامی، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، زكريا ۲/۴۳۰، كراچی ۱/۶۵۷)

وأما المتخذ لصلاة العيد فالمختار أنه مسجد فی حق جواز الإقتداء و إن انفصلت الصفوف و فيما عدا ذٰلک فلا رفقا بالناس. (هنديه زكريا قديم ۲/۴۵۶، جديد ۲/۴۰۹)

البتہ حائضہ ونفساء وغیرہ کے لیے عیدگاہ میں داخل ہونا جائز ہے، اس اعتبار سے مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۳۱۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۷؍۱۴۲۲ھ

جہاں سے سارے مسلمان دوسری جگہ چلے گئے ان کی مساجد کا حکم

سوال [۷۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ملکی حالات کے پیش نظر بہت سی بستیاں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو گئے، مسجدیں ویران ہو گئیں، اب ایسی شکل میں کیا صورت ہے کہ مسجدیں محفوظ رہیں، بعض کا خیال ہے کہ ان کو مقفل کر کے چھوڑ دیا جائے، اور وقف بورڈ میں اس کا اندراج کرادیا جائے، بعض کا خیال ہے کہ ان کا تمام ملبہ مع ایک فٹ زمین کے اکھاڑ لیا جائے، بہرحال آراء مختلف ہیں شریعت مطہرہ کے نزدیک کیا صحیح شکل ہے ان مساجد کی حفاظت کی؟ اور یہ کہ گناہ بھی لازم نہ آئے؟ اس بارے میں اللہ اور اس کے رسول کیا فرماتے ہیں؟ جواب باصواب سے نواز کر سائل کو ممنون ومشکور فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی مساجد کا وقف بورڈ سے رجسٹریشن کرادینا لازم ہے اور رجسٹرڈ کرانے کے بعد ان مساجد میں تالا لگادیا جائے اور یہ مساجد تا قیامت مسجد ہی کی حکم میں ہوں گی، ان کا ملبہ اور مٹی اکھاڑنے سے مسجد کا حکم ختم نہیں ہوگا۔

ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الإمام و الثانی أبدا إلی قیام الساعة. (الدر المختار الوقف، مطلب: فیما لو خرب المسجد أو غیره زکریا ٦/٥٤٨، کراچی ٤/٣٥٨، مجمع الأنهر دار الکتب العلمیة بیروت ٢/٥٩٥، مصری قدیم ١/٧٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۳۷)

مسجد شرعی بنا کر داماد کے نام رجسٹری کرنا

سوال [۷۸۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے ایک رشتہ دار حاجی صاحب سے کچھ لوگوں نے جو گاؤں کے اڈے کے قریب رہتے ہیں، مطالبہ کیا کہ وہ اپنی طرف سے اڈے پر مسجد بنوادیں، جس سے مسافروں کو بھی سہولت ملے گی، اور ہم جو اڈے کے قریب رہتے ہیں، آسانی سے اس میں نماز پڑھ سکیں گے، حاجی صاحب نے اڈے پر ایک پلاٹ خریدا جو میرے لڑکے کے نام رجسٹری ہوا، یہ حاجی صاحب کا داماد ہے اس پلاٹ میں سامنے کی جانب غرب مسجد تعمیر ہوئی، مسجد کی عمارت میں دونوں جانب تھوڑا تھوڑا حصہ خارج مسجد رکھا گیا، اسی طرح باہر کے صحن کے دونوں طرف کچھ حصہ چھوڑا گیا ہے، اور سامنے چند دوکانوں کی بنیادیں ہیں جو حاجی صاحب کی لڑکی جو میرے بیٹے کے نکاح میں ہے کے واسطے ہیں۔

مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی تو ایک دینی اجتماع کا انعقاد کر کے جس میں دو بڑے عالم امیر شریعت ہریانہ پنجاب وہماچل حضرت مولانا صدیق صاحب اور دارالعلوم میوات (نوح) کے شیخ الحدیث مدظلہم بھی شریک ہوئے تھے، اس میں حاجی صاحب نے اعلان کرایا کہ یہ مسجد میں نے اللہ کے واسطے بنوائی ہے اور میں اس کو تمام مسلمانوں کے لیے عبادت کی خاطر وقف کرتا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح سے بانی مسجد کا اعلان کرنا شرعاً معتبر ہے، یا معتبر نہیں؟ اور چونکہ انتظامی امور حاجی صاحب نے اپنے داماد حافظ قاری محمد اسلم صاحب کو سپرد کیے ہیں جو اس مسجد میں بچوں کو دینی تعلیم دیتے ہیں اور پنجوقتہ نمازوں کی امامت کرتے ہیں اس لیے وہ اس ذمہ داری کو پوری طرح نباہ رہے ہیں، اگر زمین اپنے نام سے کاغذات میں اتروائی جائے تو خدشہ یقینی ہے کہ جھگڑالو لوگ منتظم کو بے دخل کر سکتے ہیں؟ جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرحیم بڑگدوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حاجی صاحب کا مسجد بنا کر اس کے وقف کا اعلان کرنا شرعاً درست ہے اور اب یہ مسجد للہ وقف ہو چکی ہے۔

ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله جعلته مسجدا.
(الدر المختار علی هامش رد المحتار، الوقف، مطلب: فی أحکام المسجد زکریا ٦/٥٤٤، ٥٤٦، کراچی ٤/٣٥٥، ٣٥٧، البحر الرائق کوئٹه ٥/٢٤٨، زکریا ٥/٤١٦، هندیه زکریا قدیم ٢/٣٥٥، جدید ٢/٤٠٨)

البتہ وقف تام ہو چکنے کے بعد کسی فرد خاص کے نام رجسٹرڈ کرنا یا رہنا جائز نہیں، اس لیے مسئولہ صورت میں اب داماد کا نام رجسٹرڈ سے ختم کرا کر تولیت میں منتقل کرا دینا ضروری ہے، کہ داماد کو مسجد کا متولی بنا دیا جائے، تو یہ جائز ہے۔ (مستفاد: رحیمیہ قدیم ۹/۲۳۶)

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم، وکان یقال له ثمغ وکان نخلا، فقال عمر: یا رسول الله! إنی استفدت مالا وهو عندي نفیس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبی صلی الله علیه وسلم تصدق بأصله، لایباع ولایوهب ولایورث، ولکن ینفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلک فی سبیل الله وفی الرقاب والمساکین والضیف وابن السبیل ولذی القربیٰ، ولا جناح علی من ولیه أن یأکل منه بالمعروف أو یؤکل صدیقه غیر متمول به. (صحیح البخاری، الوصایا، باب قول الله عز وجل وابتلوا الیتامی حتی إذا بلغوا النکاح، النسخة الهندیة ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

فإذا تم ولزم لایملک و لایعار و لایرهن أی لایکون مملوکا لصاحبه ولایملک أی لایقبل التملیک لغیره. (شامی زکریا ٦/٥٣٩، کراچی ٤/٣٥١، ٣٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۸۹)

مسجد کی زمین اپنے نام رجسٹری کرانے کا حکم

سوال [۷۸۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکولہ ضلع میں تعلقہ پاتور کا ایک چھوٹا سا قصبہ کھٹی ہے جہاں پر مسلم اکثریت ہونے کی وجہ سے اللہ کی عبادت اور نماز کے لیے بستی میں ایک مسجد کی ضرورت محسوس ہوئی تو پرانے بزرگوں نے اللہ کے گھر کی بنیاد رکھی اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، وہاں پر ۱۹۵۲ء تک امام اور مؤذن کی تنخواہ کا انتظام اور مسجد کا نظم ونسق تو جیسا تیسا چلتا رہا، لیکن غریب بستی ہونے کی وجہ سے پریشانی ہونے لگی، قدیم بزرگ گلاب خان، زورآور خان، محمد خاں نامدار خان نے اپنی کھیتیوں میں سے ۱۹۵۲ء میں مسجد کی آمدنی اور امام ومؤذن کی تنخواہ اور دیگر اخراجات کے لیے ۱۱/۱ ایکڑ ۳۸/ گنٹھے زمین کے لیے عطیہ کیے، اور ۱۹۵۲ء میں ٹرسٹ بنا کر اس میں کھیتی کو نوند کر دیا گیا، ٹرسٹیوں نے اس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری جناب اکبر علی صاحب کو دی، جنہوں نے دیانت داری سے اس ذمہ داری کو ۱۹۷۶ء تک انجام دیا، ان کے انتقال کے بعد ان کے داماد جناب عبدالمناف صاحب امڑاپوروی کو بلا کر ذمہ داری سونپی گئی، محترم موصوف نے ۱۹۷۹ء میں سات بارا میں (ہیرنی پتر) پر اپنا نام لین کر کے لکھوالیا ۱۹۸۰ء میں کڑ قاعدہ کے ذریعہ پوری کھیتی اپنے نام کر لی، جبکہ بستی کو اس بات کی کچھ بھی خبر نہیں ہوئی، مسجد کا نظم ونسق اور امام ومؤذن کی تنخواہ کا انتظام برابر جاری رہا۔

۱۹۹۶ء میں عبدالمناف صاحب کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ارجمند عبدالقدیر صاحب انہوں نے بھی ۲۰۰۰ء کے بعد امام ومؤذن اور مکتب و دیگر انتظامات کے لیے خرچ کرنا بند کر دیا، جو غریب بستی کے مسلمانوں نے کیا اور آج تک کرتے چلے آرہے ہیں، دیگر جو بھی مسجد کے لیے چندہ ہوتا ہے مثلاً شادیوں کے موقع پر دولہا، دولہن والوں سے کچھ مخصوص رقم اور نکاح میں حاضرین سے عمومی چندہ جو آڈٹ وغیرہ کے خرچ کے نام سے لیا جاتا ہے وہ بھی انہیں صاحب کے پاس رہتا، لیکن مسجد کا تقریباً ۲۰۰۰ء سے ۱۳/ سال کا آڈٹ نہیں ہوا اور ۲۰۰۰ء میں ہی مسجد کے کھیت پر پائپ لائن کے لیے ۵۰۰۰۰ پچاس ہزار روپئے کو آپریٹو

بینک سے قرض لیے جو نہ بھرنے کی صورت میں بینک کی جانب سے کھیت کی ضبطی اور ہراسی کی ڈھونڈی بھی پورے گاؤں میں دومرتبہ ہوئی۔

۲۰۰۷ء میں گورنمنٹ کی اسکیم کے تحت یہ قرض کی اصل رقم معاف ہوئی، لیکن بیاض کی رقم تھی وہ دہلی سے سعید خاں، لعل خان، شیخ ناظم، حاجی بلدار خاں صاحب، عبدالشریف سے لاکر موصوف کو دیا کہ مسجد کے کھیت کو کلیئر کرو، غریب بستی ہونے کی وجہ سے اور مہنگائی کی زیادتی کی وجہ سے امام ومؤذن صاحب کی تنخواہوں میں بھی اضافہ اور بجلی بل اور پانی کا انتظام اور دیگر انتظامات میں بستی والوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، جس کی بنا پر بستی کے ذمہ داروں نے مسجد کے کاغذات وغیرہ کی معلوم نکالی تو پتہ چلا کہ کھیت موصوف کے نام ہو چکا ہے، جس پر بستی کے لوگوں میں غصہ کی لہر بیدار ہو گئی، لیکن ذمہ داروں نے سمجھایا کہ ہمارے درمیان فیصلہ کرنے والے لوگ ہیں، سارے کاغذات کی زیروکس کاپی اس عرضداشت کے ساتھ جوڑی جارہی ہے آپ خود ہمیں ان کاغذات کی تحقیقات کے بعد فیصلہ کریں۔ آپ کے فرزند عبدالقدیر صاحب اس وقت گاؤں کے اندر موجود ہیں ان کا موبائل نمبر 9923341231 ہے آخر میں آنجناب سے گزارش ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں وقف کیا ہوا کھیت کو اپنے نام کر لینا اور خود اس سے فائدہ اٹھانا کیا جائز ہے؟ اور عبدالمناف صاحب مرحوم کو اللہ کی شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بستی کے غریب ہونے کی بنا پر چند اہل خیر حضرات نے مسجد کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اپنی اپنی کھیتیاں وقف کردیں، اور یکے بعد دیگرے متولیان حضرات نے بخوبی اس ذمہ داری کو نبھایا لیکن جناب عبدالمناف صاحب نے اس میں خیانت کی، اور مسلمانوں کو دھوکہ دے کر مسجد کی وقف زمینوں کو اپنے نام منتقل کرلیا ہے، شرعاً اس دھوکہ دھڑی سے وہ وقف کی زمین کا مالک نہیں ہوگا، علاقہ کے بااثر لوگوں کو بیچ میں پڑ کر کے وقف کی زمین کو مسجد کے لیے بحال کرنا لازم ہے، اور ایسے خائن متولی کو مسجد کی ذمہ داری سے سبکدوش کردینا لازم ہے، اور اس کے

بعد کسی ایک فرد کو مسجد کی ذمہ داری نہ سونپی جائے؛ بلکہ اس کی ایک کمیٹی بنائی جائے جس میں مختلف خاندان کے مختلف المزاج لوگ شریک رہیں، تا کہ آئندہ کبھی ایسی نوبت نہ آنے پائے کہ مسجد کی زمین میں خیانت ہو سکے۔

فإذا تم و لزم لایملک و لا یعار ولایرهن وتحته فی الشامیة: لایکون مملوکا لصاحبه ولایملک أی لایقبل التملیک لغیره بالبیع و نحوه لاستحالة …… تملیک الخارج عن ملکه. (شامی زکریا ٦/ ٥٣٩، کراچی ٤/ ٣٥٢)

ولو کان خائنا ینزع منه و یولیه غیره سواء شرط الواقف الولایة لنفسه أو لا. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٢/ ٦٠٤، مصری قدیم ١/ ٧٥٣، وهکذا فی شامی ٦/ ٥٧٨، کراچی ٤/ ٣٨٠، بزازیه ٣/ ١٣٤، وعلی هامش الهندیة ٦/ ٢٥٣، البحر الرائق زکریا ٥/ ٤١١، کوئٹه ٥/ ٢٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۰۴/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱۱/۱۴۳۴ھ

مسجد سے دستبرداری یا منتقلی

سوال [۷۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اس پر غیر مسلم قبضہ کرنا چاہتے ہیں، مسلم اگر اس کی حفاظت کرنا چاہیں تو ان کے کافی تعداد میں شہید ہو جانے کا یقین ہے، ایسی صورت میں مسجد کی حفاظت کی جائے یا مسجد سے دستبردار ہوا جائے؟

زید کہتا ہے کہ ابن ماجہ میں حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا خون کعبہ سے بھی زیادہ قیمتی ہے، اسی طرح فقہاء کی کتابوں میں بوقت ضرورت مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے مذکورہ مسجد سے دست بردار ہونا مناسب ہے، زید کی بات شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی حفاظت تمام مسلمانوں پر فرض ہے، البتہ لڑنا جھگڑنا ہرگز جائز نہیں بلکہ سرکاری ضابطہ کے مطابق مسجد کی صیانت کے لیے حکومت کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ مبوب قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲۷)

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ . [التوبہ: ۱۸]﴾

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۵۴)

گھر کے مقابلے میں مسجد کی جماعت میں شرکت کا حکم

سوال [۷۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نسبت بزرگ ایک صاحب کے مکان میں تشریف فرما تھے، کھانے کی مصروفیت کی وجہ سے مسجد کی جماعت چھوڑ دی اور صاحب مکان کے یہاں ہی ان بزرگ نے اوران کے مریدین اور متعلقین نے جماعت کی، ایک دوساتھی مسجد میں نماز کے لیے چلے گئے، ان مسجد جانے والوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا، کہ ایک شیخ وقت عالم دین کے پیچھے نماز چھوڑ کر مسجد کی جماعت میں شریک ہوئے جبکہ جماعت تو یہاں مکان پر بھی ہوئی ہے اس سلسلے میں شرعاً فیصلہ فرمائیں، کیا طریقہ بہتر ہے؟

المستفتی: محمد اصغر سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گھر میں جماعت کرنے سے جماعت کا ثواب تو حاصل ہوجاتا ہے لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملتا، اور جن لوگوں نے گھر میں شیخ کے ساتھ نماز نہ پڑھ کر مسجد کی جماعت میں شرکت کرلی ہے وہی لوگ فضیلت کے زیادہ مستحق ہیں اور مقامی لوگوں کا

مسجد کی جماعت کو بالقصد بلا عذر ترک کر کے شیخ ہی کے ساتھ کسی کے گھر میں نماز پڑھنے کو زیادہ افضل سمجھنا جہالت اور گمراہی کا سبب ہے، کتنا بڑا شیخ اور ولی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ غیر مسجد میں نماز پڑھنے کے مقابلہ میں مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھنا بہرحال زیادہ افضل ہے۔

وإن صلى أحد فى بيته بالجماعة لم ينالوا فضل الجماعة التى تكون فى المسجد لزيادة فضيلة المسجد و تكثير جماعته و إظهار شعائر الإسلام و هكذا فى المكتوبات أى الفرائض لو صلى جماعة فى البيت على هيئة الجماعة فى المسجد نالوا فضيلة الجماعة وهى المضاعفة بسبع و عشرين درجة لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة فى المسجد، فالحاصل أن كل ما شرع فيه الجماعة فالمسجد فيه أفضل لما اشتمل عليه من شرف المكان وإظهار الشعائر و تكثير سواد المسلمين و ائتلاف قلوبهم. (كبيرى اشرفيه ديوبند ۴۰۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۴۰)

مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب کب حاصل ہوگا

سوال [۷۸۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری جگہوں کی بہ نسبت مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ۲۵؍۲۷؍گنا ہے اس سلسلے میں یہ معلوم کرنا ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے کا مذکورہ ثواب جماعت کے ساتھ پڑھنے پر ہے، یا تنہا نماز پڑھنے پر بھی ہے، اگر جماعت کے ساتھ پڑھنے کے ساتھ مقید نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ مسجد میں جماعت چھوٹنے پر لوگ مسجد سے باہر جماعت کر لیتے ہیں تو اس صورت میں مسجد میں تنہاء نماز پڑھنا بہتر ہوگا یا مسجد کے باہر جماعت سے پڑھنا بہتر ہوگا اور اگر جماعت کے ساتھ پڑھنے کے ساتھ مقید ہے تب تو ظاہر ہے کہ مسجد میں جماعت چھوٹنے پر مسجد سے باہر جماعت کر لینا بہتر ہوگا؟ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہاں پر تین صورتیں ہیں (الف) حدیث شریف میں ۲۵/ یا ۲۷/ درجہ جو ثواب مذکور ہے یہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے ساتھ خاص ہے، کہ پچیس یا ستائیس درجہ ثواب اسی وقت ملے گا جب کہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کی گئی ہو، اور جن روایات کے اندر جماعت کی فضیلت پچیس یا ستائیس درجہ بیان کی گئی ہے وہاں مسجد کی جماعت مراد ہے، اگر چہ ان روایات میں مسجد کی قید صراحت سے نہیں، لیکن ابن ماجہ کی روایت میں مسجد کی قید صراحت کے ساتھ موجود ہے، اس لیے ان روایات میں مسجد ہی کی جماعت مراد ہے۔

عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع و عشرين درجة وفی رواية: بخمس و عشرين درجة. (بخاری شریف، الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، النسخة الهندية ۱/۸۹، رقم: ٦٣٦، ف: ٦٤٥، رقم: ٦٣٧، ف: ٦٤٦)

عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله ﷺ: صلاة الرجل فی بيته بصلاة، و صلاته فی مسجد القبائل بخمس و عشرين صلاة. (ابن ماجه، الصلاة، باب ماجاء فی الصلاة، فی المسجد الجامع، النسخة الهندية ۱۰۲، دار السلام رقم: ١٤١٣، المعجم الأوسط، دار الفكر ٥/١٨٥، رقم: ٧٠٠٨)

(ب) مسجد میں جماعت چھوٹ جانے پر اگر مسجد کے علاوہ گھر وغیرہ میں جماعت سے نماز پڑھنا ہے تو مسجد میں تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں بہتر اور افضل ہے، کیونکہ دیگر مقامات میں تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، لیکن دیگر مقامات کی جماعت کی فضیلت اتنی نہیں ہے جتنی مسجد کی جماعت کی فضیلت ہے، لہٰذا اگر مسجد کی جماعت چھوٹ جائے اور مسجد کے علاوہ کسی پھاٹک یا ہال میں جماعت ہورہی ہے تو مسجد کے اندر تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں وہاں جا کر کے جماعت سے نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

والصلاة جماعة فی البيت وفی السوق أولی من الانفراد. (فتح الباری،

الأذان، بـاب فـضـل صلاة الجماعة اشرفيه ديوبند ۱۷۲/۲، تحت رقم الحديث ٦٤٧، دار الفكر ١٣٥/٢، دار الريان للتراث قاهره ١٥٩/٢)

فإن كان يفعلها في البيت في جماعة وفي المسجد منفردا كان فعلها في البيت في جماعة أولىٰ. (أعلام الساجد بأحكام المساجد ص: ٣٧٥)

(ج) مسجد کی جماعت ہو جانے کے بعد حدودِ مسجد کے اندر اہل محلّہ کے لیے جماعت ثانیہ کرنا جس طرح مکروہ ہے اسی طرح مسجد سے متصل خارج مسجد حصہ میں بھی اہل محلّہ کے لیے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ حدودِ مسجد میں جماعت ثانیہ کی کراہت کی جو علت ہے وہی علت مسجد سے متصل خارج مسجد حصہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں پائی جاتی ہے، ہاں البتہ اہل محلّہ کے علاوہ دیگر مقامات سے آنے والے مسافرین کے لیے حدودِ مسجد سے متصل خارجی حصہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، لہٰذا اگر مسجد کی جماعت چھوٹ جائے تو مسجد سے متصل خارجی حصہ میں دوسری جماعت قائم نہ کی جائے، اور ایسی جگہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے مسجد میں تنہا نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، اس لیے ایسے حالات میں اگر جماعت سے نماز پڑھنا چاہے تو مسجد سے دور کسی ایک جگہ میں جماعت سے نماز پڑھی جائے۔

وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله لأنه لايؤدي إلى تقليل الجماعة، لأن أهل المسجد ينتظرون أذان المؤذن المعروف فيحضرون حينئذ ولأن حق المسجد لم يقض بعد لأن قضاء حقه على أهله. (بدائع الصنائع زكريا ٣٨٠/١، كراچی ١٥٣/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۵۴/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۷/۸ھ

محراب سے آگے کا حصہ مسجد میں شامل نہیں

سوال [۷۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک جگہ ہے جہاں مسجد بنانے کا ارادہ ہے اور معتکفین کے لیے ایک کمرہ کا بھی انتظام ہے، جو امام کے کھڑے ہونے کی جگہ سے آگے پڑ رہا ہے تو کیا وہ مسجد کے حکم میں رہے گا، اور معتکفین اس میں قیام کرسکتے ہیں، واضح رہے کہ مذکورہ کمرہ بقیہ ایام میں امام کی رہائش کے لیے استعمال ہوگا؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محبوب الرحمٰن اعظم گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جس کمرہ کا ذکر کیا گیا ہے اور نقشہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے وہ محراب سے باہر ہے، اور محراب سے باہر کا حصہ حدود مسجد کے دائرے میں نہیں آتا، اس لیے وہ خارج مسجد میں شمار ہوگا، اور اس حصہ میں معتکف کا قیام جائز نہ ہوگا، نیز اس کمرہ کے بنانے کا مقصد بھی امام کی رہائش ہے اور اعتکاف کے لیے حدود مسجد کے اندر ہی رہنا لازم ہے۔

فهو اللبث فی المسجد مع نية الاعتكاف. (هندیه، الصوم، الباب السابع فی الاعتكاف زكريا قديم ١/٢١١، جديد ١/٢٧٤، قاضيخان ١/١٣٨، و على هامش الهندية ١/٢٢١، الدر مع الرد زكريا ٣/٤٢٩، كراچی ٢/٤٤٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/٢٠٩، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح قديم ٣٨١، دار الكتاب ديوبند ٦٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۴؍شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۶۳)	۱۴۲۱/۹/۴ھ

قبرستان کے بیچوں بیچ بنی ہوئی مسجد میں نماز کا حکم

سوال [۷۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قدیم قبرستان ہے جس میں تدفین عرصۂ دراز سے بالکل بند ہے، اور اس قبرستان کے بیچ میں ایک قدیم مسجد ہے جس کے ارد گرد پرانی پکی قبریں بھی ہیں اور اس مسجد میں

پنجوقتہ نماز باجماعت وجمعہ بھی ہوتا ہے، شرعاً ایسی مسجد میں نماز پنجگانہ ونماز جمعہ ادا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد اقبال رشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جس مسجد کا ذکر کیا گیا ہے اگر یہ مسجد ایسے قبرستان میں ہے جو شہر یا قصبہ یا بڑے گاؤں کے بیچ میں ہے یا اس کے فنا میں ہے، چھوٹے دیہات میں نہیں ہے تو اس مسجد میں نماز پنجگانہ اور جمعہ کا ادا کرنا جائز اور درست ہے اور مسجد کے قبلہ کی طرف جو قبریں ہوں ان قبروں سے متصل اگر جانب قبلہ میں جنگلہ ہو اور مسجد میں نماز پڑھتے وقت وہ قبریں بالکل سامنے ہوں تو ایسی صورت میں نماز کے وقت ان جنگلوں کو بند کردیا جائے، یا کپڑا وغیرہ ڈال دیا جائے، تو بہتر ہے۔

لاتکرہ الصلاۃ فی جھۃ قبر إلا إذا کان بین یدیہ، بحیث لو ،صلی صلاۃ الخاشعین وقع بصرہ علیہ. (شامی، الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، زکریا دیوبند ۲/ ۴۲۵، کراچی ۱/ ۶۵۴، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ۳۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۴ھ

بابری مسجد کی حفاظت کے لیے تحریک چلانا

سوال [۷۸۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بابری مسجد کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کے جو قدم اب تک اٹھے ہیں یا آئندہ اٹھائیں اور ان کو اس سے جانی و مالی نقصان ہو تو کیا از روئے شرع مطہرہ مسلمانوں کا یہ فعل درست ہوگا یا نہیں؟ اور کیا بابری مسجد کی حفاظت میں مرنے والے مسلمان شہید ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: لئیق احمد جمال نگر، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر غیر مسلموں کی طرف سے اقدام ہو اور مسلمان مدافعت کی سعی کریں اور اسی اثناء میں کوئی مسلمان مدافعت کرتے ہوئے شہید ہو جائے تو وہ شرعی طور پر شہید کہلائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۴۷۶/۵)

الشهيد من قتله المشركون. (هدايه، الصلاة، باب الشهيد اشرفي ديوبند ۱۸۳/۱)

هو كل مكلف مسلم طاهر ......قتل ظلما بغير حق الخ. (در المختار، باب الشهيد زكريا ۱۵۸/۳، ۱۵۹، كراچی ۲۴۷/۲)

اور ہندوستان جیسے ملک میں ایسا اقدام ہرگز جائز نہیں ہے کہ جس سے مسلمانوں کی جان و مال تباہ ہو جائے، بلکہ حکمت عملی سے کام لینا لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹۱/۷، جدید زکریا مطول ۴۲۱/۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۸۳/۲۶)

کیا بابری مسجد کے لیے چلائی جانے والی تحریک اسلامی ہے؟

سوال [۷۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بابری مسجد کی حفاظت کے لیے اگر کوئی تحریک چلائی جائے تو وہ اسلامی تحریک ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی تحریک جو مسلمانوں کی خونریزی اور جان ومال کی تباہی کا باعث نہ ہو بلکہ اس سے محض حکومت اور سرکار کو ظلم والی قانونیت پر بیدار کرنا مقصد ہو تو ایسی تحریک جائز اور مذہبی واسلامی تحریک کہلائی جاسکتی ہے، اور جو تحریک مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہو وہ قطعاً جائز نہیں ہے، اور اس پر ابھارنے والے سخت ترین گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

ويتقدم إلى من يؤمره أن لايحمل المسلمين على مهلكة ولايأمرهم

بـدخول مطمورة يخاف أن يقتلوا تحتها فإن فعل ذٰلک فقد أساء ويستغفر الـله تعالىٰ. (إعـلاء السـنـن، كتـاب السير، باب فرضية الجهاد و دوامه مع كل امير بر أو فاجر كوئٹه ۱۲/ ٤، دار الكتب العلمية بيروت ۱۲/ ٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۲۸۳)

بابری مسجد کی اراضی تا قیامت مسجد ہے

سوال [۷۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تقریباً ساڑھے چارسوسال پرانی بابری مسجد میں کچھ شرپسندوں نے تنازع کھڑا کیا کہ یہ مسجد دوسرے فرقہ کی عبادتگاہ توڑ کر جبراً طریقے سے ناجائز تعمیر کی گئی ہے جس پر وقف بورڈ کے مسلمانوں نے مزاحمت کی اور عدالتوں میں مقدمات اب تک زیر سماعت ہیں، تقریباً ۴۳؍سال قبل شرپسندوں نے مسجد کے اندر رات کی تاریکی میں چوری سے مورتیاں رکھ دیں، لیکن مسلمان پرامن طریقے سے قانونی چارہ جوئی کرتے رہے، تقریباً چھ سال قبل بابری مسجد کا دروازہ کھول کر شرپسندوں کو پوجا کی عام اجازت مل گئی، اس صورت میں کیا وہ مسجد رہی یا نہیں؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

اب ملک کی سب سے بڑی عدالت (سپریم کورٹ) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مرکزی حکومت کی یقین دہانیوں کے باوجود شرپسندوں نے بابری مسجد کو شہید کردیا اس صورت میں کیا مسلمانوں کا مسجد سے استحقاق ختم ہوگیا؟

مسلمانوں کا اصرار و یقین ہے کہ مسجد دوبارہ تعمیر کرکے مسلمانوں کو اس میں نماز کی مکمل آزادی دی جائے، ہندوستان کی مرکزی حکومت یا ریاستی حکومت اگر بابری مسجد کو دوبارہ تعمیر کرتی ہے تو کیا شرعی طور پر یہ جائز ہوگی یا نہیں اور مسلمانوں کا یہ مطالبہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

مسجد کی تعمیر کے لیے شرعی طور پر کیا شرائط واحکامات ہیں اس کے منبر کی سیڑھیوں کی تعداد کتنی ہو؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسجد کے اندر مورتی رکھنا کسی حال میں کسی انسان کے لیے جائز نہیں ہے، مسجد میں مورتی رکھنے والا بہت بڑا ظالم شمار ہوگا، تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ حکومت سے قانونی چارہ جوئی کرکے وہاں سے مورتی کونکلوادیں، نیز مسجد میں اگر جبراً مورتی رکھدی گئی ہے، تو مورتی اندر موجود ہونے کی وجہ سے مسجد کے مسجد ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا، مسجد اپنی جگہ تا قیامت باقی رہے گی، اگر مسلمانوں کو وہاں سے مورتی ہٹانے کی کسی طرح قوت حاصل نہ ہو تو مورتی ہوتے ہوئے بھی اس میں نماز پڑھنا بلا کسی کراہت کے جائز اور درست ہے۔

وجود نار بين المصلي و بين قبلته في الجملة و أحسن من هذا عندي أن يقال: لم يفصح المصنف في الترجمة: بكراهة و لا غيرها فيحتمل أن يكون مراده التفرقة بين من بقي ذلك بينه و بين قبلته وهو قادر على إزالته أو انحرافه عنه و بين من لايقدر على ذٰلك فلا يكره في حق الثاني. (فتح الباري، باب من صلى وقدامه تنور، دار الفكر ۱/۵۲۸، اشرفيه ۱/۶۹۵ رقم الباب ۵۱)

نیز مسجد کے شہید کردیئے جانے کے بعد مسلمانوں کو وہاں پر دوبارہ مسجد کی عمارت تعمیر کرنے کا ہمیشہ حق باقی رہتا ہے، چاہے مسلمان خود بنائیں یا حکومت کے توسط سے بنائیں، ہر حال میں بنانا جائز اور درست ہے، اور ایسی حالت میں تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ حکومت سے مسجد کی صیانت کا مطالبہ اور مانگ کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲۷)

نیز جو زمین ایک مرتبہ مسجد بن جائے وہ تا قیامت مسجد ہی کے حکم میں رہتی ہے، اس پر چاہے عمارت قائم رہے یا نہ رہے، وہاں پر مسلم آبادی موجود ہو یا ویران ہو جائے، ہر حال میں وہ زمین مسجد کے حکم میں رہتی ہے، اور سورۂ جن کی آیت ’’**وأن المساجد لله**‘‘ سے واضح ہوتا ہے کہ مسجد میں غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے، حتی الامکان وہاں سے مورتی ہٹا دینا لازم ہے، نیز اس کے بدلے میں اگر دوسری جگہ مسجد بنادی جائے تو شہید شدہ مسجد کے اوپر سے مسجد کا حکم ختم نہ ہوگا، بلکہ اس کے اوپر سے مسجد کا حکم ختم ہونے کے لیے کوئی بھی

صورت نہیں ہے، نیز کسی مسلمان کو یہ حق ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہے کہ مسجد جیسے اللہ تعالیٰ کے گھر کو یہ کہہ کر اغیار کے حوالے کردے کہ یہ مسجد ہم آپ کو دیدیتے ہیں، نیز مسجد چاہے آباد ہو یا ویران، ہر حال میں کسی مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنا جائز نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنے والے کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے۔

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا. [البقرة: ١١٤]﴾

اور سیکولر حکومت میں ہر قوم وملت کو اپنے پرسنل لاء کی حفاظت اور دفع ظلم کے لیے حکومت سے مطالبہ کرنا قانون کے خلاف نہیں ہے، اس لیے قانون کا احترام باقی رکھتے ہوئے بابری مسجد کی بازیابی اور اسی پرانی جگہ پر دوبارہ مسجد تعمیر کردینے کا مطالبہ کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے اور مسجد کے منبر میں تین سیڑھیوں کا ہونا مسنون ہے، اگر منبر نہ بھی ہو تب بھی مسجد ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۴۷۳)

ومنبره صلى الله عليه وسلم **كان ثلاث درج غير المسماة بالمستراح.** (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة مطلب: في حكم المرقى بين يدي الخطيب كراچی ۲/ ۱۶۱، زكريا ۳/ ۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍ ۷؍ ۱۴۱۳ھ

کیا مسجد کی مسجدیت کو ختم کرنے کی کوئی صورت ہے؟

سوال [۷۸۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریعت مطہرہ میں مسجد کی مسجدیت کو ختم کرنے کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہرگز نہیں ہے۔

ولو خرب ما حوله و استغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة و به يفتي. (الدر المختار مع الرد، الوقف، مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت جديد ٢/٥٩٥، قديم ١/٧٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۸۳/۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۴/۳ھ

چالیس دن نماز نہ پڑھنے یا مورتیاں نصب کرنے سے مسجدیت ختم نہیں ہوتی

سوال [۷۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بعض نام نہاد مولوی یہ کہتے ہیں کہ جس مسجد میں چالیس روز تک نماز نہ پڑھی جائے وہ مسجد ہی نہیں رہتی تو کیا ان مولویوں کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) معلوم ہوا ہے کہ بابری مسجد میں مورتیاں نصب کردی گئی ہیں تو ایسی صورت میں وہ مسجد رہی ہے یا نہیں؟

المستفتی: لئیق احمد جمال نگر، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) ہرگز درست نہیں، بلکہ ایک دفعہ مسجد بن جاتی ہے تو تاقیامت مسجد ہی رہتی ہے اگرچہ اس میں نماز بھی نہ ہوتی ہو اس کا احترام عام مسجد کی طرح لازم ہے۔

ولو خرب ما حوله و استغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبدا إلى قيام الساعة و به يفتي. (الدر المختار مع الرد، الوقف، مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت جديد ٢/٥٩٥، قديم ١/٧٤٨، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٥١، زكريا

۵/ ۴۲۱، تاتارخانیة زکریا ۸/ ۱۶۴، رقم: ۱۱۵۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۴/۲ھ

واقف نے اگر وقف کے وقت نیچے دوکان وغیرہ کی نیت کی اوراوپر مسجد بنانے کی تو یہ درست ہے؟

سوال [۷۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلّہ یوسف چوک ٹانڈہ بادلی ضلع رامپور میں ایک خالی زمین پڑی ہوئی تھی، جس کی لمبائی تقریباً چالیس فٹ اور چوڑائی انیس فٹ ہے، اس زمین کے مالک محمد شمشاد (جوکہ شہر میرٹھ میں رہتے ہیں) نے یہ زمین مسجد کے نام وقف کردی ہے اس مسجد کا نام تاج مسجد رکھا گیا ہے، جس کا سنگ بنیاد یکم ستمبر ۸۹ء بروز جمعہ کو جناب مولانا محمد نسیم صاحب شیخ الحدیث مدرسہ جامع الہدیٰ کے دست مبارک سے رکھا گیا، جس کی تعمیر معمار کررہے تھے، کہ اچانک خیال پیدا ہوا اور محلّہ والوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ مسجد کے نیچے کچھ دوکانیں اور ایک گودام اور غسل خانہ اور وضوخانہ اور باقی سبھی ضرورت کی چیزیں بنادی جائیں اور اوپر مسجد تعمیر کردی جائے، یہ اس لیے سوچا گیا کہ موجودہ جگہ مسجد کی ضروریات کے لیے ناکافی ہے، کیونکہ سارا کام نیچے والے حصہ میں ہوجائے گا، اوپر والے حصہ میں صفوں میں اضافہ ہوجائیگا، جس سے کافی لوگ نماز پڑھ سکیں گے، اوپر جس معمار کا ذکر کیا گیا وہ بیچ سے ہی کام چھوڑ کر چلا گیا، کیونکہ وہ اپنی مرضی سے کام کرنا چاہتا تھا، اب معمار رامپور شہر سے بلایا گیا ہے وہی تعمیر کا کام کررہا ہے، اب کچھ لوگ اعتراض کررہے ہیں کہ آپ لوگ دوکانیں مسجد کے نیچے کیوں نکال رہے ہیں، یہ غلط ہے، اور مسجد نیچے ہی بنی چاہیے، جبکہ مسجد کے اوپر والے اثار مسجد کی بنیاد پر ہی رکھی گئی ہے، جوکہ مسجد کی اصل بنیاد ہے، کام ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ پایا ہے لہٰذا آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اس مقدمہ پر کافی غور وخوض کرکے اس مسئلہ کے صحیح حل سے مستفید فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کے لیے وقف کرنے والے شمشاد احمد نے نیچے دوکانیں اوراوپر مسجد بنانے کی اجازت دی ہے تو ابتدائی تعمیر میں فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے،اوراگر واقف کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہے تو صرف مسجد بنانا لازم ہوگا ،دوکانیں وغیرہ بنانا جائز نہیں ہوگا، نیز فقہاء نے مسجد کی آمدنی کے لیے دوکان بنانے کی تو اجازت دی ہے لیکن غسل خانہ و پیشاب خانہ، وضو خانہ کی اجازت نہیں دی ہے، نیز جو دوکانیں کرایہ پر دی جائیں ان کو ایک کرایہ دارکو مستقل طور پر کرایہ دار بنا کر دیدینا جائز نہیں ہے،اس میں مسجد کا نقصان ہوتا ہے اس لیے فقہاء نے ہرسال کرایہ دار کو بدلنے کولازم قرار دیا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۲۰، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۲۷، امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۸۹)

قال أبو جعفر: الفتویٰ علی إبطال الإجارة طویلة و معقود وتحته إنا نبطلها صیانة للوقف علی الفقراء والمساکین أکثر من سنة لایجوز. (عقود رسم المفتی قدیم ص: ۹۶)

لو جعل تحته حانوتا و جعل وقفا علی المسجد قیل لا یستحب ذلک ولکنه لو جعل فی الابتداء هکذا صار مسجدا وماتحته وقفا علیه ویجوز المسجد والوقف الذی تحته ولو أنه بنی المسجد أولا ثم أراد أن یجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل الخ. (حاشیة چلپي علی الزیلعی، کتاب الوقف، فصل ومن بنی مسجدا لم یزل ملکه ،امدادیه ملتان ۳/ ۳۳۰، زکریا ٤/ ۲۷۱)

وأما مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، کتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة، زکریا ٦/ ٦٦٥، کراچی ٤/ ٤٤٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۵/ ۱۷۴۵)

کیا مسجد میں مالکانہ تصرف کا حق ہے؟

سوال [۷۸۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مسجد گھیر ملا ملوک کی جنوبی دیوار بارہ فٹ اونچی اور چار فٹ چوڑی ہے، اس دیوار میں سے ۸؍فٹ اونچی اور تین فٹ چوڑی ڈاٹ نکال کر ایک دوکان بنائی ہے، اس دیوار کے اوپری حصہ کو بالکل نہیں چھیڑا گیا ہے، اور نہ ہی مسجد کی چہاردیواری میں کوئی تصرف کیا گیا ہے، صرف سڑک کی جانب سے یہ ڈاٹ نکال کر اور دیوار کے ساتھ افتادہ زمین پر یہ دوکان تعمیر کی گئی ہے تاکہ مسجد کے مصارف میں کام آسکے، کیا شرعی طور پر ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: خالد حسین رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں تعمیر چونکہ مسجد کے کسی حصہ یا دیوار پر نہیں کئی گی ہے بلکہ بارہ فٹ اونچی اور چار فٹ چوڑی دیوار میں سے آٹھ فٹ چوڑی ڈاٹ نکال کر یہ تعمیر کی گئی ہے اس لیے یہ ’’درالمختار کتاب الوقف جزء ثانی کے اس مسئلہ کے تحت نہیں آتی...... ’’أما لو تمت المسجدیة ثم أراد البناء منع علیه ولو علی جدار المسجد‘‘۔

نیز مسئلۂ مذکورہ میں مسجد کی چھت یا دیوار پر عمارت بنانے کی اس وجہ سے ممانعت کی گئی ہے کہ اس سے مسجد کی عظمت واحترام میں کمی آتی ہے، اور صورت مسئولہ کی تعمیر سے مسجد کی عظمت وتوقیر میں کوئی کمی نہیں آتی ہے، نیز مسجد کی دیواروں کو مسجد نہیں کہتے ہیں، جیسا کہ ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں صفحہ ۴۴۱ پر تحریر کیا ہے:

والمسجد لغة محل السجود و شرعاً المحل الموقوف للصلاة فیه.

لہٰذا مسجد کی زمین سے کچھ حصہ لے کر دوکان یا مکان بنانا جائز نہیں ہے، لیکن مسجد کی دیوار سے کچھ حصہ لے کر جس سے مسجد کی عظمت وحرمت مجروح نہ ہو مسجد کے مصالح اور آمدنی کے لیے تعمیر کرنا جائز ہے، خصوصاً مسجد کے وسائل کی کمی ومصارف کی پیشی وگرانی کے دور کو مدنظر رکھتے ہوئے لیکن تعمیر اہل محلّہ کے اتفاق واتحاد سے ہونا چاہیے۔

عبدالہدیٰ خان عفی عنہ امام مسجد مسٹن گنج رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجدیت کامل ہوجانے کے بعد دیوار مسجد میں

بھی واقف یا غیر کے لیے دوسرے تصرفات جائز نہیں ہیں، چاہے منافع مسجد کے لیے کیوں نہ ہوں، کیونکہ یہ احترام مسجد کے خلاف ہے، جولوگ دیوارِ مسجد میں دیگر تصرفات کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے، نیز جتنی چوڑی دیوار ہے مکمل مسجد ہی کی دیوار کہلائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۵۰۱، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۶۷)

وإن كـان حين بناه خلى بينه و بين الناس ثم جاء بعد ذلك يبنى لايتركه و فـى جـامع الفتاوىٰ: إذا قال: عنيت ذلك فإنه لايصدق فإذا كان هذا فى الواقف فـكيف بـغيره فمن بنى بيتا على جدار المسجد وجب هدمه ولايجوز أخذ الأجرة الخ. (البحر الرائق كتاب الوقف، فصل فى أحكام المسجد زكريا ٥/ ٤٢١، كوئٹه ٥/ ٢٥١)

ولايـوضـع الـجـذع عـلى جدار المسجد و لو كان من أوقافه. (البحر الـرائـق، فصل فى أحكام المسجد، زكريا ٥/٩ ٤١، كوئٹه ٥/ ٢٥٠، هكذا فى الدر المنتقى ١/ ٧٥٥، شـامـى، كتـاب الـوقف، مـطـلـب فى أحكام المسجد كوئٹه ٣/٦ ٤٠، كراچى ٤/ ٣٥٨، زكريا ٦/ ٥٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ رشعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۵۷)

کسی شخص کا اپنی مسجد میں آنے سے روکنا اور اس میں نماز جمعہ وعیدین کا حکم

ســــوال [۷۸۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنی مسجد میں کسی شخص کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے، اور شدت اختیار کرتا ہے، علماء امت کے نزدیک اس مسجد میں جمعہ وعیدین کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کا یہ فعل کیسا ہے؟ جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

نوٹ: زید مسجد کا متولی ہے۔

المستفتی: محمد فاروق مظاہری نور پور ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد اگر وقف کی زمین پر وقف شدہ ہے تو جمعہ و عیدین و پنجگانہ جائز ہے، البتہ ایسے نمازیوں کو روکنا جو فتنہ وفساد کا باعث نہ ہوں سخت حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

﴿**وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهُ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا.** [البقرۃ: ١١٤] ﴾

ہاں مسجد میں فتنہ وفساد اور نمازیوں کو ایذا پہنچانے والوں کو روکنا جائز ہے، بشرطیکہ روکنے والا ایسا شخص ہو جس کا روکنا فساد میں زیادتی کا باعث نہ ہو۔

ویمنع منه وکذا کل مؤذ ولو بلسانه، وفی الشامی: وکل من آذی الناس بلسانه وبه یفتی. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ ومایکرہ فیها، مطلب: فی الفرس فی المسجد، کراچی ١/٦٦١، ٦٦٢، زکریا ٢/٤٣٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣/ ذی قعدہ ١٤٠٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٤/ ٩٥٨)

مسجد کو اپنی جاگیر سمجھنا

سوال [٧٨٥٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد کی بارہ بیگھہ زمین ''ملک'' نام تھی، نواب رامپور کی طرف سے آزادی ہونے پر وہ زمین فخر الدین کے نام گورنمنٹ کی طرف سے ہوگئی، وہ کچھ دنوں امام بھی رہے اس کے بعد انہوں نے وہ زمین فروخت کردی اس وقت وہ مسجد کچی تھی، مسجد کے نمازیوں میں حاجی عبد الشکور صاحب بھی تھے، ان کا کاروبار فیل تھا، ایک دن انہوں نے فجر کی نماز کے بعد یہ دعا کی کہ اگر میرا کاروبار صحیح چل پڑے تو میں یہ مسجد پکی بنوادوں گا، اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور انہوں نے حسب وعدہ مسجد پختہ بنوادی، اس کے بعد حاجی عبد الشکور صاحب اور

ان کے لڑکے نے لوگوں سے کہا کہ ہم سے مسجد کی جو خدمت ہوسکی ہم نے کی اب آپ لوگ بھی اس مسجد کا تعاون کریں تو اسی وقت سے نمازی لوگ چندہ سے اس کی مرمت کرار ہے ہیں، اور لگ بھگ تیس سال سے چندہ سے مسجد کا کام چل رہا ہے۔

اب حاجی عبدالشکور کے لڑکے عبدالحمید صاحب کہتے ہیں کہ میں جو چاہوں گا وہ ہوگا جس کو چاہوں گا رکھوں گا تو کیا باعتبار شرع ان کو یہ حق حاصل ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حاجی عبدالشکور صاحب یا ان کے لڑکے عبدالحمید صاحب کو اپنے پیسے یا لوگوں کے چندہ سے مسجد کو پختہ بنا دینے سے شرعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جو چاہیں کریں، اور جس کو چاہیں رکھیں اور جس کو چاہیں نہ رکھیں، کیونکہ اس طرح بنا دینے سے وہ مسجد کے مالک نہیں ہو سکتے، مسجد تو اللہ کی ملکیت میں ہوتی ہے اس کا کوئی بھی مالک نہیں ہوتا، اور امور مسجد مسجد کی کمیٹی کے مشورہ سے طے کرنا ضروری ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۳۱، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۴۳، ۴۴، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۹۴، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۳۶۸)

﴿ وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا. [الجن: ۱۸] ﴾

وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجه تعود منفعته إلى العباد فيلزم ولايباع ولايوهب ولايورث كذا في الهداية. (فتاویٰ عالمگیری، كتاب الوقف، الباب الاول، زكريا قديم ٢/ ٣٥٠، جديد ٢/ ٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۷۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۱۰ھ

واقف کے ورثاء کا یہ دعویٰ کرنا کہ مسجد ہمارے باپ دادا کی ملکیت ہے

سوال [۷۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالکریم نامی ایک شخص نے ۱۹۰۸ میں اپنی زمین میں ایک مسجد تعمیر کی اور اس کو وقف

کر دیا، ١٩٥٩ء میں باجازت متولی حوض کی تعمیر عمومی چندہ سے ہوئی، ١٩٦٢ء میں برآمدہ کی تعمیر بھی عمومی چندہ سے ہوئی، چالیس سال کے بعد ٢٠٠٣ء میں مسجد کی کمیٹی تشکیل دی گئی متولی صاحب نے کمیٹی کو ٨٠٠٧ روپئے کا مسجد کو مقروض بتایا، قرضہ کی ادائیگی کمیٹی نے مسجد کی موقوفہ جائیداد کی آمدنی سے کردی، مسجد کی دیگر ضروریات مثلاً مؤذن کی تنخواہ وغیرہ نماز جمعہ سے قبل عمومی چندہ سے پوری ہوتی ہیں، کمیٹی کے لوگ حضرات مصلین کی پریشانی کی وجہ سے مسجد کی تعمیر کرانا چاہتے ہیں، متولی صاحب یہ کہتے ہیں کہ مسجد ہمارے باپ دادا کی ملکیت ہے اس میں کسی کو مداخلت کا حق نہیں ہے، تو کیا متولی صاحب کا مسجد کو اپنی ملکیت قرار دینا صحیح ہے؟ یا اپنی ملکیت بتا کر مسجد کی تعمیر کو روکنا جائز ہے؟ جبکہ نمازیوں کو پریشانی ہو رہی ہے، ایسی صورت میں مسجد کے اخراجات کی ذمہ داری متولی صاحب کی ہے؟ یا کمیٹی ذمہ دار ہے؟ کمیٹی کو متولی صاحب کے سامنے حساب پیش کرنا ضروری ہے یا نمازیوں کے سامنے حساب پیش کیا جائیگا، جبکہ کمیٹی نے ٩/ سال کی مدت میں پوری دیانتداری وذمہ داری سے کام کیا ہے، اور موقوفہ زمین میں دس دوکانیں بھی تعمیر کرائی ہیں، مسجد کے اخراجات بحسن وخوبی پورے ہوئے ہیں، فی الحال خاصی رقم بھی موجود ہے، ایسی صورت میں متولی اور کمیٹی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ وضاحت سے جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتی: حاجی محمد عرفان خزانچی موتی مسجد ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب واقف نے زمین مسجد کے لیے وقف کردی اور اس پر مسجد تعمیر ہو کر نماز شروع ہوگئی تو اس کے وقف کی تکمیل ہو چکی اور وقف کی تکمیل کے بعد واقف کی ملکیت کسی طرح باقی نہیں رہتی، اور واقف اور اس کے ورثاء کا اس میں کسی طرح کا مالکانہ اختیار باقی نہیں رہتا، لہٰذا بعد میں کسی بھی زمانہ میں بھی واقف کے وارثین میں سے کسی کا اس طرح دعویٰ کرنا کہ مسجد ہمارے باپ دادا کی ملکیت ہے، اس میں کسی کو مداخلت کرنے کا حق نہیں ہے، یہ درست نہیں ہے، ایسا دعویٰ باطل ہے، اگر واقف کے وارثین میں سے کوئی اس کی تولیت کا حق صحیح طور پر ادا نہیں کرتا ہے، تو مسجد کی کمیٹی کے لیے، مسجد کی ترقی

اور منافع کا کام کرنا جائز ہے، اور مسجد کا حساب وکتاب متولی کے سامنے بھی پیش کرنا چاہیے، اور نمازیوں کے سامنے بھی پیش کرنا چاہیے، تاکہ حساب وکتاب میں کسی قسم کا اشکال نہ رہے، اور مسجد کی توسیع اور تعمیر میں ہر مسلمان کو تعاون کرنا چاہیے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاری، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

إن الوقف لم يبق على ملك الواقف و لا انتقل إلى ملك غيره بل صار على حكم ملك الله تعالىٰ الذى لا ملك فيه لأحد سواه و إلا فالكل ملك لله تعالىٰ و استحسن فى الفتح قول مالك رحمة الله: أنه حبس العين على ملك الواقف فلايزول عنه ملكه لكن لايباع ولايورث ولايوهب مثل أم الولد والمدبر. (شامى، كتاب الوقف كراچى ٤/٣٣٨، ٣٣٩، زكريا ٦/٥٢٠، ٥٢١)

ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولايورث عنه. (الهداية ٤/٤١١، كراچى پاكستان مكتبه بشرىٰ ٢/٦٣٧، اشرفيه ديوبند، هنديه زكريا قديم ٢/٣٥٠، جديد ٢/٣٤٦، تاتارخانية زكريا ٨/٣/رقم: ١١٠٥٦)

ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع ولايورث عنه يعنى بعد صحته بشرطه. (فتح القدير، فصل و اذا بنى مسجداً لم يزل ملكه، دار الفكر بيروت ٦/٢٣٥، زكريا ٦/٢١٨، كوئٹه ٥/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۳۸)	۱۴۳۳/۱۱/۱۹ھ

فتنہ برپا کرنے والے کو مسجد سے روک دیا جائے تو کیا اس میں جمعہ پڑھنا صحیح ہے؟

سوال [٧٨٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے چار سال ایک مسجد میں امامت کی، اب امامت چھوڑ کر بینک میں ملازمت اختیار کرلی، مسجد مذکور میں زید کے چھوڑنے کے بعد بکر کو امام رکھ لیا گیا، ایک روز زید (امام اول) مسجد کے حجرے میں بکر (امام ثانی) کے پاس آکر بیٹھ گیا، زید کو مسجد کے حجرہ میں دیکھ کر مسجد کی کمیٹی کے صدر نے زید سے کہا، آپ جب یہاں سے چلے گئے تو مسجد کے حجرے میں آپ کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، جب بھی آپ مسجد میں آئیں، نماز پڑھ کر چلے جایا کریں یا جس سے بھی کوئی بات کرنی ہو مسجد ہی میں کریں مگر مسجد کے حجرے میں داخل نہ ہوں، اس بات پر زید نے مسجد کی کمیٹی کے صدر کو بے تحاشہ گالیاں دیں، بلکہ مار پیٹ کا ارادہ کرلیا، لیکن صدر صاحب خاموش ہو گئے، اور زید نے یہ دھمکی دی کہ میں پھر سے پہلی تاریخ سے بینک کی ملازمت چھوڑ کر یہاں پر آؤں گا، اور نماز پڑھاؤں گا، اور مسجد کے حجرے کا تالا توڑ دوں گا، میں دیکھتا ہوں کہ مجھ کو کون روکتا ہے، زید سے بھی سب لوگ ڈرتے ہیں، کیونکہ بدمعاش لوگوں کے ساتھ رہتا ہے، داڑھی بھی کٹاتا ہے، لباس وغیرہ خلاف شرع استعمال کرتا ہے، اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زید آکر امام ثانی بکر سے مار پیٹ کرے اور حجرے کا تالا توڑ دے اور مسجد میں فساد ہو جائے، پولیس میں اطلاع دے کر زید کو بذریعہ پولیس مسجد میں آنے سے منع کر دیا گیا، گورنمنٹ کالونی میں مسجد ہے، اگر مسجد میں ذرا بھی فساد ہوا تو گورنمنٹ مسجد کو بند کرسکتی ہے، آپ یہ تحریر فرمائیں کہ مسجد مذکور میں جمعہ کی نماز پڑھی جائے تو نماز جمعہ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر جی ابن شیخ ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور آئندہ واقعی

زید سے مسجد میں فتنہ وفساد کا خطرہ ہے، اور مسجد ومصلیوں کو فتنہ وفساد سے محفوظ رکھنے کی غرض سے زید پر مسجد میں آنے سے پابندی لگادی گئی ہے تو جب تک فتنہ کا خطرہ باقی رہے گا اس وقت تک کے لیے پابندی جائز رہے گی اوراذن عام کے خلاف نہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ مسجد میں بلا کراہت جمعہ ونماز پنج گانہ درست ہوگی، اور جب زید سے فتنہ کا خطرہ نہ رہیگا تو پابندی ختم کردینی لازم ہوگی۔

و الذی یضر إنما هو منع المصلین لا منع العدو. (شامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب: فی قول الخطیب، قال الله تعالیٰ: اعوذ بالله من الشیطان الرجیم کراچی ١٥٢/٢، زکریا ٢٥/٣، منحة الخالق علی البحر الرائق کوئٹہ ١٥١/٢، زکریا ٢٦٤/٢، مجمع الأنهر قدیم ١٦٦/١، جدید دار الکتب العلمیة بیروت ٢٤٦/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١؍ ربیع الثانی ١٤٠٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٤/١١٩٦)

بے پردگی اور دیگر منکرات سے بچنے کے لیے مسجد کا دروازہ اور کھڑکی بند کرنا

سوال [٧٨٥٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں دیوار قبلہ میں ایک دروازہ اور چند کھڑکیاں لگائی گئی ہیں مگر اس دروازہ اور کھڑکیوں سے جو کہ لب سڑک ہیں، آنے جانے والے اور گذرنے والے لوگ دکھائی دیتے ہیں، جس سے نمازیوں کے خشوع وخضوع میں فرق پڑتا ہے، اور اس دروازہ سے کئی بار مسجد کا سامان بھی چوری ہو چکا ہے، یہ دروازہ وغیرہ ایک دو آدمیوں نے اپنے مکان کے قریب ہونے کی وجہ سے اپنی سہولت کے لیے کھولا تھا، جبکہ تمام نمازی مسجد کے اصل دو دروازوں سے ہی آتے ہیں، جو بڑے دروازے ہیں ان دروازوں اور کھڑکیوں سے عورتوں کی بے پردگی بھی ہوتی ہے، جو باعث نزاع ہے، فی الحال ان کوتالا لگادیا گیا ہے، اور فتنہ کو بند کرنے کے لیے ان کو بند کرنا ہی بہتر بلکہ ضروری ہے، لہٰذا از روئے شرع کیا حکم ہے؟ کیا ایسی صورت میں دو آدمیوں کی

ضرورت کی وجہ سے بند دروازہ کھولنا جائز ہے یا بند رکھنا ضروری ہے؟

المستفتی: تسلیم احمد کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جبکہ مسجد کو اس دروازہ کی ضرورت نہیں ہے اور اس دروازہ کی وجہ سے مسجد اور اس کا سامان غیر محفوظ ہے، نیز اس دروازہ اور کھڑکیوں سے عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے اور دیگر مصلی حضرات بھی اس پر رضامند نہیں ہیں تو ایسی صورت میں ان مختلف وجوہ کی بنا پر اہل محلّہ کے لیے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اس دروازہ اور کھڑکیوں کو بند کردیں، تاکہ مسجد اور اس کے سامان کی بھی حفاظت ہوسکے اور نزاع وغیرہ کا بھی امکان باقی نہ رہے، اور نمازیوں کے خشوع وخضوع میں بھی کسی طرح کا فرق نہ آئے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ٥٩٥، امداد المفتیین ٧٩٣، فتاویٰ محمودیہ قدیم ١٥/ ٢٠٩، جدید ڈابھیل ١٤/ ٥٥٦)

وکره غلق باب المسجد إلا لخوف علی متاعه به یفتی (در مختار) وفی الشامیة: لأن المدار علی خوف الضرر. (شامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، مطلب فی أحکام المسجد، کراچی ١/ ٦٥٦، زکریا ٢/ ٤٢٨، البحر الرائق کوئٹه ٢/ ٣٣، زکریا ٢/ ٥٩، فتح القدیر مع الکفایة، دار الفکر بیروت ١/ ٤٢١، زکریا ١/ ٤٣٥، کوئٹه ١/ ٣٦٧، هندیه زکریا قدیم ١/ ١٠٩، جدید ١/ ١٦٨)

کره مرور مار فی الصحراء و فی مسجد کبیر بموضع سجوده فی الأصح أو مروره بین یدیه إلی حائط القبلة فی بیت و مسجد صغیر. (شامی، مطلب إذا قرأ قوله تعالیٰ جدك الخ، زکریا ٢/ ٣٩٨، کراچی ١/ ٦٣٤، فتح القدیر، دار الفکر بیروت ١/ ٤٠٦، کوئٹه ١/ ٣٥٤، زکریا ١/ ٤١٦، طحطاوی قدیم ١٨٨، جدید دار الکتاب دیوبند ٣٤٢، البحر الرائق کوئٹه ٢/ ١٧، زکریا ٢/ ٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٧/ جمادی الثانیہ ١٤٢٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٧٢٥٤)

ہال کو عارضی طور پر مسجد بنانا

سوال [۷۸۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جگہ کافی بڑی آبادی ہے ماشاء اللہ تین مسجدیں ہیں، اور مدرسہ بھی ہے، جس میں مقامی طلبہ کی کثیر تعداد کے ساتھ ساتھ بیرونی طلبہ بھی مقیم رہتے ہیں، ایسی آبادی میں ایک کالونی کے نام سے کافی بڑی آبادی ہے وہاں پر کئی سال سے مسجد کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے، کئی مرتبہ لوگوں کا ارادہ ہوا لیکن کچھ برادران وطن کا ذہنی تعصب، فرقہ واریت اور سیاست آڑے آگئی، اور مسلمان حضرات کثیر تعداد کے باوجود کامیاب نہ ہوسکے، اتفاق سے ایک عالم ایک شیخ کامل کے مجاز ہیں، انہوں نے اسی کالونی میں ایک جگہ خرید لی، جو ان کی ذاتی ہے اور اپنے صرفہ سے انہوں نے ہال کی شکل میں اس کو تعمیر کرادیا، اور نل بیت الخلاء ، وضوخانہ وغیرہ سب انہوں نے اپنے ذاتی صرفہ سے تیار کرادیا ہے اور ان کا مقصد اس جگہ میں صبح آٹھ بجے سے ایک بجے تک بڑی لڑکیوں کے لیے دینی تعلیم (ضمناً عصری تعلیم) کا بھی نظم کرنا (چنانچہ الحمد للہ اسی کالونی کی تقریباً ۳۵ رلڑکیاں پردہ کے ساتھ آکر قرآن پاک وغیرہ پڑھ رہی ہیں) پڑھانے والیاں بھی ماشاء اللہ عالمہ فاضلہ ہیں بالکل اسی جگہ کے برابر میں ساکنہ ہیں باقی وقت میں از ظہر تا عصر یا از مغرب تا عشاء تعلیم بالغان کا ارادہ ہے، اور از عصر تا مغرب مجلس ذکر و وعظ (خانقاہی نظام) ان عالم صاحب نے اپنی اس ذاتی جگہ کا نام خانقاہ رکھا ہے، مساجد کے زیادہ دور ہونے کی وجہ سے کالونی کے لوگوں کی خواہش ہے کہ ہم اس خانقاہ میں اذان پڑھ کر پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرلیا کریں، عالم صاحب کا کہنا ہے کہ جب تک اللہ کرے باقاعدہ مسجد کا انتظام ہو عارضی طور سے اس ہال کو مسجد بنالیں مجھے تو کوئی اشکال نہیں ہے شرعی اجازت ضروری ہے، شرعاً بتلایا جائے کہ اس ہال کو عارضی طور پر مسجد بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ یہ عالم صاحب یہاں سے تقریباً ایک کلو میٹر دور مدرسہ میں مدرس ہیں اور وہیں پر مدرسہ میں ہی ان کی اور ان کے بچوں کی رہائش ہے؟

المستفتی: محمد زید علی ڈھکہ جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کسی بھی جگہ بلا کراہت درست ہو جاتی ہے، مذکورہ ہال میں بھی نماز درست ہو جائے گی، لیکن مسجد شرعی کا ثواب نہیں ملے گا، اور مسجد شرعی کا ثواب ملنے کے لیے اس جگہ کا خالصتاً اللہ کے لیے وقف ہو جانا لازم ہے اور حق العبد کا مکمل طور پر منقطع ہو جانا لازم ہے، اس لیے اس وقت تک مسجد کا ثواب نہیں ملے گا جب تک اس جگہ کا مالک کلی طور پر باضابطہ مسجد کے لیے اس کو وقف نہیں کرے گا۔

﴿ وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا. [الجن: ١٨] ﴾

حاصله إن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله و علوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ "وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ تَعَالىٰ". (البحر الرائق، الوقف، فصل في أحكام المسجد، كوئٹه ٥/ ٢٥١، زكريا ٥/ ٤٢١، شامي زكريا ٦/ ٥٤٧، كراچی ٤/ ٣٥٨)

والمسجد خالص للّٰه سبحانه ليس لأحد فيه حق، قال الله تعالىٰ: وَ أَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ الخ. (فتح القدير، زكريا ٦/ ٢١٨، كوئٹه ٥/ ٤٤٤، دار الفكر ٦/ ٢٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ رصفر المظفر ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/ ١٠٩٦٣)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٦/٢/ ١٤٣٤ھ

کسی ہال میں باجماعت نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملتا

سوال [٧٨٥٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوسو گز کے قریب جگہ میں ایک بڑی عمارت ہے جس میں اوپر والا حصہ رہائش گاہ ہے، صاحب مکان نے اوپر والے حصے کو ایک شخص کو کرایہ پر دے رکھا ہے، جو مع بیوی بچوں کے رہتا ہے لیکن نیچے والا حصہ جو ایک ہال کی شکل میں ہے وہ خالی ہے، عرصہ دس سال

ہواان کی مجلس لگتی ہے اور پھر دو تین روز کے بعد وہ چلے جاتے ہیں، اس پس منظر میں صاحب مکان نے اس ہال میں پنج وقتہ نماز پڑھنی شروع کی جس کے لیے وہ مستقل امام بھی رکھے ہوئے ہیں جس میں پانچوں وقت اذان اور با جماعت نماز ہوتی ہے، سوائے جمعہ کے اور وہ آج خانقاہ کے نام سے مشہور ہے، اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) اس جگہ نماز پڑھنے سے دیگر مسجدوں میں نماز کے برابر ثواب ملے گا یا نہیں؟

(۲) صاحب مکان اگر کبھی اس جگہ سے نماز کا سلسلہ ختم کر کے جگہ اور مکان کو اپنے استعمال میں لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شفیق الرحمٰن، مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جس ہال کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہال شرعی مسجد نہیں ہے، اور نہ ہی مسجد کے لیے وقف ہے، اور اس میں مسجد کا ثواب بھی نہیں ملے گا، بلکہ عارضی عبادت خانہ ہے اور اس قسم کے عارضی عبادت خانے بڑے بڑے کارخانوں اور مسلم فیکٹریوں میں بھی ہوتے ہیں، سب لوگ وہاں اکٹھے ہو کر باجماعت نماز پڑھتے ہیں، اور بعض جگہ امام ومؤذن بھی متعین ہوتے ہیں اس کی وجہ سے نماز کی جگہ شرعی مسجد نہیں بنتی ہے، وہ بدستور مالک کی ملکیت ہوتی ہے اس میں مالک کو پورا اختیار رہتا ہے جس طرح چاہے تصرف کرے، چاہے اس کو بیچ دے۔

وإن أمرهم بالصلاة شهرا أو سنة ثم مات يورث لأنه لابد من التأبيد والتوقيت ينافيه و مقتضى هذا أن لا يصير مسجدا فيما إذا أطلق. (فتح القدير، الوقف فصل في أحكام المساجد، زكريا ٦/٢١٨، دار الفكر ٦/٢٣٥، كوئٹه ٥/٤٤٥، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٤٨، زكريا ٥/٤١٦، النهر الفائق دار الكتب العلمية ٣/٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۸۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۱۱ھ

سہ منزلہ عمارت کے مالک کا دوسری منزل کو مسجد کے لیے وقف کرنا

سوال [٧٨٦٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سہ منزلہ ایک عمارت ہے اس کا مالک دوسری منزل کو مسجد کے لیے وقف کردے تو یہ وقف صحیح ہے یا نہیں؟ اور مسجد مسجد شرعی کہلائے گی کہ نہیں؟

المستفتی: عبدالقادر دیوبندی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ نے فقہی جزئیات کو سامنے رکھ کر کافی طویل بحثیں کی ہیں ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس طرح کی متعدد منزلوں والی عمارت میں سے کسی ایک منزل کی عمارت کو مسجد شرعی کے لیے وقف کردیا جائے تو اوپر اور نیچے کی منزلوں کو بھی مسجد کی ملکیت کے لیے دینا لازم ہے، اور انسان کی ملکیت کے حق کو پوری طرح ختم کرنا ضروری ہے، بدوں اس کے کوئی بھی منزل مسجد شرعی نہیں بن سکتی، لہٰذا مذکورہ صورت کہ صرف دوسری منزل کو مسجد شرعی کے لیے وقف کرکے اوپر اور نیچے کی منزل کو مالک کا اپنی ملکیت میں رکھنا یہ جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اوپر نیچے کی منزل کو بھی مسجد کی ملکیت میں دیدے، اور مسجد ان منزلوں کو کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی اپنی ضروریات میں صرف کرے، اور اپنے متعلقہ اخراجات پورے کرے تو شرعاً یہ صورت جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ٦٨٣/٢-٦٨٥)

ومن جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بيت -إلى قوله- ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز، قال ابن الهمام: إذا كان السرداب أو العلو موقوفا لصاحب المسجد فإنه يجوز، إذ لا ملك فيه لأحد، بل هو من تتميم مصالح المسجد. (فتح القدير، كتاب الوقف فصل و إذا بنى مسجدا، دار الفكر ٢٣٤/٦، کوئٹه ٣٤٤/٥، زكريا ٢١٨/٦)

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه أى المسجد جاز كمسجد القدس، قال

ابن عابدين الشامي تحته: و به صرح في الإسعاف فقال: و إذا كان السرداب أو العلولمصالح المسجد أو كانا وقفا عليه صار مسجدا. (شامی ، مطلب: فی أحکام المسجد زکریا ٦/٥٤٧، کراچی ٤/٣٥٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/٢٠٢، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٤، قدیم ١/٧٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۴۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۳/۱۴۳۱ھ

مدرسہ کی دیوار پر لینٹر ڈال کر نماز پڑھنا

سوال [۷۸۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مدرسہ تعمیر شدہ ہے لہٰذا مدرسہ کی متصل آراضی کو تعمیر نو مسجد کے لیے خرید لیا گیا ہے چہ جائیکہ مسجد کو از سر نو تعمیر کیا جاتا، تعمیر کرتے وقت مدرسہ کی تین گز لمبی دیوار پر مسجد کی دیوار تعمیر کرائی گئی ہے اور اس پر لینٹر ڈال دیا گیا ہے، اب ایسی حالت میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) کچھ حضرات نے مسجد میں نماز پڑھنے سے اعتراض کیا تو مسجد کے ذمہ داروں نے مدرسہ کو پندرہ ہزار روپئے اس دیوار کی قیمت ادا کردی، لہٰذا رقم دینے کے بعد نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد شیر کوٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد نے مدرسہ کی جو زمین اپنے حدود میں دورانِ تعمیر داخل کر لی ہے وہ ذمہ دارانِ مدرسہ کی اجازت کے بغیر یا اس کی قیمت ادا کیے بغیر جائز نہیں تھا، لیکن جب بعد میں مسجد نے اس زمین کی قیمت ادا کردی ہے تو وہ زمین مسجد کی ملکیت ہو چکی ہے، لہٰذا اب پوری مسجد شرعی مسجد ہو گئی اب اس میں کہیں بھی بلا کراہت نماز پڑھنا جائز ہے، یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ جب مسجد و مدرسہ کا نظام بالکل الگ الگ ہو اور اگر دونوں کا نظام ایک ہو مسجد مدرسہ کے تابع ہو تو ایسی صورت میں منجانب مسجد مدرسہ کو

اس زمین کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔

أرض وقف علی مسجد و بجنبه أرض فأرادوا إلحاق شيئ من الأرض بالمسجد جاز ولکن یرفعون إلی الحاکم لیأذن لهم فی ذٰلک و کذا مستغل الوقف کالدار والحانوت. (فتاویٰ بزازیه، الوقف، الفصل الرابع فی المسجد وما یتصل به زکریا جدید ٣/١٤٣، وعلی هامش الهندیة ٦/٢٦٨، هندیه زکریا قدیم ٢/٤٥٦، جدید ٢/٤٠٩، فتح القدیر دار الفکر ٦/٢٣٥، زکریا ٦/٢١٨، کوئٹه ٥/٤٤٥، البحر الرائق کوئٹه ٥/٢٥٥، زکریا ٥/٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۴۴)

صحن مسجد، برآمدہ اور چھت پر جماعت

سوال [٧٨٦٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں مصلی کی اصل جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ پر نماز پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟ چھت وغیرہ اور صحن میں بھی کیونکہ اس پر بہت سے لوگ چرچے کر رہے ہیں کہ دوسری جگہ نماز نہیں ہوتی؟

المستفتی: عبداللطیف پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صحن مسجد اور برآمدہ بھی جماعت خانہ میں داخل ہے، لہٰذا اسمیں جماعت کرنا بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح چھت پر بھی اگر جماعت خانہ بنا ہوا ہے تو اس میں بھی گرمی کی وجہ سے جماعت کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/۱۱۶، جدید زکریا مطول ۴/۳۰۳)

اور اگر جماعت خانہ چھت پر بنا ہوا نہیں ہے تو نیچے کے جماعت خانہ کو چھوڑ کر چھت پر جماعت کرنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

الصعود علی سطح کل مسجد مکروه، ولهذا إذا اشتد الحر یکره

أن يصلوا بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد. (هنديه، الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد ...... زكريا قديم ۵/۳۲۲، جديد ۵/۳۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۰۳-۴۷۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۴ھ

ایسی جگہ پر مسجد بنانا جس کے نیچے کاروبار ہوتا ہو

سوال [۷۸۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک ایسی جگہ کا رہنے والا ہوں جہاں پر اکثریت بدعتیوں کی ہے اور دیوبندی خیالات کی کوئی مسجد قریب میں نہیں ہے، لہٰذا ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک مسجد تعمیر کریں، لیکن ہم کو کوئی جگہ نہیں مل رہی ہے، صرف ایک ایسی جگہ مل رہی ہے جس کا مالک یہ کہہ رہا ہے کہ میں اس شرط کے ساتھ یہ جگہ فروخت کر رہا ہوں کہ نیچے کی جگہ میں اپنا کاروبار کروں گا، اور اوپر کی جگہ کو میں تم کو فروخت کرتا ہوں، تو کیا ایسی جگہ پر مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فیصل جسپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس جگہ مسجد بنائی جاتی ہے وہ حصۂ زمین تحت الثریٰ سے لے کر ساتویں آسمان تک مسجد ہی کی ملک ہو جاتا ہے اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوتے ہیں، اس جگہ کے نیچے یا اوپر ضروریات ومصالح مسجد کے علاوہ کوئی دوسری چیز بنانا جس میں آداب مسجد کی خلاف ورزی ہوتی ہو، ناجائز ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں مسجد شرعی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس جگہ کو خرید کر اوپر نیچے مکمل طور پر وقف کیا جائے اور جہاں پر نیچے دوکانیں وغیرہ ہوں اور اوپر مسجد ہو وہاں یہ لازم ہے کہ وہ بھی مسجد کی ملکیت ہو اور حق عبد اور ملکیت عبد کا اس سے منقطع ہو جانا لازم ہے۔

قال ومن جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بيت وجعل باب

المسجد إلى الطريق و عزله عن ملكه فله أن يبيعه و إن مات يورث عنه لأنه لـم يـخـلـص لـلـه تعالىٰ لبقاء حق العبد متعلقا به ...... والمسجد خالص لله سبحانه ليس لأحد فيه حق، قال الله تعالىٰ: وَ أَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ" مع العلم بن كـل شيئ له فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به وهو انقطاع حق كل من سواه عنه وهو منتف فيما ذكره. (فتح القدير، الوقف، فصل و إذا بنى مسجدا لم يزل ملكه...... کوئٹہ ٥/٤٤٥، زکریا ٦/٢١٨، دار الفکر ٦/٢٣٥)

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه، أى المسجد جاز كمسجد القدس ولو جعل لغيرها أو جعل فوقه بيتا و جعل باب المسجد إلى طريق و عزله عن ملكه لايكون مسجدا وله بيعه يورث عنه خلافا لهما، تحته فى الشامية: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفاعليه صار مسجدا، شرنبلالية: قال فى البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجداً ان يكون سفله و علوه مسجد لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ: وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ (الجن: ١٨) **بخلاف ما إذا كان السرداب و العلو موقوفا لمصالح المسجد فهو كسرداب بيت المقدس هذا هو ظاهر الرواية.** (در مختار مع الشامی، الوقف، مطلب: فی أحكام المسجد زکریا ٦/٥٤٧، کراچی ٤/٣٥٧،وھکذافی البحر الرائق کوئٹہ ٥/٢٥١،زکریا ٥/٤٢١، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٤، قدیم ١/٧٤٧)

وقد رد فى الفتح ما بحثه فى الخلاصة من أنه لو احتاج المسجد إلى نفقة تؤجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه بأنه غير صحيح (إلى قوله) ولاسيما ما يترتب على ذٰلک من تقدير المسجد بسبب الطبخ والغسل و نحوه.

(شامی زکریا ٦/٥٤٨، کراچی ٤/٣٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۰۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۲/۲۹ھ

فرم میں مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

سوال [۷۸۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرم میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد سلیم منصوری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فرم میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملے گا، لہٰذا کسی فرم کے مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ فرم میں کام کرنے والے کسی مسلمان کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے سے روکے، جبکہ مسجد میں جاکر نماز ادا کرنے میں عذر شرعی میں سے کوئی عذر نہ ہو۔

وإن صلى أحد في البيت بالجماعة لم ينال فضل جماعة المسجد.

(شامی، الصلاة، باب الوتر و النوافل، مبحث التراويح، زكريا ۲/ ۴۹۵، کراچی ۲/ ۴۵)

فصل يسقط حضور الجماعة بواحد من ثمانية عشر شيئا منها مطر و برد شديد و خوف ظالم و ظلمة شديدة في الصحيح وحبس و عمى و فلج وقطع وسقام و إقعاد و رجل و وحل و شيخوخة و تكرار فقه بجماعة تفوته و حضور طعام تتوقه نفسه و إرادة سفر و قيامة بمريض و شدة ريح ليلا لا نهارا. (حاشية الطحطاوی علی المراقی دار الکتاب دیو بند ۲۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۱۸/۳۸)	۱۴۲۷/۶/۴ھ

جماعت خانہ کی جگہ پر زبردستی دوکان بنانا

سوال [۷۸۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ جولوگ زبردستی اور ہٹ دھرمی میں جماعت خانہ کی جگہ میں دوکان وغیرہ بنانا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا کسی حدیث وغیرہ میں ایسے لوگوں کے بارے میں کوئی وعید ہے، اگر ہے تو تحریر فرمادیں، تاکہ وہ وعید سن کر خدا کا خوف کریں اور اس طرح کی حرکت سے باز آجائیں، اور مسجد میں ذاتی تصرف نہ کریں؟

المستفتی: محمد نعیم تاجپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد اور جماعت خانہ کی جگہ پر دوکان وغیرہ بنانا اور اس میں ذاتی تصرف اور مالکانہ قبضہ کرنا حرام و ناجائز اور غصب کرنا ہے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ لوگ ناجائز وحرام کے مرتکب ہیں، لہٰذا تمام اہل محلّہ پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو نکال باہر کردیں، حدودِ مسجد کے اندر کسی قسم کا دنیوی تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر وہ متولی یا مسجد کے ذمہ داروں میں سے ہے تو وہاں کے لوگوں پر لازم ہے کہ اس کو ذمہ داری سے سبکدوش کردیں۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۸۱، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۵۰)

عن رسول اللہ ﷺ أنہ نهى ...... وعن البيع و الشراء فيه. (ترمذی شريف، الصلاة باب فيها وفى كراهية البيع و الشراء ...... فى المسجد النسخة، الهندية ۱/ ۷۳، دار السلام رقم: ۳۲۲)

قيم المسجد لايجوز له أن يبنى حوانيت فى حد المسجد أو فى فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا و مسكنا تسقط حرمته و هذا لايجوز. (هندية، الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد و ما يتعلق به، زكريا قديم ۲/ ٤٦۲، جديد ۲/ ٤۱۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۹ھ

جس جگہ پر تین سال نماز پڑھی جائے اس پر بیت الخلاء بنانا

سوال [۷۸۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک جگہ مسجد کے لیے خریدی گئی، مسجد سے متصل مزید جگہ تھی اس لیے ٹرسٹیان مسجد نے اس خریدی ہوئی جگہ کو شرعی مسجد طے نہیں کیا بلا طے کئے تین سال تک اس جگہ اس خیال سے نماز پڑھتے رہے کہ جب متصل کی جگہ خریدی جائے گی، اس وقت دونوں جگہوں کو ملا کر شرعی مسجد طے کی جائے گی ، اور صحن بیت الخلاء وضوخانہ وغیرہ کس جگہ ہوگا، طے کیا جائے گا، متصل کی جگہ تین سال کے بعد صاحب مکان نے مسجد کے لیے وقف کردی، اس کے بعد اب دونوں جگہوں کو ملا کر تعمیری کام شروع کیا گیا، سوال یہ ہے کہ جو زمین تین سال پہلے خریدی گئی تھی اور اس پر تین سال تک نماز بھی ہوتی رہی تو اب اس جگہ وضوخانہ بیت الخلاء وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد قاسم جھلرہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کوئی بھی جگہ اس وقت تک مسجد شرعی نہیں ہوتی ہے جب تک اس کو مسجد شرعی بنانے کے لیے ذمہ داران کی طرف سے مکمل ارادہ نہ ہو جائے، اور نماز باجماعت غیر مسجد میں بھی درست ہو جاتی ہے، لہٰذا پہلے والی جگہ اب تک مسجد شرعی نہیں بنی، اس لیے دوسری جگہ کو ملا کر حسب مناسب دونوں جگہ کو ایک ساتھ شامل کر کے ایک مسجد شرعی کی تعمیر کی جاسکتی ہے، اور وضوخانہ، غسل خانہ، پیشاب گھر، بیت الخلاء وغیرہ جس طرف بھی مناسب سمجھیں بنانا جائز ہے۔

وإذا بنى مسجدا لايصير مسجدا حتى يقر بلسانه أنه مسجد لايباع ولايوهب ولايرهن ولايورث و فتح الباب و أذن فيه و أقيم و أذن للناس بالدخول فيه عامة فيصر مسجداً إذا صلى بجماعة فيه. (تاتارخانية، الوقف، الفصل الحادى والعشرون فى المساجد زكريا ۸/ ۱۵۶ رقم: ۱۱۴۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۸۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۳۰/۴/۱۴۳۴ھ

قدیم نمازگاہ میں بیت الخلاء بنانا

سوال [٧٨٦٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عباسیوں والی مسجد میں کچھ تعمیر کا سلسلہ جاری ہے، مسجد کی دائیں جانب قدیم نمازگاہ کے نیچے دو یا ڈھائی فٹ دیوار کے بیچ میں استنجاء خانہ بنایا جا رہا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: اقبال احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کا جو حصہ ایک دفعہ جب شرعی مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اس کے بعد قیامت تک کے لیے اس حصے کے اوپر یا نیچے پیشاب خانہ، غسل خانہ، بیت الخلاء وغیرہ بنانا قطعاً جائز نہیں، اگر کسی نے غلطی سے بنالیا ہے تو اسے توڑ کر ختم کر دینا لازم ہے۔

وكره تحريما الوطء فوقه والبول والتغوط، لأنه مسجد إلى عنان السماء وفي الشامية: وكذا إلى تحت الثرىٰ، بقي لو جعل الواقف تحته بيتا للخلاء هل يجوز كمافي مسجد محلة الشحم في دمشق؟ لم أره صريحا.

(شامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، زكريا ٢/٤٢٨، كراچی ١/٦٥٦)

وفي تقريرات الرافعي: الظاهر عدم الجواز و مايأتي متنا لا يفيد الجواز، لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه على أن الظاهر عدم صحة جعله مسجدا بجعل بيت الخلاء تحته. (تقريرات رافعي زكريا ٢/٨٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧؍رجب المرجب ١٤٢٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٩٣٧٨/٣٨)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
١٧/٧/١٤٢٨ھ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الهند

(جلد ۱۸)

المجلد الثامن عشر

بقية الوقف باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح الفاسد، المرابحه، الصرف، السلم، الاستصناع، الوفاء، الشفعة، المزارعة

۸۴۰۹ ——— ۸۸۵۶

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الهند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیه

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبه اشرفیه، دیوبند، ضلع سهارنپور، الهند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

❖❖ ❍❖❍

٢۴ / بقية كتاب الوقف

مسئلہ نمبر: **الفصل الثالث: مسجد قدیم** صفحہ نمبر

❐ الفصل الرابع: تعدد مساجد

□ الفصل الخامس: امام ومؤذن کے احکام

۶/الفصل: مسجد میں سونے اور ٹھہرنے کا بیان

۷/الفصل: توسیع مسجد سے متعلق احکام

٨/ الفصل: مسجد میں تصرف کرنے کا بیان

۱۰/الفصل العاشر: ایک مسجد کی اشیاء کا دوسری مسجد میں استعمال ......

۱۱/الفصل الحادي عشر: اشیاء مسجد کا استعمال

❑ ۱۲/ الفصل الثانی عشر: مسجد کی رقم کا دوسری جگہ استعمال........................

❑ ۱۳/الفصل الثالث عشر: مساجد کی چیزیں کرایہ پر دینے کا بیان ....

❑ ١٤/١ الفصل الرابع عشر: مسجد کی اشیاء کی خرید وفروخت ....

۱۶/۱ الفصل السادس عشر: سرکاری زمین میں تعمیر مسجد

۱۷/۱ الفصل السابع عشر: مسجد میں سرکاری امداد کا حکم

۱۹/ الفصل التاسع عشر: مسجد میں چندہ کا بیان

❑ ۲۳/الفصل الثالث والعشرون: غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا ....

❑ ۲۴/الفصل الرابع والعشرون: مسجد میں حرام مال لگانا ....

۷/باب المصلی

۸/باب المقبرة

❏ ۱/الفصل الاول : فی المکروہ والمستحب

۲/الفصل الثانی: فی المصارف

۲۴/ بقية كتاب الوقف

يارب صلِّ وسلِّم دائماً أبداً علىٰ حَبيبکَ خَير الخَلق كلِّهم

الفصل الثالث: مسجد قدیم

ویران شدہ مسجد کا حکم

سوال: [۷۸۶۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم ساکنان دلپورہ، ضلع مرادآباد اپنا گاؤں چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہورہے ہیں، فی الحال گاؤں میں ایسی صورت پیش آ گئی کہ اب وہاں پر رہنا دشوار ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس گاؤں میں دو مسجدیں ہیں، ان مساجد کی اینٹ وغیرہ نیز زمین وغیرہ کا کیا حکم ہے؟ مسجد کو فروخت کر کے دوسری جگہ مسجد بنالیں یہ درست ہے؟

المستفتي: شوکت حسین، دلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو مسجدیں بن چکی ہیں وہ تاقیامت مسجدیں باقی رہیں گی، ان کے سامان وغیرہ منتقل کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اگرچہ لوگ وہاں سے منتقل ہو گئے ہوں اور مسجدوں میں نماز نہ ہورہی ہو۔

ولو خرب ماحوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلىٰ قيام الساعة وبه يفتى الخ، وتحته فی الشامية فلا يعود ميراثاً ولا يجوز

نقله ونقل ماله إلیٰ مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتویٰ. حاوی القدسی. وأكثر المشائخ عليه (مجتبی) وهو الأوجه الخ. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ۶/۵۴۸، كراچی ۴/۳۵۸، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۵۹۵، مصری قديم ۱/۷۴۸، المبسوط للسرخسی، دارالكتب العلمية بيروت ۱۲/۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۳۳/۲۶)

اُجڑے ہوئے علاقہ کی ویران مسجد کا حکم؟

سوال: [۷۸۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمانوں کی ایک آبادی تھی بعد میں کسی وجہ سے وہ آبادی اجڑ گئی، آبادی اجڑ جانے کے بعد وہاں کی مسجد ویران پڑی ہے، کوئی نماز پڑھنے والا نہیں ہے، اس مسجد کا شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس جگہ مسجد بن جائے وہ تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے، اگر چہ وہ مسجد ویران ہو جائے، تب بھی قیامت تک مسجد ہی رہے گی، اس کا بدلنا یا کسی دوسرے تصرف میں لانا جائز نہیں۔ (مستفاد: انوار رحمت/۱۲۹، فتاویٰ حقانیہ حیدر آباد ۵/۸۰، فتاویٰ دار العلوم ۱۳/۳۲۲)

وإذا خرب المسجد واستغنیٰ أهله وصار بحيث لا يصلیٰ فيه عاد ملكاً لواقفه أو لورثته حتى جاز لهم أن يبيعوه أو يبنوه داراً وقيل هو مسجدٌ أبداً وهو الأصح. (هنديه، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما يتعلق به زكرياقديم ۲/۴۵۸، جديد۲/۴۱۰، قاضی خان زكريا جديد۳/۲۰۴، وعلی هامش الهندية ۳/۲۸۸)

لو خرب ما حول المسجد واستغنى عنه ، يبقى مسجداً عند أبي يوسف لأنه إسقاط لملكه فلا يعود إلىٰ ملكه كالإعتاق. (تبيين الحقائق ، زكريا ٤/٢٧٢ ، امداديه ملتان٣/ ٣٣٠، ٣٣١، تاتار خانية زكريا ٨/ ١٦٤ ، رقم: ١١٥١٩)

قال أبويوسفؒ هو مسجدٌ أبداً إلىٰ قيام الساعة لا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله إلىٰ مسجد أخر سواء كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتوىٰ. (البحرالرائق ، الوقف، فصل في أحكام المسجد ، كوئٹه ٥/ ٢٥١، زكريا ٥/ ٤٢١، شامى، زكريا ٦/ ٥٤٨، كراچى ٤/ ٣٥٨، خلاصة الفتاوىٰ اشرفى ٤/ ٤٢٤، الولوالجية ، دارالأيمان سهارن پور ٣/ ٨٨، مبسوط سرخسى ، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/ ٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۴۳)

کیا غیر آباد مسجد کی حفاظت لازم ہے؟

سوال: [۷۸۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی گاؤں میں مسلمان رہتے ہیں اور مسجد بھی ہے اب صورت حال یہ ہے کہ اکثر مسلمان دوسری بستی جو روڈ کے کنارے پر ہے، وہاں چلے گئے ہیں، اور تھوڑے مسلمان موجود ہیں، مگر مسجد سے دور ہیں، مسجد کے قریب کی جگہ غیر مسلموں نے خرید لی ہے، اب مسلمانوں پر کیا ضروری ہے، کچھ کہتے ہیں کہ یہاں سے دوسری جگہ مسجد بنالی جائے اور اس کو شہید کردیا جائے ، جبکہ کچھ کہتے ہیں کہ اس کی چہار دیواری اونچی کردی جائے اور تالا لگادیا جائے۔

المستفتی: محمد حنیف، عبدالواحد، بخشپور، بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب ایک دفعہ شرعی طور پر مسجد بن جاتی ہے تو وہ

قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے، اس کو بالکل ختم کردینا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر وہاں مسلمان اب نہیں رہ رہے ہیں، تو اس کی حفاظت کا انتظام کرکے اس کو محفوظ کردینا ضروری ہے۔
(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۳۷، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۴۹)

ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلىٰ قيام الساعة وبه يفتي الخ. (الدرمع الرد، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، مصری قديم ١/٤٨، البحر الرائق، كوئٹه٥/٢٥١،زكريا٥/٤٢١)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۹۳)

غیر آباد علاقہ میں مسجد کا حکم

سوال: [۷۸۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں تقریباً سات مسلم آباد ہیں، اور باقی سب ہندو ہیں، اور اب وہاں کے مسلم حضرات اپنی آبادی کی کمی کی وجہ سے وہاں سے جانا چاہتے ہیں، اور وہاں پر ایک مسجد بھی ہے، تو اب مسجد کو کیا کیا جائے گا، باقی لوگ اپنے مکان اور زمین وغیرہ کو فروخت کرسکتے ہیں کیا اس مسجد کی اینٹیں دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مسجد کی زمین وجگہ کو کیا کریں، کیا فروخت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے بارے میں شریعت میں کیا حکم ہے، اور اس کی کیا صورت نکلے گی؟ مفصل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: فخر الدین، سہرساوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مسجد تعمیر شدہ مذکورہ گاؤں میں ہے، وہ

تا قیامت مسجد ہی رہے گی، اس کو فروخت کر دینا یا اس کو منہدم کر دینا ہرگز جائز نہیں ہے، اور نہ ہی اس کا منتقل کرنا درست ہے، بلکہ ایسی مسجد کو وقف بورڈ سے رجسٹرڈ کرا کے حفاظت میں کر لینا لازم ہے۔

علمت أن المفتیٰ به قول أبی یوسفؒ إنه لا یجوز نقله و نقل ماله إلیٰ مسجد اٰخر الخ. (شامی، الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره زکریا ٦/٥٤٩، کراچی ٤/٣٥٩)

(وقوله) نقل فی الذخیرة عن شمس الأئمة الحلوانی أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا یحتاج إلیه لتفرق الناس عنه – إلیٰ قوله – وقد مشیٰ الشیخ الإمام محمد بن سراج الدین الحانوتی علی القول المفتی به من عدم نقل بناء المسجد الخ. (شامی، کراچی ٤/٣٥٩، زکریا ٦/٥٥٠)

ولو خرب ما حوله واستغنیٰ عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعة (وبه یفتیٰ). (الدر المختار، کراچی ٤/٣٤٨، زکریا ٦/٥٤٨، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٢/٥٩٥، مصری قدیم ١/٧٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۹۸/۲۶)

الفصل الرابع : تعدد مساجد

دو مساجد کے درمیان کتنا فاصلہ ہو؟

سوال: [۷۸۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو مساجد کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیئے، جبکہ پہلی مسجد تعمیر شدہ اور آباد ہے اور کچھ لوگ بسبب مسجد کے تنگ ہونے اور آبادی کے منتشر ہونے کے دوسری مسجد کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں؟

المستفتي: رکن الدین خان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر پہلی مسجد سے ملی ہوئی خالی زمین ہو یا آسانی سے زمین مل سکتی ہو تو ایسی صورت میں دوسری مسجد تعمیر کرنے کے بجائے پہلی مسجد کی توسیع کرلی جائے، اور اگر توسیع کے لئے کوئی شکل اور گنجائش نہیں ہے، تو دوسری بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور دوسری مسجد کے لئے ایسی جگہ منتخب کرنا بہتر ہے کہ جس جگہ پر مسجد بنانے سے دیکھنے والے اور اجنبی لوگ یہ محسوس نہ کریں کہ پہلی مسجد کے مقابل اور مخالفت میں دوسری تعمیر کی گئی ہے، اور بلا کسی اختلاف کے دونوں مسجدوں میں نماز پڑھی جائے اور دونوں میں کثرت کے ساتھ نمازی نماز پڑھتے رہیں، اس کے لئے بظاہر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے، کہ پہلی مسجد سے معتدبہ فاصلہ پر دوسری تعمیر کی جائے، اس کا فیصلہ وہاں کے لوگ خود کر سکتے ہیں۔

وفی المحیط ضاق المسجد علی الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة كرها، قال وقد صح عن عمر والصحابة أنهم أخذوا أرضين يكره أصحابهما وزاد وهما فى المسجد الحرام حين ضاق بهم. (حلبی کبیر/۶۱۵، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۶، رقم: ۱۱۳۴۱، تاتار خانیة ۸/۱۶۰، رقم:۱۱۵۰۵)

وعن عطاء لمافتح الله الأمصار على عمر رضى الله عنه أمر المسلمين أن يبنوا المساجد وأن لا يتخذوا فى مدينة مسجدين يضار أحدهما

الآخر. (تفسیر الکشاف قدیمی ۱/ ٥٦٤، مطبوعہ کلکتہ) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍ ۹۹۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶؍ ۴؍ ۱۴۳۱ھ

مسجد شرعی کے قریب دوسری مسجد بنانا

سوال: [۴۸۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ہمارے یہاں قصبہ میں ایک مسجد مغصوبہ زمین میں بنی ہوئی ہے کئی سالوں سے اس میں نماز پڑھی جارہی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا مغصوبہ زمین میں بنی ہوئی مسجد شرعی ہوسکتی ہے؟ اوراس میں پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا حکم ہے، کیا اس مسجد کو شرعی بنانے کی کوئی شکل ہے؟

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک صاحب نے یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ شرعی مسجد نہیں ہے، اسی مسجد کے بغل میں مسجد کے لئے زمین وقف کی چناں چہ اس زمین میں مسجد کی بنیاد بھی ڈال دی گئی ہے، سوال یہ ہے کہ اب اس موقوفہ زمین میں دوسری مسجد بنائی جائے یا نہ بنائی جائے؟ اور کیا واقف یہ زمین دوسری مسجد کے لئے وقف کرسکتا ہے؟

المستفتي: زبیر احمد، بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مغصوبہ زمین پر مسجد بنانا جائز نہیں تھا لیکن جب بنالی گئی تو اس میں نماز اس وقت تک مکروہ رہے گی جب تک اس کے مالک کو قیمت ادا نہ کردی جائے، اور جب مالک کو قیمت ادا کردی جائے گی تو وہ شرعی مسجد ہونے کے ساتھ نماز بھی سب کے لئے بلا کراہت جائز ہوجائے گی، پھر اس کو منہدم کرنا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۶۸، زکریا جدید مطول ۱۰/ ۲۸۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۶۸، امداد المفتیین / ۷۹۸)

(۲) جب پہلی والی مسجد کی قیمت ادا کر کے اس کو شرعی مسجد قرار دینے کی گنجائش ہے تو اس تیار شدہ مسجد کے متصل دوسری مسجد بنانا شرعاً جائز نہ ہوگا، لہٰذا

دوسری مسجد کے لئے جو زمین وقف ہے اس کے مالکان اس زمین کو فروخت کر کے اس پیسے سے کہیں جگہ خرید کر کے وقف کردیں جہاں مسجد کی ضرورت ہو۔

وفی القنیة: مبادلة دار الوقف بدار أخریٰ إنما یجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو تکون المحلة المملوکة خیرا من المحلة الموقوفة وعلی عکسه لایجوز الخ. (البحرالرائق، الوقف، کوئٹہ ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳، البنایه اشرفیه ۷/٤٦٠، الدر مع الرد، زکریا ٦/٥٨٦، کراچی ٤/٣٨٦، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۵۷٦، مصری قدیم ١/٧٣٦، هندیه زکریا قدیم ٢/٤٠٠، جدید ٢/٣٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۲۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۵/۱۱ھ

مسجد سے متصل عناد کی بناء پر دوسری مسجد بنانا

سوال: [۷۸۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرصہ دس سال قبل ایک قطعہ آراضی بغرض تعمیر مدرسہ ومسجد خریدی گئی اور اس خرید شدہ قطعۂ آراضی کے اندر ایک حصہ مسجد بنانے کے لئے منتخب کردیا گیا اور ایک حصہ مدرسہ میں تعمیر کردیا گیا جو حصہ مسجد کے لئے چھوڑا گیا تھا، اس میں مسجد کے لئے سنگ بنیاد رکھ دی گئی ایک سال قبل۔ جس میں تخمیناً پچاس ساٹھ ہزار روپیہ صرفہ میں آیا، جہاں مسجد کا فرش ختم ہوتا ہے وہاں پر فریق ثانی جن سے مسجد و مدرسہ کے واسطے آراضیٔ مذکورہ خریدی گئی تھی ان حضرات نے اپنے کھیت میں مدرسہ کے قریب مسجد تعمیر کرنی شروع کردی جو مدرسہ کے لئے ناکافی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی ملکیت بھی ہے، اور مسجد بہت چھوٹی بھی ہے، نیز متولیان مسجد سے منتظمہ کمیٹی اور اراکین مدرسہ بہت مرتبہ

اس بات کا استفسار کر چکے ہیں کہ آپ حضرات اس بات کو لکھ کر دیدیں کہ مدرسہ والے اس میں نماز پڑھ لیا کریں تو ہم آج ہی سے اس میں نماز پڑھنا شروع کر دیں گے، وہ اس بات پر بضد ہیں کہ ہم ہرگز ہرگز یہ لکھ کر نہیں دیں گے نیز ان سے یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر یہ لکھ کر نہیں دیتے تو یہ لکھ کر دیدو کہ پیش امام مدرسہ والوں ہی کا رہے گا، تو وہ کسی بات پر تیار نہیں ہیں، مدرسہ والے اس لئے ایسا کرتے ہیں، کہ بعد میں کسی قسم کا خلفشار اور باہمی ناچاقی پیدا نہ ہو جائے، جس سے آگے چل کر ایک عظیم فتنہ نہ برپا ہو جائے، نیز اس زیر تعمیر مسجد کے اطراف وجوانب میں کوئی آبادی بھی نہیں ہے، محض مدرسہ سے ضد وتخریب کاری کی بناء پر یہ مسجد تعمیر کرنی شروع کر دی ہے، اس طرح اس زیر تعمیر مسجد کے مصلیان متعین ہیں اور نہ ہی غیر متعین چونکہ اس مسجد کی تعمیر بیابان میں ہورہی ہے، نہ معلوم مسجد بنانے والوں کا کیا مقصد ہے؟ واللہ اعلم بمرادہم، زیر تعمیر مسجد میں بھی وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے ادھر مدرسہ کی مسجد ایک سال سے زیر تعمیر ہے اور فریق ثانی کسی طرح صلح کرنے کے لئے تیار نہیں اور مدرسہ کے لئے آئندہ چل کر ایک فتنہ نظر آرہا ہے، کیونکہ ایک مسجد مدرسہ میں تعمیر ہورہی ہے، اور دوسری مسجد فریق ثانی تعمیر کررہا ہے، نیز مدرسہ سے طلباء عزیز کی بڑھتی ہوئی تعداد فی الفور آٹھ سو سے زائد ہے، جس میں بیرونی طلباء جن کا قیام وطعام و پیراہن منجانب مدرسہ ہے، ان کی تعداد دوسو سے زائد ہے، ان تمام وجوہات اور ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اراکین مدرسہ اس بات کے مستفتی ہیں، کہ مدرسہ کی جو زیر تعمیر مسجد ہے، اس کو یہیں پر روک دیں یا مکمل تعمیر کردیں اس وقت مسئلہ مفتیان کرام کی استصواب رائے پر رکا ہوا ہے، جو عندالشرع وعندالناس بہتر ہو جواب سے نوازیں؟

(نوٹ) عرصہ آٹھ نو سال تک ارباب مدرسہ مسجد نہ ہونے کی وجہ سے پریشان رہے، جب مدرسہ میں مسجد بنانی شروع کی تو فریق ثانی نے بھی فوراً تعمیر شروع کردی اور

اب مدرسہ والوں نے تعمیر روک دی ہے، تو وہ بھی چپ بیٹھے ہیں، اور پھر ایسا ہی ہوگا کہ مدرسہ والے کام شروع کریں گے، تو وہ بھی شروع کردیں گے نیز تقدیر اینکہ اگر کوئی طالب علم ان کے نل پر پانی لینے کے لئے چلا جائے تو ناظم صاحب ومدرسین حضرات کی شامت آجاتی ہے، ،اور آسمان سے غضب الٰہی کا نزول ہونے لگتا ہے، مرنے اور مارنے کے لئے تیار جاتے ہیں، یہ تو ان کے اخلاق حمیدہ اور اس سیرت رسائی کا مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ہے، اگر استفتاء کی طوالت کا خوف درکار نہ ہوتا تو مزید حالات سے مطلع کیا جاتا مشہور مقولہ ہے ’’**العاقل تكفيه الإشارة**‘‘؟

المستفتي: منجانب: اراکین وکمیٹی، مدرسہ عربیہ
حفظ القرآن، مالیرکوٹلہ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ کے درج شدہ حالات میں جب مدرسہ کو مسجد کی سخت ضرورت ہے اور مسجد کی تعمیر بھی شروع کردی گئی ہے تو اہل مدرسہ کی زیر تعمیر مسجد مسجد شرعی ہوگی بانیان مسجد کو عنداللہ اجر وثواب ملے گا، ان کو اب مسجد کی تعمیر سے نہیں رکنا چاہئے بلکہ اس کی تعمیر حتی الامکان جلدی مکمل کرلینی چاہئے ،فریق ثانی کا ضد وعناد کی بناء پر متصل دوسری مسجد کی تعمیر کرنا جائز نہ ہوگا، اس کی تعمیر کرانے والے حضرات سب سخت گنہگار ہوں گے، ان کو اس طرح ضد وعناد کی بناء پر دوسری مسجد بنانے سے افتراق بین المسلمین کے باعث شرعاً روکا بھی جاسکتا ہے، البتہ اگر دوسری مسجد تیار بھی ہوجائے تو اگرچہ بانیان کو ثواب نہیں ملے گا، لیکن پھر بھی مسلمانوں پر اس مسجد کا احترام واجب اور ضروری ہوگا۔ (مستفاد: معارف القرآن ۴/۴۶۳)

وروى عن عطاء لما فتح الله الأمصار على عمر رضى الله عنه أمر المسلمين أن يبنوا المساجد ، وأن لا يتخذوا فى مدينة مسجد ين يضار أحدهما صاحبه . (روح المعانى ، زكريا ۷/ ۳۱، تحت رقم الأية : ۱۰۸، من سورة التوبة:

تفسیر الخازن ۲/ ۴۰۷، قدیم ۲/ ۲۶۶، تفسیر الکشاف ۲/ ۳۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۱۸)

جھگڑے کی وجہ سے دو مسجدوں میں سے ایک کو بند کرنا

سوال: [۸۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری بستی میں صرف ایک مسجد تھی اس کے بعد دوسری مسجد تقریباً تین سو فٹ کے فاصلہ پر تعمیر ہوگئی، دونوں مساجد میں نماز اور جمعہ ادا ہوتا رہا ہے، بعد والی مسجد ایک ماہ سے بند ہے، آپس میں اختلاف ہوگیا ہے، اب مسجد کا کیا کیا جائے؟ نمازیوں میں جھگڑا ہوتا ہے، اور کہتے ہیں، کہ یہ مسجد اب بند کردی جائے چنانچہ مسجد میں قفل لگا دیا گیا ہے، اور جس شخص نے مسجد کے واسطے زمین دی ہے، اس کی رجسٹری نہیں ہوئی ہے، وہ کہتا ہے، کہ مسجد باقی رہے گی، اس کے بعد ہم رجسٹری کرادیں گے؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد اسلام، گھرچو ہٹہ، پوسٹ: فاض وایہ ٹھیٹھا، سپول، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب ایک دفعہ مسجد بن جاتی ہے، تو وہ قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے، اس میں نماز پڑھنا اور اس کا حق ادا کرنا بھی لازم ہوجاتا ہے، اس لئے بعد والی مسجد کو بند کردینا جائز نہیں ہے، اس سے سب لوگ گنہگار ہوں گے، اس عمل سے توبہ کرلیں اور فوراً مسجد کھول دیں، ہاں البتہ دونوں میں سے ایک ہی میں جمعہ قائم کیا جائے اور پانچوں وقت کی نماز دونوں میں ہوتی رہا کرے۔

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني

أبداً إلیٰ قیام الساعة وبه یفتی الخ. (درمختار مع شامی ، الوقف ، مطلب فیما لوخرب المسجد أو غیره زکریا ۶/ ۵۴۸، کراچی ۴/ ۳۵۸، مجمع الانهر ، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۵۹۵، مصری قدیم ۱/ ۷۴۸، البحرالرائق ، زکریا۵/ ۴۲۱، کوئٹه ۵/ ۲۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رشوال ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶ ۳/ ۷۸۳۱)

غیر آباد مسجد کے قریب آپسی کشیدگی کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا

سوال: [۷۸۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں کی آبادی تقریباً ایک ہزار افراد پر مشتمل ہے، جس میں مرد وعورت بچے بوڑھے سب ہی شامل ہیں، اس موضع میں ایک مسجد ہے، اور اس میں چار پانچ افراد نماز پڑھنے جاتے ہیں، بعض اوقات اس سے بھی کم ہوتے ہیں، اور بعض اوقات کہنے سننے سے زیادہ بھی ہوتے ہیں، لیکن کچھ افراد اپنی آپسی کشیدگی کی وجہ سے دوسری مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، کیا ان لوگوں کا ایسی صورت حال میں دوسری مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد یاسین، شکر پوری، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مسجد موجود ہے اس میں نماز پڑھنے کے لئے نمازی نہیں مل رہے ہیں، پھر دوسری مسجد کس کام کے لئے قائم کی جارہی ہے، لہٰذا اس گاؤں کے لوگوں پر لازم ہے کہ موجودہ مسجد کو آباد کریں اور اس کو آباد کئے بغیر دوسری مسجد قائم نہ کریں، اتنی چھوٹی سی جگہ پر دوسری مسجد کی ضرورت بھی نہیں ہے، اور دوسری مسجد قائم کرنے کی اس وقت اجازت ہوتی ہے، جب پہلی مسجد اچھی طرح آباد ہو اور اس کو نقصان پہونچانا

مقصود نہ ہو یا پہلی مسجد کافی دور ہو یا دو محلے الگ الگ ہوں یا پہلی مسجد فل ہوجانے کی وجہ سے جگہ نہ رہتی ہو تو دوسری مسجد قائم کرنے کی اجازت ہے اور جب یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے، جو مسجد ہے اس میں بھی چار پانچ سے زیادہ نمازی نہیں ہو پاتے اور آبادی بھی بہت چھوٹی ہے، تو ایسی صورت میں دوسری مسجد قائم کرنے کی اجازت نہیں اور دوسری مسجد تعمیر کرکے پہلی مسجد کو نقصان پہونچانا جائز نہیں ہے۔

قال عطاء لما فتح الله على عمر بن الخطاب الأمصار أمر المسلمين أن يبنوا المساجد وأمرهم أن لا يبنوا في موضع واحد مسجدين يضار أحدهما الآخر. (تفسير خازن، قديم ٢/ ٢٦٦، جديد٢/ ٤٠٧، روح المعاني زكريا٧/ ٣١، تحت رقم الآية ١٠٨، من سورت التوبة)

وفي القرطبي إلا أن يكون المحلة كبيرة فلا يكفي أهلها مسجد واحد فبني حينئذ. (تفسير قرطبي ،دارالكتب العلمية بيروت ٨/ ١٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۲ھ

گاؤں میں ایک بڑی مسجد ہونے کے باوجود دوسری مسجد بنانے کا حکم

سوال: [۷۸۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں ہے، اس گاؤں میں ایک بڑی مسجد ہے اور اس مسجد میں پورے گاؤں والے نماز پڑھتے ہیں لیکن تمام نمازی حضرات آپس میں لڑائی کرتے رہتے ہیں، ان میں سے چند حضرات کی رائے ہے کہ میں اپنی زمین دے کر دوسری مسجد بناؤں کیا وہ حضرات ایک مسجد رہتے ہوئے دوسری مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ وہ لوگ ایک مسجد کا پیٹ نہیں بھرتے اس کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟

المستفتي: صغیر احمد سہرساوی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر روز لڑائی جھگڑا رہتا ہے، اور اس کو ختم کرنے کے لئے یہی شکل ہے کہ دوسری مسجد بنا کر کچھ لوگ وہاں نماز ادا کریں اور دیگر فخر ومباہات اور بڑائی دکھانے وغیرہ اغراض نہیں ہیں تو گنجائش ہے، اور اگر مذکورہ فاسد اغراض کا اس میں دخل ہے تو دوسری مسجد بنانا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۴/ ۴۲۵)

إذا کان هذا مباهاة ورياءً أو سمعةً فهو أيضا مکروه بل بناء المساجد بهذه النية الفاسدة يكون مكروها أيضاً الخ. (بذل المجهود، کتاب الصلوٰة، باب في بناء المساجد مطبع سهارنپور ۱/ ۲۵۹، دارالبشائر الاسلامیه بیروت ۳/ ۱۵۸، مصری ۳/ ۲۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ محرم ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۱۶ھ

چھوٹے گاؤں میں جمعہ قائم کرنے اور چند شرائط پر مسجد بنانے کا حکم

سوال: [۸۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں جو صرف مسلمانوں کی آبادی ہے مگر ہمارے گاؤں میں کوئی مسجد نہیں ہے مسجد نہ ہونے کی بنا پر بہت کم لوگ نماز پڑھتے ہیں، پڑھنے والے بھی اپنی مرضی کے مطابق پڑھتے ہیں، جہالت بہت زیادہ ہے، اس لئے میں نے لوگوں کو دینی ماحول میں لانے اور دین کی تبلیغ کے لئے ایک مسجد بنانے کا پروگرام لوگوں کے سامنے رکھا تو لوگوں نے چند شرطیں رکھی ہیں، اور کہا ہے کہ اگر تم ان شرطوں کو پورا کر سکتے ہو تو مسجد بناؤ ہم لوگ تمہارا ساتھ دیں گے؟

شرائط: شرط (۱) مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنی پڑے گی؟
شرط (۲) قیام میلاد کرنا ہوگا،
شرط (۳) جنازہ کی نماز کے بعد باقاعدہ بیٹھ کر دعاء کرنی ہوگی؟
تو کیا ایسی صورت میں جبکہ شرائط مانے بغیر مسجد نہیں بنائی جا سکتی ہے تو کیا ان شرطوں کو مانا جائے اور مسجد بنائی جائے؟

نوٹ: ہمارے گاؤں میں شرائط جمعہ نہیں پائے جاتے قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی؟

المستفتي: محمد کاظم، بانکوڑاوی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر آپ کے گاؤں میں جمعہ کی شرائط پائی نہیں جاتی ہیں، اور گاؤں چھوٹا ہے، تو وہاں پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کی نماز صحیح و درست نہ ہوگی، جن لوگوں کو امام ابوحنیفہؒ سے محبت ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کے قائل ہیں، ان لوگوں پر ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک اور مذہب کے خلاف شرطیں نہ لگایا کریں۔ اور ان کے مذہب کے مطابق نماز جمعہ اور دیگر نمازوں میں عمل کریں، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

لاتجوز فی الصغیر ۃ التی لیس فیھا قاض (إلیٰ قولہ) لو صلوا فی القریٰ لزمھم أداء الظھر الخ. (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعۃ کراچی ۲/۱۳۸، زکریا ۳/۷)

(۲) نفس میلاد کرنا اور ذکر ولادت شریفہ جائز اور باعث اجر وثواب ہے لیکن بوقت ذکر ولادت شریفہ کھڑا ہوجانا ممنوع اور ناجائز ہے، ائمہ اربعہ اور صحابہ کرام سے اس کا ثبوت نہیں ہے، اس لئے مسلمانوں کو کسی کار خیر کے لئے ایسی شرط لگانا درست نہیں ہے جو شریعت میں نہیں ہے۔

والاحتفال بذکر الولادۃ الشریفۃ إن کان خالیاً من البدعات

المروجة فهو جائز بل مندوب كسائر أذكاره صلى الله عليه وسلم والقيام عند ذكرولادته الشريفة حاشا لله أن يكون كفراًالخ. (امداد الفتاویٰ ٦/٣٣٧)

(۳) جنازہ کے بعد باقاعدہ بیٹھ کر دعا کرنا حدیث وقرآن سے ثابت نہیں ہے، اس لئے ایسی شرط کا لگانا بھی خلافِ شرع ہے۔

لايقوم بالدعاء بعدصلوة الجنازة. (خلاصة الفتاویٰ، کتاب الصلوٰة، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع منه إذا اجتمعت الجنائز اشرفیه دیوبند ١/٢٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦/ربیع الثانی ١٤١٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶۲۴/۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٦/٤/١٤١٢ھ

کمیٹی سے ناراضگی کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا

سوال: [۹۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اپنے گاؤں کی مسجد کمیٹی پر غصہ ہوکر ۱۰/ دس فٹ فاصلہ پر رہنے والے اپنے محلّہ میں نئ مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد صحیح ہے لیکن ثواب سے محروم ہوں گے۔

إذا كان هذا مباهاة ورياءً وسمعةً فهو أيضا مكروه بل بناء المساجد بهذه النية الفاسدة يكون مكروها أيضاً الخ. (بذل المجهود، کتاب الصلوٰة، باب فی بناء المساجد مطبع سهارنپور ١/٢٥٩، دارالبشائر الاسلامیه بیروت ٣/١٥٨)

وأما لو تمت المسجد ية ،ثم أراد هدم ذلك البناء فإنه لايمكن من ذلك . (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد، کراچی ٤/٣٥٨،

زکریا۶/ ۵۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۳/۲۳)

ضد کی وجہ سے مسجد بنانے کے بعد تصحیح نیت

سوال: [۷۸۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضد سے جو مسجد بنائی گئی ہو پھر نیت درست کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بوقت بناء اگر نیت درست نہیں تھی تو ثواب نہیں ملے گا، لیکن مسجد کی مسجدیت میں کوئی فرق نہیں ہوگا، اب نیت کرنے سے انشاء اللہ گناہ معاف ہو جائے گا۔

إذا كان هذا مباهاة ورياءً وسمعةً فهو أيضا مكروه بل بناء المساجد بهذه النية الفاسدة يكون مكروها أيضاً الخ. (بذل المجهود، كتاب الصلوٰة، باب فی بناء المساجد مطبع سهارنپور ۲۵۹/۱، دارالبشائر الاسلاميه بيروت۱۵۸/۳)

وأما لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء فإنه لايمكن من ذلك. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی احكام المسجد، کراچی ۳۵۸/۴، زکریا۶/ ۵۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۳/۲۳)

بڑے گاؤں میں مسجد سے دور ایک ہی محلّہ میں دوسری مسجد بنانا

سوال: [۸۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت میں بڑے گاؤں میں رہنے والا ہوں یہ گاؤں شہر سے ایک میل فاصلہ پر ہے، اس میں صرف ایک بڑی مسجد ہے، جس میں بعض محلّہ کے آدمی بسبب دوری کے صرف جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، میں اور بعض محلّہ کے آدمی قریب کی وجہ سے پانچ وقت کی نماز اور جمعہ پڑھتے ہیں، ہم لوگ مسجد کے ۱۰/منٹ کے فاصلہ پر رہتے ہیں، ہر وقت آنا جانا مشکل ہے، ایک مرتبہ تراویح کی نماز میں امام صاحب نے ۵/پارہ قرآن مجید تلاوت کی اس پر ہمارے درمیان اور امام صاحب کے درمیان اور مسجد کے قریب رہنے والے مصلیوں کے درمیان اختلاف ہوا اس اختلاف کے سبب ہم لوگ مسجد کو چھوڑ کر دوسرے گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھتے تھے، کچھ دن گذرنے پر ایک مولانا صاحب کے مشورہ سے اپنے محلّہ میں ایک وقتیہ مسجد بنائی پھر مصلین زیادہ ہونے پر اس میں جمعہ اور عیدین کی نمازیں ادا کرنے لگے ہم لوگ اسی طرح تین سال سے نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں، ایک مولانا صاحب اس کو مسجد ضرار بتلاتے ہیں، آیا یہ مسجد ضرار ہے یا نہیں ؟ مع حوالہ جواب تحریر فرمائیں۔

نوٹ: مذکورہ بیان سے یہ مسجد ضرار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اصلاح کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ بیان کے بموجب اس مسجد کو مسجد ضرار کا حکم نہیں دیا جا سکتا ہے، کیونکہ مسجد ضرار کی شرائط کفر ونفاق، تفریق بین المسلمین وغیرہ یہاں نہیں ہیں، نیز دس منٹ کا فاصلہ بھی کم نہیں ہے، نئی مسجد بنا لینا دفع حرج کے باعث ہے، اس کو مسجد شرعی کا حکم دیا جائے گا۔ (کفایت المفتی، زکریا جدید مطول ۸۲/۱۰) میں موجود جواب کا مفہوم بھی یہی ہے۔

وفی الذخیرة و بالصلوٰة بجماعة یقع التسلیم بلا خلاف حتی أنه إذا بنی مسجداً وأذن للناس بالصلوٰة فیه جماعة فإنه یصیر مسجداً الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد کوئٹه ۲/ ۴۰۵، کراچی ۴/ ۳۵۶، زکریا ۶/ ۵۴۵، البحرالرائق، کوئٹه ۵/ ۲۴۸، زکریا ۵/ ۴۱۶، المحیط البرهانی ،المجلس العلمی بیروت۹/ ۱۲۴، رقم: ۱۱۳۳۶، تاتار خانیة زکریا ۸/ ۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴)

نیز تراویح میں پانچ پارے پڑھنا حدیث رسول " عن أبی هریرة رضی الله عنه أن النبی صلی الله علیه قال إذا أم أحدکم الناس فلیخفف الخ. (سنن الترمذی، کتاب الصلوٰة ، باب ماجاء إذا أم أحدکم الناس فلیخفف ، النسخة الهندیة ۱/ ۵۵، دارالسلام رقم: ۲۳۶) " **کے بھی خلاف ہے، آپس میں مصالحت کر کے جولوگ مسجد کے قریب ہوں وہ اسی مسجد میں نماز پڑھا کریں ۔**(مستفاد: امداد المفتیین، دارالاشاعت/ ۷۶۵، عزیز الفتاویٰ، دارالاشاعت/ ۲۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۳/۲۳)

ایک گاؤں میں دو مسجدیں بنانا

سوال: [۷۸۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں اب سے تقریباً ۱۰/ سال قبل ایک جگہ مکتب بنا ہوا تھا، کچھ لوگوں نے اسے وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ بنا دیا یہ جگہ مکتب کی اسی دن سے ویران پڑی ہے، کتے اور جانور پیشاب پاخانہ کرتے ہیں، واقفین حضرات سے دیکھا نہیں جاتا تو انہوں نے سوچا کہ اس جگہ پر ایک نئی مسجد تعمیر کردیں جس سے جگہ ویران وبرباد نہ ہو اور یہ نیت کر کے مسجد تعمیر کرنے کا منصوبہ بنالیا کہ مسجد کی تعمیر مرکز کی حیثیت سے کریں گے تاکہ باہر کی

جماعتیں آئیں اور یہاں کے بے نمازی اور دین سے بیزار لوگوں کو دین کی طرف مائل کریں، اسی گاؤں میں پچھّم کی طرف ایک پرانی مسجد بنی ہوئی ہے، اور دوسری مسجد پورب کی طرف بنانے کا ارادہ ہے تو جب گاؤں میں لوگوں کو معلوم ہوا تو اعتراض کرنے لگے کہ جب ایک ہی مسجد میں لوگ نماز نہیں پڑھتے مشکل سے تین چار نمازی ہوتے ہیں، تو دوسری کی کیا ضرورت ہے، غرض نئی مسجد تعمیر کرانے والوں کو برا بھلا فسادی وغیرہ جیسے الفاظ سے نوازنے لگے۔

(۱) تو دریافت یہ کرنا ہے، کہ مذکورہ گاؤں میں مذکورہ نیت کے ساتھ نئی مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟

(۲) ایک صاحب نے نئی مسجد کی رسید چھپوادی تاکہ چندہ وغیرہ کے ذریعہ مسجد کی آمدنی ہو اور تعمیر میں آسانی ہو تو لوگ ان کو بھی برا اور فسادی کہتے ہیں، کیا یہ کام شرعاً غلط تھا؟ اور رسید چھپوانے میں تعاون کرنے والا اجر کا مستحق ہوگا یا گناہ کا؟

(۳) گاؤں کے لوگوں کا نئی مسجد تعمیر کرانے والوں کو برا یا فسادی کہنا یا مسجد کی تعمیر میں خلل ڈالنا کیسا ہے؟ آپ شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

(۴) ایک گاؤں میں دو مسجد یا متعدد مساجد بنائی جاسکتی ہیں، یا نہیں؟

المستفتي: محمد عمران، فتح پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جی ہاں اگرچہ پہلی مسجد میں اتنے نمازی نہ ہوتے ہوں کہ اس میں تنگی آجائے تب بھی دوسری مسجد کا بنانا جائز ہے، جبکہ اس کا مقصد صرف بے نمازیوں کو نمازی بنانا ہے، پہلی مسجد کو نقصان پہونچانا مقصد نہیں ہے۔

کما استفید من عبارة الهندية أهل محلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطا ولكل منهم إمام على حدة ومؤذنهم واحد لا باس به والأولىٰ أن يكون لكل طائفة مؤذن الخ. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الخامس فى آداب

المسجد زکریا قدیم ٥/ ٣٢٠، جدید٥/ ٣٧٠، البحرالرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد زکریا ٥/٤١٩، کوئٹہ ٥/ ٢٥٠)

(۲) اگر رسید چھپوانے کا مقصد صرف مسجد کا مفاد ہے، ذاتی مفاد نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، اس کو برا کہنا جائز نہ ہوگا، اور تعاون کرنے والوں کو ثواب مل سکتا ہے۔

(۳) برا کہنا اور تعمیر میں خلل ڈالنا جائز نہ ہوگا۔

(۴) جی ہاں بنائی جا سکتی ہے، کما مر۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۱۲/ ۱۴۱۴ھ

ایک گاؤں میں تیسری مسجد بنانا

سوال: [۷۸۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کلومیٹر کے اندر دو مسجدیں ہیں، آبادی اس طرح ہے کہ کسی جمعہ کو دونوں مسجدوں میں نمازی پورے نہیں ہوتے کچھ جگہ خالی رہ جاتی ہے، اس کے درمیان پھر کچھ لوگ ایک مسجد اور زبردستی بنا رہے ہیں، کیا اس مسجد میں نماز ہوگی یا نہیں؟ اور تینوں مسجدیں گاؤں میں ہیں، ہمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: عظیم الدین، مسکونہ اتراکھوچہ باڑی، پوسٹ، رام گنج، وایا اسلام پور، ضلع: دیناجپور (بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر فتنہ وفساد کے خوف سے تیسری مسجد بنائی جارہی ہے، یا کسی اور عذر کی وجہ سے بنائی جارہی ہے تو تیسری مسجد بنانے میں کوئی گناہ نہیں اور اس مسجد میں نماز بھی بلا کراہت جائز ہوگی، اور مسجد کا ثواب بھی پورا پورا ملے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۵۱۲، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۴۳۳)

أهـل محلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطا ولكل منهم إمام علىٰ حدة ومـؤذنهـم واحـد لابـأ س بـه والأولىٰ أن يكون لكل طائفة مؤذن الخ.

(هـنـديـه ، كتـاب الـكـراهية ، البـاب الـخـامـس فی أداب المسجد زكريا قديم ٥/ ٣٢٠، جـديـد ٥/ ٣٧٠، البـحـرالرائق، كتاب الوقف، فصل فی أحكام المساجد ، زكرياه/٩ ٤١، كوئٹه ٥/ ٢٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ؍محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸ ؍۲۹۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱/۹ھ

الفصل الخامس: امام ومؤذن کے احکام

مسجد کا امام ومتولی کیسا ہو؟

سوال: [۷۸۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مرحوم نے ایک جائیداد مسجد کے نام وقف کی لیکن امام صاحب اس وقف نامہ کو سالوں سے دبائے بیٹھے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ جب تک میں زندہ ہوں اس کا مالک میں ہوں اس کے بعد کمیٹی کے اصرار کے باوجود وقف نامہ دکھانے کو تیار نہیں ہیں، بہت ضعیف اور کمزور ہیں فرض نماز کے علاوہ سب نمازیں بیٹھ کر پڑھتے ہیں، مسجد وغیرہ کے نام سے جو بھی چندہ وغیرہ آتا ہے، نیز جمعہ کا چندہ وغیرہ سب خود ہی رکھ لیتے ہیں، جبکہ وہ باقاعدہ انجمن کے ملازم ہیں، انجمن ان کو تنخواہ دیتی ہے، مسجد کے مکان پر قابض ہیں، اس میں لڑکے اور بہو وغیرہ رہتے ہیں، خود مسجد کے حجرے میں رہتے ہیں، اور نیز مسجد کا حجرہ ہوتے ہوئے مسجد کے اندر سوتے ہیں، ریح بڑی زور سے مسجد میں خارج کرتے ہیں، مسجد کے مکان پر ناجائز قبضہ ہے وہ ان کے مصرف میں نہیں بلکہ لڑکوں کے مصرف میں آتا ہے، باوجود تنبیہ کے وہ ایسے شخص کو تراویح میں امام بناتے ہیں، جو انگریزی بال رکھتا ہے اور داڑھی کٹواتا ہے، لیکن صرف اس وجہ سے کہ وہ ملنے والا نذرانہ امام کو دے دیتا ہے، وہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں، رمضان میں جو افطاری وغیرہ آتی ہے جو کہ عام لوگوں کے افطار کے لئے ہوتی ہے، لیکن وہ اکٹھا کر کے اپنے لڑکے کے گھر بھیج دیتے ہیں، مسجد میں آنے والا تیل بھی بیچ کر کھا لیتے ہیں، اب جواب طلب یہ امر ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز کہاں تک درست ہے؟ ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: مشتاق احمد قریشی، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ حالات میں ایسا شخص نہ

متولی بننے کے لائق ہے، اور نہ امام - ایسا شخص فاسق ہے نیز انگریزی بال رکھنے والے اور داڑھی منڈوانے والے کٹوانے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، مسجد کے امام اور ذمہ دار کا امانت دار، پابند صوم وصلوٰۃ، متبع شریعت ہونا، فسق اور خلاف شرع حرکات سے دور رہنے والا ہونا ضروری ہے۔

ویکره تقديم الفاسق كراهة تحريم. (صغيری مكتبه مجتبائی دهلی /٢٦٤، حلبي كبير اشرفيه /٥١٣، هدايه اشرفی ديوبند ١٢٢/١، شامی، زكريا ٢٩٩/٢، كراچی ٥٦٠/١)

ولايولی إلا أمين قادر بنفسه أوبنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر. (شامی، الوقف، مطلب في شروط المتولی زكريا ٥٧٨/٦، كراچی ٣٨٠/٤، البحر الرائق، كوئٹه ٢٢٦/٥، زكريا ٣٧٨/٥، هنديه زكريا قديم ٤٠٨/٢، جديد ٣٨٠/٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۶/۲۴)

غیر امام کا منبر پر بیٹھ کر تقریر کرنا

سوال: [۷۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا منبر جس پر امام صاحب خطبہ دیا کرتے ہیں، اس منبر کا استعمال کوئی عالم حدیث یا دین کی بات کرنے کے لئے امام کی اجازت کے بغیر کرسکتا ہے یا نہیں، ہم نے پڑھا ہے کہ ملکیت والی چیز کے استعمال کیلئے مالک کی اجازت ضروری ہے منبر تو ملکیت نہیں ہے، پھر اس کی کیا حیثیت ہے؟

المستفتي: فردوس احمد نعمانی، ناظم:
جامعہ مظفریہ جہانگیری، محلہ ریل پار،
ضلع: آسنسول، (بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ کے دن جمعہ پڑھانے والا امام اگر راضی نہیں ہے تو اس کی اجازت لازم ہے، اور دیگر ایام میں انتظامیہ اور کمیٹی کی اجازت لازم ہے تاکہ نظم وانتظام باقی رہے، نیز جمعہ سے پہلے ممبر پر بیٹھ کر وعظ وتقریر کے بجائے ممبر سے ہٹ کر کرنا چاہئے، تاکہ خطبہ کے مشابہ نہ ہو جیسا کہ امداد الفتاویٰ ۱/ ۶۴۹ میں ہے۔

عن أبی مسعود الأنصاری یقول: قال سمعت رسول الله ﷺ –إلیٰ– ولا یؤم الرجل فی سلطانه ولا یجلس علی تکرمته فی بیته إلا بإذنه الخ.

(ترمذی، الصلاة، باب من احق بالإمامة، النسخة الهندية ۱/ ۵۵، دارالسلام رقم: ۲۳۵)

اس حدیث سے بھی مستفاد ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رشوال ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۸۵/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۱۰/۱۴۳۱ھ

امام کی رہائش کا انتظام کس پر لازم ہے؟

سوال: [۷۸۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا امام ہے، امامت کی تنخواہ جو مسجد سے ملتی ہے، وہ زید کی ضروریات پر مکمل خرچ ہو جاتی ہے، اور اب وہ کرایہ کے مکان میں رہتا ہے، تو اسے کرایہ ادا کرنے میں کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور مسجد کی طرف سے اس کو رہائش نہیں دی جارہی ہے، اور تنخواہ بھی اس قدر نہیں ہے کہ اس سے کرایہ ادا کیا جائے، مسجد کے متولیوں کا کہنا ہے کہ فیملی کواٹر دینا ہماری ذمہ داری نہیں ہے، اور زید کا کہنا ہے کہ فیملی کواٹر اور رہائش کا انتظام کرنا متولیان مسجد کے ذمہ ہے، تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ زید جو امام ہے اس کے لئے مکمل رہائش کا انتظام کرنا متولیان کے ذمہ ہے یا نہیں؟ یا متولیان کا کہنا شریعت کے مطابق ہے مزید برآں یہ کہ دینی غیرت وحمیت کے پیش نظر ان کا اخلاقی فریضہ بھی بنتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد شاکر قاسمی، امام
مسجد گرین لینڈ کالونی، ضلع: اندور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد اور مدارس کے اصول وضوابط اس حدیث شریف سے مستنبط ہیں ، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عمرو بن عوف المزني،عن أبيه ، عن جده ،أن رسول الله ﷺ قال: ......والمسلمون على شروطهم ، إلا شرطاً حرم حلالا أو أحل حراماً .

(سنن الترمذی ، الأحکام ، باب ماذکر عن رسول اللّٰہ ﷺ فی الصلح بین الناس ، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام رقم: ١٣٥٢)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں سوائے ایسی شرط کے جو کسی حلال چیز کو حرام کردے ، یا کسی حرام چیز کو حلال کردے، لہٰذا اس حدیث پر غور کیا جائے تو بات سمجھ میں آجائے گی کہ تقرر کے وقت آپس میں اگر رہائش کی شرط لگائی گئی ہے، تو مسجد کے ذمہ داروں پر رہائش دینا لازم ہے، اور اگر شرط نہیں لگائی گئی ہے، تو رہائش دینا ان پر لازم نہیں ہے لیکن مسجد کے ذمہ داروں پر یہ لازم ہے کہ امام صاحب کو ہر مہینہ میں اپنے بال بچوں کی خبر گیری کے لئے چھٹی دیا کریں یا ہر ہفتہ ایک دن بال بچوں میں گذارنے کے لئے چھٹی دے دیا کریں، اور اگر یہ بات نہیں ہے تو اگرچہ رہائش دینا لازم اور واجب نہیں ہے ، مگر ان کا اخلاقی فریضہ ہے کہ امام صاحب کی رہائش کا انتظام کریں تا کہ امام صاحب سکون ویکسوئی کے ساتھ اپنی ذمہ داری کا فریضہ انجام دے سکیں ۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣/ ذی الحجہ ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/ ١١٣٣٧)

امامت سے معزولی کے بعد مسجد کے مکان میں رہنے یا اس کے متبادل کے مطالبہ کا حکم

سوال: [۷۸۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اہالیان ممبئی نے ایک مسلم علاقہ والکیشورجو متمول لوگوں کا علاقہ ہے وہاں ایک غیر مسلم کی بلڈنگ جو اب اتفاقاً مسجد کے ذمہ داران نے خرید لی ہے، اس کے پہلے منزلہ کو نماز پنجگانہ جمعہ وعیدین کے لئے مختص کر دیا تھا اور آج بھی ہے، اس مسجد میں پہلے امام صاحب کا چالیس سال قبل انتقال ہونے کے بعد ان کے داماد کو امام متعین کر دیا تھا، اس کمرہ کا کرایہ بجلی کا بل وغیرہ حتی کہ پانی بھی آج تک مسجد کی جانب سے دیا جاتا ہے آج سے دس بارہ سال قبل امام صاحب کو امامت سے دست بردار کیا جا چکا ہے، مگر امام صاحب نے کمرہ پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے، اسی کمرہ میں امام صاحب کے رشتہ دار دوست احباب آتے ہیں، ظاہر ہے وہ بھی اسی چھت کے نیچے بجلی پنکھا پانی استعمال کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ امام صاحب کا مطالبہ ہے کہ مجھ کو متبادل مکان یا اس کے مساوی رقم دے دیں تو میں مکان مسجد کے حق میں خالی کر دوں گا، واضح ہو کہ مسجد کو نمازیوں کی ضرورت کے پیش نظر کمرہ کی ضرورت بھی ہے، کیا نمازیوں اور تبلیغی جماعت کے لئے باعث تکلیف نہیں بن رہے ہیں، امام صاحب نے دوران امامت اپنے ہر بچہ کو مکان بھی خرید کر دیا ہے، اور ان کی شادیوں کے فرائض سے بھی فارغ ہو چکے ہیں، جبکہ ان کا ایک مکان مقفل بھی پڑا ہوا ہے، کیا امام صاحب کا مزید مکان یا رقم کا مطالبہ ظالمانہ نہیں ہے؟ کچھ ذمہ داران مسجد امام صاحب کے مطالبہ کو دیکھ کر کچھ رقم دینے کا ارادہ بھی کرتے ہیں مگر امام صاحب کا مطالبہ خطیر رقم لینے کا ہے کیا یہ مطالبہ پورا کرنا ظالم کی ہمت افزائی کرنا نہیں ہے؟ امام صاحب کے ہمنوا مکان خالی کرنے کو منع کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ آپ سے کوئی مکان خالی نہیں کرا سکتا جس کی وجہ سے امام صاحب کے حوصلے

اور بلند ہو جاتے ہیں، کیا یہ ظالم کی مدد کرنا نہیں ہے؟ ممبئی میں ان کے معاونین بہت بڑی تعداد میں ہیں، جو ان کی ہر مد سے مدد کرتے ہیں، جس کے وہ مستحق بھی نہیں ہیں، کیا یہ لوگوں کو دھوکہ نہیں دے رہے ہیں؟

(۱) کیا امام صاحب کا وہاں رہنا جائز ہے؟

(۲) امام صاحب کے رشتہ داروں کے لئے مسجد کا پانی اور بجلی استعمال کرنا جائز ہے؟

(۳) کیا اہالیان ممبئی کا ان کی مدد کرنا جائز ہے؟

(۴) کیا یہ رشوت کے معنیٰ میں نہیں آتا؟

(۵) کیا امام صاحب دیگر ائمہ اور ائمہ کے پیشے کے وقار کو نقصان نہیں پہونچا رہے ہیں؟

(۶) کیا مفتیان شرع اپنے متعلقین کو اس کی مرضی کے مطابق فتویٰ دے سکتے ہیں، امام صاحب مفتیان کرام پر یہ بھی الزام لگاتے ہیں؟

(۷) بلاضرورت مختلف بیماریوں معذوریوں کے نام پر اپنا اور اپنے اہل خانہ کے وظیفے بندھوار کھے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

المستفتي: العبد قاری حسین احمد، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ پر غور کیا گیا اس میں کچھ چیزیں اصل مسئلہ سے متعلق ہیں، اور کچھ چیزیں ذاتیات سے متعلق ہیں، اور ذاتیات کے بارے میں کچھ لکھنا منصب افتاء کے لئے مناسب نہیں ہے، اس لئے اصل مسئلہ جو پیش نظر ہے اس کے بارے میں حکم شرعی لکھا جا رہا ہے، وہ یہ ہے کہ جب امام صاحب اس مسجد کے امام نہیں رہے تو مسجد کا مکان مسجد کو واپس کر دینا امام صاحب پر لازم ہے، جبکہ امام صاحب اس مکان کا کرایہ بھی مسجد کو نہ دیتے ہوں اور جب مسجد کو اس مکان کی ضرورت ہے تو خالی نہ کرنے پر سمجھدار اور معزز مسلمانوں کو بیچ میں ڈال کر خالی کروالینا چاہئے، نیز امام صاحب کا مکان کو خالی کرنے پر متبادل مکان کا مطالبہ کرنا یا اس کے برابر یا کم وبیش رقم کا مطالبہ کرنا ناجائز مطالبہ ہے، امام

صاحب کے لئے اس مکان کے خالی کرنے پر مسجد سے پیسہ لینا جائز نہیں ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله آجر داره كل شهر بكذا فلكل الفسخ عند تمام الشهر . (شامي، كتاب الإجارة، قبيل باب الإجارة الفاسدة، زكريا۹/ ٦١، كراچی ٦/ ٤٥)

عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من اقتطع شبرا من الأرض ظلماً طوقه الله إياه وم القيامة من سبع أرضين وعنه أيضا إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من أخذ شبراً من الأرض بغير حقه طوقه في سبع أرضين يوم القيامة . (مسلم شريف، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرهما النسخة الهندية۲/ ۳۲،۳۳، بيت الافكار رقم: ١٦١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۷ھ

امام کا اپنے بیٹے کو امام بنانا اور مسجد کا مکان خالی نہ کرنا

سوال: [۷۸۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرصہ دراز سے جامع مسجد میں بھاگل پور بہار کے امام اسی مسجد کے مدرسہ میں صدر مدرس بھی تھے، انہوں نے شروع سے ہی اس ڈر سے شہر کے کسی بھی بچہ کو دینی تعلیم اور کلام پاک کی تعلیم میں آگے نہیں بڑھنے دیا کہ آگے چل کر کوئی عالم بن کر ان کے لئے خطرہ یا چنوتی نہ بن جائے، حافظ، قاری بننا تو دور کوئی بچہ بہتر ناظرہ خواں تک نہ بن سکا، پاس کے قصبہ کے ایک حافظ جو اس مدرسہ میں مدرس تھے، ان کی بہتر تعلیم اور کوششوں سے ۵/ بچوں کا حفظ پورا ہونے اور کئی بچوں کے حفظ میں آگے بڑھنے سے گھبرا کر امام صاحب نے شہر میں اپنی عزت، اثر اور رسا تھ ہی کمیٹی پر اپنی پکڑ کے سہارے مدرس کو نکلوا کر اپنے بیٹے کو حافظ

بتاتے ہوئے مدرسہ میں رکھوا دیا، جبکہ اصلیت میں وہ حافظ نہیں تھا، مولانا اسے اپنے بعد اسی مسجد میں امام بنوانے کی سازش کی پہلی سیڑھی پر کامیاب ہوگئے، مولانا کی طرح کمیٹی نے ان کے بیٹے کو بھی ١٠٠/روپئے ماہوار پر ایک رہائشی مکان دیتے ہوئے ان کی تنخواہ میں ہاتھوں ہاتھ اتنا ہی اضافہ بھی کردیا، بجلی، پانی ہاؤس ٹیکس وغیرہ سبھی اسی کرائے میں شامل تھا، مولانا نے دوسری سیڑھی پر بھی کامیابی حاصل کرلی، جبکہ کسی اور مدرس یا مؤذن کو یہ سہولتیں نہیں دی گئی تھیں، نہ ہی اب تک دی گئیں؟

(١) لگ بھگ ١٥/سال بعد مولانا کا انتقال ہوجانے پر ان کے اثر والی کمیٹی کے چند ذمہ داروں نے ہاتھوں ہاتھ ان کے بیٹے کے سرپر وراثت کی پگڑی باندھ کر بنا سندیں دیکھے ہی امام بنا دیا، والد مرحوم کی فطرت کے مطابق انہوں نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی پگڑی بہت مضبوط کرلی، کیونکہ وراثت میں لوگوں کے عقیدے بھی ان کو ملے ہیں، جب انہوں نے بھی اپنے بہت کم عمر بیٹے کو جامع مسجد میں نماز پڑھانے کے مقصد سے زیادہ سے زیادہ موقعہ دینے شروع کردئے، فجر اور عشاء میں خود گھر پر آرام فرماتے ہیں، اور بیٹے کو مسجد میں امامت کے لئے بھیج دیتے ہیں اکثر دن کی نمازیں بھی ان کا بیٹا ہی پڑھاتا ہے، اس بابت کوئی اگر پوچھے تو مولانا لڑنے کو تیار ہوجاتے ہیں۔

(٢) مولانا صاحب نے اپنی کوٹھی مسجد سے دور تعمیر کروالی ہے، اور اسی میں رہتے ہیں، ایک بڑا مکان دوسرے محلّہ میں تعمیر کرواکر اس میں ١٠/١٢/کرایہ دار رکھے ہوئے ہیں، لیکن اس میں رہتے ہوئے جو رہائشی سیٹ کمیٹی نے ١٠٠/روپئے ماہوار پر انہیں دیا تھا، وہ انہوں نے ابھی تک خالی نہیں کیا ہے، بے ضرورت تالا ڈال کر قبضہ برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

(٣) بڑے مولانا کے انتقال کے بعد ان کا بڑا بیٹا جو لکھنؤ میں ڈاکٹر ہے، اپنی والدہ کو ساتھ نہیں لے گیا ہے، مولانا کو کمیٹی سے ملے ہوئے بنا کرائے مفت بجلی، پانی والے مکان میں ہی اپنے تیسرے بیٹے کے ساتھ رہتی ہیں، یہ ریڈیمیڈ کپڑوں کا کاروبار کرتا ہے، اور اب وہ بھی مسجد کے اسی مکان میں اپنی والدہ سے علیحدہ ہوکر رہتا ہے۔

مندرجہ تینوں مسئلوں کے بارے میں مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کی کمیٹی کواختیار ہے کہ وہ جس کومناسب سمجھے اسی کے سر پر امامت کا دستار باندھے، لیکن شرط یہ ہے کہ جس کے سر پر امامت کا دستار باندھا جائے اس کے اندر امامت کی اہلیت ہو، صحیح طور پر نماز پڑھانے پر قادر ہو ،لیکن غیر حافظ کو حافظ قرآن بتلانا جھوٹ ہے جو قطعاً جائز نہیں ہے، اور جھوٹ کا گناہ جھوٹ بولنے والے کے سر ہوگا، اور کمیٹی کو چاہئے کہ جھوٹے آدمی کو امام نہ بنائے ۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۰/ ۳۰، ۳۲)

عن أنس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الکبائر، قال: الإشراک باللہ، وعقوق الوالدین، وقتل النفس، وقول الزور. (مسلم شریف، باب بیان الکبائر ،أکبر هما، النسخة الهندیة ۱/ ٦٤، بیت الافکار رقم: ۸۸)

(۲) مسجد کی عمارت کومعمولی کرایے پر قبضہ میں لیے رکھنا جبکہ مسجد کے دیگر ملازمین کواس کی ضرورت ہو یہ ناجائز عمل ہے، جب امام صاحب کواس کے استعمال کی ضرورت نہیں ہے، تو اسے مسجد کے حوالہ کردینا دیانت داری کا تقاضہ ہے، مسجد کمیٹی کوچاہئے کہ اس سے خالی کراکر دوسرے ضرورت مند ملازم کو رہائش کے لئے دیدے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۲/ ۲۲۶)

(۳) مسجد کے مکان میں ایسے شخص کی رہائش جومسجد کا ملازم نہیں ہے، غرض واقف کے خلاف ہے، اس لئے غیر ملازم سے خالی کراکر وہ رہائشی مکان مسجد کے حوالہ کردینا لازم اور ضروری ہے، اور سوال نامہ سے ظاہر ہے کہ جوکرایہ مسجد کو دیا جارہا ہے، وہ مناسب کرایہ سے بہت زیادہ کم ہے، اس لئے مسجد کمیٹی کوچاہئے کہ ایسا عمل کرے جس سے مسجد کا فائدہ پیش نظر رہے۔

ویؤجر بأجر المثل فلا یجوز بالأقل. (شامی، الوقف، مطلب لا یصح إیجار الوقف بأقل من أجر المثل إلا عن ضرورة زکریا ٦/ ٦٠٨، کراچی ٤/ ٤٠٢)

ولایجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل. (الفتاویٰ الهندية ، زکریا قديم ٤١٩/٢ ، جدید ٣٨٧/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢ ر رمضان ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/ ١١٢٦٦)

مسجد سے متصل حجرہ میں امام صاحب کی فیملی کا قیام

سوال: [٧٨٨٩]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے چاروں طرف دوکانیں ہیں، اوپر دوکان کے کمرے بنے ہوئے ہیں، اور راستہ بھی باہر سے الگ ہے، مگر مسجد کی دیوار کے ساتھ مسجد کی کھڑکی اور کمرہ کی کھڑکی ایک ہے، لہٰذا مسجد کے کمرے جس کے نیچے دوکانیں ہیں، اس کمرہ میں سے ایک راستہ مسجد میں بھی کھلتا ہے، مسجد والا راستہ شدید ضرورت پر کھلتا ہے، کیا اس کمرہ میں امام کی فیملی رہ سکتی ہے؟ جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: اہل محلّہ وکمیٹی مسجد دھوبی والی،
محلّہ: بروالان، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب خارج مسجد دوکان یا مکان اور اس میں آنے جانے کے لئے الگ سے راستہ بھی ہے تو اس میں یا اس کے اوپر کے کمرہ میں امام کے لئے فیملی کے ساتھ رہائش اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلاتردد جائز ہے، اگرچہ اس کمرہ سے مسجد کی طرف بھی کھڑکی اور دروازہ لگا ہوا کیوں نہ ہو۔

ولو كان إلىٰ المسجد مدخل من دار موقوفة لابأس للإمام أن يدخل للصلوٰة من هذاالباب لأنه روى أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان يدخل من حجرته إلى المسجد الخ. (البحرالرائق ، الوقف ، فصل في أحكام المسجد كوئٹه ٢٥٠/٥، زكريا ٤١٩/٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ ذیقعدہ ١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/ ٧٨٤٩)

مسجد کی چھت پر مدرسہ یا امام صاحب کیلئے حجرہ بنانا

سوال: [٧٨٩٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ از سرے نو مسجد بنائی جائے، اور اس کی بناء سے قبل ہی یہ نیت کی جائے کہ اس کی چھت پر مدرسہ اور حجرہ وغیرہ بنایا جائے گا، تو کیا اس نوعیت سے تعمیر کرنا کہ نیچے مسجد اور اوپر مدرسہ یا حجرہ رہے اسی طرح تہہ خانہ میں یہ عمل تعمیر ہو تو کیا جائز ہے؟

المستفتي: محمد انوار قاسمی، مدرسہ اسلامیہ عربیہ دادری، ضلع: گوتم بدھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر از سرے نو مسجد بنائی جارہی ہے، تو حدود مسجد کی چھت پر امام کے لئے حجرہ یا رہائش گاہ بنانا درست نہیں اور نہ ہی مدرسہ بنانا جائز ہے، ہاں البتہ مسجد کو مسجد رہنے کی حالت میں اس میں بیٹھ کر دینی کتابوں کا درس دینا جائز ہے، اور اگر اوپر مسجد اور نیچے مدرسہ یا حجرہ یا مسجد کی آمدنی کے لئے دوکانیں وغیرہ بنائی جائیں تو اس کی گنجائش ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی مسجد وجود میں نہیں آئی ہے، اس سے پہلے تہہ خانہ اور دوکانیں بنالی گئی ہیں، پھر اس کے اوپر مسجد کا وجود آرہا ہے، اور مسجد وجود میں آنے کے بعد اس کے اوپر مقاصد مسجد کے خلاف کسی اور چیز کی تعمیر درست نہیں ہے، اس لئے کہ اب آسمان تک جتنی منزلیں بنیں گی وہ مسجد ہی شمار ہوں گی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ٢/ ٦٨٣)

لو جعل تحته حانوتا وجعله وقفاً على المسجد قيل لايستحب ذلک، ولكنه لو جعل في الإبتداء هكذا صار مسجداً وماتحته صار وقفا عليه ويجوز المسجد والوقف الذي تحته .(حاشيه چلپی علی تبيين الحقائق ،

الوقف، فصل فی أحکام المسجد امدادیه ملتان۳/ ۳۳۰، زکریا ٤/ ۲۷۱)

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع. (شامی، کراچی ٤/ ۳٥۸، زکریا دیوبند٦/ ٥٤۸، الموسوعة الفقهية الكويتية۲۱/ ۲۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍شوال ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹؍۱۰۱۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۰/۲۱ھ

مسجد کی زمین پر امام صاحب کے لئے مکان بنانا

سوال: [۷۸۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تقریباً چار سال سے امام صاحب مسجد قائم کی بیریاں مرادآباد میں امامت کرتے ہیں امامت کے دوران امام صاحب نے مسجد والوں سے کہا کہ مجھے بچوں کو رکھنے کے لئے مکان کی ضرورت ہے، مسجد والوں نے جواب دیا کہ مسجد کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں، آپ اس حجرہ کو اپنے بچوں کے لئے رہائش گاہ بنا سکتے ہیں، اور جب تک آپ کا دل چاہے مسجد میں امامت کرتے ہوئے آپ معہ اہل وعیال اس میں رہ سکتے ہیں، امام مذکورہ نے اجازت ملنے پر اس حجرہ کو رہائش گاہ بنالیا جس میں ۵۰۶۳/۱۰؍خرچ ہوئے امام صاحب کو اس میں رہتے ہوئے دوسال، ۹؍ماہ کا عرصہ ہوا ہے، اب منتظمین مسجد حجرہ کو خالی کرانا چاہتے ہیں، جبکہ امام صاحب اس کو خالی نہیں کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ مذکورہ بالا شرط کے مطابق امام صاحب کو اس میں رہنے کا حق ہے، اس کو کمیٹی والے زبردستی خالی کروا رہے ہیں، کیا ایسی صورت میں امام صاحب کی لاگت مبلغ ۵۰۶۳/۱۰ ان کو ملنے چاہئے یا نہیں؟

جب کہ دوسری مسجدوں میں جیسا کہ مولانا محمد سالم صاحب ومولانا محمد اسعد صاحب ودیگر مساجدوں میں امام صاحبان مع اہل وعیال کے رہتے ہیں، نہ کوئی کرایہ ہے نہ کوئی پریشانی ہے ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پیسوں کے سلسلہ میں شریعت کا کیا فیصلہ

ہے؟مفصل جواب سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: امام مسجد،قائم کی بیریاں،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرامام مسجد نے ذمہ داران مسجد کی اجازت سے مذکورہ حجرہ کی تعمیر کرائی ہے اورمرادآباد کے عرف میں امام صاحب کو بلا کرایہ حجرہ دیا جاتا ہے،تو تعمیرومرمت میں مذکورہ حجرہ میں جورقم امام مسجد نے صرف کی ہے وہ رقم امام مسجدکوشرعاً واپس ملے گی،اور جب تک پوری رقم واپس نہ ملے اس وقت تک امام کوحجرہ خالی نہ کرنے کاحق ہوگا۔

المعروف عرفاًكالمشروط شرعاًالخ. (الاشباه النظائر/١٥٦)

ومن فروعها عدم وجوب العمارة على الشريك وإنمايقال لمريد ها أنفق واحبس العين إلى استيفاء قيمة البناء أو ما أنفقته فالأول إن كان بغير إذن القاضي والثاني إن كان بإذنه وهو المعتمدالخ. (الأشباه والنظائر/١٤١)

وكما استفاده من الشامي نص محمد أن من استاجر أرضاً فبنى فيها بناء ثم آجرها من صاحبها استوجب من الأجر حصة البناء (إلىٰ قوله) وبه أفتى مشائخنا ولو كان البناء ملكاً والعرصة وقفاً وآجر المتولي بإذن مالك البناء فالأجر ينقسم على البناء والعرصةالخ.

(شامی، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة،مطلب في إجارة البناء زكريا٩ /٦٦، كراچی ٦ /٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
١٤/ جمادی الآخرة١٤٠٨ھ
(الف فتویٰ نمبر:١٢٦٥/٢٤)

وضوخانہ پر بنے کمرے میں امام صاحب کا مع اہل وعیال قیام کرنا

سوال: [۷۸۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے آنگن کے برابر وضوخانہ ہے، اوراس وضوخانہ پر مسجد کے امام صاحب کے لئے حجرہ بنا ہوا ہے، حجرہ میں آمدورفت مسجد کے آنگن سے ہے، اس حجرہ میں مسجد کے امام صاحب اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں، کیا ان کا رہنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: شکیل احمد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے وضوخانہ پر جو حجرہ امام صاحب کے لئے بنا ہوا ہے، اس میں امام صاحب کا اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہنا جائز ہے، البتہ مسجد کے جماعت خانہ سے باہر عورتوں کے لئے راستہ ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ ماہواری کی حالت میں عورتوں کے لئے جماعت خانہ سے گذرنا ممنوع ہے ۔(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۹۱، جدید زکریا ۹/ ۱۰۵، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۱۹۸، ڈابھیل ۱۴/ ۵۶۳)

ولاتدخل المسجد. (هدايه ، اشرفی ۱/ ٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۴۴)

مسجد کے وضوخانہ کے اوپر فیملی کوارٹر تعمیر کرنا

سوال: [۷۸۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے خارج حصہ میں مسجد سے متصل ہی وضوخانہ ہے، اس وضوخانہ کے اوپر بیت الخلاء اور غسل خانہ اور دو چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں، کیا ان کمروں میں امام صاحب کا مع اہل وعیال یا

مؤذن وغیرہ کا رہنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: ذمہ داران مسجد چاند
والی، پرنس روڈ، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد سے خارج حصہ جس میں وضوخانہ غسل خانہ بیت الخلاء وغیرہ بنے ہوئے ہیں، اس کے اوپر بھی غسل خانہ بیت الخلاء اور امام یا مؤذن کے لئے فیملی کواٹر وغیرہ بنانا اور اس میں امام یا مؤذن کا اپنی بیوی کے ساتھ رہنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے، اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔

أما المتخذ لصلوٰة جنازة أو عيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء وإن انفصل الصفوف رفقاً بالناس لا في حق غيره به يفتى نهايه فحل دخوله لجنب وحائض كفناء مسجد ورباط ومدرسة ومساجد حياض وأسواق لاقوارع الخ. (درمختار، الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها زكريا ۲/۴۳۰، كراچی ۱/۶۵۷، هنديه، زكريا قديم ۲/۴۵۶، جديد ۲/۴۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/صفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۲/۱۴۱۷ھ

امام صاحب یا ان کی اولاد کا مسجد کا پنکھا استعمال کرنا

سوال: [۷۸۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جہاں امام صاحب رہتے ہیں وہ جگہ مسجد سے ملی ہوئی ہے اور اس میں ایک دروازہ بھی ہے، مسجد کے اس دروازہ میں امام صاحب اور ان کے بچے اس میں سے آنا جانا کرتے ہیں، اور اس دروازہ سے نکل کر مسجد کو آرام گاہ بنالیتے ہیں، اور مسجد کا پنکھا بھی استعمال کرتے ہیں؟

المستفتي: محمد آزاد، تھوپال، ایرونگ، منی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام صاحب کے حجرے سے ان کے بچوں کا مسجد میں آ نا جانا، اور مسجد کا پنکھا استعمال کرنا اس سلسلہ میں حکم شرعی یہی ہے، کہ امام صاحب کا حجرہ اور مسجد دونوں کی بجلی کا میٹر ایک ہے، اور بل منجانب مسجد ادا کیا جاتا ہے، تو یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ امام صاحب کی فیملی کو مسجد کی بجلی استعمال کرنے کی اجازت ملی ہوئی ہے تو ایسی صورت میں امام صاحب اور ان کے بچوں کا مسجد کے پنکھے اور حجرہ کے پنکھے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ،ہاں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ایک نظام کے تحت امام صاحب کو غیر اوقات میں حجرہ کے علاوہ حدود مسجد کے پنکھے استعمال کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے ، تاکہ لوگوں کو اعتراض نہ ہو اور امام صاحب کو اس کی بھی احتیاط رکھنی چاہئے کہ چھوٹے بچے جو پیشاب پاخانہ کی سمجھ نہیں رکھتے ان کو مسجد میں لانے سے احتراز کرنا چاہئے ، تاکہ ان کے پیشاب پاخانہ سے مسجد کا فرش ملوث نہ ہو۔

عن واثلة بن الأشقع ،أن النبی ﷺ قال: جنبوا مساجدکم صبیا نکم،
الحدیث: (سنن ابن ماجه ، باب مایکره فی المساجد ،النسخة الهندیة /٥٤، دارالسلام رقم / ٧٥٠، المعجم الکبیر للطبرانی ، داراحیاء الترث العربی ١٣٢/٨، رقم: ٧٦٠١، ١٧٣/٢٠، رقم:٣٦٩، ٥٧/٢٢، رقم : ١٣٦)

جاز للإمام جعل المسجد طریقاً لاعکسه . (الدرالمنتقیٰ ، کتاب الوقف، فصل إذا بنیٰ مسجداً لایزول ملکه بیروت٥٩٦/٢)

لو بنیٰ بیتا علی سطح المسجد لسکنی الإمام فإنه لایضر فی کونه مسجداً لأنه من المصالح. (البحرالرائق ،کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد ، زکریا٥/ ٤٢١،کوئٹه ٥/ ٢٥١)

لو بنیٰ فوقه بیتا للإمام لایضر لأنه من المصالح. (درمختار ، کتاب الوقف، فرع بناء بیت اللإمام فوق المسجد ،قبیل مطلب فیمالو خرب المسجدأو غیره ،

کراچی ٤/٣٥٨، زکریا ٦/٥٤٨، الدرالمنتقیٰ بیروت، کتاب الوقف، فصل إذا بنیٰ مسجداً لایزول ملکه ٢/٥٩٤)

وأما إحضار الصبى المسجد فأجازه حيث لايعبث به، ويكف عن العبث إذا نهى عنه، فإن كان من شأنه العبث أو عدم الكف، فلا يجوز إحضاره فيه. (الموسوعة الفقهية الكويتية٣٧/٢٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۷/ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۱۲/۳۹)	۱۴۳۲/۱۱/۷ھ

امام صاحب کی فیملی کا مسجد کا پانی استعمال کرنا

سوال: [۷۸۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کے امام صاحب مسجد ہی کے مکان میں جو کہ مسجد سے متصل ہے کرایہ پر رہتے ہیں مع فیملی کے اور مسجد کو کرایہ ادا کرتے ہیں، بعض مقتدیوں کی خواہش ہے، کہ مسجد کی ٹنکی سے موٹر کے ذریعہ مسجد کا پانی امام صاحب کے مکان تک پہونچا دیں جبکہ امام صاحب کے مکان میں پہلے سے پانی کا اپنا نظم بھی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح مسجد کی ٹنکی کا پانی بذریعہ موٹر امام صاحب کی فیملی کے استعمال کے لئے دینا درست ہوگا؟

المستفتي: احمد جان، محلّہ پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امام صاحب کا کمرہ چونکہ متعلقات مسجد میں سے ہے اس لئے مسجد کی ٹنکی کا پانی موٹر کے ذریعہ سے امام صاحب کی فیملی کے استعمال کے لئے دینا اور فیملی کا اس پانی کو استعمال کرنا شرعاً جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۸/۲۰۲، ڈابھیل ۱۴/۶۵۵، احسن الفتاویٰ ۶/۴۴۶)

ويبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم. (شامی، الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة

بماهو أقرب إليها زكريا٦/ ٥٦٠، كراچی ٤/ ٣٦٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/ ٢٩٢، هنديه زكريا قديم ٢/ ٣٦٨، جديد ٢/ ٣٥٦، البحر الرائق، كوئٹه ٥/ ٢١٣، زكريا ٥/ ٣٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶؍۷۶۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۴ھ

مسجد کے حجرہ کو تعویذ خانہ بنانا

سوال: [۷۸۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مسجد کے امام صاحب کو رہنے کے لئے جو جگہ دی گئی ہے، اس کو امام صاحب نے تعویذ خانہ روحانی جسمانی علاج کے لئے متعین کرلیا ہے، اور امام صاحب دوسری جگہ کرایہ پر رہتے ہیں، کیا ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) امام صاحب کے پاس علاج کے لئے ہندو اور مسلم عورتیں بھی آتی ہیں اور علاج خانہ میں جانے کے لئے مسجد کے اندر جانا پڑتا ہے، اور عورتیں تعویذ کے انتظار میں مسجد کے اندر بیٹھتی ہیں، کبھی کبھی نمازیوں کے ساتھ آمنے سامنے آجاتی ہیں، تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد آزاد، ایرونگ، تھوپال، منی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے حجرے کو تعویذ خانہ بنانا قطعاً جائز نہیں، اسی طرح تعویذ گنڈے کے لئے حدود مسجد میں مسلم غیر مسلم عورتوں کی آمد یہ بھی قطعاً ناجائز ہے۔

سئل أيضا عن إمام مسجد فيه منازل موقوفة لسكنى الإمام هل لهٗ أن يؤاجرها؟ فقال ليس لهٗ ذلك. (تاتار خانية، الفصل الحادى العشرون فى المساجد زكريا٨/ ١٧٨، برقم: ١١٥٦١)

لايجوز أخذ الأجرة منه ولا جعل شيئى مستغلا ولا سكنىٰ كما فى البزازية .(الدر المنتقىٰ ، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۹۴)

ولا يجوز للقيم أن يجعل شيئا من المسجد مستغلا ولا مسكنا.
(البحرالرائق ، کوئٹہ ۵/ ۲۵۱، زکریا۵/ ۴۲۱)

ولايجوز أن يتخذه طريقا بغير عذر .(فتح القدير ،قبيل باب الوتر ،زكريا ۱/ ۴۳۵، دارالفکر ۱/ ۴۲۲، کوئٹہ ۱/ ۳۶۸، زکریا ۲/ ۴۲۸، کراچی ۱/ ۶۵۶)

ولا يجوز أن تعمل فيه الصنائع لأنه مخلص لله ، فلا يكون محلا لغير العبادة .(فتح القدير، زكريا ۱/ ۴۳۵، کوئٹہ ۱/ ۳۶۹، دارالفکر ۱/ ۴۲۲)

فالحاصل أن المساجد بنيت لأعمال الآخرة مما ليس فيه توهم إهانتها وتلويثها مما ينبغي التنظيف منه ولم تبن لأعمال الدنيا ولو لم يكن فيه توهم تلويث وإهانة . (كبيرى/ ۶۱۱، لاهور)

لأن المساجد ما بنى إلا لها (أى العبادة) من صلوٰة واعتكاف وذكر شرعى وتعليم علم ، وتعلمه وقراء ة قرآن . (البحرالرائق، کوئٹہ ۲/ ۳۴، زکریا۲/ ۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/ ۱۰۵۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۷ھ

مسجد کے بورنگ سے امام صاحب کے کمرہ میں کنکشن دینا

سوال: [۷۸۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنے روپیہ سے مسجد کے اندر بورنگ کرواکے ٹنکی بھرنے کے لئے پائپ لگوا رہا ہوں اور اس ٹنکی کے پانی کا ایک پائپ امام صاحب کے کمرہ میں ان کی سہولت کے لئے لگوانا چاہتا ہوں اس لئے کہ امام صاحب اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں، پریشانی ہوتی ہے، تو امام صاحب کے کمرہ میں جو مسجد ہی کا کمرہ ہے، اس میں پانی کا کنکشن دے

سکتا ہوں یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: محمد اسلام کیت والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب آپ بذات خود اپنے روپئے سے بورنگ بنوا کر ٹنکی بھرنے کے لئے پائپ لگوار ہے ہیں، تو آپ کے لئے یہ بھی اختیار ہے کہ امام صاحب کے کمرہ میں بھی پائپ لگوا دیں۔

فإن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك فله أن يجعل ماله حيث شاء فلم يكن معصية . (شامی، الوقف، مطلب شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، زکریا ٦/٥٢٧، کراچی ٤/٣٤٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳ / ۵۷۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۳۰ھ

امام صاحب کا مسجد کی بجلی استعمال کرنا اور طلبہ کا مدرسہ کی بجلی سے پریس کرنا

سوال: [۷۸۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) شہر کی جامع مسجد میں مکتب چل رہا تھا، اس مسجد کے امام کی ذمہ داری تھی، کہ امامت کے ساتھ ساتھ اس مکتب میں پڑھانا بھی ہے، تعلیمی فقدان اور شہر کے بچوں کے انگلش میڈیم اسکولوں میں پڑھنے کی وجہ سے مکتب خالی نظر آرہا تھا، ان حالات کو دیکھتے ہوئے مکتب کو مدرسہ کی شکل دے کر بیرونی طلبہ کے قیام وطعام کا انتظام کیا جس کی وجہ سے کچھ مقامی بچے اور کچھ باہر کے بچے داخل ہوئے اور مدرسہ تعلیمی اعتبار سے ترقی کی

طرف گامزن ہونے لگا، مدرسے کے جملہ انتظامی امور کی دیکھ بھال کے لئے ناظم اور مہتمم صاحبان ہیں، مدرسہ مسجد ہی کی اراضی میں ہے، اور مسجد ہی سے منسلک ہے مدرسہ کے مدرسین وملازمین وغیرہ کے اخراجات مدرسے ہی کے فنڈ سے پورے ہوتے ہیں، مدرسہ کا حساب وکتاب الگ ہے اور مسجد کا حساب وکتاب الگ اور مسجد کے خزانچی بھی دوسرے شخص ہیں، مدرسہ کا بجلی کا کنکشن مسجد ہی سے ہے، خزانچی صاحب مدرسے کے مہتمم صاحب سے بجلی کے خرچ کا مطالبہ کرتے ہیں مسجد کے خزانچی کا مطلوبہ مطالبہ مہتمم صاحب دینے کو تیار ہیں، مگر جواب طلب یہ امر ہے کہ مدرسہ کے مہتمم صاحب مطلوبہ رقم دے دیں یا بجلی کا کنکشن مسجد سے الگ کرلیں، مطلوبہ رقم دینا ہی کافی ہے یا نہیں؟

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ مدرسے ہی میں امام صاحب کے لئے رہائش کا انتظام بفضلہٖ تعالیٰ ہوگیا ہے نہ مسجد سے طعام کا نظم ہے نہ مدرسہ سے، امام صاحب کا کہنا ہے کہ موجودہ تنخواہ جو دی جاتی رہی ہے، یہ نا کافی ہے پھر بجلی کے خرچ کا مطالبہ درست نہیں ہے، یہ مدرسے کی طرف سے ہونی چاہئے، یا مسجد کی طرف سے؟ نیز دوسری منزل پر قرآن کی تعلیم ہوتی ہے، اور تیسری منزل پر امام صاحب اپنے بچوں کے ساتھ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) تیسرا سوال یہ ہے کہ مدرسے میں جو روپئے آتے ہیں، طلبہ ہی کے لئے آتے ہیں، اور طلبہ کے اوپر خرچ ہونا چاہئے، طلبہ کے کپڑوں پر پریس پر مہتمم صاحب کا پابندی لگانا کہاں تک درست ہے؟ برائے کرم وضاحت فرمائیں، کرم ہوگا۔

المستفتي: امتیاز احمد، امام جامع مسجد، وناظم:
مدرسہ مفتاح العلوم جامع مسجد سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) سوال کا اصل مقصد بجلی کے بل کی ادائیگی سے متعلق ہے کیونکہ مدرسہ کا نظام اور خرچہ اخراجات الگ سے ہے، اور مسجد کا ذمہ دار اور خرچہ اخراجات اس سے بالکل الگ مستقل ہے تو ایسی صورت میں بجلی کا خرچ اور اس کے بل کی ادائیگی بھی مستقل اور الگ الگ ہونی چاہئے، لہٰذا مسجد کے خزانچی کا مدرسہ سے

بجلی کے خرچ کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے، اور سب سے بہتر شکل یہی ہے کہ ماضی میں مدرسہ نے جو بجلی خرچ کی ہے، اس کی ادائیگی کرلیں، اور آئندہ کے لئے الگ سے میٹر لگالیا جائے، تاکہ مسجد کے میٹر کا خرچہ مسجد برداشت کرے اور مدرسہ کے میٹر کا خرچہ مدرسہ برداشت کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۲/ ۳۰)

وإذا رأى حشيش المسجد فرفعه إنسان جاز إن لم يكن له قيمة فإن كان له ادنىٰ قيمة لا يأخذه إلا بعد الشراء من المتولى أو القاضى أو أهل المسجد أو الإمام . (البحر الرائق، الوقف، فصل فی احكام المسجد زكريا ٥/ ٤٢٠، كراچی ٥/ ٢٥١)

لو سكن بلا إذن أو أسكنه المتولى بلا أجر كان على الساكن أجر المثل ودخل مالو كان الوقف مسجداً أو مدرسة سكن فيه فتجب فيه أجرة المثل. (شامی، مطلب إذا آجر المتولى بغبن فاحش كان خيانته زكريا ٦/ ٦١٥، كراچی ٤/ ٤٠٨، هنديه زكريا قديم ٢/ ٤٢٠، جديد ٢/ ٣٨٧، الفقه الإسلامی وأدلته ، مكتبه هدیٰ انٹرنيشنل ديوبند ٨/ ٢٣٣، دارالفكر ١٠ / ٧٦٨٩)

(۲) دوسری بات مسجد کے امام صاحب کی رہائش کی بجلی کا خرچہ کون ادا کرے؟ تو اس سلسلہ میں واضح بات یہی ہے کہ امام صاحب مسجد ہی کے ملازم ہیں، اس لئے امام صاحب کے حجرے اور رہائش گاہ کا خرچہ مسجد کے فنڈ سے ادا کرنا چاہئے، اور سوال نامہ سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے، کہ دوسری منزل اور تیسری منزل کی جو بات کہی گئی ہے، یہ حدود مسجد اور جماعت خانہ سے خارج ہے اور جو حصہ حدود مسجد اور جماعت خانہ سے خارج ہو اس حصہ میں امام صاحب کا فیملی کے ساتھ رہائش اختیار کرنا جائز ہے، بشرطیکہ امام صاحب نے ان جگہوں پر تعویذ گنڈہ وغیرہ کا سلسلہ جاری نہ کر رکھا ہو جو مسجد کے مقاصد کے خلاف ہے۔

لو بنى فوقه بيتا للإمام لايضر لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع .... ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه

مستغلا و لا سكنى الخ. (درمختار زكريا٦/ ٥٤٨، كراچی ٤/ ٣٥٨)

(۳) یہ بات صحیح ہے کہ مدرسہ میں جو روپیہ آتا ہے وہ طلبہ ہی کے لئے آتا ہے، مگر اس پیسہ کو ہر طالب علم اپنے اپنے طور پر بغیر انتظام کے جس طرح چاہے خرچ نہیں کرسکتا؛ بلکہ مدرسہ کے ذمہ دار کے انتظام کے تحت وہ خرچ ہوتا رہے گا، تاکہ مدرسہ کا نظام نہ بگڑے اس لئے مدرسہ کے ذمہ دار کی اجازت کے بغیر بجلی کی پریس استعمال کرنے کی طلباء کو اجازت نہیں؛ کیونکہ نظام کا باقی رکھنا ایک اہم کام ہے اور مدرسہ کے اصول وضوابط حسب ذیل حدیث شریف سے ثابت ہوتے ہیں۔

عن كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حراماً .

(ترمذي شريف، الأحكام، باب ماذكر عن رسول الله في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام رقم: ١٣٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شعبان ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۶۳۴/۴۱)

کیا ائمہ مساجد وقف بورڈ کی شرائط کے پابند ہیں؟

سوال: [۷۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے ہریانہ پنجاب وہماچل میں سینکڑوں ائمہ کرام پنجوقتہ نمازوں کی امامت اور بچوں کی دینی تعلیم وغیرہ کے ساتھ مساجد کی بہت سی خدمات انجام دیتے چلے آئے ہیں، اور چونکہ یہ خدمات ۲۴؍گھنٹہ ائمہ کو انجام دینی پڑتی ہیں، اس لئے وہ اپنا ذریعہ معاش بھی کوئی اور اختیار نہیں کرسکتے ہیں، صرف وقف بورڈ کی تنخواہ پر ان کی ضروریات کا انحصار ہے، مگر وقف بورڈ ان ائمہ کو کسی نہ کسی

صورت میں برطرف کرنا چاہتا ہے؟

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ ناظرہ (غیر مستند عالم) ائمہ کوعلیحدہ کیا جارہا ہے، ان میں بہت سے مستند علماء بھی ہیں، جن کی تقرری ناظرہ کی حیثیت میں کی گئی تھی، اوراب ان کی سندوں کونہیں مانا جارہا ہے؟

(۲) دوسری صورت یہ کہ جو امام ۶۵ رسال کا ہوجائے اسے برطرف کرنا ضروری ہے، اگراس نے ۶۵ رسال کی عمر کے بعد اپنی ذمہ داری نہیں چھوڑی اور تنخواہ وصول کی ہے تو تنخواہ واپسی کا مطالبہ ہے، جبکہ اعلان یہ کیا گیا تھا، کہ ریٹائرڈ کرنے کے بعد ۶۰ر ہزارروپیہ بورڈ کی طرف سے دیئے دجائیں گے، اب آپ فرمائیں کہ شرعی نقطۂ نظر سے وقف بورڈ پنجاب کا یہ طریقہ ائمہ کے ساتھ کہاں تک رواہے، ائمہ کرام عدالتی چارہ جوئی کرنا چاہتے ہیں، اس میں شرعی فتویٰ بھی پیش کریں گے؟

المستفتي: ائمۂ اکرام، پنجاب وقف بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وقف بورڈ کی طرف سے یہ قوانین پہلے ہی بنے ہوئے ہیں، اورائمہ حضرات ان قوانین کوتسلیم کرکے ہی ملازمت قبول کیا کرتے ہیں، اس لئے وقف بورڈ کا اپنے قوانین پرعمل کرنا جائز ہوگا، ہاں البتہ اگر عدالت کے ذریعہ سے قوانین میں تبدیلی ہوجائے تو پھراس کے مطابق عمل کیا جاسکتا ہے۔

عن كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً .

(ترمذی شریف، الأحکام ، باب ماذکر عن رسول اللّٰہ فی الصلح بین الناس ، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۵ھ

مسجد کے ضعیف العمر امام کے لئے منجانب مسجد پینشن

سوال: [۷۹۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مسجد میں امامت پر مامور ہے، نیز مسجد کی تعمیر وتوسیع پر پوری طرح توجہ بھی کرتا رہتا ہے، نیز مسجد کی ہر طرح خدمت کرتا رہتا ہے، اب اس وقت اپنی صحت سے معذور ہے، جس کی وجہ سے امامت کی خدمت انجام نہیں دے سکتا ہے، نہ کوئی دوسری ہی خدمت ہو سکتی ہے، اب اس صورت میں مسجد کی آمدنی سے زید کو تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یا اپنی جیب سے مصلیان امام صاحب کا تعاون کر سکتے ہیں، شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمانے کی زحمت گوارہ کریں؟

المستفتي: تفضّل حسین، بسواں
میڈیکل اسٹور، گرری گنج، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال جبکہ مذکورہ امام صاحب کمزوری کی وجہ سے امامت یا مسجد کی کوئی اور خدمت کرنے پر قادر نہیں ہیں، تو اب ان کو مسجد کے فنڈ سے بطور معاوضہ کوئی رقم دینا درست نہیں ہے،؛ البتہ مسجد کے نمازی اپنی طرف سے اس کا تعاون کر سکتے ہیں، اسی طرح اگر مسجد میں چندہ کے ذریعہ آمدنی ہوتی ہو اور انتظامیہ کمیٹی یہ ضابطہ بنالے کہ جو امام صاحب طویل مدت تک مسجد میں رہیں اور پھر بڑھاپے کی وجہ سے معذور ہو جائیں تو بطور امداد مسجد کی طرف سے ان کی پینشن جاری کردی جائیگی، اور حتی الوسع چندہ دہندگان کو پینشن سے متعلق معلوم ہو جائے، تو اس صورت میں مسجد کی آمدنی سے پینشن دینے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ (مستفاد: محمود یہ ڈابھیل ۱۵/ ۲۹۴، میرٹھ ۲۲/ ۴۰۵)

والذی یبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الوقف أو لا ثم ماهو أقرب إلیٰ العمارة...... ثم السراج والبساط کذلک إلیٰ آخر المصالح ...... والبساط بکسر الباء أی الحصیر ویلحق بهما معلوم خادمها وهو الوقاد والفراش فیقدمان . (البحر الرائق، کتاب الوقف، کوئٹہ ۵/۲۱۳تا ۲۱۵، زکریا۵/ ۳۵٦تا ۳۵۹)

وللمتولی أن یستأجر من یخدم المسجد یکنسه ونحو ذلک بأجر مثله أو زیادة یتغابن فیها . (ہندیہ ، زکریا قدیم ۲/٤٦۱،جدید۲/٤۱۲)

عن عبد الله بن عمر و بن عوف المزنی عن أبیه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بین المسلمین إلاصلحا حرم حلالاً أوأحل حراماً ، والمسلمون علی شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حراما . (ترمذی شریف، الأحکام ، باب ماذکر عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الصلح بین الناس ، النسخة الهندیة ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵؍شعبان ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۶۳۳/۴۱)	۱۴۳۵/۸/۱۵ھ

مستقل امام کو رمضان میں رقم جمع کر کے ہدیہ دینا

سوال: [۷۹۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید گاؤں کی ایک مسجد میں امام ہے، جس سے ملحق مدرسہ بھی ہے، تقرر ہوتے وقت طے ہوا تھا، کہ مدرسہ سے تنخواہ ہوگی اور امامت کی کوئی تنخواہ ماہانہ متعین نہ ہوگی ،لیکن دستور یہ رہے گا کہ سال کے اخیر رمضان گذر کر چاندرات کو محلّہ کے لوگ خاصی رقم امام صاحب کو دیں گے، لیکن کتنی دیں گے یہ واضح نہیں کیا گیا تھا، جو ہو جائے وہ امام کا مقدر ہے، خیر اس طرح زید کو کام

کرتے ہوئے آٹھ سال کا عرصہ گذر چکا ہے، بہرکیف ان لوگوں کا رقم دینے کا طریقہ اس طرح ہے کہ رمضان میں تراویح کے اندر تکمیل قرآن کے موقع پر ختم کے نام پر ہزاروں کی تعداد میں روپیہ جمع کرتے ہیں، جس میں سامع بھی اکثر امام صاحب ہی ہوتے ہیں، خیر اس دن حافظ اور سامع کو جو بھی مناسب سمجھتے ہیں، دیدیتے ہیں، رقم چونکہ کافی ہوتی ہے اسی کی بچی ہوئی اور کچھ اکھٹا کر کے چاندرات کو ذمہ دار لوگ جو ہوتے ہیں، اگر کمی دیکھتے ہیں، تو جبریہ طور پر لوگوں سے وصول یابی کرتے ہیں، جس کے ڈر سے کچھ مسجد میں اس وقت آتے بھی نہیں ہیں، اب تمام لوگوں سے وصول شدہ رقم یکجا کر کے ایک ہاتھ میں لے کر امام صاحب کو یہ کہ کر حوالہ کرتے ہیں، کہ لیجئے امام صاحب یہ آپ کو ہم لوگوں کی طرف سے ہدیہ ہے۔

(۱) دریافت طلب یہ ہے کہ اول یہ لوگ جو رقم جمع کرتے ہیں قرآن کے نام پر، جس کے حصول میں جبریہ طور پر بھی لوگوں سے لینا دیکھا گیا ہے، اس طرح جبریہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بوقت وصول یہ بھی کہتے ہیں کہ اسی میں سے امام صاحب کو بھی تو دینا ہے، وہ ہمارے امام ہیں، پورے سال امامت کی خدمت انجام دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ تنخواہ سمجھ کر جمع کرتے ہیں، لیکن دیتے وقت یہ کہ کر دینا کہ لیجئے امام صاحب یہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے تو آیا یہ ہدیہ ہی ہے یا تنخواہ ہے اور اس طرح لینا ازروئے شرع درست ہے یا نہیں؟ برائے کرم مسئلہ کی وضاحت فرما دیں؟

المستفتي: ظریف احمد، میوہ نوادہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تقرر کے وقت یہ طے ہوگیا تھا کہ تنخواہ مدرسے سے ہوگی اور مسجد سے کوئی تنخواہ مقرر نہ ہوگی، تو یہ معاملہ شرعاً جائز ہے اور پھر سال کے اخیر میں امام کو جو کچھ ہدیہ کے نام سے دیا جاتا ہے، امام کے لئے اس کا لینا جائز ہے اور وہ ہدیہ ہی ہے، تنخواہ نہیں، لیکن اس ہدیہ کے لئے جبری چندہ جائز نہیں ہے، البتہ

صرف اعلان کردیا جائے جو خوشی خوشی لاکر دیدے اس کو تحفہ میں دیا جاسکتا ہے یہ ہدیہ اور تحفہ صرف مستقل امام کے لئے ہے لیکن قرآن سنانے والے حافظ کو ہدیہ اور تحفہ کے نام سے بھی دینا جائز نہیں ہے۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (السنن الکبریٰ للبیهقی ،الغصب ، قبیل باب من غصب جاریة فباعها ثم جاء رب الجاریة ، دارالفکر ۵۰۶/۸، رقم: ۱۱۷۴۰)

فالحاصل أن ماشاع فی زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لایجوز لأن فیه الأمر بالقرأة وإعطاء الثواب للآمر والقراء ة لأجل المال ؛ فإذا لم یکن للقارئ ثواب لعدم النیة الصحیحة فأین یصل الثواب إلیٰ المستأجر ولولا الأجرة ماقرأ أحد لأحد فی هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسبا ووسیلة إلیٰ جمع الدنیا إنا لله وإنا إلیه راجعون .

(شامی ، الإجارة، باب الإجارة الفاسدة ، مطلب تحریر منهم فی عدم جواز الاستئجار علی التلاوة ، زکریا ۷۷/۹، کراچی ۵۶/۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۱۱/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۴/۲۲ھ

مسجد کی موقوفہ زمین کی آمدنی سے مدرس کو تنخواہ دینا

سوال: [۷۹۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید نے اپنی کچھ زمین مسجد کے صرفہ کے لئے وصیت کردی تو کیا اس کی پیداوار وغیرہ سے ایسے مدرس کو تنخواہ دی جاسکتی ہے، جس کو اہل محلّہ ہی تنخواہ دیتے ہوں اور باہر سے کسی بھی قسم کا چندہ نہ کیا جاتا ہو نیز وہ امامت کے فرائض بھی انجام دیتا ہو۔

(۲) نیز اسی وصیت کردہ زمین کی پیداوار کو عیدگاہ کی چہار دیواری بنوانے میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد محسن علی، متعلم: تکمیل ادب، مدرسہ امدادیہ، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) مسجد کے نام وقف کی گئی زمین کی آمدنی سے تدریس کی تنخواہ صرف اسی مدرس کو دینا جائز ہے جو اسی مسجد میں تعلیم دیتا ہے، اور اگر مدرسہ اور مسجد دونوں الگ الگ ہیں تو صرف امامت کی تنخواہ دینا جائز ہے تدریس کی تنخواہ دینا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۲۸۲، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۲۲۷، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۵)

والذی يبدأ به من ارتفاع الوقف أی من غلته عمارته شرط الواقف أولا ثم ماهو أقرب إلیٰ العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد (إلیٰ قوله) ثم السراج والبساط كذلک إلیٰ أخر المصالح الخ. (شامی، الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بماهو أقرب إليها، زكريا ٦/ ٥٦٠، كراچی ٤/ ٣٦٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/ ٢٩٢، هنديه زكرياقديم ٢/ ٣٦٨، جديد٢/ ٣٥٦، البحرالرائق، زكريا ٥/ ٣٥٦، كوئٹه ٥/ ٢١٣، ٢١٤)

(۲) وقف مسجد سے حاصل شدہ روپئے کو عیدگاہ پر اور وقف عیدگاہ پر خرچ کرنا اور وقف عیدگاہ سے حاصل شدہ روپیہ سے مسجد بنانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ غرض واقف کے خلاف ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۰/ ۱۳۹، ڈابھیل ۱۵/ ۵۸، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۹۱)

علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الوقفين واجبة الخ. (شامی، كراچی ٤/ ٤٤٥، زكريا٦/ ٦٦٥)

شرط الواقف كنص الشارع فيجب إتباعه. (شامی، زكريا٦/ ٧٣٥، كراچی ٤/ ٤٩٥)

فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع الخ. (شامی، كراچی ٤/ ٣٤٣، زكريا٦/ ٥٢٧، الموسوعة الفقهية الكويتية٤٤/ ١٣٢) **فقط واللّٰه سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۵/۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۰۳۹/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۹ھ

مسجد کی آمدنی سے امام ومؤذن کی تنخواہ دینا

سوال: [۷۹۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی آمدنی سے امام ومؤذن کی تنخواہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ مسجد کو چندہ دینے والے کسی مد کی تفصیل نہیں کرتے ہیں؟

المستفتي: محمد سلیم احمد میر گنج، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: چندہ دہندگان عرف میں منافع مسجد کے لئے ہی چندہ دیا کرتے ہیں، اس لئے مذکورہ آمدنی سے امام ومؤذن کی تنخواہ ادا کرنا بھی جائز ہوگا۔

ويبدأ من غلته بعمارته ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام المسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم الخ. (الدرالمختار مع الشامی، الوقف، مطلب يبدأ من غلة الوقف بعمارته زكريا ٦/ ٥٩٩، کراچی ٤/ ٣٦٦، هنديه زكريا قديم ٢/ ٣٦٨، جديد ٢/ ٣٥٦، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢١٣، زكريا ٥/ ٣٥٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/ ٢٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۳۷۰/۲۵)

غریب امام کی مسجد کے فنڈ سے امداد کرنا

سوال: [۷۹۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں امام صاحب تقریباً ۴۰/ سال سے بلا معاوضہ امامت کررہے ہیں مقامی ہیں، ایک دوکان چھوٹی سی کرتے تھے درزی کی، اس سے اپنا گذر اوقات کرتے تھے، اب ان کو ایک حادثہ میں ۱۸/ ہزار روپیہ کا بار پڑ گیا کاروباری حالت اچھی نہیں ہے، پریشان ہیں کیا کریں ایسی مجبوری کی حالت میں ہم مسجد کے فنڈ سے ان کی امداد کر سکتے ہیں، تاکہ قرض سے نجات حاصل ہو سکے، شرعی جواز سے ہم کو جانکاری چاہئے عمر ۷۲/ سال ہے، اب وہ کام کرنے کے قابل بھی نہیں رہ گئے ہیں، اس لئے قرض کی ادائیگی ضروری ہے، بریں بنا شرعی معلومات کی اشد ضرورت ہے، جواب جلد از جلد عنایت کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے فنڈ سے کسی کی امداد جائز نہیں ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ مذکورہ امام صاحب کے لئے منجانب مسجد تنخواہ مقرر کر دی جائے اور تنخواہ کے نام سے جتنا چاہے کمیٹی کے مشورہ سے دیا جا سکتا ہے، نیز جب امام صاحب مقروض ہیں، تو صاحب حیثیت اور مالدار لوگ امام صاحب کو اپنی زکوٰۃ کے مد سے بھی امداد کر سکتے ہیں، کیونکہ امام صاحب مستحق زکوٰۃ ہیں، اگر سید نہیں ہیں۔

مدیون لایملک نصاباً فاضلاً عن دینه وفی الظهیریة الدفع للمدیون أولیٰ منه للفقیر الخ. (الدر المختار، الزكاة، باب المصرف، زكريا ۳/۲۸۹، كراچی ۲/۳۴۳، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/ ۷۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵۹۶/۲۷)	۱۶/۳/۱۴۱۲ھ

محلّہ والوں سے چندہ کرکے امام ومؤذن کی تنخواہ دینا

سوال: [۷۹۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی مستقل آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے مسجد سے متعلق محلوں سے اجتماعی چندہ اکٹھا کر کے امام صاحب اور مؤذن کو تنخواہ دی جاتی ہے، کیا یہ درست ہے؟

المستفتي: عبدالحمید عینی، سانپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محلّہ سے اجتماعی چندہ اکٹھا کر کے امام ومؤذن کو تنخواہ دینا جائز ہے، جب بخوشی چندہ لیا جاتا ہو، جبراً وصول نہ کیا جاتا ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۴/ ۴۲۷، جدید زکریا دیوبند ۹/ ۱۴۷)

وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلىٰ إمام المسجد أو إلىٰ مؤذن المسجد فليس له ذلك إلا إذا كان الواقف شرط ذلك في الوقف. (هنديه، الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به، الفصل الثانى زكرياقديم ۲/ ۴٦۳، جديد۲/ ۴۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۲/۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۰۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۲ھ

تنخواہ سے ہٹ کر الگ سے امام کی اعانت کرنا

سوال: [۷۹۰٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں پردیسی امام فریضۂ امامت انجام دیتے ہیں، تو کیا ہم ان کی ضروریات کا خیال کرتے ہوئے کچھ اعانت کر سکتے ہیں، جبکہ امام کو کچھ ماہوار اور کچھ سبھی محلّہ والوں سے جمع کر کے دوسرے وقت دینے کا ماحول ہے؟

المستفتي: محمد ہارون، سیکر، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں تنخواہ سے ہٹ کر الگ سے اعانت کرنا جائز اور درست ہے، بلکہ اعانت کرنے والے کے لئے بہت بشارت ہے۔

عن أبی هريرة رضؓ عن النبی ﷺ قال: ...... والله فی عون العبد، ما كان العبد فی عو ن أخيه. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی الستر علی المسلم، النسخة الهندية ۲/ ۱٤، دارالسلام رقم: ۱۹۳۰، صحيح مسلم، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذكر النسخة الهندية ۲/ ۳٤٥، بيت الافكار رقم: ۲٦۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۰/۲/۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۶۲۲/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۸ھ

ایام تعطیل کی تنخواہ کا مستحق امام یا نائب

سوال: [۷۰۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں کسی صاحب کو امام رکھا جائے نماز پڑھانے کے لئے تو تقرری میں ان کے ذمہ نماز پنجگانہ پابندی سے پڑھانا ہے، جس کا ان کو متولی صاحب ماہانہ معاوضہ دیتے ہیں، اب وہ صاحب چھٹی پر گھر جانا چاہتے ہیں، ان کی جگہ دوسرا شخص ان کی غیر موجودگی میں نماز پڑھا رہا ہو تو آپ بتائیے کہ تنخواہ مستقل امام صاحب کو متولی صاحب دیں گے، یا جس نے ان کی غیر موجودگی میں نماز پڑھائی ہے، اس شخص کو ملے گی، جبکہ امام صاحب کا اصرار ہے کہ آپ مجھے دیجئے یہ میرا حق ہے، میں امام ہوں، مسجد کا کام چندہ پر چلتا ہے، آپ وضاحت کے ساتھ جواب دیں؟

المستفتي: متولی حافظ اظہر علی، محلّہ قاضیان، قصبہ سہسپور، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تنخواہ کا مستحق مستقل امام ہی ہوگا؛ البتہ مستقل امام نے نائب کے لئے کوئی اجرت مقرر کی ہوتو وہ اس کا مستحق ہوگا، اور اگر اجرت مقرر نہیں کی ہے تو وہ اجر مثل کا مستحق ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۲۸۵)

إن النائب لایستحق شیئا من الوقف لأن الاستحقاق بالتقریر ولم یوجد ویستحق الأصیل الکل إن عمل أکثر السنة وسکت عما یعینه الأصیل للنائب کل شهر فی مقابلة عمله الخ. (شامی، مطلب مهم فی الاستنابة فی الوظائف زکریا ٦/ ٦٣١، کراچی ٤/ ٤٢٠، البحرالرائق، کوئٹه ٥/ ٢٣٠، زکریا ٥/ ٣٨٥) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۸۴)

امام صاحب کا رخصت کے ایام کی تنخواہ وصول کرنا

سوال: [۷۹۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید ایک مسجد کے امام ہیں وہ کثرت سے غیر حاضری کرتے ہیں، خاص طور سے نماز فجر میں کچھ زیادہ ہی غیر حاضری رہتی ہے، اور رمضان المبارک میں تو پورا مہینہ ہی غائب رہتے ہیں، جبکہ امام صاحب مقامی ہیں، اور مضان المبارک کی چھٹی بھی انتظامیہ کی طرف سے طے نہیں ہے، جس کی وجہ سے مصلیان مسجد جماعت کے وقت بلند آواز سے چہ میگوئیاں کرنے لگتے ہیں، اور مسجد میں شور ہونے لگتا ہے، اس طور پر مسجد کے تقدس کی پامالی پر ہی بس نہیں بلکہ بسا اوقات مقتدی حضرات مسجد کی انتظامیہ پر بھی برستے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ اتنا زیادہ ناغہ کرنے والے امام کو آپ حضرات ہٹاتے کیوں نہیں ہیں؟

(۲) امام صاحب غیر حاضری کی تنخواہ بھی بلاخوف وخطر لیتے ہیں، ان کا یہ عمل بھی اہل مسجد کی ناراضگی کا سبب بنا ہوا ہے، مسجد کی انتظامیہ نے امام صاحب کو غیر

حاضری کی طرف توجہ دلائی لیکن امام صاحب بداخلاقی سے پیش آتے ہیں، اس سلسلہ میں مسجد کی انتظامیہ نے میٹنگ کی اور طے کیا کہ مفتیان کرام سے فتویٰ لیا جائے، اس لئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا صفات کا حامل شخص کیا امامت کے لائق ہے جو انتشار کا سبب بنا ہوا ہے؟

المستفتي: اراکین کمیٹی، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: منصب امامت کے مسئلہ کا مدار آپس کی شرائط اور تعامل پر ہے، کہ آپس میں جو شرائط رخصت اور مشاہرہ کے بارے میں طے ہو جائیں، ان کی پابندی ضروری ہو جاتی ہے، یا ائمہ حضرات کی رخصت کے لئے علاقہ میں جو تعامل چل رہا ہے اس کے دائرہ میں رہ کر رخصت حاصل کرنا چاہئے، اگر علاقہ میں ایام رخصت کی تنخواہ لینے دینے کا تعامل ہے تو امام صاحب کے لیے ایام رخصت کی تنخواہ لینا جائز ہے اور اس مسئلہ کا حکم اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے۔

عن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم – قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالاً أوأحل حراماً، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حراما. (ترمذی شریف، الأحكام، باب ماذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/۲۵۱، دار السلام رقم: ۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۲۵)

بلا چھٹی کے گھر پر رہنے والے امام صاحب کی تنخواہ کاٹنا

سوال: [۷۹۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے

گاؤں کی مسجد میں باہر کے امام صاحب رہتے ہیں، مسجد میں امامت کرتے ہیں، اور تقریباً پانچ سو کلو میٹر دور کے ہیں، اور وہ امام صاحب ہمارے گاؤں میں دس مہینہ سے امامت کرتے ہیں، امام صاحب پندرہ دن کی چھٹی لے کر گھر گئے تھے، اور گھر جا کر کسی مجبوری کے حالات سے ایک مہینہ کے قریب آئے تو ان کو ایک مہینہ کی تنخواہ دینی چاہئے یا نہیں؟ ایک مہینہ کی تنخواہ دینی جائز ہے؟

المستفتي: محمد فاروق رحمانی،
امام مسجد، دولت پور، علی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جتنے دن کی چھٹی باضابطہ امام صاحب لے کر گئے ہیں، ان ایام کی تنخواہ معمول کے اعتبار سے انہیں دی جائے گی، لیکن جن ایام میں وہ غیر حاضری کر کے آئے ہیں یعنی بلا اجازت زائد وقت گذار کر آئے ہیں، تو یہ دیکھا جائے گا، کہ ان کی سالانہ استحقاقی چھٹی میں سے کتنے ایام باقی ہیں، جتنے ایام باقی ہوں گے صرف انہی ایام کی تنخواہ کے وہ مستحق ہوں گے، زائد ایام کی تنخواہ انہیں نہیں دی جائیگی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۲۸۴)

وفی القنية من باب الإمامة إمام يترك الإمامة لزيارة أقربائه فی الرساتيق أسبوعاً أو نحوه أو لمصيبة أو لا ستراحة لا بأس به و مثله عفو فی العادة والشرع. (شامی، الوقف، مطلب فيما إذا قبض المعلوم وغاب قبل السنة زكريا ٦/ ٦٣٠، كراچی ٤/ ٤١٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ٦٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱/۱۴۲۳ھ

مسجد کی رقم سے مؤذن کے ضامنیوں کو پیسہ دینا

سوال: [۷۹۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

ایک مؤذن بہار کا رہنے والا سرکاری پالتو جانور کو نشیلی چیز کھلا دینے کی وجہ سے پولس نے اس کو گرفتار کرلیا جس مسجد میں وہ مؤذن تھا، وہاں کے کچھ لوگوں نے ضمانت کر کے اسے چھڑالیا کچھ دنوں کے بعد مؤذن اپنے گھر چلا گیا اور واپس نہیں لوٹا پولیس نے ضمانتیوں کو پکڑا اور بہر حال ضمانتیوں نے پانچ ہزار اپنی جیب سے دے کر چھٹکارا پالیا اب عرض یہ ہے کہ وہ پانچ ہزار روپۓ مسجد کے پیسے میں سے لئے جاسکتے ہیں، یا اپنے اوپر اوڑھے جائیں گے، تفصیل سے وضاحت فرمادیں؟

المستفتي: محمد علی، متولی مسجد راجوں والی، اندرا چوک، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد مؤذن صاحب کی ملکیت نہیں ہے، اس لئے مسجد کے روپۓ میں سے لینا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي الخ. (قواعد الفقه، اشرفی/ ۱۱۰، رقم: ۲۶۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ شعبان ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۶۶)

امام کے لئے دی گئی رقم کا استعمال دوسرے مصرف میں کرنا

سوال: [۷۹۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صوبہ راجستھان اور خاص طور سے شہر سیکر میں ایسا رواج ہے کہ امام کو کچھ ماہوار اور کچھ سالانہ ہدیہ اخراجات کو پورا کرنے کے لئے اجتماعی طریقہ سے خوشی کے ساتھ بغیر کسی زور زبردستی کے اپنا فرض سمجھ کر دیتے ہیں، تاکہ امام صاحب کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں، اور خوش دلی کے ساتھ اپنا کام کرسکیں دینے والوں کی بھی نیت میں اخلاص ہوتا ہے، اور ایک طریقہ

سے تنخواہ میں شمار بھی گردانا جاتا ہے، اس مرتبہ کمیٹی والوں نے یہ سوچ کر سالانہ آمدنی میں سے کم کردیا کہ مدرسہ یا مسجد کی دوسری ضروریات میں اس پیسہ کو استعمال کرلیں گے، جبکہ دینے والوں کی نیت صرف امام کے لئے ہوتی ہے تو کیا اس پیسے کو دوسرے مصرف میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟ اس پیسہ کا کیا حکم ہے؟ دینے والوں کی نیت کا کیا مسئلہ ہے اور دوسرے مصارف میں استعمال کرنے والوں کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے؟ ائمہ حضرات کو بھکاری، نوکر اور مزدور سے بھی کہیں کم سمجھا اور جانا جاتا ہے؟

المستفتي: محمد ہارون، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر دینے والا امام کے لئے کہہ کر دیتا ہے، اور لینے والا بھی امام ہی کے لئے کہہ کرلیتا ہے، تو اس پیسہ کو امام کے علاوہ کسی اور مصرف میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا۔

حمل على العرف أي على عادات الناس الخ. (درمختار، مطلب فی أن النص أقویٰ من العرف، زکریا۷/۴۰۹، کراچی ۵/۱۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۸ھ

امام صاحب کا مسجد کی زمین میں کھیتی کرنا

سوال: [۷۹۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے صحن سے ملحق تھوڑی سی زمین ویران پڑی ہے، جس کا انتساب ملحقہ قبرستان کی طرف ہوتا ہے، امام صاحب اگر اس جگہ میں سبزی بوکر کے کھائیں تو کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا۔

المستفتي: مولانا عبدالناصر، مدرس: مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امام مسجد کے لئے مفت میں اس زمین سے انتفاع جائز نہیں ہے ہاں البتہ اس زمین کا کرایہ ادا کر کے انتفاع جائز ہوسکتا ہے، اور کرایہ کا پیسہ قبرستان کو ادا کرنا ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۵۳۳، جدید زکریا/۵۱۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۳۰ھ

مساجد کے طاقوں میں رکھے ہوئے پکوان کا امام ومؤذن کے لئے کھانا کیسا ہے؟

سوال: [۷۹۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتیں مساجد میں کچھ پکوان پکا کر کے طاقوں میں رکھ دیتی ہیں، تو کیا اس پکوان کو مساجد کے ائمہ اورمؤذنین نیز نمازی کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نذر مانی ہوتو اس کا کیا حکم ہے؟ اور بغیر نذر کے رکھا ہوتو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد سالم قاسمی، مدرس مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ فی نفسہ بدعت اور قابل ترک ہے، مگر نفس کھانا حلال ہے، اگر نذر کا کھانا نہیں ہے بلکہ شکر کا ہے تو امام ومؤذن مالدار غریب سب کے لئے کھانا جائز ہے، البتہ اس میں امر ممنوع کی اعانت ہونے کی وجہ سے نہ کھانا ہی مناسب ہے، اور اگر نذر کا کھانا ہے اور امام ومؤذن فقیر ہیں تو ان کے لئے اس کا کھانا جائز ہے، اور اگر فقیر نہیں ہیں تو جائز نہیں ہے۔

مصرف النذر الفقراء الخ. (شامی، کراچی ۲/۲۹۸، زکریا ۳/۲۸۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/صفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۲۲ھ

الفصل السادس: مسجد میں سونے اور ٹھہرنے کا بیان

عبادت کی نیت سے مسجد میں داخل ہونے والے شخص کا مسجد میں سونا

سوال: [۷۹۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم چار پانچ ساتھی مسجد میں ڈھائی گھنٹہ کی محنت میں تبلیغ کی لائن سے وقت دیتے ہیں، اس درمیان میں کسی ساتھی کے انتظار میں مسجد میں لیٹ جائیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: شمشاد عرفان، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعوت وتبلیغ کی لائن سے مسجد میں جو لوگ وقت دیتے ہیں وہ مسجد میں عبادت اور دینی مذاکرہ کی نیت سے ہی داخل ہوتے ہیں، اور عبادت اور دینی مذاکرہ کی نیت سے مسجد میں داخل ہونا اعتکاف کی نیت کی طرح ہے، لہٰذا جو لوگ اس طرح کی نیت سے مسجد میں داخل ہوتے ہیں، ان کے لئے اس درمیان مسجد میں سونے کی بھی اجازت ہوجاتی ہے، لہٰذا دعوت کا کام کرنے والوں میں سے جو لوگ اس نیت سے داخل ہوتے ہیں، ان کا مسجد میں سوجانا بھی جائز ہے۔

وإذا أراد أن يفعل ذلک ينبغي أن ينوی الإعتکاف فيدخل فيه ويذکر الله تعالیٰ بقدر مانویٰ. (هنديه، کتاب الکراهية، الباب الخامس فی آداب المسجد زکريا قديم ٥/ ٣٢١، جديدزکريا ٥/ ٣٧١)

وإذا أراد ذلک ينبغي أن ينوی الإعتکاف، فيدخل فيه، ويذکر الله تعالیٰ بقدر مانویٰ أو يصلي، ثم يفعل ماشاء. (شامی، کتاب الصلوٰة، مطلب فی الغرس فی المسجد کراچی ١/ ٦٦١، زکريا ٢/ ٤٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷؍ ۸۲۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۴ھ

گاؤں والوں کا ظہر کی نماز کے بعد مسجد کے پنکھے میں آرام کرنا

سوال: [۷۹۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عام دیہاتوں میں غریب لوگ رہتے ہیں، گاؤں میں بجلی موجود ہونے کے باوجود سبھی لوگ اپنے اپنے گھروں میں پنکھے نہیں لگوا سکتے تو ظہر یا دیگر نمازوں کے بعد آرام کرنے کے لئے مسجد کے پنکھے چلاتے ہیں، کیا ان لوگوں کا یہ فعل درست ہے، یا گنہگار رہوں گے نیز اگر متولی مسجد اجازت دے دے تو کیا ان نمازیوں کا یہ فعل درست ہوسکتا ہے، مفصل تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: ابوسالک بردوانی، متعلم: شعبہ افتاء، مدرسہ شاہی، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ فعل دووجہوں سے ناجائز ہے

(۱) مسجد میں غیر معتکف کے لئے سونا جائز نہیں ہے۔

(۲) مسجد کے پنکھوں کا ذاتی طور پر استعمال ناجائز ہے، اگرچہ متولی اس کی اجازت دیتا ہو، کیونکہ چندہ دہندگان کی غرض کے خلاف ہے، جو کہ ناجائز ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/۱۱۷)

ويكره الإعطاء (إلىٰ قوله) وأكل ونوم إلا لمعتكف وغريب – وأكل نحو ثوم ويمنع منه الخ. (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب مايفسد الصلوٰة، ومايكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد كراچی ۱/۶٦۱، زكريا ۲/۴۳۵)

ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الخامس زكريا قديم ۵/۳۲۱، جديدزكريا ۵/۳۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۶/۴ھ

اہل محلّہ کا مسجد میں سونا اور نہانا

سوال: [۷۹۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اہل محلّہ کا مسجد میں سونا اور نہانا کیسا ہے؟

المستفتي: عبدالمعید قاسمی، ہلدوانی، آزادنگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: معتکف کے علاوہ باقی کسی کے لئے مسجد میں سونا جائز نہیں ہے۔

النوم فيه لغير المعتكف مكروه الخ. (كبيرى، فصل فى احكام المساجد قديم /٥٦٨، جديد اشرفيه ديوبند ٦١٢)

ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف . (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الخامس زكريا قديم ٥/ ٣٢١، جديدزكريا ٥/ ٣٧١، شامى، باب ما يفسد الصلوٰة، مطلب فى الغرس فى المسجد كرچى ١/ ٦٦١، زكريا٢/ ٤٣٥)

اور نہانا بھی اس وقت ناجائز ہے کہ جب مسجد ملوث ہونے کا خطرہ ہو، اگر مسجد کا غسل خانہ ہے تو اس میں اگر چندہ دہندگان کی طرف سے عام اجازت ہے اور امام ومؤذن اور نمازیوں کو پریشانی ہوتی ہے، تو اس میں نہانا قباحت سے خالی نہیں ہے، اس لئے محلّہ والوں کو اپنے ذاتی غسل خانہ کا انتظام خود کرنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ٦/ ٨٧، جدیدزکریا ٩/ ٩٦)

فإن كان بحيث يتلوث المسجد يمنع منه لأن تنظيف المسجد واجب. (بدائع، كتاب الاعتكاف، فصل وأما ركن الإعتكاف قديم ٢/ ١١٥، جديد زكريا ٢/ ٢٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸/ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۷۹)

کیا مسجد میں محلّہ کے حافظ صاحب سو سکتے ہیں؟

سوال: [۷۹۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ کی مسجد میں ہمارے محلّہ ہی کے ایک حافظ صاحب جو ایک مکتب میں پڑھاتے ہیں، اور تبلیغ کا کام بھی کرتے ہیں شادی کی تھی طلاق ہوگئی، اب بغیر عورت کے ہیں، ان کا گھر موجود ہے، تاہم دن میں روزانہ صبح وشام مسجد کے جماعت خانہ میں دوسری تیسری صف میں چادر وغیرہ بچھائے بغیر سو جاتے ہیں، ان کی یہ عادت روزانہ کی ہے ہم نے مولویوں اور مفتیوں سے سنا ہے کہ مسجد میں محلّہ کے آدمی کا عادت بنا کر سونا منع ہے تو پوچھنا یہ ہے کہ حافظ صاحب کی یہ حرکت کیسی ہے، وہ مسجد میں سو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور سونا کیسا ہے؟ مکروہ تحریمی یا حرام یا نا جائز؟

المستفتي: عبداللہ عبدالرحیم،
قصائی واڈا، ایٹلی واڈی، گودھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معتکف، مسافر اور اجنبی آدمی کے لئے مسجد میں سونا بلا کراہت جائز اور درست ہے، اور مقامی آدمی کا بغیر اعتکاف اور بغیر عبادت کے ارادے کے محض سونے کے لئے عادت بنا لینا مکروہ ہے، اگر حافظ صاحب اعتکاف اور تلاوت قرآن، نماز یا دیگر عبادت کے ارادے سے مسجد میں آتے ہیں اور اسی ضمن میں روزانہ سو بھی جاتے ہیں تو کوئی حرج نہیں اور اس کا پتہ حافظ صاحب ہی سے معلوم ہو سکتا ہے، اگر وہ یہ کہتے ہیں، کہ میں اعتکاف کی نیت کر لیتا ہوں تو حافظ صاحب پر کوئی اعتراض واشکال نہیں ہونا چاہئے۔

عن عبد اللہ بن عمرؓ أنه کان ینام وهو شاب أعزب لا أهل له فی مسجد النبی صلی اللہ علیه وسلم. (بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب نوم الرجال فی المسجد ۱/۶۳، رقم: ٤٣٥، ف: ٤٤٠)

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنه قال: أتانا رسول اللہ ﷺ ونحن

مضطجعون فی مسجده فضربنا بعسیب کان فی یده ، وقال: قوموا لا ترقدوا فی المسجد. (مصنف عبد الرزاق ، المجلس العلمی ۱/ ۴۲۲، رقم: ۱۶۵۵، کنز العمال ۸/ ۱۵۳، / ۲۳۱۲۱)

ویکره النوم والأکل فیه لغیر المعتکف وإذا أراد أن یفعل ذلک ینبغی أن ینوی الإعتکاف فیدخل فیه ویذکر اللّٰہ تعالیٰ بقدر ما نویٰ أو یصلی ثم یفعل ماشاء ...... ولا بأس للغریب ولصاحب الدار أن ینام فی المسجد فی الصحیح من المذهب والأحسن أن یتورع فلا ینام . (هندیه ، کتاب الکراهیة، الباب الخامس زکریا قدیم ۵/ ۳۲۱، جدید ۵/ ۳۷۱، شامی ، باب ما یفسد الصلوٰة مطلب فی الغرس فی المسجد کراچی ۱/ ۶۶۱، زکریا ۲/ ۴۳۵، حلبی کبیر ، فصل فی احکام المساجد قدیم /۵۶۸، جدید اشرفیه دیوبند ۶۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍رجب ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۸۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۷/۲۷ھ

مسجد کے وضوخانہ میں غسل کرنا

سوال: [۷۹۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ مسجد کے وضوخانہ والی ٹنکیوں میں غسل جنابت وغیرہ کرتے ہیں، جس سے مسجد کے صحن وغیرہ میں چھینٹیں جاتی ہیں، میں لوگوں کو منع کرتا ہوں پھر بھی نہیں مانتے اور غسل خانہ بھی بنا ہوا ہے صرف دروازہ ٹوٹا ہے تو کیا غسل خانہ میں غسل کرنا چاہئے یا وضوخانہ میں اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: محمد عاقل، بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وضوخانہ میں غسل کرنے میں پانی حدود مسجد اور

صحن مسجد میں گرتا ہے تو وہاں بیٹھ کر نہانا ممنوع ہوگا، غسل خانہ ہی میں نہانا چاہئے۔

فإن كان بحيث يتلوث يمنع منه لأن تنظيف المسجد واجب .

(بدائع، كتاب الاعتكاف ، فصل و أما ركن الاعتكاف كراچی ٢/١١٥، زكريا ديو بند ٢/٢٨٤، شامی، كراچی ٢/٤٤٥، زكريا ٣/٤٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۳۹۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۲۵ھ

الفصل السابع: توسیع مسجد سے متعلق احکام

پرانی مسجد شہید کر کے نئی مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وقتی طور پر ایک چھوٹی سی مسجد بنائی گئی تھی جس میں آٹھ نو سال نماز پڑھتے رہے، اب دوسری نئی مسجد بنائی گئی تو لوگ وہیں پر نماز پڑھتے ہیں، پرانی مسجد ایسے ہی پڑی رہی پھر اس مسجد کو شہید کر کے اس کے پتھر نئی مسجد کے صحن کی تعمیر میں لگا لئے گئے اور اس مسجد کو بالکل صاف کر دیا گیا اب وہ جگہ بالکل خالی ہے، لیکن مسجد کے احاطہ میں ہی ہے، تو ایسی مسجد کا کیا حکم ہے؟ وہ جگہ ہمیشہ مسجد کے حکم میں رہے گی یا نہیں؟ اور اس کے شہید کرنے میں اور بالکل صاف کر دینے میں کیا صورت ہوتی ہے؟ آیا یہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: امیر خاں، محلّہ محمود گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن لوگوں نے مسجد کو شہید کر دیا وہ لوگ بہت بڑے گنہگار ہیں، تمام مسلمانوں کو اس مسجد کو تعمیر کر کے آباد کرنے کی سعی کرنی چاہئے، مسجد کو شہید کر دینے سے اور اس جگہ کو صاف کر دینے سے مسجد کی مسجدیت باطل نہیں ہوتی ہے، بلکہ قیامت تک وہ مسجد مسجد ہی کے حکم میں رہتی ہے۔

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلىٰ قيام الساعة وبه يفتى. (درمختار مع الشامی، الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، مصری قديم١/٧٤٨، البحرالرائق، كوئٹه ٥/٢٥١، زكريا ٥/٤٢١، هنديه زكريا قديم ٢/٤٥٨، جديد ٢/٤١٠، قاضيخان زكريا جديد٣/٢٠٤، وعلى هامش الهنديه٣/٢٨٨، مسبوط، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٤٢١، الفتاوى الولوالجيه،

دارالإیمان سہارن پور ۳/ ۸۸، خلاصۃ الفتاویٰ اشرفی ٤/ ٤٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۸۷)

پرانی مسجد شہید کر کے تعمیر جدید کرنا

سوال: [۷۹۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک پرانی مسجد ہے، جس کی چھت ٹوٹی ہوئی ہے، دیواریں مضبوط ہیں، اور مسجد کا صحن بھی خوب کشادہ ہے اوراس کے آس پاس میں قبریں ہیں، مسجد کے منتظم حضرات مسجد کو شہید کر کے تعمیر جدید کرنا چاہتے ہیں، اور ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں، کہ جو قبریں ہیں ان کو مسمار کر کے دوکان یا مکان بنا دیا جائے، جبکہ کچھ مقتدی یہ چاہتے ہیں، کہ قبروں کو مسمار نہ کیا جائے اور نہ ہی مسجد کو شہید کیا جائے، بلکہ چھت کی مرمت کر دی جائے، اور صحن چونکہ خوب لمبا چوڑا ہے اس لئے مسجد کا صحن اندورنی مسجد میں لے کر اضافہ کیا جاسکتا ہے، کیا ایسی صورت میں مسجد کو ازسرنو بنانا درست ہے یا پھر مسجد کی توسیع چھت کی مرمت کے ساتھ کر دی جائے، نیز قبروں کو توڑ کر اسے مسمار کر کے اس جگہ دوکان یا مکان بنایا جاسکتا ہے؟

المستفتی: اعظم الدین خان، رامپوری، سرائے روہیلہ، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر چھت بوسیدہ ہو چکی ہے نئی چھت کی ضرورت ہے اور مسجد بھی تنگ ہوگئی ہے جس کی وجہ سے توسیع کی بھی ضرورت ہے اور بنیاد و دیوار بھی مضبوط ہے تو توسیع مسجد کے لئے جو جو دیوار توڑنے کی ضرورت پیش آجائے، شرعاً ان کو توڑنے کی اجازت ہے، اور جو دیوار باقی رکھی جاسکتی ہے، اوراس کو توڑے بغیر توسیع ہوسکتی ہے، تو ان دیواروں کو باقی رکھنا ضروری ہے، بلا وجہ توڑنے کی اجازت نہیں اور توسیع کی صورت میں جو قبریں حدود مسجد میں آرہی ہیں، اگر وہ قبریں مسجد کی ملکیت کی

جگہ میں ہیں، تو ایسی صورت میں ان قبروں کو ہموار کر کے اس جگہ کو حدود مسجد میں جہاں نماز پڑھی جاتی ہے، اس میں داخل کر لینا جائز ہے، اور اگر وہ قبریں مسجد کی ملکیت کی جگہ میں نہیں ہیں، بلکہ وہ جگہ موقوفہ قبرستان کی ہے، اور وہاں دفن کا سلسلہ بھی جاری ہے، تو قبروں کی جگہ کو مسجد میں لینا جائز نہیں ہے، اور اگر دفن کا سلسلہ باقی نہیں رہا ہے اور وہ قبریں ستر اسی سالہ پرانی ہیں، تو موقوفہ قبرستان کی پڑی ہوئی جگہ جس میں قبریں بھی ہیں، حدود مسجد میں لے لینا جائز ہے، اور قبروں کو ہموار کرنے کی بھی گنجائش ہے، اس لئے کہ خود مسجد نبوی قبروں کی جگہ پر بنی ہوئی ہے، لیکن قبروں کی جگہ چاہے مسجد کی ہو اس میں قبروں کو مسمار کر کے مسجد کی آمدنی کے لئے دوکان یا مکان بنانا شرعاً جائز نہیں ہے۔

(فإن قلت) هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين (قلت) قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين .

(عمدة القاری ، الصلاة ، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، داراحیاء التراث العربی ٤/١٧٩، زکریا٣/٤٣٥، تحت رقم الحديث /٤٢٨، فتح الملهم ، کتاب المساجد ٢/١١٨، وهكذا فی الفتاوىٰ التاتار خانية ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی ، المجلس العلمی٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۱۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۱۸ھ

پرانی مسجد کی جگہ نئی مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پرانی مسجد کو توڑ کر اسی جگہ پر نئی مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟ اور پرانی مسجد کی جو لکڑی وغیرہ ہے،

اس کوجلا سکتے ہیں یانہیں؟ اور دیگر کام میں لا سکتے ہیں یانہیں؟ یا کیا کیا جائے،قرآن وحدیث کے مطابق فیصلہ فرمائیں؟

المستفتي: معراج الدین، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ لکڑی مسجد میں لگانے کے قابل ہے،تو مسجد ہی میں لگانا لازم ہوگا، اور اگر اس قابل نہیں ہے، تو اہل محلّہ اور کمیٹی کی رائے سے ان کو فروخت کرکے قیمت مسجد کی ضروریات اور تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۶/ ۲۰۸، ڈابھیل ۱۴/ ۴۹۳، کفایت المفتی ۷/ ۶۱، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۰۷)

هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضی ويمسک الثمن ليصرفه إلیٰ بعض المساجد أو إلیٰ هذا المسجد قال نعم الخ. (شامی، الوقف، فی نقل القاضی المسجد ونحوه زکریا ٦/ ٥٥٠، کراچی ٤/ ٣٦٠، منحة الخالق زکریا٥/ ٤٢٥، کوئٹه ٥/ ٢٥٣، المحيط البرهاني المجلس العلمی ٩/ ١٥١، رقم: ١١٤٤٢، الفتاویٰ التاتار خانية زکریا٨/ ١٩٧، رقم: ١١٦٢٦، هندیه، زکریا قدیم ٢/ ٤٧٩، جدید ٢/ ٤١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۴۸)

تعمیر جدید کی صورت میں مسجد میں ردو بدل کرنا

سوال: [۷۹۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مسجد آٹھ در کی بنی ہوئی ہے، بیچ کے دو در کو توڑ کر ایک در بنانا چاہتے ہیں، تو کیا شریعت میں ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ پرانی مسجد کا جو کھمبا ہے، اس کو وہاں سے ہٹا کر مسجد کے

حدود کے علاوہ باہر وضوخانہ میں لگانا چاہتے ہیں؟ شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد علی، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر نمازیوں کے لئے ایک در بنانے میں سہولت ہے اور مسجد میں وسعت پیدا ہوتی ہے، تو گنجائش ہے۔

(۲) نیز مسجد کے کھمبے کو ہٹا کر اسی مسجد کے وضوخانہ میں لگا سکتے ہیں، جبکہ اس کو ہٹانے میں مسجد کا کوئی نقصان نہ ہو۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۲۵، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۸۱، امداد المفتیین /۳ ۷۹)

مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً والمسجد رحبة وأرادوا أن يحدثوا له بابا وأرادوا أن يحولوا الباب عن موضعه فلهم ذلک . (هنديه، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، وما يتعلق به زكرياقديم ۲/ ٤٥٦، جديد ۲/ ٤٠٩، شامی، كراچی ٤/ ٣٧٨، زكريا ٦/ ٥٧٦، الفتاویٰ التاتار خانية زكريا ۸/ ۱۵۷، ۱۵۸، رقم: ۱۱۵۰۰، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ۹/ ۱۲۵ رقم: ۱۱۳۳۹، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۳/ ۳۳۱، زكريا ٤/ ٣٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۸۶)	۱۴۱۹/۵/۳۰ھ

زیر تعمیر مسجد میں نماز کو موقوف رکھنا

سوال: [۷۹۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک چھوٹی سی مسجد کی تعمیر ہورہی ہے، جس میں عمارت کا ملبہ پڑا ہوا ہے، اس میں نماز شروع کرنے سے دشواری ہوسکتی ہے، تو ایسی صورت میں جب تک تعمیر نہ ہوجائے اور سہولت سے نماز نہ پڑھ سکیں تب تک اس مسجد میں نماز موقوف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ پڑوس میں دوسری مسجد بھی ہے، جس میں تمام نمازیں ہوتی ہیں؟

اسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس مسجد میں تعمیر ہونے اور ملبہ پڑے ہونے کی وجہ سے نماز پڑھنا دشوار ہو تو ایسی مسجد میں نماز کو موقوف کر کے قریب کی مسجد میں جا کر نماز ادا کرنا جائز ہے اور اس مسجد میں نمازوں کو موقوف کرنے کی وجہ سے لوگ اس وعید میں داخل نہ ہوں گے، جو مسجد کو خراب کرنے اور اس میں ذکر اللہ سے روکنے والوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۱/ ۳۴۴، ڈابھیل ۱۴/ ۳۹۷)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا ـــــ وَظَاهِرُ الآیة، العموم فی کل مانعٍ وفی کل مسجدٍ وخصوصُ السببِ لا یمنعهٗ. (روح المعانی زکریا ۱/ ۵۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ۳/ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۵۹)

کیا تعمیر جدید کے دوران نماز کا قائم رکھنا ضروری ہے؟

سوال: [۷۹۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد پرانی اور بوسیدہ ہوگئی تھی، اس کی تعمیر جدید ہورہی ہے، تو کیا پوری مسجد کو شہید کر کے از سرنو تعمیر کی جائے یا کچھ حصہ میں نماز باجماعت کرتے رہنا ضروری ہے، یا جب تک تعمیر ہورہی ہے نماز و جماعت روک دی جائے، یہ مسجد شہر مرادآباد کی ایک چھوٹی مسجد ہے اس کے آس پاس اور قریب میں اور بھی مسجدیں ہیں، وہاں لوگ نماز پڑھ سکتے ہیں، شرعی حکم کیا ہے؟ تحریر فرمادیں؟ نوازش وکرم ہوگا؟

المستفتي: عبدالقدیر، بانس منڈی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب چھوٹی مسجد ہے اور دوران تعمیر اس میں نماز کو

جاری رکھنا دشوار ہے تو جب تک مسجد تعمیر نہ ہو جائے اس وقت تک کسی الگ جگہ پر نماز کا سلسلہ جاری کر سکتے ہیں، اور جب مسجد تعمیر ہو کر اس قابل ہو جائے کہ بلا کسی دشواری کے اس میں جماعت ہو سکے تب جماعت کا سلسلہ اس میں جاری کیا جائے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا —— وَظَاهِرُ الآیة العموم فی کل مانعٍ وفی کل مسجدٍ، وخصوصُ السببِ لا یمنعهٗ. (روح المعانی زکریا ۱/۵۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ　　الجواب صحیح:
۱۹ / ربیع الاول ۱۴۳۵ھ　　احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۷۵/۴۰)　　۱۴۳۵/۳/۱۹ھ

محراب نیچے منزل میں بنائی جائے یا اوپر والی میں؟

سوال: [۷۹۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صوبہ تمل ناڈو میں شہر وانمباڑی کی مشہور جامع مسجد نیلی کھیت کو چند سال قبل بغرض توسیع شہید کیا گیا اور از سر نو اس کی تعمیر کی گئی اور محراب کو پہلی منزل پر منتقل کر دیا گیا، اور نچلی منزل بند رہتی ہے اور بوقت ضرورت اس کو کھولا جاتا ہے، چونکہ جماعت پہلی منزل پر ہوتی ہے، تو بعض دل کے مریض سیڑھی چڑھ کر جماعت میں شامل ہونے کی اپنی مجبوری ظاہر کر کے نچلی منزل میں ہی نماز ادا کرتے ہیں، دیکھا دیکھی نوجوان بھی نیچے ہی نماز پڑھنے لگے، اور نچلی منزل میں بمقابلہ پہلی منزل کے جماعت کثیر ہونے لگی، جس کی وجہ سے اکثریت کی رائے ہے کہ محراب کو نچلی منزل ہی میں منتقل کر دیا جائے، مگر نچلی منزل کی اونچائی بہت کم ہونے کی بنا پر یہ سوچا جا رہا ہے، کہ زمین دو تین گز کھدائی کر کے فرش بچھا دیا جائے، اور نچلی منزل ہی میں محراب ہو اور یہیں مستقل جماعت ہونے لگے اب قابل لحاظ سوال یہ ہے کہ:

(۱) جماعت پہلی منزل میں افضل ہے یا نچلی منزل میں؟

(۲) مسجد کے اگلے حصہ کی طرف قبرستان واقع ہے اور قبرستان اور جامع مسجد کے مابین ایک مستقل دیوار حائل ہے، کیا نچلی منزل کی دو تین گز کھدائی کر کے اسی کو مستقل محراب

بنانے اور وہاں جماعت ہونے سے کسی طرح کی کراہت لازم آتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اوپر کی منزل میں مستقل نماز ہو، معذور مقتدی نیچے کی منزل میں نماز پڑھ لیں، اوران کو اوپر کی منزل کی تکبیر کی آواز پہونچتی ہے تو جائز ودرست ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ نیچے کی منزل کو مستقل جماعت گاہ بنایا جائے اور فرش کی حسب ضرورت کھدائی کر کے نیچے کیا جائے، تو یہ بھی جائز ہے، جب قبروں اور محراب کے درمیان دیوار حائل ہے تو وہاں محراب بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں منزلوں کو مستقل حیثیت دی جائے، اور جس منزل پر چاہے امام کھڑے ہو کر نماز پڑھائے ۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۶/ ۵۲۷)

عن صالح مولی التوأمة قال كنت أصلى أنا وأبوهريرة فوق ظهر المسجد نصلى بصلوة الإمام للمكتوبة . (السنن الكبرى للبيهقى، جماع ابواب موقف الإمام والماموم ...... دارالفكر ٤/ ٢٧٧، رقم: ٥٣٤٥)

والحائل لايمنع الإقتداء إن لم يشتبه حال إمامه بسماع أو رؤية ، قال الشامي: ولما في البرهان من أنه لوكان بينهما حائط كبير لايمكن الوصول منه إلىٰ الإمام ولكن لايشتبه حاله عليه بسماع أو رؤية لانتقالاته لايمنع صحة الإقتداء في الصحيح. (شامی، كتاب الصلاة ، باب الإمامة زكريا٢/ ٣٣٣ تا ٣٣٤، كراچی ١/ ٥٨٦)

إن كان للسطح باب في المسجد ولا يشتبه عليه حال الإمام صح الإقتداء في قولهم، وإن لم يكن له با ب في المسجد ولكن لايشتبه عليه حال الإمام صح الإقتداء به أيضا وإن اشتبه حال الإمام لايصح الإقتداء . (تاتار خانية ، زكريا٢/ ٢٦٦، برقم: ٢٣٨٥)

وإن كان بينه وبين القبر مقدار لوكان في الصلوٰة ويمر إنسان لايكره

فهٰهنا أيضاً لايكره. (تاتار خانية زكريا ۲/۲۱۳، برقم: ۲۱۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۰۳/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۸ھ

بالائی منزل پر جانے کیلئے حدود مسجد میں سیڑھی بنانا

سوال: [۷۹۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں بادر پور میں ایک قدیم مسجد ایک منزلہ تھی مسجد چھوٹی ہونے کی وجہ سے گاؤں والوں نے اس کی توسیع وتعمیر کرنا شروع کیا قدیم مسجد بحال ہے، اور اس کے قریب میں مسجد کی جگہ میں توسیع کی اور مسجد کو ایک منزلہ کے بجائے دو منزلہ بنایا اور اوپر کے منزلہ میں برائے نماز جانے کے لئے مسجد قدیم کے صحن میں جو مسجد کی شرعی حد میں داخل ہے، سیڑھی بنانا شروع کیا حالانکہ مسجد کی شرعی حد کے علاوہ سیڑھی بنانے کے لئے دوسری جگہ موجود تھی، اور ستر فیصد سیڑھی تعمیر ہو چکی تھی اس کے بعد ایک شخص کے متنبہ کرنے پر گاؤں والوں نے ایک مدرسہ کے دارالافتاء سے فتویٰ پوچھا تو وہاں سے عدم جواز کا فتویٰ ملا اور اس کو توڑنے کا حکم دیا پھر گاؤں والوں نے دوسرے مدرسہ کے دارالافتاء سے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دیا اور کہا کہ سیڑھی تعمیر ہونے کے بعد اس کو توڑنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ مسجد کی تعمیر میں بلاضرورت توڑ پھوڑ کرنا احترام مسجد کے خلاف ہے، نیز مال وقف کی اضاعت لازم آتی ہے، جو جائز نہیں ہے، اور سیڑھی بنانا "**ما أعد للصلوٰة**" کو "**للصلوٰة**" ہی مشغول کرنا ہے، اور یہ بلاشبہ جائز ہے، کیونکہ اوپر جانا مقصود نہیں ہے، نماز مقصود ہے تو سوال یہ ہے کہ مسجد کی شرعی حد میں سیڑھی بنانا جائز ہے یا نہیں اور کیا تعمیر شدہ سیڑھی کو توڑنا واجب ہے، یا اس کو توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کو توڑنا چاہئے یا نہیں؟

نوٹ: گاؤں والوں نے جواز کے فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے سیڑھی کا جو کام باقی تھا،

وہ مکمل کرلیا ہے۔

المستفتي: محمد عثمان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: حدود مسجد اور جماعت خانے کے اندر سے اوپر کی منزل اور اوپر کے جماعت خانے میں جانے کے لئے سیڑھی اور زینہ بنانا بلاتردد جائز ہے، اس لئے کہ اوپر کی منزل میں نمازیوں کے جانے کے لئے جو زینہ بنایا جاتا ہے، وہ ''ما أعد للصلوٰۃ'' اور ضرورت صلوٰۃ میں شامل ہوتا ہے، اس لئے سوالنامہ میں دوسرا فتویٰ جو جواز سے متعلق ہے وہی صحیح اور درست ہے، نیز جماعت خانے کے اندر سے اوپر جانے کے لئے زینہ بنانے میں ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے، کہ اس زینہ سے معتکف اوپر نیچے آجاسکتا ہے، نیز مسجد حرام میں اندورن مسجد متعدد زینے اوپر کی منزلوں میں جانے کے لئے بنائے گئے ہیں، لہٰذا جو زینہ اندورن مسجد سے اوپر کے جماعت خانے میں جانے کے لئے بنایا جاچکا ہے، اس کو ناجائز سمجھ کر توڑ دینا جائز نہیں ہوگا، بلکہ مسجد کے مال کو ضائع کرنا بھی لازم آئے گا، اور مسائل شرعیہ کو غلط رخ دینا بھی لازم آئے گا، حضرات فقہاء نے نمازیوں کی ضرورت کے لئے غیر مسقّف مسجد میں سایہ دار درخت لگانے کی اجازت دی ہے، اور ضرورت کی بنا پر حائضہ اور جنبی کے علاوہ لوگوں کو مسجد کے اندر سے گذرنے کی بھی اجازت دی ہے۔

غرس الأشجار فی المسجد لابأس به إذا کان فیه نفع للمسجد بأن کان المسجد ذا نز والأسطوانات لا تستقر بدونها وبدون هذا لایجوز ا ه وفی الهندية: عن الغرائب إن کان لنفع الناس بظله ولا یضیق علی الناس ولا یفرق الصفوف لابأس به . (شامی، الصلاة، باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیها، مطلب فی الغرس فی المسجد زکریا ۲/ ۴۳۵، کراچی ۱/ ۶۶۱)

وفیه أیضاً نعم یوجد فی أطراف صحن الجوامع رواقات مسقوفة للمشي فیها وقت المطر ونحو لأجل الصلوة أو للخروج من الجامع

لالمرور المارين مطلقاً. (شامی، الوقف، مطلب فی جعل شیئی من المسجد طریقاً زکریا ٦/٥٧٥، کراچی ٤/٣٧٨)

إذا جعل فی المسجد ممرّاً فإنه يجوز لتعارف أهل الأمصار فی الجوامع وجاز لكل واحد أن يمر فيه حتىٰ الكافر إلا الجنب والحائض والنفساء الخ. (هندیه، الباب الحادی عشر فی المسجد، زکریا قدیم٢/٤٥٧، جدید ٢/٤١٠، البحرالرائق، فصل فی أحكام المسجد کوئٹه ٥/٢٥٥، زکریاه/٤٢٨، تبیین الحقائق، زکریا٤/٢٧٤، امدادیه ملتان ٣/٣٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۲/۱۴۲۹ھ

مسجد کے حوض وصحن اور اس سے ملحق عمارت کے نیچے تہ خانہ بنانا

سوال: [۷۹۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بستی میں قدیم زمانہ میں ایک بہت چھوٹی سی مسجد تھی مگر اب سے تقریباً ستر پچھتر سال قبل اس مسجد کو از سر نو بنایا گیا جو کافی وسیع ہوگئی، اور اس سے ملحق ایک کمرہ امام صاحب کے لئے اور چار کمرے وہاں کے مدرسین کے قیام کے لئے اور ایک درس گاہ بھی کافی وسیع بنائی گئی، مدرسہ میں تعلیم بھی شروع سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک ہوتی ہے، پھر کچھ عرصہ کے بعد مسجد کے آگے ایک برآمدہ بھی بنایا گیا اور اب تین چار سال قبل مسجد کے پیچھے جو زمین وقف بضرورت مسجد تھی، اس میں بھی مسجد کی عمارت بنائی گئی اور قدیم مسجد میں غربی جانب یعنی قبلہ کی دیوار میں دروازے کھول دئے گئے، دونوں عمارتیں قدیم وجدید ایک سی ہوگئیں، اور بڑی خوشنما اور کافی وسعت ہوگئی، مسجد کے نیچے اوپر اور باہر جو کمرے بنے ہوئے تھے، ان پر تقریباً دو تین ہزار آدمی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں، اب چونکہ وہاں پر تبلیغی سلسلہ میں وفود کثرت

سے آتے رہتے ہیں، توانجینئروں کے مشورہ سے یہ بات طے ہوئی کہ مسجد کے حوض اور صحن کو ختم کیا جائے اور مسجد سے ملحق جوعمارت اور جوزمین پڑی ہوئی ہے، اور برآمدہ کے نیچے اور حوض کی جگہ پر اور ملحقہ جوعمارت اورزمین پڑی ہوئی ہے، اس کے نیچے ایک بہت ہی بڑا وسیع تہ خانہ بنایا جائے جس میں ہزار پندرہ سو آدمی ایک وقت میں بیٹھ کر کھانا کھاسکیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ مسجد کی قدیم عمارت میں اور اس کے حوض اور ملحقہ حجروں میں یہ تصرف کرنا مصالح مسجد سمجھا جائے گا، یا مصالح ضیوف جبکہ فقہ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ تعمیر مسجد مکمل ہوجانے کے بعد کسی قسم کا تعمیر میں تغیر نہیں کیا جاسکتا ہے، اور مسجد کے نیچے اگر تہ خانہ بنایا گیا ابتدائے تعمیر کے وقت مصالح مسجد کے لئے یعنی مسجد کا ضروری سامان رکھنے کے لئے تو اس کی گنجائش ہے، امام کی رہائش کے لئے بھی اگر اوپر مکان ابتداء میں بنایا گیا تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، بعد میں امام کے مکان بنانے کے لئے گنجائش نہیں تفصیل کے ساتھ اس کا جواب مرحمت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: (حضرت مولانا) افتخار الحسن (صاحب مدظلہ)
کاندھلہ، مظفرنگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تبلیغی وفود کسی انسان کے ضیوف اور مہمان نہیں ہیں، اور نہ ہی مدرسہ یا مدرسہ کے منتظم کے مہمان ہیں، بلکہ یہ وفود خالص ضیوف اللہ ہیں، اللہ کے مہمان ہیں، جن کا قیام وطعام سب کچھ اللہ کے گھر میں ہونا ہے، اور سوالنامہ میں جس مسئلے کے بارے میں حکم شرعی معلوم کیا گیا ہے اس کے متعلق کتب فقہ کے جزئیات کا احاطہ کرنے کے بعد جو حکم سمجھ میں آیا ہے، وہ پیش خدمت ہے- سوال نامہ میں جس تہ خانہ کا ذکر کیا گیا ہے، اس میں دو قسم کی زمین آتی ہیں۔

(۱) مسجد کا برآمدہ اور صحن کا وہ حصہ جو پہلے سے شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل ہے۔ (۲) مسجد سے ملحق کمرے، درس گاہ اور مسجد کا حوض جو پہلے سے شرعی مسجد کے دائرہ

سے خارج ہے، اسی طرح صحن کا وہ حصہ جو پہلے سے شرعی مسجد کے دائرہ سے خارج ہے تو ان دونوں قسموں کی زمینوں میں سے پہلی قسم کی زمین کے نیچے تہ خانہ کا جو حصہ ہوگا، وہ شرعی مسجد ہی رہے گا، اوراس کو شرعی مسجد ہی رکھنے کے لئے نیت کرنا لازم اورواجب ہے اور یہ توسیع مسجد کے حکم میں ہوگی جو کہ جائز ہے۔

رجل بنىٰ مسجداً ثم مات فأراد أهل المسجد أن ينقضوه ويزيدوا فيه فلهم ذلك. (هنديه، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به زكريا قديم ۲/۵۷، جديد ۲/ ٤١٠)

قوم بنوا مسجداً واحتاجوا إلىٰ مكان ليتسع المسجد وأخذوا من الطريق وأدخلوه في المسجد – إلىٰ قوله– إن كان لايضربهم رجوت أن لايكون به بأس كذا في المضمرات وهو المختار. (هنديه،زكريا قديم ۲/٤٥٦، جديد۲/٤٠٩، حاشية چلپي، مكتبه امداديه ملتان۳/۳۳۱، زكريا ٤/۲۷٤، البحرالرائق، كوئٹه ٥/۲٥٥، زكريا٥/٤٢٨، المحيط البرهاني ،المجلس العلمي ۹/۱۲٦، رقم: ۱۱۳٤۱، الفتاوىٰ التاتار خانية زكريا۸/۱٥۸، رقم: ۱۱٥۰۲)

اور دوسری قسم کی زمین کے نیچے جو تہ خانہ بنایا جائے گا اس کو شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل کرنا ضروری نہیں بلکہ تہ خانہ کے اس حصہ کو خالص کھانا کھلانے کیلئے متعین کر لینا بھی جائز ہوگا، اور پہلی قسم کی زمین کے نیچے کے تہ خانہ میں بوجہ ضرورت معتکفین اور تبلیغی وفود کو کھانا کھلانا بھی جائز ہوگا، مگر اصالتہً مسجد رہے گی، اور تبعاً کھانا کھلانے کی گنجائش ہے جیسا کہ دیگر مسجدوں میں ہوتا ہے، اگر اس طرح کے پروگرام کے تحت سوال نامہ میں ذکر کردہ وسیع ترین تہ خانہ بنالیا جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، البتہ اگر دونوں قسموں کے تہ خانہ کے اوپر کے حصے کو مکمل شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل کرنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے کہ دوسری قسم کی زمین کے نیچے تہ خانہ شرعی مسجد سے خارج ہو اور اس کے اوپر کا حصہ شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل ہو اس لئے کہ اس حصہ میں جو مسجد کا حصہ بن رہا ہے، وہ ابتداء بن رہا ہے، پہلے سے نہیں ہے، جیسا کہ اس گنجائش کی طرف سوال نامہ میں اشارہ ہے۔

إذا كان السفل مملوكاً وفوقه مسجد جاز– الخ. (تاتار خانيه

کوئٹہ٥/٤٨٣، زکریا ٨/١٦١، رقم: ١١٥٠٨)

إذا كان تحته شيئ ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلک لله تعالىٰ . (تقریرات رافعی تحت الشامی، زکریا٦/ ٨٠)

اوراس کے برخلاف اگر دونوں قسم کی زمینوں کوشرعی مسجد سے خارج کرکے صرف طعام ضیوف کے لئے متعین کرکے تہ خانہ میں شامل کرلیا جائے تو جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ اس میں شرعی مسجد کی جگہ کومسجدیت سے خارج کرنالازم آتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۵؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۵۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۵ھ

مسجد کے نیچے تہ خانہ بنانا

سوال: [۷۹۲۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد جوکہ چھوٹی ہےاوراس کی توسیع کے لئے ایک پلاٹ مسجد کےآگے کے حصے میں خریدا گیا ہے، اور بانی مسجد کی نیت یہ ہے کہ اس پلاٹ کے نیچے تہ خانہ بنائیں گےاوراس تہ خانہ کو گودام یاکار خانہ کے طور پر استعمال میں لائیں گےاوراس سے جوآمدنی ہوگی اس کومسجد کےمصرف میں خرچ کریں گے،کیااس طرح کا تہ خانہ بنانا درست ہے،مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: ثاقب انور، پورنوی، امام
مسجد حمزہ، لاجپت نگر، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ پلاٹ میں جب پہلے ہی سے یہ پروگرام ہے، کہ اس پر مسجد بننے سے پہلے نیچے تہ خانہ کو گودام وغیرہ کی شکل دی جائے گی جوکرایہ پر چلے گا جس کی آمدنی مسجد میں آئے گی، اوراس کے اوپر شرعی مسجد بنائی

جائے گی، اوربیس مینٹ مسجد ہی کی ملکیت میں رہے گا اور جب مسجد کو اس کی ضرورت پڑے گی تو آسانی سے خالی کرایا جاسکے گا، تو ایسی صورت میں چونکہ نیچے کا حصہ مسجد کی ملکیت ہے اور مصالح مسجد کے لئے تہ خانہ وغیرہ بنانا جائز ہے، اور آمدنی اور منافع بھی مصالح مسجد ہی میں شامل ہیں اس لئے اس مقصد کے واسطے مذکورہ پروگرام کے تحت عمارت بنانے کی گنجائش ہے اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے کہ پرانی مسجد کا کوئی حصہ گودام وغیرہ میں شامل کرنا جائز نہیں ہے، اس کے نیچے سے اوپر تک مکمل حدود مسجد ہی کے دائرہ میں رہنا لازم ہے۔

لو جعل تحته حانوتا وجعله وقفاً على المسجد قيل لايستحب ذلك ولكنه لو جعل فى الإبتداء هكذا صار مسجداً وما تحته صار وقفاً عليه ويجوز المسجد والوقف الذى تحته. (حاشية چلپى على التبيين، الوقف، فصل فى أحكام المسجد، زكريا ٤/ ٢٧١، امدادية ملتان ٣/ ٣٣٠)

وعن بعض المشائخ إذا كان العلو والسفل حوانيت موقوفة على المسجد أو على الأغلب لابأس به لأن الكل منقطع عن حقوق العباد.

(بنايه، مكتبه اشرفيه ديو بند٧/ ٤٥٥، مستفاد: امداد الفتاوىٰ زكريا ٢/ ٦٨٢، ٦٨٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۶۲/۴۰)

مسجد کی قدیم سطح میں تہ خانہ بنانا

سوال: [۷۹۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک قدیم مسجد بھی بوجہ بوسیدہ ہونے کے اس کو از سرنو جدید طرز پر تعمیر

کیا گیا اوراس سے قبل زمین کی جس سطح پر نماز پڑھی جاتی تھی، اس سطح کو اپنی جگہ سے کچھ اوپر کر کے اس کے نیچے تہ خانہ بنا دیا گیا، جو مسجد کی ضروری اشیاء کے رکھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کی قدیم سطح کو بدل کراس کے اوپر کی سطح پر نماز پڑھنا اور قدیم سطح کو تہ خانہ میں بدل کراس کو سامان وغیرہ کے لئے مختص کرنا کیسا ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں؟

المستفتي: سیدابراہیم قاسمی، پربھنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد قدیم کے نیچے تہ خانہ بنا کر سطح زمین کو اونچا کرنے سے نماز میں کوئی فرق نہیں آتا ہے، نیز جماعت خانوں کوئی منزلہ بنا کر سب منزلوں پر نماز ہوتی رہے، تو سب منزل پر بھی مسجد کا ثواب ملتا رہے گا، تہ خانہ پر یا اور اوپر کے حصہ میں مسجد ہی کے ضروری سامان مثلاً مسجد کی صفیں، قالین وغیرہ رکھنا بھی بلاتردد جائز ہے، لیکن تہ خانہ یا اوپر کا کوئی حصہ کرایہ پر دینا یا آمدنی کا ذریعہ بنانا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ جس وقت پہلی مرتبہ مسجد بنی تھی، اسی وقت سے اوپر کی فضا اور نیچے کی زمین ہمیشہ کے لئے مسجد کے حکم میں ہو چکی ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۳۳، جدید زکریا مطول ۱۰/۴۸۵، محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۴/ ۶۱۷)

قال العلاء وكره الوطئ فوقه لأنه مسجد إلىٰ عنان السماء (درمختار) وفي الشامية قال الزيلعي ولهذا يصح اقتداء من على سطح المسجد بمن فيه إذالم يتقدم على الإمام ولا يبطل الإعتكاف بالصعود إليه قوله: (إلىٰ عنان السماء) وكذا إلىٰ تحت الثرىٰ. (شامی، الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، مطلب في احكام المسجد زكريا۲/ ٤٢٨، كراچی ۱/ ٦٥٦)

وحاصله أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ: وإن المساجد لله بخلاف ماإذا كان

السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد فإنه يجوز إذ لاملك فيه لأحد بل هو من تتميم مصالح المسجد كسرداب بيت القدس. (البحرالرائق، كتاب الوقف ، فصل فی أحكام المسجد كوئٹه ٥/ ٢٥١ ، زكرياه/ ٤٢١)

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه أي المسجد جاز. (شامی، زكريا٦/ ٥٤٧، كراچی ٤/ ٣٥٧)

ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنیٰ.

(شامی، زكريا كتاب الوقف ، مطلب فی أحكام المسجد ٦/ ٥٤٨، شامی كراچی ٤/ ٣٥٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴؍صفر ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۰۲/۳۸)	۱۴۳۱/۲/۲۴ھ

مسجد قدیم کی تعمیر جدید میں تہ خانہ بنانا

سوال: [۷۹۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے سیوہارہ میں ایک پرانی مسجد ہے، اس کی از سر نو تعمیر ہونے جارہی ہے اس کی تعمیر میں یہ پلان بن رہا ہے، کہ مسجد کے نیچے کی منزل کو تہ خانہ بنادیا جائے، جس میں معذور حضرات یا سنتیں پڑھنے والے سنت پڑھ لیا کریں، اور اوپر کی منزل میں امام صاحب کا مصلیٰ محراب بنادیا جائے اور مسجد کے متصل مدرسہ کو بھی توسیع میں شامل کرلیا جائے تا کہ مسجد وسیع ہوجائے اور اوپر والی منزل میں ہی امام صاحب نماز پڑھائیں، جیسا کہ دارالعلوم دیوبند میں مسجد رشید میں نیچے تہ خانہ ہے اوپر محراب ہے اوپر نماز ہوتی ہے تو ہم لوگ بھی اسی طرح تعمیر کرسکتے ہیں یانہیں؟ شرعی حکم واضح فرمائیں؟

المستفتي: فرقان احمد، مہندی حسن، اکبر حسین، جابر حسین، محمد شاہد، احمد علی سیوہارہ، ضلع: بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں پرانی مسجد کو اپنی جگہ باقی رکھ کر اس کے اوپر کی منزل میں وسعت کے ساتھ تعمیر کر کے امام کا اوپر کی منزل میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانا بلا کراہت اور بلا شبہ جائز ہے، اور بوقت ضرورت شدت لو وغیرہ کے زمانے میں نیچے کی منزل میں بھی جماعت بنا کے نماز پڑھی جا سکتی ہے، یہ ایسا ہے جیسا کہ گرمیوں کے زمانے میں اصل مسجد کو چھوڑ کر کے مسجد کے صحن کے حصے میں جماعت بنا کر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہوتا ہے، اس لئے نیچے کی منزل کو بھراؤ کر کے بیکار کر دینے کے بجائے اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے، بوقت ضرورت اس میں نماز پڑھی جا سکتی ہے، اسی طرح معذور بھی نیچے نماز پڑھ سکتے ہیں، اور بعد میں آنے والے بھی سنتیں وغیرہ اس میں جا کر پڑھ سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۴۱۸، امداد الأحکام ۲/۵۴، عزیز الفتاویٰ طبع دار الاشاعت کراچی ۱/۶۰۵، ۶۰۶)

وحاصله: أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ: وأن المساجد لله. (الجن: ٨)

بخلاف ماإذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد فإنه يجوز.

(البحر الرائق، الوقف، فصل فی أحكام المسجد زكريا ٥/ ٤٢١، كوئٹه ٥/ ٢٥١، شامی، كراچی ٤/ ٣٥٧، زكريا ٦/ ٥٤٧)

اور فتاویٰ رحیمیہ وغیرہ میں جو بات لکھی گئی ہے، وہ بعض مصالح کی بنا پر کہی گئی ہے، اور اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رصفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۵۰/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۱ھ

قدیم مسجد کو منہدم کرکے نیچے مدرسہ اور اوپر مسجد بنانا

سوال: [۷۹۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک قدیم مسجد کو منہدم کر کے اس کی توسیع کرنا چاہتا ہے، لیکن نیچے مدرسہ اور اس کی بالائی منزل پر مسجد بنانا چاہتا ہے آپ شریعت کی روشنی میں مدلل مع حوالہ کے تحریر فرمائیں، کہ کیا زید کا یہ عمل درست ہوگا؟ اور اس طور پر مسجد اور مدرسہ بنانا اور نماز کا ادا کرنا جائز ہوگا؟

المستفتي: مصطفیٰ حسین، تکیہ پیر غائب، جھواں ٹولہ لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب ابتداء میں مسجد تھی تو دوبارہ اس پر مسجد ہی بنانا لازم ہوگا، اور اس کے اوپر یا نیچے باقاعدہ مدرسہ بنانا شرعاً جائز نہیں ہوگا۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلک لم يصدق ...... فإذا كان هذا في الوقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلا ولاسكنىٰ. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٦/١٢، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٣٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۳۵)

مسجد منہدم کرکے اس کے احاطہ میں مدرسہ اور مسجد بنانا

سوال: [۷۹۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قدیم مسجد کو منہدم کر کے اس سے آگے مسجد کی بنیاد رکھی جائے اور قدیم مسجد کی جگہ مدرسہ

بنایا جائے تو آگے کی طرف مسجد ہوگی قدیم مسجد کی جگہ مدرسہ ہوگا، تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ مدلل مع حوالہ کے جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: مصطفیٰ حسین، تکیہ پیر غائب، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے حصہ میں مدرسہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، وہ حصہ تا قیامت مسجد ہی کے حکم میں رہے گا۔

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثانى أبداً إلىٰ قيام الساعة وبه يفتى الخ. (الدر المختار، والوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أوغيره، زكريا ٦/٥٤٨، كراچى ٤/٣٥٨، مجمع الانهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، مصرى قديم ١/٧٤٨، هنديه زكريا قديم ٢/٤٥٨، جديد٢/٤١٠، قاضيخان جديد٣/٢٠٤، وعلى هامش الهنديه ٣/٢٨٨، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ٣/٣٣٠، ٣٣١، زكريا٤/٢٧٢، الفتاوىٰ التاتار خانيه زكريا٨/١٦٤، رقم: ١١٥١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۳۵)

تعمیر جدید میں نچلی منزل میں وضوخانہ اور دوسری میں مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بوسیدہ مسجد کی از سر نو تعمیر دو منزلہ اس طرح کی جائے کہ نچلی منزل میں وضو خانہ، غسل خانہ، استنجاء خانہ، حجرۂ امام صاحب ومؤذن صاحب رہے، اور اوپر کی منزل میں مسجد جو نماز کے لئے استعمال ہو، یا نچلی منزل کا کچھ حصہ مصارف مسجد کے لئے کرایہ پر دیا جائے، تو کیا مسجد کے واسطے کرایہ پر دینے کے لئے اس طرح مسجد کی تعمیر ہونا شرعی اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد سفیان، سکریٹری، مسجد محلّہ شیخان، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس جگہ مسجد بنادی جائے تو تحت الثریٰ سے آسمان تک اتنی جگہ مسجد کے حکم میں ہوجاتی ہے، لہٰذا مسجد میں جماعت خانہ کے حصہ کوئی تعمیر میں وضوخانہ، غسل خانہ، استنجاء خانہ وغیرہ سے بدلنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس جگہ کو جماعت خانہ ہی باقی رکھنا ضروری ہے، اور نہ جماعت خانہ کے حصہ کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۳۰، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۷۳)

وفی الشامية أمالو تمت المسجدية ثم أراد البناء (إلیٰ قوله) فيجب هدمه ولو علیٰ جدار المسجد الخ. (شامی، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٦/ ٥٤٨، كراچی ٤/ ٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/ ٢٩٦، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۳۳/۳۴)

مسجد کی توسیع کے وقت دوکانوں کے اوپر مسجد کا حصہ بڑھانا

سوال: [۷۹۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد پہلے چھوٹی تھی لیکن بعد میں مسجد میں توسیع کرلی گئی تو کیا توسیع شدہ حصہ تعریف مسجد میں داخل ہے یا نہیں؟ اور یوں بھی کہا جاتا ہے، کہ مسجد عرش معلیٰ تک مسجد ہوتی ہے، اور تحت الثریٰ تک بھی مسجد ہوتی ہے، تو اس توسیع شدہ حصہ کے نیچے دوکانیں بنی ہوئی ہیں، آیا اس حصہ پر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس پر لوگ نماز پنجگانہ بھی ادا کرتے ہیں۔

المستفتی: امام جامع مسجد، دھنورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مسجد پہلے سے بنی ہوئی ہے، اوراس کی توسیع کی جارہی ہے اورجس حصہ کی توسیع ہورہی ہے اس میں پہلے سے دوکانیں بنی ہوئی ہیں، اور دوکانوں کےاوپر مسجد کا حصہ بڑھانا ہےتو جائزاوردرست ہےلیکن شرط یہ ہے کہ دوکانوں کی آمدنی مسجدہی کوملتی ہو۔(مستفاد:امداداالفتاویٰ ۲/۶۸۳)

وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه أى المسجد جاز كمسجد المقدس الخ. (الدر مع الرد، والوقف، مطلب فی احکام المسجد، زکریا۶/۵٤۷، کراچی٤/۳۵۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۰۲/۳۷، الدار المنتقیٰ،دارالکتب العلمیة بیروت۲/٤ ۵۹، قدیم ۷٤۷/۱، مجمع الانهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/٤ ۵۹، مصری قدیم ۱/۷٤ ۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۹رصفر۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۸/۳۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۹ھ

مسجد کے نیچے حصہ میں دوکان بنا کراوپر مسجد بنانا

سوال: [۷۹۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد ولایت علی خان عرف چھوٹی مسجد محلّہ گڑھی پیرخاں ٹھاکرگنج لکھنؤ جو کہ محلّہ کی آبادی میں اضافہ کی بناء پرتنگ ہورہی ہے، خاص طور سے رمضان میں کافی دقت پیش آتی ہے،اس مسجد میں تین دوکانیں ہیں جن کی آمدنی سے مسجد کا خرچ پورا ہوتا ہے، اہل محلّہ مسجد کی توسیع کرنا چاہتے ہیں،موجودہ وقت میں مسجد میں بیک وقت نیچے کے حصہ میں بمشکل تمام چالیس نمازی کھڑے ہوسکتے ہیں،اگر مسجدکواوپر لاکردیگر تمام ضرورتیں نیچے کے حصہ میں پوری کی جاتی ہیں، تواس صورت میں لگ بھگ ایک سو چالیس نمازیوں کی گنجائش اوپر ہورہی ہے،اورتین دوکانوں سے بڑھ کر پانچ دوکانیں ہوجارہی ہیں،لیکن ایسا کرنے پر

مسجد کا وہ حصہ جہاں اس وقت پانچ وقت کی نمازیں ادا کی جارہی ہیں، کچھ دوکانوں کے صرفہ میں جارہا ہے، کیا یہ درست ہے؟

المستفتی: ابوالکلام، گڑھی پیر خاں، ٹھاکر گنج لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جگہ پر ایک مرتبہ مسجد تعمیر ہوگئی وہ زمین قیامت تک مسجد ہی رہے گی، لہٰذا اس جگہ کو دوکان یا کسی اور مصرف میں لینا قیامت تک جائز نہیں ہے، نیز نیچے کا حصہ کسی حال میں بھی دوسرے مصرف میں استعمال نہیں ہوسکتا ہے، صرف مسجد ہی کی حالت میں رہ سکتا ہے، ہاں البتہ اس کے اوپر اور بغل کی دوکانوں کے اوپر مسجد کی دوسری منزل وسیع کر کے بنانا جائز ہے، جو آپ کے قول کے مطابق ایک سو چالیس نمازی اوپر آجائیں گے، اور نیچے کے پرانے حصہ میں بھی ۴۰ر چالیس نمازی آجائیں گے کل ۱۸۰ر نمازی نماز پڑھ سکتے ہیں، صرف یہی شکل آپ اختیار کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۶/۱۱۲، جدید زکریا دیوبند ۹/۹۳)

قال أبو یوسف: هو مسجد أبداً إلیٰ قیام الساعة إلیٰ قوله کانوا یصلون فیه أولا وهو الفتویٰ وبخلاف ماإذا کان السرداب أوالعلو موقوفاً لمصالح المسجد فإنه یجوز إذ لاملک فیه لأحد بل هو من تتمیم مصالح المسجد. (البحرالرائق، الوقف، فصل في أحکام المسجد کوئٹه ٥/٢٥١، زکریا٥/٤٢١، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت٢/٥٩٥، مصری قدیم ١/٧٤٨، شامی، زکریا٦/٥٤٨، کراچی ٤/٣٥٨، خلاصة الفتاویٰ اشرفی ٤/٤٢٤، الولوالجیة، دارالإیمان سهارنپور٣/٨٨)

وفی المجتبیٰ لایجوز لقیم المسجد أن یبنی حوانیت فی حد المسجد. (البحر الرائق، کوئٹه ٥/٢٤٩، زکریا٥/٤١٨، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٣٧/٢٢٦، هندیه زکریاقدیم ٢/٤٦٢، جدید ٢/٤١٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۶۰۳۲/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۶ھ

غسل خانہ وپیشاب خانہ کی جگہ کومسجد کے دالان میں شامل کرنا

سوال: [۷۹۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صحن مسجد کا وہ حصہ جس پر پہلے غسل خانہ وپیشاب خانہ بنے ہوئے تھے،اور پانی کی ٹنکی وہینڈ پمپ تھا، جب مسجد کی جدید تعمیر ہوئی تو اس کو دالان میں شامل کر لیا گیا بوقت تعمیر ایک عالم دین ومفتی صاحب کے مشورہ سے اس کو خارجی حصہ قرار دے کر وہاں جنازہ کی نماز پڑھائی جانے لگی ، پہلے اس جگہ اکثر بچہ کی نماز جنازہ ہوا کرتی تھی ،اور بڑے جنازہ کی نماز سڑک پر ہوتی تھی،جس سے بارش کے زمانہ میں پریشانی ہوتی تھی،اب کچھ لوگ اس کو مسجد کا حصہ مانتے ہیں،اور کہتے ہیں، یہاں نماز جنازہ نہیں ہوسکتی میری آپ سے گذارش ہے کہ آپ موقع پر پہونچ کر جگہ کا معائنہ فرما کر شرعی فیصلہ صادر فرمائیں؟

المستفتي:شبیر احمد، کچا باغ،مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:مذکورہ عالم دین مفتی صاحب نے اس جگہ کو اس مصلحت سے خارج رکھنے کا مشورہ دیا ہوگا ، کہ اگر مسجد میں شامل کر لی جائے تو پھر بعد میں اس سے نماز جنازہ وغیرہ کا کام لینا ممنوع ہو جائے گا، اگر مسجد سے خارج رکھا جائے تو نماز جنازہ کا بھی کام لیا جا سکتا ہے،اور جماعت کثیرہ کے وقت وہاں جماعت کی صف قائم کی جاسکتی ہے،بس صرف شرعی مسجد کا ثواب وہاں سے حاصل نہ ہو سکے گا،اور جماعت کا ثواب ملتا رہے گا،اور بعد میں حدود مسجد میں شامل کر لینے کی ضرورت ہو تو اہل مسجد اور ذمہ داران مسجد کے اتفاق سے اس کو مسجد میں شامل بھی کیا جا سکتا ہے۔

فی الکبری مسجد أراد أن یجعلوا الرحبة مسجداً (إلیٰ قوله) فلهم

ذلک فإن اختلفوا نظر أيهم أكثر وأ فضل فلهم ذلك . (عالمگیری ، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما يتعلق به زكريا قديم ٢/ ٤٥٦، جديد ٢/ ٤٠٩، المحيط البرهانی ، المجلس العلمی ٩/ ١٢٥، رقم: ١١٣٣٩، الفتاویٰ التاتار خانية زكريا ٨/ ١٥٧، ١٥٨، رقم: ١١٥٠٠، حاشية چلپی امداديه ملتان ٣/ ٣٣١، زكريا ٤/ ٢٧٤، شامی، زكريا ٦/ ٥٧٦، كراچی ٤/ ٣٧٨)

احقر نے موقع پر جا کر معائنہ کرلیا ہے اہل مسجد کو اختیار ہے کہ چاہے اس کو داخل کرلیں اور چاہے کسی مصلحت سے خارج رکھیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۰۰)

مملوکہ قبرستان میں مسجد کا چھجہ اور جنگلہ کھولنا

سوال: [۷۹۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے قصبہ میں ایک مسجد دوبارہ تعمیر ہورہی ہے، مسجد کے بائیں طرف ایک مملوکہ قبرستان ہے، اور دائیں طرف عام راستہ ہے، مسجد سے متعلق کچھ حضرات نے مسجد کا لینٹر اس طرح ڈلوایا ہے کہ وہ قبرستان کی طرف چوڑائی میں تقریباً چار فٹ نکلا ہوا ہے، نیز قبرستان کی طرف مسجد کی دیوار میں ایک جنگلہ لگانا بھی چاہتے ہیں، جبکہ قبرستان کے مالکین اس کی مخالفت کررہے ہیں معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح لینٹر نکالنا اور اس پر نماز پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟ اسی طرح جنگلہ لگانے کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے، اگر مسجد کے دائیں طرف جنگلہ لگادیا جائے تو اس میں بظاہر کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا ہے لیکن اس طرف راستہ کی دوسری طرف غیر مسلم آباد ہیں، اور بے پردگی کا خوب احتمال ہے، اس بارے میں شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتي: حاجی قمر الزماں، کٹھور، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مسجد کی پڑوس میں ملکیت کا قبرستان ہے اور مالکان زمین اس قبرستان پر آئندہ کسی قسم کی تعمیر کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں تو ایسی صورت میں اس کی فضا میں مسجد کا لینٹر آجانے کی وجہ سے قبرستان کا کوئی نقصان نہیں ہے، اس لئے مالکان کو ایک مؤمن ہونے کی وجہ سے اس میں رکاوٹ پیدا نہیں کرنی چاہئے اسی طرح جنگلہ نکالنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ اس میں مالکان وقبرستان کا کوئی نقصان نہیں ہے، کیونکہ مسجد کسی شخص خاص کی ملکیت نہیں ہوتی ہے، بلکہ اللہ کی ملکیت ہے اس کا ہر مسلمان کو خیال رکھنا چاہئے اور مسجد میں ہوا اور روشنی کیلئے راستہ کی جانب یعنی دائیں طرف جنگلہ نکالنے پر بھی کوئی حرج نہیں ہے، اگر بے پردگی کا خطرہ ہو تو اس سے رکاوٹ کے لئے کوئی معقول نظم کرلیا جائے مثلاً جنگلہ اس طرح لگالیا جائے کہ سامنے کا منظر دکھائی نہ دے، لیکن ہوا آتی رہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۴۲۱، ۵۱۱)

المقبرة الداثرة إذا بنى فيها مسجد ليصلى فيه فلم أرفيه بأساً لأن المقابر وقف وكذا المسجد فمعنا هما واحد. (عمدة القارى، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، داراحياء التراث العربى ٤/ ١٧٤، زكريا٣/ ٤٢٨، تحت رقم الحديث: ٤٢٧، ارشادالسارى، دارالفكر ٢/ ٤٣٧)

قوله: وإن جعل شيئى من الطريق مسجداً الخ. يعنى إذابنى قوم مسجداً واحتاجوا إلىٰ مكان ليتسع فادخلوا شيئاً من الطريق ليتسع المسجد وكان ذلک لايضر بأصحاب الطريق جاز ذلک. (البحرالرائق، الوقف، فصل فى أحكام المسجد كوئٹه ٥/ ٢٥٥، زكريا٥/ ٤٢٨، هنديه زكريا قديم ٢/ ٤٥٦، جديد ٢/ ٤٠٩، حاشية چلپى امداديه ملتان ٣/ ٣٣١، زكريا ٤/ ٢٧٤، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ٩/ ١٢٦، رقم: ١١٣٤١، الفتاوى التاتارخانية زكريا ٨/ ١٥٨، رقم: ١١٥٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۱۴۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۳/۵ھ

قبروں کی جگہ کو ہموار کر کے مسجد کے حصہ میں لینا

سوال: [۷۹۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد جس کے اندر والے حصہ میں چار صفیں ہیں، ہر ایک صف میں تقریباً ۳۰؍تیس نمازی آتے ہیں، برآمدہ میں بھی چار صفیں ہوجاتی ہیں، لیکن برآمدہ والے حصہ میں بائیں جانب چار قبریں بہت پرانی ہیں، جس کی وجہ سے برآمدہ والی صفوں میں صرف بیس آدمی آتے ہیں، جو نقشہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے، اراکین کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ مزار کو کھود کر اور دو فٹ نیچی کردیں چونکہ ابھی بھی برآمدے کے فرش سے مزارات چار فٹ نیچے ہیں، تو دو فٹ اور نیچی کر کے فرش سے ملا کر مزار والے حصہ پر لینٹر ڈالدیں اور مزار میت کی جگہ بنادیں جہاں دفن کے وقت میت کو رکھا جاتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ قبر کی کھدائی نہ ہو لیکن اسی کے برابر والی جگہ کھودیں جو بونڈری کے اندر ہی ہے تو مزار اپنی جگہ رہے لیکن آس پاس کی جگہ کھود کر لینٹر ڈالدیں اس صورت میں آدمی اس لینٹر کے نیچے آرام سے کھڑے ہو کر ایصال ثواب کرسکتا ہے، بہر دو صورت ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس لینٹر پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر مفصل جواب تحریر فرمادیں؟

المستفتی: اراکین کمیٹی، مسجد کوکا شاہ، بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مزار کی زمین مسجد ہی کی ہے تو بہت زیادہ پرانا ہونے کے بعد ان مزاروں کو ہموار کر کے ان کے اوپر مسجد بنانا جائز ہے، مسجد نبوی بھی پرانے قبرستان پر بنائی گئی تھی، اور اس کی بھی گنجائش ہے کہ اگر قبریں بہت پرانی نہیں ہیں تو اوپر پلر

قائم کرکے پھر اس کے اوپر مسجد یا اس کا برآمدہ وغیرہ بنالیا جائے تاکہ لوگ اس پر نماز پڑھ سکیں، اور اگر قبروں کی جگہ وقف کی نہیں ہے، بلکہ انکی ملکیت کی ہے، تو مالکان کی اجازت سے مذکورہ دونوں طریقوں میں سے کسی بھی طریقہ سے مسجد کے کام میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه الخ. (البحرالرائق، الصلاۃ، قبیل باب صلاۃ الشهید زکریا۲/۳۴۲، کوئٹه ۲/۱۹۵، تبیین الحقائق، امدادیه ملتان ۱/۲۴٦، زکریا۱/۵۸۹، هندیه زکریا قدیم ۱/۱٦۷، جدید۱/۲۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳ر۷ ۵۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۲۰ھ

توسیع مسجد میں قبروں کو شامل کرنا

سوال: [۷۹۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے صحن کے بغل میں جنوب کی جانب مسجد کی ایک قدیم خالی جگہ پڑی ہوئی ہے، جمعہ کے روز جگہ کی قلت کی بنا پر کافی لوگ واپس لوٹ جاتے ہیں، لہٰذا اس کے بارے میں اہل محلّہ کا یہ مشورہ ہے کہ اس پر فرش بچھوا کر صفیں بنوادی جائیں جس سے کہ لوگ آسانی سے نماز ادا کرلیں، اور رمضان المبارک میں ایک طرف بیٹھ کر افطار بھی کرلیا کریں، اس جگہ کے بارے میں بتایا جاتا ہے، کہ یہاں ایک یا دو قدیم قبریں ہیں، جنکا اس وقت کوئی بھی نام ونشان باقی نہیں ہے، تو فرش بنوا کر اس جگہ میں نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عزیز خانصاب،
امان فیل، سرائے ترین، ضلع سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب سوال نامہ میں یہ ذکر ہے کہ وہ زمین مسجد کی ہے تو اس صورت میں اس کو مسجد میں ہر طرح سے شامل کرنے کی اجازت ہے، اور بوسیدہ قبروں کو برابر کرکے اس پر فرش بنایا جا سکتا ہے۔

ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ الخ. (شامی، الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ زکریا۳/۱۳۸، کراچی ۲/۲۳۳، تبیین الحقائق، امدادیہ ملتان ۱/۲٤٦، زکریا ۱/۵۸۹، البحر الرائق، کوئٹہ ۲/۱۹۵، زکریا۲/۳٤۲،الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ، دارالفکر ۱/۵۳۸)

ولو کان بجنب المسجد أرض وقف علی المسجد فأرادوا أن یزیدوا شئیاً فی المسجد من الأرض جاز ذلک بأمر القاضی. (البحرالرائق ، الوقف، فصل فی أحکام المسجد ، کوئٹہ ۵/۲۵٦، زکریا۵/٤۲۸، حاشیۃ چلپی زکریا٤/۲۷٤، قدیم ۳/۳۳۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۲۸ھ

پرانی قبروں کو ہموار کر کے مسجد کے فرش میں شامل کرنا

سوال: [۷۹۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری اونچی مسجد بروالان مرادآباد کے صحن میں تقریباً سو سال پرانی قبر ہے محلے میں کوئی وارث بھی نہیں ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب مسجد کی جگہ میں اضافہ کیا جا رہا ہے، اس قبر کو مسمار و کھدائی کر کے مسجد میں شامل کر دینے کی ضرورت ہے ایسی صورت میں اس پر نماز پڑھنی درست ہوگی یا نہیں؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: استخار بیگ، متولی مسجد بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مسجد کی توسیع میں پرانی قبر کو مسجد کے فرش سے برابر کرکے حدود مسجد کے اندر داخل کرلینے کی گنجائش ہے۔ بشرطیکہ وہ زمین مسجد کی ملکیت کی ہو۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلک بأساً لأن المقابر وقف من أوقاف السلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلىٰ المسجد لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، دارإحياء التراث العربی ۱۷۹/٤، زكريا۳/٤٣٥، تحت رقم الحديث: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ديو بند۲/۱۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۸/۱۴۳۵ھ

پرانی قبروں کی جگہ کو حدود مسجد میں شامل کرنا

سوال: [۷۹۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد قبرستان میں واقع ہے اور یہ مسجد بہت پرانی ہے محلّہ کے بڑے بوڑھے سبھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں، کہ یہ مسجد ہمارے ہوش سے پہلے سے بنی ہوئی ہے، مسجد کے پورب میں بالکل ملحق مکتب ہے اور مسجد کے تینوں طرف پچھّم اتر دکھن قبریں ہیں، مسجد سے پچھّم میں بالکل مسجد کے سیدھ کچھ حصہ میں لکھوری اینٹوں کی باونڈری ہے اس باونڈری میں بغیر نشان کی بالکل زمین کے ہموار دو قبریں ہیں، کچھ سال قبل اس حصہ میں نمازیوں نے پھلواری لگائی تھی، اور اس وقت قبروں کے نشانات ختم کردیئے گئے تھے، اس باؤنڈری سے باہر تینوں طرف قبرستان ہے، اب الحمد للہ نمازیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے،

اور خاص خاص موقعوں پر جیسا کہ تبلیغی جماعت کے آ جانے پر یا ماہ رمضان المبارک کے موقع پر یا شہر میں فساد وغیرہ کے موقع پر نمازیوں کی تعداد اتنی بڑھ جاتی ہے، کہ مکتب میں صفیں بچھانی پڑتی ہیں، اور مسجد نمازیوں کیلئے چھوٹی پڑ جاتی ہے، اب ضرورت محسوس ہو رہی ہے، کہ مسجد کو وسیع کیا جائے، اور پچھّم والا حصہ جو کہ باؤنڈری نما ہے اس کو مسجد میں لیا جائے، مسجد کا اگلا حصہ یعنی کہ امام صاحب کے نماز پڑھانے کی جگہ ان قبروں پر ہوگی جو باؤنڈری میں ہیں، ایسی شکل وصورت میں نماز میں کوئی کراہت تو نہیں ہوگی؟ اور اس جگہ کو مسجد میں لینے کیلئے اس حصہ پر لینٹر ڈال کر مسجد کی عمارت اٹھائی جائے یا بغیر لینٹر کے ہی مسجد کی عمارت بنائی جائے مکمل خاکہ آپکی خدمت میں ارسال ہے آپ علم کی روشنی میں شریعت کے مطابق جواب سے نوازیں آپکا عظیم احسان ہوگا؟

المستفتي: منجانب: منتظمان کمیٹی مسجد چشتی پہلوان، باغپت گیٹ شہر میرٹھ سٹی ۲

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر باؤنڈری کے اندر کی قبریں بہت پرانی ہو چکی ہیں، میت کے اجزاء کے مٹی بن جانے کا ظن غالب ہو چکا ہے تو ایسی صورت میں اس حصہ کو حدود مسجد کے اندر شامل کر لینے کی گنجائش ہے، اور نماز میں کوئی کراہت بھی نہیں آئیگی۔
(مستفاد: کفایت المفتی ۷/۳۳، جدید زکریا مطول ۱۰/۴۸۵)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلک بأساً الخ. (عمدة القاري شرح بخاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، داراحياء التراث العربي ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، تحت رقم الحديث/٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۱۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۴/۱۴۱۳ھ

مسجد کی توسیع میں قبرستان کوشامل کرنا

سوال: [۷۹۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ مسجد کے صحن میں قبر ہے، اب ضرورت مسجد بڑھانے کی ہورہی ہے نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے ،تو کیا ان قبروں کو مسمار کر کے مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے، یا بڑھائی جاسکتی ہے، جواب شافی سے مع حوالہ مطلع فرمائیں؟ نوازش وکرم ہوگا؟

المستفتي: محفوظ احمد قریشی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جہاں قبر ہے، وہ زمین اگر مسجد کی ملکیت میں ہے، اور میت کے اجزاء کے باقی نہ ہونے کا ظن غالب ہے تو برابر کر کے مسجد کی تعمیر اس پر درست وجائز ہوگی۔

جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار تراباً. (الدر المختار ، الصلاة، باب صلاة الجنازة ، کوئٹه ۱/ ٦٦٢، زکریا ۳/ ١٤٥، کراچی ۲/ ۲۳۸، وهكذا زكريا ۳/ ١٥٥، ۱۳۸، کراچی ۲/ ٢٤٥، ٢٤٣، الفقه على المذاهب الاربعة ، دارالفكر ١/ ٥٣٨)

ولو بلى الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه الخ. (تبيين الحقائق، ١/ ٢٤٦، امدادیه ملتان ١/ ٢٤٦، البحرالرائق ، زکریا ۲/ ٣٤٢، کوئٹه ۲/ ١٩٥، عمدة القارى داراحياء التراث العربى ٤/ ١٧٩، زکریا ۳/ ٤٣٥، تحت الرقم الحديث: ٤١٨، فتح الملهم ، كتاب المساجد اشرفيه ٢/ ١١٨، الفتاوى التاتار خانية زكريا ٨/ ١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانى ،المجلس العلمى ٩/ ١٤٤، رقم: ١١٤١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۵۹)

سڑک کے کچھ حصہ کومسجد میں شامل کرنے کاحکم

سوال: [۷۹۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) محلّہ میں ایک کافی پرانی مسجد موجود ہے، لیکن اسمیں جگہ کی تنگی تھی جس کے باعث مسجد کے منتظمین نے عام راستہ کی جگہ کومسجد کے اندر کرلیا ہے، اور پرانی دیوار کوتوڑ کرنئی جگہ اندر لیکر دیوار تعمیر کرلی ہے، جس کی وجہ سے عام راستہ کافی تنگ سا ہوگیا ہے، کیا شرعاً اس طرح عام راستہ تنگ کرنا درست ہے یانہیں؟

(۲) اورراستہ تنگ کرنے والوں کے بارے میں کیاارشاد ہے؟

المستفتي: حاجی محمداطہر، افضل گڈھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگرعام لوگوں کے چلنے کاراستہ محلّہ والوں کا مشترکہ ہےاورعام لوگوں اورگرام پنچایت کی رضامندی اورمشورہ سے راستہ کاحصہ توسیع کیلئے مسجد میں شامل کرلیا ہے، تواس میں کوئی مضائقہ نہیں اگرچہ راستہ کچھ تنگ ہوجائے، اوراگرراستہ کے حصہ کومسجد میں شامل کرنے میں محلّہ والے راضی نہیں ہیں، بلکہ متولی نے اپنی مرضی سے شامل کرلیا ہے، اوراس کی وجہ سے راستہ تنگ اورلوگوں کومستقل پریشانی ہے توراستہ کے حصہ کومسجد میں شامل کرلیناجائزنہیں۔

قوم بنوا مسجداً و احتاجو إلىٰ مكان ليتسع المسجد و أخذوا من الطريق و أدخلوه في المسجد إن كان يضر بأصحاب الطريق لايجوز ، وإن كان لايضر بهم رجوت أن لايكون به بأس الخ. (عالمگیری، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و مایتعلق به زکریا قدیم ۲/ ٤٥٦، جدید ۲/ ٤٠٩، البحرالرائق، زکریا٥/ ۲۲۸، کوئٹه ٥/ ۲٥٥، حاشیة چلپی امدادیه ملتان ۳/ ۳۳۱، زکریا ٤/ ۲۷٤، المحیط البرهانی ، المجلس العلمی۹/ ۱۲٦، رقم: ۱۱۳٤۱،

الفتاویٰ التاتار خانية ، زکریا۸/۱۵۸ ، رقم:۱۱۵۰۲)

(۲) راستہ تنگ کرنے والوں کے بارے میں جو روایت صراحت کیساتھ ملتی ہے وہ اتنی ہے کہ اگر جانبین میں اختلاف ہوجائے تو اختلاف کوختم کرنے کیلئے راستہ کی چوڑائی سات ہاتھ متعین کرلی جائے۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ : إذا اختلفتم فی الطریق فاجعلوه سبعة أزرعٍ، الحديث: (ابن ماجه ،باب إذا تشاجروا فی قدر الطريق، النسخة الهندية /١٦٩، دار السلام رقم: ٢٣٣٩، مسند البزار ، مكتبه العلوم و لحكم ١٦/ ٢٥١، رقم: ٩٤٣١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵۴۸/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۸/۳ھ

راستہ کو مسجد کی توسیع میں شامل کرنا

سوال: [۷۹۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید عمر بکر زفر چار بھائی ہیں، چاروں بھائیوں کا مشترکہ راستہ ہے، عمر نے مسجد تعمیر کی اور مسجد کا چار فٹ چھجہ مشترک راستہ میں بغیر زید بکر اور زفر کی مرضی کے نکالدیا عمر کے علاوہ باقی بھائیوں کو اسپر اعتراض ہے، چونکہ یہ مشترک راستہ ہے، تو کیا شرعی طور پر عمر کا یہ فعل اور تعمیر درست ہے یا مسجد کی توسیع کے نام پر مخصوص اور عام راستوں کو تنگ کیا جا سکتا ہے؟ حکم شرعی سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: ارشاد حسین، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی توسیع کی غرض سے مخصوص یا عام راستہ کے کچھ حصہ کو مسجد میں شامل کرنے کی اگر راستہ چلنے والے تنگی محسوس کرتے ہوئے اس کی اجازت نہ دیں تو راستہ کے حصہ کو مسجد میں شامل کرلینا جائز نہیں ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں

عمر کا یہ فعل اپنے بھائیوں کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں ہے۔

قوم بنوا مسجداً واحتاجوا إلی مکان لیتّسع المسجد وأخذوا من الطریق وأدخلوه فی المسجد إن کان یضر بأصحاب الطریق لایجوز الخ.

(عالمگیری، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و مایتعلق به زکریا قدیم ۲/۴۵٦، جدید ۲/۴۰۹، البحرالرائق، زکریا۵/۲۲۸، کوئٹه ۵/۲۵۵، حاشیة چلپی امدادیه ملتان ۳/۳۳۱، زکریا ٤/۲۷٤، المحیط البرهانی ، المجلس العلمی۹/۱۲٦، رقم: ۱۱۳٤۱، الفتاویٰ التاتار خانیة زکریا۸/۱۵۸، رقم: ۱۱۵۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۸۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۵/۱۴۱۷ھ

موقوفہ ہسپتال کو توسیعِ مسجد کیلئے فروخت کرنا

سوال: [۷۹۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بچھرایوں ضلع جے پی نگر کی جامع مسجد قدیمی ہے اب جبکہ آبادی قصبہ کی بہت بڑھ گئی ہے، تو جمعہ کی نماز کیلئے قصبہ واطراف قصبہ دیہات کے مسلمان جو جمعہ کی نماز پڑھنے کیلئے جامع مسجد آتے ہیں، ان کے لئے مسجد ناکافی ہوتی ہے، لہٰذا مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے، کہ جامع مسجد ہی سے متصل قدیمی ایک زنانہ ہسپتال تھا، جو کہ اب منہدم ہوگیا وہ جگہ زنانہ ہسپتال کیلئے وقف ہے، اب اگر متولی وقف زنانہ ہسپتال سے اس جگہ کو خرید کر توسیع مسجد میں وہ جگہ لے لی جائے اور متولی صاحب اس روپیہ سے کسی دوسری جگہ خرید کر زنانہ ہسپتال قائم کرلیں، جبکہ موجودہ صورت حال اس جگہ کی ایک کھنڈر کی ہے، اور موجودہ حالات میں وہ جگہ ہسپتال کی تعمیر کے لئے بھی ناکافی معلوم ہوتی ہے، تو کیا متولی وقف کو ضرورۃً اس جگہ کا بیچنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: صدر مسجد کمیٹی، بچھرایوں، ودیگر
ممبران کمیٹی، چودھری راحت علی صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زنانہ ہسپتال کی جو حالت سوالنامہ میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زنانہ ہسپتال غرض واقف کے مطابق نہیں چل رہا ہے، اور منہدم ہو چکا ہے، لہٰذا اس کے متولی یا ذمہ دار کے لئے جائز ہے کہ قدیم جامع مسجد کی توسیع کیلئے اسے جامع مسجد کے ہاتھ فروخت کردیں تاکہ جامع مسجد کی توسیع ہو سکے اور اس پیسے کے ذریعہ زنانہ ہسپتال کے لئے کوئی ایسی مناسب جگہ خریدلیں جس میں زنانہ ہسپتال صحیح طور پر چل سکے، اور حکم شرعی یہ ہے کہ موقوفہ جائیداد اگر واقف کی منشاء کے مطابق باقی نہ رہے تو غرض واقف کے مطابق بنانے کیلئے استبدال جائز ہے۔

وكذلك سائر الوقوف عنده إلا أنها إذا خربت وخرجت عن انتفاع الموقوف عليهم به جاز استبدالها بإذن الحاكم بأرض أو دور أخر تكون وقفا مكانها. (اعلاء السنن، کراچی ۱۳/ ۱۱۲، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۳/ ۲٤۷)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً الخ. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرك الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، داراحياء التراث العربی ٤/ ۱۷۹، زکریا ۳/ ٤۳٥، تحت رقم الحديث ٤۲۸/، فتح الملهم، کتاب المساجد اشرفیه ۲/ ۱۱۸)

وإن كان للوقف ريع ولكن يرغب شخص في استبداله إن أعطىٰ مكانه بدلاً أكثر ريعاً منه في صقعٍ أحسن من صقع الوقف جاز عند أبي يوسفؒ والعمل عليه. (شامی، زکریا ٦/ ٥۸۷، کراچی ٤/ ۳۸٦، النهر الفائق، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۳۲۰، البحرالرائق، کوئٹه ٥/ ۲۲۳، زکریا ٥/ ۳۷۳)

ولو صارت الأرض بحال لاينتفع بها............ والمعتمد أنه يجوز

للقاضی بشرط أن یخرج عن الانتفاع بالکلیة . (هندیه ، زکریا قدیم ٤/٢٠١ ، جدید ٢/٣٧٦)

لا یجوز استبدال العامر إلا فی الأربع ، الرابعة أن یرغب إنسان فیه ببدل أکثر غلة و أحسن صقعا فیجوز علی قول أبی یوسفؒ وعلیه الفتویٰ. (شامی، مطلب لا یستبدل العامر إلا فی أربع ، زکریا ٦/٥٨٨، کراچی ٤/٣٨٨ ، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/١٩٨ ، الفقه الاسلامی و أدلته هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند٨/ ٢٢٠، الاشباه والنظائر کراچی١/٣٠٥)

إن الوقف إذا خرب وتعطلت منافعه کدار انهدمت أو أرض خربت .... إن لم یمکن الانتفاع بشئی منه بیع جمیعه. (اعلاء السنن ١٣/٢٠٨، کراچی ، عباس احمد الباز، مکتبه المکرمه ١٣/٢٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۱۱/ ۱۴۳۱ھ

توسیع مسجد کے وقت غیر ضروری مکان کو کرایہ پر باقی رکھنا

سوال: [۶۹۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب سے مسجد بنی اسی وقت سے مسجد کے سامنے ایک مکان مسجد کا ہے، جو مسجد کے مصارف کیلئے کرایہ پر رہا، پھر مسجد کی توسیع کا مسئلہ درپیش ہوا، تو مکان کو اسمیں شامل کرنا چاہا لیکن مکان اس انداز کا ہے کہ مسجد کی صفیں اسمیں صحیح رخ پر نہیں آسکتی تھیں، اس لئے مسجد کو دو منزلہ کر دیا گیا، اور اس مکان کو علی حالہ چھوڑ کر کرایہ پر جاری رکھا گیا، اس سے حاصل شدہ کرایہ کی رقم مسجد کے مصارف میں کام آتی ہے، بعض لوگ اس پر معترض ہیں کہتے ہیں، کہ مسجد کا یہ مکان خالی کرالیا جائے، حالانکہ وہ مسجد کے کام نہیں آسکتا ہے، سوال یہ ہے کہ اس مکان کو کرایہ پر

رکھکر اسکی آمدنی بدستور مسجد میں لگانا جائز ہے یانہیں؟

المستفتي: اسرار احمد، دھام پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرسوال واقع کے مطابق ہےتواس مکان کو کرایہ پر باقی رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ اگر جماعت خانہ میں داخل کرنے کی صورت نہ بن سکے تو اس مکان کو مسجد کی آمدنی کیلئے مناسب کرایہ پر باقی رکھنا بہتر ہے تاکہ مسجد کو فائدہ پہونچتا رہے۔

وحيث كان يدفع أجرة مثلها لم يوجد ضرر على الوقف فتترك فى يده لعدم الضرر على الجانبين (وبعد أسطر) وكذا أصحاب الكدك فى الحوانيت ونحوها فإن إبقاء ها فى أيديهم سبب لعمارتها ودوام استغلالها ففى ذلك نفع للأوقاف الخ. (شامی، الوقف، مطلب فی استيفاء العمارة بعد فراغ مدة الإجارة بأجر المثل زكريا ٦/ ٥٩٤، كراچی٤ /٣٩٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/ ١٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۵۱/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۱۹ھ

مسجد کے جس حصہ میں نماز ہوتی ہے اس میں جنریٹر روم بنانا

سوال: [۷۹۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی ضیاء النبی متولی وذمہ داران نے موتی مسجد واقع صدر بازار ٹانڈہ کو شہید کرکے از سرنو تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا ہے، صورت حال یہ ہے کہ مسجد کے جس حصہ میں نماز ہوتی تھی، اس میں سے تقریباً ۵؍فٹ جگہ الگ کرکے اس میں جنریٹر روم بنانا چاہتے ہیں، ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یانہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جگہ پر ایک مرتبہ شرعی مسجد بن جاتی ہے، وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہی رہتی ہے، اس میں نماز اور اعتکاف کے علاوہ دیگر کسی طرح کا کام جائز نہیں ہے، مسجد قدیم جس میں نماز ہوتی تھی، پانچ فٹ جگہ الگ کرکے جنریٹر روم بنانا قطعاً جائز نہیں ہے۔

قيم المسجد لا يجوز له أن يبني حوانيت في حدالمسجد أو في فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته، وهٰذا لايجوز.

(هندية، كتاب الوقف، جديد زكريا ٢/٤١٣، قديم ٢/٤٦٢)

قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالىٰ: لايجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكنا أو مستغلا. (قاضي خان، باب الرجل يجعل داره مسجدا، جديدزكريا ٢/٢٠٤، وعلى هامش الهندية ٢/٢٩٣) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۹۱۲)

مسجد کے وضوخانہ، حوض، پیشاب خانہ وغیرہ کی جگہ دوکانیں تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موتی مسجد واقع صدر بازار ٹانڈہ کی نماز کی جگہ کے علاوہ اور بھی جگہ ہے، مثلاً وضوخانہ، حوض، پیشاب گھر، حجرہ اور اس کے سامنے کا حصہ جو خالی پڑا ہے، اس حصہ میں وضوخانہ ودیگر ضروریات مسجد اسی طرح مسجد کے مصارف کے لئے دوکانوں کی تعمیر کرنا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں؟

المستفتي: حاجی ضیاء النبی، متولی وذمہ داران موتی
مسجد، قصبہ: ٹانڈہ، بادلی، ضلع رام پور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق :مذکورہ مسجد کی نماز کی جگہ کے علاوہ مسجد کی ملکیت کے وضوخانہ،حوض، پیشاب خانہ اور حجرہ وغیرہ کی جگہ چونکہ خارج مسجد ہے،اس لئے خارج مسجد کے حصوں میں مصالح مسجد اور منافع مسجد کی خاطر دوکانیں وغیرہ تعمیر کرنے کی گنجائش ہے۔

وسئل الخجندی عن قیم المسجد یبیح فناء المسجد لیتجر القوم هل له هذه الإباحة فقال إذا کان فیه مصلحة للمسجد فلا بأس به إن شاء اللّٰه تعالیٰ ، قیل له : لو وضع في فناء سوراً فآجرها الناس لیتجروا علیها وأباح لهم فناء ذلک المسجد هل له ذلک فقال: لو کان لصلاح المسجد فلا بأس به. (فتاویٰ هندیه ، کتاب الکراهیة ، الباب الخامس فی آداب المسجد ، زکریا قدیم ۵/ ۳۲۰، جدید۵/ ۳۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴رصفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر رجسٹر خاص)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۴ھ

الفصل الثامن: مسجد میں تصرف کرنے کا بیان

امام صاحب کے مصلے کا فرش سے ایک ردّہ اونچا ہونا

سوال: [۷۹۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں جہاں امام صاحب کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، وہ فرش سے ایک ردّہ اونچی ہے، یہ غلط تو نہیں ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اونچائی اگر ایک ہاتھ سے کم ہے، تو اسکی گنجائش ہے، اور آپ کے سوال سے بھی یہی معلوم ہورہا ہے، کہ آپ کی مسجد میں جو اونچائی ہے، وہ ایک ہاتھ سے کم ہے۔

وانفراد الإمام علی الدکان للنهی وقدر الإرتفاع بذراع ولا بأس بما دونه. (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب مایفسد الصلوٰۃ الخ، کراچی ۱/۶٤٦، زکریا ۲/٤١٥)

وقد قال بعض مشائخنا: إن کان الدکان قدر ذراع یکره، وإن کان دون ذلک لا یکره،...... و علیه الا عتماد. (تاتارخانیة، زکریا ۲/۲۱۲ رقم: ۲۱۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۰۸۴/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۱۹ھ

محراب کے نیچے ستون کا بنوانا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال: [۷۹۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک

مسجد جس کے نیچے دوکان بنی ہوئی ہے، محراب کے نیچے بھی ایک دوکان ہے، کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ محراب کے نیچے کی جگہ ٹھوس ہونی چاہئے ،یعنی محراب کے نیچے ستون ہونا چاہئے ،اس وقت محراب کے نیچے کوئی ستون نہیں ہے، آپ حدیث کی روشنی میں یہ بتائیں کہ اس مذکورہ محراب کے نیچے ستون ہونا چاہئے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالشکور دلی والے، کانٹھ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: محراب کے نیچے ستون کا ہونا شرط نہیں ہے! بس سجدہ ایسی سخت جگہ پر ہونا شرط ہے، کہ سجدہ کرنے میں پیشانی اندر کو چلی نہ جاتی ہو! جیسا کہ زیادہ نرم اور موٹے گدے پر ہوتا ہے، اور یہاں ایسی بات نہیں ہے! (احسن الفتاویٰ ۳/۳۳۲)

وأن یجد حجم الأرض و الناس عنه غافلون وفی الشامیة تفسیره أن الساجد لو بالغ لایتسفل رأسه أبلغ من ذلک فصح علیٰ طنفسةٍ وحصیر وحنطة وشعیر وسریر وعجلة إن کانت علی الأرض الخ.

(الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة، مطلب فی إطالة الرکوع ،کوئٹه ۱/ ۳۷۰، کراچی ۱/ ۵۰۰، زکریا ۲/ ۲۰٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۸ رشوال ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۴۹)

غلط رخ پر بنی ہوئی اور قابل مرمت مسجد کو شہید کر کے صحیح رخ پر تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں تقریباً ۲۰ رسال قبل ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی تھی، مسجد بہت چھوٹی ہے، اور پوری مسجد پر چھت ہے صحن بالکل نہیں ہے، تین صف اندر اور ڈھائی صف باہر چند سال ہوئے ایک صاحب نے کہا کہ اس مسجد کا رخ قبلہ رخ کے خلاف ہے جب بذریعہ قطب ستارہ

رات کیوقت نیز بذ ریعہ قطب نما دیکھا گیا تو واقعی رخ تقریباً ڈھائی فٹ قبلہ رخ کے خلاف ہے جب یہ شکل ہوئی تو اندر تین صفوں کی جگہ دو صفیں ہونے لگیں، اور جگہ کم ہوگئی اس مسجد سے متعلق کچھ حالات اس طرح ہیں کہ مسجد چونکہ پوری مسقّف ہے اسلئے گرمی کے ایام میں عصر مغرب اور عشاء کی نمازیں بے حد مشکل میں ادا ہوتی ہیں، ہر شخص مع امام کے پسینہ میں رہتا ہے، اور اطمینان قلب سے محروم اسی طرح موسم سرما میں بھی دھوپ نہ آنے کی وجہ سے تری کی وجہ سے سردی زیادہ، دوسری بات یہ ہے کہ تعمیری کوتاہی کی بناء پر مسجد کا لینٹر خراب ہو چکا ہے، بارش کے ایام میں ساری چٹائیاں اٹھانی پڑتی ہیں، بعد مرمت بھی ٹھیک نہیں ہو سکا، شارع عام پر ہونیکی وجہ سے راستہ کی دھول مٹی ہوا کے ذریعہ بھاری مقدار میں مسجد میں آتی ہے، یہ تمام چیزیں واقعی ہیں بناوٹ یا غلط بیانی نہیں ہے، اسلئے متعلقین مسجد چاہتے ہیں، کہ مسجد کو شہید کریں اور از سر نو تعمیر صحیح رخ پر کریں، اور مسجد کو اتنا اونچا بنائیں کہ جس جگہ اس وقت مسجد کی چھت ہے اتنی اوپر مسجد کا فرش یعنی کرسی رہے، تاکہ موجودہ تنگی اور موسمی تمام پریشانیاں ختم ہو جائیں اور نماز میں اطمینان قلب حاصل ہو، نیچے کی جگہ کو مسجد کی چٹائی، لوٹے وغیرہ رکھنے کے کام میں لے لیں اور وضوخانہ، غسل خانہ، پرانی جگہ رہیں گے، اسمیں ایک نئی چیز یہ چاہتے ہیں کہ مسجد شارع عام پر ہے اسلئے یہاں دو تین دوکانیں بنادی جائیں اوپر مع دوکانوں کے لینٹر کے مسجد رہے گی اس طرح مسجد کی ضروریات کی کفالت بھی ہوگی، اور موسمی پریشانیاں نیز تنگی ختم ہوسکتی ہے، اس میں آپ سے جواب طلب ہے از راہ کرم جواب سے نوازیں؟

المستفتي: محمد عثمان، ڈھیال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: غلط رخ سے صحیح رخ پر لانے کیلئے نیز مرمت اور توسیع کیلئے شہید کر دینا اور اچھے نہج پر تعمیر کر دینا درست اور جائز ہے۔

كما استفادهٗ من الشامي، ومفاد كلام البحر أو يراد بالعمارة

فيما مرّ الضرورية كرفع سقف أوجدارٍ فيصرف الريع إليها أولاً كما هو مفاد المتون (إلى قوله) ثم لا يخفىٰ أنه لو احتيج قطع الكل للعمارة الضرورية قدمت على جميع الجهات إذ ليس من النظر خراب المسجد الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی قطع الجهات لأجل العمارة زکریا ٥٦٢/٦، کراچی ٣٦٨/٤)

أراد أهل المحلة نقض المسجد وبناؤه أحكم من الأول أن الباني من أهل المحلة ، لهم ذلک وإلا لا الخ. (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد زکریا ٥٤٦/٦، کراچی ٣٥٧/٤)

نیز نیچے کے حصہ میں چٹائی، لوٹا، وغیرہ کیلئے تہخانہ کی شکل دینا اور اوپر کے حصہ کو جماعت خانہ قرار دینا بھی جائز ہے، لیکن نیچے کے حصہ میں دوکان بنانا ہرگز جائز نہیں ہوگا، اگرچہ منافع مسجد کیلئے ہی ہو، کیونکہ وہ قیامت تک مسجد ہی ہے، مسجدیت اس سے منقطع نہیں ہوسکتی۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع و لو قال عنيت ذلک لم يصدق (إلىٰ قوله) فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئا منه مستغلاً ولا سكنى (بزازيه) ولو خرب ما حوله واستغنىٰ عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلىٰ قيام الساعة وبه يفتى. (شامی، کتاب الوقف، زکریا ٥٤٨/٦، کراچی ٣٥٨/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۴/۲۴)

بے پردگی کی وجہ سے مسجد کے گیٹ کا رخ تبدیل کرنے کا حکم

سوال: [۷۹۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بزم

محمد مسجد محمد اسماعیل باکر کی ملکیت کا ایک جھوپڑا تھا، جس میں بچوں کو روزانہ صبح وشام دینی تعلیم دی جاتی تھی، اس سے قبل باجماعت نماز پڑھنے کے لئے کوئی مسجد نہیں تھی، نماز کیلئے محلّہ والوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی، اس تکلیف کو دیکھتے ہوئے محمد اسماعیل باکر صاحب نے وہ تعلیم والی جگہ اور صحن وغیرہ سب کا سب مسجد بزم محمدی کے نام سے وقف کر دیا، اب تعلیم کے ساتھ امام، مؤذن، خادم، ٹرسٹ سب کا انتظام ہوگیا ہے، اور سارا نظام چلتا رہا، چند سال بعد جھوپڑا اور صحن دونوں کو ملا کر ایک کر دیا، اور اندر کا دروازہ نکال کر باہر ایک دروازہ بنا دیا، مسجد کے شمال میں اور مسجد کے مشرق میں ۹-۱۰ر گھر فیملی والے پہلے سے رہتے ہیں، ان لوگوں کا راستہ مسجد کی مشرقی دیوار کے بغل والی گلی سے ہے ۱۹۸۰ء میں محمد اسمٰعیل باکر صاحب کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد مسجد کی تعمیر ہوئی تعمیر سے قبل جو گلی تھی جس سے ۹-۱۰ر گھر کے پریوار اور مرحوم کی فیملی کا راستہ تھا آنے جانے کا وہ اب چھوٹی ہوگئی جس کو دیکھ کر مسجد کے پڑوسی نے اعتراض کیا کہ تعمیر سے قبل مسجد کا گیٹ چھوٹا تھا، تعمیر کے وقت ۶ ر فٹ چوڑا کر دیا گیا جس کی وجہ سے مسجد کے پڑوسیوں کو آنے جانے میں تکلیف ہونے لگی پھر اعتراض ہوا کہ گلی والوں سے ٹرسٹی حضرات کی کہا سنی ہوئی پھر گلی والے نظر انداز کر دیئے، عرصہ گذر گیا اب پھر مسجد کی تعمیر ہو رہی ہے، پہلے نمازی کم تھے، زیادہ بھیڑ یا مجمع نہیں ہوتا تھا، اور مسجد کے پڑوس کا اور مرحوم کی فیملی کا چھوٹا چھوٹا پریوار تھا، اور اب گلی میں رہنے والوں کا اور مرحوم کا پریوار سب کے سب بڑی بڑی فیملی والے ہوگئے، جو بچے تھے آج ان کے بچوں کے بچے جوان ہوگئے جس سے ایک لمبا چوڑا پریوار ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے نمازوں کے وقت مسجد میں نمازیوں کے جانے آنے سے گلی میں رہنے والوں کا راستہ بند ہو جاتا ہے، اور یہ تکلیف ہمیشہ پانچوں نماز کے وقت رمضان کے پورے مہینے جمعہ کے دن عید کی نماز کا جب انتظام ہوتا ہے تب دینی پروگرام کے وقت پڑوس کا گھر سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے، جمعہ کو باہر بھی نماز ہوتی ہے، اب مرحوم کی لیڈس

اور پڑوسیوں کی لیڈس جوان عورتیں ماں بہن جب ۱۲؍بجے اسکول بچوں کو کھانا کھلانے جاتی ہیں، اور واپس آتی ہیں، تو گھر جانے کا راستہ نہیں ہوتا ہے، نمازیوں سے اور نمازیوں کے چپل جوتی اتارنے کی وجہ سے بھیڑ رہتی ہے، ایسے وقت میں ۲؍گھنٹہ یا تو اندر رہیں یا باہر گھر میں مجمع ختم ہونے کا انتظار کرتی رہیں، ان کی تکلیف کو دیکھتے ہوئے، مذکورہ ۲؍آمیوں نے ٹرسٹی حضرات سے کہا کہ جب مسجد تعمیر ہو رہی ہے، تو جو گیٹ گلی کی طرف ہے، اس گیٹ کو گلی سے ہٹا کر دوسری جانب گیٹ بنادو اس سے ہمیشہ کے لئے گلی والوں کی پریشانیاں دور ہو جائیں گی، جبکہ دوسری جانب جگہ ہے، گنجائش ہے اس بات کو لے کر کافی شور شرابہ ہوا، ٹرسٹی حضرات نے اپنے رسوخ اور دبدبہ کی وجہ سے باندرہ پولیس چوکی میں ہم لوگوں کے خلاف کمپلین کردی ہم لوگوں نے ٹرسٹی سے کہا بیٹھ کر بات سے مسئلہ حل کرلو مگر وہ میٹنگ یا مشورہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، انفرادی طور پر کچھ سے کچھ بول کر ہٹ جاتے ہیں، ہٹ دھرمی کے لئے تیار ہیں، مگر ہماری ماں بہنوں کی تکلیف ان لوگوں کو نظر نہیں آتی ہے، اچھائی کے لئے تو الٹا الزام لگاتے ہیں، کہ مسجد کا کام ہونے نہیں دیتے ہیں، مسجد کے گیٹ کی جگہ بدلنے کے لئے تیار نہیں ہیں، لہٰذا مجھے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب چاہئے ان تکالیف کو دیکھتے ہوئے گیٹ کی جگہ بدل سکتے ہیں یا نہیں؟ دوسری طرف جدھر چوڑا راستہ ہے ادھر وضوخانہ کے لئے ۱۷؍نل لگے ہوئے ہیں، اس میں سے ۴؍نل کم کر کے ۶؍فٹ چوڑا گیٹ بنایا جا سکتا ہے، چونکہ پہلے بیٹھی چال تھی، اب دو محلے کی مسجد تعمیر ہوئی ہے، اور ہر محلے پر وضوخانہ، غسل خانہ، طہارت خانہ، بنایا گیا ہے، آج کل آبادی کے حساب سے ہر وضوخانہ اور ہر مسجد چھوٹی پڑ رہی ہے، اس لئے اگر یہ نل نکال کر گیٹ نکال دیا جائے، تو ہم لوگوں کی ہمیشہ کے لئے تکالیف دور ہو جائیں گی، بس ٹرسٹی حضرات کا یہ کہنا ہے کہ وضوخانہ کے لئے جگہ کم ہو جائیگی اور یہ پرانا دروازہ ۳۵؍سال سے بنا ہوا ہے، لہٰذا دروازے کی جگہ چینج نہیں ہوگی، اس لئے مجھے شریعت کی روشنی میں

مسئلہ کا حل نکالنا ہے، لڑائی یا جھگڑا نہیں چاہتے، نمازیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو اور دروازہ کی جگہ بدل جائے؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: محمد ایوب، محمد سلیم بن محمد اسمٰعیل باکر مرحوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے، کہ مسجد بزم محمدی محمد اسماعیل باکر کی جائیداد میں بنی ہے، اور وہی اس مسجد کا واقف ہے، اور واقف کے خاندان اور پڑوس کے رہنے والوں کو اس طرف کے گیٹ کی وجہ سے بے پردگی اور سخت پریشانیوں کا سامنا ہے، جبکہ سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے، کہ دوسری جانب جہاں عام راستہ ہے، اس طرف گیٹ بنانے کی گنجائش ہے، اور اس طرف مسجد کا گیٹ بنانے میں کوئی نقصان بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں مسجد کی کمیٹی کی ذمہ داری ہے کہ مسجد کا گیٹ دوسری طرف بنادے، اور پڑوسی اور خاندان کے لوگوں کی بے پردگی سے مسجد اور نمازیوں کو بچائے، پرانے گیٹ کا علی حالہ باقی رکھنا مسجد کے لئے لازم نہیں ہے، بلکہ دوسری طرف بنادینا بلاشبہ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ کراچی/ ۵۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱/۱۴۳۶ھ

حکومت کی ناجائز رکاوٹ مسجد شرعی ہونے میں مخل نہیں

سوال: [۷۹۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص مسجد بنانا چاہتا ہے لیکن سرکار کی طرف سے اجازت نہیں ہے، اب اگر کوئی شخص خفیہ طور پر مسجد بناوے تو وہ شرعی مسجد بنے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایسی جگہ مسجد بنائی جائے جہاں شرعی طور پر کوئی

مانع نہیں ہے، یا اپنی مملوکہ زمیں میں مسجد بنائی جارہی ہے ،مگر حکومت نے خواہ مخواہ رکاوٹ ڈال رکھی ہے،تو ایسی صورت میں حکومت کی اجازت کے بغیر مسجد بنالی ہے تو شرعاً وہ مسجد شرعی ہوگی ،اور قیامت تک مسجد ہی رہے گی؟

إن كانت البلدة فتحت صلحاً لا ينفذ أمر السلطان لأن في الأول تصير ملكاً للغانمين فجاز أمر السلطان فيها وفي الثاني تبقى على ملك ملاكها فلا ينفذ أمره فيها. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في احكام المساجد، زكريا ٤١٧/٥، كوئٹه ٢٤٩/٥)

بني في فنائه في الرستاق دكانا لأجل الصلاة يصلون فيه بجماعة كل وقت فله حكم المسجد. (البحر الرائق،،مكتبه زكريا ٤١٩/٥، كراچی ٢٥٠/٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۱/۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۱۳۹۴/۴۰)

مسجد کے صحن میں پانی کا موٹر لگانا یا وضوخانہ بنانا

سوال: [۷۹۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بڑی مسجد کے صحن میں ایک کمرہ بنا کر اس میں پانی کیلئے بجلی کا موٹر فٹ کیا گیا ہے، جس کے متعلق مفتی صاحبان نے ناجائز لکھا ہے، اور اس کمرہ کو توڑ دینے کا حکم صادر فرمایا ہے، اب اس کے بارے میں دو چیزیں قابل استفتاء ہیں، براہ کرم ان کا جواب ارسال فرما کر اظہار حق فرمائیں؟

کہ جب اس موٹر اور کمرہ کا بنانا صحن مسجد میں ناجائز ہے، پھر اس بجلی کے موٹر سے جو پانی پائپ میں ہوکر آرہا ہے، اس کے پانی سے شرعاً وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد السلام، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد تیار ہو چکنے کے بعد جماعت خانہ کے حصہ کو کمرہ یا حوض وغیرہ کے ذریعہ گھیر لینا ناجائز ہے، البتہ اگر وہاں کے پانی سے کسی نے وضو کرلیا ہے تو نفس وضو درست ہے اور اس سے نماز بھی صحیح ہے، لیکن مسجد کو حوض یا کمرہ بنانے سے ہر وقت روکا جائے گا، دونوں کا حکم الگ الگ ہے، ناجائز اس لئے ہے کہ نماز کی جگہ کو نماز سے محروم کیا جارہا ہے۔

أما لو تمت السمجدية ثم أراد البناء منع . (درمختار ،کتاب الوقف، مطلب فیما لوخرب المسجد کراچی ٣٥٨/٤، زکریا٦/٥٤٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/ ٢٩٦، النهر الفائق، دارالکتب العلمية بيروت٣/ ٣٣٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴؍۹۶۴)

نچلی منزل میں غسل خانہ وغیرہ بنانا اوراوپر مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کالا ڈھونگی میں لوگ اس طرح مسجد بنانے کا پروگرام رکھتے ہیں، کہ نچلی منزل میں چند کمرے غسل خانہ وغیرہ بنادیں اور دوسری منزل پر مسجد تعمیر کردی جائے اور اگر ضرورت پڑے تو نیچے کے کمروں میں بچوں کی تعلیم کا نظم کردیا جائے، اور وہ مدرسہ کی ملکیت میں ہوجائے اور دوسری منزل مسجد کی ملکیت رہے کیا یہ عمل درست ہے؟

المستفتي: عبداللہ، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کی بنیاد رکھنے سے قبل نیچے وضوخانہ وغسل خانہ کا پروگرام ہے نیز نیچے مکتب بنانے کے بعد اوپر مسجد بنانے کا پروگرام ہے تو اس طرح کا

پروگرام جائز ہے۔

فإن قيل أليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء و الناس ينتفعون به قيل إذا كان تحته شيئى ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلک لله تعالىٰ أيضا و منه يعلم حكم كثير من مساجد مصر التى تحتها صهاريج ونحوها الخ. (تقريرات رافعی علی الشامی، کتاب الوقف کراچی ٤/ ٨٠، زکریا ٦/ ٨٠)

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه أی المسجد جاز كمسجد القدس، (درمختار مع الشامی، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد کراچی ٤/ ٣٥٧، زکریا ٦/ ٥٤٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٢٠٢، الدرالمنتقیٰ ،دار الکتب العلمية بيروت ٢/ ٥٩٤، ھدایه اشرفی دیوبند ٢/ ٦٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩ ذی الحجہ ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/ ٥٠٨٩)

مسجد کے جماعت خانہ میں وضوخانہ کی تعمیر

سوال: [٧٩٥٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے جس کی ایک جانب کی دیوار میں پہلے ایک وضوخانہ تھا، بعد میں مسجد کی توسیع ہوئی نئے وضوخانہ ہی کے برابر کی جگہ میں دوسری منزل پر امام صاحب کا کمرہ اور بیت الخلاء و غسل خانہ تعمیر کیا گیا، اور وضوخانہ کے نیچے بیت الخلاء کی نجاستوں کی ٹنکی بنائی گئی؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب وضوخانہ کا وہ حصہ جو مسجد کی حد کے اندر چلا گیا اسکا کیا حکم ہے؟ کیا اسکا توڑنا ضروری ہے، یا اور کوئی صورت اسکے باقی رکھنے کی ہوسکتی ہے، اسی طرح امام صاحب کا کمرہ اور بیت الخلاء اور بیت الخلاء کی ٹنکی کا حکم بھی واضح فرمائیں؟

المستفتي: بلال احمد، مشرقی کرلا، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ اور نقشہ سے واضح ہوا کہ مسجد کے جماعت خانہ کے حصہ میں وضوخانہ بنایا گیا تو اسکا حکم یہ ہے کہ جوحصہ ایک دفعہ جماعت خانہ میں آجائے تو اس حصہ کا ہمیشہ قیامت تک کیلئے مسجد اور جماعت خانہ ہی رہنا لازم ہے، اسکو وضوخانہ میں لینا جائز نہیں ہے، لہذا وہاں سے وضوخانہ ختم کرکے جماعت خانہ میں شامل کرلینا لازم اور ضروری ہے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلیٰ قوله) فيجب هدمه ولو علی جدار المسجد الخ. (درمختار، کتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد، کراچی ٤/٣٥٨، زکریا ٦/٥٤٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٦/١٢، النهر الفائق، دارالکتب العلمية بيروت ٣/٣٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رشعبان ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۱۹/۳۴)

جنازہ رکھنے کیلئے جانب قبلہ کی دیوار توڑ کر دروازہ لگانا

سوال: [۷۹۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں کی جامع مسجد کے قبلہ کی دیوار کے پیچھے مسجد کی جگہ ہے اسکے بعد سڑک ہے اگر قبلہ کی دیوار میں محراب کی جگہ پر جہاں امام صاحب نماز پڑھاتے ہیں، اس جگہ کو توڑ کر جنگلا یا کھڑکی یا دروازہ لگوادیا جائے تاکہ جنازہ کو مسجد سے باہر رکھ کر امام مسجد میں اپنے مصلے پر کھڑے ہوکر نماز جنازہ ادا کرادے، اور جنازہ کی نماز بھی امام کے پیچھے مسجد میں ہی ادا کرلیا کریں، اس نیت سے مسجد کی قبلہ کی دیوار میں دروازہ وغیرہ لگانا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتي: فضل الرحمٰن، بچھرایوں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح سے جنازہ کو حدود مسجد سے باہر رکھ کر امام ومقتدی سب مسجد کے اندر کھڑے ہوکر نماز جنازہ ادا کرنا مکروہ اور ممنوع ہے، اس طرح نماز جنازہ اگر اداء کی جائے تو نماز جنازہ کی فرضیت ذمہ سے ساقط ہوجائیگی لیکن ثواب نہیں ملیگا، لہٰذا اس نیت سے دیوار قبلی میں دروازہ لگوانا ممنوع ہوگا! (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۳۰۵/۵، امداد الفتاویٰ ۵۳۳/۱)

وكرهت تحريما وقيل تنزيها في مسجد جماعة هو أي الميت فيه وحده أومع القوم واختلف في الخارجة عن المسجد وحده أو مع بعض القوم والمختار الكراهة مطلقاً وفي الشاميه سواء كان الميت فيه أو خارجه هو ظاهر الرواية. (الدرالمختار مع الشامی، كتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجنازة، مطلب فی كراهة صلوٰة الجنازة، فی المسجد زكریا۱۲۶/۳، كراچی ۲۲۵/۲)

وصلوٰة الجنازة في المسجد الذي تقام فيه الجماعة مكروهة سواء كان الميت والقوم في المسجد أو كان الميت خارج المسجد والقوم في المسجد الخ. (عالمگیری، كتاب الصلوٰة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس زكریا قدیم ۱۶۵/۱، جدید ۲۲۶/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍صفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۶۶۹/۲۵)

بالائی منزل پر جانے کیلئے جماعت خانہ میں سیڑھی بنانا

سوال: [۷۹۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں ایک شرعی مسجد ہے اس سال اس شرعی مسجد پر ایک نئی منزل تعمیر کرنیکا

ارادہ ہے، لیکن اس نئی منزل پر چڑھنے کیلئے سیڑھی کی ضرورت ہے وہ سیڑھی شرعی مسجد کے باہر بھی بن سکتی ہے، اور شرعی مسجد کے اندرونی حصہ میں بھی، شرعی مسجد کے حصہ میں بنانیکی وجہ سے تقریباً سات آٹھ نمازیوں کی جگہ ہمیشہ کیلئے ختم ہوجائیگی ہم نے اپنے یہاں کے مقامی دارالافتاء دارالعلوم چھاپی اور دارالعلوم کاکوسی سے معلوم کیا تو وہ شرعی مسجد کے حصہ میں سیڑھی بنانے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں، وجہ اسکی یہ بتلا رہے ہیں، کہ سیڑھی والا حصہ ہمیشہ کے لئے مسجدیت سے منقطع ہوکر لغیر الصلوٰۃ کے لئے محبوس ہوجائیگا، اور ایسا کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ فتاویٰ محمودیہ میں وضوخانہ اور ٹنکی اور احسن الفتاویٰ میں کنواں بنانے کی اجازت نہیں دی گئی ہے، وجہ اس کی یہی بیان کی گئی ہے، **ما اعد للصلوٰۃ** کو غیر صلوٰۃ کے لئے محبوس کرنا لازم آتا ہے، اور جبکہ دوسرے چند مفتیان کرام سے معلوم کیا تو وہ بتارہے ہیں، کہ شرعی مسجد کے باہر کے حصہ میں سیڑھی بنانیکی جگہ ہونے کے باوجود شرعی مسجد میں سیڑھی بنانے کی اجازت ہے وجہ اس کی یہ بتلا رہے ہیں، کہ سیڑھی بھی **ما اعد للصلوٰۃ** میں داخل ہے اس لئے کہ سیڑھی دوسری منزل پر چڑھنے کے لئے ہے، واضح رہے کہ دوسری منزل پورے سال میں صرف دوتین مرتبہ استعمال ہوتی ہے۔

نوٹ: شرعی مسجد سے مراد حرم کا وہ حصہ ہے جو نماز کے لئے طے ہوچکا ہے، اور معتکف اس سے باہر نہیں جاسکتا ہے، اب آنجناب سے گزارش ہے کہ اس بارے میں قول فیصل کیا ہے، اس کی نشاندہی فرمائیں گے؟ والاجر عنداللہ الکریم، بینوا وتوجروا۔

المستفتي: محمد افضل ادرپوری،

مدرس مدرسہ دارالعلوم چھاپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مسجد دومنزلہ بنائی جائے، نیچے بھی جماعت خانہ اور اوپر بھی جماعت خانہ ہی ہو، تو ایسی صورت میں حدود مسجد اور جماعت خانہ کے اندر سے اوپر کے جماعت خانہ میں جانے کیلئے زینہ اور سیڑھی بنانا بلا شبہ جائز

ہے، اس لئے کہ اوپر جانے کا جوزینہ ہے وہ ما اُعِدَّ للصلوٰۃ کا ذریعہ ہے، اور یہ زینہ ما اعد للصلوٰۃ سے خارج نہیں ہے، اگر اس زینہ کی وجہ سے سات آٹھ نمازیوں کی جگہ نیچے کی منزل میں گھر جاتی ہے، تو اس زینہ کے ذریعہ سے اوپر کی منزل میں تقریباً نیچے کی منزل کی تعداد کے برابر جگہ تیار ہو چکی ہے، چھ سات نمازیوں کی جگہ کی کمی پچاسوں نمازیوں کی جگہ کا ذریعہ بن رہی ہے، اس لئے نیچے کے جماعت خانہ کے اندر سے اوپر کے جماعت خانہ میں جانے کیلئے راستہ اور زینہ بنانا ما اعد للصلوٰۃ کے منافی نہیں ہے، نیز اس زینہ کے ذریعہ سے معتکف کیلئے نیچے کی منزل سے اوپر کی منزل میں آنا جانا بھی بلاتردد جائز ہو جائے گا، جیسا کہ مسجد حرام میں بیچ مسجد کے اندر اندر اوپر کے جماعت خانہ کے لئے متعدد زینے بنائے گئے ہیں، ضرورت صلاۃ اور ضرورت طواف کیلئے کئی زینے اندر اندر بنے ہوئے ہیں، اور عدم جواز کیلئے فتاویٰ محمودیہ اور احسن الفتاویٰ کی وضوخانے اور ٹنکی کی مثال ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، اس لئے کہ وضوخانہ، ما اعد للصلوٰۃ نہیں ہوتا ہے، اور اوپر کی منزل ما اعد للصلوٰۃ ہے اور یہ زینہ اس کا ذریعہ ہے اور باہر سے زینہ بنانے کی صورت میں معتکف شخص اس زینے سے اوپر نہیں جا سکتا ہے، اور اندورن مسجد جو زینہ بنایا گیا ہے وہ حدود مسجد سے خارج نہیں ہوتا ہے، بلکہ داخل مسجد شمار ہوتا ہے، نیز جگہ کے گھر جانے کا شبہ یوں بھی دور ہو سکتا ہے، کہ بڑے بڑے آثار کے ذریعہ سے بیچ مسجد میں بڑے بڑے ستون قائم ہوتے ہیں، پھر ان بیچ ستونوں کے درمیان میں صفوں کے برابر جگہ نہیں ہوتی ہے، مگر مسجد کی چھت کو قائم رکھنے کیلئے جماعت خانے کی جگہوں کو ستونوں کے ذریعہ سے مشغول کر دیا جاتا ہے، جس میں نمازی، نماز نہیں پڑھ سکتے، لیکن ایسا کرنا بلا شبہ جائز ہے، ایسا ہی اگر اندرون مسجد سے اوپر کے جماعت خانہ میں جانے کیلئے زینہ کے ذریعہ سے کچھ جگہ گھر جائے، یہ بھی بلا شبہ جائز ہے، اس میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہئے، اور حضرات فقہاء نے اسکی بھی اجازت دی ہے، کہ اگر جماعت خانہ مسقّف نہیں ہے، تو نمازیوں کے سایہ کیلئے درخت لگانا بھی جائز ہے، جیسا کہ فقہاء

کی اس طرح کی عبارات سے ظاہر ہے جو نیچے درج ہیں، اور یہ کہنا کہ اوپر کی منزل سال میں دوتین مرتبہ استعمال ہوتی ہے، یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک مسجد بیس صفوں کی بنائی جائے، اورسال بھر اس مسجد میں نمازیوں کے ساتھ صرف تین چار صف مشغول رہتی ہیں، باقی دس، پندرہ صفیں خالی رہتی ہیں، رمضان میں یا سال میں کبھی کبھار ایک دومرتبہ پوری مسجد کا استعمال ہوتا ہے تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اتنی بڑی مسجد بنانا بے ضرورت ہے، بلکہ آئندہ کی نسلوں اور بڑھتے ہوئے نمازیوں کے پیش نظر وسیع مسجد بنائی جاتی ہے، اور کبھی کبھار مجمع بڑھنے کے پیش نظر بھی بڑی مسجد یا دومنزلہ مسجد بنائی جاتی ہے، اورسال میں دوتین بار استعمال ہونا یا رمضان المبارک میں استعمال ہونا یہ بھی نمازیوں کی ضرورت ہے۔

فی الشامية: قال فی الخلاصة: غرس الأشجار فی المسجد لابأس به إذاكان فيه نفع للمسجد، بأن كان المسجد ذا نزّ والأسطوانات لاتستقر بدونها وبدون هذا لايجوز اه، وفی الهندية: عن الغرائب: إن كان لنفع الناس بظله، ولا يضيق على الناس ولا يفرق الصفوف لابأس به. (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب مایفسد الصلوٰۃ، مطلب فی الغرس فی المسجد، زکریا ۲/ ۴۳۵ کراچی ۱/ ٦٦١)

نعم :يوجد فی أطراف صحن الجوامع رواقات مسقوفة للمشي فيها وقت المطر ونحوه لأجل الصلاة أو للخروج من الجامع لا المرور المارين مطلقاً. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی جعل شيئی من المسجد طريقاً، زکریا٦/ ٥٧٥، کراچی ٤/ ٣٧٨)

وفی الهندية: إذا جعل فی المسجد ممراً فإنه يجوز لتعارف أهل الأمصار فی الجوامع وجاز لكل واحد أن يمر فيه حتىٰ الكافر إلا الجنب والحائض والنفساء. (هندیه، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، زکریا

قدیم۲/ ٤٥٧، جدید ۲/ ٤١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۷۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۵ھ

داخل مسجد بالائی منزل پر جانے کیلئے زینہ بنانا

سوال: [۷۹۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک اہم مسئلہ میں ہمیں خلجان اور کچھ شبہات ہیں، اور ہم نے وہ شبہات وخلجان پیش کرنے کیلئے غور وفکر کے بعد آپ کی ذات عالی کا انتخاب کیا ہے، یہ توقع رکھتے ہوئے کہ آپ ہمارے شبہات وخلجان کو با حوالہ دلائل فقہیہ کی روشنی میں ضرور دور فرمائیں گے، اور ہمیں استفادہ کا موقع میسر فرمائیں گے، اور یہ بات ذہن میں رہے کہ شبہ کرنے والے بھی مفتی ہیں، لہٰذا محقق ومدلل تحقیق مطلوب ہے، ہم اپنے شبہات وخلجان کو اپنے انداز سے بیان کرتے ہیں، لیکن پہلے صورت مسئلہ لکھتے ہیں؟

ایک قدیم مسجد ایک منزلہ تھی، مسجد چھوٹی ہونے کی وجہ سے گاؤں والوں نے اس کی توسیع شروع کی اور مسجد کی توسیع کے لئے ایک منزلہ کے بجائے دو منزلہ بنایا اوپر کی منزل میں برائے نماز جانے کیلئے مسجد قدیم کے صحن میں جو مسجد کی شرعی حد میں داخل ہے، سیڑھی بنانا شروع کی (حالانکہ مسجد کی شرعی حد کے علاوہ سیڑھی بنانے کیلئے دوسری جگہ موجود تھی) اور نصف سے زیادہ سیڑھی تعمیر ہو چکی ہے، اب زید اور خالد میں دلائل فقہیہ کی روشنی میں اختلاف ہوا، جسکی تفصیل یہ ہے۔

زید-: کہتا ہے، کہ اس جگہ سیڑھی بنانا جائز نہیں ہے، اور اس کو توڑنا واجب ہے، اور زید اسکے دلائل یہ بیان کرتا ہے، کہ:

(۱) لو بنى فوقه بيتا للإمام لايضر لأنه من المصالح أمالو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب

المسجد، کراچی ٤/٣٥٨، زکریا٦/٥٤٨)

(۲) جوجگہ ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے، اسکولغیر الصلوٰۃ محبوس ومشغول کرنا جائزنہیں ہے،اورسیڑھی بناناماعد للصلوۃ کو لغیر الصلوٰۃ مشغول کرناہے،لہٰذا یہ جائزنہیں ہے۔

(۳) سیڑھی مصالح مسجد میں سے ہے، اور تمامیت مسجد کے بعد، مسجد کی شرعی حد میں مصالح مسجد کیلئے کوئی تعمیر کرنا جائزنہیں۔

(۴) سیڑھی اگرچہ دوسری منزل پر برائے نماز جانے کے لئے ہے، لیکن یہ ضرورت خارج مسجد سیڑھی بنانے سے پوری ہوسکتی ہے۔

(۵) ماعدللصلوۃ کوصرف سخت ضرورت کی وجہ سے مشغول کرنا جائز ہے اورسخت ضرورت کا معیار یہ ہے کہ وہ ضرورت یا مقصداس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا (یہ ہندیہ کی عبارت کی طرف اشارہ ہے، جوخالد کے دلائل کے تحت آرہی ہے)۔

(۶) اگر بالفرض مسجد کی شرعی حد میں سیڑھی نہ بنانا اولیٰ ہے جیسا کہ خالد کا کہنا ہےتو بھی لوگوں کواولیٰ پرہی عمل کروانا چاہئے ،اورسیڑھی توڑوا دینی چاہئے۔

(۷) اس مسئلہ میں دوسری منزل میں نماز کی ضرورت سال میں بہت کم پڑتی ہے، لہٰذاسیڑھی للصلوٰۃ نہیں ہے۔

خالد-: خالد کہتا ہے کہ مسجد کی شرعی حد میں برائے نماز دوسری منزل میں جانے کیلئے سیڑھی بنانا جائز ہے، لیکن اگرمسجد کی شرعی حد کے علاوہ دوسری جگہ موجود ہوتو مسجد کی شرعی حد میں سیڑھی نہ بنانا اولیٰ ہے، ناجائزنہیں ہے، اور اگر سیڑھی تعمیر کردی ہوتو اس کوتوڑ نا نہیں چاہئے ،اورخالداپنے دلائل یہ بیان کرتا ہے کہ:

(۱) **أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع الخ.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد ،کراچی٤/٣٥٨، زکریا٦/٥٤٨)

اس عبارت میں تمامیت مسجد کے بعد مصالح مسجد (لغیر الصلوٰۃ) تعمیر کی ممانعت ہے،جیسا کہ عبارت کا سیاق وسباق بتارہاہے، مطلقاً اورلغیر الصلوٰۃ تعمیر کی ممانعت نہیں ہے،

لہٰذا مذکورہ عبارت سے اس سیڑھی کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں ہے، اور اگر بالفرض اس عبارت کو اپنے عموم پر باقی رکھا جائے تو تمامیت مسجد کے بعد مطلقاً للصلوٰۃ اور لغیر الصلوٰۃ تعمیر ممنوع ہوگی، جس کا کوئی قائل نہیں اور نہ یہ بات فقہی اعتبار سے درست ہے، کیونکہ فتاویٰ ہندیہ میں صریح جزئیہ موجود ہے۔

أهـل محلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطاً ولكل منهم إمام على حدة ومؤذنهم واحد لابأس به الخ. (هنديه ، كتاب الكراهية ، الباب الخامس زكريا قديم ٥/ ٣٢٠، جديد ٥/ ٣٧٠)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ایک مسجد کے بیچ میں دیوار بنا کر دو مسجدیں بنانا جائز ہے، ظاہر بات ہے کہ اس صورت میں تمامیت مسجد کے بعد تعمیر کرنا اور ما اعد للصلوٰۃ کو مشغول کرنا لازم آرہا ہے، پھر بھی اس کو جائز کہا گیا ہے، کیونکہ بیچ میں دیوار بنا کر دو مسجدیں بنانا بھی نماز کیلئے ہے، اسلئے یہ للصلوٰۃ کو مشغول کرنا ہے۔

(۲) ما اعد للصلوٰۃ کو لغیر الصلوٰۃ مشغول کرنا ناجائز ہے، لیکن للصلوٰۃ مشغول کرنا بلاشبہ جائز ہے، اور سیڑھی بنانا ما اعد للصلوٰۃ کو للصلوٰۃ ہی مشغول کرنا ہے، لہٰذا سیڑھی بنانا جائز ہے۔

(۳) سیڑھی دومنزلہ مسجد کے لئے جزءِ مسجد ہے، کیونکہ بغیر سیڑھی کے دوسری منزل میں برائے نماز جانا ممکن ہی نہیں ہے، لھٰذا اس کو مصالح مسجد میں سے کہنا درست نہیں ہے۔

(۴) سیڑھی للصلوٰۃ ہے لہٰذا مسجد کی شرعی حد میں بنانا جائز ہے، اور مسجد کی شرعی حد کے علاوہ دوسری جگہ کا موجود ہونا مانع جواز نہیں بن سکتا ہے، کیونکہ خارج مسجد سیڑھی بنانے کا وجوب اور مسجد کی شرعی حد میں سیڑھی بنانے کی ممانعت کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

(۵) یہ کہنا کہ ''ما اعد للصلوٰۃ'' میں کوئی تعمیر بنانا صرف سخت ضرورت کی وجہ سے جائز ہے، اور سخت ضرورت کا معیار یہ ہے کہ وہ ضرورت ما اعد للصلوٰۃ ہی میں پوری ہوسکتی ہو' درست نہیں ہے کیونکہ ہندیہ میں مطلقاً ایک مسجد کی دو مسجدیں کرنے کے لئے بیچ میں دیوار بنانے کی اجازت دی ہے، یہ قید نہیں لگائی ہے کہ ایک مسجد کی دو مسجدیں بنانے کی کوئی

ضرورت واقعیہ موجود ہو، تو بیچ میں دیوار بنانا جائز ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔

(۶) اس جگہ سیڑھی نہ بنانا اولیٰ تھا لیکن جب سیڑھی نصف یا زیادہ تعمیر ہوچکی ہے تو اب صرف اولیٰ پر عمل کرنے کیلئے اس کو توڑنا بھی جائز نہیں ہے؟ کیونکہ بلاضرورت مسجد کی تعمیر میں توڑ پھوڑ کرنا احترام مسجد کے خلاف ہے، نیز مال وقف کی اضاعت بھی لازم آتی ہے، جو کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

(۷) سیڑھی دوسری منزل میں برائے نماز جانے کے لئے ہے، اس لئے وہ للصلوٰۃ ہی ہے، چاہے دوسری منزل میں نماز کی ضرورت سال میں کم پڑتی ہو یا زیادہ اس سے سیڑھی بنانے کے جواز وعدم جواز پر کچھ اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ ما اعد للصلوٰۃ کے مشغول کرنے کے جواز وعدم جواز کا مدار للصلوٰۃ ہونے نہ ہونے پر ہے، سخت ضرورت، معمولی ضرورت، قلت ضرورت اور کثرت ضرورت پر ہے ہی نہیں۔

نوٹ: ہم نے زید کے دلائل کے بالمقابل بالترتیب خالد کے دلائل ذکر کئے ہیں۔

تو اب سوال یہ ہے کہ زید اور خالد کی کتنی باتیں دلائل فقہیہ کی روشنی میں درست اور کتنی غلط ہیں، اس سیڑھی کے بنانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور مصالح مساجد میں کون کون سی چیزیں داخل ہیں، آنحضرت سے باحوالہ و مدلل جواب مطلوب ہیں، امید ہے کہ آپ ہمیں اپنی تحقیقات عالیہ سے مستفید فرمائیں گے؟ جتنا جلد جواب موصول ہوگا اتنی ہمیں راحت ہوگی؟

المستفتي: عبداللہ واصد قاءہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کو بغور پڑھا گیا ہے، حدود مسجد اور جماعت خانہ میں، اوپر کے جماعت خانہ میں جانے کیلئے زینہ سے متعلق زید کی طرف سے عدم جواز کے دلائل کو بھی دیکھ لیا ہے، اور خالد کی طرف سے جواز کے دلائل بھی دیکھ لئے گئے ہیں، دونوں طرف سے دلائل پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ خالد کے

دلائل جو جواز سے متعلق ہیں، ان سے ہم کو پوری طرح اتفاق ہے، اور وہی دلائل مذکورہ مسئلہ سے متعلق زیادہ صحیح اور درست ہیں، کہ جماعت خانہ کے اندر سے اوپر کے جماعت خانہ میں جانے کیلئے زینہ بنانا بلاتردد جائز ہے، چاہے جماعت خانہ سے باہر خارج مسجد میں زینہ بنانے کی گنجائش کیوں نہ ہو، اس لئے کہ داخل مسجد میں اوپر کے جماعت خانہ میں جانے کیلئے جو زینہ بنایا جاتا ہے، وہ اسی طرح جزءِ مسجد ہے، جیسا کہ مسجد کے ستون اور مسجد کی دیوار جزءِ مسجد ہوتی ہے، نیز داخل مسجد کے زینے سے معتکف کے واسطے اوپر نیچے آنا جانا بلاتردد جائز ہوگا، اور خارج مسجد کے زینہ سے جانا ممنوع ہوگا، نیز مسجد حرام میں اسی وجہ سے اندرونِ مسجد اوپر جانے کیلئے بہت سے زینے بنائے گئے ہیں، حالانکہ اوپر کی منزلیں مسلسل پورے سال استعمال نہیں ہوتی ہیں، صرف رمضان یا موسم حج میں استعمال ہوتی ہیں، اس لئے ہمیشہ اور مسلسل استعمال نہ ہونا عدم جواز کی دلیل نہیں، اور یہ شبہ بھی دور ہو جاتا ہے، کہ زینے کی وجہ سے پانچ سات نمازیوں کی جگہ گھر جاتی ہے، کیونکہ پانچ سات نمازیوں کی جگہ گھرنا جزءِ مسجد میں سے اوپر کے جماعت خانہ میں بچاسوں نمازیوں کے نماز کیلئے جانے کا ذریعہ ہے، اور خالد نے ہندیہ کے جزئیہ سے دیوار بنانے کے جواز کی جو دلیل پیش کی ہے، وہ عدم جواز کے تمام شبہات کو دور کر دیتی ہے، اور مصالح مسجد سے متعلق کیا کیا چیزیں ہیں، ان کو یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ اصل مسئلہ جماعت خانہ سے زینہ بنانے کے جواز اور عدم جواز سے متعلق ہے، اس لئے اسی کی حدود میں رہ کر مسئلہ کو سمجھنا چاہئے، اور مصالح مسجد میں وضوخانہ، سرداب اور آمدنی کی دکانیں ہوتی ہیں، جو جماعت خانے سے خارج ہوا کرتی ہیں، ان سے متعلق یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں ہے، اور جواز کیلئے خالد نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہی کافی ہیں الگ سے مزید دلائل کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رصفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۸۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۵ھ

دوکان یا مکان کی چھت پر مسجد بنانا

سوال: [۷۹۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی توسیع کے سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ حسین بخش دہلی سے فتویٰ حاصل کیا گیا، مسجد بہت تنگ تھی، چھوٹی تھی اور مسجد نیچے سے ٹھوس یعنی سڑک سے ایک منزل اوپر بنی ہوئی تھی، جس پر نماز ہوتی تھی، مسجد کے آگے یعنی ٹھوس جگہ کے سامنے دوکانیں ہیں، جن کی چھت مسجد کے اس حصہ کے مقابل ہیں، جس پر نماز ہوتی ہے، اب مسجد کی توسیع کے لئے دوکانوں کے اوپر کے حصہ یعنی چھت کو خریدا گیا ہے، جس کے لئے مدرسہ حسین بخش دہلی اور دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ حاصل کیا گیا ہے، اور دارالعلوم دیوبند سے عدم جواز کا حکم آیا ہے، مدرسہ حسین بخش کے فتویٰ کی روشنی میں توسیع وتعمیر کا کام شروع کر دیا گیا تھا، دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ تاخیر سے پہونچا دونوں فتوے آپ کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں، تحقیق کیلئے کہ کون سا فتویٰ صحیح ہے، اور اب مدرسہ حسین بخش دہلی کے فتویٰ پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: گلزار مرزا، دہلی، مدرسہ تعلیم القرآن دہلی

جواب منجانب دارالافتاء مدرسہ حسین بخش دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نمازیوں کی کثرت ہو، مسجد تنگ ہو توسیع کی شدید ضرورت ہو، تو سوال میں مذکور مملوکہ دوکانوں کے اوپر کے حصہ کو خرید کر مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے، اس پر نماز درست ہوگی، اور وہ مسجد شرعی کہلائیگی بشرطیکہ آگے چل کر مالکین دکان کی طرف سے مسجد کو کسی قسم کا نقصان پہونچنے کا خدشہ نہ ہو۔

وفي جامع الفتاویٰ إذا کان السفل مملوکاً وفوقه مسجداً جاز—

وعن ابی یوسفؒ أنه أجاز أن یکون الأسفل مسجداً والأعلی ملکاً ...... وعن محمدؒ أنه حین دخل الری ورأی ضیق الامکنة جوز ذلک الخ. (فتاویٰ تاتارخانیة زکریا ۸/ ۱۶۱، رقم:۱۱۵۰۸)

وعن محمدؒ انه حین دخل الری أجاز ذلک کله لما قلنا (من الضرورة). (هدایه، کتاب الوقف، اشرفی دیوبند ۲/ ۶۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

حررہ زبیر احمد غفرلہ	الجواب صحیح:	الجواب صحیح:
مدرسہ حسین بخش دہلی	نصیر الدین غفرلہٗ	احقر محمد اویس غفرلہٗ
یکم رمحرم ۱۴۳۳ء	یکم/۱/۱۴۳۳ھ	۱/۱/۱۴۳۳ھ

جواب منجانب: دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں مسجد کے آگے دوکانوں کے صرف اوپری حصہ کومسجد میں شامل کرنے اور نیچے کے حصے میں دوکانیں انکے مالکان کی ملکیت میں باقی رہنے کی صورت میں وہ اوپری حصہ شرعی مسجد کا حصہ نہیں کہلائیگا، مسجد شرعی نیچے تحت الثریٰ سے اوپر عنان سماء تک مسجد کے حکم میں ہوتی ہے، نیچے کا حصہ بھی حق عبد سے منقطع ہوکر مسجد کے لئے وقف ہونا چاہئے ورنہ وہ حصہ مسجد کی حد میں داخل نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

وقار علی غفرلہٗ	الجواب صحیح:	الجواب صحیح:
دارالعلوم دیوبند	فخر الاسلام غفرلہٗ	حبیب الرحمٰن عفااللہ عنہ
۳رمحرم ۱۴۳۳ھ	۳رمحرم ۱۴۳۳ھ	۳رمحرم ۱۴۳۳ھ

جواب منجانب: دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مرادآباد

الجواب وباللہ التوفیق: مسئلہ مذکورہ سے متعلق فقہاء احناف کے مختلف اقوال ہیں، کچھ اقوال ضعیفہ ہیں، اور کچھ اقوال ظاہر الروایۃ میں سے ہیں، جو راجح اور مفتیٰ

بہ ہیں، اور راجح اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ اگر دوکان یا مکان کی چھت کے اوپر مسجد بنائی جائے تو وہ شرعی مسجد اس وقت ہوسکتی ہے، جب نیچے دوکان اور مکان وغیرہ مسجد کے مصالح اور آمدنی کیلئے مسجد ہی کی ملکیت میں مسجد کیلئے وقف ہوں اور مسجد جب چاہے اس کو توڑ کر مسجد کے اندر داخل کر سکے یا مسجد کے دیگر مصالح وضوخانہ وغیرہ بنایا جاسکے یا امام صاحب یا مؤذن کا کمرہ بنایا جاسکے یا مسجد کا سامان وغیرہ رکھنے کیلئے استعمال ہوسکے، اور جب نیچے کا حصہ مسجد کی ملکیت نہ ہو اور مسجد پر وقف نہ ہو بلکہ کسی دوسرے انسان کی ملکیت ہو تو اوپر کا حصہ مسجد شرعی نہیں بنے گا، اس میں نماز پڑھنے سے شرعی مسجد کا ثواب نہیں ملیگا۔ یہی حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ ۲/۶۸۴ میں وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، اسی طرح فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۴۲۱ میں موجود ہے، لہٰذا مدرسہ حسین بخش کے جواب میں جو فقہاء کی عبارتیں لکھی گئی ہیں، وہ ہدایہ وغیرہ کے اقوال ضعیفہ ہیں، اور دارالعلوم دیوبند کا جواب فی الجملہ صحیح ہے، اب ہم اس سلسلہ میں ظاہر الروایۃ کے مطابق اور مفتیٰ بہ اقوال سے متعلق ذیل میں چند عبارتیں پیش کرتے ہیں۔

ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت وجعل باب المسجد إلىٰ الطريق وعزله بمن ملكه فلهٗ أن يبيعه وإن مات يورث عنه ؛ لأنه لم يخلص لله تعالىٰ لبقاء حق العبد متعلقاً به ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كما فى مسجد بيت المقدس وتحته فى الكفاية قوله:" فله ان يبيعه" أى لايكون مسجداً وهو ظاهر الرواية لأن المسجد مايكون خالصاً له تعالىٰ : قال الله تعالىٰ : وأن المساجد لله أضاف المساجد إلىٰ ذاته مع أن جميع الأماكن له فاقتضىٰ ذلك خلوص المساجد لله تعالىٰ ومع بقاء حق العبادفى أسفله أو فى أعلاه لا يتحقق الخلوص. (هدايه مع الكفاية ، كتاب الوقف، فصل وإذا بنى مسجداً لم يزل ملكه ،

دارالفکر بیروت ٦/٢٣٤، زکریا ٦/٢١٧،کوئٹه٥/٤٤٤)

لانـه لـم يخلص لله ؛ لبقاء حق العبد فيه والمسجد لايكون إلا خالصاً لله لـماتلونا ، ومع بقاء حق العبد في أسفله أو فى أعلاه أو في جوانبه محيطاً بـه لايتـحـقـق الخلوص كله (إلىٰ قوله) بخلاف مسجد بيت المقدس فإن السرداب فيه ليس بمملوک لأحد بل هو لمصالح المسجد. (تبیین الحقائق، ملتان پاکستان٣/٣٣٠،زکریا ٤/٢٧١)

لـوجـعـل تـحـتـه حـانوتاً وجعله وقفاً على المسجد قيل : لايستحب ذلک ، ولـكنه لوجعل فى الابتداء هكذا صار مسجداً ، وماتحته صار وقفاً عـليـه ويجوز المسجد والوقف الذى تحته . (حـاشيـه چلپی علی التبیین ،امدادیه ملتان٣/٣٣٠، زکریا ٤/٢٧١)

وحـاصـلـه أن شـرط كـونـه مسـجـداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينـقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ : " وأن المساجد لله " بخلاف مالإذا كان السـرداب أو الـعـلـو مـوقوفاً لمصالح المسجد فانه يجوز ، إذلا ملک فيه لأحـد بـل هـو مـن تـتـمـيـم مـصـالـح الـمـسجد فهو كسرداب مسجد بيت الـمـقدس هذا هو ظاهر المذهب وهنا روايات ضعيفة مذكورة فى الهداية، وبـمـا ذكـرنـا عـلـم أنـه لـوبنى بيتاً على سطح المسجد لسكنىٰ الإمام فإنه لايـضـر فـى كـونـه مسـجـداً لأنه من المصالح . (البـحـرالـرائق، کوئٹه٥/٢٥١، زکریا٥/٤٢١)

هكذا فى الشامية : (کراچی ٤/٣٥٧، زکریا ٦/٥٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹؍۱۰۶۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری
۱۴۳۳/۳/۸ھ

مسجد کی موقوفہ زمین میں نیچے دوکان اوراوپر مسجد بنانا

سوال: [۷۹٦۱]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تعمیر مسجد کا پروگرام ہے اور نیچے دوکانیں بنانے کاارادہ ہےاوراوپر مسجد بنادیں کیاایسا کرسکتے ہیں، کہ نیچے دوکانیں اوراوپر مسجد جبکہ واقفین زمین نے فقط مسجد کیلئے زمین دی ہے؟

المستفتي: مولانا اعجاز احمد، مدرس دارالعلوم چلہ امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگردوہی آدمیوں نے مسجد کے لئے پیسے دئے ہیں، تو وہ لوگ نیچے دوکان بنانے کی اجازت دیں گے، تب اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، اور اگرزمین دینے والے دوسرے لوگ ہیں، توان کی مرضی کے بغیر نیچے دوکانیں بنانے کی اجازت نہ ہوگی، اور اگر وہ اجازت دیدیں تو اس کی گنجائش ہے، اس لئے کہ واقفین کی غرض کی رعایت لازم ہوتی ہے۔

ان مراعاة غرض الواقفین واجبة الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفین واجبة زکریا ٦/ ٦٦٥، کراچی ٤/ ٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۲۲ھ

دومنزلہ مسجد بناکر نیچے دوکان بنانا

سوال: [۷۹٦۲]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دومنزلہ ایک جدید مسجد تعمیر کی گئی ہے، مسجد تیار ہونے کے بعد یہ بات طے ہوئی ہے کہ اوپر کی منزل میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے گی، اور نیچے کی منزل دوکان کیلئے کرایہ پر دیدی جائیگی، تاکہ اس سے جوکرایہ حاصل ہوگا، اس سے امام ومؤذن کی تنخواہ دی جائے گی، توبتلائیں کہ مسجد

کے نیچے والی منزل کو دوکان کیلئے کرایہ پر دینا اوراس میں دوکان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: سعید الاسلام، مدنا پوری، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب نماز پڑھنے کی نیت سے دومنزلہ مسجد تیار کی گئی ہے، تو پوری مسجد مسجد شرعی بن گئی اب مسجد بننے کے بعد نیچے کی منزل کو امام ومؤذن کی تنخواہ وغیرہ کیلئے کرایہ پر دینا اوراس میں دوکان کرنا جائز نہیں۔ (عزیز الفتاویٰ/ ۵۹۷)

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع . (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجدزكريا٦/٥٤٨، كراچی ۳/۵۱۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/۲۹٦)

قيم المسجد لايجوز له أن يبنى حوانيت في حد المسجد أو فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا أو مسكنا تسقط حرمته وهذا لايجوز .
(فتاویٰ عالمگيری، الباب الحادی عشر فی المسجد وما يتعلق به زكرياقديم ۲/٤٦۲، جديد ۲/٤۱۳، البحرالرائق، كوئٹه ۵/۲٤۹، زكريا۵/٤۱۸، الموسوعة الفقهية الكويتية۳۷/۲۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۷۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۷/۲ھ

حدود مسجد سے باہر مسجد کا سامان رکھنے کیلئے حجرہ بنانا

سوال: [۷۹٦۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں صحن کے آخر میں وضوخانہ ہے، وضوخانہ کے اوپر دوچھتی ہے، جس پر ایک صف نمازیوں کی بن جاتی ہے جب نمازی تعداد میں بڑھ جاتے ہیں، اس دوچھتی کے اوپری منزل میں حجرہ ہے، واضح رہے کہ یہ مسجد پوری طرح تین منزل ہے دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ وہ

جو دوچھتی ہے اس میں صف کی جگہ پر ایک ایسا اسٹور بنایا جاسکتا ہے، جس میں مسجد اور جماعت کے متعلق سامان رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مسجد کا سامان جیسے صفیں لوٹے وغیرہ جماعت کا سامان یعنی وہ جماعتیں جن کا مسجد میں قیام ہوتا ہے، وقتی طور پر ان کا سامان بطور حفاظت اسٹور میں رکھ دیا جائے؟ بیان فرمائیں

المستفتي: سرفراز احمد، محلّہ بارہ دری، سرائے ترین، ضلع: سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وضوخانہ اوراس کے اوپر جو حجرے وغیرہ بنے ہوئے ہیں، وہ سب کے سب حدود مسجد سے خارج شمار ہوتے ہیں اور حدود مسجد سے خارجی حصہ میں مسجد کی ضروریات کیلئے حجرہ بنانا بلاشبہ جائز ہے اور مسجد میں نمازیوں کی کثرت کے وقت ان حجروں میں کھڑے ہوکر نماز میں شرکت کرنے والے کو جماعت کا ثواب تو ملیگا، البتہ حدود مسجد کا ثواب نہیں ملیگا، ان حجروں میں مسجد کی صفیں، لوٹے ضروری سامان وغیرہ رکھنا بھی جائز ہے، نیز تبلیغی جماعت کے لوگوں کا سامان رکھنا بھی بلاشبہ جائز ہے، اب ذمہ داران مسجد کو اختیار ہے، کہ اگر اس جگہ مسجد کا سامان رکھنے کیلئے الگ سے کوئی کمرہ مخصوص کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں، نیز اگر حدود مسجد کے اندر جماعت خانہ سے اوپر کی منزل میں یا نیچے تہہ خانہ میں مسجد کا سامان رکھنے کیلئے کوئی جگہ مخصوص کرلیں تو یہ بھی جائز ہے۔

يكره التوضؤ في المسجد إلا إذا كان فيه موضع أعد لذلك لأنه مستثنىٰ منه حينئذ. (حلبي كبير، فصل في أحكام المسجد اشرفيه ديوبند/۱ ۶۱۱)

ولا بأس بأن يتخذ في المسجد بيت يوضع فيه الحصير ومتاع المسجد به جرت العادة من غير نكير. (حلبي كبير، اشرفي ديوبند/۶۱۲)

إذا جعل تحته سردابا لمصالحه أي المسجد جاز.

(درمختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد كراچی ۴/ ۳۵۷،

زکریا ٦/٥٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۴۳/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۷/۲۵ھ

مسجد کا دروازہ توڑ کر مدرسہ کا چھجا نکالنا

سوال: [۷۹۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے دروازہ کو توڑ کر مدرسہ کا چھجا نکالنا کیسا ہے؟

المستفتی: شمس الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائز نہیں ہے، بلکہ قیامت تک مسجد ہی کے حکم میں رہے گا!

لو خرب ماحوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبدا إلىٰ قيام الساعة وبه يفتى الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره كوئٹه ٣/٤٠٦، كراچی ٤/٣٥٨، زكريا٦/٥٤٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت٢/٥٩٥، قديم ١/٧٤٨، قاضي خان زكرياجديد٣/٢٠٤، وعلىٰ هامش الهندية زكريا٣/٢٨٨، هنديه زكريا قديم ٢/٤٥٨، جديد٢/٤١٠، البحرالرائق، كوئٹه ٥/٢٥١، زكريا٥/٤٢١، تاتار خانية زكريا٨/١٦٤، رقم: ١١٥١٩، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۳۴۳)

احاطۂ مسجد میں تبلیغی جماعت کی کمیٹی کا اپنے مصارف سے مطبخ تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی

باؤنڈری کے اندر اجتماعی تبلیغی جماعت کمیٹی اپنے مصارف سے جماعتوں کے کھانا بنانے اور ان کا سامان رکھنے کے لئے کمرہ تعمیر کرنا چاہتی ہے، کیا شریعت مطہرہ اس کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتي: عبدالسلام، سکریڑی منتظمہ کیمٹی جامع مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کو اس جگہ کی ضرورت نہیں ہے، تو مسجد کی کمیٹی کی رضامندی سے مناسب قیمت ادا کر کے تبلیغی جماعت کمیٹی کے لئے مالکانہ طور پر اپنے مصارف سے مذکورہ مقاصد کے لئے تعمیر کرنا درست ہے ورنہ نہیں۔

اشترى المتولى بمال الوقف دارا للوقف لا تلحق بالمنازل الموقوفة ويجوز بيعها في الأصح الخ. (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب اشتریٰ بمال الوقف داراً للوقف لا یجوز بیعها، زکریا ٦/٦٢٧، کراچی ٤/٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / صفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ١٦٦٧)

منبر سے متصل مغربی جانب مسجد کا بیت الخلاء وغیرہ بنانا

سوال: [٧٩٦٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی مغربی جانب مسجد کے منبر سے بالکل متصل مسجد کی زمین ہے، اس زمین میں بیت الخلاء اور غسل خانہ بنانے اور نل لگانے کو متعلقین مسجد ناجائز سمجھ رہے ہیں، اسلئے کہ وہ زمین مسجد کی مغربی دیوار کے بالکل متصل ہے، لہٰذا آپ حضور والا سے درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں کہ وہاں نل، غسل خانہ اور بیت الخلاء بنانا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتي: مصلیان مسجد مرکز والی، معصوم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر نمازیوں کو کوئی خلل نہ ہو تو مسجد کی اس زمین میں جو منبر سے متصل مغربی جانب واقع ہے نل لگانے غسل خانہ بنانے اور بیت الخلاء بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، شرعاً درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۸۲)

وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه أى المسجد جاز . (درمختار مع الشامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد کراچی ۴/۳۵۷، زکریا ۶/۵۴۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷/۲۰۲، الدر المنتقیٰ ، دارالکتب العلمية بيروت ۲/۵۹۴، هدایه اشرفی دیوبند ۲/۶۴۴)

وفی تقريرات الرافعی تحت قول لمصالحه : ليس بقيد بل الحكم كذلک إذا كان ينتفع به عامة المسليمن على ما أفادهٗ فی غاية البيان: (الرافعی فی آخر الشامی، زکریا ۶/۸۰، کراچی ۴/۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۰۳)

مسجد میں انگریزی بیت الخلاء بنانا

سوال: [۷۹۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں ایک مسجد تعمیر ہوئی ہے، جس میں انتظامیہ نے انگریزی بیت الخلاء بنوا دیا ہے، جس کے بارے میں کافی چہ میگوئیاں ہوتی رہتی ہیں، کہ مساجد ومدارس یہ دین کے قلعے مانے جاتے ہیں، اس میں اس قسم کی چیزیں نہ ہونی چاہئے، جبکہ انتظامیہ جواب میں کہتے ہیں کہ معذورین کیلئے بنوایا گیا ہے، واضح ہو کہ بمبئی جیسے شہر میں بھی نہ کسی مدرسہ میں اس قسم کا بیت الخلاء ہے، نہ مسجد میں بعض لوگ اس کے جواز میں سعودی عرب کی مثالیں دیتے ہیں، کہ وہاں اس قسم

کے بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں، بہر حال شریعت مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: ابوالحسن، سیتامڑھی، مسجد صفہ منی ممبئی، انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مساجد ومدارس کے عمومی چندے سے انگریزی بیت الخلاء بنانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر ضرورت ہوتو خاص اسی ضرورت کیلئے مستقل چندہ کرلیا جائے یا کسی صاحب خیر کے ذریعہ سے بنوالیا جائے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف ، مطلب في مراعاة غرض الواقفين واجبة كراچی ٤/٤٤٥، زكريا٦/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۲/۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۹۸/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۷ھ

اپنے اور مسجد کے پیسہ کو ملا کر تعمیر کرایا گیا کمرہ کس کی ملک ہے؟

سوال: [۷۹۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جناب حاجی اسماعیل صاحب اپنی بستی کی خستہ حالت کو مدنظر رکھکر مسجد ومکتب کے اخراجات پورے کرنے کی غرض سے مختلف جگہ سے چندہ جمع کر کے تقریباً ۲۴/ ہزار روپئے لائے اس کے بعد انھوں نے مذکورہ رقم سے چند کمرے بنانے کی غرض سے ایک مربع جگہ خریدی لیکن خریدتے وقت انھوں نے حساب کر کے دیکھا کہ اتنی رقم میں یہ جگہ خریدنے کے بعد اتنے کمرے بننے والے ہیں، تو انھوں نے اس وقت اور ۲۴/ ہزار روپئے اپنے ذاتی اس جمع شدہ چندے میں شامل کئے، اب کل ۴۸/ ہزار روپئے ہوئے، مذکورہ جگہ کو خرید کر باقی ماندہ پیسے سے چھ کمرے بنائے تین اپنے اور تین مسجد کے یہ چھ کمرے بنانے کے بعد بھی بلڈنگ کے مغرب سمت تقریباً ۲۰-۲۲/ فٹ جگہ خالی پڑی رہی، بلڈنگ مکمل تیار ہونے کے بعد چھ کمروں کو کرایہ پر دید یا تین کمروں کا پیسہ حاجی محمد

عمر صاحب جماعت کے حوالے کرتے رہے اور تین کمروں کا پیسہ خود لیتے رہے، لیکن پوری جگہ مع کمرہ کے اپنے نام رجسٹرڈ کرالی اس پر جماعت المسلمین نے حاجی عمر سے کہا کہ مسجد یا جماعت المسلمین کے نام پر چندہ جمع کیا ہے، لہٰذا نصف جگہ مع کمرہ کے مسجد کے نام یا جماعت المسلمین کے نام رجسٹرڈ وقف کر دیجئے، جواب میں حاجی عمر صاحب نے کہا کہ تم لوگ خیانت کروگے، جماعت نے کہا کہ آپ ٹرسٹ بنا کر رجسٹرڈ کر دیجئے تاکہ ہر سال سرکاری دفتر میں حساب ہوتا رہے، ساتھ ہی ساتھ خیانت کا بھی شک نہ ہو، پھر بھی حاجی عمر صاحب نے رجسٹرڈ وقف کرنے سے انکار کر دیا لیکن بدستور تین کمروں کا پیسہ جماعت کے حوالے کرتے رہے، اتفاقاً ایک دن جماعت اور حاجی عمر صاحب کے درمیان جھگڑا ہو جاتا ہے، اس دوران بہت ساری باتیں بڑھ جاتی ہیں، بالآخر جماعت نے حاجی عمر صاحب سے کہہ دیا کہ جب تک آپ تین کمروں کو مع ان کی جگہ کے مسجد کے نام یا جماعت کے نام رجسٹرڈ وقف نہیں کریں گے، جب تک آپکے پیسے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جماعت المسلمین نے جو پیسہ لینے سے انکار کیا وجہ اس کی یہ ہے کہ حاجی عمر صاحب احسان جتلایا کرتے تھے، اس سے قبل جماعت دس سال تک تین کمروں کا کرایہ لیتی رہی، اب اس جھگڑے کے بعد حاجی عمر صاحب جماعت سے فوراً نکل گئے، اس کے بعد وہ اپنے گھر میں مکتب کھول کر اس پیسے سے مکتب چلاتے رہے، پہلے گاؤں کے پندرہ بیس بچے آتے تھے، بعد میں جماعت نے پابندی لگادی، اسلئے فی الوقت صرف گھر کے بچے پڑھتے ہیں، ، لہٰذا کیا شرعاً اس پیسے سے گھر میں مکتب چلانا اور اپنے بچوں کو گھر میں تعلیم دینا صحیح ہے برائے کرم مدلل تحریر فرمائیں؟

نوٹ: جس سے جگہ خریدی گئی ہے اس سے یہ کہا گیا کہ یہ مسجد کیلئے یعنی للہ خریدی جارہی ہے، جس کی وجہ سے بیچنے والے نے قیمت میں ترمیم کر دی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہو رہا ہے کہ حاجی محمد عمر صاحب

مرحوم نے چھ کمروں میں سے تین اپنے لئے اور تین مسجد ومکتب کیلئے بنوائے تھے اس لئے تین کمرے حاجی عمر صاحب کی ملکیت میں داخل ہوں گے، اور باقی تین کمرے مکتب ومسجد کی ملکیت میں داخل ہوں گے، لہٰذا حاجی محمد عمر صاحب یا ان کے ورثہ پر لازم ہوگا کہ چھ کمروں میں سے تین کمروں کو مسجد ومکتب کے نام رجسٹری کر کے مسجد ومکتب کے ذمہ داروں کے حوالہ کردیں، ان تینوں کمروں کی آمدنی سے خاص کر گھر کے بچوں کو تعلیم دلانا درست نہیں ہوگا، بلکہ اس آمدنی سے عام لوگوں کے بچوں کیلئے مکتب چلانا لازم ہوگا۔

بنى المتولى من مال الوقف في عرصة الوقف أو من مال نفسه للوقف أو لم يذكر شيئاً كان وقفاً بخلاف الأجنبي، وإن أشهد أنه بناه لنفسه كان ملكاً له الخ. (فتاویٰ بزازیہ ،کتاب الوقف، الرابع فی المسجد ومایتصل به جدید زکریا ۳/۱٤٤، وعلی هامش الهندية زكريا ٦/ ٢٧٠)

وإن بناه من ماله لنفسه وأشهد أنه له فهو له الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی حكم بناء المتولی وغيره فی ارض الوقف زكريا ٦/ ٦٧٩، كراچی ٤/ ٤٥٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۱۶/۲۴)

رام لکھی ہوئی اینٹوں سے مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۷۹٦۹]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر نے بھٹہ سے اینٹیں خریدی مسجد کے واسطے اینٹیں گھر آنے کے بعد جب دیکھا گیا تو اس پر لفظ رام لکھا ہوا تھا، جبکہ رام کو وہ اپنا امام اور خدا مانتے ہیں تو کیا اس طرح کی اینٹ کو مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبد المالک، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو اینٹیں مسجد کی تعمیر کیلئے لائی گئی ہیں، جس میں رام لکھا ہوا ہے، اس سے تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے جس میں صرف خدا کی عظمت مقصود ہوتی ہے، اور رام غیر مسلموں اور اہل باطل کی عبادت میں عظمت کی چیز ہے جیسا کہ ذیل کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے۔

وإن وجدوا فی الغنیمة قلائد ذهب أو فضة فیها الصلیب والتماثیل فإنه یستحب کسرها الخ. (تاتار خانیة ۱۲۱/۷، رقم: ۱۰۱۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴؍۶۵۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۲۷ھ

۹/الفصل التاسع: مسجد کی رقم ضروریات مسجد میں صرف کرنے کا بیان

مسجد کی رقم سے ضروریات مسجد کیلئے کمرہ بنانا

سوال: [۷۰۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد کے پاس اچھی خاصی رقم ہے اور مسجد کے پاس جگہ بھی ہے، مسجد کے متولی اور کمیٹی مسجد کے پیسے سے مسجد کے بالکل برابر میں ایک کمرہ بنانا چاہتے ہیں جس میں تبلیغی جماعت اپنا سامان اور کھانا وغیرہ پکا اور کھالیا کریں، کیا شرعاً متولی یا اراکین کمیٹی کو یہ حق حاصل ہے، کہ وہ اس مسجد کے پیسے سے مذکورہ کمرہ بنوادیں جو مسجد ہی کا ہوگا، زید کا کہنا ہے کہ چندہ دہندگان کی اجازت سے ایسا کر سکتے ہیں، مگر چندہ دہندگان متعین نہیں ہیں، باہر کے لوگ بھی آ کر نماز پڑھ جاتے ہیں، اور مسجد کی گولک میں پیسے ڈال جاتے ہیں، ان سے کیسے اجازت لی جائیگی، شرعاً فقہاء کا جو فیصلہ ہو وضاحت سے تحریر فرمادیں؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی زمین میں مسجد کے پیسے سے بوقت ضرورت کام آنے والا کمرہ بنانا جائز اور درست ہے، اس میں مسجد کی ضروریات کا سامان بھی رکھا جا سکتا ہے، اور بوقت ضرورت امام ومؤذن کی رہائش اور مہمان بھی رہ سکتے ہیں، اسی طرح تبلیغی جماعت والے بھی اپنی ضروریات اس کمرہ سے پوری کر سکتے ہیں۔

يبدأ من غلته بعمارته ثم ماهو أقرب لعمارته ...... إلىٰ أخر المصالح. (شامی، الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بماهو أقرب إليها زكريا٦/٥٥٩، ٥٦٠، كراچی ٣٦٧/٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/٢٩٢، هنديه زكريا قديم ٣٦٨/٢، جديد ٣٥٦/٢)

والذی یبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أولا ،ثم ماهو أقرب إلیٰ العمارة وأعم للمصلحة کالإمام للمسجد . (البحرالرائق، ، کوئٹه ۲۱۳/۵، زکریاه/۳۵٦)

لو بنی فوقه بیتا للإمام لایضر لأنه من المصالح. (البحر، کوئٹه ۵/ ۲۱۵، زکریا ۵/ ۳۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۴۴/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۳۲ھ

مدرسہ کی آمدنی کو مسجد کی ضرورتوں میں صرف کرنا

سوال: [۷۹۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد سے ایک مدرسہ کا الحاق ہے، مدرسہ میں کچھ دوکانیں ہیں، کیا مدرسہ کی آمدنی کو مسجد کی ضرورتوں میں استعمال کیا جاسکتا ہے، مذکورہ دونوں سوالوں کے جواب واضح فرمائیں؟

المستفتي: ابوالکلام، گردھی، پیر خاں، ٹھاکر گنج، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس مسجد سے مدرسہ ملحق ہے، نیز چندہ مشترکہ طور پر ہوتا ہے اور دونوں کے ذمہ دار ایک ہیں، اور دونوں ایک نظام کے تحت ہیں، اور چندہ دینے والے جانتے ہیں کہ ہمارا چندہ ان سب کاموں میں مشترکہ طور پر خرچ کیا جاتا ہے، تو اس صورت میں مدرسہ کی آمدنی سے مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے، اور اگر دونوں کا نظام الگ الگ ہے اور دونوں کی آمدنی اور چندہ بھی الگ الگ ہے، تو ایک کی آمدنی دوسرے پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۹/ ۲۲۴، جدید زکریا دیوبند ۹/ ۸۸)

وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسة، ووقف عليهما أوقافاً لايجوز له ذلك، تحته فى الشامية: قال الخير الرملي أقول ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوى.

(الدر مع الرد، الوقف، مطلب فى نقل أنقاض المسجد ونحوه، كراچی ٤/ ٣٦٠، ٣٦١، زكريا٦/ ٥٥١، ٥٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۶ھ

مسجد کے کام کے لئے مسجد کی رقم سے کرایہ دینا

سوال: [۷۹۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے کام کیلئے مسجد کی رقم سے کرایہ یا اجرت دینا کیسا ہے؟

المستفتي: عبدالرحیم، بڑیڈوی عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے کام کیلئے مسجد کے روپیہ سے کرایہ اور اجرت دینا درست ہے۔

وللمتولي أن يستأجر من يخدم المسجد، يكنسه ونحو ذلك بأجر مثله. (هنديه، الباب الحادى عشر فى المسجد ومايتعلق به، زكرياقديم ٢/ ٤٦١، جديد ٢/ ٤١٢، الفتاوى التاتار خانيه، زكريا ٨/ ١٧٥، رقم: ١١٥٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۱۹ھ

مسجد کے روپیہ سے ٹنکی وغیرہ خریدنا؟

سوال: [۷۹۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے روپئے سے نمازیوں کیلئے پانی پینے کیلئے مہیا کرنا جیسے کہ (۱) ٹنکی کا خریدنا۔ (۲) برف کا خریدنا۔ (۳) جگ گلاس وغیرہ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد سہراب، ٹال والی
مسجد، نئی سڑک، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے روپئے سے مذکورہ چیزوں کا خریدنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر مذکورہ چیزوں کے بغیر مصلیوں کی جماعت بالکل کم ہوجانے کا خطرہ ہوتو بدرجہ مجبوری گنجائش ہے، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۷۰۷)

والذي يبتدأ به من ارتفاع الوقف، أى من غلته عمارته شرط الواقف أولا، ثم ماهوأقرب إلىٰ العمارة وأعم للمصلحة...... ثم السراج والبساط كذلك إلىٰ آخر المصالح. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب يبدأبعد العمارة بماهو أقرب إليها زكريا ٦/ ٥٦٠، كراچی ٤/ ٣٦٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٢/٣٦، هنديه زكريا قديم ٢/ ٣٦٨، جديد ٢/ ٣٥٦، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢١٣، زكريا ٥/ ٣٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رمضان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۸۴/۲۵)

مسجد کی رقم سے اذان کے لئے لاؤڈاسپیکر خریدنا

سوال: [۷۹۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد

کے پیسے سے مسجد میں اذان دینے کیلئے لاؤڈ اسپیکر خریدنا چاہتے ہیں، کیا خرید سکتے ہیں؟

المستفتي: صلاح الدین، ڈھکیہ جمعہ، کندرکی، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مسجد اتنی مالدار ہے کہ لاؤڈ اسپیکر خریدنے کی وجہ سے اخراجات مسجد میں کوئی فرق اور نقصان نہیں آتا ہے، تو اسکی گنجائش ہے۔(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۲۰۲، جدید زکریا مطول ۱۰/۴۵۲)

البتہ اس میں کمیٹی اور ذمہ داران مسجد کی اجازت لازم ہے۔

ولهم أيضا أن يفرشوا بالآجر و الحصير ويعلقوا القنديل لكن من أنفسهم لا من مال المسجد إلا بأمر الحاكم الخ. (بزازيه ، الوقف، الفصل الرابع فى المسجد وما يتصل به، زكريا جديد٣/١٤٣، وعلى هامش الهندية ٦/٢٦٨-٢٦٩)

قالوا: إن وسع الواقف ذلك للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد كان له أن يشتري للمسجد ماشاء. (هنديه، الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به زكريا قديم٢/٤٦١، جديد ٢/٤١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۳/۱۴۱۱ھ

مسجد کی رقم سے مائک خریدنا

سوال: [۷۹۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے روپیہ سے مسجد کیلئے مائک خریدنا یا مائک خریدنے کیلئے چندہ متعین کرکے یا غیر متعین کرکے لینا اور اس روپیہ سے مائک خریدنا کیسا ہے؟ اور خرید کرکے مسجد کے کام کے علاوہ دوسرے کام میں استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد سعید الرحمٰن، متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مائک خریدنے کے وجہ سے مسجد کے ضروری اخراجات پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، تو جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲۰۲/۹، جدید مطول ۴۵۲/۱۰)

قالوا: إن وسع الواقف ذلک للقیم وقال: تفعل ما تری من مصلحة المسجد کان له أن یشتر ی للمسجد ماشاء . (هندیه، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به زکریا قدیم ۲/ ٤٦١، جدید ۲/ ٤١٣، وهکذا فی المحیط البرهاني المجلس العلمی ۹/ ۱۳٦، رقم: ۱۱۳۸۱، الفتاوی التاتار خانیة زکریا ۸/ ۱۷٥، رقم: ١١٥٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۷۰/۲۶)

مسجد کی دوکان کوفروخت کرکے آمدنی تعمیر مسجد میں لگانے کا حکم

سوال: [۶۹۷٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گاؤں میں ایک مسجد خستہ حالت میں تھی، گاؤں کے لوگوں نے مسجد کو شہید کرکے از سر نو تعمیر شروع کردی مسجد کی تعمیر کے لئے گاؤں میں چندہ وغیرہ کیا گیا، لیکن گاؤں غریب ہونے کی وجہ سے مسجد کا تعمیری کام مکمل نہ ہوسکا، مسجد سے ۱۰۰/ گز کی دوری پر ایک دوسری مسجد ہے، اوراس کے برابر میں دو دوکانوں کی جگہ ہے، جو دونوں مسجدوں کے نام ہے، اور مسجد کے لئے وقف نہیں ہے، تو تعمیر مسجد کی کمیٹی اور گاؤں کے لوگ اپنی مسجد کی جگہ فروخت کرنا چاہتے ہیں، تاکہ مسجد کا کام مکمل ہوسکے، کیا مذکورہ صورت حال کے پیش نظر نوتعمیر مسجد کے نام دوکان کی جگہ فروخت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: فہیم انور قریشی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق : زیر تعمیر مسجد کے نام جو دوکان ہے، اور کمیٹی اور گاؤں کے ذمہ دار حضرات اس دوکان کو بیچ کر اس کی آمدنی مسجد میں لگانا چاہتے ہیں، تو شرعی اعتبار سے ذمہ داران کمیٹی کو اس کا اختیار نہیں، اس لئے کہ مسجد کی ملکیت کی جائیداد فروخت ہوجانے کے بعد اگر اس کا بدل دوسری جگہ نہ مل سکے تو خرد برد کے مترادف ہوجاتی ہے، بعد میں مسجد کی آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے آگے چل کر دقتیں پیش آسکتی ہیں، اس لئے اس جگہ کو نہ بیچا جائے، اور مسجد کا تعمیری کام عامۃ المسلمین کے چندہ سے مکمل کرنے کی کوشش جاری رکھی جائے۔

أما أهل تلک المحلة فلهم أن يهد موا و يجدد وا بناء ه – لكن من مال أنفسهم ، أما من مال المسجد فليس لهم ذلک . (هنديه ، الباب الحادى عشر فى المسجد ، و ما يتعلق به ، زكرياقديم ٢/ ٤٥٧ ،جديد ٢/ ٤١٠)

أهل المسجد إذا باعوا غلة المسجد أو نزل المسجد ——— قال الصدر الشهيد: والفتوىٰ على أنه لايجوز . (التاتارخانية ، زكريا ١٧٨/٨، رقم: ١١٥٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۰۰۳/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۶/۱۴۳۶ھ

۱۰/۱۰ الفصل العاشر: ایک مسجد کی اشیاء کا دوسری مسجد میں استعمال مسجد کی آمدنی کیلئے موقوفہ زمین پر مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں واقف مسجد نے ایک قطعہ زمین مسجد سے کچھ دوری پر دوسرے علاقہ میں مسجد کے خرچہ اخراجات کے لئے وقف کی جس سے مسجد کے امام ومؤذن کی تنخواہ اور دیگر ضروریات پوری کی جاتی ہیں، مسجد کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ آمدنی نہیں ہے، اب جس علاقہ میں وہ زمین ہے، کچھ لوگ اس میں مسجد بنانا چاہتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس جگہ ازروئے شرع مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

المستفتي: اراکین کمیٹی مسجد مدن پور، دیوریا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ مسجد کیلئے چونکہ اس قطعہ زمین کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ آمدنی موجود نہیں ہے، اس لئے جب تک اس مسجد کیلئے کسی ذریعۂ آمدنی کا انتظام نہ کردیا جائے اور اس قطعۂ زمین سے مسجد مستغنی نہ ہوجائے، اس وقت تک اس زمین پر مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۶/۵۴)

شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة. (الاشباه کراچی ۲/۱۰۶، قواعد الفقه، اشرفی /۸۵، رقم: ۱۵۲)

وقد علم بهٰذا التقرير إعمال الغلتين إحياءً للوقف ورعاية شرط الواقف هذا هو الحاصل من الفتاویٰ وقد علم أنه لايجوز لمتولی الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر. (البحر الرائق، الوقف، زکریا ۵/۳۶۲، کوئٹه ۵/۲۷۱)

سئل عن شمس الأئمة الحلوانی أنه سئل عن مسجد أو حوض

خرب ولایحتاج إلیه لتفرق الناس عنه: هل للقاضی أن یصرف أوقافه إلیٰ مسجد آخر أوحوض آخر؟ فقال نعم. (هندیة، الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی یستغنی عنها زکریا قدیم ۲/۴۷۸، جدید۲/۴۱۹، مجمع الانهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۵۹۶، قدیم۱/۷۴۸، ۷۴۹، المحیط البرهاني، المجلس العلمی۹/۱۵۱، رقم: ۱۱۴۴۱، الفتاویٰ التاتار خانیة زکریا۸/۱۹۶، رقم:۱۱۶۲۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۳۱/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۲۳ھ

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں لگانا کب جائز ہے؟

سوال: [۷۹۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ہمارے یہاں شادیوں کے موقعوں پر دولہا کی طرف سے مسجدوں کیلئے کچھ سامان دینے کا رواج ہے، جس میں بالٹی رسی قرآن پاک رحل لوٹے صفیں گھنٹے بالعموم اور بہت سے لوگ پنکھے وکولر وغیرہ بھی لاتے ہیں، تعمیر وغیرہ کا کام شروع ہوتا ہے، اور بغیر کام کے بھی مسجد کے لوگ اس سامان کو فروخت کر کے حسب مرضی رقم کو خرچ کرتے ہیں، ''یادگار شیخ'' سہارنپور پندرہ روزہ میں ایک استفتاء کے جواب میں مسجد کا سامان بیچنا ناجائز لکھا ہے، آپ وضاحت کیساتھ اس مسئلہ کو صاف تحریر فرمائیں کہ مسجد کے سامان کی فروختگی درست ہے یا نہیں؟ اگر کچھ گنجائش ہے تو کس صورت میں؟ اگر کمیٹی یا متولی کو اختیار ہے تو کس وقت؟

(۲) تقرر کس طرح سے کیا جائیگا، صرف نمازی ہی کرلیں گے یا بستی ومحلّہ کے سب لوگ بالاتفاق کمیٹی یا متولی بنائیں گے؟

المستفتي: عبدالرحیم، بڈبڈوی عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مذکورہ اشیاء مسجد کی ضروریات سے زائد

ہیں، اور فروخت کرنے میں دینے والوں کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں فاضل اشیاء کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۴۸۰، ڈابھیل ۱۴/ ۵۷۵، فتاویٰ رشیدیہ قدیم/ ۵۳۵، جدید زکریا مبوّب/ ۵۱۵)

لو اشتریٰ حشیشا، أو قندیلا، للمسجد فوقع الاستغناء عنه، کان ذلک له إن کان حیاً. (البحر الرائق، الوقف، فصل فی أحکام المسجد زکریا ٥/ ٤٢٣، کوئٹه ٥/ ٢٥٢، الدر مع الرد، زکریا ٦/ ٥٤٩، کراچی ٤/ ٣٥٩)

(۲) بہتر شکل یہی ہے کہ سب کے اتفاق سے کمیٹی یا متولی کا تقرر کیا جائے اور اگر محلّہ کے بااثر اور صاحب رائے حضرات کے اتفاق سے بنایا جائے تب بھی جائز اور درست ہوگا۔

کما استفید من عبارة الشامی، ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین الخ. (شامی، الصلاة، باب الجمعة، زکریا ٣/ ١٤، کراچی ٢/ ١٤٤، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/ ٥٠٧، هندیه زکریا قدیم ١/ ١٤٦، جدید ١/ ٢٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۳/ ۱۴۱۳ھ

ایک مسجد کا پیسہ دوسری مسجد میں دینا

سوال: [۷۹۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ کبھی کبھی مسجد کے پیسے چھپا لیا کرتے تھے، لیکن لکھ کر رکھتے تھے، ان کا بھی حساب موجود ہے تو کیا جس مسجد کے پیسے لئے تھے، اسی مسجد میں دینا ضروری ہے، یا دوسری مسجد میں دینے سے کام چل سکتا ہے؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: مشتاق احمد، محلّہ تھانہ امروہہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس مسجد کا روپیہ چھپا لیا ہے، اسی مسجد کو ادا کرنا ضروری ہے دوسری مسجد کو دینے سے وہ بری الذمہ نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۰۷، فتاویٰ رشیدیہ قدیم/ ۵۳۶، جدید مبوب/ ۵۱۵، فتاویٰ محمودیہ ۱۰/ ۱۸۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۰)

وإن اختلف أحدهما بأن بنیٰ رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً ووقف عليهما أوقافاً لايجوز لهٗ ذلک. (شامی، الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه زكريا ٦/ ٥٥١، كراچی ٤/ ٣٦٠، الفقه الإسلامی و أدلته، دارالفكر ١٠/ ٧٦٧٤، هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ٨/ ٢١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۶/ ۱۴۱۶ھ

ایک مسجد کے بچے ہوئے تعمیری سامان کو دوسری مسجد میں لگانا

سوال: [۷۹۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کی ایک مسجد کی نئی تعمیر ہوئی ہے، اس کی پرانی اینٹیں کچھ سابوت اور کچھ ٹوٹی ہوئی ہیں، کچھ چھت کی سریا وغیرہ بھی بچی ہوئی ہیں، اب مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے، سر دست اس مسجد میں ضرورت نہیں ہے، جس کی زمین پر یہ اینٹیں رکھی ہوئی ہیں، یا پورا ملبہ پڑا ہوا ہے، وہ وہاں سے جلد ہٹا لینے کا تقاضہ کر رہا ہے، نیز اگر اس کو وہاں سے نہ ہٹایا گیا تو ضائع ہونے یا دھیرے دھیرے غائب ہو جانے کا بھی اندیشہ ہے، اسلئے دریافت یہ کرنا ہے کہ ان اینٹوں کو یا بچے ہوئے ملبہ کو کسی دوسری مسجد یا مدرسہ میں جہاں تعمیری کام جاری ہیں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟ تحریر فرما دیں؟

المستفتي: متولی مسجد فتح پور، کملا پور، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جوائنٹیں اور سریا وغیرہ مسجد کی ضرورت سے زائد ہے اور تحفظ کی کوئی قابل اطمینان صورت بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں زائد از ضرورت ملبہ کو کسی دوسری مسجد یا کسی دینی مدرسہ میں لگانا جائز اور درست ہے۔

یصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامی، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا٦/٥٤٩، كراچی ٤/٣٥٩، الموسوعة الفقهية الكويتية٤٤/١٦١)

فإن استغنى عنه هذا المسجد يحول إلىٰ مسجد آخر. (فتاویٰ عالمگیری، الباب الحادی عشرفی المسجد وما يتعلق به زكرياقديم٢/٤٥٨، جديد٢/ ٤١٠، البحر الرائق، كوئٹه٥/٢٥٢، زكريا٥/٤٢٣)

والذی ينبغی متابعة المشايخ المذكورين في جواز النقل .... ولا سيما فی زماننا فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كماهو مشاهد . (شامی، زكريا٦/ ٥٥٠، كراچی ٤/ ٣٦٠) مستفاد: انوار رحمت/١٤٤، فتاویٰ محمودیه ڈابھیل١٥/ ٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۱۶/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۱۱/۱۴۳۲ھ

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کرنا

سوال: [۷۹۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اور وہاں کے مسلمان اپنے مکانوں کو خالی کر کے دوسری جگہ جارہے ہیں، اب جو سامان ہے، اس کو اس مسجد کے لوگ دوسری مسجد میں دینا چاہتے ہیں، اور

اس میں نماز بھی نہیں ہوتی ہے، اور اگر وہ لوگ اس مسجد کے سامان کو وہاں چھوڑ تے ہیں، تو کافر لے جائیں گے، اور مسجد کے منہدم ہونے کا پورا پورا امکان ہے، اور کافروں کے ظلم وستم سے وہ لوگ وہاں سے جارہے ہیں، اب وہ لوگ اس مسجد کا سامان دوسری مسجد کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں؟ مہربانی ہوگی؟ مسجد کا سامان یہ ہے، لاؤڈ اسپیکر، لوٹے صرف دو سامان ہیں؟

المستفتي: لیاقت حسین، محلّہ: اسلام نگر، کرولہ، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی وہاں سے تمام مسلمان منتقل ہوکر دوسری جگہ جارہے ہیں، اور اس مسجد کے ویران ہونے کا خطرہ ہے تو مسلمانوں پر لازم ہے، کہ اس مسجد کو رجسٹرڈ کرالیں اور وقف بورڈ کے ماتحت اسکی حفاظت ہوتی رہے اور اس مسجد کے لوٹے اور لاؤڈ اسپیکر کو دوسری جگہ کی مسجد میں استعمال کرنا شرعاً جائز ودرست ہوگا۔ (مستفاد: امداد المفتیین کراچی/ ۷۷۰)

سئل شیخ الاسلام عن أهل قریة رحلوا وتداعی مسجد ها إلی الخراب وبعض المتغلبة یستولون علی خشبه وینقلون إلی دورهم هل لواحد لأهل المحلة أن یبیع الخشب بأمر القاضی ویمسک الثمن لیصرفه إلیٰ بعض المساجد أو إلیٰ هذا المسجد؟ قال: نعم الخ. (شامی، الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه، زکریا ٦/ ٥٥٠، کراچی ٤/ ٣٦٠، هندیه، زکریا قدیم ٢/ ٤٧٩، جدید ٢/ ٤١٩، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ٩/ ١٥١، رقم: ١١٤٤٢، الفتاویٰ التاتار خانیة زکریا ٨/ ١٩٧، رقم: ١١٦٢٦، منحة الخالق، زکریا ٥/ ٤٢٥، کوئٹه ٥/ ٢٥٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٨ / رجب ١٤١٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢٥٠/٢٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٨/٧/١٤١٣ھ

ایک مسجد کی رقم دوسری مسجد میں صرف کرنا

سوال: [٧٩٨٢]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قصبہ شیرکوٹ کی ایک مسجد المعروف بعلی اس کے دو فنڈ ہیں ایک فنڈ جائیداد کے کرایہ کی بابت جو رقم وصول ہوتی ہے، وہ رقم تو مسجد کی منتظمہ کمیٹی کے خازن کے پاس جمع رہتی ہے، جو مسجد کے ماہانہ اخراجات میں صرف ہوتی ہے، دوسرا فنڈ وہ ہے جو بیاہ شادی وغیرہ میں لوگ مذکورہ (علی مسجد) کو بطور امداد کرتے ہیں، اور وہ نامزد کرکے علی مسجد ہی کو دے کر جاتے ہیں، یہ رقم کمیٹی کے علاوہ برادری کے ایک امین شخص کے پاس جمع ہوتی رہتی ہے، کہ کسی وقت کوئی بڑا کام مسجد میں ہوتو یہ رقم کام آئے گی، اب علی مسجد میں ایک اہم کام کا آغاز ہے دوسرے فنڈ کے متعلق اس فنڈ کے خازن کا یہ کہنا ہے کہ یہ رقم بجائے علی مسجد کے دوسری ایک مسجد میں دیدی جائے، کیونکہ علی مسجد مالدار مسجد ہے، وہ دوسری مسجد رقم کے اعتبار سے کمزور ہے کچھ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ معطی نے یہ رقم علی مسجد کے نام سے دی ہے، آپ صرف امین یا خزانچی ہیں، یہ علی مسجد میں ہی خرچ ہونی چاہئے اب سوال یہ ہے کہ ایک مسجد کا پیسہ دوسری مسجد میں خزانچی یا امین کا بغیر اجازت معطی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: حاجی اقبال احمد، سکریٹری،
علی مسجد، قصبہ: شیرکوٹ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو پیسے لوگوں نے علی مسجد کو امداد کے طور پر

دیئے ہیں، ان پیسوں کو علی مسجد ہی کے مصارف میں خرچ کرنا ضروری ہے، کسی دوسری مسجد پر ان پیسوں کا صرف کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر دوسری مسجد مالی اعتبار سے بہت کمزور ہے تو علی مسجد کی کمیٹی کے تمام افراد کے اتفاق سے دوسری مسجد کو دیا جا سکتا ہے، نیز اگر معطیین موجود اور متعین ہوں تو ان کو بھی خبر کر دی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۱۸۵، ڈابھیل ۱۴/ ۵۸۱)

وإن اختلف أحدهما بأن بنیٰ رجلان مسجدین أو رجل مسجداً ومدرسةً ووقف عليهما أوقافاً لايجوز له ذٰلک. (شامی، الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه زکریا٦/ ٥٥١، کراچی٤/ ٣٦٠، الفقه الإسلامی وأدلته، هدیٰ انٹر نیشنل ٨/ ٢١٨، دارالفکر ١٠/ ٧٦٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۴/۲۴ھ

کیا ایک مسجد کی رقم دوسری مسجد یا مدرسہ میں صرف کر سکتے ہیں؟

سوال: [۷۹۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے کچھ رقم مسجد کی تعمیر میں دی تھی لیکن اس مسجد کی خود اتنی آمدنی ہے کہ ضرورت سے زیادہ بچی رہتی ہے، کیا وہ رقم وہاں سے نکال کر کسی دوسری مسجد کی یا مدرسہ کی تعمیر میں لگائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالمعید قاسمی، اعجاز پریس، کلین، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر بینک سے ضائع ہونے کی بات نہیں ہے، تو دوسری مسجد یا مدرسہ میں صرف کرنا جائز نہیں ہوگا، البتہ اگر چندہ دہندگان سے رابطہ قائم کرنا

ممکن ہوتوان کی اجازت سے دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز ہوسکتا ہے، نیز مدرسہ میں صرف کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ مبوب/٦ ۵۳، جدید زکریا مبوب/ ۵۱۵،امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۹٦)

وإن اختلف أحدهما بأن بنیٰ رجلان مسجدین أو رجل مسجداً ومدرسةً ووقف عليهما أوقافاً لايجوز له ذٰلک. (شامی، الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه زکریا٦/ ٥٥١، کراچی٤/ ٣٦٠، الفقه الإسلامی وأدلته، هدیٰ انٹر نیشنل ٨/ ٢١٨، دارالفکر ١٠/ ٧٦٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر جمادی الاخریٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٦ ۱۸۴۱/۲)

ایک مسجد کی جانماز معطی کی اجازت سے دوسری مسجد میں دینا

سوال: [۷۹۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے مسجد میں چندہ دیا اس کی جانماز خریدی گئی اب اس جانماز کا استعمال اسی مسجد میں ہونا ضروری ہے جس کے واسطے اس نے چندہ دیا تھا، یا دوسری مسجد میں چندہ دہندگان کی اجازت سے استعمال کرنا درست ہے؟

المستفتي: مولانا ظہیر احمد، مفتی جامع العلوم، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد یا دینی ادارہ کی جانماز یا دوسری چیز جبکہ ایسے چندہ کی رقم سے خریدی گئی، جو اسی مسجد کے لئے خاص ہے اور چندہ دیتے وقت چندہ دہندہ نے دوسری مسجد میں تصرف کی صراحت نہیں کی ہے، اور وہ جانماز وغیرہ اسی مسجد کی ضروریات کے لائق بھی ہے، تو دوسری مسجد میں تصرف ناجائز ہے، اگر وقت اعطاء رقم دہندہ نے دوسری

مسجد میں تصرف کی بھی صراحت کردی تھی، تو جائز ہے بعد کی اجازت معتبر نہیں، کیونکہ ملکیت سے خارج ہو جانے کے بعد کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

وإنما تثبت ولاية الاستبدال بالشرط وبدون الشرط لاتثبت الخ.

(قاضیخان، الوقف، فصل فی مسائل الشرط فی الوقف، زکریا جدید۳/۲۱٤، وعلی هامش الهندية۳/۳۰۷، البحرالرائق، کوئٹه٥/۲۰٦، زکریا٥/۳٤٥، الموسوعة الفقهية الكويتية٤٤/۱۹۸)

وأجمعوا على أن الواقف إذا شرط الاستبدال لنفسه فی أصل الوقف يصح الشرط والوقف ويملك الاستبدال وأما بدون الشرط أشار فی السير أنه لايملك الاستبدال الخ. (قاضیخان، زکریاجدید۳/۲۱٤وعلی هامش الهندية۳/۳۰٦)

والملك يزول أی ملك الواقف فيصير الوقف لازماً للاتفاق على التلازم بين اللزوم والخروج عن ملكه الخ. (الردّ مع الدر، مطلب شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع کوئٹه ۳/۳۹٥، کراچی ٤/۳٤۳، زکریا٦/٥۲۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۳/۲۴)

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں استعمال کرنا

سوال: [۷۹۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صحن مسجد میں جو کنواں اور کمرہ تعمیر کیا گیا ہے، اس کی تعمیر میں ایک دوسری مسجد کے چوکے (اینٹیں)استعمال کی گئیں ہیں، جبکہ خود اس دوسری مسجد کا تعمیری کام ہو رہا ہے، لہٰذا شرعاً ایک مسجد کی اینٹیں دوسری مسجد کے غیر شرعی کام میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں براہ کرم مفصل ہر دو سوال

کا جواب با حوالہ تحریر فرمائیں؟

المستفتي:عبدالسلام،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امدادالفتاویٰ ۲/ ۵۴۹،فتاوی رشیدیہ قدیم /۵۳۳، جدید زکریا مبوب/۵۱۲،کفایت المفتی ۷/۶۲، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۲۳۵،وغیرہ میں صراحت موجود ہے، کہ صورت مذکورہ میں دوسری مسجد کے کام میں استعمال ناجائز ہے!

وإن اختلف أحدهما بان بنیٰ رجلان مسجدين أو رجل مسجداً أو مدرسة ووقف عليهما أوقافاً لايجوز له ذلک الخ. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه زكريا ٦/ ٥٥١، كراچی ٤/ ٣٦٠، الفقه الإسلامی وأدلته ، هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند٨/ ٢١٨، دارالفكر ١٠/ ٧٦٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ذیقعدہ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۹۶۴/۲۴)

پرانی مسجد کی جائیداد ورقم نئی مسجد میں لگانا

سوال: [۷۹۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پرانی مسجد کی جائداد ورقم نئی مسجد کی تعمیر میں لگانا صحیح ہے یانہیں؟

المستفتي: ربیع الحق،مرشدآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پرانی مسجد کی جائداد اور رقم اس کی ضرورت سے زائد ہے تو نئی مسجد میں اس کا اثاثہ لگانا جائز اور درست ہے۔(مستفاد: انوار رحمت/ ۱۳۹)

یصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامی، الوقف، مطلب فیما لوخرب المسجد أوغیره زکریا ٦/٥٤٩، کراچی ٤/٣٥٩، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/١٦١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۶/۶/۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۴۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۱۰ھ

الفصل الحادي عشر: اشیاء مسجد کا استعمال

مسجد میں موجود تاڑی کے درخت کی آمدنی کا مصرف

سوال: [۷۹۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی زمین میں یا قبرستان کی زمین میں جو تاڑی کا درخت ہوتا ہے، اس کی تاڑی جو بیچی جاتی ہے، اور اس سے جو آمدنی آتی ہے، اس رقم کو کیا کرنا چاہئے بتایا جائے یعنی یہ کہ مسجد وقبرستان کی تعمیر وغیرہ میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں یا سڑک کی نالی وغیرہ درست کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یا اس کے علاوہ کس مصرف میں لایا جاسکتا ہے؟

المستفتي: فیاض الدین، بہار شریف، نالندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تاڑی اور اس کی آمدنی کی حلت اور حرمت کا مدار اس میں نشہ ہونے اور نشہ نہ ہونے پر ہے، اگر نشہ دار نہ ہو صرف میٹھا عرق فروخت ہوتا ہو تو وہ جائز اور حلال ہے اسکی آمدنی اسی مسجد یا قبرستان کے اخراجات تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا ضروری ہے، اور اگر باقاعدہ اس میں نشہ آچکا ہے، تو حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور یہی مفتی بہ قول ہے، لہٰذا نشہ دار تاڑی کا کاروبار ہرگز نہ کیا کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ احیاء العلوم ۱/۲۳۰)

عن ابن عباس قال: حرمت الخمر بعينها قليلها وكثيرها، والسكر من كلّ شراب. (سنن النسائی، الاشربة، النسخة الهندية ۲/۲۸۳، دارالسلام رقم: ۵٦۹۵، السنن الكبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ۱۳/۸٦، رقم: ۱۷۸۹۲)

وحرمها محمدؒ أي الاشربة المتخذة من العسل والتين ونحوهما قاله المصنف مطلقا قليلها وكثيرها وبه يفتىٰ. (درمختار كتاب الاشربة، كراچی

٦/ ٤٥٤، زکریا ١٠/ ٣٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧؍صفر المظفر ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٤٦٦٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٧/٢/١٧ھ

کیا مسجد کی چیزوں کا استعمال عوام کیلئے جائز ہے؟

سوال: [٧٩٨٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک مسجد کا خادم ہوں یہ بازار کی مسجد ہے، نمازیوں میں اکثر دوکاندار حضرات ہیں ، دوکاندار مسجد کا بیت الخلاء استعمال کرتے ہیں، کچھ دوکاندار اپنے برتن بھی مسجد ہی میں دھوتے ہیں، محلّہ کے نمازیوں میں سے کچھ لوگ مسجد کا گرم پانی اپنے گھر پر لیجا کر استعمال کرتے ہیں، کچھ لوگ اپنے کپڑے مسجد میں ہی دھو لیتے ہیں، میں دریافت کرنا چاہتا ہوں ، کیا مسجد کی چیزیں عوام کیلئے جائز ہیں، کیا مسجد کی سیڑھی اسٹول وغیرہ لوگوں کو ان کے گھروں کے استعمال کیلئے دیا جاسکتا ہے، کیا مسجد کی چیزیں اجرت لے کر لوگوں کو کچھ وقت کے لئے دی جاسکتی ہیں، کیا انتظامیہ کے مانگنے پر بھی اجرت نہ دئے جانے پر انتظامیہ ذمہ دار ہے؟ جبراً اجرت نہ دینے پر انتظامیہ کیا کرے؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

المستفتي: ناصر پرویز، مسجد ترپولیہ، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) محلّہ کے لوگوں کا مسجد میں آ کر مسجد کے پانی سے غسل کرنا، کپڑے وغیرہ دھونا اور سردی کے زمانہ میں مسجد کا گرم پانی بالٹیوں میں بھر کر اپنے گھروں میں لے جانا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ یہ ساری چیزیں نمازیوں کیلئے وقف ہوتی ہیں، رفاہ عام کیلئے وقف نہیں ہوتیں اسلئے نمازیوں کیلئے نماز کے اوقات میں تو استعمال کرنا جائز ہے لیکن دیگر لوگوں کیلئے استعمال کی اجازت نہیں ہے، البتہ ہینڈ پائپ (ہتھی کانل) سے پانی لینا جائز ہے، اسلئے کہ ہینڈ پائپ (ہتھی کانل) سے پانی زمین سے نکلتا ہے،

جس کی کوئی قیمت نہیں، دریائی پانی کے مانند ہے۔

ولا یحمل الرجل سراج المسجد إلیٰ بیته . (عالمگیری، کتاب الصلوٰۃ ، الباب السابع فیما یفسد الصلوٰۃ ، الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ الخ، زکریا قدیم ۱/ ۱۱۰، جدید ۱/ ۱۶۹)

وإذارأی حشیش المسجد فرفعه إنسان جاز، إن لم یکن له قیمة فإن کان له أدنیٰ قیمة لایأخذہ إلا بعد الشراء من المتولی والقاضی أو أهل المحلة أو الإمام . (البحرالرائق، کتاب الوقف ، فصل فی احکام المسجد زکریا۵/ ۴۲۰)

(۲) مسجد کی اشیاء کا عام لوگوں کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر اس کے باوجود استعمال کرلیا تو اس مسجد کیلئے اس پر اجرت لازم ہوگی۔

فإن کان له أدنیٰ قیمة لایأخذہ إلابعد الشراء من المتولی والقاضی أو أهل المسجد أو الإمام . (البحرالرائق، زکریا ۵/ ۴۲۰، کوئٹه ۵/ ۲۵۱)

(۳-۴-۵) مسجد کی سیڑھی اور اسٹول وغیرہ لوگوں کے مانگنے پر ان کو عاریۃً نہیں دیا جا سکتا ہے، البتہ اجرت پر دیا جا سکتا ہے، اجرت کے بغیر دینا درست نہیں ہے، اور انتظامیہ کے مطالبہ کے باوجود اگر کوئی شخص اجرت ادا نہ کرے اور ظالمانہ رویہ اختیار کرے تو وہ شخص گنہ گار ہوگا، اور مسجد کی انتظامیہ اس کی ذمہ دار نہ ہوگی، جبکہ انتظامیہ کی طرف سے اجازت نہ ہو۔

سئل القاضی الإمام شمس الاسلام محمود الأوزجندی عن أهل المسجد تصرفوا فی أوقاف المسجد یعنی آجروا المستغل وله متول قال لا یصح تصرفهم ولکن الحاکم یمضی مافیه مصلحة المسجد. (عالمگیری، زکریا قدیم ۲/ ۴۶۳، جدید ۲/ ۴۱۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۷۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۴/۲۷ھ

مسجد کی دیوار میں تصرف کر کے دوکان بنانا

سوال: [۷۹۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد گھیر ملاملوک کی جنوبی دیوار بارہ فٹ اونچی اور چار فٹ چوڑی ہے اس دیوار میں آٹھ فٹ اونچی اور تین فٹ چوڑی ڈاٹ نکالکر ایک دوکان بنالی ہے، اس دیوار کے اوپری حصہ کو بالکل نہیں چھوا گیا ہے، اور نہ ہی مسجد کی چار دیواری میں تصرف کیا گیا صرف سڑک کی جانب سے ڈاٹ نکال کر اور دیوار کے ساتھ افتادہ زمین پر یہ دکان تعمیر کی گئی ہے، تاکہ مسجد کے مصارف میں کام آسکے کیا شرعی طور پر ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کی رو سے مفصل و مدلل جواب مطلوب ہے؟

المستفتي: خالد حسین صدیقی،
بازار گنج، شاداب مارکیٹ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب مسجد کی مسجدیت مکمل ہوگئی ہے، تو اب اس کی دیواروں پر تصرف کر کے دوکان وغیرہ بنانا جائز نہیں ہوگا، نیز اسکی دیوار پر دوسری عمارت کی کڑی رکھنا بھی جائز نہیں ہے، اگر چہ اس سے مسجد کو اجرت وغیرہ بھی ملتی ہو!

أما لو تمّتِ المسجدية ثم أرادالبناء منع (قوله) فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولوعلى جدار المسجد ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلًّا الخ. وفي الشامية وبه علم حكم ما يصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوع على جداره فإنه لا يحل ولو دفع الأجرة الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد كراچی ٤/٣٥٨، زكريا ٦/٥٤٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦، النهر الفائق ، الكتب

العلمية بيروت ۳/ ۳۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۷۲/۲۴)

مسجد کی چٹائی وغیرہ کا عیدگاہ میں استعمال کا حکم

سوال: [۷۹۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی چٹائی اور ٹاٹ کا عیدگاہ میں عید کی نماز ادا کرنے کیلئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں، اسی طرح مسجد کا مائک عیدگاہ میں تقریر اور نماز کیلئے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ، اصالتپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کی چٹائی اور فرش اسی طرح مسجد کا مائک وقف کرنے والے نے اگر خاص مسجد کیلئے وقف کیا ہے، تو اس کو عیدگاہ میں نماز وغیرہ کیلئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ معطی اور واقف کی غرض کے مطابق مسجد ہی میں استعمال کرنا واجب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱۶۳/۳، جدید زکریا ۹۳/۹، عزیز الفتاویٰ کراچی/۵۹۲، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲۰۴/۶، جدید ڈابھیل ۶۲۳/۴)

نیز اس طرح کی عبارت جس سے مذکورہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے ہندیہ میں ان الفاظ سے موجود ہے۔

وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلک إلیٰ إمام المسجد أو إلیٰ مؤذن المسجد فليس له ذلک إلا إذا كان الواقف شرط ذلک فی الوقف كذا فی الذخيرة. (هنديه، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد الخ، زكريا قديم ۴۶۳/۲، جديد ۴۱۳/۲، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ۱۳۷/۹، رقم: ۱۱۳۸۱، تاتار خانية زكريا

۸/۱۷۵، رقم: ۱۱۵۵٤)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة . (شامی، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة کراچی ٤/٤٤٥، زکریا٦/٦٦٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۵۰/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۱ھ

مسجد کی صفوں اور لاؤڈ اسپیکر کو عیدگاہ میں لے جانا

سوال: [۷۹۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی صفوف اور لاؤڈ اسپیکر کا عیدگاہ میں استعمال کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: عبدالمعید قاسمی، آزاد نگر، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: جب صفیں اسی مسجد کیلئے وقف کی گئی ہیں تو ان وقف شدہ صفوں کو عیدگاہ میں منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔

ولا يجوز نقله ونقل ماله إلىٰ مسجد آخر الخ. (شامی، کتاب الوقف مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره کراچی ٤/٣٥٨، زکريا٦/٥٤٨، البحرالرائق، کوئٹه ٥/٢٥١، زکرياه/٤٢١، خلاصة الفتاویٰ اشرفيه ديوبند ٤/٤٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۷۹/۲۸)

متولی یا عوام کا مسجد کا موٹر چلا کر ذاتی طور پر پانی استعمال کرنا

سوال: [۷۹۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید

ایک مسجد کا متولی ہے، باجازت متولی ایک ہندو مسجد کے اندر جا کر موٹر چلاتا ہے، اور مسجد کا پانی اپنے استعمال میں لاتا ہے، کیا متولی کو ایسی اجازت دینا اور کسی ہندو کو مسجد کے اندر جانا اور مسجد کا پانی استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد حسین، دولت باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متولی اور ذمہ داران کیلئے ہندو یا مسلمان کو مسجد کا موٹر چلا کر ذاتی طور پر پانی استعمال کرنے کی اجازت دینے کا حق نہیں، ہاں البتہ موٹر استعمال کرنے میں جو خرچ ہوتا ہے وہ اگر ہندو یا وہ مسلمان ادا کر دیتا ہے، تو متولی کیلئے اجازت دینے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۱۷۸، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۶۵۵)

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لاتمنعوا فضل الماء . الحدیث:

(مسلم شریف، کتاب المساقاۃ ، باب تحریم بیع فضل الماء الذی یکون بالفلاۃ ، النسخة الهندية ۲/ ۱۹، بیت الافکار، رقم: ۱۵٦٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱/۱۸ھ

ذاتی ضرورت کیلئے مسجد کی لائٹ پنکھا وغیرہ استعمال کرنا

سوال: [۷۹۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی لائٹ پنکھے اور دیگر چیزیں اپنی ذاتی ضرورت کیلئے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد شریف، محلّہ رانڈ، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی لائٹ پنکھے اور دیگر چیزیں اپنی ذاتی ضرورت کیلئے استعمال کرنا ممنوع ہے۔ (مستفاد فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۹٦) جدید ڈابھیل ۱۴/ ٦۲۴)

متولی المسجد لیس له أن یحمل سراج المسجد إلیٰ بیته. (هندیه، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی زکریا قدیم ۲/۴۶۲، جدید ۲/۴۱۳، فتاویٰ قاضی خان، باب الرجل یجعل داره مسجداً جدید زکریا ۳/۲۰۵، وعلیٰ هامش الهندیة زکریا ۳/۲۹۴، تاتار خانیة زکریا ۸/۱۶۹، رقم: ۱۱۵۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۸۱/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۱۹ھ

مسجد کی بجلی کے بل کی ادائے گی کرنے والے کا اپنے گھر میں کنکشن لینا

سوال: [۷۹۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مسجد کی بجلی کا بل دیتا ہے، یعنی جتنا بل آجائے وہی شخص دیتا ہے، کیا وہ بجلی مسجد میں سے اپنے گھر میں لے سکتا ہے یا نہیں؟ بجلی لینا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

المستفتي: عبد الستار، بچھرایوں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مسجد کا کوئی نقصان نہیں ہے، اور اسمیں حکومت کی طرف سے کوئی مخالفت نہیں اور یہ قانونی جرم بھی نہیں ہے، تو بجلی کا کنکشن لینا جائز ہوگا جبکہ پورا بل ادا کر دیا جائے، اور اگر قانوناً جرم ہے تو اس سے احتراز لازم ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلاَ تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَىٰ التَّهْلُكَةِ، الآیة: (البقرة: ۱۹۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍جمادی الأولی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۵/۱۲ھ

مسجد کا کولر بیچ کر بجلی کا بل ادا کرنا

سوال: [۷۹۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں گل پورہ میں ایک مسجد ہے، جو ہمارے باپ دادا کی بنوائی ہوئی ہے، اور اس میں گاؤں کے سبھی لوگ نماز پڑھتے تھے، اسی دوران ایک صاحب ایک کولر مسجد کے لئے دے گئے تھے، لیکن کچھ حالات بگڑنے کی وجہ سے ہم لوگوں نے اس مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد بنانے کا ارادہ کرلیا ہے، اور مسجد کا بجلی کنکشن ہم لوگوں کے نام تھا، اور ہم لوگوں نے مشورہ کرکے بجلی کے کنکشن کا بل ادا کرنے کے پیسے مانگے وہ لوگ دینے سے منع کرتے ہیں، اس وجہ سے وہ کولر ہمارے قبضہ میں ہے اور اس بل کی قیمت تقریباً ۴ر ہزار روپیہ ہے، تو اس کولر کو بیچ کر اسکی رقم کو بل کے ادا کرنے میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: زاہد حسین، مناظر حسین، گل پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مسجد کے اس کولر کو بیچ کر بل ادا کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ واقف نے نمازیوں کی راحت رسانی کیلئے کولر کو وقف کیا ہے، نہ کہ بیچ کر بل ادا کرنے کیلئے، لہٰذا آپ لوگ بل والے روپیہ کے سلسلہ میں کمیٹی والوں سے بات کریں، لیکن مسجد کے کولر کو بیچنے کی اجازت نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/۱۴۸، جدید ڈابھیل ۱۴/۲۷۴، احسن الفتاویٰ ۶/۴۵۰)

شرط الواقف كنص الشارع. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف كنص الشارع، کراچی ٤/٤٣٣، زکریا ٦/٦٤٩)

لايباع ولايوهب . (شامی، الوقف، مطلب متی ذکر الواقف شرطین متعارضتین الخ، کراچی ٤/٤٤٤، زکریا ٦/٦٦٣)

لو باعوا غلة المسجد الأصح أنه لا يجوز. (فتاویٰ عالمگیری،

الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی زکریاقدیم ۲ /۶۳ ٤، جدید ۲ /٤۱٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۶۴/۳۵)

مقروض مسجد میں پانی گرم کرنے کیلئے گیزر لگوانا

سوال: [۷۹۹٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد تقریباً اٹھانوے ہزار روپیہ کی مقروض ہے، بجلی کا بل سالوں سے ادانہیں ہوسکا ہے، تو ایسے حالات میں مسجد میں پانی گرم کرنے کیلئے گیزر لگوانا اور اس طرح نمازیوں کو گرم پانی فراہم کر کے مسجد کو مزید زیربار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اس مسجد میں نماز پڑھنے والے نمازیوں کی نماز میں مسجد کے مقروض ہونے سے کوئی کراہت تو نہیں اس کے شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: ایم محبوب، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مسجد مقروض ہے گیزر سے پانی گرم کر کے مسجد کو مزید مقروض کردینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر کوئی صاحب خیر اپنی جیب سے اس کا خرچہ برداشت کرلے تو گنجائش ہے، ورنہ جائز نہ ہوگا اور ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھ لیا کریں۔

عن عمر بن یحیٰ المازنی عن أبیه أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: لاضرر ولا ضرار. (مؤطا امام مالکؒ، کتاب القضاء، القضاء فی الرفق، النسخة الهندیه/۱ ۳۱۱)

لاضرر ولا ضرار، الحدیث: (الاشباه، قدیم /۱۳۹)

اوراب تک جومحلّہ والوں نے گیز رچلا کر بل میں اضافہ کیا ہے، اس کا خرچہ محلّہ والوں پر لازم ہے، اور جب محلّہ والے بل ادا کردیں گے تو ان کی نماز بھی کراہت سے محفوظ ہوجائیگی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرىٰ، الأية: (الانعام: ١٦٤، الاسراء ١٥، الفاطر: ١٨، الزمر: ٧، النجم: ٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر شعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳ر ۵۴۲۴)

مسجد کا سامان غصب کرنے کا حکم؟

سوال: [۷۹۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کا کچھ سامان وہاں کے لوگوں نے اپنے صرفہ میں لے لیا ہے، اب وہ لوگ اس سامان کو یا اسکی قیمت کو دینا نہیں چاہتے، تو ایسے لوگوں کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے، اور ان لوگوں پر اس سامان کا واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ جواب باصواب سے نوازکر عنداللہ ماجور ہوں؟

المستفتي: محمد یوسف، موضع شاہ نگلا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کا سامان اپنے صرفہ میں لانا ناجائز اور حرام ہے، مسجد کا سامان ان لوگوں سے واپس لینا ضروری ہے، اور اگر سامان موجود نہ ہو تو قیمت وصول کی جائے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۵۹، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۱۶، امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۷۲، فتاویٰ رشیدیہ، قدیم/ ۵۳۳، جدید زکریا/ ۵۱۲)

وفي الحاوی ویفتی بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه وكذا كل ماهو أنفع للوقف الخ. (البحر الرائق، كتاب الوقف زكريا ٥/ ٣٩٦، كوئٹه ٥/ ٢٣٧)

أما الوقف فقد قال فی الذخیرة : الغاصب إذا غصب الدار الموقوفة فهدم بناء الدار وقطع الأشجار للقیم أن یضمنه قیمة الأشجار والنخیل والبناء إذا لم یقدر الغاصب علی ردها ویضمن قیمة البناء مبنیًا وقیمة النخیل نابتاً فی الأرض لأن الغصب ورد هکذا (وقوله) ولم یفصل فیه بین المسجد وغیره من الوقف الخ. (شامی، کتاب الغصب مطلب فیما لوهدم حائط، مطبوعه کوئٹه ۵/۱۲۷، کراچی ٦/۱۸۱، زکریا ۹/۲٦۵، هندیه زکریا قدیم ۲/٤٤۸، جدید ۲/٤۰٤، المحیط البرهانی، المجلس العلمی بیروت ۹/۱۰۸، رقم: ۱۱۲۹، تاتارخانیة،زکریا۸/۱٤۰، ۱٤۱، رقم: ۱۱٤٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۳/۸۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹ رمضان ۱۴۰۸ھ

غیر شرعی مسجد کا ملبہ اپنے کام میں لانا

سوال: [۷۹۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک پلاٹ ۱۵×۳۰ فٹ کا دوکان کیلئے سرکاری کرایہ پر الاٹ ہے جن صاحب نے کرایہ پر اپنے نام الاٹ کرایا، انھوں نے اپنے خرچہ سے اس کو تعمیر کرا کر اگلے حصہ میں دوکان اور پچھلے حصہ میں نماز قائم کرائی وہاں جماعتیں بھی ٹھہرتی تھیں پنج وقتہ نمازیں بھی ہوتی تھیں، رمضان میں تراویح بھی ہوتی تھی، اب وہ جگہ تقریباً دس سال سے بند ہے، کوئی نماز وغیرہ کا سلسلہ نہیں ہے، اس میں کوئی پیسہ چندہ سے نہیں لگا تھا، اب وہ شخص اپنا ملبہ فروخت کر رہے ہیں جبکہ زمین گورنمنٹ سے کرایہ پر ہے، تو اس کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور خریدنے والے کو اس میں رہائش اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی ابرار احمد، لائن مین، نئی کالونی، کالاگڈھ پوڑی گڑھوال، اترا کھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ کے انداز سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ جس حصہ پر نماز پڑھی جارہی تھی، اس کو باضابطہ مسجد نہیں بنایا گیا اور نہ اس کو مسجد بنانے کا حق تھا، بلکہ عارضی طور پر نماز کیلئے عبادت خانہ کے طور پر بنایا گیا تھا، جیسا کہ بڑے بڑے فرموں اور فیکٹریوں میں بھی یہ سلسلہ اور دستور ہے کہ عارضی طور پر فرم کے کسی ایک حصہ کو نماز کیلئے خاص کر لیتے ہیں، اس میں شرعی مسجد کا ارادہ نہیں ہوتا ہے بلکہ پنجوقتہ نماز اس میں پڑھنا مقصد ہوتا ہے، ایسی جگہ مسجد نہیں بنتی ہے، جب چاہے اسے توڑ کر یا اسی حالت میں اسے دوسرے کام میں لانا جائز ہے، لہٰذا سوالنامہ میں بھی یہی صورت معلوم ہوتی ہے، لہٰذا اس جگہ کے ملبہ کو اپنے دوسرے کام میں لانا یا اس کو فروخت کرنا بلاشبہ جائز ہوگا۔

أو يرضىٰ المؤجر عطفاً على يغرم بتركه أى البناء والغرس فيكون البناء والغرس لهٰذا والأرض لهٰذا وهذالترك إن بأجر فإجارة وإلا فإعارة فلهما أن يؤاجراهما لثالث ويقسما الأجر على قيمة الأرض بلا بناء وعلى قيمة البناء بلا أرض فيأخد كل حصّته. (شامی، کتاب الاجارة، باب مايجوز من الاجارة کراچی ٦/٣١، زکریا ٩/٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/٧٦٥٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۱۹ھ

مسجد میں آئی مٹھائی و پھل کا استعمال

سوال: [۷۹۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کچھ مٹھائی لیکر مسجد میں دیکر چلا آیا زید نے کس نسبت سے دی ہے یہ کسی کو معلوم نہیں تو اس مٹھائی کو کیا لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے، یا اس کو بیچ کر مسجد میں دیا جائے۔

فاطمہ نے ارادہ کیا کہ ہمارے پیڑ کے پہلے پھل جو ہوں گے، مسجد میں دونگی اس کے بعد فاطمہ نے اس پھل کو مسجد میں دیدیا اب اس کو مصلی یا امام یا مؤذن صاحب کھا سکتے ہیں یانہیں؟ اگر کھا سکتے ہیں، تو کس شکل میں کھا سکتے ہیں، قیمتاً یا بغیر قیمت کے اگر نہیں کھا سکتے تو اس پھل کو کیا کیا جائے؟

المستفتي: حسیب محمد حسین، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ کھانے پینے کی اشیاء جو مسجدوں میں بھیجی جاتی ہیں، وہ نمازیوں کے کھانے کیلئے بھیجتے ہیں، اور پیڑ کا پہلا پھل اور مرغی کا پہلا انڈا نمازیوں کو کھلا کر برکت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں سارے نمازی اس کو کھا سکتے ہیں، اور کسی کام کے رک جانے کی وجہ سے یوں نذر مانی ہے کہ اگر فلاں کام ہو جائیگا، تو مسجد میں فلاں کھانے کی چیز دونگا، تو ایسی چیز غریب اور فقیر نمازی کھا سکتے ہیں، اور اگر کھانے کی چیز نہیں ہے، تو اس کو یا اس کی قیمت کو مسجد کی ملکیت میں دیدینا لازم ہوگا، کیونکہ غیر ماکول اشیاء نمازیوں کیلئے نہیں بھیجی جاتیں بلکہ صرف مفاد مسجد کیلئے بھیجی جاتی ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/ ۱۳۴، ۱۲/ ۱۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۱۳ھ

شادی میں مسجد کی ٹنکی کا پانی استعمال کرنا

سوال: [۸۰۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شادی بیاہ کے موقع پر کھانا پکانے کیلئے مسجد کی ٹنکی کے پانی کا استعمال جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: عارف حسین، اصالت پورہ، مرد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسجد کی ٹنکی کا پانی مسجد ہی کے لئے خاص ہے شادی بیاہ کیلئے اس کا استعمال کرنے سے مسجد کی چیز کو دوسرے مقاصد میں لگانا لازم آئے گا، لہٰذا اگر کسی کو مسجد کی ٹنکی کے پانی کی ضرورت ہو تو مسجد کو اس کا کرایہ دے کر کے پانی استعمال کرنا چاہئے، بغیر کرایہ کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

ولا يحمل الرجل سراج المسجد إلىٰ بيته. (هنديه، كتاب الصلوٰة قبيل الباب الثامن فى صلوٰة الوتر زكرياقديم ۱/ ۱۱۰، جديد ۱/ ۱٦۹، بزازيه، كتاب الوقف، فصل فى المسجد ٦/ ۲۷۰ جديد ۳/ ۱٤٤)

وليس لمتولى المسجد أن يحمل سراج المسجد إلىٰ بيته. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل ومن بنى مسجداً لم يزل ملكه كوئٹه ٥/ ۲٥۰، زكريا ٥/ ٤۲۰، هنديه، الباب الحادى عشر فى المسجد الفصل الثانى زكريا قديم ۲/ ٤٦۲، جديد ۲/ ٤۱۳، قاضى خان باب الرجل يجعل داره مسجداً جديد زكريا ۳/ ۲۰٥، وعلىٰ هامش الهندية زكريا ۳/ ۲۹٤، تاتار خانية زكريا ۸/ ۱٦۹، رقم: ۱۱٥۳٥)

ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل . (هنديه، كتاب الوقف، الباب الخامس فى ولاية الوقف زكريا قديم ۲/ ٤۱۹، جديد ۲/ ۳۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۱۱/ ۱۴۳۲ھ

مسجد کے پڑوسیوں کا مسجد سے پانی بھرنا

سوال: [۸۰۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے پڑوسیوں کا مسجد سے پانی بھرنا کیسا ہے؟

المستفتي: عبدالمعید قاسمی، آزادنگر، ہلدوانی ضلع: نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :اگرکنواں مسجد کے حدود سے باہر ہے،تو سب لوگ پانی بھر سکتے ہیں ،اوراگرحدودمسجد کے اندر ہوتو عورتوں اوربچوں کووہاں سے پانی بھرنا جائزنہیں ہے اسلئے کہ یہ حرمت مسجد کے خلاف ہے،کنویں کے پانی سے کسی کوروکنا ممنوع ہے، ہاں البتہ سرکاری نل کا پانی ہے اوراس کی فیس منجانب مسجدادا کرنی پڑتی ہے، تو محلّہ والوں کواس میں سے پانی بھرنا جائزنہیں ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۱۶۰، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۲۳۶)

ولا بأس أن يشرب من الحوض والبئر ، ويسقي دابته، ويتوضأ منه .

(البحرالرائق، کتاب الوقف ، فصل فی أحکام المسجد زکریا ۵/ ۴۲۷، کوئٹه ۵/ ۲۵۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۹)

مسجد کا لوٹا لیکر مدرسہ میں وضو کرنا

سوال: [۸۰۰۲]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا لوٹا لیکر مدرسہ میں وضوکرنا اورپانی پینا جائز ہے یانہیں؟

المستفتي:اشرف الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:اگرمسجد ومدرسہ دونوں کے ذمہ دارالگ الگ ہیں اوردونوں کا چندہ بھی الگ الگ آتاہے،تومسجد کا لوٹامدرسہ میں استعمال کرنا جائزنہیں ہے۔

وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلىٰ إمام المسجد أو (إلىٰ غيره) مؤذن المسجد فليس له ذلك إلا إذا كان الواقف شرط ذلك في الوقف الخ. (ھندیه، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ، الفصل

الثانی فی الوقف علی المسجد زکریا قدیم ۲/ ٤٦٣، جدید ۲/ ٤١٣، المحیط البرهانی، المجلس العلمی بیروت ۹/ ۱۳۷، رقم: ۱۱۳۸۱، تاتار خانیة زکریا ۸/ ۱۷۵، رقم: ۱۱٥٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۰۷)

مسجد میں لگے درخت کا پھل کھانا

سوال: [۸۰۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ استاذی جناب مفتی صاحب دامت برکاتہم فتاوی رشیدیہ میں ہے کہ، جو درخت کسی نے مسجد میں نمازیوں کے کھانے کو لگایا ہو، اس میں سے کھانا درست ہے، مگر اس مسئلہ کے بارے میں عالمگیری کی عبارت اس طرح ہے۔

مسجد فیه شجرة تفاح للقوم أن یفطر بهذا التفاح قال الصدر الشهید المختار أنه لایباح کذا فی الذخیرة . (الهندیه ، ۲/ ٤٧٧)

تاتارخانیہ ۵/ ۱۸۷۶ اور شامی میں یہ ہے:

لو غرس شجرة للمسجد فثمر تها للمسجد. (شامی ، باب احکام المسجد ٤، کراچی/ ٤٤٤)

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ نمازیوں کیلئے مسجد سے لگائے گئے درخت کا پھل کھانا درست نہیں ہے، جس میں لگانے والے کی نیت کا کچھ تذکرہ نہیں ہے اگر فتاویٰ رشیدیہ کے مطابق کوئی عربی جزئیہ ہوتو امید ہیکہ جوابی خط میں رقم فرمائیں گے، اور اس بارے میں فتویٰ کیا ہے، وہ تحریر کریں گے مذکورہ مسئلہ فتاویٰ رشیدیہ جو رحیمیہ سے چھپی ہے اس میں /۴۱۴، پر مسجد کے پھل دار درخت کے حکم کے عنوان سے لکھا ہے یہ خط میں ایک ادنیٰ شاگرد عبد السلام معماری سے لکھ رہا ہوں؟

المستفتي: عبد السلام غفرلہ، بردوان، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فتاویٰ رشیدیہ کے موافق عربی عبارت ذیل میں درج ہے:

أما غرس في المسجد من الأشجار المثمرة إن غرس للسبيل وهو الوقف على العامة كان لكل من دخل المسجد من المسلمين أن يأكل منها وإن غرس للمسجد لايجوز صرفهاإلا إلىٰ مصالح المسجد الأهم فالأهم كسائر الوقوف. (البحر الرائق، كتاب الوقف، زكريا٥/٣٤٢، كوئٹه ٥/٢٠٥، درمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب استأجر داراً فيها اشجار كراچی٤/٤٣٢، شامی، زکریا ٦/٦٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍ ۵۵۵۴)

مسجد کی دیوار پر اپنے گھر کا بھیم یا لینٹر رکھنا

سوال: [۸۰۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کے دکھن طرف عام راستہ ہے جو مغرب سے مشرق یا مشرق سے مغرب کو جاتا ہے، اس راستہ کے دکھن طرف رہائشی مکانات ہیں، مسجد کے بالکل پڑوس میں جو مکان ہے اس کی بالائی منزل کی تعمیر اس طرح کی گئی ہے کہ مسجد کی دیوار پر اور اپنے مکان کی دیوار پر بھیم اور لینٹر ڈال کر راستہ کو پاٹ دیا گیا ہے، اس پر دو منزلہ تعمیر کی گئی ہے، اس پر ایک عالم صاحب نے ہی جواب دیا کہ مسجد مس ذاتی تصرف کسی بھی شخص کیلئے جائز نہیں کیونکہ مساجد وقف ہوتی ہیں، مسجد کی دیوار پر دو منزلہ عمارت تعمیر ہوگئی ہے اسلئے نقصان سے بچانے کیلئے یہ راستہ اختیار کیا جائے، کہ اتنی جگہ کا مناسب کرایہ اہل محلّہ اپنی صوابدید پر طے کر دیں اور اس آمد کو مسجد کے صرفہ میں استعمال کریں، تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس طرح کرایہ لیکر معاملہ ختم

کیا جائے تو کیا ایسا کرنا دوسری مساجد کیلئے نظیر ثابت نہیں ہوگا، دوسرے حضرات تو اس سے بہت آگے کی حدیں پار کرجائیں گے، یہاں تک کہ مسجدوں کو ہی گھروں کے طور پر استعمال کرنے لگیں گے یہاں تک کہ مسجد کی دیوار پر سے اس کے بھیم اور لینٹر کو ہٹایا جائے ؟

المستفتي: جمیل احمد قاسمی، بازار پہاڑ دروازہ، قصبہ نگینہ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی دیوار پر کسی شخص کو بھی اپنے گھر کا بھیم یا لینٹر رکھنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے، اور جو دومنزلہ عمارت مسجد کی دیوار پر بنائی گئی ہے اس کا کرایہ بھی اہل مسجد کو لینا جائز نہیں ہے، بلکہ اس دومنزلہ عمارت کو فوراً توڑ کر وہاں سے بھیم اور لینٹر الگ کرلیا جائے، ورنہ سخت گنہگار ہوں گے۔

فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولا يجوز أخذ الأجرة منه.

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد كراچی ۳۵۸/۴، زكريا ۵۴۸/٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹٦/۱۲)

وبه علم حكم مايصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوعه على جداره فإنه لايحل ولو دفع الأجرة. (شامی، كراچی ۳۵۸/۴، زكريا ۵۴۸/٦)

ولا يوضع الجذع على جدار المسجد وإن كان من أوقافه.

(البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل ومن بنى مسجداً لم يزل ملكه زكريا ۴۱۹/۵، كوئٹہ ۲۵۰/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۷۴۹/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۴/۱۴۱۷ھ

۱۲/ الفصل الثاني عشر: مسجد کی رقم کا دوسری جگہ استعمال

مسجد کا سامان عیدگاہ کیلئے استعمال کرنے کا حکم

سوال: [۸۰۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد وعیدگاہ کی انتظامیہ کا آمد وصرف علیحدہ ہونے کی صورت میں مسجد کی صفیں ولوٹا و مائک وغیرہ جملہ سامان عیدین کی نماز کیلئے عیدگاہ لیجانے کا کیا حکم ہے، جبکہ عیدگاہ کے قیام سے ہی ایسا ہوتا آرہا ہے، اگر درست نہیں ہے، تو کیا مسجد کی انتظامیہ عاریۃً یا واجبی اجرت پر مذکورہ بالا سامان دے سکتی ہے، حالانکہ اجرت پر دینے کا رواج نہیں ہے؟

المستفتي: حمید الرحمٰن، ساکن رسول پور، کھیری لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی دریاں لوٹا، مائک، جملہ سامان عیدین کی نماز کیلئے عیدگاہ لیجانا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ مسجد کی انتظامیہ یہ سب سامان کرایہ پر دے سکتی ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۱۰۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۸۰، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۲۰۴، ۱۵/ ۲۳۶، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۶۲۳، ۶۵۳)

متولی الوقف إذا أسكن رجلاً بغير أجر ذكر هلال أنه لاشئی علی الساكن وعامة المتأخرين من المشائخ أن عليه أجر المثل سواء كانت الدار معدة للاستغلال أولم تكن. (التاتارخانية، زكريا۸/ ۷۰، رقم: ۱۱۲۳۹، هنديه، كتاب الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف الخ، زكريا قديم ۲/ ۴۲۰، جديد۲/ ۳۸۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ۷/ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۳۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

مسجد کی چیزیں عیدگاہ یا دیگر دینی امور میں استعمال کرنا

سوال: [۸۰۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے فرش مائک وغیرہ عیدگاہ میں استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور دیگر دینی امور میں استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد یونس علی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے فرش، مائک وغیرہ عیدگاہ اور دوسرے امور دینیہ میں استعمال کرنا واقف کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے، ہاں البتہ کرایہ دیکر گنجائش ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/۱۰۸، جدید زکریا مطول ۱۰/۱۸۰)

لایجوز نقله ونقل ماله إلیٰ مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه أولا. (رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أوغیره کراچی ٤/٣٥٨، زکریا٦/٥٤٨، البحرالرائق، کوئٹه٥/٢٥١، زکریا٥/٤٢١، خلاصة الفتاویٰ اشرفیه دیوبند٤/٤٢٤)

لاتجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل. (الهندیه، الباب الخامس فی ولایة الوقف الخ، زکریا قدیم٢/٤١٩، جدید٢/٣٨٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۴/۱۴۱۸ھ

مسجد کے نام پر چندہ کرکے مدرسہ کے اساتذہ کو تنخواہ دینا

سوال: [۸۰۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مسجد کے نام پر چندہ کرکے اس سے مدرسہ کے اساتذہ کو تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ دلائل سے

وضاحت فرما کرشکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتی: نورالامین، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے نام پر چندہ کر کے اس پیسے سے مدرسہ کے اساتذہ کو تنخواہ دینا جائز نہیں ہے، لیکن امام ومؤذن کی تنخواہ مسجد ہی کے اخراجات میں شامل ہے، اس لئے امام ومؤذن کی تنخواہ دینا جائز ہے، ہاں البتہ اگر مسجد کے زیر انتظام مکتب چلتا ہے، تو مکتب کا سارا خرچہ مسجد ہی کے ضمن میں آتا ہے، اس لئے مکتب کے استاذ کی تنخواہ مسجد کے اخراجات میں شامل ہونے کی وجہ سے مسجد کے فنڈ سے دینا جائز ہے۔

قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ماإذاكان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتاوىٰ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه زکریا دیوبند ٦/٥٥١، کراچی ٤/٣٦٠، ٣٦١)

أی مصالح المسجد يدخل فيه المؤذن والناظر ويدخل تحت الإمام الخطيب لأنه إمام الجامع. (شامی، کتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها، کراچی ٤/٣٦٧، زکریا دیوبند ٦/٥٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۰۳۸/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۵/۱۶ھ

مسجد کے نام سے چندہ کر کے مدرسہ میں صرف کرنا

سوال: [۸۰۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مسجد کے نام پر چندہ کر کے مدرسہ کی ضروریات میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے صریح جزئیات نقل فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: نورالامین، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے نام سے چندہ کر کے مدرسہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح مدرسہ کے نام سے چندہ کر کے مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر مسجد کے زیر انتظام مسجد ہی میں مکتب بھی چلتا ہے، تو مکتب کا خرچہ مسجد کے پیسے سے چلانا جائز ہے، اس لئے کہ مکتب مسجد کے ضمن میں ذیلی طور پر چلتا ہے، مستقل نہیں ہے، اسی طرح مدرسہ کے زیر انتظام مدرسہ ہی کی مسجد بھی ہے، تو مدرسہ کے چندہ کے پیسے سے مسجد کا خرچ چلانا بھی جائز ہے، اس لئے کہ مسجد مدرسہ کے ضمن میں شامل ہے، مستقل الگ سے نہیں ہے، اوراس طرح کا معاملہ مسلمانوں میں رائج اور متعارف ہے۔

قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ماإذاكان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتاوىٰ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه زكريا ديوبند ٦/٥٥١، كراچی ٤/٣٦٠، ٣٦١)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (عقود رسم المفتی، دارالکتاب دیوبند/١٥٣، قواعدالفقه، اشرفی /٧٤، رقم:١٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۰۴۰/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۵/۱۶ھ

مسجد کے نام سے چندہ کر کے مدرسہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: [۸۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد مدرسہ کے ضمن میں ہے جیسا کہ شاہی مسجد، مدنی مسجد، تو اب سوال یہ ہے کہ اس مسجد کے نام پر چندہ کر کے اس پیسے کو مدرسہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر اس مدرسہ کا کوئی مدرس اس مسجد کے نام پر چندہ کر کے حاصل شدہ رقم سے اپنی تنخواہ وصول کرلے تو

اس طرح مسجد کے نام پر چندہ شدہ رقم سے تنخواہ لینا مدرس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ جب مدرس صاحب اس پیسے سے تنخواہ وصول کرتے ہیں، تو وہ پیسے مدرسہ میں بالکل جمع نہیں کرتے؟

المستفتي: محمد عبدالستار، جلپائی گوڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے ماتحت اوراس کی زمین میں جو مسجد بنی ہوتی ہے، آمدنی اور خرچ کے اعتبار سے وہ مدرسہ کے تابع ہوتی ہے، اس کے خرچہ اور اخراجات کے لئے الگ سے چندہ کر کے ضرورت پوری کی جاسکتی ہے، اوراس کی گنجائش ہے، کہ مدرسہ کے نام سے جو چندہ آتا ہے، اس کے ذریعہ اس مسجد کی ضروریات پوری کی جائیں اسی طرح جو مدرسے اور مکتب کسی مسجد کے ضمن اور ماتحت میں چلتے ہوں، اس کا خرچہ اور اخراجات مسجد کی آمدنی کے ذریعہ سے پورا کرنا جائز ہے، لیکن چندہ کرنے والے کے لئے چندہ کا پیسہ دفتر میں یا ذمہ دار کے پاس جمع کئے بغیر اپنے طور پر اس میں سے اپنی تنخواہ وصول کر لینا اس کیلئے جائز نہیں ہے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ پہلے دفتر یا ذمہ دار کے پاس جمع کردے، اس کے بعد اپنا مشاہرہ وصول کرے۔

والذی یبدأ بہ من ارتفاع الوقف: أی من غلتہ – عمارتہ شرط الواقف أولا، ثم ماہو أقرب إلی العمارۃ وأعم للمصلحۃ کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسۃ یصرف إلیہم إلیٰ قدر کفایتہم ثم السراج والبساط کذلک إلیٰ آخر المصالح. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: یبدأ بعد العمارۃ بما ہو أقرب إلیہا، زکریا ۵۶۰/۶، کراچی ۳۶۷/۳، ہندیہ، زکریا قدیم ۳۶۸/۲، جدید ۳۵۶/۲، البحرالرائق، زکریا ۳۵۶/۵، کوئٹہ۲۱۳/۵)

الوکیل إنما یستفید التصرف من المؤکل وقد أمرہ بالدفع إلیٰ فلان فلا یملک الدفع إلیٰ غیرہ کما لو أوصیٰ لزید بکذا لیس للوصی الدفع

إلیٰ غیره . (شامی، الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاءً، زکریا ۳/ ۱۸۹، کراچی ۲/ ۲٦۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۰۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ٦/ ۱۴۳٦ھ

مسجد کی مد سے مدرس کی تنخواہ دینا

سوال: [۸۰۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مدرس کو جو امامت بھی کرتا ہو اور امامت کی اجرت نہ لیتا ہو مسجد کی مد سے مدرس کی تنخواہ دی جاتی ہے جبکہ چندہ مسجد کے نام سے ہوتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد ریحان، اسرائیل، کالا گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرس کو مدرسہ کی تنخواہ مسجد کے مد سے دینا اس وقت درست ہے جبکہ مدرسہ مسجد کے نظام کے تحت چلتا ہو یا مسجد مدرسہ کے نظام کے تحت چلتی ہو اور دونوں کا نظام ایک ہی ذمہ دار کے ماتحت ہو۔

ویبدأ من غلته بعمارته ثم ماهو أقرب لعمارته کإمام مسجد ومدرس مدرسة یعطون ، وفی الشامیة: ثم ماهو أقرب إلیٰ العمارة وأعم للمصلحة . (الدرالمختار ، کتاب الوقف، مطلب یبدأ بعد العمارة بماهو اقرب إلیها کراچی ٤/ ٣٦٧، زکریا٦/ ٥٦٠)

الذی یبدأ من ریع الوقف عمارته، شرط الواقف أم لا، ثم إلیٰ ماهو أقرب إلیٰ العمارة وأعم للمصلحة کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة .

(هندیه، الباب الثالث فی المصارف زکریا قدیم ٢/ ٣٦٨، جدید ٢/ ٣٥٦، البحرالرائق،

زکریا ٥/٣٥٦، کوئٹہ ٥/٢١٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۱/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۵۰)

مسجد کی دو کانوں کی آمدنی مدرسہ کی تعمیر میں لگانا

سوال: [۸۰۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک زمین جو مدرسہ و مسجد کے نام وقف ہے، اسی زمین میں مدرسہ ہے اور اسی زمین میں مسجد ہے، مسجد میں جو امام نماز پڑھاتے ہیں، مدرسہ میں بھی وہی امام بچوں کو پڑھاتے ہیں، اور تنخواہ مسجد ہی سے دی جاتی ہے، اسی زمین میں مسجد کی دو کانیں ہیں، جس کا کرایہ آتا ہے، تو کیا ان دو کانوں کی آمدنی سے اس مدرسہ کی از سر نو تعمیر کرنا جائز ہے، جبکہ اس مدرسہ کا تعلق مسجد ہی سے ہے؟

المستفتي: محمد تسلیم راعینی، محمد وسیم قاسمی،
بازار کلاں، قصبہ منڈوار، ضلع: بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مدرسہ و مسجد دونوں کیلئے مخلوط طور پر وقف کیا ہے، تو دو کانوں کی آمدنی میں سے مدرسہ میں بھی اور مسجد میں بھی اور دونوں کی تعمیر میں بھی خرچ کر سکتے ہیں، اسلئے کہ یہ غرض واقف کے خلاف نہیں ہے۔

انهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشوال ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱۰/۱۴۱۷ھ

مسجد کی آمدنی دارالافتاء ومدرسہ کے مصارف میں لگانا

سوال: [۸۰۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک مسجد میں دارالافتاء قائم ہے، جس میں مفتی صاحب کی تنخواہ مسجد ہی کی آمدنی سے دی جاتی ہے، نیز اگر کتابیں خریدنے کی ضرورت ہوتو کتابیں بھی مسجد ہی کی آمدنی سے خریدی جاتی ہیں، الغرض دارالافتاء کے تمام مصارف، مسجد کی آمدنی سے ادا ہوتے ہیں، تو اس طرح مسجد کی آمدنی سے دارالافتاء کے مصارف ادا کرنا جائز ہے یانہیں؟ واضح ہوکہ دارالافتاء مسجد ہی کے تابع ہے، نیز مسجد کی آمدنی اتنی ہے کہ ان مصارف کا مسجد پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا ہے؟

نیز مسجد میں مدرسہ بھی چلتاہے، فی الحال تو مدرسین کی تنخواہ چندہ وصول کر کے ادا کی جاتی ہے، مسجد والے چاہتے ہیں، کہ مدرسین کی تنخواہ مسجد کی آمدنی سے ہی دی جائے مدرسہ مسجد ہی کے تابع ہے تو ایسا کرنا جائز ہے یانہیں؟

المستفتي: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب دارالافتاء اور مدرسہ دونوں مسجد ہی کے تابع ہیں، اور مسجد ہی کے خرچہ سے دارالافتاء اور مدرسہ قائم کیا گیاہے، اورسب چیزوں کا ذمہ دار فردواحد ایک ہی شخص ہے یاسب چیزوں کی ذمہ دار مسجد کی کمیٹی ہی ہے، اور مسجد ہی کی رسید سے سب کیلئے چندہ کیا جاتا ہے، اورالگ رسید کے ذریعہ سے الگ الگ چندہ کا انتظام نہیں ہے، اور مسجد کے الگ ذمہ داریا دارالافتاء کے الگ ذمہ دار نہیں ہیں، اور چندہ وغیرہ بھی صرف مسجد ہی کے نام سے ہوتا ہے، اوراسی سے سب کے اخراجات پورے ہوتے ہیں، اور اکثر چندہ دہندگان کواس کا علم بھی ہے، کہ منجانب مسجد، مسجد اور دارالافتاء اور مدرسہ کے سب کا خرچہ چلتاہے، تو ایسی صورت میں نہ دارالافتاء مسجد سے الگ ہےاور نہ ہی مدرسہ مسجد سے

الگ ہے، سب چیزوں کی آمدنی اورخرچہ مشترک طور پر جائز اوردرست ہے ہاں البتہ اگر دارالافتاء کے ذمہ دار مسجد سے الگ ہیں، یامدرسہ چلانے کا ذمہ دار مسجد سے الگ کوئی دوسرا ہے یادارالافتاء یامدرسہ کی رسیدیں مسجد سے الگ الگ ہیں، توایسی صورت میں مسجد کی آمدنی سے دارالافتاء اور مدرسہ کا خرچہ درست نہیں ہے۔(مستفاد: عزیز الفتاویٰ/۶۷۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۸/۸/۱۷۱، جدید ڈابھیل ۱۵/۵۴)

اتّحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه : لانهما حينئذ كشيئي واحد وفي الشامية: لآن غرضه إحياء وقفه وذلک يحصل بما قلنا. (شامی، کتاب الوقف، مطلب في نقل انقاض المسجد کراچی ٤/٣٦٠، زكريا٦/٥٥١)

أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلفت الجهة ، بأن بنىٰ مدرسة ومسجداً ، وعين لكلٍّ وقفا، وفضل من غلة أحدهما ، لايبدل شرط الواقف ، وكذا إذا اختلف الواقف لاالجهة ، يتبع شرط الواقف ، وقد علم بهذا التقرير إعمال الغلتين إحياء للوقف ورعاية شرط الواقف ، هذا هو الحاصل من الفتاوىٰ، وقد علم أنه لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر. (البحر الرائق، کوئٹہ ٥/٢١٦، زکریا ٥/٣٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۳۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۱۹ھ

مسجد کے فنڈ سے افطار کا انتظام کرنا

سوال: [۸۰۱۳]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان شریف میں مسجد کے مصلیوں کیلئے مسجد کے فنڈ سے افطار کا انتظام کرنا شرعاً جائز ہے یانہیں؟

درصورت مذکورہ افطار کا بندوبست کس طرح ہونا چاہئے؟

المستفتي: مسیح الرحمٰن قاسمی، ۲۴ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے فنڈ کو مسجد کی ضروریات میں ہی استعمال کرنا ضروری ہے، اسکے خلاف کرنیکی صورت میں منتظمہ کمیٹی پر ضمان واجب ہوگا۔

أهل المسجد تصرفوا، في أوقاف المسجد............! لایصح تصرفهم . (هنديه كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الثانى زكريا قديم ٢/ ٤٦٣، جديد٢/ ٤١٤)

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة . (شامى، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة كراچى ٤/ ٤٤٥، زكريا٦/ ٦٦٥)

ہاں اگر کمیٹی اور محلّہ والوں کی طرف سے آپس کے مشورہ سے یہ بات طے ہوجاتی ہے، کہ افطار وضیافت کا ایک فنڈ مقرر کرلیا جائے، اورلوگ بخوشی اسی فنڈ میں چندہ دیدیں تو اس پیسہ سے افطاری کا نظم کرنا جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵/ ۷/ ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۹۱)	۲۵/ ۷/ ۱۴۲۶ھ

مسجد یا مدرسہ کی رقم ذاتی تجارت میں لگانا

سوال: [۸۰۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام مسجد نے دو ہزار روپئے مسجد کی جمع میں سے اٹھائے اوران سے سامان خریدا اور ایک مہینہ بعد اس سامان کو بیچ دیا جس سے ۵۵۰/ روپیہ نفع ہوا، اور ایک مہینہ بعد مسجد کی رقم پھر مسجد کی جمع میں رکھدی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام مسجد کیلئے وہ نفع استعمال کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: رئیس احمد، قصبہ: منگلور،

محلّہ پٹھان پورہ، ضلع: ہری دوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد یا مدرسہ کی رقم امانت ہوتی ہے، ذمہ دار کیلئے اس رقم سے اپنی تجارت کرنا جائز نہیں ہے، یہ سخت خیانت ہے اس گناہ سے توبہ کرنا لازم ہوگا۔
(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۵۳۴، جدید زکریا/۵۱۳)

عن ابی ھریرة عن النبی صلی علیه وسلم قال: آیة المنافق ثلاث: إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف وإذا اؤتمن خان. (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب علامة المنافق ١/ ١٠، رقم: ٣٣)

ومقتضى ماقاله أبو السعود أنه يقبل قوله في حق براءة نفسه، لا في حق صاحب الوظيفة، لأنه أمين فيما في يده، فيلزم الضمان في الوقف، لأنه عامل له، وفيه ضرر بالوقف. (شامی، کتاب الوقف، مطلب إذا كان الناظر مفسداً لا یقبل قوله کراچی ٤/ ٤٤٩، زکریا ٦/ ٦٧٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱؍ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۴۵/۳۳)	۱۴۱۸/۱۲/۲۱ھ

مسجد یا مدرسہ کی رقم سے کاروبار کرنا یا قرض دینا

سوال: [۸۰۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس مسجد اور مدرسے کی رقم ہے کیا اس رقم کو کسی کاروبار میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس میں سے کسی کو قرض دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی مدرسہ یا مسجد ضرورت مند ہو تو اس رقم سے اس کا تعاون کردیں تو کیا حکم ہے؟

المستفتي: مولانا عبد الناصر، مدرس:

مدرسہ ہذا،محلّہ:لالباغ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:مسجد یامدرسہ کی رقم کوکاروبارمیں لگانا جائزنہیں اگر لگادیگا تو لگانے والا ذمہ دارضامن ہوگا،نقصان کی تلافی اپنی جیب سے کریگا،اورجونفع ہوگا وہ مسجد یامدرسہ کوملے گا۔(مستفاد:احسن الفتاویٰ ۶/۴۶۳،فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۸۸)

ومقتضى ماقاله أبو السعود أنه يقبل قوله في حق براءة نفسه، لا فى حق صاحب الوظيفة ، لأنه أمين فيما فى يده ، فيلزم الضمان في الوقف، لأنه عامل له ، وفيه ضرر بالوقف. (شامی، كتاب الوقف، مطلب إذا كان الناظر مفسداً لا يقبل قوله كراچی ٤/ ٤٤٩، زكريا٦/ ٦٧٠)

نیزمسجد یا مدرسہ کی رقم کسی خاص شخص کوبطورقرض دینا جائزنہیں ۔(مستفاد:احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۱۷،فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۶/ ۱۰۷،جدیدڈابھیل ۱۵/۵۰۳)

وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع وصيرورة المال أمانة فى يده ووجوب أدائه عند طلب مالكه، والوديعة لاتودع ولاتعار ولا تؤاجر ولا ترهن وإن فعل شيئاً منها ضمن. (هنديه، كتاب الوديعة زكريا قديم ٤/ ٣٣٨، جديد ٤/ ٣٤٩، البحرائق، كوئٹه ٧/ ٢٧٥، زكريا٧/ ٤٦٧)

نیزمسجد یا مدرسہ کی رقم دوسری ضرورت مندمسجد یامدرسہ کوبطورقرض دینے کی گنجائش ہے۔(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۱۷۸،جدیدزکریا ۹/ ۸۸،۸۹)

اورتعاون اس وقت کرنے کی گنجائش ہے کہ جب تعاون کرنے والی مسجد یامدرسہ کو اس رقم کی کبھی بھی ضرورت نہ ہو۔(مستفاد:فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۸۳،جدیدڈابھیل ۱۵/ ۴۸)

يجب عليه أن يجعل لكل نوع منها بيتا يخصه ولا يخلط بعضه ببعض ، وأنه إذا احتاج إلىٰ مصرف خزانة ، وليس فيها مايفى به ، يستقرض من خزانة غيرها، ثم إذا حصل للتى استقرض لها مال، يُرَدّ إلىٰ

المستقرض. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب العشر، مطلب فی بیان بیوت المال، کراچی ۲/۳۳۷، زکریا ۳/ ۲۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/۴/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۳۱)

مسجد کی رقم سے اپنی ضرورت پوری کر کے واپس مسجد کو دینا

سوال: [۸۰۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مرتبہ میں اور میرے دوست اپنے محلّہ کی مسجد کے لئے کچھ روپیہ چندہ اکٹھا کر کے لائے اس رقم میں سے ہم نے ۵۰/۵۰ روپیہ لے لئے تھے، اب ہم اس رقم کو (یعنی ۵۰/۵۰ روپئے کو مسجد کو ادا کرنا چاہتے ہیں، تو آپ ہمیں یہ بتائیں کہ ہم یہ رقم مسجد کو کس طرح اداء کریں، آپکی عین نوازش ہوگی؟ اور آپ ہمارے اس گناہ کے لئے خدا سے بھی دعاء کریں کہ خدائے پاک ہمیں اس غلطی کے لئے معاف فرمائیں؟

المستفتي: محمد عارف نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر دونوں پچاس، پچاس روپیہ مسجد کو ادا کر دیں گے، تو ادا ہو جائیگا، اور مسجد کا کوئی حق آپ دونوں کے ذمہ باقی نہیں رہیگا!

ولو جمع مالاً لينفقه في بناء المسجد فأنفق بعضه فی حاجته ثم رد بدله فی نفقة المسجد لايسعه أن يفعل ذلک فإذا فعله (إلیٰ قوله) قالوا شرحوا له فی الاستحسان الجواز إذا أنفق مثله فی المسجدويخرج عن العهدة فيما بينه وبين الله تعالیٰ. (البحرالرائق، کتاب الوقف، فصل ومن بنی مسجداً لم یزل ملکه کوئٹه ۵/ ۲۵۱، زکریا ۵/ ۴۲۰، فتاویٰ قاضی خان جدید زکریا ۳/ ۲۰۹، وعلیٰ هامش الهندية زکریا ۳/ ۲۹۹، تاتار خانية زکریا ۸/ ۱۹۸، رقم: ۱۱۶۲۹)

البتہ کی ہوئی خیانت پر ندامت سے توبہ کر لینی چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ : إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. (النساء: ۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۳۵/۲۵)

مسجد کا پیسہ ذاتی معاملات کیلئے بطور قرض دینا

سوال: [۸۰۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی آمدنی سے کسی شخص کو اپنے ذاتی معاملات کیلئے قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد سردار، بمبئی، لیٹنگ، کیلو، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کی پوری کمیٹی کی اجازت سے ایسے مالدار شخص کو بطور قرض کے مسجد کی ضرورت سے فاضل رقم دی جائے، جو امانت دار قابل اطمینان ہو تو اسکی گنجائش ہوگی۔

يقرض القاضي مال الوقف والغائب واللقطة واليتيم من ملئ مؤتمن وتحته في الشامي، يسع للمتولي إقراض مافضل من غلة الوقف لو أحرز.

(الدر المختار مع الشامي، كتاب القضاء، مطلب للقاضي اقراض مال اليتيم، ونحوه كراچی ٥/٤١٧، زكريا ٨/ ١١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۶۲۴/۲۵)

مسجد کی رقم کسی کو بطور قرض دینا

سوال: [۸۰۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا کوئی شخص مسجد کی لمبی رقم کو اس حالت میں جبکہ مسجد خود مقروض ہو اپنے ایسے دوست کو دے جس سے مسجد کا کوئی فائدہ بھی نہ ہو یہ عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عقیل احمد، فروزآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی رقم لمبی ہو یا مختصر مسجد کی ضروریات کے علاوہ کسی اور مقصد کیلئے کسی دوسرے شخص کو قرضہ کے طور پر دینا جائز نہیں ہے۔

مع أن القیم لیس له إقراض مال المسجد ...... فلو أقرضه ضمن، وکذا المستقرض. (البحرالرائق، کتاب الوقف، زکریا ۵/۴۰۱، کوئٹہ۵/۲۳۹)

اور جو شخص مسجد کی رقم کو اس طرح مالکانہ طور پر جس کو چاہے جہاں چاہے دیتا ہو ایسا آدمی شرعاً مسجد کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا ہے، محلّہ کے سب لوگوں کو مل کر ایسے شخص کو ذمہ داری سے سبکدوش کردینا چاہئے۔

ولو شرط الولایة لنفسه وکان خائناً تنزع منه وإن شرط الواقف أن لاتنزع لأنه مخالف للحکم الشرعی فیبطل. (مجمع الانهر، کتاب الوقف، فصل إذا بنی مسجداً لایزول ملکه، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۶۰۲)

فاستفید منه أنه إذا تصرف بمالایجوز کان خائنایستحق العزل.

(البحرالرائق، کتاب الوقف کوئٹہ ۵/۲۳۴،زکریا ۵/۳۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۱۵/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۲ھ

تبلیغی جماعت والوں کیلئے مسجد کے فنڈ سے بیت الخلاء بنانا

سوال: [۸۰۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے فنڈ سے تبلیغی جماعت والوں کیلئے بیت الخلاء و پیشاب گھر بنائے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عطاء الرحمٰن، کوری روانہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے فنڈ سے محض تبلیغی جماعت والوں کیلئے بیت الخلاء اور پیشاب گھر بنانا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ ایسا ہوسکتا ہے، کہ اس کام کیلئے الگ سے چندہ جمع کیا جائے پھر اسی پیسہ سے مذکورہ چیزوں کی تعمیر کی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۱۶۶، ڈابھیل ۱۴/ ۳۱۵)

لايجوز صرف وقف مسجد خرب إلىٰ حوض وعكسه. (شامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد كراچی ٤/ ٣٥٩، زكريا ٦/ ٥٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۸ھ

مسجد کی رقم سے سڑکیں بنانا

سوال: [۸۰۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے روپئے سے مسجد میں بیت الخلاء، غسل خانہ، مسجد میں آمد ورفت کی سہولت کیلئے سڑکیں بنانا، یا پرانی بنی ہوئی سڑک کی مرمت کرانا، اسی طرح لوگوں کی راحت رسانی کیلئے مسجد کے آگے پارک بنانا، یا مسجد کے احاطہ میں پھول وغیرہ درخت خرید کر لگانا، از روئے شریعت کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل تشفی بخش جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: مظفر الحق، گڈاوی، متعلم مدرسہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کے پیسے سے مسجد میں بیت الخلاء غسل خانہ وغیرہ بنانا تو جائز ہے، تاکہ وقت بوقت نمازیوں کی ضرورت پوری ہوسکے، البتہ مسجد کے پیسہ سے سڑکیں بنانا یا ان کی مرمت کرانا، نیز پارک وغیرہ بنانا شرعاً جائز نہیں، ایسی چیزوں کی ضروریات باہمی تعاون سے پوری کی جائیں ۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۲۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۶۱)

إن أرادوا أن يجعلوا شيئاً من المسجد طريقاً للمسلمين فقد قيل ليس لهم ذلك وأنه صحيح. (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الحادی عشرفی المسجد زکریا قدیم ۲/ ۴۵۷، جدید زکریا دیوبند ۲/ ۴۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۲۹)

مسجد کے پیسے سے عام راستے کی نالی بنوانا

سوال: [۸۰۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا پانی عام راستے کے کنارے بہتا ہے، مگر چونکہ نالی پختہ نہیں ہے، اسلئے کوڑے کباڑے میں رکتا ہے جس سے نمازیوں کو بھی پریشانی ہوتی ہے، اور مسجد کے متصل آباد لوگوں کو بھی سخت دشواری کا سامنا ہے، اگر مسجد کے پیسہ سے نالی بنا کر دور پہونچایا جائے تو اسکی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالرحیم، بڑبڈوی عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندیہ میں ہے: **إن أرادوا أن يجعلوا شيئاً من المسجد طريقاً للمسلمين فقد قيل ليس لهم ذلك وأنه صحيح.**

(هنديه، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد زکریا قدیم ۲/ ۴۵۷، جدید ۲/ ۴۰۹)

جیسا کہ اس عبارت سے مسجد کی زمین میں لوگوں کیلئے عام گذرگاہ بنانا ممنوع قرار دیا گیا ہے، اسی طرح مسجد کے پیسے سے نالی بنانا بھی ممنوع ہے ہاں البتہ نالی بنانے کیلئے لوگوں سے الگ سے چندہ کیا جاسکتا ہے، پھر اس چندہ کے پیسہ سے نالی بنا کر دور تک پہونچا یا جاسکتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۶۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲ھ

مسجد کے پیسے سے جنازہ کی چارپائی وتختہ وغیرہ خریدنا

سوال: [۸۰۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں مسجد کیلئے جو پیسہ گاؤں ہی سے چندہ کرتے ہیں، گاؤں والوں کے مشورہ سے وہی پیسہ امام ومؤذن مسجد کی دیگر ضروریات بیت الخلاء وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں، اور اسی مسجد کے پیسے سے گاؤں والوں کے ہی مشورہ سے جنازہ کی چارپائی اور نہلانے کا تختہ بھی خرید لیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا چندہ دہندگان کی اجازت سے مسجد کے پیسے سے جنازہ کی چارپائی تختہ وغیرہ خرید سکتے ہیں، جبکہ یہ سب سامان مسجد ہی کے کمرہ میں رکھا رہتا ہے؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے لئے جو چندہ کیا جاتا ہے، اس کو مسجد ہی کی ضروریات میں خرچ کرنا لازم ہے، اور جنازہ کی چارپائی وغیرہ مسجد کی ضروریات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے؛ اسلئے اسکا انتظام محلّہ کے لوگ اپنے ذاتی پیسہ سے کریں مسجد کا پیسہ اسمیں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل وقد أمره بالدفع إليه، فلا

یملک الدفع إلیٰ غیره. (شامی،کتاب الزکاة ، مطلب فی زکاة ثمن المبیع وفاء کراچی ۲/۲٦۹، زکریا ۳/۱۸۹)

ولیس لقیم المسجد أن یشتری جنازة وإن ذکر الواقف أن القیم یشتری جنازة . (هندیه، کتا ب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ، الفصل الثانی زکریا قدیم ۲/٤٦۲، جدید ۲/٤۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۴۳۲/۴/۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/۱۰۳۴۴)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۱۸ھ

۱۳/ الفصل الثالث عشر: مساجد کی چیزیں کرایہ پر دینے کا بیان

کیا متولی اور کرایہ داروں پر معاہدہ کی پابندی لازم ہے؟

سوال: [۸۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سائل کی پردادی کی کچھ جائداد تھی جس کو انھوں نے وقف علی الاولاد کردیا اور تقرر متولی کیلئے یہ شرط رکھی کہ تا قیام نسل میری اولاد ذکور میں سے ہی متولی ہوتے رہیں گے، اسی طرح سائل اس جائیداد کا متولی ہے، واقفہ نے انتظامی امور سے متعلق جملہ اختیارات متولی کو عطا کئے ہیں، اس جائیداد میں اس وقت علی گڑھ میں کچھ مکانات اور کچھ دوکانیں اور کچھ آراضی ہے جو سب ہی کرایہ پر اٹھے ہوئے ہیں، ان میں کچھ کرایہ دار ۱۹۵۷ء سے آباد ہیں، اور کچھ اس سے پہلے کے بھی ہیں، اور کچھ اس کے بعد کے بھی ہیں، مکانوں اور دوکانوں کے جو کرایہ دار ہیں وہ اپنے زیر کرایہ داری جائیداد کی مرمت ودیکھ بھال اور اپنی آسائش اور ضرورت کے لحاظ سے ردو بدل وغیرہ اپنے صرفہ سے کرواتے رہتے ہیں، اور جن لوگوں نے آراضی کرایہ پر لی ہے، وہ اس شرط پر ہے کہ آراضی پر اپنی ضرورت کے لحاظ سے اپنے صرفے سے تعمیرات کروالیں گے، اسطرح وقف کی آراضی پر کرایہ داروں نے اپنی ضرورت کے مطابق تعمیرات کروالی ہیں، اور ان تعمیرات کی مرمت ودیکھ بھال اپنے صرفے سے خود کرواتے رہتے ہیں؟

(۲) ۱۹۹۵ء سے پہلے وقف جائیداد پر قانون کرایہ داری کا نفاذ ہوتا تھا، جس کے تحت دوکانیں ومکانات ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے یہاں سے الارٹ ہوتے تھے، متولی کو دوکانیں ومکانات کو کرایہ پر اٹھانے یا دوکانوں مکانوں وآراضی کے کرایہ میں اضافہ کرنے کا اختیار حاصل نہیں تھا، ۱۹۹۵ء میں قانون پاس کر کے وقف جائیدا دکو کرایہ داری سے مستثنیٰ کردیا گیا جس کے تحت متولی کو قانوناً وقف جائیداد کو کرایہ پر اٹھانے کرایہ دار سے خالی کرانے اور کرایہ میں اضافہ کرنے اور وقف جائیداد کی آمدنی میں اضافہ کرنے کی غرض سے نئی تعمیرات کرانے کا حق حاصل ہوگیا، وقف جائیداد کے قانون کرایہ داری سے مستثنیٰ ہونے کے بعد

وقف بورڈ کی جانب سے متولیان کیلئے ہدایت جاری کی گئی کہ وقف جائیداد کے کرایہ میں موجودہ بازار در سے اضافہ کیا جائے، اور جو جو کرایہ دار موجودہ بازار در سے کرایہ میں اضافہ کرنے کیلئے تیار نہ ہو اس کو بے دخل کرنے کی کارروائی کی جائے؟

(۳) جب کرایہ داروں سے کرایہ اضافہ کرنے کیلئے کہا گیا تو کچھ کرایہ داروں نے کرایہ میں معمولی سا اضافہ کردیا جو موجودہ بازار کا پچیس فیصدی بھی نہیں ہے، کرایہ میں اضافہ کرتے وقت جو اقرار نامہ لکھا گیا اس میں ایک شرط یہ بھی رکھی گئی ہے، کہ کرایہ دار تین سال کے بعد اصل کرایہ میں پانچ فیصد کا اضافہ کرتا رہے گا، لیکن کچھ کرایہ دار ایسے ہیں، جو کرایہ میں معمولی سا اضافہ بھی کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں؟

(۴) اس وقت حالات یہ ہیں، جو مکان اس وقت سو روپیہ ماہوار کرایہ پر اٹھا ہوا ہے، اس کا کرایہ موجودہ بازار در سے سات آٹھ ہزاروں روپیہ ماہوار بنتا ہے اتنا کرایہ دینے کیلئے کرایہ دار تیار نہیں ہے اگر کرایہ دار کے خلاف بے دخلی کی کارروائی کی جاتی ہے، تو عدالت میں برسوں لگ جاتے ہیں، اور میں عدالتی اخراجات اور پریشانیوں کی وجہ سے عدالتی کارروائی سے بچتا ہوں؟

(۵) جن کرایہ داروں نے کرایہ میں معمولی سا اضافہ کیا ہے انھوں نے ایک اقرار نامہ لکھا ہے، جس میں کرایہ دار اور متولی کی رضامندی سے کچھ شرائط لکھی گئی ہیں، جیسے کرایہ ماہ بماہ ادا کردوں گا، ذیلی کرایہ دار نہیں رکھوں گا، بغیر متولی اجازت کے مکان یا دوکان میں کوئی ردو بدل یا نئی تعمیرات نہیں کروں گا، جس کام کیلئے مکان یا دوکان یا آراضی کو کرایہ پر لیا ہے، صرف اسی کام کیلئے استعمال کروں گا، اور قانوناً بھی کرایہ دار مندرجہ بالا شرائط کا پابند ہے، ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس ماہ کا کرایہ ہے اسی ماہ میں ادا کروں گا، مندرجہ بالا حالات وواقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا فرماتے ہیں:

الف: کہ کرایہ دار جو وقف کے مکان میں رہ رہا ہے، یا کاروبار کر رہا ہے یا دوکان میں کاروبار کر رہا ہے، لیکن متولی کے طلب کرنے کے باوجود بازار در سے کرایہ نہیں دیتا، متولی

کا کہنا ہے کہ یا تو موجودہ بازار در سے کرایہ دو یا جگہ خالی کردو تو کیا ایسی صورت میں کرایہ دار غاصب سمجھا جائے گا، اور کیا کرایہ دار عنداللہ ماخوذ ہوگا؟ اور ایسے کرایہ دار جو مکان دوکان یا آراضی پر بطور غاصب قابض ہیں، کیا اس جگہ پر ان کی نماز عنداللہ مقبول ہوگی؟

ب: مکان یا دوکان میں جو کرایہ دار آباد ہیں، انھوں نے بغیر متولی کی اجازت کے ذیلی کرایہ دار رکھ رکھے ہیں، یا جن لوگوں نے آراضی کرایہ پر لے کر مکان تعمیر کرلیا اس میں بغیر متولی کی اجازت کے ذیلی کرایہ دار رکھتے ہیں، جبکہ قانون یہ ہے کہ اگر کسی نے وقف کی زمین کرایہ پر لیکر تعمیرات کرالیں تو وہ تعمیرات وقف کی ملکیت ہوجائیں گی، ایسی صورت میں کیا ذیلی کرایہ دار رکھنا جائز ہوگا، اور کرایہ دار نے ذیلی کرایہ دار سے جو رقم بطور کرایہ وغیرہ وصول کی ہے، کیا وہ رقم کرایہ دار کیلئے حلال ہوگی؟

ج: اگر کرایہ دار ماہ بماہ کرایہ ادا نہیں کرتا یا ذیلی کرایہ دار رکھتا ہے یا مکان رہائش کیلئے کرایہ پر لیا تھا، اور اس میں کاروبار بھی کرتا ہے، یا دوکان جس کام کیلئے لی تھی اس کام کے بجائے یا اس کام کے ساتھ ساتھ دوسرا کام بھی کرتا ہے، یا متولی کی اجازت کے بغیر مکان یا دوکان میں ردو بدل یا نئی تعمیرات کرتا ہے، تو کیا کرایہ دار وعدہ خلافی کا مرتکب مانا جائے گا، اور گنہگار رہوگا؟

د: کرایہ دار مکان میں رہ رہا ہے، یا کاروبار کررہا ہے، یا دوکان میں کاروبار کررہا ہے، یا وقف کی آراضی کرایہ پر لیکر اپنے صرفہ سے تعمیرات کرانے کے بعد اس میں رہ رہا ہے، یا کاروبار کررہا ہے، لیکن متولی کے طلب کرنے کے باوجود موجودہ بازار در سے کرایہ نہیں دیتا اور متولی یہ کہتا ہے، کہ یا تو موجودہ بازار در سے کرایہ دو یا جگہ خالی کردو لیکن کرایہ دار نہ تو موجودہ بازار در سے کرایہ دیتا ہے، اور نہ جگہ خالی کرتا ہے، تو کیا اس جگہ پر کرایہ دار کا قبضہ غاصبانہ سمجھا جائے گا، اور اس جگہ پر کاروبار کرکے کرایہ دار جو پیسہ کما رہا ہے، کیا وہ پیسہ کرایہ دار کیلئے حلال ہوگا؟

ہ: جن لوگوں نے وقف کی آراضی کرایہ پر لیکر اپنے صرفہ سے تعمیرات کروالیں اور قانوناً وہ تعمیرات وقف کی ملکیت ہوگئیں تو کیا وہ کرایہ دار ان تعمیرات میں بغیر متولی کی

اجازت کے ردوبدل یا نئی تعمیرات کر سکتے ہیں؟

المستفتي: محمد مجیب علی خاں، انونہ
ہاؤس، سول لائن، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کی منتشر فائل کے منتشر سوالات کا جواب ایک ساتھ دیا جاتا ہے، سوالنامہ میں مذکورہ جن شرائط کیساتھ مقید کر کے وقف کی جائیداد کرایہ پر دی گئی ہے، اور فریقین پر ان شرائط کی پابندی لازم اور واجب ہے، اور جن شرائط کے مطابق کرایہ بڑھانے کی قید لگائی گئی ہے، ان کی پابندی کرایہ دار پر لازم ہے متولی کی اجازت سے کرایہ دار کا وقف کی عمارت میں تعمیر ومرمت کرنا جائز ہے اور تعمیر ومرمت کا خرچہ کرایہ میں مجریٰ ہوتا رہے گا، لہٰذا اگر کرایہ دار کرایہ نامہ میں لگائی گئی شرائط کی پابندی نہیں کرتا اور ضابطہ کے مطابق کرایہ نہیں بڑھاتا ہے، تو اس کے اوپر لازم ہے کہ جائیداد کو خالی کردے اور متولی کیلئے جائز ہے کہ کرایہ دار سے خالی کرا کر اپنے قبضہ میں لے لے پھر مناسب کرایہ پر دوسرے لوگوں کو کرایہ پر دیدے اور اگر کرایہ دار کسی بھی بات پر عمل کرنے کیلئے تیار نہیں ہے، تو قبضہ غاصبانہ کے مرادف ہوگا، اور گناہ عظیم کا مرتکب ہوگا، اور وہاں پر نماز پڑھنا غصب کی زمین پر نماز پڑھنے کے درجہ میں ہوگا، یعنی اس کی نماز مکروہ ہوگی، حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان آپس کے معاملات میں شرائط متعین کریں اس کی پابندی لازم ہے اسی طرح جس بات پر صلح اور اتفاق کرلیں، اس کی پابندی بھی لازم ہے اور اسکی خلاف ورزی جائز نہیں ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراماً، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطاً حرم حلالاً، أو أحل حراماً. (سنن الترمذی، الأحکام، باب ماذکر عن رسول الله

صلی اللّٰہ علیہ و سلم فی الصلح بین الناس ، النسخة الهندية ۱ / ۲۰۱ ، دار السلام رقم: ۱۳۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷؍۸۵۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۱۶ھ

ذمہ داران مسجد کا کرائے دار سے ایک لاکھ روپیہ مانگنا

سوال: [۸۰۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے شہر کی جامع مسجد کی دوکانوں میں سے ایک دوکان پچیس سال قبل سے محمد اسلم نے بطور کرایہ لے رکھی ہے اسی دوکان پر محمد اسلم کی روزی روٹی زندگی کے اخراجات چلتے ہیں کچھ مہینے پہلے مسجد کے ذمہ داروں نے محمد اسلم سے ایک لاکھ روپئے کا مطالبہ کیا اور ایک لاکھ نہ دینے پر دوکان خالی کرنے کو کہا محمد اسلم نہایت ہی غریب آدمی ہے، اور ابھی قریب ہی اس کی دونوں آنکھوں کا آپریشن بھی ہوا ہے، ایک لاکھ روپئے دینے کی قطعاً اس کی حیثیت نہیں ہے، محمد اسلم نے ذمہ داروں سے یہ بھی کہا کہ اگر آپ کو دوکان کے کرایہ میں اضافہ کرنا ہو تو میں راضی ہوں، مگر میں ایک لاکھ روپئے نہیں دے سکتا، بالآخر ایک دوسرا شخص ایک لاکھ روپئے ذمہ داروں کو دینے پر تیار ہو گیا، اور محمد اسلم کو کہا کہ تم دوکان خالی کردو ہم یہ دوکان دوسرے شخص کو دے رہے ہیں، محمد اسلم کے انکار کرنے پر معاملہ کورٹ میں گیا، اور کورٹ میں مسجد والوں نے جج کو ایک موٹی رقم دے کر فیصلہ اپنے حق میں کروالیا، دریافت طلب امور یہ ہیں؟

(۱) جج کو رشوت کی رقم مسجد کی آمدنی سے دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس طرح جج کو خرید کر اپنے حق میں کروایا گیا فیصلہ کیا شرعاً قابل قبول ہے؟

(۳) اس بدترین حرکت میں جاہل، خاندانی قاضی بھی ملوث ہے کیا شہر قاضی کی یہ حرکت درست ہے؟ کیا ایسے قاضی سے نکاح پڑھوانا جائز ہے؟

(۴) اسی قاضی نے کورٹ میں کھلم کھلا جھوٹے بیان بھی دیئے اور لوگوں نے کہا کہ تم نے قاضی صاحب بہت جھوٹ بولا ہے، تو قاضی نے کہا کہ کورٹ میں تو جھوٹ ہی چلتا ہے، اسلئے میں نے بھی جھوٹ بولا قاضی کی یہ دلیل کہاں تک صحیح ہے، ایسے قاضی پر شریعت کیا حکم لگاتی ہے؟

المستفتي: امام الدین جوئے، سابق صدر ضلع
وقف کمیٹی کھر گون، مدھیہ پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) سوال نامہ میں جامع مسجد کے ذمہ داروں کا محمد اسلم سے بیجا ایک لاکھ روپئے کا مطالبہ کرنا اور نہ دینے کی صورت میں اس سے دوکان خالی کرانا ناجائز اور محمد اسلم پر ظلم وزیادتی ہے، اور وہ ایک لاکھ روپیہ مسجد کیلئے حلال نہ ہوگا، کیونکہ سوال نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ محمد اسلم دوکان کا برابر کرایہ ادا کرتا رہا ہے، اور کرایہ میں اضافہ کرنے پر بھی راضی ہے۔

المستاجر الأول أولیٰ من غيره إذا قبل الزكاة وتحته في الشامية: قد علم مما قررناه أن قولهم إن المستأجر الأول أولیٰ إنما هو فيما إذا زادت أجرة المثل في أثناء المدة قبل فراغ أجرته وقد قبل الزيادة، وأما إذا فرغت مدته، فليس بأولیٰ إلا إذا كان له فيها حق القرار، وهو المسمیٰ بالكردار على ما قدمناه مبسوطاً في مسألة الأرض المحتكرة من أن له الاستبقاء بأجرة المثل دفعاً للضرر عنه مع عدم الضرر على الوقف. (شامی، الوقف، مطلب مهم في معنى قولهم المستأجر الاولیٰ، زکریا ٦/ ٦١٠، کراچی ٤/ ٤٤٠)

(۲) مسجد کی آمدنی کو رشوت میں دینا قطعی طور پر ناجائز ہے، اور جو ذمہ دار مسجد کی آمدنی کو رشوت میں خرچ کرے گا، اس کے اوپر مسجد کے اس پیسے کا تاوان لازم ہوگا۔

قال في البحر ! قدمنا أنه لا يعزله القاضي بمجرد الطعن في أمانته بل

بخيانة ظاهرة ببينة ...... وإن امتناعه من التعمير خيانة وكذا لو باع الوقف أو بعضه أو تصرف تصرفاً جائزاً عالماً به . (شامی، الوقف، مطلب يأثم بتولية الخائن، زكريا ٦/٥٧٨، كراچی ٤/٣٨٠، البحرالرائق، كوئٹه ٥/٢٤٥، زكريا٥/٤١١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/١٠٤)

عن عبد الله بن عمرو قال لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم، النسخة الهندية ١/٢٤٨، دارالسلام رقم:١٣٣٧)

(۳) جج کورشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرانا شرعاً ناجائز ہے۔

الرشوه أربعة أقسام منها ماهو حرام على الآخذ والمعطى وهو الرشوة على تقليد القضاء والأمارة والثانی ارتشاء القاضی ليحكم وهو كذلك ولوالقضاء بحق .... وفی الخانية: أجمعوا أنه إذا ارتشیٰ لا ينفذ قضاء ه فيما ارتشیٰ فيه قلت حكاية الإجماع منقوضة بما اختار ه البزدوی واستحسنه في الفتح وينبغی اعتماد ه للضرورة فی هذا الزمان وإلا بطلت جميع القضايا الواقعة الآن لأنه لاتخلوا قضية عن أخذ القاضی الرشوة المسماة بالمحصول قبل الحكم وبعدهٗ فيلزم تعطيل الأحكام . (شامی، القضاء، مطلب فی الكلام على الرشوة والهداية، زكريا ٨/٣٤، ٣٥، كراچی ٥/٣٦٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٢/٢٢٢، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٥٩٨، فتح القدير، دارالفكر حلبی مصر ٧/٣٥٤، زكريادیوبند٧/٢٣٦، كوئٹه ٥/٣٥٨)

(۴-۵) ایسا قاضی جوعدالت میں جا کرجھوٹی گواہی دے وہ مرتکب کبیرہ ہےاور مرتکب کبیرہ فاسق ہوتا ہے،اورقاضی کا یہ کہنا کہ عدالت میں تو جھوٹ ہی چلتا ہے، بے اصل ہے،شریعت نے نکاح میں بہت سہولت رکھی ہے، چنانچہ فاسق کی گواہی کے ساتھ اور فاسق نکاح خواں کے ذریعہ سے بھی نکاح شرعاً درست ہوجا تاہے، لہٰذا مذکورہ قاضی کے فاسق

ہونے کے باوجوداس کا نکاح پڑھانا جائز اور درست ہوگا،لیکن افضل اور بہتر یہی ہے کہ متبع شریعت عالم دین کےذریعہ سےہی نکاح پڑھوایا جائے۔

والفاسق من فعل كبيرة أو أصر على صغيرة . (شامی، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه زكريا٨/ ٢٠٤، كراچی ٥/ ٤٨٣)

ويندب إعلانه وتقديم خطبته وكونه فی مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدول . (شامی، زكريا٤/٦٦، كراچی ٣/ ٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤١/ ٢٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۱رمحرم الحرام۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۰۶۰۴/۳۹)

موقوفہ کرایہ کی دوکان میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی

سوال: [۸۰۲۵]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکیم یامین حسین خان کےدو بیٹے ہیں۔

(۱)نسیم حسین۔

(۲)تسلیم حسین۔نسیم حسین خاں والد کی وفات سے ۲۶/۲۷ سال قبل الگ ہوگئے تھے، وہ اپناالگ کاروبار کررہے تھے،تسلیم حسین خاں والدصاحب کے ساتھ رہے، اور باپ کی تحویل میں کرایہ کی دوکانیں تھیں، ایک دوکان وقف کی جائیداد کی جوکہ سرکاری قانون کے اعتبار سےمتولی جب چاہے خالی کراسکتا ہے، اور دوسری دوکان باضابطہ قانون کے مطابق کرایہ داری کی نہیں اوراس دوکان کے کرایہ کی کوئی سند بھی نہیں صرف زبانی اورتعلقات کے کرایہ کی ہے،اس دوکان کےخالی کرانے میں کرایہ دارکوکچھ نہیں مل سکتا اورنسیم حسین کے پاس کاروبارکیلئے ذاتی دوکان ہےاب والد کی وفات کے بعدکرایہ کی مذکورہ دونوں دوکانیں تسلیم حسین کے پاس آ گئی ہیں، مگرتسلیم حسین کا کہنا ہے کہ ایک دوکان شرع کی روسے مجھے بھی ملنی

چاہئے، تو اب سوال یہ ہے کہ اس طرح کی کرایہ کی دوکان میں کیا وراثت کا تعلق ہوسکتا ہے؟

المستفتي: حکیم تسلیم حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف کی جائیداد کی دوکان کرایہ پر لینے سے ملکیت میں نہیں آتی کیونکہ موقوفہ زمین میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی نیز آجکل حکومت ہند کا قانون بھی یہی ہے کہ اوقاف کی جائیداد جو کرایہ پر ہے، ذمہ داران وقف اسے خالی بھی کرا سکتے ہیں، اور مناسب کرایہ بھی بڑھا سکتے ہیں، اسی طرح جو دوکان غیر ضابطہ کرایہ پر ہے جس کی قانونی رسید وغیرہ نہیں ملتی ہے، ایسی دکانوں کے خالی کرانے میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی ہے، اور نہ ہی پگڑی وغیرہ دینی پڑتی ہے، اور نہ ہی کرایہ دار کو پگڑی ملتی ہے، کرایہ دار کی جو اولاد مالک کو کرایہ ادا کرتی چلی آرہی ہے، وہی پگڑی سمجھی جاتی ہے، اور اس میں شریعت کی رو سے وراثت کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، لہٰذا کرایہ دار کی دوسری اولاد کو اسمیں اپنے حق وراثت کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ شریعت کی رو سے وراثت مرحوم کی ملکیت میں جاری ہوتی ہے، اور یہ دکانیں مرحوم کی ملکیت کی نہیں ہیں۔

إن الأجارة عندنا تنعقد ساعة فساعة على حسب حدوث المنافع شيئاً فشيئاً، وإن كان كذلك في ما يحدث من المنافع في يد الوارث لم يملكها المورث لعدمها، والملك صفة الموجود لا المعدوم فلا يملكها الوارث إذ الوارث إنما يملك ما كان على ملك المورث فمالم يملكه يستحيل وراثته بخلاف بيع العين. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، باب ماينتهى به عقد الإجارة زكريا ٤/ ٩٠، كراچی ٤/ ٢٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۴/۲۵ھ

مسجد کی آراضی کو کرایہ دار سے خالی کرانا

سوال: [۸۰۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد موقوفہ سے ملحق ایک آراضی افتادہ موقوفہ مسجد مذکور کے متعلق ایک کرایہ دار کو عرصہ بیس سال کا ہوا کرایہ پر اس شرط کیساتھ دی گئی تھی، کہ وہ اپنے خرچ سے اس میں اپنا موٹر گیرج برائے مرمت وغیرہ تعمیر کر کے اپنے تصرف میں لاوے، اور جو کچھ تعمیر میں خرچ ہوگا، وہ کرایہ میں مجرا ہو جائے گا، خرچہ تعمیر گیرج بعد حساب فہمی کرایہ میں مجریٰ ہو چکا ہے، اور کرایہ بھی دوگنا مقرر کر دیا گیا ہے، اب مسجد کی توسیع کیلئے موٹر گیرج کی آراضی میں سے کچھ آراضی اپنی زیر تعمیر مسجد کیلئے ضرورت درپیش ہے، کرایہ دار سے کہا گیا، تو وہ کرایہ دار نصف آراضی اپنی زیر کرایہ داری میں سے دینے کو تیار ہے۔

(۱) کہ میں یا میرے وارثان وقائم مقامان ہی موجودہ کرایہ بدستور دیتے رہا کریں گے؟

(۲) متولی کو کبھی کسی وقت میں کرایہ کے اضافہ کرنیکا کوئی حق نہ ہوگا؟

(۳) اگر میں یا میرے وارثان یا قائم مقامان کسی دوسرے شخص یا پارٹی کی شرکت میں کوئی دیگر کام کرنا چاہیں گے تو متولی کو اعتراض نہ ہوگا، یہاں پر یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ کرایہ دار موصوف اب تک تین اشخاص کو اس آراضی میں جگہ دیکر مختلف کام کرتے رہے اور ان تینوں کی کل آمدنی سے نصف خود لیتے رہے جبکہ مسجد کو صرف مقررہ کرایہ ہی ادا کرتے رہے، بقیہ آمدنی جو مقررہ کرایہ سے آٹھ دس گنا زیادہ تھی، خود فائدہ اٹھاتے رہے، اب دریافت طلب مسئلہ حسب ذیل ہے۔

(۱) کیا کسی موقوفہ آراضی پر بحیثیت کرایہ دار ہمیشہ کیلئے اپنی وراثت قائم کر سکتا ہے؟

(۲) کیا موجودہ کرایہ پر ہمیشہ کیلئے پابندی لگانا کہ آئندہ کسی کرایہ کے اضافہ کا کوئی حق متولی کو نہ ہوگا شرعاً جائز ہے؟

(۳) کیا جس کام کیلئے کرایہ دار کو آراضی دی گئی ہے وہ اپنی طرف سے کسی دیگر شخص

کے ذریعے شرکت کر کے کوئی دیگر کام کر کے مقررہ کرایہ کے علاوہ بقیہ آمدنی سے خود فائدہ اٹھاسکتا ہے، جبکہ مسجد کو صرف مقررہ کرایہ ہی دیا جاتا ہے؟

(۴) کیا موقوفہ آراضی کا کرایہ دار اپنی مرضی سے خود بغیر متولی کی رضامندی کے دیگر غیر متعلقہ لوگوں کے ذریعے یہ فیصلہ کرلے کہ وہ اپنے زیر کرایہ داری میں سے صرف نصف آراضی مسجد کے مفاد کیلئے دیدے جبکہ کل آراضی میں پندرہ سولہ دوکانات تعمیر ہونے سے مسجد کو کافی آمدنی ہوسکتی ہے، جس سے اس کا خرچ بخوبی پورا ہوسکتا ہے؟

(۵) کیا موجودہ کرایہ کے علاوہ جوزائد کام سے فائدہ خود حاصل کیا ہے، وہ شرعاً جائز ہے؟

گذارش ہے کہ براہ کرم مذکورہ بالا حالات پر غور فرما کران پانچوں مسائل کا مکمل شرعی نقطۂ نظر سے جواب مرحمت فرمائیے، اور شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتي: محمد جان، متولی مسجد منشی
کریم اللہ والی، وقف۶۵۳، پرنس روڈ،
گاندھی نگر، مرادآباد، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) وقف کی سکنائی جائیداد کو ایک سال سے زیادہ اور صحرائی جائیداد کو تین سال سے زیادہ کرایہ کیلئے دینا جائز نہیں ہے، نیز مذکورہ معاملہ میں کرایہ دار کی موت کے بعد بھی کرایہ داری کی باقی رہنے کی شرط شرعاً باطل ہے، اور شرائط فاسدہ کی بناء پر عقد کرایہ داری فسخ ہوجاتا ہے، اس لئے مذکورہ کرایہ داری شرعاً ناجائز اور فاسد ہے، اسلئے اس معاملے کو ختم کر کے مسجد کی پوری جائیداد مسجد کے حوالے کردینا لازم ہے۔

الإجارة تفسدها الشروط كما تفسد البيع. (هدايه، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة اشرفی۳/۳۰۱)

وإذا مات أحدالمتعاقدين وقد عقد الإجارة لنفسه انفسخت الإجارة الخ. (هدايه، باب فسخ الإجارة اشرفی۳/۳۱۵، قدوری/۱۰۵)

وبها أي بالسنة يفتى في الدار وبثلاث سنين في الأرض الخ. (الدر المختار، الوقف، فصل يراعى شرط الواقف في إجارته زكريا ديوبند٦/٦٠٥، كراچی ٤/٤٠٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٧٧، الفقه الإسلامي وأدلته ،دارالفكر ١٠/٧٦٨٨، هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند٨/٢٣٢، مجمع الأنهر دارالكتب العلمية بيروت٣/٥١٤، قديم ٢/٣٦٩)

(۲) یہ شرط منفعت وقف کے خلاف ہے اور ناجائز ہے نیز اجرت مثل سے کم میں وقف کی جائیداد کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔

ويؤجر بأجر المثل فلا يجوز بالأقل الخ. (الدر مع الرد، مطلب في الإجارة الطويلة بعقود، زكريا ٦/٦٠٨، كراچی ٤/٤٠٢، الفقه الإسلامي وادلته ، دارالفكر ١٠/٧٦٨٩، هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند٨/٢٣٣، هنديه ،زكريا قديم ٢/٤١٩، جديد ٢/٣٨٧، مجمع الانهر ،دارالكتب العلمية بيروت٣/٥١٤، مصرى قديم ٢/٣٦٩)

(۳-۴) جب معاملہ شرعاً واجب الفسخ ہے تو بعد کے سارے معاہدے اور معاملے ناجائز ہیں، ان پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

(۵) کرایہ داری ختم کر کے مسجد کو جائیداد واپس کرنا اور جتنے عرصہ کرایہ دار نے اپنے قبضہ میں رکھا ہے، اس کے مثل اجرت مسجد کو دیدینا لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۰۳)

نیچے دوکان اوپر مسجد کا حکم

سوال: [۸۰۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کیلئے ایک زمین خریدی گئی اور پروگرام یہ ہے کہ نیچے تہ خانہ بنایا جائے گا، پھر اس کے اوپر

مسجد کا جماعت خانہ بنایا جائے گا، جیسے کہ مسجد رشید بنی ہوئی ہے، اور نیچے کے تہہ خانہ کو مسجد کی آمدنی کیلئے کرائے پر دیا جائے گا، جس کو کرایہ دار اپنا مال گودام بنائے گا، یا دوکان وغیرہ بنائے گا، جس میں خرید وفروخت ہوگی اور کرائے دار مسجد کو ماہانہ کرایہ دیتا رہے گا، جس سے مسجد کی ضروریات پوری ہوتی رہیں گی، جیسے کہ یہاں کی سنہری مسجد ہے، تو اس طرح نیچے آمدنی کی دوکانیں اور اوپر شرعی مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں، اور ظاہر بات ہے کہ جب تہہ خانہ میں خرید وفروخت ہوگی، تو وہ مسجد کی زمین تو ہوسکتی ہے، لیکن مسجد کی حد میں داخل نہیں ہوسکتی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسجد کیلئے خریدی گئی زمین میں مسجد کی مصلحت کے پیش نظر نیچے کے حصہ میں مسجد کی آمدنی کیلئے دوکان وغیرہ بنانا اور اوپر شرعی مسجد بنانا جائز ہے ، اور اس میں یہ شرط بھی ہے کہ نیچے کے حصہ میں جو دکان وغیرہ بنائی جائے وہ بھی مسجد ہی کی ملکیت میں رہے اور مسجد جب چاہے اس کو خالی کرا کے مسجد میں کر سکتی ہے! (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۸۳، فتاویٰ رحیمیہ ۹/۹۳)

ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كمافى مسجد بيت المقدس كذا فى الهداية. (هنديه ، الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد ومايتعلق به زكريا قديم ۲/٤٥٥، جديد ۲/٤٠٨)

وإذا جعل تحته سرداباً لمصاحله أي المسجد جاز كمسجد المقدس . (شامى، كراچى ٤/٣٥٧، زكريا٦/٥٤٧)

بخلاف ماإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد فإنه يجوز إذلا ملك فيه لأحد بل هو من تتميم مصالح المسجد فهو كسرداب مسجد بيت المقدس هذاهو ظاهر المذهب. (البحرالرائق، زكرياه/٤٢١، كوئٹه ٥/٢٥١)

ولوجعل تحته حانوتاً وجعله وقفا على المسجد قيل لا يستحب ذلك ولكنه لو جعل في الابتداء هكذا صار مسجداً وماتحته صار وقفا عليه ويجوز

المسجد والوقف الذی تحته . (تبيين الحقائق، زكريا ٤/ ٢٧١، امداديه ملتان٣/ ٣٣٠)

ولو جعل العلو مسجداً والسفل وقفا على المسجد وأخرجه من يده يجوز وكذلك لو جعل السفل مسجداً للناس أو سردابا وقفا على ذلك وأخرجه من يده يصح لأنه لله تعالىٰ . (تاتار خانية زكريا٨/ ١٦٢، رقم: ١١٥١٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۱/۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۶۹/۴۰)

نیچے دوکان اور اوپر مسجد بنانے کا حکم

سوال: [۸۰۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند بھائیوں نے اپنی جگہ برائے تعمیر مسجد وقف کی ہے، مسجد کے موجودہ ذمہ دار یہ چاہتے ہیں، کہ مسجد دوسری منزل پر بنادی جائے، اور اس کے نیچے دوکانیں اور ہال کی تعمیر ہوجائے تاکہ آمدنی کا سلسلہ بھی ہوجائے، اور ہوا روشنی کا اس کے ذیل میں نظم ہوجائے آپ مہربانی فرماکر تحریر فرمائیں، کہ اس طور پر تعمیر کرنا درست ہے؟

المستفتي: حاجی عقیل الرحمٰن، کلاتھ مرچنٹ، تحصیل: ٹانڈہ، ضلع: رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر وقف کرنیوالوں کی طرف سے اس کی اجازت ہے تو تعمیر کی ابتداء میں اس طرح دوکانیں وغیرہ بنانے کی فقہاء نے اجازت دی ہے بشرطیکہ مسجد کے منافع ومصالح مقصود ہوں اور اگر واقف کی طرف سے اجازت نہیں ہے، تو جائز نہیں ہے، اس لئے کہ غرض واقف کی رعایت واجب ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۷۰۲، فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۱۶۲، جدید زکریا دیوبند ۹/ ۹۳، کفایت المفتی ۷/ ۱۷، جدید

زکریا مطول۱۰/ ۱۲۵، فتاویٰ محمودیہ ا/ ۴۹۶،ڈابھیل۱۴/ ۵۲۳)

لو جعل تحته حانوتاً وجعله وقفا على المسجد قيل لايستحب ذلك ولكنه لوجعل فى الابتداء هكذا صار مسجداً وماتحته وقفا عليه ويجوز المسجد والوقف الذى تحته ولو أنه بنىٰ المسجد أولا ثم أراد أن يجعل تحته حانوتاً للمسجد فهو مردود باطل الخ. (حاشية چلپی على التبيين، الوقف، فصل في أحكام المسجد زكريا٤/ ٢٧١، امداديه ملتان٣/ ٣٣٠)

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة كوئٹه٣/ ٤٦٤، كراچی ٤/ ٤٤٥، زكريا ٦/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵؍۱۷۵۷)

مسجد کے حصہ اوروضوخانہ کی جگہ پردوکان بنانا

سوال: [۸۰۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد کے دائیں بائیں جانب مسجد سے متصل جماعت خانہ سے الگ احاطۂ مسجد میں داخل کچھ جگہ خالی تھی جس میں دائیں جانب ایک کنارہ پر امام صاحب کا حجرہ اوردوسرے کنارے پرایک کمرہ بناہوا تھا، حجرہ اور کمرہ کے درمیان جگہ خالی تھی، جس میں محلّہ کے بچے پڑھتے تھے، بائیں جانب میں ایک کنارے پردوکان تھی، باقی جگہ خالی تھی جس میں مسجد کا سامان جنازہ کی چارپائی وغیرہ رکھی رہتی، قدیم طرز پر بنی ہوئی مسجد نمازیوں کیلئے ناکافی ہوگئی تھی، حتی کہ بسا اوقات بہت سے لوگوں کومسجد میں جگہ نہیں مل پاتی تھی، اہل محلّہ نے اس بات پراتفاق کیا کہ اس کے دائیں بائیں جانب کومسجد میں شامل کرکے وسعت پیدا کرلی جائے لہٰذا اس ارادہ کولیکر قدیم مسجد کوشہید کرکے ازسرنو

تعمیر کی گئی جس سے مسجد میں کافی وسعت ہوگئی، دائیں جانب کا اندر باہر کامکمل حصہ مسجد میں اور بائیں جانب کا اندر کا حصہ مسجد میں اور باہر کے توڑے ہوئے حصہ میں وضوخانہ بنایا گیا ہے، باقی حصہ مسجد ہی میں شامل رہا اب کچھ عرصہ بعد کچھ لوگوں کا یہ خیال ہوا کہ مسجد کی جگہ میں دوکان تھی، وہاں اب بھی دوکان بنالی جائے، کیونکہ مسجد کا حق صرف مینار تک ہے، تو اب اس میں معلوم یہ کرنا ہے کہ جو جگہ مسجد کے اندر شامل کرلی گئی تھی اور تعمیر کے وقت اس میں دوکان وغیرہ کا کوئی ارادہ نہیں ہے جیسا کہ قدیم مسجد کو شہید کرکے ازسرنو تعمیر کرکے نیز دائیں جانب کے اندر باہر کے حصہ کو مسجد میں شامل کرنے اور بائیں جانب کے اندر حصہ کو شامل کرنے اور باہر کے کچھ حصہ کو شامل کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ اہل محلّہ کا ارادہ اس جگہ کو مسجد میں شامل کرنے کا ہے، دوکان وغیرہ کا نہیں ہے، تو کیا اس صورت حال کے ہوتے ہوئے اب وضوخانہ کو ختم کرکے اور جو حصہ مسجد میں شامل کیا تھا، اس کو ختم کرکے دوکان وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: حسین احمد، خادم: مدرسہ فیض القرآن، قصبہ، نگینہ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: جماعت خانہ سے متصل دائیں اور بائیں جانب کی افتادہ زمین تعمیر نو میں جماعت خانہ میں شامل کرلی گئی اور مکمل طور پر مسجد ہوگئی تو اب اس جماعت خانہ کے کسی حصہ کو خارج کرکے اس پر دوکان وغیرہ بنانا قطعاً جائز نہیں ہے، بلکہ جو حصہ مسجد میں شامل ہوگیا ہے، وہ قیامت تک مسجد ہی شمار ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۱۷۶)

اب رہی وضوخانہ کی پٹی تو اس کو مصالح مسجد و منافع مسجد میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے، اگر دوکان کے کرایہ کی مسجد کو شدید ضرورت ہے اور مسجد کو اس سے زیادہ فائدہ ہوسکتا ہے، تو صرف وضوخانہ کی پٹی ہی میں دوکان بنانے کی گنجائش ہے اس سے زائد ایک انچ دوکان وغیرہ کیلئے بڑھانا قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع فيجب هدمه ولو على جدار المسجد. (درمختار مع الشامي، الوقف، مطلب في أحكام المسجد زكريا٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٦/١٢، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت٣/٣٣٠) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٠ ر جمادی الاولیٰ ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٦٦٦٩/٣٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢١/٥/٢١ھ

صحن مسجد کے نیچے دوکانیں تعمیر کرنا

سوال: [٨٠٣٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد سطح زمین سے سات فٹ اونچائی پر واقع ہے اس میں داخل ہونے کیلئے چھ سیڑھیاں ہیں جانب شمال مسجد سے متصل ایک کمرہ مع برآمدہ ہے جو ایک زمانہ میں مدرسہ کے طور پر مستعمل رہا ہے، مسجد کے جنوبی جانب بھی ایک حجرہ ہے، مسجد کی پوری عمارت قدیم ہونے کی وجہ سے خستہ ہے جس کو شہید کرکے ازسرنو تعمیر کرنے کا ارادہ ہے، مسجد کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے، اہل محلّہ چاہتے ہیں، کہ مسجد کی کفالت کیلئے صحن مسجد کے نیچے والے حصہ میں دوکانیں تعمیر کرلیں ان دوکانوں کی چھت صحن مسجد میں شامل ہوگی، اب سوال یہ ہے کہ

(۱) کیا جانب شمال والا حجرہ جو مدرسہ کی حیثیت میں بھی رہا ہے، مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے؟

(۲) کیا صحن مسجد کے نیچے دوکانیں بنائی جاسکتی ہیں، امید کہ وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں گے؟

المستفتي: جناب تسلیم احمد، محلّہ: چودھریان، قصبہ سہسپور، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : جانب شمال والا حجرہ جو مسجد کے زیر تحت مدرسہ کی شکل میں تھا، اس کو مسجد میں شامل کرلینا شرعاً جائز اور درست ہوگا، لیکن صحن مسجد جو حدود مسجد میں داخل ہے اس کے نیچے دوکانیں بنانا جائز نہیں ہوگا۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلیٰ قوله) فإذا كان هذا في الوقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولايجوز أخذ الأجرة منه الخ. (درمختار ، الوقف، مطلب فی احکام المسجد زکریا٦/٥٤٨، کراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية١٢/٢٩٦، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٣٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۰/۱۵ھ

مسجد کے نیچے خالی حصہ کو دوکان بنانا

سوال: [۸۰۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد تین منزلہ ہے جس کے نیچے والی منزل جو ہے اس میں دس فٹ چوڑائی میں کمرے بنے ہوئے ہیں، اور سولہ فٹ جگہ ٹھوس ہے، نماز دوسری منزل پر پڑھتے ہیں، امام گاہ بھی دوسری منزل پر ہے اس وجہ سے مسجد دوسری منزل کو قرار دیا ہے، اور وہ جگہ بالکل خالی ہے، اگر ان کمروں کو دوکان کیلئے کرایہ پر دیدیا جائے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے یانہیں؟ نیز پہلی منزل میں یعنی بالکل نیچے کبھی باجماعت نماز ادا نہیں ہوتی ہے، جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: ضمیر الدین، موضع شہزاد پور، بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نچلی منزل بانیان نے شروع ہی سے مسجد کی غرض

سے نہیں بنائی بلکہ اس کو خارج مسجد رکھکر دوسری منزل سے مسجد کا سلسلہ شروع کیا ہے، اگر واقعۃً ایسا ہی ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ دوسری منزل ہی سے مسجد کا سلسلہ شروع ہے اسلئے نچلی منزل میں مسجد کی آمدنی کی غرض سے دوکان وغیرہ کی گنجائش ہے، مگر جو حصہ ٹھوس تھا، اس کو اب مسجد کے جماعت خانہ کے علاوہ کسی دوسرے کام میں لینا قیامت تک کیلئے کسی طرح جائز نہ ہوگا، بلکہ اس کا مسجد کے لئے رہنا لازم ہوگا۔

وإذا كان السرداب والعلو لمصالح المسجد أو كان وقف عليه كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد لقوله تعالىٰ وأن المساجد لله بخلاف ماإذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد كسرداب بيت المقدس هذا هو ظاهر الرواية. (شامی، الوقف، مطلب فی احکام المسجد زكريا ٦/٥٤٧، كراچي ٤/٣٥٧، البحرالرائق، زكريا ٥/٤٢١، كوئٹه ٥/٢٥١)

لیکن پھر بھی یہ سوال باقی رہتا ہے، کہ جب سے اس عمارت کی بنیاد رکھی گئی تھی، اس وقت سے یہ منزل خالی کیوں رہی آخر کس وجہ سے بنائی گئی، سوال میں یہ واضح نہیں ہے، اگر یہ بات واضح ہوجاتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۵۰)	۱۴۲۰/۵/۱۰ھ

مسجد کے نچلے حصہ کو رہائش گاہ بنانا

سوال: [۸۰۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے نچلے حصہ میں عورت ومرد رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: محمد عباس، رائے پور، رانی پور روڈ، ضلع، جھانسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت ومرد کا فیملی کی حیثیت سے مسجد کے نیچے کی

منزل یا تہہ خانہ کو رہائش گاہ بنالینا جائز نہیں ہے، نیز آداب مسجد کے خلاف امور کا اس میں صادر ہونا جائز نہیں۔

لأنه مسجد إلیٰ عنان السماء (إلیٰ قوله) وکذا إلیٰ تحت الثریٰ الخ.

(الدر المختار، الصلاة، باب ما یفسد الصلاة ومایکره فیها، مطلب فی أحکام المسجد زکریا ۲/۴۲۸، کراچی ۱/۶۵٦)

وکذایکره أن یتخذ طریقاً وأن یحدث فیه حدیث الدنیا الخ.

(البحرالرائق، الوقف، فصل فی احکام المسجد کوئٹه ۵/۴۲۰)

ولا یحل للجنب والحائض والنفساء الوقوف علیه الخ. (شامی، کراچي ۱/۶۵٦، زکریا ۲/۴۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍رجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵؍۱۳۴۴)

پٹہ پر زمین لیکر مسجد کی آمدنی کیلئے دوکانیں بنانا

سوال: [۸۰۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مسجد یا مسجد کیلئے مکانات یا دوکانیں بنانا جس کے کرایہ سے مسجد کا خرچ پورا ہوتا رہے، سرکار سے یا نگر پالیکا وغیرہ سے پٹے پر زمین لیکر تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: مظہر احمد، بنیانگر، دہرادون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شکل میں مسجد کے منافع اور اس کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دوکانیں بنا کر کرایہ پر دینا شرعاً جائز اور درست ہے، بشرطیکہ آئندہ آگے چل کر اختلاف اور نزاع کا خطرہ نہ ہو۔

الثامنة في وقف المسجد أیجوز أن یبنی من غلته منارة قال فی

الخانية : معزيا إلىٰ أبى بكر البلخى إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به . (البحرالرائق، ، الوقف، زکریا ۵/ ۳۶۰، کوئٹہ ۵/ ۲۱۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۹۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۱۷ھ

مسجد کے فائدے کیلئے مسجد کے نیچے چوپال بنانا

سوال: [۸۰۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں ٹھسینی میں ایک چھوٹی مسجد ہے اس کے آگے جانب قبلہ ایک چوپال ہے نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے لوگوں نے مسجد کی توسیع کا ارادہ کیا کہ چوپال کو مسجد میں شامل کرلیا جائے، اسی نیت سے چوپال کو توڑ کر اس کی بنیاد کھدوائی گئی، اور چہاردیواری کرادی مسجد کی محراب باہر نکلی ہوئی تھی، چوپال والی دیوار سیدھی کرنیکی غرض سے محراب کے اگلے حصہ کو بھی توڑ دیا گیا ہے، نئی جگہ میں ابھی نماز شروع نہیں ہوئی ہے، اب لوگوں کا ارادہ یہ ہے کہ اس نئی جگہ کو مسجد میں شامل کرنیکی غرض سے کھدوایا گیا ہے، اور چہاردیواری کرائی گئی ہے، اس کا بھراؤنہ کرکے اس کے اوپر لینٹر ڈال کر نیچے چوپال اور اس کے اوپر مسجد بنالیں مسجد کے نیچے جس کو چوپال بنایا جائیگا، اس کا استعمال مختلف مقاصد کیلئے ہوگا، مثلاً بارات کا قیام جنازہ کی نماز کسی قومی کام کا مشورہ وغیرہ؟ کیا مذکورہ صورت میں شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: رفیع الدین، امام مسجد عائشہ، ٹھسینی، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مذکورہ چوپال پر مسجد کی نیت سے تعمیر مکمل ہوگئی ہے، تو اس کو مسجد ہی رکھنا لازم ہوگا، اور اگر ابھی تعمیر مکمل نہیں ہوئی ہے اور جن مختلف مقاصد

کیلئے استعمال کا ارادہ ہےان کا کرایہ مسجد کو جائے گا، اوران مقاصد میں شریعت کیخلاف کوئی عمل نہیں ہوگا ،تو نیچے چوپال رکھنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہوگا۔(مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/ ۲۸۸، کفایت المفتی ۷/ ۱۷، جدیدزکریا مطول ۱۰/ ۱۲۵)

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع الخ. (شامی الوقف مطلب فی أحكام المسجد زكريا ٦/٨ ٥٤ ، كراچى ٤ /٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/ ٢٩٦، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٣٠)

وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه أي المسجد جاز كمسجد القدس الخ. (درمختار زكريا ٦/ ٥٤٧، كراچي ٤ /٣٥٧، هنديه زكريا قديم ٢/ ٤٥٥، جديد ٢/ ٤٠٨، البحرالرائق، زكريا ٥/ ٤٢١، كوئٹه ٥/ ٢٥١)

یہ یادرکھیں کہ بارات میں خلاف شریعت باتیں پیش آتی ہیں، اسلئے بارات کا قیام جائز نہ ہوگا۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۳رصفر۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۷/ ۸۲۳۰)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

مسجد کی سیڑھی کے نیچے کمرہ بنا کر کرایہ پر دینا

سوال: [۸۰۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں پرانی مسجد کی جگہ نئی مسجد تعمیر ہورہی ہے، کنارۂ صحن مسجد (لب سڑک)اوپرمنزل میں جانے کیلئے سیڑھی ہے، سیڑھی کے نیچے جوجگہ خالی تھی اسے کمرہ کی شکل دیدی گئی اس جگہ گرمیوں میں نمازیں پڑھی گئی ہیں، کیا اس کمرہ کوکرایہ پرجس سے مسجد کی آمدنی ہونے لگ جائے دیا جاسکتاہے؟مفصل جواب سےنوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي:عبدالاحد،تاجرکتب بڑہار ضلع: شہدول، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سیڑھی کے نیچے کا حصہ مسجد سے خارج ہے، تو جائز ہے، اور اگر وہ جگہ مسجد کا ہی ایک حصہ ہے تو جائز نہیں ہوگا، متولی مسجد سے معلوم کریں کہ وہ مسجد کا حصہ ہے یا نہیں؟

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلى قوله) فيجب هدمه ولو علىٰ جدار المسجد ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلا الخ. (شامی، مع الدر المختار، الوقف، مطلب فی أحکام المسجد زکریا٦/٥٤٨، کراچی ٤/٣٥٨، النهر الفائق، دارالکتب العلمية بيروت٣/ ٣٣٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴؍۹۳۷)

مسجد کیلئے کرایہ کی دوکانیں وگودام بنانے کا حکم

سوال: [۸۰۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک زمین مسجد کی تعمیر کے واسطے وقف کی گئی ساتھ ہی واقف نے مسجد کی ضرورت کیلئے ایک یا دو دوکانیں بنانے کیلئے اجازت دیدی ابتدائی نقشہ کے مطابق یہ دوکانیں مسجد شرعی سے خارج حدود مسجد میں آرہی تھیں، اور کافی حد تک دیواریں بلند ہوگئیں تھیں کہ ذمہ داران نے یہ کہا کہ مسجد شرعی کے نیچے کچھ حصہ میں حوض دوکانیں وغیرہ بنائی جائیں، اس پروگرام کی منظوری کے بعد اس پر عمل درآمد کیلئے مسجد کی وہ دیواریں اور بنیادیں منہدم کردی گئیں جو پروگرام میں حائل تھیں، پھر تیسری بار پروگرام بدلا اور اب نقشہ یہ ہیکہ نیچے کے حصہ میں دوکانیں گودام و وضوخانہ رہے اور پھر مکمل مسجد رہے، اور یہ سب کام عامۃ المسلمین کے چندہ سے

ہورہا ہے، اب سوال طلب بات یہ ہے کہ نچلے حصہ میں مکمل دوسری چیزیں اور اوپر کے حصہ میں مسجد رہے کیا اس طرح تعمیر کرانا جائز ہے؟

اور اس بنی ہوئی مسجد کو مسجد شرعی کہیں گے؟ اور اگر یہ ناجائز ہے تو کیا ایک اور دو شکلیں جائز تھیں واضح اور مدلل جواب سے نوازیں؟

المستفتي: لیاقت علی عفاعنہ، محلّہ:
چوک ٹانڈہ بادلی، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر واقف نے اجازت دی ہے تو بیت الخلاء کے علاوہ باقی وضوخانہ کرایہ کی دوکانیں اور گودام وغیرہ کی شدت ضرورت کی بنا پر فقہاء نے اجازت دی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ گودام اور دوکان کے کرایہ دار ہر سال بدلے جاتے رہیں اور کرایہ دار کو ایک سال سے زائد اجازت دینا اور باقی رکھنا جائز نہیں ہے۔

إذا كان فوقه مسكن أو مستغل يتعذر تعظيمه وعن أبى يوسف أنه يجوز فى الوجهين حين قدم بغداد ورأى ضيق المنازل كأنه اعتبر الضرورة وعن محمد أنه حين دخل الرى أجاز ذلک كله وتحته فى العناية عن محمد أنه أجاز ذلک كله أي ما تحته سرداب وفوقه بيت مستغل أو دكاكين الخ. (هدايه مع العنايه، الوقف، فصل فى أحكام المسجد، دارالفكر مصرى٦/ ٢٣٥، زكريا ٦/ ٢١٧، ٢١٨، كوئٹه ٥/ ٤٤٥)

فإن قيل أليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به قيل إذا كان تحته شيئى ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع عامة المسلمين صار ذلک لله تعالىٰ منه ومنه يعلم حكم كثير من مساجد المصر التى تحتها صهاريج ونحوها الخ. (تقريرات رافعى كراچى ٤/ ٨٠، زكريا ٦/ ٨٠، تبيين الحقائق، مكتبه

امدادیه ملتان ۳/ ۳۳۰، زکریا ٤/ ۲۷۱)

والظاهر عدم الصحة جعله مسجد يجعله بيت الخلاء تحته فقراء الذمي تحت عبادة الثاني، لم أره صريحاً. (تقريرات رافعي كراچی ٤/ ۸٥، زكريا٦/ ۸٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۵۲)

مسجد کے گودام اور وضوخانہ کی چھت پر کمرہ بنا کر کرایہ پر دینا

سوال: [۸۰۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے برابر میں ایک کمرہ ہے جو مسجد کا گودام ہے اسکی چھت اور وضوخانہ کی چھت ملی ہوئی ہے، اب سوال یہ ہے کہ دونوں کی چھت کے اوپر کمرہ بنوا سکتے ہیں، جو رہائش کیلئے کرایہ پر اٹھادیں تا کہ مسجد کو آمدنی ہوجائے؟

المستفتي: حافظ محمد جان، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگروہ حصہ حدود مسجد سے باہر ہے اور مسجد کو ضرورت ہے کہ کرایہ پر دیکر آمدنی حاصل کر کے ضرورت پوری کی جائے، تو مسجد کی کمیٹی کی اجازت سے جائز ہوسکتا ہے، لہٰذا کمرہ کے اوپر کمرہ بنا کر کرایہ پر دینے کی گنجائش ہے، مگر وضوخانہ کے اوپر کرایہ وغیرہ کے کمرہ بنانے سے فقہاء نے منع فرمایا ہے، جبکہ وضوخانہ پہلے سے بنا ہوا ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۸۸)

هل يجوز أن تؤجر قطعة منها بقدر ماينفق عليها أم لا؟ أجاب مقتضى مافى الخلاصة جواز ذلك .... وهذه المسئلة دليل على أن المسجد المحتاج إلىٰ النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ماينفق عليه . (تقريرات رافعي زكريا٦/ ۸۰، كراچی ٤/ ۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۱۴ھ

شرعی مسجد کے نیچے دوکانیں بنا کر کرایہ پر دینے کا حکم

سوال: [۸۰۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد گھیر سعید خاں جو کہ محلّہ فیض گنج میں واقع ہے، اسکی ایک کمیٹی ہے، جسکے سکریٹری اختر حسین وخزانچی مہدی حسن خاں صاحب ہیں انہیں حضرات نے مندرجہ ذیل کام کو انجام دیا ہے؟

(۱) مسجد کے فرش پر پانچ وقت نمازیں ادا کی جاتی ہیں، اس فرش کو کھدوا کر کچھ دوکانیں نکالی گئی ہیں۔

(۲) اور تقریباً ڈیڑھ دو فٹ جگہ زمین بغیر اجازت میونسپل بورڈ کے مسجد میں لے لی گئی ہے؟

(۳) ان دوکانوں کی آمدنی شریعت کی نظر میں کیسی ہے؟

(۴) وہ آمدنی مسجد میں خرچ کیجا سکتی ہے یا نہیں؟

(۵) جن لوگوں نے اس کام کو انجام دیا ہے ان کی شریعت کی رو سے کیا سزا ہے؟

المستفتي: مولانا الطاف الرحمٰن، پیر غیب، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد مکمل ہونے کے بعد جماعت خانہ کے فرش کے نیچے دوکان بنا کر کرایہ پر دینا ہرگز جائز نہیں ہے، چاہے مسجد کی آمدنی کی ہی غرض سے کیوں نہ کیا گیا ہو۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق فإذا كان هذا فى الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولا يجوز اخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا

سکنی الخ. (الدر المختار، الوقف، مطلب في أحكام المسجد زكريا ٦/٥٤٨، كراچي ٤/٣٥٨، وهكذا في البزازية زكريا جديد ٣/١٥٢، وعلى هامش الهندية ٦/٢٨٥)

(۲) میونسپل بورڈ کی اجازت کے بغیر اس کی زمین پر دوکان بنا کر مسجد کیلئے آمدنی فراہم کرنا اور اسکو مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۶/ ۲۱۷، ڈابھیل ۱۴/ ۶۱۴، کفایت المفتی ۷/ ۴۴، جدید مطول ۱۰/ ۱۳۳)

(۳-۴) مذکورہ دوکانوں کی آمدنی اسوقت تک مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں ہوگا جب تک کہ میونسپل بورڈ سے اجازت حاصل نہ کی جائے، یا اس کا معاوضہ میونسپل بورڈ کو ادا نہ کر دیا جائے۔

أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره له لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب الخ. (شامي، الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها قبيل مطلب في أفضل المساجد زكريا ٢/٤٣١، كراچي ١/٦٥٨)

(۵) جن لوگوں نے ایسا کیا وہ سب شرعاً گنہگار ہوں گے، ان پر لازم ہے کہ جماعت خانہ کا حصہ دوکانوں سے خالی کر کے مسجد کے حوالہ کر دیں اور جو حصہ میونسپل بورڈ کا ہے میونسپل بورڈ کی اجازت کے مطابق اس میں عمل کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۸۱)

مسجد کے نیچے بغرض آمدنی ہال بنانا

سوال: [۸۰۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے خاندان کے لوگوں نے اپنی ملکیت کی ایک بڑی جگہ میں سے ایک ٹکڑا مسجد کیلئے وقف کیا کئی برس تک یہ جگہ بغیر تعمیر کے پڑی رہی اسی جگہ پر ایک سوکھا کنواں تھا جو تعمیر کیلئے تکلیف

دہ تھا، اسے مٹی سے بھرنا ضروری تھا، مگر اخراجات زیادہ تھے، اسی لئے وقف کرنے والوں اور متولیان نے مشورہ میں طے کیا کہ مسجد کی عمارت کے نیچے بیس مینٹ (تل گھر) بنایا جائے اور تل گھر بنانے کے لئے پانچ فٹ گہرا تیس بائی چالیس (٤٠×٣٠) فٹ کا گڑھا کھود کر اس کی مٹی سے اس سوکھے کنویں کو پاٹ دیا جائے، اور نیچے کے اس ٤٠×٣٠ کے ہال کو مسجد کی آمدنی کیلئے شادی بیاہ ولیمہ کیلئے کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی سے مسجد کے اخراجات پورے کئے جائیں، اور اس کا خاص خیال رکھا جائے کہ اس ہال میں کوئی بھی غیر شرعی عمل نہ ہونے پائے، اور باقی کے دنوں میں اس ہال کو مدرسہ کی دینی تعلیم، دینی جلسہ اور بوقت ضرورت نماز کیلئے بھی استعمال کیا جائے، چنانچہ اسی طرح تعمیر کی گئی، تعمیر کے تقریباً تمام اخراجات بھی واقف لوگوں نے کئے ہیں، اوپر مسجد کی تعمیر کا کام جاری ہے وضوخانہ وغیرہ کا کام بھی جاری ہے ابھی تک مسجد میں نماز شروع نہیں ہوئی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے:

(١) کیا نیچے کے (٣٠×٤٠) فٹ کے ہال (تل گھر) کو مسجد کے اخراجات کی غرض سے شادی بیاہ کیلئے کرایہ پر دیا جا سکتا ہے؟

(٢) اگر جواب ہاں میں ہو تو کیا اسی کرایہ کی آمدنی کو مسجد کے اخراجات کیلئے خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: نثار احمد، حاجی عبدالستار، ١٣٥٣/١ اسلام پورہ، نشاط روڈ، مالیگاؤں، ضلع ناسک، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے بموجب ابھی تک زمین کا وہ موقوفہ ٹکڑا خالی پڑا ہوا تھا، اور اس پر اب مسجد تعمیر کی جا رہی ہے، تو ایسی صورت میں مسجد کے نیچے والے حصہ کی تعمیر مسجد کی نیت سے نہ کی جائے، بلکہ مسجد کی آمدنی کی نیت سے کی جائے اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ وہ حصہ ہمیشہ مسجد کی ملکیت رہا کرے گا، اور اسمیں ایسا کوئی پروگرام کرنے سے گریز کرنا چاہئے جو غیر شرعی ہو اور مسجد اور نمازیوں کیلئے فتنہ کا ذریعہ بنتا ہو بعض شادیوں

میں ڈھول تاشہ باجا اور ویڈیو فلم وغیرہ کام ہوتے ہیں، اسطرح کا کوئی پروگرام اس میں جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ مہذب طریقہ سے مہمانوں کو بٹھانے اور کھانا کھلانے کا پروگرام کیا جاسکتا ہے، اور اس کا کرایہ وصول کر کے مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے، تفصیل (امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۸۵) میں ملاحظہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۱۰۰۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۱۰ھ

مسجد کی دوکان کو کرایہ پر دینے سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال: [۸۰۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی آراضی میں ۴؍ دوکانیں تعمیر کی گئیں ہیں، ۳؍ دوکانیں ایک صاحب نے کرایہ پر لی ہیں، اور مبلغ ۲۵؍ روپیہ ماہوار کرایہ کے حساب سے ۱۵؍ سال کا کرایہ پیشگی ادا کردیا اور ایک دوکان میں نے مبلغ ۲۵؍ روپیہ ماہوار کرایہ پر لی اور ۱۵؍ سال کا کرایہ پیشگی ادا کردیا اور کمیٹی سے تحریر لکھوالی میں سعودیہ عربیہ کاروباری سلسلہ میں چلا گیا، میں نے اپنے چچا کو مبلغ ۷۰؍ روپیہ ماہوار کرایہ پر دیکر بٹھادیا اور میں وہ کرایہ وصول کرتا رہا۔

میرے اور میرے چچا کے درمیان اختلاف پیدا ہوا میں نے دوکان خالی کرنے کو کہا میرے چچا نے انکار کردیا اسمیں ۳؍ ثالثوں نے یہ فیصلہ دیا کہ کہ مبلغ ۵؍ ہزار روپیہ میرے چچا مجھکو دیدیں اور ۵۷؍ روپیہ ماہوار کرایہ مسجد کو دیدیں اگرچہ میں اور میرے چچا راضی نہ تھے، مگر مجبوراً مجھ کو اور چچا کو یہ فیصلہ منظور کرنا پڑا، اسکے بعد ارباب کمیٹی مسجد نے میرے چچا کو مبلغ ۵۷؍ روپیہ ماہوار کرایہ پر دیدی اور تحریر لکھدی اور اب کمیٹی مسجد میرے چچا سے مبلغ ۵۷؍ روپیہ ماہوار کرایہ وصول کررہی ہے، جبکہ ۳؍ دوکانوں سے مبلغ ۲۵؍ روپیہ ہی وصول کئے جارہے ہیں۔

(باعث استفسار مندرجہ ذیل امور ہیں)

(۱) اس طرح مبلغ ۵ ۷ /روپیہ میرے چچا سے جو وصول کئے جا رہے ہیں، وہ مسجد میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) ان ۵ ۷ /روپیہ کا میں مستحق ہوں یا نہیں؟

(۳) ابتک جو ۵ ۷ /روپیہ وصول کئے جا رہے ہیں، اگر مسجد اس کی مستحق نہیں وہ رقم مسجد سے واپس لیجائے یا نہیں؟

(۴) کیا یہ کرایہ دار کسی اور شخص کو کم وبیش کرایہ پر دے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: حاجی تسلیم احمد قریشی،
محلّہ افغانان شرگت، معرفت محمد محفوظ الرحمٰن
غفرلہ مہتمم مدرسہ رحمانیہ، شرگت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دووجہوں سے مسجد کی دوکانوں کی کرایہ داری موجودہ کرایہ داروں سے ختم کرنا واجب ہے!

(۱) مسجد کی جائداد کو ایک آدمی کے ہاتھ ایک سال اور زیادہ سے زیادہ ۳/سال اس سے زائد کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔

(۲) مسجد کی دوکانوں کا کرایہ موجودہ زمانہ کے اعتبار سے کم ہی نہیں بلکہ غبن فاحش ہے!

قيل تقيد بسنة مطلقاً وبها أى بالسنة يفتى فى الدار وبثلاث سنين فى الأرض (إلىٰ قوله) **قلت لكن قال أبو جعفر الفتوىٰ على إبطال الإجارة الطويلة ولو بعقود ويؤجر بأجر المثل فلا يجوز بالأقل وفى الشامية وعليه الفتوىٰ الخ.** (الدر المختار مع الشامى، الوقف، فصل يراعى شرط الواقف فى إجارة زكريا ٦/٥ ٦٠، كراچى ٤/٢ ٤٠، مجمع الانهر، دار الكتب العلمية بيروت٣/٤ ١ ٥، مصرى قديم ٢/٩ ٦ ٣، الفقه الاسلامى وأدلته، دارالفكر ١٠/٩ ٨ ٦ ٧، هدى انٹرنيشنل ديوبند٨/٣ ٣ ٢)

نیز یہ بھی ناجائز ہے کہ کرایہ دار کسی دوسرے کو کرایہ پر دیدے بلکہ آپکو سعود یہ جاتے

وقت مسجد کے حوالہ کر کے جانا چاہئے تھا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۲۵۷)

(۱) درست ہے۔ (۲) مسجد ہی اسکی مستحق ہے۔ (۳) نہیں لی جائیگی۔ (۴) جو بھی زیادہ کرایہ دیگا اس کو دینی چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ر شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۲/۲۴)

مسجد کی دوکان اور مکان کرائے پر دینا

سوال: [۸۰۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مسجد کی دوکانوں میں سال ہا سال سے کرایہ دار ہے، ایک دوکان میں بذات خود کاروبار کرتا ہے، اور ایک دکان میں اشتراک کر کے مختلف شکلوں میں دوکان پر کاروبار کرتا کراتا رہتا ہے، اب ایک دوکان خالی ہونے کی بناء پر مندرجہ ذیل شرائط پر اشتراک واخوت باہمی کیساتھ شرعی جدو جہد میں پاک وصاف کاروبار کرنا چاہتا ہے، اللہ قبول فرمائے آسان فرمائے۔

(۱) یہ کہ زید کرایہ دار ہے کرایہ نامہ اسی کے نام رہے گا؟

(۲) یہ کہ زید پچاس ہزار اور عمر وبکر ایک ایک لاکھ مالیت لگائیں گے؟

(۳) یہ کہ دوکان میں موجود جزوی فرنیچر زید کا ہے اسی کا رہے گا، اور حسب ضرورت مزید فرنیچر عمر وبکر لگائیں گے، اور وہ انھیں کا ہوگا؟

(۴) یہ کہ دوکان میں زید جزوی طور پر ہی وقت دیا کرے گا، اور عمر وبکر حسب ضرورت جان لگائیں گے، اور مزید مال کی ضرورت پڑنے پر حسب ضرورت جان وگنجائش زید عمر وبکر مشورہ کر کے لگایا کریں گے؟

(۵) یہ کہ یہ اشتراک حسب موقع وضرورت تاعمر یا تاضرورت ہوگا، اور کسی وقت یا مدت کی کوئی قید نہ ہوگی؟

(۶) یہ کہ دوکان کا کرایہ وبجلی جرنیٹر وغیرہ کے تمام اخراجات فرم کے ہونگے اور کرایہ جو

مسجد کی طرف سے طے شدہ ہے وہی فرم ادا کرتی رہے گی، اور رسید زید کے نام ہی کٹتی رہے گی؟

(۷) یہ کہ مال کے نفع ونقصان کے تینوں برابر کے شریک ہوں گے؟

(۸) یہ کہ زید کرایہ دار کو مسجد کمیٹی سے اجازت کے بغیر اپنی کرایہ داری میں خالی دوکان پر مزید شرکت دار بنانے کی شرعی اجازت ہے یا نہیں؟ اور یہ شرکت دوکان کی کرایہ داری میں صرف فرم کی طرف سے ادائیگی کرایہ داری وکاروبار میں ہوگی؟ کرایہ دار مندرجہ بالا طریقہ پر زید ہی رہے گا؟

المستفتي: حبیب الرحمٰن انصاری محلّہ قاضیان شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسجد کی ملکیت کی دوکان اور مکانوں کو ایسی شرائط کیساتھ کرایہ پر دینا اور لینا جائز نہیں ہے جن شرائط کی بنیاد پر کرایہ دار کو مالکانہ تصرف کا حق حاصل ہوجائے، سوالنامہ میں جس انداز سے کرایہ داری کا ذکر کیا گیا ہے، وہ مالکانہ تصرف کے مرادف ہے، اس لئے مسجد کی ملکیت کی جائیداد کو سوالنامہ میں مذکورہ شرائط کے ساتھ کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، بلکہ منجانب مسجد ایسی شرطیں لگانا ضروری ہیں، جن شرائط کی بنیاد پر مسجد کا مالکانہ حق مکمل باقی رہے، اور مسجد جب چاہے کرایہ دار سے خالی کرا سکے اور جب چاہے کرایہ بڑھا سکے، یا خالی کرانے میں اور کرایہ بڑھانے میں اور کرایہ دار کی تبدیلی میں مسجد کو مکمل اختیار حاصل ہونا لازم ہے، اور کرایہ دار کو کوئی اختیار اس سلسلہ میں حاصل نہیں ہونا چاہئے، اگر کرایہ داری کی رسیدیں کٹیں تو ان تمام رسیدوں میں ان اختیارات کی صراحت ہونی چاہئے، فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر تین سال میں کرایہ دار کی تبدیلی ہونی چاہئے، تاکہ کرایہ دار اس میں اپنا تسلط نہ جمائے۔

وبها أي بالسنة يفتیٰ في الدار وبثلاث سنين في الأرض – قال أبو جعفر الفتویٰ على إبطال الإجارة الطويلة ولو بعقود لتحقق المحذور المار فيها هو أن طول المدة يؤدی إلیٰ إبطال الوقف . (شامی، الوقف، فصل يراعی شرط الوقف في إجارته زكريا ٦/ ٦٠٥ تا ٦٠٧، كراچی ٤/ ٤٠٠، ٤٠٢)

ولم تزد فی الأقاف علیٰ ثلاث سنین فی الضیاع وعلیٰ سنة فی غیرها (درمختار) وفی الشامیة: وکذا أرض الیتیم – وأکثر کلامهم علی أنه المختار المفتیٰ به لو جود العلة فیهما، وهی صونهما عن دعویٰ الملکیة بطول المدة. (شامی، کتاب الإجارة، زکریا ۹/۸، کراچی ۶/۶)

تاہم سوالنامہ میں شرکت کی جو شکل بیان کی گئی ہے، وہ شرکت فی العنان کے دائرے میں آتی ہے، لیکن اس کی صحت کیلئے شرط یہ ہے کہ جس شریک کا جتنا مال لگا ہو اس کو اتنا ہی فیصدی نقصان برداشت کرنا پڑے، لہٰذا یہ شرط لگانا کہ نقصان میں برابر کے شریک ہوں گے، یہ شرط باطل ہے، بلکہ نقصان میں اپنی حصہ داری کے اعتبار سے شریک ہوں، اور باقی شرائط جو سوالنامہ میں بیان کی گئیں ہیں، ان کیساتھ شرکت درست ہے، اور مسجد کی کرایہ داری سے مذکورہ شرکت کا معاملہ بالکل الگ ہے، یہ معاملہ کسی بھی جگہ پر کیا جا سکتا ہے، اس کو مسجد کی کرایہ داری کیساتھ جوڑنا بے موقعہ ہے۔

اشترکا فجاء أحدهما بألف والآخر بألفین علی أن الربح والوضیعة نصفان فالعقد جائزٌ، والشرط فی حق الوضیعة باطل، فإن عملا وربحا فالربح علی ماشرطا، وإن خسرا فالخسران علی قدر رأس مالهما. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الشرکة، الباب الثالث في شرطة العنان، الفصل الثانی فی شرط الربح الوضیفةوهلاك المال زکریا قدیم ۲/ ۳۲۰، جدید۲/ ۳۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍۹۲۲۱)

وقف کی جائیداد کا کرایہ کس تناسب سے ہو

سوال: [۸۰۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد تھی، جو پرانی نہیں تھی، اس مسجد کا نقشہ بدلنے کیلئے دوبارہ تعمیر کرانے کی وجہ سے مسجد کو شہید کرکے تعمیری کام ہورہا ہے، اس مسجد کی سات دوکانیں تھی، اور پرانے کرایہ

دار دوکانیں چلا رہے تھے، ان دوکانوں سے انکے اہل وعیال کا گزارہ چل رہا تھا، جب مسجد کی کمیٹی نے مسجد کا کام شروع کرانا چاہا تو دوکانداروں سے کہا کہ ہم مسجد کو دوبارہ تعمیر کرانا چاہتے ہیں، آپ لوگ دوکانیں خالی کردیں، دوکاندارحضرات نے مسجد کمیٹی کے متولی صدر خزانچی ممبران سے کہا کہ آپ لوگ ہمکو ایک تحریر لکھت روپ میں عنایت فرمادیں انھوں نے دوکاندارحضرات سے کہا کہ آپ لوگ اللہ پر بھروسہ رکھیں ہم لوگ آپ کو دوکانیں دوبارہ بناشرط واپس دیں گے، ہم لوگوں نے یہ بات سنکر دوکانیں خالی کردیں، اس وقت مسجد کا اور دوکانوں کا تعمیری کام مکمل ہوگیا ہے، تو ہم نے کہا کہ اب ہمکو دوکانوں کی چابی دیدو اب مسجد کی کمیٹی کے کارکنان ہمکو جواب دیتے ہیں، کہ اب ہمارے پاس کرایہ دار آرہے ہیں، ہم لوگ پرانے کرایہ دار ہیں اور ۱۹۷۰ء کے ہیں، ان دوکانوں کا کرایہ ۳۰/روپئے ماہ سے بڑھتے بڑھتے ٦۰۰/روپئے ماہ وار ہے، اور ہم لوگ ان دوکانوں سے اپنے اہل وعیال کا گزارہ کررہے تھے، وہ کافی عرصہ سے بند ہوگیا، اور یہ لوگ پرانے کرایہ داروں کو دوکانیں دینا نہیں چاہتے، یہ مسجد کے کارکن لوگ ہماری روزی روٹی چھین رہے ہیں، اللہ کے گھر کا سہارا لیکر کہ اللہ روزی دیتا ہے، یہ چھین رہے ہیں، میری آپ مفتیان کرام سے عرض ہے کہ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟ آپ کی عنایت ہوگی؟

المستفتي: معراج، محلّہ مقبرہ، بازاروالی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے متولی اور ذمہ داران پرانے کرایہ داروں کو وعدے کے مطابق دوکانیں کرایہ پر دینے کیلئے آمادہ ہیں، جیسا کہ سوالنامہ سے واضح ہے لیکن ساتھ میں اس زمانہ کے متعارف اور مناسب کرایہ کا مطالبہ کیا ہے، یہ مطالبہ صحیح اور درست ہے، اور آئندہ کیلئے بھی ذمہ داروں پر لازم ہے کہ ہر زمانہ کے مناسب کرایہ بڑھاتے جائیں، ورنہ مسجد کی حق تلفی ہوگی، اور ذمہ داروں پر لازم ہے کہ

مسجد کی جائیداد اور اس کے حقوق کی حفاظت کریں، اور کرایہ داروں کا یہ کہنا ’’کہ ہم لوگ اپنے اہل وعیال کا گزارہ کررہے تھے، اور وہ کافی عرصہ سے بند ہوگیا اور مسجد کے کارکن مسجد کا سہارا لے کر ہماری روزی روٹی چھین رہے ہیں‘‘ غلط ہے، بلکہ کرایہ داروں نے اب تک مسجد کا حق مارا ہے، اور مسجد کی حق تلفی کرکے بچوں کی روزی روٹی کا انتظام کہاں تک درست ہوسکتا ہے، بلکہ مناسب کرایہ کے ذریعہ مسجد کا حق مسجد کو دے کر اپنے بچوں کی روٹی کا انتظام کریں، تو درست ہے ورنہ کرایہ داروں کی طرف سے مسجد پر ظلم ہوگا، نیز مسجد کمیٹی کیلئے مناسب یہی ہے کہ قانون ہند کے مطابق ۱۱؍مہینے کا اگریمنٹ کرلیا کریں اور ہر سال اسکی تجدید کیا کریں تاکہ کوئی کرایہ دار مناسب کرایہ ادا کرنے میں آنا کانی کرے تو اس سے دوکانیں آسانی کے ساتھ خالی کرائی جاسکیں اور دوسروں کو مناسب کرایہ پر دے سکیں، اور مسجد حق تلفی سے محفوظ رہے۔

ولو آجر الناظر بدون أجر المثل يلزم مستأجرها تمام أجر المثل عند بعض علمائنا وعليه الفتویٰ، قيل: إن استأجر داراً لوقف بمدة طويلة إن كان السعر بحالها حيث لم يزد ولم ينقص يجوز وإن غلا أجر مثلها يفسخ العقد ويجدد ثانيا، وكذا إذا استأجرها إلیٰ سنة فغلا السعر بعد مضی نصف السنة يفسخ العقد ويجب المسمیٰ ويجدد ثانيا. (مجمع الانهر، كتاب الإجارة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٥١٤، مصری قديم ٢/٣٦٩)

وإن كانت الزيادة أجر المثل فالمختار قبولها فيفسخها المتولی، فإن امتنع فالقاضی ثم يؤجرها ممن زاد: فإن كانت داراً أو حانوتاً أو أرضا فارغة عرضها علی المستأجر فإن قبلها فهو أحق ولزمه الزيادة من وقت قبولها فقط. (درمختار مع الشامی، الإجارة، مطلب فی بيان المراد، بالزيادة علی أجر المثل زكريا ٩/٣٠، ٣٢، كراچی ٦/٢٣، ٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۲/۲۹ھ

مسجد کی دوکان کا کرایہ بڑھانا

سوال: [۸۰۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد شیخوں والی کی کئی دوکانیں ہیں، ایک دوکان تقریباً بیس سال سے میرے پاس کرایہ پر ہے، اور رسید بھی میرے ہی نام سے کٹتی چلی آرہی ہے اب متولی صاحب نے کرایہ زیادہ حاصل کرنے کے لالچ کی بناء پر رسید میرے بیٹے کے نام کاٹ دی اور کرایہ ۴۰۰؍ روپیہ وصول کرلیا، جبکہ دیگر اور دوکانوں کا کرایہ اب ۱۵۰؍ روپیہ ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے، کہ جو دوکان میرے نام کرایہ پر بیس سال سے ہے اب جبکہ ہم نے کرایہ داری ختم نہیں کی تو بیٹے کے نام رسید کاٹنا کیسا ہے؟ رسید باپ ہی کے نام کاٹنی چاہئے، یا باپ کا نام ختم کرکے بیٹے کے نام رسید کاٹی جاسکتی ہے، جبکہ دیگر دوکانوں کے برابر باپ بھی کرایہ دینے کو تیار ہے، مسجد کے متولی اور کمیٹی والوں کا یہ عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

المستفتي: عبدالعزیز، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد اور دیگر اوقاف کی جائیداد کو اتنی طویل مدت کیلئے کرایہ پر دینا ممنوع ہے، زیادہ سے زیادہ تین سال کے معاہدہ کی گنجائش ہے، اور زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ مسجد کی کمیٹی کو کرایہ میں بار بار اضافہ کرنا جائز ہے، لہٰذا اگر باپ کو مطلع کرنے کے باوجود کرایہ میں اضافہ نہیں کیا ہے، اور بیٹا بجائے ڈیڑھ سو روپیہ کے چار سو روپیہ دینے کیلئے تیار ہے، تو مسجد کمیٹی کو بجائے باپ کے بیٹے کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔

من استأجر داراً كل شهر بدرهم فالعقد صحيح في شهر واحد فاسد في بقية الشهور إلا أن يسمىٰ جملة الشهور معلومةً فان سكن ساعة من

الشهر الثاني صح العقد فيه وليس للمواجر أن يخرجه إلى أن ينقضي وكذلك كل شهر سكن في أوله. (هـدايه ، كتاب الإجارة ، باب الإجارة الفاسدة اشرفی ۳/۲ ۳۰، قدوری/ ۱۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: (۳۳/ ۵۷۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۳۰ھ

مسجد کی دوکان کا کرایہ بڑھانا

سوال: [۸۰۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں کرایہ دار محلّہ قاضی باغ کاشی پور کا ہوں ، جس کا پچھلا کرایہ ۱۲۰/ روپیہ چلا آ رہا ہے، اب نئی کمیٹی کا مسجد پر تسلط ہے جس کی وجہ سے وہ اپنا رعب جمائے ہوئے یہ کہتے ہیں، کہ اگر آپ مسجد کی دوکان میں رہنا چاہتے ہیں، تو اپنا کرایہ چار سو روپیہ مہینہ دیجئے نہیں تو خالی کر دیجئے اگر آپ نے چار سو روپیہ نہیں دیا تو ہم سامان نکال کر پھینک دیں گے، جب کہ ہم کو کسی طرح کی کوئی سہولت وغیرہ مسجد کی کمیٹی نہیں دیتی اور یہ سب کام اپنے ہاتھ سے کرانے پڑتے ہیں، اور ہر ماہ کرایہ وقت پر ادا کرتے ہیں، ایسی حالت میں آپ سے درخواست ہے کہ احکام شریعت کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: شرافت حسین، محلّہ قاضی باغ، الیکٹریشن، کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کی جائیداد کے بارے میں شرعی حکم یہی ہے کہ زمانہ اور حالات کے اعتبار سے موجودہ زمانہ میں ایسی جائداد کا عام طور پر جو کرایہ ہوسکتا ہے، اس سے کم میں کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر مذکورہ دوکان چار سو روپیہ کرایہ کے لائق ہے تو ذمہ داران مسجد کیلئے اس سے کم میں کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، اور مثل کرایہ نہ دینے پر آپ سے دوکان خالی کرانے کے مجاز ہیں۔

ولا يوجر الوقف إلا بأجر المثل حتى لو آجر بدون أجر المثل لزمه اتمامه بالغاً بلغ وعليه الفتوىٰ. (مجمع الانهر، كتاب الوقف، فصل دارالكتب العلمية بيروت ۲/۵۹۷، مصرى قديم ۱/۷۵۰، الدر مع الرد، مطلب فى إجارة الطويلة بعقود، زكريا ۶/۶۰۸، كراچى ۴/۴۰۲)

ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل الخ. (هنديه، الباب الخامس في ولاية الوقف، قديم۲/۴۱۹، جديد۲/۳۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۵۶)

مسجد کے کمرہ میں مدرس کا بلا کرایہ رہنا

سوال: [۸۰۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں مسجد ہی کی رقم سے امام صاحب کیلئے کمرہ بنایا گیا تھا، اس میں امام صاحب اپنے اہل وعیال کیساتھ رہتے تھے، پھر اپنے اہل وعیال کیساتھ اپنے نجی مکان میں چلے گئے اب اس جگہ میں مدرسہ کے دو مدرس کا مع اہل وعیال کے بغیر کرائے کے اس حالت میں رہنا کہ مسجد کی بجلی پانی اور دوسری چیزوں کے ذریعہ فائدہ اٹھاتے ہوں، اوران کی طرف سے کچھ ایسے کام پائے جارہے ہوں، جس کی وجہ سے پولیس کے ذریعہ مسجد کی بے حرمتی کا اندیشہ ہو کیسا ہے؟ مثلاً مدرس کا سالا اسی حجرہ میں لڑکی بھگا کر لے آیا؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: حاجی جاوید، اعظم، رشید احمد، محلّہ حاجی پور، ضلع: فیروز آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرسہ مسجد سے منسلک ہے تو ایسی صورت میں مسجد کے حجرے میں مدرس کی رہائش میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر مدرسہ مسجد سے منسلک نہیں ہے، بلکہ دونوں الگ الگ ہیں، اور دونوں کا انتظام بھی الگ الگ ہے تو ایسی صورت

میں بغیر کرایہ کے مسجد کے حجرہ میں مدرس کی رہائش درست نہیں ہے، ہاں البتہ اگر مدرس وہاں پر رہائش اختیار کرنے کے ساتھ نماز بھی پڑھا دیتا ہے، تو بلا کرایہ رہائش جائز ہے؟

ولا تجوز إعارة الوقف والإسكان فيه . (هنديه ، الباب الباب الخامس زكريا قديم ٢/ ٤٢٠ ، جديد٢/ ٣٨٧)

وليس للقيم أن يسكن فيها أحداً بغير أجر. (تاتار خانية، الفصل السابع، تصرف القيم فى الأوقاف زكريا٨/٦٧، رقم ١١٢٢٤ ، المحيط البرهانى ، المجليس العلمى ٩/ ٢٩، رقم: ١١٠٣٠ ، هنديه ، زكرياقديم ٢/ ٤١٨ ، جديد ٢/ ٣٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۱۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۲ھ

مسجد کی دوکانیں کم اجرت میں کرائے پر دینا

سوال: [۸۰۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے شہر کامٹی میں جو جامع مسجد گری بازار تمبا کو میں ہے، اس میں جو کرایہ دار ہیں وہ پانچ سال سے کرایہ نہیں دے رہے ہیں، کرایہ دار میں سے کوئی دس سال سے ہے کوئی پندرہ سال سے ہے، کوئی بیس سال سے ہے آج سے تقریباً پانچ سال پہلے پرانی کمیٹی نے ان سے ۳۵۰؍روپیہ کرایہ طلب کیا تھا، جو دوکانداروں نے دینے سے انکار کیا پھر ایک اور ثالث کمیٹی نے ان دونوں کے بیچ میں آ کے فیصلہ کیا کہ دونوں پارٹی کے متعلق ثالث جو فیصلہ دے اس کو مانیں گے ،ثالث کمیٹی کے فیصلہ کو چونکہ ہر دو فریق ماننے کیلئے تیار تھے، اسلئے ثالث کمیٹی نے دونوں سے ایک کورے کاغذ پر دستخط لے لئے اور فیصلہ دیدیا کہ دوکاندار دوسو پچاس روپئے مہینہ دیں گے، اور دوکانوں کا ٹیکس بھی دیں گے، لیکن پھر دوکانداروں نے اس بات سے انکار کردیا اور بات طے نہیں ہوئی پھر مارچ ۱۹۹۶ء میں دوسری کمیٹی آئی اس نے اپنی طرف سے دوسو روپیہ مہینہ کرایہ طے کیا، اور ٹیکس مسجد کی طرف رکھا اس پر بھی وہ راضی نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ہم

پرانے کرایہ میں کچھ بڑھا کر دیں گے، ان کا پرانا کرایہ کسی کا ۴۲، کسی کا ۷۰، کسی کا ۲۸، کسی کا ۶۳، کسی کا ۱۳۰، اور کسی کا ۱۵۰ روپیہ ہے، جس سے مسجد کا خرچ پورا نہیں ہوتا ایک بات یہ بھی ہے کہ ان دوکانداران نے غیر مسلموں سے ساز باز کر رکھی ہے، اوران کے اشارے پر کام کررہے ہیں، کیا ایسے دوکانداروں کو رکھنا چاہئے یا خالی کروانا چاہئے، عام مسلمانوں کا کہنا ہے کہ خالی کروانا چاہئے، اب آپ جو فیصلہ دیں گے، انشاء اللہ اس پر ہی عمل ہوگا؟

المستفتي: محمد اسلم لہارو، معرفت: مفتی عتیق الرحمٰن مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم، کامیٹی، ناگپور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس علاقہ کی تمام دوکانوں کو جتنی اجرت میں کرایہ پر دیا جاتا ہے، اس سے کم اجرت پر مسجد کی موقوفہ زمین اوردوکانیں کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی پہلے سے موجود کرایہ دار اتنی اجرت دینے سے انکار کردے تو اسے خالی کروادینا چاہئے، کیونکہ اس سے وقف اور مسجد کا بڑا نقصان ہے۔

ويؤجر بأجر المثل فلا يجوز بالأقل أي لا يصح ايجار الوقف بأقل من أجرة المثل إلا عن ضرورة. (شامی، الوقف، مطلب لا يصح ايجار الوقف، بأقل من أجرة الاعن ضرورة، زكريا ٦/ ٦٠٨، كراچی ٤/ ٤٠٦، هنديه زكريا قديم ٢/ ٤١٩، جديد ٢/ ٣٨٧، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٩٧، مصری قديم ١/ ٧٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۳۶)

چندہ کی شرط لگا کر مسجد کا کمرہ کم کرایہ پر دینے کا حکم

سوال: [۸۰۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی جائیداد میں ایک کمرہ خالی ہے، کمیٹی والوں نے یہ طے کیا ہے، کہ جو کمرہ لینا چاہے اسے مبلغ پندرہ ہزار روپئے ۱۵۰۰۰/ مسجد میں چندہ دینا ہوگا، رقم دینے کے عوض میں اس گھر کا کرایہ ۲۵۰/روپیہ رکھا گیا ہے، جبکہ اس وقت اس کا کرایہ ۴۰۰/روپئے ہونا چاہئے، کیا کمرہ کے عوض میں یہ روپئے لینا درست ہے؟ اگر کوئی شخص آ کر یہ کہے کہ یہ کمرہ مجھے دیدیجئے میں مسجد کو پندرہ ہزار روپیہ چندہ دوں گا مگر کرایہ ۲۵۰/روپیہ دوں گا، جبکہ اس کا کرایہ چارسو روپئے ہونا چاہئے تھا، کیا اس شرط پر چندہ کی یہ رقم لینا درست ہے؟ شریعت کی نظر میں اس کی کیا حقیقت ہے واضح فرمائیں؟

المستفتي: وسیم احمد، کانکی نارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پندرہ ہزار روپیہ چندہ دینے کی شرط کے ساتھ مسجد کا کمرہ کچھ رقم کم کر کے کرایہ پر دینا از روئے شرع درست نہیں ہے، کیونکہ یہ شرط شرط فاسد ہے، لہٰذا اس شرط کے بغیر کرایہ داری کا معاملہ کیا جائے، اور کرایہ دار سے پورے چارسو روپیہ کرایہ مقرر کیا جائے۔

تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع يفسدها............ كشرط طعام عبد وعلف دابة ومرمةالدار............ . (شامی، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا۹/ ٦٤، كراچی ٦/ ٤٦)

ويؤجر بأجر المثل فلايجوز بالأقل . (الـدرمع الـرد، الوقف، مطلب لايـصـح إيجار الوقف بأقل، زكريا٦/ ٦٠٨، كراچی ٤/ ٤٠٦، هكذا فی الفقه الإسلامی وأدلتـه ،دارالفكر مجمع الانهر، دارالكتب العلمية بيروت٣/ ٥١٤، مصری قديم ٢/ ٣٦٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر صفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۹۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۵ھ

مسجد کے کرایہ دار سے مرمت وغیرہ کی شرط لگانا

سوال: [۸۰۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ کی مسجد کا ایک مکان ہے جو نا قابل رہائش ہے، اب متولی صاحب اس کو کرایہ پر دینے کی بات کر رہے ہیں، لیکن ان کی شرائط یہ ہیں، کہ جو مکان کرایہ پر لے گا اس کو مکان از سر نو تعمیر کرنا ہوگا، اور تعمیر ہونے کے بعد بنانے والے کا اس مکان سے کوئی تعلق نہ ہوگا، وہ مکان مسجد ہی کی ملکیت میں رہیگا اور نیز اس کو اپنی لگائی ہوئی لاگت کو واپس لینے کا بھی حق نہ ہوگا، دوسری شرط یہ ہے کہ کرایہ پر لینے والے کو ایڈوانس روپئے جمع کرانے ہوں گے، جو نہ تو کرایہ میں کٹیں گے اور نہ ہی مکان خالی کرنے پر واپس ملیں گے، یہ شرائط متولی اور مسجد کی کمیٹی نے طے کی ہیں، اب بعض لوگ ماہانہ کرایہ ۱۰۰۰ر روپیہ اور ایڈوانس ڈھائی لاکھ روپیہ دینے کو تیار ہیں، اور بعض لوگ کرایہ ۴۰۰۰ر روپیہ اور ایڈوانس پچیس ہزار روپئے دینے کو تیار ہیں، تو اب دریافت یہ کرنا ہے، کہ متولی مسجد اور کمیٹی کا مذکورہ شرط لگانا درست ہے یا نہیں؟ اور متولی اور کمیٹی والوں کو مذکورہ کرایہ داروں میں سے کس کو کرایہ پر دینا چاہئے، کرایہ کم اور ایڈوانس زیادہ دینے والوں کو یا ایڈوانس کم اور کرایہ زیادہ دینے والوں کو شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: خلیفہ محمد اسلم قریشی، فیل خانہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) متولی اور مسجد کے ذمہ داروں کا یہ شرط لگانا کہ کرایہ دار پر لازم ہوگا، کہ مکان کو از سر نو تعمیر کرے اور تعمیر کا خرچہ یا تعمیر کے ملبہ کو واپس لینے کا کرایہ دار کو حق نہ ہوگا، یہ غیر شرعی شرط ہے، ایسی شرط لگانا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کا حق ہوگا کہ

یاتو تعمیر کا ملبہ واپس لے لے یا مسجد اس کی قیمت ادا کرے۔

ولـو استـأجر أرضا موقوفة وبنیٰ فیها حانوتاً وسکنها........... ثم ینـظـر إن کـان رفع البناء لایضر بالوقف فله رفعه، لأنه ملکه وإن کان یضـر بـه فلیس لهٗ رفعه ، لأنه وإن کان ملکه فلیس لهٗ أن یضر بالوقف ثـم إن رضـی الـمستـأجـر أن یتـمـلـکـه القیم للوقف بالقیمة مبنیاً أو مـنـزوعـاً، أیهما ماکان أخف یتملکه القیم . (البحر الرائق، الوقف، زکریا ٥/ ٣٩٨، کوئٹه ٥/ ٢٣٧، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ٩/ ٣٥، رقم: ١١٠٥١، تاتار خانیة ،زکریا ٨/ ٧٣، برقم: ١١٢٤٧)

رجـل استـأجـر أرضـاً موقوفة ، وبنی فیها حانوتاً وسکنها........... فبعد ذلک رفـع البـناء إن کان لایضر بالوقف فللباقی رفعه، وإن کان یضر لیس لهٗ رفعـه فبـعد ذلک، إن رضیٰ المستأجر ان یتملکه القیم مبنیاً أو منزوعاً أیهما کان أقل فیهما. (هندیه ، الوقف، الباب الخامس ،زکریاقدیم٢/ ٤٢٢، جدید ٢/ ٣٨٨)

(٢) اور یہ شرط بھی ناجائز شرط ہے کہ ایڈوانس روپیہ جو جمع ہوگا وہ نہ کرایہ پر لگے گا اور نہ زرضمانت کے طور پر خالی کرتے وقت واپس ملیگا، اب رہی ماہانہ کرایہ کی بات تو اس کے بارے میں متولی اور کمیٹی کے لوگوں کو اختیار ہے کہ مسجد کے فائدہ کے لئے زیادہ سے زیادہ کرایہ پر دیا جائے، اور اس بات کا بھی خیال رکھا جائے، کہ مسجد کے اوقاف کو ہمیشہ کے طور پر کرایہ داری کے لئے نہ دیا جائے ، بلکہ ایک سال یا تین سال کے اگریمنیٹ کے طور پر دیا جائے، تاکہ تبدل زمانہ کی وجہ سے آئندہ کرایہ بڑھانے میں پریشانی نہ ہو۔(تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ١/ ٢٠٩، بحوالہ محمودیہ ڈابھیل ١٤/ ٣٤٣)

لأن لـلـنـاظـر التصرف فی الوقف بمافیه الحظ و المصلحة . (تنقیح الفتاویٰ الحامدیه ١/ ٢٠٩، بحواله محمودیه ڈابهیل ١٤/ ٣٤٣)

روی عـن الـفقیه ابی جعفرؒ أنه کان یقول فی الوقف لایؤجر أکثر من

سنة . (تاتار خانية زكريا/۸/ ٦٨، رقم:۱۲۳۲ ٢)

المختار أن يفتى في الضياع بالجواز في ثلاث سنين -إليٰ- لاينبغي أن يوجر أكثرمن ثلاث سنين. (المحيط البرهاني ، المجلس العلمي ٩/ ٣١، رقم: ١١٠٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/ ۱۰۵۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۲۶ھ

موقوفہ جائیداد کی آمدنی بڑھنے کا حکم

سوال: [۸۰۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی کچھ جائیداد غیر منقول وقف للہ تعالیٰ کی اور کل آمدنی کا حق دار مسجد ومدرسہ کو بنادیا گیا جس وقت جائیداد وقف کی گئی اسوقت کل کرایہ کی آمدنی تیس روپیہ تھی، جس میں سے دو روپیہ ماہوار مسجد کیلئے وقف کی گئی تھی، اور بقیہ مدرسہ کیلئے یہ دو روپیہ ماہوار عرصہ دراز سے دیا جارہا ہے اب جب جائیداد موقوفہ کی کرایہ کی آمدنی پہلے سے کئی گنا زیادہ ہوچکی ہے، اب مسجد والوں کا کہنا ہے، کہ جب آمدنی وقف کی بڑھ گئی ہے اس حساب سے مسجد کو بھی بڑھا کر دیا جائے جبکہ وقف نمبر۴ میں یہ تحریر ہے کہ مسجد کو دو روپیہ ماہوار دیا جاتا رہیگا، برائے مہربانی مندرجہ بالا مسئلہ کاحل قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں؟ عنایت ہوگی؟

المستفتي: محمد یامین، بدھ بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آمدنی بڑھ گئی ہے تو اس حساب سے مسجد کو بھی بڑھا کر دینا ہوگا۔

وإن شرط الواقف قسمة الريع على الجميع بالحصة أو جعل لكل قدر أو كان ماقدره للإمام ونحوه لا يكفيه فيعطى قدر الكفاية لئلا يلزم

تعطیل المسجد (إلیٰ قوله) **والشعائر بقدر ما یقوم به الحال** (قوله) **أن مراد الواقف انتظام حال مسجده أو مدرسته الخ.** (شامي، الوقف، مطلب یبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إلیها زکریا ٦/ ٥٦١، کراچی ٤/ ٣٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۳۹)

مسجد کی زائد از ضرورت زمین کو کرایہ پر دینا

سوال: [۸۰۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک زمین مسجد کے نام وقف ہے، فی الحال مسجد کا کوئی کام اسمیں نہیں ہورہا ہے، اب کمیٹی کے ذمہ داران گاؤں والوں کے مشورہ سے اسمیں مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں، شرعی اعتبار سے مسجد کیلئے وقف شدہ اس زمین میں مدرسہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: حبیب الرحمٰن، محلّہ خواجہ فیروز، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر وہ زمین مسجد کی ضروریات سے زائد ہے تو مسجد کیلئے یہ جائز ہے کہ اہل مدرسہ کو کرایہ پر دیدے اور اہل مدرسہ اس زمین میں کرایہ ادا کر کے مدرسہ چلاتے رہیں، تاکہ مسجد کو بھی اس زمین کی آمدنی حاصل ہوتی رہے، اور مدرسہ بھی چلتا رہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ٦/ ٧٦، جدید زکریا دیوبند ۹/ ۱۵۳، فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۵۴، ڈابھیل ۱۴/ ۶۱۳)

لزم أجر المثل بناء علی المفتی به عند المتأخرین من أن منافع العقار تضمن إذا کان وقفاً أومعداً للاستغلال. (شامی، الوقف، مطلب سکن داراثم ظهر أنها وقف یلزمه أجرة ماسکن زکریا ٦/ ٥٤٠، کراچي ٤/ ٣٥٢، هندیه زکریا قدیم ٢/ ٤١٩، جدید ٢/ ٣٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۸۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۳ھ

مسجد کے اوپر مدرسہ بنا کر کرایہ پر دینا

سوال: [۸۰۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اور مسجد کی جگہ میں مدرسہ قائم ہے اور وہ مدرسہ مسجد کے اوپر ہے، اور اس میں لڑکے تعلیم پاتے ہیں، اب مسجد کو مدرسہ کا کرایہ یا بتی کا کرایہ لیکر مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسکا مفصل جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: حاجی احمد رضا صاحب
عرف حاجی کلن گلاب والی مسجد محلّہ
پیرزادہ، ضلع مراد آباد، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد بن چکنے کے بعد اس کے اوپر مدرسہ بنا کر کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے!

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلىٰ قوله) فيجب هدمه ولوعلى جدار المسجد ولا يجوز أخذ الأجرة منه الخ. (الدرالمختار مع الشامی، الوقف، مطلب فی أحكام المسجد، زكريا٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، كوئٹہ٣/٤٠٦، بزازیہ زكرياجديد٣/١٥٢، وعلیٰ هامش الهندية٦/٢٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۱/۲۴)

مسجد کے فائدے کیلئے دس بیگہ زمین کو بائیس بیگہ بتانا

سوال: [۸۰۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فدوی نے جامع مسجد ٹانڈہ کی موقوفہ آراضی برائے کاشت پانچ سال کیلئے ٹھیکہ پر لی ٹھیکہ سے متعلق تمام شرائط معاملات نائب متولی صاحب سے طے ہوئے، نائب متولی صاحب نے زمین کا رقبہ بائیس بیگہ بتلایا ہے، فدوی کے معلوم کرنے پر کہ بائیس بیگہ سے کم تو نہیں ہے، تو نائب متولی نے فرمایا کہ ہم نے کئی بار پیمائش کرائی ہے، رقبہ پورا بائیس بیگہ ہے، لہٰذا بیس ہزار روپیہ سالانہ کے اعتبار سے پانچ سال کے لئے مبلغ ایک لاکھ روپیہ میں معاملہ طے ہوگیا اور کمیٹی کے پاس پچیس ہزار روپیہ بطور پیشگی قسط جمع کردئے گئے، لیکن جب فدوی آراضی پر پہنچا، اور زمین پر قبضہ لیا، تو وہاں پر لوگوں نے بتلایا کہ یہ آراضی دس بیگہ ہے، اور سرکاری کاغذات میں بھی ۱۶ر ڈسمل (دس بیگہ) ہی ہے، میں نے یہ بات نائب متولی صاحب و دیگر ممبران کمیٹی کو تحریراً اور بالمشافہ بتلائی کہ میرا معاملہ ۲۲ر بیگہ کا ہے، اور آراضی صرف دس بیگہ ہے، لہٰذا زمین چھوڑ رہا ہوں، اور میرا پیسہ واپس کردیا جائے، اس پر کمیٹی والے بضد ہیں کہ آپ کو پورا پیسہ دینا ہوگا، اور زمین بھی پورے پانچ سال رکھنی ہوگی، اگر آپ زمین چھوڑتے ہیں، تو ہم زمین نیلام کردیں گے، اور اس میں جو نقصان ہوگا، وہ آپکا ہوگا، مسجد نقصان نہیں اٹھائیگی، ایسی صورت میں دس بیگہ کی جگہ بائیس بیگہ بتاکر مسجد کے فائدہ کیلئے زیادہ آمدنی کرانے والی کمیٹی روز قیامت عند اللہ العظیم لائق عذاب ہوگی یا مستحق ثواب ہوگی، اور اس طرح دھوکہ دیکر جبراً دھاندلی سے لئے ہوئے پیسہ کا مسجد صحیح مصرف ہوگی، جبکہ میرا معاملہ صراحتاً بائیس بیگہ کا ہے، جس کا اقرار نائب متولی صاحب کو آج بھی ہے، اور رقبہ دس بیگہ ہے از روئے شرع مجھے کتنی رقم ادا کرنی ہوگی؟

المستفتي: ماسٹر محمد حنیف، محلّہ سمندرین، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ آنے کے بعد معاملات طے کرنے کے معاہدہ نامہ کیلئے بھی ہم نے مطالبہ کیا تو معاہدہ نامہ کی ایک فوٹو کاپی سائل نے لاکر پیش کی اور اسی معاہدہ نامہ کی دوسری عین فوٹو کاپی مسجد کمیٹی کی طرف سے جناب قاری نعیم صاحب مدظلہ کے توسط سے دارالافتاء میں داخل ہوئی، تینوں کاغذات کو بغور دیکھا گیا ہے کہ معاہدہ ۲۲/ بیگہ پر ہوا ہے، اور پانچ سال کی مدت میں ایک لاکھ روپیہ کرایہ دینے کی بات طے ہوئی ہے، جس کی پوری تفصیل معاہدہ نامہ میں موجود ہے، جس میں فریقین اور گواہوں کے دستخط بھی ہیں، لیکن ایک افسوس کی بات سامنے آئی کہ مسجد کی کمیٹی کی طرف سے جناب قاری نعیم صاحب کے توسط سے جو معاہدہ نامہ کی فوٹو کاپی دارالافتاء میں داخل ہوئی، اس میں ایسی جعل سازی کی گئی ہے جسے ہر دیکھنے والا دیکھ کر افسوس کریگا، کہ جو فوٹو کاپی سائل محمد حنیف نے داخل کی ہے، بعینہ اسی طرح کی فوٹو کاپی مسجد کمیٹی نے بھی داخل کی، مگر مسجد کمیٹی نے یہ جعل سازی کی ہے کہ ۲۲/ بیگہ جو لفظوں میں لکھا ہوا ہے، وہ اپنی جگہ موجود ہوتے ہوئے اس کے اوپر عددوں میں جو ۲۲/ لکھا ہوا ہے، اسکو بارہ بنا دیا ہے اور ۲۲/ کے نیچے عبارت میں ۱۲/ لکھدیا پھر بھی عبارت میں ۲۲/ اپنی جگہ پر موجود ہے، مسجد کمیٹی کے اس جعل سازی کو معاہدہ نامہ دیکھنے کے بعد ہر شخص محسوس کرسکتا ہے، اور ایسی جعل سازی نہ شرعاً جائز ہے اور نہ قانوناً، اور نہ ہی معاشرہ میں کوئی مسلمان اس کو جائز قرار دے سکتا ہے، شریعت میں ایسے جعل ساز اور خائن متولی کو مسجد کی تولیت سے برطرف کردینے کا حکم ہے، ایسے لوگ امور دینیہ کے ذمہ دار نہیں بن سکتے، اس لئے مسجد کمیٹی پر لازم ہے کہ جیسے ۲۲/ بیگہ سے متعلق معاہدہ طے ہوا ہے ویسے ہی ۲۲/ بیگہ فریق ثانی کو دیدے، ورنہ موقع پر جتنی بیگہ موجود ہے اتنی بیگہ کا معاملہ دوبارہ الگ سے کریں، اور فریق ثانی کا پیسہ پیشگی لیکر دبالینا قطعاً ناجائز اور حرام ہے، مسجد کی کمیٹی پر لازم ہے، کہ معاملہ شریعت کے مطابق کرلے، اگر ۲۲/ بیگہ نہیں

دے سکتے ہیں، توفریق ثانی کا پیسہ واپس کردے، ورنہ جتنی بیگہ موقع پر موجود ہے اسکا معاملہ دوبارہ الگ سے طے کرے، اور پہلا معاملہ مسترد کرکے فریق ثانی کا پیسہ واپس کردے، اورمسجد اپنی زمین واپس لے لے یہی شریعت کا حکم ہے۔

ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه ، لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود وكذا تولية العاجز لأن المقصود لايحصل به . (شامی، الوقف، مطلب فی شروط المتولی زکریا ٦/٥٧٨، کراچی ٤/ ٣٨٠، البحرالرائق، کوئٹه ٥/ ٢٢٦،زکریا ٥/ ٣٧٨، هندیه زکریا قدیم٢/ ٤٠٨، جدید٢/ ٣٨٠)

وليس للبائع فى البيع الفاسد أن يأخذ المبيع حتى يرد الثمن . (هدایه، اشرفی، ٣/ ٦٥)

أن سعيد اً بن زيد قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من ظلم من الأرض شيئاً طوقه من سبع أرضين . (بخاری شریف، باب إثم من ظلم شيئاً من الأرض ، النسخة الهندية ١/ ٣٣٢، رقم: ٢٣٨٨، ف:٢٤٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۳۵/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۷ھ

مسجد کی دوکان کا کرایہ نہ ادا کرنے والے کا حج کرنا

سوال: [۸۰۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ایک شخص مسجد کی دوکان پر ستر مہینے سے بنا کرایہ دیئے ناجائز طور پر قابض ہے تقاضوں کے بعد بھی نہ کرایہ ادا کرتا ہے نہ دوکان خالی کرتا ہے، اس شخص کے متعلق کیا شرعی حکم ہے؟

(۲) یہ شخص حج کیلئے جارہا ہے کیا مسجد کا کل پیسہ کرایہ ستر ماہ ادا کئے بنا اس کا حج کیلئے

جانا شرعاً جائز ہے ستر ماہ کا کرایہ بحساب چار سو روپیہ ماہوار اٹھائیس ہزار روپیہ ہوتا ہے؟

(۳) اس شخص سے مسلمانوں کو کیسے معاملات رکھنے چاہئیں؟

المستفتي: عظیم عرشی الصابری، گول گھر، منڈی چوک، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مسجد کی کمیٹی اور ذمہ داروں پر لازم ہے کہ مسجد کی دوکان شخص مذکور سے فوراً خالی کروالیں اور جس طرح بھی دباؤ اور اثر ڈالا جاسکتا ہے، ڈال کر مسجد کا پیسہ اس سے وصول کرنا ضروری ہے۔

ولو غصبها من الواقف أو من واليها غاصب فعليه أن يردها إلىٰ الواقف فإن أبى وثبت غصبه عند القاضي حبسه حتى رد. (عالمگیری، الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف زكريا قديم ٢/٤٤٧، جديد ٢/٤٠٣، ٤٠٤)

(۲) مسجد کا قرض اٹھائیس ہزار روپیہ ادا کرنا حج پر مقدم ہے مسجد کے قرض کا بار لیکر حج کیلئے جانا عبادت کا کارنامہ نہیں ہے، بااثر لوگوں کو مسجد کا پیسہ وصول کرنے میں اس شخص پر اپنا اثر استعمال کرنا ضروری ہے۔

وكذا الغريم لمديون لا مال له يقضي به والكفيل لو بالإذن فيكره خروجه بلا إذنهم كما في الفتح وظاهره أن الكراهة تحريمية. (شامی، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام زكريا ٣/٤٥٤، كراچی ٢/٤٥٦)

(۳) مسلمانوں کو اس شخص کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے، یہ بات واضح ہے کہ جس طرح معاملہ کرنے سے مسجد کا حق مسجد کو وصول ہوجائے وہی اختیار کرنا چاہئے، اگر بائیکاٹ اور حقہ پانی بند کرنے سے کام چل سکتا ہے، تو حقہ پانی بند کردیا جائے، اور اگر کوئی طاقت استعمال کرنے سے مسجد کا حق وصول ہوجائے تو طاقت استعمال کرنی چاہئے، ایسا شخص ظالم اور خائن ہے مسجد کے ذمہ داروں پر لازم ہے کہ اس شخص سے کسی بھی طریقہ سے مسجد کا حق وصول کریں۔

وأما عزل الخائن وإقامة غيره ممن يحفظ الوقف إلىٰ ما قال...... وإن

عزله واجب على كل مسلم يستطيعه فإنه من قبيل إنكار المنكر . (تقريرات رافعي مع شامي، زكريا ٦/ ٨٤، كراچی ٤/ ٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۹۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۱/۱۹ھ

میلے کیلئے کرایہ پر دی گئی مسجد کی زمین کے کرایہ کا حکم

سوال: [۸۰۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی ایک زمین ہے اس کو کرایہ پر دیا جاتا ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ کرایہ پر لینے والا اس زمین پر کوئی پروگرام کرا کر روپیہ کماتا ہے، مثلاً میلا فیشن وغیرہ اور اس کمائی سے مسجد کا کرایہ ادا کرتا ہے، تو اس روپیہ سے مسجد کی تعمیر کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد ریاض الدین، کولکاتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بطور کرایہ مسجد کو جو رقم حاصل ہوئی ہے، وہ درست اور صحیح ہے اس سے مسجد کی تعمیر درست ہے، البتہ آئندہ یہ خیال رکھیں کہ ایسے شخص کو زمین کرایہ پر نہ دیں جو اس میں گناہ معصیت کا پروگرام کراتا ہو۔

وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (المائدہ: ۲)

وتصح إجارة أرض للبناء والغرس وسائر الانتفاعات كطبخ آجر وخزف ومقيلا ومراحا حتى تلزم الأجرة بالتسليم . (درمختار مع الشامی، الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها زكريا ٩/ ٤٠، كراچی ٦/ ٣٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۶/۵/۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۱۸/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۲۴ھ

مسجد کی کرایہ دار عورت اگر تنگدست ہوتو کیا کریں؟

سوال: [۸۰۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد سنبھلی گیٹ مرادآباد کی ایک دوکان کی کرایہ دار بیوہ تھی، عدالت سے وہ بے دخل ہوگئی اس پر دوکان کا کرایہ وخرچہ باقی ہے، جسکے ڈگری کی کارروائی چل رہی ہے، اسکے پاس اتنا نہیں ہے، کہ وہ ادا کرسکے ایسی صورت میں متولی کو کیا کرنا چاہئے، نیز اسکی کوئی اولاد بھی نہیں ہے، اور نہ کوئی ذریعہ معاش ہے، ایسے حالات میں کیا معاملہ کیا جائے، رہنمائی فرمائیں؟

المستفتي: نسیم احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں متولی کو اللہ تعالیٰ کا فرمان ''وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلىٰ مَيْسَرَةٍ . (البقرة: ۲۸۰)'' پر عمل کرنا چاہئے! یعنی استطاعت تک مہلت دینی چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر الف: ۹۶۴/۲۴)

مسجد کی بالائی منزل پر ٹیلر کی دوکان کرنا

سوال: [۸۰۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد دومنزلہ ہے نیچے نماز باجماعت ہوتی ہے، اور اوپر کی منزل خالی ہے اب اگر بالائی منزل پر کوئی ٹیلر ماسٹر سلائی کی دوکان کرتا ہے، تو قرآن وحدیث کی رو سے ایسا کرنا کیسا ہے؟ وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد زکریا، امام مسجد چوراہا، منڈی چوک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائز نہیں ہے۔

وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كان وقفاً عليه صار مسجداً . (الدر مع الرد، الوقف، مطلب في أحكام المسجد زكريا ٦/٥٤٧، كراچی ٤/٣٥٧، كوئٹه ٣/٤٠٦، البحرالرائق، زكريا ٥/٤٢١، كوئٹه ٥/٢٥١)

عن واثلة بن الاشقع ، أن النبى ﷺ قال: جنبوا مساجد كم صبيانكم ، ومجانينكم ، وشراء كم ، وبيعكم ، وخصوماتكم ، ورفع أصواتكم ، الحديث : (سنن ابن ماجه ، باب مايكره فى المساجد، النسخة الهندية ١/٥٤، دارالسلام رقم: ٧٥٠، المعجم الكبير للطبرانى ، داراحياء التراث العربي ٢٠/١٧٣، رقم: ٣٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر شوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱۶/۲۳)

مسجد کے مکان میں کرایہ دار کا جوا وغیرہ کھیلنا

سوال: [۸۰۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مسجد کے مکان میں رہتا ہے، زید کے لڑکے مسجد ہی کے مکان میں جوابازی وغیرہ کرتے ہیں، اور جوے ہی کے پیسہ سے زیورات اور کپڑے رنگائی کا کام کرتے ہیں، تو زید کے لڑکے رنگ کی چوری بھی کر لیتے ہیں، اور زید کا لڑکا ایسی عورت کیساتھ رہتا ہے، جس کا کوئی شوہر نہیں ہے، نعوذ باللہ من ذلک اور وہ عورت غیر مسلمہ ہے، زید کی بہو کے ذریعہ یہ ساری باتیں معلوم ہوئیں، اور اہل محلّہ کو بھی یہ حالات معلوم ہیں، ان تمام کاموں کے باوجود زید اپنے آپ کو متقی و پرہیز گار بھی سمجھتا ہے، تو مسئلہ دریافت یہ کرنا ہے، کہ زید اور اس کے لڑکوں کا مسجد کے مکان

میں رہنا کیسا ہے؟ جبکہ زید نے اپنی پوتی کے نام فکسڈ ڈپازٹ بھی کرا رکھا ہے؟

المستفتي: تجمل حسین، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلٰی الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (المائدہ: ۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۸۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۲۲ھ

مسجد کی دوکانوں میں ریڈیو کی دوکان کھولنا

سوال: [۸۰۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی دوکانوں میں ریڈیو کی دوکان کھولنا کیسا ہے؟

المستفتي: محمود احمد، محلّہ لوہانی، قصبہ پہانی، ہردوئی، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر ویڈیو فلم وغیرہ تماشائی کیلئے ہی مسجد کی دوکان کرایہ پر دی ہے، تو واپس کر لینا ضروری ہے، اور اگر اس غرض سے نہیں دی ہے، لیکن بعد میں کرایہ دار نے اس کو اس قسم کے خرافات کی دوکان بنالی ہے، اور اسکی آواز وغیرہ مسجد میں بھی آرہی ہے، تو ایسی صورت میں خالی کرا لینا چاہئے، تا کہ نمازیوں کو نقصان نہ ہو، نیز اگر آواز بھی نہیں آرہی ہے، تب بھی تعاون علی المعصیۃ کو ختم کرنے کیلئے خالی کرا لینا چاہئے۔

تَعَاوَنُوا عَلٰی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلٰی الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (المائدہ: ۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۱۴)

مسجد کی دوکان شراب فروخت کرنے والے کو کرایہ پر دینا

سوال: [۸۰۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مسجد کی ایک دوکان ہے اور اس دوکان کو کسی مسلمان کو کرایہ پر دی اور اس کرایہ دار نے اپنا کاریگر ہندو کو رکھا اور یہ کاریگر مسجد کی دوکان میں شراب بیچا کرتا ہے، اس پر مسجد والوں نے اعتراض کیا اور دوکان بند کردی، کچھ دنوں کے بعد اس کاریگر نے کرایہ دار سے معافی مانگی پھر اسی کو دوکان میں بٹھا دیا، تو معافی مانگنے کے بعد اس ہندو کاریگر کو دوکان میں بٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس دوکان میں شراب بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد حسین، دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی دوکان ایسے لوگوں کے ہاتھ میں کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، جس کی وجہ سے مسجد اور نمازیوں کیلئے پریشانی کا باعث ہو مثلاً اس دوکان میں ریڈیو باجا یا آزاد لوگوں کی مستقل آمد ورفت یا شراب وغیرہ کا تماشہ ہوتا ہو یہ سب امور تعاون علی المعصیت کے مرادف بھی ہیں، اسلئے اسمیں احتیاط کی ضرورت ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۰۸، جدید زکریا دیوبند ۹/ ۱۱۳)

وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (المائدہ: ۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ ؍محرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱/۱۸ھ

مساجد کی املاک سودی کاروبار کرنے والوں کو دینا

سوال: [۸۰۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مساجد کی املاک کو ذمہ دار لوگ سودی کاروبار (بینک) کیلئے کرایہ پر دئے ہوئے ہیں، اور اس سے

جوکرایہ وصول ہوتاہے، وہ مصارف مسجد میں صرف ہوتا ہے،مثلاً امام ومؤذن کی تنخواہوں اور دیگر مصارف میں شہر بنگلور میں دیکھا جارہا ہے، کہ اکثر مساجد کی املاک سودی کاروبار کرنیوالے بینکوں کوکرایہ پردی گئی ہیں، جس میں فی الوقت شہر کے ۶ یا ۷ر مساجد اور ادارے شامل ہیں،اوراس معاملہ کودیکھ کرلوگ اپنی ذاتی جائیداد بھی سودی کاروبار کیلئے کرائے پر دے رہے ہیں، لیکن ان کے پاس یہ وجہ جواز کی ہے، کہ مساجد کی املاک بھی سودی کاروبار کیلئے دیدی گئیں ہیں،اس سلسلہ میں ان سوالوں کا جواب مطلوب ہے؟

(۱) مساجد کی یا اپنی املاک کوسودی کاروبار کرنے والوں کوکرایہ پر دینا جائز ہے یانہیں؟

(۲) اس معاملہ سے حاصل ہونے والا کرایہ حلال ہے یا حرام؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق:(۱) اعانت علی المعصیۃ کی وجہ سے کرایہ پر دینا ناجائز ہے، دینے والے گنہگار ہوں گے۔

قولہ تعالیٰ: وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (المائدہ: ۲)

(۲) البتہ حاصل شدہ کرایہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلاکراہت جائز اور حلال ہوگا، کیونکہ کرایہ اپنی املاک اور جائیداد کی منفعت ہے! اور سودی کاروبار کا گناہ فاعل مختار پر ہوگا۔

وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار الخ. (شامی، کتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغیرہ زکریا ۹/۵٦۲، کراچی ۶/۳۹۲)

اور حضرات صاحبین کے نزدیک اجرت کراہت تنزیہی کے ساتھ حلال ہوگی!

لو أجره دابة لينقل عليها الخمر أو آجر نفسه ليرعىٰ له الخنازير يطيب له الأجر عنده وعندهما يكره الخ. (شامی، زکریا ۹/۵٦۲، کراچی ۶/۳۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/۵/۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۲۵)

مسجد کا سامان ہندو کو کرایہ پر دینا

سوال: [۸۰۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کی ملکیت میں کچھ پلیٹیں ہیں، جو مسجد کی غرض سے کرایہ پر دی جاتی ہیں، کیا غیر مسلموں کو بھی کرایہ پر دے سکتے ہیں، اور مسجد کیلئے اسکی اجرت جائز ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: عبدالرشید، مدرسہ شاہی، سلیم پور، بجور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث شریف میں غیر مسلموں کے استعمال شدہ برتنوں وغیرہ سے احتیاط کا حکم وارد ہوا ہے، بحالت مجبوری خوب مبالغہ کیساتھ پاک کر کے استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے تو مسلمانوں کی بالارادہ اپنے برتنوں کو غیر مسلموں کے استعمال میں دینے سے بالکل بے احتیاطی یہ منشاء رسول کے خلاف ہے، اسلئے اس سے بچنا لازم ہے، البتہ اگر اجرت وصول کر لی ہے، تو وہ بلا کراہت مسجد کیلئے جائز ہے، کیونکہ اس میں کوئی خبث ونجاست شامل نہیں ہے، آئندہ کیلئے احتیاط لازم ہے۔

عن ابی ثعلبة الخشبی، أنه سأل رسول الله ﷺ قال: إنا نجاور أهل الكتاب وهم يطبخون فی قدورهم الخنزير، ويشربون فی آنيتهم الخمر، فقال رسول الله ﷺ: إن وجدتم غيرها فكلوا فيها واشربوا، وإن لم تجدوا غيرهما فارحضوها بالماء وكلو واشربو. (سنن ابي داؤد باب فی استعمال آنية أهل الكتاب، النسخة الهندية ۲/ ۵۳۷، دارالسلام رقم: ۳۸۳۹)

الأكل والشرب في أواني المشركين يكره . (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۰/ ۱۰۵، هنديه زكرياقديم ۵/ ۳۴۷،جديد ۵/ ۴۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۹۰)

مسجد کے مائک سے اعلان کرنا

سوال: [۸۰۶۲]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گاؤں ودیہاتوں میں مساجد کے مائک سے گاؤں میں فروخت ہونے والی اشیاء کپڑے، سبزی اور برتن وغیرہ کے اعلانات ہوتے ہیں، اسی طرح کسی کے یہاں شادی ہوتو کھانا شروع ہونے پر مہمانوں کومسجد کے مائک سے اعلان کے ذریعہ اطلاع دی جاتی ہے، اور ہر اعلان پر متعینہ فیس بھی لی جاتی ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ مساجد کے مائک سے کسی بھی قسم کے اعلانات جائز ہیں یانہیں؟ اگر جائز ہیں تو مطلقا یا کسی خاص قسم کے اعلانات؟ مفصل جواب باوضاحت مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: (مولانا) عبدالعظیم، امام مسجد موضع پاؤٹی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرمسجد کا مائک جماعت خانہ سے الگ حجرہ میں رکھا ہوا ہے، تو فیس لے کر اس مائک سے اعلان کرنا بلاکراہت جائز ہے، اس لئے کہ اس میں مسجد ہی کا فائدہ ہے، بس اتنی بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، کہ اس اعلان کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ ہو، اور خاص طور پر گاؤں دیہاتوں میں مسجد کی آمدنی کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے، اور اگر مسجد کا مائک جماعت خانہ کے اندر ہے جیسا کہ بعض مساجد میں محراب ہی کے پاس ہوتا ہے، تو ایسے مائک سے ہر طرح کا اعلان کرنا احترام مسجد کے خلاف ہے۔

القيم إذا اشترىٰ من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أن يستغل أويباع عندالحاجة جاز له، إن كان له ولاية الشراء. (هنديه، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الثانى، زكريا قديم ۲/ ۴۲۲، جديد ۲/ ۴۱۳)

ويجب على الحاكم أن يأمره بالاستيجار بأجرة المثل ويجب عليه أجر المثل بالغاً مابلغ وعليه الفتوىٰ. (البحرالرائق،

کتاب الوقف، زکریا ٥/ ٣٩٥، کوئٹه ٥/ ٢٣٥، هندیه، زکریا قدیم ٢/ ٤١٩، جدید ٢/ ٣٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۷۸/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۲/۱۴۳۶ھ

مسجد کے مائک سے تقریر کرنا

سوال: [۸۰۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد اتنی بڑی ہے، کہ اس میں نماز جمعہ میں اتنے نمازی ہوتے ہیں کہ اگر بغیر مائک کے وعظ وتقریر کی جائے، تو خطیب کی آواز تمام مصلیان کو نہیں پہونچ سکتی ہے، لیکن اس مسجد میں مائک کے ذریعہ تقریر اس غرض سے کی جاتی ہے، تاکہ بستی کے بقیہ مصلیان بھی مسجد میں حاضر ہوکر نماز جمعہ ادا کرلیں؟

حضرت مفتی صاحب سے ہمارا سوال صرف اتنا ہے کہ سوال میں مذکور مسجد میں مائک کے ذریعہ سے وعظ وتقریر کرنا یہ عمل جائز ہے یا بدعت، تسلی بخش جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سائل نے سوالنامہ میں اس بات پر زور دیا ہے کہ مذکورہ مسجد میں مائک کے ذریعہ وعظ وتقریر کرنا یہ عمل جائز ہے یا بدعت؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جائز اور درست ہے، اور وعظ وتقریر کا مقصد یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دینی اور اصلاحی فائدہ پہنچے، لہٰذا اس مسجد میں مائک کے ذریعہ تقریر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ويجوز الدرس بسراج المسجد وإن كان موضوعاً فيه للصلاة...... إلىٰ ثلث الليل. (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد، زکریا ٥/ ٤٢٠، کوئٹه ٥/ ٢٥٠، خلاصة الفتاویٰ ٤/ ٤٢٢)

لو وقف على دهن السراج للمسجد لايجوز وضعه جميع الليل بل

بقـدر حاجة المصلين ، يجوز إلىٰ ثلث الليل أو نصفه إن احتيج إليه للصلاة فيه . (هنـديـه ، البـاب الـحادى عشر ، فى المسجد الفصل الأول ، زكريا قديم ۲/۴۵۹، جديد۲/۱ ۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رصفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۷۱/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۶ھ

۱۴/ الفصل الرابع عشر: مسجد کی اشیاء کی خرید وفروخت

مسجد میں مسجد کی اشیاء کوفروخت کرنا

سوال: [۸۰٦۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مرتبہ مسجد میں کچھ اشیاء مسجد کے اخراجات سے زائد ہوجاتی ہیں جیسے پنکھے یا گھڑیاں انہیں ذمہ داران مسجد فروخت کرسکتے ہیں، مسجد میں اعلان کرکے کہ مسجد کی فلاں شیئ فروخت ہوگی بعد فراغت نماز باہر مسجد کے فرش پران اشیاء کا نیلام کرتے ہیں، تو مسجد کے فرش پر مسجد کی اشیاء فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: اقبال احمد، سکریٹری شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد نماز وجماعت کیلئے متعین کی گئی ہے، اسلئے وہاں کسی قسم کی خرید وفروخت کرنا (خواہ مسجد ہی کا سامان ہی کیوں نہ ہو) ناجائز ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الشراء والبيع في المسجد، الحديث: (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوٰة، باب التحلق يوم الجمعة قبل الصلوٰة، النسخة الهندية ١/ ١٥٤، دارالسلام رقم: ١٠٧٩، السنن الترمذي، كتاب الصلوٰة، باب ماجاء في كراهية البيع والشراء، النسخة الهندية ١/ ٧٣، دارالسلام رقم: ٣٢٢)

وكره أي تحريماً لأنها محل إطلاقهم إحضار مبيع فيه كما كره فيه مبايعة غير المعتكف مطلقاً (قوله مطلقا) للنهي سوا إحتاج لنفسه أو عياله أوكان للتجارة أحضره أو لا. (شامي، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، كراچی ٢/ ٤٤٩، زكريا ٣/ ٤٤٠)

قالوا يكره إحضار السلعة للبيع والشراء، لأن المسجد محرز عن حقوق العباد وفيه شغله بهاويكره لغير المعتكف البيع والشراء فيه. (هدایه، اشرفی دیو بند ۱/ ۲۳۰، البحرالرائق، کوئٹه۲/۳۰۳، زکریا۲/ ۵۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۷۳۶/۳۳)

مسجد کا سامان بیچنا

سوال: [۸۰۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک پرانی مسجد تھی، جس کو توڑ کر نئی بنائی گئی ہے اور اس مسجد کی کچھ چیزیں بچ گئی ہیں، اور اسی گاؤں میں ایک مدرسہ بھی ہے، جس میں اسی گاؤں کے بچے پڑھتے ہیں، تو اس مدرسہ میں مسجد کی بچی ہوئی چیزیں استعمال کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ اگر استعمال میں لائی جاسکتی ہیں، تو کس طریقہ پر قیمتاً یا بغیر قیمت کے؟

(۲) مسجد کی بچی پرانی چیزوں کو فروخت کرنا یا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اسکو مطبخ بیت الخلاء وضوخانہ وغیرہ میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ پھر کس میں لگایا جائے؟

المستفتي: عزیز الرحمٰن، ۲۴ / پر گنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) پرانی مسجد کے ملبہ اور دیگر اشیاء جو بچ گئی ہیں اور مسجد کو ان اشیاء کی ضرورت بھی نہیں ہے تو انکو فروخت کر دینا جائز ہے، اور مدرسہ والے لینا چاہیں تو قیمت ادا کر کے لے سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۱۷۴، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۷۸)

وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه وإن استغنى عنه أمسكه حتى يحتاج إلىٰ عمارته، فيصرف فيها.......... وإن تعذر إعادة عينه إلىٰ موضعه بيع وصرف ثمنه إلىٰ المرمة

صرفا للبدل إلىٰ مصرف المبدل . (هداية، كتاب الوقف، اشرفی دیو بند۲/ ٦٤٢، الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب فى الوقف إذا خرب ولم يمكن عمارته كراچى ٤/ ٣٧٦، ٣٧٧، زكريا٦/ ٥٧٣)

(۲) فروخت کرنا اور خریدنا دونوں جائز ہے اور خریدنے والے کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے صرف کرے لہٰذا خریدنے والا مدرسہ مطبخ بیت الخلاء وغیرہ میں بھی لگا سکتا ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳/ ۲۵۱، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۳/ ۷۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹/ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۳۶)	۲۹/ ۱/ ۱۴۱۷ھ

مساجد کی اشیاء کے خرید وفروخت کا حکم

سوال: [۸۰٦٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر نو تعمیر مسجد میں صفوں وغیرہ کی ضرورت پیش آئے تو پہلی مسجد والے اگر رعایتی قیمت پر کچھ سامان دیدیں جیسا کہ یہاں مسجدوں کے سامان کو لوگوں کیلئے فروخت کیا جاتا ہے، تو کیا شرعاً درست نہیں کہ اس دوسری مسجد کی بھی اعانت ہو جائے کیا شرعاً اس میں کچھ قباحت ہے؟

المستفتي: عبدالرحیم، بڑ بڑوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کے صفوف قابل استعمال ہیں، تو انہیں فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر مسجد کی ضرورت سے زائد ہیں اور کام میں نہیں آرہی ہیں، تو ایسی صورت میں اگر یہ صفوف کسی نے دی ہیں تو اسکی اجازت سے دوسری مسجد میں فروخت کرنے کی گنجائش ہے، اور پیسہ اسی مسجد میں خرچ ہوگا، اور اگر کسی شخص نے نہیں دی ہیں، بلکہ مسجد میں پہلے سے خریدی گئی تھیں اور اب ضرورت سے زائد ہونے کی وجہ سے فروخت کرنا ہے، تو ذمہ داران مسجد اس کو فروخت کرسکتے ہیں، لیکن پیسہ اسی میں خرچ ہوگا، اور دوسری مسجد والوں کیلئے رعایتی قیمت میں ان صفوف کو خرید کر اپنی مسجد میں استعمال کرنا بلا تردد جائز

ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/۳۰۴، جدید ڈابھیل ۱۴/۱۷۴)

وکذا لو اشتریٰ حشیشا أو قندیلاً فوقع الاستغناء عنه کان ذلک له إن کان حیاً ولورثته إن کان میتاً. (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد کوئٹہ ۵/۲۵۲، زکریا ۵/۴۲۳، شامی، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره کراچی ۴/۳۵۹، زکریا ۶/۵۴۹)

وما انهدم من بناء الوقف وألته صرفه الحاکم فی عمارة الوقف إن احتاج إلیه، وإن استغنیٰ عنه أمسکه حتی یحتاج إلیٰ عمارته فیصرف فیها............ وإن تعذر إعادة عینه إلیٰ موضعه بیع وصرف ثمنه إلیٰ المرمة صرفاً للبدل إلیٰ مصرف المبدل. (هدایه، کتاب الوقف، اشرفی دیوبند ۲/ ۶۴۲، درمختار، مطلب فی الوقف إذا خرب ولم یمکن عمارته کراچی ۴/۳۷۶، زکریا ۶/۵۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۳/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۵۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۳/۱۴۲۱ھ

وقف شدہ قرآن کریم مسجد سے باہر لے جانا

سوال: [۸۰۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے لئے وقف شدہ کلام پاک کا مسجد سے باہر لے جانا کیسا ہے؟

المستفتي: عبدالمعید قاسمی،
آزادنگر، ہلدوانی، ضلع: نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وقف شدہ کلام پاک کو باہر لیجانا ممنوع ہے۔
(مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۲/۲۹۶، جدید ڈابھیل ۱۴/۵۸۵)

إذا وقف کتبا وعین موضعها فإن وقفها علی أهل ذلک الموضع لم

یجز نقلها منه الخ. (شامی، كتاب الوقف، مطلب فی نقل كتب الوقف من محلها، کراچی ٤/٣٦٦، زکریا٦/٥٥٩)

وبهذا عرف حكم نقل كتب الأوقاف من محالها للانتفاع بها...... فإن كان الواقف وقفها على المستحقين فى وقفه لايجوز نقلها . (منحة الخالق على البحر الرائق، کوئٹه ٥/٢٠٢، زکریا ٥/٣٣٨، درمختار کراچی ٤/٣٦٥، زکریا٦/٥٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۹)

مسجد کے بوسیدہ قرآن کم قیمت میں ہدیہ پر دینا

سوال: [۸۰۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں بہت سارے قرآن شریف ہیں، جو ایک کوٹھری میں رکھے ہوئے ہیں، پانی کی نمی سے گل کر خراب ہوگئے جو کچھ بچے ہیں، وہ بھی بہت زیادہ بوسیدہ ہو چکے ہیں، مسجد کے امام نے مشورہ دیا کہ اب یہ قرآن شریف نہایت کم قیمت میں ہدیہ پر دیدیئے جائیں، تاکہ کسی کے پڑھنے کے کام آجائیں، اور مسجد میں پیسے آجائیں مگر مسجد کا منتظم اس بات کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ چاہے خراب ہوں مگر اتنا سستا ہم نہیں دیں گے، کیا اس طرح مسجد کا مال خراب کرنا خصوصاً قرآن کریم کو برباد کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد الرحیم، بڑبڑوی عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس سلسلہ میں امام صاحب کا مشورہ مناسب ہے اس پر عمل کرنا چاہئے، نیز دوسری مسجد میں جب دیئے جائیں تو اس مسجد سے قیمت لینے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مفت میں دیئے جائیں، اسلئے کہ دینے والوں نے تلاوت ہی کیلئے

دیئے ہیں، بیچنے کی اجازت نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۷۷، جدید زکریا ۹/ ۴۸)

إذا وقف مصحفا علىٰ أهل مسجد لقراء ة القرآن إن كانوا يحصون جاز، وإن وقف على المسجد جاز ويقرأ في ذلك المسجد وفي موضع آخر ولايكون مقصوراً على هذا المسجد. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ۵/ ۲۰۲، ۲۰۳، زكريا ۵/ ۳۳۸)

وما فضل من حصير المسجد وزينته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد أخر. (اعلاء السنن، كتاب الوقف، باب حكم حصير المسجد الخ،دارالكتب العلمية بيروت۱۳/ ۲۳۳، كراچی ۱۳/ ۱۹)

وعن الثاني ينقل إلىٰ مسجد أخر بإذن القاضي ومثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما،...... فيصرف وقف المسجد...... إلىٰ أقرب مسجد. (درمختار كراچی ۴/ ۳۵۸، زكريا۶/ ۵۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ۳/ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۳/ ۱۴۲۱ھ

مسجد کی چیز دوسری جگہ لے جانا

سوال: [۸۰۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں وقف شدہ قرآن یا دینی کتابیں جولوگ استعمال میں نہیں لا رہے ہیں، بلکہ یونہی مسجد میں رکھی ہوئی ہے، زید چاہتا ہے کہ اس قرآن یا کتابوں کو اپنے استعمال میں لائے تو اس کا کیا طریقہ ہے یونہی مسجد سے لے کرآ جائے یا انتظامیہ سے بات کر کے اسکا کچھ عوض دے کر لائے شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: علی حسین بن عبدالقدوس، متعلم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد میں جوقر آن کریم وقف کیا جا تا ہے، وہ مسجد ہی میں تلاوت کی غرض سے وقف کیا جا تا ہے، اسے گھروں اور دوکانوں میں لیجانے کی اجازت نہیں ہے، ہاں اگر دوسری مسجد میں قر آن کریم نہیں ہے، اور یہاں ضرورت سے زائد ہے تو دوسری مسجد میں منتقل کیا جاسکتا ہے، اور جب زید یہ چاہتا ہے، کہ مسجد میں رکھے ہوئے قر آن پاک اور دینی کتابیں استعمال ہونی چاہئیں ،تو زید کو چاہئے کہ مسجد میں بیٹھ کر وقف شدہ قر آن کریم کی تلاوت اور وقف شدہ دینی کتابوں کا مطالعہ کرے ،لیکن ان کو مسجد سے اپنے گھر یا دوسری جگہ لیجانے کی اجازت نہیں ہے۔

وقف مصحفاعلى أهل مسجد للقراء ة إن يحصون جاز وإن وقف على المسجد جاز ويقرأ فيه ولايكون محصوراً على هذا المسجد وبه عرف حكم نقل كتب الأوقاف عن محالها...... فإن وقفها على مستحقي وقفه لم يجز نقلها (درمختار) قال الشامي: تحته ''يقرأ فيه'' فإن ظاهره أنه يكون مقصوراً علىٰ ذلک المسجد وهذا هو الظاهر حيث كان الواقف عين ذلک المسجد . (شامی، كتاب الوقف، مطلب متى ذكر للوقف مصرفاً لابد ان يكون فيهم تنصيص على الحاجة كراچی ٤/٣٦٥، زكريا٦/٥٥٨)

ومافضل من حصير المسجد وزينته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل فى مسجد آخر. (اعلاء السنن ، كتاب الوقف، باب حكم حصير المسجد الخ، دارالكتب العلمية بيروت١٣/٢٣٣، كراچی ١٣/١٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/ ۱۰۰۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۴/۱۴۳۱ھ

آلات مسجد و مدرسہ کے استغناء کی صورت کا حکم

سوال: [۸۰۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آلات

مسجد و مدرسہ کا استغنی کی صورت میں مسئلہ کا حکم مختلف فیہ ہے، اور امام محمد کے قول کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، کہ آلات مسجد و مدرسہ استغنی کی صورت میں اصل مالک کی ملکیت کی طرف لوٹ جائیگا، اگر وہ زندہ ہو، ورنہ ورثاء اسکے مالک ہوں گے؟

جبکہ عرف عام یہ ہو چکا ہے، کہ متولی حضرات اور مہتمم حضرات آلات مسجد و مدرسہ سے استغنی کی صورت میں ان چیزوں کو فروخت کر کے مسجد و مدرسہ کیلئے کوئی دوسری چیزیں خرید لیتے ہیں، اور واقفین بھی اس پر کوئی نکیر نہیں کرتے ہیں، گویا ان کی جانب سے دلالۃ اجازت ہوتی ہے، کہ استغنی کی صورت میں تم اسے فروخت کر سکتے ہو تو آیا عرف عام کی بناء پر امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے، جبکہ امام ابو یوسفؒ کا قول انفع للوقف بھی ہے؟

المستفتي: مفتی حسام الدین، مقیم امراوتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے سامان وآلات، جن کی مسجد کو ضرورت نہیں ہے، انکے بارے میں فقہاء نے جو اختلاف نقل فرمایا ہے، کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مسجد کی ملکیت میں رہیگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک مالک کو واپس کیا جائے گا، اور امام محمدؒ کے قول کو مفتی بہ لکھا گیا ہے، تو اس سلسلے میں چند باتیں یاد رکھنی ضروری ہیں، کہ امام محمدؒ کے قول پر مالک کو واپس کئے جانے کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ آلات منتفع بہ نہ رہے ہوں، اگر کسی طرح کا ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے یا ان کو بیچ کر ان کی قیمت مسجد یا مدرسہ کی دوسری ضروریات میں لگائی جا سکتی ہے، تو امام محمدؒ کے نزدیک بھی مالک کو واپس نہیں کیا جائے گا، نیز اگر مختلف چندہ کے پیسوں سے وہ سامان مہیا کیا گیا ہے، تب بھی مالکوں کو واپس نہیں ہوگا، اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ ہوگا، ہاں البتہ اگر کوئی متعین چیز مالک نے مسجد کو دی ہے، تو امام محمدؒ کے قول کے مطابق مالک یا اسکے ورثاء کو واپس کر دیا جائیگا، ورنہ اس کی قیمت سے مسجد کی دوسری ضروریات پوری کی جائیں گی، علامہ شامیؒ نے اس پر آخری فیصلہ لکھا ہے، اسلئے کہ وقف میں انفع للوقف پر ہی فتویٰ ہوتا ہے، علامہ شامیؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

قال في الدر : وعاد إلى الملك أي ملك الباني أو ورثته عند محمدؒ وعن الثاني ينقل إلىٰ مسجد آخر بإذن القاضي وتحته في الشامية: فيرجع إلىٰ الباني أو ورثته عند محمدؒ خلافاً لأبي يوسفؒ ، لكن عند محمدؒ إنما يعود إلىٰ ملكه ماخرج عن الانتفاع المقصود للواقف بالكلية ،كحانوت احترق، إلىٰ قوله فيباع نقضه بإذن القاضي ويصرف ثمنه إلىٰ بعض المساجد. (درمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد، كراچی ٤/٣٥٨، ٣٥٩، زكريا ٦/٥٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۵ھ

غرض واقف کے خلاف اشیاء مسجد کے استعمال کا حکم

سوال: [۱۰۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد ہاشم خاں مرحوم پاکستانی نے بحیات خود ایک فوقانی مسجد کے برآمدہ کیلئے کچھ روپیہ محبوب خاں مرحوم کو برموقع چندہ عنایت فرمایا تھا، محبوب خاں کے وارثوں کے کہنے کے مطابق، مگر محبوب خاں نے کسی وجہ کے باعث وہ پیسہ مسجد کے متولی کو نہیں دیا تھا، اسی اثنا میں محبوب خاں اس دنیا سے رحلت فرما گئے، اور محمد ہاشم خاں بھی محبوب خاں کے چند ہفتہ بعد انتقال کر گئے ، محبوب خان کے وارثوں نے اس پیسہ کی انیٹ سریا سمنٹ لاکر مسجد کے مقام پر رکھدیا ہے، مسجد کے متولی کا کہنا ہے کہ برآمدے کے بالمقابل مسجد کے حجرے کی چھت اور مسجد کے مکتب کا لینٹر پڑنا نہایت ضروری ہے؟ ورنہ مسجد کو کافی نقصان پہونچ سکتا ہے؟ محبوب خاں کے وارثین اس بات سے اتفاق نہیں کرتے ہیں وہ کہتے ہیں، مسجد فوقانی کی چھت بننا چاہئے، دونوں میں آپسی اختلافات بھی ہیں، کیا متولی اس سریے وغیرہ سے حجرے کی چھت بنوا سکتے ہیں، جواب سے سرفراز فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: مصلیان حنفی مسجد، پیتا پاڑی، چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برآمدہ مسجد کے نام جو رقم ہاشم خاں نے دی ہے وہ رقم خاص طور پر مسجد یا مسجد کے برآمدہ پر خرچ کرنا لازم ہوگا، خارج مسجد حجرہ کی چھت بنانا اس رقم سے چندہ دہندہ کی غرض کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہوگا۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، کتاب الوقف مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة زكريا٦/٦٦٥ کراچی ٤/٤٤٥)

نیز حجرہ کی چھت کی اگر زیادہ ضرورت ہوتو اس کیلئے الگ سے رقم فراہم کیجا سکتی ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۴۰)

قبضہ کے اندیشہ سے مسجد کی موقوفہ زمین فروخت کرنے کا حکم

سوال: [۸۰۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے مسجد کے لئے ایک زمین وقف کی تھی، زید کا انتقال ہوگیا موقوفہ زمین ایسی جگہ پر ہے، جس پر اہل بدعت کے قبضہ کرلینے کا پورا یقین ہے، اس لئے اس کو فروخت کرکے اس کے بدلے دوسری ایسی جگہ خرید کر جہاں مسجد کی شدید ضرورت ہے وقف کردی جائے، تو ان پیسوں کو یہ جگہ خریدنے میں استعمال کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟

المستفتی: محمد اشرف، محلّہ قاضی پورہ، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مذکورہ وقف کی جائیداد پر اہل بدعت کے قبضہ کرلینے کا سخت خطرہ ہے، تو اس غیر محفوظ وقف کی جائیداد کو فروخت کرکے اس کے بدلے میں دوسری مناسب اور محفوظ جگہ پر جہاں مسجد کی ضرورت ہے مسجد کے لئے اسی پیسے سے

زمین خرید کر مسجد بنوا دینا جائز ہے۔

وكذلك سائر الوقوف عنده إلا أنها إذا خربت وخرجت عن انتفاع الموقوف عليهم به جاز استبدالها بإذن الحاكم بأرض أو دار أخرى تكون وقفا مكانها. (اعلاء السنن ،كتاب الوقف الأرض الخ، باب إذا خرب المسجد أو الوقف ،دارالكتب العلمية بيروت۱۳/ ۲٤۷،کراچی ۱۳/ ۱۱۲)

وفي القنية مبادلة دار الوقف بدار أخرىٰ إنما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو تكون المحلة المملوكة خيرا من المحلة الموقوفة وعلى عكسه لايجوز ، وإن كان المملوكة أكثر مساحة وقيمة وأجرة . (البحرالرائق، کتاب الوقف ، کوئٹه ۵/ ۲۲۳، زکریا ۵/ ۳۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۰۰۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/ ۱۴۳۶ھ

مساجد کے قرآن ضرورت مند شخص یا مکتب میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: [۸۰۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر لوگ ثواب کی نیت سے غم یا خوشی کے موقع پر قرآن مجید مساجد میں تلاوت کی غرض سے رکھوا دیتے ہیں، اور اس طرح ایک بڑی تعداد میں قرآن مسجد میں اکھٹے ہوتے رہتے ہیں، جن کو کبھی کھولنے کی نوبت بھی نہیں آتی، کیا مسجد کی کمیٹی والے ان قرآن مجیدوں کو ضرورت مندوں یا مکتب و مدرسہ میں دے سکتے ہیں، جہاں طالب علموں کے کام آسکیں؟ ہماری مسجد میں پچاس پچپن قرآن مجید بالکل نئے رکھے ہوئے ہیں، جن کو پڑھنے کی نوبت تک نہیں آتی؟

المستفتي: ماسٹر عبد الحق، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قرآن کریم مسجد میں دینے میں دینے والوں کا مقصد قرآن کے ان نسخوں میں تلاوت کرنا ہے، اور جب ایک مسجد میں قرآن کی تعداد اس قدر زیادہ ہو جائے، جس کی وجہ سے قرآن کریم کے بعض نسخے مہینوں اور سالوں تک تلاوت کے کام نہیں آتے ہیں جس کی وجہ سے دینے والوں کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، تو ایسی صورت میں ضرورت سے زائد نسخوں کو دوسری مسجد میں دینا جہاں قرآن کے نسخے نہیں ہوتے ہیں یا بہت ہی کم ہوتے ہیں، جائز اور درست ہے، اسی طرح مدارس میں درجۂ حفظ کے بچے اور تلاوت کرنے والوں کو دینا بھی جائز ہے، اس لئے کہ دینے والوں کا مقصد یہی ہوتا ہے۔

لو وقف المصحف على المسجد أي بلا تعيين أهله قيل يقرأ فيه أي يختص بأهل المترددين إليه، وقيل: لا يختص به أي فيجوز نقله إلىٰ غيره .

(شامی، مطلب فی نقل کتب الوقف من محلها، کراچی ٤/٣٦٦، زکریا ٦/٥٥٩)

وقف مصحفاً على أهل مسجد للقراءة إن يحصون جاز وإن وقف على المسجد جاز ويقرأ فيه، ولايكون محصوراً على هذا المسجد وبه عرف نقل الكتب الأوقاف من محالها للانتفاع به .

(درمختار، مطلب متىٰ ذكر للوقف مصرفا لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة، کراچی ٤/٣٤٥، زکریا ٦/٥٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۲۰۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۲۱ھ

۱۵/ الفصل الخامس عشر: مسجد میں مدرسہ وغیرہ تعمیر کرنا

مسجد کو مسمار کر کے مدرسہ بنانا

سوال: [۸۰۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں قدیم مسجد جو بالکل ناکافی ہے اور لب سڑک ہونے کی وجہ سے شور وشغف بھی رہتا ہے، اسلئے ہم لوگ قدیم مسجد سے پیچھے کی طرف ہٹ کر نئی مسجد کی بنیاد ڈال چکے ہیں، اور اس قدیم مسجد کو مرمت کر کے مسجد ماتحت مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، تو از روئے شرع کیا ایسا کرنا درست ہے یا اس کی کیا شکل ہے، مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب کسی زمین پر ایک دفعہ مسجد بن جاتی ہے، تو وہ زمین قیامت تک کیلئے مسجد ہی رہتی ہے، اسکو مسجد کے علاوہ کسی اور امور میں منتقل کرنا جائز نہیں رہتا ہے، اس لئے اس کو مدرسہ میں منتقل کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ قدیم مسجد کو مسجد باقی رکھتے ہوئے جدید حصہ کو قدیم کیساتھ ملانا جائز ہوسکتا ہے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولوقال عنيت ذلك لم يصدق (قوله) ولوخرب ماحوله واستغنىٰ عنه يبقىٰ مسجداً عند الإمام الخ. (درمختار كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد كراچی ٣٥٨/٤، زكريا ٥٤٨/٦، بزازيه جديد زكريا٣/١٥٢، وعلى هامش الهندية زكريا٦/٢٨٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٦/١٢، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣٣٠/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شوال ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۰/۱۴۱۹ھ

مسجد کی چھت پر مدرسہ تعمیر کرنا

سوال: [۸۰۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مسجد کے وضوخانوں اور دوکانوں کی چھت پر جو اسی مسجد کی ملک ہیں کوئی دینی مدرسہ جسمیں ذیلی طور پر پرائمری درجات قائم ہوں، مصلیان ومتولیان مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، جائز ہے یانہیں؟ ازراہ کرم مدلل تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: داستان برادرس، احمد آباد، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وہ چھت مسجد ہی کی ملک میں ہے اسپر مدرسہ کی عمارت بنا کر اسکو مدرسہ کی ملک میں کر لینا غرض واقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، البتہ یہ صورت جواز کی نکل سکتی ہے، کہ مسجد کے پیسے سے عمارت بنا کر مدرسہ سے اسکا کرایہ وصول کر کے مسجد کے منافع میں صرف کیا جائے تو جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۹۵، جدید زکریا دیوبند ۹/ ۱۳۶)

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، کتاب الوقف مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، كراچی ٤/ ٤٤٥، زكريا ٦/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۳۸)

مسجد ومدرسہ اوپر نیچے بنانا کیسا ہے؟

سوال: [۸۰۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب نے ۲۰۰/ گز زمین دی ہے ان کا کہنا ہے کہ اسمیں مسجد اور مدرسہ دونوں اوپر نیچے قائم کرنا ہے، اب آپ یہ فرمائیے کہ مسجد نیچے اوپر مدرسہ یا مدرسہ نیچے اور مسجد اوپر تعمیر کی جائے،

اس میں بہتر کون سی صورت ہوگی تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا؟

المستفي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نیچے مدرسہ اوراوپر مسجد بنائی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

إذا جعل تحته سرداباً لمصالحه أي المسجد جاز كمسجد القدس الخ. (درمختار كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد كراچى ٣٥٧/٤، زكريا ٥٤٧/٦، الموسوعة الفقهية الكويتية٢٠٢/٣٧ ، الدر المنتقىٰ دارالكتب العلمية بيروت٥٩٤/٢، هدايه اشرفى ديوبند ٦٤٤/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۸۱۸/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۵/۱۴۱۷ھ

مسجد کے بیت الخلاء اور غسل خانہ کے اوپر مدرسہ بنانا

سوال: [۸۰۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے بیت الخلاء غسل خانے کے اوپر مدرسہ والے درجۂ حفظ کے لئے ایک کمرہ مدرسہ کے پیسوں سے بنانا چاہتے ہیں، اسی میں بچے پڑھیں گے اوراسی میں رہیں گے، مجبوری یہ ہے کہ مدرسہ والوں کے پاس اتنی جگہ نہیں ہے یا جگہ ہے تو وہاں پر رات میں بچے جنگل قریب ہونے کی وجہ سے ڈرتے ہیں رہ نہیں پائیں گے، اس حالت میں مسجد کی متعلقہ زمین جو غسل خانوں کے اوپر ہے مدرسہ کے پیسوں سے کمرہ بنا کر پڑھائی شروع کرسکتے ہیں؟

(۲) کیا مسجد کے فنڈ سے خارج مسجد کی جگہ پر جو مسجد ہی کی زمین ہو کمرہ بنا کر درجۂ حفظ کے بچوں کی تعلیم اوران کی رہائش کیلئے مسجد کا کمرہ دے سکتے ہیں، اگر متولی اور گاؤں والوں کا مشورہ ہو؟

المستفتي: ابرار احمد، محن پور، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق :(۱-۲)مسجد کے بیت الخلاء اور غسل خانہ کے اوپری حصہ میں دینی تعلیم کیلئے مدرسہ بنانا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ مسجد اور مدرسہ دونوں کے ذمہ دار اور کمیٹی ایک ہو، اگر مسجد و مدرسہ دونوں کے ذمہ دار اور کمیٹی الگ الگ ہوں گے، تو پھر مسجد کی زمین میں مدرسہ بنانے کی اجازت نہ ہوگی۔ (مستفاد: انوار رحمت/ ۱۴۸)

الثامنة: في وقف المسجدأ يجوز أن يبنیٰ من غلته منارةً قال في الخانية: معزياً إلیٰ أبی بكر البلخی إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به الخ. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ۵/ ۲۱۵، زكريا ۵/ ۳٦۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۱/۳۰ھ

نیچے مدرسہ اوپر مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۸۰۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قطعۂ آراضی اس نیت سے خریدی گئی ہے کہ تہ خانہ کے حصہ کو مدرسہ کیلئے تعمیر کیا جائے ،اور اوپر کے حصہ کو مسجد کیلئے اور یہ تعمیر مکمل بھی ہو چکی ہے، اور یہ عمارت مسجد و مدرسہ کیلئے چندسال سے استعمال بھی ہو رہی ہے، جبکہ تہ خانہ کے حصہ میں درسگاہ اور دارالاقامہ دونوں ہیں یہ واضح فرمائیں کہ مذکورہ بالا صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: مشاہد حسین مظاہری ،مدرسہ مدینۃ العلوم، رام نگر، صوبہ: کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق :اگر شروع ہی سے یہی پلان ہے کہ نیچے مدرسہ اور

اوپر مسجد تعمیر کرنا ہے، تو یہ عمل جائز ہے اور نیچے کا حصہ خارج مسجد اور اوپر کا حصہ داخل مسجد ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۷، جدید زکریا مطول ۱۰/۱۲۵، امداد الفتاویٰ ۲/۶۸۵)

فإن قيل لو جعل تحته حانوتا و جعله وقفا على المسجد ...... قيل لا يستحب ذلک ، ولكنه لوجعل فى الابتداء هكذا صار مسجداً وماتحته صار وقفاً عليه ، ويجوز المسجد والوقف الذى تحته ، ولوأنه بنىٰ المسجد أولاً، ثم أراد أن يجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل . (حاشية چلپى على التبيين ، كتا ب الوقف، امداديه ملتان۳/ ۳۳۰، زكريا ٤/۲۷۱)

فإن قيل أليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به قيل إذا كان تحته شيئى ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلک لله تعالىٰ أيضا : ومنه يعلم حكم كثير من مساجد مصرا لتى تحتها صهاريج ونحو ها . (تقريرات رافعى على الشامى، كراچى ٤/۸۰، زكريا ٦/۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۱۲ھ

اوپر مسجد اور نیچے مدرسہ بنانا

سوال: [۸۰۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم لوگوں نے جس وقت مدرسہ دارالعلوم اشرفیہ کی جگہ خریدی تھی، اس وقت یہ پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ مدرسہ کی دوسری منزل پر طلبہ اور مدرسین وغیرہ کے واسطے مسجد بنائیں گے، اور نیچے کی منزل میں مدرسہ چلائیں گے کیا یہ بات حضرت مفتی صاحب قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم لوگوں کی ٹھیک ہے یا نہیں؟ نیز اس پر ہم مستقل مسجد بنائیں یا عارضی؟

مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد اقبال حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر پہلے سے یہی پروگرام ہے کہ نیچے مدرسہ اور اوپر مسجد بنانی ہے اور نقشہ تیار کرنے سے پہلے یہ طے ہو چکا ہے، اور مسجد اور مدرسہ دونوں کا ذمہ دار بھی ایک ہی ہے تو اسکی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ عبدالحئی، مکتبہ تھانوی ۲/۳۲۲، امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۸۵، احسن الفتاویٰ ۶/۴۴۳)

فإن قيل أليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به؟ قيل إذا كان تحته شيئى ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلک لله تعالیٰ أيضا: ومنه يعلم حكم كثير من مساجد مصرا لتى تحتها صهاريج ونحوها. (تقريرات رافعي على الشامي، كراچی ٤/ ٨٠، زكريا ٦/ ٨٠، حاشية چلپی على التبيين، فصل ومن بنیٰ مسجداً لم يزل ملكه، امداديه ملتان٣/ ٣٣٠، زكريا ٤/ ٢٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳ر۵۲۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷ر۳ر۱۴۱۸ھ

اوپر مسجد نیچے مدرسہ بنانا

سوال: [۸۰۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک زمین کا بیعانہ دیا ۲ر۳ ہزار روپیہ مسجد کیلئے اور نیت کی کہ نیچے حصہ میں مدرسہ اور مدرسہ کی چھت پر مسجد ہوگی، آیا یہ درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب اس نیت سے زمین خریدی جائے کہ نیچے

مدرسہ اوراوپر مسجد بنائی جائیگی تو اس زمین میں اسی نیت کے مطابق عمل کرنا جائز ہے ۔
(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۸۴)

فإن قيل أليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به؟ قيل إذا كان تحته شيئى ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلك لله تعالىٰ أيضا: ومنه يعلم حكم كثير من مساجد مصر التي تحتها صهاريج ونحوها . (تقريرات رافعي على الشامي، كراچی ٤/ ٨٠، زكريا ٦/ ٨٠، حاشية چلپي على التبيين، فصل ومن بنىٰ مسجداً لم يزل ملكه، امداديه ملتان٣/ ٣٣٠، زكريا ٤/ ٢٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۲۰۳/۳۱)

مدرسہ کی چھت پر مسجد بنانا

سوال: [۸۰۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ خازن العلوم دڑھیال مین روڈ پر واقع ہے مدرسہ کے سامنے جانب مشرق یہ روڈ ہے، صورت حال یہ ہے کہ ندی کا پل قریب ہونے کی وجہ سے مدرسہ کے سامنے روڈ کی اونچائی قریب بیس فٹ ہے، مدرسہ کی سطح زمین سے روڈ سے ملا ہوا ندی کا حفاظتی باندروڈ پانچ فٹ نیچا ہے، جو مدرسہ کے شمال میں ہوتا ہوا مغرب کی طرف چلا گیا ہے مدرسہ شمال مشرق کی طرف ایک مسجد بنانا چاہتے ہیں، جو مدرسہ کے استعمال کے ساتھ ساتھ روڈ سے نکلنے والوں کی نماز ادا کرنے میں کام آسکے اسلئے صورت یہ ہے کہ وہ مسجد سطح مدرسہ سے ۱۵/ فٹ اونچی بنائی جائے، اور باہر والوں کی آمد و رفت باند سے کی جائے اور مدرسہ والوں کی آمد ورفت مدرسہ دارالطعام یا تعلیمی درسگاہ میں استعمال کرلیا جائے، اس صورت میں دریافت

طلب امر یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

المستفتي: محمد عثمان، جامعہ عربیہ خازن العلوم دڑھیال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں پہلے سے مسجد نہیں تھی وہاں پر اس طرح کرنا کہ نیچے مدرسہ کی ضروریات کیلئے درسگاہ، امتحان گاہ، وغیرہ کا کام لیا جائے اس کے بعد اوپر کی منزل شرعی مسجد کے طور پر مدرسہ کے نظام کے مطابق بنائی جائے جبکہ نیچے کی منزل کسی کی ملکیت میں نہ ہو بلکہ وہ بھی وقف ہی ہو تو یہ جائز اور درست ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ مدرسہ والے مسجد میں زینہ سے چڑھ کر پہونچیں اور باہر کے لوگ روڈ کی طرف سے ڈائریکٹ مسجد میں پہونچ جائیں۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۴/۴۲۱، امداد الفتاویٰ ۲/۶۸۴)

فعلیٰ هذا المساجد التي في المدارس بجرجانية خوارزم مساجد لأنهم لايمنعون الناس من الصلاة فيها. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل ومن بنىٰ مسجدا لم يزل ملكه زكرياه/٤١٨، كوئٹه ٥/٢٤٩)

إذا كان تحته شيئى ينتفع به عامة المسلمين يجوز، لأنه إذا انتفع به عامة المسلمين صار ذلک لله تعالىٰ أيضاً. (شلپى على الزيلعى، فصل ومن بنىٰ مسجداً لم يزل ملكه امداديه ملتان٣/٣٣٠، زكريا ٤/٢٧١، تقريرات رافعى على الشامى، كراچى ٤/٨٠، زكريا ٦/٨٠)

إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد فإنه يجوز إذ لا ملک فيه لأحد بل هو من تتميم مصالح المسجد فهو كسرداب مسجد بيت المقدس هذا هوظاهر المذهب. (فتح القدير، زكريا ٦/٢١٨، كوئٹه ٥/٤٤٥، دارالفكر بيروت ٦/٢٣٤، شامى، مطلب فى أحكام المسجد كراچى ٤/٣٥٨، زكريا ٦/٥٤٧)

ولا يضر جعله تحته سرداباً لمصالحه فيجوز كما في بيت المقدس.

(مجمع الأنهر ، دارالکتب العلمية بيروت ٢/ ٥٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ر رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۷/ ۱۴۳۳ھ

مسجد کو مدرسہ سے تبدیل کرنا

سوال: [۸۰۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پندرہ ہزر ااسکوائر فٹ کا قطعۂ آراضی جس میں میں اور میرے رشتہ دار رہائش پذیر ہیں، اس جگہ میں ایک قدیم مسجد جو آبائی طور پر ہمارے زیر تولیت تھی موجود ہے، یہ مسجد تقریباً ۳۵ ر سال سے ویران تھی، اسلئے کہ اس سے بالکل قریب کشادہ اور بڑی عمومی مسجد موجود ہے، آج سے دس سال قبل اس غیر آباد قدیم مسجد میں ایک مدرسہ کی بنیا درکھی گئی اور اسی وقت میں نے ۱۵ ر سو اسکوائر فٹ جگہ مدرسہ کو وقف کردی اب ہم نے اس پورے قطعۂ آراضی کو بلڈر کو بیچنے کا فیصلہ کیا ہے، مسجد چھوڑ کر ۵۰۰۰ ۱ر اسکوائر فٹ میں چاروں طرف سے جگہ چھوڑ کر تعمیر کرنے کی اجازت حکومت سے ملتی ہے، اب ۱۵ ر سو اسکوائر فٹ جگہ جو میں نے مدرسہ کیلئے وقف کردی تھی، اس میں تین شکلیں درج ذیل ہیں، (کل جگہ ۱۵ ر ہزار اسکوائر فٹ مدرسہ کیلئے وقف کردہ ۱۵ ر سو اسکوائر فٹ)۔

(۱) ۱۵ ر سو اسکوائر فٹ کا پورا پلاٹ مدرسہ کیلئے دیدیا جائے، نیچے سے اوپر تک۔

(۲) ۱۵ ر سو اسکوائر فٹ کا ایک فلور مدرسہ کو دیدیا جائے اور اس فلور کے اوپر کا حصہ بلڈر کے استعمال کیلئے دیدیا جائے، اس صورت میں مدرسہ کو صرف ایک فلور ۱۵ ر سو اسکوائر فٹ کا استعمال کرنیکی اجازت ہوگی۔

(۳) ۵ سو ۵ سو اسکوئر فٹ تین فلور پر ایک دوسرے کے اوپر مدرسہ کو دیدیا جائے، ان تینوں صورتوں میں سے کون سی صورت وقف کے پورا ہونے کے لئے شرعاً درست اور صحیح اور

جائز ہے، جواب دیں؟

المستفتي: حسن ہاشم شیخ، مدرسہ درالا برار، پونہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو زمین ایک دفعہ شرعی مسجد بن جاتی ہے، وہ قیامت تک کیلئے مسجد ہی رہتی ہے، اس کو کسی اور کام کے لئے تبدیل کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا قدیم مسجد کا جو حصہ پہلے سے متعین ہے اس کے دائرہ میں مسجد ہی باقی رکھنا لازم اور واجب ہے، چاہے اس کے بالکل قریب دوسری کشادہ مسجد موجود ہو تب بھی وہ مسجد ہی رہے گی، اس کو مدرسہ میں منتقل کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر پرانی مسجد کی حدود سے زائد حصہ مدرسہ کیلئے دیا گیا ہے، تو وہ مسجد کے ایک جانب ہو یا متعدد جانب ہو اس میں کمرے بنا کر احاطۂ مسجد کے طور پر مدرسہ کے کام میں لایا جاسکتا ہے، لیکن سوالنامہ میں قدیم مسجد کا رقبہ کتنا ہے اس کو واضح نہیں کیا گیا ہے، صرف مدرسہ کا رقبہ بتلایا گیا ہے، جس کے اندر وہ قدیم مسجد شامل معلوم ہوتی ہے، لہٰذا آپ نے قدیم مسجد کے رقبہ کو مدرسہ کیلئے جو وقف کیا ہے، وہ درست نہیں ہوا اور پہلے دوسرے اور تیسرے فلور کی بات مسجد کا مسئلہ حل ہونے کے بعد ہی سامنے آسکتی ہے، اور قدیم مسجد کے اوپر جتنی منزلیں بنائی گئی ہیں، وہ مسجد ہی ہوں گی، اس میں سے کوئی حصہ اور کوئی منزل بلڈر کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه. (هداية، كتاب الوقف اشرفی ديوبند ۲/ ٦٤٠)

ولا يجوز تغير الوقف عن هيئته، فلا يجعل الدار بستاناً ولا الخان حماماً ولا الرباط دكاناً. (هنديه، الباب الرابع، فی المتفرقات، زكريا قديم ۲/ ٤٩٠، جديد ۲/ ٤٢٣)

قال في البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالیٰ: "وأن المساجد لله".

(شامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد کراچی ٤/٣٥٨، زکریا ٦/٥٤٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۵/ ۱۴۳۲ھ

مسجد کیلئے موقوفہ مکان میں مدرسہ بنانا

سوال: [۸۰۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بیوہ عورت نے اپنا مسجد سے متصل مکان مرنے سے پہلے مسجد کے نام اسلئے وقف کر دیا تھا، کہ مسجد کی آمدنی بڑھے اور مسجد کی توسیع ہو مگر اس جگہ پر بجائے مسجد کی توسیع کے ایک مکتب بشکل مدرسہ قائم کر دیا گیا اب اس میں بیرونی طلبہ کا بھی قیام ہے، مکان جس نظریہ سے وقف کیا گیا تھا، کہ مسجد کی توسیع و آمدنی بڑھے لیکن نہ تو مسجد کی توسیع ہوئی نہ آمدنی میں اضافہ ہوسکا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کی زمین میں مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے کیا مدرسہ کا کرایہ مسجد میں لگایا جا سکتا ہے،؟ جواب سے نوازیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: عبدالماجد، محلّہ پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مسجد کی توسیع نہیں ہوسکی ہے اور توسیع کی ضرورت ہے تو اس جگہ پر اس وقت تک کیلئے مدرسہ قائم رکھنا درست ہوسکتا ہے جب تک توسیع مسجد کا پروگرام نہ ہو اور پروگرام ہونے تک مدرسہ پر لازم ہے کہ مسجد کا کرایہ ادا کرتا رہے، اور جب توسیع مسجد کا پروگرام شروع ہو جائے تو مدرسہ پر لازم ہے کہ اس زمین کو خالی کر دے تاکہ غرض واقف کے مطابق مذکورہ زمین توسیع مسجد کے اندر داخل کی جا سکے، اور وہاں مدرسہ قائم کرنا جائز نہ ہوگا، اسلئے کہ غرض واقف کی رعایت کرنا واجب ہے۔

وإن مراعاة غرض الواقفین واجبة الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب

مراعاة غرض الواقفين واجبة كراچى ٤/٤٤٥، زكريا٦/٦٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶۴۹/۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۴/۱۸ھ

مکتب کی رقم مسجد کی تعمیر میں لگانا

سوال: [۸۰۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں مکتب تھا، جو کہ تقریباً چار سال مسجد میں قائم رہا اور اب تین سال سے مکتب ختم ہو چکا ہے، مکتب کے چلانے کی نوعیت یہ تھی کہ کم وبیش بارہ آدمی تنخواہ دیتے تھے، اس کے علاوہ بھی کچھ امداد دوسرے لوگ کرتے تھے، اب مکتب ختم ہونے کے بعد اسکی رقم تقریباً دو ہزار روپیہ جمع ہے، جس مسجد میں مکتب تھا اسی مسجد کی تعمیر ہو رہی ہے، تو کیا اس مکتب کی بچی ہوئی رقم کو مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں، جبکہ مکتب میں چندہ دینے والے اکثر لوگوں سے مذکورہ رقم کو مسجد میں لگانے کے واسطے معلوم بھی کر سکتے ہیں، کیونکہ اکثر چندہ دینے والے مسجد ہی کے نمازی ہیں، تو کیا اس صورت میں یہ رقم مسجد کی تعمیر میں لگانا درست ہے اگر نہیں ہے، تو پھر اس رقم کو کہاں استعمال کریں، مدلل جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چندہ دہندگان کی اجازت سے مسجد میں مذکورہ رقم خرچ کرنا جائز اور درست ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۹۵)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، كراچى ٤/٤٤٥، زكريا٦/٦٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/جمادی الآخرۃ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۳۲/۲۸)

مسجد کا روپیہ مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال:[۸۰۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا روپیہ مدرسہ کے کام میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: متولی حاجی احمد رضا
صاحب، عرف حاجی کلن گلاب والی
مسجد، محلّہ پیرزادہ، مراد آباد، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالکانہ طور پر مدرسہ کے کام میں خرچ کر دینا جائز نہیں ہے، البتہ بشرط وصول قرض دیا جاسکتا ہے! (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۴۹۱، جدید ڈابھیل ۱۵/۴۷)

أن للمتولی إقراض مال المسجد بأمر القاضی. (شامی، کتاب القضاء مطلب للقاضی اقراض مال الیتیم کراچی ۵/۴۱۷، زکریا ۷/۱۱۱)

القیم لو أقرض مال المسجد لیأخذه عند الحاجة وهو أحرز من إمساكه فلا بأس به. (البحر الرائق، کتاب الوقف، کوئٹہ ۵/۲۳۹، زکریا ۵/۴۰۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۱/۲۴)

مسجد سے ملحق مدرسہ کو مسجد کے تابع کرنا

سوال: [۸۰۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ جو مسجد کی جائداد میں ہے، لیکن خارج مسجد ہے جو تمام شہر کے لوگوں سے ابتداء سے

الگ ہی رہی ہے، مسجد کی کمیٹی بہت بدلی لیکن کسی کمیٹی نے اعتراض نہیں کیا لیکن معترض موجود کمیٹی ہے اور کہتی ہے کہ مسجد کو اس مدرسہ کا کرایہ دیا جائے یا مسجد کی کمیٹی کو مدرسہ سونپ دیا جائے، جبکہ شہر کے لوگ اس بات کے خلاف ہیں، اکثریت یہ چاہتی ہے کہ مسجد اور مدرسہ کی کمیٹیاں الگ ہی رہیں، شریعت مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: شاہد رضا، رانی کھیت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ چلانے کا تجربہ علماء دین ہی کو ہوتا ہے، اگر مدرسہ اور مسجد دونوں کا انتظام کسی متبع شریعت عالم دین کے ہاتھ میں ہو جائے تو سب سے بہتر ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے، بلکہ غیر علماء کے ہاتھ میں الگ الگ انتظام ہے، تو دونوں کمیٹی بغیر اختلاف وانتشار کے آپس میں ایک ہو جائیں، اور مسجد ومدرسہ ایک ہی کمیٹی بغیر انتشار کے چلا سکتی ہو تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اگر اختلاف وانتشار کا خطرہ ہو تو جو نظام چلا آرہا ہے اسی کو باقی رکھنا ضروری ہے، تاکہ کوئی اختلاف وجود میں نہ آسکے۔

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ. (سورۂ بقرہ رقم الآیة: ۲۱۷)

اور جب شروع سے ہی دونوں اداروں میں سے کوئی ایک دوسرے کا کرایہ دار نہیں ہے، تو آج کرایہ داری کا مسئلہ اٹھانا فتنہ کو ہوا دینا ہے، اگر یہ سوال ہوتا ہو کہ مسجد کی زمین میں مدرسہ قائم ہوا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے تو صدیوں سے ہوتا آیا ہے، جیسا کہ مرکز نظام الدین مسجد کی زمین میں ہے، مدرسہ امینیہ مسجد کی چہار دیواری میں ہے، مدرسہ حسین بخش مسجد کی زمین میں ہے، مدرسہ عبد الرب مسجد کی چہار دیواری میں ہے، مدرسہ عالیہ فتحپوری مسجد کی چہار دیواری میں قائم ہوا، اور مدرسہ شاہی مرادآباد مسجد کی چہار دیواری میں قائم ہے، اور کبھی کبھار دونوں کی انتظامیہ بھی الگ الگ رہی، مگر ایک دوسرے سے کرایہ داری کا کوئی مسئلہ نہیں رہا۔

عن زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: والذی نفسی بیدہ لاتدخلوا

الجنة حتى تومنوا ولا تؤمنوا حتىٰ تحابوا . (ترمذی، ابواب صفة القيامة باب بلاترجمة ، النسخة الهندية ۲/ ۷۷، دارالسلام رقم: ۲۵۱۰)

عن أنس ؓ قال: قال رسول الله ﷺ لاتقاطعوا ولا تدابروا ولاتباغضوا ولا تحاسدوا وكونوا عبادالله إخوانا الخ. (ترمذی، کتاب البر والصلة ، باب ما جاء في الحسد ، النسخة الهندية ۲/ ۱۵، دارالسلام رقم: ۱۹۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۱۱/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

مسجد کی زمین میں مسافر خانہ تعمیر کرنا

سوال: [۸۰۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ راجہ بازار جامع مسجد کولکاتہ شہر کی معروف ومشہور مسجد ہے جو تقریباً ۱۰۰؍سال سے زیادہ قدیم ہے، واقف نے زمین وقف کرنے کے بعد اس کے ایک حصہ میں مسجد کی ایک منزل تعمیر بھی کی تھی، جس کے اوپر چھت تھی، آبادی کے پیش نظر تقریباً ۲۰؍سال قبل اس کی توسیع ہوئی تھی اب وہ پانچ منزلہ ہے یہ ۱۵۳نمبر کیشب چندر سین اسٹریٹ کولکاتہ نمبر ۹ پر واقع ہے؟

دوسرا حصہ وقف جائیداد ہے جو مسجد سے متصل ہے لیکن سڑک کی جانب ہے یہ بھی مسجد کے ساتھ تعمیر شدہ ایک منزلہ تھی، جس کے اوپر چھت تھی اور مینار یں بنی ہوئی تھیں، مغرب وعشاء کے علاوہ جمعہ کی نمازیں بھی لوگ اہتمام سے پڑھتے تھے، اس کے نیچے کے حصہ میں مسجد کا مین دروازہ اور چند دوکانیں تھیں، جس کی آمدنی کے کچھ حصوں سے مسجد کے اخراجات پورے کئے جاتے تھے، یہ شکل وہیئت بھی مسجد کے ساتھ ۱۰۰؍سال سے زیادہ پرانی تھی، جو ۱۵۱نمبر کیشب چندر سین اسٹریٹ میں واقع ہے، مسجد کی موجودہ انتظامیہ نے اسی دوسرے حصہ کو اپنے پلان کے مطابق توسیع مسجد کے بجائے نئے

مسافر خانہ کی تعمیر کا کام ڈیڑھ ماہ قبل شروع کیا تھا، اب تک چار منزلہ ڈھلائی ہوچکی ہے، ایک منزلہ ڈھلائی باقی ہے، جبکہ کولکاتہ کارپوریشن سے انھوں نے مسجد کو دکھا کر پانچ منزلہ نقشہ نکالا ہے، واضح رہے کہ یہ تعمیر عوامی چندہ سے ہوئی ہے، نیز انتظامیہ کے ارکان تقریباً ۸ سے ۱۰ لوگوں پر مشتمل ہے جس میں ایک بھی شخص اہل علم نہیں نہ ہی مفتی سے فتویٰ حاصل کیا ہے، نتیجۃً اسے پورے چار علاقوں کے عوام کا اعتماد حاصل نہیں عوام راجہ بازار انتظامیہ کے اس رویہ سے سخت ناراض ہیں، کیونکہ ۲۰ر سال قبل پانچ منزلہ جامع مسجد کی توسیع کے باوجود فی الوقت خاص کر جمعہ کی نماز میں مصلیوں کو عام سڑک پر نماز پڑھنی پڑتی ہے، جس کے نتیجہ میں عام مسافروں اور گاڑیوں کی آمد و رفت کو بند کردیا جاتا ہے، اور ہر وقت فساد ہونے کا ڈر لگا رہتا ہے، اس کے علاوہ نئے مسافر خانہ کی تعمیر میں بہت ساری خامیاں ہیں مثلاً مسافر عورتوں، لڑکیوں اور شرپسند لڑکوں کا ہجوم اختلاط سے بے پردگی کے فتنے، گندگیاں آلودگیاں، پان سگریٹ اور ناجائز مشروبات کے استعمال کا خدشہ، موبائل کے گانے اور شوروغل کی آواز علاحدہ اس کے کسی ناخوشگوار واقعہ یا حادثہ کا ڈر، پولیس کی آمد و گرفتاریوں کا امکان، میڈیا کے اسلام دشمنی کے مواقع، مسجد کا اندھیرا ہونا، ہوا کا بند ہونا، لوڈ سیڈنگ میں مصلیوں کو سخت دقت کا سامنا کرنا اور برسات میں نمازیوں کے آمد ورفت سے افراتفری کا ہونا نیز عبادات میں خلل کا ہونا، مسجد کی عظمت و تقدس اور اس کے آداب واحترام کی پامالی وغیرہ وغیرہ اسکے علاوہ آئندہ دس بیس سالوں میں آبادی میں زبردست اضافہ سے مسجد کا بالکل ناکافی ہونا لازمی ہے، لہٰذا عوام کی طرف سے کچھ ذمہ دار حضرات متولی مسجد سے براہ راست ملے اور ان کو ان نقصانات اور عوام کی بے چینیوں سے آگاہ کیا، متولی نے انتظامیہ کی بہت سی باتوں کے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا، اور بالآخر مسجد کی توسیع کیلئے راضی ہو گئے اور ثبوت کے طور پر متولی مسجد نے اپنے معتمد بھائی کو ۲۲ر اکتوبر ۲۰۱۰ء بروز جمعہ کو بھیجا جنہوں نے نماز کے بعد عوام کے سامنے اعلان کیا کہ اگر عوام چاہتی ہے تو اس جگہ جامع مسجد ہی کی توسیع ہوگی

،واضح رہے کہ مسجد کے تمام اخراجات حسب معمول عوامی چندہ سے پورے کئے جاتے ہیں، لہٰذا عوامی ضرورت ہے کہ اس دوسرے حصہ کی زیر تعمیر تمام ایک تا پانچ منزلوں کو جامع مسجد کی توسیع میں شامل کرلیا جائے، اور پرانی شکل و ہیئت کے مطابق نیچے کے حصہ میں مسجد کا مین دروازہ اور چند دوکانیں بنائی جائیں، مندرجہ بالا حالات کے پیش نظر آپ سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں شرعی حکم ارشاد فرمائیں کہ آیا ’’اس نئی زیر تعمیر جگہوں پر جامع مسجد کی توسیع کی جائے یا مسافر خانہ کی تعمیر‘‘؟

المستفتي: محمد یونس محمد نظام الدین،
محمد شمیم، منجانب: باشندگان راجہ بازار
۱۶۶، کیشب چندر سین اسٹریٹ کولکاتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں جب مسجد کے اخراجات کی تکمیل کیلئے مزید کسی ذریعۂ آمدنی کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مسجد کی دوکانوں اور عوامی چندہ سے اس کی ضروریات واخراجات پورے ہورہے ہیں، اور مصلیان کی کثرت کے پیش نظر مسجد کی توسیع کی سخت ضرورت ہے، تو ایسی صورت میں متولی اور ذمہ داران مسجد کو چاہئے کہ وہ موقوفہ زیر تعمیر جگہوں پر مسجد کی توسیع کریں، نیز مسافر خانہ کی تعمیر کی صورت میں مسجد کی بے احترامی اور بے ادبی بھی ہے، اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

سئل الفقيه أبو جعفر عن وقف بجنب المسجد والوقف على المسجد فأرادوا أن يزيدوا في المسجد من ذلك الوقف قال يجوز.

(تاتارخانية ۸/۱۵۷، برقم: ۱۱۵۰۰، زکریا)

أرض وقف على مسجد و الأرض بجنب ذلك المسجد وأرادوا أن يزيدوا في المسجد شيئاً من الأرض جاز لكن يرفعوا الأمر إلى القاضي ليأذن لهم، ومستغل الوقف كالدار والحانوت على هذا. (هندیه، کتاب

الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد زکریا قدیم ۲/٤٥٦،جدید ۲/٤٠٩، خانیة جدید زکریا ۳/۲۰٤، وعلی هامش الهندیة زکریا۳/۲۹۳)

قیم المسجد لایجوز لهٗ أن یبنیٰ حوانیت فی حد المسجد أوفی فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتاً ومسکناتسقط حرمته وهذا لایجوز والفناء تبع للمسجد فیکون حکمه حکم المسجد . (هندیه ، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد وتصرف القیم قدیم زکریا ۲/٤٦۲، جدید۲/٤١۳، خانیه جدید زکریا ۳/۲۰٤، وعلی الهندیة زکریا۳/۲۹۳)

قیم المسجد إذا أراد أن یبنی ٰحوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه لایجوز. (فتاویٰ تاتار خانیة ، زکریا ۸/۱۷۸ ، برقم: ١١٥٦۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۳۰/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۲/۱۴۳۱ھ

نیچے مدرسہ ودوکانیں اوراوپر مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۸۰۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جگہ مدرسہ ومسجد کے نام سے خریدی گئی تھی اس میں دوسال سے مدرسہ چل رہا ہے لوگوں نے سوچا کہ مدرسہ کے اوپر مسجد تعمیر کی جائے ، شمال کی جانب چار دوکانیں نکال کر اور مدرسہ کا مدرسہ کے برآمدہ پر لینٹر ڈال کر اوپر مسجد تعمیر کی جائے آیا نیچے مدرسہ ودوکانیں اوراوپر مسجد تعمیر ہوسکتی ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرما کر مشکور فرمائیں؟

المستفتي: منجانب: اراکین مدرسہ
جامعہ مدینۃ الاسلام، مصطفیٰ چوک،
چوکی سہوارہ، ضلع مرادآباد، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب چندہ دینے والوں نے مسجد ومدرسہ دونوں کیلئے

چندہ دیا ہے، اور عمارت بنانے سے پہلے ہی سے نیچے دوکان و مدرسہ اور اوپر مسجد بنانے کا پروگرام ہے، تو شرعاً اس کی اجازت ہے، کہ پہلے دوکان و مدرسہ کی تعمیر مکمل کرلیں پھر اسکے بعد اوپر مسجد تعمیر کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/۱۰۳، جدید زکریا ۹/۱۱۰)

فإن قيل لو جعل تحته حانوتا وجعله وقفا على المسجد ...... قيل لا يستحب ذلک ، ولكنه لوجعل في الابتداء هكذا صار مسجداً وماتحته صار وقفاً عليه ، ويجوز المسجد والوقف الذى تحته ، ولوأنه بنىٰ المسجد أولا، ثم أراد أن يجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل . (حاشية چلپی على التبيين ،كتاب الوقف، امداديه ملتان ٣/ ٣٣٠، زكريا ٤/ ٢٧١)

فإن قيل أليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به قيل إذا كان تحته شيئى ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلک لله تعالىٰ أيضا : ومنه يعلم حكم كثير من مساجد مصرا لتى تحتها صهاريج ونحو ها . (تقريرات رافعی على الشامی، كراچی ٤/ ٨٠، زكريا ٦/ ٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۴۹)

مسجد کیلئے خریدی گئی زمین میں رہائشی مکان تعمیر کرنا

سوال: [۸۰۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا محلّہ جب آباد ہوا تو محلّہ والوں نے مسجد کیلئے بھی زمین خریدی جب مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو مسجد کو قبلہ نما بنانے کی غرض سے مسجد کی زمین میں کمی محسوس کی گئی کہ جگہ کم ہے مسجد کی زمین کے متصل ہی ایک مسلمان کا باغ تھا، محلّہ والوں نے باغ والے سے کہا کہ مسجد کیلئے کچھ زمین کی ضرورت ہے تو باغ والے نے کہا تمہیں جتنی ضرورت ہے لے لو اور مسجد کیلئے

مفت زمین ہے، کوئی قیمت نہیں لوں گا، مسجد بنالو لہٰذا مکمل مسجد کا اندرونی حصہ مفت والی زمین پر بنایا گیا، اور جو خریدی ہوئی زمین تھی، اس پر کچھ حصہ برآمدے کا ہے، اور کچھ بیرونی فرش اور وضوخانہ ہے بقیہ زیادہ حصہ میں ایک مکان بنادیا گیا جو ابھی کرایہ پر چلتا ہے، اب محلّہ کی آبادی بڑھ چکی ہے، اس وقت کے مقابلہ میں نمازیوں کی تعداد بھی زیادہ ہے، لہٰذا مسجد کا فرش چھوٹا محسوس کیا جارہا ہے، اور وضوخانہ تنگ ہے جو پہلے سے تنگ تھا، کہ کوئی آدمی کھل کر اچھی طرح وضو نہیں کرسکتا دیگر مسجد کے اتر کی جانب پڑوس میں مکان ہے، جو مسجد کی طرف سے پردہ کی دیوار بنا ہوا ہے، اگر مسجد اپنی دیوار تعمیر کرے تو مسجد کا فرش اور زیادہ ہی تنگ ہوجائیگا، اسلئے اب مصلیان مسجد یہ چاہتے ہیں، کہ جو سامنے مسجد کا مکان ہے اس کو کرایہ دار سے خالی کرالیا جائے، اور مسجد کی توسیع کردی جائے، تاکہ مسجد بڑی ہوجائے، اور وضوخانہ بھی بڑا ہوجائے، تاکہ مصلیان کی بڑھتی ہوئی تعداد کو جو نمازوں میں تکلیف پیش آرہی ہے دور ہوجائے، خصوصاً جمعہ کے دن اور سخت گرمی کے وقت باہر نماز پڑھنے کی سہولت ہوجائے، اسلئے مکان مسجد خالی کرایا جائے، اسمیں کچھ لوگ آڑے آرہے ہیں، کہ مکان خالی نہ ہو، اور کرایہ پر چلتا رہے، اکثر نمازیوں کی تعداد مکان خالی کراکے مسجد کی توسیع چاہتے ہیں، بلکہ آٹھ دس ماہ قبل ایک اعلان مسجد میں مصلیان مسجد نے کیا تھا، کہ اب مکان کرایہ پر نہ دیا جائیگا، اور اب مسجد کی توسیع ہوگی، مگر متولیان مسجد نے مکان دوبارہ کرایہ پر چڑھادیا، اور مسجد کی توسیع اب تک نہ ہوسکی، کیونکہ متولیان مسجد بے نمازی ہیں نہ دیندار نہ دیانتدار مسجد فنڈ کی رقم دوستوں پر استعمال کراتے ہیں، آپ سے گذارش ہے کہ ان حضرات کے متعلق جو مکان مسجد کا کرایہ دار سے خالی کرانا نہیں چاہتے اور توسیع مسجد میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، تو شریعت کی نظر میں کیسے ہیں، شرعی طور پر ان حضرات کیلئے کیا حکم ہے، دوسرے یہ کہ مسجد کی عمارت بلا قیمت والی زمین پر بنی ہوئی ہے، اور اصل جگہ جو مسجد کے لئے خریدی گئی تھی وہ مکمل طور پر مسجد میں شامل نہیں ہے، مکان بنا ہوا ہے تو کیا حکم ہے اس زمین کا؟

(۱) مکان خالی کرانے میں جو حضرات آڑے آرہے ہیں، ان کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) ایسے متولیان مسجد جو فنڈ مسجد کا غلط استعمال کرائیں اور مکان خالی کرانے میں آڑے آئیں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: مصلیان مسجد نئی سرائے، دھامپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) جو زمین مسجد بنانے کیلئے خریدی گئی تھی، اسے مکمل طور پر مسجد میں استعمال کرنا ضروری ہے، اس میں رہائشی مکان بنانا جائز نہیں؟ لہٰذا ذمہ داران مسجد کو مکان خالی کرا کرا سے مسجد میں داخل کرنا بلاتردد جائز ہے۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، الآية:

(المائده: ۲)

(۲) جو متولی خائن ہو یا غافل ہو یا شریعت کے مطابق مسجد کا انتظام صحیح طور پر نہ کرتا ہو، جس سے مسجد کو نقصان پہونچتا ہو اور اسکی خیانت شرعی شہادت سے ثابت ہو جائے، تو ایسا متولی علیٰحدگی کے قابل ہے، اور اس کی جگہ کسی دیندار، صالح، امین اور لائق شخص کو متولی بنایا جائے، تاکہ مسجد کا نظام شریعت کے مطابق رہے۔

قال في الإسعاف ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود الخ.

(شامي، كتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي كراچی ٤/ ٣٨٠، زكريا٦/ ٥٧٨، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٢٦، زكريا٥/ ٣٧٨، هنديه زكرياقديم٢/ ٤٠٨، جديد ٢/ ٣٨٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴؍ ۶۰۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹؍۳؍۱۴۲۰ھ

دوبارہ آیا ہوا سوال اور الگ سے جواب

سوال: [۸۰۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا محلّہ جب آباد ہوا تو ہمارے محلّہ والوں نے مسجد کیلئے زمین خریدی جب مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو زمین میں کمی محسوس کی مسجد کی زمین کے متصل باغ ہے، محلّہ والوں نے باغ والے سے کہا کہ مسجد کیلئے کچھ زمین کی اور ضرورت ہے تو باغ والے نے کہا تم کو جتنی ضرورت ہے مفت لے لو اور مسجد بنالو، لہٰذا مسجد مکمل مستعار جگہ پر بنالی گئی جو زمین خریدی تھی مسجد کیلئے اس میں کچھ فرش بنا ہوا ہے اور پھر وضو خانہ، بقیہ زمین میں مکان بنا دیا گیا جو کرایہ پر چلتا ہے، اب محلّہ کی آبادی بہت بڑھ چکی ہے، کہ مسجد کا بیرونی فرش صحن والا حصہ بہت چھوٹا محسوس ہو رہا ہے، اور وضوخانہ بھی تنگ نظر آ رہا ہے، وضوخانہ تو اول ہی سے تنگ بنایا گیا تھا، کہ آدمی اچھی طرح سے بیٹھ کر وضو نہیں کرسکتا ہے، اور مسجد کی اتر کی جانب دیوار بھی نہیں ہے، بلکہ مسجد کے پڑوس میں اتر کی جانب مکان ہے اس مکان ہی کے ذریعہ اتر کی جانب سے پردہ ہے اگر مسجد کی طرف سے اتر کی جانب دیوار بنائی جائے تو مسجد کا فرش اور بھی زیادہ تنگ ہوجائے گا، اس لئے اب یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ سامنے جو مسجد کا مکان ہے اس کو کرایہ دار سے خالی کرا کے مسجد کی توسیع کر دی جائے، تاکہ فرش اور وضوخانہ دونوں ہی وسیع ہوجائیں اور مصلیان کی بڑھتی ہوئی تعداد کو جو نمازوں میں تکلیف پیش آ رہی ہے دور ہوجائے، خصوصاً جمعہ کے دن اور سخت گرمی میں باہر نماز پڑھنے کی سہولت ہوجائے، اس سلسلہ میں مکان خالی کرانے میں کچھ لوگ آڑے آ رہے ہیں، اکثر نمازی مکان خالی کرا کے مسجد کی توسیع چاہتے ہیں، بلکہ آٹھ ماہ قبل ایک اعلان مسجد میں مصلیان نے کیا تھا، کہ اب مکان کرایہ پر نہ دیا جائیگا، اور مسجد کی توسیع ہوگی، مگر متولیان مسجد نے جو بے نمازی ہیں نہ دیندار نہ دیانتدار مکان دوبارہ کرایہ پر چڑھا دیا، اور مسجد کی توسیع نہ ہوسکی، آپ سے گذارش ہے

کہ وہ حضرات جوکرایہ پر مکان دیکر خالی کرانانہیں چاہتے، اورتوسیع مسجد میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، شریعت کی نظر میں کیسے ہیں؟ شرعی طور پر ان حضرات کیلئے کیا حکم ہے؟ دوسرے یہ کہ مسجد کی مکمل عمارت مستعار جگہ میں ہے خریدی ہوئی جگہ میں کچھ حصہ فرش کا ہے، کچھ حصہ میں وضوخانہ ہے زیادہ حصہ میں مکان مسجد ہے، عنداللہ شریعت کے مطابق مکمل ومدلل جواب سے سرفراز فرمائیں؟

المستفتي: مصلیان مسجد،محلّہ نئ

سرائے،قصبہ دھامپور،بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب مسجد بنانے کیلئے باضابطہ زمین خریدی گئ ہے،تواس زمین پر مسجد بناکر اس کے بڑے حصہ پر رہائشی مکان بناکر کرایہ پر دینا ہرگز جائز نہیں ہے، بلکہ مسجد اسی میں بنانی چاہئے تھی، یہ بات ہم کوسمجھ میں نہیں آتی ہے، کہ مسجد کی زمین کرایہ پر دیکر مستعار زمین پر مسجد کیوں بنائی گئ، اوراسمیں کیا مصلحت تھی، سائل کوواضح کرنا چاہئے تھا، بہرحال ایک جگہ جب مسجد بن جاتی ہے،تو وہ قیامت تک کیلئے مسجد ہی رہتی ہے، اس کومسجد سے دوسرے امور میں منتقل کرنا جائزنہیں، لہٰذا جس مستعار جگہ پر مسجد شرعی بنالی گئی ہے، اس زمین کی قیمت منجانب مسجد مالک کوادا کرکے مسجد کی ملکیت میں لے لینا اور اس کا مسجد کے نام وقف ہوجانا لازم ہے،تاکہ یہ مسجد آئندہ ہمیشہ کیلئے وقف شدہ شرعی مسجد بن جائے۔(مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/۵۴۹)

إن المسجد إذا خرب يبقى مسجداً أبداً. (درمختار مع الشامی، کتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أوغيره کراچی ٤/٣٥٩، زکریا ٦/٥٤٩)

اسکے بعد مسجد اپنی ضرورت کے مطابق خریدشدہ زمین کو ہرطرح اپنے استعمال میں لے سکتی ہے، نمازیوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے اگرتوسیع کی ضرورت پڑے توکرایہ کامکان توڑکرحدودمسجداورمسجد کی ضروریات وضوخانہ وغیرہ میں شامل کرلیناذمہ

داران مسجد کیلئے بلا تردد جائز ہے اور مسجد کی ان ضروریات کے باوجود کرایہ پر دینا ذمہ داروں کیلئے ہرگز جائز نہیں ہے، نیز کرایہ دار پر لازم ہے کہ جس وقت بھی مسجد کیلئے خالی کرنا پڑے فوراً خالی کردے، اور خالی کرانے میں رکاوٹ پیدا کرنا کسی بھی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے، یہ اسکی ایمانی حمیت کیخلاف ہے۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، الآية: (المائدہ : ۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴؍ ۶۰۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵؍۱؍۱۴۲۰ھ

مسجد کی دیوار پر دوکان بنانا

سوال: [۸۰۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی دیواریں اور چھت وغیرہ اتار دی گئیں ہیں، اور مسجد کی دیواریں کافی چوڑی ہیں، اگر اس دیوار میں سے آدھی دیوار دوکان کیلئے لے لیجائے تو اس بارے میں علماء دین کی کیا رائے ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد اسعد لکھیم پوری، امام مسجد
ہری چگ، اصالت پورہ، مراد آباد، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب پہلے ایک دفعہ مسجد بن گئی تو وہ شرعی طور پر مع دیوار کے مسجد کے حکم میں داخل ہو چکی ہے، اسلئے بعد میں اس کی دیوار میں دوکان وغیرہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق (إلىٰ قوله) فكيف بغيره فيجب هدمه ولو علىٰ جدار المسجد ولا

يجوز أخذ الأجرة منه الخ. (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد كراچی ٤/٣٥٨، زكريا ٦/٥٤٨، بزازيه جديد زكريا ٣/١٥٢، وعلىٰ هامش الهندية زكريا ٦/٢٨٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦، النهر الفائق ، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٣٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹؍۳۲۷۵)

۱۶/ الفصل السادس عشر: سرکاری زمین میں تعمیر مسجد

رفاہِ عام کی جگہ میں مسجد کی دوکانیں بنانا

سوال: [۸۰۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ڈونگپوری ٹانڈہ میں ایک مسجد واقع ہے مسجد کے بعد عام راستہ ہے، اس راستہ کی ایک جانب میں کنواں ہے جو عام لوگوں کے پانی پینے کے واسطے تھا، اب وہ کنواں پاٹ دیا گیا ہے، اور یہ جگہ راستہ میں عام لوگوں کے فائدہ کیلئے چھوٹی ہوئی ہے، اس چھوٹی ہوئی جگہ کی سیدھ میں میری چار دوکانیں اور مکان ہے مسجد کے کچھ لوگ کہہ رہے ہیں، کہ اس گرام سماج کی جگہ میں مسجد کی دوکان بنوادی جائے، میرا کہنا ہے کہ جو جگہ رفاہ عام کیلئے تھی، وہ راستہ ہی میں چھوٹی رہے، تاکہ عام آدمی اس جگہ سے فائدہ اٹھائیں، سائل معلوم کرنا چاہتا ہے، کہ لقطہ یعنی گری پڑی چیز یا رفاہ عام کی یا گرام سماج کی جگہ جبراً مسجد کیلئے لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: حاجی ظہور احمد ولد عبدالشکور
ڈونگ پوری، ٹانڈہ، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب عام لوگوں کے پانی پینے کے لئے گرام سماج کی طرف سے یہ کنواں کھودا گیا تھا، اور اس میں سے عام لوگ فائدہ اٹھا رہے تھے، اور اب عام لوگوں کو اس کنویں کے پانی کی ضرورت نہیں ہے، اور ڈونگپوری ٹانڈہ مسلمانوں کا گاؤں ہے، اور مسجد بھی عامۃ المسلمین کی نماز کیلئے وقف علی اللہ ہے کسی ایک فرد کی ملکیت نہیں ہے، اسلئے وہاں کے عام لوگ جو چاہتے ہیں، گرام سماج سے اجازت لے کر وہ کام کر سکتے ہیں، چاہے اس جگہ کو عام لوگوں کے مشورہ سے یوں ہی چھوڑ دیں یا گرام سماج سے اجازت لیکر مسجد کے فائدہ کیلئے دوکان بنادیں ہر طرح کا اختیار ہے۔

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه وفی حاشیته والإذن عام سواء کان صراحةً أو دلالة . (قواعد الفقه ، اشرفي/۰ ۱۱، رقم: ۲۷۰، شرح المجلة ، رستم مکتبه اتحاد ۱/۶۱، رقم المادة :۹۶، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/۲۹۶، مجلة الأحکام العدلیة ،کراچی ۱/۲۷، رقم: ۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹؍۱۰۷۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵؍۷؍۱۴۳۳ھ

گرام سماج کی زمین کس کی ملک ہے؟

سوال: [۸۰۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بلریا گنج بازاروالی مسجد سے متصل (اتر جانب) گرام سماج کی زمین ہے، جس کو مسجد کی کمیٹی مسجد کی زمین بتارہی ہے، اور کہہ رہی ہے کہ آپ کی زمین نہیں ہے، جبکہ وہ زمین میرے گھر اور دوکان کا واحد صحن ہے اگر اسے گرام سماج کا ہی مان لیا جائے تو کیا مسجد کو ایسی زمین عطا کی جاسکتی ہے، کیا مسجد کمیٹی کیلئے اس زمین میں تصرف کرنا جائز ہوگا؟

المستفتي: منجانب: ضیاء الرحمٰن، بلریا گنج اعظم گڑھ، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مسجد کے پاس زمین کے کاغذات ہیں، اور کاغذات میں مذکورہ زمین بھی شامل ہے تو وہ زمین مسجد کی ملکیت ہے، آپ کو وہ زمین خالی کرکے مسجد کے حوالے کردینی چاہئے، اور اگر آپ کے پاس اس زمین کے کاغذات ہیں، اور مسجد کے پاس نہیں ہیں، تو وہ زمین آپ کی ہے، اور اگر کسی کے پاس کاغذات نہیں ہیں، اور گرام سماج کے پاس کاغذات ہیں، تو وہ زمین گرام سماج کی ہے، لہٰذا نہ مسجد اسپر قبضہ کرسکتی ہے، اور نہ ہی آپ کو اسپر قبضہ کرنے کا حق ہے، البتہ گرام سماج تحریری طور پر جسکو اجازت دیدے وہ اس پر قبضہ کرسکتا ہے۔

سئل نجم الدين النسفي عن رجل ادعى أرضاً في يدرجل أنها ملكه وفي يد هذا المدعى عليه بغير حق فقال المدعى عليه هي ليست بملكي إنما هي وقف على كذا و أنا متوليها فطلب القاضي من المدعى عليه بينة على ماقال فلم تمكنه إقامة البينة على ماقال فأمر القاضي المدعى عليه بتسليم الأرض إلىٰ المدعى لتكون في يده إلى أن يقيم البينة على ماقال قال كل ذلك خطأ ليس ينبغي للقاضي أن يطلب البينة من المدعى عليه على مقالته ولا أن يأمر المدعى عليه بتسليم الأرض إلى المدعى وإنما يأمر المدعى بإقامة البينة على دعواه الملك على المدعى عليه وبينته على ذلك على المدعى عليه مقبولة لأنه متول في زعمه والمتولي خصم لمن يدعى الملك لنفسهٖ في الوقف. (هنديه، كتاب الدعوىٰ، الباب السابع عشر في المتفرقات زكريا قديم ٤/١٥٣، ١٥٤، جديد٢/١٥٧، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا١٣/٤٦٧، رقم: ١٩٨٧٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٧/٩٣، رقم: ١٧٤١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شوال ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۶۷۸)

پردھان کی طرف سے الاٹ کردہ گرام سماج کی زمین میں تعمیر مسجد کا حکم

سوال: [۸۰۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گرام پردھان پٹواری اور قانون گوتینوں نے ملکر گرام سماج کی زمین مسجد کیلئے الاٹ کردی اور کچھ رقم لے لی تو یہ کیسا ہے؟ ایسی جگہ پر مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: حافظ محمد حنیف، خوشحال پور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گرام پردھان، پٹواری اور قانون گو نے گرام سماج کی جوز مین مسجد کو رقم لیکر کے دی ہے، وہ مسجد کی ملکیت میں داخل ہو جائیگی، لیکن اس میں لازم یہ ہے کہ با قاعدہ سرکاری ضابطہ کے مطابق مسجد کے نام کاغذی کارروائی کی تکمیل کی جائے، تاکہ مسجد کے نام اور اس کی ملکیت ہونے میں کسی قسم کا تر دد نہ رہے، اس کے بعد اس جگہ پر شرعی مسجد بنانا بلاشبہ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین / ۴۹۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۱۹۷، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۱۷۸، ۱۷۹)

ويتفرع على اشتراط الملك أنه لايجوز وقف الإقطاعات إلا إذا كانت الأرض مواتا أو كانت ملكاً للإمام فأقطعها الإمام رجلاً. (عالمگیری، كتاب الوقف، الباب الأول زكريا قديم ٢/ ٣٥٤، جديد٢/ ٣٤٨، البحر الرائق، كوئٹه٥/ ١٨٨، زكريا ٥/ ٣١٤، الدر مع الرد، مطلب في وقف الإقطاعات ، زكريا٦/ ٥٩٥، ٥٩٦، كراچى ٤/ ٣٩٣، الفقه الإسلامي وادلته، دارالفكر ١٠/ ٧٦١٣، هدىٰ انٹرنيشنل ديوبند٨/ ١٦٤، الموسوعة الفقهية الكويتية٦/ ٨٦، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت٣/ ٣١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶ ؍ ۷۵۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲؍۲؍۱۴۲۳ھ

سرکاری زمین میں مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۸۰۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک سرکاری زمین میں مسلموں نے مسجد بنانا شروع کیا اور بعد میں غیر مسلموں نے رکاوٹ ڈال دی بالآخر معاملہ عدالت میں گیا ہے اور اب تک زیر بحث ہے، پھر ایک فریق نے اس زمین کے متصل ہی جگہ خرید کر مسجد بنالی اور آراضیٔ متنازعہ فیہ کا کچھ حصہ

بھی اس میں آ گیا تو اس صورت میں اس مسجد کا کیا حکم ہے، اس میں نماز پڑھنا صحیح ہے یانہیں؟ اگر نہیں ہے تو اسمیں جو نمازیں پڑھی گئی ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ پھر ایسی مسجد کی تعمیر کیلئے اعانت کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد ہاشم قاسمی، پرولیا، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب دوسری جگہ خرید کر مسجد بنائی گئی ہے، تو وہ شرعاً مسجد بن چکی ہے، اور اس میں نماز بھی بلا کراہت جائز ہے لیکن جو حصہ مسجد کی زمین نہیں ہے بلکہ سرکاری زمین ہے، تو جب تک اس زمین کی قیمت ادا نہ کردی جائے، یا سرکار سے اس کی اجازت حاصل نہ کی جائے گی اس وقت تک اس حصہ میں نماز مکروہ ہوتی رہے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۱۹۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۱۷۸، ۱۷۹)

بنیٰ مسجداً في أرض غصب لابأس بالصلاة فيه – إلیٰ – فالصلاة فيها مكروهة تحريماً. (شامی، الصلاة، مطلب فی الصلاة فی الأرض المغصوبة …… زکریا ۲/ ٤٥، کراچی ۱/ ۳۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رمحرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸ر۷ ۲۹۹)

سرکاری زمین پر تعمیر مسجد

سوال: [۸۰۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک سرکاری زمین ہے جسے سرکار نے جانوروں کی چراگاہ کے طور پر خالی چھوڑ رکھا ہے، قانونی طور پر خود سرکار بھی اس کو دوسرے کام میں استعمال مستقلاً کرنہیں سکتی ہے، تو کیا بلا اجازت اس زمین پر مسجد کا تعمیر کرنا درست ہوگا؟

المستفتي: محمد سردار، کٹک، اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : سرکار کی اجازت کے بغیر اس زمین میں مسجد بنانا جائز نہیں ہوگا، لہٰذا اس کے لئے اولاً اجازت حاصل کی جائے، اس کے بعد ہی مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیا جائے۔

بنیٰ مسجداً علی سور المدينة لاينبغي أن يصلي فيه لأنه حق العامة فلم يخلص لله تعالىٰ كالمبنيٰ في أرض مغصوبة ومدرسة السليمانية في دمشق مبنية في أرض المرجة التي وقفها السلطان نورالدين الشهيد على أبناء السبيل بشهادة عامة أهل دمشق والوقف يثبت بالشهرة فتلك المدرسة خولف في بنائها شرط وقف الأرض الذي هو كنص الشارع فالصلوٰة فيها مكروهة تحريماً في قول وغير صحيحة له في قول آخر الخ. (شامی، الصلاة، مطلب في الصلاة، في الأرض المغصوبة ...... زكريا ۲/ ۴۵، كراچی ۱/ ۳۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ۲/ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۲/ ۱۴۱۷ھ

حکومت کی اجازت کے بغیر سرکاری زمین میں تعمیر مسجد

سوال: [۸۰۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی زمین ایک جگہ صرف چار میٹر تھی، زید نے کچھ زمین سرکاری دبا کر اور سرکاری کرمچاریوں سے ملکر نقشہ بنوا کر مسجد تعمیر کروانا شروع کردی، اس دوران کچھ شرپسندوں نے شر پیدا کیا اور تعمیر مسجد کو زبردستی لکھوایا بعد میں زید سے صرف چار میٹر جو زید کی تھی، زید پر زور ڈال کر وقف کرالی، مسجد کی چوڑائی ۴۰/ میٹر اور لمبائی ۳۰/ میٹر ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ زمین زید سے جو وقف کرائی ہے، وہ چار میٹر ہے باقی سرکاری ہے تو ایسی حالت میں اس مسجد میں نماز

ہوگی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب دیں، عین نوازش ہوگی؟

نوٹ: اس زمین میں جو سرکاری زمین ہے، وہ وقف نہیں ہوئی ہے، اور نہ کوئی معاوضہ سرکار کو دیا گیا ہے، اور یہ سرکاری زمین وقف کرنے کا حق کس کو ہے؟

المستفتي: اشتیاق احمد، محلّہ امام باڑہ، بہیڑی، بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مسجد بن چکی ہے، تو حکومت کی زمین کا حصہ حکومت سے اجازت حاصل کرنے کے بعد ہی مسجد شرعی کے حکم میں ہوگا، کسی ترکیب سے حکومت سے اجازت حاصل کرلینا ضروری ہے، ورنہ وہ حصہ مغصوبہ زمین کے حکم میں ہونے کی وجہ سے نماز مکروہ ہوگی، یا وقف شرعی نہ ہونے کی وجہ سے مسجد نہ ہوگی۔

كما استفاده من الشامي، و مدرسة السليمانية في دمشق......... والوقف يثبت با لشهرة فتلك المدرسة خولف في بناء ها شرط وقف الأرض الذى هو كنص الشارع فالصلوٰة فيها مكروهة تحريماً في قول وغير صحيحة في قول آخر الخ. (شامی، الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة ...... زكريا ٢/٤٥، كراچی ١/٣٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷رشوال ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۲۱)

سرکاری افتادہ زمین پر مسجد بنانا

سوال: [۸۰۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکاری غیر مزروعہ افتادہ زمین پر مسجد بنانا ازروئے شرع درست ہے یا نہیں؟ اور اس صفت سے متصف مسجد میں نماز پڑھنے سے مسجد یا جماعت کا ثواب ملیگا یا نہیں؟

المستفتي: ابوالحسن، سیتا مڑھی،
مسجد صفہ، کلمبوی، نئی بمبئی، انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :سرکاری غیرمزروعہ افتادہ زمین پر سرکار سے باقاعدہ اجازت لیکر مسجد بنانا درست ہے اور اگر بغیر اجازت بنالی ہے تو میونسپلٹی سے کسی طرح اجازت حاصل کرلیں اور اس مسجد میں نماز پڑھنے سے انشاءاللہ مسجد اور جماعت کا ثواب بھی ملیگا۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۱۹۶، ۱۹۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۱۷۸، ۱۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ صفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۷ھ

میونسپلٹی بورڈ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۸۰۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے تھوڑی زمین وقف کردی جس میں پانچ چھ سال کے بچے کی تعلیم اور پنجگانہ نماز ہوتی ہے، کچھ عرصہ کے بعد ایم اے ایل سے مطالبہ کرنے پر ایم اے ایل نے تیس ہزار روپئے دئے پھر زمین وقف کرنے والے کی بغیر رضا مندی سرکاری زمین میں سرکار کی بغیر اجازت عمارت بنائی اور اس روپئے سے اینٹ سمنٹ خریدا اور سرکاری باغ سے لکڑی چوری کرکے بیچ رہے تھے، تو خرید کر اس عمارت کیلئے استعمال کیا تو اسمیں تعلیم اور پنجگانہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: ماسٹر عبدالحمید، آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :اگر زمین میونسپلٹی بورڈ کی ہے اور میونسپلٹی کی اجازت کے بغیر اسمیں مسجد تعمیر کرلی گئی ہے، تو وہ مسجد مسجد شرعی ہے، لیکن اسمیں اس وقت تک نماز مکروہ رہے گی، جب تک کہ زمین کی قیمت میونسپلٹی کو ادا نہ کردی جائے، یا اجازت حاصل کرلی نہ جائے، اگر اجازت حاصل نہ کرسکے تو مسجد کو ختم کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ یہ مسجد قیامت تک کیلئے

مسجد ہی رہے گی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۹۲، کفایت المفتی ۷/۶۸، جدید زکریا مطول ۱۰/۱۸۰)

بنیٰ مسجداً في أرض غصب لا بأس بالصلاة فيه وفی الواقعات...... فالصلاة فيها مكروهة تحريماً فی قول. (شامی، الصلاة، مطلب فی الصلاة فی الأرض المغصوبة ...... زكريا ۲/ ٤٤، ٤٥، كراچی ۱/ ۳۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۱۳۲/۳۵)

سرکاری زمین میں پر بلا اجازت دوکان بناکر کرایہ مسجد میں استعمال کرنے کا حکم

سوال: [۸۱۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے سامنے ایک سرکاری زمین ہے، اور مسجد کی کمیٹی والے اس سرکاری زمین میں حکومت کی اجازت کے بغیر دوکانیں تعمیر کرا کر دوکانداروں سے کرایہ وصول کررہے ہیں، اور وہ رقم مسجد کی تعمیر میں لگا رہے ہیں، نیز ضرورت کے پیش نظر وہ دوکانداروں سے پیشگی کرایہ وصول کر کے مسجد میں لگا دیتے ہیں، تو اس طرح بلا اجازت حکومت کی سرکاری زمین میں دوکان تعمیر کرانا اور ان کا دوکانوں کا کرایہ وصول کر کے مسجد میں لگانا شرعاً کیسا ہے؟ مفصل و مدلل جواب تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: مولانا ربیع الاسلام آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سرکاری اجازت کے بغیر سرکاری زمین پر قبضہ کر کے دوکانیں تعمیر کر کے کرایہ پر دینا مسجد کے لئے ناجائز ہے اور اس کا پیسہ مسجد میں خرچ کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ مسجد کی ضروریات میں پاک صاف پیسہ خرچ کرنا لازم ہے، اور یہ پیسہ گھپلہ کا پیسہ

ہے؛ ہاں البتہ اگر میونسپلٹی نے مسجد کو اجازت دی ہو یا زمین کی قیمت ادا کر دی گئی ہو تو جائز ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ : أیها الناس ! إن اللہ طیب ، لایقبل إلا طیباً . (مسلم شریف، باب قبول الصدقة ، من الکسب الطیب وتربیتها، النسخة الهندیه ۱/۳۲۶، بیت الافکار رقم: ۱۰۱۵، مسند أحمد ۲/۳۲۸، رقم: ۸۳۳)

لایجوز لأحد أن یتصرف في ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولایة علیه . (شرح المجلة ،رستم اتحاد ۱/ ۶۱، رقم المادة /۹۶)

أما لو أنفق فی ذلک مالاً خبیثاً ومالا سببه الخبیث والطیب فیکره ؛ لأن اللہ لایقبل إلا الطیب ، فیکره تلویث بیته بما لایقبله . (شامی، زکریا مطلب فی أحکام المسجد زکریا ۲/ ۴۳۱، کراچی ۱/ ۶۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۰۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۱۱ھ

سرکاری زمین یا شاہ راہ پر مسجد کے لئے بورنگ بنانا

سوال: [۸۱۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) سرکاری زمین پر مسجد کے لئے یا اپنے گھر اور کارخانہ کے لئے بغیر سرکاری اجازت کے بورنگ کرانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) سرکاری ہینڈ پائپ لگا ہوا ہے اس میں ہم لوگوں نے اپنی سہولت کے لئے میونسپل بورڈ چیرمین کی اجازت کے بغیر سمرسیبل لگالیا ہے، کیا اس سمرسیبل سے کسی بھی مسجد میں پانی لے جانے کی اجازت ہے؟

(۳) مسجد کی بورنگ یا اپنی ذاتی بورنگ عوامی راستہ پر (جو نگر پالیکا سے سمینڈڈ ہے) کرکے مسجد یا اپنے گھر میں پانی لے جایا جاتا ہے، اور راستہ کو بورنگ کرنے کے بعد اس کو بالکل درست پہلے جیسا کر دیا گیا ہے، مسجد کے اندر بورنگ کے لئے جگہ بھی نہیں ہے،

سوال یہ ہے کہ اس طرح عوامی راستہ پر جو مسجد کی ملکیت نہیں ہے، مسجد کے لئے بغیر چیرمین کی اجازت کے بورنگ کرانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن، جامعہ عربیہ، گوری نوادہ سمدھن، قنوج، فروخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سرکاری زمین سے کون سی زمین مراد ہے، اس کو واضح کرنا چاہئے تھا، بہرحال اگر سرکاری زمین سے راستہ، سڑک، گلی وغیرہ مراد ہے جو میونسپلٹی کے زیر تحت ہوتی ہیں، اس میں مسجد یا کسی کے گھر یا کارخانہ کے واسطہ بورنگ کیا جارہا ہے، اور اس سے سرکار کو کوئی نقصان نہیں ہے، اور نہ ہی راستہ چلنے والوں کو کوئی پریشانی ہے، اور سرکاری راستوں اور گلیوں میں عوام کا ذاتی بورنگ کرنے کا تعامل ہے، اس میں سرکار کی طرف سے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں مسجد کے لئے بورنگ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس پانی سے طہارت حاصل کرنے اور وضو کرنے میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں ہے۔

(۲) سرکاری ہینڈ پائپ عوام کے پانی حاصل کرنے کے لئے لگائے جاتے ہیں، جن سے عام طور پر غریب لوگ اپنی ضرورویات پوری کرتے ہیں، اور سرکار کی طرف سے کسی کے لئے بھی کسی طرح کی کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی ہے، کوئی بھی وہاں سے پانی حاصل کرسکتا ہے؛ لہٰذا اگر ہینڈ پائپ میں مسجد تک پانی پہنچانے کے لئے موٹر لگا دیا جائے، اور عام لوگوں کو اس موٹر کی وجہ سے پانی حاصل کرنے میں کسی قسم کی دشواری اور پریشانی نہ ہو، تو مسجد کے لئے موٹر کے ذریعہ پانی حاصل کرنا جائز ہے، اور اگر عام لوگوں کو ہر وقت پانی حاصل کرنے میں دشواری اور پریشانی لاحق نہیں ہے، تو مسجد کی طرف سے اس میں موٹر لگانا جائز نہ ہوگا، اور سائل نے ہینڈ پائپ میں سمر سیبل لگانے کی جو بات کہی ہے، وہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، ہاں البتہ موٹر لگانے کی بات ہم نے لکھ دی ہے۔

(۳) تیسرے سوال کا جواب نمبر ۱ میں گذر چکا ہے کہ عوامی راستہ میں بورنگ کرنے کی صورت میں اگر چلنے والوں کو پریشانی نہیں ہوتی ہے، تو اس میں مسجد کے واسطے بورنگ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

إذا بنیٰ قوم مسجداً واحتاجوا إلیٰ مکان لیتسع فأدخلوا شیئا من الطریق لیتسع المسجد وکان ذلک لایضر بأصحاب الطریق جاز ذلک .

(البحرالرائق، کتاب الوقف، جدید زکریا ۵/۴۲۸، کوئٹہ ۵/۲۵۶، مثله فی الهندیة، کتاب الوقف جدید زکریا دیوبند ۲/۴۱۰، قدیم ۲/۴۵۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۵۵/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/۱/۱۴۳۶ھ

غیر مسلم سے پٹہ کی زمین ٹھیکہ پر لیکر مسجد و مدرسہ بنانا

سوال: [۸۱۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صوبہ مغربی بنگال کے ضلع بیر بھوم میں تلے ڈانگال کے نام سے ایک گاؤں ہے اس گاؤں کے قریب کھیتی باڑی کیلئے ہندو اور مسلمان دونوں مذہب کے لوگوں کی کافی زمین ہے، اسی زمین کے پاس ایک غیر مسلم ہندو ڈوم کے نام پر آدھا بیگہ زمین سرکار نے پٹہ میں کردی ہے، اس پٹہ والی زمین کی حیثیت یہ ہے کہ کبھی بھی وہ زمین کسی کے نام پر رجسٹری نہیں ہوسکتی ہے، اور نہ کوئی آدمی اس زمین کا مالک بن سکتا ہے، اور نہ کوئی کسی کے نام پر ریکارڈ کرواسکتا ہے، اور نہ وہ زمین کسی دینی مدرسہ یا مسجد کیلئے وقف ہوسکتی ہے، بلکہ ہمیشہ اس زمین کی اصل مالک سرکار ہی رہے گی، تو کیا کوئی اپنا مسلمان بھائی پندرہ بیس ہزار روپئے دے کر غیر مسلم ڈوم کے نام کی زمین کو ۱۰۰/ سال کیلئے ٹھیکہ پر لیکر اس زمین میں دینی مدرسہ یا مسجد شرعی کی تعمیر کرائے تو شریعت کے لحاظ سے جائز اور درست ہے یا نہیں؟ جبکہ اس زمین کے بازو میں اپنے مسلم بھائیوں کی رجسٹری والی

اور وقف کے قابل والی زمین موجود ہے، ممکن ہے کہ ان میں سے کسی مسلم بھائی سے دینی مدرسہ یا مسجد شرعی کیلئے مانگے جانے پر کوئی بھی خدا کا بندہ زمین وقف بھی کرسکتا ہے، یا بصورت دیگر کسی بھی مسلم بھائی سے زمین خرید کراس کو دینی مدرسہ یا مسجد شرعی کیلئے وقف کروادیا جائے، جو رجسٹری اور وقف کے قابل ہوتو غور طلب بات یہ ہے کہ کیا کرنا چاہئے، کہ غیر مسلم سے پٹہ والی وہ زمین جس کا کوئی آدمی کبھی بھی مالک نہیں بن سکے گا، اور جس کی رجسٹری بھی نہیں ہوسکتی، اور وقف بھی نہیں ہوسکتی، ایسی زمین پندرہ بیس ہزار روپیہ دے کراس کو لے لیا جائے، اوراس میں دینی مدرسہ یا مسجد شرعی کی تعمیر کی جائے یا کسی اپنے مسلم بھائی سے رجسٹری اوروقف کے قابل زمین خرید کراس زمین میں دینی مدرسہ یا مسجد شرعی کی تعمیر کرائیں، جائز ہے یا ناجائز صحیح اور درست شریعت میں کیا ہے؟

المستفتی: محمد زین العادین القاسمی،
جامعہ اسلامیہ، دارالعلوم صدائی پور،
رحمت اللہ اسلام، بیربھوم، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد شرعی کے تحقق کیلئے ضروری ہے کہ مسجد کی جگہ ہمیشہ کیلئے مسجد کے نام پر وقف ہو اور قیامت تک اس کا کوئی انسان مالک نہ ہو اور سوسال کا پٹہ خود ہی بتارہا ہے، کہ سوسال کے بعد وہ مسجد غیروں کی ملکیت میں جاسکتی ہے، اسلئے اس جگہ پر شرعی مسجد نہیں بن سکتی، لہٰذا سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت میں ضروری ہے کہ مسجد اور مدرسہ کے نام سے مستقل طور پر زمین حاصل کر کے اس پر مسجد اور مدرسہ بنایا جائے، مذکورہ غیر مسلم سے پٹہ کی زمین ٹھیکہ پر حاصل کر کے اس پر مسجد اور مدرسہ نہ بنایا جائے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۴۲، جدید زکریا مطول ۱۰/۳۵۰)

رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة فهذا

علی ثلاثة أوجه إن أمرهم بالصلوٰة فیها أبداً نصا بأن قال صلوا فیها أبداً أو أمرهم بالصلوٰة مطلقاً و نوی الأبد ففی هذین الوجهین صارت الساحة مسجداً لومات لایورث عنه و إما أن وقّت الأمر بالیوم أو الشهر أو السنة ففی هذا الوجه لاتصیر الساحة مسجداً لومات یورث عنه. (هندیه ، الوقف ، الباب الحادی عشر، فی المسجد وما یتعلق به زکریا قدیم ۲/۴۵۵، جدید ۲/۴۰۹، المحیط البرهانی ، المجلس العلمی ۹/۱۲۵، رقم: ۱۱۳۳۸، الفتاویٰ التاتار خانیة زکریا۸/۱۵۷، رقم: ۱۱۴۹۹)

ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثانی إلیٰ قیام الساعة وبه یفتیٰ. (شامی الوقف ، مطلب فیما لوخرب المسجد أوغیره ،زکریا ۶/۵۴۸، کراچی ۴/۳۵۸، مجمع الانهر ، دارالکتب العلمیة بیروت۲/۵۹۵، مصری قدیم ۱/۷۴۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸؍۹۵۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۵ھ

سماج کی آراضی پر مسجد بنانا

سوال: [۸۱۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سماج کی آراضی مسلمانوں کے محلّہ میں ہے، اور مسلمانوں نے ہی اس پر قبضہ کر رکھا ہے، جبکہ آراضی کا مالک بھی سماج ہی ہے، مسلمان بالاتفاق اس مذکورہ آراضی پر مسجد تعمیر کرانا چاہتے ہیں، مسجد بنانا کیسا ہے؟ ہندوؤں کے محلّہ میں جو سماج کی آراضی ہیں ان پر بھی وہی لوگ قابض ہیں، اور اپنے اپنے طور پر استعمال کرتے ہیں، جبکہ مالک سماج ہی ہوتا ہے، اور مسلمانوں کے استعمال سے آج تک ہندوؤں کو کوئی اعتراض نہیں ہوا ہے، مسلمان اکثریت میں ہیں اور ہندو اقلیت میں ہیں؟

المستفتي: الحاج نیتا سخاوت حسین
انصاری، شریف نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سماج کی جگہ پر مسجد بنانے سے پہلے محلّہ میں رہنے والوں سے خواہ ہندو ہوں یا مسلمان اجازت لے لینی چاہئے ، اور باقاعدہ حکومت کے ذمہ داروں سے بھی اس جگہ مسجد بنانے کی تحریری اجازت حاصل کرلینی چاہئے ، مثلاً گاؤں کے پردھان اس کی تحریر دیدیں اوراس پر مہر ثبت کردیں اور حکومت کی طرف سے پردھان اور پٹواری کو اس کی اجازت دینے کا اختیار ہے، تو ان کی تحریری اجازت کے ذریعہ مسجد بنانا درست ہے۔

وأما إذا وقف السلطان من بيت المال أرضا للمصلحة العامة فذكر في الخانية جوازه . (شامی، الوقف مطلب للسلطان مخالفة الشرط إذا كان الوقف من بيت المال زكريا٦/ ٦٥٤، كراچی ٤/ ٤٣٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۱؍ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۰۳)

دوسرے کی زمین میں بلا اجازت مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۸۱۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں گردھر پور ضلع بستی میں زید نے ایک مسجد بنائی اور جس زمین پر مسجد تعمیر کی گئی وہ خالد وبکر کی تھی ، بکر اس زمین کو دینے پر راضی تھا، اور خالد راضی نہیں تھا، چنانچہ مسجد تعمیر ہوگئی اور عرصہ دراز سے مسجد میں نماز بھی پڑھی جاتی ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ مسجد کو باقی رکھا جائے ، یا دوسری مسجد بنائی جائے ، اس مسجد کی تعمیر میں کچھ اینٹ بھٹے والے سے ادھار لی گئی تھیں، ان کی قیمت بھی نہیں ادا کی گئی ،تو کیا اس مسجد میں نماز پڑھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: منجانب: باشندگان بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اب جب اس زمین پر مسجد بن گئی تو وہ قیامت تک کیلئے مسجد ہی رہے گی، مگر اس میں نماز پڑھنا اس وقت تک مکروہ رہیگا، جب تک خالد کو راضی نہ کرلیا جائے یا اس کے حصہ کی قیمت ادا نہ کردی جائے، نیز بھٹے والے کی اینٹ کی قیمت ادا کرنا بھی لازم ہوگا، اگر فوری ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہے تو ان حقداروں سے ان کی مرضی کے مطابق مہلت لینا لازم ہے، ورنہ ذمہ داران مسجد گنہگار رہوں گے، اور اس مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہوگا، جب خالد اور بھٹے والے کا حق ادا ہوجائیگا تو نماز بلاکراہت درست ہوتی رہے گی، اور مسجد کا ثواب بھی ملتا رہے گا۔

لايجوز لأحد أن يتصرف فی ملك الغير بغير إذنه الخ. (قواعد الفقه، اشرفی /۱۱۰، رقم: ۲۷۰، شرح المجلة رستم مکتبه اتحاد ۶۱/۱، رقم المادة: ۹۶، الموسوعة الفقهية الكويتية۲۸ /۳۹۶)

لو غصب ساجة أی خشبة وأدخلها فی بنائه فإن كانت قيمة البناء أكثر يملكها صاحبه بالقيمة (قوله) لو غصب أرضا فبنیٰ فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها وردت وإلا ضمن لهٗ قيمتها الخ. (الاشباه قديم: ۱۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۵۹)

۱۷/ الفصل السابع عشر: مسجد میں سرکاری امداد کا حکم

گرام سماج کی زمین مسجد کی ملک ہوگی یا قابض کی؟

سوال: [۸۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بلریا گنج بازار والی مسجد سے متصل (اتر جانب) گرام سماج کی زمین ہے، جس کو مسجد کی کمیٹی مسجد کی زمین بتارہی ہے، اور کہہ رہی ہے کہ آپ کی زمین نہیں ہے، جبکہ وہ زمین میرے گھر اور دوکان کا واحد صحن ہے، اگر اسے گرام سماج ہی کی زمین مان لی جائے تو کیا مسجد کی کمیٹی کا اس میں تصرف کرنا جائز ہوگا؟

المستفتي: ضیاء الرحمٰن، بلرام گنج، اعظم گڈھ یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کے پاس زمین کے کاغذات ہیں، اور کاغذات میں مذکورہ زمین بھی شامل ہے، تو وہ زمین مسجد کی ملکیت ہے آپ کو وہ زمین خالی کر کے مسجد کے حوالہ کر دینا چاہئے اور اگر آپ کے پاس اس زمین کے کاغذات ہیں، اور مسجد کے پاس نہیں ہیں، تو وہ آپ کی زمین ہے اور اگر آپ میں سے کسی کے پاس کاغذات نہیں ہیں، بلکہ گرام سماج کے پاس کاغذات ہیں، تو وہ زمین گرام سماج کی ہے، لہٰذا نہ مسجد اسپر قبضہ کر سکتی ہے، اور نہ ہی آپ کو اسپر قبضہ کرنے کا حق ہے البتہ گرام سماج تحریری طور پر جس کو اجازت دیدے وہ اسپر قبضہ کر سکتا ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ جب قبضہ ۳۳/سال یا ۳۶/سال سے زیادہ کا نہ ہو بلکہ اس سے کم عرصہ سے چلا آرہا ہو، لیکن اگر ۳۶/سال سے زیادہ عرصہ سے قبضہ چلا آرہا ہے اور گرام سماج کی طرف سے کوئی دعویٰ نہیں ہوا ہے، تو ایسی صورت میں جس کا قبضہ ہے، اسی کی زمین شمار ہوگی۔

ثم اعلم أنه نقل العلامة ابن الغرس في الفواكه البدرية عن المبسوط: إذا ترك الدعویٰ ثلاثا وثلاثين سنة ولم يكن مانع من

الدعویٰ ثم ادعی لاتسمع دعواہ لأن ترک الدعویٰ مع التمکن یدل علی عدم الحق ظاہراً و مثلہ فی البحر و فی جامع الفتاویٰ و قال المتأخرون من أہل الفتویٰ : لاتسمع الدعویٰ بعد ست ثلاثین سنۃ. (شامی ، کتاب الخنثیٰ زکریا ۱۰/ ۴٦۸، کراچی ٦/ ۷٤۱، کتاب القضاء ، مطلب إذا ترك الدعویٰ ثلاث وثلاثین سنة لاتسمع زکریا۸/ ۱۱۷، کراچی ٥/ ٤۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/۱۰/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱٦۷۸)

ودھا یکی کوٹہ کی رقم مسجد میں لگانا

سوال: [۸۱۰٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلم ودھا یک کا پیسہ جو ودھا یکی کوٹہ سے ہے، اس کو ذاتی مسجد میں یا مسجد کی چہار دیواری پر خرچ کیا جا سکتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟ بینوا توجروا

المستفتي: محمد شاہد رضا، رانی کھیت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیر مسلم کا پیسہ مدرسہ یا مسجد میں لگانا جائز ہے، اسی طرح ودھا یکی کوٹہ کا پیسہ لگانا بھی جائز ہے، ہاں البتہ اکابر سرکاری پیسہ مدارس میں لگانے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، مگر جواز کی بات اپنی جگہ باقی ہے۔ (مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۲۲/ ۲۲، امداد الفتاویٰ ۲/ ٦٦۴)

ولو أن ذمیا أوصیٰ بأن یشتری بثلث مالہ رقابا...... أو یبنی بہ مسجد للمسلین إن کان ذلک لقوم بأعیانھم صحت الوصیۃ . (ہندیہ ، الباب الثامن فی وصیۃ الذمی والحربي ، زکریا قدیم ٦/ ۱۳۱، ۱۳۲، جدید٦/ ۱٥۲)

وللمسلمين أن يقبلوا من الكافر مسجداً بناه كافر أو أوصي ببنائه ترميمه إذا لم يكن في ذلك ضرر ديني أوسياسي الخ. (تفسير مراعى ٤/٧٤، بحواله محموديه ميرٹھ ٢٢/١٢٣)

لو وقف على مسجد بيت المقدس فإنه صحيح لأنه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، الوقف، زكريا ٥/٣١٦،كوئٹه٥/١٩٠، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت٢/٥٦٨، مصرى قديم ١/٧٣١، بدائع الصنائع زكريا٦/٤٣٩، كراچى ٧/٣٤١، شامى ، زكريا٦/٥٢٤، كراچى ٤/٣٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

گرام سبھا کی زمین فروخت کرکے قیمت مسجد میں لگانا

سوال: [۸۱۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری بستی میں چار مسجدیں ہیں، اور چاروں ہی زیر تعمیر ہیں، اور سخت ضرورتمند ہیں، ایک محلّہ میں پردھان بھی ہیں، انھوں نے معلوم کیا اگر گرام سبھا کی زمین ہم فروخت کرکے اپنے محلّہ کی مسجد میں لگالیں اور اس رقم سے مسجد تعمیر کرالیں کیا یہ درست ہے، بستی میں کچھ غیر مسلم بھی آباد ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایسا کرنے میں خلاف قانون یا مسلم وغیر مسلم میں اختلاف کا سبب نہ ہو، تو گنجائش ہے، اسلئے کہ گرام سبھا کی زمین میں ہندو مسلم سب کا تعلق ہوتا ہے، اور مسجد صرف مسلم دھرم سے متعلق ہے، لہٰذا گرام سبھا کی زمین فروخت کرکے قیمت کو مسجد میں لگانے میں پردھان کی اجازت کے ساتھ ساتھ وہاں کے غیر مسلم کی طرف

سے رکاوٹ نہ ہونا بھی لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۱۸۸، جدید ڈابھیل۱۵/۳۱۳، فتاویٰ احیاء العلوم ۱/۳۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۳/۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۴۳)

MPیاMLA کو ملنے والے حکومتی فنڈ کو مسجد یا مدرسہ میں لگانا

سوال: [۸۱۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکومت کی طرف سے MLAاور MP کو ایسا فنڈ ملتا ہے، جسکو اپنی مرضی سے کسی جگہ بھی خرچ کرسکتا ہے، اور وہ اپنی خوشی سے مسجد اور مدرسہ کے تعمیری کام میں دے تو لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

یا اس کام کیلئے بوقت ضرورت مانگا جاسکتا ہے کہ نہیں؟ کیونکہ جب تک اسکے علم میں نہ دیا جائے اسکو ہماری ضرورت کا علم کیسے ہوگا، دوسری بات یہ ہے کہ مدرسہ کا رجسٹرڈ کرایا جاسکتا ہے یا نہیں، تاکہ حکومت میں یہ ریکارڈ رہے کہ یہاں مدرسہ اتنے دنوں سے قائم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں، کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد وسیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ایم پی یا ایم ایل اے قربت وثواب کی نیت سے اپنی خوشی سے یا بوقت ضرورت طلب کرنے پر ذکر کردہ فنڈ سے مسجد یا مدرسہ میں کچھ رقم دے تو اسے لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر اس طرح کی رقم دے کر وہ مدرسہ وغیرہ میں اپنے اختیارات جمانا چاہتے ہوں، اور اسکے عمل میں دخیل ہونا چاہتے ہوں، تو نہ لیا جائے۔ (مستفاد: محمودیہ جدید ۱۵/ ۶۲۱، کتاب الفتاویٰ ۴/ ۲۰۹)

اختلف الناس فی أخذ الجائزة من السلطان ، قال بعضهم : یجوز مالم یعلم أنه یعطیه من حرام ، قال محمد؛ وبه نأخذ مالم نعرف شیئاً حراماً بعینه

، **وهـو قول أبي حنيفة وأصحابه.** (هـنـديـه ، الكراهية ، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات ، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦)

درء الـمـفـاسـد أولـىٰ مـن جـلـب الـمـنـافع ؛ أي إذا تعارض مفسدة ومصلحة قدم رفع المفسدة . (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٣٢، رقم: ٣٠، قواعد الفقه ، اشرفی /١ ٨، رقم: ١٣٣)

(۲) مدارس وغیرہ کا رجسٹریشن کرانا بلاشبہ جائز ہے ، اسی لئے ہمارے اکابر نے اداروں اور انکے دستور اساسی کا عصر حاضر کے قوانین کے تحت رجسٹریشن کرایا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۲ھ

غیر مسلم MP یا MLA کا سرکاری رقم مسجد میں دینا

سوال: [۸۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) اگر کوئی غیر مسلم ایم ایل اے یا ایم پی سرکاری رقم میں سے مسجد کی تعمیری کاموں کیلئے دے یا عیدگاہ اور قبرستان کیلئے دے تو کیا شرعاً ان کی یہ رقم لی جاسکتی ہے؟

(۲) نیز اگر غیر مسلم حضرات اپنی ذاتی رقم میں سے دیں تو کیا لے سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتي: مولوی سلیم الدین، محلّہ کچا قلعہ نزد پالو بی بی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) ایم پی ایم ایل اے کو رفاہ عام کیلئے منجانب سرکار جو رقم ملتی ہے، اگر اس رقم میں سے مسلم یا غیر مسلم ایم پی یا ایم ایل اے تعمیر مسجد یا عیدگاہ یا قبرستان کیلئے کچھ پیسے دیدے تو اس کا مسجد عیدگاہ وقبرستان میں خرچ کرنا جائز اور درست

ہے، لیکن شرط ہے کہ سرکار کی طرف سے یا غیر مسلموں کی طرف سے احسان جتانے کی کوئی بات پیش نہ آئے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/ ۹۷، امداد المفتیین / ۱۰۱۹)

شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس. (شامي، الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة زكريا ٦/ ٥٢٤، كراچی ٤/ ٣٤١، البحرالرائق، زكريا٥/ ٣١٦، كوئٹه٥/ ١٩٠)

(۲) جو غیر مسلم کارِ خیر سمجھ کر اپنی ذاتی رقم مسجد یا مدرسہ کی تعمیر یا ضروریات میں خرچ کرنے کیلئے دیں، تو اسکو لیکر مسجد یا مدرسہ میں صرف کرنا بلاتر دد جائز ہے، اسمیں بھی شرط یہ ہے کہ غیر مسلم کی طرف سے آئندہ احسان جتانے کی بات پیش نہ آئے، اور نہ ہی یہ خطرہ ہو کہ ان کی عبادت گاہوں پر خرچ کرنے کے لئے مسلمانوں پر دباؤ کی شکل پیش آجائے گی (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۸۷، عزیز الفتاویٰ/ ۵۹۹)

شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس. (شامي، الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، زكريا ٦/ ٥٢٤، كراچی ٤/ ٣٤١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت٢/ ٥٦٨، مصری قديم ١/ ٧٣١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۲۶ھ

مسلم پردھان کا پنچایت کی زمین پر لگے سوکھے درخت کی قیمت مسجد یا مدرسہ میں لگانا

سوال: [۸۱۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کے پردھان مسلم ہیں، پنچایت کی زمین پر سوکھے پیڑ کھڑے ہیں کیا پردھان ان کو

کٹوا کر مسجد یا مدرسہ میں لگوا سکتے ہیں، جبکہ گاؤں کے باشندے کچھ غیر مسلم بھی ہیں، اگر غیر مسلم اعتراض کریں اور یہ شرط رکھیں کہ ہماری دھرم شالہ مندر وغیرہ میں بھی دیں کیا یہ اعتراض ان کا بجا ہے، یا پردھان کا حق ہے وہ چاہے جہاں لگائے شرعاً جو فیصلہ ہو بیان فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرشید، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گرام سماج کی زمین دراصل سرکار کی ملکیت ہوتی ہے، اگر سرکار نے پردھان کو پورا اختیار دے رکھا ہے، کہ جہاں مناسب سمجھے اور جہاں ضرورت سمجھے وہاں پر اس زمین کی آمدنی خرچ کرے تو پردھان کو اختیار ہے کہ ان پیڑوں کو کٹوا کر اسکا پیسہ مسجدوں اور مدرسوں میں لگائے اور اگر اجتماعیت کو باقی رکھنے کیلئے مندروں کیلئے بھی پیسے دیدے تو پردھان کو اسکا اختیار ہے۔

قال الشامي، تحت قول المصنف ، ليس للمشرف التصرف...... ومقتضاه أنه لو تعورف تصرفه مع المتولى اعتبر . (شامی، الوقف، مطلب لیس للمشرف التصرف زکریا ٦/٦٨٣، کراچی ٤/٤٥٨)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (شامی، الوقف، مطلب فی التعامل والعرف زکریا ٦/٥٥٦، کراچی ٤/٣٦٤، قواعد الفقه اشرفی/٧٤، رقم: ١٠١، المبسوط، دار الکتب العلمية بیروت ١٩/٤١، ٣٠/٢٢٠، البنایه، اشرفیه دیوبند ٩/٢٣٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٦/٢٦١، ٣٠/ ٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۸/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۰۰۱۰)	۱۴۳۱/۴/۶ھ

مسجد میں سرکار کی بجلی استعمال کرنا

سوال: [۸۱۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک

صاحب نے ہمارے محلّہ کی مسجد میں بتیاں لگانے کے لئے مقامی کاؤنسلر سے بات کی ہے کہ سرکار/کارپوریشن کی بجلی لائن سے مسجد میں بتیاں روشن کی جائیں جبکہ مسجد اپنے اخراجات کے معاملہ میں خود کفیل ہے مسجد میں پنکھے اور بتیوں کا معقول انتظام ہے، ایسی حالت میں کاؤنسلر کی مدد سے کارپوریشن/سرکار کی بجلی لائن میں مسجد میں اضافی بتیاں روشن کرنا مناسب وجائز ہے؟ مسجد میں کاؤنسلر کے ذریعہ جو اضافی روشنی کا بندوبست کیا جارہا ہے، اس اضافی روشنی کے بل کا بوجھ مسجد کے ذمہ نہ ہوگا؟

المستفتي: محمد سلیم، کولوٹولہ، اسٹریٹ، کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سرکاری بجلی سرکار کی اجازت کے بغیر مسجد میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر سرکار کی طرف سے باضابطہ طور پر استعمال کی اجازت مل جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور آپ کے یہاں کا معاملہ کیسا ہے؟ آپ کو خود معلوم ہوگا۔

عن أبي حرة الرقاشي ، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفسه منه . (السنن الكبرىٰ للبيقهي، الغصب ، قبيل باب من غصب جارية فباعها ثم جاء رب الجارية، دارالفكر ٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي . (شامی، كتاب الحدود ، باب التعزير ، مطلب في التعزير بأخذ المال زكريا ٦/١٠٦، كراچی ٤/٦١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/٣٥٤، قواعد الفقه اشرفی/١١٠، رقم:٢٦٩)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أوولاية عليه وإن فعل كان ضامناً. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ١/٦١، رقم المادة: ٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍۹۷۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۱۷ھ

حکومت کا مسجد کا بجلی بل معاف کرنا

سوال: [۸۱۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سابق تیسرے نمبر پر مسجد کے متولی نے بجلی کا بل نہیں جمع کیا وجہ یہ ہوئی کہ جتنا روپیہ ہونا چاہئے تھا اتنا روپیہ مسجد کے بیلنس میں نہیں تھا، بعد میں سابق متولی صاحب کے صاجبزادے متولی مسجد ہو گئے لگ بھگ ۵/سال تک متولی رہے، انھوں نے بھی اپنے وقت میں بجلی کا بل نہیں ادا کیا بجلی کا بل لگ بھگ ۶/ہزار کا تھا، ان کے پاس مسجد کا بیلنس لگ بھگ ۳/ہزار تھا اب موجودہ متولی کو پچھلا بھی اور اگلا بھی بجلی کا بل جمع کرنا ہے، جبکہ مسجد کے پاس کل رقم ۴/ہزار کے قریب ہے، اور مسجد کی آمدنی ہر ماہ لگ بھگ ۵۰۰/سو روپیہ ہونی چاہئے دو کانوں کے کرایہ سے، لیکن پچھلے سات سال سے دو کانوں کا کرایہ نہیں وصولا گیا موجودہ متولی نے کوشش کر کے پچھلا باقی کرایہ وصول کیا لیکن برآمدکی ہوئی آمدنی میں اتنی رقم نہیں ہے جس سے مسجد کا بل ادا ہو سکے، ایک صاحب نے کہا میں آدھا بل بجلی کمپنی سے معاف کرا دوں گا تو کیا مسجد کا آدھا بل بجلی کمپنی سے معاف ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مدلل و مفصل تحریر کیجئے، بجلی کمپنی کے جو بابو ہیں، انھوں نے کہا ہم لوگ آدھا لیکر ختم کروا دیں گے؟

المستفتي: عبید اللہ خان، بختیارن نگری، محلّہ مولوی گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بجلی کمپنی کے افسران کو حکومت کی طرف سے معاف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، تو کمپنی کی طرف سے معاف کرنے سے معاف ہو جائیگا، اور مسجد پر کوئی حق باقی نہیں رہیگا۔

رجل له على رجل ألف درهم (إلىٰ قوله) يقول حططت عنك خمس مائة على أن تنقدلی خمس مائة، ولم يوقت لذلک وقتا ففی هذا الوجه إذا قبل الغريم بذلک برئ عن خمس مائة الخ. (قاضی خان، کتاب

الصلح ، فصل فی الإبراء عن البعض …… زکریاجدید ۳/ ۵۵، وعلی هامش الهندیة ۳/ ۹۰)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۷۲۲)

مسجد کے بیت الخلاء میں MLA کے کوٹے کا پیسہ لگانا

سوال: [۸۱۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مسجد کا قدیم دروازہ ہے اس کے باہر روڈ تک جگہ کچھ خالی پڑی ہے، جس میں کسی دوسرے کا عمل دخل نہیں ہے، اس جگہ میں بیت الخلاء پیشاب خانے اور غسل خانے بنانے کا ارادہ ہے، جس کی ضرورت بھی بہت زیادہ ہے، تو غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس کے خرچ میں ودھایک ندی یعنی علاقہ کے ایم ایل اے کے کوٹے کا سرکاری پیسہ لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: راکین کمیٹی بڑی مسجد مرکز والی، رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اصل یہ ہے کہ جو چیز جس غرض سے دی گئی ہے، اسے اسی مصرف میں خرچ کیا جائے، لہٰذا سوال میں مذکورہ مسجد کے دروازہ کے باہر روڈ تک کا حصہ اگر مسجد ومصلیان کی ضروریات بیت الخلاء وغیرہ کیلئے چھوڑا گیا تھا، تو اس میں بیت الخلاء پیشاب خانے وغیرہ بنانا درست ہے، اور ان چیزوں کی تعمیر میں ایم ایل اے کے سرکاری کوٹے کا پیسہ لگانا درست ہے۔

ومصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم …… مصالحنا كسد ثغور وبناء قنطرة وجسر وكفاية العلماء وكذا النفقة على المساجد كما في زكاة الخانية فيدخل فيه الصرف على إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان ونحوهما. (شامی، کتاب الجهاد، باب العشر

والخراج والجزية، مطلب في مصارف بيت المال زكريا ٦/٣٤٨، ٣٤٩، كراچی ٤/٢١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۱۰۴۷)

مسجدوں کے لئے سرکاری سولر لائٹ لینے کا حکم

سوال: [۸۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکومت کی طرف سے مسجدوں کے لئے سورج سے چارج ہونے والی لائٹیں دی گئی ہیں، کیا مسجدوں میں حکومت کی طرف سے پیش کردہ ایسی چیزوں کا استعمال جائز ہے؟

المستفتي: محمد مسلم عابدی، معصوم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غیر مسلم سرکاری تعاون مسجد کے لئے حاصل کرنا جائز اور درست ہے، لہٰذا مسجد کی روشنی کے لئے سورج سے چارج ہونے والی لائٹ کا استعمال کرنا بھی شرعاً جائز اور درست ہوگا۔

وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمی بشرط كونه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، كتاب الوقف، زكريا ٥/٣١٦، كوئٹه ٥/١٨٩، مجمع الأنهر جديد، مكتبه فقيه الأمت ٢/٥٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۳؍۲؍۱۴۳۶ھ

مسجد میں چوری کی بجلی کے استعمال کا حکم

سوال: [۸۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

دیہات کی اکثر مساجد میں بغیر کنکشن کے بجلی استعمال کی جا رہی ہے، یہاں تک کہ موٹر کے ذریعہ پانی کی ٹنکی بھی بھری جاتی ہے، اوراس پانی کا استعمال وضواورغسل وغیرہ کے لئے کیا جاتا ہے، جبکہ حکومت کی طرف سے بغیر کنکشن کے مسجد میں بجلی جلانا ممنوع ہے کیا ایسے پانی سے وضواورغسل وغیرہ کرنا درست ہے؟ وضاحت کے ساتھ جواب سے آگاہ فرمائیں؟ ممنون ومشکور رہوں گا؟

المستفتي: محمد مسلم عابدی، معصوم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حکومت کی طرف سے کنکشن لگائے بغیر چوری کے کنکشن سے مسجد میں ٹنکی وغیرہ بھرنا فی نفسہ یہ عمل ناجائز ہے، اوراس کا گناہ ذمہ دار مسجد پر ہوگا، مگراس سے جو پانی حاصل کیا گیا ہے، وہ بہرحال پاک اور جائز ہے اس سے وضوغسل وغیرہ سب جائز ہے، اوراس پانی سے وضو کرکے جونمازیں پڑھی گئی ہیں، وہ سب جائز ہیں، بس ناجائز بجلی کے حاصل کرنے کے گناہ کاوبال ذمہ داروں پر ہوگا نمازیوں پراس کا اثر نہیں پڑے گا۔

لايجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته . (شامی، الغصب، فيما يجوز من التصرف بمال الغير بدون إذن صريح، زكريا ۹/ ۲۹۱، کراچی ۶/ ۲۰۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۹۶، شرح المجلة رستم، اتحاد ۱/ ۶۱، رقم المادة: ۹۶)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۳ھ

۱۸/ الفصل الثامن عشر: دوسرے کی زمین میں مسجد کی تعمیر

غیر کی زمین میں مسجد کا دروازہ کھولنا

سوال: [۸۱۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو بھائیوں کی آراضی مسجد کے سامنے افتادہ ہے، دونوں بھائیوں نے آپس میں تقسیم کرلی اس میں سے ایک بھائی نے اپنا حصہ مسجد کو دیدیا مسجد والوں نے مسجد کی توسیع کیلئے تعمیر شروع کی تو یہ آراضی افتادہ جو کہ مسجد میں دیدی تھی، اس کو مسجد میں شامل کرکے دروازہ مسجد کا اس آراضی کی جانب لگالیا جو مسجد میں نہیں دی گئی تھی، اور وہ آراضی دوسرے بھائی کے حصے میں تھی، وہ مسجد میں نہیں دینا چاہتا ہے، اس صورت میں مسجد کا دروازہ اس اراضی کی جانب لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالسلام، سلیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص اپنی زمین بخوشی مسجد کو نہیں دیتا ہے، اس کی بغیر رضامندی کے اس کی زمین کی طرف مسجد کا دروازہ کھول کر اس کی زمین کو اہل مسجد کے لئے گذرگاہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید زکریا مطول ۱۰/ ۳۳۵)

لایجوز لأحد أن يتصرف في ملک الغير بغير إذنه الخ. (قواعد الفقه، اشرفی دیو بند/ ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۶۲/۲۵)

متنازعہ جگہ پر مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۸۱۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی کا

ایک پلاٹ آراضی فریق نمبر ایک اور فریق نمبر دوم کا خالی پڑا ہوا تھا، اسمیں آدھا حصہ فریق دویم سے مسجد کمیٹی نے خریدلیا، ابھی اس جگہ کا بٹوارہ نہیں ہوا تھا، کمیٹی مسجد نے اس جگہ کے کچھ حصہ میں ٹین شیٹ ڈال کر نماز پڑھنی چاہی، تو فریق اول نے عذر کیا کہ اس میں آدھا حصہ ہمارا ہے، تو کمیٹی مسجد نے کہا کہ فی الحال ہم کچھ بنا نہیں رہے ہیں، بلکہ صرف ٹین ڈال کر نماز ادا کرنا چاہتے ہیں؟

فریق اول نے اس شرط پر کہ بلاکسی کھدان کے مٹی سے اینٹ کی چھ فٹی دیوار پر ٹین ڈال کر نماز پڑھ لو بٹوارہ ہونے پر آپ اپنے حصہ میں مسجد تعمیر کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں، نیز بعد کچھ عرصہ گذر جانے کے فریق اول نے مسجد کمیٹی سے کہا کہ آپ اس پلاٹ کا بٹوارہ کرلیں تو مسجد کمیٹی نے کہا کہ مذکورہ جگہ کے بدلے میں جتنی جگہ آپکی ہوگی اتنی جگہ اسکے آس پاس خرید کر ہم آپ کو دیدیں گے؟

نیز کمیٹی مسجد کی نیت میں فرق آ گیا اور انھوں نے اپنا قبضہ مان کر اس خالی پڑے پورے پلاٹ کی باؤنڈری کھینچ دی؟

فریق اول نے اس پر اعتراض کیا کہ آپ نے بلا بٹوارہ کئے خالی پڑے پلاٹ کی باؤنڈری کیوں کھینچی، اسپر مسجد کمیٹی نے کہا کہ اب جگہ پر ہمارا قبضہ ہوگیا ہے، (یعنی فریق نمبر ایک کے حصہ پر)

(۱) اس متنازعہ جگہ پر نماز پڑھنا یا مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) فریق اول اب اجازت نہ دے کہ جب تک اس متنازعہ جگہ کا بٹوارہ نہ ہوجائے اس جگہ نماز نہ پڑھی جائے، اس حالت میں اس جگہ میں نماز ہوگی یا نہیں؟

(۳) مسجد کمیٹی اپنی طاقت کے بل پر یا قابض ہونے کے بل پر فریق اول کو اپنی مرضی کے مطابق معاوضہ دیکر مسجد تعمیر کرلے جس میں فریق اول نقصان میں بھی ہے، اور ناراض بھی ہے کیا اس شکل میں تعمیر مسجد میں ادائیگی نماز جائز ہے؟

المستفتي: عبدالرشید، جھنڈا چوک، کواٹ دوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق :اگر مذکورہ زمین کا نصف حصہ واقعی فریق اول کی ملکیت ہے تو فریق اول کی مرضی اور اجازت کے بغیر اس جگہ مسجد بنانے سے وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی ، اس میں نماز مکروہ ہوا کرے گی ، اور شرعی مسجد اس وقت بن سکتی ہے کہ جب فریق اول کو اس زمین کی مناسب قیمت ادا کر کے راضی کرلیا جائے گا ، یا وہ بخوشی بغیر کسی کے دباؤ کے اس جگہ مسجد بنانیکی اجازت دیدے ، اسکے بغیر مسجد بنانا جائز نہ ہوگا ۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۲۷، جدید زکریا ۹/۱۲۳)

فریق اول کے لئے بہتر یہی ہے کہ مسجد کی ضرورت کومحسوس کرتے ہوئے مناسب قیمت لیکر زمین مسجد کی ملکیت میں دیدے ، کیونکہ یہ ایک دینی ضرورت ہے ۔

عن أبي حرة الرقاشي ، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه . (السنن الكبرىٰ للبيهقي ، قبيل باب من غصب جارية فباعها الخ ، دارالفكر بيروت ۸/۵۰۶، رقم: ۱۱۷٤۰، مشكوٰة ۱/۲۵۵)

و تحته في المرقاة أى بأمر أو رضا الخ. (مرقاة كتاب البيوع ، باب الغصب والعارية ، الفصل الثاني ، امداديه ملتان ۶/۱۱۸)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه ، اشرفي ديوبند/ ۱۱۰)

لو غصب أرضاً فبنىٰ فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها وردت وإلا ضمن له قيمتها . (الاشباه قديم/ ۱٤٤)

و كذا تكره في أرض مغصوبة أو للغير لو مزروعة أومكروبة. (در مختار كتاب الصلوٰة ، مطلب في الصلوٰة في الأرض المغصوبة، كراچی ۱/۳۸۱، زكريا ۲/٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشوال ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۴۹)

بیوہ کی اجازت کے بغیر جبراً اس کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۸۱۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ایک بیوہ عورت کی زمین جو محلّہ کٹگھر مرادآباد کی مسجد کے پڑوس میں ہے مسجد کے متولی اور دیگر کچھ محلّہ کے لوگوں نے بغیر اجازت بیوہ کی زمین مسجد میں شامل کرلی بیوہ عورت نے ہر چند منع کیا لیکن اس کی کسی نے نہ سنی معلوم طلب یہ امر ہے کہ اس طرح بیوہ عورت کی زمین جبراً چھین کر مسجد میں شامل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو مسجد کے متولی اور ان کا ساتھ دینے والے افراد کیلئے کیا حکم ہے؟

(۲) جو نمازیں لوگوں نے اس زمین پر پڑھی ہیں ان نمازوں کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث واقوال فقہاء کی روشنی میں مفصل جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتي: فاطمہ بیگم بیوہ
محبوب عرف بالے مرحوم،
محلّہ کٹگھر، مرادآباد، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر واقعی بیوہ عورت کی زمین زبردستی لیکر مسجد میں داخل اور شامل کرلی گئی ہے، تو مسجد کا وہ حصہ جس میں بیوہ کی زمین آئی ہے، اسمیں نماز مکروہ ہوگی، ہاں البتہ زمین کی قیمت سے عمارت کی قیمت زیادہ ہے تو بیوہ کو مکمل زمین کی قیمت ادا کردینے سے وہ حصہ بھی شرعی مسجد کے دائرے میں داخل ہوجائے گا، پھر نماز بھی مکروہ نہ ہوگی، لیکن زبردستی زمین پر قبضہ کرنے والے سب گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں گے، بیوہ سے معافی مانگ کر راضی کرلینا ضروری ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، قبيل باب من غصب

جارية فباعها الخ ، دارالفكر بيروت ٥٠٦/٨ ، رقم: ١١٧٤٠ ، دارقطنی ، كتاب البيوع ، دارالكتب العلمية بيروت ٢٢/٣ ، رقم: ٢٨٦١)

لا يجوز لأحد أن يتصرف فی ملک الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه ، اشرفی دیو بند/١١٠)

لو غصب أرضاً فبنیٰ فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها وردت وإلا ضمن له قيمتها الخ. (الأشباه قديم/١٤٤)

وكذا تكره فی أرض مغصوبة أو للغير لو مزروعة أومكروبة. (در مختار كتاب الصلوٰة ، مطلب فی الصلوٰة فی الأرض المغصوبة، کراچی ٣٨١/١، زكريا ٤٤/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۱/۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹۶۸/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۱/۱۴۱۳ھ

یتیم بچہ کی زمین پر مدرسہ یا مسجد بنانا

سوال: [۸۱۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک یتیم بچہ کی زمین پر اس کی بغیر اجازت کے مدرسہ بنانا جائز ہے کہ نہیں؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: محمد عباس پوسٹ: رانی پور روڈ، جھانسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یتیم بچہ کی زمین پر بغیر اس کی اجازت شرعیہ مدرسہ یا مسجد بنانا ہرگز جائز نہیں، یہ شرعاً سخت ظلم ہے، اس میں امور مدرسہ انجام دینا جائز نہیں ہوگا، جب تک کہ یتیم کے بالغ ہونے کے بعد اس کی اجازت شرعیہ حاصل نہ کرلی جائے، یا اسکی پوری قیمت ادا نہ کردی جائے، قیمت ادا کردینے کے بعد زمین تیمیم کی ملکیت سے نکل کر مدرسہ کی ملکیت میں داخل ہوجائے گی۔

ومدرسة السليمانية فى دمشق مبنية فى أرض المرجة التى وفقها السلطان نورالدين الشهيد على أبناء السبيل بشهادة عامة أهل دمشق والوقف يثبت بالشهرة فتلك المدرسة خولف فى بنائها شرط وقف الأرض الذى هو كنص الشارع فالصلوٰة فيها مكروهة تحريماً فى قول وغير صحيحة له فى قول آخر .... وكذا ماؤها مأخوذ من نهر مملوك ومن هذا القبيل حجرة اليمانيين فى الجامع الأموى الخ. (شامى، كتاب الصلوٰة مطلب فى الصلوٰة فى الأرض المغصوبة، كراچى ١/٣٨١، زكريا ٢/٤٥)

قولهٗ عليه الصلوٰة والسلام ألا لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه ، الحديث: (السنن الكبرىٰ للبيهقى ، الغصب ، قبيل باب من غصب جارية فباعها الخ، دارالفكر بيروت ٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠ ، مشكوٰة ١/٢٥٥)

وتحته فى المرقاة أى بأمرٍ أو رضا الخ. (مرقاة ، كتاب البيوع ، باب الغصب والعارية ، الفصل الثانى، امداديه ملتان ٦/١١٨)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعى الخ. (عالمگيرى، كتاب الحدود ، فصل فى تعزير ، زكريا قديم ٢/١٦٧ ، البحرالرائق، ، باب التعزير زكريا ٥/٨٦، كوئٹه ٥/٤١، شامى، كتاب الحدود ، مطلب فى التعزير بأخذ المال ، زكريا٦/١٠٦ ، كراچى ٤/٦١)

وفى الأشباه: لو غصب أرضاً فبنىٰ فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها وردت وإلا ضمن لهٗ قيمتها الخ. (الأشباه والنظائر قديم/١٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۴۸/۲۵)

مشترکہ زمین میں مسجد بنانا

سوال: [۸۱۲۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زیداورعمر کی مشترکہ زمین تھی زید نے عمر کی اجازت کے بغیر مسجد کی بنیادرکھدی، بعدازاں زید کا حصہ متعین ہوگیا، کیازید کا جواپنا حصہ ہے وہی مسجد ہے یا پوری آراضی جس میں عمر بھی شریک ہے اب وہ زمین زیداور عمر دونوں سے بکرکومل گئی، بکراس میں اپنا گھر بنانا چاہتا ہے، کیا گھر بنانا اس زمین میں جائز ہے اگرنہیں تو بکر کیا کرے؟ یازید خوداس زمین پر جہاں مسجد کی بنیادرکھی ہوئی ہے، گھر بنانا چاہےتو صحیح ہے کہ نہیں؟

المستفتي: عبداللہ نثاری، پوسٹ: بنتھو،سنت کبیرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مشترکہ زمین میں زید کے لئے اپنے شریک عمر کی اجازت کے بغیر مسجد کی بنیادرکھنا جائزنہیں ہے، اورمحض مسجد کےارادہ سے بنیادرکھ دینے کی وجہ سے شرعی طور پر مسجد کے حکم میں داخل نہیں ہوتی، اورشرعی مسجداس وقت کہلاتی ہے، کہ جب اسمیں اذان واقامت کے ساتھ کم ازکم ایک مرتبہ نماز ہوچکی ہواور یہاں ایسانہیں ہے، اسلئے مذکورہ زمین میں نہ مکمل حصہ مسجد شمار ہوگا،اور نہ ہی زید کا حصہ لہٰذا ابھی دونوں کواختیار رہے کہ تقسیم کے بعد یاتقسیم سے پہلے اس زمین کوجس مصرف میں چاہیں،استعمال کریں اگر دونوں نے بخوشی بکر کے ہاتھ فروخت کردیا ہے، یاہبہ کردیاہے،تو بکر دوکان بنائے یامسجد بنائے سب کچھ جائز ہے۔(امدادالمفتیین /۲۵۹،فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۴۸۵ ،جدید ڈابھیل ۱۴/ ۳۸۷)

التسليم فى المسجد أن تصلى فيه جماعة بإذنه (إلىٰ قولها) ويشترط مع ذلك أن يكون الصلاة بإذان وإقامة جهراً لاسراً . (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، زکریا قدیم ۲/ ۴۵۵، جدید ۲/ ۴۰۸)

والحاصل أن وقف المشاع مسجداً أو مقبرة غير جائز مطلقاً اتفاقاً.

(البحرائق، کتاب الوقف کوئٹه۵ /۱۹۷، زکریا ۵ /۳۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۵۶/۳۷)

مشترکہ زمین میں کسی ایک وارث کا مسجد بنانا

سوال: [۸۱۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مشترکہ جائیداد تین بھائیوں کی ۵۴۰۰؍گز پلاٹ نمبر ۵۶۹ ہے، جس کی ابھی تک باقاعدہ تقسیم نہیں ہوئی ہے، بڑے بھائی محمد نوشے مرحوم کے وارثین اسی پلاٹ کے ایک حصہ میں مسجد تعمیر کرانے کیلئے حدود متعین کردیئے ہیں، نماز بھی شروع کرادی ہے، دوسرے دو فریق عبدالوحید عرف پیارے مرحوم اور عبدالسلام مرحوم کے وارثین مسجد پر رضا مند نہیں ہیں، تو کیا شرعاً نوشے میاں کے ورثاء کا مسجد تعمیر کرنا تقسیم سے پہلے درست ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

نوٹ: ایسی جگہ پر جو نماز ہورہی ہے وہ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟

المستفتي: علی محمد، محمد یامین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ماتقدم مذکورہ جائیداد تینوں وارثین کی ملکیت ہے، اور تینوں برابر کے حصہ دار ہیں، لہٰذا تقسیم سے قبل کسی ایک وارث یا اس کے ورثاء کو مشترکہ جائیداد کا کوئی جزء دوسرے وارثین کی اجازت کے بغیر مسجد کو دینا ہبہ کرنا وقف کرنا جائز نہیں ہے، اگر ایسا کریں گے تو انکے حصہ سے مجریٰ ہوجائیگا، اور اگر ان کے حصہ کی مقدار سے زائد ہے تو زائد میں وقف، ھبہ، بیع وغیرہ نافذ نہ ہوگی، دوسرے ورثاء کو زائد حصہ واپس لینے کا حق ہوگا، اور اگر زائد ہو بایں طور کہ نوشے مرحوم کے ورثاء کے حصہ سے مسجد کی زمین مجریٰ اور منہا ہوجائے گی، تو دوسرے ورثاء کو اپنا حق پورا مل جائے گا، تو

اس مسجد میں نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی، بہر حال عبد الوحید اور عبد السلام کے وارثین کے حصہ میں سے کسی جزء کو ان کی اجازت کے بغیر مسجد میں شامل کرنا جائز نہ ہوگا، اگر کریں گے تو اس میں اس وقت تک نماز مکروہ تحریمی ہوگی، جب تک ان کا حق ادا نہ ہوگا۔

لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه، اشرفی دیو بند/ ١١٠)

والحاصل أن وقف المشاع مسجداً أو مقبرة غیر جائز مطلقا اتفاقا.

(البحرالرائق، کتاب الوقف کوئٹه ٥/١٩٧، زکریا ٥/ ٣٢٩)

وکذاتکره فی أرض مغصوبة أو للغیر لو مزروعة أو مکروبة .

(درمختار، کتاب الصلوٰة، مطلب فی الصلوٰة فی الأرض المغصوبة، کراچی ١/ ٣٨١، زکریا٢/ ٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رشوال ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۰۲)

مغصوبہ زمین میں نماز اور مسجد بنانے کا حکم

سوال: [۸۱۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد مغصوبہ زمین میں مکمل بنالی گئی ہے، اس میں نماز بھی ہونے لگی، پھر کسی نے کہا کہ یہ تو مغصوبہ زمین میں بنالی گئی ہے، اس میں نماز بھی نہ ہوگی، لہٰذا دوسری جگہ خرید کر مسجد بنائی جائے، اس فیصلہ کے مطابق مسجد کی نیت سے زمین خرید کر مسجد کیلئے وقف کردی گئی اور تعمیر کا کام شروع ہوگیا، ابھی بنیاد ہی رکھی گئی تھی، کہ کسی عالم نے مشورہ دیا کہ پہلی مسجد بیکار ہو جائیگی آپ لوگ ایسا کریں اس مغصوبہ زمین کی قیمت اس کے مالک کو ادا کردیں، اور اسکو مسجد باقی رکھیں۔

الف: دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر اجازت مل جائے تو دوسری جگہ جو مسجد کی نیت سے

خرید کر وقف کردی گئی، اور اس کی بنیاد بھی رکھی جا چکی آیا وہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس کو گھر یا کسی اور کام میں لایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا یونہی پڑی رہنے دی جائے؟

ب: اگر اجازت نہ ملے تو مغصوبہ زمین میں ادا کردہ نمازیں مصلین سے ساقط ہوئیں یا نہیں؟

ج: اور وقف کردہ زمین کو منسوخ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: محمد فرقان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: الف: واقف نے چونکہ مسجد ہی کیلئے زمین دی ہے اور بنیاد بھی رکھی جا چکی ہے، لہٰذا اب اس موقوفہ زمین میں مسجد ہی تعمیر کرنا لازم ہے، لیکن شرعی مسجد کا حکم اس وقت جاری ہوگا، جب تکمیل عمارت کے بعد نماز شروع کردی جائے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱/ ۴۹۸، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۳۸۸)

شرط الواقف كنص الشارع أى فى المفهوم والدلالة والعمل به . (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، کراچی ٤/٤٣٣، زکریا٦/٦٤٩)

إذا بنىٰ مسجداً وأذن للناس بالصلوة فيه جماعة فإنه يصير مسجداً . (تاتار خانية، زكريا ٨/١٥٦، رقم: ١١٤٩٤، منحة الخالق على البحرالرائق، فصل فى أحكام المسجد، كوئٹه ٥/٢٤٨، زكريا٥/٤١٦)

ب: جو نمازیں مغصوبہ زمین پر پڑھی گئی ہیں، وہ کراہت کیساتھ ادا ہوگئیں اور اجازت کے بعد کراہت بھی ختم ہو جائے گی۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۴٦، جدید زکریا ۱۰/ ۳۳٦)

كذا تكره فى .... أرض مغصوبة أو للغير . (درمختار) إلا إذا كانت بينهما صداقة أو رأى صاحبها لايكرهه فلا بأس الخ. (شامی، کتاب الصلوٰة، مطلب فى الصلوٰة فى الأرض المغصوبة، کراچی ١/٣٨١، زكريا٢/٤٤)

ج: جب وقف مکمل اور تمام ہوگیا،تو اب اس کو منسوخ کرنا جائز نہیں ہے ۔
(مستفاد:محمودیہ قدیم۱۲/ ۲۸۷، جدید ڈابھیل۱۴/ ۲۸۴)

فإذا تم ولزم لایملک ولایعار ولا یرهن .(درمختار كتاب الوقف، كراچی ٤/ ٣٥١، ٣٥٢، زكريا ٦/ ٥٣٩، هدايه ، اشرفی ديوبند٢/ ٦٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۶۶۹۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۵/ ۱۴۲۱ھ

خانقاہ کی جگہ پر مسجد بنانا

سوال: [۸۱۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد بڑھ والی مسجد کے نام سے مشہور ہے اس بڑھ والی مسجد کو آج سے برسوں پہلے ایک بزرگ حیدرآباد سے تشریف لائے تھے، انھوں نے ہی تعمیر کرائی تھی ،مسجد کے بالکل برابر میں کافی جگہ پڑی ہوئی ہے ،اس میں ایک خانقاہ بھی تھی ، جو اسی بزرگ نے بنوائی تھی ،اس کے بعد وہ بزرگ پھر حیدرآباد واپس تشریف لے گئے ، پھر مسجد دوبارہ شہید کرکے تعمیر کرادی گئی مسجد کی صورت حال یہ ہے کہ نماز پڑھی جاتی ہے، آبادی بڑھنے کی وجہ سے مسجد کی جگہ ناکافی معلوم ہوتی ہے اس لئے لوگوں کا خیال ہے کہ اس جگہ کو مسجد میں ملا لیا جائے ، ساری جگہ کو مسجد ہی کرلیں ،اس پر کچھ معترض حضرات کو اعتراض ہے ،وہ لوگ کہتے ہیں، اس جگہ پر خانقاہ ہی بن جانا چاہئے ، کیونکہ خانقاہ کی جگہ پر مسجد نہیں بن سکتی ہے،اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ اس جگہ کو مسجد بڑھانے کیلئے استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز اس جگہ کو مسجد بنایا جاسکتا ہے یا نہیں ؟اس جگہ پر فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: گولڈن الیکٹرک اسٹور، آزادنگر، امروھہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب خانقاہ میں متبع شریعت کوئی بزرگ بیٹھ کر تبلیغ

ودعوت اور ہدایت کا کام نہیں کررہاہے، اوروہ کسی خاص شخص کی ملکیت بھی نہیں ہے، تو علاقہ کے ذمہ دار لوگ مل کر اس جگہ پر مسجد بنالیں تو اس میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہے، وہ شرعی مسجد ہوجائیگی اس میں نماز بلاکراہت جائز اور درست ہوجائیگی، کیونکہ افتادہ زمین کے حکم میں ہے، اور افتادہ زمین میں اہل محلّہ مل کر مسجد بناسکتے ہیں، نیز اگر مذکورہ جگہ خانقاہ کیلئے وقف کی گئی تھی، اور اب خانقاہ نہیں چل رہی ہے، تب بھی مسجد بنائی جاسکتی ہے، جیسا کہ افتادہ قبرستان میں بھی اس طرح مسجد بنانے کی اجازت ہے۔

ولو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنىٰ قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً الخ. (عمدة القاری شرح بخاری، کتاب الصلوٰة ،باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ، داراحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زکریا٣/٤٣٥، فتح الملهم، کتاب المساجد اشرفيه ديوبند ١١٨/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ذی الحجہ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱/۳۷۵۴)

موروثی زمین میں مسجد کی ملکیت کا دعویٰ کرنا

سوال: [۸۱۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے دادا نے اب سے تقریباً سو سال پیشتر ایک عمارت بنائی تھی جو کہ وراثۃً مجھ تک پہونچی جس پر میں قابض ہوں، جو کہ جامع مسجد محلّہ دربار سرائے ترین کے باہر والے چبوترہ کی حدود میں آتی ہے، جس کو کچھ لوگ مسجد کی کہہ رہے ہیں، میں اس عمارت کو منہدم کرا کر دوبارہ تعمیر کرانا چاہتا ہوں، وہ لوگ مجھے تعمیر سے روکنے کیلئے پولیس کا سہارا لے رہے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ میں ازروئے شریعت اس کا مالک ہوں یا نہیں؟ جواب مع حوالہ وترجمہ اردو میں کرکے عنایت فرمائیں، کرم ہوگا؟

المستفتي: حاجی محمد ادریس خاں، دربار سرائے ترین، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شرعی حکم یہ ہے کہ جب کوئی جائیداد کسی شخص کے قبضہ میں چلی آرہی ہو اور اس میں کسی نے اپنی ملکیت یا حق کا دعویٰ نہ کیا ہو، اور اسی حالت میں ۳۰-۴۰ سال کا عرصہ گذر جائے پھر اس کے بعد کوئی اسمیں اپنے حق کا دعویٰ کرے تو اس دعویٰ کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، اور وہ جائیداد جس کے قبضہ میں چلی آرہی تھی، اسی کی ملکیت مانی جاتی ہے، لہٰذا سوسال گذر جانے کے بعد محلّہ کے لوگوں کا مسجد کا حق اس میں ہونے کا دعویٰ شرعاً جائز نہ ہوگا، اور نہ ہی مسجد کیلئے اس زمین کو استعمال کرنا جائز ہوسکتا ہے، نیز اسمیں مذکورہ مالک کی اجازت اور رضامندی کے بغیر مسجد بنانا جائز نہیں ہوگا، وہ شرعی مسجد نہیں بنے گی۔

إن الدعویٰ بعد مضی ثلاثین سنة أو ثلاث وثلاثین لاتسمع إذا كان الترك بلاعذر الخ. (شامی، كتاب الدعویٰ، باب التحالف، مطلب لاتسمع الدعویٰ بعد مضی ثلاثين سنة الخ ...... (كراچی ٨/٩٧، زكريا ١١/٦٥٤، كتاب الخنثیٰ كراچی ٦/٧٤١، زكريا ١٠/٤٦٨، كتاب القضاء، مطلب إذا ترك الدعویٰ ثلاثاً وثلاثين سنة لاتسمع كراچی ٥/٤٢٢، زكريا ٨/١١٧، البحرالرائق، كتاب الدعویٰ، فصل فی دفع الدعویٰ كوئٹه ٧/٢٢٨، زكريا ٧/٣٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ر شوال ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۴۳/۳۴)

دوسرے کی زمین میں بلا اجازت تعمیر مسجد کا حکم

سوال: [۸۱۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ریاست رامپور کے زمانہ میں ٹانڈہ بادلی میں علی بہادر خان تھانہ کے انچارج تھے، تھانے دار سے میرا بگاڑ ہوگیا میں نے داروغہ جی کی شکایت افسران بالا سے کردی جس کی وجہ سے داروغہ جی نے مجھے کئی ناجائز مقدموں میں ملوث کردیا اور حالات یہاں تک خراب

ہوئے کہ میری زندگی تنگ وتاریک کردی، جولڑ کا منور علی اس وقت مسجد کا متولی ہے اس کا پردادا حاجی پٹن اس وقت سربراہ کار تھے، وہ بھی مجھ سے رنجش رکھتے تھے، جس کی وجہ سے تھانہ اور تحصیل کا عملہ میرے سخت خلاف تھا میں نے کبھی بھی ان کے دباؤ میں آکر ان سے خوشامدانہ بات نہیں کی بلکہ خودداری کے تحت میں یہاں کی زندگی سے تنگ آکر ٹانڈہ چھوڑ کر چلا گیا کیونکہ داروغہ نے میرا سیٹ کھول دیا تھا، میری رہائشی وکاشت کی جو آمدنی اسکو تحصیل کے عملہ کی مدد سے منشی محمد سمیع جو تحصیل میں وثائق نویش، اور مسجد کے متولی تھے، میری آراضی پر غاصبانہ قبضہ کرکے کاغذات سرکاری میں مسجد تحصیل والی متولی محمد سمیع کے نام سے اندراج کرادیا اور عرف عام میں یہ مشہور کردیا کہ یہ زمین مسجد کیلئے وقف ہوگئی ہے حالانکہ میں نے کبھی بھی اپنی زمین مسجد کو وقف نہیں کی ہے، آج جب میں اپنی جائیداد کا مطالبہ متولی ودیگر ذمہ داران مسجد ومحلّہ سے کرتا ہوں تو کہتے ہیں، کہ یہ آراضی وقف شدہ ہے، اور مسجد کی ملکیت ہے بشرع شریف یہ بتلایا جائے کہ یہ آراضی بنا میری مرضی ورضامندی کے مسجد کی ملکیت ہوسکتی ہے، کیا اسکی آمدنی مسجد کے مصارف میں لگائی جاسکتی ہے؟

المستفتي: محمد شاہد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرآپ نے مسجد کی ملکیت کیلئے کسی طرح اجازت نہیں دی ہے، تو وہ آراضی شرعی طور پر مسجد کی ملکیت میں صحیح اور شرعی طریقہ سے داخل نہیں ہوئی ہے، وہ آپ کی زمین ہے، آپ قانونی چارہ جوئی کرکے اپنا حق حاصل کرنے کے مجاز ہیں، اگر مسجد کے ذمہ داران آپ کو مسجد کی طرف سے مذکورہ آراضی کی قیمت ادا کریں گے، تو شرعی طور پر مسجد اس آراضی کی باقاعدہ مالک ہوجائیگی ورنہ وہ آراضی غصب کی ہوجائیگی، ان میں نماز پڑھنا بھی مکروہ ہوگا، اس کی آمدنی مسجد کیلئے جائز نہ ہوگی۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال

امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه . (السنن الكبرىٰ للبيهقى ، قبيل باب من غصب جارية فباعها الخ، دارالفكر بيروت۸/٦ ٠ ٥، رقم: ١١٧٤٠، دارقطنى ، كتاب البيوع ، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٢٢، رقم: ٢٨٦١)

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلاسبب شرعى ولا يجوز لأحد أن يتصرف فى ملك الغير بغير إذنه الخ . (قواعد الفقه، اشرفى ديوبند/ ١١٠)

وكذا تكره فى أرض مغصوبة أو للغير لو مزروعة أو مكروبة .

(درمختار ، كتاب الصلوٰة ، مطلب فى الصلوٰة فى الأرض المغصوبة ، كراچى ١/٣٨١، زكريا٢/ ٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷۳۵/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۴ھ

دوسرے کی زمین میں جبراً بلا اجازت تعمیر مسجد کا حکم

سوال: [۸۱۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری ملکیت کی زمین میں میری بغیر اجازت کے مسجد تعمیر کر دی گئی ہے، اور مجھ سے جبراً مسجد کیلئے زمین وقف کرنے کا مطالبہ کیا ہے، لیکن میں نے انکار کر دیا ہے، اب اس صورت میں میری ملکیت کی زمین میں بغیر اجازت مسجد تعمیر کرنا کیسا ہے، اب اس صورت میں کچھ مجھ سے معافی مانگ رہے ہیں، خدا اور رسول اللہ کا واسطہ دیکر مجبور کر رہے ہیں، اور مجھے غربت میں اتنی وسعت نہیں ہے، کہ بغیر قیمت معاف کر دوں تو ایسی صورت میں انکا مطالبہ کرنا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا!

المستفتي: محمد رفیق عالم اشرفی،
ساکن برواره خاص، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالک کی بغیر مرضی کے اسکی زمین میں مسجد

بنانے سے شرعی مسجد نہیں ہوتی ہے، اسمیں مسجد کا ثواب نہیں ملتا ہے، نماز اس میں غیر مقبول اور مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔

ومدرسة السليمانية فی دمشق مبنية فی أرض المرجة التی وفقها السلطان نورالدين الشهيد علی أبناء السبيل بشهادة عامة أهل دمشق والوقف يثبت بالشهرة فتلک المدرسة خولف فی بنائها شرط وقف الأرض الذی هو کنص الشارع فالصلوٰة فيها مکروهة تحريماً فی قول وغير صحيحة له فی قول آخر. (شامی، کتاب الصلوٰة، مطلب فی الصلوٰة فی الأرض المغصوبة، کوئٹه ۲۸۱/۱، کراچی ۳۸۱/۱، زکريا ۴۵/۲)

(وقوله) قال تاج الشريعة أما لو أنفق من ذلک مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب فيکره لأن الله تعالیٰ لايقبل إلا الطيب فيکره تلويث بيته بما لا يقبله الخ. (شامی، کتاب الصلوٰة، باب ما يفسد الصلوٰة الخ، قبيل مطلب فی أفضل المساجد کوئٹه ۴۸۷/۱، کراچی ۶۸۵/۱، زکريا ۴۳۱/۲)

البتہ اگر مالک کو زمین کی قیمت لینے پر راضی کرلیا جائے، اور پوری قیمت اس زمین کی ادا کردی جائے، تو مسجد شرعی ہوجائے گی، ادائیگی قیمت سے قبل اس زمین میں نماز مکروہ تحریمی ہی ہوا کریگی۔

الضرر يزال ومنها لو غصب أرضاً فبنیٰ فيها أو غرس فإن کانت قيمة الأرض أکثر قلعها وردت وإلا ضمن له قيمتها الخ. (الاشباه والنظائر، قديم/۱۴۴)

نیز مالک اگر بلا قیمت ادا کئے نہ دے تو وہ گنہ گار نہ ہوگا، اسکو ہر وقت حق ہے، اپنے حق کا مطالبہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۱/۲۴)

بلا اجازت دوسرے کی زمین میں تعمیر مسجد

سوال: [۸۱۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں جو مسجد ہے وہ پہلے غلطی سے کسی کی زمین میں بنادی گئی تھی اب اس کو کہا جاتا ہے، کہ آپ اس کی قیمت لے لیں یا زمین کے بدلے زمین لے لیں، لیکن وہ آدمی کسی بھی صورت میں تیار نہیں ہے، اور ہر وقت ناراضگی کا اظہار کرتا ہے، کیا اس صورت میں اس مسجد میں نماز پڑھنے سے نماز میں کوئی خلل آئیگا؟ اور اب اس مسجد کو کیا کیا جائے گا؟

المستفتي: محمد انوار الحق قاسمی،
گونڈی پہاڑی، جامتاڑا، جھارکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی کی زمین اس کی اجازت کے بغیر مسجد بنانے سے مسجد شرعی نہیں بنتی اور جب تک مالک راضی ہوکر نماز کی اجازت نہ دے دے، اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت میں مالک کی عدم رضا کی وجہ سے اسکی زمین میں بنائی ہوئی مسجد مسجد شرعی نہیں ہے، اور اس میں نماز پڑھنے سے نماز اس وقت تک مکروہ تحریمی ہوگی، جب تک اسکی قیمت اسے نہ دیدی جائے۔ (مستفاد: امداد الأحکام ۲/ ۶۱ محمودیہ قدیم ۶/ ۲۱۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۱۷۱)

وتكره في أرض الغير بلا رضاه وإذا ابتلى بالصلوٰة في أرض الغير وليست مزروعة أو الطريق إن كانت لمسلم صلى فيها، وإن كانت لكافر صلىٰ في الطريق. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، فصل في المكروهات قديم /۱۹۷، جديد، دار الكتاب ديوبند/ ۳۵۸/

وكذا تكره في أرض مغصوبة أو للغير لو مزروعة أو مكروبة.

(درمختار مع الشامي، الصلوٰة، مطلب في الصلوٰة في الأرض المغصوبة كراچي ۱/ ۳۸۱، زكريا ۲/ ٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۷ھ

مالک کی رضامندی کے بغیر زمین مسجد میں شامل کرنا

سوال: [۸۱۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جائیداد میں پانچ بھائی شریک ہیں، اس جگہ کو تین بھائی بیچنا چاہتے ہیں، اور مسجد کے لوگ خریدنا چاہتے ہیں، اور دو بھائی بیچنے پر رضامند نہیں ہیں، تو جو بھائی راضی نہیں ہیں، ان کی بھی زمین کو بغیر مرضی کے زبردستی بیچنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد کے لوگوں کیلئے ایسی زمین کو خریدنا کیسا ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

المستفتي: ببنے شاہ، انجد اد پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو حصہ دار اپنا حق فروخت کرنے سے راضی نہیں ہیں، ان کے حصہ کو انکی مرضی کے بغیر مسجد کیلئے لے لینا ہرگز جائز نہیں ہے، پہلے ان کی مرضی لازم ہے، لہٰذا جو تین بھائی بیچنا چاہتے ہیں، ان کے حصہ میں عقد بیع نافذ ہو جائیگی، اور جو دو بھائی راضی نہیں ہیں، ان کے حصہ کی خریداری جائز نہ ہوگی، اور زبردستی ان کی زمین لیکر مسجد میں شامل کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (السنن الکبریٰ للبیهقی، قبیل باب من غصب جارية فباعها الخ، دارالفکر بیروت ۸/۵۰۶، رقم: ۱۱۷۴۰، دارقطنی، کتاب البیوع، دارالکتب العلمية بیروت ۳/۲۲، رقم: ۲۸۶۱)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه ولا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي الخ. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند/ ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲؍۴۶۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۱۰ھ

غیر کی زمین کو مسجد کیلئے وقف کرنا

سوال: [۸۱۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پیر بخش کے پانچ لڑکے عبد الرحمٰن، کالے، عبد الرحیم، چھوٹے، منا ہیں، یہ سب سید سرتاج حسین کی ایک زمین کو سید سرتاج حسین کی اجازت سے تصرف کرتے رہے ہیں، ۲۶؍سال کے بعد جبکہ مذکورہ پانچوں بھائی اپنے اپنے حساب وکتاب کھانا پینا وغیرہ الگ الگ کر لئے تھے، عبد الرحمٰن نے مذکورہ زمین کو مالک سرتاج حسین سے اپنی کمائی سے اپنے نام دس ہزار روپئے میں خرید کرا پنے نام بیعانہ بھی کر لیا تھا، پھر تقریباً ایک سال کے بعد عبد الرحیم نے عبد الرحمٰن کی اجازت کے بغیر پانچواں حصہ مسجد میں وقف کر دیا ہے، جبکہ عبد الرحمٰن ہرگز راضی نہیں ہے، تو کیا عبد الرحمٰن مالک کی اجازت کے بغیر عبد الرحیم نے جو وقف کیا ہے، شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ اور عبد الرحمٰن کو اپنی زمین کو مسجد کو اپنے سے روکنے اور مخالفت کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ نیز مسجد والوں نے عبد الرحمٰن کے خلاف دعویٰ بھی کر رکھا ہے کیا یہ دعویٰ صحیح ہے؟

المستفتي: عبد الرحمٰن، محلّہ لال مسجد، امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سوالنامہ کا درج شدہ واقعہ صحیح ہے، تو عبد الرحمٰن کی اجازت کے بغیر عبد الرحیم نے جس حصہ کو وقف کیا ہے، اس کا وقف شرعاً صحیح نہیں ہوا ہے، اور نہ مسجد کا حق اسمیں ثابت ہوسکتا ہے، بلکہ اس زمین کا مالک شرعاً عبد الرحمٰن ہی ہے اسکی زمین پر قبضہ کرنے کیلئے دعویٰ دائر کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہوگا۔

الخامس من شرائطه الملك وقت الوقف الخ. (البحر الرائق، کتاب

الوقف کوئٹه ٥/١٨٨، زکریاه/٣١٤، مجمع الأنهر قدیم ١/٧٣٠، جدید دارالکتب العلمیة بیروت ٢/٧/٥٦٧، هندیه زکریا قدیم ٢/٣٥٣، جدید٢/٣٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۱۶/۲۴)

دوسرے کی زمین میں مسجد کی دوکانیں بنانا

سوال: [۸۱۳۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک سرکاری زمین ہے جس پر بہت سے لوگوں کے مکانات وگھر وغیرہ بنے ہوئے ہیں، ایک شخص نے اسی سرکاری زمین میں چھپر ڈال رکھا تھا، وہاں پر مسلمانوں کی آبادی میں کوئی بھی کنواں نہیں تھا، بستی کے مسلمانوں نے کنواں بنانے کیلئے اس شخص سے جگہ مانگی اس جگہ میں اس شخص کی رضامندی سے کنواں بنوادیا گیا وہ کنواں کچھ مدت کے بعد خراب ہوگیا، اب گاؤں کے کچھ افراد اس جگہ میں مسجد کی دوکانیں بنوانا چاہتے ہیں، اس کے وارثین اب اس جگہ میں مسجد کی دوکانیں بنوانے پر رضامند نہیں ہیں، اس میں اختلاف ہونے پر معاملہ تھانہ تک پہونچ گیا، یہاں تک کہ زمین کے وارث کی بیوی نے تھانہ میں رپورٹ درج کرادی کیونکہ اس عورت کا شوہر اس وقت یہاں موجود نہیں بلکہ سعودی عرب میں ہے اب اس زمین پر پولیس نے کام رکوادیا ہے، اب بیرونی کچھ پنچوں نے یہ فیصلہ دیا کہ اس عورت کو سات ہزار روپیہ دیکر مسجد کی دوکانیں بنوادی جائیں اس عورت نے سات ہزار روپیہ وصول کرکے فیصلہ پر انگوٹھا بھی لگادیا اس فیصلہ کے تین دن بعد اس عورت نے تھانہ میں جاکر یہ رپورٹ کی کہ مجھے معلوم نہیں تھا، کہ کس معاملہ کے تحت میرا انگوٹھا لگایا جارہا ہے، اب وہ عورت زمین لینے کیلئے اس فیصلہ کو جھوٹا ثابت کررہی ہے، اس جھگڑے کو دیکھتے ہوئے دوبارہ بیرونی پنچ اکٹھا ہوئے گاؤں کی دونوں پارٹیوں کے پانچ پانچ افراد بلوائے گئے، ان کے بیان سنکر یہ فیصلہ طے پایا گیا کہ اس جھگڑے کا استفتاء بھیج

کرمفتیان کرام سے جواب منگوایا جائے۔
نوٹ: اس عورت کے پاس زمین کے سرکاری کاغذات موجود ہیں، تو اس جگہ میں مسجد کی دوکانیں بنوانا جائز ہوگا یانہیں؟

المستفتي: سخاوت حسین، سابق:
ایم ایل اے، شریف نگر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے، کہ پنچوں کے دباؤ میں اس کو سات ہزار لینا پڑا نیز جس کاغذ پر انگوٹھا لگوایا گیا ہے، وہ اس کو پڑھ کر سنایا نہیں گیا، نیز اس زمین کا اصل مالک اس کا شوہر ہوگا، تو ایسی صورت میں سات ہزار روپیہ میں اس زمین کی فروختگی درست نہ ہوگی، نیز مدعیوں کے پاس سرکاری کاغذات موجود ہونے کا مطلب یہی ہے، کہ دعویٰ کرنیوالے اس زمین کے حقیقی مالکان ہیں اسلئے مالکان سے باضابطہ خریدنے اور ان کے ایثار کے بغیر اس زمین میں مسجد کی دوکانیں بنانا شرعی طور پر جائز نہ ہوگا، اور سوالنامہ کی صورت حال سے واضح ہوتا ہے، کہ مالکان اس زمین کو دینا نہیں چاہتے ہیں، یا باضابطہ پوری قیمت میں دینا چاہتے ہیں، لہٰذا ان کی رضامندی سے پوری قیمت ادا کئے بغیر اس زمین میں مسجد کیلئے بھی دوکانیں بنانا جائز نہ ہوگا۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، قبيل باب من غصب جارية فباعها الخ، دارالفكر بيروت ٥٠٦/٨، رقم: ١١٧٤٠، دارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٢٢/٣، رقم: ٢٨٦١)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه ولا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي الخ. (قواعد الفقه، اشرفي ديوبند/ ١١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍ ۵۲۷۷)

غیر کی زمین میں مسجد کی دوکانیں بنانا

سوال: [۸۱۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے گاؤں کے چوراہے پر ۳؍ یتیموں اور ان کے دو حقیقی چچا کی زمین خالی پڑی ہوئی ہے، اسی زمین سے متصل دوسری زمین بھی ہے، جو کہ جامع مسجد کی وقف کی زمین ہے، جس کا کل رقبہ ۶۸؍ ارسٹھ ڈسمل ہے، ایک ڈسمل ۴۳۵؍ چار سو پینتیس مربع فٹ ہوتا ہے، حافظ ریاض احمد خان جامع مسجد کے حال میں امام بھی ہیں، اور متولی بھی ہیں، حافظ ریاض احمد نے مسجد کی وقف کی ہوئی زمین پر مسجد کے لئے دوکانیں بنوانی شروع کیں، بغل کی زمین کے مالک نے حافظ ریاض سے کہا کہ آپ مسجد کی زمین کو پہلے سرکاری اعتبار سے ناپ کرالیں، تاکہ بعد میں کوئی تنازعہ کھڑا نہ ہو، حافظ ریاض احمد خان نے اس کی بات نہیں مانی، اور اندازے سے دوکانیں تعمیر کرادیں، جب بغل والے کو شک وشبہ ہوا کہ ہوسکتا ہے کہ یا تو میری زمین کم ہوسکتی ہے یا مسجد کی زمین کم ہوسکتی ہے، بعد میں تنازع زیادہ ہو جائیگا، اس سے بہتر ہے کہ ابھی زمین کو سرکاری محکمہ کے تحت ناپ کراکر معاملہ کو حل کرلیا جائے، اب بغل والے نے لیکھ پال اور قانون گو کو بلواکر اپنی اور مسجد کی وقف شدہ زمین کی سرکاری پیمائش کروائی، جس میں واضح ہوگیا کہ بغل والے کی ۱۲؍ ڈسمل زمین مسجد کی وقف کی زمین میں شامل ہوکر مسجد کی دوکانیں تعمیر ہوئی ہیں، اب حافظ ریاض خان سے بغل والا یعنی مالک زمین نے اپنی ۱۲؍ ڈسمل زمین کا مطالبہ کرتا ہے یا اس زمین کا معاوضہ مانگتا ہے، تو حافظ ریاض خان زمین دینے سے انکار کرتے ہیں، اور معاوضہ دینے سے بھی انکار کرتے ہیں، کیا اب اس امام یعنی حافظ ریاض احمد کے پیچھے ہماری نماز ہوگی یا نہیں؟ اور دوکانوں کے کرایہ سے امام، مؤذن اور خادمین کی تنخواہ لینا دینا جائز ہے

کہ نہیں؟ حافظ ریاض احمد خان اگر زمین واپس نہیں کرتے ہیں، تو اللہ کے یہاں ان کا کیا مواخذہ ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل اور مدلل جواب مرحمت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: افتخار احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت حال اگر واقعی اور درست ہے تو متولی مسجد حافظ ریاض احمد خان صاحب کو چاہئے کہ اپنے اطمینان کے لئے قابل اعتماد اور بھروسہ مند پیمائش کاروں سے اپنے طور پر زمینوں کی دوبارہ پیمائش کرالیں اگر بغل والوں کے ذریعہ کرائی گئی پیمائش صحیح نکلتی ہے تو ان کی بارہ ڈسمل زمین جسے مسجد کی زمین میں شامل کرکے اس پر دو کانیں تعمیر کی گئی ہیں، وہ انہیں کی ملکیت ہیں، اور ان کو یہ حق حاصل ہے، کہ متولی اور ذمہ داران مسجد سے اپنی زمین کی قیمت کا مطالبہ کریں، اگر وہ قیمت نہ دے سکیں، تو عمارت کی قیمت مسجد کو دیکر کے پوری عمارت جو ان کی زمین پر تعمیر ہے مع زمین اپنے قبضہ میں لے لیں یہ درمیانی اور صلح کی صورت ہے، ورنہ شرعی طور پر انہیں یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنی زمین پر تعمیر شدہ عمارت کو مسمار کرکے اس کا ملبہ مسجد والوں کے حوالہ کرکے اپنی زمین اپنی ملکیت میں لے لیں، نیز اہل محلّہ اور جامع مسجد کی کمیٹی اور ذمہ داران کے ذمہ لازم ہے، کہ ایسے ضدی اور خائن متولی کو برطرف کردیں جس کی وجہ سے مسجد کی طرف سے دوسروں کی زمین پر ناجائز قبضہ عمل میں آیا ہے، اس جواب کے بعد امام اور مؤذن کی تنخواہ پر کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے، کیونکہ امام اور مؤذن کی تنخواہ متولی اور کمیٹی پر لازم ہے وہ کسی سے بھی لاکر پیش کردیں، ان کی تنخواہ ان کے لئے حلال ہے، لیکن اراکین کمیٹی اور متولی مسجد پر بہرصورت یہ بات لازم ہے، کہ وہ شرعاً جواز کے دائرہ میں رہتے ہوئے ان کی تنخواہوں کی فراہمی کریں۔

قال رسول الله ﷺ : من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً طوقه الله إياه

یوم القیمة سبع أرضین الخ . (مسلم شریف، کتاب المساقاة والمزارعة، باب تحریم الظلم ، وغصب الأرض وغیرها ، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲، بیت الافکار رقم: ۱۶۱۰، مسند احمد ۲/ ۴۳۲، رقم: ۹۵۷۹، مشکوٰة /۲۵۵)

قوله تعالیٰ : ''والصلح خیر'' لفظ عام یقتضی أن الصلح الذی تسکن إلیه النفوس ویزول به الخلاف خیر علی الإطلاق . (فتح القدیرللشوکانی ۱/ ۵۲۱)

لایجوز التصرف فی مال غیره بغیر إذنه ولاولایته . (الاشباه کتاب الغصب کراچی ۲/ ۹۸)

ومن غصب أرضاً فغرس فیها أو بنیٰ قیل له اقلع البناء والغرس وردها . (هدایه مع الفتح ،کتاب الغصب ، فصل فیما یتغیر بعمل الغاصب کوئٹه۸/ ۲۶۹، زکریا ۹ /۳۴۸)

وینزع وجوباً لو غیر مأمون أوظهربه فسق کشرب خمر ونحوه – قال– الشامی: قال فی البحر: واستفید منه أن للقاضی عزل المتولی الخائن . (شامی، کتاب الوقف، مطلب : یأثم بتولیة الخائن ،کراچی ۴/ ۳۸۰، زکریا۶ /۵۷۸)

غالب مال المهدي إن حلالاً لا بأس بقبول هدیته وأکل ماله . (بزازیه ، کتاب الکراهیة ، الفصل الرابع فی الهدیة والمیراث ، جدید زکریا ۳/ ۲۰۳، و علی هامش الهندیةزکریا۴/ ۳۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۴۷)

غاصب سے مسجد کیلئے زمین خریدنا

سوال: [۸۱۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک زمین ہے جس کا مالک زید ہے، خالد کے پاس کافی دنوں سے کرایہ پر تھی، زید اور خالد کے درمیان کافی مقدمہ چلا عدالت نے خالد کو زمین کا مالک قرار دیا جبکہ اہل محلّہ وقرب وجوار کے لوگ یہ کہتے ہیں، کہ زمین زید کی ہے لیکن مقدمہ کے ذریعہ خالد مالک بن گیا تو اب آپ تحریر کریں کہ اگر اس زمین کو خالد سے مسجد تعمیر کرنے کیلئے خریدا جائے تو اس زمین پر مسجد کا تعمیر کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ خالد حقیقۃً اس زمین کا مالک نہیں ہے، بلکہ زید ہے خالد تو جھوٹے مقدمہ کے ذریعہ مالک بنا ہے؟

المستفتي: محمد تسلیم راعینی، بازارکلاں، قصبہ منڈوار، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر وہ واقعی زید کی ہے اور جھوٹے مقدمہ کے ذریعہ سے خالد نے حاصل کیا ہے، تو زید کی اجازت کے بغیر اس زمین میں مسجد بنانا ممنوع ہوگا، کیونکہ غصب کی زمین ہے خالد کیلئے اس میں تصرف جائز نہیں ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (السنن الکبریٰ للبیهقی، قبیل باب من غصب جارية فباعها الخ، دارالفکر بیروت ۸/۵۰۶، رقم: ۱۱۷۴۰، دارقطنی، کتاب البیوع، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/۲۲، رقم: ۲۸۶۱)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه ولا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي الخ. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند/ ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشوال ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۱۰/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۱۰/۲۹ھ

۱۹/ الفصل التاسع عشر: مسجد میں چندہ کا بیان

موعود مسجد کو چندہ نہ دیکر دوسری مسجد کو دینے کا حکم

سوال: [۸۱۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی نے وعدہ کیا تھا کہ فلاں مسجد میں اتنا روپیہ دونگا، اگر اس آدمی نے مذکورہ مسجد کے علاوہ دوسری مسجد میں اس روپیہ کو دیدیا ہے تو شریعت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہوگا؟ جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: سعید الرحمٰن، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرچہ دوسری مسجد میں دینا بھی جائز ہے البتہ پہلی مسجد جس کیلئے وعدہ کررکھا تھا اس کو دینا زیادہ بہتر ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۵۱۴، جدید میرٹھ ۲۲/ ۲۸۵، ۲۸۶، جدید ڈابھیل ۱۵/۳۱۲)

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ. (المائدہ: ۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۷۰/۲۶)

ذمہ داران مسجد کی بدعنوانی کی وجہ سے چندہ واپس لیکر دوسری مسجد میں دینا

سوال: [۸۱۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں ایک قدیم مسجد کی تعمیر جدید کیلئے چندہ ہوا لیکن تعمیر کے وقت ایک محلّہ کے لوگوں کا امام صاحب کے متعلق اختلاف ہوا چونکہ مسجد کی جگہ میں اپنے ذاتی مکان کا دروازہ نکال لیا ہے، لٰهذا وہ امامت کے قابل نہیں، دوسرے محلّہ والوں نے امام صاحب سے دروازہ

نکالنے کو منع کیا لیکن امام صاحب نہیں مانے اس پر محلّہ والوں نے کہا ہمارا چندہ ہمیں واپس کردو ہم اپنی مسجد علیحٰدہ بنائیں گے، امام صاحب نے واپس کردیا، اور دوسرے فریق نے دوسری مسجد بنائی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ جدید مسجد کی تعمیر میں جو واپس کیا ہوا چندہ لگا ہے وہ صحیح ودرست ہے یانہیں؟ اگر نہیں ہے تو واپسی کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتي: عبدالسلام، موضع ملک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے ذمہ دار کی بدعنوانی کی وجہ سے چندہ واپس لیکر دوسری مسجد میں لگانا چندہ دہندگان کیلئے جائز ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/ ۵۹۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍محرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۳۲)

مسجد میں دی ہوئی رقم واپس لینا

سوال: [۸۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے عمر کو کچھ روپئے دئے اور عمر مسجد کا متولی ہے، زید نے جو روپئے دئے تھے عمر کو تو وہ روپئے مسجد میں صرف کرنے کیلئے دئے تھے، زید نے وقت میں کوئی قید نہیں لگائی تھی، عمر نے زید کے روپیوں کو زید کے حکم کے مطابق خرچ کردیا صرف کرنے کے بعد دونوں میں جھگڑا ہوگیا، اب زید کہہ رہا ہے کہ میرے روپئے واپس کردو تو اب زید کو ثواب ملے گا یانہیں؟

المستفتي: انیس الرحمٰن، کٹھاری،
متعلم: مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں دیا ہوا روپیہ واپس نہیں ہوسکتا۔ (مستفاد:

کفایۃ المفتی ۷/ ۲۳۵، جدید مطول ۹/ ۳۵۹)

اور واپسی کا مطالبہ ثواب سے محرومی کا سبب ہے۔

قال الله تعالیٰ: یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لاتُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذیٰ، الأیة: (سورہ بقرہ: ۳)

أی لاتبطلوا ثواب صدقاتکم بالمن والأذیٰ کإبطال المنافق الذی ینفق ماله رئاء الناس الخ. (تفسیر مدارك ١/ ١٩٤، تفسیر خازن قدیم١/ ١٩٤، معارف القرآن / ٣٠، ١/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۸۳)

چندہ دیتے وقت پچاس کا نوٹ دیکر چالیس روپیہ واپس لینا

سوال: [۸۱۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں چندہ دیتے ہوئے کسی نے پچاس کا نوٹ دیا، اور اسکو صرف دس روپئے دینا تھا، اس لئے چالیس روپیہ واپس لینا ہے، تو اس طرح کرنا کیسا ہے؟ کیا یہ بیع تو نہیں؟

المستفتي: مولانا ظہیر احمد مفتی جامع العلوم، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رائج شدہ نوٹ اگر چہ ثمن حقیقی نہیں ہے، لیکن وہ ثمن عرفی ہے، اور اس کے لین دین کا مدار بھی عرف عام ہی پر ہوگا، اور عرف میں دس روپئے کی غرض سے پچاس کا نوٹ دیکر چالیس واپس لینے کو دس ہی دینا سمجھا جاتا ہے، نہ کہ پچاس دیکر چالیس لینا اسلئے یہ نہ مبادلۃ المال بالمال ہے اور نہ ہی عقد صرف ہے، بلکہ تبرع محض ہے، جو بلاشبہ جائز ہے۔

والعرف فی الشرع له اعتبار: لذا علیه الحکم قد یدار. (شامي، کتاب النکاح، باب المهر مطلب فی السفر بالزوجة زکریا٤/ ٢٩٥، کراچی ٣/ ١٤٧، مطلب فی

الشرط الفاسد إذا ذكر بعد العقد وقبله زكريا ۲۸۷/۷، کراچی ۸۸/۵)

واعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إليه فى مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلک أصلا فقال تترک الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة الخ.

(عقود رسم المفتی قدیم /۹۵، الاشباه والنظائر قدیم/۱۵۰)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (قواعد الفقه، اشرفی/۷٤، رقم: ۱۰۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۴۳۷)

مسجد کی صفائی اور تعاون کا عہد کرکے مکرنے کا حکم

سوال: [۸۱۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کچھ اہل محلّہ نے مجھکو مسجد کا متولی مقرر کردیا اور کچھ لوگ ممبر بنے مسجد کی قلیل آمدنی ہونے کی وجہ سے ممبروں نے آپس میں ہی ۲۰/ روپیہ فی ماہ مسجد کیساتھ تعاون کیلئے مجھ سے کہا، اور عہد کیا کہ آپ کے ساتھ ہر طرح سے تعاون اور مسجد کی صفائی وغیرہ میں ساتھ رہیں گے، کیونکہ مسجد میں کوئی مؤذن مستقل اور صفائی کیلئے نہیں ہے۔

(۲) ممبروں نے چندماہ ساتھ دیا وہ بھی چندنے اور جو رقم ہر ماہ دینے کی بات کہی تھی، وہ بھی ختم کردی صرف ایک ممبر برابر رقم مسجد کو دے رہا ہے، اور ایک ممبر کبھی کبھی صفائی کردیتا ہے، کچھ ممبر یہ کہتے ہیں کہ ہم کو تو زبردستی ممبر بنادیا گیا ہے، لہذا سب کام متولی ہی کو کرنا پڑ رہا ہے، اہل محلّہ بھی کسی طرح کا تعاون نہیں کرتے، خاص کر جمعہ کو پوری مسجد کی صفائی کرنی ہوتی ہے، اور متولی کو ہی یہ کام اکیلئے انجام دینا پڑتا ہے، کوشش کرکے اسکول کے لڑکے اسکول کے ذمہ داروں سے بات کرلیتے ہیں، جو صفائی کردیتے ہیں۔

لھذا آپ بتلائیں جن ممبروں نے ۲۰/ روپیہ تعاون دینے کیلئے مسجد کو کہا تھا،

اورانھوں نے چند ماہ دیا اسکے بعد بند کردیا ہر ماہ ان کو یاد بھی دلا دیا گیا، کیا ان کے اوپر مسجد کا یہ روپیہ باقی ہے، اور ان کو یہ بقایا روپیہ دینا فرض ہے، یانہیں ان کے اوپر مسجد کا قرض رہا یانہیں اور ممبروں نے متولی کا ساتھ دینا چھوڑ دیا اسکے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

(۳) اس طرح مسجد کے نمازیوں کیلئے استنجاء خانہ جو پہلے سے بنا ہوا تھا، وہ راستے میں تھا، اورآنے جانے پر بدبو آتی تھی، استنجاء خانہ دوسری جگہ کردیا گیا ہے، اس کے خرچ کیلئے اعلان کیا گیا ایک صاحب نے کہا کہ چھت پر جو خرچ آئیگا وہ میں ادا کرونگا، استنجاء خانہ تیار ہونے پر خرچ کا بل انکو دیا تو انھوں نے کہا میں ایک دوروز میں آپ کو دیدونگا، بعد میں انھوں نے دینے سے انکار کردیا، انکار کے بعد ان صاحب سے پھر کہا بھی نہیں جبکہ یہ صاحب ایک مذہبی ادارے کے ذمہ دار بھی ہیں؟

المستفتي: اقبال احمد، متولی مسجد پیر شاہ والی،
محلّہ: بندوقچیاں، دھامپور، ضلع: بجنور، (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مسجد کی صفائی ستھرائی ثواب کا کام ہے، تمام ہی ذمہ داروں پر اسکا انتظام لازم ہے۔

عن عائشةؓ قالت: أمر رسول الله ﷺ ببناء المساجد فی الدور وأن تنظف وتطيب. (سنن أبی داؤد، باب اتخاد المساجد فی الدور، النسخة الهندية ١/٦٦، دارالسلام رقم: ٤٥٥)

عن أبی سعيد الخدری قال: قال رسول الله ﷺ: من أخرج أذى من المسجد بنى الله له بيتا فی الجنة. (ابن ماجه، باب تطهير المساجد و تطيبها، النسخة الهندية ٥٥، دارالسلام رقم/٧٥٧)

(۲) بیس روپیہ ماہانہ طے شدہ کی ادائیگی ازروئے شرع ممبران پر لازم اورواجب نہیں ہے، البتہ عہد و پیمان کی وجہ سے اخلاقاً واستحساناً ممبران کو ادا کردینی چاہئے، کیونکہ وعدہ

کی خلاف ورزی کرنا شرعاً مذموم ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ. (المائدہ: ۱)

(۳) اور جس شخص نے پیشاب خانہ کیلئے رقم دینے کا وعدہ کیا اور اسکے مطابق کام کرادیا گیا تو اب اس رقم کی ادائیگی اس شخص کے ذمہ لازم ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ۱۲/۲۷۲، ڈابھیل ۱۵/۳۱۲، میرٹھ ۲۲/۲۸۴، رحیمیہ قدیم ۶/۱۲۳، جدید ۹/۱۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۲/۱/۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۰۴۹/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۷ھ

ضرورت مسجد کیلئے لئے گئے قرض کا ذمہ دار کون؟

سوال: [۸۱۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اس مسجد کی ماہوار آمدنی بذریعہ کرایہ (یعنی مسجد کی کچھ دوکانیں ہیں) ۸۵۰/روپئے ہے، اس مسجد کے متولی نے لوگوں کو حساب دیتے ہوئے بتلایا کہ اس وقت مسجد کے کاموں میں جو روپئے خرچ ہوئے ہیں وہ قرض لے کر خرچ کئے گئے ہیں، اور قرض ۲۵۰۰/روپئے ہوگئے ہیں، نیز مسجد کی جائیداد یعنی دوکان کے کرایہ داران پر تقریباً اتنا ہی (یعنی ۲۵۰۰ روپئے) باقی ہیں، جو کرایہ داروں نے اب تک ادا نہیں کئے ہیں، مذکورہ بالا صورتوں میں مقروض مسجد کہلائے گی یا مقتدی یعنی جب تک متولی مسجد کو قرض سے بری نہ کرے اسوقت تک مذکورہ بالا قرضوں کے اندر مقروض مسجد کہلائے گی یا مقتدی مسجد، مدلل ومفصل شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: بہادر عالم قریشی محلہ اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جبکہ ۸۵۰/روپئے ماہوار مسجد کی آمدنی ہے اور بوقت ضرورت شدیدہ کمیٹی کی اجازت سے یا کمیٹی نہ ہونے کی صورت میں

دیانتدار متولی نے قرض لے کر مسجد کی ضروریات میں صرف کیا ہے، تو وہ قرض مسجد ہی کے ذمہ لازم ہوگا، اور مسجد کی آمدنی میں سے ادا کیا جائیگا، اور شرعاً مسجد ہی مقروض کہلائے گی نہ کہ مقتدیان مسجد۔

لایجوز الاستدانة علی الوقف إلا إذا احتیج إلیها لمصحلة الوقف کتعمیر الخ وفی الشامیة هو المختار أنه إذا لم یکن من الاستدانة بدٌّ یجوز بأمر القاضی إن لم یکن بعیداً عنه الخ. (الوقف، مطلب فی الاستدانة علی الوقف،زکریا٦/٦٥٧، کراچی ٤/٤٣٩، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/١٩٣)

ویجوز للمتولی إذا احتاج إلیٰ العمارة أن یستدین علی الوقف ویصرف ذلک فیها والأولیٰ أن یکون بإذن الحاکم الخ. (البحرالرائق، کوئٹه ٥/٢١١، زکریا٥/٣٥٣)

والاستدانة أما إذا کان للوقف غلة فأنفق من مال نفسه لإصلاح الوقف فإن له أن یرجع بذلک فی غلة الوقف. (البحرالرائق، کوئٹه ٥/٣١١، زکریا٥/٣٥٢، منحة الخالق ، کوئٹه ٥/٢١١، زکریا ٥/٣٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رصفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۳۹)

جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں چندہ کرنے کا حکم

سوال: [۸۱۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے یہاں جمعہ کی نماز میں سلام کے بعد دعاء کر کے مسجد کے اخراجات کیلئے کچھ لوگ اٹھ کر پیسہ وصول کرتے ہیں، اورامام صاحب کچھ باتوں کا اعلان کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اوردعاء کرنے میں تاخیر ہوتی ہے؟

المستفتي: محمود الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اجتماعی دعاء ضروری نہیں ضرورتمند تنہا مانگ کر جاسکتے ہیں، مسجد میں اس طرح چندہ کرنا اگر مصلی کے سامنے گذرنا نہ ہو اور شق صفوف نہ ہو اور نمازی کیلئے ایذاء کا باعث نہ ہوتو جائز ہے، ورنہ ناجائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ/ ۴۲۸، کفایت المفتی / ۱۲۵، جدید مطول ۵/ ۲۷۱، فتاویٰ محمودیہ قدیم/۴۸۲، جدید ڈابھیل ۸/ ۲۹۰)

ويكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخط رقاب الناس في المختار الخ. (شامی، الصلاة، باب مايفسد الصلاة، و مايكره فيها قبيل مطلب في انشاء الشعر زكريا ۲/۴۳۳، كراچی ۱/۶۵۹، مجمع الأنهر ،دارالكتب العلمية بيروت ٤/١٨٦، مصری قديم ۲/۵۲۸، بزازيه زكريا جديد ۱/۵۱، و على هامش الهندية زكريا قديم ٤/٧٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۷۷/۲۴)

مسجد کیلئے چندہ کی گئی رقم سے بیت الخلاء وغیرہ بنانا

سوال: [۸۱۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کیلئے جو چندہ گاؤں سے کیا جاتا ہے، یا باہر سے لایا جاتا ہے، کبھی مسجد کی نئی تعمیر ہوتی ہے، اس کیلئے چندہ کیا جاتا ہے، کبھی پرانی مسجد کی ضروریات کیلئے چندہ کیا جاتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے، کہ اس چندہ کی رقم سے مسجد کے بیت الخلاء پیشاب خانے غسل خانے وضوخانے حوض وغیرہ بھی بنا سکتے ہیں، جبکہ نہ چندہ لینے والا اسکی صراحت کرتا ہے، نہ چندہ دینے والا مخصوص کرکے دیتا ہے، کہ یہ رقم فلاں حصہ پر ہی لگنی چاہئے، اس عمومی چندہ سے مسجد کی ہر قسم کی ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔

المستفتي: ابرار احمد قاسمی، محسن پور، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کیلئے چندہ کی گئی رقوم سے بیت الخلاء، غسل خانہ اور حوض وغیرہ بنانا درست ہے، کیونکہ یہ ساری چیزیں مسجد کی مصالح میں سے ہیں، لہٰذا مسجد کی رقومات کا ان چیزوں کی تعمیر میں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے۔

ويبدء من غلته بعمارته ثم ماهو أقرب بعمارته(درمختار) وفي الشامية: أي من غلته عمارته شرط الواقف أو لا ثم ماهو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلىٰ قدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلك إلىٰ أخر المصالح هذا إذا لم يكن معيناً فإن كان الوقف معيناً على شيئى يصرف إليه بعد عمارة البناء.

(فتاویٰ شامی، الوقف، مطلب يبدأ من غلة الوقف بعمارته زكريا ٦/٥٥٩، ٥٦٠، كراچی ٤/٣٦٦، ٣٦٧، وهكذا فى الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٨٨، البحرالرائق، زكريا ٥/٣٤٨، كوئٹه ٥/٢٠٨، مجمع الأنهر دارالكتب العلمية بيروت ٢/٥٨٤، مصرى قديم ١/٧٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۱/۱۰ھ

محصلین مسجد کا چندہ کی رقم سے نصف لینے کا حکم

سوال: [۸۱۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محصلین مسجد کیلئے چندے کی رقوم میں سے نصف حصہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کے چندہ کے نصف حصہ کو چندہ لانے والوں کو دیا جائے اور اس کو چندہ کی اجرت قرار دیا جائے تو اس طرح کمیشن پر چندہ جائز نہیں، بلکہ چندہ کیلئے تنخواہ دار ملازم رکھ لیا جائے تو جائز ہے، ہاں البتہ تنخواہ دار ملازم کو صرف حسن کارکردگی کی بناء پر تنخواہ کے ساتھ ساتھ کچھ انعام دیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

وشرطها كو ن الأجرة والمنفعة معلومتين الخ. (درمختار کتاب الإجارة، زکریا ۹/۷، کراچی ۶/۵)

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة الخ. (هدايه، کتاب الإجارة، اشرفی دیوبند۳/۲۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۳۸/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۱/۱۴۲۶ھ

مسجد کی ضرورت پوری کرنے کیلئے محلّہ والوں سے رمضان میں چندہ کرنا

سوال: [۸۱۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک کے مہینے میں ہماری مسجد میں اخراجات بڑھ جاتے ہیں، مثلاً مسجد کے باہری حصہ میں بارش اور دھوپ سے بچنے کیلئے ٹینٹ لگایا جاتا ہے، اور لائٹ کا معاملہ صحیح نہ ہونیکی وجہ سے پورا مہینہ جنریٹر استعمال ہوتا ہے، جس میں تقریباً ۸۰،۹۰ رلیٹر تیل سے زیادہ خرچ ہوتا ہے، اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، مزید وضوخانہ بیت الخلاء صفائی کرنیوالے کی مزدوری اسکے علاوہ امام ومؤذن اور مسجد سے منسلک جو مکتب ہے اسکے مدرس کی کبھی تنخواہ اور کبھی ڈبل تنخواہ اس کا آمد کے اوپر دارومدار ہے دی جاتی ہے، اور مسجد کے فنڈ میں اتنی رقم نہیں ہے، کہ اس سے ساری ضروریات پوری کی جاسکیں جس کی وجہ سے مجبوراً ہم تمام ممبران کمیٹی اپنے محلّہ میں مسجد کے اخراجات کو سامنے رکھ کر چندہ

وصول کرتے ہیں، تاکہ مسجد کے تمام اخراجات کو آسانی پورا کرسکیں، پھر ہم لوگ اس مذکورہ رقم کو اکٹھا کرتے ہیں، اور اس میں سب سے پہلے ٹینٹ اور صفائی کی مزدوری اور ڈیزل کی رقم ادا کرتے ہیں، پھر جب رقم بچ جاتی ہے تو اس رقم سے امام ومؤذن ومکتب کے مدرس کو آمد کے اوپر ڈبل تنخواہ یا صرف تنخواہ دیتے ہیں، اور اگر کبھی ڈبل تنخواہ سے بھی زائد بچ جاتی ہے، تو امام ومؤذن اور مکتب کے مدرس کے درمیان مقام کے اعتبار سے تقسیم کردیتے ہیں، یعنی امام صاحب کو زیادہ پھر مؤذن صاحب کو پھر مکتب کے مدرس میں تقسیم کردیتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) ہم لوگوں کا اس طرح محلّہ میں مسجد کی اخراجات کیلئے چندہ وصول کرنا اور محلّہ والوں کا چندہ دینا کیسا ہے؟

(۲) کیا یہ وصول شدہ رقم تراویح کی اجرت میں داخل ہے یا نہیں؟

(۳) وصول شدہ رقم میں سے امام ومؤذن ومکتب کے مدرس وغیرہم کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جو پس منظر پیش کیا گیا ہے، اس کے تحت میں محلّہ والوں سے مسجد کی ضروریات کیلئے چندہ کرنا اور اس چندہ کے پیسہ کو جس ترتیب سے خرچ کرنے کا سوال نامہ میں ذکر کیا گیا ہے، وہ شرعاً جائز اور درست ہے، اسمیں کوئی حرج نہیں ہے، اور سوال نامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے، کہ تراویح پڑھانے والا امام ہمیشہ کا مستقل امام ہے، اور مستقل امام کی صورت میں ختم قرآن کی اجرت نہیں ہے، اسی طرح وصول شدہ رقم سے جنریٹر کا تیل اور مکتب کے مدرسین وغیرہ کی تنخواہ وغیرہ ادا کرنا سب جائز ہے۔

ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان. (درمختار مع الشامی، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فى الاستئجار على الطاعات زكريا ۹/۷٦، كراچی ٦/٥٥، امدادالفتاویٰ ۲/٤٠٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شوال ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۰/۱۲ھ

مسجد میں گولک کے ذریعہ سے جمع شدہ رقم مسجد میں لگانا

سوال: [۸۱۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اس کی کچھ جگہ بچی ہوئی ہے، تو اس میں مدرسہ کے نام پر تعمیر ہوئی ہے، بھلے سے اس میں ابھی مدرسہ نہیں لگ رہا ہے، ساتھ ہی پوری زمین کی باؤنڈری بھی ہوئی ہے، تعمیرات میں بیت الخلاء استنجاء خانہ وضوخانہ امام کا کمرہ کچن اور ایک دو کمرے اس نیت سے بھی بنائے گئے ہیں کہ اگر موقع لگا اور ضرورت پڑی تو اس کو کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی مسجد کے مصرف میں استعمال کی جائیگی، مسجد اور مدرسہ کا نظام ایک ہی ہے، ایک ہی انتظامیہ کے تحت سب چل رہے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد میں جمعہ کے دن گلک چلائی جاتی ہے، اس سے کچھ آمدنی ہو جاتی ہے، ظاہر ہے اس میں پیسے ڈالنے والوں کی نیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے، کہ کس نے کس نیت سے ڈالا ہے تو اس رقم کو مسجد کے علاوہ مدرسہ کی مذکورہ تعمیرات میں نیز مسجد کے بیت الخلاء و وضوخانہ کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نفی کی صورت میں جو رقم استعمال ہو چکی ہے، اس کا کیا ہوگا، نیز استعمال کی کیا شکل ہوسکتی ہے، اور کہاں کہاں خرچ کیا جاسکتا ہے؟

المستفتي: منیر احمد، بیت العزیز سہاگ پور، شہڈول، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مساجد میں گولک کے اندر جو چندہ جمع ہوتا ہے، وہ زکاۃ یا صدقات واجبہ کا نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ صدقۂ نافلہ یا امداد وتعاون کی نیت سے دیا جاتا ہے، بریں بنا اس گولک میں جمع شدہ رقم مسئولہ صورت میں مسجد اور مدرسہ کی تمام ضروریات میں بلا کسی تفصیل کے خرچ کی جاسکتی ہے، اسلئے کہ حسب تحریر سوال چندہ دہندگان کو معلوم

ہے کہ مسجد و مدرسہ کی انتظامیہ کمیٹی ایک ہی ہے۔

اتحد الوقف و الجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه لأنهما حينئذ كشيئى واحد .(شامی، الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه، زکریا٦/٥٥١، کراچی ٤/٣٦٠، مجمع الانهر ،دارالکتب العلمية بيروت٢/٥٩٦، مصری قديم ١/٧٤٩)

مسجد له مستغلات و أوقاف أراد المتولی أن يشتری من غلة الوقف للمسجد دهنا أو حصيراً –إلىٰ – كان له أن يشتری للمسجد ماشاء. (هنديه ، الباب الحادی عشر فی المسجد وما يتعلق به زكريا قديم ٢/٤٦١، جديد ٢/٤١٣، المحيط البرهانی ، المجلس العلمی ٩/١٣٦، رقم: ١١٣٨١، الفتاویٰ التاتار خانية زكريا٨/١٧٥، رقم: ١١٥٥٤)

رجل أعطى درهما فی عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد صح ، لأنه و إن كان لا يمكن تصحيحه تمليكاً بالهبة للمسجد فإثبات الملك للمسجد علىٰ هذا الوجه صحيح فيتم بالقبض كذا فی الواقعات الحسامية. (هنديه ، زكريا قديم ٢/٤٦٠، جديد ٢/٤١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۱۲۲۵)

مسجد بنانے کیلئے چندہ کرنا

سوال: [۸۱۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں ایک مسجد ہے، اور گاؤں کافی بڑا ہے، تقریباً ایک ڈیڑھ ہزار افراد رہتے ہیں، اس میں ایک اور مسجد کی ضرورت ہے، میں اپنی جگہ میں مسجد بنانا چاہتا ہوں، لیکن اتنی رقم نہیں ہے کہ خود اپنی ذاتی رقم سے مسجد تعمیر کرسکیں، تو چندہ کرسکتے ہیں، یا نہیں؟

جواب تحریر فرما دیں کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد شبیر الحق، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب مسجد کی سخت ضرورت ہے تو اس کیلئے چندہ کرنا جائز اور درست ہے، لیکن کسی پر جبر واکراہ نہ کیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۶/۴۹۳، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۱۴۸)

رجل أعطیٰ درهما فی عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد صح. (هندیه، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به، زکریا قدیم ۲/ ٤٦٠، جدید ۲/۲ ٤١)

رجل بنیٰ مسجدا لله تعالیٰ فهو أحق الناس بمرمته وعمارته وبسط البواری والحصیر والقنادیل والأذان والإقامة والإمامة إن کان أهلاً لذلک فإن لم یکن فالرأی في ذلک إلیه. (هندیه، زکریا قدیم ١/ ١١٠، جدید١/ ١٦٩)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (السنن الکبریٰ للبیهقی، قبیل باب من غصب جاریة .... دارالفکر بیروت ۸/ ٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۴۸۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۴/ ۱۴۱۷ھ

مسجد کی ضرورت پوری ہونے کے بعد بھی چندہ کرنا

سوال: [۸۱۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کا تعمیر نو کیلئے چندہ مانگ سے مسجد کے دروازے پر کتنے دن تک کر سکتے ہیں، جبکہ پہلی منزل تیار ہے، دوسری منزل کیلئے چندہ کر رہے ہیں، ایک شخص روزانہ تقریباً چار سال سے دو روپئے کی وصولیابی ہر دوکاندار سے کرتا ہے، کیا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا جا سکتا ہے، اس

صورت میں مسجد کی اہانت تو نہیں ہے، لوگ ان دونوں کے اس فعل کے بارے میں برا بھلا کہتے ہیں، لیکن کسی کی ایک نہیں سنتا اس طریقہ کار کو روکنے کی کیا صورت ہے؟

المستفتي: محمد راغب حسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: خاص کر ہندوستانی مساجد وغیرہ کی تعمیر وصرف کا مدار عوام اور اہل خیر حضرات کے چندہ پر منحصر ہے، اور حدیث شریف میں بھی مساجد کی تعمیر کرانے والے کی بڑی فضیلت وارد ہے اسلئے مساجد میں چندہ وغیرہ کے ذریعہ بڑھ چڑھ کر حصہ لینا باعث سعادت اور توفیق خداوندی ہے، اور اس سے گریز کرنا اور گراں سمجھنا محرومی ہے، البتہ خوش دلی کے ساتھ بقدر ضرورت چندہ کرنا چاہئے، جبر واکراہ کے ساتھ چندہ کرنا ممنوع اور ناجائز ہے، جو اپنی خوشی سے دے، اس سے لیا جائے، اور جو نہ دے اس پر جبر کرنا گناہ ہے اور ایسے مال کا مسجد میں لگانا بھی ناجائز ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں بحسب ضرورت خوش دلی سے چندہ لیا جائے، اور جب مسجد کی تعمیر کی ضرورت پوری ہوجائے تو پھر تعمیر کے نام پر چندہ کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ اس نام سے چندہ بند کردینا لازم ہوگا، اور ضرورت پوری ہونے کے بعد اگر مذکورہ شخص وصول کرنے سے باز نہیں آتا ہے، تو اس سے رسیدیں ضبط کرلی جائیں اور لوگ بغیر رسید کے چندہ نہ دیں۔

عن محمد بن لبيد، أن عثمان بن عفان، أرادبناء المسجد.......... فقال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من بنىٰ مسجداً لله بنىٰ الله له في الجنة مثله. (صحيح مسلم، باب فضل بناء المسجد والحث عليها، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۱، بيت الافكار رقم: ۵۳۳، مسند الدارمي دارالمغنى ۲/ ۸۷۵، رقم: ۱۴۳۲)

لأن الله تبارك وتعالىٰ لايقبل إلا الطيب فيكره تلويث بيته بما لا يقبله. (شامی، الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها قبيل مطلب فی أفضل المساجد زكريا ۲/ ۴۳۱، كراچی ۱/ ۶۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍جمادی الأخریٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۱۹/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۲۱ھ

کمیشن پر مسجد کا چندہ کرنا

سوال: [۸۱۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) اگر کوئی شخص مسجد شریف کا چندہ کرے تو کیا وہ کمیشن لے سکتا ہے؟ اگر اسی شہر میں سے چندہ کرے جس شہر میں مسجد شریف ہے تو کتنا حصہ لے سکتا ہے؟

(۲) اگر کوئی شخص دوسرے شہر سے مسجد شریف کا چندہ کرکے لائے تو کتنا کمیشن لے سکتا ہے، مسجد کے چندہ سے کمیشن لینا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد خورشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص باقاعدہ تنخواہ دار ملازم نہیں ہے، اسکا محض کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں ہے، اسی شہر میں ہو یا دوسرے شہر میں ہو جائز نہیں ہے، اور اگر باقاعدہ تنخواہ دار ملازم ہے، اور چندہ کرکے لاتا ہے، پھر تنخواہ کے علاوہ کچھ رقم بطور انعام دی جاتی ہے تو یہ جائز اور درست ہے، لیکن یہ انعام نصف چندہ سے کم رہنا لازم ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۵)

ویصح حتی تکون المنافع معلومة والأجرة معلومة الخ. (ھدایہ، کتاب الإجارات اشرفی ۳/ ۲۹۳)

وشرطها کون الأجرة والمنفعة معلومتین. (شامی، زکریا ۹/ ۷، کراچی ۶/ ۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶۴۸/۳۱)

جوٹنکی مسجد میں لگادی گئی اس کیلئے چندہ کرنا

سوال: [۸۱۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جوٹنکی مسجد میں لگادی گئی ہے، اسکی مزدوری و قیمت ادا کردی گئی ہے، اب ان رسیدوں کو دکھا کر چندہ کیا جارہا ہے، یہ چندہ مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے یانہیں؟ یعنی استعمال میں آسکتا ہے، یانہیں؟ جواب سے سرفراز فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: ریاست علی، محلّہ کھوکران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رسید کے اندر جس کام کی تفصیل ہے اس رسید سے اس کے علاوہ دوسری غرض سے چندہ کرنا دھوکہ ہے، اسلئے جائز نہیں۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: من حمل علينا السلاح فليس منا ومن غشنا فليس منا. (صحيح مسلم، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ۱/ ۷۰، بيت الافكار رقم: ۱۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷رشعبان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۸۹)

ایک باغ کی جگہ دوسرے باغ کی قیمت مسجد میں لگانے کا حکم

سوال: [۸۱۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے زمانۂ قدیم میں اپنی مملوکہ آراضی میں سے ایک حصہ اپنے قبرستان کیلئے مخصوص کیا اور اسمیں آم کا باغ لگایا، باغ کی آمد برابر مسجد میں صرف ہوتی رہی زید انتقال کرگیا اور ورثاء نے جہاں پر زید کی دیگر ملکیت کو تقسیم کیا وہاں پر قبرستان کیلئے مخصوص کردہ آراضی بھی تقسیم کی گئی

اور باغ کاٹ دیا گیا بعدہٗ ورثاء نے باتفاق رائے اس آراضی میں دوسرا باغ لگایا اور اس زمین کو مسجد وقبرستان کیلئے مخصوص کر دیا لیکن سرکاری کاغذات میں وہ زمین بنام مسجد درج ہے، اور گاؤں کا کوئی دوسرا قبرستان بھی نہیں تھا، علاوہ اس زمین کے جس کو لوگوں نے خاص اپنی ملکیت سے متعین کیا تھا، اب چونکہ گرام سبھا کی جانب سے بھی قبرستان متعین ہو گیا ہے، جو اسی پہلے قبرستان کے متصل ہے، تو کیا گرام سبھا کی جانب سے تجویز کردہ قبرستان کے بعد اس پہلے قبرستان میں مردوں کو دفن کیا جاسکتا ہے؟ نیز ماء مستعمل اور کوڑا کرکٹ وغیرہ اس باغ میں ڈالنا جبکہ کافی بدبو محسوس ہوتی ہے، کیسا ہے؟

المستفتي: وکیل احمد قاسمی، مدرس مدرسہ اسلامیہ، قصبہ، بہنالہ، ضلع: رڑکی، ہری دوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے اپنی مملوکہ زمین سے جس جگہ کو خاص کرلیا ہے، اس جگہ کی آمدنی مسجد میں لگانا جائز ہے، کیونکہ درخت اسی کی ملکیت میں ہیں، اسے جہاں چاہے استعمال کرے اس کو اس بات کا اختیار ہے۔

مقبرة عليها أشجار عظيمة فهٰذا علىٰ وجهين إما إن كانت الأشجار نابتة قبل اتخاذ الأرض مقبرة أو نبت بعد اتخاذ الأرض مقبرة ففي الوجه الأول المسئلة على قسمين إما إن كانت الأرض مملوكة لها مالك أو كانت مواتا لا مالك لها واتخذها أهل القرية مقبرة ففي القسم الأول الأشجار بأصلها على ملك رب الأرض يصنع بالأشجار وأصلها ماشاء. (فتاویٰ عالمگیری، الوقف، الباب الثانی عشر، زکریا قدیم ۲/ ۴۷۳، ۴۷۴، جدید ۲/ ۴۱۷، ۴۱۸)

جب گرام سماج نے میت دفن کرنے کیلئے دوسری جگہ متعین کردی ہے، تو اب وہ زمین جو مسجد کے نام درج ہے، اس زمین میں میت کا دفن کرنا جائز نہیں، اور وہ مسجد کی ملکیت ہے، اس کی آمدنی مسجد کو ملتی رہے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۰/ ۱۴۸، ڈابھیل ۱۵/ ۳۷۳)

أنفق مالا في إصلاح قبر فجاء رجل ودفن فيه ميتة وكانت الأرض موقوفة يضمن ما أنفق فيه . (شامی ، الصلاۃ ، باب صلاۃ الجنازۃ ، زکریا ۳/۱۴۵، کراچی ۲/۲۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۱/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۲۰ھ

مسجد کیلئے کئے گئے چندہ سے مسجد کا موٹر پائپ وغیرہ خریدنا

سوال: [۸۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مسجد میں مختلف طریقوں پر لوگ مسجد کی امداد کرتے ہیں، لوگوں سے یعنی محلّہ والوں سے سالانہ چندہ بھی لیا جاتا ہے، اور بیاہ شادیوں میں بھی لوگ مسجد کی امداد کرتے ہیں، اور بھی مختلف طرح سے لوگ روزانہ چندہ دیتے رہتے ہیں، علیٰحدہ سے کسی خاص کام کیلئے جب ہی چندہ کیا جاتا ہے جب مسجد میں کوئی تعمیری کام کرایا جاتا ہے، اور اس مختلف طرح کے چندہ سے ہی مسجد کے تمام مصارف پورے ہوتے ہیں، مثلاً امام کی تنخواہ چٹائی وغیرہ اور پانی کے نل کی مرمت وغیرہ کا خرچہ اس کے بعد بھی کچھ بچ جاتا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس بچی ہوئی آمدنی میں سے پانی کی ٹنکی اور پائپ موٹر وغیرہ جسکی مسجد میں شدید ضرورت ہے لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بہت سے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ وقف کے مال سے مسجد میں نل وغیرہ نہیں لگایا جا سکتا ہے، اور نہ ہی مسجد کی پتائی قلعی چونہ میں اسکو صرف کیا جا سکتا ہے؟ اور نہ گرم پانی میں اسے صرف کیا جا سکتا ہے؟

المستفتي: محمد ایوب، امام مسجد صغیر والی، فضل گڈھ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مابقیہ رقم ضرورت مسجد مثلاً پائپ، موٹر، پانی، گرم پانی کرنے وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

ولو أن قوماً بنی مسجداً وفضل من خشبهم شیئی قالوا یصرف الفاضل فی بنائه ولایصرف إلیٰ الدهن والحصیر هذا إذ سلموه إلیٰ المتولی لیبنی به المسجد، وإلاّ یکون الفاضل لهم یصنعون به ماشاؤوا الخ.

(البحرالرائق، الوقف، فصل في أحکام المسجد، زکریا ٥/ ٤٢٠، کوئٹه ٥/ ٢٥٠، هندیه زکریا قدیم ٢/ ٤٦٤، جدید٢/ ٤١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/۵/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۵/۱۴۱۵ھ

مسجد کے برآمدہ کیلئے دی گئی رقم دیگر ضروریات میں صرف کرنا

سوال: [۸۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد ہاشم خاں مرحوم پاکستانی نے بحیات خود ایک فوقانی مسجد کے برآمدہ کیلئے کچھ روپیہ محبوب خاں مرحوم کو برموقع چندہ عنایت فرمایا تھا، محبوب خاں کے وارثوں کے کہنے کے مطابق مگر محبوب خاں نے کسی وجہ کے باعث وہ روپیہ مسجد کے متولی کو نہیں دیا تھا، اسی اثناء میں محبوب خاں اس دنیا سے رحلت فرما گئے، اور محمد ہاشم خاں بھی محبوب خاں کے چند ہفتہ بعد انتقال کر گئے، محبوب خاں کے وارثوں نے اس پیسہ کی اینٹ سریا سمنٹ لاکر مسجد کے مقام پر رکھدیا ہے، مسجد کے متولی کا کہنا ہے کہ برآمدہ کے بالمقابل مسجد کے حجرے کی چھت اور مسجد کے مکتب کا لینٹر پڑنا نہایت ضروری ہے، ورنہ مسجد کو کافی نقصان پہونچ سکتا ہے؟

محبوب خاں کے وارثین اس بات سے اتفاق نہیں کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسجد کی فوقانی چھت بنی چاہئے، دونوں میں آپسی اختلافات بھی ہیں، کیا متولی اس سرئے وغیرہ سے حجرے کی چھت بنوا سکتے ہیں؟ جواب سے سرفراز فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: حنفی مصلیان، مسجد پتیا پاڈل، چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برآمدۂ مسجد کے نام جو رقم ہاشم خاں نے دی ہے، وہ رقم خاص طور پر مسجد یا مسجد کے برآمدہ پر خرچ کرنا لازم ہوگا، خارج مسجد حجرے کی چھت بنانا اس رقم سے چندہ دہندہ کی غرض کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہوگا۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة زكريا ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥)

نیز اگر حجرہ کی چھت کی زیادہ ضرورت ہو تو اس کیلئے الگ سے رقم فراہم کیجاسکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۴۰)

تعمیری چندہ سے مؤذن وخادم مسجد کو تنخواہ دینا

سوال: [۸۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مسجد کی تعمیر کی رقم سے مؤذن وخادم مسجد کو بطور تنخواہ دی جاسکتی ہے؟

المستفتي: حضرت مولانا نصیر احمد صاحب،
ناظم: کتب خانہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رقم جمع کرنیوالوں کی غرض کے خلاف ہونے کی کی وجہ سے جائز نہیں ہے، ہاں البتہ رقم دہندہ کی اجازت سے جائز ہوسکتا ہے۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة كراچی ٤/٤٤٥، زكريا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۴۵)

دیگراوقاف کی دوکانوں کی آمدنی مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۱۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر آگرہ میں اسلامیہ لوکل ایجنسی کے نام سے ایک سوسائٹی ہے، جو وقف بورڈ آف یوپی کا ادارہ ہے جس کی ملکیت میں جہاں بہت ساری دوکانیں اور مکانات ہیں، جن کی آمدنی سوسائٹی کے پاس آتی ہے، مزید عطیات بھی آتے ہیں، اب اس کمیٹی کے تحت شہر آگرہ کی متعدد مساجد ہیں جن کی نگرانی کمیٹی کرتی ہے جیسے کہ آئمہ اور مؤذنین کی تنخواہ خاک روب کی تنخواہ مزید مسجد کی مرمت اور تزئین انہیں کی ذمہ داری میں ہوتی ہے، تو کیا مذکورہ بالا آمدنی ان مساجد کی تزئین ومرمت میں خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: آفاق احمد قریشی،
سکریٹری، اسلامیہ لوکل ایجنسی، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوسائٹی کے ماتحت وقف کی دوکانوں کی آمدنی مساجد کے ائمہ ومؤذنین خاک روب کی تنخواہ اور مسجد کی مرمت وتزئین میں صرف کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسجد بھی وقف ہے، بلکہ وہ سب سے اعلیٰ درجہ کا وقف ہے، اور زکاۃ کے علاوہ جو عطیات آتے ہیں، ان کو بھی مسجد کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے۔

أن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد دار احياء التراث العربی ۱۷۹/٤، زكريا ٤۳٥/۳، تحت رقم الحديث: ٤۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد اشرفيه ۱۱۸/۲)

يصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلیٰ أقرب مسجد أو رباط أو بئر إليه تحته فی الشامية: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها.
(شامی، والقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ٥٤۹/٦، كراچی ۳٥۹/٤،

الموسوعة الفقهية الكويتية٤٤ / ١٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۸۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۱۲ھ

فصل کے موقع پر مسجد کیلئے دیئے گئے غلہ کی رقم مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۱۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ہمارے گاؤں میں فصل کے موقعہ پر لوگ مسجد کیلئے غلہ دیتے ہیں، بعض دسویں حصہ کے اعتبار سے اور بعض اسکی رعایت کئے بغیر بعد میں اس کو نیلام کر کے مسجد کے کسی بھی مصرف میں استعمال کرتے ہیں، کیا اس طرح جمع شدہ غلہ کی رقم کو مسجد کے مصارف تعمیرات وغیرہ میں استعمال کرنا جائز ہے، اور مسجد کی آمدنی اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔

(۲) فصل کے موقع پر جو غلہ مسجد میں جمع ہوا ہے، اس پر اگر عشر کا اطلاق ہوگا تو اسکو کہاں کہاں دے سکتے ہیں؟ کیا امام کو بھی دے سکتے ہیں؟ واضح طور پر مفصل ومدلل جواب سے مطلع فرمائیں؟ عین نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد اشفاق، مکن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مساجد ومدارس میں جو غلہ آتا ہے، وہ امداد ہی کا ہوتا ہے، اسلئے اس کی رقم سے تنخواہ دینا یا تعمیر میں لگانا سب جائز ہے، اور اس میں شخصی ملکیت بھی متصور نہیں ہے۔

والتمليک في غير الملک لايتصور. (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، فصل في الشرائط التي ترجع إلیٰ المال زکریا۲/۸۸، کراچی ۹/۲، حاشیة چلپی امدادیه ملتان ۲۵۲/۱، زکریا ۱۹/۲ ، الموسوعة الفقية الكويتية۲۳/۲۳۶، ٤٤/۱۷۳)

(۲) اتر پردیش کی کوئی زمین عشری نہیں ہے، اسلئے یہاں کی زمین پر عشر واجب نہیں

ہے، لہٰذا یہاں کی پیداوار سے جو کچھ مساجد ومدارس کو دیا جاتا ہے، وہ بہرحال امداد وعطیہ ہے چاہے، اس کا نام عشر رکھے یا امداد یا عطیہ، لہٰذا اس کو تنخواہوں میں خرچ کرنا بلاتردد جائز ہے۔
(مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رمحرم ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱/ ۱۴۱۶ھ

مسجد اور مدرسہ کیلئے الگ الگ چندہ کرنا

سوال: [۸۱۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں مسجد تعمیر ہورہی ہے، لیکن مسجد کے نیچے تہ خانہ کی شکل کا ایک ہال رہے گا، اور اوپر مسجد تعمیر ہوگی اور ابھی سے منتظمین کا ارادہ ہے کہ اس ہال میں مدرسہ یا مکتب رہے گا، اور اوپر مسجد رہے گی، تو دریافت یہ امر ہے کہ کیا اس تہ خانہ کی تعمیر کیلئے الگ سے چندہ کرنا پڑے گا، یا جو چندہ مسجد کیلئے ہوا ہے وہ بنیاد سے لیکر اوپر تک لگے گا، شرعی حکم تحریر فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد عمران، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مسجد بنانے سے قبل نیچے مدرسہ بنانے کا ارادہ ہے تو وہ حصہ مسجد سے خارج ہوگا، اور اس کا حکم مسجد سے بالکل الگ ہوگا، اسلئے کہ اسکا خرچ بھی مدرسہ ہی کے نام سے وصول کرنا ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۸۱، جدید زکریا ۹/ ۸۷)

أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلفت الجهة بأن بنيٰ مدرسة ومسجداً، وعين لكل وقفا، وفضل من غلة أحدهما، لايبدل شرط الواقف، وكذا إذا اختلف الواقف لاالجهة، يتبع شرط الواقف .... هذا هو الحاصل من الفتاوىٰ وقد علم منه أنه

لایجوز لمتولی الشیخونیة بالقاهرة صرف أحد الوقفین للآخر . (البحرالرائق، کتاب الوقف زکریا ٥/٣٦٢، کوئٹه٥/٢١٦، ٢١٧، وهکذا في الدر مع الرد، مطلب فی نقل القاضی المسجد نحوه، زکریا ٦/٥٥١، کراچی ٤/٣٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/شوال ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۵۴)

شادی میں مسجد و مدرسہ کیلئے چندہ کرنا

سوال: [۸۱۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شادی کے دن مدرسہ اور مسجد کیلئے چندہ لیا جاتا ہے، وہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: شمس الحق، جھارکھنڈی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: شادی کے دن لڑکے یا لڑکی والوں کی طرف سے بخوشی اگر مدرسہ یا مسجد میں چندہ دیا جائے تو لینا درست ہے، زبردستی دباؤ کے ساتھ مشروع نہیں؟

عن أبي حرة الرقاشي ، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه . (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الغصب، قبیل باب من غصب جاریة ثم باعها.......... دارالفکر ٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه، اشرفی/ ١١٠، رقم: ٢٦٩) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۷/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۳۰۴)

مسجد اور مدرسہ کا مشترکہ چندہ

سوال: [۸۱۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند حضرات نے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنانے کا پروگرام بنایا اس کیلئے زمین خریدی گئی قیمت کی ادائیگی کیلئے چندہ کیا گیا کچھ چندہ بنام مدرسہ اور کچھ چندہ بنام مسجد اور اکٹھا کرنیکے بعد زمین والوں کو دیدیا گیا، ادا کردہ رقم میں تقریباً نصف رقم وہ ہے جو مسجد کے نام سے جمع کی گئی ہے، اس کے حساب سے مسجد کو تقریباً آدھی ہی زمین ملنی چاہئے لیکن ہمارا ارادہ مسجد کو ابتداء ہی سے ایک ثلث یا اس سے بھی کم دیئے جانے کا ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا اپنے ارادہ کے مطابق مسجد و مدرسہ بنانے کی صورت میں منجانب مدرسہ مسجد کو زمین کے تناسب سے رقم واپس کرنی پڑے گی یا نہیں؟

المستفتي: سیف اللہ نگلیاں عائل، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جتنی رقم مسجد کے نام سے جمع ہوئی ہے، وہ سب مسجد ہی کے مد میں خرچ کرنا لازم ہے، لھذا مذکورہ سوال میں آدھی زمین مسجد کی ہوگی یا ایک ثلث زمین مسجد کو دیکر بقیہ کی قیمت مسجد کو دیدی جائے، جو مسجد کے صرفہ میں خرچ کی جائے ورنہ جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۹۶، فتاویٰ محمودیہ ۶/۲۱۰، ڈابھیل ۱۵/۱۵۰)

علىٰ أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ.

(شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۸۶)

مسجد و مدرسہ کے چندے اور اپنے پیسوں سے مکان تعمیر کرنا

سوال: [۸۱۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بستی کی خستہ حالت کو دیکھ کر مسجد ومکتب کے لئے مختلف جگہوں سے مختلف لوگوں سے چندہ وصول کیا پھر للہ ایک جگہ خریدی ساتھ ہی اپنی ذاتی رقم بھی صرف کی اور مذکورہ جگہ کی قیمت نصف چندہ شدہ پیسے سے ادا کی اور نصف اپنی ذاتی رقم سے ادا کی پھر نصف خرچ سے مذکورہ جگہ کے اوپر چھ کمرے بنائے، لیکن مذکورہ شخص نے نصف جگہ مع کمرے کے مسجد کے نام چڑھاتے ہوئے اپنے نام پر رجسٹری کرائی، اور ایک مدت تک ان چھ کمروں کا نصف کرایہ مسجد کے حوالے کرتا رہا، اتفاقاً مذکورہ آدمی کے ساتھ جماعت المسلمین کا کسی بات پر جھگڑا ہو جاتا ہے، اور جھگڑے کے دوران مذکورہ شخص اس کمرے کے اوپر احسان جتلا بیٹھتا ہے، جس کے سبب جماعت المسلمین کا مذکورہ شخص سے کہنا ہے کہ آپ نصف جگہ کے ساتھ تین کمرے مسجد کے نام پر وقف کر کے رجسٹرڈ کرا دیں اس لئے کہ آپ نے چندہ کے پیسے سے یہ نصف جگہ اور نصف کمرے تیار کئے ہیں، اور چندہ وہ بھی مسجد کے نام پر کیا ہے، لیکن مذکورہ شخص مسجد کے نام پر یا جماعت المسلمین ٹریسٹ کے نام رجسٹری یا وقف کرنے کیلئے تیار نہیں ہے، جس کے سبب جماعت المسلمین مذکورہ شخص کو جماعت سے خارج کر دیتی ہے، اور یہ بھی کہہ دیتی ہے کہ آپ کے احسان کی ہمیں ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اب جماعت المسلمین نے ان تینوں کمروں کا کرایہ لینا چھوڑ دیا اس لئے مذکورہ شخص نے اپنے مکان میں مکتب کھول کر اپنے بچوں کو دینی تعلیم دینے کا انتظام کیا، لیکن تعلیم دینے والے معلم کا ماہانہ معاوضہ ان تینوں کمروں کے کرایہ مسجد کے نام پر نہ دیتے ہوئے مذکورہ معلم کو دیا جاتا ہے، اب اس صورت حال میں مذکورہ شخص اور مذکورہ معلم کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے، نیز مذکورہ شخص جب مرض الموت میں پہونچتا ہے، وہ اپنے دو بیٹوں کو یہ وصیت کرتا ہے کہ دیکھو میرے بعد اگر تم جماعت کے

ساتھ پڑھاؤ تو بھی یہ جائیداد مسجد کے نام یا جماعت المسلمین کے ٹریسٹ کے نام پر وقف کر کے حوالہ نہ کرنا اور رجسٹرڈ نہ کرنا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی وصیت کی کہ اس پیسہ میں خیانت بھی نہ کرنا جو میں نے شکل دی ہے، اس پر خرچ کرتے چلے جانا یہ کہہ کر وہ دنیا سے چل بستا ہے، اب ان دونوں بیٹوں سے سب جماعت المسلمین کا کہنا ہے، کہ آپ کے والد نے مسجد کے نام پر چندہ جمع کیا تھا، اور اس سے مسجد کے لئے جو جائیداد بنائی تھی، اس کو مسجد کے نام پر وقف کر کے رجسٹری کردو اس لئے کہ مرحوم نے کہا تھا، کہ ہم نے افریقہ سے مسجد کے نام پر اتنے پیسے جمع کئے ہیں، اور اس سے مسجد کے نام پر اتنے پیسے جمع کئے ہیں، اور یہ جو جائیداد بنا رہا ہوں وہ اللہ ہے، لہٰذا جب انھوں نے اپنی زبان سے جماعت کے سامنے سب باتوں کا اقرار کیا تو شرعاً اس جائیداد کو مسجد کے نام کرنا ضروری ہے، لیکن یہ دونوں بیٹے یہ کہہ کر عذر کر دیتے ہیں، کہ مرحوم کی وصیت ہے کہ وقف نہیں کرنا، لہٰذا برائے مہربانی ہر ایک کے لئے یعنی معلم اور ان دونوں بیٹوں کے لئے شرع کا کیا حکم ہے؟ ہمیں جلد از جلد تحریر فرمائیں تاکہ ہم خانہ جنگی سے بچ سکیں، اور شرع کے اوپر عمل کرنا سہل ہو جائے، آپ کی بہت بہت مہربانی ہوگی؟

المستفتي: احقر عبد العظیم صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ حالات کے پیش نظر جس شخص نے بستی کی خستہ حالت کی بنا پر مسجد ومکتب کے نام سے چندہ کر کے زمین خریدی ہے، اگر وہ زمین خریدتے وقت اور اپنی طرف سے ذاتی طور پر نصف رقم دیکر کمرہ بنواتے وقت اس بات پر گواہ یا اعلان نہیں کیا تھا، کہ نصف کمرے میری ذاتی ملکیت ہوں گے، تو تمام کمرے شرعاً مکتب ومسجد کے لئے وقف ہو چکے ہیں، شخص مذکور کی کوئی ملکیت اس میں نہیں ہوگی، البتہ اگر نصف کمرے اپنی ذاتی ملکیت ہونے کا اعلان یا گواہ بنائے تھے، تو مذکورہ کمروں میں نصف کا حق اس کو حاصل ہوگا، لیکن سوالنامہ میں یہ بھی ہے کہ شخص مذکور نے بوقت انتقال اس بات کی

وصیت کی ہے کہ اس میں خیانت نہ کرنا تو اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ مذکورہ چندہ و کمرے سب مکتب قائم کرنے کیلئے فراہم کئے تھے، نہ کہ مسجد کے لئے تو اگر واقعہ ایسا ہے تو چاروں کمرے مکتب کے لئے ہوجائیں گے، اور اگر نصف مکتب کیلئے اور نصف مسجد کیلئے بنائے گئے تھے، تو نصف مسجد کے نام اور نصف مکتب کے نام کردینا واجب ہوگا، ورنہ چندہ دہندگان کی غرض کی مخالفت لازم آئیگی، اور چندہ دہندگان کی غرض کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔

بنى المتولى من مال الوقف فى عرصة الوقف أو من مال نفسه للوقف أولم يذكر شيئا كان وقفاً بخلاف الأجنبى وإن شهد أنه بناه لنفسه كان ملكا له . (فتاویٰ بزازیه ، الوقف ، الفصل الرابع فى المسجد ،وما يتصل به زكريا جديد۳/ ۱٤٤، وعلى هامش الهنديه ٦/ ۲۷۰)

فإن كان البانى المتولى عليه فإن كان بمال الوقف فهو وقف سواء بناه للوقف ، أو لنفسه أوأطلق وإن من ماله للوقف أو اطلق فهو وقف إلا إذا كان هو الواقف وأطلق فهو له كما فى الذخيرة وإن بناه من ماله لنفسه وأشهد أنه له فهو له الخ . (شامى، مطلب فى حكم بناء المتولى وغيره فى أرض الوقف ،زكريا ٦/ ٦٧٩ كراچى ٤/ ٤٥٥، الموسوعة الكفقهية الكويتية٤٤/ ١٨٥)

المتولى لو أنفق على الوقف من ماله وشرط الرجوع له الرجوع الخ .
(عالمگيرى ، الباب الخامس فى ولاية الوقف زكريا قديم ٢/ ٤١٦، جديد ٢/ ٣٥٤)

المتولى إذا أنفق من مال نفسه فيرجع فى مال الوقف له ذلک فإن شرط الرجوع يرجع وإلا فلا. (البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢١٢، زكريا ٥/ ٤٤٨)

صح أيضاً وقف كل منقول قصداً فيه تعامل للناس وفى الشامية: ولما جرى التعامل فى زماننا فى البلاد الرومية وغيرها فى وقف الدراهم والدنانير دخلت تحت قول محمد المفتى به الخ. (شامى، مطلب فى وقف الدراهم والدنانير زكريا ٦/ ٥٥٥، كراچى ٤/ ٣٦٣)

إن مراعاة غرض واقفين واجبة الخ . (شامى، مطلب مراعاة غرض الواقفين

واجبة کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ رجمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۹۸/۲۴)

قبرستان کی آمدنی مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کے قبرستان میں کچھ پیڑ خود رو ہیں، اور ایک باغ گاؤں والوں نے قبرستان میں لگایا ہے آم کا، عرصہ دراز سے گاؤں والے قبرستان سے لکڑی کاٹ کر مسجد میں پانی گرم کرنے کے کام میں لاتے ہیں، اور جو باغ ہے اسکی آمدنی بھی مسجد میں لگاتے ہیں، زید کہتا ہے، ایسا کرنا ناجائز ہے شرعی فیصلہ سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: شوکت حسین، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: موقوفہ قبرستان کی آمدنی اسی قبرستان میں لگانا ضروری ہے، کسی اور جگہ صرف کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر قبرستان کو بالکل ضرورت نہیں ہے، مثلاً چہاردیواری بنانا وغیرہ تو قبرستان کے ذمہ داروں کے مشورہ سے آمدنی کو مسجد یا مدرسہ میں صرف کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۳۰۶، ڈابھیل ۱۵/ ۴۷۱، کفایت المفتی ۷/ ۱۲۱، جدید مطول ۱۰/ ۲۳۳، احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۱۸)

علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الوقفين واجبة کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۴/۱۴۱۷ھ

قبرستان کے درخت یا ان کی آمدنی مسجد میں لگانا

سوال: [۸۱۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کے درختوں کو کاٹ کر اسی درخت کو یا اس کی قیمت کو مسجد کے کاموں میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہے، اسی طرح اگر اسی پیسہ سے مسجد کیلئے زمین خرید کر مسجد کے نام پر وقف کر دی تو جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد اسرائیل، مدنا پوری، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر اسی مقبرہ میں صرف کرنے کی کوئی صورت ہے تو اس میں صرف کریں، ورنہ اس سے قریب قبرستان میں صرف کریں۔

كما استفاده من الشامي، لايجوز صرف وقف مسجد خرب إلىٰ حوض وعكسه وفى شرح الملتقىٰ يصرف وقفها لأقرب مجانس لها الخ.

اور اگر یہ بھی نہ ہو تو ذمہ داروں کے مشورہ سے مساجد کے کاموں میں صرف کر سکتے ہیں۔

سئل نجم الدين فى مقبرة فيها أشجار هل يجوز صرفها إلىٰ عمارة المسجد قال نعم إن لم تكن وقفا على وجه آخر ،قيل له فإن تداعت حيطان المقبرة إلىٰ الخراب يصرف إليها أو إلىٰ المسجد قال إلى ماهي وقف عليه إن عرف وإن لم يكن للمسجد متولي ولا للمقبرة فليس للعامة التصرف فيها بدون إذن القاضي . (هنديه الوقف ، الباب الثانى عشر فى الرباطات والمقابر ...... زكريا قديم ٢/٤٧٦ ، جديد ٢/٤١٨ ، المحيط البرهاني ، المجلس العلمى ٩/١٤٩ ، رقم: ١١٤٣٤ ، الفتاوىٰ التاتار خانية ،زكريا٨/١٩٤ ، رقم: ١١٦١٧ ، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٨/٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶۰/۲۳)

قربانی کی کھالوں کی رقم کو تملیک کے بعد مسجد میں صرف کرنا

سوال: [٨١٦٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کی کھالوں کی رقم تملیک کر کے کچھ لوگ مسجد کی تعمیر میں لگاتے ہیں، اوراس کو جائز بتاتے ہیں، تو کیا اس طرح تملیک درست ہے؟ اور تملیک کے بعد حاصل ہونے والی رقم تعمیر مسجد میں لگ سکتی ہے، کیا تملیک بلاضرورة کے ہوسکتی ہے؟ عموماً مساجد کی تعمیر میں تزئین پر زور دیا جاتا ہے، تو کیا تزئین میں یہ رقم لگائی جاسکتی ہے، قبرستان وغیرہ کی زمین کیلئے تملیک سے حاصل شدہ رقم لگ سکتی ہے، دلائل شرعیہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی

المستفتي: (حضرت مولانا) محمد سالم
القاسمی، مدرس جامعہ قاسمیہ مدرسہ
شاہی، مرادآباد، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئلہ مذکورہ میں دو چیزوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) نفس حیلۂ تملیک کب جائز ہے، اور کس قسم کی ضرورت کیوجہ سے جائز ہوسکتا ہے۔

(۲) حیلۂ تملیک کر چکنے کے بعد جہاں چاہے وہاں خرچ کا جائز ہونا یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں، دونوں کو الگ الگ سمجھنا چاہئے، اور دونوں پر حکم بھی الگ الگ لگے گا، امر اول کا حکم یہ ہے کہ ایسی شدید ضرورت پیش آجائے کہ اگر حیلۂ تملیک کر کے رقم حاصل نہ کی جائے تو حرام اور معصیت میں مبتلا ہونے کا سخت خطرہ ہے، یا دینی ضرورت پوری نہ ہونے کی وجہ سے زبردست دینی نقصان ہونے کا خطرہ ہے، تو حیلہ جو فی نفسہ ناجائز ہے حرام اور معصیت سے بچنے کیلئے اور دینی نقصان سے بچنے کیلئے عارضی طور پر جائز ہوجاتا ہے، اور اس طرح حیلہ سے گناہ بھی نہ ہوگا، اور اگر زبردست دینی نقصان یا حرام ومعصیت میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہیں ہے، اور مسلمانوں کی امداد سے ضرورت

پوری ہوجاتی ہے، تو حیلۂ تملیک ہرگز جائز نہیں ہے، اسلئے کہ صدقۂ واجبہ اور رقم چرم قربانی وغیرہ فقراء ہی کا حق ہے، بغیر ضرورت شدیدہ اس کو تلف کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اور سوالنامہ کی درج شدہ شکل میں تعمیر مساجد اور قبرستان کے اخراجات میں ایسی شدید ضرورت نہیں ہے، مسلمانوں کی امداد سے بآسانی یہ ضرورت پوری ہوسکتی ہے، نیز تزئین مساجد تو کسی بھی درجہ کی ضرورت میں داخل نہیں ہے، اس لئے حیلۂ تملیک کر کے خرچ کرنے والے سب لوگ سخت ترین گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

والاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع في الآثام لابأس به بل هو مندوب إليه وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان (قوله) ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القاری، کتاب الحیل، باب شرك الحیل، دار احیاء التراث العربي ۲٤/۱۰۸، ۱۰۹، زکریا ۹/۲۳۹، تحت رقم الحدیث: ٦۹٥۳، الفتاویٰ التاتار خانیة زکریا ۱۰/۳۱۱، رقم: ۱٤۸٤، ٤۸٤٦، هندیه زکریا قدیم ٦/۳۹۰، جدید ٦/۳۹۳)

امر ثانی کا حکم یہ ہے کہ اگر حیلۂ تملیک ہو چکا ہے، تو اب وہ رقم صدقہ کے دائرہ سے باہر ہو چکی ہے، اسلئے تعمیر مساجد وغیرہ مذکورہ امور میں خرچ کی جائے تو صحیح بھی ہوجائیگی، لیکن بے موقع حیلۂ تملیک کرنے کا گناہ بھی الگ سے ہوگا، تو معلوم ہوا کہ ایسی صورت میں حیلۂ تملیک کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور حیلہ شدہ رقم کو امور مذکورہ میں خرچ کرنا بھی صحیح ہوجاتا ہے، اب حیلہ کرنے والے خود خیر منائیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۱۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۸۸)	۱۹/۱/۱۴۱۳ھ

بلا حلالہ مطلقۂ ثلاثہ کو رکھنے والے سے مسجد میں چندہ لینا

سوال: [۸۱۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مقصود نامی ایک شخص نے اپنی بیوی فاطمہ کومقبرہ اول درگاہ نئی آبادی میں تین مرتبہ ایک مجلس میں طلاق دیدی ہے، اور اسکا فتویٰ مدرسہ شاہی سے فتاویٰ عالمگیری ۱/۳۵۶ کے حوالہ سے ۱۹/۹/۸کو آیا اورمدرسہ جامعہ نعیمیہ سے مذکورہ بالاتحریر ۱۹/۹/۸۸کو درمختار کےحوالہ سےفتویٰ مل گیا کہ طلاق واقع ہوگئی بغیر مطالبہ مہر وخرچہ کا اہل محلّہ اور دوسرے محلّہ کے اشخاص اورلڑکی نے کہا کہ ۱۰/۱۰/۸۸کو آئینہ عالم میں بھی نکل گیا کہ مقصود حسین نے مذکورہ بیوی کوطلاق دیکر گھر سے نکالدیا ہے، اوروہ اپنے بھائی کے گھر چلی گئی، اورعدت کرنے لگی مقصود حسین نے عدالت کواپنی پریشانی دکھا کر فاطمہ کو پولیس کے ذریعہ عدالت میں پیش کر کے اپنی بیوی بنا کر اپنے گھر لے آیا اور بیوی فاطمہ بھی مقصود کے ساتھ چلی آئی، اب اہل محلّہ سخت پریشان ہیں، کہ اس حالت میں مقصود سے کیا واسطہ رکھیں اوراس کا پیسہ مسجد میں بطور چندہ لیں یا نہ لیں اس گناہ سے اہل محلّہ کس طرح سبکدوش ہوسکتے ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں سب مسلمانوں کوآگاہ کیجئے، عین مہربانی ہوگی؟

المستفتی: اہل محلّہ مقبرہ اول درگاہ نئی آبادی، عبدالوحید، بقلم
خود عاشق حسین، گھوڑے والے، عبدالغفار، عبداللطیف، عبد
الرشید، عبدالوحید، محمد عرفان محمد یامین، محبوب حسن، شاہد حسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مطلقۂ ثلثہ کو بلا حلالہ کےاپنے پاس رکھنا حرام اور زنا کاری ہےاور گناہ کبیرہ وعذاب الٰہی کا سخت خطرہ ہے، علاقہ اور برادری والوں پرلازم ہے کہ اسے سمجھا کرعلیٰحدہ کردیں اوراگر بازنہ آئےتو بازآنے تک برادری وعلاقہ کے لوگ اس سے بائیکاٹ کرلیں، نکاح، شادی، کھانا پینالین دین مسجد میں چندہ وغیرہ سب معاملات میں مقاطعہ کرلیں ورنہ سب گناہ گارہوں گے۔

بقوله تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ . (هود: ۱۱۳)
وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ . (المائده : ۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۲۴/۱۱۷)

ہر فرد سے بلاامتیاز غریب وامیر جبراً تین کلو اناج وصول کرنے کا حکم

سوال: [۸۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ کی جتنی بھی مساجد ہیں سب میں فی یونٹ چندہ اکھٹا کیا جاتا ہے، مثلاً کسی کے ۲ر بچے ہوں تو اس کو ۳رکلو فی یونٹ کے حساب سے ۶ رکلو ہر فصل پر اناج دینا ہوتا ہے، اگر کسی کے ۱۰ر بچے ہوں تو ۳۰رکلو اناج دینا ہوتا ہے، خواہ وہ امیر ہو یا غریب اور اگر کوئی نہ دے بوجہ غربت یا تنگدستی تو اس سے جبر واکراہ کیا جاتا ہے، بصورت دیگر قبرستان میں دفن کرنے نہ دینا اسی طریقہ سے پنچایت فنڈ سے برتن نہ دینا وغیرہ قانون لاگو کر دیا جاتا ہے، اس لئے آپ سے درخواست ہے، کہ براہ کرم مسئلہ کا مفصل باحوالہ جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟ اللہ آپ کو اس کا بہترین بدلہ دے گا؟

المستفتی: محمد نوشاد، تاراپور، بڑھاپور، بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جو قانون بنایا گیا ہے، کہ گھر کے ہر ممبر کے لحاظ سے ۳رکلو فی ممبر کے حساب سے اناج وصول کیا جائے گا، تو یہ اس وقت درست ہے، جبکہ تنگدست اور غریب کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے، غریب آدمی پر جبر واکراہ کے ساتھ اناج وصول کرنے کے لئے دباؤ ڈالنا شرعاً جائز نہیں ہے، سرمایہ داروں پر لازم ہے، کہ غریبوں کو اس سے مستثنیٰ کر کے خود یہ بوجھ اٹھائیں۔

عن أنس بن مالکؓ أن رسول الله ﷺ قال لایحل مال امريءٍ مسلم إلا بطیب نفسهٖ. (دار قطنی ،دارالکتب العلمیة ۳/ ۲۲، رقم: ۲۸۶۲)

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: لایحل مال امرئ مسلم إلا عن طیب نفسه. (دارقطنی ، البیوع ، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۲۲/رقم: ۲۸۶۳ شعب الإیمان ، باب فی قبض الید عن الأموال المحرمه ، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/ ۳۸۷، رقم: ۵۴۹۲)

عن عمرو بن یثربی قال: شهدت رسول الله ﷺ في حجة الوداع بمنیٰ فسمعته یقول: لا یحل لامرئ من مال أخیه شیئی إلا ما طابت به نفسه. (دارفطنی ، البیوع، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۲۲، رقم: ۲۸۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۰۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ ۵/ ۱۴۳۶ھ

۲۰/الفصل العشرون: مسجد میں صدقات کا حکم

صدقات واجبہ کی رقم سے مسجد کا غسل خانہ وغیرہ تعمیر کرنا

سوال: [۸۱۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں موضع حسام پور ضلع مرادآباد میں ایک جدید مسجد تعمیر ہوئی ہے، اس میں پیسہ کی قلت کی وجہ سے غسل خانہ، پاخانہ، پیشاب گھر اور وضوخانہ کی نالی کچھ پیسہ زکوٰۃ وفطرہ کا رکھا ہوا تھا، اس سے بنوادیا اب اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ شریعت کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: حافظ محمد یامین، حسام پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد یا کسی بھی طرح کی تعمیر میں زکوٰۃ یا صدقات واجبہ کی رقم کا صرف کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، اسلئے جن لوگوں نے غسل خانہ، پیشاب خانہ وضو خانہ وغیرہ کی تعمیر میں زکوٰۃ صدقہ فطر کی رقم خرچ کی ہے، وہ شرعاً خائن ہیں، ان کے ذمہ لازم ہے کہ وہ مسجد کے فنڈ یا اہل محلّہ سے وصول کر کے زکوٰۃ وفطرہ کی خرچ شدہ رقم کو واپس کریں۔

لایجوز أن یبنیٰ بالزکاۃ المسجد اہ . (عالمگیری، الزکاۃ، الباب السابع فی المصارف، زکریا قدیم ۱/۱۸۸، جدید ۱/۲۵۰)

قال رحمہ اللّٰہ وبناء مسجد أي لایجوز أن یبني بالزکاۃ المسجد؛ لأن التملیک فیھا شرط ولم یوجد . (تبیین الحقائق، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۳۰۰، زکریا ۲/۱۲۰)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لاإباحۃ کمامر لایصرف إلیٰ بناء نحو مسجد . (شامی، الزکاۃ، باب المصرف، زکریا ۳/۲۹۱، کراچی

۲/ ۳٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشوال ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۲۴/۳۵)

روزہ کے فدیہ کی رقم مسجد یا مدرسہ میں لگانا

سوال: [۸۱۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھے مسجد بن رہی ہے، روزوں کا پیسہ مسجد میں لگادوں، یا مدرسہ میں کھانے کیلئے دیدوں؟

المستفتی: سیدہ بیگم، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزے کا فدیہ غریب مسکین، لوگوں کو دینا لازم ہے، مسجد میں دینا جائز نہیں ہے، اسی طرح مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں دینا بھی جائز نہیں ہے، البتہ مدرسہ کے غریب طلباء کو دینا جائز ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ (أي اعطاء ها) طَعَامُ مِسْكِيْنَ . (سورہ بقرہ آیت :۱۸۳، روح المعانی زکریا ۲/ ۸۷)

ومصرف الزكوٰة هو فقير وتحته فى الشامية: وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغيره ذلک من الصدقات الواجبة . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا ۳/ ۲۸۳، کراچی ۲/ ۳۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۵۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۸ھ

قربانی کی کھال کی قیمت مسجد میں لگانا

سوال: [۸۱۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر مسلمانان عالم جن جانوروں کی قربانی کرتے ہیں، ان کی چرم کا صحیح مصرف کیا ہے؟ آیا مسجد کی تعمیر میں اس چرم کو فروخت کرکے اس کا روپیہ لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل بیان فرمائیں؟

المستفتي: انتظار حسین، کھسیا کنڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: چرم قربانی کو بیچ کر رقم مسجد میں لگائی جائے تو یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ جب قربانی کی کھال بیچ دی گئی تو اب اس رقم کا صدقہ کرنا واجب ہے، مساجد وغیرہ میں صرف کرنا ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۹/ ۳۱۷، جدید زکریا ۱۰/ ۴۱، فتاویٰ محمودیہ جدید ۱۷/ ۴۶۰، ڈابھیل ۱۷/ ۴۶۰، امداد الفتاویٰ زکریا ۳/ ۵۶۶، کفایت المفتی ۸/ ۲۴۷، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۱۵۲، عزیز الفتاویٰ ۱/ ۱۳۷)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلىٰ بدله. (هدايه، كتاب الأضحية اشرفی ٤/ ٤٥٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۵ھ

زکوٰۃ، تیجہ، چالیسویں کی رقم مسجد میں لگانا

سوال: [۸۱۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی

رقم تیجہ چالیسویں کی رقم مسجد میں لگ سکتی ہے یانہیں؟

المستفتي:جسیر احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ کی رقم مسجد میں لگانا جائز نہیں :

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة لايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد الخ. (درمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ٣/ ٢٩١، كراچى ٢/ ٣٤٤، وهكذا فى التبيين زكريا ٢/ ١٢٠، امداديه ملتان ١/ ٣٠٠، هنديه زكريا قديم ١/ ١٨٨، جديد ١/ ٢٥٠)

اور تیجہ چالیسواں شریعت میں جائز ہی نہیں ہے، لہٰذا نہ تیجہ وغیرہ کی اجازت ہے اور نہ ہی اسکی رقم مسجد میں دینے کی اجازت ہے، یہ اہل ہنود کی رسم ہے، جو مسلمانوں میں بھی داخل ہوگئی ہے۔

ويكره اتخاذ الطعام فى اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع الخ. (شامى، الصلاة، باب صلوة الجنازة، مطلب فى كراهة الضيافة من الميت، زكريا ٣/ ١٤٨، كراچى ٢/ ٢٤٠، مرقاة، باب المعجزات، الفصل الثالث امداديه ملتان ١١/ ٢٢٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٦/ ٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۹/۱۱/۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۱/۱۲ھ

راستہ میں نل لگانے کیلئے دیئے گئے چندہ کو مسجد میں لگانا

سوال: [۸۱۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے چندہ برائے نل علی الطریق کیا اور اس میں مسلم غیر مسلم سب کا چندہ شامل تھا، چند دنوں تک نل رہا اس کے بعد فروخت کردیا گیا تو اس روپیہ کا کیا کیا جائے، کیا مسجد میں لگا سکتے ہیں یا

نہیں؟ مفصل جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد ابراہیم، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو چندہ عام لوگوں سے ان کے فائدہ کے پیش نظر نل لگانے کیلئے کیا گیا تھا، اب اس نل کے خراب ہوجانے کے بعد نل کو بیچ کر اس رقم سے دوسرا نل لگوادیا جائے، ہاں اگر دوسرا نل لگوانے کی کوئی شکل نہ بن سکے اور اہل چندہ موجود نہیں ہیں، تو مسجد میں لگا سکتے ہیں، اور ان کی موجودگی میں برضاء اہل چندہ مسجد میں لگا سکتے ہیں۔

والثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شئى أصلا أو لا يفى بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح الخ. (شامي، الوقف، مطلب فى استبدال الوقف وشروطه زكريا ٦/٥٨٣، ٥٨٤، كراچى ٤/٣٨٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤/١٩٦، الفقه الإسلامى وأدلته هدىٰ انٹر نیشنل دیوبند ۸/ ۲۱۹، دارالفکر ۱۰/ ۷۶۷۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱؍۳۵۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۱۴ھ

جبراً چندہ وصول کرنا

سوال: [۸۱۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بستی کے سردار نے دینی معاملات میں چندہ فکس کر رکھا ہے، کہ اتنا چندہ دینا ہی پڑے گا، اور زبردستی چندہ لینے کی کوشش بھی کرتے ہیں، عید قربان کے موقع پر بستی کے سردار اور ممبران نے اپنی طبیعت سے چرم قربانی کی رقم فکس کردی ہے، کہ ہر قربانی کرنیوالے کو اتنی رقم دینی ہوگی، اور نہیں دینے پر بستی کی طرف سے زبردست ایکشن بھی ہوگا، اب دریافت طلب

امر یہ ہے کہ ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اور ایسا کرنے والوں پر حکم شرع کیا عائد ہوتا ہے، کیا یہ ظلم نہیں ہے؟ مفصل بیان فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حصول ثواب کی غرض سے چندہ دینا باعث اجرو ثواب ہے، اور کسی سے زبردستی چندہ وصول کرنا یا بقرعید کے موقع پر قربانی کرنیوالے کے ذمہ کوئی متعینہ رقم لازم کرنا یہ سراسر ظلم وزیادتی ہے، جو کہ شرعاً کسی طرح جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَرَبِّهِمْ وَلَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ ـ (سورة البقرة: ۲۷۴)

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول اللّٰہ ﷺ ألا لاتظلموا، ألا لایحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه. (مشکوٰة شریف/ ۲۵۵، شعب الإیمان للبیهقی ، باب في قبض الید عن الأموال المحرمة ، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/۴۸۷، رقم: ۵۴۹۲، السنن الکبریٰ للبیهقی الغصب ، قبیل باب من غصب جاریة دارالفکر ۸/۵۰۶، رقم: ۱۱۷۴۰) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۴؍ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۶۵)

تعویذ کی اجرت مسجد میں لگانے کا حکم

سوال: [۸۱۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں بذات خود چراغی پر روحانی علاج کرتا ہوں اور مریضوں سے ہدیہ بطور کچھ لے لیتا ہوں، اور اس روپیہ کو میں مسجد یا مدرسہ میں امداد بطور دینا چاہتا ہوں، کیا یہ کام جائز ہے یا ناجائز اور اس روپیہ کو میں مسجد یا مدرسہ میں بطور امداد دے سکتا ہوں یا نہیں؟ تشفی بخش جواب

سے نوازیں ممنون ہوں گا؟

المستفتي: محمد ہارون ولد امیر حسن
پیلسہ جاگیر، قصبہ نور پور، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں جو چراغی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اس سے چراغ کے ذریعہ تعویذ گنڈہ کرنا مراد ہے؟ اگر یہی مراد ہے تو اس طرح چراغ اور اس کی روشنی کے ذریعہ تعویذ گنڈہ کا علاج کرنا کہیں سے ثابت نہیں ہے، اور جائز طریقہ سے جو تعویذ گنڈہ کا علاج کیا جاتا ہے، اس کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے۔

والرقى المجهولة والتى بغير العربية ومالا يعرف معناها فهذه مذمومة لاحتمال أن معناها كفر أو قريب منه أو مكروهة وأماالرقى بآيات القرآن وبالأذكار المعروفة فلانهى فيه . (شرح النووى على مسلم ، النسخة الهندية ۲/۲۱۹)

إنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب ولا يدرى ماهو ولعله يدخله سحر أوكفر أوغير ذلک ، وأما ماكان من القرآن أوشيئى من الدعوات فلا بأس به . (شامی، كتاب الحظر والإباحة زكريا ۹/۵۲۳، كراچی ۶/۳۶۳)

إن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب فيكره تلويث بيته بمالا يقبله .(شامی، الصلاة ، باب مايفسد الصلاة ، ومايكره فيها قبيل مطلب فی أفضل المساجد زكريا ۲/۴۳۱، کراچی ۱/۶۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۶۰/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۳ھ

۲۱/الفصل الحادی والعشرون: مسجد میں تعلیم

حدود مسجد میں بچوں کو تعلیم دینے کی شرعی حیثیت

سوال: [۸۱۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی حدود کے اندر مکاتب کی شکل میں چھوٹے بچے اور بچیوں کو تعلیم دینا شریعت کی رو سے کیسا ہے؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد مشرد، الہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے اندر مکتب قائم کرکے چھوٹے بچوں اور بچیوں کی قرآن کریم اور دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے، اور استاذ کی تنخواہ مسجد کے ذمہ دار یا مکتب کے ذمہ دار ادا کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں، اور جن بچوں کو پڑھایا جاتا ہے، ان بچوں سے فرداً فرداً فیس نہیں لی جاتی تو مسجد کے اندر اس طرح کے مکتب قائم کرکے تعلیم کا سلسلہ قائم کرنا بلاشبہ جائز و درست ہے، ہاں البتہ بچوں سے فرداً فرداً فیس لیکر کے مسجد میں تعلیم دینے کو بعض فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، اور یہاں ایسا نہیں ہے، اس میں فقہاء کی دونوں طرح کی عبارتوں کی تطبیق ہوگئی اور دیگر کتب فقہ میں جو دونوں طرح کی عبارتیں ہیں، اس کا بھی وہی مطلب ہے جو لکھا گیا ہے۔

فلا يجوز لأحد مطلقا أن يمنع مؤمنا من عبادة يأتي بها في المسجد لأن المسجد ما بنيٰ إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقرآة القرآن – حتى لو كان للمدرس موضع من المسجد يدرس فيه. (البحر الرائق، کتاب الصلوٰۃ، باب ما يفسد ومايكره فيها، زکریا ۲/ ٦٠، کوئٹہ ۲/ ۳٤)

وفي الخلاصة: تعليم الصبيان في المسجد لابأس به. (شامی، کتاب الخطر والإباحة، باب الاستبراء وغیرہ زکریا ۹/ ٦١٣، کراچی ٦/ ٤٢٨، الموسوعة

الفقهية الكويتية٣٧/٦ ٢٠،خلاصة الفتاوىٰ اشرفيه ١/٢٩٩)

جلس معلم أو وراق فى المسجد فإن كان يعلم أو يكتب بأجر يكره إلا لضرورة . (شامى، زكريا٩/ ٦١٣،كراچى ٦/٤٢٨)

معلم الصبيان بأجر لو جلس فيه لضرورة الحر لا بأس به وكذا التعليم إن بأجر كره إلا لضرورة . (بزازيه ، الفصل السادس والعشرون فى حكم المسجد جديد١/٥٥، وعلى هامش الهندية ٤/٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۱/۱۴۳۵ھ

مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا

سوال: [۱۷۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گاؤں میں ایک مسجد ہے اور اس میں امام صاحب گاؤں کے بچوں کو کلام پاک کی تعلیم دیتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد انصار، موضع سہالی بلاری، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد میں بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دینا درست ہے، جبکہ مسجد کے علاوہ کوئی جگہ نہ ہو البتہ مسجد کا احترام ملحوظ رہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۰/۳۰۰، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۲۰۶)

أما المعلم الذى يعلم الصبيان بأجر إذا جلس فى المسجد يعلم الصبيان بضرورة الحرأ وغيره لايكره . (عالمگيرى، الصلوٰة ، فصل كره غلق باب المسجد زكريا قديم ١/ ١١٠، جديد١/ ١٦٩)

لیکن بچے اتنے چھوٹے ہوں جو پاکی ناپاکی کی تمیز نہ کر سکتے ہوں اور پاخانہ پیشاب کرنے

کا خطرہ ہوتو ایسے بچوں کو مسجد میں بٹھا کر تعلیم نہیں دینی چاہئے کہ کہیں مسجد ملوث نہ ہوجائے۔

عن واثلة بن الاسقع، أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم، وشراء کم، وبیعکم، وخصوماتکم الحدیث: (سنن ابن ماجه، باب مایکره فی المساجد، النسخة الهندية/٥٤، دارالسلام رقم: ٧٥٠، المعجم الکبیر للطبرانی، داراحیاء التراث العربي ١٣٢/٨، رقم: ٧٦٠١، ١٧٣/٢٠، رقم: ٣٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴ / ۶۱۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵ / ۵ / ۱۴۲۰ھ

چھوٹے بچوں کو مسجد میں تعلیم دینا

سوال: [۸۱۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جو کہ ایک مدرسہ میں تنخواہ دار معلم ہے وہ اپنے بچوں کو مسجد میں بیٹھ کر پڑھاتا ہے، کل بچے بھی مسجد میں بیٹھتے ہیں، جن میں نابالغ چھوٹے بچے بھی ہیں، جو پاکی ناپاکی کو نہیں جانتے اور مدرسہ میں ان استاذ کی متعلقہ درسگاہ بھی ہے، اراکین مدرسہ کے کہنے پر اور اصرار پر بھی وہ اپنی درسگاہ میں نہیں پڑھاتے ایسی صورت حال میں مفصل ومدلل جواب مطلوب ہے، صورت مسئولہ میں مسجد میں بیٹھنا کیسا ہے، دوسرے ان استاذ کا یہ فعل کیسا ہے؟

المستفتی: احمد حسین، رکن مدرسہ عربیہ جامع العلوم شہر رامنگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب چھوٹے بچوں کے پڑھنے کیلئے باقاعدہ درسگاہ موجود ہے، اور ذمہ داران مدرسہ بھی درسگاہ ہی میں پڑھانے کا حکم کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں بلاضرورت اور مجبوری ایسے چھوٹے بچوں کو مسجد میں پڑھانا اور شور تماشہ کا سبب بننا احترام مسجد کے خلاف امور کا مرتکب ہونا ہے جو ناجائز اور ممنوع ہے۔

عن واثلة بن الاسقع، أن النبی صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم، مجانينكم، وشراء كم، وبيعكم، وخصوماتكم الحديث: (سنن ابن ماجه، باب مايكره فی المساجد، النسخة الهندية/٥٤، دارالسلام رقم: ٧٥٠، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١٣٢/٨، رقم: ٧٦٠١، ١٧٣/٢٠، رقم: ٣٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۷۲/۳۸)

مسجد میں مکتب قائم کرنا

سوال: [۸۱۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دیہات کی اکثر مسجدوں میں صحیح وقت پر اذان اور جماعت سے نماز پابندی سے نہیں ہو پاتی ہے، کیونکہ دیہات کے آدمی اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں تو کیا ایسی مسجدوں کے اندر مکاتب قائم کرنا کہ بچوں کی تعلیم بھی ہو اور وقت پر اذان ونماز بھی ہو تو یہ درست ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتي: اسرار الحق، کشن گنج، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد میں نماز باجماعت پابندی کے ساتھ قائم کی جائے، اس مقصد سے مسجد میں مکتب قائم کرنا جائز ہے، بشرطیکہ مسجد میں ایسے ناسمجھ بچوں کو نہ لایا جائے، جن کے مسجد میں پیشاب پائخانہ کردینے کا خطرہ ہو اور مسجد کے آداب واحترام کا پورا اہتمام رکھا جائے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴۵۶/۶)

عن واثلة بن الاسقع، أن النبی صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم، وشراء كم، وبيعكم، وخصوماتكم الحديث: (سنن ابن ماجه، باب ما يكره فی المساجد، النسخة

الهندية/٤ ٥، دار السلام رقم: ٧٥٠)

قوله لا لدرس وذكر لأنه مابني لذلك وإن جاز فيه الخ . (شامي، الصلوٰة ، باب مايفسد الصلاة ، وما يكره فيها ، مطلب فيمن سبقت يده إلىٰ مباح زكريا ٢/٤٣٧، كراچی ١/٦٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۰۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۱۹ھ

بچوں کو مسجد میں تنخواہ لیکر پڑھانا

سوال: [۸۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بچوں کو مکتب میں قرآن وغیرہ پڑھانے کیلئے مسجد سے الگ کوئی مستقل جگہ نہیں ہے، تو ایسی صورت میں تنخواہ لیکر مسجد میں بچوں کو مکتب قائم کرکے پڑھانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد برہان، مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تنخواہ دار شخص کیلئے مسجد میں بچوں کو مکتب قائم کر کے پڑھانا بلا کراہت جائز اور درست ہے جبکہ ان بچوں سے الگ سے کوئی فیس نہ لیتا ہو اس سلسلہ میں فقہاء کے دو طرح کے جزئیات دیکھنے میں آئیں گے، بعض وہ جزئیات ہیں، جن میں بظاہر ممانعت نظر آئیگی، ان جزئیات کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی دور حکومت میں مفتی، قاضی اور مدرس کو سرکاری بیت المال سے وظیفے کے طور پر تنخواہیں ملتی تھیں، پھر ایسے مدرسین مسجد میں بیٹھ کر ٹیوشن پڑھایا کرتے تھے، جن لڑکوں کو مسجد میں بیٹھ کر پڑھایا کرتے تھے، انہیں سے فیس بھی لیا کرتے تھے، اس طرح مسجد میں بیٹھکر ٹیوشن پڑھانا اور انہیں بچوں سے الگ سے فیس لینا آج بھی مکروہ اور ممنوع ہے، اور دوسری قسم کی جزئیات صاف الفاظ کے ساتھ بلا کراہت جواز کے حق میں ہیں، ان کا مطلب یہی ہے، کہ تنخواہ دار مدرس ان لڑکوں سے کسی قسم کی فیس نہ لیتا ہو،

یہی مطلب ہے حضرات فقہاء کے دونوں قسم کے جزئیات کا لٰہذا مساجد یا مدارس کے تنخواہ دار ملازم کیلئے مسجد میں مکتب پڑھانا بلا کراہت جائز اور درست ہے، جبکہ ان بچوں سے الگ سے کوئی فیس وغیرہ نہ لیتا ہو۔

ویکره أن يخيط في المسجد لأنه أعد للعبادة دون الإكتساب وكذا الوراق والفقية إذا كتب بأجرة أو المعلم إذا علم الصبيان بأجرة . (قاضيخان، كتاب الطهارة، فصل في المسجد زكريا جديد ١/٤٣، وعلى هامش الهندية ١/٦٥)

وتعليم الصبيان فيه بلا أجر وبالأجر يجوز. (بزازيه، كتاب الكراهية، الفصل الاول نوع في المسجد زكريا جديد٣/٢٠١، وعلى هامش الهنديه ٦/٣٥٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۴۹/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۳/۱۴۲۶ھ

مسجد میں اجرت لے کر بچوں کو قرآن پڑھانا

سوال: [۸۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کے اندر تعلیم قرآن کا سلسلہ چند ماہ سے چل رہا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) اس کا قیام مسجد کے اندر کیا گیا ہے، باہر کسی اور جگہ بالکل کوئی نظام نہیں ہے۔

(۲) اس کو فروغ دینے اور سنبھالنے کیلئے محلّہ والوں نے ایک مستند ومشاق قاری وعالم دین کو بٹھا رکھا ہے۔

(۳) پڑھنے والے طلبہ پر ماہانہ فیس مقرر کردی گئی ہے، اور یہ طلبہ بخوشی ادا کرتے ہیں، اور یہی درحقیقت معلم صاحب کی تنخواہ کا واحد ذریعہ ہے، چندہ وغیرہ کا کوئی سلسلہ نہیں رکھا گیا ہے، اب ہم آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں، کہ کیا یہ نظام شرعی نقطۂ نظر سے صحیح ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ مسجد کے اندر فیس لیکر تعلیم دینا جائز

نہیں ہے، لھذا آپ فیصلہ فرمادیں نیز یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں، کہ اگر کوئی شخص اس عمل میں دخل اندازی کر کے، نظام کو بند کرانا چاہتا ہے، بلاوجہ طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتا ہے، تو شرعاً اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: احقر محمد عرفان قاسمی،
واہل محلّہ ضیا خیل، ضلع: شاہجہانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس مسئلہ کے بارے میں کتب فقہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ مسجد میں بلاضرورت درس وتدریس کا کام کرنا مکروہ ہے اور ضرورت کی وجہ سے مسجد کے اندر درس دینے کی گنجائش ہے، فقہاء نے شدت گرمی کی علت جگہ جگہ لکھی ہے کہ گرمی سے بچنے کیلئے ضرورۃً مسجد میں درس دینا بلاکراہت جائز ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ اگر دینی تعلیم اور قرآن کریم کی تعلیم کیلئے کوئی جگہ ہی نہ ہو تو مجبوراً مسجد میں تعلیم دینا یہ بھی اہم ترین ایک ضرورت ہے، اور فتاویٰ بزازیہ میں ایک جگہ اجرت اور فیس لے کر کے درس دینے کو مکروہ لکھا ہے، اب دونوں قسم کی عبارات کے درمیان تطبیق اور موافقت کی بہتر شکل یہی معلوم ہوتی ہے، کہ جس طرح بغیر اجرت کے حسبۃً للہ مسجد کے اندر درس دینا بلاکراہت جائز ہے، اسی طرح تنخواہ دار معلم جو براہ راست بچوں سے فیس نہیں لیتے ان کے لئے بھی بچوں کو مسجد میں درس دینا بلاکراہت جائز ہے، اور بچوں سے فیس لے کر ٹیوشن پڑھانا مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے، لہٰذا مذکورہ مسئلہ میں مناسب شکل یہ ہے کہ جن بچوں کو پڑھایا جاتا ہے، دوسرے آدمی ان بچوں سے فیس وصول کرلیں پھر بچوں کو پڑھانے والے معلم کو ہر مہینہ تنخواہ کے طور پر دیا جائے تو کراہت بھی ختم ہوجائیگی، ایسی صورت میں فقہاء کی دونوں قسم کی عبارتوں کے درمیان کا تعارض بھی ختم ہوجاتا ہے، اب فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے۔

وتعليم الصبيان فيه بلاأجر و بالأجر يجوز. (بزازیہ، کتاب الکراهية،

الفصل الأول نوع فی المسجد زکریا جدید۳/ ۲۰۱، وعلی هامش الهندیة۶/۳۵۷)

معلم الصبیان بأجر لو جلس فیه لضرورة الحر لا بأس به وکذا التعلیم إن بأجر کره إلا للضرورة وإن حسبة لا . (بزازیه ،زکریاجدید۱/ ۵۵، وعلی هامش الهندیة ۴/ ۸۲)

أما الکاتب ومعلم الصبیان فإن کان بأجر یکره وإن کان حسبةً فقیل لایکره والوجه ماقاله إبن الهمام أنه یکره التعلیم إن لم یکن ضرورةً ؛ لأن نفس التعلیم ومراجعة الأطفال لایخلوعما یکره فی المسجد . (حلبی کبیر، اشرفیه / ۶۱۱، ۶۱۲)

ویکره أن یخیط فی المسجد لأنه أعد للعبادة دون الا کتساب کذا الوراق والفقیه إذا کتب بأجرة وأما المعلم إذا علم الصبیان بأجرة وإن فعلوا بغیر أجرة فلا بأس به . (خانیة ، کتاب الطهارة فصل فی المسجد زکریا جدید۱/ ۴۳، وعلی هامش الهندیة ۱/ ۶۵، ۶۶)

معلم جلس فی المسجد أو ورّاق کتب فی المسجد، فإن کان المعلم یعلم بالأجر والورّاق یکتب لغیره ،یکره لهما إلا أن یقع لهما الضرورة . (تاتار خانیة ،زکریا ۱۸/ ۶۶، رقم: ۲۸۴۷)

أما المعلم الذی یعلم الصبیان بأجر إذا جلس فی المسجد یعلم الصبیان لضرورة الحر أو غیره لایکره وفی نسخة الإمام جعل مسئلة المعلم کمسئلة الکاتب . (هندیة ، الصلاة، فصل کره غلق باب المسجد زکریا قدیم ۱/ ۱۱۰، جدید۱/ ۱۶۹)

ومعلم الصبیان القرآن کالکاتب إن کان لأجر لا وحسبة لا بأس به . (اعلاء السنن ۵/ ۱۳۳، دارالکتب العلمیة بیروت ۵/ ۱۷۹، الموسوعة الفقهیة ۳/ ۲۰۶، فتح القدیر کوئٹه ۱/ ۳۶۹، زکریا ۱/ ۴۳۵، دارالفکر ۱/ ۴۲۲، خلاصة الفتاویٰ اشرفیه ۱/ ۲۲۹، حلبی کبیر، مسهیل اکیڈمی لاهور/ ۶۱۲، حاشیة ابن ماجه

/ ٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱؍۱۱۵۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۷؍۱۴۳۵ھ

منجانب مسجد یا مدرسہ تنخواہ یافتہ معلم کیلئے بلا فیس مسجد میں تعلیم دینا

سوال: [۸۱۷٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا ادارہ دینیات جو کہ ممبئی سینٹر پر واقع ہے اس کی ماتحتی میں بفضلہٖ تعالیٰ تقریباً بیس ہزار مکاتب چل رہے ہیں، جو کہ امدادی وغیر امدادی مکاتب کا مجموعہ ہیں، ہماری پوری کوشش یہ رہتی ہے، کہ ہم ان مکاتب کو خود کفیل بنائیں کہ جس مقام پر جو مکتب واقع ہے ان کے ذمہ داران خود تعاون کر کے یا بچوں سے فیس وصول کر کے مکاتب چلائیں، جس سے اساتذہ کی تنخواہ اور دیگر ضروریات میں خرچ کیا جاوے؟

آپ سے سوال یہ عرض کرنا ہے، کہ اکثر مکاتب مساجد میں چلتے ہیں، کیونکہ مکاتب اور مساجد میں ایک جوڑ ہے اب سوال یہ ہے کہ مساجد میں مکاتب کی تعلیم ہو رہی ہے، اور مکاتب چلانے کیلئے اساتذہ کی تنخواہ کیلئے رقم کی ضرورت ہے تو اس ضرورت کو مساجد میں پڑھنے والے طلبہ سے فیس وصول کر کے پوری کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ اگر نہیں تو معقول اور مناسب طریقہ تجویز فرمائیں، تا کہ حدود شرع میں رہ کر یہ کار خیر انجام دیا جا سکے؟

المستفتي: ادارہ دینیات، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد میں منجانب مسجد یا منجانب مدرسہ یا منجانب انجمن یا کسی اور جانب سے تنخواہ یافتہ معلم کیلئے طلبہ سے فیس لئے بغیر تعلیم دینا بلا کراہت جائز ہے، لیکن جن طلبہ کو پڑھایا جا رہا ہے، انہی سے فیس لے کر مسجد میں درس دینا فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، اسلئے طلبہ سے فیس لیکر مساجد میں مکاتب چلانے سے گریز کرنا چاہئے۔

ولو جلس المعلم فی المسجد............ فان کان المعلم یعلم للحسبة فلا بأس به ، وإن کان بالأجرة یکره . (هندیه ، کتاب الکراهية ، الباب الخامس فی آداب المسجد...... زکریا قدیم ۳۲۱/۵ ، جدید۵/۳۷۱)

معلم الصبیان القرآن کالکاتب ، وإن کان لأجر یکره الخ. (فتح القدیر زکریا ۴۳۵/۱ ، کوئٹہ ۳۶۹/۱ ، دارالفکر ۴۲۲/۱)

یکره الصناعة فیه عن خیاطة وکتابة بأجر وتعلیم صبیان بأجر لابغیره. (الاشباه والنظائر کراچی ۵٦/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۲۳/۳۹)

با اجرت معلم کا مسجد میں درس دینا

سوال: [۸۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تنخواہ دار مدرس کو مسجد کے اندر پڑھانا ازروئے شرع کیسا ہے؟

المستفتي: عارف حسین ، اصالت پورہ ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد میں دینی تعلیم کا درس دینا مثلاً قرآن حدیث فقہ تفسیر کا درس دینا بلا تردد اور بلا کراہت جائز ہے اور جن فقہی جزئیات میں عدم جواز یا کراہت کی بات لکھی ہوئی ہے، ان جزئیات کا مدار اس بات پر ہے کہ مسجد کے اندر طلبہ سے فیس لے کر ٹیوشن کے طور پر پڑھانا جائز نہیں ہے، اور جن طلبہ کو پڑھایا جارہا ہے ان سے کچھ لئے بغیر درس دیا جائے ، تو اس کے جواز میں کوئی تردد نہیں ہے، دارالعلوم دیوبند کا آغاز چھتہ مسجد کی تعلیم سے ہوا ہے، اور مرکز نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں تعلیمی سلسلہ کے ذریعہ سے مدرسہ کاشف العلوم مرکز نظام الدین قائم ہوا ہے،

اس کے بعد وہاں سے تبلیغی دعوت کا سلسلہ بھی شروع ہوا ہے اسی طرح سینکڑوں کی تعداد میں تاریخی مدارس کی ابتداء مساجد ہی سے ہونا ثابت ہے اور ان مدارس میں طلبہ سے فیس لے کر نہیں پڑھایا جاتا۔

وتعليم الصبيان فيه بلا أجر وبالأجر يجوز. (بزازيه، كتاب الكراهية، الفصل الاول نوع فى المسجد،زكريا جديد۳/ ۲۰۱، وعلى هامش الهندية ٦/ ۳۵۷)

يجوز الدرس فى المسجد وإن كان فيه استعمال اللبود، والبوارى المسبلة لأجل المسجد. (البحرالرائق، كوئٹه٥/ ۲۵۰، زكريا ٥/ ٤١٩، هنديه زكرياجديد ٥/ ۳۷۰، قديم ٥/ ۳۲۰)

لأن المساجد مابنىٰ إلا لها (للعبادة) من صلوٰة واعتكاف وذكر شرعى وتعليم علم، وتعلمه وقراءة القرآن. (البحرالرائق، كوئٹه ۲/ ۳٤، زكريا ديوبند۲/ ٦۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۱۱/ ۱۴۳۲ھ

مسجد میں اجرت لیکر تعلیم دینا

سوال: [۸۱۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ جامع الہدیٰ میں ایک بڑی مسجد ہے جس کی ایک منزل مکمل ہوچکی ہے، اور دوسری منزل کی تعمیر جاری ہے، مہتمم مدرسہ کا آئندہ وقت میں مسجد کی دونوں منزلوں یا دوسری منزل میں حفظ قرآن اور عربی تعلیم شروع کرنے کا ارادہ ہے، یہ بھی واضح رہے کہ مدرسہ کی عمارت وسیع ہے اور حفظ قرآن اور عربی درجات اس میں جاری ہیں، صاحب احسن الفتاویٰ نے لکھا ہے، کہ تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں پڑھانا جائز نہیں ہے، کیا اس مسئلہ کا مدار تنخواہ دار ہونے پر ہے، اگر ایسا ہے تو اس زمانہ میں غیر تنخواہ دار مدرس کا ملنا ایک مشکل مسئلہ ہے، فتاویٰ رحیمیہ میں

چھوٹے بچوں کیلئے ناجائز اور بڑے بچوں کیلئے بدرجہ مجبوری کچھ مخصوص وقت کیلئے جائز ہے، اسی طرح فتاویٰ دارالعلوم میں جائز لکھا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مسجد کی پہلی منزل یا دوسری یا تیسری یا دوچھتی میں حفظ قرآن یا عربی درجات لگاسکتے ہیں نیز جواب میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کیا اس مسئلہ میں تنخواہ دار اور غیر تنخواہ دار کا کوئی فرق ہے، اسی طرح چھوٹے یا بڑے بچوں کا اور حفظ اور عربی تعلیم کا کوئی فرق ہے؟

المستفتي: مفتی اشرف، جامع الہدیٰ، کھاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے اندر اجرت لیکر دینی کتابوں کی تعلیم وتدریس کا فقہاء کی بعض عبارات سے مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ویکره أن یخیط في المسجد لأنه أعد للعبادة دون الاکتساب وکذا الوراق والفقیه إذا اکتب بأجرة أو المعلم إذا علم الصبیان بأجرة . (قاضیخان ، کتاب الطهارة ، فصل في المسجد ، زکریا جدید ۱/ ۴۳، وعلی هامش الهندیة ۱/ ۶۵)

اور بعض عبارات سے اجرت کیساتھ تعلیم وتدریس بلا کراہت جائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔

وتعلیم الصبیان فیه بلا أجرة وبالأجر یجوز . (بزازیه ، الکراهیة ، الفصل الأول نوع في المسجد ، زکریا جدید۳/ ۲۰۱، وعلی هامش الهندیة۶/ ۳۵۷)

اب فقہاء کی ان متعارض عبارتوں کے درمیان تطبیق اور موافقت کی صورت یہ ہے کہ جن عبارتوں میں کراہت یا عدم جواز لکھا گیا ہے، یہ اس زمانہ کی بات ہے، جس میں مفتی، قاضی، فقیہ، مدرس وغیرہ کو منجانب حکومت تنخواہ دی جاتی تھی، اور پھر الگ سے اجرت لیکر ٹیوشن پڑھانا مکروہ ہے، اور یہ حکم آج بھی ہے، اور جن عبارتوں سے جواز کا ثبوت ہوتا ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ تنخواہ دار مدرس جس مدرسہ کا مدرس ہے اسی مدرسہ کے طلباء کو مسجد کے اندر درس دیدے تو یہ بلا کراہت جائز ہے، اسلئے کہ اس مدرس کو منجانب

مدرسہ تنخواہ ملتی ہے اور جن طلباء کو پڑھایا جاتا ہے، ان کی طرف سے الگ سے کوئی اجرت نہیں ملتی ہے، اسلئے مدارس کے مدرسین کیلئے مدارس کے طلباء کو مسجد کے اندر درس دینا بلاکراہت وبلاتردد جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رشوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۷)

مسجد میں اجرت لیکر پڑھانا

سوال: [۸۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں تدریسی خدمت انجام دینا کیسا ہے؟ اور اس کی اجرت کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: ساجد انور، سیتامڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے اندر تنخواہ دار ملازم کیلئے ہوشیار بچوں کو دینی تعلیم کا درس دینا بلاکراہت جائز ہے، جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ ہو۔

وتعليم الصبيان فيه بلا أجر وبالأجر يجوز . (فتاویٰ بزازیہ ، کتاب الكراهية، الفصل الاول نوع في المسجد ، زكريا جديد ۳/ ۲۰۱، وعلى هامش الهندية ۶/ ۳۵۷)

اور فقہ کے بعض دوسرے جزئیات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے، کہ اجرت لیکر مسجد میں درس دینا ممنوع اور مکروہ ہے، ان عبارات اور جزئیات کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر ٹیوشن پڑھایا جائے، کہ جن طلباء کو پڑھایا جائے ان طلباء سے فیس لی جائے ، اور حکومت اسلامی کے شروع دور میں منجانب حکومت مدرس قاضی مفتی کیلئے تنخواہیں مقرر تھیں، اور تنخواہ ہونے کے ساتھ الگ سے اجرت لیکر مسجد میں درس دینے کو مکروہ اور ممنوع قرار دیا گیا تھا، لہٰذا اگر منجانب حکومت تنخواہ پانے والا مدرس یا منجانب مدرسہ تنخواہ پانے والا مدرس مسجد میں درس دیتا ہے، اور طلباء سے الگ سے فیس اور اجرت نہیں لیتا ہے ، بلکہ منجانب حکومت

یا منجانب مدرسہ جو تنخواہ ملتی ہے، اسی پر اکتفاء کرتا ہے، تو ایسی صورت میں مسجد میں بیٹھکر دینی تعلیم دلانا بلا کراہت جائز اور درست ہے، فقہ کی دونوں قسموں کی عبارتوں کا مطلب یہی ہے، اس سے دونوں کے درمیان مطابقت اور موافقت ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶ ۳/۸۰۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۴/۱۴۲۴ھ

تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں تعلیم دینا

سوال: [۸۱۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا تنخواہ دار مدرس مسجد میں تعلیم وتدریس کا کام انجام دے سکتا ہے، اگر دے سکتا ہے، تو اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا، جس میں بعض فقہاء کرام نے مساجد میں تعلیم بالاجر کو ناجائز لکھا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: بندہ محمد شفیق قاسمی، خادم التدریس:
مدرسہ بیت العلوم، سرائے میر، اعظم گڑھ، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس بارے میں فقہاء کی دو قسم کی عبارتیں موجود ہیں، (۱) وہ عبارات جن میں اس بات کی وضاحت ہے، کہ اجرت لیکر مسجد میں درس دینا جائز نہیں ہے، اور بلا اجرت کے درس دینا جائز ہے، نیز اس کی بھی فقہاء نے وضاحت کی ہے، کہ اتنے چھوٹے بچوں کی تعلیم مسجد میں نہیں ہونی چاہئے، جن سے پائخانہ وپیشاب کا خطرہ ہے، اسی طرح مجنون پاگل کو مسجد میں داخل کرنے سے گریز کرنے کی وضاحت کی ہے تاکہ مسجد کا احترام باقی رہے، اور قرآن وحدیث او رفقہ کی تعلیم احترام مسجد کیخلاف نہیں ہے، جیسا کہ بحر کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

وكذا التأديب فيه أي لايجوز التأديب فيه إذا كان بأجر وينبغي أن

یجوز بغیر أجروأ ما الصبیان فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم . (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد کوئٹہ ۵/ ۲۵۰، زکریا ۵/۴۱۹)

(۲) دوسری قسم کی عبارات وہ ہیں، جن میں مطلقاً اس بات کی صراحت موجود ہے، کہ اجرت اور بلا اجرت دونوں صورتوں میں مسجد میں درس دینا جائز ہے، بشرطیکہ احترام مسجد کا خیال رکھا جائے، جیسا کہ حسب ذیل عبارات سے واضح ہے۔

لایجعل شیئی من الطریق مسجداً ولا شیئی من المسجدطریقا للعامۃ وتعلیم الصبیان فیہ بلا أجر وبالأجر یجوز . (بزازیہ علی ہامش الھندیہ ٦/ ٣٥٧، جدید ٣/ ٢٠١)

اب دونوں قسم کی عبارتوں کے درمیان تطبیق اورموفقت کی شکل یہی ہے کہ حضرات فقہاء کے زمانہ میں قاضی مفتی اور مدرس کے وظائف منجانب حکومت مقرر ہوا کرتے تھے، پھر مسجد کے اندر بچوں سے الگ اجرت لیکر ٹیوشن کے طور پر جولوگ درس دیا کرتے تھے، تو ان کے لئے یہ مسئلہ لکھدیا کہ انہی بچوں سے اجرت لے کر ٹیوشن کے طور پر پڑھانا ممنوع ہے، آج بھی یہی حکم ہے، کہ کوئی عالم باتنخواہ ہو یا بے تنخواہ مسجد میں بیٹھ کر ٹیوشن پڑھائے گا تو اسکی اجازت نہیں ہوگی، جیسا کہ فقہاء کی ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے، جن میں اجرت لیکر مسجد میں تعلیم دینے کی ممانعت ہے، لیکن اگر کوئی عالم کسی مدرسہ کا باتنخواہ مدرس ہے، اور اس مدرسہ کے طلبہ کو مسجد میں درس دیتا ہے، اور منجانب مدرسہ جو تنخواہ ملتی ہے، اسکے علاوہ طلبہ سے الگ سے پڑھانے کی اجرت نہیں لیتا ہے، تو بلاشبہ جائز و درست ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے ساتھ میں اس طرح کی عبارات بھی وضاحت کیساتھ لکھی ہیں، کہ اگر بغیر اجرت مسجد میں پڑھاتا ہے تو جائز ہے یعنی ان بچوں سے کوئی اجرت نہیں لی جاتی ہے، جن کو مسجد میں پڑھایا جاتا ہے، اور صدیوں سے اکابر ومشائخ نے مسجد میں جو درس دیا ہے، یا مسجد سے جو درس حاصل کیا ہے وہ اسی طریقہ سے تھا اور آج بھی بہت سے بڑے بڑے مدارس میں

یہی سلسلہ جاری ہے، کہ مدارس کے باتنخواہ مدرسین مسجد کے اندر منجانب مدرسہ درس دیا کرتے ہیں، مگر بچوں سے کچھ نہیں لیتے، تو حاصل یہ نکلا کہ مسجد میں اجرت لیکر ٹیوشن پڑھانا جائز نہیں ہے، اور بچوں سے اجرت لئے بغیر تنخواہ دار یا بے تنخواہ علماء کیلئے احترام مسجد کا خیال رکھتے ہوئے، درس دینا بلاتردد جائز ہے، جیسا کہ بزازیہ کی عبارت اوپر گذرچکی ہے، اور ذیل کی اس طرح کی عبارات سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔

فلایجوز لأحد مطلقاً أن یمنع مؤمنا من عبادة یأتی بها فی المسجد لأن المسجد مابنیٰ إلا لها من صلاة واعتکاف وذکر شرعی وتعلیم علم وتعلمه وقراءة قرآن الخ. (البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة، ومایکره فیها زکریا ۲/ ٦٠، کوئٹه ۲/ ۳٤)

یجوز الدرس في المسجد وإن کان فیه استعمال اللبود والبواری المسبلة لأجل المسجد. (البحرالرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد، کوئٹه ٥/ ۲٥٠، زکریا ٥/ ٤١٩، هندیه زکریا قدیم ٥/ ۳۲٠، جدید ٥/ ۳٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۰۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۱۵ھ

مسجد میں اجرت لے کر تعلیم دینے کا حکم

سوال: [۸۱۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندۂ ناچیز ایک فتویٰ کا طالب ہے، جو مندرجہ ذیل عبارتوں میں درج ہے، ایک مسجد ہے جس میں اہل محلّہ کے بچے بحیثیت مدرسہ وقت مقررہ کے مطابق حصول علم دین کیلئے بھی آتے ہیں، جن کو مسجد ہذا کے امام صاحب تعلیم دیتے ہیں، اور ان کی فیس مسجد کے متولی صاحب کے پاس جمع ہوتی ہے، اور اہل محلّہ کے چند افراد ایسے بھی ہیں جو اپنے اپنے بچوں کو خصوصی تعلیم کے

لئے اوراسکولی بچے وقت پرمدرسہ نہ پہونچ پانے کی بناء پربغیر وقت مدرسہ دریں مسجد روانہ کرتے ہیں، اور امام صاحب مسجد ہذا میں بٹھا کرتعلیم دیتے ہیں، اوران کے پیچھے لگائے ہوئے وقت کا اجر (فیس) بھی لیتے ہیں،تو کیاامام صاحب کیلئے یہ جائز ہے کہ مسجد میں بیٹھا کردرس دینے کے بعداپنے بتائے ہوئے وقت کا اجر (فیس) لیں؟

المستفتي: شمس الحق، انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے اندر اجرت لیکرتعلیم وتدریس کے جواز وعدم جواز سے متعلق دونوں قول فقہاء سے منقول ہیں،مگرراجح قول یہی ہے کہ بلا کراہت جائز ہے،جبکہ بچوں کے مسجد میں پیشاب و پاخانہ کا خطرہ نہ ہو۔

وتعليم الصبيان فيه بلا أجر وبالأجر يجوز. (بزازيه، كتاب الكراهية، الفصل الاول نوع في المسجد، زكريا جديد۳/۲۰۱، وعلى هامش الهندية ٦/٣٥٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۱۶ھ

معلم مدرسہ کا مسجد میں درس وتدریس کا حکم

سوال: [۸۱۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک معلم جو مدرسہ میں درس وتدریس کا کام انجام دے رہا ہے، اور مدرسہ میں درسگاہ بھی موجود ہے، جس میں درس کا کام انجام نہیں دیتا، بلکہ روزانہ مسجد میں پڑھاتا ہے اور یہی مشغلہ ہے جبکہ تنخواہ مدرسہ سے لیتا ہے،تو کیا ایسی صورت میں وہ معلم مسجد میں درس دے سکتا ہے، یا نہیں،از روئے شرع تشفی بخش جواب مطلوب ہے؟

(۲) دوسرا مسئلہ غور طلب یہ ہے کہ اگر مدرسہ کی کمیٹی اس معلم کو مسجد میں پڑھانے کی

اجازت دیتی ہے،تو کیا وہ پڑھا سکتا ہے، یانہیں؟ اگر اجازت نہ دی گئی تو ایسی صورت میں کیا جواز ہوگا،قرآن وحدیث کے زیر اثر جواب دیں؟

المستفتي: احمد علی، آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) مسجد کے اندر اجرت لیکر دینی کتابوں کی تعلیم وتدریس کے بارے میں فقہاء کی بعض عبارات سے مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ویکرہ أن یخیط فی المسجد لأنه أعد للعبادة دون الاکتساب ، وکذا الوراق ، والفقیه إذا کتب بأجرة أو المعلم إذا علم الصبیان بأجرة . (قاضیخان، کتاب الطهارة ، فصل فی المسجد ،زکریا جدید۱/ ۴۳، وعلی هامش الهندیة ۱/ ۶۵)

اور بعض عبارات سے اجرت کے ساتھ تعلیم وتدریس کا بلا کراہت جائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔

وتعلیم الصبیان فیه بلا أجر وبالأجر یجوز . (فتاویٰ بزازیہ ، کتاب الکراهیة، الفصل الاول نوع فی المسجد ، زکریا جدید۳/ ۲۰۱، وعلی هامش الهندیة ۶/ ۳۵۷)

اب فقہاء کی ان متعارض عبارتوں کے درمیان تطبیق اورموافقت کی صورت یہ ہے کہ جن عبارتوں میں کراہت یاعدم جواز لکھا گیاہے، یہ اس زمانہ کی بات ہے، جسمیں مفتی، قاضی،فقیہ ،مدرس وغیرہ کومنجانب حکومت تنخواہ دی جاتی تھی، اورپھر الگ سے اجرت لے کر مسجد میں تعلیم دیا کرتے تھے یعنی مسجد کے اندر تنخواہ دار ملازم کے لیے الگ سے اجرت لے کر ٹیوشن پڑھانا مکروہ تھا، اور یہ حکم آج بھی ہے، اور جن عبارتوں سے جواز کا ثبوت ہوتا ہے،ان کا مطلب یہ ہے کہ تنخواہ دار مدرس جس مدرسہ کا مدرس ہے اسی مدرسہ کے طلباء کو مسجد کے اندر درس دیدے تو یہ بلا کراہت جائز ہے، اسلئے کہ اس مدرس کومنجانب مدرسہ تنخواہ ملتی ہےاور جن طلباء کو پڑھایا جاتا ہے، ان کی طرف سے الگ سے کوئی اجرت نہیں ملتی ہے، اسلئے مدارس کے مدرسین کیلئے مدارس کے طلباء کومسجد کے اندر درس دینابلا کراہت و بلا تردد

جائز ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۷/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۲۰ھ

۲۲/ الفصل الثانی والعشرون: مسجد کے مائک سے اعلان

مسجد کے مائک سے اعلانات کرنا

سوال: [۸۱۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مسجد میں عام چندہ سے تقریباً بیس سال پہلے لاؤڈ اسپیکر (مائک) جو کہ مسجد سے متصل جامع مسجد کے حجرہ میں رکھا ہوا ہے، اسمیں اذان کے علاوہ ہر قسم کے اعلانات ہوتے ہیں، مثلاً خرید وفروخت کی چیز کے گم ہوجانے ہر قسم کے میلے نماز جنازہ، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں میلاد کا مسجد یا مدرسہ کیلئے کوئی شخص چندہ دے اسکا اور اسی طرح چوٹی سہرا ختنہ وغیرہ کا اور جو بھی آمدنی اعلان کے ذریعہ ہوتی ہے، وہ مسجد میں لگتی ہے، یہ تمام اعلانات مسجد کے مائک سے کیسے ہیں؟

المستفتی: محمد ابصار، امام جامع مسجد حسن پور، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کے مائک سے مسجد کے اندر جملہ اعلانات جائز نہیں، ہاں البتہ مائک مسجد سے باہر ہو تو اجرت لیکر اسکی گنجائش ہے۔

وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلک إلیٰ امام المسجد أو إلیٰ مؤذن المسجد فليس له ذلک إلا إن كان الواقف شرط ذلک . (هنديه، الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الثانى فى الوقف على المسجد الخ، زكرياقديم ٢/٤٦٣، جديد٢/٤١٣، المحيط البرهانى، المجلس العلمى بيروت ١٣٧/٩، رقم:

۱۱۳۸۱، تاتار خانية ، زكريا ۸/ ۱۷۵، رقم: ۱۱۵۵٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/صفر ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۲/۲۳ھ

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کرنا

سوال: [۸۱۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں ایک مسجد ہے، اور اس میں اذان لاؤڈ اسپیکر سے ہوتی ہے، اور لاؤڈ اسپیکر حجرہ کے اندر رکھا ہوا ہے، اور حجرہ مسجد سے ملا ہوا ہے، البتہ حجرہ خارج مسجد ہے، تو کیا اسمیں کوئی دنیاوی اعلان کر سکتے ہیں، مثلاً راشن کارڈ والا اعلان لگوائے، کہ تیل چینی لے لو یا جو دوائی بچوں کو پولیو والی سرکار کی طرف سے پلائی جاتی ہے، وہ لوگ اعلان لگواتے ہیں، یا اس کے علاوہ اور کوئی آدمی کوئی چیز فروخت کرنیوالا گاؤں کے اندر جاتا ہے جیسے ریڈی اور کپڑا جوتے وغیرہ اور اس اعلان کی اجرت مسجد کو دیتا ہے، تو کیا اس طرح اعلان حجرہ میں کر سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح اجرت اور کرایہ دیکر مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کرنا جائز ہے، بلا اجرت جائز نہیں ہے۔

ثم السراج والبساط كذلك إلىٰ آخر المصالح ،هذا إذا لم يكن معيناً ، فإن كان الوقف معينا علىٰ شيئى يصرف إليه بعد عمارة البناء .

(شامی، كتاب الوقف ، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو اقرب إليها كراچى ٤/ ٣٦٧، زكريا ٦/ ٥٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/شوال ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۳۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۰/۱۷ھ

مسجد کے مائک سے مختلف اعلان کرنا

سوال: [۸۱۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے عام طور پر اس طرح اعلانات کئے جاتے ہیں، (۱) جیسے ایک ضروری اعلان سن لیجئے ط بعد نماز .... فلاں شخص کے مکان پر ایک زنانہ اجتماع ہے، سبھی مستورات سے گذارش ہے کہ............ وغیرہ؟

(۲) ایک ضروری اعلان سن لیجئے فلاں بن فلاں کا انتقال ہوگیا ہے، مرحوم کی نماز جنازہ مسجد............ میں بعد نماز .... ہوگی، اور تدفین عیدگاہ کے قبرستان میں ہوگی؟

(۳) ایک ضروری اعلان سن لیجئے فلاں شخص کا جنازہ ان کے گھر پر آ گیا ہے، جن صاحب کو صورت دیکھنی ہو وہ آ کر دیکھ لیں؟

(۴) گمشدہ بچے یا کسی چیز کی گمشدگی کا اعلان .... وغیرہ؟

کیا ایسے اعلانات کیلئے مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جا سکتا ہے؟

المستفتي: طاہر نواز ولد سبط حسن،
محلّہ: اصالت پورہ، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کا مائک مسجد کی ضروریات کے علاوہ دیگر کاموں میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، سوالنامہ میں جن امور کے اعلان کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہیں، کہ مسجد کی طرف سے اعلانات کی فیس متعین کر دی جائے، اور فیس ادا کر کے اعلان کرنے کی گنجائش ہے، البتہ سوالنامہ میں کچھ چیزیں ایسی بھی ذکر کی گئیں ہیں، جن کا اعلان نامناسب ہے مثلاً میت کی صورت دیکھنے کا اعلان۔ (مستفاد: محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۸، فتاویٰ رحیمیہ جدید، زکریا ۹/۱۱۲)

ثم السراج والبساط كذلك إلىٰ آخر المصالح، هذا إذا لم يكن

معیناً، فإن كان الوقف معينا علىٰ شيئى يصرف إليه بعد عمارة البناء . (شامی، كتاب الوقف ، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو اقرب إليها كراچی ٤/ ٣٦٧، زكريا ٦/ ٥٦٠)

وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلىٰ امام المسجد أو إلىٰ مؤذن المسجد فليس له ذلك إلا إذا كان الواقف شرط ذلك . (تاتار خانية زكريا ٨/ ١٧٥، رقم: ١١٥٥٤، المحيط البرهاني ، المجلس العلمي بيروت٩/ ١٣٧، رقم: ١١٣٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۱۲ھ

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے مختلف قسم کے اعلان کا حکم

سوال: [۸۱۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) عام طور پر مساجد کے لاؤڈ اسپیکروں سے بلا تکلف ہر قسم کے اعلانات کئے جاتے ہیں، خصوصاً دیہات اور قصبات کی مساجد کے لاؤڈ اسپیکروں سے تو بہت ہی معمولی معمولی چیزوں کے اعلانات بڑے ہی مضحکہ خیز انداز میں کئے جاتے ہیں، اس قسم کے اعلانات مساجد اور مساجد کے لاؤڈ اسپیکر سے کرنا ازروئے شرع کیسا ہے، درست ہے یا نہیں؟

(۲) مسجد میں اپنے لئے سوال کرنا یا کسی دینی کام کیلئے چندہ کا اعلان کرنا اسی طرح مساجد کے لاؤڈ اسپیکر کو اس کام کیلئے استعمال کرنا، مساجد میں یا مساجد کے لاؤڈ اسپیکروں سے گمشدہ چیزوں کے اعلانات کرنا اسی طرح ماہ رمضان المبارک میں سحری کے وقت مساجد کے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ وقت کا اعلان کرنا یا تلاوت نعت وغیرہ پڑھنا یا ان کی کیسٹ چلانا درست ہے، یا نہیں؟

المستفتي: عبدالستار، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگرلاؤڈ اسپیکر مسجد کے چندہ اوراسکی آمدنی سے خرید کرلگایا گیاہے، تو اس کو اذان ونماز کے علاوہ کسی اورکام میں استعمال کرنا جائزنہیں ہے، ہاں البتہ اگراعلانات کی اجرت مسجد کوملتی ہو، تو اجرت دیکر اعلان کی گنجائش ہے۔ (مستفاد، فتاویٰ رحیمیہ قدیم۹/ ۲۴۸، جدید زکریا۹/ ۱۴۳، فتاویٰ محمودیہ قدیم۶/ ۱۶۰، جدید ڈابھیل۱۵/ ۳۷)

المسجد المحتاج إلیٰ النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ماينفق عليه.

(تقریرات رافعی مع الشامی، کراچی ٤/ ۸۰، زکریا٦/ ۸۰)

اوراس میں یہ بھی شرط ہے، کہ لاؤڈ اسپیکر مسجد کی حدود سے باہر کمرہ وغیرہ میں رکھا ہواہو، اوراگر اندورن مسجد ہوتو اجرت لیکر بھی اعلان کی گنجائش نہیں ہے۔ (مسائل امامت/ ۳۷۵)

فإن المساجد لم تبن لهذا دليل علی كراهة كل فعل لم تبن المساجد له فيه. (اعلاء السنن، دارالکتب العلمية بيروت ٥/ ١٧٥)

لم تبن (المساجد) لهذا أی لنشر الضالة ونحوه بل لذكر الله تعالیٰ وتلاوة القرآن والوعظ. (مرقاة باب المساجد، امدادیه ملتان ٢/ ١٩٩)

(۲) عام حالات میں اپنی ذات کیلئے یاکسی دینی کام کیلئے مسجد میں سوال کرناممنوع ہے، اوراس کالاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس سے مسجد میں شوروغل ہوگا، نمازیوں کوخلل اورمسجد کی بے حرمتی ہوگی، البتہ اگرکسی خاص حالت میں امداد اورتعاون کی ضرورت پیش آئے، اورمسجد میں شورشرابے کااندیشہ نہ ہو نیز نمازیوں کوبھی کوئی خلل واقع نہ ہوتو اسکی گنجائش ہے۔

والمختار أن السائل إن كان لايمر بين يدی المصلی ولا يتخطی الرقاب ولا يسأل إلحافاً بل لأمر لابد منه فلا بأس بالسوال والإعطاء. (شامی، باب الجهة مطلب فی الصدقة علیٰ السوال المسجد کراچی ٢/ ١٦٤، زکریا ٣/ ٤٢)

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے صرف سحری کے وقت کا اعلان کرنا جائز ہے، اسکے علاوہ

گمشدہ چیزوں کا علان، نعت خوانی تلاوت یا اسکی کیسٹ وغیرہ لگانا سب مکروہ ہے۔

وتصان عن البيع والشراء وانشاد الأشعار وإقامة الحدود ونشدان الضالة. (حلبی، فصل فی أحكام المسجد اشرفيه ديو بند/ ٦١٠)

لا يقرأ جهراً عند المشتغلين بالاعمال. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الرابع زكريا قديم ٥/ ٣١٦، جديد٥/ ٣٦٥، معارف القرآن ٤/ ١٦٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۶/ ۱۴۱۹ھ

مسجد کے مائک سے بالعوض اعلان کرنا

سوال: [۸۱۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے مائک سے دنیاوی اعلان ہوتا ہے، مثلاً سبزی کپڑا گنا ودیگر چیزوں کی فروختگی کا تو کیا اس طرح اعلان جائز ہے، اور اس اعلان کے عوض جو پیسے ملتے ہیں، ان کو مسجد کی تعمیر ودیگر اخراجات میں لگانا کیسا ہے؟ اور اگر مائک مسجد میں نہیں بلکہ دوسری جگہ پر ہے، مثلاً مائک مسجد کے کمرہ میں ہے، اور اس کا ہارن مسجد کی چہار دیواری کے اندر یا اس کے باہر ہے، تو کیا اس طرح سے جو اعلان کیا جاتا ہے، کیسا ہے، اور اس اعلان کا پیسہ مسجد کے اخراجات میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں اس کی وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد یاسین، چمپارنی، گرام مغلپور، راجو پور، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے مائک سے دنیاوی اعلانات نہیں کرنے

چاہئیں اسلئے کہ مائک مسجد میں اذان وغیرہ دینی کام کیلئے لگایا جاتا ہے، اعلانات کیلئے نہیں۔

شرط الواقف كنص الشارع الخ. (درمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، كراچی ٤/٤٣٣، زكريا ٦/٦٤٩)

اور مائک سے اعلان کے عوض اگر پیسے مل چکے ہیں تو مسجد کی تعمیر ودیگر اخراجات میں لگانا درست ہے، آئندہ احتراز کیا جائے۔

الفاسد من العقود ما كان مشروعاً بأصله دون وصفه ...... وحكم الأول وهو الفاسد وجوب أجر المثل بالاستعمال. (درمختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة كراچی ٦/٤٥، زكريا ٩/٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۳/۴/۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۱۱)	۱۳/۴/۱۴۲۰ھ

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کر کے اجرت لینا

سوال: [۸۱۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے یہ اعلان کرنا کہ فلاں جگہ قرآن خوانی ہے سبھی لوگ پہونچیں یا یہ کہ فلاں وقت جنازہ کی نماز ہوگی یا یہ کہ فلاں چیز کھوگئی ہے، جسے ملے فلاں جگہ پہونچادے یا دیگر اعلانات کرنا اوراس اعلان کے روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: مشکور احمد، سہا راوالا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لاؤڈ اسپیکر مسجد کے جماعت خانہ سے الگ اور اس کی حدود سے باہر ہے، تو اجرت لیکر اعلان کرنا اوراس رقم کو مسجد کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ ذمہ داران مسجد کی اجازت اور مسجد کا مفاد پیش نظر نہ ہو۔ (مستفاد:

امدادالفتاویٰ ۲/ ٦٢٧)

المسجد المحتاج إليٰ النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ماينفق عليه . (تقريرات رافعي مع الشامي، كتاب الوقف، كراچی ٤/ ٨٠، زكريا ٦/ ٨٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱۲/ ۱۴۱۴ھ

مسجد سے الگ مائک سے اعلان کرانے کا کرایہ لینا

سوال: [۸۱۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ بالخصوص دیہات میں مساجد کے ذرائع آمدنی نہ ہونے کے درجہ میں ہیں، جس کی وجہ سے مؤذن کا انتظام تک نہیں ہو پاتا ائمہ کی تنخواہیں قلیل در قلیل ہونے کے باوجود بمشکل پوری ہو پاتی ہیں، لیکن عام طور پر مساجد میں مائک رکھنے کا دستور ہو گیا ہے، اور چھوٹی بڑی سب مساجد میں اذانیں مائک سے ہوتی ہیں، شرعاً معلوم یہ کرنا ہے، کہ مائک مسجد کی حد سے باہر کمرہ میں اور ہارن بھی حدود مسجد مینارہ وغیرہ سے بالکل الگ کمرہ کے اوپر بلند جگہ بنا کر اس پر رکھدیئے جائیں اور جو شخص اعلان کرائے اس سے اعلان کا معاوضہ لے لیا جائے مثلا ایک اعلان پر پانچ روپیہ تو کیا مسجد کی آمدنی کی یہ شکل رواہے، مسجد کی ضرورت وغیرہ کو سامنے رکھ کر مفصل ومدلل جواب باصواب سے نوازیں؟ عنایت ومہربانی ہوگی؟

المستفتي: حافظ محمد عبد الحمید صاحب،
قریشی ڈھکہ، حسن پور، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب مائک جماعت خانہ سے باہر ہے، اور

اس کے ہارن بھی مسجد سے باہر ہیں، تو مسجد کے ایسے مائک سے کرایہ دیکر اعلان کرنا جائز اور درست ہے، اور اس کرایہ کی آمدنی مسجد کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۸/۲۱۰، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۸، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۹۹، جدید زکریا۹/۱۴۴)

المسجد المحتاج إلیٰ النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ما ینفق علیه . (التقریرات الرافعی مع الشامی، کتاب الوقف، کراچی ٤ / ٨٠، زکریا ٦ / ٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رصفر۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۹۸)

مسجد کے مائک سے نماز جنازہ اور جلسہ کا اعلان کرنا

سوال: [۸۱۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں مائک لگا ہوا ہے، گاؤں یا موضع کے کسی آدمی کا انتقال ہوجاتا ہے، تو اس مائک سے اعلان کردیا جاتا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے، کہ اس طرح مسجد کا مائک استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسجد کی ضرورت نہیں ہے، عام ضرورت ہے لوگوں کیلئے یا کسی کی تقریر ہونی ہو تو اسی سے اعلان کردیا جاتا ہے، تو کیا یہ اعلان کرنا جائز ہے؟

المستفتي: سمیع اللہ، مدرس مکتب ہلدھرمئو، ضلع گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر واقف نے لاؤڈ اسپیکر اس نیت سے دیا ہے کہ اس پر نماز جنازہ اور جلسہ وغیرہ کا بھی اعلان کردیا جائے تو جائز ہے، اور اگر واقف نے صرف مسجد کیلئے وقف کیا ہے، تو اس پر دوسری چیزوں کا اعلان بلا اجرت کے جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۷/ ۲۲۱، ۱۷/ ۲۲۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۱، ۳۵، آپ کے

مسائل اور انکا حل قدیم ۲/۱۴۴، جدید زکریا ۳/ ۲۶۱)

متولی الوقف إذا أسکن رجلاً بغیر أجرة ذکر الهلال رحمة الله تعالیٰ لاشیئی علی الساکن وعامة المتأخرین من المشایخ رحمهم الله تعالیٰ أن علیه أجر المثل سواء کانت الدار معدةً للاستغلال أو لم تکن صیانة للوقف وعلیه الفتویٰ . (هندیه ، کتاب الوقف ، الباب الخامس فی ولایة الوقف الخ۔ (زکریا قدیم ۲ / ۴۲۰، جدید ۲ /۳۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۲۹/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱۲/۱۴۱۸ھ

مسجد کے مائک سے موت یا کسی بچہ کے کھو جانے کا اعلان کرنا

سوال: [۸۱۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے یہ بتلایا ہے کہ مسجدوں میں جو سحری کے وقت ٹائم کا اعلان کیا جاتا ہے، وہ حرام ہے، اور کسی کی موت کا اعلان یا کسی کا بچہ کھو جانے پر اسکا اعلان سب حرام ہے، اسپیکر مسجد کا ہوتا ہے، اس کو ان باتوں کیلئے استعمال کرنا جائز ہے یا نا جائز ہے، یہ مندرجہ بالا باتیں جائز ہیں یا نا جائز جواب سے مطلع فرمائیں؟ مہربانی ہوگی؟

المستفتي: عبد الغفار محلّہ کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے اسپیکر سے سحری کا اعلان بقدر ضرورت کیا جاسکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد ہی سے سحری کا اعلان اذان کی شکل میں ہوتا تھا:

عن عبد الله بن مسعودؓ أن النبی صلی الله علیه وسلم قال لایمنعن

أحدكم أذان بلال من سحوره فإنه ينادى أو يؤذن ليرجع غائبكم أو لينتبه نائمكم ، الحديث: (طحاوى ، كتاب الصلوٰة ، باب التأذين للفجر الخ ، النسخة الهندية ۱/۸۳، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۱۸۰، رقم: ۸۳۲)

اور کسی کی موت کا اعلان یا گم شدہ کا اعلان کرایہ دیکر کیا جا سکتا ہے، بغیر اجرت ادا کئے اعلان نہیں۔

المسجد المحتاج إلىٰ النفقة تؤجر قطعه منه بقدر ماينفق عليه . (تقريرات رافعى على الشامى، كتا ب الوقف، كراچى ٤/٨٠، زكريا ٦/٨٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۰/۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۰/۱۴۱۹ھ

جمعہ، عیدالفطر وغیرہ کے موقع پر مسجد میں چندہ کرنا اور نام کا اعلان کرنا

سوال: [۸۱۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ، عیدالفطر وعیدالاضحیٰ وغیرہ کے موقع پر بچے اور بڑے مسجد میں چندہ دیتے ہیں بچے بھی اپنے اپنے نام کا اعلان کراتے ہیں شرعی اعتبار سے جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتي: عبدالوحید، مؤذن، مسجد بنجاران، ساہن پور، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: مسلمانوں میں کار خیر میں خرچ کی ترغیب کیلئے اعلان کی گنجائش ہے جب کہ اس اعلان کی وجہ سے نمازیوں کو خلل نہ ہوتا ہو اور مسجد کا مفاد بھی مقصود ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۹/۲۳۸)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة قال فى الخانية : معزيا إلىٰ أبي بكر البلخى إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به . (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/٢١٥، زكريا ٥/٣٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۳/۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۴۰/۳۸)

مسجد کے مائک سے سحری کا اعلان کرنا

سوال: [۸۱۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص رمضان المبارک کے مہینے میں مسجد کے اندر مسجد ہی کے مائک سے گاؤں کے لوگوں کو سحری کھانے کیلئے بیدار کرتا ہے، اور گاؤں کے لوگ بھی اس سے راضی ہیں، تو بتلایئے کہ اس شخص کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟

المستفتي: محمد معین الدین، مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر گاؤں والوں ہی نے ملکر مسجد میں مائک لگایا ہے اور وہ سب اس بات پر راضی ہیں، تو مذکورہ شخص کا سحری میں بیدار کرنا درست ہے اور اگر کسی خاص شخص نے مائک مسجد کیلئے وقف کیا ہے، تو پھر اس سے اجازت حاصل کئے بغیر سحری میں مسجد کے مائک سے لوگوں کو بیدار کرنا جائز نہ ہوگا۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة . (شامی، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة كراچی ٤/٤٤٥، زكريا٦/٦٦٥)

وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلک إلىٰ إمام المسجد أو إلىٰ مؤذن

المسجد فليس له ذلک إلا أن كان الواقف شرط ذلک في الوقف .

(هنديه ، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني، زكريا قديم ٤٦٣/٢ ، جديد ٤١٣/٢ ، المحيط البرهاني ، المجلس العلمي بيروت ١٣٧/٩ ، رقم: ١١٣٨١ ، تاتارخانية زكريا ١٧٥/٨ ، رقم: ١١٥٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۵۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۲۱ھ

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے مسجد میں چندہ کرنا

سوال: [۸۱۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آجکل دیہات کے اندر مساجد میں تہوار کے موقع پر مثلاً عید الفطر وعید الاضحیٰ وغیرہ پر مساجد کے اندر مسجد ہی کے لاؤڈ اسپیکر سے مسجد ہی کے لئے چندہ کیا جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ نیز گم شدہ چیز کا مسجد کے اندر پانچ روپیہ وغیرہ دیکر اعلان کرانا کیسا ہے؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: محمد قاسم ، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: عید الفطر وعید الاضحیٰ وغیرہ کے موقعہ پر مساجد کے اندر مساجد ہی کے لاؤڈ اسپیکر سے مساجد کیلئے جو چندہ کیا جاتا ہے، یہ جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ کراچی ۲/ ۷۲۸)

لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ کام مسجد کے باہر کیا جائے ، کیونکہ بسا اوقات مسجد میں شور وشغب تک کی نوبت آجاتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۲۸۲، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۲۷۴)

رہا مسجد کے اندر گم شدہ اشیاء کا اعلان کرنا تو اگر لاؤڈ اسپیکر کا ہارن مسجد کے مینار پر ہے تو یہ اعلان کرنا مسجد ہی میں اعلان کرنے کے حکم میں ہوگا، جو شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے، لہٰذا اس سے رکنا واجب ہے۔

عن أبی عبد الله مولیٰ شداد بن الهاد أنه سمع أباهریرةؓ یقول: قال رسول الله ﷺ: من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لا ردها الله علیک فإن المساجد لم تبن لهذا. (صحیح مسلم، کتاب المساجد، با ب النهی عن نشد الضالة فی المسجد، النسخة الهندیة ۱/ ۲۱۰، بیت الافکار رقم: ۵٦۸)

فان المساجد لم تبن لهذا دلیل علی کراهة کل فعل لم تبن المساجد له فیه. (اعلاء السنن، ابواب احکام المساجد، باب کراهیة ادخال الصبیان والمجانین فی المسجد، کراچی ۵/ ۱۲۹، دارالکتب العلمیة بیروت ۵/ ۱۷۵)

تجب أن تصان عن إدخال الرائحة الکریهة (إلیٰ قوله) وعن حدیث الدنیاوعن البیع والشراء وإنشاد الأشعار وإقامة الحدود ونشدان الضالة والمرور فیها لغیر ضرورة ورفع الصوت والخصومة الخ. (حلبی کبیر فصل فی احکام المسجد، رحیمیه دیو بند/ ۵٦٦، اشرفیه دیوبند/ ٦۱۰، صغیری، مکتبه مجتبائی دهلی/ ۳۰۱، شامی، کتاب الصلوٰة، باب مایفسد الصلوٰة ومایکره فیها کراچی ۱/ ٦٦۰، زکریا ۲/ ۴۳۳، ۴۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۲۹)

مسجد کے مائک سے مدرسہ کیلئے چندہ کرنا

سوال: [۸۱۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے مائک سے جسکا ساؤنڈ بھی مینارہ پر رکھا ہے، مدرسہ کیلئے چندہ مانگنا اور چندہ دینے والے صاحب کا نام لے کر اعلان کرنا کہ فلاں صاحب نے اتنے روپئے دیئے ہیں، اللہ انکے مال میں برکت دے اور اسی میں مائک کو کئی کئی گھنٹہ مشغول رکھنا کیسا ہے؟ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ مفصل ومدلل تحریر فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: عبدالغفار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مائک کے استعمال کا کرایہ مسجد کو دیا جاتا ہے، تو کمیٹی کے مشورہ سے اور اجازت سے اسکی گنجائش ہے اور بلا کرایہ مسجد کے مائک کا استعمال امور مسجد کے علاوہ کیلئے جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۳۶، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۶۵۳) البتہ اسی مسجد کی ضرورت کیلئے بلا کرایہ استعمال ہوسکتا ہے؟

المسجد المحتاج إلیٰ النفقة توجر قطعه منه بقدر ماینفق علیه . (تقریرات رافعي علی الشامي، کتاب الوقف، کراچی ٤/ ٨٠، زکریا ٦/ ٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ ۱۲/ ۱۴۱۵ھ

مسجد کے مائک پر مسجد سے غیر متعلق اعلان کرنا

سوال: [۸۱۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صورت مسئولہ یہ ہے کہ جو لاؤڈ اسپیکر مسجد میں اذان کیلئے لگایا گیا ہے، اسی مائک سے مسجد سے غیر متعلق اعلان بھی کیا جاتا ہے، مثلاً کسی کو کوئی چیز فروخت کرنی ہے، یا کوئی چیز کسی کی گم ہوگئی ہے، اس کا اعلان کرنا اور اس پر اجرت لینا مسجد کی آمد کیلئے اسی طرح نعت وغیرہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ مفصل جواب سے نوازیں؟

المستفتي: حاجی محمد اطہر، کتب فروش،
مین بازار، افضل گڈھ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لاؤڈ اسپیکر اور اس کا ہارن دونوں حدود مسجد سے باہر ہیں، اور مسجد سے غیر متعلق اعلانات سے مسجد کی آمدنی ہوتی ہے، تو گنجائش ہے، نیز نعت وغیرہ بھی مسجد سے غیر متعلق امور میں ہے اس کی اجرت مسجد کو ملنی چاہئے، جیسا کہ

شامی کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے۔

لو احتاج المسجد إلیٰ نفقة تؤجر قطعه منه بقدر ما ينفق عليه الخ. (شامی، کتاب الوقف، قبیل مطلب فیما لو خرب المسجد، کراچی ۴/۳۵۸، زکریا ۶/۵۴۸، تقریرات رافعی علی الشامی، کراچی ۴/۸۰، زکریا ۶/۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۳۹)

مسجد کے مائک سے دنیاوی چیزوں کا اعلان

سوال: [۸۱۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے خرید وفروخت کا سامان یا گمشدہ چیزیں اور دیگر دنیاوی چیزوں کا اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد زاہد حسین، گونڈوی،
مدرسہ تعلیم القرآن، موضع چوپڑ پوری،
پوسٹ: بلد پور، ضلع بلندشہر، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر اسپیکر مسجد کے منارو غیرہ پر ہے، تو وہ اندورن مسجد میں اعلان کرنے کے حکم میں ہوگا، یہ ناجائز اور ممنوع ہے، اس سے روکنا واجب ہے۔

وتجب صيانة المسجد عن إدخال الرائحة الكريهة (إلیٰ قوله) وعن حديث الدنيا وعن البيع والشراء وإنشاد الأشعار وإقامة الحدود ونشدان الضالة. (صغیری، مکتبه مجتبائی دهلی /۳۰۱، حلبي كبير، فصل فی احكام المساجد، رحیمیه دیو نبد/۵۶۶، اشرفیه دیو بند/۶۱۰)

اوراگرحدودمسجد سے باہر ہے،تو بھی ناجائز ہےاسلئے کہ سامان مسجد کادوسری اغراض میں استعمال جائزنہیں ہے۔

إن مـراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة ،زكريا ٦/ ٦٦٥،کراچی ٤ /٤٤٥)

شرط الواقف كنص الشارع الخ. (الاشباه والنظائر قديم/ ١٧٠، شامی، مطلب فی تولهم شرط الواقف کنص الشارع کراچی ٤/٤٣٣، زكريا ٦/٩ ٤ ٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦ /ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۸۷)

مسجد کے مائک سے بیع وشرا اور گمشدگی کے اعلان کا حکم

سوال: [۸۱۹۸]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا مائک جوکہ اذان پڑھنے کے لئے ہوتا ہے، اس کے ذریعہ بیع وشراءگمشدگی کی تلاش اور میت اوراس کی نماز جنازہ وغیرہ کا اعلان کرنا کیسا ہے؟ یہ بات بھی واضح رہے کہ مسجد کی کمیٹی نے فی اعلان کچھ فیس مثلاً دس روپئے وغیرہ مقرر کی ہے، جواعلان کرانے والے سے لی جاتی ہے،تو اس سلسلہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا بذریعہ فیس اعلان کرنے کا شرعاً جواز معلوم ہوتا ہے، بینوا وتوجروا۔

المستفتي: محمد سلمان قاسمی،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مصالح مسجد کے پیش نظر کرایہ لیکر مسجد کے مائک سے اعلان کرانا جائز ہے، اس لئے کہ مسجد کے منافع بھی مصالح مسجد میں شامل ہیں، البتہ مائک اوراس کے پیکر کومسجد شرعی کی حدود سے باہر رکھنا ضروری ہے۔

الشامنه في وقف المسجد أيجوز أن يبنىٰ من غلته منارة قال فى

الخانية : معزيا إلیٰ ابی بکر البلخی إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به . (البحرالرائق، كتاب الوقف ، زكريا ٥/ ٣٦٠، كوئٹه٥/ ٢١٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۶۴/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۹ھ

گم شدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنا

سوال: [۸۱۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے اندر یا خارج مسجد کوئی چیز گم ہو جائے، تو اس کا اعلان مسجد میں کیا جا سکتا ہے یا یہ کہ اندورن مسجد خارج مسجد کے حکم سے جدا گانہ ہے؟

المستفتي: محمد حامد، کرلا، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق : جو چیز اندورن مسجد گم ہو جائے تو اس کا علان اس شرط کیساتھ جائز ہے، کہ شور وشغب نہ ہو اور نمازیوں کو خلل نہ ہو، اور اگر بیرون مسجد گم ہوگئی ہے، تو حدود مسجد سے باہر دروازہ پر کھڑے ہوکر اعلان کرنا جائز ہے، اندرون مسجد ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲۵۳/۱۵، جدید ڈابھیل ۲۱۱/۱۵)

وأما إنشاد الضالة فله صورتان إحداهما إن ضل شيئى فى خارج المسجد وينشده فى المسجد لاجتماع الناس فهو أقبح وأشنع وأما لو ضل فى المسجد فيجوز الإنشاد بلا شغب الخ. (العرف الشذى على هامش الترمذى ، ابواب الصلوٰة، باب كراهية البيع والشراء انشاد الضالة فى المسجد ١/ ٨٠)

قال الشيخ وأما إنشادالضالة فله صورتان : إحداهما : وهى أقبح وأشنع بأن يضل شيئى خارج المسجد ثم ينشده فى المسجد

لأجل اجتماع الناس، والثانية: أن يضل في المسجد نفسه فينشده فيه وهذا يجوز إذا كان من غير لغط وشغب. (معارف السنن ،اشرفیه دیوبند ۳/۳۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۶/۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۴ھ

مسجد کے اندر گم شدہ بچے اور چیز کا اعلان کرنا

سوال: [۸۲۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گم شدہ بچے اور چیز کا مسجد سے اعلان کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: عبدالمعید قاسمی، آزادنگر، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے اندر اعلان ممنوع ہے، البتہ حدود مسجد سے باہر آکر اعلان کرنیکی گنجائش ہے۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: إذا رأيتم من ينشد فيه ضالة فقولوا: لا ردها الله عليك. (سنن الترمذي، ابواب البيوع، باب النهي عن البيع في المسجد، النسخة الهندية ١/٢٤٦،دارالسلام رقم: ١٣٢١، صحيح مسلم،كتاب المساجد، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد، النسخة الهندية ١/٢١٠، بيت الافكار رقم: ٥٦٨)

إذا رأيتم من ينشد ضالة في المسجد فقولوا لا ردها الله عليك. (شامي، كتاب الصلوٰة باب مايفسد الصلوٰة الخ، مطلب في انشاد الشعر، كراچی ١/٦٦٠، زكريا ٢/٤٣٣)

تجب تصان عن إدخال الرائحة الكريهة -إلىٰ- وعن حديث

الدنيا والبيع والشراء وإنشاد الأشعار وإقامة الحدود ونشدان الضالة. (كبيرى فصل فى احكام المساجد، رحيميه ديوبند/٥٦٦، اشرفيه ديوبند/٦١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۹)

مسجد کے مائک سے مختلف امور کا اعلان کرنا

سوال: [۸۲۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مساجد کے مائک سے اہل بستی اپنے کاروباری سلسلے کیلئے اعلان کراتے ہیں، مثلاً نور محمد صاحب کے یہاں ۴/ روپیہ کیلو گڑ بک رہا ہے، فرید احمد صاحب کے ہوٹل پر دو چار روپیہ کیلو ملیگا وغیرہ وغیرہ دوسرا اعلان اسطرح کا ہوتا ہے، کہ تسلیم احمد کی بکری جس کا رنگ کالا ہے، گم ہوگئی ہے، جن صاحب کو ملے وہ انکے مکان پر پہونچا دے، حد یہ ہیکہ مساجد کے مائک سے غیر مسلم حضرات بھی فائدہ حاصل کرتے ہیں، مذکورہ اعلان پر امام مسجد یا متولی صاحبان ۲، ۵/ روپیہ فی اعلان اجرت لیتے ہیں، جس کو مسجد کے صرفہ میں لاتے ہیں، یہ اعلان برائے افادۂ عام کیسا ہے؟ نیز اس پر اجرت لینا کیسا ہے؟

(۲) مسجد کے متولی یا امام اکثر مذہبی تقریبات کے موقع پر مسجد کے مائک پر یہ اعلان کرتے ہیں، کہ محلّہ والے اپنے اپنے بچوں کو پیسہ لیکر بھیجیں، جو بچہ پیسہ لاتا ہے، اس کا مع اسکے ورثاء کے دعائیہ الفاظ سے تعارف کراتے ہیں، اس شکل سے بچوں کے ورثاء کے دل میں رغبت پیدا ہوتی ہے، اور وہ خوب پیسے بھیجتے ہیں، مذکورہ بالا طریقہ سے چندہ کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: مختار احمد، مدرسہ درویشاں
سلیم پور، سہس پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق :(۱)اگر مائک اوراس کا ہارن دونوں حدود مسجد سے باہر ہیں، اورمسجد کی آمدنی کی غرض سے کرایہ لیکراعلان کیاجاتا ہے،تو اس کی گنجائش ہے۔(امدادالفتاویٰ ۲/ ۷۲۸)

اور اگرحدود مسجد کے اندر مائک یاہارن ہے اور ہرطرح کا اعلان اسمیں کیاجا تاہے، تو جائز نہیں ہے۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: إذا رأيتم من يبيع أو يبتاع في المسجد فقولوا لاأربح الله تجارتک وإذا رأيتم من ينشد فيه ضالة فقولوا لا ردالله عليک ، الحديث: (سنن الترمذی، ابواب البیوع ، باب النهی عن البیع فی المسجد ، النسخة الهندية ۱/ ۲٤٦، دارالسلام رقم: ۱۳۲۱، صحيح مسلم ، کتاب المساجد ، باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۰، بیت الأفکار رقم : ٥٦٨ ، مشکوٰة ۱/ ۷۰)

(۲)اگر مذہبی تقریب ہےاور چندہ مسجد ہی کیلئے ہواوراوقات نماز کےعلاوہ میں ہوتو اس کی گنجائش ہے۔(امدادالفتاویٰ ۳/ ۷۲۸،و۲/ ۷۱۰)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۲۰/رجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۸۸۱/۲۶)

مسجد کے مائک سے مرغی،بکری کا اعلان کرنا

سوال: [۸۲۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ ایک گاؤں ہے گاؤں کے رہنے والے اکثر مسلمان ہیں ، کچھ ہندولوگ بھی رہتے ہیں، گاؤں کے آخر میں ایک ندی ہے، ندی کے پاس گاؤں والوں کے اکثر لوگوں کی زمین جائیداد ہے، ہندولوگوں کی بھی زمین ہے،اور گاؤں کے رہنے والوں میں سے بعض کی زمین وہاں نہیں ہے زمین میں ریشم کے توت کا پتہ دھان آم اناج وغیرہ ہوتا ہے، بعض

وقت چور زمین جا کر چوری کرتا ہے، بدمعاشوں نے ریشم کا پتہ وغیرہ فصلوں میں بیل بکری کو چرا دیا ہے، اس لئے گاؤں والوں نے زمین کی پیداوار کی حفاظت کیلئے ایک فصل حفاظت کمیٹی تیار کی ہے، اور پیداوار کی حفاظت کرنے کیلئے پولیس کیمپ بھی بٹھایا ہے، اور پولیس کا خرچہ وغیرہ خود گاؤں والے دیتے ہیں، اس کے باوجود کبھی کبھی چوری ہوجاتی ہے، فصل حفاظت کمیٹی کبھی کبھی میٹنگ بلاکر مشورہ کرتی ہے، کہ فصل کس طرح محفوظ رکھی جائے، اور پولیس والوں کے خرچہ اور چندہ کے بارے میں بھی مشورہ ہوتا ہے، اور میٹنگ اور مشورہ گاہ میں ممبر لوگوں کو بلانے کیلئے اعلان کی ضرورت پڑتی ہے، ہندو ممبر بھی کمیٹی کے اندر ہیں، تو سوال یہ ہے کہ اس کمیٹی کے ممبر لوگوں کو میٹنگ ومشورہ میں بلانے کیلئے مسجد کے اندر کھڑے ہوکر مسجد کے مائک اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں، اور جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد مسجد کے مصلیوں کے سامنے اعلان کرنا کیسا ہے؟ اسی طرح آجکل سرکاری ڈاکٹر آتے ہیں، دوائی اور بچوں کو پولیو ڈوز دینے کیلئے تو اس کا بھی اعلان مسجد کے اندر کھڑے ہوکر مسجد کے مائک کے ذریعہ کیا جاتا ہے، اور کبھی کبھی گاؤں والوں کا بکرا مرغی وغیرہ گم ہوجاتا ہے، تو اس کا اعلان مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے ہوتا ہے، حالانکہ مائک کا لاؤڈ اسپیکر مشین وغیرہ مسجد کے اندر رکھا ہوا ہے، یعنی اگر اعلان کرنا پڑتا ہے، تو مسجد کے اندر کھڑے ہوکر اعلان کرنا پڑتا ہے، تو اس صورت میں مذکورہ تمام اعلانات مسجد کے مائک کے ذریعہ مسجد کے اندر کھڑے ہوکر کرنا جائز ہے، یا نہیں، برائے کرم جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتي: محمد حسین، بھاگلپور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدود مسجد کے اندر مرغی بکری کا اعلان اسی طرح گاؤں پنچایت کے لوگوں کا اعلان ممنوع ہے ہاں البتہ اگر مائک حدود مسجد سے باہر اذان خانہ یا کمرہ میں ہو اور اس کا ہارن میناروں پر ہو اور کمرہ یا اذان خانہ میں کھڑے ہوکر اعلان کیا

جاتا ہے، اور مسجد کو اس اعلان کا معاوضہ دیا جاتا ہے، تو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ معاوضہ کی صورت مسجد کی مصلحت ہے، مگر وہ بھی اندر نہیں۔

عن أبی عبد اللہ مولیٰ شداد بن الهاد أنه سمع أباهريرةؓ يقول: قال رسول اللہ ﷺ: من سمع رجلا ينشد ضالة فی المسجد فليقل لا ردها اللہ عليک فإن المساجد لم تبن لهذا. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد، النسخة الهندية ۱/۲۱۰، بيت الافكار رقم: ۵٦۸، سنن الترمذی، ابواب البيوع، باب النهی عن البيع فی المسجد، النسخة الهندية ۱/۲٤٦، دارالسلام رقم: ۱۳۲۱)

نهی رسول اللہ ﷺ عن الشراء والبيع فی المسجد وأن تنشد فيه الأشعار وأن تنشد فيه الضالة. (شرح كبيری، فصل فی احكام المسجد، اشرفيه ديو بند/٦۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۳ھ

مسجد میں سائل کا سوال کرنا اور سفیر کا چندہ کرنا

سوال: [۸۲۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ
(۱) مسجد میں سائل کو سوال کرنا جائز ہے یا نہیں؟
(۲) مسجد میں سفیر مدرسہ کو چندہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالعزیز، برتن فروش، شاہی بازار، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) مسجد میں اگر نمازیوں کو کوئی خلل نہ ہو تو سائل کا سوال اور مدارس کے سفراء کا چندہ کی بات کرنے کو ضرورت کے تحت حضرت تھانوی

قدس سرہٗ نے امداد الفتاویٰ ۲/۲۹۷، میں جائز قرار دیا ہے۔

ویکره التخطي للسؤال بكل حال قال في النهر : والمختار أن السائل إن كان لا يمر بين يدى المصلي ولا يتخطى الرقاب ولا يسأل إلحافا بل لأمر لا بدمنه ، فلابأس بالسؤال والإعطاء . (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعه مطلب فی الصدقة علی سؤال المسجد ، کراچی ۲/۱٦٤، زکریا ۳/۴۲، فتاویٰ بزازیه ، باب صلوٰۃ الجمعة ، نو ع ، جدید زکریا ۱/٥۱، وعلیٰ هامش الهندیة ،زکریا ٤/٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رصفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۸۶)

مسجد کا مائک ذاتی کاموں کیلئے استعمال کرنا

سوال: [۸۲۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے مائک سے اپنے ذاتی کاموں کیلئے اعلان کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: اہلیان، جامع مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے مائک سے اپنے ذاتی کاموں کے لئے اعلان کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ فقہاء ومحدثین کی ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے۔

عن أبي عبد الله مولىٰ شداد بن الهاد أنه سمع أباهريرةؓ يقول : قال رسول الله ﷺ: من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردها الله عليك فإن المساجد لم تبن لهذا. (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد ، النسخة الهندية ۱/۲۱۰، بيت الافكار رقم: ٥٦٨،

سنن الترمذی ، ابواب البیوع ، باب النهی عن البیع فی المسجد ، النسخة الهندية ۱/ ۲٤٦، دارالسلام رقم: ۱۳۲۱)

ولا ينشدها فی المسجد لأن المسجد لم يبن لهٰذا. (اوجز دارالقلم بیروت۱۳/ ۲۹۸)

وأما إنشاد الضالة فله صورتان إحداهما إن ضل شيئی فی خارج المسجد وينشده فی المسجد لاجتماع الناس فهو أقبح وأشنع وأما لو ضل فی المسجد فيجوز الإنشاد بلا شغب. (العرف الشذی علیٰ هامش الترمذی، ابواب الصلوٰة ، باب كراهية البیع والشراء وانشاد الضالة فی المسجد۱/ ۸۰، معارف السنن، اشرفیه دیو بند۳/ ۳۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۹/ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷٦۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۹/ ۱۴۲۲ھ

۲۳/ الفصل الثالث والعشرون: غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا

غیر مسلم ملازم سے مسجد کے کاموں میں تعاون لینا

سوال: [۸۲۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کیلئے کسی غیر مسلم ملازم سے تعاون مثلاً صفائی کرانا چٹائی بچھوانا اور اسی طرح لوٹے بھروانے کا کام لے سکتے ہیں، یا نہیں؟

المستفتي: محمد شفیع، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیر مسلم میں پاکی ناپاکی کا اعتبار نہیں ہوتا اسلئے غیر مسلم مسجد کی صفائی اور چٹائی بچھوانے کیلئے نہ رکھا جائے، اور قرآن کریم میں مسجد حرام میں داخل ہونے کو منع کیا گیا ہے، اگرچہ ایک قول میں دوسری مساجد اس میں داخل نہیں ہیں، مگر احتیاط یہی ہے کہ غیر مسلم کو کسی بھی مسجد میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ. (البقرہ: ۲۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/شوال ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۰۵/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۲۶ھ

کافر کا مسجد میں داخل ہو کر گھومنا

سوال: [۸۲۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا کافر مسجد میں داخل ہوسکتا ہے، ٹہل سکتا ہے، گھوم سکتا ہے؟ مسجد ومحراب تک جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد حنیف، محلّہ بینٹھ اتوار، سرائے ترین، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں بے ضرورت داخل ہوکر کے گھومنا اور ٹہلنا مسلمان کیلئے بھی ممنوع ہے، اسلئے کہ مسجد عبادت کی جگہ ہے ہاں البتہ کسی بھی ضرورت کیلئے داخل ہونا جائز اور درست ہے ، اور کافر بھی مسجد میں کسی ضرورت کیلئے داخل ہوسکتا ہے، اور چل سکتا ہے، مثلاً کوئی اعتکاف میں بیٹھا ہوا ور غیر مسلم کو اس سے کوئی ضرورت ہے یا اس معتکف کو کسی غیر مسلم سے ضرورت ہے، تو اس طرح کی ضرورت کیلئے کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز اور درست ہے، جب مسجد میں داخل ہوگا، تو اس میں چلے گا بھی اور چلنے میں محراب تک اور کسی بھی کونے تک پہونچ سکتا ہے، اور حدیث شریف میں کافر کا مسجد میں داخل ہونے کا ذکر موجود ہے۔

عن الحسن أن وفد ثقيف أتوا رسول الله ﷺ ، فضربت لهم قبة في مؤخر المسجد لينظروا إلىٰ صلاة المسلمين ، إلىٰ ركوعهم وسجودهم، فقيل : يارسول الله ! أتنزلهم المسجد وهم مشركون ؟ فقال: إن الأرض لاتنجس ، إنما ينجس ابن آدم . (المراسيل لأبي داؤد /٦، رقم: ١٧، مصنف عبد الرزاق ، المجلس العلمي ١/ ٤١٤، رقم: ١٦٢٢، المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن جديد٦/٦٥، رقم: ٨٨٦٧)

عن عثمان بن أبي العاص أن وفد ثقيف لماقدموا على رسول الله صلى الله عليه وسلم انزلهم المسجد ليكون أرق لقلوبهم، الحديث : (سنن ابى داؤد، الخراج، باب ماجاء في خبر الطائف ، النسخة الهندية ٢/٤٢٨، دارالسلام رقم: ٣٠٢٦، صحيح ابن خزيمه ، المكتب الإسلامى ١/ ٦٥٠، رقم: ١٣٢٨، المعجم الكبير للطبرانى ، دارالاحياء التراث العربي ٩/ ٥٤، رقم: ٨٣٧٢، مسند أحمد بن حنبل ٤/٢١٨ ، رقم: ١٨٠٧٤)

ولابأس أن يدخل الكافر وأهل الذمة المسجد الحرام وبيت

المقدس وسائر المساجد لمصالح المسجد وغيرها من المهمات .
(البحرالرائق، الوقف، فصل في احكام المسجد ،زكرياه/ ٤٢٠، كوئٹه٥/ ٢٥١)

وجاز دخول الذمي مسجداً مطلقاً قال الشامي: ولو جنباً كما في الاشباه . (درمختار مع شامي ، كتاب الحظر والإباحة ، باب الإستبراء وغيره زكريا ٩/ ٥٥٥، كراچی ٦/ ٣٨٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۱/ ۱۴۳۴ھ

غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا

سوال: [۸۲۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کیا شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ الیکشن کے امیدوار غیر مسلم حضرات مع اپنے ہمراہیوں کے مسجدوں میں داخل ہوں، اسی طرح کیا غیر مسلم حضرات مسجدوں میں نکاح کی محفلوں میں شرکت کرنے اور دولہا دولہن کو مبارک بادی پیش کرنے کیلئے حاضری دے سکتے ہیں، نیز یہ بات بھی میں گوش گذار کردینا چاہتا ہوں کہ یہ یقینی بات ہے کہ اس طرح مسجدوں میں آنے والے یہ غیر مسلم لوگ ظاہری وباطنی نجاستوں میں ملوث رہتے ہیں، مثلاً آنے والوں میں اکثر وبیشتر پیشاب کرنے کے بعد طہارت کا اہتمام نہیں کرتے۔

(۲) یہ بھی احتمال ہے کہ ان میں سے بعض جنبی ہوں؟

(۳) یہ بھی احتمال ہے کہ ان میں سے بعض کے کپڑے بھی ناپاک ہوں؟

(۴) ہندوستان کے اکثر علاقوں میں چونکہ شراب پینے پر پابندی نہیں ہے، لہٰذا آنے والوں میں بیشتر لوگ شراب، وائنس، برانڈی وہسکی وغیرہ پی کر آ گئے ہوں؟

الغرض یہ ہندو لوگ ہر طرح کی گندگی ونجاست میں گھرے رہتے ہیں، بالعموم ان ظاہری وباطنی نجاستوں سے پاک نہیں ہوتے ہیں، لہٰذا ان تمام حالات کو مدنظر رکھکر ان

سوالات کے جوابات تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد اشرف علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب تک غیر مسلم کے بدن کا نجاست حقیقیہ کے ساتھ ملوث ہونا ظاہراً ثابت نہ ہو تو غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا جائز اور درست ہے، حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں غیر مسلم مسجد نبوی میں داخل ہوتے تھے، ہم ظاہری نجاست کے مکلّف ہیں، ان کے اندورنی حالات کے مکلّف نہیں ہیں، لہٰذا کسی مسلمان کی مسجد کے اندر نکاح کی مجلس میں کوئی غیر مسلم داخل ہو جاتا ہے، تو اسے مسجد میں داخل ہونے سے روکنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں البتہ سوالنامہ میں شراب پیکر داخل ہونے کا بھی ذکر ہے، تو شراب کی بو ہر شخص کو معلوم ہو جاتی ہے، تو ایسی صورت میں مسجد میں داخل ہونے سے روک لیا جائے۔

عن الحسن أن وفد ثقيف أتوا رسول الله ﷺ فضربت لهم قبة في مؤخر المسجد لينظروا إلىٰ صلوٰة المسلمين إلىٰ ركوعهم وسجودهم، فقيل: يارسول الله! أتنزلهم المسجد وهم مشركون؟ فقال: إن الأرض لاتنجس، إنما ينجس ابن آدم. (مراسيل ابو داؤد/٦، رقم: ١٧)

وعن سعيد بن المسيب أن أبا سفيان، كان يدخل المسجد بالمدينة وهو كافر، غير أن ذلك لايصلح له في المسجد الحرام، لما قال الله تعالىٰ: إنما المشركون نجس فلايقربوا المسجد الحرام، الأية. (مراسيل ابو داؤد /٦، رقم: ١٨)

أقول: دلت هذه الأحاديث على أن نجاسة الكفر غير مانعة من دخول المسجد وهي ليست من النجاسات الحكمية أو الحقيقية البدنية، بل هي من نجاسات الآثام والأوزار، ونجاسة الآثام هي المرادة في قوله

تعالیٰ: ''إنما المشركون نجس'' فلا تعارض بين الآية والأحاديث حتى يمكن القول بكونها منسوخة بالآية لاسيما إذا كانت رواية الحسن مشيرة إلىٰ ان قصة وفد ثقيف متأخرة من نزول الآية. (اعلاء السنن كراچی ۱۷/ ۴۵۳، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۴۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷؍ ۸۳۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍ ۴؍ ۱۴۲۵ھ

مسجد میں نکاح کی منعقد مجلس میں غیر مسلم کی شرکت

سوال: [۸۲۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم لوگ اپنے گھر کی لڑکیوں کا نکاح حکم شرعی کے مطابق مسجد میں منعقد کرتے ہیں، چونکہ ہمارے کاروباری تعلقات کچھ غیر مسلموں سے بھی ہیں، جس کی وجہ سے ہماری دعوت پر وہ لوگ بھی مجلس نکاح میں شرکت کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا ایسے مواقع پر ان غیر مسلموں کو مسجد میں آنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، اگر اجازت ہے تو کن شرائط کیساتھ اور اگر اجازت نہیں تو کس وجہ سے؟

المستفتي: محمد سلیم، محمد یعقوب،
روشن بدھوار روڈ، مالیگاؤں، ناسک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غیر مسلم نکاح میں شرکت کیلئے مسجد میں جاسکتا ہے، بشرطیکہ بدن ظاہری نجاست سے پاک ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ نجاست ان کی اعتقادی ہے۔

وجاز دخول الذمي مسجداً ولو جنباً كما فى الاشباه (إلىٰ قوله) قال

فی الهـداية : ولنـا مـاروی أنـه عـليـه الصلوٰة والسلام أنزل وفد ثقيف فی مسـجـده وهـم كـفـار ولأن الـخبـث في اعتـقـادهم فلا يؤدی إلیٰ تلويث المسجد . (شامی مع الـدرالـمختار ، كتاب الحظر والإباحة ، باب الاستبراء وغيره ، زكريا ۹/ ۵۵۵، کراچی ۶/ ۳۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴؍ ۶۴۱۴)

۲۴/الفصل الرابع والعشرون : مسجد میں حرام مال لگانا

مسجد میں مالِ حرام لگانا

سوال: [۸۲۰۹]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گاؤں میں شیعہ تونہیں ہیں،سب سنی ہیں،لیکن ایک زمانہ سے شیعوں جیساعمل چلا آ رہاہے، کہ محرم بھی بنتاہے،اور کربلا کی ایک زمین ہے جوتقریباً پندرہ بیس بیگہ ہے اسکی آمدنی غریب مسجد میں لگانے کی گنجائش ہے یانہیں؟

المستفتي: علیم الدین، سردن نگر،جسپور،مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کربلا کے نام سے زمین کامتعین کرناشرعی طور پر ناجائز اور ممنوع ہے اور اس سے شرعی وقف نہیں ہوتاہے،اوراس کوعبادت کا کام سمجھنا بھی گناہ ہے،جب علاقہ کے لوگوں نے اس نام سے یہ زمین متعین کی تھی،اس وقت ان لوگوں کو مسائل شرعیہ سے واقفیت نہیں تھی،کہ کربلا کے نام سے بھی شریعت میں کوئی زمین وقف ہوسکتی ہے، یانہیں؟ حالانکہ یہ وقف شرعی طور پردرست نہیں ہوا تھا،اب علاقہ کے ذمہ دارلوگوں کو مشورہ کرکے اس زمین کے بارے میں یہ طے کرلینا چاہئے، کہ ضرورت مندمساجدومدارس کیلئے اس زمین کو وقف کردیں،اورکربلا کے نام باقی نہ رکھیں پھراس کی آمدنی ان مساجد اورمدارس میں خرچ کی جائے۔

ومن شرائط الوقف أن يكون قربة في ذاته وعند التصرف فلا يصح وقف المسلم أو الذمي على البيعة والكنيسة أو على فقراء أهل الحرب . (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه زكريا قديم ۲/۳۵۳، جديد۲/۳۴۷، الدر مع الرد، كراچی ۴/۳۴۲، زكريا ۶/۵۲۶، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/۱۵۹، الفقه الإسلامي وأدلته، هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند۸/۱۹۳، دارالفكر ۱۰/۷۶۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۸۴/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۶/۱۴۲۳ھ

مدرسہ و مسجد میں حرام مال لگانا

سوال: [۸۲۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دینی مدارس کے چلانے کیلئے صدقات وزکوٰۃ وامدادی رقم لینی چاہیے، کسی عالم دین، فاضل دیوبند وفاضل مظاہر علوم کے لئے دینی مدرسہ چلانے کیلئے شراب کی دوکان والے سے چندہ لینا اسی طرح مٹکہ چلانے والے سے اسکے گھر پر جا کر مدرسہ کیلئے چندہ طلب کرنا یا زکوٰۃ طلب کرنا اور لینا کیسا ہے؟ اور جبکہ ان علماء کو معلوم ہے کہ یہ شراب اور مٹکہ کا دہندہ کرتے ہیں، اسکے باوجود انکے پاس چندہ کو جاتے ہیں، شراب کا دھندہ حرام، مٹکہ لگانا حرام مٹکہ کا دھندہ حرام تو پھر کیا مدرسہ کیلئے ایسی رقم کا لینا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب نقل کیا جائے، اور اگر نا جائز ہے، تو بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب نقل کیا جائے، اور پھر ایسے علماء کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، جو چیزیں نص قطعی سے حرام ثابت ہیں، وہ اپنے لئے جائز قرار دیتے ہیں، کیا ان علماء کے پیچھے نماز کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ہمیں امید ہے کہ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں گے؟

المستفتي: محمد خواجہ، نیو جنتا، ضلع لاتور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ اور مسجد کیلئے مال حرام اور شراب وغیرہ کا پیسہ نا جائز اور ممنوع ہے، اگر معلوم ہوتے ہوئے شراب کا پیسہ لیکر مدرسہ میں لگایا جائے، تو لگانے والا اور دینے والا دونوں گنہگار رہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۶۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ. (البقرہ: ۲۶۷)

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: أيها الناس! إن الله طيب لايقبل إلا طيباً . (صحيح مسلم، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب و تربيتها،النسخة الهندية ۱/۳۲٦، بيت الافكار، رقم: ۱۰۱۵)

لو أنفق في ذلك مالا خبيثا، أو مالا سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبله . (الدرمع الرد، كتاب الصلاة، قبيل مطلب في أفضل المساجد زكريا ۲/۴۳۱، كراچی ۱/٦۵۸)

اور قطعی حرام چیز کو کوئی عالم اپنے لئے جائز قرار دے یہ نا قابل تصور بات ہے، جس عالم کے متعلق لکھا گیا ہے، جب تک ان سے براہ راست معلومات نہ ہو حکم لگانا ہمارے لئے روا نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦/ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۹۹)

ناجائز آمدنی مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جوا سٹہ کا کام کرتا تھا، اور اب کچھ عرصہ سے اس نے جوا سٹہ کا کام چھوڑ دیا ہے، اور اس پیسے سے دیگر کاروبار شروع کر دیا ہے، تو اب یہ اس پیسے کی آمدنی میں سے مسجد میں کچھ کام کرانا چاہتا ہے، لہٰذا یہ پیسے مسجد میں لگائے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: جمشید، محلّہ پیر غیب، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ناجائز آمدنی خواہ جوا اور سٹہ کے ذریعہ حاصل کی ہو خواہ اور کسی ذریعہ سے مسجد اور دوسرے کاروبار میں لگانا درست نہیں ہے، لہٰذا سوالنامہ میں ذکر کردہ آمدنی چونکہ جوا اور سٹہ کے ذریعہ سے حاصل کی گئی ہے جو شرعاً ناجائز ہے اس لئے اس

آمدنی سے مسجد کی تعمیر کرانا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/۴۶۹، ڈابھیل ۱۵/۱۱۶)

أما من رأى المكاس يأخذ من أحد شيئا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذه من ذلك الآخر فهو حرام . (شامي، كتاب الحظر والإباحة ، باب الإستبراء وغيره ، زكريا ۹/۵۵۳، كراچی ۶/۳۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۸۸)

مال حرام مسجد اور انکے متعلقات میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مذکورہ گاؤں چاکھل میں مسلمان چار برادری کے بستے ہیں۔

(۱) قریشی (قصائی) انکا کاروبار بکری ذبح کر کے بیچنا، بھیڑ بکری پالنا، خریدنا، بیچنا اور ہر گھر سے ایک دو فرد کا سعودی عرب وغیرہ میں ملازمت کرنا۔

(۲) منیہار، انکا کاروبار چوڑی بنانا بیچنا، دوسری تجارت وغیرہ کرنا۔

(۳) قاضی (فقیر) انکا بھی کاروبار ملازمت بمبئی وغیرہ میں ہے اور مزدوری کرتے ہیں۔

(۴) چوبدار (قلال) ان کا اکثر کاروبار شراب کا ہے، یا شراب کے ٹھیکوں پر ملازمت کرنا اور دیگر کام کاج جیسے مذکورہ برادری کے ہیں، انکے برائے نام ہیں، یہ چاروں برادری والے مل کر مسجد مدرسہ کے ملازم کو تنخواہ دیتے ہیں، اور بھی مسجد و مدرسہ کے کاموں میں برابر کا حصہ لیتے ہیں، اور جس طرح تینوں برادری والے مسجد و مدرسہ کے ملازم کو کھانا کھلاتے ہیں، اسی طرح یہ بھی کھانا وغیرہ کھلاتے پلاتے ہیں، غرض ہر موقع پر مالی امداد کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ مسجد و مدرسہ میں انکا مالی تعاون یا امام و مدرس کی تنخواہ یا کھانا وغیرہ کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ پوری مسلم آبادی سماجی اعتبار سے ایک

ہے، اور ہر ایک کا پورا پورا حق ہے، اگر یہ اتفاق واتحاد مسجد ومدرسہ کیلئے نہ رکھیں تو غیروں کو ایمان پر حملہ کرنا آسان ہوگا، اور مسجد ومدرسہ کا کام چلنا دشوار ہوگا، کیونکہ جہالت میں سبھی یکساں ہیں، جیسا کہ میں نے سوال نمبر ایک میں روشنی ڈالی ہے، نیز امام ومدرس کا متولی کے گھر ٹیوشن پڑھا کر پیسے یا کپڑے وغیرہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ سبھی سوالوں کے جوابات مدلل تحریر فرمائیں، عین نازش ہوگی؟

المستفتي: مصلیان مسجد مقام
جاکھل، جھن جھنوں، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن لوگوں کی آمدنی خالص حرام کی ہے انکے روپئے پیسے سے حتی الامکان بچا جائے، لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی حلال کاروبار بھی وہ لوگ کرتے ہیں، یا حلال مال سے مالی تعاون کرتے ہیں، تو گنجائش ہے، ورنہ قلال برادری سے مال لینا جائز نہیں ہوگا۔

إن كا ن غـالـب مـاله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام ، فإن كـان الـغالب هو الحرام ينبغي أن لايقبل . (هـنـديه ، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا جديده/٦ ٣٩٦، قديم ٥/ ٣٤٢)

غـالـب مال المهدي إن حلالا لا بأس بقبول هديته...... مالم يتعين أنه مـن حرام وإن غالب ماله الحرام لايقبلها. (بزازيه ، كتاب الكراهية ،الفصل الرابع، زكرياجديد٣/٣ ٢٠، وعلى هامش الهندية ٦/ ٣٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۸/۸ھ

مسجد میں لگے ہوئے مالِ حرام کے مکافات کی شکل

سوال: [۸۲۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص تعلیم یافتہ یعنی حفظ وقرأت کا جاننے والا جوکہ امامت بھی کرتا ہے، اور امامت کرتے کرتے ایک عرصہ گذر چکا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ پندرہ سال امامت کی ہے، اتنے عرصہ اب تک زکوٰۃ فطرہ چرم قربانی کا پیسہ مسجد میں لگایا اور لگوایا یہ فعل امام صاحب کا ہمہ وقت رہا، عوام الناس اس بارے میں بالکل لاعلم تھے، کہ پیسہ کس مد کا لگ رہا ہے، دیکھ بھال کرنے پر اس بات کا علم ہوا کہ مسجد میں پیسہ غلط لگا ہے، اس بارے میں غور وفکر ہے کہ مسجد کو مدرسہ کے قرض سے کس طرح بری کیا جائے، کیا صورت اختیار کرنی چاہئے، قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں؟

المستفتي: محمد یسین انصاری،
قصبہ سرجن نگر، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی آمدنی میں سے اتنی رقم مدرسہ کو ادا کردی جائے، جتنی رقم چرم قربانی کی مسجد میں لگائی گئی ہے، تو شرعاً مسجد مذکورہ قرضہ سے بری ہوجائیگی۔
(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۶۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۲۸۰، امداد الفتاویٰ کراچی ۲/ ۶۵۳)

رجل غصب ساجةً و أدخلها في بنائه فإنه يتملك الساجة وعليه قيمتها فإن قيمة الساجة و البناء سواء فإن اصطلحا على شيئى جاز الخ. (فتاویٰ قاضیخان، كتاب الغصب، فصل فيما يصير به المرء غاصباً وضامنا، زكريا جديد۳/ ۱٦٥، وعلى هامش الهندية ۳/ ۲٤۲، هنديه، زكريا قديم ۵/ ۱۲٤، جديد ۵/ ۱٤٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت۲۳/ ۵٤، مجمع الضمانات ۱/ ۱۳۵، الاشباه والنظائر قديم/ ۱٤٤، جديد

زکریا ۱/۲۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴ ر۱۱۴۱)

مخنث کا مکان مسجد کے نام وقف کرنا

سوال: [۸۲۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مخنث حاجی زاہد حسین نام کے اپنے مکان کو جو کہ پختہ بنا ہوا ہے، مسجد کے نام کردینا چاہتے ہیں، کیا وہ مکان جو ناچنے گانے کی کمائی سے تیار ہوا ہے مسجد کے نام کروانے سے کوئی قباحت تو نہیں ہے، اس مکان کے مسجد کے نام ہوجانے سے محلّہ کا جو گندہ ماحول ہے مخنثات کی جو ٹولیاں یہاں پھرتی رہتی ہیں، وہ بھی ختم ہوجائیں گی، اور آوارگی وبے شرمی کا جو بازار گرم ہے، وہ بھی ٹھنڈا پڑ جائیگا، اب آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ اس مکان کو مسجد کے نام کرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: مسعود احمد، وعبد الرائم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مکان خالص حرام کمائی (یعنی گانے بجانے وغیرہ) سے تعمیر کیا گیا ہے، تو اس کو مسجد کے نام وقف کرنا کبھی جائز نہیں۔ (امداد المفتیین /۸۰۴)

أما المغني والنائحة والقوال إذا أخذ المال هل يباح له، إن من غير شرط يباح لأنه أعطاه المال من طوع من غير عقد وإن من عقد لايباح له لأنه أجر على المعصية. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع زكريا ٨/٣٦٥، كوئٹه ٨/١٩٩، الدر مع الرد، كراچی ٦/٤٢٤، زكريا ٩/٦٠٨)

البتہ مسجد کے نام معمولی قیمت مثلاً ہزار دو ہزار ہی روپیہ پر خرید لیا جائے، اس کے بعد

مسجد کے نام وقف کردیا جائے، تو یہ وقف خریدار کی طرف سے صحیح ہوجائے گا، اور ایسی صورت میں وہ مکان مسجد کیلئے جائز ہوجائیگا۔

وفي فتاویٰ أهل سمر قند رجل دخل علی السلطان فقدم إليه بشيئی مأکول فان اشتراه بالثمن حل له أکله هکذا ذکر. (هنديه، کتاب الکراهية، الثاني عشر في الهدايا والضيافات زکريا قديم ۵/ ۳۴۲، جديده/ ۳۹۶، الفتاویٰ التاتار خانية زکريا ۱۸/ ۱۷۵، رقم: ۲۸۴۰۸، المحيط البرهاني، المجلس العلمی ۸/ ۷۳، رقم: ۹۶۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/۳/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۳/۱۴۲۰ھ

ہجڑے کا مسجد کیلئے زمین وقف کرنا

سوال: [۸۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ہجڑے نے جس کی آمدنی حرام کی ہے اپنی ایک زمین ۷ ارگز مسجد کیلئے بطور وصیت اس طرح وقف کی اور رجسٹری بھی کرادی کہ جب تک میں حیات ہوں میرا ہی قبضہ ہے، اور میں ہی اسکا مالک ہوں، اور میرے مرنے کے بعد مسجد کیلئے ہے، کیا ایسی صورت میں اگر اس زمین کی پوری قیمت بلا نیت ثواب محتاج اور نادار مسلمانوں کو دیدی جائے اس کے بعد اس زمین کی آمدنی کو مسجد کی ضروریات میں صرف کیا جائے، تو یہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ واقف کا انتقال بھی ہوچکا ہے، اور اس کا کوئی وارث بھی نہیں ہے؟

المستفتي: نور العارفین، رفعت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہجڑے کی حرام آمدنی سے خریدی ہوئی زمین مسجد میں وقف کرنا جائز نہیں ہے، اور ذمہ داران مسجد کا اس زمین کو مسجد کیلئے قبول کرنا بھی

جائز نہیں ہے، اور اگر ہجڑے نے اس طرح وقف و وصیت کردی ہے اور اس کے بعد وہ مر گیا ہے تو ذمہ دارانِ مسجد پر لازم ہے کہ اس وقف کو مسجد کے نام سے قبول نہ کریں، بلکہ اس کے وارثین کو واپس کردیں اور اگر ممکن ہو تو جہاں جہاں سے ہجڑے نے حرام پیسہ حاصل کیا تھا، وارثین اس کو وہیں واپس کردیں اگر ممکن نہ ہو تو غریبوں میں بلانیت ثواب صدقہ کردیں اور اگر کوئی وارثِ شرعی نہیں ہے تو اہل حل وعقد اور دینی ذمہ دار لوگ اس زمین یا پیسے کو مسلمان غریبوں میں تقسیم کردیں، اور سوالنامہ میں مسجد کیلئے جو حیلہ لکھا گیا ہے، وہ مسجد کے حق میں درست نہیں ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث فإما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل لہٗ بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس لہٗ حيلة إلا أن يدفعه إلىٰ الفقراء . (بذل المجهود، كتاب الطهارة ، باب فرض الوضوء ، دارالبشائر الإسلامية ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، مطبع سهارنپور قديم ۱/۳۷، هنديه ، زكريا جديد ۵/۴۰۴، قديم ۵/۵۴۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، الدر مع الرد، زكريا ۹/۵۵۳، كراچی ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق ، امداديه ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍۹۰۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۶ھ

ہجڑے کی کمائی سے بنائی گئی مسجد کا حکم

سوال: [۸۲۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہجڑے کی کمائی سے مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہجڑے کی کمائی مطلقاً حرام نہیں ہے، لھذا ہجڑے کی وہ کمائی جو جائز طریقہ پر مثلاً بھیک مانگ کر جمع کردہ رقم ہے تو وہ جائز ہے، اس کو مسجد یا

مدرسہ کی تعمیر میں لگانا درست ہے، اور جو رقم حرام طریقہ سے کمائی گئی ہو جیسے بدکاری، اور منکرات وغیرہ کے ارتکاب کے ذریعہ سے تو وہ حرام ہے اور حرام آمدنی کو مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں لگانا قطعاً جائز نہیں؟

كل مسجد بني مباهاة أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوىٰ ابتغاء وجه الله أوبمال غير طيب فهو لاحق بمسجد الضرار . (تفسير كشاف ١/٥٦٣، تفسير مدارك٧/٣٥٤)

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لايقبل الله صدقة من غلول فإن الحديث دال على حرمة التصدق بمال الخبيث وقد نص الله في كتابه ، يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ . (بذل المجهود ، كتاب الطهارة ، باب فرض الوضوء ، مكتبه سهارن پور ، قديم ١/٣٧، دارالبشائر الاسلاميه ١/٣٥٩ ، تحت رقم الحديث : ٥٩)

إن الله لايقبل إلاّ ماكان من كسب طيب فمفهومه أن ماليس بطيب لايقبل . (فتح الباري ، كتاب الزكاة، باب لاتقبل صدقة من غلول ، اشرفيه ديو بند٣/٣٥٦، تحت رقم الحديث: ١٤١٠، دارالفكر ٣/٢٧٩) فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۷۸)

زنانہ پن اختیار کرنے والے کے مکان کو مسجد میں استعمال کرنا

سوال: [۸۲۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک شخص جن کا نام عبد القیوم تھا، انھوں نے اپنی زندگی میں زنانہ پن اختیار کرلیا تھا، ۳۰ر تیس ۳۵ر پینتس سال سے ہجڑوں کیساتھ گانا بجانا کرتے تھے، اس سے کمایا ہوا پیسہ تھا، جگہ خرید کر

مکان بنالیا قریب ایک سال پہلے وہ مکان مسجد کو دیدیا، لیکن جب تک وہ زندہ رہے انہیں کا قبضہ رہا، یہ دینا انکا بذریعہ وصیت یا بذریعہ بیعانہ ہے ابھی پانچ روز قبل انکا انتقال ہوگیا اپنے پیچھے دو حقیقی بھتیجے محمد فاروق، محمد محفوظ اور دو بھتیجیاں چھوڑیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی کمائی کا مال مسجد کے لئے قبول کرنا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ مسجد کے اخراجات کیلئے مسجد کی چار دوکانیں اور جمعہ کے دن بذریعہ گولک بھی آمدنی ہوتی ہے، اور اس مال میں سے بھتیجے بھتیجیوں کی وراثت قائم ہوگی یا نہیں؟

(۲) ہمارے یہاں مفتی محمد آفتاب علی صاحب سے جب یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اس مکان کو فروخت کر کے حیلہ کرلو اور مسجد میں وہ پیسہ صرف کردو وہیں ایک دوسرے مولانا نے جب مفتی صاحب سے کہا کہ ناجائز مال کو حیلہ کر کے مسجد میں نہیں لگایا جاسکتا ہے، جب تک کہ ضرورت شدیدہ نہ ہو کہ بغیر اسکے وہ کام ہو ہی نہیں سکتا، اس کے جواب میں مفتی صاحب نے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ کتب فقہ میں اسکی اجازت ہے، کوئی قید نہیں ہے، اور یوں فرمایا کہ زکوٰۃ وصدقات اور بینک کا سود بھی حیلہ کر کے مسجد میں لگایا جاسکتا ہے، اس طرح حیلہ کرنا واقعی کتب فقہ میں موجود ہے، تو مع حوالہ کے جواب مرحمت فرمائیں، نیز اگر شرائط ہوں تو وہ بھی حوالہ سے تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد محفوظ خاں، محلّہ پینٹھ اتوار،
سرائے برتن، معرفت جناب اطہر شاہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مکان مسجد میں دینے کی جو بات ہے اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ اگر بذریعہ بیعانہ ہبہ کر دیا ہے، تو ہبہ قبضہ سے قبل تام نہیں ہوگا، لہٰذا ایسی صورت میں پورا مکان بطور وراثت دونوں بھتیجوں کو برابر برابر مل جائیگا، کیونکہ مسجد کو قبضہ نہیں دیا ہے۔

لایجوز الهبة إلا مقبوضة والمراد نفي الملک . (هدایه ، کتاب

الهبة ، اشرفی ۳/۲۸۳)

عن النضر بن أنس قال نحلني أنس نصف داره قال: فقال أبو بردة: إن سرک يجوز لک فاقبضه ، فإن عمر بن الخطاب قضى في الأنحال، أن ماقبض منه فهو جائز، ومالم يقبض فهو ميراث . (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الهبات، باب ماجاء في هبة المشاع ، دارالفكر ۱۵۸/۹ ، رقم: ۱۲۱۸٦)

اوراگر وصیت ہےتو صرف ایک تہائی میں نافذ ہوسکتی ہے، باقی دو تہائی دونوں بھتیجوں کوملیں گے، اور بھتیجیاں وارث نہیں ہوتی ہیں۔

(۲) فتاویٰ دارالعلوم قدیم کی عبارت دیکھ لی گئی ،حضرت مولانا مفتی آ فتاب علی خاں کی بات کسی حدتک اس سے منطبق ہے، اگر چہ دوسرے عالم کی موافقت میں جزئیات موجود ہیں، ہماری رائے میں ایسی کمائی سے خریدا ہوا مکان فروخت کرکے حیلہ کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ مسجد کواس طرح کے حرام اور مشتبہ مال سے ہمیشہ پاک رکھنے کاحکم ہے، نیز یہاں پر مسجد کواتنی ضرورت بھی نہیں ہے، کہ مال مشتبہ میں حیلہ کرکے مسجد میں لگایا جائے۔

لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب فيكره تلويث بيته بما لايقبله .

(شامي، الصلاة ، باب مايفسد الصلاة و مايكره فيها قبيل مطلب في أفضل المساجد ، زكريا ۴۳۱/۲، کراچی ۶۵۸/۱)

عن أبي هريرة –رضى الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إن الله طيب لايقبل إلا طيباً . (مصنف عبد الرزاق ، المجلس العلمي۱۹/۵، رقم: ۸۸۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۳۰؍شعبان۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳؍۵۴۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰؍۸؍۱۴۱۸ھ

طوائف کی مسجد

سوال: [۸۲۱۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد واقع محلّہ اہیران شہر گونڈہ جس کو طوائف مرحومہ ہیرانے اپنی آمدنی (بذریعہ طوائفانہ) پیشہ سے حاصل رقم سے ایک آراضی واسطے مسجد حاصل کی اپنی ہی آمدنی سے اس کی تعمیر کرائی تو کیا یہ مسجد مسجد کے آداب میں سے ہے، کیا اس مسجد میں نماز ہوجائیگی؟ کیا اس مسجد میں جماعت وغیرہ فرائض واجبات کا ثواب حاصل ہوگا، اگر اس مسجد کو منہدم کر کے پھر سے تعمیر کیا جائے، تو اس میں اعانت کی جاسکتی ہے؟

المستفتي: مسرور احمد خاں، گونڈہ، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جبکہ طوائف ہیرانے اپنی حرام آمدنی سے حاصل شدہ رقم سے مسجد کیلئے زمین خرید کر اس میں مسجد تعمیر کرائی تھی، تو یہ جگہ مسجد کے لئے وقف ہوگئی، لیکن چونکہ اس کی زمین حرام مال سے خرید کردہ ہے، اور اس کی تعمیر میں بھی حرام مال لگا ہوا ہے، اس لئے یہ مسجد وقف ہونے کے باوجود مسجد شرعی نہیں کہلائیگی، اور اس میں نماز پڑھنا اس وقت تک مکروہ رہے گا، جب تک اس مسجد کی قیمت حلال مال کے ذریعہ سے ادا نہ ہوجائے، لہٰذا اگر طوائف کے ورثاء ہوں تو اس کی زمین اور عمارت کی قیمت طوائف کے ورثاء کو دیدیں اور طوائف کے ورثاء نہ ہونے کی صورت میں مسجد کی طرف سے نیت کر کے نادار فقراء کو دیدیں تو اسکے بعد یہ مسجد شرعی بھی بن جائے گی، اور مسجد کا ثواب بھی حاصل ہوجائے گا، اسلئے کہ اب مسجد مع زمین کے طوائف کے پیسہ کی نہیں رہی ہے، بلکہ حلال اور پاک پیسہ کی بن گئی ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں جو تصریح فرمائی ہے اس کا یہی خلاصہ اور حاصل ہے، ملاحظہ فرمایئے۔ (امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۶۷، احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۳۲، کفایت المفتی جدید ۷/ ۲، جدید زکریا

مطول ۱۰/۲۸۰، باقیات فتاویٰ رشیدیہ/ ۳۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۷۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۱/۱۴۳۵ھ

طوائف کی کمائی سے بنائی ہوئی مسجد کب شرعی مسجد بن سکتی ہے؟

سوال: [۸۲۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی مسجد طوائف کی کمائی سے بنائی گئی ہے، اس کے شرعی مسجد ہونے کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو مسجد طوائف کی کمائی سے بنائی گئی ہے، اس کو شرعی مسجد بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی اتنی رقم جو تعمیر مسجد میں صرف ہوئی ہے، اگر ممکن ہو تو مالک کو واپس کردی جائے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اتنی رقم فقراء پر صدقہ کردی جائے، تو یہ مسجد مسجد شرعی بن جائے گی۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید ۷/۳۷، قدیم ۷/ ۶۸، جدید زکریا مطول ۱۰/۲۸۳)

لو مات رجل وكسبه من ثمن الباذق والظلم أو أخذ الرشوة تعود الورثة ولا يأخذون منه شيئاً وهو الأولىٰ لهم ويردونه على أربابه إن عرفوهم وإلا يتصدقوا به لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذاتعذر الرد.

(البحرالرائق، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع كوئٹه ۸/ ۲۰۱، زكريا ۹/ ۳۶۹)

والواجب فى الكسب الخبيث تفريغ الذمة والتخلص منه برده إلىٰ أربابه إن علموا وإلا إلىٰ الفقراء. (الموسوعة الفقهية ۳۴/ ۲۴۵)

إذا مات الرجل وكسبه خبيث فالأولىٰ لو رثته أن يردّ والمال إلىٰ أربابه فان لم يعرفوا أربابه تصدقوا به. (هنديه، زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴)

وأما إذاكان عند رجل مال خبيث فإما إن ملكه بعقد فاسد أوحصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلىٰ مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلىٰ الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب

فرض الوضوء، مکتبه سهارن پور قدیم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامیه ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍ ۱۱۴۷۷)

طوائف کی زمین عمومی چندہ سے خرید کر اس پر مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا

سوال: [۸۲۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ طوائف کی زمین پر عوام الناس کی رقم سے خرید کر مدرسہ یا مسجد کی تعمیر ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: بشیر احمد قاسمی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طوائف کی زمین اگر حلال کمائی یا حلال طریقہ سے حاصل شدہ ہے تو اسے مسجد یا مدرسہ کیلئے خریدنا جائز ہے، اور اگر حرام آمدنی یا فعل حرام کے عوض ملی ہوئی ہے، تو اسے خریدنا ہرگز جائز نہیں ہے، اسلئے کہ حرام چیز تبدل ملک سے حلال نہیں ہوتی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۱۲، ڈابھیل ۱۵/ ۱۲۱، امداد الفتاویٰ ۳/ ۲۴، و۴/ ۵۴۴)

الحرام ینتقل أي تنتقل حرمته وإن تداولته الأیدیٰ وتبدلت الأملاک ویأتی تمامه قریباً (قوله) ولا للمشتری فیکون بشراءه منه مسیئاً لأنه ملکه بکسب خبیث الخ. (شامی، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب في تعیین الدراهم فی العقد الفاسد زکریا ۷/ ۳۰۰، کراچی ۵/ ۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲؍ ۴۷۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍ ۳؍ ۱۴۱۷ھ

مسجد میں حرام سامان یا اسکی قیمت دینا

سوال: [۸۲۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مسجد میں حرام روپیہ یا اس کا سامان دیتا ہے، اور مہتمم کو اس سے آگاہ بھی کردیا مہتمم صاحب نے اس کو قبول کرلیا اور لوگوں نے اعتراض کیا اب اس مال یا روپیہ کو واپس کردیا جائے یا نہیں ؟مفصل تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: حافظ رئیس احمد، شیرکوٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد یا تعمیر مسجد میں حرام مال یا حرام طریقہ سے خریدا ہوا سامان دینا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے دیدیا ہوتو اسکو واپس کردیا جائے، اگر تعمیر کرادی گئی ہے، تو اسکی قیمت واپس کردینی چاہئے خواہ مہتمم صاحب لئے ہوں یا کوئی اور متولی صاحب لئے ہوں، بہرصورت حرام مال مسجد میں لینا جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۹۸، ڈابھیل ۱۵/ ۵۴، احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۳۲)

عن أبي هريرة – رضی اللہ عنه– قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم : إن اللہ طیب لایقبل إلا طیباً. (مسند احمد بن حنبل ۲/ ۳۲۸، رقم: ۸۳۳۰)

أما لو أنفق فی ذلک أی المسجد مالا خبیثاً و مالا سببه الخبیث والطیب فیکره. (شامی، الصلاة، باب مایفسد الصلاة، و مایکره فیها، قبیل فی أفضل المساجد زکریا ۲/ ۴۳۱، کراچی ۱/ ۶۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ۶/ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۲۸)

ناجائز آمدنی والے شخص کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز کا حکم

سوال: [۸۲۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے

گھر کے پاس نئی مسجد تعمیر ہورہی ہے، جسمیں نماز شروع ہوگئی ہے، مسجد تعمیر کرانے والا فخریہ یہ کہتا ہے، کہ ہماری مسجد ہے یہ بات وہ اپنی تقریر میں ضرور کہتا ہے، مسجد تعمیر کرانے والا شخص ظاہراً مالدار ہے، مگراس کی آمدنی کا کوئی جائز ذریعہ نہیں، نہ وہ نوکری کرتا ہے، نہ کوئی تجارت اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ اتنا سارا پیسہ کہاں سے آیا جس سے مسجد تعمیر ہورہی ہے، اس شخص کی باتوں سے یہ معلوم ہوا، ۲۷/لاکھ روپیہ مسجد میں صرف ہوگا، مگراس نے یہ نہیں بتایا کہ یہ پیسہ کہاں سے موصول ہورہا ہے، اس بات کو کبھی منظر عام پر نہیں رکھا کہ کہاں سے کتنا پیسہ موصول ہوا، وہ شخص مجھ سے رنجش بھی رکھتا ہے، وہ شخص دینی کم سیاسی زیادہ ہے اور گاؤں میں رہتا نہیں ہے، جبکہ گاؤں ہی کا رہنے والا ہے، کبھی کبھار گاؤں آتا ہے، جیسے عیدالفطر، عید الاضحیٰ یا شادی بیاہ کے موقعہ پر اور نماز بھی پنجگانہ نہیں پڑھتا ہے، چونکہ مسجد میرے گھر کے پاس ہے، لہٰذا اوپری باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بتائیے کہ میرا اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بالتفصیل جواب مطلوب ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مسلمان شخص مسجد تعمیر کرارہا ہے، تو ہم کو ”ظُنُّوا بِالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ خَيْراً . (المعجم الكبير للطبراني ، داراحياء التراث العربي ۲۳/۱۵۶، رقم: ۲۳۹) کےتحت یہی خیال کرنا چاہئے، کہ جائز اور حلال پیسہ سے یہ شخص مسجد تعمیر کررہا ہے، نیز ہم کو اس طرح کھودکر ید کر کے تحقیق وتفتیش کا حق بھی حاصل نہیں ہے، لہٰذا اس مسجد میں آپکا اور دیگر لوگوں کا نماز پڑھنا بلاتردد جائز ہے۔

وَلاَ تَجَسَّسُوْا وَلاَ يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً ، الأية: (حجرات /۱۲)

رہا اس کا نماز نہ پڑھنا تو یہ اس کا اپنا فعل ہے، نماز نہ پڑھنے کا گناہ اس پر ہوگا، نمازیوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۸۰)

ناچنے والی عورتوں کا روپیہ مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا ناچنے والی عورتوں کا روپیہ مسجد میں کسی بھی شکل میں لگانا جائز ہے یا نہیں، نیز اگر اسمیں آدھے روپیہ حلال کمائی کے ہیں، تو کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد طیب، متعلم دورۂ حدیث،
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، شہر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد خدا کا مقدس اور پاکیزہ گھر ہے، اسکی تعمیر اور درستگی میں حلال اور پاکیزہ مال ہی استعمال کیا جائے، حرام کمائی مسجد میں استعمال کرنا ممنوع اور مکروہ ہے، حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ مال قبول فرماتے ہیں، لھذا حرام اور مشتبہ مال سے مسجد بنانے کی قطعاً اجازت نہیں، ہاں البتہ اگر وہ صرف حلال کمائی میں سے ہی دیتی ہے، حرام میں سے نہیں دیتی تو اس صورت میں مسجد میں لگانے کی گنجائش ہے، اگر آدھا حلال اور آدھا حرام مخلوط پیسے دیتی ہے تو جائز نہیں۔ (مستفاد: رحیمیہ ۶/ ۹۹، جدید زکریا ۹/ ۱۰۸، محمودیہ ۵/ ۸۸، ڈابھیل ۱۵/ ۸۴)

عن أبي هريرة –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: إن الله طيب لايقبل إلا طيباً. (صحيح مسلم، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب...... النسخة الهندية ۱/ ۳۲۶، بيت الأفكار رقم: ۱۰۱۵)

أما لو أنفق في ذلک مالا خبيثاً ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره، لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله. (شامی، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها قبيل مطلب في أفضل المساجد، زكريا

۲/ ۴۳۱، کراچی ۱/ ۶۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

سودی رقم مسجد میں صرف کرنے کا حکم

سوال: [۸۲۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نادار محلّہ ہے محلے والوں نے ایک مسجد بنالی ہے چھت ٹین کی ہے کم آباد محلّہ ہے محلّہ میں صاحب ثروت لوگ نہیں ہیں، بجلی کا کھمبا بھی دور وہاں سے بجلی لینے کیلئے چند کھمبوں کی ضرورت ہے، جس پر تقریباً بیس ہزار روپئے خرچ ہوں گے، اور یہ بیس ہزار بمشکل ہیں ایسی شکل میں اگر مسجد کا بیت الخلاء و پیشاب گھر و کھمبے بیاج کے روپیوں سے تعمیر کرالیں تو کیا گنجائش ہے یا نہیں؟ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۹۲ میں) درست بتایا ہے، آپ کیا فرماتے ہیں، نیز مصرف بھی بتائیں، آپ کا انتظار ہے، فقہی جدید مسائل/ ۳۹۸ میں ناجائز لکھا ہے؟

المستفتي: عظیم اللہ، بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیاج کا روپیہ مسجد میں خرچ کرنا تقدس مسجد کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اور مسجد کے بیت الخلاء، پیشاب گھر اور کھمبے میں صرف کرنا بھی جائز نہیں ہے، بعض اہل فتویٰ نے گنجائش لکھی ہے، ان کی دلیل ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، دعویٰ اور دلیل میں کوئی جوڑ نہیں ہے۔

عن ابي هريرة رضـ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله طيب لايقبل إلا الطيب.

(سنن الدارمي، باب في أكل الطيب، دارالمغنى للنشر التوزيع ۳/ ۱۷۸٦، رقم: ۲۷۵۹)

أما لو أنفق في ذلک مالا خبيثاً ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره، لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله. (شامی،

كتاب الصلاة ، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها قبيل مطلب في أفضل المساجد ، زكريا ۲/ ۴۳۱، کراچی ۱/ ۶۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۲/۱۱/۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۶ھ

سودی قرض لیکر مساجد و مدارس تعمیر کرنا

سوال: [۸۲۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا سودی قرضہ لیکر مساجد یا مذہبی یا اسلامی ادارے کی املاک تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل جواب جلد عنایت فرما کر مشکور ہوں؟

المستفتي: حبیب اللہ خان، مدرسہ مسیح العلو، بنگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ ناجائز اور حرام ہے، کرنے والے گناہ کبیرہ کے مرتکب اور لعنت خداوندی کے مستحق ہوں گے۔

عن جابرؓ قال : لعن رسول الله ﷺ ، آكل الربوٰ، ومؤكله ، وكاتبه ، وشاهديه ، وقال: هم سواءً . (صحيح مسلم ، باب لعن أكل الربا، وموكله ، النسخة الهندية ۲/ ۲۷، بيت الافكار رقم: ۱۵۹۸)

اس قسم کا معاملہ کرنے والے سب سخت گنہگار اور وعید کے مستحق ہوں گے، البتہ اس طرح سے جو عمارت بن چکی ہے، وہ شرعاً مسجد وغیرہ کی ملکیت میں داخل ہو جائیگی، کیونکہ اسمیں کوئی سود کا پیسہ لگایا نہیں گیا ہے! فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۲۵)

بینک سے قرض لیکر مسجد بنانا اور آراضی مساجد پر بینک کی تعمیر

سوال: [۸۲۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ڈاکٹر محمد ہاشم پڑاؤ والی محلّہ مسجد کنجری سرائے کا متولی ہوں، میرے ایک عزیز دوست ابرار حسین صاحب عرف منے میاں چاہتے ہیں، کہ بینک سے قرض لے کر مسجد کو دوبارہ بنایا جائے، نیچے نئی دوکانیں اسکے اوپر بینک اور اسکے اوپر مسجد تعمیر کرائی جائے، کیا حدیث اور شریعت کی روشنی میں ایسا کرنا جائز ہے، یا ناجائز؟ جبکہ مسجد کی آمدنی ایک ماہ کی دوکانوں اور مکان سے مبلغ چارسو پندرہ روپیہ ہے، میں دل کا مریض ہوں، میں حساب وکتاب دینا چاہتا ہوں کیا میں ان حالات میں ابرار صاحب کو حساب وانتظام دے سکتا ہوں یا نہیں؟ مفصل ومدلل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد ہاشم، نارتھ ریلوے
ہوسپٹل منزل، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بینک کا قرض سودی ہوتا ہے، اوراس کو مسجد میں لگانا ناجائز اور ممنوع ہے۔

لو أنفق في ذلک مالاً خبيثاً ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب فيكره تلويث بيته بمالا يقبله الخ. (شامی، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، و مايكره فيها، قبيل مطلب في أفضل المساجد زكريا ۲/ ۴۳۱، کراچی ۱/ ۶۵۸، کوئٹہ ۱/ ۴۸۷)

نیز دوکانیں اور بینک مسجد کی زمین پر تعمیر کراکے اوپر مسجد بنائی جائے، یہ صورت ہرگز جائز نہیں ہے، اگر کوئی ایسا کرے گا، تو عمارت توڑ کر زمین مسجد میں داخل کرلی جائے گی۔

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلىٰ قوله) فيجب هدمه ولو

علی جدار المسجد ولا یجوز أخذ الأجرة منه ولا أن یجعل شیئاً منه مستغلاً ولا سکنیٰ الخ. (الدر مع الرد، الوقف مطلب فیما لو خرب المسجد أوغیره ، زکریا ٦/٥٤٨، کراچی ٤/٣٥٨، کوئٹه ٣/٤٠٦، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ١٢/٢٩٦، النهر الفائق ، دارالکتب العلمیة بیروت ٣/٣٣٠)

نیز موجودہ حالات میں ابرار صاحب کو متولی بنانا جائز نہیں ہوگا، کسی متبع شرع شریف کو بنایا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۹/۲۴)

بینک میں مسجد کی جمع شدہ رقم پر ملے سود کو بیت الخلاء میں لگانا

سوال: [۸۲۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی کچھ رقم بینک میں تھی ،اس رقم پر سودی رقم تقریباً پچاس ہزار ہوگئی ہے، آیا اس رقم کو مسجد کے بیت الخلاء یا مدرسہ کے بیت الخلاء میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد علیم الدین قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بینک میں مسجد کی جمع شدہ رقم پر جو سود ملا ہے، وہ حرام ہے ،اسلئے اسکو مسجد یا مدرسہ کے بیت الخلاء میں نہیں صرف کر سکتے بلکہ بینک سے نکال کر فقراء کو دینا لازم ہے، اور جن علماء نے مسجد کے بیت الخلاء میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے، ان کی دلیل مضبوط نہیں ہے۔

أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. (البقرہ: ٢٧٥)

عن ابي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: أيها الناس ! إن الله طيب لايقبل إلا طيباً. (صحیح مسلم، باب قبول الصدقة من الکسب الطیب وتربیتها، النسخة

الهندية ۱/ ۳۲٦، بيت الافكار رقم: ۱۰۱۵)

أما لو أنفق في ذلک مالا خبيثاً و مالا سببه الخبيث و الطيب فيكره ، لأن الله تعالیٰ لا يقبل إلا الطيب ، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله. (شامی، كتاب الصلاة ، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها قبيل مطلب في أفضل المساجد ، زكريا ۲/ ٤٣١، كراچی ۱/ ٦٥٨)

و أما إذا كان عند رجل مال خبيث فأما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل لهٗ بغير عقد و لا يمكنه أن يرده إلیٰ مالكه فليس لهٗ حيلة إلا أن يدفعه إلیٰ الفقراء . (بذل المجهود ، كتاب الطهارة ، باب فرض الوضوء ، سهارنپور قديم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلاميه ۱/ ۳٥۹، تحت رقم الحديث :٥۹، هنديه ، زكريا قديم ٥/ ٥٤٨، جديد ٥/ ٤٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ۳/ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۳/ ۱۴۲۳ھ

بینک سے حاصل شدہ رقم مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک کے اکاؤنٹ میں جو رقم ڈالتے ہیں، ایف ڈی کی صورت میں جو رقم جمع ہوتی ہے، اس پر جو انٹرسٹ حاصل ہوتا ہے، کیا اس کو مسجد کی تعمیر میں خرچ کیا جا سکتا ہے؟

المستفتي: اہلیہ محمد ناصر، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کے سود کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے، اور ایف ڈی میں جو زائد رقم ملتی ہے، وہ سود ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ حرام مال کو قبول نہیں کرتا۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/ ۷۹۹)

أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. (البقرہ: ۲۷۵)

عن أبي هريرة -رضى الله عنه- أن النبى صلى الله عليه وسلم، قال: إن الله طيب لايقبل إلا طيباً. (مسند بزار، مکتبه العلوم و الحکم ۱۴۴/۱۷، رقم: ۹۷۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شوال ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴؍ ۶۳۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۰/۲۳ھ

سودی رقم عیدگاہ یا مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) جو شخص بینک سے سود پر لین دین کرتا ہے، کیا اس کا پیسہ عیدگاہ یا مسجد میں لگایا جاسکتا ہے۔

(۲) عیدگاہ یا مسجد کے کام میں چندہ دینا اولیٰ ہے یا دینی درسگاہ مدرسہ میں؟

المستفتي: اخلاق احمد، سلیم پور، گڑھی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کا پیسہ مسجد یا عیدگاہ میں لگانا جائز نہیں ہے، بلکہ فقراء کو بلانیت ثواب صدقہ کردینا لازم ہے۔

فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلىٰ الفقراء الخ. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور قدیم ۳۷/۱، دارالبشائر الاسلامیه ۳۵۹/۱، تحت رقم الحديث: ۵۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۴۶/۳۴، الدر مع الرد، زکریا ۵۵۳/۹، کراچی ۳۸۵/۶، البحرالرائق، زکریا ۳۶۹/۹، کوئٹه ۲۰۱/۸، تبیین الحقائق، مکتبه امدادیه ملتان ۲۷/۶، زکریا ۶۰/۷)

عیدگاہ یا مسجد کے کام میں چندہ دینا اور دینی درسگاہ مدرسہ میں چندہ دینا دونوں اعلیٰ

درجہ کا ثواب کا کام ہے، البتہ مدارس میں ثواب زیادہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۵۴/۳۲)

مسجد میں لگی ہوئی سودی رقم کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال: [۸۲۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک پرانی مسجد جس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا ہے، کچھ سود کا روپیہ اس میں لگا دیا گیا ہے، مثلاً ۶۰؍ ہزار روپیہ تھا، جسمیں سودی بھی تھا اس سے تعمیر کر دی گئی، لیکن یہ معلوم نہیں ہے، کہ اسمیں سود کتنا تھا، اب مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سودی رقم مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے، ایسی مسجد میں نماز مکروہ ہوتی ہے، لیکن جتنی رقم سود کی اسمیں خرچ کر دی ہے، اتنی ہی رقم کوئی شخص اپنی طرف سے مذکورہ سودی رقم کے عوض میں اگر شخصی سود ہے، تو اس کو واپس کر دے، اور اگر بینک کا سود ہے، تو غرباء کو بلانیت ثواب صدقہ کر دے تو پھر شرعی مسجد بن جائیگی اور نماز بلا کراہت ہو جائیگی۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۶۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۲۸۰)

من ملک أموالا غير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامناً الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم، زکریا ۳/ ۲۱۸، کراچی ۲/ ۲۹۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/ ۲۴۹)

لا يباح الانتفاع به قبل أداء البدل فی الصحيح من المذهب. (شامی، مطلب فی التصدق من المال الحرام زکریا ۳/ ۲۲۰، کراچی ۲/ ۲۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷۶۸/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۱۲/ ۱۴۱۴ھ

سودی رقم سے تجارت کرنے والے شخص کی رقم مسجد میں لگانے اور ان کی دعوت کھانے کا حکم

سوال: [۸۲۳۱]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قصبہ میں بکرا منڈی ہے، جہاں بیوپاری خرید وفروخت جانوروں کی کرتے رہتے ہیں، کچھ احباب سود کی رقم لیکر کاروبار کرتے ہیں، ایسے حضرات کی رقم مسجد کی تعمیر میں لگ سکتی ہے یا نہیں؟ اور ایسے لوگوں کے یہاں دعوت میں جانا شادی کی تقریبات میں شرکت کرنا اور کھانا وغیرہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت کے ساتھ تشریح فرمائیں؟

المستفتي: عزیز احمد نعمانی، فاضل دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سودی رقم کے ذریعہ کاروبار کرنا شرعاً ناجائز ہے اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کو مسجد میں لگانا درست نہ ہوگا، مسجد میں خالص حلال اور طیب روپیہ لگانا چاہئے، اور اگر ایسے شخص کی غالب آمدنی یہی ہے، تو اس کے یہاں کھانا پینا ہدیہ لینا، اور دعوت قبول کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. (البقرة: ۲۷۵)

أما لو أنفق في ذلک مالا خبيثاً ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره، لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله. (شامی، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها قبيل مطلب في أفضل المساجد، زكريا ۴۳۱/۲، كراچی ۶۵۸/۱)

عن أبي هريرة –رضى الله عنه– أن النبى صلى الله عليه وسلم، قال: إن الله طيب لايقبل إلا طيباً. (صحيح مسلم، باب قبول الصدقة، من الكسب الطيب

و تربیتها ، النسخة الهندية ۱/ ٤٢٦، بيت الافكار رقم: ۱۰۱۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۸/ ۱۴۳۲ھ

سودی رقم مسجد کے بیت الخلاء میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے استنجاء خانہ وغسل خانہ کی تعمیر میں بینک سے ملا ہوا بیاج اور سود استعمال کیا جا سکتا ہے؟ بہت سی جگہوں پر دیکھا گیا ہے، اس رقم سے بیت الخلاء وغیرہ بنوایا گیا ہے؟ اگر استعمال کرنا درست ہے تو مسجد کی چھت اور لٹرین باتھ روم کی چھت کو ملا دینا جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: ولی الدین، شہڈول، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سودی رقم کو مسجد کے بیت الخلاء استنجا خانہ کی تعمیر میں استعمال کرنا قطعاً درست نہیں ہے، اور سودی رقم کسی بھی عنوان سے مالک تک پہونچانا ممکن نہ ہو تو بلا نیت ثواب فقراء میں تقسیم کر دینی چاہئے، اور بعض علماء نے بیت الخلاء اور رفاہ عام میں خرچ کرنے کی گنجائش لکھی ہے، ان کے دلائل مسئلہ سے منطبق نہیں ہوتے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث فأما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل لهٗ بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلىٰ مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس لهٗ حيلة إلا أن يدفعه إلىٰ الفقراء . (بذل المجهود ، كتاب الطهارة ، باب فرض الوضوء ، سهارنپور قديم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلاميه ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث :۵۹، البحرالرائق، کوئٹه ۸/ ۲۰۱، زکریا ۹/ ۳٦۹، الدر مع الرد، زکریا ۹/ ۵۵۳،

کراچی ٦/٣٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر صفر ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۶۷/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۲/۱۰ھ

سود کے پیسہ سے مسجد کا بیت الخلاء بنانا

سوال: [۸۲۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سود کے پیسہ سے مسجد کا بیت الخلاء بنانا یا اجتماع کے موقع پر بیت الخلاء بنانا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد صدیق، عمری کلاں، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سود کے پیسہ سے بیت الخلاء بنانا جائز نہیں ہے، چاہے مسجد و مدرسہ کا ہو یا ذاتی یا قومی بلکہ اگر حکومت سے سودی رقم ملی ہے، تو انکم ٹیکس سیل ٹیکس میں دینا جائز ہے اور اگر ٹیکس نہیں ہے، تو فقراء میں بلانیت ثواب تقسیم کردینا لازم ہے۔

لایمکنه أن یرده إلیٰ مالکه ویرید أن یدفع مظلمة عن نفسه فلیس له حیلة إلا أن یدفعه إلی الفقراء الخ. (بذل المجهود، کتاب الطهارة باب فرض الوضوء سهارن پورقدیم ١/٣٧، دارالبشائر الإسلامیه ١/٣٥٩، تحت رقم الحدیث: ٥٩، هندیه، زکریا قدیم ٥/٥٤٩، جدیده ٥/٤٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۴۵۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۸ھ

غیر مسلم کی شراب وخنزیر اور سودی رقم کو مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی

ازسرنوتعمیر کی گئی تھی ،تعمیر کے بعد لینٹر چھت ڈالنے کے لئے رقم نہ ہونے کی بنا پر مسلم اور غیر مسلم دونوں فرقوں کے لوگوں سے چندہ لیا گیا جبکہ کچھ غیر مسلم ایسے بھی ہیں ،جنھوں نے خوشی سے چندہ دیا ہے ،اور کتنے غیر مسلموں کا کاروبار شراب وغیرہ کا بھی ہے، اور یہ رقم مسجد میں لگادی گئی ہے، آیا اب اسمیں نماز جائز ہے یانہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلموں سے مسجد کی تعمیر وغیرہ کیلئے ازخود چندہ وصول کرنا درست نہیں ہے، ہاں اگر وہ کار خیر سمجھ کر از خود مسجد کیلئے چندہ دیں تو وہ رقم مسجد میں لگانا جائز اور درست ہے، اور غیر مسلم کی وہ آمدنی جو اس کے مذہب میں حلال ہے وہ جائز آمدنی شمار ہوتی ہے، لہٰذا اگر غیر مسلم شراب وخنزیز اور سود کے پیسے کو حلال سمجھتے ہیں، پھر وہ پیسہ کار خیر سمجھ کر دیتا ہے، تو اس کا لگانا جائز ہے، لیکن چوری ڈکیتی کے پیسہ کو غیر مسلم بھی حرام سمجھتے ہیں، اس لئے ان کی چوری ڈکیتی کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے، اور غیر مسلم کا پیسہ جس مسجد میں لگایا گیا ہے اس مسجد میں نماز پڑھنا بلا تردد جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: انواررحمت/۱۵۴)

لو وقف علیٰ مسجد بيت المقدس فانه صحيح لأنه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/ ١٩٠، زكريا ٥/٦ ٣١)

لأنه مباح بدليل صحته من الكافر كالعتق والنكاح وتحته فى الشامية: بل التقرب به موقوف على نية القربة فهو بدونها مباح حتى يصح من الكافر. (درمختار مع الشامى، مطلب لو وقف على الاغنياء وحدهم لم يجز زكريا٦/ ٥٢١، كراچى ٤/ ٢٣٩، الموسوعة الفقهية الكويتية٣٣/ ١١٠، ٤٤/ ١٢٩)

وأما الإسلام فليس من شرطهٖ فصح وقف الذمى بشرط كونه قربة عندنا وعندهم كما لو وقف على أولاده أو على الفقراء أو على فقراء أهل الذمة فإن عمم جاز الصرف إلىٰ كل فقير مسلم أو كافر. (البحرالرائق، زكريا

۳۱۶/۵، کوئٹہ ۱۸۹/۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۲۵/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۱۷ھ

مسجد میں چوری کی بجلی کا استعمال

سوال: [۸۲۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آجکل اکثر مقامات کی مساجد میں دیکھا گیا ہے، کہ وضو کے واسطے جو پانی گرم کیا جاتا ہے، ہیٹر اور گیزر سے گرم کیا جاتا ہے، اور بہت سے مقامات کے مسجد کے ذمہ دار حضرات میٹر بند کر دیتے ہیں، اور یا کسی طریقہ سے بجلی چوری کر کے پانی گرم کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے یانہیں؟ اور ایسے پانی سے وضو کرنا شرعی طور پر کیا حکم رکھتا ہے، اور اس سے نماز میں کوئی خرابی آتی ہے یانہیں؟ امید ہے کہ مدلل جواب مرحمت فرمائیں گے؟

المستفتي: مولانا امام الدین، رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد خالص عبادت کا مقام ہے، اسمیں چوری کی چیز استعمال کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اب تک جو نماز اس پانی سے وضو کر کے ادا کی گئیں وہ نمازیں صحیح اور جائز ہو جائیں گی، اور جان بوجھ کر ایسے پانی کو وضو میں استعمال کرنا ناجائز اور ممنوع ہے، اور اب تک جو بجلی چوری سے استعمال کی گئی ہے، اس کا بل تمام نمازیوں پر ادا کرنا لازم ہوگا؟

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا لاتظلموا، ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. (مشکوٰۃ شریف/۲۵۵، شعب الإيمان للبيهقى، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ۳۸۷/٤، رقم: ٥٤٩٢)

لايجوز لأحد أن يتصرف فی ملک الغير بغير إذنه الخ لايجوز لأحد

أن يأخذ مال أحد الخ. (قواعد الفقه، اشرفي ديوبند/ ١١٠، رقم: ٢٦٩، ٢٧٠، شرح المجلة رستم اتحاد١/٦١، رقم المادة: ٩٦، الموسوعة الفقهية الكويتية٢٨ /٢٩٦، ٢١ /١١٢، ٢٨ /٢٦٤، ٣٧ /٣٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۳۴۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۶/۵ھ

چوری کے پیسے سے مسجد کا مائک خریدنا

سوال: [۸۲۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کسی غیر مسلم کی دوکان پر نوکری کرتا ہے، وہ مالک کی غیر موجودگی میں دوکان سے روپیہ چرا کر اپنے گاؤں کی مسجد کیلئے مائک ایملی فائر وغیرہ خریدتا ہے، تو بتلائیے کہ اس شخص کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ اور اس مائک کے ذریعہ سے اذان دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اذان دیدی گئی تو اذان ہوگی یا نہیں؟ اذان دینے والا گنہگار تو نہ ہوگا، قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد ظفر عالم، سعید نگر، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد اللہ کا مقدس گھر ہے، اور اللہ کے نزدیک روئے زمین پر سب سے محبوب جگہ یہی مسجد ہے۔

عن أبي هريرة ؓ أن رسول الله ﷺ قال: أحب البلاد إلىٰ الله مساجدها.

(مسلم شريف، باب أحب البلاد إلىٰ الله مساجد ها، النسخة الهندية ١/٢٣٦، بيت الافكار رقم: ٦٧١، صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامى ٢/٢٦٩، رقم: ١٢٩٣)

اس لئے مسجد میں بالکل حلال اور پاکیزہ مال استعمال کرنا چاہئے، مال حرام اور مال مشتبہ سے بچنا چاہئے، لہٰذا مسجد میں مال حرام یا ایسا مال جس کے حصول کا سبب حرام ہو خرچ کرنا جائز نہیں۔

أما لو أنفق في ذلک مالا خبيثاً ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره، لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله. (شامی، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها قبيل مطلب في أفضل المساجد، زكريا ٢/ ٤٣١، كراچی ١/ ٦٥٨)

لٰهذا مسئولہ صورت میں اس شخص کا یہ فعل ناجائز اور حرام ہے، اور جتنی اذانیں اس مائک سے دی گئیں ہیں، کراہت کے ساتھ صحیح ہوجائیں گی، اور اگر بعد میں وہ مالک اجازت دیدے تو وہ کراہت ختم ہوجائے گی۔

والأرض المغصوبة أو رأى صاحبها لايكرهه فلا بأس . (شامی، الصلاة، مطلب فی الصلاة، فی الأرض المغصوبة زكريا ٢/ ٤٤، كراچی ١/ ٣٨١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۸ھ

میٹر کے بغیر مسجد و مدرسہ میں لائٹ کا استعمال

سوال: [۸۲۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ کی مسجد میں شروع ہی سے لائٹ کا میٹر لگا ہوا نہیں ہے، ایسے میں تاروں سے کرنٹ لے رکھا ہے، جس سے مسجد میں لائٹس پنکھے سمر سیبول وغیرہ سب چیزیں چلتی ہیں، اور لائٹ محکمہ کی طرف سے اب تک نہ کوئی اعتراض ہوا نہ گرفت اور مسجد سے قریب ایک مدرسہ ہے، اس میں بھی لائٹ جارہی ہے، تو کیا اس طرح مسجد و مدرسہ میں بغیر میٹر لائٹ کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ شرعاً وقانوناً اور اس مسجد میں کیا ہمارا وضو درست ہوگا یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد فراست علی، سرائے ترین، عائشہ مسجد، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سرکار کی طرف سے مسجد یا مدرسہ میں فری لائٹ دی گئی ہے، تو اس کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر سرکار کی اجازت کے بغیر چوری کے تار ڈال کر مسجد کی مذکورہ ضرورتوں میں لائٹ کا استعمال ہورہا ہے، پھر مسجد سے مدرسہ کی طرف بھی لائٹ منتقل کی جارہی ہے، تو یہ سب ناجائز ہے اس کا گناہ مسجد کے ذمہ داران پر ہوگا، اور نمازیوں کے سر نہ ہوگا، نمازیوں کی نماز بلا کراہت درست ہوجائیگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۴/ ۱۴۵، محمودیہ ڈابھیل ۱۵/ ۱۰۷)

إمرأة زوجها في أرض الجور، إن أكلت من طعامه ولم يكن عين ذلک الطعام غصبا فهي في سعة من تناوله والإثم على الزوج. (شامی، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالا صراحاً، زکریا ۷/ ۳۰۲، کراچی ۵/ ۹۹، کراچی ٦/ ۳۸٦، زکریا ۹/ ۵۵۳، ۵۵٤)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه. (شرح المجلة ۱/ ٦۱، رقم المادة: ۹٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱؍ ۱۱۷۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴؍ ۱۱؍ ۱۴۳۵ھ

مسجد کی تعمیر میں شیعہ سے بغیر حق کے روپئے لینا

سوال: [۸۲۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضلع بجنور کے موضع شکر پور میں شیعہ حضرات نے اپنی ایک مسجد تعمیر کی تھی، جس میں سنی حضرات نے کچھ حصہ نہیں لیا تھا، اور نہ کسی نے کوئی رقم دی تھی، لیکن دونوں فرقوں کے حضرات اتفاق رائے سے اس مسجد میں نماز پڑھتے تھے، اب کچھ سنی حضرات نے شیعوں کی اس بنائی ہوئی مسجد میں اس نیت سے کہ شیعوں کی مسجد میں ان کی دی ہوئی اذان سے ہماری نماز نہیں ہوتی

ہے، نماز پڑھنی چھوڑ دی ہے، اور فرقۂ شیعہ کے لوگوں سے مسجد کی نصف قیمت جس کی رقم تقریباً پچیس ہزار روپئے اور اس مسجد کا سامان نصف صف وغیرہ لینا چاہتے ہیں، اور شیعہ حضرات نصف قیمت پچیس ہزار روپئے اور نصف سامان دینے پر رضا مند ہیں، لیکن سنی حضرات میں سے کچھ حضرات نصف قیمت اور نصف سامان لینے پر رضا مند نہیں ہیں، اور یہ کہتے ہیں، کہ اس مسجد میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے، اور نہ ہم نے اس کی تعمیر میں کوئی حصہ لیا ہے، اب تک ہم نے ان کی مسجد میں نماز پڑھی، یہ ان لوگوں کا اخلاقی فعل تھا کہ انھوں نے ہم کو منع نہیں کیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا فرقۂ شیعہ کے لوگوں سے ان کی مسجد کی نصف قیمت ونصف سامان لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا سنی حضرات اس رقم کو اور سامان کو اپنی مسجد میں یا اپنی تیسری مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد یاسین، شکر پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شیعہ لوگوں کی مسجد میں سنیوں کا کوئی پیسہ لگا ہوا نہیں تو پھر مسجد کے تعمیری خرچہ میں سنیوں کو آدھی قیمت لینے کا کوئی حق نہیں ہے، اور اس نام سے شیعوں سے پیسہ لیکر سنیوں کی مسجد میں لگانے کا شرعی طور پر کوئی جواز نہیں، اگر سنیوں کو اپنی مسجد بنانی ہے، تو اپنے پیسے سے الگ سے بنائیں۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم، قال: لایحل مال امرئ مسلم، إلا بطیب نفس منه. (السنن الکبریٰ للبیهقی، الغصب، قبیل باب من غصب جاریة فباعها ثم جاء رب الجاریة، دار الفکر ۸/۵۰۶، رقم: ۱۱۷٤۰)

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعی. (قواعد الفقه، اشرفي دیوبند/ ۱۱۰، رقم: ۲٦۹، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۱/۱۱۲، ۲۸/۲٦٤، ۳۷/۳٥٤، مجلة الأحکام العدلیة ۱/۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/۷/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۶/۷۷۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۸/۱۴۲۳ھ

سٹہ کا پیسہ مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب نے سٹہ کا پیسہ مسجد کیلئے دیا تو کیا اس سے تعمیری ضرورتوں میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا کیا شکل اختیار کی جائے؟

المستفتی: عبدالرؤف، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سٹہ کا پیسہ مسجد کے کسی مصرف میں لگانا جائز نہیں ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۷۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۳۹۷)

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ : أیها الناس! إن اللہ طیب لا یقبل إلا طیباً. (صحیح مسلم، باب قبول الصدقة، من الکسب الطیب و ترتیبها، النسخو الهندیه ۱/ ۳۲۶، بیت الافکار رقم: ۱۰۱۵، مشکوٰۃ شریف ۱/ ۲۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۵/۶۸۸۳)

تعزیر بالمال کی سزا میں لئے گئے پیسہ کو مسجد و مدرسہ میں لگانا

سوال: [۸۲۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو لڑکے ایک لڑکی کو لیکر فرار ہورہے تھے، کسی نے راستہ میں ان کو دیکھ لیا دیکھنے والے نے ان دونوں لڑکوں اور لڑکی کو پکڑ کر کے پردھان کے حوالہ کردیا پردھان نے ان تینوں کو پولیس کے حوالہ

کر دیا، پھر لڑکے اور لڑکی والوں کے کہنے پر گاؤں کے بڑے ذمہ دار حضرات ان تینوں کو چھڑا کر لے آئے اس کے بعد انھوں نے پنچایت بلائی، پنچوں نے پہلے یہ شرط رکھدی کہ ہم جو فیصلہ کریں گے اس کو ماننا لازم ہوگا، چنانچہ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں لڑکے سزا کے طور پر پچیس پچیس ہزار روپئے ہمارے حوالہ کریں ہم اس کو جہاں چاہیں گے خرچ کریں گے، چنانچہ دونوں لڑکوں نے بخوشی پچیس پچیس ہزار روپئے ان کے حوالہ کر دیئے، اب سوال یہ ہے کہ ان پیسوں کو مسجد، مدرسہ یا عیدگاہ کی تعمیر ومرمت میں لگا سکتے ہیں، یا نہیں؟ یا اس کے علاوہ کوئی اور مد بھی ہے جس میں ان پیسوں کو خرچ کر سکیں؟

المستفتي: عبدالخالق، شریف نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مالی جرمانہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے، لھٰذا پنچوں نے ان دونوں لڑکوں سے جو پچیس پچیس ہزار روپئے سزا کے طور پر وصول کئے ہیں، اس کو واپس کرنا ضروری ہے، مسجد ومدرسہ عیدگاہ کی تعمیر مرمت یا کسی اور مد میں اس کو خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

التعزير بأخذ المال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (شامی، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب فی التعزیر بأخذ المال، زکریا ٦/١٠٦، کراچی ٤/٦١، ٦٢)

وعند أبي يوسفؒ يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة الثلاثة لايجوز ومعنى التعزير بأخذ المال على المتولى به إمساك شيئ من ماله عنده مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (هنديه، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر زکریا جدید٢/١٨١، قدیم ٢/١٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۹۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۷ھ

مالی جرمانہ کا پیسہ مساجد و مدارس میں لگانا

سوال: [۸۲۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص کے یہاں چوری ہوئی اس نے ایک شخص کو چوری کا مجرم ٹھہرایا اب ایک ہفتہ کے اندر وہ سامان اہل معاملہ کے گھر سے دستیاب ہوگیا جب گاؤں والوں کے سامنے یہ فیصلہ آیا تو انھوں نے فریقین پر جرمانہ عائد کردیا اب سوال یہ ہے کہ جو جرمانے کا پیسہ وصول کیا گیا ہے، یہ پیسہ مسجد کے اندر لگ سکتا ہے؟ اگر نہیں لگ سکتا ہے تو اس کا مصرف بتائیے؟

المستفتی: سراج الحق، سرجن نگری، ٹھاکردوارہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شرعی طور پر مالی جرمانہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اور جن لوگوں سے مالی جرمانہ حاصل کیا گیا ہے، ان کے روپئے انہیں واپس کردینا واجب ہے، مساجد اور مدارس اور کار خیر میں لگانا جائز نہیں ہے۔

عن أبی حرة الرقاشي عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لايحل مال امرئ مسلم، إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

التعزير بالمال كان فى ابتداء الإسلام ثم نسخ، والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (البحرالرائق، كتاب الحدود، فصل فى التعزير، زكريا ٥/٦٨، كوئٹه ٥/٤١، النهر الفائق، دالكتب العلمية بيروت ٣/١٦٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/٣٥٤)

ماحرم أخذه حرم إعطاءه الخ. (الإشباه قديم /٢٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱۰۴/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۲۲ھ

جرمانہ کے پیسے سے مسجد کا بیت الخلاء بنانا

سوال: [۸۲۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شادی شدہ لڑکا دوسرے شخص کی بیوی سے زنا کرتے ہوئے پکڑا گیا تو ایک مفتی صاحب کے فیصلہ کے مطابق دونوں کو ۱۰۰، ۱۰۰/ کوڑے مارے گئے، پھر گاؤں کے لوگوں نے متفق ہوکر لڑکے سے تین ہزار اور عورت سے دو ہزار روپیہ جرمانہ کے طور پر لئے تھے، اسی روپیہ کے ذریعہ مسجد کا بیت الخلاء بنانا چاہتے ہیں، تو کوڑے لگانا اور جرمانہ لینا اوراسی پیسہ سے مسجد کا بیت الخلاء بنانا کیسا ہے؟

المستفتي: شاہجہاں شیخ، مرشد آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اسلامی شریعت میں غیر شادی شدہ لوگوں کے زنا میں مبتلا ہونے کی وجہ سے حاکم اسلام کی نگرانی میں سوسو کوڑے لگانے کا حکم ہے، اور شادی شدہ کو حاکم اسلام کی نگرانی میں سنگسار کر کے ختم کردینے کا حکم ہے، لیکن ہمارے ہندوستان میں حاکم اسلام نہیں ہے، اسلئے حاکم اسلام کی نگرانی نہ ہونے کی وجہ سے حد لگانے کا حکم نہیں ہے، لیکن علاقہ اور برادری پنچایت کے ذریعہ سے جو بھی مناسب سزا دی جاسکے دی جائے، بشرطیکہ سزا دینے والوں پر کوئی ردعمل نہ ہو اوراس کے ساتھ توبہ کرانا بھی لازم ہے، مگر مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ واقعہ میں مالی جرمانہ جو لیا گیا ہے، اس کو مسجد کے بیت الخلاء یا کسی اور جگہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے، جن سے مالی جرمانہ لیا گیا ہے، انہیں کو واپس کردینا لازم ہے۔

عن أبی حرة الرقاشي عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لایحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (السنن الکبریٰ للبیهقی، اللغصب قبیل باب من

غصب جارية فباعها ثم جاء ت الجارية ، دارالفكر ٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي .

(عالمگری، كتاب الحدود، فصل في التعزير ، زكريا قديم ٢/١٦٧، جديد ٢/١٨١،

البحر الرائق،٥/٤١، زكريا ٥/٦٨، الدر مع الرد، زكريا٦/١٠٦، كراچي ٤/٦١)

معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شئ من ماله عند مدة لينزجر ثم يعيد الحاكم إليه . (شامی ، مطلب فی التعزير، بأخذ المال زكريا٦/١٠٦، كراچی ٤/٦١، البحرالرائق ، كوئٹه ٥/٤١، زكريا ٥/٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۸۸)

ہندوستان میں چوری وغیرہ کے جرم میں لیا ہوا روپیہ مساجد کی تعمیر وغیرہ میں لگانا کیسا ہے؟

سوال: [۸۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان کے اندر کسی گاؤں میں آدمی نے چوری یا ڈکیتی کی یا زنا کیا گاؤں والوں نے اس سے کوئی سامان یا روپیہ وغیرہ جرمانہ کے طور پر لیا تو مسجد کی تعمیر میں یا مدرسہ کی تعمیر میں عوام کے فائدے کیلئے اس سامان یا روپیہ کو استعمال کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد کاظم ، بانکوڑ وی، مغربی بنگال،
دورۂ حدیث، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق : شریعت اسلامی میں مالی جرمانہ حاصل کرنا ناجائز اور حرام ہے، اور حاصل شدہ مال اصلی مالک کو واپس کردینا واجب ہے، اور اس حاصل شدہ

مال کو مسجد یا مدرسہ کے تصرف میں لانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۴/۱۳۴، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/۳/۱۷۳، ڈابھیل ۱۴/ ۳۴۹)

عن أبی حرة الرقاشي عن عمه ، أن رسول الله ﷺ قال: لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه . (السنن الكبرىٰ للبيهقى ، اللغصب قبيل باب من غصب جارية فباعها ثم جاء ت الجارية ، دارالفكر ٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

لايجوز لاحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعى الخ وتحته عدم جواز التعزير بالمال الخ. (قواعد الفقه ، اشرفي ديوبند/ ١١٠، رقم: ٢٦٩، الموسوعة الفقهية الكويتية٣٧/ ٣٥٤، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ٥/٦٨، شامى، زكريا ٦/ ١٠٦، كراچى ٤/ ٦١، هنديه زكريا قديم ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۷۸)

شراب کی کمائی مسجد میں لگانے کا حکم

سوال: [۸۲۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید شراب کا ٹھیکہ دار ہے، ہندؤں کے بازار میں دوکان ہونے کی وجہ سے ان کے جاگرن میں پیسہ دیتا ہے، زید مسجد کے مصرف اور مدرسہ وغیرہ کے سلسلہ میں پیسے دینا چاہتا ہے، اس کا کہنا ہے، کہ مسجد میں جو روپئے دوں گا، میری جائز کمائی کا ہوگا، اس سلسلہ میں کچھ لوگوں کو شک ہوا اور ناراض بھی ہوئے، تو اس نے مسجد میں بیٹھ کر بتایا کہ میرا پیسہ دوسرے کاروبار کا ہے، جیسے اینٹوں کا بھٹہ جائیداد مکان دوکانوں اور بس وغیرہ کا کرایہ اس گفتگو میں یہ حضرات شامل تھے، حاجی عبد الحی صاحب حافظ محمد ہاشم صاحب عبد المجید صاحب، حاجی انوار حسین صاحب، سجاد حسین صاحب، اسٹینہ ولٹیر وغیرہ کیا اس صورت میں زید کا پیسہ مسجد و مدرسہ اور دیگر کاموں میں خرچ کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ شریعت مطہرہ کا جو حکم ہو قرآن

وحدیث کی روشنی میں مرحمت فرمائیں، عین نوازش ہوگی؟

المستفتي: حاجی عبدالحی صاحب،
محمد قاسم صاحب، اے ون ٹیلر،
فورہ چوک، چندوسی، ضلع، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسلمانوں کے نزدیک اس بات کی صداقت ثابت ہوجائے، کہ مذکورہ شخص اپنی جائز کمائی سے ہی مسجد ومدرسہ میں دیتا ہے تو اس کی جائز آمدنی کا لگانا جائز ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۴/ ۱۱۸)

حرام ومشتبہ کمائی کا مدرسہ یا مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے۔

أما لو أنفق في ذلک مالا خبیثاً ومالا سببه الخبیث والطیب فیکره، لأن الله تعالیٰ لایقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله. (شامی، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ، وما یکره فیها، قبیل مطلب في أفضل المساجد، زکریا ۲/ ۴۳۱، کراچی ۱/ ۶۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۵۴/۲۶)

خنزیر کے بالوں کے برش بنانے والوں کا چندہ مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) خنزیر کے بالوں کے برش بنانے والے حضرات سے مدرسہ میں چندہ لینا اور ان حضرات کی چرم مدرسہ میں لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مساجد میں چندہ کی صندوقچی جمعہ کے روز رکھی جاتی ہے، اس میں خنزیر کے بالوں والے برش کے تاجر قمار باز دھوکہ دہی سے غلہ کے تاجر یعنی یہ تاجر کسانوں کو دھوکہ دیکر

زیادہ تول کرلاتے ہیں، ایسے لوگوں سے مدرسہ یا مسجد میں چندہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: مولانا سلامت اللہ، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خنزیر کے بالوں کے برش کا کاروبار کرنا جائز نہیں ہے، لٰهذا اگر اس کے کاروبار کرنیوالے حضرات کا ذریعہ معاش صرف یہی ہے تو ایسے لوگوں سے مدرسہ کیلئے چندہ لینا جائز نہیں ہے، البتہ اس کے علاوہ اگر اور بھی حلال ذرائع معاش ہیں، اور یہ معلوم نہ ہو کہ جو رقم مدرسہ میں دے رہا ہے، وہ حرام ہے یا حلال تو ایسے لوگوں سے چندہ لینا جائز ہے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ جو رقم مدرسہ کیلئے دے رہا ہے، وہ حرام ہے، تو جائز نہیں ہے۔

أما لو أنفق في ذلک مالا خبيثاً ومالا سببهٔ الخبيث والطيب فيكره .

(شامی ، الصلاة ، باب ما يفسد الصلاة ، ومايكره فيها ، قبيل مطلب في أفضل المساجد زكريا ٢/ ٤٣١ ، كراچی ١/ ٦٥٨، بزازيه زكريا جديد ٣/ ٢٠٣، وعلى هامش الهندية ٦/ ٣٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲ر ۴۹۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۶/۱۴۱۷ھ

خنزیر کے بالوں کا برش بنانے والوں کی رقم مسجد یا مدرسہ میں لگانا

سوال: [۸۲۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ برش والوں کی رقم مسجد و مدرسہ میں لگ سکتی ہے یا نہیں؟ کیا ایسے مدارس کو ہم بھی زکوۃ وغیرہ دے سکتے ہیں، جن کے متعلق ہمیں علم ہے کہ وہ خنزیر کے بالوں کے برش بنانے والوں سے بھی اسطرح کی رقوم لیتے ہیں، اس صورت میں حلال وحرام کی آمیزش کا ہونا از روئے شرع کیسا ہے؟ کیا ہمارے لئے ان کا مالی تعاون کرنا جائز ہے؟

المستفتي: احسان علی صدیقی، اصفر منزل، قصبہ شیرکوٹ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برش والوں کی حلال رقم جائز اور خالص حرام یا اکثر حرام ناجائز ہے وہ لوگ مدرسہ یا مسجد میں ایسی رقم نہ دیں، اور ارباب مدرسہ ومسجد بھی ایسی رقم سے احتراز فرمائیں، جب تک صراحت سے نہ کہہ دیں کہ یہ حلال پیسہ ہے۔

وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها ...... إلا إذا قال أنه حلال الخ. (مجمع الانهر، كتاب الكراهية، فصل فى الكسب مصرى قديم ٢/٥٢٩، دارالكتب العلمية بيروت ١٨٦/٤، ١٨٧، هنديه زكريا قديم ٣٤٢/٥، جديد ٣٩٦/٥، بزازيه زكريا جديد٣/٢٠٣، وعلى هامش الهندية٦/٣٦٠)

اگر اہل مدرسہ مال زکوٰۃ کو صحیح مصرف میں خرچ کریں یا ضرورت شدیدہ کی بناء پر حیلۂ تملیک کر کے ضرورت مدرسہ میں خرچ کریں تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، اور ان کو زکوٰۃ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، برش والوں سے چندہ لینے کی وجہ سے اسکی زکوٰۃ میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵رذی الحجہ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۰۲۹/۲۴)

دوسرے کی غصب کردہ زمین کی اجرت مسجد میں دینا

سوال: [۸۲۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کسی کی زمین قبضہ کر کے کہتا ہے، کہ یہ مسجد کی زمین ہے اس میں دوکان بنا کر اس کا کرایہ مسجد کو بھی نہیں دے رہا ہے، مسجد کی زمین ہونے کا کوئی ثبوت بھی نہیں ہے، کیا ذمہ داران مسجد کو اس کا کرایہ لینا درست ہے، نیز مدعی کا اپنی زمین ہونے کا ثبوت بھی ہے، کئی دفعہ مقدمہ بھی جیت گیا ہے، لیکن پھر بھی مذکورہ شخص اپنی غلطی سے ظلم سے مسجد کی زمین بتلا رہا ہے، اور کرایہ مسجد کو بھی نہیں دے رہا ہے، کیا ذمہ داران مسجد کو کرایہ لینا جائز ہے، جبکہ وہ یہ بھی جانتا ہے، کہ یہ مسجد کی زمین نہیں ہے، اس صورت میں کون کون لوگ گنہگار رہوں گے اس

سلسلہ میں مظلوم مکمل وضاحت چاہ رہا ہے؟

المستفتي: محمد عارف، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے نام سے کسی دوسرے کی زمین کو قبضہ کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے ایسی زمین کی آمدنی نہ قبضہ کرنے والے کیلئے حلال ہے، اور نہ ہی مسجد کیلئے، شرعی طور پر لازم ہے کہ جس کی زمین ہے، اسے واپس کردے۔

عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما، طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (صحيح مسلم، باب تحريم الظلم وغصب الأرض غيرها، النسخة الهندية ۲/۳۲، بيت الافكار رقم: ۱۶۱۰)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلاسبب شرعي. (قواعد الفقه، اشرفيه/ ۱۱۰، رقم: ۲۷۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۱/۱۱۲، ۲۸/۲٦٤، ۳۷/۳۵٤، الدر مع الرد، زكريا ٦/۱۰٦، كراچى ٤/٦۱، البحرالرائق، كوئٹه ۵/٤۱، زكريا ۵/٦۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹رشعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۱۲ھ

مغصوبہ زمین میں مسجد بنانے کا حکم

سوال: [۸۲۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گرام کودی دوانہ میں جامع مسجد محلّہ بازار میں ہے، اسکے سابقہ دروازہ کی دیوار سے آگے گرام سماج کی جگہ ہے اس میں ہفت روزہ بازار لگتا ہے، یہ جگہ بازار کے تمام

ہندو مسلم کی ملکیت ہے، اس میں جو بازار کا ٹھیکہ لئے ہوئے ہے اس کو نقصان ہورہا ہے، اور جو دوکان والے اس جگہ پر بیٹھے چلے آئے ہیں، اب وہ یہاں بیٹھیں گے، اس میں دوکانداروں کو بہت تکلیف ہے بیٹھنے کی جگہ مسجد میں ملا لی گئی ہے، جس میں دوصفوں کی جگہ لے لی ہے، جس کی وجہ سے کچھ پبلک کو اعتراض ہے، جھگڑا فساد کی وجہ سے کوئی کچھ اس میں لب کشائی نہیں کرسکتا ہے، اپنے سر جھگڑا کون مول لے اسی حالت میں اس بڑھی ہوئی جگہ میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں؟ عین کرم ونوازش ہوگی؟

المستفتي: اکرم حسین انصاری، محمد عباس، انیس احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دوصفوں کی مقدار مسجد میں غیر کی ملکیت داخل ہوگئی، تو اتنے حصہ کی قیمت بانیان مسجد گرام سماج کے ذمہ دار کو دیدیں، تو وہ حصہ بھی مسجد شرعی میں داخل ہوجائے گا، اور اس میں مسجد کا ثواب حاصل ہوگا اور بلاکراہت نماز ادا ہوجائیگی، مسجد میں شامل ہوجانے کے بعد اب اسے مسجد سے خارج کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ قیمت ادا کرنا لازم ہوگا، اور قیمت ادا کرنے سے پہلے پہلے نماز وہاں پر مکروہ ہوگی۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۴۶۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۲۵۷)

ومنها لو غصب أرضاً فبنیٰ فیها أو غرس فإن کانت قیمة الأرض أکثر قلعها وردت إلا ضمن لهٗ قیمتها الخ. (الاشباہ والنظائر، قدیم ۱/ ۱۴۴، وهكذا في فتاوی قاضیخان زکریا جدید ۳/ ۱۶۵، وعلی هاش الهندية ۳/ ۴۲ هندیه زکریا قدیم ۵/ ۲۴، جدید ۵/ ۱۴۶، المبسوط السرخسی، دارالکتب العلمية بیروت ۲۳/ ۵۴) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ /صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۲۴)

مساجد کو ڈسکاؤنٹ دینے والی کمپنیوں سے سامان خریدنا

سوال: [۸۲۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی سامان اسپیکر وغیرہ مسجد کیلئے خریدا ہو جا کمپنی سے اور اس نے دس فیصد چھوٹ دی یعنی منجانب کمپنی مسجد اور عبادت گاہوں کو دس فیصد کی رعایت چھوٹ ملتی ہے، اب مفہوم طلب امر یہ ہے کہ وہ رعایت چھوٹ جو کمپنی کی طرف سے عبادت گاہوں کو دیجاتی ہے، مسجد کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عظمت حسین، مانپور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کمپنی اپنی چیز کی خود مالک ہے، اور مالک کو یہ حق حاصل ہے، کہ اپنی ملکیت کی چیز جس کو جتنے میں چاہے دیدے اسلئے مذکورہ رعایت مسجد و عبادت گاہ کیلئے بلا قباحت جائز اور درست ہے۔

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک الخ. (بیضاوی، ۱/۷، مکتبہ رشید) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۱۱)

واپس نہ لینے کی نیت سے دیئے گئے قرض کو مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر نے زید سے قرض کے طور پر کچھ رقم لی، زید نے بکر کو رقم دیتے وقت یہ نیت کرلی، کہ مجھے یہ رقم واپس نہیں لینی، اور بکر سے کہہ بھی دیا کہ آپ مجھے یہ واپس نہ کریں، لیکن بکر کی نیت شروع ہی سے یہ ہیکہ مجھے یہ رقم واپس کرنی ہے، لہٰذا ایک موقع پر بکر نے کہا بھی کہ آپ کی رقم کا بندوبست ہو چکا ہے، زید نے کہا کہ آپ واپس نہ کریں بلکہ اپنا کام چلائیں، بکر نے کہا نہیں، بلکہ مجھے واپس ہی کرنی ہے، زید نے خیال کیا کہ چونکہ میری نیت واپس لینے کی نہیں تھی، اور

یہ واپس ہی کرنا چاہتا ہے، تو اس کو کسی مسجد کی تعمیر میں صرف کردوں، لہٰذا دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ رقم تعمیر مسجد میں صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو دوسرا مصرف کیا ہے؟

المستفتي: جلیس احمد، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بکر مستحق زکوٰۃ ہے اور زید نے دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کی ہے اور غرض عطیہ دینا ہے تو بکر اسکا مالک بن چکا ہے، اس میں اب زید کا تصرف جائز نہیں ہوگا، ہاں اگر بکر سے کہہ دے کہ تم ہی اپنی خوشی سے وہ رقم مسجد کو دیدو تو درست ہے، اور اگر بکر مستحق زکوٰۃ نہیں ہے، اور زید نے زکوٰۃ کی نیت بھی نہیں کی ہے، تو واپسی درست ہے، اور زید اسکو واپس لیکر چاہے اپنے اوپر خرچ کرے یا مسجد کے لئے دیدے تو دونوں جائز ہے، البتہ مسجد میں دینا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہوگا۔

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک الخ. (بیضاوی شریف، مکتبہ رشید ۱/۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍شعبان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۰۵/۲۸)

جوا اور شراب کی آمدنی سے تعمیر کیا گیا مکان مسجد کیلئے خریدنا

سوال: [۸۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مکان مسجد کے پڑوس میں ہے جس کو خریدنا ہے، مسجد کیلئے لیکن اس میں بات یہ ہے، کہ مسجد کے پڑوس کی ملکیت صحیح آمدنی سے خریدی ہوئی نہیں ہے، حرام آمدنی جوا اور شراب کے کاموں سے مکان بنایا گیا ہے، لھذا سوال یہ ہے کہ ایسا مکان مسجد کو وسیع کرنے کیلئے خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ یا یہ کہ ایسا مکان مسجد کی آمدنی کیلئے خرید کر کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مسجد میں نہ لیں صرف آمدنی کیلئے خرید سکتے ہیں، نیز ایسا مکان مسجد کے جماعت خانہ میں استعمال نہ ہو بلکہ صرف

وضوخانہ یا یہ کہ جماعت کوکھانا کھلانے کیلئے خریدلیں تو کیا ایسا کر سکتے ہیں؟

المستفتي: محمد الیاس، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اہل مسجد کوواضح طور پر معلوم ہے کہ پڑوس کا مذکورہ مکان جوا اورشراب کی آمدنی سے تعمیر کیا گیا ہے، تو مسجد کے لئے ایسا مکان خریدنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی ایسا مکان خرید کر کے آمدنی کا ذریعہ بنانا جائز ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیزوں کوقبول کرتا ہے، لہٰذا مسجد کے لئے اس مکان کوخریدنے سے گریز کیا جائے۔

عن أبي هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ أيها الناس إن الله طيب لا يقبل إلاطيباً. (مسلم شريف، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وترتيبها، النسخة الهندية ۱/۳۲٦، بيت الافكار رقم: ۱۰۱۵، ترمذی شريف ۲/۱۲۸، رقم: ۲۹۸۹، الترغيب و الترهيب لليافعی /۱۹۱، رقم: ۷۸۳)

وفی حديث طويل قال رسول الله ﷺ لا يكتسب عبد مال حرام فيتصدق فينفق فيبارك له فيه ولا يتصدق له فيقبل منه ولا يترك خلف ظهره إلا كان زاده إلىٰ النار الخ. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/۳۹٥، ۳۹٦، رقم: ٥۲٤، مسنداحمد بن حنبل ۱/۳۸۷، رقم: ۳٦۷۲، مسند بزار، مكتبه العلوم والحكم ٥/۳۹۲، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ۱۰/۲۹۲، ۱/٥۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ر جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۵ھ

سنیما ہال کے جنریٹر کی بجلی مسجد میں استعمال کرنا

سوال: [۸۲۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان نے جنریٹر خریدا سینما ہال چلانے کیلئے اس نے بغیر کسی اجرت کے بخوشی اس جنریٹر میں سے مسجد کو بجلی دیدی تو اس کا استعمال کرنا مسجد میں کیسا ہے؟

المستفتي: محمد صدیق، عمری کلاں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو جنریٹر سینما ہال چلانے کیلئے خریدا گیا ہو اور سینما ہال میں اس کا استعمال بھی ہونے لگا ہو اس جنریٹر سے کسی مسجد میں بجلی دینا (بخوشی اور بلاکسی اجرت کے ہو تب بھی) جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/۱۹۳، جدید ڈابھیل ۱۵/۱۱۶، احسن الفتاویٰ ۶/۴۳۲، کفایت المفتی ۷/۶۸، جدید مطول)

أما لو أنفق في ذلک مالا خبیثاً ومالا سببه الخبیث والطیب فیکره، لأن اللّٰه تعالیٰ لایقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله.

(شامی، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ، وما یکره فیها، قبیل مطلب في أفضل المساجد، زکریا ۲/۴۳۱، کراچی ۱/۶۵۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۶۶)

جہیز میں روپیہ لے کر مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو لڑکا شادی کرنے کیلئے لڑکی والے سے نقد روپیہ لیتا ہے، پھر اس روپیہ میں سے مسجد کو دیتا ہے، تو یہ روپیہ مسجد میں لگانا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد اسماعیل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شادی کے اندر لڑکی کے لئے مہر کے نام سے

لڑکے یالڑکے کے ذمہ داروں سے مال وصول کرنا جائز ہے،لیکن لڑکے کولڑکی یالڑکی کے ذمہ داروں سے کسی قسم کے مال کا مطالبہ شرعی طور پر ناجائز اور حرام ہے،لہٰذا جو مال لڑکا یا لڑکے والے لڑکی یالڑکی والے سے دباؤ کیساتھ یاصراحت کے ساتھ مطالبہ سے وصول کرتے ہیں، وہ رشوت ہے۔(مستفاد: مجموعۃ الفتاویٰ ۲/ ۱۹۱)

ولا إلزام على المتبرع لعدم أهلية اللزوم.(هدايه، كتاب الهبة، اشرفي ۳/ ۲۸۳)

اور رشوت کا پیسہ مسجد مدارس یا کسی بھی کار خیر میں دینا جائز نہیں ہے۔(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ٦۷۲،قدیم زکریا)

لو أنفق في ذلك مالا خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب فيكره لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب. (شامی، الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها قبيل مطلب في أفضل المساجد زكريا ۲/ ٤٣١، كراچی ۱/ ٦٥٨)

اس رشوت اور مال حرام کو اصل مالک کو واپس کردینا واجب ہے، لہٰذا لڑکی والے سے لیا ہوا پیسہ لڑکی والے ہی کو واپس کردینا واجب ہے۔

وإن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يردهٗ علىٰ مالكه إن وجد المالك . (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوع مكتبه سهارن پور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلاميه ۱/ ۳٥۹، تحت رقم الحديث: ٥۹، هنديه زكريا قديم ٥/ ٥٤۹، جديد ٥/ ٤٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳٦ /۷۴۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۳ھ

شادی کے موقع پر مسجد میں دیئے گئے کولر گھڑی وغیرہ کا حکم

سوال: [۸۲۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل کارواج بن گیاہے، کہ شادی بارات میں پنکھا، کولر گھڑی وغیرہ مسجد کوضرور دیتے ہیں، رواج کے طور پر قطع نظر اس سے کہ مصلی ہی کے سر پر لگے یامسجد یا مسجد میں کہیں اور تو ایسے پنکھے اتنے

ہو گئے کہ مسجد میں اندر باہر سب جگہ پنکھے اور کولر لگ گئے اب مسجد میں ضرورت نہیں ہے، پھر بھی آرہے ہیں، تو یہ پنکھا امام صاحب کے کمرہ میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ امام صاحب کا کمرہ مسجد کی حدود کے اندر ہے اس کے بارے میں از راہ کرم مطلع فرمادیں، عین کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد انعام احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کے یہاں کے عرف ورواج کے مطابق مسجد میں دینے والے کا مقصد مسجد کی ملکیت میں دینا ہے، اور مسجد میں ہی استعمال کی قید نہیں ہے، تو یہ مسجد کی آمدنی کے حکم میں ہوگا، اور مسجد کی کمیٹی کے مشورہ سے امام ومؤذن کے کمرہ میں لگوانا اور فروخت کرکے اسکی رقم کو مسجد کی ضرویات میں خرچ کرنا سب جائز ہوگا۔

الثابت بالعرف کالثابت بالنص الخ المعروف کالمشروط .

(رسم المفتی ۱/ ۹٤)

اور اگر ایسا عرف نہیں ہے، اور دینے والے صرف مسجد ہی میں چلانے کیلئے دیتے ہیں، تو دینے والے کی اجازت سے امام ومؤذن کے کمرہ میں استعمال کرنا جائز ہوگا۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ . (شامی، الوقف، مطلب واعاة غرض الواقفين واجبة کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۴ھ

عید میلاد النبی کے جلوس سے مسجد کی تعمیر کیلئے چندہ کرنا

سوال: [۸۲۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں عید میلا د النبی کے موقع پر لوگوں کا ایک ہجوم نکلتا ہے، جس کو جلوس کہتے ہیں، اس جلوس کا سارا انتظام مسلمان کرتے ہیں، لیکن غیر مسلم بھی اس میں شریک رہتے ہیں،

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہماری مسجد کے لوگ اس جلوس میں مسجد کی تعمیر کیلئے چندہ کرتے ہیں، کیا اس طرح مجمع عام میں چندہ کرنا اور مسجد کے مصرف میں لگانا درست ہے، جبکہ معلوم نہیں ہوتا کہ لوگوں کی کمائی حلال ہے یا حرام؟

المستفتي: ناصر عبدالقدیر شیخ، کاشی واڑی،
بھوانی پیٹھ، دس نمبر کالونی، پورنہ ۴۲

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مجمع عام میں مسجد کیلئے چندہ وصول کرنا اور اسے مسجد میں صرف کرنا جائز ہے، اور کسی مسلمان سے مسجد کے واسطے تعاون حاصل کرنے میں شرعی اعتبار سے مسجد والے اس بات کے مکلّف نہیں ہیں، کہ چندہ دینے والے کے بارے میں تفتیش کریں کہ حلال کا پیسہ ہے یا حرام کا بلکہ ایک مسلمان کے بارے میں حسن ظن لازم ہے، کہ مسجد میں چندہ حلال مال ہی سے دے رہا ہوگا۔

عن أبي هريرة رضـ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخل أحدكم على أخيه المسلم فأطعمه طعاماً فليأكل من طعامه ولايسأله عنه فإن سقاه شراباً من شرابه فليشرب من شرابه ولايسأله عنه. (مسند احمد بن حنبل ۲/ ۳۹۹، رقم: ۹۱۷۳، المعجم الاوسط، دارالفکر ۴/ ۸۸، رقم: ۵۳۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۱۰۰۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/ ۳/ ۱۴۳۱ھ

مسجد کا بیت الخلاء دکھلا کر سرکار سے وصول کی گئی رقم کا حکم

سوال: [۸۲۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں سرکاری اسکیم کے تحت اگر کوئی شخص بیت الخلاء بنواتا ہے، تو وہ شخص گرام پنچایت یا سرکاری دفتر میں درخواست پیش کردے تو اس کو حکومت کی جانب سے ایک معقول رقم ملتی ہے،

مسجد یامدرسہ کا بیت الخلاء دکھلا کرامام ومدرس صاحب نے اپنے نام کی درخواست داخل کرکے پیسہ وصول کرلیا ہے، مولانا اور امام صاحب کا کہنا ہے، کہ اس ملنے والی رقم کا حقدار میں ہوں چونکہ حکومت سے ملنے والی رقم میرے نام پر ہے، کیونکہ اگر میں اپنے نام پر دوبارہ گھر کا سنڈاس بنوا کررقم حاصل کرنا چاہوں، تونہیں مل سکتی، لہٰذا اس رقم کا حقدار میں ہوں، مسجد یامدرسہ کوصدقہ وتعاون نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ مذکورہ رقم کا حقدار کون ہے؟ امام ومدرس یا مسجد ومدرسہ؟

المستفتي: محمد ایوب صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ سرکار کی طرف سے مذکورہ رقم سرکاری اسکیم کے تحت بیت الخلاء بنانے والے کوملتی ہے، اور مسجد یا مدرسہ کا بیت الخلاء چونکہ اسی مسجد ومدرسہ کیلئے خاص ہے، وہ کسی امام یامدرس کا ذاتی نہیں ہے اس لئے اس بنیاد پر ملنے والی رقم مسجد یامدرسہ ہی کی ہوگی ۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۹/ ۲۸۵، جدید زکریا ۹/ ۶۸)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة . (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة زکریا ٦/ ٦٦٥، کراچی ٤/ ٤٤٥)

شرط الواقف كنص الشارع ،في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه ، اشرفی/ ۸۵، رقم: ۱۵۲)

ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للإستغلال فلا يصرف أحدهما، للآخر وهي واقعة الفتوىٰ. (شامی، والوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه زکریا ٦/ ٥٥١، کراچی ٤/ ٣٦١) **فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ علم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۹۹)

منکوحۃ الغیر سے نکاح کرنے والے کا پیسہ مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) کیا اس شخص کےاوراس کے ماں باپ وغیرہ کے پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے یانہیں، کیا اس شخص کو اوراس کے بھائی، باپ وغیرہ کومسجد میں آنے سے روکا جانا چاہئے؟

(۲) کیا اگر وہ شخص جماعت میں شامل ہوجائے تو نمازیوں کی نماز میں فرق تونہیں آئیگا، آپ ان سوالوں کے جواب شریعت مطہرہ کی روشنی میں دیجئے گا، اور عام فہم زبان میں سمجھادیجئے گا، تاکہ ہرایک آدمی بخوبی سمجھ سکے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر حلال کمائی کا پیسہ ہےتو مسجد میں لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۰۱)

توبہ واستغفار کرکے باز آنے تک برادری پنچایت سے علیحدہ کردیں؟ لیکن مسجد میں آنے سے نہ روکا جائے۔

(۲) اس کےشامل ہونے سےنماز میں کوئی خرابی نہیں آئیگی۔

وإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة علی مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلیٰ الحق. (مرقاة المفاتيح، الأدب باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع ...... الفصل الأول، مکتبه امداديه ملتان ۹/ ۲۶۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۹۴)

۲۵/ الفصل الخامس والعشرون: غیر مسلم کے پیسے مسجد میں لگانے کے احکام

غیر مسلم کا پیسہ مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک کے مہینے میں شدید گرمی کی وجہ سے گاؤں کی مسجد میں پنکھے کولر وغیرہ چلانے کے لئے جنریٹر چلتا تھا، تو گاؤں کے ایک غیر مسلم نے مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ آپس میں مشورہ کرلو کہ اگر میرے روپیوں سے خرید کر تیل چلایا جا سکتا ہو تو میں ہی تیل کے پیسے دیدوں، ان میں دو تین عالم لوگ بھی تھے، لوگوں نے ان سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا کہ چلایا جاسکتا ہے، جب اس غیر مسلم نے پیسے دیدئے اور تیل جل گیا تو کچھ مسلمانوں نے کہنا شروع کیا کہ غیر مسلم کے پیسے مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے، اور کچھ لوگ کہہ رہے تھے، کہ اس طرح لگانا جائز ہے، یعنی مسلمانوں میں دو گروہ ہوگئے اور یہ اختلاف اب تک جاری ہے، اور پورے گاؤں کے مسلمانوں کو یہ بات بھی معلوم ہے کہ اس غیر مسلم شخص کا پیسہ حلال کمائی کا ہے، لہٰذا گذارش ہے کہ جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد عمر، بڑھن پوروہ، تحصیل: بسواں، ضلع: سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیر مسلم شخص کارِ خیر سمجھ کر مسجد میں روپیہ دے اور آئندہ مندر وغیرہ کی تعمیر کے موقع پر مسلمانوں کو روپیہ دینے پر مجبور نہ کرے، تو بلا تردد جائز ہے، اور جو مسلمان غیر مسلم کے پیسے لگانے کو ممنوع سمجھتے ہیں وہ مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے، اس لئے ان لوگوں کو بتا دیا جائے، کہ غیر مسلم کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے، اور اس کی وجہ سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا، لہٰذا جنریٹر کے تیل کے لئے غیر مسلم شخص جو پیسہ دے

رہا ہے، اس کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ثواب میں کوئی کمی آئے گی۔

شرط وقف الذمی أن یکون قربة عندنا وعندهم کالوقف علی الفقراء أو علی مسجد القدس . (شامی، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة زکریا ٦/٥٢٤، کراچی ٤/٣٤١)

وأما الإسلام فلیس من شرطه فصح وقف الذمی بشرط کونه قربة عندنا وعندهم . (البحر الرائق، زکریا ٥/٣١٦، کوئٹه ٥/١٨٩)

وللمسلمین أن یقبلوا من الکافر ...... إذا لم یکن فی ذلک ضرر دینی ولا سیاسی . (تفسیر المراغی ٤/٧٤، بحواله محمودیه میرٹھ ٢٥/٤٨٧)

وإن قال الذمی: جعلت غلة هذه الصدقة فی سراج بیت المقدس ودهنه فهو جائز . (تاتار خانیة ٨/٢٠١، برقم: ١١٦٣٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۱۶/۳۹)	۱۴۳۲/۵/۱۹ھ

تعمیر مساجد میں ہندو حکومت یا اشخاص کی رقم لگانا

سوال: [۸۲۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مسجد کی تعمیر کے لئے ہندو حکومت اور ہندو لوگوں سے چندہ لینا درست ہے یا نہیں؟

(۲) نیپال سرکار گرامین پنچایت کے ذریعہ اب حلقہ کی ترقی کیلئے سال میں دو تین دفعہ کچھ نقد رقم دیتی ہے، فی الحال بھینسوا نیپال کی پنچایت میں سرکار کی طرف سے نقد رقم آئی تھی، یہاں کے کچھ دنیا دار مسلمانوں نے ہندو مکھیا سے سانٹھ گانٹھ کر کے ۵۵ر ہزار روپئے مسجد کی ڈھلائی کیلئے پاس کرائے اور ان لوگوں نے اس کی ٹھیکیداری لے لی اور مسجد کی ڈھلائی بھی کرادی، مگر چھڑ سمنٹ، چھری وغیرہ کی جو مقدار مسجد کی ڈھلائی میں لگی ان ٹھیکیداروں نے دوکانداروں سے سب سامان میں مقدار بڑھا

کروا ؤچر بنوایا اور فاضل سامان کا بھی روپیہ پنچایت سے مسجد کے نام پر لے کر اور رکھیا سے پاس کرا کر مکھیا اور ان ٹھیکداروں نے آپس میں بانٹ لیا لوگوں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے مسجد کے نام پر پنچایت سے روپئے لیکر کیوں ناجائز فائدہ اٹھایا، جبکہ آپ لوگ مسلمان ہیں، تو ان مسلمان ٹھیکیداروں نے جواب دیا کہ اس دور میں سب کچھ جائز ہے خاص طور سے نیپال جیسے غریب دیش میں، پوچھنا یہ ہے کہ ایسے اشخاص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے، دینی اور شرعی اعتبار سے ان کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور مسجد کے نام پر غلط واؤچر کے ذریعہ روپئے پنچایت سے لیکر آپس میں بانٹ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) آج سے تقریباً چالیس سال قبل ایک جگہ مسجد کی تعمیر ہوئی اس کی چھت کی ڈھلائی کڑی اور شہتیر پر ہوئی، اب از سر نو چھت کی ڈھلائی چھڑ بالو سمنٹ اور چھڑی سے کرائی گئی ہے، چھت کی شہتیریں اور کڑیاں نکال دی گئی تھیں، مرحوم کے لڑکے یہ شہتیریں اور کڑیاں اٹھا کر لے گئے یہ کہتے ہوئے کہ ہمارے والد مرحوم نے یہ دیں تھیں، اب مسجد میں یہ لکڑیاں نہیں لگیں گی اسلئے ہماری ہوئیں، اور ان لڑکوں نے ان لکڑیوں کو فروخت کر کے روپیہ اپنے پاس رکھ لئے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ لکڑیاں کس کی ملکیت ہوں گی، مرحوم کے لڑکوں کا لکڑیاں فروخت کر کے روپئے اپنے پاس رکھ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ اب لکڑیوں کو فروخت کر دینے کے بعد روپیوں کا حقدار کس کو قرار دیا جائے گا، نیز مرحوم کے لڑکوں کا یہ عمل بھی جائز ہوگا یا ناجائز؟ ایسی مسجد میں نماز پڑھنی کیسی ہے جس کی پوری تعمیر میں آدھی رقم حرام کی لگی ہو جس کی تصدیق بھی ہو چکی ہے؟ شریعت کی روشنی میں مفصل و مدلل بیان فرمائیں؟

المستفتي: راج محمد انصاری، موضع دہی،

پوسٹ: سکٹا بازار، مغربی چمپارن، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مسجد کی تعمیر کیلئے ہندو حکومت اور ہندو لوگوں کا چندہ

لیناشرعاً درست ہے، بشرطیکہ اس کی وجہ سے وہ مسجد کے معاملات میں دخل اندازی نہ کریں۔

وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمی بشرط كونه قربة عندنا وعندهم كما لو وقف على أولاده أو على الفقراء أو على فقراء أهل الذمة فإن عمم جاز الصرف إلىٰ كل فقير مسلم أو كافر. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ۱۸۹/۵، زكريا ۳۱٦/۵)

لو وقف علىٰ مسجد بيت المقدس فإنه صحيح لأنه قربة عند نا وعندهم. (البحرالرائق، كوئٹه۵/ ۱۹۰، زكريا ۳۱٦/۵)

(۲) سوالنامہ میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے، اگر وہ واقعہ کے مطابق ہے تو مذکورہ لوگوں کا مذکورہ عمل دھوکہ دہی ہے، جو شرعاً ناجائز ہے، اور مسجد کی تعمیر سے بچا ہوا پیسہ ٹھیکیداروں کا آپس میں بانٹ لیناشرعاً جائز نہیں ہے، وہ مسجد ہی کا حق ہے، لہٰذا اس کو مسجد کے فنڈ میں جمع کرنا لازم ہے، اس کو کھانے والے خائن ہیں اس کو مسجد کے فنڈ میں جمع کرکے اپنی اس غلط حرکت سے توبہ لازم ہے۔

ولو أن قوماً بنوا مسجداً وفضل من خشبهم شيئى قالوا: يصرف الفاضل في بنائه ولايصرف إلىٰ الدهن والحصر هذا إذا سلموه إلىٰ المتولى ليبنىٰ به. (البحرالرائق، كوئٹه۵/ ۲۵۰، زكريا ۴۲۰/۵)

(۳) شہتیر مسجد کی ملکیت ہے، مرحوم کی اولاد اور وارثوں کو لے کر جانے کا حق نہیں ہے، اگر وہ شہتیر بیچ دی گئی ہیں، تو ان پیسوں کا مسجد کے فنڈ میں جمع کردینا لازم ہے، ورنہ اللہ کے یہاں سخت ترین سزا کے مستحق ہوں گے۔ (مستفاد:عزیز الفتاویٰ/۷ ۴۸)

وصرف الحاكم أو المتولى نقضه أى المنقوض من خشب وحجر وأجر وغيرها أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلىٰ عمارته إن احتاج وإلا حفظه ليحتاج إلا إذا خاف ضياعه فيبيعه ويمسك ثمنه ليحتاج. (شامی، الوقف، مطلب فى الوقف، إذا خرب ولم يكن عمارته ،كراچى ۳۷۷/٤، زكريا٦/ ۵۷۳)

(۴) مسجد کی تعمیر میں حرام مال کیسے لگا ہے، اس کو صاف طور پر وضاحت کے ساتھ اس طرح پیش کیا جائے کہ وہ پیسہ کیسے حرام ہے، اس وضاحت سے پہلے حکم شرعی بیان کرنا مناسب نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍۹۳۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۱۸ھ

غیر مسلم کا پیسہ مسجد یا مدرسہ میں لگانا

سوال: [۸۲۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو غیر مسلم بنیت ثواب اور قربت سمجھ کر مسجد یا مدرسہ میں پیسہ دے تو اس پیسہ کو مسجد یا مدرسہ میں لگانا کیسا ہے؟ مفصل ومدلل بیان فرمائیں، نوازش ہوگی؟

المستفتی: محمد عمر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بنیت ثواب دینے والے غیر مسلم کا پیسہ مسجد یا مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں لگانا بلا کراہت جائز ہے، تاہم یہ خیال رکھا جائے، کہ بعد میں مسلمانوں پر احسان نہ جتلائے، اگر یہ اندیشہ ہو کہ بعد میں مسلمانوں سے اپنے مذہبی امور میں چندہ کیلئے پیش کش کریگا، تو نہ لیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ/ ۵۳۸، احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۳۹، محمودیہ ڈابھیل ۱۵/ ۱۳۶، میرٹھ ۲۲/ ۱۱۵)

فإن كان الموصىٰ به شيئاً هو قربة عندنا وعندهم بأن أوصىٰ بثلث ماله أن يتصدق به علىٰ فقراء المسلمين – أو بعمارة المسجد الأقصىٰ ونحو ذلک جاز في قولهم جميعاً. (بدائع، كتاب الوصايا، فصل في شرائط ركن الوصية، زكريا ٦/ ٤٣٩)

وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة

عندنا وعندهم . (البحر الرائق ،كتاب الوقف ، زكريا ٥/٣١٦ ، كراچى ٥/١٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر خاص: ۴۰/۱۱۴۹۵)

مساجد کی تعمیر میں غیر مسلموں کا روپیہ لگانا

سوال: [۸۲۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مساجد کی تعمیر جدید یا مرمت میں اہل ہنود غیر مسلم اقوام کا روپیہ لگانا شرعاً کیسا ہے؟ نیز اگر جائز ہے تو کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے یا نہیں؟

(۲) نیز یہود ونصاریٰ وشیعہ اگر مسجد تعمیر کرادیں یا مسجد کی مرمت کرادیں یا چندہ وغیرہ میں شریک ہوں تو شرعاً کیا حیثیت ہے، درست ہے یا نہیں؟ بحوالہ جواب تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی؟

المستفتي: مرزا عمر بیگ، کوہ نور کالونی،
قصبہ: اورنگ آباد، صوبہ مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) غیر مسلم ہندو اور یہود ونصاریٰ اگر عبادت اور کار خیر سمجھ کر مسجد کیلئے روپیہ پیسہ دیدیں اور بظاہر ان کی کوئی ایسی غرض اس سے نہیں ہے، کہ جس سے بعد میں مسلمانوں کو ان کی عبادتگاہوں پر پیسہ خرچ کرنے پر مجبور کیا جاسکے تو ان کا پیسہ لیکر مسجد میں لگانا شرعاً جائز ہے اور شیعہ غالی کو باجماع کافر قرار دیا گیا ہے، اور کافر اور شیعہ کا روپیہ بھی مساجد میں لگانا جائز ہے، جبکہ وہ کار خیر سمجھ کر بخوشی دیتا ہو۔ (فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۵۳۷، جدید زکریا/۵۱۷)

شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على

الفقراء أو علی مسجد القدس . (شامی، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة ، کراچی ٣٤١/٤ ، زکریا ٥٢٤/٦، البحرالرائق، کوئٹه ١٨٩/٥، زکریا ٣١٦/٥، تاتار خانية زکریا٢٠١/٨ ، رقم: ١١٦٣٦)

وللمسلمين أن يقبلوا من الكافر ...... إذا لم يكن في ذلك ضرر ديني ولا سياسي . (تفسير المراغی ٧٤/٤، بحواله محموديه ميرٹھ ٤٨٧/٢٥)

اور بعض لوگوں نے شیعہ اور قادیانی کو مرتد قرار دیکر ان کے پیسہ کو مسجد میں لگانے کی ممانعت کی ہے، اسلئے کہ مرتد کا وقف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک موقوف رہتا ہے، یہاں تک کہ اسلام پر دوبارہ لوٹ کر آجائے۔

لو وقف فی حال ردته فهو موقوف عند الإمام الخ. (شامی، کتاب الوقف، قبیل فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته ،زکریا ٦٠٤/٦، کراچی ٤٠٠/٤)

اور حکم ارتداد میں تردد ہے اسلئے کہ اس زمانہ کے شیعہ اور قادیانی کا کفر اپنے باپ دادا سے چلا آرہا ہے، اور یہ لوگ ازخود اسلام سے منحرف نہیں ہوئے بلکہ آباء کے کفریہ عقیدہ پر قائم ہیں، اور اپنا ایک خاص مذہب مستقل سمجھتے ہیں، اسلئے ان پر کفر کا حکم لاگو ہوگا، اور ارتداد کا حکم قابل تردد ہے، اور کافر کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے، جیسا کہ مذکورہ دلائل اور عبارات فقہاء سے واضح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۶ھ

غیر مسلم کا چندہ مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی تعمیر کیلئے روڈ پر بینر لگا دیا ہے چندہ کیلئے اب اگر کوئی غیر مسلم روپیہ ڈال دے چندہ میں اور ہمیں معلوم نہیں ہے تو کیا غیر مسلم کا پیسہ مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں، اس روپیہ کو تعمیر مسجد میں

یاامام کے حجرہ میں یا دیوار وغیرہ مسجد کے کنارہ میں غیر مسلم کے روپیہ سے کرواسکتے ہیں، یانہیں؟ حجرہ مسجد سے خارج ہونے کی صورت میں کیا مسئلہ ہے، اور مسجد سے متصل ہوتو اس کی صورت میں کیا مسئلہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معلوم اور غیر معلوم دونوں طرح کے غیر مسلم کا چندہ مسجد میں لگانا شرعاً جائز اور درست ہے، بشرطیکہ غیر مسلم اس احسان کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنی مذہبی تقریب میں شرکت پر مجبور نہ کریں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۶۴)

کمافی البدائع : أو بعمارة المسجد الأقصیٰ ونحو ذلک جاز فی قولهم جمیعاً لأن هذا مما یتقرب به المسلمون وأهل الذمة الخ. (بدائع، کتاب الوصایا، فصل فی شرائط رکن الوصیة کراچی ۷/ ۳٤۱، زکریا ٦/ ٤٣٩)

اور غیر مسلموں کو اپنے کار خیر کا بدلہ دنیا میں مل جاتا ہے۔

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إن الله لا یظلم مؤمناً حسنة یعطی بها فی الدنیا ویجزی بها فی الآخرة وأما الکافر فیطعم بحسنات ما عمل بها لله فی الدنیا، حتی إذا أفضی إلیٰ الآخرة لم تکن له حسنة یجزیٰ بها. (صحیح مسلم، کتاب صفة المنافقین وأحکامهم، باب جزاء المؤمن بحسناته فی الدنیا والآخرة الخ، النسخة الهندیة ۲/ ۳۷٤، بیت الافکار رقم /۲۸۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۷۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/ ۱۴۱۲ھ

ہندؤں کا پیسہ مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

ہندؤں کا پیسہ مسجد میں یا عیدگاہ میں لگانا جائز ہے یانہیں؟ ہلدور کی جامع مسجد میں ایک ہندو نے اپنے جنریٹر کا کنکشن دے رکھا ہے، اس کی روشنی میں مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی جاتی ہے، اور ہندو کوئی پیسہ نہیں لیتا ہے؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: محمد اسماعیل، ہلدور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ہندو ثواب یا عبادت سمجھ کر اپنا پیسہ مسجد یا عیدگاہ میں دینا چاہیں، اور کوئی دوسرا مانع مثلاً شرکت کا دعویٰ کرنیکا یا مسلمانوں پر احسان جتانے کا یا کسی بھی قسم کے فتنہ وفساد کا اندیشہ نہیں ہے تو اس صورت میں ان کا روپیہ مسجد اور عیدگاہ میں لگانا اور ان کے جنریٹر کی روشنی میں مغرب کی نماز ادا کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اور نماز میں اس سے کوئی خرابی نہیں آتی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۴۷۰، ۱۰/ ۱۸۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۱۴۲، ۱۳۸)

ولو أوصیٰ (ذمی) بثلث ماله بأن یحج عنه قوم من المسلمین أو یبنیٰ به مسجداً للمسلمین إن کان ذلک لقوم بأعیانهم صحت الوصیة وتعتبر تملیکاً لهم و کانوا بالخیار إن شاء ؤحجوا به و بنوا المسجد وإن شاء ؤلا. (عالمگیری، کتاب الوصایا، الباب الثامن قبیل مسائل شتیٰ، زکریا قدیم ٦/ ١٣٢، جدید ٦/ ١٥٢)

وإن قال الذمی: جعلت غلة هذه الصدقة فی سراج بیت المقدس ودهنه فهو جائز. (تاتارخانیة، زکریا ٨/ ٢٠١، رقم: ١١٦٣٦، بدائع الصنائع، ٦/ ٤٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ۷/ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

غیر مسلم کا چندہ مسجد میں لگانے کا حکم

سوال: [۸۲۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں غیر مسلم کا چندہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ آپ کے یہاں سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس کو مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ نے شائع فرمایا ہے، اس میں امداد الفتاویٰ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مسجد میں غیر مسلم کا چندہ لگانا بلا کراہت جائز ہے۔ (ایضاح المسائل/ ۱۳۶) اس پر کچھ لوگوں نے شور مچا رکھا ہے قرآن وحدیث کے حوالے سے وضاحت مطلوب ہے؟

المستفتي: غلام قادر، مہتمم جامعہ ضیاء العلوم
جامعۃ الطیبات، پونچھ جموں وکشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کا چندہ ایسی صورت میں مسجد میں لگانا بلا کراہت اور بلا تردد جائز اور درست ہے، جبکہ اس کو عبادت اور کار خیر سمجھ کر دیتے ہوں، اور اس میں یہ خطرہ بھی نہ ہو کہ کل کو مسلمانوں پر احسان جتلائیں یا اپنے دھرم کے امور میں چندہ دینے پر مسلمانوں کو مجبور کریں، اور ایضاح المسائل میں امداد الفتاویٰ کے حوالہ سے جو مسئلہ لکھا ہے وہ صحیح اور درست ہے، اور شرعی مسئلہ پر کسی کو بلا تحقیق شور مچانے کا حق نہیں ہے، اور حضرات فقہاء نے کتب فقہ میں جو مسائل لکھے ہیں، وہ سب قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھے ہیں۔

أن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس الخ. (شامي، كتاب الوقف، مطلب من يثبت الوقف بالضرورة، كراچی ٤/ ٣٤١، زكريا ٦/ ٥٢٤)

وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم. (البحر الرائق، كوئٹه ٥/ ١٨٩، زكريا ٥/ ٣١٦، هنديه، زكريا قديم

۳۵۲/۲، جدید ۳٤۷/۲)

حدیث پاک میں کثیر تعداد کی روایات ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے تعمیر کردہ کعبہ کو اسی حالت میں باقی رکھا اس کو توڑ کر دوبارہ تعمیر نہیں فرمایا۔ (ابو داؤد ، کتاب المناسك ، باب الصلوٰة من الكعبة ، النسخة الهندية ۲۷۷/۱، بخاری شریف ، کتاب المناسك ، باب فضل مكة و بنيانها ۲۱۵/۱)

اوراس طرح کی کئی حدیثیں موجود ہیں کہ حضرت سید الکونین علیہ السلام نے کافر بادشاہوں کا تحفہ اور ہدیہ قبول فرمایا:

عن علی عن النبی ﷺ أن کسریٰ أهدیٰ له فقبل وإن الملوک أهدوا إليه فقبل منهم . (ترمذی، ابواب السیر ، باب ماجاء فی قبول هدایا المشرکین ، النسخةالهندیة ، ۲۸٦/۱، دارالسلام، رقم: ....)

عن بریدة قال أهدى أمير القبط لرسول الله صلى الله عليه وسلم جاريتين أختين و بغلة فأما البغلة فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يركبها وأما إحدىٰ الجاريتين فتسراها فولدت ابراهيم . الحديث : (المعجم الاوسط،دارالفکر ۳٦۳/۲، رقم: ۳۵٤۹)

اسی طرح شاہ مقوقش نے اسکندریہ سے آپ ﷺ کیلئے ہدیہ روانہ کیا آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔ (المعجم الاوسط ، دار الفکر ۲۷۳/۵، رقم: ۷۳۰۵)

اسی طرح روم کے شاہ نے آپ ﷺ کیلئے ہدیہ بھیجا اور آپ ﷺ نے قبول فرمایا: (المعجم الاوسط ، دارالفکر ۳٦/۲، رقم: ۲٤۱٦)

اور غیر مسلم جو کار خیر میں خرچ کرتے ہیں، اسکا بدلہ ان کو دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے، آخرت میں ان کا حصہ نہیں ہے۔

عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله ﷺ إن الله لايظلم مؤمنا حسنة، يعطى بها فى الدنيا ويجزىٰ بها فى الآخرة ، وأما الكافر فيطعم

بحسنات ما عمل بهالله فی الدنيا حتى إذا أفضىٰ إلىٰ الآخرة لم تكن له حسنة يجزىٰ بها، الحديث: (مسلم شريف، كتاب صفة المنافقين وأحكامهم، باب جزاء المؤمن بحسناته فى الدنيا والآخرة، النسخة الهندية ۲/۳۷۴بيت الأفكار رقم: ۳۸۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱/۱۳ھ

غیر مسلم کی رقوم مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) اگر کوئی غیر مسلم بغیر سوال کئے ہوئے کچھ رقم تعمیر مسجد کیلئے دے تو کیا اس رقم کو لینا چاہئے یا نہیں؟

(۲) اگر لے لیں تو پھر اس کو کس مصرف میں لایا جائے، مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد صدیق، دہلی گیٹ، محلّہ بڑوال، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) غیر مسلم اگر ثواب کی نیت سے تعمیر مسجد میں چندہ دے تو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ آئندہ مسلمانوں پر احسان نہ جتلائے یا اسکی خاطر مسلمانوں کو ان کے دھرم کے امور میں خرچ کرنا نہ پڑے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۶۴)

وفي البحر وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذى بشرط كونه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، كوئٹه ۵/۱۸۹، زكريا ۵/۳۱۶، هنديه زكريا قديم ۲/۳۵۲، جديد۲/۳۴۷، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۵۶۸)

(۲) دینے والے نے جس مصرف کیلئے دیا ہے، اسی مصرف میں خرچ کرنا لازم ہے۔

شرط الواقف كنص الشارع. (شامی، كتاب الوقف، مطلب فى قولهم

شرط الواقف كنص الشارع ، کراچی ٤/٤٣٣، زكريا ٦/٧٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر محرم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۶۰)

مدارس ومساجد میں غیر مسلم کی رقم صرف کرنا

سوال: [۸۲۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارس ومساجد میں غیر مسلموں کی رقم چلتی ہے یا نہیں؟ اور اگر چلتی ہے تو کس قسم کی رقم؟ ایک حاجی صاحب خانہ کعبہ سے لوٹنے کے بعد کہہ رہے ہیں، کہ ہم نے مولانا مکی صاحبؒ سے مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ قطعاً نہیں چلتی ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد مدرسہ میں کافر کا چندہ لینے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ وہ اپنے اعتقاد میں قربت وثواب سمجھتا ہو۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۱/۵۹۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۴۸۷، ۲/۶۷۴، جدید ڈابھیل ۱۵/۱۳۶، ۱۳۸)

وفي الشامية: حتى يصح من الكافر (إلىٰ قوله) بخلاف الوقف فإنه لا بد فيه من أن يكون في صورة القربة . (ردالمحتار مع الدر المختار ، كتاب الوقف، مطلب لو وقف على الاغنياء ،كراچی ٤/٣٣٩، زكريا ٦/٣٢١، محموديه قديم ١٠/١٨٨، جديد ڈابهيل ١٥/١٣٨)

لو وقف على مسجد بيت المقدس فإنه صحيح لأنه قربة عندنا وعندهم . (البحرالرائق، كوئٹه ٥/١٨٩، زكريا ٥/٣١٦)

اگر واقعی مکی صاحب نے اس کو ناجائز کہا ہے، تو یہ درست نہیں ہے، نیز وہ حنفی مسلک کے مفتی بھی نہیں ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۵ھ

ہیجڑوں یا کافروں کا روپیہ مسجد یا عیدگاہ میں لگانا

سوال: [۸۲۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ہیجڑوں کا دیا ہوا روپیہ کیا مسجد میں لگا سکتے ہیں اور ہندو کا روپیہ مسجد کی تعمیر وغیرہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) ہجڑوں کا روپیہ کیا مسجد کے حجرے کی تعمیر میں جبکہ حجرہ مسجد سے باہر بنا ہوا ہے، لگا سکتے ہیں، یا نہیں؟ اور ہندو کا روپیہ بھی اس حجرہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) تملیک کر کے روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) فطرہ زکوٰۃ کا پیسہ مسجد میں یا حجرہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۵) ہیجڑوں کا روپیہ کیا عیدگاہ کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: ڈاکٹر خلیل احمد، بلند شہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) ہیجڑے کا دیا ہوا روپیہ مسجد یا مسجد کے حجرہ میں لگانا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ مسجد خدا کا گھر ہے، اور خدا پاکیزہ مال ہی قبول کرتا ہے۔

أما لو أنفق فی ذلک مالا خبیثا ومالا سببه الخبیث والطیب فیکره لأن اللّٰه تعالیٰ لایقبل إلا الطیب. (شامی، الصلوٰة، باب مایفسد الصلوٰة الخ، قبیل مطلب فی افضل المساجد، کراچی ۱/۶۵۸، زکریا ۲/۴۳۱)

البتہ ہندو کا چندہ مسجد میں لگانا جائز اور درست ہے، جبکہ وہ بنیت ثواب دیتا ہو۔
(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۵۵۳، جدید زکریا/۵۱۸، امداد الفتاویٰ ۲/۶۷۲)

نیز مسجد کے حجرہ وغیرہ میں بھی ہندو کا روپیہ خرچ کرنا جائز ہے۔

وأما الإسلام فلیس من شرطه فصح وقف الذمی بشرط کونه قربة عندنا وعندهم. (البحر الرائق، کتاب الوقف، کوئٹہ ۵/۱۸۹، زکریا ۵/۳۱۶، هندیه،

زکریا قدیم ۲/۳۵۲، جدید۲/۳۴۷، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۵٦۸)

(۳) زکوٰۃ وصدقات کا روپیہ مسجد اور اس کے کمروں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، ایسا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

لا یصرف إلیٰ بناء نحو مسجد. (درمختار ۲/۳٤٤، زکریا ۳/۲۹۱)

(۴) زکوٰۃ وصدقات کی رقم کو تملیک کراکے مسجد اور اس کے حجروں کی تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے۔

وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد. (درمختار مع الشامی، کراچی۲/۲۷۱، زکریا ۳/۱۹۱)

(۵) ہیجڑوں کا روپیہ تعمیر عیدگاہ میں لگانا جائز نہیں۔

أما لو أنفق فی ذلک مالاً خبیثاً .... فیکره . (شامی، کراچی ۱/٦٥٨، زکریا ۲/٤٣١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱؍۳۷۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵؍۱۲؍۱۴۱۴ھ

ہندوؤں کا مساجد ومدارس میں چندہ دینا

سوال: [۸۲٦۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکاری فیکٹری میں ہندو ومسلمان دونوں کام کرتے ہیں، اور آپس میں خوب میل ملاپ بھی رکھتے ہیں، ایک دوسرے کے پروگرام میں حصہ لیتے ہیں، ہندو کا درگا پوجا یا اور کوئی پوجا ہوتی ہے، تو مسلمان سے بھی چندہ لیتے ہیں، اور مسلمان بھی مسجد ومدرسہ کے لئے چندہ لیتے ہیں، تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد صلاح الدین، نوہٹہ، سہرسا، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ہندو مساجد و مدارس میں ثواب اور نیک کام سمجھ کر امداد دیتا ہے، اور کبھی اسکا احسان جتانے کا احتمال بھی نہیں ہے، اور مسلمانوں کو ہندوؤں کے مذہبی پروگرام میں شرکت پر مجبور کرنے کا اندیشہ بھی نہ ہو تو چندہ لے سکتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۴۷۰، امداد الفتاویٰ ۲/۶۹۱)

أن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، مطبوعه کوئٹه ۳/۳۹٤، کراچي ٤/۳٤۱، زکریا ٦/٥۲٤)

وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم الخ. (البحرالرائق، کوئٹه ٥/۱۸۹، زکریا ٥/۳۱٦، منحة الخالق، کوئٹه ٥/۱۸۹، زکریا ٥/۳۱٦، هنديه، زکریا قديم ۲/۳٥۲، جديد ۲/۳٤۷، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت ۲/٥٦۸)

لیکن سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں مسلمان بھی غیر مسلموں کے مذہبی پروگرام میں شرکت کیا کرتے ہیں، اسلئے صورت مذکورہ میں ہندوؤں کا چندہ لیکر مساجد و مدارس میں لگانا جائز نہیں ہوگا، نیز مسلمانوں پر لازم ہے کہ نہ اس طرح میل ملاپ رکھیں اور نہ ان کے پروگرام میں شرکت کریں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۸۸)

وللمسلمين أن يقبلوا من الكافر ...... إذا لم يكن في ذلک ضرر ديني ولا سياسي . (تفسير المراغي ٤/۷٤، بحواله محموديه ميرٹھ ۲٥/٤۸۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ / جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۴۰/۷)

اہل ہنود کی رقم براہ راست مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) اگر اہل ہنود کچھ رقم اپنی خوشی سے مسجد کی تعمیر میں دینا چاہیں، تو کیا وہ رقم لے سکتے ہیں، اور تعمیر مسجد یا دیگر مسجد کے مصارف میں خرچ کر سکتے ہیں۔

(۲) کسی کافر کی دی ہوئی رقم براہِ راست مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں، یا کوئی اور شکل ہے؟

المستفتي: غیاث الدین قاسمی، قصبہ اوجھاری، حسن پور، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) اگر اہل ہنود تعمیر مسجد کو کار خیر سمجھ کر رقم دیتے ہیں، اور اس میں ایسا کوئی مقصد یا اندیشہ نہیں ہے، کہ کل کو ہندوؤں کیلئے مسلمانوں سے رقم حاصل کریں تو اہل ہنود کی رقم براہ راست مسجد میں صرف کرنا درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۶۴، ۲/ ۶۶۷)

أن شرط وقف الذمی أن یکون قربة عندنا وعندهم کالوقف علیٰ الفقراء أو علی مسجد القدس الخ تحت قول صاحب الدر وأن یکون قربة فی ذاته.

(شامی، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة، کراچی ۴/ ۳۴۱، زکریا ۶/ ۵۲۴)

وأما الإسلام فلیس من شرطه فصح وقف الذمی بشرط کو نه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، کوئٹه ۵/ ۱۸۹، زکریا ۵/ ۳۱۶، هندیه، زکریا قدیم ۲/ ۳۵۲، جدید ۲/ ۳۴۷، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۵۶۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر محرم ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱/۱ھ

غیر مسلم کی رقم سے مسجد کا تعمیری کام کرانا

سوال: [۸۲۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی تعمیر میں کسی غیر مسلم کے روپیہ لگائے جاسکتے ہیں؟ اور تعمیری کام کرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں مدلل بیان فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کا چندہ مسجد میں لگانا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ کل کو مسلمانوں سے اپنی مذہبی چیزوں پر تعاون کا مطالبہ نہ کرے گا، اور وہ ایک کار خیر سمجھ کر مسجد کو چندہ دیتا ہو، تو ایسی صورت میں غیر مسلم کا چندہ مسجد میں لگانا درست ہے۔

وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم...... لو وقف على مسجد بيت المقدس فإنه صحيح لأنه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/١٨٩، ١١٩٠، زكريا ٥/٣١٦)

لمافي البحر وغيره أن شرط وقف الذمي ان يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس. (شامی، الوقف، مطلب قدی يثبت الوقف بالضرورة، كراچی ٤/٣٤١، زكريا ٦/٥٣٤)

وأما الإسلام فليس بشرط .... وشرط صحة وقفه أن يكون قربة عندنا وعندهم .... بخلاف ماإذا وقف على مسجد بيت المقدس فإنه صحيح لأنه قربة عندنا وعندهم. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٥٦٨)

ولأن درء المفاسد أولىٰ من جلب المصالح. (الأشباه والنظائر، زكريا /٢٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۸۴)

۲۶/ الفصل السادس والعشرون: مسجد میں وعظ وتقریر وغیرہ

مسلمانوں کی عزت اور جان ومال کیلئے مسجد میں جلسہ کرنا

سوال: [۸۲۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے، کئی شہروں میں مسلمانوں کا انتہائی سفاکانہ قتل عام ہوا، اور یہ سلسلہ کسی نہ کسی درجہ میں جاری ہے مسلمان کی عبادت گاہ بابری مسجد (اجودھیا) میں بتوں کی پوجا پاٹ کی جارہی ہے، مختلف مقامات پر تقریری اورتحریری طریقوں سے اسلامی شریعت کونقصان پہنچایا جارہا ہے، ایسی حالت میں زید اسکے رفقاء اور معززین شہر کامسجد میں جمع ہوکر مسلم پرسنل لاءاور اسکی اہمیت اور اسکے تحفظ کے سلسلے میں عوام کوآ گاہ کرنا بابری مسجد کی زیادتی نیز مختلف شہروں میں مسلمانوں کے بے رحمانہ قتل عام کے سلسلے میں بنائے ہوئے اتحاد بین المسلمین کی دعوت دینا اور حکومت وقت سے پُرامن اجتماع کرنا کیسا عمل ہے، جبکہ اس سے زیادہ مناسب مقام کوئی اور نہ ہو کیونکہ عام مقامات پر ہر قسم کے اجتماع کی حکومت وقت نے پابندی لگادی ہو یہ ملحوظ رہے کہ زید دیندار مسلمان اور ایم ایل اے ہے۔

المستفتي: مرتضیٰ علی خان، محلّہ شترخانہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمان کی جان مال عزت وآبرو عبادت گاہوں اور مسلم پرسنل لاء کی حفاظت کی غرض سے اجتماعی جلسہ مساجد میں کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ اس میں کوئی بات آداب مسجد کے خلاف نہ ہو، مثلاً نعرہ لگانا، آواز بلند کرنا، شوروغل کرنا وغیرہ۔

المساجد یجب أن تصان عن إدخال الرائحة الکریهة (إلیٰ قوله) ورفع الصوت والخصومة الخ. (غنیة المستملی، فصل فی احکام

المسجد، رحیمیه دیوبند/٥٦٦، اشرفیه دیوبند/٦١٠، صغیری مطبع مجتبائی دهلی /٣٠١، شامی، کتاب الصلوٰة، باب ما یفسد الصلوٰة کراچی ١/٦٦٠، زکریا ٢/٤٣٣، ٤٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳؍ ۴۱۰)

مسجد کے مائک سے بچوں کی اجتماعی دعا اور نعت خوانی کا حکم

سوال: [۸۲۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے مائک سے بچوں کی اجتماعی دعا مثلاً ''حمد وثناء ہو تیری کون ومکاں والے'' یہ دعا پڑھی جاتی ہے، اور وہ بچے مسجد میں پڑھتے ہیں، نیز اکثر وبیشتر بعد المغرب نعت خوانی ہوتی ہے، تو کیا یہ مسجد کے مائک سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں؟

المستفتي: نثار احمد، رائپور سادات، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے مائک کو بلا اجرت استعمال کرنا مسجد کی حق تلفی ہے، بلا کرایہ اور بلا اجرت مسجد کے مائک کا استعمال محض نعت خوانی کیلئے جائز نہیں ہے، البتہ اجرت وکرایہ کیساتھ مسجد کے مفاد کے پیش نظر گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۰۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۵)

الثامنة فی وقف المسجد أیجوز أن یبنی من غلته منارة؟ قال فی الخانية معزيا إلیٰ أبي بكر البلخی: إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحر الرائق، کتاب الوقف کوئٹه ٥/٢١٥، زکریا ٥/٣٦٠)

لو احتاج المسجد إلیٰ نفقة تؤجر قطعة منه بقدر ماينفق عليه. (تقریرات رافعی مع الشامی، کراچی ٤/٨٠، زکریا ٦/٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ؍ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۴/ ۱۴۱۶ھ

مسجد کے مائک میں نعت وغیرہ پڑھنا

سوال: [۸۲۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجدوں میں جو مائک ہوتا ہے، وقف کی چیز ہوتی ہے، سحری کے وقت بنیت ایقاظ صائمین تلاوت قرآن ونعت خوانی لوگ ایک دو گھنٹہ تک کرتے رہتے ہیں، کیا مسجد کی اشیاء کو اس قدر بے دریغ خرچ کرنا لوگوں کے فائدے کیلئے جائز ہے؟ نیز کیا علاوہ ازیں ابن نجیم مصریؒ کی الاشباہ الخ میں بیان کردہ قاعدہ ’’**الأمور بمقاصدھا**‘‘ کے تحت ذکر کردہ جزئیہ کے زمرہ میں یہ تلاوت قرآن کریم نہیں آئے گا، جبکہ اسوقت کی تلاوت صرف لوگوں کے بیدار کرنے کیلئے ہوتی ہے، بندہ نے عبارت شامیہ، اردو فتاوے اور الاشباہ الخ کو مدنظر رکھ کر عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے، عالیجناب کی رائے وفتویٰ اس بارے میں کیا ہے، نیز اسکے لئے دارالعلوم بھی استفتاء بھیجا گیا ہے، نیز لوگ کافی پریشان ہیں اس لئے جلد از جلد بھیجنے کی زحمت گوارہ فرمائیں؟ کرم ہوگا؟

المستفتي: عبدالغفار، پیرولیاوی
ڈاک، مقام مرولیا، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک کی راتوں میں مائک وغیرہ کے ذریعہ سے وقفہ لیکر دوتین بار سحری کا اعلان کرنا جس سے لوگوں کو وقت کا علم ہوجائے جائز ہے، لیکن مسلسل تلاوت اور نعت خوانی چار وجہوں سے ناجائز ہے۔

(۱) مسجد کے مائک کو بلاضرورت استعمال کرنا۔

(۲) مائک لگا کر راتوں کو مسلسل نعت خوانی اور شور شغب کرنا اہل ہنود واغیار کا شعار ہے، جو مندروں میں ہوا کرتا ہے۔

(۳) ہر سننے والا تلاوت قرآن کی سماعت کا اہتمام نہیں کرسکتا ہے، جس سے قرآن کی سخت ترین بے ادبی ہوتی ہے۔

(۴) سونے اور عبادت کرنے والوں کو خلل ہوتا ہے، جو ممنوع ہے۔

لأن تعظيم القرآن والفقه واجب الخ. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الکراهية، الباب الرابع زكرياقديم ٥/٣١٦، جديده ٥/٣٦٥)

ولا يقرأ جهراً عند المشتغلين بالأعمال ومن حرمة القرآن أن لايقرأ في الأسواق . (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الکراهية، الباب الرابع زكريا قديم ٥/٣١٦، جديده ٥/٣٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شوال المکرّم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۹۲)

کیا عورتوں کا اجتماع مسجد میں کرسکتے ہیں؟

سوال: [۸۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا عورتوں کا اجتماع مسجد میں کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ، مہراج گنجی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے اندر عورتوں کا اجتماع کرنا خطرہ اور فتنہ سے خالی نہیں ہے، اسلئے کہ مسجد عام مردوں کی جگہ ہے، اس میں مردوں کی آمد ورفت کی پابندی نہیں لگائی جاسکتی ہے، اس وجہ سے عورتوں کا اجتماع کرنا احتیاط کے خلاف ہے، ہاں البتہ اگر ایسے وقت میں ایک آدھ گھنٹہ کیلئے اجتماع کرلیا جائے جس میں نہ شروع میں نماز کا وقت ہو

اورنہ آخر میں نماز کا وقت ہو، بلکہ دونوں جانب وقت نماز سے ایک آدھ گھنٹہ کا فاصلہ ہے، مثلاً صبح کو ۹/ بجے سے گیارہ بجے تک کے درمیان اجتماع سے فراغت ہو جاتی ہے، اور اس درمیان میں وہاں پر مردوں کی آمد ورفت پر سخت پابندی لگادی جائے، تو اتفاقی طور پر سال میں ایک آدھ مرتبہ اس طرح کا اجتماع مسجد میں کرلیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ عام عورتیں پاکی کی حالت میں ہوں، اور فتنہ کا کوئی خطرہ بھی نہ ہو۔

لابأس بالجلوس فی المسجد للوعظ إذا أراد به وجه الله تعالیٰ .

(عالمگیری، کتاب الکراهیة ، قبیل الباب الخامس فی آداب المسجد الخ ، زکریاقدیم ۵/ ۳۱۹، جدید ۵/ ۳٦٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ رجب ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۷/ ۱۴۲٦ھ

مسجد میں نعت شریف پڑھنا

سوال: [۸۲۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص مسجد میں نعت شریف حضور ﷺ کی شان میں پڑھتا ہو تو پڑھنا مسجد میں کیسا ہے؟ آپ حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عرفان، گرام باقی پور،
تحصیل: بلاری، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اچھی نعت مسجد میں اس قدر پڑھنا جائز ودرست ہے کہ اسکی وجہ سے نمازی اور دوسرے اذکار میں مشغول لوگوں کو خلل نہ ہو، حضور ﷺ نے مسجد میں برے اشعار پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اور اچھی نعت کی اجازت دی ہے۔

أنه صلى الله عليه وسلم نهىٰ أن تنشد الأشعار فى المسجد وأن تباع فيه السلع (إلىٰ قوله) أنه صلى الله عليه وسلم وضع لحسان منبراً ينشد عليه الشعر بحمل الأول علىٰ ما كانت قريش تهجوه به ونحوه مما فيه ضرر، أو على ما يغلب على المسجد حتى يكون أكثر من فيه متشاغلاً به (إلىٰ قوله) فما غلب عليه كره ومالا فلا الخ. (شامی، باب مايفسد الصلوٰة، ومايكره فيها، مطلب فی انشاد الشعر، کراچی ۱/ ٦٦٠، زکریا ۲/ ٤٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ رمضان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۰۲/۲۵)

۲۷/ الفصل السابع والعشر ون: مسجد میں مستحب اورمکروہ کاموں کا بیان

مینار اور کمان بنانے کا حکم

سوال: [۸۲۷۶]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنے محلّہ کی مسجد بنوار ہاہوں حسب ذیل سوالات ذہن میں آرہے ہیں، ان سوالات کے جوابات شرعی اصول کی روشنی میں ارسال فرما کر میری ذہنی الجھن کودور کریں تو نوازش ہوگی۔

(۱) مینار اور کمان کی مسجد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۲) کیا مسجد کی تعمیر کیلئے جو چندہ لوگوں نے دیا ہے، مینار اور کمان کی تعمیر پر خرچ کرسکتے ہیں؟

(۳) اگر کوئی اپنا ذاتی پیسہ خرچ کرنا چاہے تو کتنی رقم میناروں اور کمانوں کی تعمیر پر خرچ کرسکتا ہے؟

(۴) مینار کی اونچائی اور خوبصورتی پر کتنا خرچ کیا جاسکتا ہے؟ کیا یہ خرچ اسراف اور ابذار میں شامل ہوگا؟

المستفتي: حمیداللہ،نورمنزل،علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے مینار عام طور پر خارج مسجد ہوتے ہیں، اور مسجد کے نام سے جولوگ پیسہ دیتے ہیں، وہ اس نیت سے دیتے ہیں کہ ہمارے پیسہ کے ذریعہ مسجد بنے گی جس میں ہمیشہ لوگ نماز پڑھیں گے، جس سے ہمارے لئے صدقۂ جاریہ ہوتا رہے گا، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ذمہ داران مسجد تعمیر مسجد کے نام سے جو چندہ کرتے ہیں، وہ سارا پیسہ حدود مسجد ہی میں لگائیں؟ اور مینار کیلئے الگ سے چندہ کریں، اور مینار اس لئے بنائے جاتے ہیں، تا کہ مسجد کی شناخت رہے تا کہ اجنبی مسافروں کو بھی پتہ چل سکے کہ یہ مسجد ہے اوراس کی کوئی مقدار بھی شریعت میں متعین نہیں ہے، اوراگرکوئی شخص اپنی

جیب خاص سے مینار بنانا چاہے، تو اس کو اختیار ہے جس شان کا چاہے مینار بنالے شرعاً اس پر کوئی نکیر نہیں ہے، البتہ بعض فقہاء نے اتنی گنجائش لکھی ہے، کہ اگر مینار پر چڑھ کر اذان دی جاتی ہے، اور اس سے نمازیوں کو اذان کی آواز صاف سنائی دیتی ہے، تو مسجد کے پیسہ سے اس کے بنانے کی گنجائش ہے ورنہ نہیں، اور اس زمانہ میں مینار کے اوپر مائک کے لاؤڈ اسپیکر کا ہارن رکھا جاتا ہے، وہیں سے آواز لوگوں تک پہونچتی ہے، اس لئے مسجد کے پیسہ سے ان کو بنانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

ولا بأس بنقشه خلا محرابه ...... بجص وماء ذهب لو بماله الحلال لامن مال الوقف فإنه حرام . (در مختار، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها، کراچی ۶۵۸/۱، زکریا ۲/ ۴۳۰-۴۳۱)

الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل وقد أمره بالدفع إلىٰ فلان فلا يملک الدفع إلىٰ غيره. (شامی، کتاب الزکاة ، مطلب فی زکاة ثمن المبیع وفاء کراچی ۲۶۹/۲، زکریا ۱۸۹/۳)

ويجوز أن يبنىٰ منارة من غلة وقف المسجد إن احتاج إليها ليكون أسمع للجيران وإن كانوا يسمعون الأذان بدون المنارة فلا . (هندیه ، الوقف ، الباب الحادی عشر فی المسجد ، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، زکریا قدیم ۴۶۲/۲ ، جدید۲ /۴۱۳، البحرالرائق، کوئٹه ۲۱۵/۵، زکریا ۳۶۰/۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۵۷/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۱۳ھ

مسجد کی تعمیر میں سنگ مرمر اور دیگر قیمتی پتھر لگانا

سوال: [۸۲۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

آجکل مساجد میں سنگ مرمر اور دیگر نفیس اور قیمتی پتھر استعمال کئے جاتے ہیں، تو کیا یہ پتھر لگوانا تعمیر میں شمار ہوگا یا تزئین میں اس کا کیا حکم ہے؟ دارالعلوم دیوبند کی مسجد جدید کو مدنظر رکھ کر جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: مفتی عتیق الرحمٰن، مدرسہ اسلامیہ، ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد میں عمدہ اور نفیس پتھر لگانے کیلئے کوئی صاحب حیثیت شخص پیسہ دیتا ہے، تو اس کے لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور دارالعلوم کی مسجد میں عمدہ ترین جو پتھر لگایا جارہا ہے، وہ چندہ دہندگان کی مرضی سے لگایا جارہا ہے، اور اس وقت تو تمام چندہ دہندگان کو اس کا علم ہے کہ مسجد کے نام سے اب جو چندہ کیا جارہا ہے، وہ صرف پتھر لگانے کیلئے کیا جارہا ہے، اس لئے اس طرح چندہ دہندگان کی مرضی سے مسجد کی تزئین جائز ہے۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الوقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۶۴)

صفوں میں رنگوں سے مصلّی نما شکل بنانا

سوال: [۸۲۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے مسجد کا فرش کرایا تو فرش میں ہم نے امام صاحب کے نماز پڑھانے کی جگہ پر رنگ بھروادیا مسجد کے اندر بھی اور باہر صحن میں بھی فرش پر رنگ سے مصلیٰ بنوادیا اب کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ شریعت کیخلاف ہے، اور اس طرح مصلیٰ بنے رہنے سے بے ادبی ہوتی ہے، جبکہ ہمارا کہنا ہے کہ ہم نے صفیں سیدھی کرنیکی وجہ سے یہ کام کیا ہے، اور اس طرح بنے رہنے سے کوئی

نقصان نہیں ہے، آپ شریعت کا حکم تحریر فرمائیں کیا اس کو بنا رہنے دیں یا ختم کرادیں؟ جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتی: سعید احمد، دھینگر پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کے فرش پر جہاں امام کھڑا ہوتا ہے، وہاں پر مصلے کی شکل میں رنگ بھر دینا جس سے مصلے کا نشان نمایاں ہوجائے، بلاکراہت جائز اور درست ہے، اس میں کسی قسم کی بے ادبی نہیں ہے اور مصلیوں کا اس کے اوپر سے ہوکر چلنا بھی بے ادبی نہیں ہے، اسی طرح جس مسجد میں پوری مسجد مشرق سے مغرب تک مصلے بنادئے جاتے ہیں، اس میں بھی کسی قسم کی کراہت نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۳۳، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/۴/۲۷، جدید زکریا ۶/ ۳۱)

ولا بأس بنقشه خلا محرابه فإنه يكره .... وقيل يكره في المحراب دون السقف والمؤخر وظاهره أن المراد بالمحراب جدار القبلة. (درمختار كتاب الصلوٰة، باب مايفسد الصلوٰة وما يكره فيها كراچی ۱/ ۶۵۸، زكريا ۲/ ۴۳۰، ۴۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱/۲۷ھ

پھول والے ٹائلس کو تصویر تصور کرنے کا حکم

سوال: [۸۲۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد جس کی تعمیر جدید کی گئی ہے، اس میں حسب دستور محراب میں خوشنماں ٹائلوں کو استعمال کیا گیا ہے، جن پر پھول بنے ہوئے ہیں، اور دور سے دیکھنے والا ان کو پھول ہی تصور کرتا ہے، لیکن بعض حضرات یہ شبہ پیش کررہے ہیں، کہ اگر یہ ٹائل ایک دوسرے سے جدا

کرکے دیکھے جائیں تو وہ پھول ہی ہیں، لیکن جب حسب قاعدہ ان چار ٹائلوں کو ملایا جائے، تو اگرچہ وہ پھر بھی پھول ہی محسوس ہوتے ہیں، لیکن اگر ان پر قریب سے اور غور کے ساتھ مع تصورنظر ڈالی جائے، تو وہ معبودان باطلہ میں سے کسی کی تصویر بھی محسوس ہونے لگتی ہے، اس صورتحال میں کیا ان ٹائلوں کو مسجد میں باقی رکھا جائے، یا نکالنا ضروری ہے؟

المستفتي: افتخار عالم، سہسپور، محلّہ نئی بستی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ ٹائلوں کو دیکھ لیا گیا ہے، ان میں ایسے پھول ہیں جن پر نظر پڑتے ہی تصویر یا مورتی جیسی محسوس نہیں ہوتے بلکہ بہت غور سے نظر جمانے کے بعد اس کا تصور ہوتا ہے، تو ایسی چیزوں پر تصویر کا حکم لاگو نہیں ہوتا ہے، اور نہ ہی اس کی وجہ سے نماز میں کراہت آئیگی، اسلئے ان ٹائلوں کو نکالنا لازم نہیں ہے۔

ولو كانت الصورة صغيرة بحيث لاتبدو للناظر لايكره لأن الصغار جدا لا تعبد الخ. (هدايه، الصلوٰة باب مايفسد الصلوٰة، فصل فى المكروهات، اشرفى ديوبند ١/ ١٤٢)

أو كانت الصورة صغيرة جدا بحيث لا تبدو أى لاتظهر للناظر إذا كان قائما وهى على الأرض أى لاتتبين تفاصيل أعضائها فلا يكره. (حلبى كبير، فصل فى كراهية الصلوٰة، اشرفيه ديوبند/ ٣٥٩) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۰؍صفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۲/ ۱۴۲۰ھ

مسجد کی دیواروں پر منقش ٹائلس لگانا

سوال: [۸۲۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سونا ڈانگا کی مسجد کی اندرونی دیوار میں چاروں طرف فرش سے ۲؍فٹ اونچائی تک منقش شدہ ٹائل

یعنی پتھر لگا ہوا ہے، اور مشرقی جانب اور جنوبی جانب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے روضۂ مبارک کی عمارت کی تصویر ہے اور قبلہ کی جانب کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کی تصویر شدہ پتھر ہے، جسمیں اللہ، محمد، یا علی یا فاطمہ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا ہے، ان تمام چیزوں کو ایسی صورت میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد شفیق، متولی مسجد سوناڈانگا، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی دیواروں پر خصوصاً قبلہ کی دیوار پر نقش ونگار کرنا نیز دیواروں کے کسی حصہ پر آیات واحادیث یا ان کا ترجمہ لکھنا یا اللہ یا محمد یا علی یا فاطمہ اسی طرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا مکروہ ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/۱۴۰، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۳۸۵)

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار کو روضۂ مبارک کہنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ روضۂ مبارک کا لفظ صرف سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کیلئے بولا جاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اطہر کے علاوہ باقی دوسرے کسی بھی بزرگ کے مزار کو روضۂ مبارک کہنا سردار دو عالم ﷺ کی شان میں گستاخی ہے، اسلئے روضۂ مبارک کا لفظ نہ بولا جائے۔

ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً في جدار القبلة وفي الشامية: كره بعض مشايخنا النقش على المحراب وحائط القبلة لأنه يشغل قلب المصلي. (درمختار مع الشامی، باب ما يفسد الصلوٰة وما يكره فيها مطلب كلمة لا بأس دليل على المستحب غيره، زكريا ۲/ ۴۳۱، كراچی ۱/ ۶۵۸، نووی شرح مسلم، كتاب المساجد، باب كراهية الصلوٰة، فی ثوب له اعلام ۱/ ۲۰۸، الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر بيروت ۱/ ۲۸۷)

وليس بمستحسن كتابة القرآن على المحاريب والجدران لما يخاف من سقوط الكتابة وأن توطأ. (عالمگیری، الباب السابع فيمايفسد الصلوٰة، الفصل الثانی فيما يكره فی الصلوٰة، وما لا يكره، زكريا قديم ۱/ ۱۰۹، جديد ۱/ ۱۶۸)

مسجد کی عمارت مضبوط اور نفیس ہو مگر اس کے ساتھ سادگی کا خاص خیال رکھنا بھی ضروری ہے، پھول بیل بوٹے گل کاری نقش ونگار کی بھرمار دیوار میں کرنا ممنوع ہے، مسجد کی سادگی کے بارے میں حدیث ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ما أمرت بتشييد المساجد قال ابن عباس لتزخر فنها كما زخرفت اليهود والنصارىٰ. (سنن أبي داؤد، کتاب الصلوٰة، باب فی بناء المساجد، النسخة الهندية ١/ ٦٥، دارالسلام رقم/٤٤٨، مشكوٰة شريف ١/ ٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۱۶ھ

مسجد کی مختلف جگہوں پر پھول رکھنا یا اسکے درخت لگانا

سوال: [۸۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مسجد کے اندر ممبر پر برائے زینت گل دان مع پھولوں کے رکھنا کیسا ہے؟ اسکی تفصیل اس طرح ہے کہ اس شہر کی ایک مسجد میں گذشتہ دو ماہ سے یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ مسجد کے ممبر پر ایک بڑا گلدان مع پھولوں کے محض زینت کی غرض سے رکھا ہے، جمعہ کے دن نماز جمعہ کا خطبہ پڑھنے کیلئے جب امام صاحب ممبر پر تشریف لیجاتے ہیں، تو وہ گلدان ممبر سے ہٹا لیا جاتا ہے، اور پھر بعد نماز جمعہ گلدان دوبارہ ممبر پر رکھ دیا جاتا ہے؟

(۲) مسجد کے باہر میدان میں باغیچہ بنانا کیسا ہے؟ باغیچہ بنانے کیلئے عوام سے مسجد کی تعمیر کے نام پر وصول کیا گیا روپیہ پیسہ صرف کرنا کیسا ہے؟ جبکہ مسجد کے باہر کا میدان واضح طور پر مسجد کے اختیار میں نہیں ہے، مسجد کے باہر کے میدان کو تفریح گاہ بنانا کیسا ہے؟

(۳) مسجد کے صحن میں داخلی دروازہ کے اندر پھولوں کی کنڈیاں جن میں کھاد ڈالی جاتی ہے، وہ رکھنا کیسا ہے؟

(۴) مسجد کے باہر کے میدان میں جہاں جنازہ کی نماز پڑھائی جاتی ہے، وہاں گھاس اگانے کیلئے کھاد وغیرہ ڈال کر گھاس اگائی گئی ہے، گھاس کو زندہ رکھنے کیلئے پانی ڈالا جاتا ہے، اس گیلی (تر) گھاس پر جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۵) مسجد کے بیرونی حصوں میں مثلاً مسجد کے میناروں پر گنبد پر اور مسجد کے سامنے باہر میدان میں روزانہ بے تحاشا روشنی کرنا کیسا ہے؟

(٦) ایک شخص سرکاری ادارہ لائف انشورنش کارپوریشن (Laif Inshorainsh cor Poershan) میں ملازم ہے، کیا ایسا شخص کسی مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کی تعلیمی دینی ادارہ کے کسی معزز عہدہ پر فائز رہ سکتا ہے، کیا ایسا شخص امامت کا فریضہ انجام دے سکتا ہے؟

(۷) عوام سے مسجد کی تعمیر کے نام پر وصول کیا گیا چندہ کسی دوسرے کام پر صرف کرنا کیسا ہے؟ جبکہ مسجد کا بہت سا تعمیری کام باقی ہے، ان باقی کاموں میں مسجد کے پانچ عدد دروازوں کا کام اور صحن میں فرش لگانا ہے؟

المستفتي: احمد فیروز، اقبال معرفت شمس،
ناولٹر پرانی عارف ہوٹل کے پیچھے محمد علی روڈ،
مومن پورہ، ناگپور، صوبہ: مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ممبر پر زینت کیلئے پھولوں کا گلدان وغیرہ رکھنا مکروہ ہے، اسلئے کہ نماز میں خیال دوسری طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور خشوع باقی نہیں رہتا، حالانکہ نماز میں خشوع مستحب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۱۷۲، جدید زکریا ۹/ ۷۹، کفایت المفتی قدیم ۹/ ۲۳۱، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۳۸۵)

ویکره التکلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً فی جدار القبلة (وفی الشامیة) کأخشاب ثمینة وبیاض بنحو سبیداج قوله وظاهره الخ أي ظاهر التعلیل بأنه یلهی. (درمختار مع الشامی، الصلوٰۃ، باب مایفسد الصلوٰۃ، مطلب

كلمة لا بأس دليل علىٰ المستحب غيره زكريا ٢/٤٣١، كراچی ١/٦٥٨)

(۲) جو چندہ مسجد کی تعمیر کے نام سے وصول کیا گیا ہو، اس کو تعمیر کے کام میں ہی لگایا جائے، اس سے مسجد کے باہری صحن میں پھلواری لگانا جائز نہیں، اگر پھلواری وغیرہ لگائے گا تو اسکا ضمان لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/۲۶۳، جدید ڈابھیل ۲۳/۲۱۴)

وإذا كان على عمارة المسجد لايشترى منه الزيت والحصير ولا يصرف منه للزينة والشرفات ويضمن إن فعل. (فتح القدير، كتاب الوقف، الفصل الاول فى المتولى، دارالفكر بيروت ٦/٢٤١، زكريا ٦/٢٢٣، كوئٹه ٥/٤٥٠)

(۳) دیسی کھاد ناپاک ہوتی ہے، اس کو حدود مسجد میں رکھنا جائز نہیں ہے، نیز مسجد کے پیسے سے صحن مسجد میں پھولوں کی کنڈیاں رکھنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۱۵۹، جدید زکریا ۹/۱۳۴)

أما المتولى يفعل من مال الوقف مايرجع إلىٰ إحكام البناء دون ما يرجع إلىٰ النقش حتى لو فعل يضمن. (عالمگیری، الباب السابع، فی مايفسد الصلوٰة، الفصل الثانی زكريا قديم ١/١٠٩، جديد ١/١٦٨)

(۴) جب تک دیسی کھاد کے اثرات باقی رہیں گے، اس پر نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے، جب اس کے اثرات ختم ہو جائیں گے، یا وہ گھاس اتنی لمبی یا گھنی ہو جائے کہ وہ کھاد گھاس کے اندر چھپ جائے، تو اس پر نماز پڑھنا درست ہے، کیونکہ قدم کی جگہ کا پاک ہونا شرط ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/۴۴۰)

ثم الشرط (إلىٰ قوله) ومكانه أى موضع قدميه أو إحد اهما إن رفع الأخرىٰ. (درمختار مع الشامی، كتاب الصلوٰة باب شروط الصلوٰة كراچی ١/٤٠٢، زكريا ٢/٧٣ تا ٧٥)

(۵) مسجد کے میناروں وگنبدوں پر ضرورت سے زائد روشنی کرنا جائز نہیں ہے، اس میں فضول خرچی ہے، قرآن پاک میں اس کی ممانعت آئی ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا،اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ . (بنی اسرائیل : ۲۶)
بے جا خرچ نہ کرو بے شک بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں،
دوسری جگہ ارشاد ہے:''اِنَّـهٗ لاَ يُـحِـبُّ الْمُسْـرِفِيْنَ '' اللہ تعالیٰ ضرورت سے زائد خرچ
کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا،لھذا ان شنیع افعال سے بچنا ضروری ہے۔(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ
قدیم۲/ ۱۶۰، جدید زکریا۹/ ۰۷، فتاویٰ رشیدیہ قدیم/ ۵۴۷،جدید زکریا/ ۵۱۹)

(۶) ایسے شخص کو مسجد و مدرسہ کا ذمہ دار نہیں بنانا چاہئے اور نہ ہی ایسے شخص کو امام بنانا
چاہئے ، بلکہ کسی متبع شریعت کو امام بنایا جائے، البتہ اگر وہ توبہ کرلے تو اسکو مسجد کا ذمہ دار بنایا
جاسکتا ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم۱۲/۲۸۳،جدید ڈابھیل۱۴/ ۳۴۷،فتاویٰ دارالعلوم۳/۱۳۴)

(۷) وصول شدہ کو مسجد کے تعمیری کام میں ہی خرچ کرنا واجب ہے، ورنہ متولی اس
کا ضامن ہوگا۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم۱۲/۲۶۳، جدید ڈابھیل۲۳/۲۱۴)

وإذا كـان عـلـى عمارة المسجد لا يشترى منه الزيت والحصير ولا يـصـرف منه للزينة والشرفات ويضمن إن فعل . (فتح القدير ، دارالفكر بيروت ٦/ ٢٤١، كوئٹه ٥/ ٤٥٠، زكريا ٦/ ٢٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/۶/۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۶/۱۴۱۶ھ

مسجد کی زمین میں پھولوں کے درخت لگانا اور گملے رکھنا کیسا ہے؟

سوال: [۸۲۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مسجد میں کسی صاحب نے گملے کے اندر آم کا یا انار کا یا کھجور کا یا اس کے علاوہ کوئی ایسا درخت لگایا جو مسجد کیلئے موضوع نہیں ہے،تو کیا اس کو فروخت کر کے یا اسکے بدلے میں کوئی اور درخت پھول وغیرہ لگادے جو مسجد کیلئے موضوع ہوتو کیا ایسا کرسکتے ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی

میں جواب دیکر شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتي: محمد نذیرالدین، امام مسجد محلّہ کٹھیرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد میں ایسا درخت لگانا جس سے سایہ یا زمین خام ہو تو خشکی اور صلابت وغیرہ منافع مسجد مقصود ہو تو جائز ہے، اور گملے میں لگائے ہوئے درخت اور پھول اور زینت کے درختوں میں مسجد کا کوئی نفع ثابت نہیں ہوتا ہے، اس لئے نہ پھول کا درخت لگانا درست ہے اور نہ ہی گملے رکھنا۔

وإن غرس في المسجد فإن قصد الظل لا يكره وإن قصد منفعة أخرىٰ يكره. (الاشباه قديم /٥٦)

غرس الأشجار في المسجد لا بأس به إذا كان فيه نفع للمسجد بأن كان المسجد ذا نزٍ والأسطوانات لاتستقر بدونها وبدون هذا لا يجوز الخ. (شامی، كتاب الصلوٰة، مطلب في الغرس في المسجد زكريا ٢/٤٣٥، كراچی ١/٦٦١، كوئٹه ١/٤٨٩)

ويكره غرس الأشجار في المسجد، لأنه يشبه البيعة، إلا أن يكون به نفع للمسجد كأن يكون ذانز أو اسطوانية لا تستقر فيغرس ليجذب عروق الأشجار ذلك النز، فحينئذ يجوز، وإلا فلا. (البحرالرائق، باب مايفسد الصلوٰة وما يكره فيها فصل: كره استقبال القبلة زكريا ٦٢/٢، كوئٹه ٣٥/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۷۴۴)

حدود مسجد سے باہر پھولوں کے پیڑ پودے لگانا

سوال: [۸۲۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی زمین میں خوشبودار پھولوں کے پیڑ پودے لگانا جن پودوں کی وجہ سے نمازیوں کو نماز میں کوئی خلل

واقع نہیں ہوتا جو مسجد کی دیواروں سے لگے ہیں، پودے گملوں میں مسجد کے زینہ جنگلے پر لگا رکھے ہیں، ان پیڑ پودوں کو لگانا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدود مسجد سے باہر مسجد کی ملکیت کی زمین میں خوشبودار پھولوں کے پیڑ لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ حدود مسجد میں ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۰۷۴، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۲۲٦)

ولو غرس في المسجد يكون للمسجد، لأنه لا يغرس لنفسه في المسجد. (فتاویٰ قاضي خان، كتاب الوقف باب الرجل يجعل داره مسجداً، جديد زكريا ۳/۲۱۷، وعلى هامش الهندية، زكريا ۳/ ۳۱۰، هنديه، الباب الثاني عشر في الرباطات والخانات والمقابر الخ، زكريا قديم ۲/ ٤۷٤، جديد ۲/ ٤۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۷ھ

پرچار والے کیلنڈر مساجد میں آویزاں کرنا

سوال: [۸۲۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آجکل جو کمپنی اور فیکٹری والے اور بڑی دوکانوں والے اور بڑے ڈاکٹر حضرات اپنی کمپنی فیکٹری دوکانوں کے پرچار کیلئے بھی اور کسی درجہ میں لوگوں کو تاریخ وغیرہ بھی معلوم ہوجائے، سالانہ کیلنڈر مساجد میں آویزاں کرتے ہیں کیا ان کا ایسا کرنا درست ہے، جبکہ ان کیلنڈروں میں تصاویر نہیں ہوتی ہیں، اگر درست نہیں ہے تو کیا مساجد سے ان کیلنڈروں کو ہٹانا درست ہے؟ جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث میں مسجد کے اندر دنیوی اعلانات کی ممانعت وارد ہوئی ہے اور موجودہ دور میں اعلان وتشہیر کا ایک ذریعہ تجارتی کیلنڈر بھی ہیں، بریں بنا ایسے کیلنڈروں کا مساجد میں آویزاں کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے، اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

أبو هريرةؓ يقول قال رسول الله ﷺ من سمع رجلاً ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردها الله عليک فإن المساجد لم تبن لهذا . (مسلم شريف، كتاب المساجد، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۰، بيت الأفكار رقم: ۵۶۸، سنن الترمذی، ابواب البيوع، باب النهی عن البيع فی المسجد، النسخة الهندية ۱/ ۲۴۶، دارالسلام، رقم: ۱۳۲۱)

تجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة –إلىٰ – وعن حديث الدنيا وعن البيع والشراء وإنشاد الأشعار وإقامة الحدود وإنشاد الضالة الخ. (كبيری، فصل فی احكام المسجد، رحيميه ديوبند/ ۵۶۶، اشرفيه ديوبند/ ۶۱۰، مرقاة شرح مشكوٰة، باب المساجد ومواضع الصلوٰة، امداديه ملتان ۲/ ۱۹۹، اشرفی ديوبند ۱/ ۴۶۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۵۰)

مسجد میں غیر جاندار کی تصویر لگانا

سوال: [۸۲۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بنام سندری جو کہ بغیر جاندار ہے، اس کی تصویر مسجد میں خوبصورتی کیلئے لگانا جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ مدلل جواب تحریر فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر جاندار کی تصویر بنانا اور رکھنا علی

الاطلاق جائز ہے۔

الحنفية قالوا تصوير غير الحيوان عن شجرة ونحوه جائز الخ. (الفقه على مذاهب الاربعة ، كتاب الحظر و الإباحة ، أحكام التصوير ، دارالفكر بيروت۲/۱ ٤)

لیکن زیادہ خوبصورتی اورزینت کیلئے مسجد میں لگانا مکروہ ہے، جس سے نمازی کا ذہن منتشر ہوسکتا ہے۔

الأولىٰ أن تكون حيطان المسجد أبيض غير منقوش ولا مكتوب عليها ويكره ان تكون منقوشا بصور أو كتابة الخ. (البحرالرائق ، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المسجد ،كوئٹه ۳۵۱/۵، زكريا ۴۲۰/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۶/۲۳)

مسجد میں میوزک والی گھڑیاں لگانا

سوال: [۸۲۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں ایسی گھڑیاں لگانا جس میں سنگیت بولتا ہے، تو اسے مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: نوشاد علی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: میوزک اور باجے کی آواز شریعت میں پسند نہیں ہے، پھر یہ آواز مسجد کے اندر اور زیادہ بری ہے، اسلئے ایسی گھڑی مسجد میں نہ لگائی جائے، ہاں البتہ سادی آواز کے ساتھ ٹائم بتلانے والی گھڑی رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

استماع صوت الملاهى كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه الصلوٰة والسلام استماع الملاهى معصية والجلوس عليها فسق الخ.

(درمختار، کتاب الحظر والإباحة، کراچی ٦/٣٤٩، زکریا٩/٥٠٤، تاتار خانية زکریا١٨/١٨٩، رقم: ٢٨٤٦٦، الفتاویٰ البزازیه، کتاب الکراهية، الفصل الثالث فيما يتعلق بالمناهي جديد زكريا٣/٢٠٢، وعلى هامش الهندية ،زكريا ٦/٣٥٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۵ھ

سنگیت اور میوزک والی گھڑی مساجد میں لگانا

سوال: [۸۲۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکبر پور کی جامع مسجد میں ایک گھنٹہ ہے، جو سنگیت پہلے بجاتا ہے، اس کے بعد گھنٹہ بجاتا ہے، تو کیا ایسا گھنٹہ مساجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ اور یہ گھنٹہ مسجد میں اسلئے لگایا گیا تھا، کہ مسجد کے جو مؤذن ہیں وہ نابینا ہیں اس سے ٹائم کا پتہ چلتا رہتا ہے، جواب سے آگاہ فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سنگیت اور میوزک والی گھڑی جس میں باقاعدہ ساز ہوتا ہے، اس کا مسجد میں لگانا درست نہیں ہے، اور نابینا مؤذن کو وقت معلوم کرنے کیلئے بغیر سنگیت کے صرف گھنٹہ والی گھڑی کافی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/۱۳۱، جدید زکریا ۹/۱۲۶، امداد الفتاویٰ ۲/۷۱۸)

استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه السلام استماع الملاهي معصية الخ. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، کراچی ٦/٣٤٩، زكريا ٩/٥٠٤، تاتار خانية، زكريا ١٨/١٨٩، رقم: ٢٨٤٦٦، الفتاویٰ البزازيه، كتاب الكراهية، الفصل الثالث فيما يتعلق بالمناهي، جديد زكريا ٣/٢٠٢، وعلىٰ هامش الهندية، زكريا٦/٣٥٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت٤/٢٢٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۸۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۹ھ

مسجد میں ٹوپیاں رکھنا اوران میں مصلیوں کا نماز پڑھنا

سوال: [۸۲۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مساجد میں تاڑ کے پتے کی یا پلاسٹک کی ٹوپیاں رکھی رہتی ہیں، مصلی حضرات خالی سر آتے ہیں، اوران ٹوپیوں کو پہن کرنماز پڑھتے ہیں، پھر اتار کر چل دیتے ہیں۔

(۱) کیا اس طرح ٹوپیوں کو مسجد میں رکھنا صحیح ہے، ان ٹوپیوں کو پہن کر نماز میں کوئی کراہت تو نہیں آئے گی، کہ ایسی ٹوپی کسی اچھی مجلس میں پہننے کو لوگ گوارہ نہیں کرسکتے؟

(۲) اگر ان ٹوپیوں کے بجائے اچھی خوبصورت ٹوپی مسجد میں رکھی جائیں تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ مفصل جواب سے نوازیں؟ کرم ہوگا؟

المستفتي: ماہتاب عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تاڑ کے پتے کی ٹوپیاں یا چٹائی اور پلاسٹک کی ٹوپیاں پہن کرنماز پڑھنا مکروہ ہے، اسلئے کہ مسجد کے اندر نماز کیلئے ایسے لباس میں حاضر ہونا مکروہ ہے جس کو پہن کر معزز مجلسوں اور تقریبوں میں شریک ہونا پسند نہ کیا جاتا ہو اور یہ ٹوپی ایسی ہے جس کو پہن کر شادی بیاہ کے پروگراموں یا دیگر معزز مجلسوں میں اور تقریبات میں شرکت پسند نہیں کریں گے، اس لئے ایسی ٹوپی پہننا مکروہ ہے، اگر کپڑے کی اچھی ٹوپیاں رکھدی جائیں اوران کو پہن کرلوگ نماز پڑھیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(مستفاد: ایضاح المسائل/۱۳۳،۱۳۴)

وكره صلاته في ثياب بذلة يلبسها في بيته (درمختار) قال

الشامی تحته: ولا یذهب به إلیٰ الأکابر، والظاهر أن الکراهة تنزیهیة. (شامی، کتاب الصلوٰة، باب مایفسد الصلوٰة، مطلب فی الکراهیة، النسخة الهندیة، کراچی ۱/ ٦٣٨، زکریا ٢/ ٤٠٧)

وتکره الصلاة فی ثیاب البذلة کذافی معراج الدرایة . (هندیه، الباب السابع فیما یفسد الصلوٰة، الفصل الثانی فیمایکره فی الصلوٰة وما لایکره، زکریا قدیم ١/ ١٠٧، جدید ١/ ١٦٥، مجمع الأنهر قدیم ١/ ١٢٤، جدید، دارالکتب العلمیة بیروت ١/ ١٨٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۷۳/۳۸)

مسجد میں صفوں کے آگے چپلوں کو ٹین کے ڈبہ میں رکھنا

سوال: [۸۲۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر مسجد میں پہلی صف کے آگے جوتے چپل رکھنے کیلئے ٹین کے ڈبے وغیرہ بنوادئے جائیں، جس میں نمازی اپنے چپل بغرض حفاظت رکھ لیں، تو کیا نماز میں کوئی قباحت یا کراہت آئے گی، شاہی مسجد میں بھی اس طرح جوتے چپل رکھنے کا نظم ہے، شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: لیاقت حسین، امام شاہی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسا جوتا چپل جس میں نجاست لگی ہوئی نہ ہو مسجد میں رکھنا بلاکراہت جائز ہے، اور ایسے جوتے چپل کو مسجد میں ٹین کے ڈبے میں رکھنا جائز ہے، چاہے ٹین کے ڈبے مسجد کی دیوار قبلی سے متصل رکھے ہوں یا دائیں بائیں یا پیچھے کی جانب ہوں، ہر طرح سے جائز ہے پس نمازیوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ اگر اس کے

جوتے میں نجاست لگی ہوئی ہوتو اس کومسجد میں داخل نہ کریں۔

وینبغی لداخله تعاهد نعله وخفه (درمختار) لکن إذا خشی تلویث فرش المسجد بها ینبغی عدمه . (شامی، کتاب الصلوٰۃ ، باب مایفسد الصلوٰۃ ، ومایکره فیها کراچی ۱/ ۶۵۷، زکریا۲/ ۴۲۹ ، البحرالرائق، فصل فی کره استقبال القبلة ، زکریا ۲/ ۶۱، کوئٹه ۲/ ۳۴، کفایت المفتی قدیم ۳/ ۱۵۰، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۳۶۲ ، امداد الاحکام ۲/ ۵۷، مسائل مساجد / ۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۵۹)	۹/۶/ ۱۴۳۰ھ

مسجد وقبرستان سے کتنی دوری پر بیت الخلاء تعمیر کریں؟

سوال: [۸۲۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد وقبرستان سے کتنی دوری پر بیت الخلاء بنانا جائز ہے؟

المستفتي: عبدالصمد، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اتنی دوری پر بیت الخلاء بنانا جائز ہے جہاں سے مسجد اور قبرستان میں بدبو نہ آتی ہو، اور آجکل جو فلش وغیرہ کے بیت الخلاء بنائے جاتے ہیں، جب پانی بہا دیا جائے تو ان سے قریب میں بھی بدبو نہیں آتی ہے، لہٰذا آپ کا فلش کا بیت الخلاء قریب میں بھی بنایا جا سکتا ہے، اور کچا بیت الخلاء اتنی دور بنانا چاہئے جہاں سے بدبو نہ آسکتی ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۱۹۶، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۴۶)

یکره....... بول وغائط فی ماء ولوجاریا ...... وبجنب مسجد ومصلی عید. (تنویر الأبصار مع الدرالمختار ، کتاب الطهارة ، فصل فی الاستنجاء ، کراچی ۱/ ۳۴۲، ۳۴۳، زکریا ۲/ ۵۵۵، ۵۵۶، البحرالرائق، باب الأنجاس ، زکریا

۴۲۲/۱، کوئٹه ۲۴۳/۱)

ویحرم فیه السؤال ویکره الإعطاء …… وأکل نحو ثوم ویمنع منه وتحته أی کبصل ونحوه مماله رائحة کریهة …… قال الإمام العینی فی شرحه علیٰ صحیح البخاری: قلت: علة النهی أذی الملائکة وأذی المسلمین …… ویلحق بما نص علیه فی الحدیث کل ماله رائحة کریهة مأکولا أو غیره. (شامی، کتاب الصلوٰة مطلب فی الغرس فی المسجد، کراچی ۶۶۱/۱، زکریا ۴۳۵/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵۷۶/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۲ھ

مساجد میں نعرہ بازی کرنا

سوال: [۸۲۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مساجد کے اندر تقریروں کے موقع پر کیا نعرہ بازی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالباسط، مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جلسہ اور تقریر وغیرہ کے موقع پر مسجد کے اندر نعرہ بازی کرنا احترام مسجد کے خلاف ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

والسادس أن لایرفع فیه الصوت من غیر ذکر الله تعالیٰ. (هندیه، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آدابه المسجد زکریا قدیم ۳۲۱/۵، جدید ۳۷۲/۲)

ویکره فی المسجد الإعطاء ورفع صوت بذکر. (شامی، الصلوٰة، باب مایفسد الصلوٰة، ومایکره فیها، کراچی ۶۶۰/۱، زکریا ۴۳۳/۲)

هل یکره رفع الصوت بالذکر والدعاء قیل نعم وفی الشامیة: وحمل مافی فتاویٰ القاضی علی الجهر المفرط. (شامی، کتاب الحظر والإباحة

، فصل في البيع ، کراچی ۶/ ۳۹۸، زکریا ۹/ ۵۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۲۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۱ھ

ٹیکس سے بچنے کیلئے مسجد کی آمدنی اصل سے کم بتانا

سوال: [۸۲۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جامع مسجد ہے مسجد کے نام سے تقریباً ۶۰؍ بیگہ زمین ہے، زمین کی آمدنی کو بجلی چٹائی لاؤڈ اسپیکر دیگر چیزوں میں خرچ کیا جاتا ہے، وہ مسجد چند سال پہلے وقف بورڈ سرکار کے حوالہ کردی گئی تھی سرکار پہلے زمین کا ٹیکس وغیرہ نہیں لیتی تھی، اب چند سال سے اس زمین کا خرچ اور ٹیکس وصول کرتی ہے، پوری زمین میں آج جتنی آمدنی ہوتی ہے اس کا ٹیکس جوڑ کر لیتی ہے، بجلی خرچ الگ لیتی ہے، کیا یہ صورت ہمارے لئے جائز ہے کہ ایک سال میں مثلاً ایک ہزار روپیہ کی آمدنی ہوئی، اور سرکار کو ہم حساب اس طرح دیں کہ اس سال ہماری آمدنی ۳۰۰/۲۵۰؍ ہوئی ہے، تو اس روپیہ کو بچا کر مسجد کی ضروریات میں خرچ کریں اگر یہ صورت جائز ہے تو تفصیلا جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرؤف، متعلم دورۂ حدیث شریف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ کہا جاسکتا ہے کہ ڈھائی سو یا تین سو آمدنی ہوئی ہے، اور یہ نہ کہا جائے کہ کہ تین سو سے زائد آمدنی نہیں ہوتی ہے، تو دفع ظلم کیلئے اسطرح توریہ جائز ہے، بلکہ فقہاء جھوٹ کو بھی جائز کہتے ہیں۔

وقد اتفق الفقهاء على أنه لو جاء ظالم يطلب إنسانا مختفيا ليقتله أو يطلب وديعة لإنسان ليأخذها غصبا و يسأل عن ذلك واجب على من علم ذلك إخفائه وإنكار العلم به وهذا كذب جائز الخ. (شرح المسلم للنووي،

كتاب الفضائل ، باب من فضائل ابراهيم۲/ ۲٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶؍۱۹۵۷)

نمازیوں کا دوسرے کی زمین سے مسجد میں آنا جانا

سوال: [۸۲۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اس کے دو دروازے ہیں، ایک مین دروازہ ہے، جو بازار کی طرف واقع ہے، ادھر سے مسجد میں آنے پر کوئی ممانعت نہیں ہے، اور نہ کسی کو کوئی اعتراض ہے، اور جو دوسرا دروازہ ہے، وہ سائڈ سے تعمیر کے وقت کھولا گیا ہے، اس دروازہ سے مسجد میں آنے کیلئے ایک صاحب کی جگہ میں ہوکر گذرنا پڑتا ہے، اگرچہ وہ جگہ فی الحال یوں ہی خالی پڑی ہے، وہاں سے گذرنے میں کسی چیز کا کوئی نقصان نہیں ہے، لیکن صاحب جگہ کو ادھر سے آنے پر اور نکلنے کی صورت میں اعتراض ہے، جب مقتدی حضرات نماز کیلئے آتے ہیں، تو گالیاں دیتا ہے، اور لعن طعن کرتا ہے، اور کہتا ہے، کہ بازار میں ہوکر مسجد میں آؤ میری جگہ میں ہو کر آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن مین گیٹ سے آنے کی صورت میں راستہ بہت طویل ہوجاتا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ چونکہ وہ کسی طرح سے بھی لوگوں کے نکلنے پر راضی نہیں ہے، اور نمازی حضرات برابر نکل رہے ہیں، اور نماز ادا کررہے ہیں تو اس صورت میں ان نمازی حضرات کی نمازوں میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا، کراہیت یا عدم ثواب کس چیز کو ان کا فعل مستلزم ہے، وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: محمد صدیق، لالپور کلاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صاحب زمین کو اپنی زمین سے گذرنے سے منع کرنے کا حق ہے، اور اپنی زمین پر دروازہ کھولنے سے بھی منع کرنے کا حق ہے، اسلئے

نمازیوں کومسجد کے اصل مین دروازہ سے آنا چاہئے ،اورصاحب زمین کوگذرنے والوں کومنع کرنیکا توحق ہے مگرگالیاں دیناجائزنہیں ہے، گالیاں دینا گناہ کبیرہ ہے، اورمنع کرنے کے بعداس کی زمین سے نمازیوں کا زبردستی آنا جانا جائزنہیں ہے، زبردستی آنے جانے کا گناہ ہوگا،مگرمسجد میں جونماز پڑھی جائیگی وہ نماز بہرحال درست ہوگی۔

عن عبادة قال إن من قضاء رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وطرفه هذا: لاضرر ولاضرار . (مسند الامام احمد بن حنبل ۳۲۷/۵، رقم: ۲۳۱۵۹)

عن عمر وبن یحيٰ المازنی ، عن أبیه أن رسول اللّٰه ﷺ قال: لا ضرر ولا ضرار . (مؤطا امام مالك، کتاب القضاء ، القضاء ف الرفق / ۳۱۱)

أن لرب الارض المنع من الدخول فی أرضه . (الموسوعة الفقهیة الکویتیة۱۰۷/۳۵) **فقط واللّٰه سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۲۶؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۹۹۸۵/۳۸)

مسجد کے نیچے سے نجاست کا پائپ ڈالنا

سوال: [۸۲۹۴]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارےمیں: کہ پہاڑی علاقہ میں ایک مسجد ہے، جس میں بیت الخلاء وغسل خانہ نہ ہونے کی وجہ سے نمازیوں مسافروں کو بہت پریشانی ہوتی ہے،مسجد کے حدود کے باہرکوئی مسجد کی زمین نہیں ہے، تاہم متولی صاحب نے مسجد کے باہر اپنی زمین میں بیت الخلاء وغیرہ بنوادیاہے،لیکن مسجد کے چاروں طرف متولی صاحب کا مکان ہے، اورزمین ہے، اورکہیں ایساراستہ نہیں ہے، مجبوراً متولی صاحب نے چندمعتبر علماء کے مشورہ سے وضواورغسل کا پانی اور بیت الخلاء کا پانی مسجد کے بیچ وبیچ پورب سے پچھّم فرش کوایک فٹ کھودکر پلاسٹک کے مضبوط پائپ کے ذریعہ منبر ومحراب کے درمیان سے مسجد سے تقریباً پندرہ فٹ دورسیورلائن میں ڈال دیاہے، پانی کے اوپرفرش کی دوتہیں بنادی گئی ہیں،جس سے مسجد میں کسی قسم کی نجاست وگندگی اور بدبوآنے کا

کوئی امکان نہیں ہے، اس بات کولیکر چندلوگوں میں چہ میگوئیاں ہورہی ہیں، اس کے بارے میں شرعی فیصلہ کیا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: احقرمعین الدین ڈوئی والا، دہرادون، اترانچل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مسجد پہلے سے مکمل ہے، تو آسمان سے تحت الثریٰ تک پوری فضا مسجد میں شامل ہے، لہٰذا مسجد کے نیچے کی طرف سے اوراوپر کی طرف سے نجاستوں کا پائپ ڈالنا جائز نہیں ہے، اگر پائپ نکالنے کیلئے کوئی راستہ نہیں ہے، تو متولی صاحب کے مکان یادوکان کے نیچے سے پائپ ڈالا جائے، مسجداور جماعت خانہ کے نیچے سے نجاست کا پائپ ڈالناجائزنہیں ہے، اسلئے مسجد کےفرش کے نیچے سے جوپائپ ڈالا گیا ہے، اس کووہاں سے ختم کردیناضروری ہے۔ (کفایت المفتی قدیم ۷/۳۰، جدیدزکریامطول ۱۰/۱۲۷)

الظاهر عدم الجواز ومايأتي متنالا يفيدالجوا ز لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه. (تقريرات رافعي على الشامي، كتاب الصلوٰة، باب مايفسد الصلوٰة، زكريا۲/۸۵، كراچی ۱/۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۱رشوال ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۷۴/۳۷)

حدودمسجد میں نالی بنانا

سوال: [۸۲۹۵]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قدیم مسجد تھی، تنگ ہونے کی بناء پرجب اسکی توسیع کی گئی، تواس قدیم مسجد کوشہید کرکے توسیع شدہ مسجد کے صحن میں لے لیا گیا اب پہلی مسجد کے حدود میں جواس وقت توسیع شدہ مسجد کا صحن بنالیا گیااس میں نالی بنانا چاہتے ہیں، تو کیاحدودمسجد میں نالی بنانادرست ہے یانہیں؟

المستفتي: عبدالوحید، مدرسہ کاشف العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ایک دفعہ مسجد بن جاتی ہے، تو قیامت تک کیلئے وہ مسجد ہی رہتی ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں قدیم کو حدود مسجد اور جماعت خانہ کے دائرہ میں رکھنا واجب ہے اس کی حدود میں کہیں بھی نالی یا وضوخانہ وغیرہ بنانا جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/۱۹۶، جدید ڈابھیل ۱۴/۵۳۷)

عن عائشةؓ أن رسول الله ﷺ أمر بالمسجد أن تبنیٰ فی الدور وأن تطهر وتطیب. (سنن ابن ماجه، ابواب المساجد، باب تطهير المساجد و تطييبها، النسخة الهندية /٥٥، دارالسلام رقم: ٧٥٨)

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع. (درمختار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد، كراچی ٤/٣٥٨، زكريا ٦/٥٤٨، الموسوعة الفقهيةالكويتية ٢٩٦/١٢، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٣٣٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱/۸/۱۴۱۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۵۵)

مسجد کی اراضی میں گاڑیاں کھڑی کرنا

سوال: [۸۲۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جامع مسجد پختہ سرائے جو تبلیغی جماعت کا مرکز بھی ہے، حدود مسجد سے متصل ایک آراضی ہے جو مسجد کی ملکیت میں ہے، جمعرات کو اس مسجد میں اجتماع بھی ہوتا ہے، تو اجتماع میں شرکت کرنے والے حضرات اس آراضی میں جو مسجد کی ملکیت میں ہے، جس میں نماز نہیں ہوتی ہے، اپنی سائیکل اور اسکوٹر وغیرہ کھڑی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد عثمان، پختہ سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: متولی اورذ مہ داران مسجد کی اجازت سے مذکورہ آ راضی میں نمازیوں کا اسکوٹر، سائیکل اور گاڑی وغیرہ کھڑی کرنا شرعاً جائز ہوگا، کیونکہ یہ کام بھی مسجد کے مصالح میں سے ہے۔

قال تفعل ماترى من مصلحة المسجد الخ. (عالمگیری الباب الحادی عشر فی المسجد ، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد ، زکریا قدیم ۲/ ٤٦١، جدید ۲/ ٤١٣)

يجوز لهم أن يبنوا خارج المسجد من المساكين ماكان مصالحة لأهل الاستحقاق الخ. (فتاویٰ ابن تیمیه ۳۱/ ۲۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۰۴)

حکومت کے مظالم کے خلاف احتجاجاً مسجد کو مقفل کرنا

سوال: [۸۲۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مسجد کے امام ومؤذن کیلئے یہ جائز ہے، کہ حکومت کے مظالم کے خلاف احتجاج کرنے کی غرض سے شہر کی جامع مسجد کو مقفل کردے، اور عام مسلمانوں کو اسمیں جمعہ وجماعات کے قیام سے روک دے، کیا یہ فعل قرآن پاک کی آیت ’’ **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا** ‘‘ کے تحت نہیں آتا ہے؟

المستفتي: طاہر حسین، محلّہ گد پواڑہ، دیوبند، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اسلامی شریعت میں مساجد کو آباد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، اوراس کو مؤمن ہونے کی علامت بتلائی گئی ہے، چنانچہ قرآنی فیصلہ ہے۔ ’’**إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ**‘‘ الآیۃ اورآگے فرمایا گیا ہے، ’’ **وَلَمْ**

یَخْشَ اِلَّا اللّٰهِ'' (البراءة: ۱۸) یعنی مساجد کو آباد رکھنے میں مؤمن اللہ پاک کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے، لہٰذا کسی محض جائز مطالبہ کو حکومت سے منوانے کیلئے اپنی مساجد کو غیر آباد بنا کر نمازیوں کو مساجد میں نماز پڑھنے سے روک دینا کسی امام ومتولی یا اور کسی کیلئے ہرگز جائز نہیں ہے، چاہے مطالبہ اسکی وجہ سے پورا نہ ہو، امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں آیت بالا کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ:

أن المقصود الأعظم من بناء المساجد إقامة الصلوات الخ. (۹/۱۶)

اور '' **إنما يعمر الخ**'' میں تعمیر مساجد سے مراد پنجوقتہ نمازوں میں مساجد میں حاضری دینا ہے۔

المراد من عمارة المسجد الحضور فيه الخ. (تفسیر کبیر ۹/۱۶)

اور یہ بات شریعت اسلامی کے مقتضی اور شعار کے مخالف ہے کہ مسلمان اپنی جانب سے مسجد کو مقفل کر کے اسے غیر آباد اور ویران بنانے میں بے ضرر ہیں، مسلمانوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنے والے کو شریعت اسلامی میں ظالم وجابر بتلایا گیا ہے، جو سوالنامہ میں درج شدہ آیت کے تحت داخل ہے، اگرچہ آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق مفسرین نے نشاندھی کی ہے، لیکن ضابطہ شرعی ہے کہ '' **العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب**'' لہٰذا حکم تمام مساجد کو عام ہے، اور مساجد کو ویران کرنے کی سعی کا مطلب نمازی وعبادت گذار کو مسجد میں داخل ہونے سے روکنا ہے۔

السعي في تخريب المسجد قد يكون لو جهين أحدهما منع المصلين والمتعبدين والمتعهدين له من دخلوله فيكون ذلك تخريباً، والثاني بالهدم والتخريب الخ. (تفسیر کبیر ٤/۱۱، سوره بقره: آیت /۱۱٤)

علامہ آلوسی روح المعانی میں رقم طراز ہیں: **وسعى في خرابها أي بتكريرها بالتعصبات وغلبة الهوىٰ ومنع أهلها بتهييج الفتن اللازمة لتجاذب قوى النفس ودواعي الشيطان والوهم الخ.** (روح المعاني، البقرة تحت تفسير الآية:

۱۱٤، زکریا دیو بند۱/ ۵۷٤)

آج کل مسلمانوں کو ویسے ہی نماز روزہ اور مسجد سے لگاؤ کم ہے، اور بہت کم لوگ مساجد میں آکر باجماعت نماز پڑھتے ہیں، تو اس طرح مساجد کو مقفل کردینے کے بعد کتنے لوگ نماز ہی غائب کردیں گے، اور اس ملک میں ایسا اقدام کفار کی نظر میں اپنے ہی ہاتھوں اپنی مساجد اور نماز جیسی عظیم الشان بنیادی عبادت کو بے وقعت بنانیکا زبردست ذریعہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/شوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۹۰)

مسجد کی رقم سے خریدی گئی اینٹوں سے استنجاء کرنا

سوال: [۸۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلہ یہ ہے کہ مسجد کیلئے اینٹ خرید کر رکھی گئی اور اس سے لوگ استنجاء کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ جبکہ اینٹ مسجد کی رقم سے خریدی گئی ہے؟

المستفتي: احمد علی، آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کی اینٹوں کو استنجاء کے ڈھیلے بنانا جائز نہیں ہے، البتہ گری پڑی اینٹوں کے ٹکڑے جنکی کوئی اہمیت نہیں ہے، ان سے ڈھیلا لینے کی گنجائش ہے، اس لئے کہ تعمیر مسجد کی اشیاء کو بالقصد ناپاک کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے، پھر بھی اگر کسی نے ڈھیلا لے لیا پھر وہ خشک ہوچکا تو وہ خشک ہونے کے بعد پاک بھی ہوجائیگا، اسلئے کہ حدیث میں ہے کہ:

عن أبی قلابة قال: جفوف الأرض طهورها. (مصنف عبدالرزاق، قبیل کتاب الجمعة: المجلس العلمی بیروت ۳/ ۱۵۸)

وإن أصابت الأرض نجاسة فجفت بالشمس وذهب أثرها جازت الصلوٰة على مكانها. (هدايه، كتاب الطهارة، باب الأنجاس وتطهيرها، اشرفی دیو بند ۱/ ۷٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/ ۱۴۲۰ھ

پرندوں کی بیٹ کی وجہ سے صحن مسجد کا درخت کاٹنا

سوال: [۸۲۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے صحن میں ایک درخت لگا ہوا ہے، اسپر پرندے بیٹھ کر مسجد کے فرش پر بیٹ کرتے ہیں، بیٹ کی وجہ سے فرش پر گندگی ہوتی ہے، اور کوڑا بھی ہوتا ہے، گندگی اور کوڑے کو دیکھ کر کچھ لوگوں کا خیال ہوا کہ اس درخت کو کٹوایا جائے، کچھ لوگ کہتے ہیں، کہ بزرگوں کی نشانی ہے، اس کو نہ کٹوایا جائے، شرعی حکم سے آگاہ کریں کہ گندگی دور کرنے کیلئے اسکو کٹوایا جائے یا بزرگوں کی نشانی کو باقی رکھا جائے، جواب سے نوازیں؟

المستفتي: عبد القدیر محلہ اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر پرندوں سے ماکول اللحم کبوتر گوریا وغیرہ پرندے مراد ہیں، تو ان کی بیٹ پلید نہیں ہے، مسجد ناپاک نہیں ہوگی۔

كما في الدر المختار مع الشامي، خرء كل طيرٍ (إلىٰ قوله) فإن مأكولا فطاهرٌ وفي الشامية كحمام وعصفور الخ. (شامی، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مبحث في بول الفارة وبعرها الخ، كراچی ۱/ ۳۲۰، زكريا ۵۲۵، کوئٹه ۱/ ۲۱۳)

وذرق مايؤكل لحمه من الطير طاهر عندنا مثل الحمام والعصافير.

(هندیه، زكريا قديم ۱/ ٤٦، جديد /۱ ۱۰۱)

اور اگر غیر ماکول اللحم پرندہ مثلاً کوا چیل وغیرہ مراد ہیں، تو ان کی بیٹ شرعاً ناپاک ہے، درخت کو اس صورت میں کاٹ کر مسجد کو پاک وصاف رکھنا لازم ہے۔

كما فى الدر المختار وإلا فَمخَفَّفٌ وفى الشامية أى وإلا يكن مأكولاً كالصقر والبازى والحدأة فهو نجس مخفف عنده مغلظ عندهما الخ.

(شامى، كوئٹه ۱/۲۱۳، كراچى ۱/۳۲۰، زكريا ۱/۵۲۵)

اگر دونوں قسم کے پرندے ہیں، تو بھی درخت کاٹ دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۴۳)

مسجد میں اگلدان رکھنا اور اس میں تھوکنا

سوال: [۸۳۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام ومصلیوں کو منہ میں تمبا کو رکھ کر مسجد میں بیٹھنا اور محراب کے اندر رکھے ہوئے ڈبہ میں تھوکنا کیسا ہے؟ جواب دیں؟

المستفتي: نعمانی نیوڈیلکس واچ، سروس کوتی روڈ، کنٹگل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر شدید ضرورت نہ ہو تو مسجد کے اندر اگلدان رکھنا اور اس میں تھوکنا جائز نہیں ہے!

حرمة المسجد (إلىٰ قوله) والثانى عشر أن لايبزق فيه الخ.

(فتاوىٰ عالمگيرى، كتاب الكراهية، الباب الخامس فى آداب المسجد زكريا قديم ۵/۳۲۱، جديد ۵/۳۷۲)

لأن تنزيه المسجد من القذر واجب. (حلبى كبير، فصل فى أحكام

المسجد ، اشرفیه دیو بند/۲ ٦١)

نیز اگر تمبا کو کی بد بوظاہر ہوتو اسکو منہ میں رکھکر مسجد میں داخل ہونا مکروہ تحریمی ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۲/۱۴۲، جدید زکریا/ ۵۵۰)

قلت : فیفهم منه حکم النبات الذی شاع فی زماننا المسمیٰ بالتتن فتنبه ، وقد کرهه شیخنا العمادی فی هدیته إلحاقا له بالثوم والبصل بالاولیٰ. (الدر مع الرد، کتاب الأشربة، کراچی ٦/٤٦٠، زکریا ١٠/٤٤، حاشية الطحطاوی علی المراقی ، دارالکتاب دیو بند/٦٦٥)

نیز تمبا کو کو منہ میں لیکر تلاوت کرنا قرآن کریم کی بے ادبی ہے، اسلئے مکروہ ہے۔

والظاهر کراهة تعاطیه حال القراء ة لما فیه من الإخلال بتعظیم کتاب الله تعالیٰ الخ. (شامی، قبیل کتاب العید ، کراچی ٦/٤٦١، زکریا ١٠/٤٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۱۰/۲۴)

مسجد کے دیوار پر پوسٹر لگانا

سوال: [۸۳۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجدوں کی دیوار پر تصویر والے پوسٹر وغیرہ چسپاں کرنا کیسا ہے؟ کوئی گناہ یا خلاف شرع غلط طریقہ تو نہیں ہے؟ تسلی بخش جواب دیں کرم ہوگا؟

المستفتي: احقر محمد اسلم مسجد ملا قاسم، لال مسجد، روڈ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجدوں کی دیواروں پر جاندار کی تصویروں والے

پوسٹر چسپاں کرنا جائز نہیں ہے، البتہ غیر ذی روح کی تصویر والے پوسٹر ہوں جیسا کہ لال قلعہ کی تصویر تاج محل کی تصویر کسی مشہور پیڑ کی تصویر وغیرہ تو ایسے پوسٹروں کو بھی مسجد کی پچھلی دیواروں یا دائیں بائیں دیواروں پر چسپاں کرنا چاہئے۔

وأن يكون فوق رأسه أوبين يديه أو بحذائه يمنة أويسرة أو محل سجوده تمثال أى مرسوم في جدار أو غيره أوموضوع أومعلق . (شامی، زکریا ۲/۴۱۷، حلبی کبیر، فصل کراهية الصلوٰة ، اشرفیه دیوبند/۳۵۹)

أو لغير ذى روح لايكره لأنها لا تعبد. (درمختار مع الشامی، کتاب الصلوٰة ، باب مایفسد الصلوٰة وما يكره فيها، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة و بدعة الخ۔ (کراچی ۱/۶٤۹، زکریا۲/٤۱۸)

وأما صورة غير ذى الروح فلا خلاف في عدم كراهة الصلوٰة عليها أو إليها. (حلبی کبیر، فصل فی کراهية الصلوٰة ، اشرفیه دیوبند/۳۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۰۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۳/۱۳ھ

مسجد کے دالان میں آئینہ نصب کرنا

سوال: [۸۳۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے دالان میں دوستون ہیں، اور دونوں ستونوں پر دو بڑے بڑے آئینہ نصب ہیں جن میں لوگ وضو کرنے کے بعد اپنے چہرے دیکھتے ہیں، اور کبھی نماز کے اوقات کے علاوہ کچھ لوگ وضو کر کے چہرہ دانت بھی دیکھتے ہیں اور کنگھا بھی کرتے ہیں، تو مسجد میں اس طرح کا آئینہ لگانا کیسا ہے؟ اور لوگوں کا یہ فعل کیسا ہے؟

المستفتي: عبد الجبار، جامع مسجد، مین روڈ، ہندو پور، اننت پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز کی روح خشوع وخضوع ہے، یہ روحانیت خدا کی طرف سے دلی توجہ ہی کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے، لٰہذا مسجد کے ستون میں آئینہ نصب کرنا جبکہ وہ نمازی کے سامنے ہو نماز میں خلل کا باعث ہوگا، لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے، اور لوگوں کا چہرے اور دانت دیکھنے کا عمل درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۴۸۲، جدید ڈابھیل ۶/ ۶۷۷، رحیمیہ قدیم ۱۰/۲۳۴، جدید زکریا ۹/۷۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے دروازہ پر خوبصورت پردہ دیکھ کر فرمایا کہ ہٹادو کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں میری توجہ کو مبذول کراتی ہیں۔

عن أنس قال: كان قرام لعائشةؓ سترت به جانب بيتها، فقال لها النبی صلی الله عليه وسلم أميطی عنی فإنه لاتزال تصاويره تعرض لی فی صلاتی.

(صحيح البخاری، كتاب اللباس، باب كراهية الصلوٰة فی التصاوير ۲/۸۸۱، رقم: ۵۷۲۵، ف: ۵۹۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۵/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۶۲)

مسجد کی تعمیر کے درمیان اس میں چپل پہن کر چلنا

سوال: [۸۳۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی دوبارہ تعمیر ہورہی ہے، تو تعمیر کی وجہ سے مسجد کے صحن میں سیمنٹ بجر فٹ وغیرہ پڑے ہوئے ہیں، تو ایسی صورت میں پیروں کے گندے ہونے کے اندیشہ کی وجہ سے مسجد کے صحن میں چپل پہن کر چل سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چپلوں پر ناپاکی نہ لگی ہو تو مسئولہ صورت میں چپل

پہن کر مسجد کے صحن میں چلنا جائز ہے، بشرطیکہ اس جگہ پر نماز نہ ہوتی ہو۔(مستفاد: کفایت المفتی زکریا ۳/۲۱۲، جدید زکریا مطول ۱۰/۳۶۲، ۳۶۳)

عن عصمة قال نظر رسول اللہ ﷺ إلیٰ رجل یمشی فی نعلیه بین المقابر فقال یا صاحب السبتیه اخلع نعلیک . (مجمع الزوائد، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ٦١)

فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِیَ یَامُوْسیٰ إِنِّیْ أَنَارَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ إِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوىٰ. (سوره طه: آیت/۱۲)

قلت لکن إذا خشی تلویث فرش المسجد بها ، ینبغی عدمه وإن کانت طاهرة و أما المسجد النبوی فقد کان مفروشا بالحصافی زمنه صلی اللہ علیه وسلم بخلافه فی زماننا ولعل ذلک محمل مافی عمدة المفتی من أن دخول المسجد متنعلا من سوء الأدب. (فتح الملهم ، باب جواز الصلوٰة فی النعلین، اشرفیه دیوبند ۲/۱٤٧ ، شامی، باب مایفسد الصلوٰة، مطلب فی أحکام المسجد کراچی ١/٦٥٧، زکریا ٢/٤٢٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳۵۴۳/۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۶۰)

حدود مسجد میں مستری ومزدور کا حقہ بیڑی پینا

سوال: [۸۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدود مسجد میں راج اور مزدور حقہ بیڑی پیتے ہیں، منع کرنے پر یہ جواب دیتے ہیں، کہ کام کرنیوالوں کیلئے حقہ بیڑی پینا درست ہے، کیونکہ بیڑی یا حقہ مسجد کے باہر پینے کیلئے جائیں گے تو کام میں حرج ہوگا، تو کیا ان راج اور مزدوروں کے لئے حدود مسجد میں حقہ بیڑی پینا درست اور جائز ہے یا خلاف شرع امر ہے؟ جواب دیں۔

المستفتي: عبدالواحد، مدرسہ کاشف العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی ترمیم کے وقت مزدوروں کا مسجد کے حدود میں بیڑی حقہ وغیرہ پینا ہرگز جائز نہیں ہے، جب تک حدود مسجد میں کام کیا جائے، اس وقت تک حقہ بیڑی بند کردینا لازم ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۹۱)

قلت : فيفهم منه حكم النبات الذى شاع فى زماننا المسمىٰ بالتتن فتنبه ، وقد كرهه شيخنا العمادى فى هديته إلحاقا له بالثوم والبصل بالاولىٰ. (الدر المختار مع الشامى، كتاب الأشربة ،كراچى ٦/ ٤٦٠، زكريا ١٠/ ٤٤، حاشية الطحطاوى على المراقى ، دارالكتاب ديوبند/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رشعبان ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۵۵)

منبر پر جاکٹ، کوٹ یا دودھ کا ڈبہ رکھنا

سوال: [۸۳۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگ سردیوں میں جاکٹ، کوٹ، چادر وغیرہ اتار کر ممبر پر ہی رکھ دیتے ہیں، بعض لوگ فجر کی نماز کے وقت دودھ کا ڈبہ ساتھ لاتے ہیں، اور ممبر پر ہی رکھدیتے ہیں، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ممبر پر کوئی سامان یا کپڑا وغیرہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو بیٹھ کر تقریر کرنے میں کوئی قباحت تو نہیں، سبھی جزئیوں کا جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: ضیاء الرحمٰن، چوبان بانگر، نیوسیلیم پور، دہلی ۵۳

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر جاکٹ چادر کوٹ نیز دودھ کا ڈبہ وغیرہ ممبر پر

رکھنے کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہیں ہوتا تو کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر نمازیوں کا ذہن منتشر ہوتا ہے، تو قابل ترک ہے۔

بقي في المكروهات أشياء أخر.......... منها الصلاة بحضرة ما يشغل البال ويخل بالخشوع كزينة ولهو ولعب . (شامی ، باب مایفسد الصلوٰة ، مطلب فی بیان السنة والمستحب والمندوب والمکروه الخ ، کراچی ۱/ ٦٥٤، زکریا ۲/ ٤٢٥، البحرالرائق ، کوئٹه ۲/ ١٤، زکریا ۲/ ۲٥، نورالایضاح ، امدادیه دیوبند / ۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۶۹/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۴/ ۱۴۲۱ھ

مسجد کے صحن میں چارپائی لگا کر بیٹھنا

سوال: [۸۳۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں جو صحن ہے اور اس کا وہ حصہ جو ذمہ داران مسجد کی طرف سے اجتماعی طور پر طے شدہ ہے کہ وہ حدود مسجد میں داخل ہے، اس حدود مسجد والے صحن میں کچھ احباب ایک پلنگ پر بغیر کسی شرعی عذر کے بیٹھتے بھی ہیں، اور آرام بھی کرتے ہیں، اکثر احباب کو شکایت ہے کہ ایسا عمل کرنا قطعی طور پر غلط ہے اور یہ مسجد کے آداب کے خلاف ہے جبکہ مسجد میں اسی صحن سے لگا ہوا دوسرا حصہ صحن کا حدود مسجد سے باہر ہے، اور اس میں جگہ بھی ہے، پھر بھی وہ لوگ مسجد کے حصہ میں ہی پلنگ بچھا کر بیٹھنے کا یا آرام کرنے کا عمل کرتے ہیں، باتفاق رائے یہ طے ہوا کہ اس سے متعلق مسئلہ معلوم کیا جائے، تو گذارش ہے آپ اس سے متعلق جواب مرحمت فرمائیں کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد اسحاق، جے پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدودِ مسجد کے اندر ذکر واذکار کے علاوہ دنیاوی گفتگو کرنا اور چارپائی یا بغیر چارپائی مقامی لوگوں کا بیٹھ کر باتیں کرنا اور آرام کرنا سب ناجائز اور ممنوع ہے، اس سے احتراز لازم ہے، چارپائی وہاں سے فوراً نکال دینا چاہئے۔

بكراهة الحديث أى كلام الناس فى المسجد لكن قيده بأن يحبس لأجله والكلام المباح فيه مكروه يأكل الحسنات الخ. (البحرالرائق، کتاب الصلوٰة، باب مایفسد الصلوٰة، فصل فی کره استقبال القبلة کوئٹه ۲/۳٦، زکریا ۲/٦۳)

والكلام المباح وقيده فى الظهيرية بأن يجلس لأجله وتحته فإنه حينئذ لايباح بالاتفاق، لأن المسجد مابني لأمور الدنيا . (شامی، مطلب فی الغرس فی المسجد، کراچی ۱/٦٦۲، زکریا ۲/٤۳٦، هندیه زکریا قدیم ۵/۳۲۱، جدید ۵/۳۷۲) فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۱۵ھ

بچوں کے پاجامہ کی تری سے کیا صف ناپاک ہوجاتی ہے؟

سوال: [۸۳۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں صف کو کوئی بچہ اپنے کپڑوں میں پاخانہ کرکے ناپاک کردیتا ہے، حالانکہ پاخانہ خشک نہیں ہے، صف گندگی کی وجہ سے سے گیلی ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے بدبو اور مکھیاں ہوتی ہیں، جبکہ امام صاحب مسجد کہتے ہیں، کہ کوئی بات نہیں طہارت کے پانی کی وجہ سے پاجامہ گیلا تھا، اس لئے صف ناپاک نہیں ہوئی، کہنے والے کو جھٹلاتے ہیں؟

المستفتي: سید وارث علی، محلّہ قاضیخان، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں سائل اور امام کے درمیان

جومنا قشہ پیش کیا گیا ہے،اس کے بارے میں کون صحیح ہے اور کون غلط ، فیصلہ کرنا مشکل ہے، اور رسائل کی بات سمجھ سے بالاتر ہے، اس لئے کہ کوئی بھی مسلمان ایسانہیں کرسکتا ہے، کہ بچہ نے مسجد میں پاخانہ کیا ہو، اور اسی پاخانہ کے ساتھ اس کو مسجد میں بٹھائے رکھے چہ جائیکہ امام ایسا کرے، ایسا کرنا کسی مسلمان سے متوقع نہیں، اور اگر بچے حدود مسجد سے باہر استنجاء خانہ میں استنجاء و پیشاب کر کے مسجد میں آئے ہیں، اور استنجاء کرنے کے بعد اس کی تری بچوں کے پاجامہ یا کپڑوں میں لگی ہوئی ہو تو وہ ناپاک نہیں ہے، جیسا کہ امام صاحب کے قول سے واضح ہوتا ہے، پھر بھی بہتر یہی ہے کہ چھوٹے بچوں کے مسجد میں بیٹھنے کیلئے الگ سے کوئی دری یا ٹاٹ وغیرہ بچھادینا چاہئے، اور بچے اسی پر بیٹھ کر پڑھا کریں، اور پڑھائی کے بعد اٹھا کر رکھ دیا جائے، اگر مذکورہ مسجد میں ایسا ہی کیا جارہا ہے، اس کے باوجود معترض اعتراض کررہا ہے، تو اس کا اعتراض غلط ہے، اور امام صاحب پر کوئی گناہ نہیں۔

قول الشارح وإلا فيكره أي حيث لم يبالوا بمراعاة حق المسجد من مسح نخامة أو تفل في المسجد ، وإلا فإذا كانوا مميزين ويعظمون المساجد بتعلم من وليهم فلا كراهة في دخولهم اھ سندي. (تقريرات رافعي مع الشامي، كتاب الصلوٰة ، باب ما يفسد الصلوٰة وما يكره فيها ، كراچی ۱/۸۶، زكريا ۲/۸۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍۶؍۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍۹۰۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۶؍۱۴۲۷ھ

ناپاک کپڑا بیگ وغیرہ میں رکھ کر مسجد میں رکھنا

سوال: [۸۳۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر میرا تین دن کی جماعت میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے، اگر اس دوران غسل کی حاجت ہوجاتی ہے، تو فوراً غسل کرلیتا ہوں، لیکن ناپاک کپڑے کو دھونے میں پریشانی ہوتی ہے، کیا اس

ناپاک کپڑے کو پلاسٹک کی تھیلی میں رکھ کر چمڑے کے کپڑے کے بیگ میں رکھ کر وہ بیگ مسجد میں رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتي: شبلی حبیب، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب آپ فوراً غسل کر لیتے ہیں، تو اسی درمیان کپڑے میں جس جگہ ناپاکی لگی ہوئی ہے اسے بھی دھولیا کریں، اور دھونے کے لئے اگر آپ کے پاس صابن نہیں ہے، تو تین مرتبہ بغیر صابن کے دھولینے سے بھی کپڑا پاک ہوجاتا ہے، اور پورا کپڑا دھونا لازم نہیں ہے، صرف جس جگہ ناپاکی ہو یا ناپاکی کا شبہ ہو اسی حصہ کا دھونا کافی ہے اس کے بعد اس کپڑے میں کوئی شک نہیں رہتا۔

عن عائشة رضي قالت كنت أغسل الجنابة من ثوب النبي صلى الله عليه وسلم، فيخرج إلىٰ الصلاة وإن بقع الماء في ثوبه. (بخاري شريف، كتاب الوضوء، باب غسل المني ومزكه الخ ١/٣٦، حديث: ٢٢٩)

عن سليمان بن يسار قال: سئلت عائشة عن المني يصيب الثوب فقالت: كنت أغسله من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم فيخرج إلىٰ الصلاة وأثر الغسل في ثوبه، بقع الماء. (بخاري شريف ١/٣٦، حديث ٢٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر ربیع الاول ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۳/۵ھ

مسجد کا ملبہ ناپاک جگہ میں استعمال کرنا

سوال: [۸۳۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا ملبہ لکھوری اینٹ مسجد کے کسی کام کی نہیں متولی مسجد نے اعلان کر دیا کہ جس کا جی چاہے، اٹھالیجائے متولی کا منشا یہ بھی ہوگا کہ اسطرح بلا کسی اجرت کے جگہ کی صفائی ہوجائیگی، لوگوں نے وہ اینٹیں اپنے گھروں میں فرش میں غسل خانہ میں پائخانہ وغیرہ میں لگائیں تو کیا مسجد

کے ملبہ کو متولی کی اجازت اور اعلان سے مفت استعمال کرنا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کا ملبہ جو مسجد کے کسی کام میں نہ آسکے اس کو ناپاک جگہ میں اور جہاں بے ادبی ہوتی ہو ایسے کام میں استعمال کرنا درست نہیں ہے، نیز مسجد کا ملبہ اپنے گھر میں متولی کی اجازت سے بھی مفت استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/۱۶۶، جدید زکریا ۹/ ۹۵، محمودیہ قدیم ۱/۵۰۴، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۴۹۹)

ولا ترمی برأية القلم المستعمل لاحترامه كحشيش المسجد وكناسته لايلقى فى موضع يخل بالتعظيم . (الدر المختار مع الشامی، كتاب الطهارة ، قبيل باب المياه ، كراچی ۱/۱۷۸، زكريا ۲/ ۳۲۲، هنديه ، كتاب الكراهية،الباب الخامس فى آداب المسجد ،زكريا قديم ۵/ ۳۲۲، جديد۵/ ۳۷۵)

ويصرف نقضه إلىٰ عمارته إن احتاج وإلا حفظه (إلىٰ قوله) **وإن تعذر إعادة عينه بيع و صرف ثمنه إلىٰ العمارة** . (تبيين الحقائق،كتاب الوقف، امداديه ملتان۳/۳۲۸، زكريا ٤/ ٢٦٧)

ويصرف إلىٰ عمارته إن احتاج وإلا حفظ إلىٰ وقت الحاجة وإن تعذر صرف عينه يباع ويصرف ثمنه إليها . (مجمع الأنهر ،دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۷۸۰/۳۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۴/ ۱۴۱۷ھ

۲۸/ الفصل الثامن والعشرون: مسجد میں بدبودار چیز داخل کرنے کا بیان

مسجد میں مورٹین جلانا

سوال: [۸۳۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے مدرسہ کے احاطہ میں مسجد ہے، جنگل کا کنارہ ہے، مسجد میں مچھر بہت لگتے ہیں، کیا کچھوا چھاپ اگربتی مسجد میں جلا سکتے ہیں؟

المستفتي: محمد اصفر، سڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کچھوا چھاپ اگربتی کی طرح ہے جیسے اگربتی کی خوشبو ہوتی ہے کچھوا چھاپ کی خوشبو بھی تقریباً اسی طرح ہوتی ہے، اسلئے کچھوا چھاپ جلانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؟

عن واثلة بن الأسقع أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ...... اتخذوا على أبوابها المطاهر وجمروها فی الجمع. (سنن ابن ماجه، باب مایكره فی المساجد، النسخة الهندية ١/ ٥٤، دارالسلام رقم: ٧٥٠، المعجم الكبير للطبرانی ،داراحياء التراث العربي ٢٢/ ٥٧، رقم: ١٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۴۰)

بدن پر مچھر مارنے والی دوائی لگا کر نماز پڑھنا

سوال: [۸۳۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز پڑھنے کے دوران مکھی اور خاص طور پر ان دنوں میں مچھر بہت کاٹتے ہیں نمازی کو، تو اس

سلسلہ میں ایک دونمازیوں نے سوال کیا ہے کہ مچھروں سے بچنے کیلئے اوڈ و ماس جو دوائی ہوتی ہے، یااس کے علاوہ اورکوئی دوالگا کرنماز پڑھ سکتے ہیں یانہیں؟ اس سے نماز میں کوئی کمی اوروضوخراب تونہ ہوگا؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: اشرف علی، ٹیچر: اسلامیہ جونیر ہائی اسکول، قصبہ: شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگراوڈوماس وغیرہ کی بدبو بالکل نمایاں ہے جس سے دوسروں کوبھی تکلیف ہوسکتی ہے، تو نماز میں کراہت آسکتی ہے، اوراگر بالکل نمایاں نہیں ہے، مشکل سے محسوس ہوتی ہے، تو کراہت نہیں، اسکا فیصلہ آپ خود کیجئے گا۔

والذی استعمل دواءً كريهة الرائحة يؤذی الناس بريحه لا يجوز لهم الخروج إلى المسجد والشهود إلىٰ الجماعة. (بذل المجهود، كتاب الأطعمة، باب فی الثوم، دارالبشائر الإسلاميه ۱۱/ ۵۵۱، تحت رقم الحديث: ۳۸۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۸/۱/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۶۴۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۲۱ھ

مساجد میں گیس کی لالٹین جلانے کا حکم

سوال: [۸۳۱۲]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس وقت جوگیس کا لالٹین چل رہاہے، مسجدوں کے اندرجلانا ممنوع تو نہیں ہے، اگراس کی پرچھائی نمازی کے آگے یاپیچھے سے پڑتی ہوتو کیا نماز کے اندرکوئی خلل بھی پیدا ہوگا یانہیں؟ مفصل تحریرفرماکرشکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: قمرالدین طلعت، رفعت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موجودہ زمانہ میں جوگیس لائٹ چل رہی ہے، اس میں ناگوار بدبو نہ ہونے کی وجہ سے اس کا مسجد میں جلانا بلاکراہت جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ۲/ ۶۹۸، کفایت المفتی ۳/ ۱۲۷، جدید زکریا مطول۱۰/ ۳۷۸)

نیز اس کی پرچھائی سے نمازی کی نماز میں کسی قسم کا خلل نہیں ہوتا ہے۔

ولو توجه إلیٰ قندیل أو سراج لم یکره. (هندیه، الصلاة، الباب السابع الفصل الثانی فیما یکره فی الصلاة ومالایکره، زکریا قدیم ۱/ ۱۰۸، جدید۱/ ۱۶۷، قاضیخان،زکریا جدید۱/ ۷۵، وعلی هامش الهندیة۱/ ۱۱۹، البنایه، اشرفیه دیو بند ۲/ ۴۵۹، المحیط البرهانی، المجلس العلمی۷/ ۵۰۶، رقم: ۹۴۲۳، حاشیه چلپی،مکتبه امدادیه ملتان۱/ ۱۶۶، زکریا ۱/ ۴۱۵، الدر مع الرد،زکریا ۲/ ۴۲۳، کراچي ۱/ ۶۵۲،حاشیه الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیو بند/ ۳۶۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۵۷)

مسجد کے اندر گیس سلنڈر جلانا

سوال: [۸۳۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گیس سلنڈر مسجد کے اندر جلانا جائز ہے یا ناجائز وضاحت کے ساتھ جواب مطلوب ہے؟

المستفتي: سعید الرحمٰن، متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گیس سلنڈر میں سے چلاتے وقت بہت معمولی سے بدبو نکلتی ہے، اس کے بعد کسی قسم کی بدبو ظاہر نہیں ہوتی اس کا استعمال کرنے والے سب لوگوں کو تجربہ ہوگا، لہٰذا احتیاطاً مسجد کے باہر جلانے کے بعد جلتے ہوئے سلنڈر کو مسجد میں

رکھنے میں کسی قسم کا مضائقہ نہ ہوگا، حدیث پاک سے یہی بات واضح ہوتی ہے۔

عن علي، أنه قال: نهى عن أكل الثوم إلا مطبوخاً. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی الرخصة في أكل الثوم مطبوخاً، النسخة الهندية ۲/ ۳، دارالسلام رقم: ۱۸۰۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۱/ ۱۴۱۷ھ

مساجد میں گیس سلنڈر کا استعمال

سوال: [۸۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آجکل رسوئی گیس سلنڈر کو عام طور پر مساجد میں روشنی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، لیکن کئی مرتبہ کے تجربہ سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے، کہ جلتے وقت اس میں بو نکلتی ہے تو ایسی صورت میں کیا مسجد کے اندر اس کو استعمال کیا جاسکتا ہے؟

المستفتي: محمد حفیظ الرحمٰن، قصبہ صمدھن، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خارج مسجد مثلاً استنجاء خانہ کے پاس غسل خانہ کے نزدیک اسی طرح جوتے اتارنے کی جگہ اور امام کے یا مؤذن کے حجرے میں گیس کا ہنڈا جلا سکتے ہیں، اسی طرح مسجد میں خارج جگہ اگر ہے تو اسمیں بھی رسوئی گیس کا ہنڈا جلانا جائز ہے، لیکن صحن مسجد یا دالان مسجد جو حرم کے متصل ہوتا ہے، جس میں دھوپ کی وجہ سے جاڑوں میں اور گرمی یا برسات وغیرہ میں نماز پڑھتے ہیں، اور جماعت ہوتی ہے اور جہاں معتکف کے جانے اور بیٹھنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا وہ مسجد کا حصہ سمجھا جاتا ہے، اس میں اور حرم مسجد میں رسوئی گیس کا ہنڈا جلانا جائز نہیں ہے، چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد نبوی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أكل هذه الشجرة المنتنة

فلا يقربن مسجدنا الخ.

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اس بدبودار درخت لہسن یا پیاز میں سے کھائے وہ ہماری مسجد میں نہ جائے کہ جس سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ (مظاہر حق ۲/ ۲۲۹، مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم)

صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں، اس میں ہر بدبودار چیز داخل ہے، چاہے کھانے کی قسم ہو یا کھانے کی قسم نہ ہو۔ (۱/ ۲۲۹)

لٰہذا جب سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حلال چیز کو کھا کر آنے میں بدبو کی وجہ سے منع فرمادیا کہ فوراً کھا کر مسجد میں نہ آئے کھانے والا، تو پھر مسجد میں رسوئی گیس کا ہنڈا جلتے وقت اسمیں سے بدبو نکلتی رہتی ہے، جیسا کہ آپ نے سوال میں لکھا ہے، فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت محدث گنگوہیؒ کا فتویٰ مٹی کے تیل جلانے کا مسجد میں مکروہ تحریمی لکھا ہے، کیونکہ اس میں بدبو ہوتی ہے، اور ہر بدبودار چیز کا مسجد میں داخل کرنا ممنوع ہے، (خلاصہ) فتاویٰ رشیدیہ/ ۴۰۸)

لٰہذا صورت مسئولہ میں گیس ہنڈا مسجد میں جلانا منع ہے، اسی طرح گیس کا چولھا جلانا اور مٹی کے تیل کا اسٹوپ جلانا مسجد میں منع ہے، خارج مسجد حصہ میں جلاسکتے ہیں۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر العباد: عبدالحمید نعمانی قاسمی
ادارہ تحقیقات شرعیہ آگرہ
۴؍ شوال ۱۴۱۵ھ

دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہاہر جلانے کے بعد جلنے کی حالت میں مسجد میں رکھنے میں مضائقہ نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ جلنے کی حالت میں ظاہر اور نمایاں بدبو نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ مٹی کے تیل کا چراغ جلنے کی حالت میں بدبو نمایاں ہوتی ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۲۴)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رسوئی گیس لالٹین میں جلنے کی حالت میں بد بو نہیں ہوتی ہے، اسلئے مسجدوں کی روشنی کیلئے اس کے استعمال میں کوئی علتِ ممانعت نظر نہیں آتی۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

مسجد میں مٹی کے تیل سے لالٹین جلانا

سوال: [۸۳۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کتب فتاویٰ میں مذکور ہے کہ مساجد میں مٹی کے تیل کی لالٹین کو روشنی کیلئے استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن جن مساجد میں بجلی اور موم نہیں ہے، ان میں لالٹین کو روشنی کیلئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: عبداللہ متعلم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر جلتے ہوئے لالٹین سے بد بو نہیں آتی ہے، تو اسے باہر جلا کر خوب صاف ستھرا کر کے مسجد کے اندر رکھ دیا جائے، جس سے کسی قسم کی بد بو نہ ہوتی ہو تو اس کی گنجائش ہے، اسلئے کہ علت کراہت بد بو کا پھیلنا ہے، اور اگر صاف ستھرا کرنے کے باوجود جلتے ہوئے لالٹین سے بد بو پھیلتی ہے، تو جلتے ہوئے مٹی کے تیل کا لالٹین

مسجد میں رکھنا کسی طرح بھی جائز نہیں اور بدبو نہ پھیلنے کی صورت میں بھی بہتر شکل یہ ہے کہ لالٹین کو حدود مسجد سے باہر رکھدیا جائے، اور آجکل کے زمانہ میں جو گیس کے لالٹین آرہے ہیں، اسے احتیاط سے جلایا جائے تو اس سے بدبو نہیں پھیلتی اور حدیث شریف میں کراہت کی جو علت بیان کی گئی ہے، وہ بدبو کا پھیلنا ہے جو یہاں مفقود ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴۶۰/۲، ۱۰/۱۷۳، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۲۴۸)

عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أكل من هذه، قال أول مرة: الثوم، ثم قال: الثوم والبصل والكراث، فلا يقربنا في مساجدنا. (ترمذی شريف، باب ماجاء في كراهية أكل الثوم والبصل، النسخة الهندية ۲/ ۳، دارالسلام رقم: ۶/ ۱۸۰)

وفى هامشه قال محمد إنما كره ذلك لريحه فإذا أمته طبخا فلابأس به وهو قول أبى حنيفةؒ والعامّة أى من العلماء حاشيه ۲. (ترمذى شريف ۲/ ۳)

الأول فيما تصان عنه المساجد يجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام من أكل الثوم والبصل والكراث فلا يقربن مسجدنا فإن الملائكة تتأذى مما يتاذىٰ منه بنو آدم. (حلبى كبير، سهيل اكيڈمی، لاهور/ ۶۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۴۵)

مسجد میں گھی کا چراغ جلانا

سوال: [۸۳۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں گھی کا چراغ جلانا جائز ہے یا ناجائز ہے، تفصیل کیساتھ جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: حافظ دلشاد احمد، مدرسہ مظہر العلوم، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں گھی کے چراغ جلانے میں کوئی قباحت نہیں، اسلئے کہ اس میں کسی قسم کی بدبو نہیں ہوتی ہے۔

عن واثلة بن الأسقع أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: ...... اتخذوا علی أبوابها المطاهر، وجمروها فی الجمع. (سنن ابن ماجه، باب مایکره فی المساجد، النسخة الهندية ۱/ ٥٤، دارالسلام رقم: ۷٥۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

مسجد کے اندر اگربتی جلانے کا حکم

سوال: [۸۳۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ الحمد للہ خدا کے فضل وکرم سے ہم یہاں دینی کام انجام دے رہے ہیں، درج ذیل مسئلہ بتا دیں؟ کیا مسجد کے اندر ہم اگربتی جلا سکتے ہیں، خصوصاً نماز کے وقت؟

المستفتي: محمد فیروز عالم، جلگاؤں، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم ہے، اور خوشبودار رکھنا بھی بہتر ہے، مگر اگربتی ہی کے ذریعہ سے خوشبودار بنانے کی ضرورت نہیں لوبان کے ذریعہ یا عطر چھڑکنے کے ذریعہ سے بھی یہ کام ہوسکتا ہے، بسا اوقات اگربتی کی راکھ مسجد میں گرنے سے گندگی پھیلتی ہے، اور بعض اگربتی ناپاک چیز سے بنائی جاتی ہے، لہٰذا اگربتی کے بجائے کسی دوسری چیز سے خوشبو کی جائے تو بہتر ہے، ہاں اگر کبھی کبھی خوشبو کیلئے پاک اگربتی جلالی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، اور نماز کے وقت میں التزام کی ضرورت نہیں ہے، بعض دفعہ

نماز کے وقت اگربتی جلانے کی وجہ سے اس کے دھوئیں سے نمازیوں کو تکلیف بھی ہوتی ہے۔

عن واثلة بن الأسقع أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ...... اتخذوا علی أبوابها المطاهر ، وجمروها فی الجمع. (سنن ابن ماجه ، باب مایکره فی المساجد ، النسخة الهندیة ۱/ ۵٤، دارالسلام رقم: ۷۵۰، المعجم الکبیر للطبرانی ، داراحیاء التراث العربی ۲۲/ ۵۷، رقم: ۱۳٦)

عن أبي سعید الخدري قال: قال رسول الله ﷺ : من أخرج أذی من المسجد بنیٰ الله له بیتا في الجنة . (سنن ابن ماجه ، باب تطهیر المساجد و تطییبها ، النسخة الهندیة ۱/ ۵۵، دارالسلام رقم: ۷۵۷)

عن عائشة أن رسول الله ﷺ أمر بالمساجد أن تبنیٰ فی الدور ، وأن تطهر وتطیب . (سنن ابن ماجه ، باب تطهیر المساجد وتطییبها ، النسخة الهندیة ۱/ ۵۵، دارالسلام رقم: ۷۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۷۴/۳۵)	۹/۴/۱۴۲۱ھ

بدبودار پینٹ کا مسجد میں استعمال کرنا کیسا ہے؟

سوال: [۸۳۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) بندہ پینٹ کا کام کرتا ہے، مسجد و مدرسہ اور دیگر مکانات کے دروازے پر پینٹ کا کام کرتا ہوں، مسجد میں مٹی کا تیل اور دیگر بدبو جو اس کے ساتھ لاحق ہے، پھیل جاتی ہے، زید کہتا ہے، کہ مسجد وغیرہ کے دروازے پر پینٹ چڑھانا درست نہیں ہے، بلکہ رکھا زکر پینٹ چڑھانا چاہئے، کیا از روئے شرع زید کا کلام صحیح ہے، مطلع فرمائیں کرم ہوگا؟

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ جس برش سے پینٹ کیا جاتا ہے، وہ برش خنزیر کے بالوں سے بنا ہوتا ہے کیا اس کا استعمال کرنا صحیح ہے، جبکہ مسجد وغیرہ میں بھی وہی کام میں لانا پڑتا ہے

مفصل تحریر فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد انوار، پینٹ والے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) ہر بدبودار چیز کو مسجد میں داخل کرنا شرعاً ناجائز ہے، لہٰذا اگر پینٹ میں بدبو ہوتی ہے، تو مسجد میں اسکا استعمال جائز نہیں ہوگا، حدیث شریف میں بدبودار چیزوں کو کھا کر بھی مسجد میں داخل ہونے سے ممانعت کی گئی ہے۔

عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: من أكل هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا فإنّ الملائكة تتأذى مما يتأذىّ منه الإنس. (صحيح مسلم المساجد، باب النهى من أكل ثوماً، النسخة الهنديه ۱/۲۰۹، صحيح البخارى، النسخة الهندية ۱/۱۱۸، رقم: ۸٤٦، ف:٨٥٤)

ويلحق بما نص عليه فى الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولا أوغيره وإنما خص الثوم هنا بالذكر وفى غيره أيضاً بالبصل والكراث لكثرة أكلهم لها وكذلك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أوبه جرح له رائحة الخ. (اعلاء السنن، أبو اب أحكام المساجد، باب كراهة الدخول من أكل الثوم والبصل، كراچى ١٣٧/٥، دارالكتب العلمية بيروت١٨٧/٥، الدر مع الرد، زكريا ٤٣٥/٢، كراچى ٦٦١/١)

(۲) خنزیر کا بال نجس العین ہے اس کا برش مسجد میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

وأما الخنزير فشعره وعظمهٗ وجميع أجزائه نجسةالخ. (البحرالرائق، كتاب الطهارة، زكريا ١٩١/١، كوئٹه ١٠٧/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵ ؍ ۱۳۸۳)

مسجد میں تمبا کو استعمال کرنا

سوال: [۸۳۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تمبا کو مسجد میں استعمال کرنا آداب مسجد کے خلاف ہے یا نہیں؟

المستفتي: ایچ کے نعمانی، نیوڈیلکس واچ، سروسکوٹی روڈ کنٹگل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تمبا کو مسجد میں استعمال کرنا بد بو کی وجہ سے آداب مسجد کے خلاف اور مکروہ ہے۔

قلت : فيفهم منه حكم النبات الذى شاع فى زماننا المسمىٰ بالتتن فتنبه ، وقد كرهه شيخنا العمادى فى هديته إلحاقا له بالثوم والبصل بالأولىٰ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الأشربة ،كراچی ٦/ ٤٦٠، زكريا ١٠/ ٤٤، حاشية الطحطاوى على المراقى ، دارالكتاب ديو بند/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۱۰/۲۴)

۷/ باب المصلی

عیدگاہ کے تحقق کے لئے رجسٹری یا عمارت ضروری ہے یا نہیں؟

سوال: [۸۳۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پورنیہ ضلع کے قصبہ سرسی میں تقریباً دوسو گھر مسلمانوں کی آبادی کے ہیں، ہر دو مسلم برادری کے لوگ رہتے ہیں، ایک لذاف برادری کے لوگ ہیں دوسرے راعین برادری کے لوگ ہیں، یہ دونوں برادری کے لوگ آج سے تقریباً بیس سال قبل سے عید بقرعید کی نماز ایک عیدگاہ میں ادا کرتے تھے، جو زمین عبد العزیز راعینی کی ہے، یہ زمین رجسٹری شدہ نہیں ہے عیدگاہ کے نام سے، بلکہ عبدالعزیز کے نام ہے، آج سے چار سال قبل دونوں برادری کے لوگوں نے پنچایت کے طور پر بیٹھ کر عبدالعزیز راعینی سے کہا کہ آپ عیدگاہ کے نام زمین کی رجسٹری کردیجئے تو عبدالعزیز نے رجسٹری کرنے سے انکار کردیا اور کہا جس کو عیدگاہ میں نماز پڑھنی ہو پڑھے اور جس کو نہ پڑھنی ہو نہ پڑھے ہم رجسٹری نہیں کریں گے، لیکن نماز پڑھنے سے بھی نہیں روکیں گے، اس بات پر عبدالعزیز کے چند رشتہ داروں کے علاوہ باقی گاؤں کے سبھی لوگوں نے ایک نئی عیدگاہ قائم کی نئی قائم شدہ عیدگاہ بھی آج سے تقریباً پچاس سال قبل ایک غیر مسلم شخص نے اپنے سپاہی محمد عمر کو عید بقرعید کی نماز پڑھنے کے لئے دیا تھا، جس میں محمد عمر اکیلے عید و بقرعید کی نماز ادا کرتے تھے، محمد عمر کے انتقال کے بعد اس گاؤں کے لوگوں نے قبرستان بنادیا، اور جب عبد العزیز راعینی نے رجسٹری کرنے سے انکار کردیا تو گاؤں والوں نے محمد عمر کی عیدگاہ میں اینٹیں گراکر عیدگاہ بنالیا لیکن یہ کام یعنی عیدگاہ بنانا اس حصہ میں ہوا جدھر قبریں نہیں تھیں، اس کو احاطہ میں لیکر درخت کے پودے لگادئے لیکن یہ کام قبرستان والی زمین کو احاطہ میں کرنا اس پیسے سے ہوا جو دوسرے قبرستان کی گھاس کی آمدنی تھی، دوتین سال تک

دونوں برادری کے لوگ سوائے عبدالعزیز کے چند رشتہ داروں کے سبھی محمد عمر والی عیدگاہ میں عید بقرعید کی نماز ادا کرتے رہے، اس سال دونوں برادریوں میں اختلاف ہوگیا دونوں برادری کے لوگ دو حصوں میں تقسیم ہوگئے راعینی برادری عبدالعزیز والی عیدگاہ میں نماز ادا کرنے لگے اور کہتے ہیں، کہ یہ دوسری عیدگاہ ایک غیر مسلم کی ہے اور اس کو قبرستان کے پیسوں سے بنایا گیا ہے، اسلئے ہم نماز نہیں پڑھیں گے، ادھر لداف برادری کے لوگوں کا کہنا ہے، ہم لوگ عبدالعزیز والی مسجد میں نماز نہیں پڑھیں گے، اسلئے کہ وہ رجسٹری نہیں کررہا ہے، آپ یہ بتائیں کہ کونسی عیدگاہ میں نماز جائز ہے، یا دونوں میں جائز ہے، قبرستان کی آمدنی سے عیدگاہ بنانا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد الیاس قاسمی، گرام سرسی، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عبدالعزیز کو اختیار ہے کہ اپنی ملکیت کی زمین کو عیدگاہ کیلئے وقف کرے یا نہ کرے، کسی کو زبردستی کا حق نہیں ہے، اور عیدگاہ کی نماز کیلئے باقاعدہ عیدگاہ ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ کسی بھی میدان میں عید کی نماز پڑھی جائیگی، اس سے نماز عید کا مسنون طریقہ ادا ہو جائیگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۵۳۰، جدید ڈابھیل ۱۵/۳۲۲)

نیز محمد عمر والی عیدگاہ میں نماز پڑھنے سے بھی مسنون طریقہ ادا ہو جائیگا، اسلئے کہ غیر مسلم کی دی ہوئی زمین میں بھی مسجد یا عیدگاہ بنانا شرعی طور پر جائز ہوتا ہے۔

وأما الإسلام فليس بشرط فلو وقف الذمي (إلىٰ قوله) ويجوز أن يعطى المساكين المسلمين الخ. (هنديه، كتاب الوقف، الباب الاول زكريا قديم ۲/۳۵۲، جديد ۲/۳۴۷، البحر الرائق، زكريا ٥/٣١٦، كوئٹه ٥/١٨٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٦/٥٦٨، الدر مع الرد، كراچی ٤/٣٤١، زكريا ٦/٥٢٤)

نیز قبرستان کو اگر روپیوں کی ضرورت نہیں ہے تو اس کی آمدنی کمیٹی اور ذمہ داروں کے مشورہ اور اجازت سے عیدگاہ میں لگانا جائز ہے، اس لئے کہ عیدگاہ بھی وقف

ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۲۹ھ

کیا عید کی نماز درست ہونے کیلئے عیدگاہ کی رجسٹری لازم ہے؟

سوال: [۸۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عیدگاہ جو عرصہ دراز سے عید کی نماز کیلئے استعمال ہورہی ہے، لیکن وہ زمین جس میں عیدگاہ بنی ہوئی ہے، گاؤں کے پردھان کی ہے، اب عیدگاہ میں لوگ دو پارٹی ہوکر ایک تو یہ کہتی ہے کہ جب تک پردھان صاحب زمین کو عیدگاہ کے نام پر رجسٹری نہ کردیں ہم اس میں عید کی نماز نہیں پڑھیں گے؟ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا پردھان کے رجسٹری کئے بغیر اسمیں عید کی نماز پڑھنی جائز ہے، جبکہ پردھان کا کہنا ہے کہ آپ لوگ نماز پڑھئے لیکن میں رجسٹری نہیں کروں گا؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد حنیف مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عیدگاہ کیلئے تحریری ثبوت اور رجسٹری لازم اور ضروری نہیں ہے، البتہ جو زمین عیدگاہ کیلئے وقف ہو وہاں نماز افضل ہے، مذکورہ سوال میں چونکہ پردھان کی جانب سے اجازت ہے اسلئے وہاں عید کی نماز پڑھنا درست ہے، مگر وہ زمین عیدگاہ کیلئے وقف نہ ہوگی، جب تک پردھان کی طرف سے سرکاری انداز سے عیدگاہ کیلئے تحریری دستاویز نہ ہوں اس وقت تک وہ زمین عیدگاہ کیلئے وقف نہیں سمجھی جاسکتی۔
(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۶/۵۳۰، جدید ڈابھیل ۱۵/۳۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۷ھ

گرمی، سردی سے بچاؤ کیلئے عیدگاہ کو مسقّف بنانا

سوال: [۸۳۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عیدگاہ ہے جس میں تقریباً پچاس سال سے نماز دوگانہ ہی ادا کی جاتی رہی لیکن اس وقت کچھ مجبوری کے تحت کچھ لوگ اس میں نماز پنجگانہ ادا کر رہے ہیں، اور ان کا خیال ہے کہ اس میں کچھ دور تک ٹین وغیرہ ڈال کر سردی گرمی اور برسات سے بچاؤ کیا جائے، کیا اس طرح اسمیں ٹین وغیرہ ڈال کر اس کو مسقّف کرنا جائز ہے؟

المستفتي: اشفاق افضل اعظمی، متعلم، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر نمازیوں کے آرام کے واسطے سردی گرمی اور برسات سے بچاؤ کیلئے عیدگاہ کا کچھ حصہ مسجد کی طرح مسقّف کردیا جائے، تو یہ جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/۲۱۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۵۰)	۱۴۱۵/۶/۳ھ

آٹھ گاؤں والوں کا مل کر ایک عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کے پاس سات آٹھ گاؤں بہت ہی قریب قریب خالص مسلمانوں کے آباد ہیں، ان گاؤں کے رہنے والے نماز عید ادا کرنے کیلئے قصبہ میں جایا کرتے تھے، چار پانچ سال سے حالات خراب ہوئے تمام گاؤں کے رہنے والوں میں مشورہ ہوا کہ حالات خراب ہیں، اگر ہم لوگ قصبہ میں نماز ادا کرنے جائیں، تو ہمارے بیوی بچے گھر وبار سب

غیر محفوظ ہوجاتے ہیں، کیونکہ مسلمانوں کے گاؤں کے پاس غیر مسلموں کے بھی گاؤں ہیں، آپس میں مشورہ سے آٹھوں گاؤں کے بیچ میں عیدگاہ بنائی گئی، جسمیں چار پانچ سال سے نماز عید برابر ہورہی ہے، کافی تعداد نمازیوں کی ہوجاتی ہے، اگر ان سے کہا جاتا ہے، کہ دیہات میں نماز عید واجب نہیں، تو کہتے ہیں کہ نہ پڑھنے سے بہتر ہے جو کبھی نماز نہیں پڑھتا کم از کم اس بہانہ سجدہ کرلیتا ہے ہم چند لوگ ابھی اس عیدگاہ میں نماز نہیں پڑھتے ہیں قصبہ میں ہی نماز کیلئے جاتے ہیں، کیا ہم لوگوں کا ایسی عیدگاہ میں نماز پڑھنا درست ہے یا جولوگ نماز ادا کرتے ہیں ان کیلئے کیا حکم ہے؟

المستفتي: جمال احمد، جوگیا پوری،
مدرسہ وجامع مسجد کاسگنج، بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہاں کے لوگوں پر نماز جمعہ اور نماز عید لازم نہیں ہے، اور عید کی نماز صحیح ہونے کی شرط وہاں موجود نہیں ہے، اس لئے وہاں عید کی نماز صحیح نہ ہوگی، اور جولوگ قصبہ میں جاکر عید کی نماز پڑھتے ہیں، ان کی نماز عید صحیح ہوجائیگی اور ان کے قصبہ میں جانے اور گاؤں میں نماز عید نہ پڑھنے پر اعتراض کرنے والے غلطی پر ہیں۔

عن علي، قال: لا جمعة، ولا تشریق، ولا صلاة فطر، ولا أضحی، إلا في مصر جامع، أو مدینة عظیمة. (المصنف لابن أبی شیبة، الصلاة، من قال لاجمعة ولا تشریق إلا في مصر جامع، مؤسسه علوم القرآن ٤/٤٦، رقم: ٥٠٩٩)

تجب صلاتهما فی الأصح علی من تجب علیه الجمعة بشرائطها.

(درمختار، کتاب الصلوٰة، باب العیدین، زکریا ٣/٤٥، کراچی ٢/١٦٦، هندیه، زکریاجدید ١/٢١١، قدیم ١/١٥٠، المبسوط للسرخسی، دارالکتب العلمیة بیروت ٢/٣٧، هدایه اشرفی ١/١٧٢)

صلوٰۃ العید فی القریٰ تکرہ تحریماً الخ. (درمختار کراچی ۲/۱۶۷، زکریا ۳/۴۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹۵۴/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۴/۳ھ

ایک بستی میں دو عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں ایک عیدگاہ ہے لیکن اب وہ آبادی کے اندر آگئی ہے، اور رنا کافی بھی ہوگئی ہے، اس میں عیدین میں پورے آدمی نہیں آپاتے ہیں، جہاں عیدگاہ ہے وہاں بڑھانے کی بھی گنجائش نہیں ہے، اس عیدگاہ سے تقریباً آدھا کلومیٹر سے کچھ کم مغرب کی طرف ایک آراضی چند افراد نے عیدگاہ کیلئے وقف کردی ہے، اور کہا کہ یہاں پر عیدگاہ بنالیں اب مسئلۂ مذکورہ میں زید کہتا ہے، کہ ایک بستی میں ایک عیدگاہ کے علاوہ دوسری عیدگاہ بنانا جائز نہیں تو زید کا کہنا درست ہے یا نہیں؟ اور ہم لوگ عیدگاہ دوسری جگہ بنالیں یا نہیں؟ از راہ شرع مدلل جواب سے نوازیں؟

المستفتي: قاری ابرار احمد، امام وخطیب:
شاہی مسجد، ضلع: ہردوئی، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عیدگاہ کا آبادی سے باہر صحراء میں ہونا مسنون ہے، بعض روایات کے مطابق مسجد نبوی میں ایک نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے، تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کی اس فضیلت کو چھوڑ کر آبادی سے باہر صحراء اور جنگل میں جاکر عید کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے، اسلئے جو عیدگاہ آبادی کے اندر آگئی ہے اس کو مسجد یا مدرسہ کے کام میں لاکر اس کے بدلہ میں آبادی سے باہر نئی عیدگاہ

بنالینا سنن نبوی کے عین مطابق ہے۔

عن أبي سعيد الخدري رضـ **قال: كان رسول الله** ﷺ **يخرج يوم الفطر والأضحى إلىٰ المصلي .** (صحيح البخاری، کتاب العیدین، باب الخروج إلىٰ المصلى بغير منبر، النسخة الهندية ١/ ١٣١، رقم: ٩٤٦، ف: ٩٥٦)

السنة الخروج إلىٰ الجبانة إلا لأهل مكة ففى المسجد وقال الشافعي رحـ **فى الأم بلغنا أن رسول الله كان يخرج فى العيدين إلىٰ المصلىٰ بالمدينة وكذا من بعده إلا من عذر مطر ونحوه الخ.** (عمدة القاری شرح بخاری، داراحياء التراث العربي ٦/ ٢٨١، زكريا ٥/ ١٧١، تحت رقم الحديث: ٩٥٦، الأم ، كتاب صلاة العيدين الخروج إلىٰ الأعياد، بيت الافكار الدولية مكمل /١٧٤، رقم: ٤٦١)

نیز چھوٹی بستی میں ایک ہی عیدگاہ ہونا چاہئے جو آبادی سے باہر ہو، اور بڑے شہروں میں ہر چہار جانب متعدد عیدگاہ ہونے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ بہتر ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ٣٥)

وتجوز إقامة صلاة العيد فى موضعين، وأما إقامتها فى ثلاثة مواضع فعند محمد رحـ **تجوز .** (هنديه، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، زكريا جديد ١/ ٢١١، قديم ١/ ١٥٠)

وأما صلاة العيد في موضعين وأكثر منهما فجائز إجماعاً . (حاشيه چلپى، مكتبه امداديه ملتان ١/ ٢١٩، زكريا ١/ ٥٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ جمادی الاولیٰ ١٤١٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/ ٥٧٥٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٦/٥/١٤١٩ھ

پہلی عیدگاہ کو فروخت کرکے اس کی رقم دوسری عیدگاہ میں لگانا

سوال: [٨٣٢٥]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عیدگاہ ہے اور وہ آبادی کے اعتبار سے آج کے دور میں بہت تنگ ہوچکی ہے، لہٰذا گاؤں

والوں نے کشادگی چاہتے ہوئے دوسری جگہ عیدگاہ بنانے کا ارادہ کیا ہے، اوروہ گرام سماج کی جگہ کھلیان ہے، اوروہ کافی کشادہ جگہ ہے، اس لئے گاؤں والوں نے اس زمین میں عیدگاہ بنانے کا ارادہ کیا ہے، اور تمام لوگ پرانی عیدگاہ بیچنا چاہتے ہیں، اوراس کی قیمت نئ عیدگاہ میں لگانا چاہتے ہیں، تو کیا عیدگاہ بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس صورت میں؟ اور اگر بیچنا جائز نہیں ہے، تب کس صورت میں حضرت والا سے مؤدبانہ التماس ہے کہ مندرجہ بالا مسئلہ کو مدلل اور مفصل طریقہ سے نقل فرما کر مشکور فرمائیں؟

المستفتي: محمد عتیق الرحمٰن، ککروہ، تھانہ شہزادنگر، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عید کی نماز آبادی سے باہر صحراء اور جنگلوں میں جاکر پڑھنا مسنون ہے، اسی کو الخروج إلی الجبانة سے تعبیر کیا جاتا ہے،، حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسجد میں ایک نماز کا پڑھنا ٥٠٠٠٠/ ہزار نمازوں کے برابر حیثیت رکھتا ہے، لیکن پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبادی سے باہر صحراء اور میدانوں میں جاکر عید کی نماز ادا فرماتے تھے، اس وجہ سے عیدگاہ ہمیشہ آبادی سے باہر کچھ فاصلہ پر ہونی چاہئے ، لٰہذا جو عیدگاہ آبادی کے اندر آجائے اور آبادی بھی دلی بمبئی کی طرح بہت بڑی نہیں ہے، بلکہ اس آبادی سے باہر مسنون طریقہ سے عید کی نماز پڑھنے کیلئے دوسری عیدگاہ بنانا ممکن ہے اور مسلمانوں کا عید کے دن وہاں پہونچ جانا ممکن ہوسکتا ہے، تو ایسی صورت میں آبادی سے باہر دوسری عیدگاہ بنالینا مسنون ہوگا اور آبادی کے اندر عیدگاہ کا حکم وہی ہے جو آبادی کے اندر مساجد میں عید کی نماز پڑھنے کا ہے، اب اس تفصیل کے بعد سوال کا جواب ملاحظہ فرمایئے جو عیدگاہ آبادی کے اندر آگئی ہے، اور موقوفہ ہے اس کو عام لوگوں کے ہاتھ فروخت کرنا درست نہیں ہے، ہاں البتہ اس میں دو کام ہوسکتے ہیں۔

(١) سب مسلمان مل کر اس میں دینی مدرسہ قائم کردیں اوراس کا وقف بحالہ باقی رہے اسی طرح کسی دینی مدرسہ کے ہاتھ اسے فروخت کردیں اوراہل مدرسہ اس میں مدرسہ ہی

کا کام لیں گے، اوراس کا پیسہ دوسری عیدگاہ میں خرچ کردیا جائے دوسری شکل یہ ہے کہ اس میں مسجد تعمیر کردی جائے، تو یہ بھی جائز ہے، اسلئے کہ مسجد بھی وقف ہی ہوتی ہے، اورآبادی کے لوگ دوسری عیدگاہ کیلئے آپس میں دوبارہ پیسہ وصول کرلیں، اورسب مل کرآبادی سے باہر دوسری عیدگاہ بنائیں اور مسجد ومدرسہ قائم کرنا اسلئے جائز ہے، کہ جس طرح عیدگاہ وقف ہے اسی طرح مسجد اور مدرسہ بھی وقف ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنیٰ قوم عليها مسجداً لم أر بذلک بأسا وذلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلیٰ المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين . (عمدة القاری ، الصلاة ، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية يتخذ مكانها مساجد ، داراحياء التراث العربي ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، تحت رقم الحديث: ٤٢٨، فتح الملهم ، كتاب المساجد اشرفيه ٢/ ١١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفرالمظفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۶ھ

ایک عیدگاہ سے متعلق چند سوالات

سوال: [۸۳۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موضع پارس منی ایک بڑی بستی ہے جہاں مسلم وغیرمسلم کی بڑی آبادی ہے، ایک خاندان کی مشترکہ زمین میں ایک نامعلوم زمانے سے عیدگاہ قائم ہے، زمین کے بٹوارہ اورآپس میں تقسیم ہونے پرعیدگاہ والی زمین اتفاق سے ایک غریب کے حصہ میں آئی جس کے پاس اس کے علاوہ اورکوئی زمین نہیں تھی، خود وہ غریب بھی چاہتے تھے، کہ عیدگاہ والی

زمین مجھ غریب کے حصہ میں اگر آئے تو میری خوش نصیبی اور سعادت مندی ہوگی، مرضیٔ خداوندی ایسے ہی ہوئی لیکن کچھ آدمیوں کو یہ اعتراض ہوا کہ گاؤں کے اندر مالدار زمین دار ہوتے ہوئے ایک غریب آدمی کی زمین پر عیدگاہ اور وہ زمین بھی ناکافی ہے، تو ایسی عیدگاہ میں نماز پڑھنا کیسے درست ہوسکتا ہے، لہٰذا ایک صاحب ثروت نے عیدگاہ اور مدرسہ کیلئے تقریباً ایک ایکڑ زمین رجسٹرڈ کردی اور ۱۹۸۶ء کی عیدالفطر کے بعد عیدالاضحیٰ کیلئے نئی عیدگاہ کی زمین میں نماز کا اعلان کردیا گیا کچھ آدمیوں کو اپنی نماز کی صحت وعدم صحت کی فکر ہوئی تو مختلف جگہوں سے فتویٰ منگائے گئے تو ہر ایک کا جواب یہی تھا، کہ پرانی عیدگاہ میں نماز پڑھنے والوں کی نماز صحیح ہوگی اور نئی عیدگاہ میں نماز پڑھنے والے اپنی نماز کی خیر منائیں، ان فتوؤں کے تحت پرانی عیدگاہ میں بقرعید ۱۹۸۶ کی نماز بدستور پرانے امام کی اقتداء میں جو جامع مسجد کے بھی امام ہیں ہوئی عیدگاہ میں ابھی تک ۸۶ء سے عید وبقرعید کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے، الغرض دونوں جگہوں پر نماز ہورہی ہے، ادھر مذکورہ غریب لوگوں کے اعتراضات (جگہ بھی ناکافی ہے) کو دور کرنے کیلئے ۸۶ء کے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے اندر ہی اس حصہ کی کچھ باقی بچی زمین بھی اس کے سمیت عیدگاہ کیلئے رجسٹرڈ کرادی لیکن جھکاؤ ومیلان زیادہ تر لوگوں کا صاحب ثروت کیساتھ ہی رہا، تقریباً ۴۰ رفیصد پرانی عیدگاہ اور ۶۰ رفیصد نئی عیدگاہ میں نمازی ہوتے ہیں، نیز عیدگاہ کی بقیہ زمین پر ۸۷ء ہی میں مدرسہ کلیمیہ کے نام جو پٹنہ بورڈ سے ملحق ہے، لیکن مدرسین بل منظور نہ ہونے کی وجہ سے عوام یا مدرسین کا کوئی لگاؤ مدرسہ سے نہیں رہا، اس صورت مذکورہ کو دیکھ کر اور گاؤں کی ضلالت وجہالت دیکھ کر احقر نے احساس کیا کہ اتنے بڑے گاؤں میں حکومت کی امداد سے آزاد ہوکر باضابطہ محض اکابر کے طرز پر تعلیم ہونی ضروری ہے، مذکورہ مدرسہ ملحق ہونے کی وجہ سے اکابر کے طرز اور درس نظامی کی حیثیت سے چلانا دشوار تھا، اسلئے مذکورہ غریب کی مذکورہ زمین جو رجسٹرڈ کے ساتھ بڑھائی گئی تھی، ۴۰ رفیصد نمازی کی وجہ سے پہلی زمین ہی کافی اور بہت ہے چنانچہ پرانی عیدگاہ کے

نمازیوں کے باہم مشوروں سے اس پرانی عیدگاہ کے بعد میں بڑھائے جانے والے حصہ میں ایک مدرسہ درس نظامی کا ۹۶ء میں افتتاح کیا گیا تاکہ جہالت وتاریکی دور ہو اورقرآن وحدیث کی تعلیم عام ہو گاؤں کے ایسے آدمی جو نئ عیدگاہ سے متعلق ہیں، وہ اعتراض کرتے ہیں، کہ عیدگاہ کی زمین میں مدرسہ قائم کرنا غلط ہے، مذکورہ صورت حال کے پیش نظر حسب ذیل سوالات کے جوابات دلائل کے ساتھ دیکر عندالناس مشکور اور عنداللہ ماجور ہوں؟

(۱) عیدگاہ کیلئے زمین کا رجسٹرڈ ہونا ضروری ہے یانہیں؟

(۲) غریب وامیر کی زمین میں مسجد وعیدگاہ کیلئے کون سی زمین بہتر ہے، دونوں کے خلوص وللّٰہیت کے ساتھ؟

(۳) پہلی عیدگاہ کے ہوتے ہوئے دوسری عیدگاہ کا بنانا یا دوسری نئ عیدگاہ میں نماز پڑھنا درست ہے یانہیں؟ یا نئ عیدگاہ قائم کرنے کیلئے کیا شرائط ہیں؟

(۴) قرآن وحدیث کے مدلل مسائل پرعمل نہ کرنا کیسا ہے؟

(۵) ایک گاؤں میں دوعیدگاہ دونوں میں عوام وخواص یعنی عالم وغیر عالم دونوں شریک ہیں، دونوں عیدگاہوں میں نماز پڑھنے والوں کی نماز درست ہوگی یا کسی ایک کی اس کی وضاحت فرمائیں؟

(۶) پرانی عیدگاہ کی وہ زمین جو عیدین کی نماز میں ۶۰ رفیصد نمازی نہ ہونے کی وجہ سے استعمال نہیں ہوتی ہے، اس پر مدرسہ کا بنانا درست ہے یانہیں؟

(۷) عیدگاہ یا مساجد کی جگہ میں پڑھنے والے بچوں اور عام آدمی کیلئے غسل خانہ پیشاب خانہ، پاخانہ وغیرہ کا بنانا درست ہے یانہیں؟

(۸) عیدگاہ پر مسجد کی دوری کی وجہ سے طلباء اورقرب وجوار کے باشندوں کیلئے اذان کے ساتھ پنجوقتہ نماز باجماعت کا ادا کرنا کیسا ہے، نیز دھوپ یا بارش کیلئے چھپر یا سائے کا نظم کرنا کیسا ہے؟

نوٹ: ان تمام سوالوں کے جوابات مفصل عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد محی الدین، پارس منی، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) شرعی طور پر عیدگاہ کے عیدگاہ ہونے کیلئے رجسٹرڈ ہونا ضروری نہیں ہے، البتہ کسی کے غلط قبضہ اور غلط تصرف کے خطرہ سے بچنے کیلئے رجسٹرڈ کرایا جاتا ہے۔

وقال أبو یوسف رحمه الله تعالیٰ، یزول ملکه بمجرد القول. (هدایه، کتاب الوقف، اشرفیه اشرفی ۲/۶۳۷)

(۲) غریب وامیر کی زمین میں سے ہر ایک میں مسجد وعیدگاہ بنانا جائز ہے اور جس میں اخلاص اور للّٰہیت زیادہ ہوگی اسی کی زمین میں بنانا زیادہ بہتر ہوگا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. (آل عمران: ۹۲)

(۳) پہلی عیدگاہ کے ہوتے ہوئے بلاضرورت دوسری عیدگاہ بنانا مسلمانوں میں تفرقہ اور انتشار کا باعث ہے، اسلئے دوسری عیدگاہ نہ بنانی چاہئے۔

(۴) قرآن وحدیث کے کس مسئلہ پر عمل نہیں ہو رہا ہے، اس مسئلہ اور عمل کو متعین فرمادیں، اس کے بعد جواب پر غور ہوگا۔

(۵) بلاضرورت دوسری عیدگاہ بنانا انتشار کی وجہ سے ممنوع ہے لیکن اگر بنانے کے بعد نماز پڑھ لی جائے، تو نماز درست ہوجائیگی، لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

(۶) عیدگاہ کیلئے پوری زمین وقف کردی ہے، اور آئندہ چل کر پوری زمین کی عیدگاہ کیلئے ضرورت ہوسکتی ہو تو اس میں مسجد یا مدرسہ بنا کر تنگ نہ کرنا چاہئے، لیکن ضرورت سے زائد زمین ہے، تو اس کو مسجد یا مدرسہ کیلئے استعمال کی گنجائش ہے۔

(۷) جی نہیں۔

(۸) جی ہاں جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۸۷)

مسجد کی جگہ عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں ایک مسجد ہے، جو بہت پہلے زمانے کی ہے، وہ اب اس شکل میں ہے کہ بالکل کھنڈر ہو چکی ہے، اور وہ آبادی سے باہر ہے، اب کوئی اس میں نماز نہیں پڑھتا ہے، اور گاؤں میں ایک دوسری مسجد ہے، جس میں لوگ نماز ادا کر لیتے ہیں، تو ہمارا یہ خیال ہے کہ اس مسجد کی دیواروں کو توڑ کر اس جگہ عیدگاہ بنا دی جائے، تو کیا یہ جائز ہے؟ اور اینٹیں اس میں بہت ہیں، ان کو بیچ کر کسی مد میں لایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں عنایت ہوگی؟

المستفتي: محمد طاہر، تحصیل سوار، موضع ٹانڈہ کلاں، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرچہ مسجد کے اردگرد کی آبادی ختم ہوگئی ہو شرعاً مسجد مسجد ہی رہے گی، اس کو شہید کرنا اور اس کے ملبہ کو اجاڑ کر منتقل کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اور مذکورہ مسجد قیامت تک کیلئے مسجد ہے، اس کو توڑ کر عیدگاہ بنانا جائز نہیں ہوگا، اور تمام مسلمانوں پر اس مسجد کی حفاظت کرنا لازم ہے۔

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلىٰ قيام الساعة وبه يفتي الخ. (الدر المختار، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أوغيره زكريا ٦/ ٥٤٨، كراچی ٤/ ٣٥٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٩٥، مصری قديم ١/ ٧٤٨، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٥١، زكريا ٥/ ٤٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢١/ ربیع الثانی ١٤١٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٦٥/٤/٢٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢١/٤/١٤١٢ھ

آباد مسجد کو توڑ کر عیدگاہ بنانے کا حکم

سوال: [٨٣٢٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرصۂ دراز سے عیدین کی نماز ایک مسجد میں پڑھتے تھے، بعد میں مسجد کو شہید کر کے عیدگاہ کی شکل دیدی گئی ہے، مسجد کو بزرگوں نے چشم دید دیکھا ہے، نیز سرکاری کاغذات میں بھی مسجد ہی درج ہے، مسجد کا کل رقبہ چار بیسہ ہے، باقی غیر مستعمل قبرستان اور کچھ ایل ایم سی کی زمین یعنی مشترک ہے، پورے گاؤں کے آدمی یعنی سب مسلمان موجودہ عیدگاہ میں نہیں آسکتے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں دوسری جگہ عیدگاہ بنا سکتے ہیں، اگر بنا سکتے ہیں، تو مذکورہ عیدگاہ کی حفاظت کی کیا شکل ہوگی، عیدین کی نمازیں عیدگاہ میں مندوب و بہتر ہیں، یا مسجد میں اس پر بھی روشنی ڈالیں؟

المستفتي: ڈاکٹر علی، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) آباد مسجد کو توڑ کر عیدگاہ یا کسی دوسرے امور میں منتقل کر دینا قطعاً ناجائز ہے، مسجد کی وہ زمین قیامت تک مسجد رہے گی، جنھوں نے ایسا کیا ہے، وہ سب کے سب گنہگار رہوں گے۔

قال أبویوسف هو مسجد أبداً إلیٰ قیام الساعة لایعود میراثاً ولایجوز نقله ونقل ماله إلیٰ مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه أو لا وهو الفتویٰ کذا فی الحاوی القدسی وأکثر المشائخ علی قول أبی یوسفؒ ورجح فی فتح القدیر قول أبی یوسف بأنه الأوجه. (البحرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد، کوئٹہ ٥/٢٥١، زکریا ٥/٤٢١، شامی، زکریا ٦/٥٤٨، کراچی ٤/٣٥٨،

مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۹۵، مصرى قديم ۱/ ۷۴۸)

(۲) عیدین کی نماز اس عیدگاہ میں پڑھنا سنت اور افضل ہے جو آبادی سے باہر صحراء اور جنگل میں ہے، اور جو عیدگاہ آبادی میں داخل ہوگئی اس میں پڑھنا اور جامع مسجد میں پڑھنا دونوں برابر ہے۔

عن علي – رضى الله عنه – قال: الخروج إلىٰ الجبان فى العيدين من السنة . (المعجم الأوسط ، دارالفكر ۳/ ۱۱۶، رقم: ۴۰۴۰)

والخروج إليها أى الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح . (شامى، كتاب الصلوٰة ، باب صلاة العيدين ، زكريا ۳/ ۴۹، كراچى ۲/ ۱۶۹، المحيط البرهاني ، المجلس العلمي ۲/ ۴۸۴، رقم: ۲۲۴۱، زاد المعاد ۱/ ۴۴۱، هنديه، زكريا جديد ۱/ ۲۱۱، قديم ۱/ ۱۵۰)

(۳) اگر بڑی عیدگاہ کی ضرورت ہے تو سب لوگوں کا متفق ہوکر آبادی سے باہر عیدگاہ کیلئے کوئی جگہ تجویز کر لینا مناسب ہے، اور موجودہ عیدگاہ جو پرانی مسجد ہے مسجد کی جگہ پر مسجد ہی تعمیر کرنا لازم ہے، اور حدود مسجد کے علاوہ بقیہ جگہ میں کوئی دینی مدرسہ قائم کردینا چاہئے اس سے حفاظت بھی ہوگی اور دین کی ترقی بھی ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۶۱)

مسجد توڑ کر عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گاؤں سیہ سرائے میں سڑک کے پاس عام قبرستان کے ایک کونے میں پچھلے سال سے ایک مسجد تعمیر ہے، جس میں پنجگانہ جماعت تو نہیں ہوتی ہے، لیکن لوگ اور مسافر نماز پڑھتے رہتے ہیں، اب گاؤں کے سب لوگ ہی اس مسجد کو عید کی نماز پڑھنے کیلئے بنانا چاہتے ہیں، کیونکہ عید کی

نماز پڑھنے کیلئے کوئی میدان نہیں ہے، مسجد کو بدستور رکھتے ہوئے، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

المستفتي: محمد منتظر، سید مزرعہ، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو مسجد ایک مرتبہ شرعی طریقہ سے مسجد بنالی جائے وہ ہمیشہ مسجد ہی کے حکم میں رہے گی اسکو غیر مسجد کے کام میں لانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۳۷، جدید زکریا مطول ۱۰/۱۴۹)

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلىٰ قيام الساعة وبه يفتى. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ٦/ ٥٦٥، كراچى ٤/ ٣٥٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٩٥، مصرى قديم ١/ ٧٤٨، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٥١، زكريا٥/ ٤٢٠)

البتہ مسجد کو بدستور قائم رکھتے ہوئے عید کی نماز اس میں پڑھنا درست ہے، ایک مرتبہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عید کی نماز بارش کی وجہ سے مسجد میں پڑھائی ہے۔

عن أبي هريرة رضي أنه أصابهم مطر في يوم عيد، فصلى بهم النبي صلى الله عليه وسلم صلاة العيد فى المسجد. (ابوداؤد شريف، باب يصلى بالناس فى المسجد إذا كان يوم مطر، النسخة الهندية ١/ ١٦٤، دارالسلام رقم: ١١٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۸۴)

عیدگاہ منہدم کرکے مسجد بنانا

سوال: [۸۳۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موضع کلہابگلہ ضلع مرادآباد کی عیدگاہ جو آبادی کے باہر تھی، اب گاؤں کی آبادی کے بڑھ جانے کی

وجہ سے عیدگاہ آبادی میں آ گئی ہے، اور گاؤں میں صرف ایک مسجد ہے، جو نمازیوں کیلئے دور بھی ہوگئی ہے، اس لئے گاؤں والوں کی خواہش ہے کہ موجودہ عیدگاہ کو منہدم کرکے اس جگہ پر دوسری مسجد تعمیر کرلی جائے، اور عیدگاہ دوسری جگہ بنالی جائے، شرعی جواب سے نوازا جائے؟

المستفتي: حافظ عبد السلام، ناظم دفتر جامعہ اسلامیہ عربیہ رحمانیہ، ٹانڈہ بادلی، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مذکورہ گاؤں میں جواز عیدین کی شرائط موجود ہیں، تو پورے گاؤں کے لوگ متفقہ طور پر آبادی کے اندر آئی ہوئی عیدگاہ کو مسجد بنانے کی نیت کرلیں، اور سب مل کر سنت کے مطابق آبادی سے باہر عیدگاہ بنالیں، تو محض جائز ہی نہیں بلکہ یہی عین سنت ہے، کیونکہ عید کی نماز میں اصل سنت آبادی سے باہر جاکر نماز عید ادا کرنا ہے، لہٰذا گاؤں والوں کا مذکورہ پروگرام مقتضی شریعت کے بالکل مطابق ہے۔

عن أبي سعيد الخدري قال كان النبي ﷺ يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى . (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلىٰ المصلى بغير عذر، النسخة الهندية ١/١٣١، رقم: ٩٤٦، ف:٩٥٦)

عن علي رضي الله عنه قال: من السنة الصلاة في الجبان . (المعجم الأوسط، دارالفكر ٤/٩٦، رقم: ٥٣٣١، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٢٠٩، مستفاد: فتاویٰ رحيميه ٦/٨٢، جديد زكريا ٩/٩٨)

ثم خروجه ماشيا إلىٰ الجبانة وهي المصلى العام الخ. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين، زكريا ٣/٤٨، ٤٩، كراچی ٢/١٦٨)

والخروج إلىٰ الجبانة سنة لصلوٰة العيد، وإن كان يسعهم المسجد الجامع عندعامة المشائخ هو الصحيح الخ. (البحرالرائق، كوئٹه ٢/١٥٩، زكريا ٢/٢٧٨، هنديه، زكرياقديم ١/١٥٠، جديد١/٢١١، قاضيخان، زكريا جديد١/١١٤،

وعلی هامش الهندية ١/ ١٨٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رمضان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۲۶)

عیدگاہ کیلئے وقف کی گئی زمین پر مسجد بنانا

سوال: [۸۳۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آراضی عیدگاہ کیلئے وقف تھی بعد میں واقفین حضرات نے اس آراضی کو مسجد کیلئے تبدیل کیا تو کیا یہ تبدیلی جائز ہے؟ جب اس عیدگاہ کی زمین کو دوبارہ مسجد کیلئے وقف کیا گیا تو کچھ شرائط بھی رکھی گئی تھیں، ان میں سے ایک شرط یہ تھی، کہ اس مسجد کیلئے ایک متولی کے ساتھ ساتھ ۹ر افراد پر مشتمل ایک کمیٹی ہوگی کمیٹی میں دو افراد واقفین کے ورثاء میں سے چنے جائیں گے، پھر وہی دو افراد اپنی مرضی سے ۲ر دیگر افراد کو چنیں گے، پھر متولی خود ایک فرد کو چنے گا، پھر باقی چار افراد عام لوگوں میں سے چناؤ کے ذریعہ چنے جائیں گے، یہ شرط جمہوریت کے خلاف معلوم ہوتی ہے، اسلئے اکثر محلّہ والوں کا ان واقفین سے کہنا ہے کہ آپ حضرات اس شرط کو بدل کر کوئی دوسری شرط رکھیں، جو جمہوریت کے مطابق ہو اس پر وہ حضرات کچھ خاص لوگوں کے سامنے رضامند ہو گئے اور ایک کمیٹی بھی ہاتھوں ہاتھ ان کی رضامندی سے تشکیل دی گئی جن کی شکل یہ ہے کہ ۱۳ر افراد پر مشتمل کمیٹی ہوگی جن میں واقفین کے ورثاء میں سے ۳ر افراد اور باقی افراد چناؤ کے ذریعہ یا قرعہ کے ذریعہ چنے جائیں گے، لیکن کچھ روز بعد جب دلیل ہوتی ہے، تو واقفین حضرات کہتے ہیں، کہ ہم اس شرط کو نافذ کر تو دیتے مگر شریعت اس تبدیلی کی اجازت نہیں دیتی کیا اقرار کے بعد پھر ان کا یہ کہنا صحیح ہے، کیا شریعت میں واقعی اس تبدیلی کی کوئی اجازت نہیں ہے؟ اگر نہیں ہے تو حوالہ سے لکھیں؟ اور ہے تب بھی حوالہ

سے ثابت کریں کیا غلط شرط کی تبدیلی نہیں کی جاسکتی؟

المستفتي: شریف الاسلام، ۲۴ ر پر گنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدگاہ کے لئے وقف کی گئی زمین کو اگر واقفین ضرورت کی بنا پر مسجد میں تبدیل کردیں تو یہ تبدیل کرنا جائز ہے، اور واقفین کو کمیٹی کیلئے افراد منتخب کرنے کا پورا پورا اختیار ہے، کسی کو کسی قسم کی شکایت اور اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے، البتہ واقفین کو اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ کمیٹی کے افراد منتخب کرتے وقت ایسے لوگوں کا انتخاب کریں جن سے آگے چل کر مسجد کیلئے دینی یا دنیوی کسی قسم کی شکایت کا خطرہ نہ ہو۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنىٰ قوم عليها مسجدا لم أر بذلک بأساً وقوله فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلىٰ المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، داراحياء التراث العربى ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، تحت رقم الحديث/ ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد اشرفيه ٢/ ١١٨)

أما الواقف فله عزل الناظر مطلقاً به يفتى. (شامى، الوقف، مطلب في عزل الناظر، زكريا ٦/ ٥٨٠، ٦/ ٦٤١، كراچى ٤/ ٣٨٢، ٤/ ٤٢٧)

إن الولاية للواقف ثابتة مدة حياته، وإن لم يشترطها وأن له عزل المتولى. (شامى، زكريا ٦/ ٦٣٣، كراچى ٤/ ٤٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۵۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۱۲ھ

قدیم مسجد کوتوڑ کر عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر پرانی مسجد کوتوڑ کر وہاں پر عیدگاہ بنانا چاہیں تو کیسا ہے؟ حوالہ کیساتھ جواب دینے کی زحمت گوارہ کریں، تاکہ ہمارے درمیان اختلاف ختم ہوجائے، اور اللہ تعالیٰ آپ کو ثواب دارین سے سرفراز فرمائے، کرم ہوگا؟

المستفتي: ربیع الحق، مرشدآبادی، صوبہ مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس جگہ ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے، قیامت تک کیلئے اس کا مسجد ہی رہنا لازم اور ضروری ہے، ہاں البتہ جمعہ ہونا ضروری نہیں ہے، پانچوں وقت کی نماز ہوجانا کافی ہے۔

إن المسجد إذا خرب يبقى مسجداً أبداً. (شامی، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجدأو غيره، زكريا ٦/٥٤٩، كراچي ٤/٣٥٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، مصری قديم ١/٧٤٨، الموسوعة الفقهية الكويتية٣٧/٢٢٥، الفقه الإسلامی، و أدلته دارالفكر ١٠/٧٦٧٢، هدىٰ انٹر نيشنل ديو بند٨/٢١٧)

لأنه مسجد إلىٰ عنان السماء وكذا إلىٰ تحت الثرىٰ كما في البيرى عن الاسبيجابى. (شامی، الصلاة، مطلب فی أحكام المسجد، زكريا ٢/٤٢٨، كراچي ١/٦٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۴۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۱۰ھ

آبادی میں واقع عیدگاہ کو مدرسہ بنانا

سوال: [۸۳۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید

نے کچھ آراضی عیدگاہ کے نام وقف کی وقف کرتے وقت وہ آراضی آبادی سے باہر تھی، لیکن آہستہ آہستہ آبادی بڑھتی گئی یہاں تک کہ وہ عیدگاہ آبادی کے اندر ہوگئی، اوراس میں مکتب کی شکل میں بچوں کی دینی تعلیم بھی ہونے لگی اب لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس عیدگاہ میں مستقل مدرسہ قائم کردیا جائے، اور عیدگاہ کیلئے آبادی سے باہر دوسری زمین خریدلی جائے، اور یہ خریداری مخصوص لوگوں کے عطیہ سے ہوگی، تو ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل بیان فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: بشیر احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب عیدگاہ آبادی کے اندر آ گئی ہے تو اس کو مدرسہ بنا کر وہاں تعلیم جاری کرنا اوراس کی جگہ آبادی سے باہر زمین خرید کر عیدگاہ بنانا جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۳۵)

عن أبی سعید الخدری قال کان النبی ﷺ یخرج یوم الفطر والأضحی إلی المصلی . (صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب الخروج إلیٰ المصلی، بغیر عذر، النسخة الهندیة ۱/۱۳۱، رقم: ۹۴۶، ف: ۹۵۶)

والثاني: أن لایشرطه سواء شرط عدمه أو سکت ؛ لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة ، بأن لا یحصل منه شیئی أصلاً ،أو لا یفي بمؤنته فهو أیضاً جائزعلی الأصح. (الدر مع الرد، الوقف ، مطلب في استبدال الوقف وشروطه ، زکریا ۶/۵۸۳، کراچی ۴/۳۸۴، الأشباه والنظائر، کراچی ۱/۳۰۵، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۴۴/۱۹۶، الفقه الإسلامی وأدلته ، دارالفکر ۱۰/۷۶۷۵، هدیٰ انٹر نیشنل دیو بند ۸/۲۱۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۳ھ

عیدگاہ کو مدرسہ بنا کر دوسری عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے کچھ آبادی عیدگاہ کیلئے وقف کی وقف کرتے وقت وہ آراضی آبادی سے باہر تھی، لیکن آہستہ آہستہ آبادی بڑھتی گئی یہاں تک وہ عیدگاہ آبادی کے اندر ہوگئی، اس میں مکتب کی شکل میں بچوں کی دینی تعلیم بھی ہونے لگی، اب لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس عیدگاہ میں مدرسہ قائم کر دیا جائے اور عیدگاہ کیلئے آبادی سے باہر دوسری زمین خریدی جائے، اور وہ خریداری مخصوص لوگوں کے عطیہ سے ہوگی، ایسا کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: بشیر احمد قاسمی، مدرسہ بشیریہ سکر ہٹہ خورد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدگاہ کی کمیٹی اور ذمہ داروں کی اجازت سے جو عیدگاہ آبادی میں آگئی ہے اس میں دینی مدرسہ بنانا اور اس کے عوض میں آبادی سے باہر دوسری عیدگاہ بنانا شرعاً جائز ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۱۵۴، ڈابھیل ۱۵/۳۳۵)

عن علي – رضی الله عنه – قال: الخروج إلیٰ الجبان فی العیدین من السنة . (المعجم الأوسط ، دارالفکر ۳/۱۱۶، رقم: ۴۰۴۰)

والثاني: أن لایشرطه سواء شرط عدمه أو سکت ؛ لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة ، بأن لا یحصل منه شیئی أصلاً ،أو لا یفي بمؤنته فهو أیضاً جائز علی الأصح. (شامي، الوقف ، مطلب في استبدال الوقف و شروطه ، زکریا ۶/۵۸۳، ۵۸۴، کراچی ۴/۳۸۴، الأشباه والنظائر، کراچی ۱/۳۰۵ ، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۴۴/۱۹۶، الفقه الإسلامي و أدلته ، هدیٰ انٹر نیشنل دیو بند ۸/۲۱۹، دارالفکر ۱۰/۷۶۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۵/۱ھ

عیدگاہ کو مسجد میں تبدیل کر کے شہر کے باہر عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۴۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج سے تقریباً ۴۵ر سال پہلے ہمارے علاقہ میں ایک عیدگاہ بنانے کیلئے قرب وجوار کے تمام مسلمانوں نے مشورہ کیا چنانچہ جگہ کا انتخاب ہمارے گاؤں کے اندر ایک چوراہے کے پاس لب سڑک لکھنؤ اور سلطانپور روڈ پر کیا گیا، لیکن اسی وقت میرے گاؤں سے متصل ایک دوسرے گاؤں والوں نے دوسری عیدگاہ بنانا شروع کردی، دونوں کے درمیان فاصلہ ۱۰۰ر ۱۵۰ر میٹر ہی کا ہے، ادھر عام حضرات کی رائے سے یہ عیدگاہ بھی تعمیر کی گئی، اب ادھر کچھ سالوں سے اس چوراہے پر دوکانیں بن گئی ہیں اوراس کے آس پاس کچھ مکانات بھی بن گئے ہیں، اور صبح وشام مسلمانوں کی خاصی تعداد یہاں رہتی ہے، اس وجہ سے یہاں ایک مسجد کی ضرورت ہے، اس بارے میں اس چوراہے کے پاس تمام گاؤں والوں کی مرضی ہے کہ میرے گاؤں کی سرحد میں پائی جانے والی عیدگاہ جو تمام قرب وجوار کے مسلمانوں کی رائے سے عیدگاہ بنی تھی، اسے جامع مسجد بنا دیا جائے لیکن ہمارے گاؤں والوں کا کہنا ہے کہ ہم تم کو اسی سڑک کے آس پاس دوسری زمین مسجد کیلئے دے سکتے ہیں، پر اپنے آباء واجداد کی بنائی ہوئی عمارت اور عیدگاہ میں مسجد نہیں بنانے دیں گے، ادھر اس چوراہے اور بازار والے ہماری عیدگاہ میں ٹین شیٹ لگا کر پانچوں وقت کی نماز اور جمعہ ادا کر رہے ہیں، نیز یہ واضح رہے کہ عیدگاہ کی زمین میرے گرام سبھا کی ہے، جسے میرے دادا مرحوم سابق پردھان نے عیدگاہ کے لئے وقف کیا تھا، لیکن وقف بورڈ میں اس کا اندراج نہیں ہوا ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس عیدگاہ کو جامع مسجد بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ میرے گاؤں والوں کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں؟ (زمین میرے ہی گاؤں کی ہے) رضامندی میں گاؤں کی اکثریت کا اعتبار ہوگا یا ایک ایک فرد کی رضامندی ضروری ہے، نیز اس وقت اس میں جو نماز پڑھی جارہی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ جبکہ گاؤں کے بعض حضرات

ناپسند کرتے ہیں، اگر میرے گاؤں کا کوئی فرد اس میں نماز پڑھنے سے منع کرے تو اس کا یہ فعل کیسا ہے؟

المستفتي: مقبول احمد، منڈوی، شاہ پور، ضلع: سلطان پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدگاہ کو مسجد بنانے کیلئے وہاں کے ذمہ داران اور عیدگاہ کے متولی یا کمیٹی کی مرضی لازم ہے، نیز جب عیدگاہ آبادی کے اندر آجائے تو اسکو مسجد میں منتقل کرکے آبادی سے باہر عیدگاہ بنانا بہتر ہے، مگر یہ کام ذمہ داروں کی رضامندی سے کرنا لازم ہے۔

عن علي رضي الله عنه قال: من السنة الصلاة في الجبان. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٤/٩٦، رقم: ٥٣٣١، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت٢/٢٠٩)

والثاني: أن لايشرطه سواء شرط عدمه أو سكت؛ لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية، بأن لا يحصل منه شيئ أصلاً، أو لا يفي بمؤنته فهو أيضاً جائز على الأصح. إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه، كراچی ٤/٣٨٤، زكريا ٦/٥٨٣،٥٨٤، الأشباه والنظائر، كراچی ١/٣٠٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٩٦، الفقه الإسلامي وأدلته، هدىٰ انٹر نيشنل ديوبند٨/٢١٩، دار الفكر ١٠/٧٦٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۱۳۹/۳۴)

گرام پنچایت کی زمین میں عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گرام سبھا میں تین گاؤں شامل ہیں جس میں ایک جگہ خالی پڑی ہے اور وہاں پر میلہ لگتا ہے، اور اس کے متصل دوسرے گاؤں کے لوگ اور اس گاؤں کے لوگ تعزیہ دفن کرتے ہیں، حالانکہ دوسرے گاؤں کے لوگ اعتراض کرتے ہیں اور وہ جگہ گرام پنچایت کی ہے، اور نہ تو اس کی خریداری عیدگاہ کے نام سے ہوئی ہے، اور نہ ہی اس کی کوئی رسید عیدگاہ کے نام کسی پردھان نے ابھی تک کاٹی ہے، موجودہ پردھان نے بغیر کسی لکھا پڑھی کے عیدگاہ بنانے کی اجازت دیدی ہے، اور اعتراض کردہ اس گرام سبھا میں شامل نہیں ہیں، تو ایسی صورت حال میں وہاں عیدگاہ کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ اگر سنگ بنیاد رکھدیا گیا ہے، تو وہاں نماز عید پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: ظہیر احمد، دھراوان، دوھرارہ، ضلع کھیر لکھیم پور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: سوالنامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ زمین نہ گرام سبھا کی ہے اور نہ ہی کسی مخصوص شخص کی ملکیت ہے بلکہ گرام پنچایت کی زمین ہے، تو ایسی صورت میں اگر پردھان نے گرام پنچایت کی اجازت سے عیدگاہ کیلئے متعین کردی ہے، یا خود پردھان گرام پنچایت کا ذمہ دار ہے، اور اس نے عیدگاہ بنانے کی اجازت دیدی ہے تو شرعی طور پر اس کو عیدگاہ کے لئے متعین کرنا اور اس کو عیدگاہ بنانا درست ہوجائے گا، بہتر یہ ہے کہ اس کے لئے کاغذات میں لکھا پڑھی کردی جائے، تاکہ آئندہ کسی اختلاف اور جھگڑے کا شکار نہ بن سکے، اور اگر وہ زمین کسی افسر سے متعلق ہے تو اس سے تحریری اجازت لینی چاہئے تاکہ بعد میں اختلاف کا سبب نہ بن سکے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۴۴، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۳۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۸۱/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۵ھ

سرکاری اسکول کو عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اسکول جو سرکاری ملکیت میں ہے، لوگوں نے اجازت دی کہ اس کو عیدگاہ بنالیا جائے، لیکن سرکار نے اجازت نہیں دی ہے، اب اسکول کے صحن کو عیدگاہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد ابوسعید مالاہی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سرکار اور میونسپلٹی کی اجازت کے بغیر محض عوام کی اجازت سے اسکول کی زمین اور اس کے صحن کو عیدگاہ بنالینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۴۴، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۳۲۵)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلاسبب شرعي، لايجوز لأحد أن يتصرف في ملک الغير بغيرإذنه. (قواعد الفقه، اشرفی / ١١٠، رقم: ٢٦٩، ٢٧٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹۵۰/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۲۷ھ

عیدگاہ میں شادی ہال یا اسکول بنانا

سوال: [۸۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے شہر میں عیدگاہ کی حفاظت کے پیش نظر چہار دیواری کردی گئی تھی، لیکن اب عیدگاہ کے کچھ حصہ میں ٹین شیٹ ڈال کر شادی ہال بنا کر باراتوں کو ٹھہرایا جاتا ہے، اور باراتوں کے کھانے وغیرہ تیار کرنے کیلئے باورچی خانہ بھی تیار کردیا گیا ہے، نیز عیدگاہ میں جہاں نماز ہوتی تھی اسی حصہ میں بیت الخلاء پیشاب خانہ وغیرہ بھی بنادیا گیا ہے، اورشادی بیاہ وغیرہ کے موقعہ پر فوٹوگرافی بے پردہ عورتوں کی آمدورفت نیز ناچ گانا وشراب نوشی بھی ہوتی ہے، نیز مستقبل میں عیدگاہ کو پاٹ کر لڑکیوں کا انگلش میڈیم اسکول قائم کیا جارہا ہے، اوران تمام چیزوں پر زکوٰۃ وصدقات وچرم قربانی کی رقوم بھی خرچ کی جاتی ہیں۔

اب جواب طلب امر یہ ہے کہ عیدگاہ کو قیام بارات کیلئے استعمال کرنا طلباء وطالبات کیلئے اسکول یا ہوسٹل قائم کرنا، نیز ان چیزوں پر چرم قربانی زکوٰۃ وصدقات کی رقوم کو خرچ کرنا شرعاً جائز ہے یانہیں؟ اور جولوگ ان امور کیلئے اپنی رقوم دیتے ہیں، کیا ان کے صدقات وزکوٰۃ ادا ہوجاتے ہیں، یانہیں؟ ایسے شخص کو متولی باقی رکھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسے شخص کو تولیت سے علیٰحدہ کر کے عوام کو دوسرے متولی کا انتخاب کرنا شرعاً لازم ہے یانہیں؟

سوال کے ہر جز کا جواب مفصل ومدلل تحریر فرمائیں،نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد حنیف قریشی، اسماعیل نگر، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: موقوفہ عیدگاہ بہت سے امور میں مسجد کا حکم رکھتی ہے، اسلئے وہاں پر شادی ہال بنانا اور باراتوں کے کھانے کیلئے باورچی خانہ بنانا اور بیت الخلاء پیشاب خانہ وغیرہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، نیز وہاں پر ایسی بارات کا ٹھہرانا جس میں ناچ گانا شراب نوشی وغیرہ حرام امور کا ارتکاب ہوتا ہو، ناجائز وحرام اور گناہ کبیرہ ہے، اور

اس سے بڑھ کر اسمیں انگلش میڈیم اسکول قائم کرنا موقوفہ عیدگاہ پر ناجائز قبضہ ہے، وہاں کے تمام مسلمانوں پر لازم ہے، کہ جو متولی یا ذمہ دار یہ حرکتیں کررہا ہے، اس کو فوری طور پر برطرف کرکے دوسرا دیانتدار حلال وحرام اور جائز وناجائز امور سے واقف کار اور خدا کا خوف رکھنے والے شخص کو عیدگاہ کا متولی یا ذمہ دار بنائیں، نیز وہاں جب اسکول ہی قائم کرنا جائز نہیں ہے، تو زکوٰۃ وصدقات واجبہ کا مصرف کہاں سے ہوگا۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ کراچی ۱/ ۵۸۰، امداد المفتیین کراچی/ ۸۱۵)

وقال بعضهم له حكم المسجد حال أداء الصلوٰة لاغير وهو والجبانة سواء ويجنب هذا المكان كما يجنب المسجد احتياطاً .

(البحرالرائق، الوقف ، فصل فی أحكام المسجد ، زكريا ٥/ ٤١٧، كوئٹه ٥/ ٢٤٨، حاشية چلپی ، مكتبه امداديه ملتان ١/ ١٦٨، زكريا ١/ ٤٢٠، الدر مع الرد، كراچی ٤/ ٣٥٦، زكريا٦/ ٥٤٥)

لم يخرجه القاضی من الولاية إلابخيانة ظاهر ة الخ. (هنديه ، الوقف، الباب الخامس ، زكرياجديد٢/ ٣٩٠ ، قديم ٢/ ٤٢٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/ ١٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شوال المکرّم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱۰/ ۱۴۱۹ھ

مسجد اور عیدگاہ کی آمدنی مخلوط کرکے رکھنا

سوال: [۸۳۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد و عیدگاہ کی آمد وخرچہ ایک جگہ رہتا تھا، کیونکہ گاؤں میں ایک ہی مسجد ہے، اور ایک ہی عیدگاہ یہ اشتراک جائز ہے یا ناجائز؟ جبکہ خرچ میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، مسجد کا خرچ زیادہ ہے اور عیدگاہ کا کم لہٰذا جواب دیکر ممنون فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرشید، امام مسجد مانپونگر، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح اشتراک جائز نہیں ہے، بلکہ دونوں کی آمدنی الگ الگ رکھنا لازم ہے، ایک کی آمدنی دوسرے پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۹۶، مجموعۃ الفتاویٰ ۲/ ۱۴۶)

ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاشتغال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوىٰ الخ.

(شامي، الوقف، مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه ، زكريا ٦/ ٥٥١، كراچی ٤/ ٣٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵؍ ۱۷۱۷)

عیدگاہ کو شادی بیاہ کیلئے دینا

سوال: [۸۳۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) شہر میرٹھ کی عیدگاہ کو شادی بیاہ کیلئے دینا جائز ہے یا نہیں؟ بالخصوص جبکہ شادیوں میں عموماً کھلم کھلا شراب کا استعمال ہو جاتا ہو؟

(۲) موجودہ دور میں عام طور پر شادیوں کی تقریبات میں مرد وعورتیں ایک ساتھ شرکت کرتے ہیں، شرعی طور پر پردہ کا لحاظ ایسی تقریبات ختم کر دیتی ہیں، جس سے نوجوان لڑکے ولڑکیاں عیدگاہ کے مقام کا خیال نہیں کرتے ، معاشرہ میں اس عمل سے نقصان ہو رہا ہے، گویا عیدگاہ کی حرمت پامال ہو رہی ہے؟

(۳) عیدگاہ کا کوئی ذمہ دار شخص کیا اپنی ذمہ داری سے بچ سکتا ہے، جبکہ وہاں شراب نوشی ہو؟

(۴) کیا اس غیر ذمہ دار شخص کو یہ اختیار حاصل ہے، کہ وہ چشم پوشی سے کام لے از راہ کرم مدلل ومفصل جواب تحریری کتاب وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں تاکہ قوم کو آنے والے فتنوں سے محفوظ رکھنے میں آپ کا جواب معاون ومددگار ہو سکے؟

المستفتي: وصی الدین، ومسلمانان شہر میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱-۲) عیدگاہ من وجہ مسجد ہے، اس لحاظ سے اس کا احترام لازم ہے، لہٰذا وہاں پر ایسی شادی کے لوگوں کو ٹھہرانا سخت ترین گناہ ہے، جو شراب نوشی کرتے ہیں، نیز سوالنامہ میں جتنی خرافات کا ذکر ہے، ان میں سے کسی بھی امر کا ارتکاب عیدگاہ میں جائز نہیں ہے۔

(۳-۴) عیدگاہ کے ذمہ داروں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کو وہاں جانے نہ دیں، ورنہ گناہ میں خود بھی شامل ہوں گے، غیر ذمہ دار لوگ اگر منع کرنے پر قادر ہیں، تو ان کو بھی ممانعت کرنے میں حصہ لینا چاہئے۔

أما مصلى العيد لايكون مسجداً مطلقاً وإنما يعطى له حكم المسجد في صحة مصلى العيد بالإمام وقال بعضهم (إلىٰ قوله) ويجنب هذا المكان عما يجنب عنه المساجد احتياطاً الخ. (شامی، الوقف، قبيل في احكام المسجد، زكريا ٦/ ٥٤٥، كراچي ٤/ ٣٥٦، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٤٨، زكريا ٥/ ٤١٧، حاشية چلپي امداديه ملتان ١/ ١٦٨، زكريا ١/ ٤٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۸ر محرم ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۶۰۳/۳۳)	۱۴۱۹/۱/۲۸ھ

عیدگاہ کو بازار لگانے کیلئے کرایہ پر دینا

سوال: [۸۳۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چوکھا کے پل پر جومنگل کا بازار لگتا تھا، کسی بنا پر اب وہ وہاں سے ختم ہوگیا ہے، اب اگر اس کوعیدگاہ کے میدان میں لگایا جائے، اور اس کی آمدنی عیدگاہ کے فرش یا اس چہار دیواری میں لگائی جائے تو کیسا ہے؟ اگر اس جگہ جائز نہیں تو رانڈا اور بیواوؤں پر صرف کیا جائے، تاکہ اس پیسہ سے وہ اپنی ضروریات پوری کرسکیں، لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: حافظ شبیر احمد، رحمت نگر، گلی نمبر۲، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدگاہ بہت سے احکام میں باتفاق علماء مسجد کا حکم رکھتی ہے، نیز نفس عبادت گاہ ہونے کی حیثیت سے بھی عیدگاہ انتہائی حرمت وعظمت کی حامل ہے، جس طرح موقوفہ عیدگاہ میں کھیل تماشہ، کشتی وغیرہ کرنا اسی طرح اس کو گانا باجے کی جگہ بنا لینا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے، اسی طرح عیدگاہ کو بازار کی جگہ بنالینا جہاں پر نہ جانے کتنے امور خلاف شرع انجام پائیں جس سے عیدگاہ کی حرمت وعظمت پامال ہوتی رہے، قطعاً جائز نہیں، جبکہ حدیث شریف میں آقاء نامدار علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ سب سے اچھی جگہ مساجد ہیں، اور سب سے بری جگہ بازار ہیں، چونکہ عیدگاہ بھی بہت سے امور میں مسجد کا حکم رکھتی ہے، اسلئے بازار جیسی بری جگہ کیلئے عیدگاہ کو استعمال کیلئے کرایہ پر دینا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۲۸، فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۲۱۵، کفایت المفتی ۳/ ۱۴۲، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۴۵۰، امداد المفتیین / ۸۱۵، مسائل عیدین/ ۲۷، ۷۷، مسائل مسجد/ ۲۶۰)

ويجنب هذا المكان كما يجنب المسجد احتياطاً. (البحرالرائق، الوقف، فصل في احكام المسجد، كوئٹه ٥/ ٢٤٨، زكريا ٥/ ٤١٧، الدر مع الرد، زكريا ٦/ ٥٤٥، كراچی ٤/ ٣٥٦، حاشية چلپی امدايه ملتان ١/ ١٦٨، زكريا ١/ ٤٢٠)

عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ لجبريل: .... خير

البقاع المساجد ، بيوت الله فى الأرض ......شر البقاع الأسواق. (المعجم الأوسط ، دارالفكر ٥/٢٢٣، رقم: ٧١٤٠، مجمع الزوائد ، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٧٩)

عن أبى هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أحب البلاد إلىٰ الله تعالىٰ مساجدها وأبغض البلاد إلىٰ الله تعالىٰ أسواقها. (مسلم شريف، باب آحب البلاد إلىٰ الله تعالىٰ مساجد ها ، النسخة الهندية ١/٢٣٦، بيت الأفكار رقم: ٦٧١، صحيح ابن خزيمه المكتب الإسلامي ١/٦٣٧، رقم: ١٢٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵؍۷۲۴۴)

وقف کی زمین میں میلہ لگانا اور اس کے کرایہ کا حکم

سوال: [۸۳۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے قصبہ میں عیدگاہ اور قبرستان وقف علی الخیر ہیں، عیدگاہ سے متصل ہی قبرستان ہے، ہمارے یہاں عیدگاہ کا متولی قبرستان وعیدگاہ دونوں کا انتظام کرتا ہے، اور آمد وخرچ کا حساب بھی ان ہی کے پاس ہے، عیدگاہ متولی کے زیر انتظام ایک میدان ہے، میدان وقف علی الخیر ہے، جس میں ہر سال عید الفطر کے موقع پر ایک ہفتہ کیلئے ایک میلہ لگایا جاتا ہے، اس میلہ کا انتظام عیدگاہ متولی کی طرف سے کیا جاتا ہے، عیدگاہ متولی اس میلہ کا ٹھیکہ نیلام کرتا ہے، متولی اس میلے کے ٹھیکے سے ہونے والی آمدنی کے کچھ حصہ کو عیدگاہ وقبرستان پر خرچ کرتا ہے، اس میلے میں ہوٹل اور ریسٹورینٹس کے علاوہ فسق وفجور کے تمام پروگرام ہوتے ہیں، ناچنے گانے اور سرکس وغیرہ کے پروگرام بھی ہوتے ہیں، ناچنے گانے کی پارٹیاں ہوتی ہیں، سرکس اور دوسرے تفریحی پروگراموں میں نیم برہنہ خواتین بھی ناچتی ہیں، دوسرے کرتبوں میں جسم کی نمائش کرتی ہیں، اس میلہ میں خواتین مردوں کا اختلاط ہوتا ہے، خواتین بالخصوص جوان لڑکیاں مردوں کی بھیڑ میں میلہ میں شریک ہوتی

ہیں، اس میلہ کی نیلامی سے حاصل ہونے والی آمدنی کو عیدگاہ متولی عیدگاہ وقبرستان کے انتظام پر خرچ کرتا ہے، عید کی نماز کے موقع پر عیدگاہ میں نماز وخطبہ کے لئے لاؤڈ اسپیکر وغیرہ بھی اس پیسہ سے لگائے جاتے ہیں، عیدگاہ وقبرستان میں پودوں کیلئے پانی صفائی کیلئے مالی وچوکی دار کی تنخواہ بھی اسی میلہ کی آمدنی سے ادا کی جاتی ہے، حالات مذکورہ میں مسئلہ استفتاء ہے، کہ کیا میلہ کی آمدنی مذکورہ حالات میں جائز ہے یا ناجائز؟ میلہ کی آمدنی کو کیا عیدگاہ اور قبرستان میں مذکورہ کوائف میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟ اس طرح کی آمدنی اگر عیدگاہ کی نماز پر خرچ کی جائے، تو اس نماز کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وقف الی اللہ کے قطعہ آراضی پر ایسے میلے ٹھیلے لگائے جاسکتے ہیں، جس میں فسق وفجور کو بڑھاوا ملتا ہے، متولی کو جب اس بارے میں متوجہ کیا جاتا ہے، تو متولی صاحب کہتے ہیں، ہم خاندانی طور پر متولی چلے آرہے ہیں، میں مالک ہوں جو چاہے کروں؟ جب کہ وقف قانون کے تحت متولی مالک نہیں ہوتا ہے، اور متولی صرف تین سال کیلئے مقرر ہوتا ہے، متولی صاحب اس وقف کو اپنی ذاتی جائداد سمجھتے ہیں، اگر کوئی متولی وقف کے املاک میں میلہ لگاکر اس طرح کے فسق وفجور کو بڑھاوا دیتا ہے، تو اس کے بارے میں کیا شرعی احکامات ہیں، براہ کرم شریعت کی روشنی میں استفتاء مرحمت فرمائیں؟

المستفتي: شہاب الدین غوری،
محلّہ منہاران، ٹانڈہ، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی بھی وقف کا متولی وقف جائداد کا مالک نہیں ہوتا ہے، وہ صرف منتظم اور نگراں ہوتا ہے، اور اس کے اوپر لازم ہوتا ہے، کہ وقف جائداد کا انتظام شریعت کے دائرہ میں رہ کر کے کرتا رہے، اور اس بات کا خیال رکھے کہ وقف جائداد کے انتظام میں خلاف شریعت کوئی عمل کر کے اپنی آخرت برباد نہ کرے، سوالنامہ میں جس میدان کا ذکر کیا گیا ہے، وہ میدان نہ قبرستان کا جز ہے، اور نہ ہی

عیدگاہ کا جز ہے، بلکہ دونوں سے الگ تھلگ ایک تیسرا میدان ہے منتظم کیلئے اسکوٹھیکہ اورکرایہ پر دینا جائز اور درست ہے، لیکن منکرات کے عمل اس میدان پر کرنے کی نیت سے دینے میں تعاون علی المعصیت کی وجہ سے متولی گنہگار ہوگا، مگراس میدان کا جوکرایہ آتا ہے، وہ میدان اورجائداد کا کرایہ ہوتا ہے، معصیت کے عمل کا کرایہ نہیں ہے، پس یہ میدان کے کرایہ کا پیسہ فی نفسہ جائز اور حلال ہے، اور معصیت ومنکرات کا عمل فاعل مختار کا عمل ہے، جس کا گناہ فاعل مختار پر ہی ہوگا، اوراس گناہ کا وبال اس متولی صاحب کے سر بھی ہوگا، جس نے اس میدان پر منکرات کی کھلی عام اجازت دے رکھی ہے، لہٰذا متولی صاحب کوخود اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیئے۔

وجاز اجارة بيت بسواد الكوفة ...... ليتخذ بيت نارٍ أو كنيسةً أو بيعةً أو يباع فيه الخمر . (تحتهٔ فی الشامية) هذا عنده أيضاً لأن الإجارة على منفعة البيت ولهٰذا يجب الأجر بمجرد التسليم ولا معصية فيه وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو مختار فينقطع نسبته عنه . (شامی، کتاب الحظروالإباحة ، باب الأستبراء وغيره ، فصل فی البيع، زكريا ۵۶۲/۹، کراچی ۳۹۲/۶)

ولا بأس بأن يؤاجر المسلم داراً من الذمي ليسكنها فإن شرب فيها الخمر أوعبد فيها الصليب أوأدخل فيها الخنازير لم يلحق المسلم إثم في شيئى من ذلک لأنه لم يؤاجرها لذلک ، والمعصية في فعل المستاجر وفعله دون قصد ربّ الدار فلا إثم على ربّ الدار فی ذلک . (المبسوط لسرخسی، دارالكتب العلمية بيروت ۳۹/۱۶)

إذا استأجر الذمي من المسلم داراً يسكنها فلا بأس بذلک وإن شرب فيها الخمر أو عبد فيها الصليب أوأدخل فيها الخنازير ولم يلحق المسلم في ذلک بأس ؛ لأن المسلم لايؤاجرها لذلک إنما آجرها

للسکنیٰ کذا فی المحیط...... ذمي استأجر داراً من مسلم فاتخذها مصلیً لنفسه لم یمنع لأنه لیس في اتخاذه مصلیً لنفسه إحداث بیعة ولا إظهار شیئی من شعائر دینهم فی أمصار المسلمین ......و إذا استأجر الذمي من المسلم بیتاً لیبیع فیه الخمر جاز عند أبي حنیفةؒ . (عالمگیری ، کتاب الإجارة ، الباب السادس عشر في مسائل الشیوع فی الإجارة، زکریا قدیم ٤/ ٤٤٩، ٤٥٠ ،جدید ٤ /٤٨٦)

وَلاتَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (مائده: ٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۱۲۴۸)

شراب کی مشین بنانے والے کی اجرت کوعیدگاہ میں استعمال کرنا

سوال: [۸۳۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر میرٹھ کی عیدگاہ اور حاجی صاحب کے قبرستان پر دو پھاٹک لگے ہوئے ہیں، انکا مکمل خرچ ایک ایسے شخص نے اٹھایا ہے جوکہ شراب کی مشین بناتا ہے،اس نے دونوں گیٹ اپنی جانب سے بنوا کرلگوائے ہیں ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا فیصلہ ہے،اس کے یہ گیٹ لگوانے جائز تھے؟ مفصل بیان فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: وصی الدین، ومسلمانان شہر میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نفس مشین بنانا اوراس کوفروخت کرکےاس کی آمدنی کا استعمال کرنا حلال ہے،اسلئے مذکورہ پھاٹک کی تعمیر جائز رقم سے ہوئی ہے، اس پرکوئی اشکال نہیں ہے،اورمشین کے ذریعہ سے جوشراب بناتا ہے، وہ شراب بنانے والے کا اپنا فعل

ہے وہ مشین بنانے والے کا فعل نہیں۔

وجاز تعمير كنيسة وحمل خمر ذمي بنفسه أو دابته بأجر وتحته في الشامية ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به لأنه لا معصية في عين العمل الخ. (درمختار مع الشامی، کتاب الحظر والإباحة ،باب الإستبراء وغيره ، زكريا ٩/٥٦٢، كراچی ٦/٣٩١، وهكذا في الهندية ، زكريا قديم ٤/٤٤٩، ٤٥٠، جديد٤ /٤٨٦)

ہاں البتہ بالقصد ایسا کام نہ کرنا ہی بہتر ہے، تا کہ امام صاحب اور صاحبین سب کے قول کے مطابق کراہت سے پاک رہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رصفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۶ھ

عیدگاہ کو مزین کرنا

سوال: [۸۳۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدگاہ کی محراب اور اس کے آس پاس بہت زیادہ نقش ونگار چھوٹی بڑی برجیاں بنانا جو علامتی نشان سے بہت زیادہ ہوں کیسا ہے؟ اگر پہلے سے محراب منقش ہو تو اسکی مطابقت میں ادھر ادھر مماثلت کا وقف کی رقم سے کیا حکم ہے؟

المستفتي: حمید الرحمٰن، ساکن رسول پور، امیر نگر، ضلع: کھری لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عیدگاہ میں محراب یا سمت قبلہ کی دیواروں میں اس قدر نقش ونگار بنانا جو نمازیوں کے خشوع میں خلل ڈالے ناجائز اور مکروہ ہے، یہاں یہ بات یاد رہے، کہ مال وقف وہیں خرچ کیا جائیگا جس کے لئے واقف نے وقف کیا ہو۔ (مستفاد:

فتاویٰ محمودیہ ۶/۳۷۱، ڈابھیل ۱۵/۳۴۴، عزیز الفتاویٰ ۱/ ۵۸۷)

ولا بأس بنقشه خلا محرابه فإنه يكره لأنه يلهي المصلي ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً في جدار القبلة . (درمختار مع الشامي ، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، مطلب كلمة لابأس دليل على أن المستحب غيره، زكريا۲/ ۴۳۰، ۴۳۱، كراچي ۱/۶۵۸)

وفيه علىٰ أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة . (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين، واجبة زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچي ٤/ ٤٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/۷/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۱۰/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۲۲ھ

عیدگاہ میں کرکٹ کھیلنا

سوال: [۸۳۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا عیدگاہ کے اندر کرکٹ یا پھر اس کے علاوہ کوئی دوسرا کھیل کھیلنا درست ہے یا نہیں؟ اس کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں مطلوب ہے؟

المستفتي: سخاوت حسین، شریف نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی طرح عیدگاہ کا احترام کرنا ضروری ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی کھیل کھیلنا جائز نہیں اور اس کو بے حرمتی سے بچانا بھی ضروری ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۲۸)

قال في الشامية: عبارة النهاية: والمختار للفتوىٰ أنه مسجد في حق جواز الاقتداء الخ لكن قال في البحر ظاهره أنه يجوز الوطء

والبول و التخلی فیه ولا یخفی ما فیه فإن البانی لم یعدهٗ لذلک فینبغی أن لایجوز ، وإن حکمنا بکونه غیر مسجد وإنما تظهر فائدته فی حق بقیة الأحکام وحل دخوله للجنب الحائض . (الدرمع الرد، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ، ومايكره فيها ، مطلب في احكام المسجد ، زكريا ٢/ ٤٣٠، كراچی ١/ ٦٥٧ ، مصری ١/ ١٥٨، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت١ /٢٨٨ ، البحرالرائق، زكريا ٢ / ٦٥، كوئٹه ٢/ ٣٦)

وأيضاً فی کتاب الوقف عن الخانية : ويجنب هذا المكان عما يجنب عنه المساجد إحتياطاً . (بحر،كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد ، كوئٹه ٥/ ٢٤٨، زكريا ٥/ ٤١٧، الدرمع الرد، كراچی ٤/ ٣٥٦، زكريا٦/ ٥٤٥،حاشية چلپی امداديه ملتان ١/ ١٦٨، زكريا ١/ ٤٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۲/ ۱۴۲۰ھ

۸/ باب المقبرة

کیا متفقہ قرارداد پر عمل کرنا ضروری ہے؟

سوال: [۸۳۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ہمارے یہاں نگینہ میں ایک قبرستان کی کمیٹی نے تشکیل کے بعد اپنی پہلی میٹنگ میں اتفاق رائے سے ایک قرارداد پاس کی کہ مستقبل میں قبرستان کی کمیٹی سبھی کام اتفاق رائے سے کرے گی اور اگر اتفاق رائے نہیں بن سکی تو اکثریت رائے سے قرارداد پاس کر کے کام کو تکمیل تک پہونچایا جائے گا، نیز تمام اراکین چاہے وہ صدر صاحب ہوں یا سکریٹری یا خزانچی ہو یا ممبران ہوں سب کی رائے کا برابر احترام کرتے ہوئے قرارداد اکثریت رائے یا باتفاق رائے سے پاس کی جائیگی، اور کام کو آگے بڑھایا جائے گا، اسی فارمولہ کی روشنی میں کمیٹی کئی سال سے قبرستان کا انتظام چلاتی آرہی ہے، چند یوم قبل کمیٹی کے ایک ممبر صاحب نے کسی عالم کے حوالہ سے ایک بات رکھی کہ باوجود مندرجہ بالا قرارداد پاس کرنے کے صدر محترم کو یہ اختیار رہے کہ وہ چاہیں، باقی تمام کمیٹی کا فیصلہ پلٹ سکتے ہیں، اور اکثریت رائے اور اتفاق رائے کا احترام نہ کر کے اپنی مرضی سے نئے فارمولہ کی قرارداد پاس کر سکتے ہیں، اپنی مرضی کے مطابق کیا یہ صحیح ہے، اگر یہ صحیح ہے تو پھر کمیٹی کی ضرورت ہی کیا ہے؟

(۲) چند یوم قبل اسی کمیٹی کے صدر صاحب انتقال کر گئے (اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) ان کے انتقال کے بعد جب پہلی میٹنگ ہوئی تو عام میٹنگ کی طرح ایک یا دو ممبران صاحبان نے یہ اعلان کیا کہ آج شام کو قبرستان کی کمیٹی کی میٹنگ دوکانوں کے کرائے بڑھانے کے بارے میں ہوگی، اور جب شام کو میٹنگ شروع ہوئی تو اچانک نئے صدر کے انتخاب کا کام اس طرح عمل میں آیا کہ ایک صاحب نے دوسرے

صاحب کا نام میٹنگ کی صدارت کے لئے رکھا باقی کمیٹی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا انہیں دوسرے صاحب نے میٹنگ کی صدارت سنبھالتے ہوئے ان سے پہلے صاحب کو جنھوں نے ان کا نام پیش کیا تھا، ان کو مستقبل کیلئے صدر منتخب کردیا جبکہ ان صاحب کا نام کسی بھی رکن نے پیش نہیں کیا تھا، بلکہ اس کے علاوہ تین یا چار نام کمیٹی سے ہٹ کر آئے، (برادری ہی کے لوگ) تھے، لیکن قائم مقام صدر صاحب نے ان پر غور نہ کر کے اپنی مرضی سے صدر چن کر اعلان کردیا کہ آگے کیلئے صدر یہ ہوں گے، یہاں پر یہ کہنا بھی ضروری ہوگا کہ یہ (قائم مقام صدر صاحب وہی صاحب ہیں، جنھوں نے چند یوم قبل یہ بات کمیٹی کے سامنے رکھ کر ہلچل پیدا کردی تھی، کہ صدر صاحب کو یہ اختیار ہے کہ وہ باقی کل کمیٹی کی بات کو مانے یا نہ مانے) یہ صدارت کے انتخاب کی کارروائی کے دوران ایک رکن جو کہ سکریٹری کے عہدہ پر کام کرتے چلے آرہے ہیں، انھوں نے قائم مقام صدر صاحب سے کہا کہ مستقبل کے صدر صاحب کا چناؤ آج نہ کیا جائے، بلکہ اس کیلئے کم از کم تین یوم پہلے ایجنڈا گھومنا چاہئے، اور سب کو پتہ چلنا چاہئے کہ جو میٹنگ ہونے جارہی ہے وہ کس سلسلہ میں ہے، تاکہ سبھی اراکین خوب سوچ سمجھ کر پوری تیاری سے آئیں، لیکن قائم مقام صدر صاحب نے فرمایا کہ میں تو اپنا فیصلہ کر چکا ہوں، میں پھر عرض کررہا ہوں کہ اس میٹنگ کی کارروائی کی اطلاع دن کے دن دی گئی تھی، اور پورا ایجنڈا بتایا بھی نہیں گیا تھا، اس صورت حال میں کیا میٹنگ کے قائم مقام صدر صاحب کو اپنی مرضی سے مستقبل کے صدر صاحب کو چننے کا حق حاصل ہے یا پوری کمیٹی اتفاق رائے یا اکثریت رائے سے نئے صدر کا انتخاب کرے وہ بہتر ہے؟ جو بھی حل ہو اس کو بیان فرمائیں؟

المستفتي: تنویر عالم شمسی، اکابران اسٹریٹ، قصبہ: نگینہ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب قبرستان کی کمیٹی تشکیل دیدی گئی اور سب

نے اتفاق رائے سے یہ طے کرلیا کہ کمیٹی جو کام بھی کرے گی وہ سب کے مشورہ اور اتفاق رائے یا اکثریت رائے سے کیا کرے گی اور اس کے پابند سبھی ہوں گے، خواہ صدر ہوں یا سکریٹری یا دیگر ممبران، تو اب اس قرارداد کے بعد صدر یا کسی کو حق نہیں پہونچتا کہ اس متفقہ قرارداد کے خلاف اپنی مرضی کے مطابق عمل کرے، اس لئے کہ اسلام میں شوریٰ اور مشورہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اسلام کے بنیادی اصول اور قواعد میں سے ہے، قرآن کریم کی آیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا مسلسل تعامل اس کی روشن سند ہے، نیز صدور حضرات کام کرنے میں بالکل آزاد نہیں ہیں بلکہ اہم معاملات میں ارباب حل وعقد سے مشورہ کرنے کے پابند ہیں، اس لئے اس سوال نامہ کے مطابق جب پہلے صدر کا انتقال ہوگیا، تو اب دوسرے صدر کا انتخاب بھی سب کے آپسی مشورے سے ہوگا، بغیر مشورے کے تنہا کسی آدمی کا دوسرے آدمی کو صدر منتخب کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں صرف قائم مقام صدر کے انتخاب کرنے سے اس نومنتخب صدر کو شرعاً صدر نہیں قرار دیا جائے گا۔ (مستفاد: معارف القرآن ۲/۲۲۴)

عن عبدا لرحمن بن عوف قال: حج عمر فأراد أن يخطب الناس خطبة –إلىٰ– إنه لا خلافة إلا عن مشورة. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب المغازى، ماجاء فى خلافة أبي بكر رضى الله عنه وسيرته فى الردة، مؤسسه علوم القرآن جديد ۲۰/۵۷۳، رقم ۳۸۱۹۷)

قال ابن عطية: و الشورى من قواعد الشريعة وعزائم الأحكام من لايستشير أهل العلم و الدين فعزله واجب هذا مالا خلاف فيه وقد مدح الله المؤمنين بقوله "وأمرهم شورىٰ بينهم...... وقال ابن خويز منداد: واجب على الولاة مشاورة العلماء فيما لايعلمون وفيما أشكل عليهم من أمور الدين ووجوه الجيش فيما يتعلق بالحرب ووجوه الناس فيما يتعلق بالمصالح ووجوه الكتّاب والوزراء

والعمال فيما يتعلق بمصالح البلاد وعمارتها وكان يقال ماندم من استشار وكان يقال من اعجب برأيه ضل. (تفسير قرطبي، دار الكتب العلمية ٤/١٦١، تحت رقم الآية ١٥٩، من آل عمران قديم ٤/٢٥٠)

روى ذلک عن الحسن البصرى والضحاک قالا: ماأمر الله تعالىٰ نبيه بالمشاورة لحاجة منه إلىٰ رأيهم وإنما أراد أن يعلمهم مافى المشاورة من الفضل ولتقتدى به أمته من بعده. (التفسير للقرطبى، قديم٤/٢٥٠، دارالكتب العلمية بيروت٤/١٦١، تحت رقم الآية: ١٥٩، من سورة آل عمران) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۲۸)

قبرستان کی زمین قبرستان میں اور کاشت کی زمین کاشتکار کے حوالہ کرنا

سوال: [۸۳۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالغفار ساکن موضع مونڈھا آئمہ آراضیٔ کاشت کا کچھ حصہ قبرستان میں چلا گیا ہے، اور کچھ حصۂ قبرستان میری آراضی کاشت میں آگیا ہے، اور جو حصہ قبرستان کا ہے، اس میں قبریں بھی ہیں، اور جو حصہ آراضی کا ہے اس میں قبریں نہیں ہیں، جبکہ نقشہ کی روسے قبرستان کا حصہ قبرستان میں لینا چاہتے ہیں، اور جو حصہ آراضی کا ہے اسکو آراضی میں لینا چاہتے ہیں، اور قبرستان کے حصہ میں جو قبریں ہیں ان کے توڑنے میں جھگڑے کا اندیشہ ہے، لہٰذا نقشہ کی روسے قبرستان کا حصہ آراضی میں لے لیا جائے، یا آراضی کا حصہ قبرستان کو چھوڑ دیا جائے؟

المستفتي: عبدالستار، مونڈھا آئمہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شرعی طور پر حکم یہی ہے کہ قبر سمیت جو زمین ہے وہ قبرستان کو ملنی چاہئے، اور قبر سے خالی زمین کاشت میں ہمیشہ شامل رہی ہے اس کو کاشتکار کے

حوالہ کرنا چاہئے، اور اگر سرکاری نقشہ اس کے خلاف بنا ہے، اور قبر سمیت قبرستان کی زمین کاشتکار کے حصہ میں آرہی ہے، اور کاشتکار کی زمین قبرستان کے حصہ میں جارہی ہے، تو درخواست دیکر سرکاری نقشہ میں ترمیم کرانا ضروری ہے۔

عن ابن عباس – رضی الله عنهما – قال: قال رسول الله ﷺ : لاضرر ولاضرار. (سنن ابن ماجه، الأحكام، من بنیٰ في حقه مایضر بجاره، النسخة الهندیة / ۱۵۹، دارالسلام رقم: ۲۳۴۱، المعجم الکبیر للطبرانی، داراحیاء التراث العربي ۳۰۲/۱۱، رقم: ۱۱۸۰۶، المعجم الأوسط دارالفکر ۲۹۲/۱، رقم: ۱۰۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۷۶۳)

قدیم قبرستان کے بدلہ میں دوسری جگہ قبرستان بنانا

سوال: [۸۳۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قصبہ گودی روانہ میں گورستان ہے، جسمیں گندگی کافی رہتی ہے، کیونکہ پورے قصبہ کا پانی گندگی بارش وغیرہ کے ساتھ بہہ بہہ کر گورستان سے گذرتا ہوا جاتا ہے، اور غیر مسلم اس گورستان میں کوڑا کرکٹ وغیرہ بھی ڈالتے ہیں، اور وہ قصبہ کے اندر ہو گیا ہے، بہر کیف تمام ملبہ وہیں جا کر جمع ہوتا ہے، تو وہاں کے لوگوں کا یہ مشورہ ہے، کہ اگر شریعت سے یہ بات ثابت ہو جائے، کہ اس کے بدلہ میں دوسری جگہ مل جائے، اور اس کو دوسری جگہ کے بدلہ میں دیدیا جائے، تو ٹھیک ہوگا یا نہیں؟ جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں؟

المستفتي: اکبر حسین انصاری، نیاز احمد، رئیس احمد۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب تک قبرستان مذکورہ میں دفن ممکن ہوا سوقت

تک اس کوفروخت کرکے دوسری زمین قبرستان کیلئے خریدنا جائز نہیں ہوگا، اگرضرورت محسوس ہوتو چہار دیواری کردی جائے، اوراس میں تبادلہ درست نہ ہوگا۔

عن ابن عمر ، أن عمر تصدق بمال له علىٰ عهد رسول الله ﷺ ، وكان يقال له ثمغ ، وكان نخلا ، فقال عمر يا رسول الله : إني استفدت مالا وهو عندي نفيس ، فأردت أن أتصدق به ، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: تصدق بأصله ، لايباع ، ولا يوهب ، ولا يورث. (صحيح البخاری ، الوصايا ، باب قول الله عزوجل وابتلوا اليتامىٰ حتىٰ إذا بلغوا النكاح ، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف:٢٧٦٥)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الوقفين واجبة. (شامی ،الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة زكريا٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥، كوئٹه ٣/٤٦٤)

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة وأقبروا فيها (إلىٰ قوله) وبعد مابنى لواحتاجوا إلىٰ ذلک المكان رفع البناء حتى يقبر فيه الخ. (قاضيخان ، فصل فی المقابر والرباطات ، زكريا جديد ٣/٢١٩، وعلى هامش الهندية٣/٣١٣، هنديه زكريا قديم ٢/٤٦٧، ٤٦٨، جديد ٢/٤١٦)

وإنما يثبت ولاية الاستبدال بالشرط الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية٤٤/١٩٨، مستفاد: امدادالفتاوىٰ ٢/٥٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۴/۱۱۲۶)

قبر کی مٹی لاکر دوسری جگہ قبر بنانا

سوال: [۸۳۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ڈاکٹر ستیانارائن شرما بھارت سرکار کی طرف سے بنائی گئی کمیٹی ٦٦ آف دی ایمینینٹ فریڈم فائٹرس'' کاایک ممبر ہوں، ہماری دلی خواہش ہے کہ یہاں دلی میں مہرولی میں

آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کی ایک یادگار قائم کریں اس مقصد کے تحت ہم رنگون (میانمار) سے ان کے مزار کی مٹی لاکر مہرولی میں ان کی خود کی بنائی ہوئی قبر میں جو اب تک خالی پڑی ہے، دفن کرنا چاہتے ہیں، کیا اسلامی قانون میں اسکی اجازت ہے، نیز کیا اسی قبر میں ان کی بیوی زینت صاحبہ کی قبر کی مٹی لاکر آخری شہنشاہ کی قبر میں دفنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں نوازش ہوگی

نیز ہم شکرگزار ہوں گے اگر آپ ہمیں یہ معلومات فراہم کردیں، کہ ہم رنگون میں جاکر کن لوگوں سے ملیں جو ہمیں اس تاریخی حقیقت کے بارے میں بتاسکیں، مہربانی ہوگی؟

المستفتي: ستیانارئن شرما

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اسلامی شریعت میں کسی بڑے آدمی کے مزار کی مٹی دوسری جگہ لاکر اس کی قبر بنا کر یادگار قائم کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا آخری شہنشاہ بہادر شاہ ظفر اوران کی بیوی کی قبر کی مٹی لاکر یادگار کے طور پر قبر بنانے کی اسلامی شریعت اجازت نہیں دیتی ہے، اس لئے مذہب اسلام سچائی پر قائم ہے اور فرضی اور جھوٹا نقشہ ایک دھوکہ اور فریب ہے جس کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إياكم والكذب فإن الكذب يهدى إلى الفجور ، وإن الفجور يهدى إلى النار. (ترمذی شریف ۲/ ۵ ۲)

میانمار کے بارے میں ہمیں کوئی معلومات نہیں ہے، اور کن صاحبان کے پاس بہادر شاہ ظفر کے متعلق کاغذات ہیں ہم کو یہ بھی علم نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۰۹۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶؍۱؍۱۴۳۴ھ

قبرستان کی خودرو گھاس کی قیمت سے چہار دیواری بنانا

سوال: [۸۳۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی چہار دیواری کی وجہ سے زمین پر خودرو گھاس اور کانٹے دار جھاڑیاں رونما ہونے کی وجہ سے میت دفنانے میں دشواری ہوتی ہے، یعنی چلنے پھرنے میں نیز حشرات الأرض ہونے کا احتمال ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے، کہ اس خودرو گھاس کو فروخت کرکے اس کی قیمت کو اس قبرستان کی چہار دیواری کی پتائی وقلعی کے کام میں لایا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ یا اس گھاس کو آگ لگا کر صاف کردیا جائے، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: محمد عیاض بانکوی، متعلم مدرسہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان کی گھاس اور کانٹے دار جھاڑیاں کاٹ کر فروخت کرنا، اور ان کی قیمت قبرستان کی چہار یواری اسکی مرمت اور اس کی قلعی وغیرہ میں خرچ کرنا جائز ہے۔

حطب نبت فی المقبرة ثمنه یصرف فی مصالح المقبرة . (تاتار خانیه ، الصلاة ، الفصل الثانی والثلاثون ، الجنائز ، القبر، والدفن، زکریا ۳/ ۷٦ ، برقم: ۳۷۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹ ؍۱۰۷۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷ ؍۷ ؍۱۴۳۳ھ

قبرستان میں ممبران کے نام کا پتھر لگوانا

سوال: [۸۳۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱)

قبرستان میں اراکین وممبران کے نام کا پتھر لگانا کہاں تک درست ہے؟

(۲) قبرستان کی زمین پر دیگر اشخاص کے قبضہ سے بچانے کی حالت میں جبکہ دیگر لوگ اسپر قبضہ کرکے اپنا بنانا چاہتے ہیں، ایسی صورت میں اراکین وممبران کا اس قبرستان کی چوحدی کراکے اس قبرستان میں سب ہی ممبران واراکین کے نام کا پتھر بنواکر اس قبرستان کی چوحدی میں تعمیر کرادیا گیا تاکہ دیگر اس پر قابض نہ ہوسکیں، ایسی صورت میں اوپر لکھے دونوں سوالوں کا جواب آپ ہمیں تفصیل سے لکھیں؟

المستفتي: محمد اسلم کپڑے والے، نالہ بازار،
گاندھی چوک، جلیسر سٹی (ایٹہ)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اگر قبرستان موقوفہ ہے، تو اس میں محض ناموری کیلئے ممبران قبرستان اپنے نام کے پتھر لگارہے ہیں، تو درست نہیں ہے! البتہ اگر اس کے بغیر قبرستان کی حفاظت ممکن نہیں ہے، تو درست اور جائز رہے گا۔

(۲) اگر قوم کے چندہ سے چوحدی یا تعمیر کرائی گئی ہے، اور چوحدی کے بعد دوسروں کے قبضہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے تو ممبران کے نام کا پتھر لگانا ایک قسم کی دھوکہ دہی ہے، کہ غیر کے پیسے سے بنواکر اپنی طرف منسوب کردیا ہے! حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے۔

عن أبي ذر أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: ...... ومن أدعى ماليس له فليس منا، وليتبوأ مقعده من النار. (صحيح مسلم، باب بيان حال إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، النسخة الهندية ۱/۵۷، بيت الأفكار رقم: ۶۱)

اوراگر ممبران اپنے ذاتی پیسے سے بنواکر پتھر لگارہے ہیں، تو جائز ہے، یا پتھر لگائے بغیر حفاظت ممکن نہیں ہے، تو بھی جائز ہے ورنہ نہیں!

نوٹ: آپکا سوال واضح نہیں ہے، اس لئے اگر مگر کرکے جواب لکھنا پڑا کہ قبرستان ملکیت کا ہے یا موقوفہ ہے؟ تعمیر کس چیز کی ہے؟ چوحدی کس کے پیسہ سے کی گئی ہے؟ سب

کی تفصیل لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۴۷)

خلاف شرع امور میں قبرستان کو استعمال کرنا

سوال: [۸۳۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) محلہ اصالت پورہ ملحقہ بڑی مسجد ایک قدیم قبرستان جو باڑہ کے نام سے جانا جاتا ہے، اور قریش برادری کیلئے وقف ہے، جسکا رجسٹریشن نمبر ۹۲۰ ہے، جس میں کچھ لوگ اپنی گائے بھینس اور گھوڑے وغیرہ باندھتے ہیں، جوٹی پیشاب کرتے ہیں۔

(۲) قبرستان میں گوبر کے ڈھیر لگا کر ذخیرہ کرتے اور پھر اسکو فروخت کرتے ہیں۔

(۳) غسل خانے، پاخانے اور ان کے گٹر بنوا رکھے ہیں،۔

(۴) کمرے، زینے، چبوترے، بیٹھکیں اور گیرج بنوا رکھے ہیں۔

(۵) ٹیمپو و گھوڑے گاڑی وغیرہ کھڑے کرتے ہیں۔

(۶) میلے، ٹھیلے، کرکٹ اور کبڈی وغیرہ کھیلتے ہیں۔

(۷) پختہ وچوبی دکانیں بنوا رکھیں ہیں، اور اس پر بیٹھ کر کاروبار کرتے ہیں۔

(۸) اپنے گھروں کا کوڑا کرکٹ، فضلی، وا اینٹ، پتھر اور روڑے کے انبار لگا کر قبرستان کو بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟

(۹) کمیٹی قریش برادری کے تعاون سے اسکی حفاظت کے واسطے باؤنڈری کرانا چاہتی ہے۔

(۱۰) برادری اپنے بھرپور تعاون سے جلد از جلد باؤنڈری کرانا چاہتی ہے۔

(۱۱) لیکن مذکورہ ۱ تا ۸ چند لوگ یہ حیلہ ہائے حجت باؤنڈری کرانے کی مخالفت

کررہے ہیں، انکا یہ عمل کیسا ہے؟

(۱۲) باؤنڈری کرانے والوں کا یہ پروگرام کیسا ہے؟ باؤنڈری کرانی چاہئے یانہیں؟ ازراہ کرم شرعی حکم سے مطلع فرماکرعنداللہ ماجورہوں؟

المستفتي: چودھری عتیق احمد قریشی، سکریٹری ۹۲۰رقبرستان ''باڑہ'' وجملہ برادران قریش اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: موقوفہ قبرستان قوم اور برادری کے درمیان اللہ کی امانت ہے، اس امانت میں کسی قسم کی خیانت ہوئی تو پوری برادری اس خیانت کی ذمہ دار ہوگی، سوال نامہ میں آٹھ چیزیں درج کی گئیں ہیں، گائے، بھینس، گھوڑے وغیرہ باندھتے ہیں، ان کے پیشاب پاخانہ سے قبرستان میں گندگی ہوتی ہے، قبرستان کی زمین میں گوبر کا ڈھیر لگاکراس کی فروختگی ہوتی ہے، غسل خانہ، پیشاب خانہ وغیرہ بناتے ہیں، نیز قبرستان کی زمین میں کمرے، زینے چبوترے، گیرج وغیرہ بنوائے گئے ہیں، ٹیمپو، گھوڑا گاڑی وغیرہ قبرستان میں کھڑے کئے جاتے ہیں، اور کرکٹ، کبڈی وغیرہ کھیلتے ہیں، دوکانیں، مکان وغیرہ قبرستان میں بنائے گئے اور گھروں کا کوڑا کرکٹ، فضلات، اینٹ پتھر، روڑے وغیرہ قبرستان میں ڈالکر قبرستان کو بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ تمام امور قبرستان میں جن کی تفصیل سوال نامہ میں درج ہے، ان میں سے کوئی بھی کام قبرستان کی حدود میں ناجائز اور حرام ہے، اور قبرستان کے حق میں خیانت ہے، اس لئے تمام برادری پر لازم ہے، کہ قبرستان کی باؤنڈری کراکر قبرستان کو مذکورہ تمام امور سے محفوظ کرلیں ورنہ خدا کے یہاں برادری کے تمام ذمہ داروں سے سوال ہوگا، اور جولوگ باؤنڈری کومنع کرتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں، ان کومنع نہیں کرنا چاہئے، بلکہ کمیٹی کے کے ساتھ تمام برادری کومل کر قبرستان کی باؤنڈری میں شریک ہونا چاہئے تاکہ کل قیامت کے دن اللہ کے یہاں جواب سے حفاظت ہوجائے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/۴۱۴، کفایت المفتی قدیم ۷/۱۲۵، جدید مطول

۱۰/ ۵۱۷، محمودیہ ۱۰/۳۰۳، ڈابھیل ۱۵/ ۳۷۴، رحیمیہ ۳/ ۱۷۸، جدید زکریا ۹/ ۵۲)

لأن شرط الواقف كنص الشارع . (درمختار علی شامی، زکریا ٦/ ٦٤٩، کراچی ٤/ ٤٤٣)

لأنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة . (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة زکریا ٦/ ٦٦٥، کراچی ٤/ ٤٤٥)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه اشرفی/ ٨٥، رقم: ١٥٢)

شرط الواقف كنص الشارع مالم يكن مخالفا للشرع. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/ ١٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ صفر ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۲/۱۷ھ

قبرستان کی جگہ حاصل کرنے کیلئے سڑک پر میت دفن کرنا

سوال: [۸۳۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شیر پور میں ایک علاقہ کونڈوا کے نام سے معروف ہے، یہاں مسلمانوں کی آبادی کثیر ہے، لیکن آبادی کے تناسب سے کوئی ایسا بڑا قبرستان نہیں ہے، جہاں مسلمان اپنے مردوں کی تدفین کا کام آسانی سے انجام دے سکیں، ایک انتہائی چھوٹا سا قبرستان ہے، لیکن وہ قانونی نہیں ہے، بس وہاں دفن کرتے چلے آرہے ہیں، وہ کبھی بھی ختم کیا جاسکتا ہے، جس کے نتیجے میں سخت مشکلات ودشواریاں درپیش ہیں، مسلمان اپنے مردوں کی تدفین انتہائی دور دراز کے علاقوں میں کرنے پر مجبور ہیں، قبرستان کی جگہ کے حصول کیلئے وارڈ کے غیر مسلم کارپوریٹرس بھی مسلمانوں کا بھرپور تعاون کررہے ہیں، لیکن حکومت قبرستان کیلئے جگہ دینے میں ٹال مٹول اور ظلم سے کام لے رہی ہے، اس ظلم

اور ٹال مٹول کوختم کرنے اور قبرستان کی جگہ کے حصول کے لئے ایک تدبیر اہلیان کونڈوا کے ذہن میں ہے، وہ تدبیر یہ ہے کہ مسلمان بڑی تعداد میں ایک جنازہ کولیکر کونڈوا کی شاہراہ عام پر پہونچ جائیں اور بیچ سڑک پر قبر کھود کر مردے کو قبر میں اتار دیں اور یہ کہا جائے، کہ چونکہ ہمارے پاس قبرستان کیلئے جگہ نہیں ہے، اسلئے ہم اپنے مردوں کو سڑک ہی پر دفن کریں گے، اس موقع پر پولیس اور حکومت کے افسران بھی پہونچ جائیں گے، اور حکومت مسلمانوں کیلئے قبرستان کی جگہ کی فوراً منظوری دیدے گی، اور مسلمانوں کواس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے گی کہ مسلمان اپنے مردے کوسڑک پر دفن نہ کریں ایک صورت اس معاملہ کی یہ بھی ہوسکتی ہے، کہ مسلمان سڑک پر کھودی گئی قبر میں کسی حقیقی مردے کو نہ اتاریں، بلکہ مصنوعی طور پر کسی چیز کا مردہ بنالیں اور اسے ہی قبر میں دفن کریں، اس پورے عمل میں وارڈس کے غیر مسلم کارپوریٹرس کا مسلمانوں کو پورا پورا تعاون حاصل رہے گا، اور وہ لوگ بھی اس عمل میں شریک رہیں گے، لیکن یہ حضرات اپنے طور پر کرنا نہیں چاہتے ہیں، کہ مبادا ہم مسلمانوں کے فائدہ کیلئے ایک کام کریں اور مسلمان ہی ہمیں بدنام کریں، کہ ہم نے ایک مسلم مردے کی توہین کی ہے، یہ تدبیر انتہائی مؤثر ہے، اور حکومت اسی موقع پر فوراً قبرستان کی جگہ دینے پر آمادہ ہوجائیگی تو کیا تدبیر کو اختیار کرسکتے ہیں، کیا ''الضرورات تبیح المحظورات، المشقة تجلب التیسیر'' اور ''إذا ضاق الامر تصح''، نیز ''إعلم أن الكذب قد يباح ويجب والضابط فيه كما فى تعيين المحارم وغيره وعن الأحياء ان كل مقصود محمود، يمكن التوصل إليه بالصدق والكذب جميعاً فالكذب فيه حرام، وإن امكن التوصل إليه بالكذب وحده فمباح ان ابيح تحصيل ذلك المقصود وواجب ان وجب تحصيله'' جیسی عبارتوں سے اس کا جواز نکل سکتا ہے، اس سلسلہ میں حکم شرعی کو جلد از جلد واضح فرمائیں؟

المستفتي: محمد الیاس، امتیاز احمد،

مدرسہ بیت العلوم سروے نمبر۴۲ رکونڈوا
خرد، اشوکا میوز کے پیچھے، پونہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سڑک پر مردہ کو دفن کرنا جائز نہیں ہے، شریعت میں قبروں کے اوپر سے چلنے پھرنے کی بھی ممانعت آئی ہے، اور سڑک پر دفن کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تازہ قبر کے اوپر سے مسلم وغیر مسلم ہر شخص کا مسلسل روندتے ہوئے چلنا لازم آجائے گا، جو ایک مسلمان میت کی ہتک حرمت ہے، جس کی شریعت ہرگز اجازت نہیں دیتی اور اس تدبیر کے اختیار کرنے سے یہ یقینی بھی نہیں ہے، کہ حکومت دباؤ میں آکر مسلمانوں کا مطالبہ پورا کردے اور فرضی قبر بنانے کی جو تدبیر پیش کی گئی ہے، یہ تدبیر بھی کامیابی تک پہونچ جائے ضروری نہیں ہے، اسلئے کہ مسلمانوں کو براہ راست حکومت سے مطالبہ کی جو بھی صورت ممکن ہو، وہ اختیار کرکے اپنا حق حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، علاقہ کے ایم پی منسٹر وغیرہ کے واسطے سے یہ حق حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور سڑک پر دفن کی تدبیر کے سلسلہ میں جو اصولی جزئیات پیش کئے گئے ہیں، وہ اس صورت میں ہے، جس میں کسی مسلمان (زندہ یا مرہ) کی ہتک حرمت کا خطرہ نہ ہو، نیز منجانب حکومت مسلمانوں کی عزت پر حملہ کا خطرہ نہ ہو، اور جو تدبیر پیش کی گئی ہے، اس میں ہتک حرمت یقینی ہے، اور زندہ لوگوں کی عزت پر حملہ کا خطرہ بھی ہے، اسلئے کہ پولیس والوں کے ڈنڈے چلنے میں کوئی دیر نہیں ہوگی۔

عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها، وأن توطأ. (ترمذی، باب ماجاء فی کراهية تجصيص القبور، والكتابة عليها، النسخة الهندية ۱/۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۲)

أن أبا حنيفة رحمه الله تعالىٰ كره وطء القبر والقعود أو النوم أو قضاء الحاجة عليه. (شامی، الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی اهواء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم، زكريا ۳/۱۵۴، کراچی ۲/۲۴۵، تبيين

الحقائق ، امدادیہ ملتان ۱/ ۲٤٦، زکریا ۱/ ۵۸۷، هندیہ زکریا قدیم ۱/ ۱٦٦، جدید ۱/ ۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷٦۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۷/۱۴۳۰ھ

کھیت میں واقع قبر پر مکان تعمیر کرنا یا کاشت کرنا

سوال: [۸۳۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حاجی صاحب کو ان کے لڑکوں نے وصیت کے مطابق اپنی زمین میں مرنے کے بعد دفنا دیا اور وہ کھیت کی زمین تھی، کچھ عرصہ کے بعد میرے والد صاحب کے ہاتھ ان لڑکوں نے وہ کھیت کی زمین مع قبر کے فروخت کردی، والد صاحب نے قبر برابر کرکے اس کھیت کی زمین میں رہائش کیلئے مکان بنوالیا تقریباً دوسال تک اس مکان میں رہے اسکے بعد والد صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی، ڈاکٹروں اور حکیموں کو دکھلایا علاج کرایا کچھ فائدہ نہیں ہوا بلکہ بیماری بڑھتی رہی، حتی کہ والد صاحب بہت کمزور ہوگئے، آخرکار ڈاکٹروں نے کہا کہ آپ ان کوکسی اچھے دیندار عامل کو دکھایئے، پھر سہارنپور کے ایک اچھے عامل کے پاس گئے، جو حضرت جی کے نام سے مشہور ہیں، انھوں نے کہا کیا کام کرتے ہو، والد صاحب نے جواب دیا مزدوری کرتا ہوں تو عامل صاحب نے کہا آپ مزدوری نہیں کرتے ہیں، بلکہ بزرگ حاجی نمازی آدمی کی قبر پھوڑتے ہیں، تو انھوں نے کہا ایسا ہے، جب تک آپ ان بزرگ کا حظیرہ نہیں چنوائیں گے، (پکی قبر بنوانا) تو آپ کی حالت ایسی ہی رہے گی، اسکے بعد والد صاحب نے گھر آکر جہاں پہلے قبر بنی ہوئی تھی، دوبارہ اسی جگہ پکی قبر بنوادی اسکے بعد والد صاحب بالکل ٹھیک ہوگئے، یہ قبر حویلی کے اندر ہے، پیر اور جمعرات کو اس میں چراغ جلاتے ہیں، اب پوچھنا یہ ہے کہ اس میں چراغ جلانا شریعت کی روشنی میں جائز ہے یا ناجائز؟

دوسری بات یہ پوچھنی ہے، اس قبر کو توڑ پھوڑ کے برابر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر توڑ تے ہیں، تو پھر طبیعت خراب ہو جاتی ہے، تو ایسی حالت میں کیا کریں؟

المستفتي: عتیق الرحمٰن، بجنوری، نور پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب مالک زمین نے اپنی ملکیت کی زمین پر اپنی قبر بنانے کی وصیت کی ہے، یہ شریعت کے مطابق درست اور صحیح ہے، لہٰذا قبر کے احترام کو باقی رکھتے ہوئے قبر کی جگہ کو محفوظ کر کے اس سے ہٹ کر ہی تعمیر اور کھیتی کی جانی چاہئے، اس کے بعد وارثوں نے زمین فروخت کر دی ہے، تو خریدار کیلئے بھی اس قبر کا احترام باقی رکھنا ضروری ہے، اور اگر زمین کے بیچ میں قبر کی زمین آ گئی ہے، تو اس جگہ کو چھوڑ کر کھیتی کرنی چاہئے، اور مکان بھی اس جگہ کو چھوڑ کر تعمیر کرنا چاہئے، اور یہی عمل خریدار کو بھی کرنا چاہئے، کہ قبر کی جگہ کو چھوڑ کر کھیتی کرے یا تعمیر کرے۔

عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور ، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها، وأن توطأ. (ترمذی، باب ماجاء فی کراهية تجصيص القبور، والكتابة عليها، النسخة الهندية ۱/۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۲)

ويكره الجلوس على القبور ووطؤه وحينئذ فما يصنعه من دفنت حول أقاربه خلق من وطء تلك القبور إلى أن يصل إلىٰ قبر قريبه مكروه ويكره النوم عند القبر وقضاء الحاجة. (شامی، الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی اهداء ثواب القراءة للنبی صلى الله عليه وسلم، زکریا۳/۱۵٤، کراچی ۲/۲٤٥، تبيين الحقائق، امدادیه ملتان ۱/۲٤٦، زکریا ۱/۵۸۷، هندیه زکریا قدیم ۱/۱٦٦، جدید ۱/۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/۷/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۱۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۸/۱۴۲۷ھ

پرانی قبر پر مٹی ڈالکر برابر کرنا

سوال: [٨٣٥٥]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پرانی قبر جو بیٹھ گئی ہو، اور اوپر سے گڑھا نما نظر آتی ہو، تو کیا ایسی قبر پر اوپر سے مٹی ڈال کر درست کرنی چاہئے، یا درست نہیں کرنی چاہئے، کیا ایسی قبر درست کرنا واجب ہے یا بہتر ہے؟

المستفتي: شاہنواز احمد، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو پرانی قبر بیٹھ گئی ہو اور اوپر سے گڈھا نما نظر آتی ہو، اس میں بے خیالی میں کسی کے گرنیکا بھی خطرہ ہو، تو اس پر مٹی ڈال کر برابر کردینا جائز اور درست ہے، واجب نہیں ہے۔

عن مكحول قال: بينا رسول الله صلى الله عليه وسلم جالس على قبر ابنه، إذا رأى فرجة فقال للحفار إئتني بمدرة لأسدها أما أنها لا تضر ولا تنفع؛ ولكن يقر بعين الحي. (مصنف عبد الرزاق، الجنائز، باب حسن عمل القبر، المجلس العلمي ٥٠٨/٣، رقم: ٦٤٩٩)

إذا خربت القبور فلا بأس بتطينها كذا فى التتار خانية، وهو الأصح، وعليه الفتوىٰ كذا فى جواهر الأخلاطى. (هنديه، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس، زكريا قديم ١٦٦/١، جديد ٢٢٧/١، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، دارالكتاب ديو بند/٦١٢، الفتاوىٰ التاتارخانية، زكريا٣/ ٧٢، رقم: ٣٧٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢/ ربیع الثانی ١٤٢٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٩٥٥٧/٣٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٩/٤/١٢ھ

قبر کی چوڑائی اور گہرائی کی مقدار

سوال: [۸۳۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبر کے اوپری حصہ کی چوڑائی کتنی ہونی چاہئے؟ اور نیچے والے حصہ کی گہرائی کتنی ہونی چاہئے؟ شریعت کی رو سے وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: یوسف، مہرولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کے اوپر کے حصہ کی چوڑائی ضرورت کے مطابق ہوتی ہے، ہاں البتہ گہرائی کے بارے میں حکم یہ ہے کہ نصف قد آدم کے برابر اس کی گہرائی ہو پھر اس کے بعد نیچے کا حصہ جس میں میت کو رکھا جاتا ہے، اس کی گہرائی اتنی ہو جتنی میں میت کو اس میں آسانی کے ساتھ لٹایا جا سکے اور بعض جگہ دیکھنے میں آیا ہے، اوپر کے حصہ کی گہرائی بہت کم ہوتی ہے، اور نیچے کے حصہ کی گہرائی نصف قد آدم سے زیادہ کرتے ہیں یہ خلاف سنت ہے۔

وینبغي أن یکون مقدار عمق القبر إلیٰ صدر رجل وسط القامة وکلما زاد فهو أفضل ، وعرضه قدر نصف قامته . (عالمگیری ، الصلاة ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع ، زکریاجدید ۱/۲۲۷، قدیم ۱/۱۶۶)

وفی القهستانی وطوله علی قدر طول المیت وعرضه علی قدر نصف طوله . (شامی ، زکریا ۳/۱۳۹ ، کراچی ۲/۲۴۳، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،دارالکتاب دیوبند/۶۰۷، الموسوعة الفقهیة الکویتیة۳۲/۲۴۶، مجمع الأنهر ، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۲۷۵، مصری قدیم ۱/۱۸۶) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۲۴/۳۸)

مالک کی اجازت کے بغیر قبرستان میں میت دفنانا

سوال: [٨٣٥٧]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آراضی جس کا خسرہ ٦١ ر بھورا کا آباء واجداداً مالک ہوں جس میں لوگ زبردستی میری مرضی کے بغیر میری کمزور حالت کا فائدہ اٹھا کر اپنے مردوں کو دفن کرتے چلے آرہے ہیں، اسی آراضی پر ایک مسجد پٹن شہید ہے، اراکین مسجد مسجد کی توسیع جانب شمال کرنا چاہتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ لوگوں کا اس آراضی پر جبراً دفن کرنا اور اراکین مسجد کا مجھ سے اجازت لیکر قبروں کے اوپر لینٹر ڈال کر ان کی عظمت کو باقی رکھتے ہوئے مسجد کی توسیع کرنا کیسا ہے؟ بالدلائل شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب تحریر فرما کر ممنون ہوں!

المستفتي: مطلوب علی، کھوکھران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب قبرستان ذاتی ملکیت کا ہے، تو حرمت مسلم کو باقی رکھتے ہوئے اسمیں خود تصرف کرنے کا حق ہے، اور اسی طرح دوسروں کو اسمیں تصرف کیلئے اجازت دینا بھی جائز ہے، لہٰذا ایسی قبریں جن میں ابھی میت کا بدن یا ہڈیاں صحیح سالم باقی رہنے کا ظن غالب ہو، ان کو برابر نہ کرکے اپنی جگہ باقی رکھتے ہوئے اوپر لینٹر ڈال کر مالک کی اجازت سے مسجد کی تعمیر کرنا شرعاً جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ٧/١٢٢، جدید زکریا مطول ١٠/٥٠٣)

وإذا دفن الميت في أرض غيره بغير إذن مالكها فالمالك بالخيار إن شاء أمر بإخراج الميت، وإن شاء سوى الأرض وزرع فيها. (عالمگیری، الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس، زکریا قدیم ١/١٦٧، جدید ١/٢٢٨)

ولو بلىٰ الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه. (تبیین الحقائق، زکریا ١/٥٨٩، امدادیه ملتان ١/١٦٧، جدید ١/٢٢٨)

موضع مسجد رسول الله ﷺ كان مقبرة للمشركين فنبشت واتخذت مسجداً . (قاضيخان ، زكريا جديد ۳/ ۲۱۹، وعلى هامش الهندية۳/ ۳۱۳)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۸ / جمادی الثانیہ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۵/ ۶۸۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۶/ ۱۴۲۱ھ

قبر کھودنے کے دوران نکلی ہوئی لکڑی کا حکم

سوال: [۸۳۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کے اندر کی لکڑی دس بارہ کوئنٹل ہے اس لکڑی کو کیا کرنا چاہئے یہ لکڑی قبروں کے اندر کی نکلی ہوئی ہے؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبروں سے نکالی لکڑی صاحب قبر کے وارثین کی ملکیت ہے لھذا ان تمام لوگوں کی رضامندی سے فروخت کرکے باتفاق رائے جہاں چاہے، خرچ کریں، البتہ بہتر یہ ہے کہ قبرستان کے مصرف میں صرف کردیں۔

رجل كفن ميتا من ماله ثم وجد الكفن فى يد رجل كان له (إلىٰ قوله) وكذا لو كفن ميتاً فافترسه اسبع كان الكفن له لأنه بقى على ملكه الخ.

(قاضيخان ، الصلاة، باب فى عسل الميت .... زكريا جديد ۱/ ۱۱۸ ، وعلى هامش الهندية۱/ ۱۹۰، المحيط البرهاني ، المجلس العلمي ۳/ ۶۸، رقم: ۲۴۳۰، البحرالرائق كوئٹه ۲/ ۱۷۸، زكريا ۲/ ۳۱۲) فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۸/ شعبان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱/ ۴۱۳۹)

عیدگاہ کی قبریں برابر کرنا

سوال: [۸۳۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں کی عیدگاہ میں ایک قبر تھی، اب اس کو توڑنے کے بعد عیدگاہ دوبارہ بنائی گئی ہے، اب اسکے اندر پانچ قبریں ہیں، جن کو زمین سے ملا دیا گیا ہے، کیا اسمیں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا

المستفتی: محمد افسر علی قصبہ، دڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہاں اب دفن نہیں ہوتا ہے، اور موجودہ قبریں پرانی ہوچکی ہیں تو برابر کر کے عیدگاہ میں نماز کی جگہ بنالینا جائز ہے، اس میں نماز پڑھنے میں میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

موضع مسجد رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم کان مقبرة للمشرکین فنبشت واتخدها مسجداً . (هندیه، الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات، والمقابر، زکریا قدیم ۲/۴۶۹، جدید۲/۴۱۶، قاضیخان، زکریا جدید۳/۲۱۹، وعلی هامش الهندیة ۳/۳۱۳، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۲۶)

قبرستان پر لینٹر ڈال کر امام صاحب کیلئے کمرہ بنانا

سوال: [۸۳۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) میرا آبائی قبرستان مسجد سے ملحق ہے، اور مسجد کے امام کیلئے میں اور میرے اہل خانہ

قبرستان پر چھ فٹ اونچا لینٹر ڈال کر حجرہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں، کیا اس طرح حجرہ بنانا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۲) اور اس تعمیر شدہ حجرہ کی چھت پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: سرفراز علی، مغلپورہ دوئم، پرنس روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ قبرستان قومی اور عامۃ المسلمین کا نہیں ہے، بلکہ سرفراز علی کے باپ دادا کی ملکیت ہے اور انھوں نے عامۃ المسلمین کیلئے وقف بھی نہیں کیا ہے، تو ایسی صورت میں سرفراز کو مذکورہ طریقہ سے لینٹر ڈال کر حجرہ بنانے کی اجازت ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی ستون کسی قبر کے اوپر نہ آئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۱۲۰، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۰۶)

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء.

(بیضاوی / ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ صفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۲/ ۱۴۱۵ھ

قبروں سے نکالی گئی اینٹوں کا حکم

سوال: [۸۳۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کے اندر قبر کی دیوار کی بہت سی اینٹیں ہیں جس کی قیمت ہزاروں روپیہ ہے دیوار گر جانے کی وجہ سے ساری اینٹیں تتر بتر اور منتشر ہوگئی ہیں، اب اس قبرستان کو مٹی سے بھرنے کی سخت ضرورت ہے، لھذا ہم لوگ چاہتے ہیں، کہ وہ ساری اینٹیں نکال لیں اور اسی اینٹ کو فروخت کر کے قبرستان کے کام میں لے آویں، قبروں کی ساری اینٹیں نکال کر یا گری ہوئی اینٹیں نکال کر اس کو فروخت کرنا یا ان اینٹوں کو دیوار اور باؤنڈری میں لگانا جائز ہوگا یا نہیں؟

نوٹ: اگر اینٹیں نہیں نکالی گئیں تو مٹی بھرنے کی صورت میں ہزاروں روپیہ کی اینٹیں مٹی کے اندر دب کر ہزاروں روپیہ کی چیز کا نقصان ہوگا؟

المستفتي: محمد اویس، سیتامڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ اینٹیں وہیں کام میں لائی جاسکتی ہوں مثلاً چہار دیواری وغیرہ میں جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے، تو اس کی بھی اجازت ہے، اور اگر وہاں کام میں نہ آسکتی ہوں اور ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اسکی بھی اجازت ہے، کہ فروخت کر کے اس کا پیسہ قبرستان کی دیگر ضروریات میں صرف کرلیا جائے۔

سئل عن وقف انهدم ...... هل تباع أنقاضه من حجر وطوب وخشب أجاب إذا كان الأمر كذلک صح بيعه. (شامی، الوقف، مطلب فی الوقف إذا خرب ولم يكن عمارته، زكريا ٦/٥٧٣، كراچی ٤/٣٧٦، البحرالرائق، زكريا ٥/٣٦٨، كوئٹه ٥/٢٢٠، الفقه الإسلامی وادلته، دارالفكر ١٠/٧٦٧٤، هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند٨/٢١٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۵/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۵ھ

قبروں کو توڑ کر پختہ راستہ یا پیشاب کی نالی بنانا

سوال: [۸۳۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی قبروں کو توڑ کر چوکوں سے پختہ راستہ بنوانا اور پیشاب کی نالی نکالنا اور قبروں پر دوکانیں بنانا اور مدرسہ کے لئے گڈھا کھودنا کیسا ہے؟

المستفتي: شمس الدین، محلّہ بارہ داری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبروں کو توڑ کر پختہ راستہ یا پیشاب کی نالی یا دوکان یا گڈھا وغیرہ بنانا سب ناجائز ہے۔

عن جابر ، قال: نهیٰ رسول الله ﷺ ، أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه، وأن يبنى عليه . (صحيح مسلم ، الجنائز، فصل في النهى عن تجصيص القبر والبناء وعليه ، النسخةالهندية ١/٣١٢، بيت الافكار رقم: ٩٧٠)

عن جابر قال : نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور ، وأن يكتب عليها ، وأن يبنىٰ عليها، وأن توطأ. (سنن الترمذى، الجنائز، باب ماجاء فى كراهية ، تجصيص القبور ، النسخة الهندية١/٢٠٣، دارالسلام رقم: ١٠٥٢)

ويكره أن يبنىٰ على القبور أو يقعد عليه أو ينام عليه أو يوطأ عليه أو يقضى عليه حاجة الإنسان من بول أو غائط الخ. (تبيين الحقائق ، باب الجنائز، مكتبه امداديه ملتان ١/٢٤٦، زكريا ١/٥٨٧، هنديه ، زكريا قديم ١/١٦٦، جديد ١/٢٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٨/ذیقعدہ ١٤٠٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٣/٢٣٣٣)

قبرستان کے خادم کو معزول کرنا

سوال: [٨٣٦٣]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں چراغاں کرنے والے خادم کو خدمت سے معزول کیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟

المستفتي: عبدالمنان، کریم گنج، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں مذکورہ خرافات کرنے والے خادم کو

فوراً ہٹادینا ضروری اورلازم ہے، ورنہ بستی کے رہنے والے سب گناہ گار ہونگے، حدیث شریف میں آیا ہے:

فقال أبو سعید: أما هذا فقد قضی ماعلیه سمعت رسول الله ﷺ یقول: من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده، فإن لم یستطع فبلسانه، فإن لم یستطع فبقلبه وذلک أضعف الإیمان. (صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الإیمان، النسخة الهندیة ۱/ ۵۰، بیت الأفکار رقم: ۴۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رشعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۳/۲۴)

گانا بجانا اورعرس وقوالی کوختم کرنے کی غرض سے قبرکوڈھانا

سوال: [۸۳۶۴]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ولی زید نامی چند سال قبل انتقال فرماگئے اوران کی قبر کے تعلق سے چند خرافات نمودار ہوئیں سارا مقبرہ عدم محفوظ ہونے کے باوجودان کی قبر کی انتہائی حفاظت حتی کہ اوپر سے بند کی ہوئی ہے،اور ہر تزیینات سے مزین ہر روز قبر کی دیوار پر بتیاں جلائی جاتی ہیں،ایک خادم خالد نامی متعین ہے، جوقبر کے پاس گھر بناکررہتا ہے، اسکی بیوی قبر کی تعظیم میں مشرکانہ طرز اختیار کرتی ہے، ہر سال معینہ دن واوقات میں مختصر سا عرس ہوتا ہے، جس میں بے شمار غیر شرعی باتیں ہوا کرتی ہیں، ہر ہفتہ میں خادم کے یہاں گانے بجانے کیساتھ نام نہاد عبادت بندگی نمائش ہوا کرتی ہے، مسئلہ اب تک سنگین نہیں ہے، اگر توجہ کی جائے، تو یہ خرافات بند کی جاسکتی ہیں۔

المستفتي: عبدالمنان کریم گنج، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبر کی دیوار پر بتیاں وچراغ جلانا، قبر کی تعظیم میں

مشرکانہ طرز اختیار کرنا مثلاً بوسہ دینا سجدہ کرنا طواف کرنا، قبر کے پاس ہر سال عرس کرنا قوالی، گانا وغیرہ سب ناجائز اور حرام ہے۔ (امداد الفتاویٰ/۴/۲۵۴، کفایۃ المفتی جدید مطول۲/ ۲۶۸، رشیدیہ/ ۱۰۹، فتاویٰ عزیزیہ ا/۱۰۴، احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۸۹)

عن ابن عباس قال: نهى رسول اللهﷺ زائرات القبور، والمتخذين عليها المساجد والسرج. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی کراهية أن يتخذ على القبر مسجدا، النسخة الهندية ١/٧٣، دارالسلام رقم: ٣٢٠، مسند أحمد بن حنبل ١/٢٢٩، رقم: ٢٠٣٠، ٢٦٠٣، ٢٩٨٦، ٣١١٨)

لايجوز مايفعله الجهال بقبور الأنبياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد إليها ومن الاجتماع بعد الحول وليتمونه عرساً الخ. (تفسير مظهری، زکریا؟ فتاویٰ احیاء العلوم ١/١٧٦، تبليغ الحق /٨٠٧، بحواله فتاویٰ محموديه ١/٢١٩، ڈابهيل ٣/٢٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۳/۲۴)

قبرستان میں تالا لگا کر فاتحہ پڑھنے سے روکنا

سوال: [۸۳۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں تالا ڈالکر مدفون کے اعزاء کو قبور پر فاتحہ پڑھنے سے روکنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتي: محمود حسن خاں، گھیر سعید خاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر تالا ڈالنے والے کی ملکیت کا قبرستان ہے، تو اس کو اسکا اختیار ہے، اعزاء گھر بیٹھ کر یا باہر سے فاتحہ پڑھکر ثواب پہونچایا کریں، ثواب ہر حال میں پہونچ جاتا ہے، اور اگر قبرستان موقوفہ ہے، تو متولی وغیرہ کو بلاضرورت تالا ڈاکر

بندر کھنے اور اعزاء کو برائے زیارت جانے آنے سے روکنے کا حق نہیں ہے، اگر واقف کی طرف سے اسکی اجازت تھی، تو متولی کو غرض واقف کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، کوئٹہ ٣/٤٦٤، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٦/ جمادی الاولیٰ ١٤٠٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٤/ ٦٤/ ٧)

شیعہ خواجہ چودھری کے عقائد رکھنے والے کو اہل سنت کے قبرستان میں دفن کرنا کیسا ہے؟

سوال: [٨٣٦٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عقیدہ شیعہ خواجہ بوھری ان حضرات کو مسلمانان اہل سنت والجماعت کے قبرستان میں دفن کرنا کیسا ہے؟ اگر ان میں سے کسی کو لاعلمی کی وجہ سے دفن کر دیا گیا بعد میں عقیدہ کا علم ہوا تو یہ امر عندالشرع کیسا ہے؟ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: میاں ماہمکر، مقام پاپڑی، مہارشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر وہ ایسا شیعہ ہے کہ اس پر کفر کا حکم لگ چکا ہے اور بوھری اور آغا خان پر کفر کا حکم لگ چکا ہے، تو اس کو سنت طریقہ سے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرنا چاہئے تھا، لیکن جب دفن کے بعد علم ہوا ہے، تو مسلمانوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ہی دفن شدہ کو قبر سے نکالنا درست ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ١/ ٢٨٨، جدید زکریا مطول ١٠/ ٥٠٩)

وإن أهالوا التراب عليه لم يخرج. (الفتاویٰ التاتارخانیہ زکریا ٣/ ٨٠، رقم:

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (۳۷۶۱

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۱۱/۱۴۱۱ھ

زائرین قبور کے فائدہ کیلئے قبرستان میں اپنے مکان کا چھجہ نکالنا

سوال: [۸۳۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا گھر قبرستان کے برابر میں ہے، مکان بہت چھوٹا ہے، قبرستان کی ایک انچ جگہ بھی میرے گھر میں نہیں ہے، میں اپنے مکان کا چھجہ دو یا تین فٹ کا قبرستان میں نکلوانا چاہتا ہوں، جس سے میرے مکان کی چھت تھوڑی بڑی ہو جائیگی، اور جو لوگ قبرستان میں دعا کرنے یا کسی کو دفن کرنے آتے ہیں، وہ لوگ بھی نیچے برسات میں اس کے نیچے کھڑے ہو جایا کریں گے، ہم چھجہ اسلئے نکلوار ہے ہیں، کہ ہمارے مکان کی جگہ نیچے سے کم ہے تاکہ لینٹر ڈال کر تھوڑی اوپر سے بڑی جگہ ہو جائیگی، ہم چار بھائی دو بہنیں ہیں، والد والدہ اب سے دس سال پہلے گذر چکے ہیں، ہمارے اوپر کوئی بڑا نہیں ہے، جو ہمارا ساتھ دے سکے ہماری آمدنی بھی اتنی نہیں ہے، جو ہم دوسرا مکان خرید سکیں، ہم سب بھائیوں کو اسی تھوڑی جگہ میں ہی گذارا کرنا ہے، ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، ہمیں چھجہ نکالنے کی اجازت دیدیجئے، وہ قبرستان ہمارے پردادا کے سسر کا ہے؟

المستفتي: منصور احمد، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان میں کسی کیلئے اپنے مکان کا چھجہ نکالنا جائز نہیں، چاہے اس سے بارش یا دھوپ میں سایہ حاصل کرنے کا فائدہ ہوتا ہو تب بھی جائز نہیں۔

لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها الخ. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية

ويتخذ مكانها مساجد، داراحياء التراث العربي ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، تحت رقم الحديث/ ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد اشرفيه ٢/ ١١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ محرم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۸۰/۳۶)

قبرستان کی چہار دیواری میں سودی وحرام کمائی کی رقم لگانا

سوال: [۸۳۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کویر گاؤں میں جو شہر سے متصل ہے، مسلم قوم کیلئے قبرستان کی جگہ موجود ہے، جس کا کسی بھی قسم کا حفاظتی انتظام نہیں ہے، اور چاروں طرف سے جگہ خالی ہونیکی وجہ سے غیر لوگوں کی آبادی بستی چلی آرہی ہے، اسلئے اس کی حفاظت کی خاطر کمپاؤنڈ بنوانے کا مشورہ ہوا ہے، لھذا اس کمپاونڈ کی تعمیر کا خرچ بہت بڑا ہے، اسلئے اسکی تعمیر میں کون کون سی مد کی رقم لگا سکتے ہیں، کیا اس میں سود کی رقم نمبر۲ کے کاروبار کی رقم لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ ٹی وی کیبل کے ذریعہ جو آمدنی ہوتی ہے، کیا وہ رقم اس کام میں لگا سکتے ہیں؟ مسئلہ کی مع الدلیل وضاحت فرمائیں؟ عنایت ہوگی؟

المستفتي: بشیر احمد، کویر گاؤں، احمد نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان کی حفاظت کیلئے چہار دیواری اور کمپاؤنڈ بنانا شرعی طور پر جائز اور درست ہے، لیکن اس میں حلال اور پاک پیسہ لگانا لازم ہے، سود کا پیسہ لگانا جائز نہیں ہے، اور نمبر دو کے کاروبار سے کیا مراد ہے، اس کو واضح کیجئے، اس کے بعد حکم شرعی واضح کیا جاسکتا ہے؟ اور ٹی وی کیبل کے ذریعہ آمدنی یہ ناچ گانے کی اجرت ہے، اس کا پیسہ بھی وہاں لگانا جائز نہیں ہے، علاقہ کے لوگ اپنے پاک پیسہ سے کمپاؤنڈ بنائیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۰۳، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۸۳)

أمالو أنفق فی ذلک مالا خبیثاً وما لا سببه الخبیث والطیب فیکره لأن الله لایقبل إلا الطیب فیکره تلویث بیته بما لا یقبله . (شامی، الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ، ومایکره فیها ، قبیل مطلب في افضل المساجد ، زکریا ۲/ ۴۳۱، کراچی ۱/ ۶۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱/ ۱۴۲۴ھ

قبرستان کی جالی دار باؤنڈری کو ختم کرنا

سوال: [۸۳۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی باؤنڈری کے اندر ایک قبر ایسی ہے، کہ اسکی چاروں طرف دور دور تک جالی دار باؤنڈری قائم ہے، اور اس بونڈری کے اندر تین قبریں بن سکتی ہیں، اور یہ ۵۵ر سال پہلے کی ہے، کیا اس جالی دار باؤنڈری کو ختم کرنے کی اجازت ہے، تاکہ اسمیں اور بھی قبریں بن سکیں، یاد رہے کہ یہ قبرستان وقف کا ہے، کسی کی اپنی ملکیت کا نہیں ہے، اور جالی دار باؤنڈری بھی کسی کی ملکیت نہیں ہے، حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد اسلم، ضیاء الحسن،
بھوڑ سرکوئی، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: موقوفہ قبرستان میں علاقہ کے ہر فرد کی تدفین جائز اور درست ہے، اور جس قبر کے چاروں طرف جالی بنا کر تین چار قبروں کی جگہ گھیر لی گئی ہے یہ ایک قسم کا موقوفہ قبرستان کے حصہ پر قبضہ کرنا ہے، جو شرعاً درست نہیں ہے، لھذا جالیوں کو ختم کرکے اس حصہ میں جو جگہ خالی ہے، اسمیں دوسرے مردوں کو دفن کرنے

کا موقع دینا ضروری ہے۔

لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لأحد أن یملکها . (عمدة القاری ، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ویتخذ مکانها مساجد ،داراحیاء التراث العربی۱۷۹/٤ ،زکریا۳/٤۳۵، تحت رقم الحدیث:٤۲۸ ، فتح الملهم ، کتاب المساجد ، اشرفیه ۱۱۸/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹؍۱۰۱۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۳۱ھ

۱/الفصل الأول: فی المکروہ والمستحب

قبرستان میں درخت لگانا

سوال: [۸۳۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں پیڑ لگانا کیسا ہے؟ کیونکہ اس مہنگائی کے دور میں اگر قبرستان میں پیڑ ہوتے ہیں، تو بہت سہولت ہوتی ہے، جب کسی کا انتقال ہوتا ہے، تو اسی قبرستان سے پیڑ کاٹ کر وہیں پر قبر میں پاٹن ڈال دیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ قبرستان میں پیڑ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر قبرستان میں پیڑ ہوں تو ان کو کاٹ کر اسی قبرستان میں جو مردے دفن ہوتے ہیں، ان پر وہ لکڑی ڈال سکتے ہیں یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی،
مقام و پوسٹ: سیڈھا، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں اسی قبرستان کی ضروریات اور دفن میت کی ضرورت کیلئے پیڑ لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۲۱، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۱۴ھ

قبرستان میں رہائش گاہ بنانا

سوال: [۸۳۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں رہائش گاہ کرنا اور رہائش کا گندہ پانی قبرستان میں بہانا یا قبرستان میں قبروں

پر راستہ بنا کر جانا یا قبروں پر بھاگنا پتنگ بازی کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیل تحریر کریں؟

المستفتي: حنیف خاں، مغلپورہ اول ومنتظمہ کمیٹی، قبرستان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان میں رہائش گاہ بنانا اس میں چلنا پھرنا پتنگ بازی کرنا اور قبروں پر سے راستہ بنانا اس میں دوڑنا بھاگنا سب امور ناجائز ہیں، اور سخت گناہ کا باعث ہے۔

عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها، وأن توطأ. (سنن الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في كراهية تجصيص القبور، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۸)

والموقوفة فيحرم فيها البناء مطلقاً. (كتاب الفقه ۱/ ۵۳۶)

ويكره أن يبنىٰ على القبر أو يقعد أوينام عليه أو يوطأ عليه الخ. (فتاویٰ عالمگیری، كتاب الصلوٰة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن زكريا قديم ۱/ ۱۶۶، جديد ۱/ ۲۲۷)

وكره أبو حنيفة أن يوطأ علىٰ قبر أويجلس عليه أو ينام عليه. (بدائع الصنائع، قبيل فصل في الشهيد قديم ۱/ ۳۲۰، جديد زكريا ۲/ ۶۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۸۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۴/ ۱۴۱۴ھ

قبر کے اردگرد چہار دیواری بنوانا

سوال: [۸۳۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبروں

کے اردگرد چہاردیواری حفاظت کیلئے بنوانا کیسا ہے؟

(۲) اگر چہاردیواری بنوادی گئی ہو تو کیا اس کو توڑا جائے یا نہیں؟

المستفتي: محمد واحد، محلّہ لوہانی، قصبہ پہانی، ضلع: ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) قبروں کے اردگرد چہاردیواری بنانا مکروہ اور ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۳۷۷، احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۸۹)

(۲) اگر چہاردیواری کو توڑ دینے سے کسی قسم کے فتنہ اور اختلاف کا خطرہ نہ ہو تو ختم کردینا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۳۷۸)

عن جابر ، قال: نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم ، أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه، وأن يبنى عليه . (صحيح مسلم ، الجنائز، فصل فی النهی عن تجصيص القبر والبناء وعليه ، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۲، بيت الافكار رقم: ۹۷۰، سنن الترمذی ،الجنائز ، باب ماجاء فی كراهية تجصيص القبور الخ، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۸)

فی غريب الخطابی: أنه نهی عن تقصيص القبور وتكليلها، التقصيص التجصيص والكتكليل بناء الكلل وهی القباب والصوامع التی تبنى على القبور. (تاتارخانية ، زكريا ۳/ ۷۲، رقم: ۳۷۳۹) فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ۵/ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۱۴)

قبروں کی توڑ پھوڑ کے ذریعہ بے حرمتی کرنا

سوال: [۸۳۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر

قبروں کوتوڑا جائے اور انکا نشان مٹایا جائے ،تو اس عمل سے کس حدتک بے حرمتی و بے عزتی قبور یامردے جوان میں دفن ہیں،ان کی شرعاً ہوتی ہے؟

المستفتي: محمود حسن خاں ،ساکن مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح موقوفہ قبرستان کی قبروں کوتوڑ کر مسمار کردینا ناجائز اور حرام ہے،جس طرح زندہ مؤمن کی بے عزتی اور بے حرمتی ناجائز اور حرام ہے،اسی طرح مردہ مؤمن کی بھی ناجائز ہے۔(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱/۱۳۴، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۲۱)

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسره حيا. (ابن ماجه ، باب في النهي عن كسر عظام الميت ، النسخة الهنديه ۱/۱۱۶ ، دار السلام رقم: ۱۶۱۶)

قال الطيبي: فيه إشارة إلىٰ أنه لايهان الميت كما لايهان الحي. (مرقاة المفاتيح ، امداديه ملتان ۴/۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۶۴ ۷)

قبرستان میں جوتا پہن کر چلنا

سوال: [۸۳۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں جوتا پہن کر جانا کیسا ہے؟

المستفتي: شمیم احمد ولد حاجی نبی حسین،
محلّہ: لالباغ ،ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قبرستان میں اگر قبروں سے بچتے ہوئے چلتا ہے، تو جوتے پہن کر اور برہنہ پیر دونوں طرح بلا کراہت جائز ہے، اور اگر قبروں کے اوپر پیر رکھ کر چلتا ہے، تو مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۴۲۱، جدید ڈابھیل ۱۵/۳۹۳)

والمشي في المقابر بنعلين لايكره عندنا كذا في السراج الوهاج . (هنديه ، الصلوٰة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز ، الفصل السادس في القبر والدفن زكرياقديم ١/١٦٧، جديد١/٢٢٨)

ولايكره المشي في المقابر بالنعلين عندنا. (حاشية الطحطاوي على مراقي ، فصل في زيارة القبور، دارالكتاب ديوبند/٦٢٠)

كره وطئها بالأقدام .(حاشية الطحطاوي ، دارالكتاب ديوبند/٦٢٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱/۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۱/۱۴۱۲ھ

قبرستان میں جوتے چپل پہن کر چلنا

سوال: [۸۳۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مقامات پر قبرستان میں قبروں کے درمیان فاصلہ نہیں ہوتا ہے، اور قبرستان خس وخاشاک سے بھی صاف نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے دفن میں شریک ہونے والے مع جوتوں کے قبرستان میں جاتے ہیں، اسی طرح جو حضرات ایصال ثواب کیلئے قبرستان جاتے ہیں، وہ بھی جوتے پہنکر ہی جاتے ہیں، اسلئے دریافت یہ کرنا ہے، کہ جوتے چپل وغیرہ پہن کر اس طرح کے قبرستان میں جانا درست ہے، یا نہیں؟

المستفتي: خلیل احمد، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں جوتے چپل پہن کر چلنا درست ہے، لہٰذا دفن کرنے والے حضرات کا خس وخاشاک کی وجہ سے اسی طرح ایصال ثواب کرنے والے حضرات کا قبرستان میں جوتے چپل پہن کر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قال فی شرح السنة یجوز المشی بالنعل فی القبور. (مرقاۃ، کتاب الإیمان ، باب اثبات عذاب القبر ، الفصل الأول ، امدادیہ ملتان ۱/۱۹۸)

وفیه جواز لبس النعل لزائر القبور الماشی بین ظهرانیها. (عمدة القاری ، کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق النعال، داراحیاء التراث العربي بیروت ۸/۱۴۷، زکریا ۶/۲۰۲)

والمشی فی المقابر بنعلین لایکره عندنا کذا فی السراج الوهاج.
(هندیه ، الصلوٰة ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز ، الفصل السادس فی القبر والدفن ، زکریا قدیم ۱/۱۲۷، جدید ۱/۲۲۸)

ولا یکره المشی فی المقابر بالنعلین عندنا. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ، فصل فی زیارة القبور ، دارالکتاب دیو بند/۶۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۰۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۲۸ھ

قبرستان میں جانور چرانا اور عورتوں کا جانا

سوال: [۸۳۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے شہر ہردہ کے قبرستان میں چوکیدار کے جانور چرتے ہیں، جو قبروں کو روندتے اور نجاست کردیتے ہیں، اسی طرح چوکیدار کے گھر کی اور کچھ دوسری عورتیں پانی بھرنے اور دیگر ضروریات کے لئے قبرستان میں آتی ہیں، دریافت طلب امور یہ ہیں کہ

(۱) کیا جانوروں کا قبرستان میں اس طرح کھلا چھوڑ دینا جائز ہے؟

(۲)عورتوں کا قبرستان میں پانی بھرنے اور دیگر ضروریات کیلئے جانا جائز ہے یانہیں؟

المستفي: معراج حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان میں اسطرح جانوروں کو چرنے کیلئے چھوڑ دینا کہ وہ جانور چرتے ہوئے قبرستان کو روندتے رہیں، یہ قبروں کے احترام کے خلاف ہے، اس لئے فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے۔(مستفاد: کفایۃ المفتی جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۱۷)

عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها، وأن توطأ. (سنن الترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی كراهية تجصيص القبور، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۸)

وكره وطؤ ها بالأقدام لأن فيه من عدم الاحترام. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی، فصل فی زيارة القبور، قديم /۳٤۲، جديد دارالكتاب ديوبند/۶۲۳)

مقبرة قديمة بمحلة لم يبق فيها، آثار المقبرة هل يباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبو نصر: لايباح قيل له: فإن كان فيها حشيش؛ قال يحش فيها ويخرج إلى الدواب فذلك أيسر من دخول الدواب. (تاتارخانية، زكريا۸/ ۱۹۰، رقم: ۱۱۶۰۱)

(۲) عورتوں کو پانی بھرنے کیلئے قبرستان جانے کی بات واضح نہیں ہو پائی کہ قبرستان میں پانی بھرنے کیلئے جانے کا کیا مطلب ہے، اگر اس سے یہ مراد ہے، کہ محلّہ میں پانی بھرنے کا نظم نہیں ہے، اور پانی کا نل قبرستان میں موجود ہے، اور غریب گھرانوں کی عورتیں اس نل سے پانی بھرنے کیلئے قبرستان جاتی ہیں، تو اگر قبروں سے بچتے ہوئے نل تک پہونچنے کا کوئی راستہ ہے تو اس راستہ سے ہوکر غریب گھرانے کی عورتوں کا وہاں جاکر پانی بھرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ولو وجد طريقا فى المقبرة وهو يظن أنه طريق أحد ثوه وتحته

الأموات لایمشي فی ذلک وإن لم یقع فی ضمیره لابأس بأن یمشي فیه . (مراقی الفلاح مع الطحطاوی قدیم /۲ ٣٤٢، جدید دارالکتاب دیو بند/٣ ٦٢٣، فتاویٰ قاضی خان ، الصلوٰة ، بیان أن النقل من بلد إلیٰ بلد مکروه، جدید زکریا ١/ ١٢٢، وعلی هامش الهندیة ، زکریا ١/ ١٩٥، تاتار خانیة زکریا ٣/٧٣، رقم: ٣٧٤٠)

یکره المشي فی طریق ظن أنه محدث حتی إذا لم یصل إلیٰ قبره إلیٰ بوطء قبر ترکه . (شامی، باب الجنازة، مطلب فی إهداء ثواب القرأة للنبی ﷺ ، کراچی ٢/ ٢٤٥، زکریا ٣/ ١٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۱۱/ ۱۴۳۱ھ

قبرستان میں جانور چرانا اورکرکٹ وغیرہ کھیلنا

سوال: [۸۳۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) مسلمانوں کے قبرستان میں جانوروں کا چرانا اورکرکٹ اور فٹ بال وغیرہ جیسے کھیل کود کرنا کیسا ہے؟

(۲) خرید وفروخت کرنا اور بے تکلف نشست گاہ بنانا اور حدود قبرستان یعنی کناروں پر پاخانہ کوڑیاں اور عام مسلمانوں کی کوڑیاں ڈالنا کیسا ہے؟ اور قبرستان میں عام راستہ بنانا جس میں عورتیں بھی اور سواریاں بھی گذرتی ہیں۔

(۳) لکڑی اور گھاس وغیرہ سے جو آمدنی قبرستان کو ہوتی ہے، اس کو مدرسہ پر خرچ کرنا کیسا ہے؟ اسی طرح مذکورہ چیزوں کو دیکھ کر ان پر نکیر نہ کرنا اور ذمہ دار ان حضرات کا تماشا بنے رہنا کیسا ہے؟

المستفتي: جمیعۃ الحفاظ، والعلماء، شریف نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :(۱-۲) قبرستان میں جانوروں کو چرانا، کرکٹ اور دیگر کھیل کود کرنا بے تکلف نشست گاہ بنانا، خرید وفروخت کرنا، اور قبرستان کے کناروں پر پاخانہ اور دیگر گندگی ڈالنا جائز نہیں ہے، اسی طرح قبرستان میں عام راستہ بنانا جائز نہیں، ان سب چیزوں سے قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے، لہٰذا ان سب افعال سے کلی اجتناب کیا جائے۔

مقبرة قديمة بمحلة لم يبق فيها آثار المقبرة هل يباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبو نصر: لايباح قيل له: فإن كان فيها حشيش؛ قال يحش فيها ويخرج إلى الدواب فذٰلک أيسر من دخول الدواب . (تاتارخانية، زكريا٨/ ١٩٠، رقم: ١١٦٠١)

فلو كان فيها حشيش يحش ويرسل إلى الدواب ولا ترسل الدواب فيها . (عالمگيری، كتاب الوقف، الباب الثانی عشر الرباطات والمقابر الخ، زكريا قديم ٢/ ٤٧١، جديد ٢/ ٤١٦، البحرالرائق،فصل فی أحكام المساجد، زكريا ٥/ ٤٢٦، كوئٹه٥/ ٢٥٤)

عن ابن مسعودؓ يقول: لأن أطأ علىٰ جمرة أحب إلي من أطأ علىٰ قبر رجل مسلم. (المعجم الكبير للطبرانی، داراحياءالتراث العربي بيروت٩/ ٣٢١، رقم: ٩٦٠٥)

ويكره أن يوطأ على القبر يعنى بالرجل أويقعد عليه أو يقضى عليه حاجته . (تاتار خانية، زكريا ٣/ ٧٣، رقم: ٣٧٤٠، شامی، باب صلوٰة الجنازة، مطلب فی اهداء ثواب القراء ة للنبی صلى الله عليه وسلم كراچی ٢/ ٢٤٥، زكريا ٣/ ١٥٤)

(۲) قبرستان کی آمدنی کو قبرستان میں ہی میں خرچ کرنا چاہئے، ہاں البتہ اگر قبرستان کو اس آمدنی کی ضرورت نہیں ہے، تو قبرستان کے ذمہ داروں کے متفقہ مشورہ سے دینی مدرسہ پر اس پیسہ کو خرچ کرنا جائز ہے۔

حطب نبت فی المقبرة ثمنه يصرف في مصالح المقبرة . (تاتار خانية، زكريا٣/ ٧٦، رقم: ٣٧٥١)

سوال کے پہلے جز میں مذکورہ چیزوں سے روکنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، بالخصوص قبرستان کے ذمہ دار حضرات کو ان پر روک لگانی چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۷/۸ھ

قبرستان کو راستہ اور کھلیان بنانا

سوال: [۸۳۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک قبرستان ہے جس میں پہلے سے راستہ نہیں تھا، بعد میں راستہ بناد یا گیا، اور جب قبروں کے نشانات ختم ہو چکے، تو اس کو کھلیان بنالیا گیا، جس میں دونی بھی ہوتی ہے، اب اس صورت میں قبرستان سے گذرنا اور دونی کرنیکا شرعا کیا حکم ہے؟

المستفتي: نظام الدین، گورکھپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان کو راستہ بنا کر گذرنا اور کھلیان بنا کر اسمیں دونی وغیرہ کرنا سب ناجائز ہے ایسا کرنے والے سب گناہ گار رہوں گے مسلمانوں پر ضروری ہے کہ ایسی حرکتوں سے لوگوں کی روک تھام کریں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۲۰، ۷/ ۱۲۴، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۰۸، ۵۱۷)

عن أبي سعيد الخدري رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه الخ. (السنن الكبرىٰ للبيهقى، الغصب، باب نصرة المظلوم، دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ١٥٨، رقم: ١١٥١٣)

ويكره أن يبنىٰ على القبر أو يقعد أوينام عليه أو يوطأ عليه الخ.

(فتاوىٰ عالمگيرى، كتاب الصلوٰة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس

فی القبر والدفن زکریا قدیم ۱/۱٦٦، جدید ۱/۲۲۷، بدائع الصنائع ، قبیل فصل فی الشهیدقدیم ۱/۳۲۰، جدید زکریا ۲/٦٥)

فعلى هذا ماذكره أصحابنا في كتبهم من أن وطء القبور حرام الخ.

(شامی، باب صلوٰۃ الجنائز، قبیل مطلب فی وضع الجرید و نحو الأس علی القبور، کوئٹہ ۱/٦٦۱، کراچی ۲/۲٤٥، زکریا ۳/۱٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۔۔/۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۹۴)

قبرستان میں گاڑیاں چلانا، گھر بنانا، کرکٹ وغیرہ کھیلنا

سوال: [۸۳۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کیا قبرستان میں ٹرک اسکوٹر سائیکل رکشہ چلایا جاسکتا ہے؟

(۲) کیا قبرستان میں قبروں پر دوکانیں بنوا کر سودا فروخت کیا جاسکتا ہے؟

(۳) کیا قبروں پر رہنے کیلئے مکان تعمیر کیا جاسکتا ہے؟

(۴) قبروں پر کھیل کود کرکٹ وغیرہ کھیلا جاسکتا ہے؟

(۵) قبروں پر بیٹھ کر کچھ لوگ دنیاوی باتیں کرتے رہتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(۶) قبروں پر گھروں کا گندا کوڑا اینٹ روڑا وغیرہ ڈالدیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

(۷) قبروں پر جانور باندھ دیتے ہیں، وہ جانور گوبر قبروں پر کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں؟ عین نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد انیس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) قبرستان میں ٹرک اسکوٹر یا سائیکل رکشہ وغیرہ چلانا یا اس کو گذرگاہ بنانا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/۱۲۳، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۱۲)

وسئل هو أيضا عن المقبرة فى القرىٰ إذا اندرست ، ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم ولا غيره هل تجوز زراعتها واستغلالها؟ قال: لا ، ولها حكم المقبرة. (تاتارخانية ، زكريا ١٨٩/٨ ، رقم: ١١٦٠٠ ، هنديه زكريا قديم ٤٧٠/٢ ، ٤٧١ ، جديد ٤١٦/٢)

(٢) قبروں پر دوکانیں بنوانا اور وہاں خرید وفروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱۲۰/۷، جدید زکریا مطول ۵۰۸/۱۰، امداد الفتاویٰ ۵۷۹/۲)

ولايجوز لأهل القرية الانتفاع بالمقبرة الخ. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل فى احكام المساجد ، كوئٹه ٢٥٤/٥ ، زكريا ٤٢٦/٥ ،)

(۳) قبرستان کی زمین میں مکان تعمیر کرنا جائز نہیں ۔ (احسن الفتاویٰ ۴۲۴/۶، امداد الفتاویٰ ۵۷۹/۲)

الموقوفة فيحرم فيها البناء مطلقاً الخ. (كتاب الفقه ٥٣٠/١)

(۴-۵) قبروں پر کھیل کود کرنا اور ان پر بیٹھ کر دنیاوی باتیں کرنا مکروہ ہے۔

(۶-۷) قبروں کا احترام کرنا ضروری ہے، وہاں گندگی کوڑا کرکٹ وغیرہ ڈالنا اور جانوروں کو باندھنا ناجائز اور حرام ہے۔ (کفایت المفتی قدیم ۱۲۶/۷، جدید زکریا ۵۱۸/۱۰)

ويكره القعود والنوم على القبر ويحرم البول والغائط ونحوهما. (كتاب الفقه على المذاهب الاربعة، دارالكتب العلمية بيروت ٥٣٦/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۸۱۰/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۵/۱۱ھ

قبرستان میں ٹریکٹر ٹرالی کے ذریعہ سے مٹی کا بھراؤ کرنا

سوال: [۸۳۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبرستان ہے، جس میں موسم برسات میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے، اور اس کے بعض حصہ میں قبریں ہیں، بعض میں نہیں، لهٰذا منتظمہ کمیٹی نے قبرستان کی اصلاح کیلئے مٹی ڈال کر بھراؤ کا کام شروع کر دیا ہے، مٹی بذریعہ ٹریکٹر ٹرالی اندر قبرستان میں لائی جاتی ہے، جس پر بعض لوگوں کو اعتراض ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح مٹی لانا درست ہے، یا نہیں؟ جو صورت بھی ہو رہنمائی فرمائیں؟

المستفتي: منتظمہ کمیٹی، موقوفہ قبرستان، دھامپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان میں مٹی لیجانے کی اگر کوئی اور صورت ممکن نہ ہو تو ٹریکٹر ٹرالی کے ذریعہ قبرستان میں مٹی لیجانے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ ایسی جگہ سے ٹرالی گذارنی چاہئے، جہاں قبریں نہ ہوں یا قبریں نمایاں نہ ہوں۔

لايوطأ القبر إلا لضرورة. (شامی، الصلوٰة، باب صلوٰة الجنازة، مطلب فی الاهداء ثواب القراءة للنبی صلی الله علیه وسلم، کراچی ٢/ ٢٤٥، زکریا ٣/ ١٥٤)

إذا بلي الميت وصار ترابا يجوز زرعه والبناء عليه ومقتضاه جواز المشي فوقه. (شامی، کراچی ٢/ ٢٤٥، زکریا٣/ ١٥٥، هندیه، زکریا قدیم ١/ ١٦٧، جدید ١/ ٢٢٨)

وإذا خربت القبور فلا بأس بتطيينها. (تاتار خانیة، زکریا ٣/ ٧٢، رقم: ٣٧٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۸۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۲/۱۴۳۱ھ

قبرستان کی صفائی کیلئے ٹریکٹر چلوانا

سوال: [٨٣٨١]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک پرانا قبرستان ہے، جس میں فی الحال تدفین نہیں ہورہی ہے، وہ قبرستان اونچا نیچا ہے، اور جھاڑ پھوس بہت جنگل کی طرح ہے، لوگوں کا مشورہ ہے کہ اس کی صفائی کیلئے اس میں ٹریکٹر چلوا دیا جائے، تو شرعاً اس میں ٹریکٹر چلانا تاکہ قبرستان برابر ہوجائے، اور صفائی ہوجائے، جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: شمشاد عالم قاسمی، امام جامع مسجد،
محلّہ: خانپور، بارہ بستی، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر قبرستان میں جھاڑ پھوس وغیرہ ہوتو ان کو کاٹ کر صاف کرنا بلاتردد جائز ہے، لیکن جبکہ وہاں قبریں موجود ہیں تو ٹریکٹر کے ذریعہ قبروں کو روند کر صاف اور ہموار کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ ممنوع اور ناجائز ہے، کیونکہ اس سے قبرستان کی بے حرمتی اور توہین ہوگی، البتہ مزدوروں کے ذریعہ قبروں کے احترام کیساتھ ساتھ قبرستان کی صفائی کرائی جاسکتی ہے۔

عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها، وأن توطأ. (سنن الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في كراهية تجصيص القبور، النسخة الهندية ١/٢٠٣، دارالسلام رقم: ١٠٥٨)

ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل (إلىٰ قوله) لا يمشى لأنه يجب تعظيم قبر المسلم. (تاتارخانية زكريا ٣/٧٣، رقم: ٣٧٤٠، شامي، باب صلوٰة الجنائز، مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم، كراچی ٢/٢٤٥، زكريا٣/١٥٤)

فلو كان فيها حشيش يحش ويرسل إلى الدواب ولا ترسل الدواب فيها كذا في البحر الرائق. (هنديه، كتاب الوقف، الباب الثانى عشر فى الرباطات والمقابر الخ، زكريا قديم ۲/ ۴۷۱، جديد ۲/ ۴۱۶، البحرالرائق، فصل فى أحكام المسجد، كوئٹه ۵/ ۲۵۴، زكريا ۵/ ۴۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۱/ ۱۴۲۵ھ

قبرستان میں کوڑا کرکٹ ڈالنا اور چار پائی لگا کر مجلس قائم کرنا

سوال: [۸۳۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان جاری ہے، کوڑا کرکٹ ڈالنا چار پارئیاں ڈال کر بیٹھنا یا ایسے ہی بیٹھ کر فحش گوئیوں میں مشغول ہونا بچوں کا کرکٹ وغیرہ کھیلنا یا ٹریکٹر ٹرالی وغیرہ کو قبرستان میں کسی کام کے لئے لے جانا یا کھڑا کرنا جانوروں کا بے مہار اس میں گھومنا، یہ اعمال کیسے ہیں؟ اوران کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: ارشاد احمد، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان میں کوڑا ڈالنا، چار پائیاں ڈال کر بیٹھنا، کھیل تماشہ اور خرافات کرنا سب ناجائز اور سخت گناہ ہے۔

أن وطء القبور حرام وكذا النوم عليها ليس كما ينبغي الخ. (شامی، باب صلوٰة الجنازة، قبيل مطلب فى وضع الجريد على القبور، كراچى ۲/ ۲۴۵، زكريا ۳/ ۱۵۵)

ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل أو يقعد عليه أويقضى عليه حاجته. (تاتارخانية، زكريا ۳/ ۷۳، رقم: ۳۷۴۰)

لايجوز لأهل القرية الانتفاع بالمقبرة. (البحرالرائق، فصل فى أحكام

المسجد ، کوئٹه ٥/ ٢٥٤، زکریا ٥/ ٤٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠ محرم الحرام ١٤١٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/ ٥٥٩٠)

قبرستان میں کھانا کھلانا کیسا ہے؟

سوال: [٨٣٨٣]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں میت کے ورثاء کے کہے بغیر اخوت و بھائی چارگی کے سبب گاؤں کے لوگ قبر کھودنے کا کام انجام دیتے ہیں، اور میت کے ورثاء اس کے لئے ناشتہ کا انتظام کرتے ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ قبرستان میں کھانا کھلانا کیسا ہے، چونکہ غیر مسلم بھی اس طرح نعش لے جانے کے بعد کھانے کا نظم کرتے ہیں، ان سے تشبہ ہونے کی بناء پر جائز ہے یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟ بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد عیاض، بانکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبر کھودنے والا اگر کام کر کے تھک جائے، اور اس کو کھانے کی ضرورت پیش آجائے تو قبرستان سے باہر آکر آبادی میں چاہے اپنے پیسہ سے کھائے یا دوسرا آدمی اسے کھلا دے، تو اس کی گنجائش ہے لیکن یہ کام قبرستان میں نہیں ہونا چاہئے، اور فقہاء نے ایسے موقع پر قبرستان میں کھانے پینے کو مکروہ لکھا ہے، اور اگر میت کے گھر والے ہی کھانا کھلاتے ہیں، تو قبرستان میں نہ کھلائیں بلکہ آبادی میں میت کے گھر میں کسی دوسرے کے گھر میں کھلائیں۔

ويكره نقل الطعام إلى القبر في المواسم – إلىٰ قوله – وهذهِ الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها ، لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ .

(شامی، الصلاة ، باب صلوٰة الجنازة ، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت ، کراچی ۲/ ۲٤٠، زکریا ۳/ ١٤٨، حاشیة الطحطاوی علی المراقی ، دارالکتاب دیوبند/٦١٧، فتاویٰ بزازیه ، جدید زکریا ١/ ٥٤، وعلی هامش الهندیة ، زکریا ٤/ ٨١)

ویکره کل مالم یعهد من السنة . (شامی، کراچی ۲/ ۲٤٥،زکریا ٤/ ١٥٣، فتح القدیر ، قبیل باب الشهید ،کوئٹه ٢/ ١٠٢، زکریا ٢/ ١٥٠) **فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۷۷/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۷/۱۴۳۳ھ

قبرستان کی جھاڑیوں کو ہیرو ہل سے صاف کرنے کا حکم

سوال: [۸۳۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبرستان تقریباً چودہ بیگہ کا ہے، اس کے کچھ حصے ایسے ہیں، جس میں تدفین کا سلسلہ جاری ہے، اور کچھ حصے ایسے ہیں جس میں تیس چالیس سال سے کوئی تدفین کا علم ہم لوگوں کو نہیں ہے، اور پورے قبرستان میں جھاڑیاں بہت پیدا ہوگئی ہیں، اور ان جھاڑیوں کی وجہ سے پورے قبرستان میں بہت سانپ پیدا ہو گئے ہیں، اور لوگ قبرستان میں تدفین کے لئے جانے سے ڈرتے ہیں، اور سانپ کا حال یہ ہے کہ بجائے انسانوں سے بھاگنے کے انسانوں کا پیچھا کرتے ہیں، اس لئے خاص طور پر رات کے وقت میں تدفین کے لئے کوئی بھی ہمت نہیں کرتا لوگوں کو ہر وقت سانپ کا خطرہ رہتا ہے، اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں، کہ ان جھاڑیوں کو کاٹ کر کے قبرستان کو صاف ستھرا کریں، اور جدھر قبریں موجود ہیں، ادھر مزدور لگا کر کے صاف کردیا جائے، اور جن حصوں پر کوئی قبر نہیں ہے، ان حصوں پر ہیرو ہل چلا کر جھاڑیوں اور گھاسوں کو ختم کردیں، تو ایسا کرنے میں شریعت کی طرف سے اجازت ہے یا نہیں؟ حکم شرعی سے واضح فرمائیں؟

المستفتي: محمد اسلم ضیاء الحسن، بھوڑ سرکوئی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ قبرستان کے جس حصہ میں کوئی قبر نمایاں نہیں ہے، اور سانپ کے خطرہ سے تدفین کے لئے جانے والوں کو چلنے پھرنے میں خطرہ ہے، تو اس حصہ پر ہیرو ہل چلا کر جھاڑیوں کو ختم کر کے صاف ستھرا کر دینا شرعاً جائز اور درست ہے، اور جس حصہ میں تدفین کا سلسلہ جاری ہے، اور اس میں بھی جھاڑیوں میں سانپ کی وجہ سے تدفین کے لئے جانے والوں کو خطرہ ہے، تو اس حصہ میں مزدور لگا کر قبرستان کو صاف ستھرا کر دینا جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ قبرستان کا اصل مقصد تدفین ہے، اور جھاڑیوں کے سانپ تدفین میں شرکت کرنے والوں کے لئے رکاوٹ بنے ہوئے ہیں؛ لہٰذا تمام جھاڑیوں کو صاف کر کے قبرستان کو بے خطر بنا دینا بلا تردد جائز اور درست ہے۔

ولما بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره وزرعه. (البحرالرائق، کتاب الجنائز، قبیل باب صلاة، الشهید، کوئٹه ۲/۳٤۲، زکریا ۲/۳٤۲، هندیه، زکریا قدیم ۱/۱٦۷، جدید ۱/۲۲۸، شامی، کراچی ۲/۲٤٥، زکریا ۳/۱٥٥)

کانت الشجرة نبتت بنفسها فحکمها یکون للقاضی: إن رأی قلعها وبیعها وإنفاقها علی المقبرة جاز له ذلک. (الموسوعة الفقهیة ۳۸/۳٤۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍۷؍۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹؍۱۰۱۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۳۱ھ

۲/ الفصل الثانی: فی المصارف

زیر ملکیت قبرستان میں دوکان بنا کر آمدنی مسجد میں لگانا

سوال: [۸۳۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد مغلوں والی واقع محلّہ مغلپورہ مرادآباد کے جملہ انتظام زید کے آباء واجداد کرتے چلے آئے ہیں، اور اب جہاں تک ممکن ہوتا ہے، زید اپنے بزرگوں کی تعمیر کردہ مسجد کے اخراجات کے ضمن میں اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں، مسجد مذکورہ کے چاروں طرف زید کا خاندانی قبرستان ہے، جس کے ایک حصہ میں زید کے علم کے مطابق کبھی کوئی قبر نہیں بنائی گئی، تو قبرستان کی مذکورہ آراضی میں کرایہ حاصل کرنے کی غرض سے کوئی عمارت دوکان وغیرہ تعمیر کی جاسکتی ہے اور کیا اس عمارت دوکان وغیرہ کی آمدنی (کرایہ) مسجد مذکورہ کے اخراجات میں صرف کرسکتے ہیں؟

المستفتي: احسان یابیگ، مغلپورہ اول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مذکورہ قبرستان زید کے باپ دادا کی ملکیت ہے، تو مذکورہ ملحقہ زمین میں دوکان بنا کر مسجد کی آمدنی کی فراہمی کی گنجائش ہے، اور اگر قبرستان ملکیت کا نہیں ہے، بلکہ عام مسلمانوں کے لئے موقوفہ ہے تو جائز نہیں ہے۔
(مستفاد: کفایت المفتی ۷/۱۲۲)

المـالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء .
(بیضاوی شریف، مکتبه رشید ۱/۷)

ومن اختلاف الجهة ماإذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنىٰ والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوىٰ . (شامی،

الوقف ، مطلب فی نقل انقاض المسجدو نحوہ ، زکریا ٦/٥٥١ ، کراچی ٤/٣٦١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱/۴۷ ۳۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۲۱ھ

قبرستان کی آمدنی کے لئے پختہ قبروں کوتوڑکر دوکانیں بنانا

سوال: [۸۳۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی پختہ قبروں کوتوڑکران پرقبرستان کی آمدنی کے لئے دوکانیں یا دیگر تعمیرات کرنا جائز ہے یانہیں؟ عوام اس توڑ پھوڑ کو پسند نہیں کرتے ہیں، قبرستان کے تنگ ہونے کا بھی خطرہ ہے؟ جواب دیں؟

المستفتی: بہار حسین انصاری، محلّہ عبداللہ
محلّہ: باڑہ، بلاری، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تازہ ترین قبروں کومسمار کرکے ان پرکسی بھی طرح کی تعمیر کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اس سے میت کی توہین لازم آتی ہے، حدیث شریف میں اس پرممانعت وارد ہوئی ہے، نیز قبرستان مردوں کی تدفین کے لئے وقف ہوتا ہے، اس کی تمام زمین کو دفن کے کام میں استعمال کرنا ضروری ہے، اس کے علاوہ دیگرامور میں استعمال کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، لہٰذا مسئولہ صورت میں قبرستان میں قبروں کومسمار کرکے دوکانیں یادیگر تعمیرات کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، بااثر اورذمہ دارلوگوں پراس کی حفاظت کی ذمہ داری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۸/ ۱۷۹، جدید زکریا ۹/ ۶۰)

عن عائشة أن رسول الله ﷺ قال: كسر عظم الميت ككسره حياً.

(سنن ابن ماجه ، باب فی النهی عن کسر عظام المیت ، النسخة الهندیة ١/١١٦،

دارالسلام رقم: ۱۶۱٦، سنن أبی داؤد، باب فی الحفار یجد العظم هل ینتکب ذلك المكان؟ النسخة الهندية ٢/٤٥٨، دارالسلام رقم: ٣٢٠٧)

قال الطيبي فيه اشارة إلىٰ أنه لا يهان الميت كما لا يهان الحي.

(مرقات شرح مشكوٰة، مكتبه امداديه ملتان ٤/٧٩)

انهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة زكريا ٦/٦٦٥، كراچي ٤/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۰۸/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۷/۶ھ

گورے غریباں کی قبر کی جگہ دینے کے روپئے لینا

سوال: [۸۳۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبرستان جس کا نام گور غریباں ہے وہ زمانۂ قدیم سے غریبوں کے لئے عام تھا، لیکن چند اشخاص نے چند سالوں سے اس قبرستان میں قبر کی جگہ کی قیمت ۱۵۰/روپیہ لینا شروع کر دیا ہے، اور قبر کھدائی والا قبر کھدائی کے ۱۵۰/روپیہ فی قبر لیتا ہے، اور میت کی چادر اور جوڑا لیتا ہے، اور قبر کھدائی اس کے علاوہ دوسرے شخص سے نہیں کرا سکتے، تو یہ سب پیسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: نعیم اللہ، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: اگر مذکورہ قبرستان وقف کا ہے، اور سوالنامہ سے یہی واضح ہوتا ہے، کہ قبرستان وقف کا ہے، تو اس میں دفن کے لئے جگہ کی قیمت وصول کرنا شرعی طور پر جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ قیمت وصول کرنے میں غرض واقف کی مخالفت لازم آتی

ہے، اور وقف میں واقف کی غرض کی رعایت کرنا واجب ہوتا ہے۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/محرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۱۵ھ

قبرستان کے فنڈ سے برتن خرید کر کرائے پر دینا

سوال: [۸۳۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبرستان عام ہے، جس کا تعلق صرف ایک موضع سے ہے، دوسری کسی بھی بستی کا اس قبرستان پر کوئی حق حاصل نہیں ہے، اور اس قبرستان میں کچھ پیڑ وغیرہ لگے ہیں، اور ان پیڑوں کو فروخت کرنے پر اس قبرستان کو ۲۷/ہزار روپیہ کی آمدنی آئی ہے، اور آگے بھی قبرستان کو آمدنی کی توقع ہے، لیکن اس کو اس قبرستان پر بظاہر خرچ کرنے کی ضرورت نہیں، اس بستی کے لوگ یہ چاہتے ہیں، کہ شادی بیاہ یا دیگر تقریبات میں مسلمانوں کو برتن کی ضرورت ہوتی ہے، تو لوگ شہر جاکر کرایہ پر منگواتے ہیں، اس قبرستان کی رقم سے قبرستان ہی کی طرف سے برتن منگوالیا جائے، اور پھر جو حضرات بھی اپنی تقریبات میں اس برتن کو استعمال کریں باضابطہ ان سے کرایہ لیا جائے، جو قبرستان کے فنڈ میں جمع رہے، از روئے شرع جائز ہو تو اجازت عطا فرمائیں تاکہ بستی کے مسلمانوں کو فائدہ ہو دوسری زحمت سے بچ سکیں؟ مفصل ومدلل بیان فرمائیں؟ نوازش وکرم ہوگا؟

المستفتي: ننھے پہلوان منصوری،
موضع ہرگن پور، ضلع: بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر برتن خرید کر کرایہ پر دینے کا مقصد قبرستان کی آمدنی میں اضافہ اور ترقی ہے تو ایسا عمل جائز اور درست ہے، جیسا کہ درمختار کی عبارت سے یہی مستفاد ہوتا ہے، کہ مصالح وقف کے لئے اس طرح آمدنی بڑھانا جائز ہے۔

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه أي المسجد جاز الخ. (درمختار، الوقف، مطلب في أحكام المسجد، زكريا ٦/٥٤٧، كراچی ٤/٣٥٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/٢٠٢، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٤، مصری قديم ١/٧٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۱۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۴/۱۴۱۳ھ

قبرستان کی گھاس بٹائی پر دینا

سوال: [۸۳۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی گھاس وغیرہ کو بٹائی پر دینا کیسا ہے، کہ گھاس ہونے کی وجہ سے میت کو دفن کرنے میں دشواری ہوتی ہے، اور جانور کا اندیشہ بھی ہوتا ہے؟

المستفتي: رضوان علی، اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کی گھاس وغیرہ بٹائی پر دینا جائز ہے، اور اس کی آمدنی کو مصارف قبرستان میں صرف کیا جائے، غرباء ومساکین کی تجہیز وتکفین میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

قال في الاسعاف ولو كان في أرض الوقف شجر فدفعه معاملة بالنصف مثلاً جاز. (الشامي، الوقف، مطلب استاجروا داراً فيها أشجار، زكريا ٦/٦٤٨، ٦٤٩، كراچی ٤/٤٣٣)

الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لايصرف وإنه صحيح ولكن يشترى به مستغلا للمسجد. (هندية، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به، الفصل الثاني، زكريا جديد ٢/٤١٤، قديم ٢/٤٦٣، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/١٣٨، رقم: ١١٣٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٩؍صفر المظفر ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/٤٦٦٨)

قبرستان کی آمدنی کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟

سوال: [٨٣٩٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی آمد (گھاس درخت) کی رقم سے قبرستان یا نماز جنازہ کی جگہ کی حد بندی کرنا، مسہری تخت بنانا، غیر مسلم کو کفن دینا، نیز غریب مسلمان لڑکی کی شادی اور غریبوں کی دیگر ضروریات پر خرچ کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: محی الدین، انجمن
رہنمائے ملت، پارسمنی، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کی آمدنی کو سوال میں مذکور مصارف میں سے کسی بھی مصرف میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ یہ وقف کی چیز ہے، اس لئے اسی وقف میں خرچ ہونی چاہئے، ہاں اگر پورے قبرستان کی حد بندی کی ضرورت ہو تو اس میں بھی خرچ کیا جا سکتا ہے، اگر اس قبرستان کو بالکل ضرورت نہ ہو تو قریبی کسی قبرستان میں یا مسجد میں اس کی آمدنی لگا دی جائے۔

وفي شرح الملتقیٰ يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامي، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٦/٥٤٩، كراچی ٤/٣٥٩، الموسوعة

الفقهية الكويتية ٤٤/ ١٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴؍۶۱۲۴)

قبرستان کی خودرو گھاس کی آمدنی مسجد میں لگانا

سوال: [۸۳۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں گھاس جو کہ اپنے آپ پیدا ہوتی ہے، اس کی دیکھ بھال کرنے کے بعد فروخت کی جاتی ہے، اور اس پیسہ کو مسجد میں لگایا جاتا ہے، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اور پیسہ لوگ بطور قرض لے کر اپنے کام میں بھی لاتے ہیں؟

المستفتي: محمد صادالدین، نوریٹہ، سہرسا، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: موقوفہ قبرستان کی آمدنی قبرستان کے علاوہ کسی اور جگہ لگانا جائز نہیں ہے، ہاں اگر اس قبرستان میں بالکل ضرورت نہ ہو تو پھر اس کے قریب ترین مسجد یا مدرسہ میں لگا سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۳۰۶)

قال بعضهم الذى فيها لا يصرف القاضى الفاضل من وقف المسجد (إلىٰ قوله) قيل ويعارضه مافى الإمام قاضيخان فى أن الناظر له صرف فاضل الوقف إلىٰ جهات البر بحسب مايراه. (حاشيه حموى مع الأشباه قديم ١/ ١٦٠)

نیز قبرستان کی رقم بطور قرض دینے کی گنجائش نہیں ہے۔

أما المال الموقوف على المسجد الجامع إن لم تكن للمسجد حاجة للحال فللقاضى أن تصرف فى ذلك لكن على وجه القرض. (هندية، الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، ومايتعلق به ذكريا قديم ٢/ ٤٦٤، جديد ٢/ ٤١٤، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ٩/ ١٥٤، رقم: ١١٤٥٢، الفتاوىٰ التاتار خانية، زكريا

۱۹۹/۸، رقم: ۱۱۶۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۲۰ھ

قبرستان کی لکڑیوں سے مسجد کا پانی گرم کرنا

سوال: [۸۳۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک سرکاری قبرستان ہے، اس میں ایک صاحب نے اس غرض سے درخت لگا دیئے کہ قبرستان میں سایہ رہے گا، اب درخت لگانے والے کا تو انتقال ہوگیا اور درخت کافی پرانے ہوچکے ہیں، بعض مرتبہ ان کی شاخیں خود ٹوٹ کر گر جاتی ہیں، یا کاٹ کر اس کی لکڑی مسجد میں پانی گرم کرنے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ قبرستان کے چاروں طرف آبادی ہے، اس میں باونڈری کی بھی ضرورت نہیں تو ایسے حالات میں اس قبرستان کے درختوں کی لکڑیاں کاٹ کر سردیوں میں مسجد میں پانی گرم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: محمد یوسف، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کے درخت کی لکڑیوں کو سردیوں میں مسجد میں پانی گرم کرنے کے لئے جلانا جائز نہیں ہے، اگر قبرستان کو ضرورت نہیں تو دوسرے قبرستان کے مصرف میں اس کا پیسہ خرچ کیا جائے، اور اگر یہ بھی نہیں ہے، تو لکڑیوں کو فروخت کر کے مسجد کی تعمیر ومرمت اور امام مؤذن کی تنخواہوں میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے، نیز مسجد کی ملکیت کے پیسہ سے لکڑیاں جلانے کے لئے خریدنا بھی جائز نہیں، ہاں اس مد کے لئے مستقل چندہ کیا جائے تو جائز ہے۔

لایجوز لأهل القریة الانتفاع بالمقبرة الدائرة فلو کان فیها

حشيش يحش. (البحر الرائق، الوقف، فصل في احكام المسجد، زكريا ۵/۴۲۶، كوئٹه ۵/۲۵۴)

وإن استغنى عن حصر المسجد وخشبه وحشيشه نقل إلىٰ مسجد آخر عند أبي يوسف وقال بعضهم يباع ويصرف فى مصالح المساجد ولا يجوز صرف نقضه إلىٰ عمارة البئر لأنها ليست من جنس المسجدالخ.

(الجوهرة النيرة، امداديه ملتان ۲/۲۱، دارالكتاب ديوبند ۲/۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۸۹۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱/۲۸ھ

قبرستان کی رقم مسجد میں لگانا

سوال: [۸۳۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی رقم مسجد میں لگانا بوجہ یہ کہ مسجد کی چھت گرنے والی ہے، اور قبرستان کی آمدنی کے علاوہ کوئی اور آمدنی نہیں ہے، اور نہ ہی لوگوں کے پاس اتنی وسعت ہے کہ وہ اس سے اس کی تعمیر کرالیں، جس کی بناء پر لوگ چاہتے ہیں، کہ قبرستان کی رقم مسجد کی مرمت میں لگادی جائے، تو اس کا لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد فاروق، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: موقوفہ قبرستان کی رقم مسجد کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر قبرستان میں کوئی ضرورت نہ ہوتو مسجد کی شدید ضرورت کی صورت میں اہل محلّہ کے باہمی مشورہ سے قبرستان کی زائد رقوم مسجد میں لگانے کی گنجائش ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۳۰۶، ڈابھیل ۱۵/ ۳۷۱)

شرط الواقف كنص الشارع. (الاشباه والنظائر قديم /۱۷۰)

وأما الاستبدال ولو للمساكين بدون الشرط فلا يملكه إلا القاضي. (الدر المختار مع الشامي، الوقف، مطلب في اشتراط الإدخال والإخراج، زكريا ٦/٥٨٥، كراچی ٤/٣٨٦)

لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، داراحياء التراث العربي ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، تحت رقم الحديث/٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

قبرستان کی آمدنی مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۳۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں تمام گاؤں والوں کا ایک قبرستان ہے جس میں چند سال قبل لوگوں کے باہم مشورہ سے درخت لگائے گئے تھے، اور یہ طے ہوا تھا، کہ ان درختوں سے جو بھی نفع حاصل ہوگا، وہ دینی امور میں صرف کیا جائے گا، چنانچہ جب اس قبرستان کے درخت تیار ہو گئے، تو ان کو کاٹ کر فروخت کر دیا گیا، اور قبرستان کمیٹی نے اس رقم میں سے کچھ حصہ گاؤں کی ایک مسجد میں لگا دیا اور اب بھی تقریباً پچاس ہزار روپیہ کی رقم گاؤں کی دوسری مسجد میں لگانا چاہتی ہے، تو گاؤں والے یہ کہہ رہے ہیں، کہ قبرستان کی آمدنی کو مسجد وغیرہ میں نہیں لگایا جا سکتا ہے، جس کی وجہ سے لوگوں میں اختلاف ہو رہا ہے، اس لئے وضاحت فرما دیں کہ قبرستان کی آمدنی مسجد میں لگائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور پہلے جو آمدنی مسجد میں

لگائی جاچکی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد امین، سیتاپور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کی آمدنی کا پیسہ اگر قبرستان میں ضرورت نہیں ہے، تو کمیٹی اور ذمہ داروں کے مشورہ سے قریب کی مسجد میں لگانا جائز اور درست ہے، اور اگر قریب والی مسجد کی ضرورت پوری ہوگئی ہے، تو دوسری مسجد میں بھی لگانا جائز ہے، لہٰذا پہلی مسجد میں جو لگا یا گیا ہے، وہ درست ہے، اور آئندہ جو دوسری مسجد میں لگانے کا پروگرام ہے وہ بھی درست ہے۔

وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر إليه وتحته يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامی، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٦/٥٤٩، كراچی ٤/٣٥٩)

في مجموع النوازل: سئل نجم الدين عن أشجار فی مقبرة هل يجوز صرفها فی عمارة المسجد قال: نعم إن لم يكن وقفاً على وجه آخر. (تاتارخانية، زكريا ٨/١٩٤، رقم: ١١٦١٧، هنديه زكريا جديد ٢/٤١٨، قديم ٢/٤٧٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٨/٣٤٩، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ٩/١٤٩، رقم: ١١٤٣٤)

وإن غرس للمسجد لايجوز صرفها إلا إلىٰ مصالح المسجد الأهم، فالأهم كسائر الوقف وكذا إن لم يعلم غرض الغارس ومقتضاه فی البيت الموقوف إذا لم يعرف الشرط ان يأخذه المتولی لبيعها ويصرفها فی مصالح الوقف. (البحرالرائق، الوقف زكريا ٥/٣٤٢، كوئٹه ٥/٢٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۸۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۱۴ھ

قبرستان کی آمدنی مسجد کو بطور قرض دینا

سوال: [۸۳۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا قبرستان کی آمدنی کو بطور قرض مسجد کو دے سکتے ہیں؟

المستفتي: رضوان علی، اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ قبرستان کی آمدنی کو جبکہ قبرستان کو کسی قسم کی ضرورت نہ ہو اور قرضہ دینے میں آمدنی زیادہ محفوظ ہو مسجد کیلئے بطور قرض دے سکتے ہیں۔

أراد المتولی أن یقرض مافضل من غلة الوقف ذکر فی وصایا فتاویٰ أبی اللیث رحمه الله رجوت أن یکون ذلک وسعا إذاکان اصلح وأحرز للغلة من إمساک الغلة. (هندیة، الوقف، الباب الرابع عشر فی المتفرقات، زکریا جدید۲/۴۲۳، قدیم۲/۴۹۰، الفتاویٰ التاتار خانیة، زکریا۸/۲۰۹، رقم: ۱۱۶۶۱، المحیط البرهانی، المجلس العلمی۹/۱۶۵، رقم: ۱۱۴۹۰، ۱۱۴۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍صفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۶۶۸/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۱۹ھ

قبرستان کا پیسہ مسجد و مدرسہ میں لگانا

سوال: [۸۳۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک موقوفہ قبرستان ہے اس قبرستان کی ملکیت میں تقریباً دو بیگہ زمین ہے، اور وہ زمین

کرایہ پر دی جاتی ہے، کرایہ دار اس میں جانوروں کی کُٹی وغیرہ بوتا ہے، اور کبھی دھان گیہوں وغیرہ بھی بوتا ہے، کرایہ میں اس کا کافی پیسہ آتا ہے، اور قبرستان کے برابر میں اسکی دو کانیں ہیں، جس کی کافی آمدنی ہے، یہ تمام پیسہ قبرستان کا ہے، لیکن قبرستان کو اس پیسہ کی ضرورت نہیں، ایسی صورت میں یہ پیسہ اس گاؤں کے غریب مدارس میں خرچ کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ جس گاؤں میں یہ قبرستان ہے، نیز اس گاؤں میں مسجد بھی ہیں، تو قبرستان کے ذمہ داران اس پیسہ کو اس گاؤں کی غریب مسجدوں میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ شریعت کی رو سے جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: علیم الدین، جسپور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان کی مملوکہ زمین اور اس سے متعلقہ دوکانوں کی آمدنی کا پیسہ کثیر مقدار میں ہے، اور قبرستان کو ان پیسوں کی ضرورت نہیں ہے، تو ایسی صورت میں ان پیسوں کو قبرستان کی کمیٹی اور محلّہ کے سرپنچ اور ذمہ داروں کے مشورہ سے مساجد و مدارس میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۹۳، کفایت المفتی ۷/ ۲۷۵، جدید زکریا مطول ۱۰/۱۹۳)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنىٰ قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأسا وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها إذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، داراحياء التراث العربي ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، تحت رقم الحديث: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۶/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۶/۱۴۲۳ھ

قبرستان کے روپئے کو مسجد یا مکتب میں لگانا

سوال: [۸۳۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں والوں کا مشترکہ قبرستان ہے، جس میں درخت لگے ہوئے تھے، اب ان درختوں کو بیچ کر ان کی رقم کو بینک میں جمع کر دیا گیا ہے، گاؤں کے لوگ اس رقم کو مکتب میں لگانا چاہتے ہیں، اور اس کی کچھ رقم مسجد کی تعمیر میں خرچ کی جا چکی ہے، تو اس کا کیا حکم ہے، ان مصارف میں اس رقم کو خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: نیاز احمد، بسدہا، بسواں، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبرستان میں سردست رقم کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ آئندہ بھی اس کی ضرورت نہیں پڑے گی، تو اس رقم کو مسجد کی تعمیر میں لگانا بلاشبہ جائز ہے، اگر اس کے بعد کچھ پیسہ بچ گیا ہے، تو اس کو مکتب میں لگانا بھی جائز ہے۔

وسئل نجم الدين فی مقبرة فيها أشجار هل يجوز صرفها إلیٰ عمارة المسجد قال: نعم إن لم تكن وقفاً علی وجه آخر، قيل له: فان تداعت حيطان المقبرة إلی الخراب هل يصرف إليها أو إلیٰ المسجد ؟ قال : إلیٰ ما وقف عليه . (هنديه، الوقف، الباب الثاني عشر فی الرباطات ، والمقابر ،زكريا قديم ٢/٤٧٦، جديد٢/٤١٨، الفتاویٰ التاتارخانية ، كوئٹه ٥/٨٧٥، زكريا٨/١٩٤، رقم : ١١٦١٧، المحيط البرهانی ، المجلس العلمی ٩/١٤٩، رقم: ١١٤٣٤، الموسوعة الفقهية الكويتية٣٨/٣٤٩)

وما فضل من ريع الوقف واستغنی عنه فإنه يصرف فی نظير تلك

الجهة. (فقه السنة بيروت ۳/ ۵۲۹، مستفاد: انوار رحمت/ ۱۵۳) **فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۶ھ

قبرستان کے درختوں کی آمدنی مسجد کی تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا

سوال: [۸۳۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں لگائے گئے درختوں کی قیمت مسجد کی تعمیر اور غرباء ومساکین کی تدفین میں صرف کی جاسکتی ہے یانہیں؟ جبکہ لگائے گئے درختوں کی قیمت کے صرفہ کی تعیین لگاتے وقت نہ کی گئی ہو۔

المستفتی: عبداللہ قاسمی، ضلع: مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس کی قیمت اسی قبرستان کی چہاردیواری وغیرہ پر صرف کی جائے، لیکن اگر اس قبرستان کو ضرورت نہیں ہے، تو قریب ترین دوسرے قبرستان میں خرچ کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو تو مسجد کی ضرورت میں خرچ کرنا جائز ہے، جب مسجد میں خرچ کرسکتے ہیں، تو مساکین کی تدفین میں نہ خرچ کی جائے۔

فيقدم أولاً العمارة الضرورية ثم الأهم فالأهم من المصالح الخ.

(شامی، الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بماهو أقرب إليها، زكريا ٦/ ٥٦١، كراچی ٤/ ٣٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ شعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۴۵)

قبرستان کے درختوں کی آمدنی سے مدرسہ تعمیر کرنا

سوال: [۸۳۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں کے قبرستان میں کچھ درخت تھے، جنہیں گاؤں کے لوگوں نے سولہ ہزار دوسو روپیہ میں فروخت کردیا ہے، اور فی الحال اس گاؤں میں کوئی مدرسہ بھی نہیں ہے، اور بچوں کو تعلیم مسجد کے اندر دی جارہی ہے، تو کیا اس فروخت شدہ درخت کے روپئے سے مدرسہ تعمیر کیا جاسکتا ہے یانہیں؟ نیز اس گاؤں کے لوگ مدرس کی تنخواہ بھی نہیں دے پاتے ہیں، تو کیا اس روپیہ سے مدرس کی تنخواہ بھی دی جاسکتی ہے یانہیں؟

المستفتي: نثار احمد، بستوی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبرستان کی مذکورہ آمدنی کی قبرستان کوضرورت نہیں ہے، تو ایسی صورت میں مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں صرف کرنے کی گنجائش ہے، مگر مدرسین کی تنخواہ میں نہ دیکر تعمیر میں لگانا ہی بہتر وضروری ہوگا۔

وسئل نجم الدين في مقبرة فيها أشجار هل يجوز صرفها إلىٰ عمارة المسجد قال: نعم إن لم تكن وقفاً علی وجه آخر. (هنديه، الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات ………، زكريا قديم ٢/٤٧٦، جديد ٢/٤١٨، الفتاویٰ التاتارخانية ، زكريا ٨/١٩٤، رقم: ١١٦١٧، المحيط البرهاني ، المجلس العلمي ٩/١٤٩، رقم: ١١٤٣٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٨/٣٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲رشعبان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۶۳)

ضرورت مند قبرستان کی آمدنی مسجد ومدرسہ میں استعمال کرنا درست نہیں

سوال: [۸۴۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں قبرستان کے اندر درخت لگے تھے، جن کو فروخت کردیا گیا ہے، اور قبرستان میں چہار دیواری بھی نہیں ہے، اور اگر گاؤں کے ذمہ دار لوگوں سے چہار دیواری بنوانے کے لئے کہا جائے تو نہیں بنائیں گے، تو ایسے حالات میں مسجد یا مدرسہ میں رقم لگانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتي: سخاوت حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر قبرستان میں چہار دیواری کی ضرورت ہے تو اس پیسہ سے قبرستان کی چہار دیواری بنانا لازم ہے، اس میں خرچ نہ کر کے مسجد و مدرسہ میں لگانا جائز نہ ہوگا، اور اگر قبرستان کی ضرورت سے زائد رقم ہے تو اس کو مسجد یا مدرسہ میں لگانا جائز ہے۔

ويصرف وقفها لأقرب مجانس لها الخ. (شامی، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٦/٥٤٩، كراچی ٤/٣٥٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶ رمحرم ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۲۵)	۱۶/۱/۱۴۱۵ھ

قبرستان کی لکڑی مدرسہ میں صرف کرنا

سوال: [۸۴۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کے ضمن میں قبرستان ہے، اور مسجد ہی کے احاطہ میں مدرسہ بھی ہے، مسجد کے ذمہ داران بخوشی قبرستان کی لکڑیاں مدرسہ کو دینا چاہتے ہیں، مسجد کی آمدنی بہت زیادہ ہے، کیا قبرستان کی لکڑیاں مدرسہ میں استعمال کرسکتے ہیں؟

المستفتي: محمد یعقوب رشیدی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے صحن میں مدرسہ بھی ہے، اور قبرستان کو نہ ان لکڑیوں کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کی قیمت کی تو قبرستان کے ذمہ داران کی اجازت سے ان لکڑیوں کی قیمت کو مدرسہ میں استعمال کرسکتے ہیں۔

قال فی فقه السنة: وما فضل من ربح الوقف واستغنی عنه فإنه یصرف فی نظیر تلک الجهة کالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه صرف فی مسجد آخر لأن الواقف غرضه فی الجنس والجنس واحد فإن هذا الفاضل لاسبیل إلیٰ صرفه إلیه ولا إلیٰ تعطله فصرفه فی جنس المقصود أولیٰ وهو أقرب الطرق إلیٰ مقصود الواقف. (فقه السنة بیروت ٦/ ٥٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍ ۹۴۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۱ھ

قبرستان کی آمدنی کو امام یا معلم کی اجرت میں دینا

سوال: [۸۴۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کے گھر یا کسی سامان کو فروخت کر کے کسی امام یا کسی مدرسہ کے معلم کو اجرت یا روپئے پیسے دئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ تفصیل سے جواب دیں، نوازش ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ قبرستان کی آمدنی کو کسی امام یا معلم کی اجرت میں دینا درست نہیں ہے، بلکہ قبرستان ہی میں صرف کرنا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۰۶)

شرط الواقف کنص الشارع. (الاشباه والنظائر، قدیم / ۱۷۰، قواعد الفقه، اشرفی دیوبند/ ۸۵، رقم: ۱۵۲، الدر مع الرد، کراچی ٤/ ٤٣٣، زکریا ٦/ ٦٤٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۷/۵ھ

قبرستان کی کوئی چیز عیدگاہ میں لگانا

سوال: [۸۴۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی کوئی چیز عیدگاہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ جبکہ قبرستان ضرورت مند ہو؟

المستفتي: وصی الدین، ومسلمانان شہر میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب قبرستان ضرورت مند ہے تو قبرستان کی چیز عیدگاہ وغیرہ میں لگانا اور صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱/۲۸ھ

قبرستان میں پڑی ہوئی اینٹ قبرستان میں لگانا

سوال: [۸۴۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کے اندر جو قبر کی اینٹ پڑی ہیں، ان کو قبرستان کے کام میں لا سکتے ہیں کہ نہیں؟ مثلاً اس اینٹ سے گھیرا بندی یا مٹی بھروانا وغیرہ؟

المستفتي: محمد یونس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبر کی اینٹ سے مراد اگر دفن سے بچی ہوئی اینٹیں ہیں تو وارثین کی اجازت سے استعمال جائز ہے، بلا اجازت جائز نہیں؟

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه الخ. (قواعد الفقه، اشرفی /۱۱۰، رقم: ۲۷۰، شرح المجلة رستم اتحاد ۶۱/۱، رقم المادة: ۹۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۶۷۱/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۱۰ھ

واقف کا قبرستان کی آمدنی غریبوں پر خرچ کرنا

سوال: [۸۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ۱۰۰ ارگز زمین پر بانس لگائے، اور بانس کافی تعداد میں بڑھ رہے ہیں، اور زمین اور بانس قبرستان میں دے دیئے ہیں، اور کچھ بانس فروخت کر کے غریب کو دینا چاہتا ہوں، کیا دے سکتا ہوں یا نہیں؟ خلاصہ تفسیر فرمائیں؟

المستفتي: عبدالقیوم ٹھٹھیرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب آپ اپنی زمین و بانس قبرستان کے لئے دے چکے ہیں، اور دیتے وقت آپ نے تبدیلی کی شرط بھی نہیں لگائی ہے، تو اب ان میں سے کچھ بانس فروخت کر کے غریبوں پر تقسیم نہیں کر سکتے ہیں، ہاں اگر قبرستان میں کوئی ضرورت نہ ہو مثلاً حفاظت کے لئے چہار دیواری کی ضرورت نہ ہو یا آدمی رکھنے کی ضرورت نہ ہو وغیرہ

وغیرہ تو پھر باہمی مشورے سے کسی مدرسہ یا عیدگاہ یا غریبوں پر صرف کرسکتے ہیں، تاکہ آمدنی کی رقم ضائع نہ ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۳۰۶، ڈابھیل ۱۵/ ۳۷۰)

فإذا تم ولزم لايملک ولا يملک ولايعار ولايرهن (درمختار) ولا يملک أي لايكون مملوكاً لصاحبه ولا يملک أي لايقبل التمليک لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليک الخارج عن ملكه ولا يعار ولا يرهن لا قتضائهما الملک. (شامي، الوقف، زكريا ٦/ ٥٣٩، كراچی ٤/ ٣٥٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۶/ ۱۴۱۵ھ

مملوکہ قبرستان کے درخت کاٹ کر استعمال کرنا

سوال: [۸۴۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں جو بانس یا دیگر درخت ہیں اس کو کاٹ کر اپنے گھر میں لگانا یا بیچنا یا اور دیگر کام میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ قبرستان اپنی زمین میں نہیں ہے، اور اس میں کسی کی شرکت بھی نہیں ہے، قرآن وحدیث کے مطابق فیصلہ فرمائیں؟ آپ کا کرم ہوگا؟

المستفتي: معراج احمد، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان ملکیت کا ہے، اور اپنی ملکیت کے قبرستان کے درختوں کو کاٹ کر اپنے کام میں لانا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۱۱۵، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۱۵)

فإن كانت الأرض يعرف مالكها فالأشجار بأصلها للمالك يصنع بالأشجار وأصلها ماشاء الخ. (قاضی خان، الوقف، فصل فی الأشجار، زکریا

جدید۳/۲۱۷، ۲۱۸، وعلی هامش الهندية ۳/۳۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳؍رجب ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶؍۱۸۵۰)

اپنے وقف کردہ قبرستان کے درخت سے فائدہ اٹھانا

سوال: [۸۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی نے اپنے خاندان والوں کے لئے اپنے ذاتی کھیت میں قبرستان کے لئے جگہ چھوڑ رکھی ہے، اور آم جامن وغیرہ کے کچھ درخت پہلے سے لگا رکھے ہیں، اور اب وہ ان درختوں کو بیچ کر ان کی رقم اپنی دوا وغیرہ میں خرچ کرنا چاہتا ہے، تو کیا ان درختوں کو بیچ کر ان کی رقم کو علاج ومعالجہ میں خرچ کرسکتا ہے، عام حالت میں ان درختوں کی رقم کا کیا حکم ہے؟ او ربحالت مجبوری کیا حکم ہے؟ اور اگر خود خرچ نہ کر سکے تو کون سے مصرف میں خرچ کرنا چاہئے ؟ اور اگر خرچ کر چکا ہے تو کیا حکم ہے؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد نعیم، برا، بسواں، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ جگہ میں جو درخت قبرستان بنانے سے پہلے لگے ہوئے ہیں، آپ ان کو کاٹ کر اپنے استعمال میں بلا تکلف لا سکتے ہیں۔

مقبرة عليها أشجار عظيمة فهٰذا علىٰ وجهين إما إن كانت الأشجار نابتة قبل اتخاذ الأرض مقبرة، أو ينبت بعد اتخاذ الأرض مقبرة، ففي الوجه الأول، المسئلة على قسمين إما إن كانت الأرض مملوكة لها مالك أو كانت مواتا لامالك لها و اتخذ أهل القرية مقبرة، ففي القسم الأول الأشجار بأصلها على ملك رب الأرض يصنع بالأشجار وأصلها ماشاء وفي القسم الثاني الأشجار بأصلها على حالها القديم. (هندیه، الوقف، الباب

الثانی عشر فی الرباطات....... زکریا جدید۲/۴۱۷، ۴۱۸، قدیم ۲/۴۷۴، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱۴۷، رقم: ۱۱۴۲۳، الفتاویٰ التاتار خانیة، زکریا ۸/۱۹۲، رقم: ۱۱۶۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۵ھ

قبرستان میں کھیتی اور اس میں آمدنی کا حکم

سوال: [۸۴۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبرستان کی آراضی ہے جہاں تدفین نہیں ہوتی ہے، تو ایک صاحب اس نیت سے اس میں کھیتی کرنا چاہتے ہیں، کہ اس میں جھاڑ جھنکاڑ وغیرہ نہ ہو اور اس کھیتی سے حاصل ہونے والی آمدنی بوقت ضرورت قبرستان کی ضروریات میں صرف ہو تو کیا مذکورہ شخص کے لئے قبرستان کی آراضی میں کھیتی کرنا درست ہے؟

المستفتي: محمد سفیان قاسمی، لکھن پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان کے جس حصہ میں تدفین کا سلسلہ جاری ہے، اس حصہ میں کھیتی کرنا جائز نہیں ہے، اور جو حصہ تدفین اور قبروں سے بالکل خالی پڑا ہوا ہے، اس حصہ میں قبرستان کی تمام کمیٹی اور ذمہ داروں کے مشورہ اور رضامندی سے کھیتی کرنے کی گنجائش ہے، اس کی آمدنی قبرستان کی ضروریات میں خرچ کی جاسکتی ہے، اور اگر قبرستان کو ضرورت نہ ہو تو قریب کی مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت/۱۵۳)

ولو بلى الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه. (الفتاوى الهندية، كتاب الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن، جديد زكريا۱/۲۲۸، قديم ۱/۱۶۷، مثله فى الشامية ،زكريا ۳/۱۳۸، كراچى ۲/۲۳۳)

سئل نجم الدين في مقبرة فيها أشجار هل يجوز صرفها إلىٰ عمارة المسجد ؟ قال : نعم ! إن لم تكن وقفا على وجه آخر. (هنديه ، كتاب الوقف، قبيل الباب الثالث عشر فى الأوقاف التى لايستغنى ،جديد زكريا٢/٨ ٤١ ، قديم ٢/٦ ٤٧ ، مثله فى الخانية جديد زكريا ٣/٧ ٢١) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۳۰۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۲ھ